إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ۚ

جن لوگوں نے دین میں تفرقہ ڈالا اور ہو گئے مختلف گروہ، آپ کا ان سے ذرہ بھی تعلق نہیں ہے۔

مذہبِ شیعہ

از

حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین صاحب قدس سرہ العزیز

مع

تحفہ حسینیہ

اول

علامہ ابو الحسنات محمد اشرف السیالوی

اہل السنہ پبلی کیشنز
دینہ ضلع جہلم

إِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ۵

جن لوگوں نے دین میں تفرقہ پیدا کیا اور ہو گئے مختلف گروہ۔ آپ کا ان سے ذرہ بھی تعلق نہیں ہے۔

مذہبِ شیعہ

از

حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین صاحب قدس سرہٗ العزیز

مع

تحفہ حسینیہ

حصہ اول

علامہ ابو الحسنات محمد اشرف السیالوی

اہل السنۃ پبلی کیشنز دینہ ضلع جہلم

Marfat.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	تحفہ حسینیہ (جلداول)
مصنف	شیخ الحدیث علامہ محمد اشرف سیالوی
تزئین واہتمام	محمد ناصر الہاشمی
اشاعت	نومبر 2007ء
تعداد	1100
قیمت	200 روپے
ناشر	اہل السنہ پبلی کیشنز دینہ (جہلم)

ملنے کے پتے

جامعہ غوثیہ مہریہ منیر الاسلام کالج روڈ سرگودھا فون نمبر: 0451-724695

مکتبہ نوریہ رضویہ گلبرک اے فیصل آباد فون نمبر: 041-626046

فرید بک سٹال 38 اردو بازار لاہور فون نمبر: 042-7312173

مکتبہ جمال کرم دربار۔ گیٹ لاہور فون: 042-7324948

احمد بک کارپوریشن راولپنڈی فون نمبر: 051-5558320

مکتبہ الجاہد بھیرہ شریف فون نمبر: 048-6691763

شبیر برادرز زبیدہ سنٹر اردو بازار لاہور فون نمبر: 042-7246006

نوریہ رضویہ پبلی کیشنز 11 گنج بخش روڈ لاہور فون نمبر: 042-7313885

Marfat.com

فہرست مضامین تحفہ حسینیہ جلد اول

كلمة التقديم	13
رسالہ مذہب شیعہ اور ترتیب مضامین	16
علامہ محمد حسین ڈھکو کی امت میں افتراق وانتشار کی سعی مذموم	22
تحفہ حسینیہ کی وجہ تالیف اور وجہ تسمیہ	24,25
اعتذار مؤلف اور تحفہ حسینیہ کا اسلوب بیان	26,27
رسالہ مذہب شیعہ میں شیعی تقیہ کا بیان	30
شیعی عالم کی جوابی کارروائی، تقیہ اور اسلام	35
شیعی عالم کی جوابی کارروائی نفاق اور تقیہ کا فرق	36
شیعی علامہ کی فریب کاری کا بدترین نمونہ	38
* تقیہ کی تعریف میں غلطی اور محل نزاع	39
* شرعی طور پر معذورین کا بیان	40
* انسان بیش قیمت یا اس کا ایمان	44
* کیا لحم خنزیر کھانا ترقی درجات کا ضامن ہے؟	44
* کیا فربہ ہونے کے لئے لحم خنزیر کھانا جائز ہے؟	45
شیعی علامہ کا جواز تقیہ پر قرآنی سے استدلال	48
شیعی استدلال کا محل نزاع سے بے تعلق ہونا	50
تقیہ کا بطلان ارشادات مرتضویہ کے ساتھ	51
تقیہ کا بطلان امام حسینؓ کے عمل اور وصیت سے	53
تقیہ کا ابطال امام محمد باقر اور جعفر صادق کی وصیتوں سے	56
تقیہ کا ابطال شیعی اصول وقواعد کے ساتھ	57
تقیہ کا بطلان از روئے قرآن	58
تقیہ کا بطلان از روئے سنن انبیاء ورسل علیہم السلام	60

Marfat.com

تقیہ کا بطلان از روئے اجماع اہل اسلام	61
تقیہ کا بطلان از روئے قرآن	63
حضرت عمار کے کامل الایمان ہونے کا حقیقی سبب	64
علامہ ڈھکو صاحب کی غرابت استدلال اور انوکھی منطق	65
علامہ ڈھکو صاحب کی دوسری قرآنی دلیل جواز تقیہ پر	67
ابطال استدلال اور توضیح حقیقت	69
ڈھکو صاحب کی اپنے قول کی تردید	70
علمائے شیعہ کا تقیہ میں افراط اور تجاوز	71
سنی امام کے پیچھے از رہ تقیہ نماز پڑھنے کا ثواب	72
شیعہ کا جواز تقیہ پر استدلال سنت پیغمبر سے	74
تقیہ کا بطلان اور سنت پیغمبر کی حقیقت	75
حضرت علیؓ کے متعلق غلط فہمی کے ازالہ میں شیعی علامہ کی لغزش	78
شیعہ کا جواز تقیہ پر استدلال ابوذر کی کتمان دین کے لئے حکم نبوی سے	81
ابطال استدلال اور بیان حقیقت	81
جواز تقیہ پر استدلال حضرت معاذ کی حدیث سے	82
شیعی استدلال کا ابطال	83
شیعہ کے نزدیک تقیہ کا جواز اسوۂ انبیاء کی روشنی میں	84
ابطال استدلال اور توضیح حقیقت	85
تقیہ کا جواز بعض بزرگان دین کے عمل سے	91
ابطال استدلال اور اظہار حقیقت	92
اہل السنت کے نزدیک عند الضرورت جھوٹ بولنا واجب	94
مذہب اہل السنت کی وضاحت، صدق کی اہمیت حضرت علیؓ کے ہاں	95,96
شیعہ کی افتاد طبع اور کمزوری	97
شیعہ کے سچ بولنے اور تقیہ ترک کرنے کا وقت کونسا ہے	98

Marfat.com

ہم اہل السنت کا تقیہ اور شیعہ کا تقیہ 100
بعض منصف مزاج علمائے اہل السنت کا اقرار تقیہ 103
شیعی تقیہ کا کوئی سنی اقرار نہیں کر سکتا 103
شیعہ مذہب کے کتمان کا وجوب اور اس کے حلی اور الزامی جوابات از علامہ ڈھکو صاحب 104
شیعی توجیہات کی لغویت اور اظہار دین کی ممانعت 106
خلیفہ اول کے ترک تقیہ کا خوفناک انجام عند الشیعہ 112
خلیفہ اول کی حق گوئی اور اسوہ حسینی سے تائید 112
شیعی تقیہ کی حقیقت شیعہ کی زبانی 114
شیعہ فرقہ کی قدامت 114
شیعہ فرقہ ابن سبا کے نفاق کا نتیجہ ہے 115
حضرت علی کا فرمان سواد اعظم کا دامن تھامو 122
سواد اعظم صرف اہل السنت والجماعت ہیں 123
شیعہ کا دعویٰ کہ اہل السنۃ امیر معاویہ کا کاشتہ پودا ہیں 125
شیعی قول کی لغویت اور اہل السنت کی قدامت 126
اہل السنت والا مخصوص نام تجویز کرنے کی وجہ 129
ڈھکو صاحب کی انوکھی منطق 131
شیعہ کے نزدیک قرآن میں تحریف کے دلائل 135
تتمہ مبحث تحریف القرآن 139
تحریف قرآن کے متعلق مشائخ شیعہ کا عقیدہ 156
روایات تحریف کا مستفیض و متواتر ہونا 158
روایات تحریف کا کتب معتبرہ میں منقول ہونا 158
عقیدہ تحریف شیعہ مذہب کی ضرورت دینیہ ہے 159
شیعہ کے ہاں قرآن کا تحریف سے سالم رہنا محالات سے ہے 160
شیعہ کے نزدیک غیر امام کے لئے اصلی قرآن کا جمع کرنا ناممکن ہے 162

Marfat.com

اہل تشیع کا تحریف قرآن پر اجماع واتفاق	163
اس قرآن کے اصلی اور کامل ہونے کا دعوئ اور ارشادات ائمہ سے استشہاد	165
شیعی دعویٰ کی لغویت اور شہادات آئمہ سے مغالطہ دہی کی ناکام کوشش	166
شیعی علمائے اعلام کی تصریحات	173
شیعی علماء تین صدیوں سے زائد عرصہ تک عقیدہ تحریف پر متفق رہے	173
تین صدیوں کے بعد جن علماء نے تحریف کا انکار کیا ان پر شیعی علماء کی تنقید	177
علامہ ڈھکو صاحب قائلین تحریف کا شرعی حکم بیان کریں	179
بقول شیعہ بعض منصف مزاج سنی علماء کا اعتراف حقیقت	181
بعض سنی علماء سے توسل کی حقیقت	182
حضرت علیؓ کی طرف منسوب مصحف کی حقیقت	184
شیعی تاویلات کا رد بلیغ اور مصحف مرتضوی کی حقیقت	185
یہودیوں کی طرف سے انتقامی کارروائی	190
تاویل کے باوجود پرنالہ وہیں رہا	190
شیعہ اسی قرآن کو پڑھتے پڑھاتے اور تفسیریں لکھتے ہیں	191
شیعہ کے قرآن کو پڑھنے پڑھانے کی حقیقت	192
کیا تراویح بدعت عمر فاروق ہیں؟ شیعی الزام کا جواب	193
روایات موہم تحریف کے حلی جوابات	195
تحریف پر دال روایات کی تاویلات میں سینہ زوری	196
شیعی روایات کے الزامی جواب اور اہل السنت پر بہتان	202
شیعی الزام کا جواب اور محل نزاع کا تعین	203
حضرت ابن عمر اور دیگر صحابہ کرام کی طرف منسوب روایات کا جواب	208
قرآنی سورتوں میں کمی بیشی کی حقیقت	209
آیات قرآنیہ کی تعداد میں اختلاف کی حقیقی وجہ	220
صحابہ کرام کے فضائل کا بیان	

Marfat.com

صحابہ کے اخلاص پر شہادت عقل و خرد	222
فضائل صحابہ از روئے قرآن مجید	224
اصحاب بدر کے متعلق شہادت قرآن	227
اصحاب احد اور شہادت قرآن	229
غزوۂ خندق اور شہادت قرآن	232
معاہدہ حدیبیہ اور شہادت قرآن	232
غزوہ حنین اور شہادت قرآن	234
غزوۂ تبوک اور شہادت قرآن	235
اخلاص صحابہ پر تعامل نبوی کی شہادت	237
بدری صحابہ کے متعلق نبوی ارشادات اور شہادت	238
اہل حنین کے متعلق نبوی شہادت	242
کیا اصحاب ثلاثہ اسلام لانے میں مخلص تھے	243
شیعی الزام کا اجمالی جواب	243
ابو بکر صاحب کے اسلام لانے کا اصلی محرک	245
شیعی بہتان کا رد بلیغ اور وجوہ بطلان	246
اسلام عمر کی حقیقت	259
حضرت عمرؓ کا اخلاص اور ان کا مراد خداوند اور مراد رسول ہونا	260
اسلام عثمان کی ماہیت	266
فضائل عثمان اور شیعی بہتان کا رد بلیغ	267
کیا قول باری تعالیٰ جاهد الكفار و المنافقين کے بعد منافق ختم ہو گئے تھے	274
از روئے قرآن جو تعامل نبوی اہل ایمان و منافقین کا باہمی امتیاز	275
فضائل صحابہ کا اجمالی بیان قرآن مجید، احادیث رسول اور ارشادات آئمہ میں	285
شیعی علماء کی جوابی کارروائی خلاف قاعدہ و ضابطہ ہے	285
شیعہ کا اہل بیت کرام اور خلفاء ثلاثہ کے خوشگوار تعلقات کا انکار	290

Marfat.com

تعلقات کی ناخوشگواری ثابت کرنے میں دھاندلی	291
آئمہ اہل بیت کا بیان فرمودہ صحت روایات کا معیار	292
روایات میں تواتر کونسا معتبر ہے	297
شیعہ حضرات کی طرف سے ارشادات رسول وفرمودات آئمہ میں لفظی معنوی تحریف	298
امام جعفر صادق کے لئے تقیہ اور کتمان حق کا عدم جواز	304
تحریف کرنے والوں کی وجہ سے امام صادق کا اضطراب	306
معیار حقانیت وصداقت کتاب اللہ ہے یا وہ سنت جو اس کے موافق ہو	307
عدل وانصاف کے مختلف پیمانے	309
علامہ ڈھکو اور مولوی امیر الدین کا راہ اسلاف سے انحراف	310
فضائل صحابہ کرام از نہج البلاغہ اور قرآن تائیدات	313
تتمہ روایات نہج البلاغہ اور تائیدات قرآنی	318
شیخین کی فضیلت اور رد تقیہ	327
فضائل شیخین پر مشتمل روایات کی تاویل میں اہل تشیع کا اضطراب	331
حضرت علی نے اہل السنت کی معاونت حاصل کرنے اور اپنی خلافت کے تحفظ کے لئے مدح شیخین فرمائی	332
شیعی تاویلات کی لغویت مرتضوی ارشادات اور عمل کی روشنی میں	333
حضرات شیخین کی بالخصوص اور مہاجرین کی فضیلت کا بیان	342
صاحب کشف الغمہ کا غلو فی التشیع اور اہل السنت پر برہمی	354
شیعی علماء کا کشف الغمہ کے حوالہ جات پر تبصرہ	357
صاحب کشف الغمہ کا طرز نگارش حقیقت کے آئینہ میں	358
فضائل ثلاثہ بزبان امام زین العابدین از کشف الغمہ	361
شیعی عالم کی تاویل وتسویل کارد بلیغ	363
فضائل صدیق وفاروق بزبان امام زید بن زین العابدین رضی اللہ عنہما	367
حضرت زید کی شیخین کے لئے فداکاری اور جانثاری اور شیعہ کی ان کے ساتھ غداری	371

Marfat.com

ناسخ التواریخ کے حوالہ جات کی شیعی تاویلات کا ردبلیغ	375
رافضی کون تھے اور یہ لقب شیعہ کو کس نے دیا اور روافض کا شرعی حکم	382
فضیلت صدیق بزبان امام محمد باقر رضی اللہ عنہ	394
فرمان امام باقر میں شیعی تاویلات	397
شیعی تاویلات کا رد اور حقیقت حال کی وضاحت	398
فضیلت صدیق بزبان امام جعفر صادق، تتمہ روایت کشف الغمہ	403
شیعہ کی سرورِ عالم ﷺ کی شان میں بے حیائی	404
شیعی افراط و تفریط کا بیان	405
فضیلت شیخین بزبان امام جعفر صادقؓ از کتاب شافی	407
کتاب شافی کی روایات کے متعلق علامہ ڈھکو کا واویلا	409
حقیقت حال کی وضاحت اور فضیلت شیخین کا اعتراف	410
ارشادات مرتضویہ کے بارے میں اہل السنت اور شیعہ کا باہمی فرق	416
خلافت صدیقی کے دوران حضرت علیؓ کو بیعت کی پیشکش اور آپ کا رد عمل	424
بیعت کی پیشکش والی روایات پر اہل السنت اور اہل تشیع متفق ہیں	426
بیعت کی پیشکش جناب ابو سفیان کے علاوہ دیگر حضرات نے بھی کی تھی	427
شیخ الاسلامؒ کا ترجمہ صحیح ہے یا غلط؟	429
علامہ ڈھکو صاحب کی اپنی کتب مذہب سے لاعلمی	430
شیخ الطائفہ ابو جعفر طوسی کی تاویل اور اس کا رد	431
حضرت علی المرتضیٰ کا حضرت عمرؓ کے اعمال نامہ پر رشک	435
علامہ ڈھکو کی طرف سے روایتی اور درایتی سقم کا بیان	436
فاروقی اعمال نامہ پر رشک کی توثیق از روئے روایت و درایت	437
امام جعفر صادقؓ کے راویوں کا حال	441
شیعی درایت کی حقیقت	445
حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی مدح و ثنائے خلفائے ثلاثہ	454

Marfat.com

علامہ ڈھکو صاحب کی تاویلات اور ان کا رد بلیغ	456
امیر معاویہؓ کے دربار میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی طرف سے مدح مرتضیٰ	462
حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے حضرت عمر فاروقؓ کے ساتھ مکالمات کی حقیقت	464
حضرت عثمانؓ کا بطور سفیر رسول جانا اور دست رسول کا دست عثمان قرار پانا	469
غزوۂ تبوک کی تجہیز پر حضرت عثمانؓ کے لئے بشارات	473
چاہ رومہ کے وقف کرنے اور مسجد نبوی میں توسیع کرنے پر بشارات	475
دوران محاصرہ امام حسنؓ کا حضرت عثمانؓ کے لئے پہرہ دینا	477
حضرت علیؓ کا بلوائیوں کے خلاف جنگ کرنے کا اذن طلب کرنا	478
قاتلان عثمانؓ کے خلاف کارروائی کا حضرت علی مرتضیٰؓ کی طرف سے وعدہ	479
فضیلت شیخین بزبان امام ابو جعفر محمد بن علی رضا رضی اللہ عنہ	482
حضرت عائشہ صدیقہؓ کی فضیلت بزبان علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ	483
ام المومنین عائشہؓ اور احترام علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما	484
حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے متعلق حضرت علیؓ کے کلمات مدح وثنا	485
فرمان نبوی حربک حربی کا صحیح محمل اور حقیقی مفہوم	489
حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ کا رجوع	491
حضرت علی مرتضیٰؓ کا عمل و کردار اور خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم	494
علامہ محمد حسین ڈھکو کا حضرت علیؓ کی بیعت سے بے بنیاد انکار	496
شیعی مجتہد کی فریب کاریاں اور ثبوت بیعت	496
ابو بکر صدیقؓ کے ساتھ مرتضوی بیعت کا ثبوت از ناسخ التواریخ	499
حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ علی مرتضیٰؓ کی بیعت کا ثبوت از رجال کشی	503
حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ علی مرتضیٰؓ کی بیعت کا ثبوت از احتجاج طبرسی	503
حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ علی مرتضیٰؓ کی بیعت کا ثبوت از کتاب الروضہ للکافی	505
حضرت علیؓ کی ابو بکر صدیقؓ کے ساتھ بیعت کا ثبوت بطریق تو - جعفری	506

Marfat.com

حضرت علیؓ کی حضرت عمر فاروقؓ کے ساتھ بیعت	507
حضرت علیؓ کی حضرت عثمانؓ کے ساتھ بیعت	508
خلفاء ثلاثہ کے ساتھ بیعت کا ثبوت اور جامع خطبہ	509
فائدہ جلیلہ بیعت مرتضوی کا جذبہ محرکہ اور فضائل صحابہ کرام	514
عقیدہ مرتضویہ اور عقائد صحابہ کا باہمی توافق	516
خاصان مرتضٰی حضرت سلمان، عمار اور ابوذر وغیرہ کا تعامل	517
خوف اور تقیہ کے دعاوی کا بطلان بزبان علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ	524
حضرت علی مرتضٰیؓ کی ذاتی قوت و طاقت کا بیان	525
مدح شیخین بزبان علی مرتضٰیؓ و تلامذہ آنجناب	530
مرتضوی عساکر شیخین کی مخالفت برداشت نہیں کر سکتے تھے	535
حضرت علی مرتضٰیؓ کی طرف سے لشکریوں کی دلجوئی اور مدح شیخین	537
بقول شیعہ آئمہ اہل بیت کے حقیقی اعتقادات بحق خلفائے ثلاثہ	539
شیعی علماء کے روایات و بیانات کی حقیقت	539
خطبہ شقشقیہ کے تواتر لفظی کا انکار خود شیعی علماء کی زبانی	541
خطبۃ الوسیلہ کے موضوع ہونے پر قرائن و شواہد	545
شیعہ کا مسلم شریف کی دو روایات سے فرعومہ عقیدہ پر استشہاد	551
مسلم شریف کی پہلی روایت میں مغالطہ آفرینی کی ناکام سعی	552
بطور وراثت حضرت عباسؓ کی خلافت بلا فصل کا عقیدہ	554
مسلم شریف کی دوسری روایت میں شیعہ کی فریب کاری	555
شیعہ کی طرف سے دیانت و امانت کا خون	560
اصول اسلامیہ کے مطابق مدار استدلال اور شیعہ کی بے	561
کیا حضرت امیر اپنی خلافت کے آرزو مند رہے اور خلاف	
"حقائق و واقعات کے سراسر خلاف ہے"	

Marfat.com

کلمۃ التقدیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

اما بعد!

فأعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

رسول کرم نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف انتقال فرماتے وقت اپنے غلاموں کے لئے راہ نجات وفلاح اور صراط مستقیم اور طریق رشد بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

انی تارک فیکم ما ان تمسکتم بہ لن تضلوا بعدی احدھما اعظم من الآخر کتاب اللہ حبل ممدود من السماء إلی الأرض وعترتی اھل بیتی ولن یتفرقا حتی یردا علیّ الحوض فانظروا کیف تخلفونی فیھما۔

(ترمذی باب مناقب اہل بیت جلد ثانی ص ۲۱۹ وکذا فی التفسیر الصافی ص ۵ مقدمہ

میں تم میں دو ایسے قیمتی اثاثے چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ جب تک تم ان کے ساتھ وابستہ رہوگے ہرگز گمراہ نہیں ہوگے ان میں سے ایک دوسرے سے عظیم تر ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب جو آسمان سے زمین کی طرف لٹکائی ہوئی رسی (کی مانند) ہے اور دوسرا قیمتی اثاثہ میری عترت اور اہل بیت ہے۔ اور وہ دونوں ہرگز جدا نہیں ہوں گے۔ یہاں تک کہ مجھ پر روز قیامت آوارد ہوں گے۔ پس خیال رکھنا کہ تم ان دونوں میں کس طرح میرا حق نیابت وخلافت ادا کرتے ہو۔

یہ روایت انہی الفاظ کے ساتھ بھی اور قدرے اختلاف الفاظ کے باوجود

Marfat.com

معنوی اور مفہومی اتحاد و موافقت کے ساتھ اہل السنت اور اہل التشیع دونوں کی مستند کتابوں میں مروی و منقول بھی ہے اور مسلم و مقبول بھی۔ جس سے راہ ہدایت اور صراط مستقیم واضح ہو گیا کہ وہ مسلک اور مذہب، عقیدہ و نظریہ درست ہے جس پر کتاب اللہ اور اہل بیت کی مہر تصدیق ہو اور ہر وہ راہ و روش اور فکر و نتیجہ غلط اور باطل ہے جو اس تصدیق و تائید سے محروم ہو۔ لہٰذا متلاشیان حق و صداقت کے لیے اس امر کی تفتیش و جستجو اور تحقیق و تدقیق از بس ضروری تھی کہ اسلامی فرقوں میں سے کون سا فرقہ اس معیار صداقت پر پورا اترتا ہے اور کون سا فرقہ اس معیار پر پورا نہیں اترتا۔

حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الحق والملۃ والدین قدس سرہ العزیز نے بھی اسی فرمان صداقت نشان کو مد نظر رکھتے ہوئے اور اہل اسلام کی خیر خواہی اور بھلائی کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ رسالہ "مذہب شیعہ" تالیف فرمایا اور اس میں رشد و ہدایت اور فوز و فلاح کی ضامن اور گمراہی و ضلالت سے تحفظ اور سلامتی کی متکفل صورت ان کے سامنے رکھی اور اہل اسلام کے اختلاف و نزاع کو کم کرتے بلکہ ان میں باہمی اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کی سعی جمیل فرمائی اور شیعہ سنی کی صدیوں پرانی آویزش اور جنگ و جدال کو ختم کرنے کے لیے گویا ایک مصالحتی فارمولا فریقین کے سامنے رکھا اور اس آئینہ میں ہر ایک کو اپنے نظریہ کی حقیقی صورت دیکھنے کی دعوت دی۔

اس رسالہ کے مطالعہ سے قارئین کو معلوم ہو جاتا ہے کہ قرآن مجید اور اہل بیت کرام کا متفق علیہ راستہ کونسا ہے۔ اور یہ حقیقت روز روشن کی طرح کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ کہ اہل بیت کی طرف منسوب نظریات و عقائد میں سے صحیح اور برحق نظریہ و عقیدہ وہی ہو سکتا ہے جس کو قرآن مجید کی تائید اور موافقت حاصل ہے۔ اور جو قرآن مجید کے برخلاف اور برعکس ہے وہ ان پر بہتان ہے اور افتراء محض، نیز جس طرح قرآن ظاہر و باہر ہے اور ہر ایک کے سامنے کھلا ہوا ہے اسی طرح اہلبیت کا حقیقی مذہب بھی وہی ہو سکتا ہے جو انہوں نے علی رؤس الخلائق برملا بیان فرمایا جس کا محراب و مسجد اور منبر و مسند پر درس دیا اور ضرورت پڑنے پر جس کو تلواروں کی چھاؤں، تیروں کی بارش اور نیزوں کی نکیلی نوکوں کے سامنے بھی پوری جرأت و بیباکی کے ساتھ

Marfat.com

بیان فرمایا جس کو ہر مدعی اسلام نے بھی سنا اور اغیار نے بھی، جو کسی ایک فرقہ کے ذریعے نہیں بلکہ جملہ اہل اسلام کے تواتر کے ساتھ۔

ان سے مروی و منقول ہے اور جو

آئین جواں مردان حق گوئی و بے باکی

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

کی مکمل تفسیر اور عملی نمونہ ہے اور ان مقدس ہستیوں کی شان والا اور مقام بالا کے عین مطابق جو لوگوں کو صداقت و راست بازی، حق گوئی و بے باکی، جرأت و بسالت اور حریت فکر کا درس دینے کے لیے پیدا کئے گئے اور حق و صداقت اور صدق و سچائی کی خاطر جان کی بازی لگا دینے اور جام شہادت نوش کرنے کا سبق دینے کے لیے دنیا میں ظاہر کئے گئے قال تعالیٰ: کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر۔ الآیہ۔

اس کے برعکس خفیہ ذرائع اور راز دارانہ انداز میں چند مخصوص افراد کی زبانی منقول ہونے والا اور ائمہ کرام کی طرف منسوب کیا جانے والا مذہب و مسلک جو اس متواتر قطعی الثبوت، علانیہ اور مہر نیم روز کی طرح روشن نظریہ و عقیدہ کے مخالف و معاکس ہو اور قرآن مجید اور فرقان حمید کے بھی سراسر خلاف ہو وہ قطعاً ان مردان حریت آموز اور جوانان سیادت پناہ کا مذہب و مسلک نہیں ہو سکتا اور نہ ان کے حق میں قابل قبول اور لائق اعتماد و اعتبار، علی الخصوص جب کہ اس عقیدہ و نظریہ کے داعی حضرات کی کتب رجال میں ہی ان راویوں اور ناقلین کے متعلق کذاب و مفتری دجال وملعون اور یہود و مجوس بلکہ ان سے بھی بدتر ہونے کے فتاویٰ خود ائمہ کرام کی زبانی منقول ہوں اور ان لوگوں کے عقائد فاسدہ اور نظریات باطلہ سے ائمہ کرام براءت اور بیزاری کا اظہار کرتے نظر آئیں (جس کا مفصل بیان قارئین کی خدمت میں بعد میں پیش کیا جائے گا)، تو پھر اس کو مذہب اہل بیت کہنا قطعاً درست نہیں ہو سکتا۔

الغرض حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے شیعی کتب معتبرہ سے باحوالہ اور دلکش د

Marfat.com

دلپذیر انداز اور باوقار اسلوب بیان کے ساتھ انتہائی ناصحانہ اور مشفقانہ انداز میں، دل آزاری اور دلخراشی سے منزہ اور مبرا طرز نگارش کے ساتھ اہل بیت کرام کا اصلی اور حقیقی مذہب اور قرآن مجید کے ساتھ متحد و متفق نظریہ سپرد قلم فرما کر ملت اسلامیہ پر احسان عظیم فرمایا۔

ترتیب رسالہ "مذہب شیعہ" اور اس کے مضامین

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز کا بنیادی مقصد اہل بیت کرام اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے درمیان اخوت و محبت، ایک دوسرے کی تنظیم و تکریم، ادب و احترام اور باہمی مروت و رواداری کا بیان ہے۔ اور علی الخصوص ائمہ اہل بیت کی زبانی صحابہ کرام اور بالخصوص خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مدح و ثنا، تعریف و توصیف اور ان کے فضائل و مناقب کو بیان کرنا ہے اور ان میں باہمی بغض و عناد، دینی مخالفت و مخاصمت اور نظریاتی اختلاف و نزاع کی لغویت اور بطلان کو ظاہر کرنا ہے۔ اور خلافت خلفاء کی حقانیت و واقعیت کو ثابت کرنا اور خلافت مرتضویہ کی منصوصیت اور اس کی وصایت وغیرہ کے دعاوی کو باطل کرنا ہے اور یہی امور اس رسالے کا بنیادی مقصد اور اس کی روح رواں ہیں۔ ضمناً آپ نے ان امور کی حقیقت بھی واضح فرما دی جن کو خلافت خلفاء کے منافی سمجھا جاتا تھا۔ مثلاً حدیث منزلت، حدیث غدیر وغیرہ اور اسی ضمن میں مطاعن صحابہ میں سے اہم ذریعہ طعن و تشنیع فدک تھا۔ اس میں صدیقی موقف کی حقانیت کو اجاگر فرمایا جس کے بعد شکوک و شبہات کا گرد و غبار آفتاب حقیقت کے چہرہ سے ہٹ گیا۔ اور اوہام و وساوس کی سیاہ گھٹائیں صداقت کے مہر نیم روز کے آگے سے چھٹ گئیں اور کتاب اللہ اور عترت و اہل بیت کا اصلی مذہب و مسلک اور متحدہ و متفقہ نظریہ و عقیدہ ہر ایک منصف مزاج اور سلیم العقل مسلمان پر واضح اور روشن ہو گیا۔

Marfat.com

تحریف القرآن

معیار حقانیت اور برہان صداقت جیسے کہ عرض کیا جا چکا ہے ثقلین ہیں ۔ یعنی کتاب اللہ اور عترت رسول واہل بیت اور ان کی تعلیمات بھی ظاہر اور واضح ہیں تو پھر ۔ اختلاف کیوں؟ اور شیعہ وسنی تفریق اور نزاع واختلاف کا مقصد کیا؟ یہ سوال ہر شخص کر سکتا ہے اور کیا بھی جاتا ہے ۔ اس لئے شیعہ صاحبان کو گلو خلاصی اور چھٹکارے کی صرف یہی صورت نظر آئی کہ جس قرآن کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمسک کا حکم دیا تھا ۔ وہ قرآن ہی باقی نہ رہا اور اصحاب رسول علیہ السلام نے اس میں دل کھول کر ردو بدل اور تغییر وتحریف سے کام لیا اور اس دعوی کے اثبات میں بقول علامہ طبرسی نوری صاحب فصل الخطاب، دو ہزار سے زائد روایات اور نقول تیار کر لی گئیں ۔ اور یہ نظریہ ائمہ اہل بیت سے مستفیض بلکہ متواتر روایات سے منقول ہونے کا دعوی کر دیا گیا ۔ اور محدث تبحر نعمت اللہ الموسوی نے انوار النعمانیہ میں اس پر شیعہ کا اجماع نقل کیا اور ۱۱۱۲ھ تک صرف تین شیعی علماء کو مستثنیٰ کیا اور ان کے متعلق بھی بتلایا کہ انہوں نے انکار تحریف صرف زبانی اور ازروئے تقیہ کیا ہے تاکہ سنی لوگ یہ طعن وتشنیع نہ کر سکیں کہ جب اس کو درست تسلیم نہیں کرتے تو اس کی نمازیں تلاوت کیوں کرتے ہو اور اس سے احکام کا استنباط کیوں کرتے ہو ورنہ درحقیقت وہ بھی تحریف کے قائل ہیں اور خود انہوں نے اپنی کتابوں میں تحریف پر دلالت کرنے والی روایات نقل کی ہیں ۔

الثالث ان تسليم تواترها عن الوحي الالهي
وكون الكل قد نزل به الروح الامين
يفضي الى طرح الاخبار المستفيضة بل
بل المتواترة الدالة بصريحها على وقوع
التحريف في القرآن كلاما ومادة واعرابا
مع ان اصحابنا رضوان الله عليهم قد اطبقوا

Marfat.com

على صحتها والتصديق بها، نعم قد خالف فيها
المرتضى والصدوق والشيخ الطبرسي وحكموا بأن
مابين دفتي هذا المصحف هو القرآن المنزل
لاغير (الى) والظاهران هذا القول انما صدر منهم
لاجل مصالح كثيرة، منها سد باب الطعن عليها
بانه اذا جاز هذا فى القرآن فكيف جاز العمل
بقواعده واحكامه مع جواز لحوق التحريف لها
وسيأتي الجواب عن هذا كيف وهؤلاء الاعلام
رووا فى مؤلفاتهم اخبارا كثيرة تشتمل على وقوع
تلك الامور فى القرآن وان الاية هكذا انزلت ثم غيرت
الى هذا. (انوار نعمانیہ جلد ثانی ص ۳۵۷)

اور علامہ نعمت اللہ صاحب نے خود اس اشکال کا حل یہ نکال لیا کہ اصل قرآن کے ظاہر ہونے تک حکم الٰہ کے تحت اسی سے کام چلانے کی اجازت ہے اور جب اصلی قرآن ظاہر ہو گیا تو اس کو اٹھا لیا جائے گا اور اس پر عمل ممنوع ہو جائے گا۔

فان قلت كيف جاز القراءة فى هذا القرآن مع
ما لحقه من التغيير قلت قد روى فى الاخبار انهم
عليهم السلام امروا شيعتهم بقراءة هذا الموجود
من القرآن فى الصلوة وغيرها والعمل باحكامه حتى
يظهر مولانا صاحب الزمان فيرتفع هذا القرآن من
ايدى الناس الى السماء ويخرج القرآن الذى الفه امير
المؤمنين فيقرأ ويعمل باحكامه (انوار النعمانیہ جلد ثانی ص ۳۶۳)

الغرض اہل تشیع نے بحیثیت مجموعی موجودہ قرآن کو اصلی اور واجب العمل تسلیم کرنے اور اس کو معیار صداقت مدار ہدایت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اس طرح ثقل اکبر

Marfat.com

کی پابندی سے اپنے آپ کو بری الذمہ قرار دے لیا۔ اس مناسبت سے حضرت شیخ الاسلام نے مبحث تحریف کو ابتدائی اوراق میں ذکر فرمایا اور اس کی نوبت اور بطلان کے اظہر من الشمس ہونے کی وجہ سے اس کے ابطال پر زیادہ زور نہ دیا۔

نظریہ تقیہ کی ایجاد

جب اہل تشیع نے دیکھا کہ ہم نے قرآن مجید کی اطاعت واتباع سے خلاصی اور چھٹکارے کی جو صورت نکالی ہے وہ بالکل بے سود اور غیر مفید ہے کیونکہ اہل بیت کرام کا مذہب ومسلک اور ان کے ارشادات اور بیانات سراسر ہمارے خلاف ہیں اور ان کے ہوتے ہوئے ہمارے اس نظریہ وعقیدہ کی ترویج واشاعت ممکن نہیں ہے تو اس کا حل تقیہ کی صورت میں نکال لیا گیا کہ اہل بیت کرام اور بالخصوص حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہما خوف اعداء کی وجہ سے اصلی نظریہ وعقیدہ زبان پر نہیں لا سکتے تھے اور ہمیشہ تقیہ پر عمل پیرا رہے حتیٰ کہ حضرت امیر نے اپنے دور خلافت میں برسر منبر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے جو فضائل ومحامد ومدائح منقول ہیں وہ بھی اسی تقیہ پر مبنی ہیں اور اپنے حقیقی نظریہ کو چھپانے کے لیے، تاکہ مخالفین کو حقیقی نظریات کا پتہ چلنے پر لشکر میں افراتفری پیدا کرنے اور اسے آپ سے جدا کرنے اور آپ کے اکیلا اور بے یار ومددگار رہنا دینے کا موقعہ نہ مل سکے، اس لیے ان کے اس قسم کے خطبات اور ارشادات کا قطعاً کوئی اعتبار نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ سیاسی چال تھی یا جان بچانے کی کوشش۔ اس لیے حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے اس نظریہ کو بھی بیان فرمایا اور شیعہ صاحبان کے راہ ثقلین سے عدول کا جواز پیدا کرنے کی مذموم چال اور گھناؤنی سازش کا انکشاف کر کے حضرت امام حسین شہید کربلا اور شہید راہ وفا کے عمل سے اس بہتان وافتراء کے بخیئے ادھیڑ کر رکھ دیئے بلکہ اس کی دھجیاں اڑا کر رکھ دیں اور اہل بیت کے مقدس دامن سے اس گرد وغبار بلکہ غلاظت ونجاست کو صاف کر دیا۔

Marfat.com

شیعہ مذہب کا بانی

جب مدار ہدایت قرآن مجید اور اہل بیت تھے اور ان دونوں کو ناقابل اعتبار ٹھہرا دیا گیا اور ان کے علاوہ سرچشمۂ ہدایت اصحاب رسول تھے جن کے متعلق سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم" میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں۔ ان میں سے جس کی بھی اقتداء واتباع کرو گے ہدایت پالو گے (جس کو خود شیعی علماء نے بھی صحیح تسلیم کیا ہے۔ ملاحظہ ہو انوار نعمانیہ جلد اول صفحہ ۱) مگر ان کو بھی صرف چار کے استثناء کے ساتھ مرتد کہہ دیا گیا۔ نعوذ باللہ اور ان چار کو بھی تقیہ باز تسلیم کیا گیا اور اس طرح اسلام کی بنیاد و اساس اور اس کی صداقت کے مدار و معیار کو۔ العیاذ باللہ منہدم اور معدوم کرنا لازم آگیا جس کی جرأت کوئی حقیقی مسلمان کیونکر کر سکتا تھا اس لیے یہ کھوج لگانا ضروری تھا کہ اہل اسلام میں ان غلط اور خلاف حقیقت نو اور باطل نظریات کو داخل کرنے والا کون ہے؟ اور اہل بیت کی محبت و عقیدت کے دعووں کے پردہ میں پوشیدہ اور مستور پردگی کی حقیقت کیا ہے اس لیے حضرت شیخ الاسلام نے شیعی کتب سے ہی ثابت کیا کہ دراصل یہ یہودی سازش ہے اور عبداللہ بن سبا یہودی اس مکر و فریب کے جال کو بننے والا ہے اور آفتاب حقیقت کو اس عنکبوتی جالے سے چھپانے کی مذموم سعی کرنے والا ہے۔

قاتلان حسین کون ہے؟

ہر دعوی کی صحت و واقعیت کا اصلی معیار مدعی کا عمل و کردار ہوا کرتا ہے اس لیے مدعیان محبت و دوستی کے عمل و کردار کا اصلی نمونہ پیش کرنے کے لیے حضرت شیخ الاسلام نے بتلایا کہ امام مظلوم کو بلانے والے کون تھے اور پھر ان کے اور نونہالان گلستان زہراء کے خون سے ہاتھ رنگنے والے کون تھے تاکہ عمل و کردار کے آئینہ میں مدعی کا اصلی روپ اور حقیقی چہرہ سامنے آسکے اور عام اہل اسلام کو شکر چڑھے زہر سے بچانے کا اہتمام ہو سکے۔

Marfat.com

بعض فروعی مسائل

جب اس فرقہ کی حقیقت و ماہیت واضح ہو گئی اور جامع تعریف و کامل تصویر کا حق ادا ہو گیا تو بعض فروعی مسائل جو وجود خارجی کے مشخصات کا کام دینے والے تھے اور تعریف ماہیت کے بعد بیان خواص کے زمرے میں آتے تھے ان کو بیان فرما کر رسالہ کو ختم فرمایا۔

علامہ محمد حسین ڈھکو

۱۹۵۷ء میں تصنیف ہونے والے اس مختصر سے رسالہ کا جواب ۱۹۷۶ء میں "تنزیہ الامامیہ" کے نام سے علامہ محمد حسین ڈھکو صاحب کی قلم سے منصۂ ظہور پر آیا جس کی تصنیف و تالیف پر سولہ سال صرف ہوئے۔ خیال تھا کہ علامہ موصوف نے خوب داد تحقیق دی ہوگی اور حضرت شیخ الاسلام کے ہر حوالہ بلکہ ہر جملہ کا مکمل تحقیقی جواب دیا ہوگا مگر جب اس رسالے کا مطالعہ کیا تو یہ خیال سراسر سراب ثابت ہوا اور علامہ موصوف کے حجۃ الاسلام ہونے اور مجتہد العصر ہونے کا بھانڈا چوراہے میں پھوٹ گیا۔

۱۔ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز کی پیش کردہ آیات کو ہاتھ تک نہ لگایا۔

۲۔ نہج البلاغہ اور اس کی شروح اور ان کے علاوہ اکثر حوالوں کو اس طرح ہضم کیا کہ ڈکار تک نہ لیا۔

۳۔ بعض حوالہ جات کے انتہائی واضح ہونے اور کتاب کے اسی صفحہ پر مرقوم ہونے کے باوجود بڑی بے باکی سے کہہ دیا کہ یہ حوالہ نہ ملنا تھا اور نہ ملا حالانکہ ہم نے صرف محولہ جگہ نہیں بلکہ دوسرے متعلقہ مقامات بھی چھان مارے مگر اس کا سراغ نہ ملا۔

(۴) پھر اپنی تحقیق و تدقیق بیان کرنے کی بجائے ایک جگہ حکیم امیر دین کا بے سروپا اور مہمل طویل مقالہ در رسالہ نقل کر دیا اور بعض جگہ دوسری مناظرانہ کتب کی عبارات نقل

Marfat.com

کر دیں اور کہیں اپنی دوسری کتابوں سے ربط و تعلق کا لحاظ کیے بغیر عبارات نقل کر دیں اور یاں ہمہ بشکل ۲۴ صفحات پر مشتمل رسالہ معرض وجود میں آیا جب کہ اس میں حضرت شیخ الاسلام کے رسالہ کے اقتباسات بھی ہیں تو اس سے آپ علامہ ڈھکو صاحب کے اس جوابی رسالہ کی حیثیت کو پوری طرح سمجھ سکتے ہیں۔

۵۔ علاوہ ازیں رسالہ میں علامہ موصوف نے صرف شاعرانہ تخیلات اور خیالی پرواز اور کھوکھلے دعاوی کے ساتھ ساتھ نہایت غلیظ، گندی اور اخلاق سے گری ہوئی زبان استعمال کی جو صرف بازاری گنواروں کو ہی زیب دیتی ہے اور علماء و فضلاء بلکہ عام شرفاء بھی اس سے کوسوں دور رہنے میں ہی عافیت سمجھتے ہیں جس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ دلائل کے جواب سے عجز و ناتوانی نے علامہ موصوف کو یہ حربہ اختیار کرنے پر مجبور کیا کہاں شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز کا ادبی وقار لب و لہجہ، ناصحانہ اور مشفقانہ انداز بیان اور سراسر خیر خواہی اور بھلائی پر مبنی دردمندانہ دعوت غور و فکر اور کہاں یہ گالی گلوچ اور سوقیانہ و بازاری انداز تکلم! سچ ہے ۔

ہر فشاندنور و سگ عو عو کند!

علامہ موصوف کی اُمّت محمدیہ میں افتراق و انتشار کی سعی مذموم

بعض منصف مزاج شیعی علماء نے کہا ہے کہ شیعی طرق واسانید سے جو شکوے اور شکایات خلفاء ثلاثہ کے متعلق حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہیں اگر ان کا انکار بھی کر دیا جاوے تاکہ اہل اسلام میں صلح و آشتی پیدا ہو سکے اور ان سادات امت اور مقتدایان ملت کے متعلق باہمی اتحاد و اتفاق، رفق و مدارات اور احسان و مروت کے اثبات سے عوام اہل اسلام کے قلوب و اذہان میں اخوت اور بھائی چارے کے جذبات پیدا کئے جا سکیں تو یہ بہت اچھا مقصد اور مستحسن اقدام ہے چنانچہ علامہ ابن میثم نے

Marfat.com

شرح نہج البلاغہ میں اور صاحب درۃ نجفیہ نے بھی شرح نہج البلاغہ میں خطبہ شقشقیہ کے تحت انہیں خیالات کا یایں الفاظ اظہار کیا ہے۔

أما المنكرون لوقوع هذا الكلام منه عليه السلام فيحتمل انكارهو وجهين : احدهما ان يقصد وابذلك توطية العوام وتسكين خواطرهم عن اثارة الفتن والتعصبات الفاسدة ليستقيم امر الدين ويكون الكل على نهج واحد فيظهروا لهم انه لم يكن بين الصحابة الذين هم اشراف المسلمين وساداتهم خلاف ولا نزاع ليقتدى بحالهم من سمع ذلك وهذا مقصد حسن ونظر لطيف لو قصد (شرح ابن میثم جلد اول ص ۲۵۱ ، درۃ نجفیہ ص ۶۱)

لیکن جن لوگوں نے اس کلام موسوم بہ خطبہ شقشقیہ کے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صادر اور سرزد ہونے کا انکار کیا ہے تو ان کا انکار دو وجوہ کا احتمال رکھتا ہے اول یہ کہ ان کا مقصد عوام کو مطمئن کرنا اور ان کے دلوں میں تسکین پیدا کرنا اور انہیں فتنہ انگیزیوں اور تعصبات فاسدہ سے باز رکھنا ہے تاکہ امر دین درست اور استحکام پذیر ہو اور سب اہل اسلام ایک راہ پر گامزن ہوں اس لیے ان کے سامنے یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان جو امت کے سردار ہیں اور ان میں سے اشراف ان میں باہمی اختلاف و نزاع نہیں تھا تاکہ سننے والے بھی ان کی اقتداء و اتباع کریں اور یہ اچھا مقصد، لطیف نظر اور پاکیزہ سوچ ہے کاش کہ اس کا قصد کیا جاتا ہے

ایک طرف شیعی اکابر امت سے اختلاف و نزاع کو دور کرنے اور ان کے درمیان سے شر و فساد اور تعصبات فاسدہ دور کرنے کے لیے بقول علماء شیعہ بطریق تواتر ثابت خطبہ میں ایسے الفاظ کے انکار کو مقصد حسن اور نظر لطیف قرار دے رہے ہیں جو موجب اختلاف امت ہو اور باعث نزاع و انتشار مگر دوسری طرف علامہ ڈھکو صاحب

Marfat.com

ہیں کہ صحیح اور مستند روایات اور ارشادات ائمہ سے ثابت شدہ فضائل خلفاء کا دن دہاڑے انکار کر رہے ہیں اور پھر ایسا دلخراش انداز اور روح فرسا اسلوب بیان اور مقربان بارگاہ رسالت کے حق میں ایسی گستاخی و بے باکی کہ اس تحریر کو پڑھنے والا یہی محسوس کرتا ہے کہ یہ تحریر ان مقدس ہستیوں کے ہاتھوں گہرے زخم کھائے ہوئے کسی یہودی یا مجوسی کی ہے جو میدان کارزار میں ذلت آمیز شکست اٹھانے کے بعد زبانی سب دشتم کے ذریعے دل کی بھڑاس نکالنے پر تلا ہوا ہے نہ کہ کسی مدعی اسلام کی جو ان ہستیوں کی راہ خدا میں دی ہوئی قربانیوں سے واقف ہو اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے قریبی تعلق سے اور شجر اسلام کی آبیاری کر کے اسے اوج ثریا تک پہنچانے کا علم رکھتا ہو۔

الغرض علامہ موصوف نے امت میں افتراق و انتشار کی خلیج وسیع تر کرنے کی ناپاک سعی کی ہے جب کہ حضرت شیخ الاسلام کے سامنے امت کے اتحاد و اتفاق کا مقصد رفیع اور اہل اسلام کی یکجہتی، بھائی چارہ تھا اور یہ نیک مقصد اور مستحسن اقدام ہر مدعی اسلام کے دل کی دھڑکن تھا اور ان کے قلب و روح کی آواز مگر ابو سبائی ذہنیت کا جوہر ایسے اقدام اور تدبیر و اہتمام کو سبوتاژ کرنے پر ہر وقت کمربستہ ہے جو اہل اسلام میں وحدت فکر اور یگانگت پیدا کرنے کا موجب ہو اور سادات امت اور اشراف ملت کو اپنے خبث طینت سے مورد طعن و تشنیع بنا کر ابناء اسلام میں باہم سر پھٹول اور فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے کے درپے رہتی ہے۔

تحفہ حسینیہ

بہرحال علامہ ڈھکو صاحب کی یہ جوابی کوشش صرف کھسیانی بلی کے کھمبا نوچنے کی ناکام کوشش تھی اور ان کا یہ رسالہ گالی گلوچ، سب دشتم، گستاخی و بے باکی اور ڈھٹائی و بے حیائی پر مشتمل پلندہ تھا اور قطعاً اس قابل نہیں تھا کہ اکابرین اہل السنت

Marfat.com

اس کے جواب یا رد و قدح کی طرف التفات فرماتے چہ جائیکہ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ ، لیکن اس بے التفاتی کا ایک دوسرا نقصان وہ پہلو بھی تھا کہ علامہ موصوف اس کو اپنی لاجواب شاہکار تصنیف قرار دیتے اور جھوٹے دعوے کرتے اور شوخیوں و تعلیوں سے کام لیتے پھر اس رسالہ مذہب شیعہ کی تصنیف و تالیف میں بندہ کا بھی اس قدر حصہ تھا کہ حضور شیخ الاسلام بولتے جاتے تھے اور میں لکھتا جاتا تھا جب کہ دار العلوم ضیاء شمس الاسلام میں بحیثیت ایک طالب علم حاضر تھا اس لیے میں نے اپنا حق خدمت دوبارہ ادا کرنے کے لیے ڈھکو صاحب کے رسالہ کا رد لکھنے کا عزم مصمم کیا اور بحمدہ تعالیٰ مشائخ کرام اور اساتذہ کرام کی توجہات قلبیہ کا صدقہ صرف دو ماہ ستر دن کی قلیل مدت میں مبسوط کتاب لکھ کر تنزیہ الامامیہ کے اندر مندرج ہر کید و مکر کی پوری طرح قلعی کھول دی اور علامہ موصوف کی شوخیوں اور تعلیوں کی حقیقت اور بلند بانگ دعاوی کی حیثیت ناظرین کے سامنے مہر نیم روز کی طرح واضح کر دی ہے اور آفتاب نصف النہار کی مانند یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ ائمہ کرام کا حقیقی مذہب جو ان سے اہل اسلام کے تواتر کے ساتھ ثابت ہے اور جس پر ثقل اکبر قرآن مجید شاہد صادق اور دلیل ناطق ہے وہ صرف اور صرف اہل السنت والجماعت والا مذہب و عقیدہ ہی ہے جو کہ حضرت شیخ الاسلام کے رسالہ "مذہب شیعہ" کا حقیقی مقصد اور اصلی مدعا تھا نہ وہ جو ذاکر صاحبان شکم پروری زر اندوزی اور عوامی جذبات مشتعل کرنے کے لیے بیان کرتے ہیں یا ڈھکو صاحب جیسے شر انگیز حجۃ الاسلام ،

وجہ تسمیہ

جونکہ شیعہ صاحبان کو تحریف قرآن اور تقیہ کا سہارا لیے بغیر اپنا مدعا و مقصد اور نظریہ و عقیدہ ثابت کرنا ممکن نہیں ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر انہوں نے یہی بہتان باندھا کہ اصلی قرآن آپ نے تالیف فرمایا مگر صحابہ نے اس کو قبول نہ کیا تو آپ نے اس کو غائب کر دیا اور پھر دوران خلافت بھی وہ تقیہ پر قرار رہا اور اسی تحریف شدہ قرآن پر عمل پیرا رہے ،

Marfat.com

اور اپنے ضمیر کی آواز بلند نہ کر سکے اور خلفاء ثلاثہ کی سنت اور سیرت پر عمل کر کے وقت
گزارنے میں عافیت سمجھی جب امام حسین رضی اللہ عنہ نے میدان کربلا میں غریب الوطنی و مسافری
بے سروسامانی، بھوک و پیاس کی شدت، تو نہالوں کی شہادت اور رفقاء و خدام کے قتل
ہو جانے جیسے صبر آزما بلکہ دل دہلانے والے منظر کو دیکھتے ہوئے بھی تقیہ نہ کر کے اور
زمانہ سازی سے کام نہ لے کر اور یزیدی قوت کے سامنے سر تسلیم خم نہ کر کے شیر خدا کے
پر باندھ کر دہ اس افتراء و بہتان کو اپنی جوتی کی نوک سے ٹھکرا دیا اور یہ واضح کر دیا کہ ہم حق
کی خاطر کٹ تو سکتے ہیں مگر باطل کے سامنے نہ جھک سکتے ہیں اور نہ ہی از راہ زمانہ سازی
باطل کے ساتھ سازگاری اور موافقت ہی کر سکتے ہیں اور یہی سبق آپ نے اہل اسلام کو
میدان کربلا میں اپنے خون سے رقم کردہ انمٹ تحریر سے دیا کہ ہمیں قطعاً بزدل، ڈرپوک
اور تقیہ باز نہ سمجھنا اور یہ نہ تو میرے اسلاف کا مذہب ہے اور نہ ہی میرا مذہب ہے۔ اور
انشاء اللہ العزیز میرے خاندان کے غیور افراد بھی اسی راہ پر گامزن ہوں گے جس طرح کہ
میرے ساتھ والے میرے اعزہ اور گلستان زہراء کی مسکراتی کلیوں نے اور بوستان نبوی
کے مہکتے پھولوں نے بھی سر دھڑ کی بازی لگا دی مگر تقیہ نہ کیا اور زمانہ سازی سے کام نہ
لیا اور آپ کا یہی عمل اور آپ کے ساتھیوں کا یہی کردار شیر خدا رضی اللہ عنہ اور دیگر ائمہ
اہل بیت کے مذہب و مسلک اور نظریہ و عقیدہ کی تفسیر و تعبیر ہے اور یہی ہم اہل السنت
کا مذہب ہے۔ اسی سلسلے میں نے اپنی اس کتاب کو "تحفہ حسینیہ" کے نام سے موسوم کرنے
کی سعادت حاصل کی ہے اور مدعیان محبت و تولّی کو شہید کربلا امام حسین کے کردار و عمل
کا آئینہ دکھلایا ہے تاکہ ان کے قلب و جگر میں کہیں حقیقت پسندی اور حق بینی کا جوہر چھپا ہو
تو وہ ظاہر و آشکار ہو جائے وما ذلک علی اللہ بعزیز۔ ان ارید الا
الاصلاح وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

اعتذار مؤلف

علامہ ڈسکوی صاحب کے دلخراش و دلسوز اور صبر آزما انداز تحریر کے باوجود بندہ نے

Marfat.com

حتی المقدور اس قسم کے الفاظ استعمال کرنے سے گریز کیا ہے اور متانت و سنجیدگی کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دیا اور جواباً آں غزل کے انداز سے اجتناب کی مقدور بھر سعی کی ہے لیکن پھر بھی اگر کہیں شدت جذبات سے ایسا کوئی لفظ زبان قلم پہ یا لب قرطاس پر آ گیا ہو تو میں علامہ موصوف سے معذرت خواہ ہوں کیونکہ میرے ضمیر اور خمیر کا تقاضا یہی ہے کہ دانستہ اور عمداً کسی دشمن کی بھی دل آزاری نہ کی جائے نیز ہماری مجبوری بھی ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام اور بالخصوص خلفاء راشدین کی بھی بارگاہ میں کی جانے والی گستاخیوں اور بے ادبیوں کا ان مولوی صاحبان کو گالیاں دینے سے بدلہ پورا ہو نہیں سکتا اور جن کی طرف داری کے یہ دعویدار ہیں ان کی محبت و عقیدت ہمارا جزو دین اور رکن ایمان ہے بلکہ عین ایمان اور روح ایمان ہے ان کی گستاخی و بے ادبی کا ہم خواب میں بھی تصور اور خیال تک نہیں کر سکتے لہٰذا ہمارے لیے سوائے صبر و تحمل کے اور چارہ ہی کیا ہے۔ فافوض امری الی اللہ واللہ بصیر بالعباد!

تحفہ حسینیہ کا اسلوب بیان

سب سے پہلے حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کے رسالے کا متعلقہ حصہ حرف بحرف نقل کیا گیا ہے تاکہ مکمل رسالہ بھی اس تحفہ میں شامل ہو کر اس میں خیر و برکت کا موجب ہو پھر جہاں ضرورت محسوس ہوئی ہے اپنی طرف سے بطور تتمہ و تکملہ مزید حوالہ جات اور دلائل و براہین ذکر کئے ہیں بعد ازاں علامہ ڈھکو صاحب کے رسالہ "تنزیہ الامامیہ" کا متعلقہ حصہ انہیں کے الفاظ میں نقل کیا ہے مگر اختصار کے ساتھ اور بعد ازاں اس کا شق وار رد کر کے یہ فیصلہ ناظرین و قارئین پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ تحفہ حسینیہ کے مہر نیم روز کی تیز روشنی میں خود ہی بتلائیں کہ حق و صداقت کس طرف ہے اور دجل و فریب کس طرف۔

Marfat.com

اظہار تشکر

میں ضیاء ملت حضرت قبلہ پیر محمد کرم شاہ صاحب مد ظلہ العالی کا بہت ہی شکر گزار ہوں جنہوں نے ضیاء القرآن پبلیکیشنز جیسا عالی شان اور مفید ترین ادارہ قائم کر کے اہل السنت پر عظیم احسان فرمایا کہ جب بھی کوئی صاحب قلم کوئی کتاب اور رسالہ تالیف و تصنیف کرتا ہے تو اسے اس کی کتابت، طباعت اور اشاعت کے لیے فکر مند ہونے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں رہتی بلکہ یہ ادارہ اور اس کے اراکین اس بارگراں سے اس قلم کار کو سبکدوش کر دیتے ہیں بلکہ اس کی کاوش اور محنت کو اپنے حسن اہتمام سے چار چاند لگا کر افادہ عوام کیلئے مارکیٹ میں لے آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس ادارہ کے بانی اور سرپرست کو عمر خضر عطا فرمائے اور ان کے فیوض و برکات دائم و قائم رکھے اور اس ادارہ کو بھی دن دوگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے اور اس کے معاونین، اراکین اور خدام کو جزائے جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین!

Marfat.com

رسالہ مذہب شیعہ از حضرت شیخ الاسلام

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہٖ سَیِّدُ الْمُرْسَلِیْنَ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّابَعْدُ

آج کل خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی خلافتِ راشدہ کے انکار میں جس شور اور شر کے مظاہرے کیے جارہے ہیں اور اُمت مرحومہ کی آخرت تباہ کرنے اور اس دنیا میں افتراق وانشقاق اور فتنہ وفساد کی آگ مشتعل کرنے میں جو ہنگامے برپا کیے جارہے ہیں اور اس تمام فتنہ پردازی اور شر انگیزی پر پردہ ڈالنے کے لیے محبت و تولی اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کا دعویٰ کیا جاتا ہے اور آئمہ معصومین صادقین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اقتداء اور پیروی کا دم بھرا جاتا ہے اگر اہلِ بصیرت فرقہ اہلِ تشیع کے نظریات کا بغور مطالعہ کریں اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی اور سلفِ صالحین کے ایمانی جذبات اور ان کی محیر العقول اسلامی خدمات کی انجام دہی اور ان کی عقل وادراک سے بالاتر قربانیاں بھی مطالعہ کریں تو وہ حضرات نہایت آسانی کے ساتھ یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اہلِ تشیع کا نظریہ اور شریعتِ اسلامیہ کے درمیان مکمل مخالفت اور مناقضت کی نسبت ہے اور ان کا دعویٰ محبت اہلِ بیت کرام سراسر بلادلیل ہے مذہبِ شیعہ کی ابتداء کیسے ہوئی اور کب ہوئی تو اس کے متعلق انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ صفحات میں عرض کیا جائے گا۔

سردست یہ گذارش کرنا ہے کہ اہلِ تشیع نے اپنے مخصوص مذہب کی بنا ایسی روایات پر رکھی ہے جو انتہا درجہ محدود ہے کہ احادیث کے عینی شاہد یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جن کی تعداد تاریخ عالم کی رُو سے ڈیڑھ لاکھ کے قریب ہے اور بجز اہلِ تشیع کے

Marfat.com

باقی تمام اقوامِ عالم پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ ایمان لانے والوں کی تعداد اس سے کم نہیں بتاتے تو اس قدر تعداد میں سے صرف چار یا پانچ آدمی کی روایت قابلِ تسلیم اور باقی تمام کے تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی روایات ناقابلِ تسلیم یقین کرتے ہیں۔

دوسرا جن اصحاب سے اور اماموں سے روائتیں لینا جائز بتاتے ہیں ان کے متعلق اس ضروری عقیدہ کا دعویٰ کرتے ہیں کہ تقیہ اور کذب بیانی ان کا دین اور ایمان تھا (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)

تقیہ کا ثبوت اہلِ تشیع کی کُتب سے

چنانچہ اہلِ تشیع کی انتہا درجہ معتبر کتاب "کافی" مصنفہ (اہلِ تشیع کے مجتہد اعظم) ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی میں مستقل باب تقیہ کے لیے مخصوص ہے اور اس کو اصولِ دین میں شمار کرتے ہیں۔ نمونہ کے طور پر ایک دو روایتیں امام ابوعبداللہ جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب پیش کرتا ہوں۔

۱۔ عن ابن أبي عمير الاعجمي قال قال لي ابوعبد الله عليه السلام يا أبا عمير أن تسعة اعشار الدين في التقيه ولا دين لمن لا تقية له۔

یعنی حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ایک خاص شیعہ ابن ابی عمیر الاعجمی سے فرمایا کہ دین میں نوّے فیصدی تقیہ اور جھوٹ بولنا ضروری ہے اور فرمایا کہ جو تقیہ (جھوٹ) نہیں کرتا وہ بے دین ہے (باقی دس کی کسر بھی نہ رہی)

دیکھو اصولِ کافی صفحہ ۴۸۲ اور صفحہ ۴۸۳ پر بھی کثرت کے ساتھ روایات ہیں جن میں سے دو تین نمونہ کے طور پر پیش کرتا ہوں

Marfat.com

۲۔ عن ابی بصیر قال قال ابو عبد اللہ علیہ السلام التقیۃ من دین اللہ ؟ قلت من دین اللہ ؟ قال ای واللہ من دین اللہ۔

یعنی ابو بصیر جو امام عالی مقام امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا وزیر و مشیر تھا اور روایت میں اہل تشیع کا مرکز ہے کہتا ہے:

کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ تقیہ کرنا اللہ کا دین ہے میں نے عرض کیا کہ اللہ کا دین ہے ؟ تو امام صاحب نے فرمایا: اللہ کی قسم ہاں تقیہ (جھوٹ) اللہ کا دین ہے۔

۳۔ عن عبد اللہ ابن ابی یعفور عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال اتقوا علی دینکم واحجبوہ بالتقیۃ فانہ لا ایمان لمن لا تقیۃ لہ۔

یعنی ابن ابی یعفور جو امام عالی مقام صادق علیہ السلام کا ہر وقت کا حاضر باش تھا وہ کہتا ہے کہ:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: کہ تم اپنے مذہب پر خوف رکھو اور اس کو ہمیشہ جھوٹ اور تقیہ کے ساتھ چھپائے رکھو، کیونکہ جو تقیہ نہیں کرتا اس کا کوئی ایمان نہیں۔

اور صفحہ ۴۸۴ کی روایات میں سے بھی ایک دو روائتیں پیش کرتا ہوں

۴۔ عن معمر بن خلاد قال سئلت ابا الحسن علیہ السلام عن القیام للولاۃ فقال قال ابو جعفر علیہ السلام التقیۃ من دینی ودین آبائی ولا ایمان لمن لا تقیۃ لہ

یعنی حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خاص شیعہ معمر بن خلاد کہتا ہوں کہ میں نے امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ سے یہ مسئلہ دریافت کیا کہ ان کے امیروں اور حاکموں کے استقبال کے لیے کھڑا ہونا جائز ہے یا نہیں ؟ تو آپ نے فرمایا کہ امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ تقیہ کرنا

Marfat.com

میرا مذہب ہے اور میرے آباؤ اجداد کا دین ہے (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) اور جو تقیہ نہیں کرتا وہ بے دین ہے۔

اسی طرح اسی صفحہ پر محمد بن مروان اور ابن شہاب زہری کی روایتیں بھی قابل دید ہیں علیٰ ہذا القیاس صفحہ ۴۸۵ ، ۴۸۶ اور ۴۸۷ تمام کے تمام یہ صفحات تقیہ، مکروفریب اور کذب بیانی پر مشتمل روایات سے مملو ہیں۔

۵۔ صفحہ ۴۸۶ پر معلی بن الخنیس کی ایک روایت بھی یاد رکھیں، وہ کہتے ہیں:

عن معلی بن خنیس قال قال ابو عبد اللہ علیہ السلام یا معلی اکتم امرنا ولا تذعہ فانہ من کتم امرنا ولم یذعہ اعزہ اللہ بہ فی الدنیا وجعلہ نورا بین عینیہ فی الآخرۃ تقودہ الی الجنۃ یا معلی من اذاع امرنا ولم یکتمہ اذلہ اللہ بہ فی الدنیا ونزع النور من بین عینیہ فی الآخرۃ وجعلہ ظلمۃ تقودہ الی النار یا معلی ان التقیۃ من دینی ودین آبائی ولا دین لمن لا تقیۃ لہ

یعنی امام جعفر صادق صاحب کا شیعہ خاص اور امام صاحب موصوف سے کثیر الروایات معلی بن خنیس کہتا ہے کہ:

امام صاحب نے مجھے فرمایا کہ ہماری باتوں کو چھپاؤ اور ان کو مت ظاہر کرو کیونکہ جو شخص ہمارے دین کو چھپاتا ہے اور اس کو ظاہر نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ چھپانے کے سبب سے اس کو دنیا میں عزت دے گا، اور قیامت میں اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان ایک نور پیدا کرے گا جو سیدھا جنت کی طرف اس کو لے جائے گا۔ اے معلی! جو شخص بھی ہماری باتوں کو ظاہر کرے گا اور ان کو نہ چھپائے گا تو دنیا میں اللہ تعالیٰ اس سبب سے اس کو ذلیل کرے گا اور آخرت میں اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان سے نور کو سلب کر لیگا اور اس کے بجائے ظلمت اور اندھیرا بھر دے گا۔

Marfat.com

جو اس کو جہنم کی طرف لے جائے گا اے معلی تقیہ کرنا میرا دین ہے اور میرے آباؤ اجداد کا دین ہے۔ جو تقیہ نہیں کرتا وہ بے دین ہے۔

غرضیکہ ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر روایتیں ہیں کس کس کو لکھیں اور اہلِ تشیع کی جس کتاب کو دیکھیں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آئمہ صادقین و معصومین کی طرف حق کو چھپانے اور تقیہ و کذب بیانی پر مشتمل روایات منسوب کرنے کی غرض سے یہ کتاب تصنیف فرمائی گئی ہے۔ چونکہ کتاب "کافی" کلینی اہلِ تشیع کی تمام کتابوں کا منبع اور ماخذ ہے اور تمام کتابوں سے ان کے نزدیک انتہا درجہ معتبر ہے حتیٰ کہ اس کتاب کے شروع میں اسکی وجہ تسمیہ میں جلی حروف سے یہ لکھا ہوا ہے:

"قال امام العصر وحجة الله المنتظر علیه سلام الله الملك الاكبر فی حقه هٰذا كاف لشيعتنا"

یعنی اس کتاب کے متعلق امام حجۃ اللہ المنتظر مہدی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ہمارے شیعوں کے لیے یہی کتاب کافی ہے تو اسی لیے اس ضروری مسئلہ تقیہ و کتمانِ حق کے ثبوت میں اسی کافی کی روایات کو کافی سمجھتا ہوں دل تو یہی چاہتا ہے کہ ہر ایک کتاب سے بطور نمونہ ایک ایک روایت پیش کردوں مگر طوالت کے خوف سے اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

میں یہ کہہ رہا تھا کہ جن اصحاب سے روائتیں کرنا اہلِ تشیع جائز سمجھتے ہیں یا بتاتے ہیں ان کے متعلق کہتے ہیں کہ تقیہ اور کتمانِ حق ان کا عقیدہ تھا اب اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ ایک انتہا درجہ محب اور علمبردار تشیع جو نہی ان حضرات سے کوئی حدیث سنے گا اور کسی امر کا اظہار معلوم کریگا اس کے لیے یہ یقین کرنا ضروری ہے کہ صحیح اور حق بات قطعاً انھوں نے فرمائی ہی نہیں جو بھی ان سے روایت کی گئی ہے سراسر بے حقیقت اور واقعات کے خلاف ہے اور نفس الامر کے معاکس، وہ بھلا اپنا اور اپنے آباؤ اجداد کا دین کیسے چھوڑ سکتے ہیں یا ان کے وہ حاضر باش اور رات دن ان کے خدمت گذار جنت کو چھوڑ کر جہنم کا راستہ کیسے اختیار کر سکتے ہیں تو لہذا جو روایات بھی اہلِ تشیع کی کتابوں میں

Marfat.com

لکھی گئی ہیں اور جلسوں اور محفلوں میں بلکہ آجکل تو لاؤڈ سپیکروں کے ذریعے بلند آہنگی کے ساتھ بیان کی جاتی ہیں سراسر کذب اور واقعات کے خلاف ہیں کون محب اہل بیت اور کون شیعہ آئمہ طاہرین کے صریح واضح اور غیر مبہم تاکیدی حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بے دین و بے ایمان اور جہنمی اور ذلیل ہونا پسند کرے گا۔ اس مقدمہ کو اہل فکر کے غور و خوض کے سپرد کرتا ہوں اور گذارش یہ کرتا ہوں کہ بانیانِ مذہب تشیع نے اصل اور حقیقت پر مبنی دین اسلام کو ختم کرنے اور شریعت مقدسہ کو کلیتہً فنا کر دینے کے لیے یہ سیاسی چال چلی۔

کون شخص یہ نہیں سمجھ سکتا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے مابین جس طرح واسطہ ہیں اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیامت تک آنے والی ساری اُمّت کے درمیان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہی واسطہ ہیں انھی مقدس لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام کی تفسیر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھی اور انھی مقدس لوگوں نے صاحب اُسوۂ حسنہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ گرامیہ اور اعمالِ عالیہ اور سیرتِ مقدسہ کی دولت کو براہِ راست حضور کی ذات سے حاصل کیا جس کو ان کے شاگردوں یعنی تابعین نے ان سے حاصل کیا۔ علیٰ ہذا القیاس وہ مقدس شریعت ہم تک پہنچی ہے اب جبکہ ابتدائی واسطہ یعنی صحابہ کرام کی ذات قدسی صفات ہی کو قابلِ اعتماد تسلیم نہ کیا جائے۔ یعنی تین چار کے بغیر ظاہری مخالفت کی بنا پر قابل اعتبار نہ رہیں اور یہ تین چار باوجود انتہائی دعوٰی محبت و تولی کے سخت ناقابلِ اعتماد ثابت کیے جائیں کہ جو بھی ان کی روایات ہوں گی یقیناً غلط اور خلافِ واقعہ امر کی طرف رہنمائی کریں گی یا تو خود ان ہستیوں نے ہی تقیہ و کتمانا تلق غلط اور خلافِ واقعہ فرمایا اور یا ان کے مہمان خدمت گاران شیعوں نے بہ تعمیل آئمہ کذب، جھوٹ اور خلافِ واقعہ روایت فرمائی بہرصورت ان روایات کو صحیح کہنا اپنی بے دینی اور بے ایمانی پر واضح دلیل پیش کرنا ہے۔

Marfat.com

تنزیہہ الامامیہ

از علامہ محمد حسین ڈھکو

باب اوّل ____________ فصل اوّل

مسئلہ تقیہ اور اسلام

پیر سیالوی نے اپنا اسلاف کی تقلید وتاسی میں سب سے پہلے مسئلہ تقیہ پر طبع آزمائی فرمائی ہے اور اپنے نامہ اعمال کی طرح رسالہ کے قریباً آٹھ صفحات سیاہ کر ڈالے ہیں۔ اصل حقائق کو مسخ کرکے اور توڑ مروڑ کے پیش کیا ہے۔ مذہب حق کے خلاف دل کھول کر زہر اگلا ہے مگر افسوس کام کی کوئی ایک بات بھی نہیں کی (ص: ۱۰)

تحفہ حسینیہ

محمد اشرف سیالوی ____________

ڈھکو صاحب بلاوجہ آتش زیر پا ہوگئے اور دریدہ دہنی پر اتر آئے ہیں اور پوری کتاب میں ان کے جواب کا دارومدار اسی گالی گلوچ پر ہی ہے اور بقول سعدی شیرازی ؎

اذا ئیس الانسان طال لسانہ

جوابات سے عاجز آکر گندی زبان سے اس کمی وکوتاہی کو دور کرنے کی کوشش کی ہے۔

مقام غور ہے کہ روایات اہل تشیع کی کتاب ان کی جس پر امام منتظر کی تائید و تصدیق اور اس کے شیعہ کے لیے کافی ہونے کا مژدہ جانفزا اور اس سے منقول روایات

Marfat.com

آئمہ کرام کی طرف منسوب پھر ایک عنوان قائم کر کے ان کو درج کیا گیا جس سے صاف ظاہر کہ عنوان دعویٰ ہے اور اس کے تحت مندرج روایات اس پر دلائل اور شواہد ہیں اندریں صورت اگر روایات پر از روئے اسنادات جرح و قدح کی گنجائش ہو تو بھی مذہب و مسلک اور عقیدہ تقیہ میں خلل پیدا نہیں ہو سکتا بلکہ دوسرے دلائل کی طرف رجوع کر لیا جائے گا کیونکہ مسلم قانون ہے کہ ایک دلیل کے بطلان سے دعویٰ کا بطلان لازم نہیں آتا۔

لہٰذا ڈھکو صاحب کا دعویٰ کہ اپنے نامہ اعمال کی طرح اوراق سیاہ کیے اور کام کی کوئی ایک بات بھی پیش نہیں کی۔ سراسر سینہ زوری ہے بلکہ منہ زوری۔ اور اپنی روایات کا مذاق اڑانے کے مترادف کیونکہ اگر وہ صحیح ہوتیں اور کسی کار خیر پر مشتمل تو ان کا ذکر کار آمد بات ہوتی اور موجب نورانیت نہ کہ نامہ اعمال کو سیاہ کرنے کے مترادف بلکہ اگر صرف لکھنے والا اور وہ بھی حقیقت حال کی طرف توجہ دلانے کے لیے اس تنزل کا شکار ہو جاتا ہے تو پھر اس پر عمل پیرا لوگوں کے اعمال نامہ اور قلب و روح کی سیاہی کا کیا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

تنزیہ الامامیہ علامہ محمد حسین ڈھکو صاحب

فصل دوم

تقیہ و نفاق کا باہمی فرق ..... ڈھکو صاحب

فاضل مؤلف نے تقیہ کو "منافقت" سے تعبیر کر کے کسی اچھی قابلیت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہنوز ان کو تقیہ اور نفاق کے درمیان جو نمایاں فرق ہے وہ بھی معلوم نہیں ہے حالانکہ اسلامی مبادیات پر نظر رکھنے والے حضرات پر یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ تقیہ "ابطان ایمان و اظہار خلاف ایمان" یعنی دل میں ایمان کو پوشیدہ رکھ کر عند الضرورت خلاف ایمان بات کے ظاہر کرنے کا دوسرا نام ہے اور نفاق اس کے برعکس ہے۔

Marfat.com

عقل سلیم، طبع مستقیم اور شرع قدیم کا یہ قطعی فیصلہ ہے کہ جب انسان کے لیے دو ضرر موجود ہوں اور ان میں سے ایک کا برداشت کرنا ناگزیر ہو تو بڑے ضرر سے بچنے کے لیے تھوڑے سے ضرر کو برداشت کرنا چاہیے اور وہ شریعت سہلہ جو انسانی اقدار کی بلندی کے پیش نظر جان بچانے کی خاطر بھوک سے نڈھال اور قریب المرگ آدمی کے لیے مُردار اور خنزیر کے گوشت کو بقدر ضرورت وسدرمق جائز قرار دیتی ہے

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (پ۲ س بقرہ ع ۵)

جو ناچار ہو جائے اور حد سے بڑھ جانے والا نہ ہو تو اس پر (ان چیزوں میں سے کسی چیز کے کھا لینے کا بھی) گناہ نہیں بے شک اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

(ترجمہ ڈپٹی نذیر احمد)

کیا وہی شریعت مقدسہ اس بات کو گوارا کر سکتی ہے کہ انسان کی گرانقدر جان تلف ہو جائے مگر خلاف واقع بات کا منہ سے اظہار نہ کرے ؎

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

یا تو انسان اس قدر بیش قیمت ہو کہ اس کی بقاء کی خاطر لحم الخنزیر کھانا روا ہو یا اس قدر بے قیمت اور ارزاں ہو جائے کہ اس کے تحفظ کے لیے خلاف واقع بات کا اظہار بھی ناروا ہو۔ کجا آں شوری وکجا ایں بے نمکی؟ خالق عقل وعقلا کی شریعت مقدسہ میں ہرگز یہ تضاد وتفادت نہیں ہو سکتا" (ص ۱۲، ۱۳)

Marfat.com

تقیہ یا نفاق

مغالطہ آفرینی اور فریب کاری کا بدترین نمونہ

ڈھکو صاحب نے بڑی تعلّی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حضرت شیخ الاسلام کو اسلامی مبادیات سے بے خبر کہنے کی جسارت کی ہے اور تقیہ اور نفاق میں فرق ثابت کرنے کی سعی لا حاصل کی ہے مگر سوچنے کی بات صرف اتنی ہے کہ اگر ایک سُنی یہ معمول بنا لے کہ بظاہر قول و فعل میں شیعہ کی موافقت کرتا رہے اور اپنی جان اور مال کے تحفظ کے لیے یہ حربہ اختیار کیے رکھے تو ڈھکو صاحب اس کو کیا کہیں گے؟ کیا یہ نفاق ہوگا اور مکر و فریب یا تقیہ اور ابطانِ ایمان و اظہارِ کفر۔ اگر یہ ڈھکو صاحب کے مذہب میں تقیہ نہیں اور نہ ابطانِ ایمان تو پھر حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کے مذہب و مسلک کی رُو سے شیعہ صاحبان کی یہ کارستانیاں بھی ابطانِ ایمان نہیں ہیں بلکہ نفاق کا بدترین نمونہ اور فریب کاری اور دسیسہ کاری کی گھٹیا چال۔

فرزندانِ اسلام کی ضربِ کاری سے ڈر کر جن لوگوں نے "وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا" کا وطیرہ بنا لیا تھا اور درحقیقت اپنے آباؤ اجداد اور اسلاف کے مذہب پر دل و جان سے فریفتہ تھے اور راسخ القدم۔ کیا ان کا یہ طریقہ بھی تقیہ کہلائے گا۔ حالانکہ وہ اپنے دھرم کی رُو سے دل میں ایمان چھپائے ہوئے تھے اور کفر کو ظاہر کر رہے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے ابدی کلام میں ان کو کہیں "وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ" فرمایا اور کہیں "اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ" سے تعبیر فرمایا اور ان کے اس عذر کو قطعاً قبول نہ کیا کہ ہم نے تو اپنے دھرم کی رُو سے دل میں ایمان چھپایا ہوا ہے اور کفر کا

Marfat.com

بظاہر اظہار اور ارتکاب کیا ہے تو پھر شیخ الاسلام قدس سرہ کے نزدیک شیعہ صاحبان کا یہ عذر کیوں کر درخورِ اعتناء اور قابلِ التفات ہو سکتا ہے۔

تقیہ کی تعریف میں غلطی

ڈھکو صاحب نے تقیہ کا معنی بیان کیا ہے "ابطان ایمان واظہار خلاف ایمان" ایمان کو پوشیدہ رکھنا اور اس کے خلاف کو ظاہر کرنا یہ تعریف بھی درست نہیں کیونکہ یہ صرف عقائد میں تقیہ کرنے پر تو سچی آسکتی ہے اعمال میں دوسرے لوگوں کی موافقت پر سچی نہیں آسکتی مثلاً وضو سنیوں کی طرح کرنا، نماز ہاتھ باندھ کر پڑھنا، تراویح بیس رکعت باجماعت ادا کرنا، تین طلاق کو تین سمجھنا، متعہ سے اجتناب کرنا وغیرہ حالانکہ شیعہ صاحبان نے آئمہ معصومین کی طرف ان امور میں بھی سوادِ اعظم کی ظاہری موافقت اور مطابقت کے باوجود حقیقت میں ان امور سے بیزار اور مخالف ثابت کرنے کی کوشش کی ہے لہذا یہ تعریف بھی سراسر ناقص اور نا تمام ہے اور علمی شیخی کے منہ پر زور دار طمانچہ۔

محلِ نزاع

ڈھکو صاحب نے اس اہم اور نازک اختلافی مسئلہ میں خواہ مخواہ تلبیس اور اشتباہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اور بلا وجہ ورق پر ورق سیاہ کرتے چلے گئے ہیں۔ اور محل نزاع بیان کرنے سے کلی طور پر گریز اور اجتناب سے کام لیا ہے لہذا ہم پہلے اس مسئلہ میں اہل السنت والجماعت اور شیعہ صاحبان کے درمیان محلِ نزاع بیان کرتے ہیں اور پھر مذہب شیعہ میں شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز کی طرف سے ان کی نقل کردہ روایات میں غور و فکر اور ان کے مقاصد بلکہ مفاسد کی طرف اہل فکر اور ارباب دانش کو توجہ دلائیں گے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے تحفہ اثنا عشریہ میں اور علامہ سید محمود آلوسی حنفی بغدادی نے تفسیر روح المعانی میں اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

Marfat.com

ہم سردست علامہ آلوسی کی تحقیق کو اپنے الفاظ میں بیان کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں جبکہ دونوں حضرات کی تحقیق کا حاصل بالکل ایک ہے ۔ فرماتے ہیں :

التقیۃ محافظۃ النفس أو العرض أو المال من شر الأعداء

یعنی تقیہ نام ہے نفس، عزت یا مال کو شر اعداء سے محفوظ کرنے کا اور اعداء دو قسم ہیں ایک قسم وہ جن کی عداوت اختلاف دین و مذہب پر مبنی ہو جیسے کفار اور اہل اسلام ۔ دوسرا قسم وہ ہے جن کی عداوت دنیوی اغراض و مقاصد پر مبنی ہو مثلاً مال و متاع کا حاصل کرنا یا ملک اور امارت کا حاصل کرنا ۔

اما القسم الاول ۔ فالحکم الشرعی فیہ ان کل مؤمن وقع فی محل لا یمکن لہ ان یظہر دینہ لتعرض المخالفین وجب علیہ الھجرۃ الی محل یقدر فیہ علی اظہار دینہ ولا یجوز لہ اصلا أن یبقی ھناک ویخفی دینہ ویتشبث بعذر الاستضعاف فان ارض اللہ واسعۃ ۔

قسم اول کا حکم شرعی یہ ہے کہ جو مومن بھی ایسی جگہ موجود ہو جہاں مخالفین کے تعرض اور چھیڑ چھاڑ کی وجہ سے اپنے دین کا اظہار نہ کر سکتا ہو تو اس پر ایسے مقام کیطرف ہجرت کرنا فرض و واجب ہے جہاں وہ اپنے دین کو ظاہر کر سکے اور علی الاعلان اس پر عمل پیرا ہو سکے اور اس کے لیے یہ بالکل جائز نہیں کہ وہیں قیام پذیر رہے اور اپنے دین و مذہب کو چھپائے رکھے ۔ اور ضعف و ناتوانائی کو عذر بنائے رکھے ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی زمین وسیع ہے ۔

شرعی معذورین

ہاں البتہ جو ترک ہجرت میں از روئے شرع شریف معذور ہیں وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہوں گے ۔ مثلاً بچے، عورتیں، نابینا، محبوس اور قیدی یا جن کو ہجرت اور ترک وطن کی صورت میں مخالفین کی طرف سے قتل کی دھمکی دی گئی ہو اور گمان غالب بھی یہی ہو کہ

Marfat.com

وہ اس دھمکی کو عملی جامہ پہنانے سے گریز نہیں کریں گے خواہ اس مہاجر کے قتل کی دھمکی ہو یا اس کی اولاد یا آباؤ امہات کے قتل کی اور یا اس کی روزی وغیرہ بند کر کے اس کو قید میں ڈال دینے کی دھمکی دی گئی ہو وغیرہ تو اس صورت میں مخالفین کے ہاں قیام اور ان کی موافقت بقدر ضرورت جائز ہے لیکن اس پر واجب و لازم ہے کہ وہ بھاگ نکلنے اور اپنے دین کو محفوظ کرنے کے لیے ہر وقت تدبیریں کرتا رہے۔ اور کوششیں بروئے کار لاتا رہے۔

لیکن اگر ایسا ڈراوا اور دھمکی دی گئی ہے جس میں مالی منفعت سے محروم ہونا پڑے یا قابلِ برداشت مشقت سے دوچار ہونا پڑے مثلاً ایسی قید اور حبس جس میں قوت اور روزی پر پابندی نہ ہو یا اتنا قدر مار پیٹ جس سے ہلاکت اور تباہی لازم نہ آتی ہو تو پھر انکی موافقت جائز نہیں اور جس صورت میں موافقت جائز ہے تو وہ بھی رخصت کے درجہ میں ہے اور اپنے دین و مذہب کا اظہار عزیمت ہے لہذا اگر بصورت اظہار اسے جان سے ہاتھ دھونے پڑیں تو وہ اعلیٰ درجہ کا شہید ہوگا۔ نہ کہ دین و ایمان سے محروم۔

نعم ان کان لهم عذر شرعی فی ترك الهجرة كالصبيان والنساء الخ وفی صورة الجواز ايضا موافقتهم رخصة واظهار مذهبه عزيمة فلو تلفت نفسه لذلك فانه شهيد قطعاً

مسیلمہ کذاب نے دو مسلمانوں کو پکڑ لیا اور اپنی رسالت کی گواہی دینے کا مطالبہ کیا تو ایک نے زبانی اقرار کر لیا اور دوسرے نے انکار کر دیا تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اما هذا المقتول فقد مضى على صدقه ويقينه واخذ بفضله فهنيئا له واما الاخر فقد رخصه الله تعالى فلا تبعة عليه

اس مقتول نے اپنے صدق و یقین پہ گامزن رہنا اختیار کیا اور افضل ترین صورت اختیار کی پس وہ مبارکباد کا مستحق ہے اور دوسرے نے رخصت پر عمل کیا لہذا اس پر مواخذہ اور عقاب و عذاب نہیں ہے۔

Marfat.com

اما القسم الثانی فقد اختلف العلماء فی وجوب الهجرة وعدمه فیه فقال بعضهم تجب لقوله تعالیٰ ولا تلقوا بایدیکم الی التهلکة وبدلیل النهی عن اضاعة المال وقال قوم لا تجب اذ الهجرة عن ذلک المقام مصلحة من المصالح الدنیویة ولا یعود من ترکها نقصان فی الدین لاتحاد الملة وعدوہ القوی المومن لا یتعرض له بالسوء من حیث هو مؤمن وقال بعضهم الحق ان الهجرة هناک تجب ایضًا

(روح المعانی جلد ۳ صفحہ ۱۰۷)

لیکن دوسری قسم میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا اس شخص پر ہجرت واجب و لازم ہے یا نہیں؟ بعض نے وجوب و لزوم کا قول کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو نیز اس لیے کہ مال کو ضائع کرنا شرعاً ممنوع ہے اور علماء اسلام کی ایک جماعت کا نظریہ یہ ہے کہ اس مقام سے ہجرت ازروئے شرع واجب و لازم نہیں ہے کیونکہ ہجرت کا مقصد فقط دنیوی مصالح میں منحصر ہے جس کے ترک سے دنیوی نقصان تو ہو سکتا ہے لیکن دینی لحاظ سے کوئی نقصان لازم نہیں آتا کیونکہ مذہب و ملت میں اتحاد ہے اور دشمن قوی و توانا سہی مگر وہ اس کے ساتھ ازروئے مومن ہونے کے تعرض اور چھیڑ چھاڑ نہیں کرتا لیکن علماء اسلام اعلام کی ایک جماعت نے فرمایا کہ حق اور صحیح یہی ہے کہ ان حالات میں بعض اوقات ہجرت واجب و لازم ہو جاتی ہے جبکہ اپنی جان کا خطرہ درپیش ہو یا اقارب کی جان کا یا ہتک حرمت و عزت کا لیکن اس صورت میں اس پر ثواب مترتب نہیں ہوگا۔

شیعی روایات تقاضائے شرع اور حقائق و واقعات کے خلاف ہیں

مندرجہ بالا تحقیق کو سامنے رکھیں اور پھر ان شیعی روایات پر غور فرمادیں تو آپ کو یہ حقیقت تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نظر نہیں آئیگا کہ اہل سنت عقل سلیم طبع مستقیم اور شرع قویم کے

Marfat.com

فیصلہ کو تو تسلیم کرتے ہیں لیکن شیعہ صاحبان نے اس میں جس افراط سے کام لیا ہے اور جس رخصت کو عین اسلام اور جانِ ایمان بنا کر پیش کیا ہے وہ کسی نیک نیتی پر مبنی نہیں ہے اور نہ حقائق اور واقعات کے پس منظر میں اس کی صحت اور درستگی تسلیم کی جا سکتی ہے۔ شیعی روایات کا لب لباب یہ ہے کہ نوے فیصد دین تقیہ میں ہے بلکہ جو تقیہ نہ کرے سرے سے وہ مومن ہی نہیں حالانکہ شرعی طور پر رخصت پر بعض اوقات عمل نہ کریں تو زیادہ سے زیادہ ارتکاب حرام اور فسق تو لازم آ سکتا ہے نہ کہ نوے فیصد دین ختم ہو جائے اور بالکل ایمان ہی رخصت ہو جائے۔ مثلاً بھوک سے جان بلب بقدرِ ضرورت خنزیر یا مردار کا گوشت نہ کھائے تو حرام فعل کا مرتکب ضرور ہوگا لیکن کافر تو نہیں ہوگا؟ اور بعض رخصتوں میں ارتکاب حرام بھی لازم نہیں آتا۔ مثلاً مسافر کے لیے از روئے قرآن روزہ فرض نہیں لیکن رکھ لے تو گنہ گار بھی نہیں ہوگا اور یہ تو ہے بدن کی سہولت کا معاملہ لیکن جہاں تک عقیدہ و نظریہ کے تحفظ کا معاملہ ہے اور دین و ایمان پر ثبات اور راسخ القدمی تو اس کا معاملہ ہی سرے سے مختلف ہے۔

حضرت عمار کے والد گرامی اور والدہ ماجدہ کو کس قدر بے دردی سے قتل کیا گیا اور کس قدر ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا گیا لیکن انھوں نے کبھی کلمہ کفر کو زبان پر لانا گوارا نہ کیا تو کیا ان کا نوے فیصد دین ختم ہو گیا اور ایمان بالکل زائل ہو گیا (نعوذ باللہ) حضرت امام حسین نے اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے میدان کربلاء میں اُتر کر محیر العقول قربانی پیش کر دی اور یزیدی قوتوں کی موافقت گوارا نہ کی تو ان پر کیا فتویٰ لگایا جائے گا۔

الغرض ان شیعی روایات کو نہ عقلِ سلیم اور نہ طبعِ مستقیم کے تقاضوں سے ہم آہنگ قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ ہی شرعِ قویم کے فیصلہ کے مطابق اہل سنت کی کتابوں سے عبارات پیش کر کے ان روایات کو درست یا ایسے تقیہ کو شرعاً جائز اور مسلم بین الفریقین قرار دینا سراسر تلبیس ہے اور فریب کاری و دھوکہ دہی کی بدترین مثال۔

Marfat.com

بیش قیمت انسان

ڈھکو صاحب نے ایمان و اسلام کے تحفظ پر قربان ہونے والی جان کی قدر و قیمت کو بھوک مرتے انسان اور خنزیر و مردار کھا کر جی سکنے والے انسان پر قیاس کیا ہے اسے کون بتائے کہ مومن اور بندۂ خدا کی قدر و قیمت اس وقت بنتی ہے جبکہ اپنی جان کا نذرانہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں پیش کر دے اور بناءِ لا الہ بنے۔

سر داد نداد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

انسان مردار اور خنزیر سے ضرور قیمتی ہے لیکن اسلام و ایمان اور اعلاءِ کلمۃ الحق سے قیمتی نہیں بلکہ اسی سے اس کی قیمت بنتی ہے اور یہی سبق ہمیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانیوں نے دیا ہے اور سید الشہداء امام حسین اور ان کے جانثاروں کی قربانیوں نے ؎

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

کیا خنزیر کا گوشت کھانا ترقی درجات کا ضامن ہے۔

علامہ ڈھکو صاحب نے کہا ؎

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

یا تو انسان اس قدر بیش قیمت ہو کہ اس کی بقاء کی خاطر لحم الخنزیر روا رکھا گیا ہے یا اس قدر بے قیمت اور ارزاں ہو جائے کہ اس کے تحفظ کے لیے خلافِ واقع بات کا اظہار بھی ناروا ہو (ص: ۱۲)

مگر سوال یہ ہے کہ آپ کا مذہب تو تقیہ کو دین کا ۹/۱۰ حصے یا نوے فیصد قرار دیتا ہے۔ کیا بھوکوں مرتا آدمی بقدر ضرورت لحم الخنزیر کھا کر ایک فیصدی اجر و ثواب بھی

Marfat.com

حاصل کر سکتا ہے چہ جائیکہ نوے فیصد ترقی درجات اس کو حاصل ہو تو پھر اس شور اشوری اور منہ زوری کا کیا جواز ہے ؟ امر متنازعہ فیہ کی طرف آئیں اور اس کا ثبوت بہم پہنچائیں۔

کیا فربہ ہونے کے لیے لحم الخنزیر روا ہے ؟

بظاہر شیعہ صاحبان تقیہ کے جواز کو جبر و اکراہ اور سطوت و جبروت کا نتیجہ قرار دیتے ہیں اور خنزیر کے گوشت کی مانند مگر عملی طور پر وہ اس کو جلبِ منفعت اور اہم ملکی مناصب پر فائز ہونے کے لیے استعمال کرتے ہیں اور اہل السنّت کے مذہب میں رخنہ اندازی کے لیے گویا لحم الخنزیر کو فربہ ہونے کے لیے استعمال کرتے ہیں اس ضمن میں ایک حوالہ ہی مشتے نمونہ از خروار کے طور پر حاضر خدمت ہے ورنہ حقیقت میں کتنے ہی ایسے تلبیس ابلیس کے شاہکار اس مذہب نے پیدا کیے جنھوں نے اہل اسلام کو فتنہ و فساد کی آگ میں جھونکا۔

قاضی نور اللہ شوستری نے مغل اعظم شہنشاہ اکبر کے دورِ حکومت میں برصغیر پاک و ہند میں اسی تقیہ کے بل بوتے پر قاضی القضاۃ کا منصب سنبھالا اور بادشاہ سے کہا چونکہ میں خود مجتہد ہوں لہٰذا اہل سنت کے آئمہ اربعہ میں سے کسی ایک کا پابند نہیں رہوں گا بلکہ ان کے اقوال میں سے جو بھی وزنی معلوم ہوگا میں اس کے مطابق فیصلہ دوں گا چنانچہ بادشاہ نے اس شرط کو منظور کر لیا۔ لیکن شوستری صاحب نے شیعہ مذہب کے مطابق فیصلے صادر کرنے اور فتویٰ جاری کرنے شروع کر دیئے جب ان کے خلاف احتجاج کیا جاتا اور کہا جاتا کہ سازش کے تحت شیعہ مذہب کا پرچار ہو رہا ہے تو شوستری صاحب کسی نہ کسی طرح مذہب کے مجتہد کا قول پیش کر دیتے اور طے شدہ شرط کا حوالہ دے کر اس آواز کو دبوا دیتے۔ جب شہنشاہ نورالدین جہانگیر کا دور آیا تو بھی قاضی صاحب اس منصب سے چمٹے رہے اور یہ احتجاج صدا بصحرا ثابت ہوتا رہا بالآخر علماءِ اہلِ سنت اس کی کتاب مجالس المومنین کا قلمی نسخہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

Marfat.com

اور بادشاہ کو دکھلا کر صورتِ حال واقعی کا مشاہدہ کرادیا تو بادشاہ نے اس تلبیس ابلیس اور فریب کاری و مکاری کا سخت نوٹس لیتے ہوئے ایسے عبرت ناک سزا دے کر قتل کرادیا۔ مجالس المؤمنین کے مقدمہ میں سید احمد عبد منافی نے اس فریب کاری کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا۔

سید جلیل مذکور ہمیشہ مذہب خود را از مخالفین مخفی میداشتہ و طریق تقیہ کہ مذہب آباء کرام خود بودہ می پیمودہ و بمسائل فقیہہ مذاہب اربعہ اہل تسنن احاطہ تمام داشت بدینجہت سلطان اکبر شاہ و سائر مردم آندیار او را در عداد علماء و فقہاء اہل تسنن میدانستند (تا) مدتی بدین نحو قضاوت میفرمودہ و در پنہانی مشغول تالیف و تصنیف بود تا اینکہ سلطان اکبر شاہ پدرود حیات گفت و پسرش جہانگیر شاہ بجائے او نشست و سید ہمچنان بمنصب قضاوت باقی بود تا آنکہ بعض از علماء مخالفین کہ بادربار آنروز مراودہ و قول آنہا نزد سلطان مسموع بود متفطن تشیع او شدہ بنای سعایت راگذاردند و استشہاد بر تشیع سید نمودہ باینکہ او خود را ملزم بیکی از مذاہب اربعہ نمیداند و در تمام موارد بر طبق یکی از مذاہب کہ با فتویٰ امامیہ تطبیق مینماید حکم میکند (تا) کتاب مزبور را وسیلہ اثبات تشیع سید نمودہ تقاضای اجراء حد از سلطان نمودند، جہانگیر شاہ امر او را واگذار با نہا نمود آں ناکسان سید را الضرب تازیانہ از پای در آوردہ و شہید نمودند۔ و گویند با چوب خاردار آنقدر براو زدند کہ بدنش قطعہ قطعہ شد۔

شوستری صاحب نے اپنے متعلق انکشاف کرتے ہوئے خود کہا

(مجالس المؤمنین جلد اول صفحہ ۳۵)

مؤلف گوید کہ ایں بیچارہ مسکین نیز مدتی ببلای صبر گرفتار بودم و باختیار تقیہ و مدارا می نمودم واز بیصبری می ترسیدم و اخرا ز آنچہ میترسیدم بآں رسیدم مازمین بی صبری اینکتاب را در سلک تقریر کشیدم۔

لہٰذا واضح ہو گیا کہ اس خنزیر کو بقاو بدن کے لیے بقدر ضرورت استعمال نہیں کیا جاتا بلکہ اہل السنت کے مذہب و مسلک پر کاری ضرب لگانے کے لیے اور عوام

Marfat.com

اہل السنت میں ذہنی انتشار اور تشویش پیدا کرنے کے لیے جیسے پولس یہودی نے بظاہر عیسائی مذہب اختیار کیا اور اندر ہی اندر اس مذہب کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر رکھ دیا۔ اور عیسائیوں کو گمراہی کے بحر عمیق میں گرا دیا۔

پھر بزعم خویش اس تقیہ سے نوے فیصد درجات بھی حاصل کیے جاتے ہیں اور دنیا میں بھی مزے لوٹے جاتے ہیں کیا دنیا میں ایسے اسلام کی بھی گنجائش ہے اور کوئی عقل سلیم اور طبع مستقیم کا مالک اس اسلام کو خدا کا آخری دین اور تمام مذاہب و ادیان کا ناسخ تصور کر سکتا ہے ؟ ؎

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

خالقِ عقل و عقلاء کی شریعت مقدسہ ہرگز ہرگز اس تلبیس اور مکر و فریب کی اجازت نہیں دے سکتی۔

Marfat.com

فصل سوم ———— ڈھکوصاحب

تقیہ کا جواز قرآن کریم کی روشنی میں

پیر سیالوی نے تقیہ کو شریعت کے مخالف قرار دے کر علوم شرعیہ سے اپنی تہی دامنی کا ثبوت دیا ہے معمولی بصیرت رکھنے والوں پر یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ قرآن کریم اور احادیث سید المرسلین میں جواز تقیہ کے ناقابل انکار و تاویل قطعی نصوص موجود ہیں اور کتب سیر و تواریخ میں نہ صرف سلف صالحین بلکہ انبیاء و مرسلین اور بڑے بڑے آئمہ دین کے تقیہ پر عمل درآمد کرنے کے متعدد واقعات مذکور ہیں۔

ارشاد قدرت ہے:

پہلی آیت: من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان ولکن من شرح بالکفر صدرا فعلیہم غضب من اللہ ولہم عذاب عظیم

(پ ۱۴ سورہ نحل ع ۲۰)

جو شخص (کفر پر) مجبور کیا جائے مگر اس کا دل ایمان کی طرف سے مطمئن ہو (اس سے کچھ مواخذہ نہیں) لیکن جو شخص ایمان لائے ہوئے پیچھے خدا کے ساتھ کفر کرے اور کفر بھی کرے تو دل کھول کر تو ایسے لوگوں پر خدا کا غضب اور ان کیلیے بڑا سخت عذاب ہے (ترجمہ نذیری)

Marfat.com

اس آیت کے متعلق مفسرین اسلام کا اتفاق ہے کہ جناب عمار بن یاسر کے واقعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ شان نزول یوں ہے۔

یعنی ایک بار مشرکین نے جناب عمار بن یاسر کو پکڑ لیا اور ان کو اپنے معبودانِ باطل کی تعریف اور پیغمبر اسلام پر سبّ وشتم کرنے پر مجبور کیا۔ حتیٰ کہ وہ ایسا کر گذرے۔ اس کے بعد جب وہ بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوئے تو تمام ماجرا بیان کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اپنے دل کو کیسے پاتے ہو؟"

عرض کیا "وہ تو پوری طرح ایمان پر مطمئن ہے"

فرمایا "(پھر کوئی حرج نہیں) اگر کفار دوبارہ یہی کلمے کہلوائیں تو کہدینا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ وَقَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِیْمَانِ

(تفسیر درمنثور جلد ۴ ص ۱۳۲ وغیرہ)

تفسیر بیضاوی جلد ا ص ۳۵۲ طبع نولکشور پر مذکور ہے کہ جب جناب عمارؓ کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا تو بارگاہِ نبوی میں عرض کیا گیا:

"یارسول اللہ! عمار کافر ہو گیا ہے":

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"ایسا نہیں ہو سکتا عمار تو سر سے پاؤں تک ایمان سے لبریز ہے اور اس کے گوشت پوست میں ایمان مخلوط ہے"۔

بعدازاں جناب عمارؓ روتے ہوئے بزم نبویؐ میں حاضر ہوئے آنحضرتؐ نے ان کے آنسو صاف کرتے ہوئے فرمایا:

"تجھے کیا ہے؟ اگر کفار یہی کلمات دوبارہ کہلوانا چاہیں تو بے شک کہہ دینا"۔

یہ واقعہ لکھنے کے بعد قاضی بیضاوی رقمطراز ہیں:۔

Marfat.com

"یہ آیت مبارکہ جبر واکراہ کے وقت کلمہ کفر کہنے کے جواز کی قطعی دلیل ہے
تفسیر جامع البیان، اکلیل اور معالم التنزیل میں اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے
"جبر واکراہ کے وقت کلمہ کفر کہنے کے جواز پر پوری امت مسلمہ کا اجماع ہے"
(کذا فی تفسیر فتح البیان وتفسیر ابن کثیر وترجمان القرآن)

ان حقائق کی روشنی میں کم از کم کسی مسلمان کو تو تقیہ کے جواز میں کلام نہیں ہو سکتا کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ صحابہ رسول تقیہ پر عمل کریں رسول مقبولؐ ان کو کامل الایمان ہونے کی سند عطا فرمائیں اور بوقت ضرورت دوبارہ تقیہ کرنے کا حکم دیں خداوند عالم اس کے جواز پر آیت نازل فرمائے علماء اہل سنت اس کے جواز پر پوری امت مرحومہ کے اجماع کا دعوای کریں اور تمام لوگ بوقت ضرورت اس پر عمل کریں مگر بدنام صرف شیعان حیدر کرار کو کیا جائے کہ وہ "تقیہ باز" ہیں۔

(صفحہ ۱۴، ۱۵، ۱۶)

تحفہ حسینیہ

محمد اشرف السیالوی

ہم نے پچھلے اوراق میں اس مسئلہ کے متعلق اہل سنت والجماعت کا موقف واضح کر دیا ہے لہذا اس کے متعلق محمد حسین ڈھکو صاحب کو اسقدر طوالت کی ضرورت کیا تھی انھیں یہ بیان کرنا چاہیے تھا کہ جنھوں نے تقیہ نہیں کیا ان کا حکم از روئے مذہب شیعہ کیا ہے؟ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کفار ومشرکین کی اذیتیں برداشت کرنا اور اعلان توحید ورسالت سے باز نہ آنا صحابہ کرام کا ہر مصیبت اور تکلیف کو سینہ سے لگانا اور ایمان واسلام کو مخفی نہ رکھنا کبھی حبشہ کی طرف ہجرت کرنا اور کبھی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنا اور بعض کا اس ظلم وتشدد کی وجہ سے جاں بحق ہو جانا ایسے حقائق ہیں جن کا کوئی کافر بھی انکار نہیں کر سکتا اور میدان کربلا میں سید الشہداء کا روضہ مقدس اور ان کے جانثار ساتھیوں کے مزارات مقدسہ اعلان حق کی خاطر بے مثال قربانیوں کا ایسا ناقابل تردید ثبوت وبرہان ہیں جن کا کوئی منافق اور کاذب بھی

Marfat.com

انکار نہیں کر سکتا۔

ایسی صورت میں شیعی مجتہد کا فرض ہے کہ وہ اس مخصوص تقیہ کا جواز ثابت کریں اور اسے عین اسلام و ایمان ثابت کریں اور یا ان روایات کو جھوٹ اور کذب بیانی کا بدترین نمونہ تسلیم کریں۔ اِدھر اُدھر بھاگ دوڑ سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے؟ اہل سنت اس کو خطرۂ جان وغیرہ کی صورت میں مباح سمجھتے ہیں مگر راہِ حق میں جان دینے والے کو شہید اعظم سمجھتے ہیں اور مباح بھی ہمیشہ کے لیے نہیں بلکہ فوری طور پر ہجرت اس شخص پر لازم اور ضروری سمجھتے ہیں اور باوجود قدرت کے نہ کرنے پر تارک فرض اور سخت مجرم و گناہ گار سمجھتے ہیں لیکن جس تقیہ پر شیعہ نے اپنے دین و مذہب کی عمارت تعمیر کی ہے اس میں نہ ہجرت لازم، نہ جان دینا مباح بلکہ رات دن اسی تقیہ کو اوڑھنا بچھونا بنانے کے باوجود نوّے فی صد درجات ایمان و اسلام کی طرف ترقی کی ضمانت جس تقیہ نے مہیا کی ہے ہمارا کلام اس کے جواز اور عدم جواز میں ہے۔ مہربانی کر کے اس کی کوئی دلیل و حجت پیش کریں لیکن ڈھکو صاحب نے محلِ نزاع میں اپنی مکمل تہی دامنی کا ثبوت فراہم کیا ہے۔

حضرت علی مرتضیٰ شیرِ خدا رضی اللہ عنہ کے ارشادات اور شیعی تقیہ

شیعہ برادری نے اس منظریہ کو جاری کر کے دراصل آئمہ کرام کے لیے بالعموم اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے بالخصوص خلفاء ثلاثہ اور دیگر اہل السنّت کے ساتھ موافقت و موالفت اور اخوت و بھائی چارہ کی توجیہہ پیش کرنی چاہی ہے اور ان کے زندگی بھر کے معمول کو اپنے عقیدے و نظریئے پر ضرب کاری تصور کرتے ہوئے تقیہ کا لزوم۔ اس کی اہمیت اور اجر و ثواب اور تقیہ نہ کرنے پر وعید و عقاب کی روایات وضع کیں تاکہ اہل السنت کے لیے ان آئمہ کرام اور مجسمہ ہائے صدق و صفا اور شہیدانِ مہر و وفا کے طرزِ عمل سے استدلال اور تمسک کی کوئی وجہ باقی نہ رہے اس لیے ضروری ہے کہ اس مفروضہ کی انھیں کے ارشادات اور اعمال کی روشنی میں جانچ پڑتال کی جائے۔

Marfat.com

۱۔ انی واللہ لو لقیتھم واحدا وھم طلاع الارض کلھا ما بالیت ولا استوحشت وانی من ضلالھم الذی ھم فیہ والھدی الذی انا علیہ لعلی بصیرۃ من نفسی ویقین من ربی وانی الی لقاء اللہ وحسن ثوابہ لمنتظر راج۔

(نہج البلاغۃ مصری جلد ثانی ص ۱۵۹)

ترجمہ: ۔ بیشک میں بخدا اگر ان کے ساتھ اکیلا میدان کارزار میں ملاقات کروں اور وہ تمام روئے زمین پر پھیلے ہوں تو مجھے قطعاً پرواہ نہیں ہوگی اور نہ ذرہ بھر وحشت وگھبراہٹ۔ اور میں یقیناً ان کی ضلالت اور بے راہروی کے بارے میں جس میں وہ ہیں اور اس ہدایت اور صداقت و حقانیت کے متعلق جس میں کہ میں ہوں البتہ اپنے طور پر بصیرت اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یقین پر ہوں اور بے شک میں اللہ تعالیٰ کی ملاقات اور اس کے اچھے ثواب کا منتظر ہوں اور امیدوار۔

۲۔ واللہ لو تظاھرت العرب علی قتالی لما ولیت عنھا ولو امکنت الفرص من رقابھا لسارعت الیھا۔

(نہج البلاغۃ جلد ثانی صفحہ ۹۲)

بخدا اگر تمام عرب میرے ساتھ حرب وقتال اور جنگ وجدال پر باہم متفق ہوجائیں اور ایک دوسرے کے معاون ومددگار تو میں ان سے قطعاً پیٹھ نہیں پھیروں گا اور اگر فرصت ملے تو ان کی گردنیں کاٹ ڈالنے اور سروں کو تنوں سے جدا کرنے میں لمحہ بھر کی تاخیر روا نہیں رکھوں گا۔

۳۔ موتات الدنیا اھون من موتات الاخرۃ

(نہج البلاغۃ جلد اول ص ۱۲۱)

دنیا کی موتیں آخرت کی موتوں سے زیادہ سہل اور آسان ہیں۔

Marfat.com

۴۔ واللہ لعلی بن ابی طالب آنس بالموت من الطفل بثدی امہ (نہج البلاغہ جلد اول ص ۴۷)

بخدا علی بن ابی طالب موت کے ساتھ اس سے زیادہ مانوس ہے جس قدر شیر خوار بچہ اپنی ماں کے پستان سے مانوس ہوتا ہے۔

۵۔ واللہ ما ابالی أدخلت الی الموت أو خرج الموت الی (نہج البلاغہ جلد اول ص ۱۲۲)

بخدا مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے کہ میں موت کی طرف منتقل ہوا ہوں یا موت میری طرف بڑھی ہے۔

۶۔ لعمری ما علی من قتال من خالف الحق وخابط الغی من ادھان ولا ایھان (نہج البلاغہ جلد اول ص ۴۲)

مجھے اپنی زندگی کی قسم! میرے لیے ہر اس شخص کے خلاف لڑنے میں کسی قسم کی مداہنت اور مصلحت کوشی یا ضعف و ناتوانی پیش نہیں آسکتی جو حق کے خلاف ہو یا گمراہی اور بے راہروی میں حیران و سرگرداں

ان چند ارشادات کو جو نہج البلاغہ جیسی معتبر ترین اور انتہائی مستند کتاب میں منقول ہیں بنظرِ غائر دیکھیں اور سوچیں کہ اگر دین کا نوے فی صد حصہ تقیہ اور مخالفین کے ساتھ سازگاری اور موافقت میں ہے اور بصورت دیگر دین و ایمان سے ہی ہاتھ دھونے پڑتے ہیں تو حضرت علی المرتضیٰ معدن ولایت اور امام الائمہ کیوں اس قدر تقیہ کی مخالفت اور حق و صداقت کی خاطر جان پر کھیل جانے کے لیے تلے ہوئے نظر آتے ہیں اور بارہا قسمیں کھا کر اور حلفیں اٹھا کر زمانہ سازی اور اہل زمان کی موافقت و موافقت سے براءت و بیزاری کیوں ظاہر فرما رہے ہیں۔

امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور شیعی تقیہ

میدانِ کربلا میں آپ کی بظاہر بے سرو سامانی اور آپ کے ساتھیوں کی قلتِ تعداد

Marfat.com

اور مخالفین کی ساز و سامان سے لیس کثیر التعداد فوج کا کس کو علم نہیں ؟ مگر اس کے باوجود جب آپ کو امان کی پیش کش کی جاتی ہے تو آپ کا ردِ عمل کیا ہے ؟ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی زبانی ملاحظہ کریں۔

ألا ان الدعی ابن الدعی قد خیرنا بین اثنتین السلة او الذلة وھیھات منا الذلة یابی اللہ ذلك لنا ورسوله والمومنون وحجور طابت وحجر طھرت وانوف حمیة ونفوس ابیه (شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید جلد نمبر ۳ ص ۲۴۹)

ترجمہ :۔ عبید اللہ بن زیاد (جو خود بھی اور اس کا باپ بھی ثابت النسب نہیں اور بعد میں ان کو خاندان میں شامل کیا گیا تھا) نے ہمیں دو امر کے درمیان اختیار دیا ہے یعنی تلوار کے وار سہنے یا ذلت و رسوائی قبول کرنے (اور بیعت کرنے) کے درمیان اور پناہ بخدا کہ ہم ذلت برداشت کریں نہ اللہ تعالیٰ اس کو ہمارے لیے قابل قبول سمجھتا ہے نہ اس کا رسول اور نہ ہی مومنون اور نہ ہمیں تربیت دینے والی پاکیزہ گودیں اور سراسر طہارت پناہ و عصمت مآب مائیں اور حمیت و غیرت والے ناک اور باطل و ناحق اور ظلم و زیادتی کے سامنے سرنگوں ہونے سے انکاری نفوس اور ارواح مقدسہ اور جب موت کے سامنے سینہ سپر ہوئے اور اسے اپنے سروں پہ منڈلاتے ہوئے دیکھا تو آپ کا اور بعض خواص کا حال کیا تھا ملاحظہ ہو کتاب معانی الاخبار۔

عن ابی الحسین علیھما السلام لما اشتد الامر بحسین بن ابی طالب نظر الیه من کان معه (الی) فما الموت الا قنطرة تعبر بکم عن البؤس والضراء الی الجنان الواسعة والنعیم الدائمة فایکم یکرہ ان ینتقل من سجن الی قصر وما ھو لاعدائکم الا کمن ینتقل من قصر الی سجن وعذاب (الی) الدنیا سجن المومن وجنة الکافر والموت

Marfat.com

جسر ھؤلآء الی جنا تھم و ھؤلآء الی جحیم ۔

(معانی الاخبار للشیخ ابو جعفر ابن بابویہ القمی صفحہ ۸۲)

خلاصہ مفہوم: ۔ اس میدانِ کرب وبلا میں انتہائی ناسا عد حالات میں گھرے ہونے کے باوجود جب آپ کے ساتھیوں نے آپ کی طرف دیکھا تو آپ کی حالت ان سے یکسر مختلف تھی ان کے تو رنگ اُڑے ہوئے تھے اور اعصاب پر کپکپی طاری تھی اور دلوں کی دھڑکنیں تیز ہو چکی تھیں جبکہ آپ اور بعض خواص (اہل بیت) کے چہرے چمک رہے تھے اور رنگت نکھری ہوئی تھی اعضاء وجوارح پُرسکون تھے اور دل مطمئن ساتھیوں نے آپس میں کہا دیکھو انھیں تو موت کی پرواہ ہی نہیں ہے تو امام موصوف نے فرمایا اے عزّت وکرامت والی اولاد صبر سے کام لو موت تو صرف ایک پل ہے جو تنگیوں اور شدتوں سے وسیع جنات اور ابدی اور دائمی نعمتوں کی طرف تمھیں پہنچاتی ہے لہذا تم میں سے کون ہے جو قید خانہ سے عالی شان محل کی طرف منتقل ہونے کو پسند نہ کرے جبکہ وہ تمھارے اعداء کے لیے محلات سے قید خانہ اور عذاب کی طرف منتقل ہونے کا ذریعہ ہے مجھے میرے باپ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بیان فرمایا ہے کہ دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت اور موت اہلِ ایمان کے لیے نجات کی طرف جانے والا پُل ہے اور کفار کے لیے جہنم کی طرف جانے والا۔ نہ میں نے جھوٹ بولا نہ مجھ سے جھوٹ بولا گیا۔

۳۔ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب نازل فرمائی جس میں آئمہ اور اولیاء کے لیے وصیتیں تھیں اور ہر وصیت پر سنہری مہر لگی ہوئی تھی چنانچہ ہر امام اپنی وصیت پر سے اپنے دور میں مہر کو اکھیڑتا اور اس کے مطابق عمل پیرا ہوتا جن میں امام حسین رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل شدہ وصیت یہ تھی۔

ففک خاتماً فوجد فیہ ان اخرج بقومک الی الشھادۃ فلا شھادۃ لھم الا معک واشتر نفسک للہ تعالیٰ ففعل (اصول ج ۱ ص ۲۸۱)

Marfat.com

اپنی قوم کے ساتھ میدانِ شہادت کی طرف نکلو کیونکہ ان کی شہادت بھی تمھارے ساتھ ہونی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنے نفس کو خرید چنانچہ آپ نے اس وصیت کے مطابق عمل کیا۔

امام محمد باقر رضی اللہ عنہ اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اور شیعی تقیہ

پھر کتاب وصیت حضرت امام محمد باقر تک پہنچی انھوں نے اپنی وصیت کی مہر جدا کر کے اس کو دیکھا تو اس میں یہ مرقوم تھا:

حدث الناس وافتهم وانشر علوم اهل بيتك وصدق اٰباءك الصالحين ولا تخافن احدا الا الله تعالٰى فانه لا سبيل لاحد عليك

لوگوں کو احادیث بیان کرو، فتوے صادر فرماؤ اور اہل بیت کے علوم کو عام کرو اور اپنے آباء صالحین کی تصدیق کرو (اصول کافی ص ۲۸ ج ۱) اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈرنا کیونکہ کوئی بھی آپ پر دسترس اور غلبہ نہیں رکھتا۔

بعد ازاں کتاب وصیت امام جعفر صادق تک پہنچی تو ان کی وصیت یوں تھی:

حدث الناس وافتهم ولا تخافن الا الله وانشر علوم اهل بيتك وصدق اٰباءك الصالحين فانك فى حرز وامان ففعل

اس عبارت کا مفہوم وہی ہے جو اوپر والی کا ہے اور معاذ نے امام ابو عبداللہ جعفر صادق سے جو روایت نقل کی ہے اس کے الفاظ یوں ہیں۔

قُل الحق فى الامن والخوف ولا تخش الّا الله

امن وخوف ہر دو صورت میں حق بات زبان پر لائیے اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی سے خوفزدہ نہ ہونا۔

Marfat.com

اس روایت سے بھی صاف ظاہر کہ ان قدسی نفوس نے تقیہ نہیں کیا تو پھر اسی امام کے قول وفعل میں تضاد اور عمل وروایت میں تضاد بھی لازم آرہا ہے اور ان کی بیان کردہ روایات کے مطابق نوے فیصد دین کا فقدان بلکہ کلیۃً دین وایمان سے محروم ہونا بھی ان کے حق میں لازم آرہا ہے شیعی مجتہد صاحب کو یہ تضاد اٹھانا لازم تھا اور ان نفوسِ قدسیہ کے حق میں لازم آنے والے اس عظیم مفسدہ کا جواب دینا چاہیے تھا ادھر اُدھر کی ہانکنے سے تو بات بنتی نظر نہیں آتی ۔

شیعی اصول وقواعد اور تقیہ

شیعی اصول اور قواعد وضوابط کی رُو سے تقیہ قطعًا جائز ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ تقیہ صرف خوف کی صورت میں جائز ہے اور خوف دو قسم کا ہوتا ہے ایک جان کا خوف وخطر اور دوسرا مشقت ومحنت اور تکالیف وشدائد کا خوف ۔

پہلی صورت میں تقیہ کا جواز اس لیے نہیں ہوسکتا کہ آئمہ اپنی موت وحیات کے مختار ہوتے ہیں اور اپنی مرضی اور ارادہ کے بغیر ان پر موت وارد نہیں ہوسکتی جیسے کہ اصولِ کافی میں علامہ محمد بن یعقوب کلینی نے یہی عنوان قائم کرکے اس کے تحت آٹھ احادیث اور روایات درج کی ہیں ۔

باب أن الائمۃ علیھم السلام یعلمون متی یموتون وانھم لایموتون الا باختیار منھم (اصول ص۲۵۹ تا ۲۶۰)

نیز وہ اپنی موت کے اوقات کو بھی تفصیلاً جانتے ہیں اور وقوعِ موت کی کیفیات کو بھی جیسے کہ باب سابق سے بھی ظاہر وواضح ہے اور اگلے باب سے بھی ۔

باب ان الائمۃ یعلمون علم ما کان وما یکون وانہ لا یخفی علیھم صلوات اللہ علیھم شیئ

اس باب کے تحت کلینی نے چھ روایات بطور استشہاد واستدلال درج کی ہیں ۔ (اصولِ کافی ص ۲۶۰ تا ۲۶۲)

Marfat.com

الغرض جب وقت موت بھی متعین طور پر معلوم ہو اور اس کی جملہ کیفیات بھی تو قبل از وقت تقیہ کرنے اور دین میں خلل انداز ہونے اور عوام اہلِ اسلام کو مغالطوں میں ڈالنے کی آخر کیا وجہ وجیہہ ہو سکتی ہے؟

رہ گئی قسم ثانی جس میں بدنی تکلیف یا سب وشتم کا اندازہ ہوا کرتا ہے تو ہر دور کے علماء امت ایسی تکالیف برداشت کرتے ہی رہے ہیں اور سلاطینِ زمان کے جبر و استبداد کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اعلانِ حق اور اظہارِ حقیقت کر کے افضل جہاد کا سہرا اپنے سر باندھتے ہی رہے ہیں اور اہلِ بیتِ نبوت اس قسم میں امامت اور قیادت کے زیادہ لائق اور مستحق ہیں بلکہ شہید کربلا نے تو قسم اول میں بھی امامت اور قیادت کا حق ادا کر دیا ہے۔

تو اب میں علامہ ڈھکو صاحب کو انھیں کی زبان میں کیوں نہ کہہ دوں ؎

نے اصولت محکم آید و نے فروع — شرم باید از خدا و از رسول

آپ نے دوسرے مذاہب کے اصول و قواعد سے تو کیا واقف ہونا تھا جبکہ خود اپنے قواعد و قوانین اور اصول ۔ سب کی خبر نہیں ہے اس لیے ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارنے کی کوشش کرتے ہیں مگر زبانِ حال پکار پکار کر کہہ رہی ہے ؎

کبھی گرتا ہوں مینا پر کبھی جھکتا ہوں ساغر پر
میری بے ہوشیوں سے ہوش ساقی کے بکھرتے ہیں

تقیہ کا بطلان از روئے قرآن

اللہ تعالیٰ کا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور خلاصۂ نسل انسانی اور مقصد تخلیقِ کائنات ہستیوں کے متعلق حکم وارشاد ہے۔

ا۔ الذین یبلغون رسالات اللہ ویخشونہ ولا یخشون احدا الا اللہ وکفی باللہ حسیبا۔

(سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۳۹)

Marfat.com

جو ہستیاں اپنے اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے احکام کی تبلیغ کرتی ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور سوائے اس کے دوسرے کسی شخص سے نہیں ڈرتے اور اللہ تعالیٰ کافی ہے محاسبہ کرنے والا۔

۲۔ سید المحبوبین اور سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا:

یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ

(سورۃ المائدۃ آیت نمبر ۶۷)

اے میرے رسول! جو کچھ آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کی تبلیغ کرو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے اللہ تعالیٰ کی رسالت کا حق ادا نہ کیا اور اللہ تمہیں کافروں سے محفوظ رکھے گا۔

۳۔ اِذْھَبَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّہٗ طَغٰی فَقُوْلَا لَہٗ قَوْلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّہٗ یَتَذَکَّرُ اَوْ یَخْشٰی قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ یَّفْرُطَ عَلَیْنَآ اَوْ اَنْ یَّطْغٰی قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِیْ مَعَکُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی (سورہ طٰہٰ، سے موسیٰ اور ہارون)

تم دونوں فرعون کی طرف جاؤ بیشک اس نے سرکشی سے کام لیا ہے اور اسے نرم انداز میں کہنا ہو سکتا ہے کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا خوفزدہ ہو جائے۔ ان دونوں نے کہا: اے رب ہمارے بیشک ہم ڈرتے ہیں اس لیے کہ ہم پر زیادتی نہ کرے اور طغیان و سرکشی کا مظاہرہ نہ کرے فرمایا تم دونوں بالکل نہ ڈرو یقیناً میں تمہارے ساتھ ہوں سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں۔

۴۔ عام اہلِ اسلام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَلَا تَخْشَوْھُمْ وَاخْشَوْنِیْ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِیْ عَلَیْکُمْ (سورۃ بقرہ)

مگر وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا پس ان ظالموں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو

Marfat.com

اور تاکہ میں تم پر اپنی نعمت کامل کروں۔

۵۔ کنتم خیر اُمة اُخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنھون عن المنکر۔

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کی منفعت اور بھلائی کے لیے پیدا کی گئی ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو۔

شیعہ صاحبان نے کہا کہ یہاں امت کا لفظ نہیں بلکہ آئمہ کا لفظ وارد ہے تو اس صورت میں امر بالمعروف بھی آئمہ کی شان ہوئی تو پھر تقیہ کا کیا مطلب؟

ان آیات مقدسہ اور اس قسم کی دوسری بے شمار آیات سے واضح ہو گیا کہ پیغمبران اسلام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے لے کر علماء کرام بلکہ عوام اہل اسلام کو بھی صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور دوسرے لوگوں سے نہ ڈرنے کا پابند کیا گیا اور اعلانِ حق اور اعلاء کلمۃ الحق اللہ کے لیے تن من کی بازی لگانے کا پابند کیا گیا ہے۔ اگر تقیہ ضروری ہو اور اس کا ترک ایمان و دین کے خاتمہ کا موجب تو پھر ان آیات کا کیا معنی رہ جائے گا اور اگر نوے فیصد دین کا ترک لازم آتا ہو تو بھی آیات کا کوئی معنی نہیں ہوگا ماسوائے اتنے ثواب سے محروم کرنے کے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

سُنّت انبیاء و رُسل علیہم السلام بھی شیعی تقیہ کو باطل ٹھہراتی ہے

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السّلام کے حیرت انگیز واقعات نے اور حق گوئی و بیباکی کی عظیم مثالوں نے یہ واضح کر دیا کہ تقیہ شیوہ پیغمبران نہیں ہے کبھی نمرودیوں کے بُت توڑ کر کبھی ستاروں اور چاند و سورج کی عبادت کو دلائل و براہین کے ساتھ باطل ٹھہرا کر اور کبھی نارِ نمرود میں چھلانگ لگا کر بتلا دیا۔ ؎

ہیں جوانمرداں حق گوئی و بیباکی   اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

حضرت موسیٰ کلیم اور حضرت ہارون علیہما السّلام کا فرعون کے دربار میں جا کر بے سر و سامانی اور لشکر و سپاہ کی مدد و اعانت کے بغیر کلمہ حق ادا کرنا اور سید عالم صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم کا پوری دنیائے عرب کی دشمنی کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اعلان توحید و رسالت فرمانا اور بتوں کی مذمت اور بت پرستی کی قباحت بیان کرنا ایسی حقیقت ہے کہ کوئی مشرک بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا لہٰذا واضح ہو گیا کہ تقیہ مفروضہ کی سنت انبیاء علیہم السلام میں قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اجماع اہل اسلام سے شیعی تقیہ کا ابطال

دعوت محمدی پر لبیک کہنے والوں نے کفار عرب اور قریش مکہ سے کیا کیا ظلم و ستم نہ سہے اور جبر و استبداد کی کون سی بھیانک سے بھیانک شکل تھی جس کا عملی تجربہ ان حضرات کو نہ کرنا پڑا۔ حضرت یاسر اونٹوں کے پاؤں سے باندھ کر اور انھیں مخالف سمت میں چلا کر چیر دیئے گئے حضرت سمیّہ کو ابو جہل لعین نے اندام نہانی میں نیزہ یا خنجر کا وار کر کے شہید کر دیا۔ اور بالآخر اس ظلم و ستم کی تاب نہ لاتے ہوئے ایک جماعت نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ بعد ازاں خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بقیہ صحابہ مکہ مکرمہ جیسے مقدس اور پیارے شہر سے ہجرت کر گئے لیکن کتمان حق اور زمانہ سازی اور کفار و مشرکین سے موافقت اور یکجہتی کو قطعاً روا نہ رکھا اور امام مظلوم نے اس جانفشانی اور ایثار و قربانی کے مجسمہ میں روح پھونک کر اسے زندہ جاوید بنا دیا۔

کیا ہے کوئی جہان میں عقل سلیم اور طبع مستقیم کا مالک اور شرع قویم کے اصول و قواعد اور آئین و ضوابط سے باخبر جو فتویٰ صادر کرے اور ان اقدامات کو خالق عقل و عقلاء کی شریعت مقبولہ میں ناجائز ثابت کرے اور اس کے خلاف کو موجب اجر و ثواب اور باعث ترقی درجات بتلائے۔ ان اقدامات کو دین و ایمان کی نفی اور انعدام کا موجب قرار دے اور کتمان کو دین میں نوّے فیصد ترقی کا موجب۔

لہٰذا کتاب اللہ، سنت رسل و انبیاء اور اجماع اہل اسلام بلکہ اجماع عقلاء سے حق گوئی اور اعلاء کلمۃ اللہ کی خوبی اور استحسان واضح ہوا اور اس کے برعکس غلط بیانی اور زمانہ سازی کا قبح اور نقص۔

Marfat.com

حدیث بے خبراں سے ہے کہ بازمانہ بساز　　　زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ ستیز

ان آفتاب عالم تاب کی طرح واضح اور روشن دلائل کا ملاحظہ ومطالعہ کرنے کے بعد ڈھکو صاحب کے مغالطات بنام دلائل اور شبہات بشکل براہین ملاحظہ کریں اور ان کے جوابات بھی۔

شیعی مجتہد ڈھکو صاحب کا قرآن مجید سے استدلال اور اس کا جواب۔

پہلی آیت۔ قال اللہ تعالیٰ من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان۔ الآیہ

اس آیت کو اپنے مسلک پر منطبق کرتے ہوئے ڈھکو صاحب نے طویل تقریر فرمائی وہ ملاحظہ ہو چکی ہم نے اختصاراً صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ اس آیت کریمہ کو شیعہ صاحبان کے اس تقیہ سے کیا نسبت ہے جس کی شان اصول کافی کے حوالوں سے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی زبانی حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز نے بیان فرمائی۔

اس آیت کریمہ کا مطلب واضح ہے کہ جو شخص ایمان لانے کے بعد کفر کا ارتکاب کرے اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے اور ایسے لوگوں کے لیے عذاب عظیم ہے اور اگر جبر واکراہ اور خطرہ جان کی وجہ سے صرف زبانی کلمہ کفر کہا مگر دل میں ایمان وایقان اور اعتراف وتصدیق راسخ ہے تو ایسے شخص کے لیے نہ غضب خداوندی ہے اور نہ عذاب الیم وعظیم۔

۱۔ اس میں یہ کہاں لکھا ہے کہ اس صورت میں اس کے درجے کتنے بلند ہوں گے۔ اور کلمہ کفر زبان پر نہ جاری کرنے سے ایمان جاتا رہے گا پھر اس آیت کی رُو سے حضرت عمار کے والد حضرت یاسر اور ان کی والدہ حضرت سمیہ کے متعلق کیا فتویٰ ہے؟ لہٰذا یہ حقیقت تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ جان کو خطرات میں ڈال کر اعلانِ حق کا نعرہ مستانہ لگانے والا ہی بلند وبالا مقامات کا مالک ہے دوسرے اس کے مراتب کو نہیں پہنچ سکتے۔

Marfat.com

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلیطان
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

۲۔ کیا اس آیت کریمہ یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت عمار کو کفار و مشرکین کے درمیان رہنے اور تقیہ کے ذریعے اپنا تحفظ کرنے کی اجازت مل گئی یا سوءِ اتفاق سے کبھی ایسا واقعہ ہائلہ پیش آئے تو وقتی طور پر اس کفر لسانی کو برداشت کرنے کا تذکرہ ہے۔

دارِ کفر سے ہجرت نہ کرنے پر سزا کا بیان اور شیعی تقیہ کا بطلان از روئے قرآن

لیکن اگر کوئی شخص ایسی جگہ سے ہجرت نہ کرے اور کفار کے ساتھ نبھاؤ کی صورت اپنائے رکھے تو قرآن مجید نے اس کے متعلق کیا فرمایا ہے اس طرف ڈھکو صاحب نے کیوں دھیان نہیں دیا۔ قال اللہ تعالیٰ

ان الذین توفاھم الملائکۃ ظالمی انفسھم قالوا فیم کنتم قالوا کنا مستضعفین فی الارض قالوا الم تکن ارض اللہ واسعۃ فتھاجروا فیھا فاولئک ماواھم جھنم وساءت مصیرا۔ الا المستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین لا یستطیعون حیلۃ ولا یھتدون سبیلا فاولئک عسی اللہ ان یعفو عنھم وکان اللہ عفوا غفورا۔ (سورۃ النساء)

بیشک وہ لوگ جن کو فرشتے فوت کرتے ہیں درآنحالیکہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں تو ان سے دریافت کرتے ہیں تم کس حال میں تھے وہ کہتے ہیں ہم تو اس زمین میں ضعیف و ناتواں تھے اور بے بس و بے چارے۔ تو فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ تعالیٰ کی زمین وسیع نہیں تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے ایسے ظالموں کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بُری جگہ ہے

Marfat.com

بازگشت کی ماسوا ان لوگوں کے جو ضعیف و ناتواں اور بے بس و بیچارہ تھے۔ مردوں عورتوں اور بچوں میں سے جو ہجرت کی کوئی تدبیر نہیں کر سکتے تھے اور نہ راہ کی خبر رکھتے تھے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے عفو اور درگذر فرمائے اور اللہ تعالیٰ عفو و درگذر فرمانے والا ہے۔

اس آیت کریمہ نے واضح کر دیا ہے کہ جس علاقے میں اپنے مذہب و مسلک اور دین و ایمان کا اظہار نہ ہو سکتا ہو وہاں سے ہجرت نہ کرنا اپنی جان پر ظلم عظیم ہے اور جہنمی ہونے کا موجب اور عذاب عظیم کا سبب لیکن شیعہ صاحبان نے اس کے مقابل اجر عظیم اور ثواب جمیل کی روایات گھڑ کر اور اسے ترقی درجات کا ذریعہ قرار دے کر بلکہ تمام تر عقائد اور اعمال سے اس کو کئی گنا فضیلت دے کر ہجرت کا تصور ہی ختم کر دیا اور اس کو رخصت اور اباحت کے درجہ سے اٹھا کر فرض بلکہ فرائض کی جان اور عین ایمان بنا ڈالا کیا اس آیت مبارکہ کو اس شیعی تقیہ کے ساتھ کوئی ادنیٰ سا تعلق اور واسطہ بھی ہے؟

اگر شیعی تقیہ میں سے ہم خرما و ہم ثواب والی بات ہوتی تو قاضی نور اللہ شوستری صاحب عیاری و مکاری کے ذریعے عہدۂ قضا کے ساتھ چمٹے نہ رہتے اور عرصۂ دراز تک اہل السنۃ والجماعت کو اپنی چالاکیوں اور دسیسہ کاریوں سے پریشان نہ رکھتے بلکہ جب بھی موقع ملتا دار رفض و تشیع کی طرف بھاگ جاتے۔

حضرت عمار بن یاسر کامل الایمان کیوں؟

ڈھکو صاحب فرماتے ہیں "صحابہ کرام علیہم الرضوان تقیہ کریں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کامل الایمان ہونے کی سند عطا کریں" جس سے یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ حضرت عمار کے کامل الایمان ہونے کا سبب تقیہ ہے حالانکہ یہ بات قطعاً غلط ہے ان کو کامل الایمان اس لیے قرار دیا گیا کہ ان سے کلمات شرکیہ سرزد ہونے پر قلبی کیفیت پوچھی گئی تو انھوں نے عرض کیا دل تو بالکل ایمان و تصدیق سے

Marfat.com

معمور ہے، اور بالکل مطمئن۔

تب آپ نے ان کو ایمان سے بھرپور اور کامل مومن قرار دیا۔

لہذا سبب کامل الایمان ہونے کا تقیہ نہیں بلکہ تصدیق قلبی کا بحال ہونا دیئے ہوئے ہوں بعینہ ورنہ جن حضرات صحابہ اور حضرات آئمہ نے تقیہ نہیں کیا وہ نعوذ باللہ کامل نہیں قرار پائیں گے۔

علامہ ڈھکو صاحب کی غرابت استدلال اور انوکھی منطق

علامہ موصوف نے دعویٰ کرتے وقت تو مجبوری مقہوری اور ظلم و زیادتی کی صورت میں تقیہ کو جائز قرار دیا اور کلام مجید سے حالت اکراہ و اجبار میں کلمۂ کفر زبان پر جاری کرنے کا جواز بطور دلیل پیش کیا، کما قال تعالیٰ "الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان" اور حضرت عمار یاسر رضی اللہ عنہما کی مغلوبیت و مقہوریت اور بے بسی و بیچارگی کی حالت اور اس میں سرزد ہونے والے کلمات کو دلیل بنایا لیکن دل کی بات دل میں رکھی اور اسے نوک قلم بالب قرطاس پر نہ لائے اور تقیہ دبیز تہوں میں چھپا ہی لیا کیونکہ انہوں نے یہ نظریہ جاری ہی اس لیے کیا تھا کہ امیرالمنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دوران خلافت شیخین ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی سیرت کو اپنا لیے، اور ان حضرات کی بھری محفل میں تعریف و توصیف اور مدح و ثنا کا جواز پیش کریں اور شیعی طبقہ کے خصوصی احکام کو جاری نہ کرنے مثلاً متعہ کا اجراء نہ کرنے، بیس تراویح کو بند نہ کرنے اور تین طلاق کو ایک قرار نہ دینے وغیرہ کا جواز پیش کرنے اور ظاہر ہے کہ خلیفۂ وقت کے حق میں تقیہ کا جواز نہ قول باری تعالیٰ "الا من اکرہ" سے ثابت ہو سکتا ہے اور نہ ہی حضرت عمار والے واقعہ سے اس لیے ان دلائل اور شواہد کو اس عقیدہ و نظریہ سے تعلق ہی نہیں ہے، کیا یہ حیرانگی اور سراسر تعجب کی بات نہیں کہ تقیہ کا جواز بیان کرتے وقت حالت اکراہ و جبر کا سہارا لیا جائے اور ہتھیار کو استعمال کیا جائے اہل السنت کے اس استدلال کے خلاف کہ حضرت علی مرتضیٰ نے دوران خلافت خلفاء سابقین کی سیرت و کردار سے سر مو تجاوز و انحراف نہ کیا اور ان کے

Marfat.com

جاری کردہ احکام میں ذرہ بھر تبدیلی نہ کی گئی کر فدک اور قرآن مجید کی ترتیب و تدوین اور تلاوت میں بھی انہیں کی تقلید و اتباع کی اور اکو خیرامت اور افضل المسلمین اور راستباز اور صاحب استقامت قرار دیا وغیرہ وغیرہ اگر ان سے نظریاتی اور عملی اختلاف ہوتا تو ہرگز یہ طور و طریقہ نہ اپناتے تو سب کا ایک ہی لفظ میں کافی و وافی جواب یہ ہی دیا جاتا ہے کہ آپ تقیہ کرتے تھے۔

اور اگر ایسا نہ کرتے تو سارا لشکر الگ ہو جاتا اور اکیلے رہ جاتے لہٰذا جہاں اس اختراعی عقیدہ کو استعمال کر کے اہل السنت کے استدلال کا جواب دیا جاتا ہے ایسے ہی مواقع استدلال میں بھی پیش کرو جس ہستی نے حضرت طلحہ و زبیر اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ حالات کی نزاکت اور سنگینی کے باوجود حضرت ابن عباس کے بار بار مشورہ دینے اور اصرار کرنے پر ایک مہینہ کے لیے بھی ایسی مصلحت کیشی سے کام نہ لیا اور سر چہ باداباد کا نعرہ لگا کر میدان کارزار میں اتر پڑے وہ شیخین کے وصال کے بعد بھی پورے عرصہ خلافت میں اس مصلحت کیشی اور عام اہل اسلام کو ہمنوا بنائے رکھنے کی خاطر کیونکر تقیہ کے روادار ہو گئے۔

لہٰذا علامہ صاحب کو اس مخصوص حالت میں جواز تقیہ ثابت کرنا چاہیئے تھا جیسے کہ ان کے دلائل کو اس مدعا و مقصود سے دور کا تعلق بھی نہیں ہے گویا جس تقیہ میں نزاع ہے اس کو ہاتھ نہیں لگاتے اور اس کے متعلق ایک حرف زبان پر نہیں لاتے اور جس کے اثبات میں ورق سیاہ کیے جا رہے ہیں اس میں نزاع و اختلاف کوئی اہمیت ہی نہیں رکھتا۔

Marfat.com

تنزیہہ الامامیہ

ڈھکو صاحب

دوسری آیت : ارشاد ربّ العباد ہے :۔

لا یتخذ المومنون الکافرین اولیاء من دون المومنین ومن یفعل ذلک فلیس من اللہ فی شیئ الا ان تتقوا منھم تقاۃ ویحذرکم اللہ نفسہ والی اللہ المصیر (پ۳ س آل عمران ع ۱۱)

مسلمانوں کو چاہیے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا تو اس کو اللہ سے کچھ سروکار نہیں مگر (اس تدبیر سے) کسی طرح ان کی شرارت سے بچنا چاہو (تو خیر) اور اللہ تم کو اپنے (جلال) سے ڈراتا ہے اور (آخرکار) اللہ کی طرف جانا ہے (ترجمہ نذیری)

تفسیر بیضاوی طبع لکھنو جلد اوّل ص ۱۲۴ و طبع مصر جلد اوّل ص ۱۱۲ میں بذیل آیت بالا مرقوم ہے یعنی یعقوب قاری نے تقاۃ کو تقیہ پڑھا ہے (معالم التنزیل میں مجاہد کی قراءت بھی یہی بتلائی گئی ہے) خداوند عالم نے اس آیت مبارکہ میں اہل ایمان کو کفار کے ساتھ ہر قسم کی ظاہری و باطنی دوستی کرنے سے سوائے حالت خوف کے باقی تمام اوقات وحالات میں ممانعت فرمائی ہے۔ البتہ بوقت خوف ان سے دوستی ظاہر کرنا جائز ہے۔

ایسا ہی تفسیر کبیر جلد ۲ ص ۶۴۶ و تفسیر کشاف جلد اول ص ۱۸۳ فتح البیان وغیرہا میں افادہ فرمایا گیا ہے۔ برادران اسلامی کی اصح الکتب بعد کتاب الباری الصحیح البخاری جلد ۴ ص ۱۲۳ طبع مصر پر بذیل آیت مذکورہ بالا لکھا ہے یعنی تقاۃ سے مراد تقیہ ہے اور حسن (بصری) کہتے ہیں کہ تقیہ قیامت تک باقی اور جائز ہے

Marfat.com

''ارباب انصاف کے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ خداوند حکیم حالتِ خوف میں کفار سے اظہارِ محبت کو جائز قرار دے (جو عام حالات میں ناجائز ہے) علماءِ اسلام اس کے جواز کی صراحت کریں۔ بخاری شریف میں تقیہ کو قیامت تک دائم و دائم رہنے کی بشارت موجود ہے اس سے واضح و عیاں ہے کہ تقیہ برحق ہے (ص ۱۶، ۱۷)

تحفۂ حسینیہ

محمد اشرف السیالوی

مثل مشہور ہے کہ بھوک سے لاچار آدمی سورج کی طرف دیکھے تو اس کو وہ بھی لٹکی ہوئی روٹی کی صورت میں نظر آتا ہے ڈھکو صاحب ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کے مترادف لفظ تقیہ نظر آگیا تو پھولے جامہ میں نہیں سمارہے حالانکہ جھگڑا اہل السنۃ والجماعۃ اور اہلِ تشیع کے درمیان لفظ تقیہ میں تو نہیں ہے خواہ اس کا معنی کچھ بھی کیوں نہ ہو بلکہ ہم نے محلِ نزاع مفصل طور پر پہلے عرض کر دیا ہے اس پر پھر نظر ڈال لیں اور ڈھکو صاحب کے استدلال کی نوعیت کا اندازہ کر لیں علاوہ ازیں یہ استدلال چند وجوہ سے غلط اور باطل ہے۔

۱۔ قرآن مجید میں قراءت متواترہ کے اندر" الا ان تتقوا منھم تقاۃ" وارد ہے اور اس کا معنی خوف اور ڈر ہے نہ کہ مصطلح تقیہ۔ کما قال اللہ تعالیٰ۔

یٰاَیھا الذین اٰمنوا اتقوا اللّٰہ حق تقاتہ ولا تموتن الا وانتم مسلمون۔

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو جیسے کہ ڈرنے کا حق ہے اور تم پر موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔

Marfat.com

جس طرح یہاں لفظ تقاۃ وارد ہے اور اس کا معنی خوف ہے اسی طرح آیت مذکورہ بالا میں بھی یہی معنی مراد ہے نہ کہ محل نزاع تقیہ۔

۲۔ تقیہ بھی اسی طرح مصدر ہے جس طرح تقاۃ یعنی ایک دوسرے کی جگہ پر استعمال ہوتے رہتے ہیں ملاحظہ ہو نہج البلاغہ مع شرح ابی الحدید جلد ۶ ص ۲۶۴

فاتقوا اللّٰہ عباد اللّٰہ تقیۃ ذی لب شغل التفکر قلبہ

اے اللہ کے بندو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اس عقل مند کی طرح کا ڈرنا جس کے دل کو تفکر نے مشغول کر رکھا ہو۔

اور اسی طرح جلد ۶ ص ۲۵۵ پر مذکور ہے فاتقوا اللّٰہ تقیۃ من سمع فخشع تم اللہ سے ڈرو اس شخص کے ڈر کی مانند جس نے سنا پس خشوع و خضوع سے کام لیا تو کیا اس جگہ بھی متنازع فیہ تقیہ مراد لیا جا سکتا ہے؟

۳۔ آیت کریمہ کے سیاق و سباق سے صاف ظاہر ہے کہ اہل ایمان کو کفار کے ساتھ دوستی اور قلبی ربط و تعلق سے منع کیا گیا ہے جیسے کہ فرمایا:

یا ایھا الذین آمنوا لا تتخذوا بطانۃ من دونکم لا یالونکم خبالا۔

اے ایمان والو! غیر مسلموں کے ساتھ قلبی روابط استوار نہ کرو وہ تمہیں دھوکہ دینے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھیں گے۔

"الا ان تتقوا منھم تقاۃ" اسی حکم سے استثناء ہے یعنی اگر کفار و مشرکین اور غیر مذہب والے غالب ہوں تو پھر تم اس حکم کے ساتھ مکلف نہیں اور مشہور و معروف قاعدہ ہے کہ مستثنیٰ منہ میں جس کی نفی یا نہی (نفی) ہو گی مستثنیٰ میں اسی کو حکم نفی یا نہی سے خارج کیا جائے گا لہٰذا یہاں ایمان کے چھپانے اور کفر کے ظاہر کرنے والا معنی کیسے مراد لیا جا سکتا ہے جبکہ مستثنیٰ منہ کی جانب کفار کے ساتھ موالات ترک کرنے کا حکم ہے۔ لہٰذا صرف ظاہری موالات اور مدارات، حسن خلق اور رواداری والا معنی ہی مراد ہو گا نہ کوئی دوسرا معنی اور مدارات یا حسن خلق میں تو نزاع د

Marfat.com

اختلاف ہی نہیں ہے۔ گویا قدرت وطاقت اور غلبہ وتسلط حاصل ہو تو پھر مشرکین کو جزیہ دینے پر مجبور کر دیا قتل کر دو اگر اسلام نہ لائیں تو کما قال تعالیٰ حتی یوتوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون۔ فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم اور اگر قدرت وطاقت نہ ہو تو رواداری اور حسنِ خلق کا مظاہرہ کرو بقول حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ یہ حکم تا قیام قیامت سہی مگر اس سے ڈھکو صاحب کو کیا حاصل؟ مگر اسلاف کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے تلبیس اور اشتباہ سے کام نہ لیں تو کیا کریں

مفسر صحابہ حبر امت حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں

نھی اللہ المومنین ان یلاطفوا الکفار ویتخذ وھم ولیجہ من دون المؤمنین الا ان یکون الکفار علیھم ظاھرین اولیاء فیظھرون لھم اللطف ویخالفونھم فی الدین وذلک قولہ تعالیٰ الا ان تتقوا منھم تقاۃ۔

(تفسیر درمنثور جلد ثانی ص ۱۶)

اللہ تعالیٰ نے مومنین کو کفار کے ساتھ لطف ومہربانی سے پیش آنے سے منع فرمایا اور مؤمنین کے علاوہ ان سے روابط وتعلقات سے مگر یہ کہ کفار ان پر غالب وقاہر ہوں تو ان کے ساتھ لطف ومہربانی کو ظاہر کریں اور دین میں ان کی مخالفت کریں اور یہی معنی ہے قول باری تعالیٰ "الا ان تتقوا منھم تقاۃ" کا یہاں ظاہر اور باطن کا فرق قطعاً نہیں ذکر کیا گیا بلکہ مطلقاً دین میں مخالفت کا ذکر کیا گیا ہے، جو دونوں حالتوں کو شامل ہے لہٰذا اس سے اہل السنت کا مذہب باطل کیسے ٹھہرا اور شیعہ کا مذہب ثابت کیسے ہوا۔

ڈھکو صاحب کا اپنے قول کی تردید کرنا

موصوف نے تقیہ کا معنی بیان کیا تھا "ابطان ایمان اور اظہار خلاف ایمان" ایمان کو چھپانا اور اسلام کے خلاف کو ظاہر کرنا لیکن یہاں دلیل قائم کرتے ہوئے صرف

Marfat.com

مدارات اور نرم رویہ اور ملاطفت ورواداری کا جواز ثابت کیا۔

رواداری اور ملاطفت کا حکم تو اہلِ ذمہ کے متعلق بھی ہے تو کیا ان کے ساتھ بھی مذہب میں موافقت کر لیں منافقینِ مدینہ کے ساتھ بھی عرصہ تک رواداری اور مروّت برتنے کا حکم تھا تو کیا ان کے ساتھ مذہب وعقیدہ میں بھی موافقت کی گئی لہٰذا ملاطفت ومدارات سے ابطان ایمان اور اظہار خلاف ایمان کیسے ثابت ہوگیا؟ بلکہ اس سے تو یہ ثابت ہوا کہ تقیہ ایمان چھپانے کا نام نہیں ہے بلکہ نرم سلوک کرنے کا نام ہے تو اس دلیل سے پچھلا دعویٰ باطل ہوگیا۔

علماء شیعہ کا افراط اور حد سے تجاوز

جو امور ضرورت اور مجبوری کی وجہ سے جائز کیے جائیں اور عام حالات میں جائز نہ ہوں وہ رخصت اور اباحت کے درجہ میں ہوتے ہیں نہ فرض وواجب اور نہ ہی موجبِ ترقی درجات۔ مگر شیعہ صاحبان انکو حدود اباحت اور رخصت میں رکھنے کی بجائے اہم فرض میں قرار دیتے ہیں اور اس پر اجر جزیل اور ثواب جمیل ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے نظر آتے ہیں۔

۱۔ ابن بابویہ در رسالہ اعتقادیہ اوردہ کہ تقیہ واجب است ہر کہ آنرا ترک کند ہمچناں است کہ ترک نماز کردہ۔

ابن بابویہ رسالہ اعتقادیہ میں نقل کرتے ہیں کہ تقیہ واجب ہے اور جو اسے ترک کرے گویا اس نے نماز کو ترک کیا ہے۔

(منہج الصادقین از فتح اللہ کاشانی جلد دوم صفحہ ۲۰)

۲۔ اور آقائے میرزا ابوالحسن شعرانی نے اس وجوب کو بہت زیادہ عام کرتے ہوئے فرمایا: ہمارے زمانہ میں رسالہ اعتقادیہ مؤلفہ ابن بابویہ والا حکم بہت دشواری کا موجب ہوگیا ہے کیونکہ چھاپے خانے قائم ہوگئے اور ہر فریق کی کتابیں دوسرے فریق کے ہاتھ لگ جاتی ہیں اور ممالک کے درمیان آمد ورفت کے ذرائع

Marfat.com

عام ہو گئے ہیں۔ و ہر کس امروز در کتابے سب منو سید یا کتابے مشتمل بر سب را بچاپ رساند بر خلاف تقیہ است و برادران مومن خود را در معرض ہتک قرار میدہد اما در زمانِ سابق ہر کس چیزے می نوشت نزد خود یا کسان او میماند و اخفاء آں ممکن بود اگر سابق در نزد مخالف تقیہ واجب بود اکنوں ہمہ جا واجب است

(حاشیہ منہج جلد دوم صفحہ ۲۰۷)

جو شخص اب کسی کتاب میں سب وشتم لکھے اور اس پر مشتمل کتاب کو چھاپے تو وہ تقیہ کے خلاف ہے اور ایسا شخص اپنے مومن بھائیوں کو معرض و محل ہتک قرار دیتا ہے پہلے زمانہ میں جو کوئی ایسی چیز لکھتا تھا وہ اپنے پاس رکھتا تھا یا اس کے خاص آدمیوں تک وہ چیز محدود رہتی تھی اور اس کا اخفاء ممکن ہوتا تھا۔ لہذا پچھلے دور میں اگر مخالف کے سامنے تقیہ واجب تھا تو اب تمام جگہ (دور و نزدیک) تقیہ واجب ہے۔

لیجیے صاحب مخالف سے جان و مال کے ڈر کی شرط بھی ختم ہوئی اور ہر ہر جگہ تقیہ واجب و لازم ہو گیا کیا واقعی اس آیتِ کریمہ کا مدعا یہی ہے تو پھر ڈھکو صاحب اور ان کے تمام عالم میں پھیلے ہوئے ہم مشرب لوگوں کو اس فرض پر عمل کرتے ہوئے اپنا عقیدہ چھپانا فرض اور ہمارا عقیدہ ظاہر کرنا لازم نیز اپنے عبادات کے طور طریقوں کو چھوڑنا لازم اور ہمارے طور طریقوں کو اپنانا ضروری ہو گیا اور اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن و تشنیع اور سب وشتم کی بجائے ان کی مدح وثناء لازم اور ضروری ہو گئی۔

سُنّی امام کے پیچھے ازراہِ تقیہ نماز پڑھنے کا اجر و ثواب

اس مسئلہ میں افراط و غلو اور حد سے زیادہ تجاوز کا اور نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

امیر المومنین فرمودہ، من صلی خلفھم فی الصف الاول فکانما صلی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الصف الاول۔

جو شخص ہمارے مخالفین کے پیچھے صفِ اول میں نماز ادا کرے تو گویا اس نے

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صف اول میں نماز ادا کی۔

(تفسیر منہج الصادقین جلد دوم ص ۲۰۸)

ہم تو کسی فاسق کے پیچھے پڑھنے پر نماز کا اعادہ واجب ولازم سمجھتے ہیں مگر شیعہ صاحبان کی خانہ ساز روایات دیکھیے کہ مخالف امام کے پیچھے نماز پڑھنے کو نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھنے کے ہم پلہ قرار دے دیا اور کون کافر ہے جو اس مقدس ترین ہستی کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز کا اعادہ جائز بھی سمجھے چہ جائیکہ واجب و لازم۔ اور پھر لطف یہ ہے کہ اس روایت میں کسی ڈر اور خوف، جانی اور مالی نقصان کے اندیشہ کا بھی ذکر نہیں کیا گیا لہذا یہ حکم بھی عام ہو گیا۔ اس طرح اہل السنہ کو مغالطہ دینے کا کام بھی سرانجام ہو گیا اور عظیم اجر و ثواب بھی حاصل ہو گیا اور اس کو شیخ الاسلام قدس سرہ نے ہم خرما و ہم ثواب سے تعبیر کیا۔

کیا اس آیت سے یہ تقیہ ثابت کیا جا سکتا ہے میں پھر کہوں گا غلط مبحث اور تلبیس سے کام لینے کی ضرورت نہیں۔ تقیہ کے متعلق اپنا عقیدہ سامنے رکھ کر دلیل پیش کریں جس میں تقریب تمام ملحوظ ہو ورنہ اپنا اور ہمارا وقت ضائع کرنے کی کیا ضرورت؟

Marfat.com

فصل چہارم

تنزیہ الامامیہ ———— ڈھکو صاحب

جوازِ تقیہ سنّتِ پیغمبرؐ کی روشنی میں

تاریخ اسلام پر نگاہ رکھنے والے حضرات پر یہ حقیقت مستور نہیں ہے کہ تقیہ کا جواز نہ صرف رسولِ خدا کے قول سے بلکہ ان کے عمل و فعل سے بھی ثابت ہے، چنانچہ تفسیر درِ منثور جلد ۴ ص ۱۰۶، ۱۰۷ و تفسیر کبیر جلد ۵ ص ۱۹۳ طبع مصر تفسیر معالم التنزیل طبع بمبئی ص ۴۹۹ وغیرہا کتب معتبرہ میں مرقوم ہے کہ کئی سال (۳ برس) تک پیغمبرِ اسلام نے اپنے امر نبوت کو مخفی رکھا جو کچھ خدا ان پر نازل کرتا تھا اسے ظاہر نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ آیت مبارکہ "فاصدع بما تؤمر" نازل ہوئی جب کہ شجرِ اسلام میں کچھ توانائی پیدا ہو چکی تھی اس وقت کھل کر کلمۂ حق بلند کیا۔

بخاری مع فتح الباری جلد ۲ ص ۹۸، ۱۰۰ پر جناب عائشہ سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے ان کو خطاب فرماتے ہوئے فرمایا: اے عائشہ! اگر تیری قوم تازہ جاہلیت کفر سے نکل کر اسلام میں داخل نہ ہوئی ہوتی جس کی وجہ سے مجھے ان کے دلوں کے برگشتہ ہو جانے کا اندیشہ ہے تو میں یقیناً کعبہ کو گرا کر اس کا سنگ بنیاد جناب ابراہیم کی بنیادوں پر رکھتا اور اس کے لیے دو دروازے مقرر کرتا ایک مشرقی اور دوسرا مغربی۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس اہم مصلحت کے پیش نظر آپ یہ مہم کام انجام نہ دے سکے۔

اس سے ایک اور مشہور غلط فہمی کا ازالہ بھی ہو جاتا ہے کہ حضرت امیر نے اپنے ظاہری دورِ خلافت میں بعض اصلاحات کیوں نافذ نہ کیں؟ جب بانی اسلام کی سیرتِ طیبہ میں

Marfat.com

اس کی نظیر موجود ہے تو اگر جنابِ امیر بعض اہم مصالح کی بناء پر بعض مہم اصلاحات نافذ نہ کر سکے ہوں تو ان کو کسی طرح بھی موردِ الزام قرار نہیں دیا جا سکتا۔ (ص ۱۷، ۱۸)

تحفہ حسینیہ ــــــــــــ محمد اشرف السیالوی

تقیہ اور سنتِ پیغمبرؐ

قبل ازیں اس معاملہ میں اولوالعزم رسل کرام کی سنت بیان کی جا چکی ہے اس جگہ صرف ڈھکو صاحب کے دلائل پر تبصرہ کرنا ہے۔ اس فصل میں انھوں نے صرف دو عدد حوالے روایات میں سے پیش کیے ہیں جبکہ ہم قرآنِ مجید کے قطعی دلائل سے ان کا تقیہ سے ہزاروں مراحل دور ہونا بیان کر چکے لہٰذا سرسری نظر میں ہی ناظرین حق و باطل میں فیصلہ کر سکتے ہیں۔

پہلی روایت کا جواب:

۱۔ چلو تسلیم کر لیتے ہیں کہ تین سال تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوٰی نبوت اور دیگر آیاتِ نازلہ کو مخفی رکھا لیکن بہرحال اس کے بعد ڈنکے کی چوٹ اعلان کیا اور لشکر و سپاہ، حکومت و سلطنت کے حصول کا انتظار کیا تو وہ سنت منسوخ ہو گئی کیا کوئی عالم بقائمی ہوش و حواس منسوخہ سنت کو دلیل بنا سکتا ہے۔ اگر پہلی سنت بعد میں بھی قابل عمل تھی تو اپنے لیے اور اپنے غلاموں کے لیے مصائب و مشکلات کے طوفان سے ٹکرا جانے کا راستہ کیوں اختیار کیا اور مصالح عالیہ و النفسیہ کو نظر انداز کیوں کیا؟ معلوم ہو گیا اور روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گیا کہ سابقہ سنت اب منسوخ اور ناقابل عمل ہو چکی تھی تو علماءِ شیعہ کو اس وقت اس کے زندہ کرنے کی ضرورت کیوں پیش آ رہی ہے؟

Marfat.com

ایک وہ دور بھی تھا کہ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف بھی منہ کر کے نماز ادا کرتے رہے ہیں تو کیا آپ اب بھی اس کو قبلہ بنا لیں گے

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

۲۔ نیز دریافت طلب یہ امر ہے کہ روایت کو محلِ نزاع سے کیا تعلق ہے کیا اس عرصہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ اور قریش کے ساتھ زبانی یا عملی طور پر موافقت فرمائی جب نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر تقیہ بمعنی " ابطان ایمان و اظہار خلاف ایمان " اس روایت سے کیسے ثابت ہو گیا۔ ؎

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

۳۔ پھر اسی روایت کا آغاز ہی ڈھکو صاحب کی تردید کر رہا ہے مازال النبی صلی اللہ علیہ وسلم مستخفیا سنین کئی سال تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چھپے رہے اگر اعلانِ رسالت و نبوت نہیں فرمایا تھا اور اہل مکہ عداوت و دشمنی پر نہیں اتر آئے تھے تو چھپنے کی ضرورت کیا تھی۔ پہلے چالیس سال تو نہیں چھپے تھے۔ آخر اب یہ تبدیلی رونما کیوں ہوئی؟ یقیناً اس لیے کہ اعلانِ نبوت و رسالت کرنے پر وہ مخالف ہو گئے لہذا علی الاعلان تبلیغ کی بجائے علیحدہ مقام پر تشریف فرما ہو کر اس مقدس مشن کو جاری رکھا۔ کیا علیحدہ مقام اور الگ مکان میں بیٹھ رہنا بھی تقیہ کہلاتا ہے اور اسی حالت میں اہل السنۃ اور اہل التشیع کے درمیان اختلاف ہے۔

دوسری روایت کا جواب:

مجتہد صاحب بالکل بہک گئے ہیں اور ان کے ہوش و خرد گم نظر آتے ہیں۔

۱۔ ذرا سوچیے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت میں تقیہ متنازعہ کے جواز پر کس طرح روشنی پڑتی ہے کعبہ شہید نہ کر کے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس کے ساتھ تقیہ کیا۔ اہل اسلام کے ساتھ یا کفار کے ساتھ کافر تو فتح مکہ کے بعد یا بھاگ گئے یا حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے لہذا ان کا تو وہاں وجود ہی نہ تھا

Marfat.com

اور اہلِ اسلام سے تقیہ کرنا چہ معنی دارد ؟

۲۔ کعبہ کو سابقہ شکل پر برقرار رکھنے سے کسی کی نماز میں کوئی خلل لازم آسکتا ہے ؟ اس موجودہ مکان کو کعبہ سمجھنے میں کوئی کفر یا فسق یا مکروہ امر کا ارتکاب لازم آتا ہے جب کچھ بھی نہیں تو پھر اس کو تقیہ والے نظریہ سے کیا تعلق ؟ بلا وجہ اپنی بے مائیگی ظاہر کی اور علمی مفلسی اور ہمارا وقت ضراب کیا۔

۳۔ بات صرف اتنی تھی کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی بنیادوں پر اس کی تعمیر زیادہ موزوں تھی لیکن کسی کے گوشہ ذہن میں ادنیٰ سی خلش پیدا ہو سکتی تھی کہ اس کو ابراہیمی بنیاد سے کہیں ہٹا تو نہیں دیا گیا اور آپ نے دعویٰ تو ملتِ ابراہیم علیہ السلام پر ہونے کا کیا تھا کہیں اس سے انحراف کا آغاز تو نہیں ہو رہا۔ گویا کعبہ کے سابقہ حالت پر رہنے سے کسی قسم کا خلل اور نقص دین میں اور نماز میں لازم نہیں آتا تھا جبکہ اس کی از سر نو اور موجودہ بنیادوں سے ہٹ کر تعمیر میں اس قسم کے توہم اور شبہ کا احتمال تھا لہٰذا اسے اسی حال پر رہنے دیا اس قسم کے مصالح کی رعایت کو متنازعہ فیہ مسئلہ تقیہ سے دُور کا واسطہ بھی نہیں اور اگر بالفرض ہے تو کیا میں علماءِ شیعہ سے دریافت کر سکتا ہوں کہ اگر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ مقدسہ کو شہید کر کے ابراہیمی بنیادوں پر تعمیر فرماتے تو امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب یہ فتویٰ (بصورت روایت) آپ پر بھی لاگو ہوتا " لا ایمان لمن لا تقیة لہٗ "

" نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ ثم استغفر اللہ "

اور کیا آپ نے بھی کعبہ کو از سر نو تعمیر نہ کر کے اپنے درجات و مراتب میں نوے فیصد ترقی کا اہتمام فرمایا ؟ اگر ان امور میں سے کوئی بھی یہاں پر وقوع پذیر نہیں ہے تو پھر تطویل لاطائل سے ڈھکو صاحب کو کیا حاصل ؟

Marfat.com

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق مشہور مغالطہ کا ازالہ

فاضل شیعی نے تقیہ کے جواز و ثبوت پر دلائل دیتے ہوئے سنت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں تقیہ لوگوں کو دکھلانا چاہا تو لگے ہاتھوں سیرت حضرت علی المرتضیٰ کی روشنی میں بھی اس کو اجاگر کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ آیئے آپ بھی اس روشنی کو دیکھیں اور اس میں ڈھکو صاحب کی بیچارگی اور بے بسی کا مشاہدہ کریں۔

شیعہ صاحبان پر اعتراض یہ تھا کہ اگر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ متفق نہ ہوتے تو ان کے جمع کردہ قرآن کے مقابل اپنا قرآن پیش کرتے۔ متعہ کو رواج دیتے۔ تراویح کو حکماً روک دیتے۔ تین طلاق کو ایک طلاق قرار دیتے وغیرہ وغیرہ اور جب آپ نے کسی قسم کی تبدیلی ان امور میں نہیں کی تو آپ کا ان حضرات کے ساتھ متحد و متفق ہونا واضح ہو گیا اور مذہب اہل السنۃ کی حقانیت ثابت ہو گئی ورنہ خلافت کا فائدہ ہی کیا اگر اس کے حصول پر بھی آپ صحیح شریعت اور کامل دین لوگوں کے سامنے پیش نہ کر سکیں۔ اس کو ڈھکو صاحب نے مشہور غلطی قرار دیا اور پھر اس کا بزعم خویش کعبہ کے سایہ میں ازالہ کر دیا۔

خدارا سوچیے!

کعبہ کا سابقہ حالت پر رہنا دین میں کسی ضعف اور نقص کو مستلزم نہیں بلکہ مکان نہ بھی ہو نعوذ باللہ تو بھی نماز میں خلل نہ حج میں کیونکہ اصل قبلہ وہ فضا ہے جس میں یہ مکان قائم ہے اور اسی حصہ ارض کا طواف بھی کافی ہے اور اس چبوترہ کے گرد چکر لگانا ہی حج میں کفایت کر سکتا ہے؟ جن دنوں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اس کی از سر نو تعمیر کی تھی اس وقت بھی اہل اسلام نمازیں پڑھتے رہے۔ عمرہ اور حج کرتے رہے لہذا اس پر احکام شرع کو قیاس کرنا قطعاً غلط ہے۔

Marfat.com

اگلے صفحات میں آپ ملاحظہ کریں گے کہ ڈھکو صاحب نے بڑے منطقی انداز میں تحریر کیا ہے کہ تراویح بدعت عمر ہے اور ہر بدعت ضلالت و گمراہی ہے اور ہر ضلالت نار دوزخ و جہنم میں ہے۔ لہذا تراویح موجب نار دوزخ ہیں۔ لیکن اگر صاحب اقتدار خلیفہ لوگوں کو اس بدعت سے نہ بچا سکے اور انہیں اپنی آنکھوں سے جہنم میں گرتے دیکھتا رہے۔ اور چپ سادھے رکھے تو کیا تامرون بالمعروف اور تنھون عن المنکر جیسا اُمت محمدیہ کا امتیازی نشان مولائے مرتضیٰ میں ڈھونڈنے سے ملا (العیاذ باللہ)

متعہ عندالشیعہ حلال ہی نہیں بہت زیادہ ترقی درجات کا موجب ہے ایک مرتبہ کرنے سے حضرت امام حسین کا درجہ اور دو (۲) مرتبہ کرنے سے امام حسن کا درجہ اور تین مرتبہ کرنے سے حضرت علی مرتضیٰ کا درجہ نصیب ہو جاتا ہے۔ اور جو چار مرتبہ کرے اسے رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اور جو زندگی بھر ایک مرتبہ بھی نہ کرے اس کی قیامت کے دن ناک کٹا ہوا ہو گا۔ برہان المتعہ از علامہ ابوالقاسم رضوی قمی اور تفسیر منہج الصادقین جلد دوم میں اس موضوع پر بے شمار روایات موجود ہیں۔ بچشم خود ملاحظہ کریں۔ ہم نے علیحدہ رسالہ میں اس موضوع پر مکمل بحث کی ہے۔ یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ یہ فعل عندالشیعہ کس قدر موجب خیر و برکت اور اس کا ترک کس قدر موجب خسران اور باعث تذلیل مگر اس کار خیر کو جاری نہ کر کے حضرت علی المرتضیٰ نے کتنے لوگوں کی ناک کٹائی اور کتنے لوگوں کو حسنی حسینی مرتضوی اور محمدی درجات پر فائز ہونے سے محروم کیا۔

تین طلاقیں اگر ایک ہیں تو عورت سابقہ خاوند پر حلال اور دوسرے کے لیے حرام مگر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے نہ حقدار کو اس کا حق دیا اور نہ دوسرے شخص کو حرام اور زنا سے بچایا بلکہ اللہ تعالیٰ اور رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک حلال کو حرام اور حرام کو حلال ٹھہرائے جانے اور شریعت مطہرہ میں تغیر و تبدل کر دینے پر بھی آپ کے کانوں پر جوں نہ رینگی تو اس خلافت کا مقصد کیا رہ گیا۔

لہذا کعبہ مقدسہ کی از سر نو تعمیر نہ کرنے والی مصلحت پر ان شرعی احکام اور اس

Marfat.com

قسم کے بیسیوں احکام کی خلاف ورزی پر خاموشی اور چشم پوشی کسی طرح بھی قیاس نہیں کی جا سکتی اور خلیفہ وقت ہو کر منکرات کو نہ زور بازو سے تبدیل کر سکیں اور نہ اعلانیہ تبلیغ کے ذریعے تو پھر اس خلافت سے بڑھ کر کار بے خیر کیا ہو سکتی ہے اور ایسی خلافت والے پر یہ خلافت کس قدر بار گراں اور اخروی وبال کا موجب بنے گی۔ لہذا شیعہ صاحبان دوستی کے پردہ میں اس بدترین دشمنی کا مظاہرہ کرتے ہیں تو کریں ہم غلامان مرتضیٰ رضی اللہ عنہ تو بہر حال یہی سمجھتے ہیں کہ آپ نے جس امر کو قائم اور برقرار رکھا۔ بہر حال حق اور درست سمجھ کر ہی برقرار رکھا۔ اسد اللہ الغالب اس قسم کے ضعف اور ناتوانی کا مظاہرہ کیسے کر سکتے ہیں ؎

آئین جوانمرداں حق گوئی و بیباکی　　　اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

اگر خدانخواستہ صرف اہل السنت کو ہمنوا بنائے رکھنے کے لیئے اور اپنی خلافت کو استحکام بخشنے کے لیئے ایسا کیا تھا تو آجکل کے دنیا پرست مکار حکمران میں اور اس خلیفہ راشد اور سرچشمہ ولایت وعرفان میں کیا فرق ہو سکتا ہے؟

رسالہ کے مؤلف نے (جناب علی کا اپنا مذہب اور ثلاثہ پر اعتراض) ص۶۵ والا عنوان قائم کر کے (۲۸) احکام ایسے گنوائے ہیں جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے خلاف تھے مگر ان کو تبدیل نہ کر سکے۔ آغاز یوں ہے مجھ سے پہلے حکام نے ایسے اعمال کو رواج دیا ہے جن میں انھوں نے جناب رسالت مآب صلعم کی مخالفت کی ہے اور رسول خدا کے عہد کو انھوں نے عمداً توڑ کر غلط راہ لی ہے جس سے سنت نبوی کو تبدیل کر دیا اور اختتام یوں ہے۔ میں خدا کی طرف اس بات کی شکایت کرتا ہوں جو لوگوں نے تفریق پیدا کر دی اور جو انھوں نے ایسے اماموں کی پیروی اختیار کر رکھی ہے جو لوگوں کو گمراہ کرنے والے ہیں اور دوزخ کی طرف بلانے والے ہیں۔

فرمایئے صاحب اٹھائیس بلکہ اس سے بھی زیادہ احکام ایسے جن میں اصلی قرآن سے لے کر عہد شکنی اور سنن نبویہ کی تبدیلی موجود، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت

Marfat.com

اور دوزخ کی راہ پر گامزن کرنے تک سبھی مفاسد موجود رہے۔ مگر چونکہ نبی کریم علیہ السلام نے کعبہ از سر نو تعمیر نہیں کیا تھا۔ لہذا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ احکام صحیح طریقہ پر نافذ نہ ہو سکے۔ بس بالکل سنت نبوی پر عمل کیا گیا ہے ؎

خرد کا نام جنون رکھ دیا جنون کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

تنزیہہ الامامیہ ــــــــ ڈھکو صاحب

آنحضرتؐ کا ابوذرؓ کو کتمانِ دین کا حکم دینا

بخاری کتاب المناقب ج ۲ ص ۱۶۶ پر بذیل حدیث اسلام ابی ذرؓ مذکور ہے کہ جب جناب ابوذرؓ اوائل اسلام میں اسلام لائے تو آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا:

"اے ابوذرؓ! ہنوز اس امر (اسلام) کو چھپائے رکھو اور اپنے شہر پلٹ جاؤ۔ ہاں جب ہمارے غلبہ وظہور کی اطلاع ملے تو ہمارے پاس چلے آنا" (ص ۱۸)

تحفہ حسینیہ ــــــــ محمد اشرف السیالوی

ڈھکو صاحب نے اس روایت میں بوجوہ تلبیس سے کام لیا ہے۔

وجہ اول: تو یہ ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ابوذر رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دیا تو انھوں نے جواب میں عرض کیا والذی بعثک بالحق لاصرخن بها بین اظهرهم (الحدیث) چنانچہ آپ نے مسجد حرام میں آکر کفار کے سامنے بآواز بلند کہا۔ "اے گروہ قریش انی اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله اور ان کا ہر ظلم وتشدد برداشت کر لیا مگر اخفاء وکتمان سے کام نہ لیا تو کیا وہ حکم

Marfat.com

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف اور باغی قرار پائے اور لا ایمان لمن لاتقیة له کے تحت ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے (نعوذ باللہ)

وجہ ثانی :- کیا آپ کے اس ارشاد کا مقصد یہ تھا کہ کفارِ مکہ اور مشرکین عرب کے ساتھ موافقت کرتے رہو اور بت پرستی اور زنا وغیرہ میں ان کے ہمنوا بنے رہو۔ (نعوذ باللہ) جب قطعاً یہ مقصد نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر تقیہ کا بیان کردہ معنی (ابطان ایمان واظہار خلاف ایمان) یہاں سے کیسے ثابت ہوگیا۔

وجہ ثالث :- سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم خود کسی مکان میں چھپے ہوئے تھے اگر خود تقیہ پر عمل پیرا ہوتے تو چھپنے کی ضرورت کیا تھی اور جب خود عمل پیرا نہیں تھے تو انہیں اس کا حکم دینے کا مقصد کیا ہو سکتا تھا؟ بات صرف اتنی تھی کہ اگر قریش مکہ پر اسلام لانے کا اظہار کیا تو وہ ظلم و تشدد کا نشانہ بنائیں گے لہذا ان کے سامنے اسلام لانے کا اعلان نہ کرنا یہ حکم بطور ترحم تھا مگر مست شراب محبت مصطفوی نے اپنی تکلیف اور ایذا کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اس کا برملا اظہار کر دیا۔ کیا شیعہ صاحبان بھی حضرت ابوذر کی تقلید کو گوارا کر سکتے ہیں؟ ڈھکو صاحب نے یہاں پر بھی تقیہ سے کام لیا کہ اپنے مطلب کا حصہ نقل کر دیا اور دوسرا حصہ جس سے تقیہ کا بھانڈا چوراہے میں پھوٹتا تھا اس کو قلم زد کر دیا۔

تنزیہہ الامامیہ — ڈھکو صاحب

آنحضرت ؐ کا معاذ کو اظہارِ حدیث سے منع فرمانا

بخاری ج ۱ ص ۲۴ مطبع دہلی پر معاذ رضؓ سے منقول ہے کہ آنحضرت ؐ نے فرمایا۔ جو کوئی شخص صدقِ دل سے کلمہ شہادتین پڑھے (خدا اور رسول کا اقرار

Marfat.com

کرے) تو خدا اس کے جسم کو آتش جہنم پر حرام قرار دے دیتا ہے۔"
معاذؓ بیان کرتے ہیں مَیں نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہؐ آیا میں لوگوں کو یہ حدیث سنا دوں تاکہ وہ خوش وخرم ہو جائیں؟" آنحضرتؐ نے فرمایا (اگر تم نے ایسا کیا تو) وہ اسی پر بھروسہ کر لیں گے (اور اعمال صالحہ کی بجا آوری ترک کر دیں گے) جناب معاذؓ نے اپنی موت کے وقت محض اس خیال کے پیشِ نظر کہ کتمان حدیث کر کے گناہگار نہ ہوں۔ (یا اپنے آپ کو گناہ گار سمجھتے ہوئے کہ ایک سربستہ راز کا افشاء کر رہے ہیں) یہ حدیث بیان کی۔

ان حقائق کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ بعض اوقات حق کا چھپانا اتنا ہی ضروری ہوتا ہے جتنا کہ بعض اوقات اس کا ظاہر کرنا ضروری ہوتا ہے۔ سچ ہے ؏

ہر سخن جائے و نکتہ مقامے دارد!

(ص ۱۸، ۱۹)

تحفہ حسینیہ ——— محمد اشرف السیالکوی

علامہ ڈھکو صاحب بیچارے ایسے پریشان ہوئے ہیں کہ ورق پہ ورق سیاہ کرتے جا رہے ہیں مگر اصل موضوع اور متنازعہ فیہ مسئلہ پہ کوئی دلیل قائم نہیں کر سکتے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعلان عام سے منع فرمایا اور حکمت یہ پیشِ نظر تھی کہ لوگ اس خوشخبری کو سُن کر عمل میں کوتاہی نہ کرنے لگ جائیں اور ضروری درجات و مراتب میں نقصان سے دوچار نہ ہو جائیں اس میں متنازعہ فیہ امر پہ استدلال کا کیا جواز ہے۔ وہ تو اس صورت میں ممکن ہوتا جب اعلان یہ کرایا جاتا کہ صدق دل سے شہادت توحید و رسالت قطعاً نجات اور فلاح کی ضامن نہیں ہے۔ اور دل میں یہ ہوتا کہ ضامن ہے۔ جب قلبی نظریہ کے خلاف کا اعلان و اظہار ثابت نہیں تو متنازعہ فیہ مسئلہ میں اس روایت کو گھسیٹ لانے کا امانت و

Marfat.com

دیانت کی دنیا میں کیا جواز ہو سکتا ہے؟

ہر بات ہر ایک کے سامنے ظاہر نہ کرنا دوسری چیز ہے اور اس کے خلاف کا اظہار و اعلان علیحدہ امر ہے مگر ڈھکو صاحب ہیں کہ بقول خود ــــ

کبھی گرتا ہوں مینا پر کبھی جھکتا ہوں ساغر پر
مری بے ہوشیوں سے ہوش ساقی کے بکھرتے ہیں

ایسے بے ہوش ہیں کہ خود اپنے بیان کردہ معنی کا بھی خیال نہیں رہتا کہ تقیہ تو ایمان چھپانے اور خلاف ایمان کو ظاہر کرنے کا نام ہے۔

تنزیہہ الامامیہ ــــــ محمد حسین ڈھکو

تقیہ کا جواز اسوۂ انبیاء کی روشنی میں

خداوند عالم نے جناب موسیٰؑ کے تذکرہ میں فرمایا ہے کہ فرعون نے ان سے کہا۔ "ولبثت فینا من عمرك سنین اے موسیٰ تم اپنی زندگی کے بہت سے سن و سال ہم میں گزار چکے ہو۔ اس آیت کے ذیل میں مفسر بیضاوی نے اپنی تفسیر ص ۱۰۶ طبع نولکشور میں لکھا ہے۔ جناب موسیٰ (اعلان نبوت سے پہلے) فرعونیوں میں تقیہ کے ساتھ بسر اوقات کیا کرتے تھے۔ جناب خلیل خدا کا بت توڑنا ایک مشہور و مسلّم واقعہ ہے لیکن قرآن شاہد ہے کہ جب قوم نے جناب خلیل سے اس واقعہ کے متعلق باز پرس کی تو آپ نے فرمایا۔ بل فعلہ کبیرھم ھذا فاسئلوھم ان کانوا ینطقون "یہ کارستانی بڑے بت کی ہے اگر یہ بولتے ہیں تو خود ان سے دریافت کر لو"

ظاہر ہے کہ جناب ابراہیم کا یہ جواب تقیہ پر مبنی ہے جسے بخاری نے "کذب" (جھوٹ) سے تعبیر کیا ہے۔ کہ لم یکذب ابراھیم الا ثلاث کذبات"

Marfat.com

کہ جناب ابراہیمؑ نے اپنی زندگی میں صرف تین بار جھوٹ بولا تھا (معاذ اللہ) بخاری ج ۲ ص ۲۳۳ طبع مصر حالانکہ خلاق عالم ان کو صدیق فرماتا ہے۔ واذکر فی الکتاب ابراھیم انہ کان صدیقاً نبیا (ص ۱۹، ۲۰)

تحفہ حسینیہ ——— محمد اشرف سیالوی

ڈھکو صاحب نے اس عنوان کے تحت حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تقیہ پر عمل پیرا ثابت کرنے کی ناپاک سعی کی ہے۔ آیئے حقائق کی روشنی میں اور دانش و بینش کے آئینہ میں ان کی لغزشیں مشاہدہ کریں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تقیہ :۔ اس ضمن میں آپ کو صرف بیضاوی شریف کی یہ عبارت مل گئی کان یعاشرھم بالتقیہ لہذا شیعہ مذہب ثابت ہو گیا نعرہ حیدری یا علی مدد۔

اس دیس میں یا فرعون کی پرستش ہوتی تھی یا اصنام و اوثان کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان میں سے کس امر کا ارتکاب کیا تھا؟ (العیاذ باللہ) وہ خدا کے منکر تھے تو کیا موسیٰ علیہ السلام بھی ان کے ساتھ اس معاملہ میں ہمنوائی کرتے تھے۔ جب ایسی کوئی صورت بھی ثابت نہیں تو شیعی تقیہ کیسے ثابت ہو گیا۔

بس ڈھکو صاحب کو تقیہ کا لفظ نظر آتا ہے تو وہ سمجھ لیتے ہیں یہ وہی ہمارا تقیہ ہے مگر حیرت کی بات ہے کہ تقیہ کا اپنا بیان کردہ معنیٰ ان کو یاد نہیں رہتا اور بھوکے شخص کے سورج کو روٹی سمجھنے کی طرح اسے اپنے مذہب کا ثبوت کیسے سمجھ لیتے ہیں۔ سچ ہے حبک الشیئ یعمی و یصم کسی چیز سے محبت ہو تو پھر اس کے سوا سے آدمی اندھا اور بہرہ ہو جاتا ہے۔ مقصد واضح ہے کہ آپ ان کو دشمنِ خدا سمجھتے تھے اور دشمن عقل و خرد۔ لہذا ہر وقت آپ کو ان کی طرف سے خوف و ہراس اور انتقامی کارروائی کا کھٹکا لگا رہتا تھا۔

Marfat.com

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تقیہ :۔ اس ضمن میں ڈھکو صاحب نے قول باری تعالیٰ حکایت عن الخلیل و بل فعلہ کبیرھم ھذا فاسئلوھم ان کانوا ینطقون پیش کیا ہے اور اس سے نتیجہ نکالا ہے کہ جناب ابراہیم علیہ السلام کا یہ جواب تقیہ پر مبنی ہے۔ لیکن ؎

سخن شناس نئی دلبرا خطا اینجاست

بیشک آپ نے فرمایا: بل فعلہ کبیرھم ھذا لیکن اس کا مقصد کیا تھا کیا واقعی وہ لوگ اس بات کو مان سکتے تھے اور آپ یہ جواب دیکر ممکنہ انتقامی کارروائی سے بچ سکتے تھے۔ جب قطعاً یہ جواب ان کے نزدیک قابل قبول نہیں تھا تو اس جواب میں مضمر حکمت تلاش کرنی چاہیے۔

علاوہ ازیں آپ سے اگر وہ دریافت کرتے کہ تم نے بڑے بت کو یہ کام کرتے دیکھا تو آپ کا جواب کیا ہوتا کہ میں واقعی عینی شاہد ہوں۔ یہ بھی قطعاً کسی ادنیٰ عقل و فہم رکھنے والے کے نزدیک بھی قابلِ قبول اور قابل پذیرائی نہیں۔ تو صاف ظاہر ہے کہ آپ کا اس قوم کو ان بتوں کی بے بسی و بے چارگی کا احساس دلا کر حتیٰ کہ توڑنے والے کی شکایت کرنے سے بھی عاجز اور قاصر گردان کر ان سے بیزار کرنا مقصود تھا۔ اور راہِ راست کی طرف لانا۔ اسی لیے جب انھوں نے کہا قد علمت ما ھٰولاء ینطقون یہ تو تجھیں معلوم ہی ہے کہ یہ گفتگو نہیں کرتے تو آپ نے فرمایا: افسوس ہے تم پر اور جن کی تم عبادت کرتے ہو اف لکم ولما تعبدون من دون اللہ اگر تقیہ مقصود تھا تو بھرے مجمع میں ان کو سرزنش کرنے اور ان کے معبودات سے نفرت اور بیزاری کا اظہار کرنے کی جرأت کیونکر ہو سکتی تھی؟ آپ تو جذبہ قربانی سے اس قدر سرشار تھے کہ نمرودیوں کی طرف سے اس جرم صداقت اور حق گوئی کی پاداش میں جب آگ کے اندر پھینکے جا رہے تھے تو نہ مدد کو آنے والے فرشتوں کی امداد قبول کی اور نہ ہی اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کو مناسب جانا۔ ؎

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق ۔۔۔ عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

Marfat.com

اور جب جبرئیل امین نے دعا کرنے کو کہا تو فرمایا ہ علمه بحالی حسبی عن سؤالی کہ میری حالت جب اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے تو پھر مجھے دعا کی کیا ضرورت ہے؟ کیا ایسی ہستی جو ملائکہ کی مدد لینے کو تیار نہ ہو اور مقام امتحان میں خدا سے دعا کرنے کی روا دار بھی نہ ہو۔ اس پر تقیہ کی تہمت کوئی مسلمان لگا سکتا ہے؟

پھر یہ پہلا موقعہ نہیں تھا کہ بات ٹالنے سے ٹل جاتی انھوں نے تو بتوں کی یہ حالت دیکھتے ہی کہا کہ یہ کارروائی ابراہیم کی ہی ہو سکتی ہے قالوا سمعنا فتی یذکرھم یقال لہ ابراھیم لہٰذا اسے پکڑو اور یہاں لے آؤ۔ دوسرا کوئی فرد ان کے خلاف کبھی بات کرتا ہی نہیں تھا جب آپ ان کے نزدیک اس اقدام کے مرتکب تھے ہی اور تقیہ یہاں کام دے سکتا ہی نہیں تھا اور نہ پہلے کبھی کیا تھا اور نہ بعد میں تو اب اس کو بروئے کار لانے کا کیا مطلب ہو سکتا تھا؟ پھر تقیہ کرنا ہوتا تو توڑنے سے ہی گریز کرتے کیونکہ آپ کو یقیناً معلوم تھا کہ پہلا گمان میرے متعلق ہی کیا جائے گا۔ لہٰذا حفاظت نفس اور آبرو کی واحد صورت ہی یہی تھی۔ جس میں بچاؤ متعین تھا اس کو ترک کر کے موہوم تدابیر بچاؤ کی کرنا ضعیف الادراک اور فاتر العقل شخص کا کام تو ہو سکتا ہے۔ امام انبیاء اور نسل انسانی کے مقتداء کا یہ کام نہیں ہو سکتا۔

ڈھکو صاحب چونکہ ملنگوں کے ساتھ رہتے ہیں لہٰذا انہیں کی طرح لا تقربوا الصلوٰۃ کا سبق پڑھے ہوئے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی پڑھاتے ہیں۔ اگر سیاق و سباق اور اس قصہ میں وارد دوسری آیات پر غور کر لیتے تو دیانت و انصاف کے خون ناحق کے جرم سے بچ جاتے اور خواہ مخواہ کی رسوائی مول نہ لینی پڑتی۔

بخاری شریف اور تقیہ ابراہیمی یا توریہ

ڈھکو صاحب نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے تقیہ ثابت کرتے ہوئے بخاری شریف کا بھی حوالہ دے دیا کہ اسی کو چونکہ بخاری میں کذب سے تعبیر کیا گیا ہے

Marfat.com

لہذا تقیہ کا حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام سے صرز د ہونا ثابت ہو گیا۔

ڈھکو صاحب نے یہاں بھی خود تقیہ سے کام لیا ہے اور اہل السنۃ کے مذہب و مسلک اور بخاری شریف کی روایت کو غلط رنگ میں پیش کیا ہے۔ اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں حسب ضرورت توریہ درست ہوتا ہے اور توریہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایسا لفظ استعمال کیا جائے جو دو معانی پر دلالت کرتا ہو۔ ایک قریب اور دوسرا بعید مثلاً صدیق اکبر رضی اللہ عنہ غار سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکل کر روانہ ہوئے تو راستہ میں آپ کو واقف لوگ ملتے جو کاروبار تجارت میں آتے جاتے آپ سے متعارف تھے تو وہ دریافت کرتے کہ تمہارے ساتھ کون ہیں۔ آپ فرماتے دجل یھدینی السبیل یہ وہ ہستی ہیں جو مجھے راہ دکھلاتے ہیں۔ راستے دو ہیں زمین کا بھی اور آخرت کا بھی لیکن متبادر اور اقرب الی الفہم زمینی کا راستہ ہے۔ کیونکہ سڑکیں اور نشانات منزل متعین نہیں ہوتے تھے لہذا راہ کے ماہرین کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں اور ذرا بعید من الفہم معنی اس کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اور آخرت کا راستہ۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دوسرا معنی مراد لیتے تھے اور مخاطب کو گمان ہوتا تھا کہ انہوں نے پہلا معنی مراد لیا ہے۔

الغرض توریہ میں لفظ کی اس معنی پر دلالت بھی مسلم ہوتی ہے اور متکلم اپنے ارادہ اور مقصد کے لحاظ سے بالکل سچا بھی ہوتا ہے۔ یہ طریقہ حسب ضرورت جائز ہے اور یہی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے استعمال فرمایا۔ مثلاً فرمایا۔ انی سقیم اور سقم و مرض جسمانی بھی ہوتا ہے۔ اور روحانی بھی آپ ان سے روحانی کوفت اور تکلیف محسوس کرتے تھے۔ لہذا بایں معنی انی سقیم فرما دیا۔ اور مخاطب لوگوں نے جسمانی مرض کا گمان کیا۔ آپکی بیوی سارہ آپ کے ساتھ اسلامی اور مذہبی رشتہ میں منسلک تھیں اور مذہبی لحاظ سے بہن جو کہ ذرا بعید از فہم ہے۔ اور خونی رشتہ کے لحاظ سے بہن ہونا زیادہ قریب الی الفہم ہے۔ آپ نے اخوت اسلامی مراد لی اور مخاطبین نے اخوت بدنی اور خونی رشتہ کے لحاظ سے سمجھا اس طرح قول باری تعالیٰ بل فعلہ

Marfat.com

کبیرھم ھذا فاسئلوھم ان کانوا ینطقون میں بھی توریہ استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی فعل کی نسبت کسی کی طرف دو طرح پر ہوتی ہے۔ ایک حقیقت کے لحاظ سے اور دوسری ظاہر کے لحاظ سے۔ آپ نے ظاہری صورتِ حال کو ملحوظ رکھ کر نسبت کردی کیونکہ قتل کے آلات جس کے پاس ملیں بظاہر قاتل وہی سمجھا جاتا ہے اور عادت بھی اسی طرح جاری ہے کہ بڑا بادشاہ چھوٹوں کا وجود برداشت نہیں کرسکتا لہٰذا اس طرح بڑے بت کی طرف اس کارستانی کی نسبت آپ کی طرف سے درست ہوگئی اگرچہ مخاطبین یہی سمجھتے رہیں کہ انہوں نے حقیقۃً اس فعل کا مرتکب اس بت کو قرار دیا ہے پھر ساتھ ہی اپنے مقصد پر قرینہ بھی قائم کردیا فاسئلوھم ان کانوا ینطقون ان سے پوچھ لو اگر بولتے اور بتاتے ہیں تو صاف ظاہر کہ جب بولنے اور بتلانے سے قاصر ہوں تو ان سے ایسا فعل کیونکر سرزد ہوسکتا ہے۔ یہ کہہ کر ان کا عبادت و پرستش کے استحقاق سے محروم محض ہونا بیان کردیا۔

الغرض یہاں توریہ استعمال کیا گیا اور وہ چونکہ از روئے ارادۂ متکلم اور احتمال لفظ سراسر صدق ہوتا ہے اس لیے اس کو تقیہ قرار دینے کا کوئی جواز نہیں ہے؟

پھر کذب سے تعبیر کیوں؟

رہا یہ سوال کہ یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو صدیقاً نبیاً ہیں کذب کا مرتکب قرار دیا گیا ہے تو اس کا جواب واضح ہے کہ کبھی صوری اور ظاہری مشابہت و مشاکلت کی وجہ سے ایک مشابہ اور مشاکل کا اطلاق دوسرے پر کردیا جاتا ہے۔ گھوڑے کی تصویر کو بھی گھوڑا کہہ دیا جاتا ہے۔ زید کی تصویر کو زید کہا جاتا ہے۔ حالانکہ ماہیات میں کوئی دور کا تناسب بھی نہیں۔ اسی طرح کلام مجید میں برائی کی جزاء کو فعلِ بد کے مطابق ہونے کی وجہ سے برائی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا برائی کی جزاء اسی کی مانند برائی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ برائی کا حکم نہیں دیتا تو پھر جزاء کا حکم کیوں دیا۔ اس طرح کفار کے استہزاء پر اللہ تعالیٰ کی جوابی کاروائی

Marfat.com

جو ان کے فعل کے مطابق تھی یا ہو گی اس کو بھی استہزاء سے تعبیر کرتے ہوئے فرمایا۔ اللّٰہ یستھزء بھم۔ ان کے مکر و فریب کے جوابی اقدام کو بھی اسی وجہ سے مکر کے ساتھ تعبیر کرتے ہوئے فرمایا: ومکروا ومکر اللّٰہ واللّٰہ خیر الماکرین اسی طرح یہاں بھی ان امور کی ظاہری صورت کذب سے ملتی جلتی تھی گو حقیقت بالکل جدا تھی لہٰذا مجاز بالمشاکلت کے تحت ان کو کذب سے تعبیر کر دیا گیا۔

یہ بھی غنیمت ہے کہ ڈھکو صاحب نے صرف بخاری شریف کا مذاق اڑایا ہے کہیں قرآن پر اعتراض نہیں کر دیا کہ ہم ایسے قرآن کو قرآن ہی تسلیم نہیں کرتے جس میں خدا تعالیٰ کو مکر کرنے والا اور ٹھٹھے مذاق کرنے والا کہا گیا ہے۔ یہ بھی سنیوں کی تالیف ہے۔ گو دل میں تو عقیدہ یہی ہے مگر تقیہ اظہار حقیقت سے مانع ہے۔

صدیق نبی کو سنیوں نے کذب کا مرتکب قرار دیا۔

ڈھکو صاحب بڑے بھولے پن سے کہہ رہے ہیں کہ جب حضرت خلیل اللہ کو خدا نے صدیق کہا تو ان سے کذب کیونکر صادر ہو سکتا ہے؟ مگر آپ امام صادق سے ایسے کذب کے صادر کرنے کا جواز ثابت کرنے کے درپے ہیں۔ اور ادھر آپ کو تعجب ہو رہا ہے۔ سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے جحدوا بہا واستیقنتہا انفسھم دلوں کو تو یقین ہے مگر زبانی انکار ہے اور انکار پر اصرار۔ حضرت جی ہم نے تو صرف صوری مشابہت کے تحت ان صحیح اور سچے اقوال کو بطریق مجاز کذب سے تعبیر کیا ہے۔ مگر آپ صادق اور صدیق آئمہ کی طرف سے حقیقی کذب کے دیدہ دانستہ صادر کرنے پر نوّے فیصد اخروی درجات و مراتب میں ترقی اور سربلندی ثابت کرنے کے درپے ہیں اور دیدہ دانستہ وارادۃً جھوٹ نہ بولنے پر دین وایمان کی ہی سرے سے نفی کر دیتے ہو سہ

ببین تفاوت راہ از کجاست تا بکجا۔

Marfat.com

ڈھکو صاحب بھول گئے

پھر ڈھکو صاحب بھول گئے تقیہ تو تھا ایمان کو چھپانا اور ایمان کے خلاف کو ظاہر کرنا۔ کیا یہاں ابراہیم علیہ السلام نے ایمان کو چھپایا؟ جب نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر اس سے استدلال کی سعی لاحاصل کیوں کی جا رہی ہے؟ الحاصل اس استدلال سے بھی ڈھکو صاحب حرف بادبدست ہی رہے اور اثبات مدعا میں مکمل طور ناکام۔

تنزیہہ الامامیہ　　　　ڈھکو صاحب

تقیہ کا جواز بعض بزرگانِ دین کے عمل کی روشنی میں

جن صحابہ نے معاویہ کے وعدد وعید کی وجہ سے یزید کی ولی عہدی کا اقرار کیا تھا جو ذاتی طور پر یزید ایسے بدکردار و بداطوار کو اس منصب جلیل کا اہل نہیں جانتے تھے نیز اگر یہ ان کا تقیہ نہیں تھا تو اور کیا تھا۔ جب مسئلہ "خلق قرآن" پر مامون نے اصرار کیا تو بڑا دران اسلامی کے بڑے بڑے بزرگان دین نے تقیہ کر کے اپنے عقیدہ و نظریہ کے خلاف اس کی ہاں میں ہاں ملا دی۔ شبلی نعمانی المامون ص ۱۶۸/۱۶۷ پر اس واقعہ کے متعلق لکھتے ہیں "فرمان میں یہ چنگیزی حکم بھی تھا کہ جو لوگ اس عقیدہ سے باز نہ آئیں پا بہ زنجیر روانہ کئے جائیں تاکہ میں خود اپنے سامنے اتمام حجت کر کے ان کی موت و حیات کا فیصلہ کروں۔ مامون کو پھر معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے اس مسئلہ کو تسلیم کر لیا تھا۔ تقیہ کیا تھا وہ نہایت برآفروختہ ہوا اور ان لوگوں کی نسبت حکم دیا کہ آستانہ دولت پر حاضر کیے جائیں۔ ایک جم غفیر جس میں ابوحسان، زیادی، نضر بن شمیل قواریری، ابونصر تمار، علی بن مقاتل، بشر بن الولید وغیرہ شامل تھے۔ پولیس کی حراست میں شام کو روانہ کیا گیا۔ یہ لوگ رقہ تک پہنچ چکے تھے کہ مامون کے مرنے

Marfat.com

کی خبر آئی جس کا اثر عام مسلمانوں پر جو کچھ ہوا۔ ہوا۔ لیکن ان بے کسوں کے لیے تو ایک نہایت جانفزا مژدہ تھا۔" (ص ۲۰۰)

تحفہ حسینیہ ——— محمد اشرف السیالوی

اس عنوان کے تحت ڈھکو صاحب نے جواز تقیہ کے متعلق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں یزید کی ولی عہدی کے متعلق تقیہ سے کام لیئے جانے اور مامون کے دور میں خلق قرآن کے مسئلہ پر تقیہ کیے جانے کا ذکر کیا ہے۔ اگرچہ محل نزاع میں ان حوالہ جات کے پیش کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ تاہم ڈھکو صاحب نے اوراق سیاہ کرنے کی ٹھان رکھی ہے اور تنکوں کا سہارا لینے کی۔ اس لیے ان دونوں واقعات کے متعلق بھی صورت حال واقعی عرض کیئے دیتے ہیں۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے وعدو وعید کا معاملہ: سب سے پہلے تو غور طلب یہ امر ہے کہ آخر کچھ مردان حر اور اللہ تعالیٰ کے شیر ایسے بھی تھے یا نہیں جنھوں نے نہ وعدہ کی پرواہ کی اور نہ وعید کی اور بیعت سے انکار کر دیا ان کے متعلق کیا فتویٰ ہے؟ ان کا دین و ایمان برقرار رہا یا ختم ہو گیا اور جنھوں نے بیعت کر لی وہ نہ کرنے والوں پر نوتے فیصد درجات و مراتب میں فوقیت لے گئے یا نہیں؟ بصورت اول امام حسین رضی اللہ عنہ کا نوتے فیصد مقامات سے محروم ہونا لازم آیا اور دین و ایمان سے بھی (العیاذ باللہ) اور بصورت ثانیہ اصول کافی کی یہ سب روایات لغو اور باطل ٹھہریں۔ اور امام منتظر حضرت مہدی پر سراسر بہتان و افتراء اور یہی جواب مامون کے دور میں تقیہ نہ کرنے والوں اور کرنے والوں کے متعلق بھی ہے۔

۲۔ اگر بیعت کرنے والوں نے تقیہ سے کام لیا تھا تو پھر واقعہ حرہ کیوں پیش آیا اور حرم کعبہ بلکہ خود کعبہ پر سنگ باری کی نوبت کیوں آئی۔ آخر جب اس کی ولیعہدی کے لیئے وعدو وعید کی وجہ سے تقیہ کا سہارا لیا تھا تو پھر جنگ و جدال اور حرب و قتال تک نوبت ہی کیوں آئی تھی۔ صورت حال واقعہ یہ تھی کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کے خلافت

Marfat.com

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو سونپ دینے سے وہ بالاتفاق عالم اسلام کے امیرالمؤمنین تھے اور وہ ملکی استحکام اور امت میں اختلاف وانتشار سے تحفظ کے تحت یہ قدم اٹھانے کا دعویٰ کر رہے تھے۔ لہذا اس کو بعض حضرات نے خلاف مصلحت سمجھا اور بیعت سے انکار کر دیا۔ جن میں سرفہرست حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر حضرت عبداللہ بن الزبیر اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہم تھے۔ لیکن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ کسی قسم کا تعرض نہ کیا اور نہ جبر واکراہ اور نہ دھونس دھاندلی کا اظہار کیا، اگر کرتے تو حکومت ان کے ہاتھ میں تھی کونسی رکاوٹ ان کے لیئے ہو سکتی تھی۔ لہذا جب جبر واکراہ نہیں تھا تو تقیہ کی ضرورت ہی کیا ہو سکتی تھی؟

اور دوسرے حضرات نے اس کو مصلحت کے مطابق سمجھا اور یزید کا کردار اس وقت نہ واضح تھا اور نہ ہی ان کے علم میں لہذا برضا ورغبت بیعت کر لی اور جب کرسئ اقتدار پر بیٹھنے کے بعد اس کے اطوار دیکھے اور جادۂ حق سے انحراف۔ تو امام حسین رضی اللہ عنہ کی اتباع واقتداء کا حق ادا کرتے ہوئے بیعت توڑ دی اور بغاوت کر دی اور جو قربانی بھی دینی پڑی وہ دے دی۔ لہذا اس واقعہ کو تقیہ متنازعہ فیہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

مامون وغیرہ کا جبر واکراہ اور تقیہ: جب جان اور آبرو کا حقیقی خطرہ لاحق ہو تو اس وقت اس کے تحفظ کی سعی بہر حال جائز ہے اور ہم محل نزاع میں اس کی تصریح کر چکے ہیں۔ اور ہمارے نزدیک مستان شراب محبت جو سے

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

کا مظاہرہ کریں وہ افضل الشہداء ہیں نہ کہ نعوذ باللہ دین وایمان سے محروم اور نتیجے فیصد مراتب سے گر جانے والے۔ آئمہ اہل السنۃ نے بالعموم اس دور میں بھی اور امام احمد رحمۃ اللہ نے اور ان کے بعض دیگر ساتھیوں نے اس کے بعد ظلم وستم کی اس سیاہ رات کو بہر حال اپنے نور ایمان سے منور کیا اور ؎

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را　　چنداں اماں نداد کہ شب را سحر کند

Marfat.com

ظالم کو اس دنیا میں زیادہ عرصہ ٹھہرنے کا موقع نہ مل سکا۔

علاوہ ازیں مامون کو آخر کیسے پتہ چل گیا کہ ان لوگوں نے تقیہ کیا تھا اور فوراً تسلی کیسے ہو گئی۔ آخر جس سے تقیہ کیا تھا اس کی زندگی میں تو تقیہ پر انہیں رہنا چاہیے تھا۔ امام منتظر ہیں کہ بارہ صدیاں گذرنے کو ہیں مگر ایسے ڈرے ہیں کہ غار سے باہر نہیں آ رہے حالانکہ ان بنو عباس کی حکومت و سلطنت تو ختم ہو ہی گئی۔ ان کے اعضاء واجزاء بھی شاید ڈھونڈنے سے قبروں میں نہ مل سکیں۔ مگر امام مہدی ہیں کہ اب بھی تقیہ کر رہے ہیں۔ اور یہ سُنّی ایسے سخت جان اور دیدہ دلیر نکلے کہ دوسرے لمحے تقیہ کی سیاہ چادر اتار پھینکی۔ ڈھکو صاحب کے قلم نے بتلا دیا کہ یہاں تقیہ بہرحال نہیں تھا۔ تعریض تو ریہ اور ارتکاب مجاز وغیرہ کی صورتیں تھیں جن میں مامون کو مغالطہ لگا۔ بعد ازاں معلوم ہوا کہ میں دھوکہ کھا گیا تو دوبارہ شان سطوت وجبروت کا اظہار کرنا چاہا مگر اللہ تعالیٰ نے ان بندگان حق کی امداد و نصرت فرمائی۔ والحمد للہ۔

نوٹ: حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے جوابات میں توریہ اور تقیہ کا فرق واضح کیا جا چکا ہے کہ تقیہ میں الفاظ معانی مطلوبہ پر سرے سے دلالت ہی نہیں کرتے مگر توریہ میں معنی مراد الفاظ سے ہی سمجھ آ رہا ہوتا ہے۔ صرف اتنا ہوتا ہے کہ متبادر الی الفہم نہیں ہوتا۔

تنزیہہ الامامیہ ______ ڈھکو صاحب

مذہب اہل السنۃ میں عند الضرورۃ جھوٹ بولنا نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے

اس وقت ہمارے تعجب کی کوئی حد نہیں رہتی جب ہم دیکھتے ہیں کہ آج اس مذہب کے پیروکار تقیہ کو جھوٹ کا نام دے کر اہل حق پر زبان طعن و تشنیع دراز کرتے ہیں

Marfat.com

جن کے مذہب میں ضرورت کے وقت جھوٹ بولنا نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے۔
چنانچہ شرح مسلم نووی ج ۲ ، ص ۲۶۶/۱۰۶ طبع دہلی پر لکھا ہے۔

"تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی ظالم کسی چھپے ہوئے آدمی کو قتل کرنے آئے یا کسی کے پاس محفوظ امانت کو غصب کرنا چاہے اور آکر دریافت کرے تو جن لوگوں کو اس کا علم ہے ان پر اس کا پوشیدہ رکھنا اور اپنے علم کا انکار کرنا واجب ہے اور یہ جھوٹ نہ صرف جائز ہے بلکہ واجب ہے کیونکہ یہ ایک مظلوم کو ظالم کے پنجۂ ظلم واستبداد سے بچانے کے لیئے ہے۔ (ص : ۲۱)

تحفہ حسینیہ ——— محمد اشرف السیالوی

ڈھکو صاحب بے چارے کی حالت بڑی قابلِ رحم ہے آباء واجداد کے آئمہ پر باندھے ہوئے بہتان اور گھڑے ہوئے افتراء کا جواز پیش کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں بہتیرے مار رہے ہیں مگر مذبوحہ جانور کی طرح نہ پتہ محل نزاع کیا ہے اور نہ خبر دلیل کیا ہے؟

علامہ صاحب غیر کی جان ومال اور عزت وآبرو پر تو جان قربان کر دینا بھی مردانِ حُر اور جوانانِ وفا شعار کے لیئے معمولی بات ہے زبانی بات کرنا تو کیا وزن رکھتا ہے؟ بات ہو رہی تھی اپنے جان ومال کے خطرہ کے بغیر اور فربہ ہونے کے لیے خنزیر کھا لینے میں، اور ہم خرما وہم ثواب کی۔ اور ڈھکو صاحب دوسری طرف جا نکلے۔ بھلا ان سے کوئی پوچھے ملک اور قوم کے لیئے جان دینے والے جیالوں کا ایمان برقرار رہتا ہے یا ختم۔ اور ان کے درجات بڑھتے ہیں یا کم ہوتے ہیں۔ حر بن یزید ریاحی نے حضرت امام مظلوم کی خاطر جو جان قربان کی تھی حالانکہ آپ کی فتح وکامیابی کا عالمِ اسباب کے تحت کوئی امکان نہیں تھا اس کا کیا حکم ہے۔ کیا اس سے تقیہ کا دامن تو تار تار ہوتا نظر نہیں آتا اگر دوسروں کی جان اور عزت وآبرو کے لیے جان دینا جائز ہے تو خلاف واقع بات

Marfat.com

کرنا کیوں جائز نہیں ہوگا۔ ؎

ازاں گناہ کہ نفع رسد بغیر چہ باک ؟

ہاں اہل السنۃ کوفیوں کے کردار کو اپنانے کے لیئے تیار نہیں جو خطوط پر خطوط لکھیں گھر بلائیں اور پھر امام مظلوم کو ظلم و ستم کی طوفانی موجوں میں پھنسا دینے کے بعد تقیہ کر جائیں اور اپنے خطوط سے مکر جائیں۔ ڈھکو صاحب فرق آیا سمجھ آپ کو تم نے جھوٹ بولنا جائز رکھا۔ اپنی حفاظت کے لیئے اور اس کو فرض و واجب بلکہ عین ایمان ٹھہرایا اور ہم نے دوسروں کے جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کے لیئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ، اور صدق کی اہمیت ،

علامہ ڈھکو صاحب آپ تو آئمہ کرام علیہم الرضوان کی اتباع کے مدعی ہیں تمہیں ادھر ادھر جھانکنے کی کیا ضرورت ہے تمہیں یہ دیکھنا چاہیے کہ آئمہ کرام کا اس معاملہ میں ارشاد کیا ہے۔ معدن ولایت حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کیا فرماتے ہیں اور جب اپنے آپ کو ضرر و نقصان اور تکلیف و مشقت کا سامنا ہو پھر بھی ایمان کا تقاضا کیا ہے ؟ الایمان ان توثر الصدق حیث یضرک علی الکذب حیث ینفعک نہج البلاغہ مصری جلد ثانی ص ۲۱۴ ایمان یہ ہے کہ تو اس مقام پر صدق کو کذب پر اور سچ کو جھوٹ پر ترجیح دے جہاں صدق اور سچائی مضر ہو اور کذب اور جھوٹ نفع بخش ہو۔ اگر آئمہ کرام کی اتباع کا دعویٰ ہے تو پھر اس فرمان واجب الایقان پر عمل کرو اور تقیہ یا کذب کے جواز تلاش کرنے میں مصروف و مشغول نہ رہو۔

اہل سُنت اور جواز کذب ،

رہا اہل السنۃ کا معاملہ تو ان کے نزدیک سچ اصل اور عزیمت ہے اور کذب بعض ناگزیر حالات میں رخصت کے درجہ میں آتا ہے اور وہ بھی جب تک تعریضات، ارتکاب مجاز اور توریہ سے کام نہ چل سکے اور اس صورت میں بھی اس کی قباحت و شناعت ختم نہیں ہو

Marfat.com

جاتی اور نہ اصلی حرمت مرتفع ہو جاتی ہے بلکہ وہ عفو جرائم کے زمرہ میں آجاتا ہے۔ لہذا کسی کی جان بچانے کے لیے ہو یا اس کا مال بچانے کے لیے تو اس میں نیکی والا اضافی اور تابع پہلو غالب ہے اور ذاتی قباحت مغلوب لہذا اس کو مباح یا لازم کر دیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس میں نیکی بھی کمائی اور برائی کا ارتکاب بھی کیا۔ لیکن نیکی والا پہلو وزنی ہے لہذا برائی والا پہلو قابلِ عفو ہو گیا اس کو ہم نوے فیصد ترقی درجات کا ضامن اور حسن کا دار و مدار قرار نہیں دیتے۔ لہذا اس معاملہ میں شیعہ اور سُنی مسلک کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔

شیعہ کی افتادِ طبع اور کمزوری

بعض اوقات شریعت ایک امر کی ناگزیر وجوہ کی بناء پر رخصت دیتی ہے تو بجائے اس کے کہ اسے اپنے مخصوص مورد میں منحصر رکھا جائے اور اس کو رخصت سمجھا جائے یہ لوگ اس کو عزیمت اور عین شریعت اور کمالِ دین سمجھ لیتے ہیں گویا رخصت اصل شرعی حکم کے درجہ میں آجاتی ہے۔ اور اصلی حکم اور عزیمت رخصت اور عارضی حکم کے درجہ میں چلی جاتی ہے۔ جس طرح تقیہ اور خلاف واقع بات کو دین کا نوے فیصد اور اس کے ترک کو دین و ایمان کے منافی قرار دے دیا۔ اسی طرح متعہ اگرچہ ہمارے نزدیک تو منسوخ الاباحت ہے لیکن شیعہ صاحبان اس کو جائز سمجھتے ہیں چاہیے تو یہ تھا کہ اس کو تمام تر اخلاقی تقاضوں کو بالائے طاق رکھ کر مباح قرار دینا ہی تھا تو رخصت کے درجہ میں رکھتے اور قابلِ معافی حرکت قرار دیتے مگر انھوں نے اس کو اصل دین اور عین شریعت بنا کر پیش کیا اور ایک مرتبہ متعہ کرنے پر امام حسین رضی اللہ عنہ کا درجہ دو مرتبہ کرنے پر امام حسن رضی اللہ عنہ کا اور تین مرتبہ کرنے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا درجہ اور چار مرتبہ کرنے پر خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ اور مرتبہ دے دیا اور جو نہ کرے اس کو وعید سنائی کہ وہ قیامت کے دن ناک کٹا ہو گا۔ لیکن دائمی نکاح پر کہیں ترقی درجات اور کسی امام کے ہم پلہ ہونے کا کہیں ذکر نہیں اور نہ ناک کٹنے کا۔ اسی طرح تقیہ نہ کرنے اور جھوٹ نہ بولنے

Marfat.com

پر کسی اجر و ثواب اور ترقی درجات کا کہیں تذکرہ نہیں ملتا۔

الغرض ناظرین کرام پر یہ حقیقت آشکارا ہو گئی ہو گی کہ ان مہربانوں کا معاملہ بالکل برعکس ہے۔ اسی لئے ہم اس نظریہ کے رد کرنے کے درپے ہیں اور اس کے مفاسد و قبائح بیان کرنے کے درپے ہیں اور ڈھکو صاحب لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اس فرق کے مشاہدہ اور احساس سے دور رکھنے کی ناکام کوشش میں مصروف ہیں دیکھیے مسافر کے لیئے روزہ نہ رکھنے کی رخصت ہے اب کوئی شخص روزہ نہ رکھنے کے فضائل و کمالات تو بیان کرے مگر اس مشقت کو نظر انداز کر کے اس شرعی حکم اور عزیمت پر عمل کرنے والے کے حق میں کوئی کلمہ خیر کہنے کو تیار نہ ہو تو اس کی نیت کے متعلق کوئی حسنِ ظن ہو سکتا ہے؟

شیعہ سچ کب بولتے ہیں اور تقیہ کس وقت چھوڑتے ہیں

یوں تو ڈھکو صاحب سے لے کر عبداللہ بن سبا تک سبھی اسلاف واخلاف جھوٹ کو لازم اور ضروری سمجھتے ہیں اور آئمہ کرام کی طرف سے بھی بغرض اصلاح جھوٹ اور کذب بیانی کو مباح بتلاتے ہیں۔ ملاحظہ ہو اصول کافی جلد ثانی مطبوعہ تہران ص۲۱۰۔

"عن ابی عبد اللہ علیہ السلام (الی) قال نعم ان المصلح لیس بکذاب وانما ھو الصلح لیس بکذب" یعنی امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں جو اصلاح کے درپے ہے وہ کاذب اور جھوٹا نہیں کیونکہ اس کا یہ فعل صلح اور آشتی ہے نہ کہ جھوٹ اور کذب"

مگر جب اہل السنۃ کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنے کا موقعہ لگ جائے تو پھر تقیہ اور کذب بیانی بالکل حرام ہو جاتی ہے اور سچ بولنا فرض عین ہو جاتا ہے۔ کتب تواریخ میں ذرا سقوط بغداد کے پر آشوب دور کا حال پڑھیں اور علامہ طوسی شیعی اور ابن علقمی شیعی کی ساز باز اور تدبیر وانگیخت سے ہلاکو کے بغداد پر حملہ آور ہونے اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجانے کے حالات کا مطالعہ کریں تو اس وقت انھیں مجسمہ صداقت پاؤ گے۔ چنانچہ جب

Marfat.com

ہلاکو نے طوسی سے اس خدشہ کا اظہار کیا کہ خلیفہ خدا کا نائب ہوتا ہے اور اس کے خلاف کارروائی سے کہیں مجھ پر کوئی مصیبت نازل نہ ہو جائے تو طوسی نے کیا کہا وہ تفصیل قاضی نور اللہ شوستری کی زبانی سماعت فرماویں۔

"ایلخان در افناء و اعدام خلیفہ با خواجہ نصیر الدین مشورت نمودہ خدمت خواجہ فرمودہ کہ اہل السنت کہ سواد اعظم اہل اسلام اند او را خلیفہ بحق و امام مطلق میدانند و بر نفوس و اموال خویش حاکم و فرمانروا می شناسند اگر از یں ورطہ خلاص شود ممکن کہ از اطراف لشکر ہا باو بپیوندند و استعداد حرب از سر گیرد و بار دیگر بتجشم رکاب گردد، سائے و کلفت سفر احتیاج افتد و مرد عاقل فرصت یافتہ را فائت نگرداند ذمہ رشتہ اختیار باید آنکہ باز بچنگ آید از دست ندہد و شمن را مجس بہتر از مطمورہ عدم تصور نتواں کرد۔

ایلخان چو دانست کہ نصیحت حضرت خواجہ از اغراض فاسدہ مبراست بقتل خلیفہ فرمان داد و درایں اثنا حسام الدین منجم کہ در باطن از ہوا خواہان بنی العباس بود ایں خبر شنیدہ بعرض پادشاہ رسانید کہ اگر خلیفہ کشتہ گردد عالم سیاہ و تاریک و امارات و علامات قیامت مشاہدہ نمود و از یں نوع کلمات ہیبت آمیز چنداں گفت کہ ایلخان متوہم شدہ دریں امر بخواجہ نصیر الدین رجوع نمود۔ در جواب فرمودند کہ زکریا پیغمبر و یحییٰ معصوم علیہما السلام را بقتل آوردند ہیچ یک ازیں حالات بظہور نیامدہ اگر حسام الدین میگوید کہ ایں احوال بر قتل بنی العباس مترتب میشود۔ مقبول نیست زیرا کہ چندیں تن از ایشاں را فدائیاں اسماعیلیان وغیرہم بکشتند و فلک دوار و روزگار ناپائیدار ہمچناں برقرار بود نہ آفتاب منکسف شد و نہ قمر منخسف" الخ۔ (جلد دوم ص ۳۵۱، ۳۵۲ مجالس المومنین)

ایلخان (ہلاکو) نے خلیفہ کو فنا اور ہلاک کرنے کے متعلق نصیر الدین طوسی

Marfat.com

مشورہ کیا تو اس نے کہا کہ اہل السنت اہل اسلام کے سواد اعظم ہیں جو کہ مستعصم باللہ کو خلیفہ برحق اور امام مطلق جانتے ہیں اور اپنے نفوس و اموال پر اس کو حاکم اور فرمانروا سمجھتے ہیں۔ اگر خلیفہ نے اس ہلاکت سے چھٹکارا پالیا تو ہو سکتا ہے کہ اطراف و اکناف سے لشکر اس کے گرد جمع ہو جائیں اور وہ از سر نو جنگ کی اہلیت اور استعداد پیدا کر لیں اور دوبارہ رکاب گردوں سا کو مشقت اور تکلیف سفر کی برداشت کرنی پڑے۔ عقل مند آدمی میسر اور حاصل فرصت کو ضائع نہیں کرتا اور دست قدرت و اختیار میں آئی ہوئی رسی کو اس اُمید پر کہ دوبارہ ہاتھ میں آسکتی ہے ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔ دشمن کے لیئے عدم اور فنا کی وادی سے بڑھ کر کوئی قید و حبس کی بہتر جگہ نہیں ہو سکتی۔

ایلخان نے جب یقین کر لیا کہ خواجہ نصیر الدین طوسی کی نصیحت اغراض فاسدہ سے مبرا ہے تو اس نے خلیفہ کے قتل کرنے کا حکم جاری کیا۔ اس دوران حسام الدین منجم جو در پردہ بنو عباس کا خیر خواہ تھا اس نے یہ خبر سُن کر بادشاہ کو عرض کیا کہ اگر خلیفہ قتل ہو گیا تو آسمان سیاہ اور تاریک ہو جائے گا۔ اور قیامت کے علامات اور آثار مشاہدہ میں آنے لگیں گے اور اس قسم کے کلمات ہیبت آمیز اتنے کہے کہ ایلخان اس وہم میں مبتلا ہو گیا اور اس معاملہ میں طوسی کی طرف مشورہ کے لیئے مراجعت کی۔ اس نے جواب میں کہا کہ زکریا پیغمبر اور یحییٰ معصوم علیہما السلام کو لوگوں نے قتل کر دیا۔ مگر اس قسم کے حالات کا نام و نشان دیکھنے میں نہ آیا اگر حسام الدین اس طرح کی بات کرتا ہے تو وہ قابل قبول نہیں ہے۔ کیونکہ خود بنو عباس کے کتنے افراد اسماعیلی فدائیوں اور دیگر لوگوں نے قتل کیے مگر فلک دوار اسی طرح محو گردش ہے اور روزگار ناپائیدار اسی طرح برقرار ہے نہ سورج کو گرہن لگا ہے اور نہ چاند کو۔

ھمارا تکیہ اور تمہارا تعتیہ:

مجالس المومنین جلد دوم ص ۴۴۰، ۴۴۱ پر ابن علقمی وزیر مستعصم کے متعلق قاضی نور اللہ

Marfat.com

شوستری نے یوں نقل کیا ہے۔

خواجہ نصیر الدین محمد طوسی در آن حین از حبس ملاحدہ نجات یافتہ واز ہلاکو خان انواع تعظیم واکرام دیدہ ہمراہ بود۔ ابن علقمی فرصت غنیمت دانستہ قاصدان بخدمت در بارگاہ فرستاد وایشان را بہ توجہ بغداد ترغیب نمود واظہار کرد کہ جمیع امراء و لشکریان خلیفہ را بحسن تدبیر از حوالی خلیفہ دور ساختہ ام ہرچند زود تر رکاب ظفر انتساب متوجہ این صوب گردانید کہ بآسانی این ملک بدست خواہد آمد۔

خلاصہ مقصود یہ ہے کہ نصیر الدین محمد طوسی نے ملحدین کی قید سے رہائی پائی تھی اور ہلاکو خان کی طرف سے اس کی بہت زیادہ تعظیم و تکریم کی گئی اور اس کو مصاحبین خاص میں شامل کر لیا گیا۔ ابن علقمی نے اس موقع کو غنیمت جانا اور ہلاکو خان کی خدمت میں قاصد بھیجے اور بغداد پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دی اور یہ ظاہر کیا کہ میں نے تمام امراء کو اور افواج عرب کو حسن تدبیر (انتہائی عیاری و مکاری) کے ساتھ خلیفہ کے قرب وجوار سے بالکل دور کر دیا ہے جس قدر جلد ممکن ہو سکے بغداد میں افواج اتارنے کی کوشش کی جائے تاکہ زود تر اور بالکل بآسانی اس ملک کو قبضہ میں لیا جا سکے۔

الغرض خان موصوف نے طوسی سے اس پیشکش کی صداقت پر تائید و تصدیق حاصل کر کے اپنی افواج کو اس مقدس شہر میں اتار دیا اور اس طرح ابن علقمی پر مکمل تکیہ کرنے والا خلیفہ اور ملک کی باگ ڈور عملاً ایک تقیہ باز شیعہ کے ہاتھ میں دے کر اس پر مکمل اعتماد کرنے والا خلیفہ بد ترین سازش کا شکار بنا اور بغداد کا کثر باسی بھی اس مکر و فریب اور عیاری و فریب کاری کے منفرد واقعہ سے موت کی گہری نیند سو گئے۔

خلیفہ اور اس کے دو بچوں کو امان حاصل کر لینے کے بہانے طوسی اور ابن علقمی نے خان اعظم کے دربار میں پہنچا دیا اور ظلم و ستم کے ریکارڈ توڑنے والی سزا کا نشانہ بنوا کر خان موصوف کے دائیں بائیں بیٹھ کر تماشہ دیکھتے رہے اور نمک حرامی کا نہ ٹوٹنے والا ریکارڈ قائم کیا۔ اس واقعہ ہائلہ میں جو فضلاء نامدار و یگانہ روزگار آئمہ اور علماء اہل السنۃ

Marfat.com

آئے وہ ڈیڑھ سو تھے اور باقی جو عوام اس قیامت صغریٰ میں تاتاریوں کے ہاتھوں قتل ہوئے ان کی تعداد سولہ لاکھ تک جا پہنچی۔

نور اللہ شوستری نے ظلم وستم اور وحشت و بربریت کے اس روح فرسا و رنیامت نما واقعہ پر بغلیں بجاتے ہوئے لکھا۔

"وزیر بہ تخریب لشکر عرب مشغول بود و تقویت لشکر مغول میکرد تا خلیفہ و اولاد او را بدست پادشاہ جہانگیر داد تا بکشت و یکصد و پنجاہ دانشمند را از اہل سنت کہ فتویٰ بقتل و غارت اہل کرخ دادہ بودند بیاسا رسانید تا بعوام ایشاں چہ رسیدہ باشد (فقطع دابر القوم الذین ظلموا والحمد للہ رب العلمین)   مجالس المومنین جلد دوم ص ۴۴۲

خلیفہ مستعصم باللہ کی المناک شہادت کا تذکرہ کرتے ہوئے اس طرح بغض و عناد کا اظہار کیا۔

بلاکو خان در باب افناء و ابقاء خلیفہ مذکور با خواجہ نصیر الدین محمد و دیگراں مشورہ مسلوک داشتہ ہمہ بر قتل خلیفہ متفق گردیدند و مستعصم را بر نمد پیچیدہ بریدند مالیدہ بشدت و مدملہ بندہائی اعضای او را از یکدیگر جدا ساختند و شیعہ امیر المومنین با نتقام خون آئمہ معصومین مسرور گشتند۔ (مجالس المومنین جلد دوم ص ۴۰۱)

اور خلیفہ کے قتل سے بلاکو کو جو خوف و ہراس اور آسمانی عذاب کے نزول کا اندیشہ تھا اسے طوسی نے فلسفہ و منطق کو بروئے کار لاتے ہوئے بسا انداز میں کر دیا اور خلافت عباسیہ کا ہمیشہ کے لیئے خاتمہ کرادیا۔

دیکھا ڈھکو صاحب! آپ لوگوں کا پیچ عالم اسلام کو کتنا مہنگا پڑا۔ اسی لیئے ہم نے مظلوموں کو ظالموں سے بچانے کے لیے اس کو مباح قرار دیا اور یہ بھی دیکھا اور اچھی طرح دیکھا کہ واقعی آپ کا تقیہ نفاق اور بدباطنی کا بدترین نمونہ ہے۔ جیسے بھی موقع ملا اسلام کے پہلو میں نہیں بلکہ سیدھا اس کے قلب و جگر میں خنجر گھونپا اور اہل اسلام کو خون کے آنسو رلایا۔

اسی لیے شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز نے اس کو نفاق اور کذب بیانی اور مکر و فریب

Marfat.com

سے تعبیر کیا اور بالکل بجا طور پر ہم تمہارے ظاہر کو دیکھ کر تم پر اور تمہاری دیانت پر اعتماد اور تکیہ کرتے رہے اور تم تقیہ کرتے رہے اور موقع تکتے رہے۔

تنزیہہ الامامیہ ——— ڈھکو صاحب

بعض منصف مزاج علمائے اہلسنت کا اقرار تقیہ

انہی حقائق کی بناء پر بعض منصف مزاج علماء اہل سنت نے واشگاف الفاظ میں تقیہ کا اعتراف کر لیا۔ چنانچہ فاضل عقیلی اپنی کتاب النصائح الکافیہ ص ۱۹۰ طبع بمبئی پر لکھتے ہیں۔

"میں کہتا ہوں ہمارے علماء (اہل سنت) کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ضرورت بلکہ مصلحت کے وقت جھوٹ بولنا جائز ہے اور یہ بعینہ تقیہ ہی ہے۔ ہاں البتہ اگر اس بات کو لفظ تقیہ سے تعبیر کیا جائے تو بہت سے علماء نے اس کی ممانعت کی ہے کیونکہ یہ تعبیر شیعوں کی ہے بنا بریں یہ (شیعہ و سنی اختلاف) صرف لفظی اختلاف ہے۔" (واللہ اعلم)

پیر سیالوی اور ان کے مریدانِ باصفا کہاں ہیں۔ آئیں اور انصاف کی عینک لگا کر ان حقائق کو دیکھیں اور پھر اپنے نظریہ پر نظر ثانی کریں۔ (ص: ۲۱، ۲۲)

تحفہ حسینیہ ——— محمد اشرف السیالوی

ڈھکو صاحب نے کذب اور تقیہ کے متعلق محض لفظی اور تعبیری فرق ثابت کرنے کی سعی لا حاصل کی ہے۔ وہ تو بحمد اللہ ہم روز روشن کی طرح عیاں کر چکے ہیں کہ شیعہ صاحبان کذب اور غلط بیانی صرف دفع مضرت کے لیئے استعمال نہیں کرتے بلکہ قاضی القضاۃ بننے کا شوق ہو یا وزیر اعظم بننے کا تو بھی اسی سے کام لیا جاتا ہے اور صرف بھوکے مرنے کی وجہ سے نہیں بلکہ موٹا اور فربہ ہونے کے لیے بھی اس عظیم ہر کو مباح قرار دیتے ہیں۔ پھر اہل سنت جھوٹ بھی مطلق بولنا جائز

Marfat.com

نہیں رکھتے خواہ کتنی ہی مجبوری ہو بلکہ تعریض ارتکاب مجاز اور توریہ کے ذریعے جھوٹ سے بچنے کی سعی کی جائے گی اور اس کی بھی کوئی صورت نہ رہے۔ تو پھر بھی محض تشدد اور قابل برداشت زدوکوب کا اندیشہ ہو تو بھی کذب اور تقیہ روا نہیں ہے اور اگر ناقابل برداشت سزا یا قتل کا اندیشہ ہو تو ہجرت کرنی لازم ہے۔ اور دار اسلام میں ہو اور ظالم بھی مسلمان ہو تو پھر مباح ہے لیکن اس آخری درجہ کو کذب سے تعبیر کریں یا تقیہ سے لفظی فرق ہے نہ یہ کہ علی الطلاق شیعہ صاحبان اور اہل السنہ کے درمیان اس مسئلہ میں محض لفظی اور تعبیری اختلاف ہے۔ ڈھکو صاحب پھر محل نزاع سے صرف نظر کر جاتے ہیں۔ اور تقیہ و کذب میں نوے فیصد دین کا منحصر ہونا اور اس کے ترک سے دین و ایمان کا ختم ہونا ہضم کر جاتے ہیں۔ ایک چیز کی مجبور محض ہونے کی بنا پر اگر شریعت نے رخصت بھی دی ہے۔ تو اس کے اجر و ثواب اور اس کے ذریعے ترقی درجات اور ترک کی صورت میں مکمل خسران اور نقصان دین و ایمان بلکہ اس کے انعدام کا ڈراوا دینا جس بدنیتی پر دال ہے۔ اور اسلام کے خلاف جس سازش کا غماز ہے تفاضل عقیلی کی عبارت کو اس سے کیا تعلق ہے؟

تنزیہ الامامیہ۔ علامہ محمد حسین ڈھکو

الجواب بفضل اللہ التواب:

معلی بن خنیس کی روایت کے مطابق مذہب شیعہ کو چھپانے میں عزت ہے اور ظاہر کرنے میں ذلت ہے۔ جیسے کہ امام الصادقین نے فرمایا لیکن علامہ ڈھکو صاحب اس بات سے آتش بداماں ہو گئے ہیں لہٰذا جواب کی سعی ناتمام کرتے ہوئے فرمایا۔

"بعض مخصوص اسرار و رموز کے افشاء کرنے کی ممانعت کے متعلق وارد شدہ احادیث پر مؤلف نے جو ایراد وارد کیا ہے اس کے ہم حلی اور الزامی ہر دو قسم کے جوابات پیش کر سکتے ہیں:"

حلی جواب:

کوئی معمولی عقل و خرد رکھنے والا شخص اس حقیقت کا انکار نہیں کر سکتا کہ ہر مقام مقال

Marfat.com

یعنی		ہر سخن جائے و ہر نکتہ مقامے دارد

علم و معرفت کی باتوں کو ہر شخص سننے اور سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتا بلکہ بعض ایسے دقائق و حقائق ہوتے ہیں کہ تمام خواص بھی ان کو نہیں سمجھ سکتے۔

پیغمبر اسلام کا ارشاد ہے کہ ہم گروہ انبیاء کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم لوگوں کی عقل و فکر کے مطابق ان سے بات چیت کریں امیر علیہ السلام فرماتے ہیں:

"بیٹا وہ بات نہ کر جس کا تمہیں علم نہیں بلکہ ہر وہ بات جو تمہیں معلوم ہے۔ وہ بھی نہ کہو"

انہی مذکورہ بالا حقائق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فاضل غزالی اپنی کتاب احیاء العلوم ج 1 صد ۶۹ طبع نولکشور و طبع مصر جلد 1 صد ۶۳-۴۲ پر رقمطراز ہے۔

قسم اول: بعض چیزیں فی ذاتہ ایسی دقیق ہوتی ہیں کہ اکثر لوگوں کی عقلیں ان کے سمجھنے سے قاصر ہوتی ہیں صرف خواص ان کو سمجھ سکتے ہیں۔ پھر ان پر لازم ہے کہ ان باتوں کا نا اہلوں کے سامنے اظہار نہ کریں ورنہ فائدہ کے بجائے نقصان ہوگا اس لیے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایسی باتیں عوام کے سامنے بیان نہیں فرماتے تھے۔

دوسری قسم: وہ چیزیں ہیں کہ گو ان کو سمجھنے میں کوئی خاص دقت اور پیچیدگی نہیں مگر ان کے اظہار سے اکثر لوگوں کو نقصان پہنچتا ہے۔ اس لئے ان کو ظاہر نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں البتہ انبیاء و صدیقین ان کو برداشت کر سکتے ہیں۔ اس لئے یہ انہیں کے ساتھ مخصوص ہیں۔

اب قارئین کرام انصاف کا دامن تھام کر فرمائیں اگر حکماء اسلام یعنی ائمہ اہل بیت علیہم السلام نے ایسے مخصوص غوامض کو پوشیدہ رکھنے کا حکیمانہ حکم دیا ہے۔ تو یہ بات تو ان ذوات مقدسہ کے ائمہ طاہرین اور حکماء ربانیین ہونے کی بہترین دلیل ہے۔

الزامی جواب:

کتب اہل السنۃ میں متعدد ایسی روایات موجود ہیں جن میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے بعض اصحاب کو بعض اسرار و رموز کو افشا کرنے کی ممانعت فرمانا وارد ہے۔

Marfat.com

چنانچہ یہاں کنز العمال ج ۵ ص ۲۱۲/۲۱۹ و ص ۲۲۶ پر مرفوعاً آنحضرت سے مروی ہے۔ فرمایا میری احادیث میں سے صرف وہ احادیث لوگوں کے سامنے بیان کرو جن کو ان کی عقلیں برداشت کر سکیں۔

(باقی نہ) ظاہر ہے کہ اس زریں اصول کی خلاف ورزی کرنے سے جہاں ناقل وراوی کی توہین ہوتی ہے وہاں منقول عنہ کی بھی تکذیب ہوتی ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری مع فتح الباری ج 1 ص۲۱۱ پر ایک پورا باب بعنوان۔ "من خص بالعلم قوما دون قوم کراھیۃ ان لا یفھموا " موجود ہے۔ اس میں حضرت علی علیہ السلام کا یہ حکیمانہ ارشاد نقل ہے۔ یعنی لوگوں کے سامنے صرف وہ حدیثیں بیان کرو جن کو وہ سمجھ سکتے ہیں۔ کیا تم یہ بات پسند کرتے ہو کہ اللہ اور رسول کی تکذیب کی جائے۔

کنز العمال ج ۵ ص ۲۲۶ پر اتنا اور اضافہ ہے جس چیز کو وہ برداشت نہیں کر سکتے اسے چھوڑ دو۔ جب سلسلہ کلام یہاں تک پہنچ گیا ہے۔ تو لگے ہاتھوں جناب ابوہریرہ کی دو پوٹلیوں کا ذکر بھی سنتے جایئے۔ چنانچہ بخاری ج 1 ص ۲۲ پر جناب موصوف سے منقول ہے۔ فرمایا میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم کی دو تھیلیاں حفظ کیں ایک تھیلی کو تو میں نے پھیلا دیا ہے۔ لیکن اگر دوسری تھیلی کا اظہار کروں تو میرا یہ گلا کاٹ دیا جائے۔

نہایہ ابن اثیر لغت قشع میں یہ روایت۔ بایں الفاظ مروی ہے جو کچھ میں جانتا ہوں اگر وہ سب کچھ تمہارے سامنے بیان کروں تو تم میری تکذیب وتخفیف کرتے ہوئے پتھروں یا تازیانوں سے مارنے لگو گے (کذا فی انوار اللغۃ پ ۹ ص ۱۳، ۲۶ وغیرہ) (ص ۲۲ تا ۲۷)

الجواب بفضل اللہ الوہاب:

ڈھکو صاحب نے سبائی سازشوں کی طرح اس بحث میں بھی خواہ مخواہ طوالت سے

Marfat.com

کام لیا۔ بات صرف قابل غور یا جواب طلب اتنی تھی کہ کہ ائمہ کی طرف سے اس دین کو عام کرنے کی اجازت ہے یا نہیں۔ حضرت شیخ الاسلام نے معلی بن خنیس کی روایت سے یہ ثابت کیا کہ شیعی روایات جو ائمہ کی طرف منسوب ہیں وہ اس امر کی متقاضی ہیں کہ یہ دین ظاہر کرنا ذلیل ہونے کا موجب ہے اور اس دین کو چھپانا عزت و ایرد کا موجب ہے۔

لیکن ڈھکو صاحب نے اس کو عوام الناس کی عقل و فہم سے بالاتر مخصوص اسرار و رموز اور غوامض و دقائق پر محمول کر دیا۔ اب شیعی روایات کے آئینہ میں دیکھتے ہیں کہ انہوں نے یہاں کس قدر تقیہ سے کام لیا ہے۔ اور اس کم عزت مسئلہ پر عمل کر کے بزعم خویش ثواب کمایا۔

۱۔ عن سلیمان بن خالد قال ابو عبد اللہ علیہ السلام یا سلیمان انکم علی دین من کتمہ أعزہ اللہ ومن اذاعہ اذلہ اللہ

(اصول الکافی باب الکتمان)

امام جعفر صادق نے فرمایا اے سلیمان تم ایسے دین پر ہو کہ جس نے اس کو چھپایا اللہ اس کو عزت دے گا اور جس نے اس کو عام کیا اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کریگا۔

اب فرمائیے یہاں تو دین چھپانے کی بات ہو رہی ہے۔ کیا دین کا لفظ صرف غوامض و دقائق اور اسرار و رموز پر بولا جاتا ہے؟ بلکہ یہ لفظ اپنی وسعت کے لحاظ سے جملہ عقائد و اعمال کو شامل ہے۔ جیسے کہ اطلاقات قرآن مجید سے ظاہر ہے۔

قال تعالیٰ ان الدین عند اللہ الاسلام و قال تعالیٰ من یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ۔ قال تعالیٰ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ۔

اس لیے ڈھکو صاحب کا یہ بیان سراسر مغالطہ دہی اور فریب کاری پر مبنی ہے۔

۲۔ قال ابو جعفر علیہ السلام ولایۃ اللہ اسرھا الی جبرئیل علیہ السلام و اسرھا جبرئیل الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم و اسرھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم الی علی و اسرھا علی الی من شاء ثم انتم تذیعون ذلک من الذی امسک حرفا سمعہ منا الخ

Marfat.com

(اصول الکافی باب الکتمان)

امام محمد باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ولایت کو اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام پر منکشف کیا اور انہوں نے اس راز کو صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا اور آپ نے صرف حضرت علی پر منکشف کیا اور انہوں نے ان خواص پر جن کو اس راز کے انکشاف کے لئے اہل سمجھتے تھے لیکن تم اس کو عام اور شائع کر رہے ہو تم میں سے کون ہے جس نے ہم سے سنے ہوئے کسی حرف کو بھی چھپایا ہو۔

ڈھکو صاحب ذرا سر کی آنکھوں کے ساتھ ساتھ دل کی آنکھیں بھی کھول کر اس کو پڑھو اور بتلاؤ کہ یہاں اس ولایت کو چھپانے کا حکم ہے جس کا اعلان لاؤڈ سپیکروں پر اور اذانوں میں ہوتا ہے۔ اور جس پر دین وایمان کا دارومدار ہے اور جو اس امامت وولایت کا قائل نہ ہو شیعہ مذہب میں اس کی نماز یا زنا کاری برابر ہیں۔ امام جعفر صادق کی طرف منسوب روایت ہے۔

سواء لمن خالف ھذا الامر صلی او زنی۔

(مجالس جلد اول صہ ۴۸۲)

کیا تمہاری اس مغز ماری کا ان روایات کی روشنی میں کوئی جواز ہو سکتا ہے اور اس تقیہ سے کام چل سکتا ہے۔؟

(۳) قال ابو عبد اللہ علیہ السلام اجعلوا امرکم ھذا للہ ولا تجعلوا للناس (الی) ولا تخاصموا بدینکم الناس فان المخاصمۃ ممرضۃ للقلب الخ

امام جعفر صادق فرماتے ہیں اپنے اس امر کو اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص رکھو اور لوگوں کے لئے نہ بناؤ اور اپنے دین کے ساتھ لوگوں سے مت الجھو اور بحث ومباحثہ نہ کرو کیونکہ بحث ونزاع دل کو مریض بنا دیتے ہیں۔ اس روایت میں پہلے امر کا لفظ ہے اور بعد میں دین کا جس سے صاف ظاہر کہ یہاں دین اور امر ہم معنی مستعمل ہیں اور اس کی اشاعت اور اس پر بحث و مباحثہ کو امام نے حرام فرما دیا ہے لیکن حکم امام کے برعکس اس کو تقریروں اور تحریروں کے ذریعے بلکہ مجادلوں اور مناظروں کے ذریعے عام کیا جا رہا ہے اور اپنے آپ کو اور عبد اللہ بن سبا

Marfat.com

تک جبر اسلاف کو ذلیل کیا جارہا ہے۔

(۴) عن ثابت ابی سعید قال لی ابو عبد اللہ علیہ السلام یا ثابت مالکم وللناس کُفُّوا عن الناس ولا تدعوا احداً الی امرکم فو اللہ لو ان اھل السماء و اھل الارض اجتمعوا ان یضلوا عبدا یرید اللہ ھداہ ما استطاعوا (الی) کفوا عن الناس فان اللہ عزّ وجلّ اذا أراد بعبد خیراً طیب روحہ فلا یسمع بمعروف الاعرفہ ولا بمنکر الا انکرہ۔

ابو سعید ثابت کہتے ہیں مجھے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے ثابت تمہیں لوگوں سے کیا واسطہ لوگوں سے دور رہو اور کسی کو اپنے دین کی طرف مت بلاؤ۔ بخدا اگر تمام آسمان اور زمین والے مل کر ایک بندے کو گمراہ کرنا چاہیں جس کے متعلق اللہ تعالیٰ ہدایت کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ لوگوں سے الگ رہو۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے متعلق خیر اور بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی روح کو پاکیزہ کر دیتا ہے جب نیکی کو سنتا ہے تو اسے جان لیتا ہے اور برائی کو سنتا ہے تو اس سے انکار کر دیتا ہے۔

اس سے بھی ظاہر ہے کہ امر سے مراد دین ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی دین کا اہم حصہ ہے اور اس سے روکا جارہا ہے اور عنوان بھی یہی قائم کیا گیا ہے۔

(باب فی ترک دعاء الناس)

۵۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا اپنا ایک رسالہ ہے جس کو وافی کے حوالے سے روضہ کافی کے آخر میں نقل کیا گیا ہے۔ اس میں تصریح موجود ہے۔

کہ تمہارے لئے دین خدا کے اصول کا مخالفین پر ظاہر کرنا روا نہیں ہے۔ عبارت پیش خدمت ہے: لا یحل لکم ان تظھروھم علی اصول دین اللہ فانہ ان سمعوا منکم شیئا عادوکم علیہ الخ ص۲۹۸

Marfat.com

اب بھی کوئی شبہ رہ گیا ہے کہ شیعہ کے لئے عزت کتمان دین میں ہے۔ اور ذلت اس کے اظہار میں ہے۔

۶۔ عن ابی عمر الاعجمی قال لی ابوعبداللہ علیہ السلام یا اباعمران تسعة اعشار الدین فی التقیة ولا دین لمن لاتقیة له والتقیة فی کل شئ إلا فی النبیذ والمسح علی الخفین۔

(اصول کافی باب التقیہ)

ابوعمر اعجمی کہتا ہے کہ مجھے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا نوے فی صد دین تقیہ میں ہے اور جو تقیہ نہیں کرتا اس کا سرے سے دین ہی نہیں رہتا اور تقیہ ہر شئی میں ہے مگر نبیذ اور خفین پر مسح کرنے میں (تقیہ نہیں ہے)۔

اب تو راز درون پردہ معلوم ہو گیا کہ دین کے اندر دو مسئلوں کے علاوہ ہر شئے میں تقیہ ہے اور یہ بتلانا ذمہ داری ڈھکو صاحب کی ہے کہ دین کے جملہ ارکان پر ان دو کو اس قدر اہمیت کیوں ہے کہ توحید و رسالت کے لئے تو تقیہ کا ترک جائز نہ ہو مگر ان دو چیزوں کے لئے جائز ہو)

۷۔ فی الاعتقادات سئل ابوعبداللہ علیہ السلام عن قوله تعالیٰ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم قال اعملکم بالتقیة۔

(تفسیر صافی جلد ثانی صہ ۱۹۶)

اعتقادات شیخ صدوق میں ہے۔ کہ حضرت امام جعفر صادقؓ سے اس قول باری کے متعلق دریافت کیا گیا کہ تم میں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے عزت و کرامت کا مالک وہ ہے جو اتقی ہے یعنی اس کا معنی کیا ہے تو آپ نے فرمایا اتقی وہ ہے جو سب سے زیادہ تقیہ پر عمل کرنے والا ہے۔

لیجئے صاحب اب تو واضح ہو گیا کہ تقیہ و کتمان صرف ان اسرار و رموز سے متعلق نہیں جو فہم عوام سے بالاتر ہوں بلکہ ہر معاملہ میں تقیہ کا اعتبار ہے۔ اور سب سے زیادہ عزت کا حق دار وہی ہے جو سب سے زیادہ تقیہ میں سراسر ذلت اور خواری ہی ہو گی جتنا ترک زیادہ اتقی

Marfat.com

ذلت زیادہ۔

اور واقعات بھی اسی پر شاہد ہیں شیطان الطاق اہل السنۃ علماء ائمہ کے ساتھ مختلف مسائل پر مباحثے کیا کرتا تھا تو امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اس کو منع کیا کرتے تھے لیکن وہ جواب میں کہتا مجھ سے صبر نہیں ہو سکتا۔ ملاحظہ ہو مجالس المومنین جلد اول صد ۵۷،

الغرض معلّٰی بن خنیس کی روایت جو حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ نے نقل فرمائی ہے۔ اس کا مفہوم بالکل واضح ہو گیا کہ اس مذہب کی نہ دعوت دے سکتے ہیں نہ اس کا پرچار کر سکتے ہیں۔ اور اسی میں انکی عزت ہے کیونکہ اس طرح کبھی سنیوں کے قاضی القضاۃ بن جاتے ہیں اور کبھی وزیر اعظم اور بصورت دیگر ذلیل و خوار ہوں گے اور اس پر تاکید مزید کے لئے فرمایا تقیہ میرا دین ہے اور میرے آباء کا اور جس نے تقیہ نہ کیا اس کے لئے دین نہیں ہے لہٰذا جس میں تقیہ لازم ہے اس کی اشاعت موجب ذلت ہے۔

الغرض ڈھکو صاحب کو ان حقائق کی روشنی میں اپنا دامن صاف کرنا چاہئے تھا۔ ادھر اُدھر بھاگنے کا کیا فائدہ ہو سکتا ہے لیکن انکا معاملہ الغریق والا ہے یعنی مرتا کیا نہ کرتا۔

رہا اسرار و رموز کو صرف اس کے متحمل لوگوں تک محدود رکھنے کا معاملہ اور لوگوں کے ساتھ ان کی ذہنی صلاحیتوں کے مطابق گفتگو کرنے کا یا ایسے غیبی امور کا انکشاف جو سلاطین زمان کے غیظ و غضب کا موجب بنیں۔ تو ان سے جان و مال اور عزت و آبرو کی بربادی کا اندیشہ ہو تو وہ چیزیں نہ بیان کرنا بالکل درست ہے کیونکہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ضمن میں نہیں آتیں اور نہ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون کے ضمن میں آتی ہیں۔ ان کے یہاں پیش کرنے کا کوئی جواز ہی نہیں۔ لہٰذا حلی جواب اور الزامی جواب بالکل بے محل اور بے مقصد ہیں۔ اور نری دھوکہ دہی اور فریب کاری۔ کیا خیال ہے تمہاری کتابیں ہمارے سامنے نہیں ہیں۔

Marfat.com

ڈھکو صاحب پھر بھول گئے:

جب تم آپ کہہ چکے ہو کہ "ابطان ایمان اور اظہار خلاف ایمان" کا نام تقیہ ہے تو پیش کردہ روایات سے یا عبارت سے کہاں ایمان چھپانا ثابت ہو رہا ہے۔ اور خلاف ایمان کا اظہار کس طرح۔ ایک شخص مثلاً وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے فرق کو نہیں سمجھ سکتا۔ اس کو صرف اتنا قدر سمجھانے پر اکتفا کر دیا جائے کہ لا الٰہ الا اللہ کا معنی ہے لا معبود الا اللہ یا لا موثر و خالق الا اللہ اور لا موصوف بالصفات الکمالیۃ حقیقۃ الا اللہ اور لا موجود الا اللہ یا لا مشہود إلا الله اس کے سامنے نہ کہا جائے تو کیا اس میں ایمان کا چھپانا اور خلاف ایمان کا ظاہر کرنا لازم آ گیا۔ ڈھکو صاحب مذہب کا معاملہ اپنی جگہ مگر دیانت و امانت کا اس طرح خون ناحق تو کوئی کافر بھی بہانے کی جرأت نہیں کرتا۔

تنزیہ الامامیہ:

خلیفہ اول کے ترک تقیہ کا خوفناک انجام:

یعنی روایت میں ہے کہ جس روز جناب حمزہ ایمان لائے اس سے قبل ایک اور واقعہ رونما ہوا اور وہ یہ ہے کہ جب (نو مسلم) صحابہ کی تعداد انتیس تک پہنچ گئی تو ابوبکر نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اب ہم ایمان کو کیوں چھپائیں اور رکھیں اس کا اظہار نہ کریں۔ آنحضرت ؐ نے فرمایا ابھی تک ہم پوری قوت نہیں رکھتے (اس لئے) ابھی اظہار مناسب نہیں ہے) مگر ابوبکر نے اپنے مدعا پر بڑا اصرار کیا۔ چنانچہ آنحضرت ؐ کے ساتھ گھر سے نکلے اور حرم میں جا کر بیٹھ گئے۔ ابوبکر نے اٹھ کر بلیغ خطبہ دیا اور اسلام میں ان کا یہ پہلا خطبہ تھا اثناء خطبہ میں لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دی۔ یہ بات مشرکوں کو بہت ناگوار گزری چنانچہ وہ مسلمانوں کی ایذا رسانی کے لئے کھڑے ہو گئے اور ابوبکر کو گھیرے میں لے لیا۔ عتبہ بن ربیعہ نے (خدا اس پر لعنت کرے) جوتا ہاتھ میں لے کر اس قدر ابوبکر کے منہ پر مارا کہ ناک منہ ایک ہو گیا۔ پتہ نہیں چلتا تھا کہ ناک کہاں اور رخسار کہاں؟ بالآخر بنی تیم نے مداخلت کر کے ابوبکر کو ان کے پنجہ ظلم سے چھڑایا اور کپڑے میں لپیٹ کر گھر لائے اور وہ قریب بہ ہلاکت سارا دن شام تک بیہوش پڑے

Marfat.com

رہیئے"۔ (معارج النبوۃ رکن سوم فصل دوم صہ ۵۲)

عہ تقیہ توڑنے سے ناک منہ رخسار گردو ہیں۔ تو پھر شیعوں سے مرہم کا تقیہ ہو نہیں سکتا

دفیما ذکرناہ کفایۃ لمن ادنیٰ درایۃ انش (صہ ۲۸۔ ۲۹)

تحفہ حنفیہ:

الجواب بفضل اللّٰہم للصدق والصواب؛

ہمارے ائمہ نے تو نعرہ مستانہ لگا کر سہ بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق، کا حق ادا کیا اسی لئے تو ہم اس تقیہ کو جائز نہیں سمجھتے اور حضرت شیخ الاسلام نے بار بار میدان کربلا کی طرف توجہ دلائی ہے کہ اگر تقیہ درست ہوتا یا اس پر نوے فیصد دین کا دار و مدار ہوتا یا اس کے ترک سے دین ہی ختم ہو کر رہ جاتا تو امام مظلوم شہید کربلا ضرور تقیہ کرتے کیونکہ جو سنگین حالات آپ کو درپیش تھے حضرت ابوبکر صدیق کو پیش آنے والے حالات اور شدائد و مصائب ان کا عشر عشیر بھی نہیں تھے۔ لیکن انہوں نے یہ انتظار نہ کیا کہ میری مرہم کا تقیہ شیعہ صاحبان کریں گے یا نہیں بلکہ سہ

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی ! حق تو یہ تھا کہ حق ادا نہ ہوا !

کا نعرہ بلند کرتے ہوئے صرف اپنی ہی نہیں نونہالوں اور عزیزوں کی جانیں بھی قربان کیں۔ اور بعد ازاں پردگیانِ عصمت مآب کو پیش آنے والے پریشان کن حالات کو بھی خاطر میں نہ لائے اس لئے تو ہم کہتے ہیں کہ شیعہ صاحبان کا ائمہ اہل بیت سے کوئی تعلق نہیں ورنہ میدان کربلا کا منظر سامنے لاتے ہوئے ہوتے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ذات پر پھبتیاں کسنے کی کوئی عقل مند اور باہوش و حواس شخص کیسے جرأت کر سکتا تھا!

خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں ہی کس قدر تشددات برداشت کئے اور طائف میں کس طرح پتھر کھا کر لہو لہان ہوئے وہاں بھی ڈھکو صاحب کو مرہم کا تقیہ کرنے کی نہ سوجھی اور سوجھے ہی کیوں جب کہ ان کا ووٹ اہل طائف کے ساتھ ہے اور زخم لگانے والوں اور لہو نکالنے والوں کے ساتھ۔

نعوذ باللہ من سوء الاعتقاد۔

Marfat.com

شیعی تقیہ کی حقیقت شیعہ کی زبانی:

ڈھکو صاحب کی اس مذبوحی حرکت اور یار غار کی جرأت ایمان پا اعتراض و تنقید اور اسے ترک تقیہ کا خوفناک انجام قرار دینے سے واضح ہو گیا کہ ان کے نزدیک صرف اسرار و رموز کے تحفظ اور ان کے افشاء کے لئے اہل و نااہل کی تمیز کا نام تقیہ نہیں بلکہ سرے سے دعوت اسلام و ایمان کو ترک کرنے کا نام تقیہ ہے۔ لہٰذا پچھلے صفحات میں الزامی اور حلی جوابات دے کر جن شیخیوں اور شوخیوں کا مظاہرہ کیا تھا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بغض و عناد نے خود ڈھکو صاحب کے قلم سے اس پر پانی پھروا دیا۔ اور تقیہ کی حقیقت کھل کر سامنے آگئی اور ڈھکو صاحب کا معاملہ بھی بقول کسے عجیب ترین ہے۔

عجب شکل میں ہے سینے والا جیب و داماں کا
ادھر ٹانکا ادھر ادھڑا ادھر ٹانکا ادھر ادھڑا

تنزیہہ الامامیہ ———— ڈھکو صاحب

تتمہ شیعہ فرقہ کی قدامت

اور جہاں تک فرقہ حقہ شیعہ خیر البریہ کو (جو اسلام کی صحیح شکل کا دوسرا نام ہے) ایک جدید سیاسی فرقہ قرار دینے کا تعلق ہے یہ کوئی نئی بات نہیں ہمیشہ سے دشمنان شیعہ و شیعیت ہم پر یہی بے بنیاد الزام عائد کرتے رہے ہیں مگر حقیقت بین حضرات پر یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ مذہب شیعہ کوئی نیا مذہب نہیں۔

امام احمد بن حنبل۔ جلال الدین سیوطی۔ ابن حجر مکی۔ زمخشری۔ نسائی۔ ابن اثیر وغیرہم فحول علماء نے آنحضرت کا یہ ارشاد اپنی اپنی کتب میں نقل کیا ہے کہ آنحضرت ؐ نے جناب امیر کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

Marfat.com

"یاعلی! أنت وشیعتك هم الفائزون یوم القیامة"
اے علی! تم اور تمہارے شیعہ ہی قیامت کے دن رستگار ہوں گے۔
علامہ وحید الزمان نے انوار اللغۃ میں پ ۲۱ صفحہ ۱۴۲ بذیل حدیث "انت وشیعتك راضین مرضین" لکھا ہے اس حدیث سے یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ شیعہ علی ایک قدیم فرقہ ہے جس کا ذکر آنحضرت نے کیا۔

(ص: ۳۰)

تحفہ حسینیہ ______ محمد اشرف السیالوی

شیعہ فرقہ ابن سبا کے نفاق کا نتیجہ

ڈھکو صاحب نے شیعہ فرقہ کی قدامت ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کرتے ہوئے اہل السنت کی کتابوں سے صرف ایک حوالہ "یاعلی أنت وشیعتك هم الفائزون یوم القیامة اور یا علی انت وشیعتك راضین مرضین" لکھا ہے۔ جس طرح تقیہ کے اثبات میں آپ کو جہاں بھی تقیہ کا لفظ نظر آیا اسی کو اپنی دلیل بنا ڈالا اسی طرح یہاں بھی لفظ شیعہ نظر آیا اس سے مذہب شیعہ ڈھکو صاحب کا ثابت ہو گیا۔ کوئی اس صاحب سے پوچھے کہ شیعی و سنی اختلاف جو تقریباً تیرہ ساڑھے تیرہ صدیوں سے چلا آ رہا ہے۔ وہ صرف اس لفظ شیعہ کے ثبوت یا عدم ثبوت میں ہے یا ان کے مخصوص اعتقادات اور اعمال میں خواہ نام کوئی بھی ہو۔

حضرت شیخ الاسلام نے اسی کنز العمال کی روایت بیان کی جس میں کامیاب و کامران راضی و مرضی شیعہ کا بھی ذکر تھا اور مبغوض و ناپسندیدہ اور واجب القتال شیعہ صاحبان کا بھی تو اس پر ڈھکو صاحب آتش زیر پا ہو گئے کہ سنیوں کی کتاب ہے اور اس کی روایت ہے اس کو کیونکر پیش کیا لیکن خود اسی کتاب کی ایک روایت ذکر کی جو مفید مطالب تھی

Marfat.com

دوسری چھوڑ گئے اور آبائی طریقہ یعنی تقیہ کا بھرپور مظاہرہ کیا۔

عن علی یخرج فی آخر الزمان قوم لهم نبز یقال لهم الرافضة ویعرفون به ینتحلون شیعتنا ولیسوا من شیعتنا وآیة ذلك انهم یشتمون ابابکر و عمر اینما ادرکتموهم فاقتلوهم فانهم مشرکون۔

مذہب شیعہ صد ۲۴، ۲۵

آخر زمانہ میں ایک قوم ظہور پذیر ہوگی جن کا خاص لقب ہوگا یعنی ان کو رافضی کہا جائے گا اور یہی ان کی پہچان کا ذریعہ ہوگا وہ اپنے آپ کو ہمارا شیعہ ظاہر کریں گے۔ لیکن حقیقت میں ہمارے شیعہ نہیں ہوں گے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ ابوبکر اور عمر کو گالیاں دیں گے۔ وہ تمہیں جہاں کہیں ملیں ان کو قتل کر دینا کیونکہ وہ مشرک ہیں۔

اب تو آپ کو سمجھ آگئی ہوگی کہ کون سا فرقہ قدیم ہے اور کون سا جدید اور جن شیعوں کے متعلق فائز المرام ہونے یا اللہ تعالیٰ سے راضی ہونے کا اعلان کیا جا رہا ہے۔ وہ کون ہیں؟ اتنی دھاندلی بھی ہوتی ہے کہ ایک کتاب کی دو روایات میں ایک کو لے کر اپنی دلیل بنا دیا جاوے اور دوسری کو شیر مادر سمجھ کر ہضم کر لیا جاوے کیا استدلال کے جدلی اور برہانی طریقوں میں سے یہ کوئی بھی طریقہ ہے؟

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز نے ڈھکو صاحب کے مذہب کی اہم کتاب سے جو حوالہ پیش کیا اس کے ذکر میں بھی تقیہ سے کام لے گئے یہاں کونسا جان کو خطرہ تھا کہ تقیہ و کتمان سے کام لیا اسی لیے تو ہم فریاد کرتے ہیں کہ اس ہتھیار نے اسلام کا سینہ چھلنی کر کے رکھ دیا ہے۔ ہاں تو کافی کتاب الروضہ کی روایت ملاحظہ فرمادیں۔

مؤلفہ کافی مطبوعہ لکھنؤ صد ۹۹۔ مذہب شیعہ صد ۳۶

ینادی منادی اول النهار ان فلان بن فلان و شیعته

Marfat.com

هم الفائزون و ینادی آخر النہار الا ان عثمان و شیعتہ هم الفائزون ۔

دن کے آغاز میں منادی ندا وا دراعلان کرتا ہے کہ فلاں ابن فلاں (عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ) اور ان کے شیعہ فائز المرام اور کامیاب و کامراں ہیں ۔ اور دن کے آخری حصے میں منادی نداء کرتا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے شیعہ فائز المرام اور کامیاب ہیں ۔

ذرا تقیہ سے ہٹ کر بحثیت دیانت دار انسان ہونے کے بتلائیں کہ لفظ شیعہ سے یہاں کون سا معنی مراد ہے ؟ کیا اس لفظ سے بھی آپ اپنی قدامت ثابت کرنے کی کوشش کریں گے ۔ اور اگر کرنی ہے تو پھر ہم آپ کو اسلام سے بھی پہلے کا ایک فرقہ ثابت کر دیتے ہیں آپ اپنے کو صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور تک محدود کیوں رکھتے ہو ؟

لفظ شیعہ کے اطلاقات از روئے قرآن

دیکھو قرآن مجید میں وارد ہے ۔(۱) ھذا من شیعتہ و ھذا من عدوہ ۔ جو دو آدمی جھگڑ رہے تھے ۔ ان میں ایک تو موسیٰ کا شیعہ تھا اور ان کی جماعت سے تھا ، اور دوسرا دشمن کی جماعت سے تھا ۔ لیجئے صاحب سامنے بنی اسرائیل کا موسیٰ علیہ السلام کے اعلان نبوت سے بھی پہلے شیعہ ہونا ثابت ہو گیا ۔

۲۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ۔ وجعل اھلھا شیعًا فرعون نے اہل مصر کو شیعہ بنا دیا تھا اس سے بھی قدامت بلا ریب ثابت ہو گئی ۔

۳۔ ولقد اھلکنا اشیاعکم فھل من مدکر ۔ البتہ تحقیق ہم نے تمہارے شیعہ پر شیعہ کو ہلاک کیا ، تو ہے کوئی تم سے نصیحت پکڑنے والا ۔

چلو یہ آیات گراں گزرتی ہیں تو وہ اِنَّ مِنْ شیعتہ لابراھیم پڑھ لو کہ حضرت نوح علیہ السلام کے شیعہ سے ابراہیم تھے ۔ اب تو طوفان نوح علیہ السلام سے بھی پہلے کی اقوام سے

Marfat.com

ہم نے آپ کا رشتہ جوڑ دیا ہے۔ کیا اب بھی ناراض رہو گے۔

محل نزاع کیا ہے؟

مگر خدارا یہ تو بتلاؤ کہ یہی لفظ شیعہ محل نزاع ہے اگر وہ ثابت ہو گیا تو مذہب شیعہ ثابت اور ثابت نہ ہوا تو مذہب بھی ثابت نہ ہو گا۔ اگر عبداللہ بن ابی اور عبدالرحمن ابن ملجم کے نام انتہائی حسین ہونے کے باوجود ان کی ذاتوں میں کوئی خوبی ثابت نہیں ہو سکتی تو محض شیعہ کا لفظ بول دینے سے اس مذہب کی کوئی خوبی اور اچھائی ثابت نہیں ہو سکتی۔

حقیقت حال:

شیعہ کا معنی جماعت گروہ اور قبیلہ ہوتا ہے جو اچھا بھی ہو سکتا ہے اور برا بھی۔ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے آدمی کو شیعہ بھی کہا گیا ہے اور اسی کو انک لغوی مبین کا تحفہ ضلالت بھی عطا ہوا ہے اور اہل مصر کو فرعون کی طرف سے مختلف شیعوں میں بانٹنا بھی قرآن سے ثابت ہے۔ اور مختلف شیعہ کا ازمان سالفہ اور گزرے ہوئے ادوار میں آسمانی عذاب سے تباہ ہونا بھی اور آئندہ روز قیامت انہیں جہنم داخل کرنے پر بھی قرآن گواہ:

ثم لننزعن من کل شیعتہم ایہم اشد علی الرحمان عتیاً

جس طرح کسی فرد کائنات کے انسان ہونے سے اس کا شریف ہونا اور مسلمان ہونا لازم نہیں آتا محض شیعہ کا لفظ بولے جانے سے بھی اس کا مومن ہونا بلکہ مسلم ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں محبان علی کے تیرہ گروہ ہیں۔ جن میں سے بقول امام جعفر صادق صرف ایک جنتی ہے باقی بارہ دوزخی ہیں۔ ملاحظہ کتاب الروضۃ کافی و من الثلاث و سبعین فرقۃ ثلاث عشر فرقۃ تنتحل ولا یتنا و مودتنا واثنتا عشرۃ فرقۃ منہا فی النار و فرقۃ فی الجنۃ و ستون فرقۃ من سائر الناس فی النار۔

(روضہ کافی صہ ۲۲۴ مطبوعہ ایران)

Marfat.com

جب محبان اہل بیت تیرہ فرقے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ سبھی شیعہ ہونے کے دعویدار ہیں۔ اور ان میں سے صرف ایک جنتی ہے تو اس کی کیا ضمانت ہے کہ وہ ڈھکو صاحب والی جماعت ہی ہو۔ اسماعیلیہ ہوں یا زیدیہ یا کیسانیہ وغیرہ۔ لہٰذا شیعہ کے لفظ سے ایک جماعت کیسے متعین ہو گئی جس طرح محمدی ہونے کا دعویٰ نجات کے لئے کافی نہیں کیونکہ تہتر میں سے ہر ایک فرقہ محمدی ہونے کا دعوے دار ہے۔

لفظ شیعہ اور شارح نہج البلاغۃ:

اس مقام پر ذرا شارح نہج البلاغہ۔ جو کہ ابن علقمی شیعہ وزیر اعظم سلطنت عباسیہ کے نمک خوار اور انعام یافتہ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تفضیل کلی اور اہل صفین کو مکمل طور پر اور اصحاب جمل میں سے تین افراد یعنی حضرت عائشہ صدیقہ۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے علاوہ سب صحابہ اور مہاجرین وانصار کو فاسق اور جہنمی تسلیم کرنے والے معتزلی کی بھی سن لو جو کہ آدھا معتزلی ہے مگر آدھا شیعہ بھی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مقام مدح وثناء میں جہاں کہیں لفظ شیعہ وارد ہے اس سے مراد ہم ہیں اور جو آج کل شیعہ کہلاتے ہیں ان کا اس وقت نام ونشان ہی نہیں تھا لہٰذا ان کی مدح وثنا اور تعریف وتوصیف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ابن ابی الحدید تو آدھا شیعہ آدھا معتزلی تھا اس کو تو گلہ نہ دو لیکن تمہارے تقیہ باز وزیر الوزراء نے بھی یہ کتاب لکھوا کر تمہارے ساتھ اچھا نہیں کیا بہر حال عبارت ملاحظہ ہو۔

لم تكن لفظ الشيعة تعرف فى ذلك العصر إلا لمن قال بتفضيله ولم تكن مقالة الامامية ومن نحا نحوها من الطاعنين فى امامة السلف مشهورة حينئذ على هذا النحو من الاشتهار فكان القائلون بالتفضيل هم المسمون الشيعة وجميع ما ورد من الاثار والاخبار فى فضل الشيعة وانهم موعودون بالجنة فهولاء هم المعنيون به دون غيرهم ولذلك قال اصحابنا المعتزلة فى كتبهم و

تصانیفھم نحن الشیعۃ حقا و ھذا القول ھو اقرب الی السلامۃ و اشبہ بالحق من القولین المسمیین طرفیی الافراط و التفریط انشاء اللہ ۔

اس لئے ہمارے معتزلہ کا یہ دعوی ہے کہ حقیقی شیعہ ہم ہیں نہ کہ امامیہ جو جانب افراط میں ہیں اور خارجی جو تفریط کے درپے ہیں۔ شرح نہج البلاغۃ لابن ابی الحدید جلد ۲ ص ۲۲۶ مطبوعہ قم ایران۔

شیعہ سبائی سازش کا نتیجہ ہیں:

لہذا اب تو ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہوئے نا کہ یہ قدیم فرقہ نہیں ہے بلکہ سبائی سازش کا نتیجہ ہے۔ اس کے متعلق صراحت بھی عرض کر دوں طوسی جیسے سرآمد روزگار شیعی علماء کے رئیس اور سردار کی منتخب اور تصحیح شدہ اختیار رجال کشی ص ۱۰۸ پر موجود ہے۔

ذکر بعض اھل العلم ان عبد اللہ بن سباء کان یھودیا فاسلم و والی علیا علیہ السلام و کان یقول وھو علی یھودیتہ فی یوشع ابن نون وصی موسی بالغلو فقال فی اسلامہ بعد وفاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی علی علیہ السلام مثل ذلک و کان اول من اشھر بالقول بفرض امامۃ علی و اظھر البراءۃ و کاشف مخالفیہ و کفرھم فمن ھنا قال من خالف الشیعۃ ان اصل التشیع والرفض ماخوذ من الیھودیۃ ۔

بعض اہل علم نے کہا کہ بے شک عبد اللہ بن سبا یہودی تھا پس اسلام لایا اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے ساتھ محبت و تولی کا دم بھرا اور وہ یہودیت کے دوران از رہ غلو و افراط اور حد سے تجاوز کرتے ہوئے حضرت یوشع علیہ السلام کو وصی موسی علیہ السلام کہتا تھا تو اسلام لانے کے بعد رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ کا وصی

Marfat.com

کتا تھا۔ وہ پہلا شخص ہے جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کے فرض ہونے اور اس کا عقیدہ رکھنے کو لازم اور ضروری قرار دیا۔ اور آپ کے مخالفین سے براءت کا اظہار کیا اور آپ کے مخالفین کے ساتھ کھلم کھلا عداوت اور تبراء کا اظہار کیا اور ان کو کافر قرار دیا۔ اسی وجہ سے شیعہ کے مخالفین نے کہا کہ تشیع اور رافضیت کا اصل عقیدہ اور نظریہ یہودیت سے ماخوذ ہے۔ اس کو کہتے ہیں سہ

جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے۔

اور یہ بھی سن لو کہ یہ یہودی المذہب تقیہ باز ابن سبا ۳۵ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور اقدس میں بظاہر اسلام لایا اور ان کے خلاف سازشوں میں مصروف ہو گیا۔

ملاحظہ ہو ناسخ التواریخ جلد دوم ص۵۲۴۔ ذکر پیدا آمدن مذہب رجعت بعد سال سی و پنجم ہجری۔ عبداللہ بن سبا مردے یہود بود در زمان عثمان بن عفان مسلمانی گرفت و او از کتب پیشین و مصاحف سابقین نیک دانا بود چوں مسلمان شد خلافت عثمان در خاطر او پسندیدہ نیفتاد الخ۔

جب تولی و تبرا اور وصی رسول اور خلافت بلا فصل کا آغاز اس سراپا فتنہ اور مجسمہ خبث سے ہو رہا ہے تو اس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین و مذہب اور قدیم مذہب اسلام کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔

بنیاد ۳۵ھ میں رکھی گئی اور پھر تقیہ کی دبیز تہوں کے پردوں میں اس کو رواج دینے کی مساعی قبیحہ جاری ہوئیں اور مدتوں بعد اس نے ایک مدون مذہب کی شکل اختیار کی لہٰذا قدامت کا دعوی سراسر فریب اور مکر پر مبنی ہے۔ مزید بحث مبحث رجعت کے ضمن میں ذکر کی جائے گی۔

مقام حیرت :

وحید الزمان غیر مقلد وہابی کے حوالے سے ڈھکو صاحب نے شیعہ فرقہ کی قدامت

Marfat.com

ثابت کرنا چاہی حالانکہ حدیث میں قیامت کے دن حضرت علی المرتضیٰ اور ان کے شیعہ کی کامیابی کا بیان ہے۔ اس سے قدامت اس مخصوص فرقہ کی کیسی ثابت ہو گئی گویا ڈھکو صاحب اس سے یہ سمجھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرت علی کی علیحدہ جماعت موجود تھی۔ اس لئے تو آپ کی زبان صداقت بیان سے یہ لفظ نکلا تو مقام حیرت ہے کہ وہ جماعت حضرت علی کی رہی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ بنی چلو اس کو نبی کی جماعت نہیں مانتے تو پھر آپ کو شیعان علی میں تو داخل کر دو ورنہ آپ کا بھی نعوذ باللہ فوز و فلاح سے محروم ہونا لازم آئیگا یا علی المرتضیٰ کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدمقابل ہونا اور آپ کی جماعت کا امت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل ہونا۔

حقیقت حال یہ ہے کہ نگاہ نبوت دیکھ رہی تھی کہ آپ کے مخالف پیدا ہوں گے اور آپ پر کفر و شرک کے فتوے لگائیں گے اور آپ کے ایسے محب بھی پیدا ہوں گے۔ جو محبت میں سب حدود شریعت کو پھلانگ جائیں گے۔ اور ایک فریق وہ ہوگا جو افراط و تفریط اور تقصیر و تجاوز اور کمی و زیادتی سے منزہ و مبرا ہوگا۔ تو فرمایا وہی گروہ کامیاب ہوگا اور دوسرے تباہ و برباد ہوں گے۔ اور اسی مضمون کو مخبر صادق سے سن کر حضرت علی نے یوں بیان فرمایا:

سیهلك فی صنفان محب مفرط یذهب به الحب الی غیر الحق و مبغض مفرط یذهب به البغض الی غیر الحق ۔ وخیر الناس فی حالا النمط الاوسط فالزموه والزموا السواد الاعظم فان ید الله علی الجماعة و ایاکم والفرقة فان الشاذ من الناس للشیطان کمان الشاذ من الغنم للذئب الامن دعا الی هذا الشعار فاقتلوه ولو کان تحت عمامتی هذه ۔ (نہج البلاغۃ مصری جلد اول ص۲۹۰)

عنقریب میرے سبب سے دو جماعتیں ہلاک ہوں گی ایک وہ محب جماعت جن کو غلو محبت راہِ حق سے دور لے جائے گا اور دوسرا بغض رکھنے والا

Marfat.com

فرلق اور میری شان میں کوتاہی اور کمی کرنے والا گروہ جو بغض و عداوت میں غلو سے کام لیتے ہوئے راہ حق سے ہٹ جائے گا اور میرے حق میں بہتر جماعت والا وہ گروہ ہے جو افراط و تفریط سے منزہ و مبرا ہے لہٰذا اسی کو لازم پکڑو اور سواد اعظم کا دامن ہرگز نہ چھوڑنا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا دست کرم جماعت پر ہے اور اپنے آپ کو جماعت سے افتراق اور اس سے علیحدگی سے دور رکھو کیونکہ جماعت سے الگ ہونے والا انسان اسی طرح شیطان کے قبضہ میں چلا جاتا ہے جس طرح ریوڑ سے علیحدہ ہو جانے والی بھیڑ بکری بھیڑیئے کے قبضے میں غور سے سنو جو بھی افتراق و انتشار اور جماعت سے علیحدگی کی طرف دعوت دے اس کو قتل کر دو وہ میری اس دستار و عمامہ کے نیچے ہی کیوں نہ ہو۔

اسلام میں عظیم جماعت اور سواد اعظم کون ہیں:

۱۔ مؤلف گوید کہ از بدائع اتفاقات آنکہ روزے مرا بایکے از سادات سیفی قزوینی در مبحث امامت مناظرہ افتاد بعد از آنکہ اثبات مطلب خود بلد نمودم عاجز شدہ گفت کہ اگر مذہب امامیہ بر مطلب امامت حق بودے چرا دریں مدت بسیار علماء ایشان با علماء اہل السنت مناظرہ نمیکردند حقیقت مذہب خود را بر ایشان موجہ نمیساختند و ایشان را از مذہب سلفی بر نمی گردانیدند فقیر گفت کہ اہل السنۃ ہمیشہ سواد اعظم بودہ اند و سلاطین زمان مرفہ خود را اقتداء بمذہب ایشان میدیدند و ہمیشہ در اخفاء نمود تشیع بودہ اند لاجرم ایں طائفہ نتوانستند کہ اظہار مذہب خود نمایند۔

(مجالس المومنین صہ ۲ ۵ ۷ : ج ۱)

قاضی نور اللہ شوستری جو بطور تقیہ برصغیر ہند و پاک میں مغل اعظم اکبر شاہ اور جہانگیر شاہ کے دور میں اہل السنت کی حکومت کے باوجود قاضی القضاۃ کے عہدہ پر فائز رہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ عجیب اور انوکھے اتفاقات میں سے ایک یہ ہے کہ مجھے ایک دن سیفی قزوینی سادات میں سے ایک کے ساتھ مناظرہ کا اتفاق ہوا جس کا موضوع مسئلہ امامت تھا جب

Marfat.com

جب میں نے اپنا دعویٰ ثابت کردیا اور وہ عاجز آگئے تو مجھ سے کہنے لگے کہ اگر امامت کے متعلق امامیہ فرقہ کا مذہب برحق ہوتا تو اتنی مدت اور عرصہ دراز سے شیعہ علماء نے اہل السنت علماء کے ساتھ مناظرے کیوں نہ کئے۔ اور اپنے مذہب کی حقانیت ان پر کیوں واضح نہیں کی اور انہیں اسلاف کے مذہب سے برگشتہ کیوں نہیں کیا تو فقیر نے جواب میں کہا کہ اہل السنت ہمیشہ سواد اعظم رہے ہیں اور سلاطین زمانہ ان کی اکثریت کی وجہ سے اپنے آپ کو چار و ناچار انہیں کے مذہب پر قائم رکھنا اور دیکھنا پسند کرتے تھے اور ہمیشہ تشیع کے نور کو بجھانے کے درپے رہے ہیں لہٰذا مجبوراً یہ لوگ اپنے مذہب و عقیدہ کو ظاہر کرنے کی ہمت نہ کرسکا۔

۲۔ دوسرا حوالہ اسی کتاب سے اور یہی اعتراف و اقرار محقق طوسی کی طرف سے ملاحظہ کرتے چلو:-

ایشان در فناء و اعدام خلیفہ با خواجہ نصیر الدین مشورت نمودہ خدمت خواجہ فرمودند کہ اہل السنت کہ سواد اعظم اہل اسلام اندا در خلیفہ بحق و امام مطلق می دانند ص۲۵ جلد دوم۔

خود ڈھکو صاحب نے اپنے رسالہ کے ص۲۲ پر بحوالہ روضہ کافی ص۲۹ پر جناب امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ کا ایک خطبہ درج کیا ہے۔ جس سے مطلوبہ عبارت پیش خدمت ہے۔

اب اگر میں ان لوگوں کو ان حکام کے پیدا کردہ بدعات سے ترک کا حکم دوں اور ان سنن نبویہ کو اصلی طرز پر جاری کردوں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں جاری تھیں تو میرے لشکر یوں سے میرے ساتھ وہ تھوڑی جماعت شیعہ کی رہ جائے گی جنہوں نے میری فضیلت اور فرض امامت کو کتاب اللہ اور سنت نبویہ سے بخوبی سمجھ لیا ہے۔

ہاں تو فرمائیے آپ کے لشکر میں بھی سواد اعظم اہل السنت تھے شیعہ تو نہیں تھے تو پورے عالم اسلام میں سواد اعظم کون ہوئے اور حضرت علی مرتضیٰ کے اس حکم فالزموا السواد الاعظم کے تحت کس جماعت پر اللہ تعالیٰ کا دست کرم ثابت ہوا اور ایاکم والفرقۃ فرما کر کسی جماعت سے الگ ہونے کو ممنوع فرمایا اور جس جماعت سے علیحدگی اختیار کرنے والے کو شیطان کے تصرف میں چلے جانے والا قرار دیا۔ وہ کونسی جماعت ہے لہٰذا یہی جماعت ہی کامیاب و کامران ہے اور یہی نمط اوسط اور معتدل جماعت ہے اس کے متعلق ہی زبان رسالت سے غیبی خبر کے طور پر

Marfat.com

فوز و فلاح کا اعلان ہوا نہ کہ مدتہائے دراز کے بعد تیار ہونے والے مذہب شیعہ کی پرستار جماعت۔ رہا روضہ کافی کی عبارت اور نہج البلاغۃ کی عبارت سے تعارض کا معاملہ تو ظاہر ہے کہ نہج البلاغۃ کے پایہ کی مذہب شیعہ میں کوئی کتاب نہیں اس لیے اسی کو ہی ترجیح ہوگی اور کتاب الروضہ والی روایت غلط اور ناقابل اعتبار اور حضرت علی مرتضٰی کا تقدس اور آپ کی شان جرأت و بسالت بھی اسی کی متقاضی ہے ورنہ مکار اور طالب دنیا سیاستدان اور حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ میں کیا فرق ہو سکتا ہے؟ وہ بھی مذہب کو بالائے طاق رکھ کر صرف لوگوں کی ہاں میں ہاں ملا کر اقتدار پر قابض رہیں اور معدن ولایت رضی اللہ عنہ بھی یہی طریقہ اختیار کریں تو واقعی کوئی فرق باقی نہیں رہ سکتا۔

تنزیہہ الامامیہ ——— ڈھکو صاحب

فرقہ اہل السنت کا تذکرہ

مذکورہ بالا حقائق سے روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہو گیا کہ فرقہ شیعہ اثنا عشریہ ایک خالص مذہبی قدیم فرقہ ہے البتہ اس کے برعکس مؤلف رسالہ کا فرقہ ایک سیاسی اور جدید فرقہ ہے جس کا سنگ بنیاد معاویہ بن ابی سفیان نے رکھا ہے چنانچہ فتح الباری شرح بخاری ج ۹ ص ۵۵ استیعاب بر حاشیہ اصابہ ج ۳ ص ۳۴ وغیرہ کتب اہل السنت میں مذکور ہے کہ صلح حسنی کے بعد جب معاویہ تخت اقتدار پر قابض ہوا اور کوفہ میں داخل ہوا اور لوگوں نے اس کی بیعت کی تو اس کا نام سنۃ الجماعت (جماعت والا سال) رکھا گیا اور بعد میں مرور ایام سے یہ لفظ بدل کر اہل السنۃ والجماعۃ بن گیا اب تو یہ حقیقت کھل گئی کہ یہ پودا معاویہ کا کاشتہ ہے۔ بانی اسلام کا اس کی تشکیل میں کوئی دخل نہیں (ص : ۲۱)

Marfat.com

اہل السنّت والجماعۃ کی قدامت

مذہب اہل السنۃ والجماعۃ وہی ہے جس کی دعوت کے لئے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے جس کا عام نام مومنین اور مسلمین ہے اور دیگر مذاہب اور مختلف فرقوں کے پیدا ہونے پر بطور امتیاز اس کو اہل السنت والجماعت کا نام دیا گیا۔ کیونکہ سوائے انکے کوئی جماعت مسلمین و مومنین کے مطابق اور سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق عمل پیرا نہیں تھی لہٰذا یہ نام صداقت نشان صرف ان کے حصے میں آیا۔

انہی دونوں امور کی تاکید اکید ہمیشہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمائی سردست ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرمودات پیش کرنے پہ اکتفاء کریں گے اور وہ بھی نہج البلاغہ جیسی معتبر اور مستند کتاب سے۔ لزوم جماعت اور سواد اعظم کے ساتھ وابستہ رہنے کا حکم پہلے نظر نواز ہو چکا۔ الزموا السواد الاعظم فان ید اللہ علی الجماعۃ وایاکم والفرقۃ فان الشاذ من الجماعۃ للشیطان کما ان الشاذ من الغنم للذئب۔ (نہج البلاغہ مصری جلد اول ۲۹۸)

سواد اعظم کو لازم پکڑو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا دست کرم اور عنایت جماعت پر ہے۔ اور جماعت سے علیحدگی مت اختیار کرو کیونکہ جماعت سے الگ ہونے والا انسان شیطان کے قبضہ و تصرف میں چلا جاتا ہے جس طرح ریوڑ سے الگ ہونے والی بھیڑ بکری بھیڑیے کے قبضہ میں چلی جاتی ہے۔ اب ہم التزام سنت کے متعلق آپ کا فرمان پیش کرتے ہیں۔

۱۔ واقتدوا بھدی نبیکم فانہ افضل الھدی واستنوا بسنتہ فانہ اھدی السنن۔ (نہج البلاغہ مصری جلد اول ص۲۳۴)

Marfat.com

اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو اپناؤ کیونکہ وہ سب سے افضل سیرت ہے اور آپ کی سنت پر چلو کیونکہ وہ سب سنن اور طور طریقوں سے زیادہ موجب ہدایت اور موصل الی المقصود ہے۔

۲. فالزموا السنن القائمة والاثار البينة والعهد المقريب الذی عليه باقی النبوة واعلموا ان الشيطان انما يسنی لکم طرقه لتتبعوا عقبه۔

(جلد اول ص ۲۱۶)

ان قائم اور برقرار سنن واضح اور ظاہر آثار و افعال اور عہد قریب کو لازم پکڑو جس پر نبوت و رسالت کی چھاپ ہے اور اچھی طرح جان لو کہ شیطان تمہارے لئے نئے نئے راستے پیدا کرتا ہے تاکہ تم اس کے پیچھے چلو لہٰذا ہرگز ان نئی راہوں کی طرف راغب نہ ہونا۔

اسی مضمون پر مشتمل ارشاد ص ۲۰۰ پر بھی موجود ہے عبارت ملاحظہ ہو۔

ان الشيطان يسنی لکم طرقه ويريد ان يحل دينکم عقدة و يعطيکم بالجماعة الفرقة فاصدفوا عن نزعاته ونفثاته واقبلوا النصيحة ممن اهداها اليکم واعقلوها علی انفسکم۔ الخ

اور اسی طرح ص ۳۲۷ پر یوں منقول ہے۔

فلا تکونوا انصاب الفتن واعلام البدع والزموا ما عقد عليه حبل الجماعة وبنيت عليه ارکان الطاعة۔

یعنی فتنوں اور بدعات کی علامت اور نشانیاں نہ بنو اور جماعتی اتحاد جس امر پہ قائم ہے۔ اس کو لازم پکڑو اور جس پر ارکان طاعت کی بنیاد ہے اس کو مضبوطی سے تھامو۔

الغرض ان ارشادات سے سنت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سنن اسلاف اور عہد ماضی

Marfat.com

قریب کے آثار واعمال کو عمل میں لانے اور جماعت مسلمین کے ساتھ وابستہ رہنے کی تاکید شدید ہے اور یہی اہل السنت والجماعت کا مذہب ہے۔ اور اولیاء کاملین کے سلاسل نے مکمل تسلسل اور تواتر کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰ۔ معدن ولایت اور سرچشمہ روحانیت سے جو کچھ عملی اور قولی لحاظ سے سنا اور دیکھا وہ ہم تک پہنچایا اور ہر چشتی و قادری نقشبندی اور سہروردی اپنے وسائط اور وسائل کو شجروں میں محفوظ کئے ہوئے ہے اور اس سے پتہ ہے کہ ہمارا دین کن ذرائع سے ہم تک پہنچا ہے اور مولائے مرتضیٰ کا مذہب و مسلک کیا تھا۔ اور تمام برصغیر پاک و ہند میں تشریف لانے والے اور ظلمت کفر وضلالت کو دور کرنے والے سادات اسی مذہب مہذب پر تھے۔ سادات اُچ اور ملتان ، اجمیر اور لاہور وغیرہ اور اگر ان میں کوئی شیعہ نظر آتا ہے۔ تو صرف دوسری یا تیسری پشت سے اور چودھویں اور پندرھویں صدی میں جس سے صاف ظاہر ہے کہ اولاد روحانی اور جسمانی حضرت معدن ولایت کی جس مذہب و مسلک پر چودہ صدیوں سے قائم ہے وہ یہی اہل السنت والجماعت کا مذہب ہے اس سے بڑھ کر قدامت کی روایتی اور درایتی نقل اصطلاحاً دلیل کیا ہو سکتی ہے۔ اور اس کے بعد اس مذہب پر اعتراض کی کیا گنجائش ہے؟

شیعہ صاحبان کو تسلیم ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ محض اس وجہ سے ضروری اصلاحات ذکر سکے کہ انہیں خلفاء سابقین کے احکام میں تبدیلی کرنے پر اپنے لشکر کے الگ ہو جانے کا خطرہ تھا اور تتر بتر ہو جانے کا اندیشہ تو معلوم ہوا کہ خود کوفہ اور لشکر مرتضیٰ میں جو جماعت اور عظیم اکثریت موجود تھی وہ اہل السنت کی تھی۔ تا بہ دیگر مواضعات چہ رسد۔ اب بھی کوئی صاحب علم دعویٰ کر سکتا ہے۔ کہ اہل السنت قدیم نہیں یا ان کا پودا امیر معاویہ کا کاشتہ ہے۔ نیز یہاں سے ابن ابی الحدید شیعی معتزلی کا یہ دعویٰ بھی غلط ہو گیا کہ اصل میں شیعہ کا لفظ صرف اس کے ہم مذہب لوگوں پر بولا جاتا تھا کہ امامیہ اثنا عشریہ پر بلکہ حقیقت حال یہ تھی کہ جتنے آپ کے ساتھ تھے وہ شیعان علی کہلاتے تھے جن کی عظیم اکثریت اور بھاری جماعت اہل السنت والجماعت کے عقائد رکھنے والوں کی تھی اسی لئے شیخین کی سنت بدلنے پر ان کے الگ ہو جانے کا حضرت امیر المومنین کو بقول شیعہ اندیشہ تھا کیونکہ معتزلہ کے دلوں میں شیخین کی قطعاً اس قدر حرمت و قدر نہ تھی نہ ہے بلکہ ثابت ہوا کہ

Marfat.com

وہ ہم اہل السنت والجماعت کے مقتداء و پیشوا تھے اور اسی مذہب و مسلک پر گامزن۔
اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ منادی غیب ہر دن جن شیعان علی رضی اللہ عنہ کے فوز و فلاح کا اعلان کرتا ہے وہ یہی اہل السنت والجماعت ہیں کیونکہ آپ سے سنن کے التزام اور جماعت کے ساتھ وابستگی کو لازم اور ضروری قرار دیا اور اس کے مطابق عقیدہ وعمل صرف اہل السنت والجماعت کے اکابر کا تھا اور موجودہ اہل السنت کا لہذا وہی اس بشارت کے بھی حقدار ہیں۔

مخصوص نام تجویز کرنے کی وجہ

پہلے تو سبھی شیعان علی کہلاتے تھے مگر جب مختلف جنگوں میں ان کا اصحاب جمل اور اصحاب صفین کے ساتھ مقابلہ ہوا اور بعد میں تحکیم کا واقعہ پیش آیا تو اس دوران کچھ لوگ صحابہ کرام کے حق میں طعن و تشنیع اور سب و شتم سے کام لینے لگے جو روافض کہلائے اور کچھ لوگ خود امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنانے لگے بلکہ ان کو کافر تک کہنے سے گریز نہ کیا۔ اور آپ کے لشکر سے علیحدہ ہو گئے وہ خوارج کہلائے لہذا ان دو قلیل جماعتوں کے علاوہ جو عظیم اکثریت بچ گئی اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے افراط و تفریط سے محفوظ رکھا وہ اہلسنت والجماعت کہلائے تاکہ ان بدلے ہوئے حالات میں افراط و تفریط کا شکار ہونے والی دو جماعتوں سے اور دیگر مخالف فرقوں سے امتیاز قائم ہو سکے۔

نیز عبداللہ بن سبا یہودی نے یہود اور مجوس کو اہل اسلام سے میدان جنگ میں پیش آنے والی ذلتوں اور خواریوں کا بدلہ لینے کے لئے بھیس بدل کر اسلام میں داخل ہونے کی ٹھانی اور جس طرح پولس یہودی نے عیسائی بن کر عیسائیت کو ختم کیا تھا اسی طرح اس نے مسلمان بن کر خاکم بدہن اسلام کو ختم کرنے کی ٹھانی اور مختلف انداز میں لشکریان مرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں شکوک و شبہات پیدا کرنے شروع کئے چنانچہ ان جنگوں نے اس کی سازش کو تقویت بہم پہنچائی اور سونے پر سہاگے والا کام کیا تاہم بعض وہ خود تو حضرت امیر المومنین کے ہاتھوں بمعہ اپنے مخصوص معاونین کے نذر آتش ہوا لیکن اسکا حربہ کارگر ہوا اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھی اور معاون و

Marfat.com

مددگار چار جماعتوں میں تقسیم ہو گئے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں،

پس لشکر امیرؓ بسبب ردو قبول وسوسہ این شیطان لعین چہار فرقہ شدند اول فرقہ شیعہ اولیٰ وشیعہ مخلصین کہ پیشوایان اہل السنۃ والجماعۃ اند بروش جناب مرتضوی درمعرفت حقوق اصحاب کبار وازواج مطہرات و پاسداری ایشان در ظاہر باطن باوصف وقوع مشاجرات ومقاتلات وصفائی سینہ وبرأت از غل و نفاق گذرانیدند واسمہا را شیعہ اولیٰ وشیعان مخلصین نامند وایں گروہ من جمیع الوجوہ بحکم "ان عبادی لیس لک علیھم سلطان" از قرآں ابلیس پر تلبیس محفوظ ومصون ماندند ونوستے بدامن پاک ایشاں از نجاست آں خبیث نرسید وجناب مرتضوی درخطبہ خود مدح ایشاں فرمودند وروش ایشاں را پسندیدند۔

یعنی اس شیطان کے وسوسے کے ردو قبول کے نتیجے میں حضرت امیرالمومنین کا لشکر چار فرقوں میں بٹ گیا۔ پہلا فرقہ شیعہ اولی اور شیعہ مخلصین کا ہے۔ جو کہ اہلسنت کے پیشوا تھے اور جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی راہ وروش پر تھے یعنی اصحاب کبار اور ازواج مطہرات کے حقوق کی معرفت اور ظاہر و باطن میں ان کی پاسداری میں باوجود باہم اختلافات بلکہ مقاتلات کے رونما ہونے کے ان کے حق میں غل وغش اور بغض و نفاق سے ان کے سینے صاف اور بے غبار تھے ان کو شیعہ اولی اور شیعان مخلصین کا نام دیا گیا۔ اور یہ جماعت فرمان باری تعالیٰ:

"ان عبادی لیس لک علیھم سلطان" کے مطابق اس شیطان لعین اور ابلیس پر تلبیس کے شر سے محفوظ اور مامون رہے اور اس خبیث کی نجاست سے ان کا دامن طرح آلودہ نہ ہوا۔ جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے خطبات میں ان کی مدح و ثنا فرماتے اور ان کی سیرت اور روش کو پسند فرماتے۔

دوسرا فرقہ شیعہ تفضیلیہ کا تھا جو کہ حضرت امیرالمومنین کو تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان پر فضیلت دیتے تھے۔ یہ گروہ اس شیطان لعین کا شاگرد تو بنا اور کسی حد تک اس کے

Marfat.com

دسواس کو قبول بھی کیا۔ لیکن اصحاب کبار اور ازواج مطہرات کے حق میں دریدہ دہنی سے گریز کرتے تھے۔ جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ انکے حق میں تہدید و تشدید سے کام لیتے اور فرماتے کہ اگر میں نے کسی کے متعلق سنا کہ وہ مجھے شیخین رضی اللہ عنہما پر فضیلت دیتا ہے تو میں اس کو حد قذف یعنی اسی کوڑے لگادوں گا۔

تیسرا فرقہ سبیہ کا پیدا ہوا جن کو تبرائیہ بھی کہا جاتا ہے جو سب صحابہ کرام کو ظالم و غاصب بلکہ کافر اور منافق جانتے تھے اور یہ گروہ اس خبیث کا متوسط درجہ کا شاگرد ٹھہرا۔ جب اس گروہ کی حرکات اور ناشائستہ کلمات حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے مقدس کانوں تک پہنچتے تو آپ اپنے خطبات میں ان کی مذمت فرماتے اور ان سے براءت اور بیزاری کا اعلان فرماتے۔

چوتھا فرقہ شیعہ غلاۃ کا تھا جو اس خبیث کے اخص الخواص تلامذہ تھے اور شاگردانِ رشید میں سے تھے جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو الوہیت کے درجہ تک پہنچا دیا۔ بعض نے صراحت اور حقیقت کے لحاظ سے اور بعض نے عیسائیوں کی طرح لاہوت بلباس ناسوت کے طریقہ پر مکمل بحث دیکھنی ہو تو تحفہ اثنا عشریہ ص ۵، ۶ ملاحظہ فرماویں۔

الغرض جب شیعان علی چار فرقوں میں تقسیم ہو گئے تو دوسرے فرق مخالفہ سے امتیاز ضروری ٹھہرا، لہذا انہوں نے اپنا نام اہل السنت والجماعت رکھا یہ نام گو بعد میں تجویز ہوا لیکن عقائد و اعمال وہی پہلے کے ہیں۔ جس طرح ہمارے ہاں کے شیعہ نے اپنے آپ کو امامیہ اور اثنا عشریہ کہا اور اس نام سے موسوم کیا حالانکہ یہ نام پہلے موجود اور مسموع نہیں تھا۔ فتامل حق التامل۔

ڈھکو صاحب کی انوکھی منطق:

امام حسن رضی اللہ عنہ نے جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کر لی تو اس سال کو سنۃ الجماعۃ کہا گیا اور زمانہ گزرتے پر اس کو اہل السنۃ والجماعت میں بدل دیا گیا۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ مرور ایام سے یہ لفظ بدل کر اہل السنت والجماعت بن گیا والی عبارت اہل السنت کی کتابوں میں نہیں ہے۔ یہ ڈھکو صاحب کا کشید کردہ مفہوم ہے۔ لیکن تاثر یہ دیا

Marfat.com

گیا ہے کہ فتح الباری۔ اصابہ وغیرہ کتب اہل السنت میں یہ وجہ مذکور ہے حالانکہ قطعاً اس طرح نہیں تو یہاں بھی آبائی پیشہ اختیار کیا ہے اور تلبیس سے کام لیا گیا ہے۔

قال ابن بطال سلم الحسن لمعاویة الامر وبایعه علی اقامة کتاب الله وسنة نبیه ودخل معاویة الکوفة بایعه الناس فسمیت سنة الجماعة لاجتماع الناس وانقطاع الحرب۔

(فتح الباری جلد ۱۳ صہ ۵۴)

اس عبارت میں صرف یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اس سال کو جماعت کا سال کہا گیا کیونکہ لوگ آپس میں مجتمع ہو گئے اور لڑائی منقطع ہو گئی۔ اب اس عبارت سے خود وجہ تسمیہ گھڑ لینا کہاں کی دیانت ہے۔ وجہ تسمیہ وہ معتبر ہو سکتی ہے جو ارباب مذہب نے خود بیان کی ہو نہ کہ جو ان کے ذمہ لگائی گئی ہو شرح عقائد مع نبراس صہ ۲۱ میں علامہ تفتازانی نے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ ترك الاشعری مذهبه واشتغل هو ومن تبعه بابطال رای المعتزلة واثبات ما ورد به السنة ومضی علیه الجماعة فسموا باهل السنة والجماعة ای اهل الحدیث واتباع الصحابة رضی الله عنهم۔

شیخ ابوالحسن اشعری نے ابو علی جبائی معتزلی کا مذہب ترک کر دیا اور آپ خود اور ان کے متبعین معتزلہ کا رد کرنے میں مشغول ہو گئے اور جو کچھ سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں وارد تھا اور جس پر جماعت اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم آخر دم تک قائم رہی اس کے اثبات کے درپے ہو گئے پس ان کو اہل السنۃ والجماعۃ کا نام دیا گیا یعنی حدیث رسول والے اور صحابہ کرام کے متبعین۔ یہ ہے وجہ تسمیہ جو خود اہل السنت نے بیان کی ہے۔ رہا یہ سوال کہ یہ نام تو حادث ہوا نہ کہ قدیم تو جواب واضح ہے کہ نام کا حدوث مسمی کے حدوث کو مستلزم نہیں ہوتا جس طرح اللہ تعالیٰ کے نام فارسی اور انگریزی میں بھی اور دیگر زبانوں میں ہیں جو سب کی سب حادث تو اس سے ذات باری تعالیٰ کا تو حادث ہونا لازم نہیں آتا۔ اس طرح یہ نام اگرچہ بعد میں تجویز کیا گیا لیکن اس جماعت کے عقائد و اعمال وہی ہیں جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے

Marfat.com

قول وفعل سے ثابت اور جن پر جماعت اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قائم رہی۔

۲۔ سنۃ الجماعت کو سنت وجماعت سمجھنا آخر کس صاحب علم کے نزدیک درست ہو سکتا ہے کیا اہل السنت میں ڈھکو صاحب کے نزدیک اتنے پڑھے لکھے لوگ بھی پیدا نہیں ہوئے جن کو سَنَۃٌ سال اور سُنَّۃٌ یعنی قول وفعل رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں فرق معلوم ہو سکے ایسی باتیں کرنے سے اپنی آبرو جاتی ہے اور جگ ہنسائی ہوتی ہے لہذا مخلصانہ مشورہ ہے کہ عمر کے اس حصہ میں برخوردارانہ اور طفلانہ باتیں کرنا ترک کر دیں یہ آپ کو زیب نہیں دیتیں۔

۳۔ ڈھکو صاحب فرماتے ہیں:

"اب تو یہ حقیقت کھل گئی کہ یہ پودا معاویہ کا کاشتہ ہے، بانی اسلام کا اس کی تشکیل میں کوئی حصہ نہیں"

یہ بات تو وجہ تسمیہ سے بھی بڑھ کر حماقت اور جہالت پر مبنی ہے۔ کیونکہ اگر امام حسن رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصالحت نہ فرماتے اور زمام اقتدار ان کے حوالے نہ ہوتی تو اس سال کو جماعت کا سال ہی نہیں کہا جا سکتا تھا لہذا امت میں اتحاد واتفاق پیدا کرنے اور ان کو باہمی کشت وخون سے محفوظ کرنے کا سہرا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے سر ہے جنہوں نے فوج وسپاہ کے ہوتے ہوئے اور عظیم ملک اسلام کا سربراہ ہوتے ہوئے بھی اس قدر ایثار اور جود وسخا کا مظاہرہ کیا اور اپنے نانا جان سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا غیبی فرمان "ان ابنی ھذا سید لعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین من المسلمین" سچا کر دکھلایا یعنی میرا یہ بیٹا سردار ہے عنقریب اللہ تعالیٰ ان کی بدولت اہل اسلام کے دو گروہوں میں مصالحت اور اتفاق کرا دے گا۔ لہذا صلح وآشتی اور اتفاق و اتحاد کا پودا تو امام حسن رضی اللہ عنہ کا کاشتہ ہے نہ کہ صرف امیر معاویہ کا بلکہ خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیونکہ دونوں کا اتفاق از روئے مذہب ومسلک نہ ہوتا تو فئتین من المسلمین کہہ کر دونوں کو اہل اسلام کی دو جماعتیں نہ فرماتے اور اس سے مصالحت پر خوشی اور مسرت کا اظہار نہ فرماتے لہذا اعتقاد واعمالی والا پودا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کاشت کردہ۔ اور

Marfat.com

اختلاف کے بعد اتفاق اور جنگ کے بعد صلح کا امام حسن کی طرف سے اور وجہ تسمیہ کے لحاظ سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے بلکہ خود رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے فرمایا علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المهدیین جس میں امت پر اپنی اور خلفاء راشدین کی سنت پر عمل لازم فرمایا اور بہتر ناری فرقے بیان کئے اور ایک جنتی تو عرض کیا گیا وہ کون سا فرقہ اور جماعت ہے جو جنتی ہے تو فرمایا "ما انا علیه واصحابی" جس طریقہ پر ہوں اور میرے اصحاب علیہم الرضوان رواہ الترمذی اور دوسری روایت میں یوں وارد ہے فثنتان وسبعون فی النار وواحدۃ فی الجنۃ وھی الجماعۃ۔ پس بہتر دوزخی ہیں اور ایک جنت میں اور وہی جماعت ہے رواہ احمد وابوداؤد مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔

یہ ہے اہل السنت والجماعت کے نام کی وجہ تسمیہ اور یہ ہے اہلسنت کی قدامت ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

نوٹ:

فتح الباری کا حوالہ ڈھکو صاحب کے رسالہ میں یوں تحریر کیا گیا ہے جلد نمبر ۱۲ اور صہ ۵۵ جب کہ درحقیقت جلد نمبر ۱۳ اور صہ ۵۲ ہے۔ لیکن ہم تو یہی کہیں گے کہ کاتب نے غلط لکھ دیا ہے کیونکہ اس مطبوعہ رسالہ کو بہرحال کاتب نے لکھا نہ کہ ڈھکو صاحب نے لیکن کیا ڈھکو صاحب کو بھی حضرت شیخ الاسلام پر اس قسم کے اعتراض کرنے سے حیا دامنگیر ہو گا۔؟

Marfat.com

مذہب شیعہ

تحریف قرآن

اب رہا قرآن کریم تو اس کے متعلق بانیان مذہب تشیع و رازداران فرقہ مذکورہ اس قرآن کریم کا صراحت انکار کرتے نظر آتے ہیں۔ نمونہ کے طور پر اسی اصول کافی صہ۶۷۱ پر یہ روایت دیکھیں کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت علی قرآن کریم کو جمع کرنے اور اس کی کتابت سے فارغ ہوئے تو لوگوں سے کہا کہ اللہ عزوجل کی کتاب یہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کو نازل فرمایا ہے اور میں نے ہی اس کو اکٹھا کیا ہے جس پر لوگوں نے کہا کہ ہمارے پاس قرآن شریف موجود ہے ہمیں کسی نئے قرآن کی کیا ضرورت ہے۔ اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم آج کے دن کے بعد تم اس قرآن کو کبھی نہ دیکھو گے۔

اسی صفحہ پر امام جعفر صادق صاحب سے منسوب ایک روایت اور بھی ملاحظہ فرمائیں کہ جو قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبریل علیہ السلام لائے تھے۔ اس کی سترہ ہزار (۱۷۰۰۰) آیتیں تھیں اور غریب اہل سنت والجماعت کے پاس تو صرف چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ (۶۶۶۶) آیات والا قرآن کریم ہے۔

اسی اصول کافی کے صفحہ ۶۷۰ پر نظر ڈالتے جائیے اور اگر اس قرآن کریم سے صراحتاً انکار کی شان کسی حد تک تفصیل کے ساتھ دیکھنا چاہیں تو اصول کافی صہ ۲۶۱ تا صہ ۲۶۸ اور صہ ۶۷۰ اور صہ ۶۷۱ اور ناسخ التواریخ جلد ۲ صہ ۳۹۳ ، ۳۹۰ اور تفسیر صافی جلد اول صہ ۱۳ مطالعہ فرمائیں اور بانیانِ مذہب تشیع کی سیاست کی داد دیں کہ کس طرح صراحت اور وضاحت کے ساتھ اس فرقہ نے سرے سے قرآن شریف کا انکار کیا ہے۔ (صہ ۹۰۸)

آج کل اہل تشیع حضرات یا تو اپنی مذہبی کتابوں سے مکمل ناواقفی کی وجہ سے اور یا کسی ماحول کے

Marfat.com

باعث بطور تقیہ قرآن کریم کو خدا کا کلام کہتے ہیں مگر بانیان مذہب تشیع اور رازداران مذہب تشیع کا ایمان قرآن کریم پر نہیں۔ اس قرآن کریم کو اسی وجہ سے ہر صریح جھوٹ بولتے وقت جھٹ سے سر پر رکھ دیتے ہیں اور ایسی حالت میں جھوٹ بولتے ہیں۔ ذرہ برابر تامل نہیں کرتے جیسے کوئی مسلمان جھوٹ بولتے وقت کوئی ہندوؤں کی پوتھی وغیرہ سر پر رکھ لے۔

شیعوں کے مذہبی پیشوا مطلقاً قرآن کا انکار ظاہر کرتے ہیں بلکہ جو قرآن کریم حضرت امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے تمام صحابہ حفاظ کو طلب فرما کر جمع فرمایا جو ہمارے سینوں میں ہے اور مسلمانوں کی ہر مسجد میں جس کو بچے سے لے کر بوڑھے تک پڑھتے ہیں اور جو مسلمانوں کے سات سال کی عمر کے بچوں کو یاد ہے جس کو رمضان المبارک میں نماز تراویح میں ختم کیا جاتا ہے جس کے تیس پارے ہیں جو سورۃ فاتحہ سے شروع ہوتا ہے اور سورۃ ناس پر ختم ہوتا ہے۔ بانیان مذہب شیعہ نے اس کا انکار کیا ہے۔ اور جب بھی اپنا ایمان قرآن پر ثابت کرتے ہیں تو اپنا موہوم قرآن (سترگز والا جس نے قیامت سے پہلے لوگوں کو ہدایت کے لئے منہ نہیں دکھانا۔ حلال وحرام کی تعلیم صرف قیامت کو دے گا) ہی مراد لیتے ہیں تو پھر جس قرآن پر ان کا ایمان نہیں اس کو ہزار دفعہ جھوٹ بولتے وقت سر پر رکھیں۔ ان کے مذہب کو کیا اندیشہ ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم پر مدعیان تولیٰ کے ایمان کا نمونہ اصل عبارت میں پیش کرتا ہوں تاکہ اہل علم لوگ تصدیق کر سکیں ۔ اصول کافی ص ۶۷۱

۱۔ فقال ابو عبد اللہ علیہ السلام (الی ان قال) اخرجہ علی علیہ السلام الی الناس حین فرغ منہ وکتبہ فقال لہم ھذا کتاب اللہ عزوجل کما انزلہ اللہ علی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جمعتہ بین اللوحین فقالوا ھو ذا عندنا مصحف جامع فیہ القرآن لا حاجۃ لنا فیہ فقال اما واللہ ماترونہ بعد یومکم ھذا ابداً انما کان علی ان اخبرکم حین جمعتہ لتقرؤہ الخ

Marfat.com

یعنی حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ (کی طرف منسوب کرکے)
کہتے ہیں کہ جب حضرت علیؓ قرآن کریم کے جمع کرنے اور اس کی کتابت سے فارغ ہوئے تو لوگوں سے کہا کہ یہ اللہ عزوجل کی کتاب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کو نازل فرمایا ہے۔ اور میں نے دو لوحوں میں سے اس کو اکٹھا کیا ہے جس پر لوگوں نے کہا کہ یہ ملاحظہ فرمالو کہ ہمارے پاس مصحف مبارک جامع موجود ہے جس میں قرآن ہی ہے ہمیں آپ کے لائے ہوئے قرآن کی ضرورت نہیں اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم آج کے بعد تم اس کو کبھی نہ دیکھو گے۔ میرے لئے ضروری تھا کہ جب میں نے اس کو جمع کیا ہے تو تمہیں اس کی خبر دوں تاکہ تم اس کو پڑھتے (الخ)

اب حسب روایت اصول کافی امام عالی مقام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب حدیث اور امام عالی مقام سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الشریف کا قسم اٹھانا کہ آج کے دن کے بعد کبھی تم اس کو نہ دیکھو گے تو اس کے باوجود جو قرآن اہل تشیع دیکھتے ہیں اور اہل سنت جسے سنتے ہیں جسکو اہل سنت یاد کرتے ہیں۔ تراویح میں ختم کرتے ہیں۔ جس کو امیر المؤمنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے جمع کیا ہے۔ یہ تو بہر صورت وہ قرآن نہیں ہو سکتا۔ جو قیامت سے پہلے آ ہی نہیں سکتا۔

۲۔ اسی اصول کافی صفحہ ۶۲۹ پر امام عالیمقام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ کے ایک شیعہ صاحب بنام احمد بن محمد کہتے ہیں مجھے امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ نے مصحف مبارک عطا فرمایا اور فرمایا کہ اس کو کھول کر مت دیکھنا میں نے کھولا اور دیکھا اور سورہ لم یکن الذین الخ پڑھی تو میں نے اس سورت میں قریش کے ستر آدمیوں کے نام بمعہ ان کے اباء کے نام لکھے ہوئے موجود پائے تو امام صاحب نے میری یہ شان تعمیل حکم دیکھ کر میری طرف آدمی بھیجا کہ میرا قرآن مجھے واپس کر دو"

یہ واپسی کا قصہ تو اس ضرورت کے ماتحت گھڑنا پڑا کہ کوئی کہدے کہ امام صاحب کا لکھا قرآن ہمیں بھی دکھاؤ تو فصاحت و بلاغت قرآنی سے ملتی جلتی عبارت کہاں سے پیدا

Marfat.com

کی جاتی پھر وہ قرآن جس کی سورۃ لم یکن الذین میں قریش کے ستر آدمیوں کے نام ہوں اور ان کے اباء کے نام ہوں وہ کوئی اور ہی ہے جس پر اہل تشیع کا ایمان ہے یہ قرآن نہیں۔ اہل تشیع کے مجتہد اعظم نے اپنی کتاب فصل الخطاب میں ایمان بالقرآن کا قصہ ہی ختم کر دیا ہے۔

۳۔ اصول کافی ص ۶۷۱ کی ایک اور روایت بھی ملاحظہ کریں جس کے لفظ بلفظ ترجمہ پر اکتفا کرتا ہوں۔ اہل علم حضرات منطبق فرمالیں "امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو قرآن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف حضرت جبریل علیہ السلام لائے تھے اس کی سترہ ہزار آیتیں تھیں۔" اور اہل السنت والجماعت غریبوں کے پاس تو صرف ۶۶۶۶ آیات پر مشتمل قرآن کریم ہے۔ اگر کسی قدر تفصیل کے ساتھ اہل تشیع کا قرآن کریم سے انکار دیکھنا چاہیں تو اصول کافی ص ۲۶۱ تا ص ۲۶۶ و ص ۲۶۰ و ص ۲۷۱ کا مطالعہ فرمائیں اور ایمان بالقرآن کی داد دیں کہ ایک سے دوسری روایت بڑھ چڑھ کر انکار قرآن میں وارد ہے۔ اور کتاب ناسخ التواریخ جلد ۲ ص ۴۹۳ و ص ۴۹۴ پر تو اس قرآن کریم میں ردوبدل اور اس کی تنقیص میں تو ایک سے ایک بڑھ کر روایتوں کے انبار لگائے گئے ہیں۔ تفسیر صافی جلد اول ص ۱۳ میں قرآن کریم کی تحریف اور اس میں ردوبدل ثابت کرنے کے کمال دکھائے گئے ہیں اور مصنف کافی محمد بن یعقوب کلینی اور ان کے استاد علی بن ابراہیم قمی کا اس بارے میں غلو بیان کیا گیا ہے۔ اہل تشیع کی معتبر ترین کتاب "منہاج البراعۃ" جلد اول ص ۲۰۲ تا ص ۲۰۶ میں تحریف قرآن در ردوبدل میں جو روایتیں موجود ہیں ملاحظہ فرمائیں اور خود ہی فیصلہ کریں اور اہل تشیع کی یہ مایہ ناز روایت کہ اس قرآن میں "کفر کے ستون صحابہ نے قائم کئے ہیں۔ ذاکروں نے مزدور اہل تشیع کو یاد کرائی ہوگی ورنہ خود اہل تشیع کی کتابوں میں ملاحظہ فرمالو اور شیعہ مذہب گھڑنے والوں کی داد دو! لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

یہ چند روایتیں بطور نمونہ ہیں ورنہ اہل علم شاہد ہیں کہ اہل تشیع کی معتبر کتابوں میں جس کثرت کے ساتھ قرآن کریم کے انکار پر مشتمل روایات ہیں ان کا نصف بھی یکجا کیا جائے تو شرح کبریٰ ان ثم

Marfat.com

کے لگ بھگ ایک مستقل کتاب ہو گی مگر اندک دلیل بسیار و مشت نمونہ از خروار ہوتا ہے جو پیش کیا ہے۔ تحفہ حسینیہ

تتمہ مبحث تحریف القرآن:

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز نے بہت اختصار سے کام لیا ہے لہذا ہم مزید چند روایات انہیں کتابوں سے درج کرتے ہیں جن کا حوالہ آپ نے دیا ہے

تفسیر صافی از ملا محسن کاشانی۔ انہوں نے اپنی تفسیر کے چھٹے مقدمہ میں اس موضوع پر قلم اٹھایا اور عنوان یہ قائم کیا ہے۔

المقدمة السادسة فی نبذ مما جاء فی جمع القران و تحریفه و زیادته و نقصه و تاویل ذلك۔

چھٹا مقدمہ قرآن مجید کے جمع کرنے اور اس میں تحریف کرنے اور زیادتی اور نقص کے متعلق وارد چند روایات کے بیان میں اور ان کی تاویل میں۔

ا۔ پہلی روایت علی بن ابراہیم قمی کے حوالے سے درج کی ہے کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے علی قرآن میرے بچھونے کے پیچھے صحیفوں، ریشمی کپڑوں اور کاغذوں کی صورت میں موجود ہے اسے لو اور جمع کرو اور یہود و نصاریٰ نے جس طرح اپنی کتابوں کو ضائع کر دیا تھا اسی طرح کہیں تم بھی اپنی کتاب کو ضائع نہ کر دینا۔

فانطلق علی علیه السلام فجمعه فی ثوب اصفر ثم ختم علیه فی بیته وقال لا ارتدی حتی اجمعه فکان الرجل لیاتی الیه فیخرج الیه بغیر رداء حتی جمعه۔

چنانچہ حضرت علی چلے اور اس کو زرد رنگ کے کپڑے میں جمع کیا پھر اس پر مہر لگائی اور کہا میں اس وقت تک چادر نہیں اوڑھوں گا جب تک اسے جمع نہ کر لوں چنانچہ آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو آپ اس کی ملاقات کیلئے

Marfat.com

بغیر چادر کے نکلتے حتی کہ اس کو جمع کر لیا۔

۲۔ بحوالہ کافی امام ابوالحسن سے منقول ہے کہ آپ سے عرض کیا گیا:۔

إنا نسمع الايات في القرآن ليست هي عندنا كما نسمعها ولا نحسن ان نقرؤها كما بلغنا عنكم فهل نأثم فقال لا اقرؤا كما تعلمتم فيجيئكم من يعلمكم اقول يعني صاحب الامر عليه السلام۔

ہم قرآن کے اندر ایسی آیات سنتے ہیں جو ہمارے ہاں اس طرح پر نہیں جس طرح کہ ہم سنتے ہیں اور نہ ہم اس طرح (لوگوں کے سامنے) درست کر کے پڑھ سکتے ہیں جیسے ہمیں آپ سے پہنچی ہیں تو کیا ہم گنہگار ہوتے ہیں تو آپ نے فرمایا نہیں فی الحال تم ان کو اسی طرح پڑھو جس طرح تم نے لوگوں سے سیکھی ہیں۔ عنقریب تمہارے پاس آئے گا جو تمہیں سکھلائے یعنی صاحب الامر مہدی علیہ السلام۔

نوٹ:

اس روایت سے واضح ہو گیا حسب ارشاد امام شیعہ صاحبان مجبوراً اس قرآن کو پڑھتے ہیں اور صرف گذارا چلانے کے لئے اس کو اٹھائے ہوئے ہیں اور اصلی قرآن کے ظہور پر آس لگائے ہوئے ہیں۔

۳۔ بحوالہ کافی ہی منقول ہے کہ ایک آدمی نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے سامنے قرأت کی جو اس کے مطابق نہیں تھی جس طرح کہ لوگ پڑھتے ہیں تو آپ نے فرمایا،

كُفَّ عن هذه القراءة اقرء كما يقرأ الناس حتى يقوم القائم فاذا قام القائم قرأ كتاب الله على حده

اس قرأت سے باز رہ اور ظہور مہدی علیہ السلام تک اسی طرح پڑھ جس طرح لوگ پڑھتے ہیں جب ان کا ظہور ہو گا تو وہ کلام اللہ کو اس کے حدود کے مطابق کماحقہ پڑھیں گے۔

پھر آپ نے ایک مصحف نکالا اور فرمایا یہ ہے وہ مصحف جس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے

Marfat.com

اپنے ہاتھ سے لکھا اور جمع کر کے لوگوں کے پاس لے گئے اور انہیں فرمایا:

هذا الکتاب اللہ کما انزلہ اللہ علی محمد وقد جمعتہ بین اللوحین۔

یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جیسے کہ اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پہ نازل فرمائی اور میں نے اس کو دو لوحوں (تختیوں) کے درمیان جمع کیا ہے۔ آخری حصہ پہلے رسالہ مذہب شیعہ میں روایت نمبر ۱ میں صراحت مذکور ہے۔

۴۔ تفسیر عیاشی کے حوالہ سے امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:۔

لولا انہ زید فی کتاب اللہ و نقص ماخفی حقنا علی ذی حجی لو قد قام قائمنا فنطق صدقہ القران۔

اگر قرآن میں زیادتی اور کمی نہ کی گئی ہوتی تو ہمارا حق کسی عقل مند پر مخفی نہ رہتا اور اگر قائم آل محمد ظاہر ہوتے اور کلام کرتے تو قرآن ان کی تصدیق کرتا۔

۵۔ اسی تفسیر عیاشی کے حوالے سے ہی امام باقر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے:

ان القرآن قد طرح منہ آی کثیرۃ ولم یزد فیہ الا حروف وقد اخطأت بہ الکتبۃ وتوھمتھا الرجال۔

قرآن سے بہت سی آیات حذف کر دی گئی ہیں لیکن اس میں اضافہ صرف چند حروف کا کیا گیا ہے۔ اور اس میں کاتبوں کی طرف سے خطاء کا ارتکاب بھی پایا گیا ہے اور لوگوں کی طرف سے توہمات کا بھی۔

۶۔ کتاب الاحتجاج للشیخ احمد بن ابی طالب الطبرسی کے حوالہ سے منقول ہے کہ طلحہ نے جناب امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے کہا میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ ایک کپڑے کے ساتھ باہر نکلے جس پر مہر لگی ہوئی تھی اور تم نے کہا اے لوگو میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل اور کفن کے بعد کتاب اللہ کے جمع کرنے میں مصروف و مشغول رہا، تاآنکہ میں نے اس کو جمع کر لیا تو یہ ہے وہ کتاب میرے پاس جمع شدہ اس میں سے ایک حرف بھی مجھ سے ساقط اور حذف نہیں ہوا۔ حالانکہ میں نے (اس کے بعد سے آج تک) اس کتاب کو نہ دیکھا جو جناب نے لکھی اور جمع کی تھی اور میں نے دیکھا کہ ،

Marfat.com

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے آپ کی طرف آدمی بھیجا کر اپنا مصحف میرے پاس بھیجو لیکن تم نے انکار کیا چنانچہ انہوں نے لوگوں کو بلایا جب ان میں سے دو آدمی ایک آیت پر گواہی دیتے تو اسے لکھ لیتے اور اگر صرف ایک آدمی گواہی دیتا تو اس کو موقوف رکھتے اور نہ لکھتے تو عمر بن الخطاب نے کہا درانحالیکہ میں سن رہا تھا:

انہ قد قتل یوم الیمامۃ قوم کانوا یقرؤون قرآنا لا یقرءہ غیرھم فقد ذھب وقد جاءت شاۃ الی صحیفۃ وکتاب یکتبون فاکلتھا فذھب ما فیھا والکاتب یومئذ عثمان وسمعت عمر واصحابہ الذین الفوا ماکتبوا علی عھد عمر وعلی عھد عثمان یقولون ان الاحزاب کانت تعدل سورۃ البقرۃ وان النور نیف ومائۃ ایۃ والحجر تسعون ومائۃ فما ھذا وما یمنعک یرحمک اللہ ان تخرج کتاب اللہ الی الناس۔

ا۔ بے شک یمامہ کے دن ایک جماعت شہید ہوگئی جو قرآن کو وہ پڑھتے ان کے علاوہ دوسرا کوئی شخص اس حصہ کی تلاوت نہ کرتا تھا لہذا ان کی شہادت سے وہ حصہ ضائع ہوگیا (۲) اور جب قرآن کی کتابت ہورہی تھی تو بکری آگئی اور اس نے ایک صحیفہ کو کھایا لہذا جو کچھ اس میں تھا وہ بھی ضائع ہوگیا اور اس دن کتابت کرنے والے عثمان تھے (۳) میں نے عمر بن الخطاب اور ان کے ساتھیوں سے سنا جنہوں نے عمر و عثمان کے عہد میں اس کتاب کو جمع کیا جکی کتابت ان کے دور میں ہوتی تھی وہ کہتے تھے کہ سورۃ احزاب سورۃ بقرہ کے برابر تھی اور سورۃ نور کی سو سے زیادہ آیات تھیں ۔ اور حجر کی ایک سو نوے ۱۹۰ آیات تھیں ۔ یہ کیا ہے اور آپ کو کتاب اللہ لوگوں کے سامنے ظاہر کرنے میں کون سی چیز مانع ہے ۔

اور عثمان بن عفان نے اپنے دور میں عمر بن الخطاب کی جمع کرائی ہوئی کتاب سے

Marfat.com

نئی کتاب تالیف کی اور لوگوں کو ایک قرأت پر جمع کیا اور اس کے بعد ابی بن کعب کے مصحف اور عبداللہ بن مسعود کے مصحف کو پھاڑ دیا اور پھر آگ کے ساتھ جلا دیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے طلحہ:۔

کل ایۃ انزلھا اللہ عزوجل علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم عندی باملاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وخط بیدی وتاویل کل ایۃ انزلھا اللہ علی محمد وکل حلال وحرام اوحد اوحکم اوشئ یحتاج الیہ الامۃ الی یوم القیامۃ ھو مکتوب باملاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وخط یدی حتی ارش الخدش۔

ہر آیت جس کو اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا وہ میرے پاس موجود ہے املاء رسول علیہ السلام اور اپنے ہاتھ کی کتابت کے ذریعے اور ہر آیت کی تاویل بھی اور ہر حلال وحرام یا حد یا حکم اور ہر وہ چیز جس کی طرف قیامت تک امت محتاج ہوگی وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھانے اور میرے سپرد قلم کرنے کی وجہ سے محفوظ ہے حتی کہ خراش کی دیت اور تاوان بھی۔

طلحہ نے کہا ہر شئے چھوٹی خواہ بڑی خاص یا عام جو ہو چکی یا قیامت تک ہوگی وہ آپ کے پاس مکتوب ومرقوم ہے آپ نے فرمایا ہاں۔ تا بعد طلحہ نے کہا میں نے قرآن ظاہر کرنے کے متعلق جو سوال کیا تھا کہ لوگوں پر اس کے ظاہر کرنے میں کیا مانع ہے اس کا جواب آپ نے نہیں دیا تو آپ نے کہا عمداً کففت عن جوابک میں نے دیدہ دانستہ تیرے سوال کا جواب نہیں دیا فاخبرنی عما کتب عمر وعثمان اقرآن کلہ ام فیہ مالیس بقرآن مجھے یہ بتلا کہ جو عمر وعثمان نے لکھوایا اور جمع کیا وہ سارا قرآن ہے یا اس میں کچھ ایسا حصہ بھی ہے جو قرآن نہیں ہے تو طلحہ نے کہا بل قرآن کلہ جو ہے تو وہ سارا قرآن ہی ہے تو آپ نے فرمایا:۔

ان اخذتم بما فیہ نجوتم من النار ودخلتم الجنۃ فان فیہ حجتنا وبیان حقنا وفرض طاعتنا قال طلحۃ حسبی

Marfat.com

اما اذا کان قرآنا فحسبی۔

جو اس قرآن میں ہے اگر تم اس کے ساتھ تمسک کرو اور عمل کرو تو آتش دوزخ سے نجات پا جاؤ گے اور جنت میں داخل ہو جاؤ گے کیونکہ اس میں ہماری محبت، ہمارے حق اور ہماری اطاعت کی فرضیت کا بیان ہے طلحہ نے کہا اگر یہ قرآن ہے تو مجھے کافی ہے۔

پھر طلحہ نے دریافت کیا مجھے یہ تو بتلایئے کہ جو قرآن تمہارے پاس ہے اور اس کی تاویل اور حلال و حرام کا علم اسے تم کس کے حوالے کرو گے تو آپ نے فرمایا میں حکم رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اس کو اپنے وصی کے حوالے کروں گا اور وہ اپنے وصی کے حوالے۔

حتی یرد آخرهم علی رسول الله صلی الله علیه وسلم حوضه هم مع القرآن لا یفارقونه والقرآن معهم لا یفارقهم یہاں تک کہ ان اوصیاء میں سے آخری وصی ظہور فرما ہوگا اور قرآن اس کے پاس ہوگا پھر وہ سبھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حوض کوثر پر وارد ہوں گے جب کہ وہ قرآن کے ساتھ ہونگے اس سے جدا نہیں ہونگے اور قرآن انکے ساتھ ہوگا وہ ان سے جدا نہیں ہوگا۔

نوٹ:

۱۔ اس روایت میں شہداء یمامہ کے شہید ہونے سے قرآن کا کچھ حصہ ضائع ہونا پھر ایک صحیفہ کو بکری کے کھا جانے سے اسکا ضائع ہونا اور دوسری سورتوں کی بہت سی آیات کا ضائع ہونا بصراحت مذکور ہے جس پر امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوئی انکار نہیں کیا گیا۔

۲۔ جس قرآن کے متعلق سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہارے اندر چھوڑ کر جا رہا ہوں اور وہ قرآن اور میری آل و عترت اکٹھے رہیں گے اور قیام قیامت کے بعد مل جل کر مجھ پر حوض کوثر کے پاس وارد ہوں گے وہ بھی حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت عثمان کا جمع کیا ہوا نہیں بلکہ وہ تو صرف اور صرف اوصیاء اور آئمہ کے پاس تھا اور ہے اور رہے گا حتی کہ باہر کی ہوا بھی نہیں لگنے دی گئی جو کچھ اس روایت میں تسلیم کیا گیا ہے وہ صرف اور صرف اس قدر ہے کہ جو بچ گیا وہ بھی قرآن ہی ہے۔

Marfat.com

اس میں غیر قرآن داخل نہیں کیا گیا اس امر کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں تاکہ ڈھکو صاحب کی ہیرا پھیری اور تلبیس پوری طرح واضح ہو جائے۔

ابوذر غفاری کی روایت میں ہے کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے قرآن جمع کیا اور پھر مہاجرین وانصار علیہم الرضوان کے پاس لائے اور رسول خدا علیہ التحیہ والثناء کی وصیت کے مطابق ان پر پیش کیا۔ فلما فتحہ ابوبکر خرج فی اول صفحۃ فتحہا فضائح القوم فوثب عمر وقال یا علی اردده فلا حاجة لنا فیه فاخذه علی فانصرف۔

تو جونہی ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کو کھولا تو کھولتے ہی صفحہ اول پر قوم کی فضیحتیں ان کو نظر آئیں تو عمر غصہ سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور کہا اے علی۔ اس کو واپس لے جاؤ ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے تو آپ اسے لے کر واپس چلے گئے (تا) عمر بن الخطاب نے اپنی خلافت کے دوران حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس قرآن کا مطالبہ کیا تاکہ اس میں تحریف کر دیں اور کہا اے ابوالحسن جو قرآن حضرت ابوبکر کے پاس لائے تھے تو ہمارے پاس بھی لے آئیے تاکہ ہم بھی اس پر متفق ہو جائیں تو آپ نے فرمایا:

هیهات لیس الی ذلك سبیل انما جئت به الی ابی بکر لتقوم الحجة علیکم ولا تقولوا یوم القیامة انا کنا عن هذا غافلین او تقولوا ما جئتنا به ان القرآن الذی عندی لا یمسه الا المطهرون والاوصیاء من ولدی۔

افسوس یہ مطالبہ ناقابل قبول ہے اور ناقابل عمل میں نے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر وہ قرآن اس لئے پیش کیا تھا تاکہ تم پر حجت قائم ہو جائے اور تم قیامت کے دن یہ عذر نہ کر سکو کہ ہم اس قرآن سے غافل تھے یا یہ نہ کہہ سکو کہ تم نے ہمیں لا کر دکھلایا ہی نہیں وہ قرآن جو میرے پاس ہے اس کو صرف طاہر و مطہر لوگ ہاتھ لگا سکتے ہیں اور میری اولاد میں سے میرے وصی۔

حضرت عمر ابن الخطاب نے دریافت کیا اس قرآن کے ظہور کا کوئی معین وقت ہے بھی؟ تو حضرت علی المرتضیٰ نے فرمایا نعم اذا قام القائم من ولدی یظھرہ ویحمل الناس علیہ فتجری السنۃ بہ ہاں جب میری اولاد میں سے آخری وصی مہدی کا ظہور ہوگا تو وہ اس قرآن کو لوگوں پر ظاہر کرے گا اور لوگوں کو اس کے مطابق عمل پیرا کرے گا اور اس کے مطابق دین جاری ہوگا۔

تنبیہ:

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ وہ قرآن اس سے مختلف ہے ورنہ قیامت کے دن ممکنہ عذر اور بہانے ابوبکر و عمر و غیرہما کے ختم کرنے کے لئے اسے وقتی طور پر پیش کر کے پھر چھپا دینے کی ضرورت کیا تھی نیز مہدی کے ظہور پر اس کے مطابق عمل کیا جائے گا اور شرعی احکام اس کے مطابق انجام پذیر ہوں گے تو اگر تفاوت نہیں تو اس وقت دین اس کے مطابق کیوں ہوگا اور موجودہ قرآن کے مطابق کیوں نہ ہوگا۔

۸۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ایک زندیق کے مباحثے اور قرآن کے متعلق اس کے مختلف شکوک و شبہات اور حضرت علی کے جوابات جو احمد بن ابی طالب طبرسی نے "الاحتجاج" میں مفصل طور پر صہ ۲۴۰ تا صہ ۲۵۸ یعنی پورے چودہ صفحات پر نقل کئے ہیں ان کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے تفسیر صافی کے مقدمہ میں ملا محسن کاشانی نے کہا۔

۱۔ تیرا یہ سوال کہ انبیاء علیہم السلام کی لغزشوں کو قرآن کے نام لے کر بیان کیا گیا لیکن دوسرے لوگوں کے عظیم جرائم بیان کرتے وقت ان کے نام ذکر نہیں کئے گئے آخر اللہ تعالیٰ کے کلام میں اتنی عظیم مخلوق کے ساتھ یہ بے پرواہی اور ارذل مخلوق کے ساتھ اس رعایت کا کیا جواز ہے؟

جواب:

ان الکنایۃ عن اسماء ذوی الجرائر العظیمۃ من المنافقین فی القرآن لیست من فعلہ تعالیٰ، انما من فعل المغیرین

Marfat.com

والمبدلين الذين جعلوا القرآن عضين داعتاضوا الدنيا من الدين وقد بين الله قصص المغيرين بقوله تعالى الذين يكتبون الكتاب بايديهم (الى) يعنى انهم اثبتوا فى الكتاب مالم يقله الله ليلبسوا على الخليقة فاعمى الله قلوبهم حتى تركوا فيه مادل على ما احدثوه فيه وحرفوه منه (الى) فالزبد فى هذا الموضع كلام الملحدين الذين اثبتوه فى القران فهو يضمحل و يبطل و تيلا شى عند التحصيل والذى ينفع الناس فالتنزيل الحقيقى الذى لا يا تيه الباطل من بين يد يه ولا من خلفه و القلوب تقبله والارض فى هذ الموضع هى محل العلم وقراره وليس يسوغ مع عموم التقية التصريح باسماء المبدلين ولا الزيادة فى اياته على ما اثبتوه من تلقاء هم فى الكتاب من تقوية حجج اهل التعطيل والكفر والملل المنحرفة عن قبلتنا وابطال هذ العلم الظاهر الذى قد استكان له الموافق والمخالف بوقوع الاصطلاح على الائتمار لهم والرضا بهم ولان اهل الباطل فى القديم والحديث اكثر عددا من اهل الحق ولان الصبر على ولاة الامر مفروض لقوله تعالى فاصبر كما صبر اولوا العزم من الرسل وايجابه مثل ذلك على اوليائه واهل طاعته بقوله تعالى لقد كان لكم فى رسول الله اسوة حسنة فحسبك من هذا الجواب عن هذا الموضع ما سمعت فان شريعة التقية تحظر التصريح باكثر منه ۔

Marfat.com

قرآن مجید میں عظیم جرائم کے مرتکب منافقین کے اسماء کو صراحتاً ذکر نہ کرنا اللہ تعالےٰ کا فعل نہیں ہے بلکہ یہ ان لوگوں کی کارستانی ہے جو قرآن میں تغیر و تبدل کے مرتکب ہوئے اور قرآن کو مختلف حصوں میں بانٹ دیا اور دین کے بدلے دنیا حاصل کی اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کا پردہ چاک کرتے ہوئے فرمایا الذین یکتبون الکتاب بایدیھم الایۃ یعنی جو لوگ اپنے ہاتھوں سے کتاب کو لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، تاکہ اس کے ذریعے قلیل دنیوی مال حاصل کریں اور اپنے قول" و ان منھم لفریقا یلوون السنتھم بالکتاب " اور " و اذ یبیتون ما لا یرضیٰ من القول "کے ساتھ ان کی نشاندہی کی ہے یعنی وہ اپنی زبانوں کو مروڑ پھیر کر ظاہر کرتے ہیں کہ جو کچھ ہماری زبان پر جاری ہے وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے حالانکہ حقیقت اس کے خلاف ہے اور رات کو ناپسندیدہ امور کے متعلق صلاح و مشورہ کرکے ان پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اپنے ٹیڑھ اور کجی کو درست ثابت کرنے کے لئے جس طرح یہود و نصاریٰ نے موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے دنیا سے روپوش ہونے کے بعد تورات و انجیل میں تغیر و تبدل سے کام لیا اور کلمات کو اپنی جگہ سے ہٹا دیا اور اسی طرح اپنے اس فرمان کے ساتھ ان کی قلعی کھولی۔ یریدون ان یطفئوا نور اللہ بافواھھم ویابی اللہ الا ان یتم نورہ یعنی انہوں نے کتاب اللہ میں وہ کچھ درج کیا جو اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا تھا تاکہ مخلوق پر اشتباہ و التباس پیدا کریں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو اندھا کر دیا حتیٰ کہ انہوں نے کتاب اللہ میں ایسی آیات رہنے دیں جو ان کے احداث و تحریف، افک و تلبیس اور کتمانِ حق پر دلالت کرتی تھیں اسی لئے ان کو فرمایا:

"لم تلبسون الحق بالباطل و تکتمون الحق" "تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں خلط ملط کرتے ہو اور حق کو کیوں چھپاتے ہو اور ان کی تحریف و تغیر کی تمثیل بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔ اما الزبد فیذھب جفاء و اما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض۔ یعنی کف اور جھاگ تو خشک ہو جاتی ہے اور جو چیز لوگوں کو نفع دیتی ہے وہ زمین میں برقرار رہتی ہے تو کف اور جھاگ سے مراد ملحدین کا کلام ہے جو انہوں نے قرآن میں داخل کیا جو کہ اضمحلال و زوال کے درپے ہے اور نیست و نابود ہو کر رہے گا اور لوگوں کے لئے نافع چیز

Marfat.com

سے مراد وہ تنزیل حقیقی ہے جسکو سامنے اور پیچھے سے باطل لاحق نہیں ہو سکتا اور قلوب اس کو قبول کرتے ہیں۔ اور ارض سے اس مقام پر محل علم اور اس کا مقام استقرار مراد ہے۔

تقیہ کے تقاضے اور اس کی ضرورت:

اور تقیہ کے عموم و شمول کے تحت اور شرع کے ہر پہلو کو محیط ہونے کی وجہ سے یہ اجازت نہیں کہ میں قرآن میں تحریف کرنے والوں کے ناموں کی تصریح کروں اور نہ ان زیادات کی جو انہوں نے کلام اللہ میں کی ہیں۔ کیونکہ اس میں ان لوگوں کے دلائل کی تائید و تقویت لازم آئے گی جو اہل تعطیل ہیں اور اہل کفر و شرک اور ہمارے قبلہ سے منحرف۔ علاوہ ازیں اس علم ظاہر کی بھی خلاف ورزی لازم آتی ہے اور اسکا ابطال جس کی اتباع پر مخالف و موافق نے اتفاق اور مصالحت کر رکھی ہے اور رضامندی کا عہد و پیمان کر رکھا ہے۔ اور تیسری وجہ نام ظاہر نہ کرنے کی یہ ہے کہ ہر دور میں اہل باطل کی تعداد اہل حق سے زیادہ رہی ہے خواہ زمانہ قدیم ہو یا حادث (لہذا ان کا ڈر بھی اس انکشاف کی اجازت نہیں دیتا۔) چوتھی وجہ یہ ہے کہ ولات الامر اور اوصیا پر صبر کرنا لازم ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ کا فرمان ہے:۔
فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل یعنی اولوالعزم رسولوں کی طرح صبر کرو اور اسی طرح انکے متبعین اولیاء و اوصیا پر بھی صبر لازم ہے جیسے کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ تمہارے لیے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں اچھی اقتداء اور پیروی ہے۔

تو اس مقام پر تجھے یہی جواب کافی ہے کیونکہ مذہب تقیہ اور شرع کتمان اس سے زیادہ کی تصریح سے مانع ہے۔

سوال:

رہا تیرا یہ سوال کہ قرآن مجید میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے آپ کی عزت و آبرو کو ملحوظ نہیں رکھا گیا؟

Marfat.com

جواب:

یہ ہے کہ یہاں بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں نے اپنی دشمنی کا اظہار کرتے ہوئے تغیر و تبدل سے کام لیا ہے۔

(الی) ولقد احضروا الکتاب مکملا مشتملا علی التاویل والتنزیل والمحکم والمتشابہ والناسخ والمنسوخ لم یسقط منہ حرف الف ولا لام فلما وقفوا علی ما بینہ اللہ تعالی من حق اسماء اھل الحق واھل الباطل وان ذلک ان ظھر نقض ما عقدوہ قالوا لا حاجۃ لنا فیہ نحن مستغنون عنہ بما عندنا ولذلک قال اللہ تعالی فنبذوہ وراء ظھورھم واشتروا بہ ثمنا قلیلا فبئس ما یشترون۔ الخ

ان کے پاس کلام اللہ کو مکمل طریقہ پر پیش کیا گیا جو تاویل و تنزیل اور محکم و متشابہ اور ناسخ و منسوخ پر مشتمل تھا، اور اس سے کوئی حرف یعنی الف اور لام بھی ساقط اور محذوف نہ تھا لیکن جب وہ لوگ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل حق اور اہل باطل کے اسماء پر مطلع ہوئے اور انہوں نے محسوس کیا کہ اس قرآن کے ذریعے ان کا سب کیا کرایا دھرے کا دھرارہ جائے گا اور کالعدم ہو جائے گا تو انہوں نے اس سے استغناء ظاہر کرتے ہوئے کہا ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ جو ہمارے پاس ہے وہ ہمیں کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فعل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا فنبذوہ وراء ظھورھم الایۃ کہ انہوں نے کلام مجید کو پس پشت ڈال دیا اور اس کے بدلے قلیل دنیوی مال حاصل کیا۔ پس برا ہے جو وہ خریدتے ہیں۔

پھر جب ان پر مختلف مسائل وارد ہوئے جن کا علم ان کے پاس نہیں تھا تو ناچار قرآن مجید کی تدوین و تالیف کرنی پڑی۔

وتضمینہ من تلقاء انفسھم ما یقیمون بہ دعائم کفرھم

Marfat.com

فصرخ منادیھم من کان عندہ شئ من القرآن فلیأتنا بہ و وکلوا تالیفہ و نظمہ الی بعض من وافقھم علی معاداۃ اولیاء اللہ فالفہ علی اختیارھم ۔

اور اس میں اپنی طرف سے ایسے مواد داخل کرنے پڑے جن کے ذریعے وہ اپنے کفر کے ستونوں کو قائم رکھ سکتے ہیں قرآن کی طرف سے منادی نے اعلان کیا کہ جس کے پاس قرآن کا کچھ حصہ ہو تو ہمارے پاس لے آئے اور اس کی تالیف و تدوین اور نظم و ترتیب کا کام ایسے شخص کے سپرد کیا جو اولیاء اللہ کی عداوت میں ان کے موافق تھا تو اس نے ان کی پسند کے مطابق قرآن جمع کر دیا۔

سوال:

اللہ تعالیٰ کے قول " فان خفتم الا تقسطوا فی الیتامی فانکحوا ماطاب لکم من النساء " میں یتامی کے ساتھ عدل نہ کر سکنے کی صورت میں پسندیدہ عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے اس میں کوئی ربط و تعلق نہیں ہے ؟

جواب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ، فھو مما قدمت ذکرہ من اسقاط المنافقین من القرآن بین القول فی الیتامی و بین النکاح من النساء من الخطاب والقصص اکثر من ثلث القرآن وھذا وما اشبہ مما ظھرت حوادث المنافقین فیہ لاھل النظر والتأمل و وجد المعطلون واھل الملل المخالفۃ للاسلام مساغا الی القدح فی القرآن ولو شرحت لک کل ما اسقط وحرف و بدل مما یجری ھذا المجری لطال و ظھر ما تحظر التقیۃ اظھارہ من مناقب الاولیاء و مثالب الاعداء ۔

اس سوال کا جواب بھی وہی ہے جو پہلے میں نے ذکر کیا ہے کہ : منافقین نے

Marfat.com

فان خفتم الا تقسطوا فی الیتامی اور فانکحوا ما طاب لکم من النساء ۔
کے درمیانی خطابات اور قصص کو حذف کر دیا جو ایک تہائی قرآن سے بھی زیادہ ہے۔

یہ مقام اور اس کی مانند دوسرے مقامات کثیرہ ہیں جن میں اہل نظر اور ارباب فکر و تامل کے لئے منافقین کی کارستانیاں ظاہر ہوتی ہیں۔ اور معطلہ اور مخالفین اسلام جماعات نے جن کی وجہ سے قرآن میں ہر جرح و قدح کی راہ نکال لی ہے اور اگر میں ان سب کی وضاحت کروں جس کو ساقط کیا گیا اور جس میں تحریف کی گئی یا تبدیلی تو کلام بہت طویل ہو جائے گا اور تقیہ اولیاء اللہ کے جن مناقب یا اعداء اللہ کے جن عیوب اور قبائح کے بیان سے مانع ہے اس کا اظہار لازم آئے گا بنا بر۔

تنبیہہ:

اس طویل ترین روایت میں قرآن مجید کے اندر کمی کے ساتھ اپنی طرف سے اضافہ کرنا بھی ثابت ہو گیا اور پھر اس کو مولائے مرتضیٰ جیسی شخصیت قرآن مجید کی متعدد آیات کے ساتھ بھی ثابت کرے تو دونوں صورتوں میں ایمان لانا ان کے ماننے والوں پر لازم ہے ورنہ خود ملحد اور بے دین اور منافق بن جائیں گے لہذا یہ دعوی کہ شیعہ کا اس پر اجماع ہے کہ اس میں قطعاً اضافہ اور زیادتی نہیں بالکل غلط ہو گی۔

اب چند اقتباس کلینی کے شیخ علی بن ابراہیم القمی کے مقدمہ تفسیر سے پیش خدمت ہیں جس کا یہ دعوی ہے کہ اس کتاب میں ہر وہ عیب موجود ہے جو کسی کتاب میں ممکن ہے۔ کہیں بعد والی آیات کو پہلے اور پہلے والی آیات کو بعد میں ذکر کیا گیا ہے کہیں ایک کلمہ کی جگہ دوسرا کلمہ ذکر کر دیا گیا ہے جس سے معنی مقصود مستور ہو کر رہ گیا کہیں مبتداء و خبر میں اس قدر فاصلہ ہے کہ ارتباط باہم نظر سے اوجھل ہو کر رہ گیا ہے۔ اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ اس میں تحریف و تبدیلی بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی تنزیل کے خلاف اور برعکس بھی۔ ہم سردست صرف آخری دو دعووں پر اس کی قائم کردہ دلیلیں پیش کرتے ہیں۔

ا۔ **محرف آیات کا بیان:**

اول۔ قال اللہ تعالیٰ ولکن اللہ یشھد بما انزل الیک فی علی انزلہ

Marfat.com

بعلمه والملائکة یشهدون ۔ دوم ۔ قال اللہ تعالیٰ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیك من ربك فی علی فان لم تفعل فما بلغت رسالتہ سوم قولہ تعالیٰ، ان الذین کفروا وظلموا آل محمد حقھم لم یکن اللہ لیغفر لھم چھارم وسیعلم الذین ظلموا آل محمد حقھم ای منقلب ینقلبون پنجم قولہ تعالیٰ: ولو تری الذین ظلموا ال محمد حقھم فی غمرات الموت ۔ ومثلہ کثیر نذکرہ فی مواضعہ مقدمہ القمی ص۱۱

پانچ آیات مذکورہ اور ان کے علاوہ بہت سی آیات میں تحریف ہے اور علی اور آل محمد کی تصریحات جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قرآن میں تھیں۔ اس قرآن کو جمع کرنے والوں نے تحریف سے کام لے کر ان کلمات مقدسہ کو حذف کر دیا الولد سر لابیہ کے تحت کلینی نے اصول کافی میں اپنے روحانی باپ کی تقلید میں مندرجہ بالا اور ان کے علاوہ نیز روایات اس مضمون کی نقل کی ہیں جن میں اہل بیت، ان کی ولایت وغیرہ کا ذکر ہے مگر ازروئے تحریف وہ نام حذف کر دیئے گئے۔

ملاحظہ ہو کتاب الحجۃ باب النکت والنتف من التنزیل فی الولایۃ۔

مطبوعہ قم ص۴۱۳ تا ۴۳۲

۲۔ انما ھو کائن علی خلاف ما انزل اللہ تعالیٰ : یعنی وہ آیات جو اللہ تعالیٰ کی تنزیل کے خلاف ہیں پہلی آیت ۔ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتؤمنون باللہ جب امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے سامنے اس کی تلاوت کی گئی تو آپ نے فرمایا۔ خیر امۃ یقتلون امیر المؤمنین والحسن والحسین ابنی علی ۔ کیا وہ امت خیر اور بھلائی کی مالک ہو سکتی ہے جو امیر المومنین حضرت علی اور امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہم کو شہید کرے تو عرض کیا گیا کیف نزلت؟ تو فرمائیے پھر یہ آیت کیسے نازل ہوئی تھی تو آپ نے فرمایا اس طرح نازل ہوئی تھی کنتم خیر آئمۃ اخرجت للناس یعنی تم بہترین امام جو جنہیں

Marfat.com

لوگوں کے لئے ظاہر کیا گیا ہے دیکھتے نہیں ہو اس کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے ان کی کس طرح مدح سرائی کی ہے کہ تم نیکی کا حکم دیتے ہو برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ تعالےٰ پر ایمان رکھتے ہو۔

دوسری آیت، الذین یقولون ربنا ھب لنا من ازواجنا وذریاتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما جب یہ آیت مبارکہ امام ابو عبداللہ جعفر صادق رضی اللہ عنہ پر پڑھی گئی تو آپ نے فرمایا۔ لقد سالوا اللہ عظیما ان یجعلھم للمتقین اماما فقیل لہ یا ابن رسول اللہ کیف نزلت ؟ آپ نے فرمایا ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے بہت بڑا مطالبہ کیا ہے کہ انہیں متقین کا امام بنائے تو آپ سے عرض کیا گیا اے فرزند رسول صلی اللہ علیہ وسلم پھر فرمائیے دراصل کس طرح نازل ہوئی تھی تو آپ نے فرمایا واجعل لنا من المتقین اماما یعنی ہمارے لئے متقین میں سے بعض کو امام بنا۔

تیسری آیت، لہ معقبات من بین یدیہ ومن خلفہ یحفظونہ من امر اللہ تو اس کو سن کر امام ابو عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، کیف یحفظ الشئ من امر اللہ و کیف یکون المعقب من بین یدیہ یعنی کس چیز کی اللہ تعالیٰ کے امر سے حفاظت کس طرح کی جاسکتی ہے (اسکا امر تو ہر شے کو محیط ہے اور غالب وقاہر) اور پھر معقب تو ہوتا ہی وہ ہے جو پیچھے سے آئے تو سامنے سے آنے والا معقب کس طرح کہلا سکتا ہے۔

جب دریافت کیا گیا کہ پھر حقیقت میں یہ آیت کس طرح ہے تو فرمایا یوں ہے۔ لہ معقبات من خلفہ ورقیب من بین یدیہ یحفظونہ بامر اللہ یعنی معقب ہیں پیچھے سے اور رقیب ونگران آگے سے جو اللہ تعالیٰ کے امر کے ساتھ اسکی حفاظت کرتے ہیں۔

علی بن ابراہیم قمی نے کہا ومثلہ کثیر کہ اس قسم کی خلاف تنزیل آیات یعنی جن میں اس قسم کے سقم اور خرابیاں ہیں اور مراد باری کے برعکس معنی پر دلالت کرتی ہیں وہ بہت ہیں۔ مقدمہ تفسیر قمی ص۱۰

فائدہ : طیب الموسوی نے اس تفسیر کے مقدمہ میں کہا۔ ان ھذا التفسیر کغیرہ

Marfat.com

من التفاسير القديمة يشتمل على روايات مفادة ن المصحف الذي بين ايدينا لم يسلم من التحريف والتغيير۔ بیشک یہ تفسیر بھی دیگر تفاسیر قدیمہ کی مانند ایسی روایات پر مشتمل ہے جن کا مفاد و مدلول یہ ہے کہ جو مصحف ہمارے ہاتھوں میں ہے وہ تحریف و تغییر سے محفوظ نہیں ہے۔ مقدمہ موسوی صہ ۲۲

ملا محسن کاشانی صاحب تفسیر صافی نے روایات مذکورۃ الصدر کو نقل کرنے کے بعد کہا:

استفاد من مجموع هذه الروايات والاخبار وغيرها من الروايات من طريق اهل البيت عليهم السلام ان القرآن الذي بين اظهرنا ليس بتمامه كما انزل على محمد صلى الله عليه وسلم بل منه ما هو خلاف ما انزل الله ومنه ما هو مغير محرف وانه قد حذف منه اشياء كثيرة منها اسم علي في كثير من المواضع ومنها لفظة آل محمد غير مرة ومنها اسماء المنافقين في مواضعها ومنها غير ذلك وانه ليس ايضا على الترتيب المرضي عند الله وعند رسوله وبه قال علي بن ابراهيم۔

مقدمہ التفسیر الصافی صہ ۱۳

ان روایات واخبار سے اور ان کے علاوہ دوسری روایات جو تا اہل البیت کی وساطت سے مروی ومنقول ہیں ان سے یہی مستفاد ہوتا ہے کہ جو قرآن ہمارے درمیان ہے یہ کامل و مکمل نہیں ہے جیسے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا تھا بلکہ کچھ تنزیل کے خلاف کیا گیا ہے اور بعض میں تغیر و تحریف ہے اور اس سے بہت سی چیزیں حذف کی گئی ہیں۔ منجملہ ان کے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام ہے جو بہت سی جگہوں سے حذف کیا گیا ہے اور بہت جگہ سے آل محمد کا لفظ بھی حذف کیا گیا ہے اور منافقین کے نام بھی اپنی جگہوں سے حذف کر دیئے گئے ہیں اور اس کے علاوہ بھی بہت سی چیزیں حذف کی گئیں ہیں مزید براں یہ کہ موجودہ قرآن اس ترتیب پر بھی نہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک مقبول اور

Marfat.com

پسندیدہ ہے اور علی بن ابراہیم قمی اسی کے قائل ہیں اور تفسیر قمی سے جو ہم نے روایات درج کی ہیں، وہ بھی اور اسکے علاوہ بھی یہاں درج کی ہیں۔ اعتقاد مشائخ بیان کرتے ہوئے کہا۔

اعتقاد مشائخ شیعہ:

واما اعتقاد مشائخنا فی ذلک فالظاھر من ثقة الاسلام محمد بن یعقوب الکلینی انه کان یعتقد التحریف و النقصان فی القرآن لانه روی روایات فی ھذا المعنی فی الکافی ولم یقدح فیہا مع انه ذکر فی أول الکتاب انه یثق بما رواہ فیه وکذلک استاذہ علی ابن ابراھیم القمی فان تفسیرہ مملوٌ منه وله غلو فیه وکذلک الشیخ احمد بن ابی طالب الطبرسی فانه ایضا نسج علی منوالھما فی کتاب الاحتجاج۔

رہا ہمارے مشائخ کے اعتقاد کا معاملہ تو ثقة الاسلام محمد بن یعقوب کلینی کے متعلق یقینی امر یہی ہے کہ وہ تحریف اور نقصان قرآن میں تسلیم کرتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنی کتاب الکافی میں اس مضمون کی روایات درج کی ہیں اور ان پر جرح وقدح نہیں کی باوجودیکہ اس نے اپنی کتاب کے آغاز میں تصریح کی ہے کہ وہ اپنی اس کتاب میں منقول ومروی روایات کو قابل وثوق اور قابل اعتماد سمجھتا ہے۔ اسی طرح کلینی کے شیخ اور استاد علی بن ابراہیم القمی کا عقیدہ بھی یہی ہے کیونکہ انکی تفسیر ایسی روایات سے بھری پڑی ہے اور وہ اس مسئلہ میں بہت غلو سے کام لینے والے ہیں۔ اور اسی طرح شیخ احمد بن ابی طالب الطبرسی کا اعتقاد بھی یہی ہے اور وہ ان دونوں کے نقش قدم پر چلے ہیں۔

صاحب ریب الموسوی نے اس زمرہ میں شامل لوگوں میں سے چند کی نشان دہی کرتے ہوئے کہا:

Marfat.com

واما الخاصة فقد تسالموا على عدم الزيادة فی القرآن بل ادعى الاجماع عليه واما النقيصة فانه ذهب جماعة من العلماء الامامية الى عدمها ايضا وانكروها غاية الانكار كالصدوق والسيد المرتضى وابی علی الطبرسی فی "مجمع البيان" والشيخ الطوسی فی "التبيان" ولكن الظاهر من كلمات غيرهم من العلماء والمحدثين المتقدمين منهم والمتاخرين القول بالنقيصة كالكلينی والبرقی والعياشی والنعمانی وفرات بن ابراهيم واحمد بن ابی طالب الطبرسی صاحب الاحتجاج والمجلسی والسيد الجزائری والحر العاملی والعلامة الفتونی والسيد البحرانی۔ (صفحہ ۲۳)

لیکن شیعہ نے اس پر تو مسالمت اور اتفاق کیا ہے کہ اس قرآن میں زیادتی نہیں کی گئی (اقول یہ خلاف واقع ہے جیسے کہ احتجاج طبرسی کی زندیق والی طویل روایت سے واضح ہو چکا ہے) بلکہ اس پر اجماع کا دعویٰ بھی کیا گیا ہے (اگرچہ غلط ہے) رہا اس میں کمی اور نقصان کا معاملہ تو اگرچہ علماء امامیہ کی ایک جماعت قلیلہ اس کی انکاری ہے۔ اور اس پر سخت رد کرنے والی جس طرح شیخ صدوق السید المرتضیٰ ابو علی الطبرسی صاحب مجمع البیان اور شیخ طوسی صاحب التبیان لیکن ان (چار علماء) کے علاوہ تمام علماء و محدثین۔ متقدمین و متاخرین کے کلمات سے جو امر قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہے وہ نقص اور کمی کا اس میں پایا جانا ہے اور کلینی، برقی۔ عیاشی۔ نعمانی۔ فرات بن ابراہیم۔ احمد بن ابی طالب طبرسی، مجلسی، سید جزائری، الحر العاملی۔ علامہ فتونی اور السید البحرانی اور اس قسم کے اکابر اور فحول اسی کے قائل ہیں۔

وقد تمسكوا فی اثبات مذهبهم بالآيات والروايات التی لا يمكن الاغماض عنها۔

انہوں نے اپنے مذہب کو ثابت کرنے کے لئے قرآن مجید کی ایسی آیات اور روایات سے استدلال اور تمسک کیا جن سے آنکھیں بند کرنا ممکن نہیں ہے۔

Marfat.com

کثرت روایات تحریف اوران کا مشہور ومتواتر ہونا:

اس ضمن میں ذرا نعمت اللہ الجزائری اور دیگر اکابر شیعہ کا فرمان بھی سنتے چلیں اور ان روایات کی تعداد کا اندازہ بھی لگاتے چلیں:

قال السید الجزائری فی بعض المؤلفات الاخبار الدالة علی ذلک تزید علی الفی حدیث وادعی استفاضتها جماعة کالمفید والمحقق الداماد والعلامة المجلسی وغیرهم بل الشیخ ایضا صرح فی التبیان بکثرتها بل ادعی تواترها جماعة۔

نعمت اللہ الجزائری نے اپنی بعض تالیفات میں تصریح کی ہے کہ تحریف قرآن پر دلالت کرنے والی روایات دو ہزار سے زیادہ ہیں اور علماء شیعہ کی ایک جماعت نے جن میں شیخ مفید، محقق داماد اور علامہ مجلسی وغیرہم داخل ہیں انہوں نے ان روایات کے مستفیض اور مشہور ہونے کا دعویٰ کیا ہے بلکہ شیخ صدوق نے خود ان کی کثرت کا اعتراف کیا ہے بلکہ ایک جماعت علماء نے ان کے تواتر کا دعویٰ کیا ہے۔

(فصل الخطاب فی تحریف کتاب رب الارباب ص۲۵۱)

روایات تحریف کا کتب معتبرہ میں منقول ہونا:

یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ تحریف پر مشتمل روایات کوئی معمولی اور غیر مستند کتب میں منقول نہیں ہیں بلکہ جن کتابوں پر مذہب شیعہ کا دارومدار ہے ان کتابوں میں مذکور ومنقول ہیں۔ واعلم ان تلک الاخبار منقولة من الکتب المعتبرة التی علیها معول اصحابنا فی اثبات الاحکام الشرعیة والآثار النبویة۔

(فصل الخطاب ص ۲۵۲)

صرف ایک کتاب یعنی کتاب القرات مصنفہ احمد بن محمد سیاری کی روایات پر

Marfat.com

اعتراض ہو سکتا ہے۔ لیکن شیخ جلیل محمد بن العباس بن ماہیار کا اپنی تفسیر میں اس کی روایات نقل کرنا اسے معتمد علیہ بنا دیتا ہے اور کچھ نہ ہو تو بطور استشہاد اس کی روایات کو پیش کرنے میں تو کلام ہی نہیں ہو سکتا۔

نوٹ، اس کے بعد حسین بن محمد تقی نوری صاحب فصل خطاب نے ص۲۵۳ سے لے کر ص۳۵۱ تک یعنی ننانوے صفحات پر ہر سورت کے متعلق تحریف پر مشتمل روایات درج کی ہیں جو وہاں پر ہی ملاحظہ فرما دیں۔

اقرار تحریف مذہب شیعہ میں ضرورت دینی ہے:

صاحب فصل الخطاب نے قائلین تحریف کی مردم شمار کرتے ہوئے کہا:

والشیخ ابو الحسن الشریف جد شیخنا صاحب الجواھر جعله فی تفسیرہ المسمی "مرأة الانوار" من ضروریات مذھب التشیع واکبر مفاسد غصب الخلافة بعد تتبع الاخبار و تصفح الآثار۔

یعنی من جملہ ان لوگوں کے جو تحریف کے قائل ہیں۔ الشیخ ابو الحسن الشریف بھی ہیں جو ہمارے صاحب الجواہر کے دادے ہیں انہوں نے اپنی تفسیر مرأۃ الانوار میں مسئلہ تحریف کو مذہب تشیع کے ضروریات سے قرار دیا ہے۔ ور غصب خلافت کے مفاسد میں سے سب سے بڑا مفسدہ قرار دیا لیکن محض دعویٰ اور خیالی حکم نہیں کیا بلکہ پوری طرح اخبار و روایات اور آثار کا تتبع اور ان کی چھان پھٹک کرنے کے بعد۔

مقام غور ہے کہ جب عقیدۂ تحریف مذہب تشیع کے ضروریات اور لازمی تقاضوں سے ہے اور عقلائی قاعدہ ہے۔ اذا ثبت الشیئ ثبت بلوازمه یعنی جب شئے ثابت ہوتی ہے تو جمیع لوازم سمیت ثابت ہوتی ہے اور انتفاء اللازم یستلزم انتفاء الملزوم بھی عند العقلاء مسلم۔ قانون ہے تو یہ نتیجہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ شیعہ مذہب برحق ہے تو عقیدۂ تحریف بھی برحق ہے اور عقیدہ تحریف باطل ہے تو شیعہ مذہب بھی باطل ہے

Marfat.com

سالمیت قرآن از تحریف محالات عادیہ سے ہے۔

صاحب فصل الخطاب نے اپنی کتاب کے صـ۱۰۶ پر قرآن کے تحریف سے مامون اور محفوظ ہونے کو بعید ترین قرار دیتے ہوئے جس زہر فشانی کا مظاہرہ کیا ہے اسے طوعاً نہیں تو کرہاً ہی سنتے چلئے۔

الحاصل من انصف من نفسه وامعن نظره فی حال القرآن و کیفیة نزوله منجماً علی حسب حدوث الحوادث والوقائع فی طول بضع وعشرین سنة فی اماکن کثیرة متباعدة فی حال السفر والحضر وفی الغزوات وغیرها سراً وعلانیة ثم سرح نظره واجال فکره فی حال القوم المباشرین لجمع القران الذین اٰمنوا بالسنتهم لیحقنوا به دماء هم وهم بین جاهل غبی ومعاند غوی ولاه عن الدنیا وتاه فی شیخ الاولین ومارف همته فی ترویج کفره وجبار یخاف من مخالفة نهیه وامره ولیس فیهم من یرجی خیره ویومن شره لایکاد یشك انهم اخس قدراً واعجز تدبیراً واضل سبیلا واخر عملا واجهل مقاماً واشر مکاناً واسفه رأیاً واشقی نظرة من ان یقدروا ویوفقوا علی تالیف تمام ما انزل فی تلك المدة علی النحو الذی اراد الله من غیر ان ینقص منه شئ او یزید فیه حرف او یوخر مقدم ویقدم موخر۔ فصل الخطاب صـ۱۰۶

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو بھی اپنے نفس سے انصاف کرے اور قرآن کی حالت اور اس کی کیفیت نزول میں نظر غائر سے دیکھے جو تھوڑا تھوڑا کرکے تیئس سال کے طویل عرصہ میں حسب حوادث اور وقائع نازل ہوتا رہا ہے اور وہ بھی مختلف

Marfat.com

مقامات میں اور متباعد مکانات میں کبھی سفر میں کبھی حضر میں کبھی میدان کارزار میں اور کبھی مقام امن وآشتی میں، کبھی علانیہ اور کبھی مخفی طور پر۔ اور ساتھ ہی ان لوگوں کے حالات پر بھی نظر ڈالے اور غور و فکر کرے جو اس قرآن کو جمع کرنے کے درپے ہوئے جو (بقول رافضی) محض زبانی ایمان کے دعوے دار تھے تاکہ اپنے خون کا تحفظ کریں اور ان میں بعض جاہل وغبی ہیں تو بعض معاند اور گمراہ۔ کچھ دین سے غافل اور کچھ پہلی اقوام کے عادات واطوار میں سرگرداں۔ کئی اپنی ہمت کو صرف اپنے کفر کی ترویج میں صرف کرنے والے ہیں اور کئی جابر و قاہر تھے جن کے امر و نہی کی مخالفت کسی کے لئے ممکن نہیں ہوتی تھی اور ان میں ایسا کوئی بھی نہیں تھا جس سے خیر اور بھلائی کی توقع کی جا سکے یا اس کے شر سے محفوظ رہا جا سکے تو اندریں حالات کسی کو کیسے شک ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ اس سے کمتر مرتبے کے ہیں اور اندھے تدبیر عاجز ترین اور مکان کے لحاظ سے بدترین، رائے میں سب سے کم عقل اور فطرت کے اعتبار سے سب سے بدبخت (العیاذ باللہ) تو ان کو یہ قدرت کہاں نصیب اور انہیں یہ توفیق کہاں میسر کہ وہ تمام منزل قرآن کو تھوڑی سی مدت میں اللہ تعالےٰ کے ارادہ کے مطابق جمع کرلیں بغیر کسی کمی و بیشی کے یا تقدیم مؤخر اور تاخیر مقدم وغیرہ کے اور اسی فصل الخطاب کے ص۹۷ پر نوری طبرسی یوں رقمطراز ہیں۔

الدلیل الثانی ان کیفیة جمع القرآن وتالیفه مستلزمة عادة لوقوع التغییر والتحریف فیه وقد اشار الی ذلك العلامة المجلسی فی مرأة العقول حیث قال والعقل یحکم بانه اذا کان القرآن متفرقا منتشرا عند الناس وتصدی غیر المعصوم لجمعه یمتنع عادة ان یکون جمعه کاملا موافقا للواقع۔

Marfat.com

یعنی تحریف کی دوسری دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید کے جمع و تالیف کی کیفیت از روئے عادت تغیر و تحریف کے وقوع و تحقق کو مستلزم ہے اور اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ مجلسی نے مرآۃ العقول میں کہا کہ عقل اس امر کا حکم کرتی ہے کہ جب قرآن لوگوں کے پاس متفرق اور منتشر طور پر موجود ہو اور پھر غیر معصوم اس کے جمع و ترتیب کے درپے ہو تو از روئے عادت ممتنع اور محال ہے کہ وہ کامل طور پر جمع ہو جائے اور واقع کے مطابق مرتب ہو سکے۔

الغرض شیعہ کے نزدیک مؤلفین کی حالت کو نزول قرآن میں مقامات کے تعدد و تخالف کے پیش نظر اور پھر قرآن مجید کے لوگوں کے پاس متفرق و منتشر ہونے کا لحاظ کرتے ہوئے عادتاً محال و ممتنع ہے کہ اس میں تحریف نہ ہو اور تقدیم و تاخیر اور کمی و بیشی موجود نہ ہو اور یہ عقلاء کے ہاں مسلّم امر ہے کہ محال عادی عدم وقوع میں محال بالذات کے ساتھ موافق ہوا کرتا ہے جس طرح محال بالذات موجود نہیں ہوتا محال عادی بھی موجود نہیں تھا۔

خلاصہ مبحث:

الحاصل عقل و نقل اور کتاب و سنت اور اجماع اہل تشیع اور علی الخصوص ائمہ اہلبیت کی روایات جو کتب معتد اور معتبرہ سے منقول ہیں اور وہ بھی مشہور و مستفیض بلکہ متواتر تحریف کے وقوع پر متفق ہیں اور یہ نظریہ مذہب شیعہ میں ضروریات دین سے تو پھر اس کے انکار کی کیا گنجائش بلکہ تحریف پر ایمان ہوگا تو مذہب تشیع پر ایمان ہوگا اور تحریف کا منکر ہوگا تو مذہب تشیع کا منکر ہوگا

ائمہ کے بغیر اصل قرآن کا جمع کرنا ممکن ہی نہیں:

مذہب اہل تشیع کے مطابق پورا قرآن صرف ائمہ کے علم اور حافظہ میں محفوظ تھا اور یہ انہی کے خصائص سے ہے لہذا جو جمع کیا گیا وہ چونکہ ائمہ کا جمع کردہ نہیں۔ لہذا کامل نہ ہوا اور جو ائمہ کا جمع کردہ ہے وہ آج تک امت کو دیکھنا نصیب ہی نہیں ہوا لہذا مذہب شیعہ کی رو سے

Marfat.com

موجودہ قرآن کسی طرح کامل تصور نہیں کیا جاسکتا۔

۱۔عن جابر قال سمعت ابا جعفر علیہ السلام یقول ما ادعی احد من الناس انہ جمع القرآن کلہ کما انزل الا کذاب وما جمعہ وما حفظہ کما نزلہ اللہ الا علی بن ابی طالب والائمۃ من بعدہ۔

جابر سے مروی ہے کہ امام ابوجعفر محمد باقر کو میں نے فرماتے ہوئے سنا کہ نہیں دعویٰ کیا کسی شخص نے کہ اس نے تمام قرآن کو جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اس کے مطابق جمع کیا مگر کذاب اور جھوٹے شخص نے اور اسے اللہ تعالیٰ کی تنزیل کے مطابق صرف اور صرف حضرت علی بن ابی طالب اور ان کے بعد والے آئمہ نے جمع اور حفظ کیا ہے۔

۲۔عن ابی جعفر انہ قال۔ مایستطیع احد ان یدعی ان عندہ جمیع القرآن کلہ ظاہرہ وباطنہ غیر الاوصیاء۔

کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس کے پاس تمام قرآن ظاہر اور باطن کے لحاظ سے محفوظ ہے ماسوائے اوصیاء اور ائمہ کے۔

اصول کافی باب لم یجمع القرآن کلہ الا الائمۃ مطبوعہ قم ص۲۲۸ جلد اول

جب دعویٰ بھی کافی میں یہی کیا گیا کہ پورے قرآن کو سوائے ائمہ کے کسی نے جمع نہیں کیا اور اس ضمن میں چھ روایات ذکر کی گئیں تو واضح ہو گیا کہ عندالشیعہ ائمہ کے علاوہ جو بھی قرآن جمع کرے گا وہ قطعاً کامل نہیں ہو سکتا لہذا شیعہ ہونا اور اس قرآن کو کامل ماننا باہم متناقض ہیں۔

اہل تشیع کا تحریف قرآن پر اجماع و اتفاق:

ناسخ التواریخ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ۳۰ھ ہجری میں قرآن مجید کو لغت قریش پر جمع کرنے کا تفصیلی حال لکھنے کے بعد مصنف اپنا عقیدہ بیان کرتے ہوئے کافی کلینی اور دیگر کتب سے چند روایات نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے۔

Marfat.com

مردم شیعی چنان دانند کہ در قرآن بعضے آیات راکہ دلالت بر نص خلافت علی مے داشتند و از فضائل اہل بیت می بودہ ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) ساقط ساختند و ازیں روئے آن قرآن کہ علی فراہم آوردہ بود پذیرفتند و آں قرآن جز در نزد قائم آل محمد دیدہ نشود و ہمچناں عثمان نیز از آنچہ ابوبکر و عمر داشت نیز لختے بکاست۔ ناسخ التواریخ جلد دوم کتاب دوم صہ ۴۹۲، ۴۹۳

شیعہ لوگ اس طرح جانتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ قرآن مجید کی بعض ایسی آیات جو خلافت علی رضی اللہ عنہ پر نص صریح تھیں اور فضائل اہل بیت کے قبیل سے تھیں ابوبکر اور عمر نے انکو ساقط کر دیا اور حذف کیا اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا لایا ہوا قرآن قبول نہ کیا اور وہ قرآن سوائے قائم آل محمد کے کسی کے پاس نہیں دیکھا جاسکتا اور اسی طرح عثمان نے بھی اس قرآن سے جو ابوبکر و عمر رکھتے تھے مزید کمی کر دی (گویا یک نشد دو شد۔ محمد اشرف)

اس عبارت سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی جو بھی شیعہ ہے وہ اس عقیدہ کا مالک ہے اور پھر خاص دلیل بھی اس پر پیش کر دی گئی کہ حضرت علیؓ کا قرآن آخر قبول نہ کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی تھی ماسوا تحریف کے لہذا یا تحریف تسلیم کرنی پڑے گی اور یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جمع کردہ قرآن میں اضافہ ماننا پڑے گا اور مزید برآں یہ کہ شیعہ مؤرخ نے دو مرتبہ تحریف ثابت کر دی۔

ڈھکو صاحب کہتے ہیں کہ یہ برادران یوسف کا ہم پر بہتان ہے۔ اب بتلائیں کہ ناسخ التواریخ بھی ہماری لکھی ہوئی ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ اس نے بعض مردم شیعی بھی نہیں کہا جس سے صاف ظاہر ہے کہ حقیقی عقیدہ وہی ہے جو ناسخ التواریخ میں بیان کیا گیا ہے لیکن ڈھکو صاحب نے جناب نوازش علی شاہ صاحب کا عطیہ ہضم کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ لکھنا تھا لہذا تقیہ بزدلے کار لاتے ہوئے صاف جھوٹ بول دیا اور پیسہ بھی ہضم کیا اور ساتھ ہی ثواب بھی کمایا۔

Marfat.com

تحریف القرآن

الجواب بعون اللہ الوہاب:

یہ بات محتاج بیان نہیں ہے کہ شیعان علی اپنے پیشواؤں کی مقدس تعلیم کی روشنی میں موجودہ قرآن مجید کو ہر قسم کے نقص وعیب سے پاک. خدائے قدوس کی آخری الہامی کتاب اور پیغمبر اسلام کا معجزہ خالدہ مانتے ہیں اور اسے پورے عالم امکان کی رشد و ہدایت کے لئے خدا کا عجیب دستور العمل جانتے ہیں اور اس کی تعلیم وتعلم اور اس کے اکرام واحترام کو جزو ایمان سمجھتے ہیں اور ہمارے متعلق تحریف کا عقیدہ رکھنے کا محض برادران یوسف کی طرف سے الزام ہے۔

(ص: ۳۵)

فصل دوم

ائمہ طاہرین کے موجودہ قرآن کے متعلق ارشادات:

ان اجمالی حقائق کی ذیل میں قدرے وضاحت کی جاتی ہے:

۱۔ تفسیر صافی صلا پر حضرت امیر المومنینؑ اور طلحہؓ کا ایک مکالمہ درج ہے جس سے اس مدعا کی حرف بحرف تائید ہوتی ہے جناب امیرؑ، طلحہ سے دریافت کرتے ہیں:

"مجھے یہ بتاؤ جو قرآن عمر و عثمان نے لکھوایا ہے آیا وہ پورے کا پورا قرآن ہے یا اس میں کچھ قرآن کے علاوہ بھی ہے؟ طلحہ نے کہا "بل قرآن کلہ" بلکہ وہ پورا قرآن ہے۔ آنجناب نے فرمایا۔ اگر تم اس قرآن پر عمل کرو گے تو جہنم

Marfat.com

سے نجات پاؤ گے اور جنت میں داخل ہو جاؤ گے کیونکہ اسی قرآن میں ہماری حجت، ہمارے حقوق اور اطاعت کے واجب ہونے کا بیان ہے؟

یہ سن کر طلحہ نے کہا جب یہ قرآن ریورا ہے تو میرے لئے کافی ہے۔؟

۲۔ نیز تفسیر صافی صہ پر بحوالہ اصول کافی باسناد سالم بن مسلمہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے آنجناب نے سالم سے فرمایا اس طرح قرآن پڑھو جس طرح عام لوگ پڑھتے ہیں۔

۳۔ تفسیر صافی صہ پر امام حسن عسکری سے مروی ہے فرمایا۔ یقیناً یہ قرآن خدا کا واضح نور اور محکم رسی ہے۔ جو شخص اس کے ساتھ تمسک کرے گا خدا اسے (آتش جہنم) سے چھڑائے گا اور جو شخص اس کے احکام سے علیحدگی نہیں کرے گا خدا اسے بلندی عطا کرے گا۔ (ص: ۲۵، ۲۶)

تحفہ حسینیہ ——— محمد اشرف السیالوی

فصل اول میں ڈھکو صاحب نے صرف شاعری، تعلیوں اور کھوکھلے دعووں سے کام لیا

فصل دوم میں موجودہ قرآن پر اپنا ایمان ثابت کرتے ہوئے تین روایات ذکر کی ہیں ہم ذیل میں ان پر بحث کریں گے اور قارئین کرام کو معلوم ہو جائے گا کہ یہاں ڈھکو صاحب نے آباؤ اجداد کی اقتداء کرتے ہوئے مکمل طور پر تقیہ اور فریب کاری سے کام لیا ہے اور حقائق کا منہ چڑایا ہے اور ناقابل تردید دلائل کے سامنے اپنی بے بسی کا اظہار کیا ہے۔

پہلی روایت اور اسکا جواب:

تفسیر صافی کے حوالہ سے طلحہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا مکالمہ درج کیا ہے جسے ہم تتمہ مبحث میں بالتفصیل عرض کر چکے ہیں ذرا تکلیف فرما کر دوبارہ نظر ڈال لو اور ڈھکو صاحب کی دوپہر کے اجالے میں اندھیر نگری ملاحظہ و مشاہدہ کرو۔ دعویٰ تو کیا کہ موجودہ قرآن ہر قسم کے نقص اور عیب سے پاک ہے۔ اور دلیل وہ پیش کی جو اس دعویٰ کے سراسر مخالف یعنی شہداء یمامہ کے پاس

Marfat.com

جو قرآن تھا دوسروں کے پاس نہیں تھا ان کے شہید ہونے سے پہلے پہل تو وہ حصہ ضائع ہو گیا پھر ایک صحیفہ بکری کھا گئی وہ بھی ضائع ہو گیا۔ سورہ احزاب، سورہ نور اور سورہ حجر کی بہت سی آیات چلی گئیں اور اصلی قرآن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس تھا وہ آپ نے ظاہر نہ کیا اور طلحہ کے بار بار اس قرآن کے ظاہر کرنے کے مطالبہ کو حضرت علی نے دیدہ دانستہ ٹال دیا اور بالآخر طلحہ سے دریافت کیا کہ جو کچھ عمر و عثمان نے جمع کیا وہ قرآن ہے۔ یا اس میں اضافہ کیا گیا ہے تو اس نے کہا نہیں یہ تو قرآن ہے تو آپ نے اس پر عمل کو موجب نجات قرار دیا لیکن اس کا تو صرف اور صرف یہ مطلب ہے کہ جو کچھ رہ گیا وہ بھی قرآن ہے نہ کہ یہ مکمل ہے اور ہر نقص اور عیب سے پاک لہذا دعویٰ اور دلیل میں قطعاً کوئی مطابقت نہیں۔

۲۔ یہ صاحب تفسیر صافی نے اسی روایت کو مقدمہ سادسہ میں اس دعوی کی دلیل بنایا ہے کہ قرآن کے جمع کرتے وقت اس میں تحریف کی گئی اور اس میں نقصان اور زیادتی بھی پائی گئی"

"اور اس کے اثبات میں جو روایات درج کی ہیں۔ ان میں سے یہ آٹھویں روایت ہے۔ اگر ملا محسن کاشانی صاحب تفسیر صافی کا اس روایت سے استدلال ٹھیک ہے تو ڈھکو صاحب نے فریب کاری کا مظاہرہ کیا ہے اور اگر اس کا استدلال ٹھیک ہے تو صاحب تفسیر نے جہالت کا یا بے ایمانی کا مظاہرہ کیا۔

۳۔ اس روایت کے آخر میں ہے کہ طلحہ نے دریافت کیا کہ آخر تمہارے پاس جو قرآن اور اس کی تاویل وغیرہ ہے تو وہ کس کے حوالے کرو گے تو آپ نے فرمایا میں اپنے بیٹے حسن کو دوں گا وہ اپنے بھائی حسین کو اور یہ سلسلہ اوصیاء میں چلتا رہے گا تاکہ مہدی موعود اور قائم آل محمد کے پاس پہنچے گا اور پھر وہ اس کو لے کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حوض کوثر پر وارد ہوں گے نہ وہ قرآن سے جدا ہوں گے اور نہ قرآن ان سے جدا ہو گا۔

تو ظاہر ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو جمع کرنے کے لئے دیا تھا اگر وہ قرآن اصلی ہے تو یہ نہیں اور یہ اصلی ہے تو وہ نہیں۔ وہ بارگاہ رسالت میں باریاب

Marfat.com

ہونا ہے تو یہ نہیں اور یہ ہوتا ہے تو وہ نہیں بہر حال اسی روایت میں دونوں قرآنوں کا علیحدہ ہونا اور موجودہ کا ناقص ہونا اور بارگاہ نبوت میں باریابی سے محروم ہونا ثابت ہے تو اس کو بطور حجت و دلیل پیش کرنا سراسر سینہ زوری اور بدترین دھوکہ دہی اور فریب کاری ہے۔

موجودہ قرآن کے ساتھ تمسک صرف مجبوری کے تحت ہے

۴۔ طلحہ کے حسبی اذ کان قد آتانا" کا از روئے سیاق و سباق صرف اور صرف یہی معنی ہے کہ اگر اصلی فی الحال دستیاب نہیں تو چلو اسی سے گزارہ چلاتا رہوں گا جس طرح انگریز کے لیے مدتوں اسی کے دستور اور آئین و قانون سے ہم ملک چلاتے رہے لیکن اسکا یہ مطلب تو نہیں کہ ہمارے عقیدہ میں یہ دستور ہر طرح کے نقص اور عیب سے پاک ہے اور ڈھکو صاحب نے جو "اقراء کما یقرء الناس" والی روایت درج کی ہے اس کا بھی یہی مفہوم ہے کہ اس قرآن سے گزارا چلاتے رہو اور اس قرآن کے قائلین کے ساتھ موافقت کئے رکھو جب تک کہ مہدی اور قائم کا ظہور نہیں ہوتا لہٰذا اس قسم کی روایات کو پیش کرنا تقیہ کا عظیم ترین شاہکار ہیں۔

دوسری روایت اور اس کا جواب۔

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا اس طرح پڑھو جس طرح لوگ پڑھتے ہیں۔ بحوالہ تفسیر صافی صنا۔

یہاں بھی ڈھکو صاحب نے مکمل بددیانتی کا مظاہرہ کیا ہے۔ تفسیر صافی کے مقدمہ سادسہ (جو بیان تحریف اور نقص و زیادت کے لئے مختص ہے) اس میں مذکور روایات میں سے یہ ہے کہ امام موصوف نے ایک شخص کو قرأت کرتے ہوئے سنا جو عام لوگوں کی قرأت سے مختلف تھی تو آپ نے فرمایا کف عن ھذہ القراۃ اس قرأت سے باز رہو اور مہدی کے ظہور سے پہلے لوگوں کی موافقت کر کے وقت گزارو فاذا قام القائم قرء کتاب اللہ

Marfat.com

علی حدہ جب حضرت مہدی ظاہر ہوں گے تو وہ قرآن کو درست طریقہ پر پڑھیں گے در یہ فرماکر امام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ والا مصحف نکالا جس کے متعلق آپ نے فرمایا "ھذا الکتاب کما انزلہ اللہ علی محمد قد جمعتہ بین اللوحین" یہ ہے اصلی قرآن جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کو نازل کیا میں نے اس کو دو تختیوں کے درمیان جمع کر دیا ہے۔

نوٹ:

یہ روایت ہم نے تتمہ میں تیسری جگہ پر مفصل ذکر کی ہے اسے اچھی طرح مطالعہ کر لیں اور خود ہی فیصلہ کریں کہ کیا اس قرآن کو اس روایت کے پس منظر میں بے عیب اور تحریف و تغیر سے منزہ ماننا کہاں تک درست ہے۔

۲۔ تفسیر صافی سے ڈھکو صاحب اس کو نقل کر رہے ہیں، انہوں نے عیب ثابت کرنے کے لئے اس کو ذکر کیا اور ڈھکو صاحب نے موجودہ قرآن کو بے عیب ثابت کرنے کے لیے ذکر کیا اور یہ حقیقت ڈھکی چھپی نہیں کہ ان دو میں سے ایک نے بددیانتی اور تقیہ بازی کا مظاہرہ ضرور کیا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ڈھکو صاحب نے دن دہاڑے ملا محسن کاشانی پر ڈاکہ ڈالا اور اسے اپنی پونجی سے محروم کرنے کی سعی لاحاصل کی۔

بہر حال حقیقت حال ناظرین پر واضح ہے کہ اس روایت میں وقت گزاری اور زمانہ سازی کا درس ہے سہ چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی۔

۳۔ یہ کہ اصلی قرآن یہ ہے:

تیسری روایت اور اسکا جواب:

تفسیر صافی صفحہ سے امام حسن عسکری سے یہ روایت نقل کی ہے جس میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا۔

۱۔ کہ یہ قرآن خدا کا واضح نور اور محکم رسی ہے لیکن اس استدلال میں بھی یا مکمل جہالت کا مظاہرہ ہے اور یا مکاری اور فریب کاری کا کیونکہ یہ قرآن جس میں ہمارا کلام ہے یہ تو بہر حال اس وقت موجود نہیں تھا اسے تو اساسی طور پر ابو بکر صدیق کے دور میں جمع و تدوین اور

Marfat.com

ترتیب قرآنیات کا موقعہ ملا اور وہ بھی جنگ یمامہ میں کثیر التعداد قراء کے شہید ہونے کے بعد اور دوبارہ قرأت متعددہ کو حذف کر کے لغت قریش پر جمع ہونے کا موقعہ ملا تو حضرت عثمانؓ کے ہاتھوں بلکہ حضرت زید بن ثابت کے ہاتھوں حضرت عثمان کے حکم سے۔

اور جو قرآن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا وہ آپ نے وصال شریف کے قریب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حوالے فرمایا اور پھر ایک مرتبہ تو وہ ظاہر کیا گیا اور قوم کے قبول نہ کرنے پر اس کو ہمیشہ کے لئے غائب کر دیا گیا اور اب اس کو صرف مہدی علیہ السلام کے دور میں ظہور نصیب ہو گا۔

۲۔ تحریف ہے یا نہیں ہے یہ اختلاف ہی اسی قرآن میں ہے جو بعد میں تیار کیا گیا لہذا زمانہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود قرآن کے اوصاف و کمالات اس متنازعہ فیہ پر کیسے چسپاں ہو سکتے ہیں بلکہ شیعہ صاحبان کے نزدیک یہ امام غائب کے پاس موجود قرآن کے صفات ہیں۔

صاحب تفسیر صافی نے موجودہ قرآن کے محرف و مبدل ہونے کا اثبات کر کے ان روایات کا جواب دیتے ہوئے کہا جن میں قرآن سے تمسک اور ہدایت حاصل کرنے وغیرہ وغیرہ کا حکم ہے جن سے اصلی قرآن کا موجود ہونا لازمی طور پر ثابت ہوتا ہے۔

اقول یکفی فی وجودہ فی کل عصر وجودہ جمیعا کما انزل اللہ محفوظا عند اھلہ و وجود ما احتجنا الیہ منہ عندنا وان لم نقدر علی الباقی کما ان الامام کذلک فان الثقلین سیان فی ذلک۔ (مقدمہ تفسیر صافی ص ۱۱)

یعنی اس قرآن کے ہر زمانہ میں موجود ہونے کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ مکمل طور پر اور کما انزل اللہ تو موجود ہو اپنے اہل کے پاس اور اس کے احکام سے ہمیں ضروری حصہ ہمارے پاس موجود ہو اگرچہ باقی حصہ پر ہم قدرت نہ رکھتے ہوں جیسے کہ خود امام صاحب زمان کا حال بھی یہی ہے (کہ بارہ صدیوں سے بھی زیادہ عرصہ ہوا کہ غائب ہے اور اس کے سفراء اور نائبین کے ذریعے کام چلا رہے ہیں اور گزارا کر رہے ہیں) کیونکہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ثقلین یعنی کتاب اللہ اور عترت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک سطح پر رکھتے ہوئے فرمایا گیا ہے انی تارک فیکم الثقلین ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا کتاب اللہ وعترتی اھل بیتی

Marfat.com

وانهما لن یتفرقا حتی یردا علی الحوض "بے شک تمہارے اندر دو قیمتی چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں جب تک تم ان کے دامن سے وابستہ رہو گے ہرگز گمراہ نہیں ہو گے اور وہ ہیں کتاب اللہ اور میری عترت اہل بیت اور وہ دونوں ہرگز جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ اکٹھے میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہوں گے۔

اقول گویا جب امام مخفی ہے تو قرآن اصلی بھی مخفی۔ حدیث شریف کی رو سے قرآن اور اہل بیت جدا نہیں ہو سکتے تو جہاں امام وہیں قرآن اور جس طرح اصلی امام کی موجودگی میں دوسرے لوگوں کے ذریعے گزارا چلایا جاتا رہا ہے اس امید پر کہ کبھی تو غار سرمن رائی سے نکلیں گے اسی طرح موجودہ قرآن سے بھی گزارا چلایا جاتا رہا ہے۔ اس توقع پر کہ کبھی تو صاحب زمان اصلی قرآن لائیں گے۔

اب فرمائیے ڈھکو صاحب تمہاری دلیل سے تمہارا دعویٰ کیسے ثابت ہوا جبکہ تمہارے مفسر نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمارے اندر چھوڑے ہوئے ثقلین اہلبیت اور قرآن دونوں کو غار میں اکٹھا کر دیا ہے۔ آپ کو تمام تر اپنے ذخیرہ کتب میں سے صرف تین روایات پیش کرنی ممکن ہوئیں اور ان میں بھی سراسر تلبیس واشتباہ اور مغالطہ دہی اور فریب کاری سے کام لیا اور ان کو محل نزاع سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ اسی بل بوتے پر تعلیوں۔ شیخیوں کا اظہار کیا تھا اور اپنی دلائل کی مخموری میں شاعری پر اتر آئے تھے ؎

؎ نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے - یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

اگر علامہ ڈھکو صاحب نے اپنی کتابوں کا بغور مطالعہ کیا ہوتا تو ایسی بچگانہ حرکات نہ کرتے اور نہ ایسی دلیلیں پیش کرتے۔ ان کے مقتدا امام اور مفسر اعظم نے قول باری تعالیٰ:

"یوم تبیض وجوه وتسود وجوه" کے تحت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب روایت ان الفاظ میں درج کی ہے تفسیر قمی جلد اول ص ۱۰۹ یرد علی امتی یوم القیامة علی خمس رایات (الی) فیقولون اما الاکبر فحرفناه ونبذناه وراء ظهورنا (الی) اما الاکبر فحرفناه ومزقناه وخالفناه۔ خلاصہ یہ کہ میری امت پانچ اعلام کے نیچے پانچ قائدین کی قیادت میں پانچ گروہوں پر منقسم ہو کر میرے پاس پہنچے گی ایک علم اس امت کے

Marfat.com

عجل (نعوذ باللہ) (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) کے ساتھ ہوگا میں اس جماعت سے دریافت کروں گا میں نے تمہارے اندر دو قیمتی چیزیں چھوڑی تھیں تم نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا تو وہ کہیں گے کہ ثقل اکبر یعنی قرآن میں ہم نے تحریف کی اور اس کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا پھر دوسرا جھنڈا اس امت کے فرعون (نعوذ باللہ) یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوگا تو میں اس کی قیادت میں آنے والی جماعت سے دریافت کروں گا کہ میرے چھوڑے ہوئے ثقلین کے ساتھ تم نے کیا سلوک کیا تو وہ کہیں گے ہم نے ثقل اکبر کو تحریف کا نشانہ بنایا اور اس کو پھاڑا اور اس کے احکام کی مخالفت کی۔

جب آپ کے اکابر کا دعویٰ یہ ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی ابوبکر و عمر کی طرف سے ثقل اکبر میں تحریف کا اعتراف و اقرار جو انہوں نے قیامت کے دن کرنا ہے ہمیں بیان فرما دیا تو اب غور طلب امر یہ ہے کہ قیامت کے دن ناکردہ گناہ کا اعتراف کون کر سکتا ہے وہاں تو کردہ گناہوں سے بھی مکرنے کی کوشش کی جائے گی جیسے کہ مشرک کہیں گے "واللہ ربنا ما کنا مشرکین" بخدا ہم تو مشرک نہیں تھے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط بیانی کی نسبت بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ موقع تقیہ کا بھی نہیں ہے۔ ورنہ ان کی خوبیاں بیان کی جائیں نہ خرابیاں تو قطعی طور پر تسلیم کرنا لازم ہو گیا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ثقل اکبر اور قرآن مجید بزعم شیعہ ان دونوں حضرات کی طرف سے تحریف کا شکار ہو گیا تو ڈھکو صاحب بتلائیں کہ بزبان رسالت مآب اور با قرار خلفائے ثلاثہ پہلے پائی جانیوالی تحریفات کی ڈھکو صاحب تحریفاتی روایت سے

نفی کیونکر ہو سکتی ہے تعجب کی جا ہے کہ قرآن جمع کرنے والے خود تسلیم کریں کہ ہم نے تحریف کی اور ان کا ڈھکو صاحب جیسا دشمن ان کی صفائی بیان کرے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلانے کی کوشش کرے خدارا بتلایئے شیعہ مذہب کی کوئی کل سیدھی ہے؟

Marfat.com

تنزیہ الامامیہ

محمد حسین ڈھکو

فصل سوم

شیعہ علماء اور اعلام کی تصریحات

اگرچہ ائمہ اطہار کے ارشادات کے بعد مزید کسی ثبوت کی ضرورت تو باقی نہیں رہتی تاہم مزید اطمینان قلب کی خاطر بعض شیعہ اعلام کی تصریحات پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ رئیس المحدثین شیخ صدوق علیہ الرحمۃ اپنے رسالہ اعتقادیہ طبع ایران ص۹۳ پر تحریر فرماتے ہیں۔ قرآن کے متعلق ہمارا ایمان یہ ہے کہ خداوند عالم نے پیغمبر اسلام پر جو قرآن نازل فرمایا وہ یہی ہے جو دو دفتیوں کے درمیان لوگوں کے ہاتھوں میں اس وقت موجود ہے اس کی ایک سو چودہ سورتیں ہیں جو شخص ہماری طرف یہ بات منسوب کرے کہ ہم موجودہ قرآن سے زائد کے قائل ہیں وہ جھوٹا ہے۔

۲۔ شیخ الطائفہ شیخ طوسی نے اپنی تفسیر التبیان (۳) امین الاسلام علامہ طبرسی نے اپنی تفسیر مجمع البیان (۴) افتخار المفسرین علامہ سید علی الحائری نے لوامع التنزیل (۵) علامہ سید ابوالقاسم الخوئی مجتہد اعظم نجف اشرف نے اپنی تفسیر البیان کے مقدمہ میں (۶) علامہ سید علی نقی نے مقدمہ تفسیر قرآن میں ان کے علاوہ سینکڑوں علماء اعلام نے اپنی اپنی کتابوں میں اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ موجودہ قرآن مکمل ہے اس میں کسی قسم کی کوئی تحریف وتغیر واقع نہیں ہوئی۔ (ص: ۳۶)

فصل سوم کا جواب: تحفہ حسینیہ محمد اشرف سیالوی

۱۔ ڈھکو صاحب کے پیش کردہ ارشادات ائمہ کی حقیقت تو آپ معلوم کر چکے اور اسکے

Marfat.com

مقابل دو ہزار سے زیادہ شیعہ صاحبان کی معتبر اور متداول کتابوں میں حضرت علی اور دیگر ائمہ سے منقول روایات مشہورہ اور متواترہ کا نمونہ بھی ملاحظہ کر چکے تو اب دو چار علماء کا نام گنوانے سے کیا فائدہ ہو سکتا ؛ اور چار کو سینہ زوری سے سینکڑوں تک پہنچانا کس طرح کارآمد ہو سکتا ہے۔

۲۔ شیخ صدوق اور علم الہدیٰ سے پہلے جتنے علماء گزرے ہیں وہ سب تحریف اور تغیر و تبدل کے قائل ہوئے ہیں صرف شیخ صدوق نے سب سے پہلے تحریف کا انکار کیا تو بتلایئے ان سے قبل تین صدیوں تک جو تمہارا مذہب تھا وہ غلط تھا اور موجودہ صحیح ہے یا موجودہ غلط ہے اور سابقہ صحیح تھا؟

اگر پچھلا مذہب اور عقیدہ صحیح ہے تو سابقہ صدیوں پر محیط مذہب کو باطل تسلیم کرنا پڑے گا اور جب پہلی صدیوں کا باطل ہو گیا تو آخری صدیوں کا جو انہیں متقدمین کی روایات اور کتابوں پر مبنی ہے وہ کیسے صحیح ہو گا اور پھر قدامت کا دعویٰ بقائمی ہوش و حواس کیونکر ہو سکے گا۔

ظاہر ہے کہ مذہب کا ثبوت روایات اور احادیث سے ہی ہو سکتا ہے نہ کہ کسی عالم کے قول سے اور حضرت علی المرتضیٰ کی طرف منسوب روایات سے لے کر امام حسن عسکری تک کی روایات تحریف پر دلالت کرتی ہیں۔ بلکہ حضرت علی المرتضیٰ نے زندیق کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے تحریف کو نصوص قرآن سے ثابت کیا۔ اور یارانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے

یاد رہے:

شیخ صدوق کی ولادت تین سو چھ میں ۳۰۶ھ ہے اور وفات ۳۸۱ھ میں اور یہی پہلا شخص ہے جس نے تحریف قرآن کا انکار کیا ہے۔

☆

Marfat.com

کے اعراض و انکار سے بھی کہ جو بارگاہ رسالتماب سے مجھے ملا اور بلا کم و کاست میں نے جمع کیا۔ وہ انہوں نے قبول نہ کیا جو اپنے مزعوم دعائم کفر کی ترویج کے لئے جاری کیا وہ ناقص تھا وغیرہ بقول حسین بن محمد تقی نوری طبرسی صرف نو وجوہ سے ایک روایت میں تحریف پر استدلال کیا گیا ملاحظہ ہو فصل الخطاب ص۲۷۰

۲۔ صدوق صاحب کہتے ہیں جس نے ہماری طرف موجودہ قرآن سے زائد آیات پر مشتمل قرآن اور اصلی منزل من اللہ کی نسبت کی وہ کاذب ہے تو ڈھکو صاحب ذرا ہوش سے کام لو ہم نے سنیوں کی کتابوں سے تو روایات پیش نہیں کیں۔ یہ سب آپ کے بلکہ شیخ صدوق اور علم الہدیٰ کے اکابر کی کتابیں ہیں۔ اور ائمہ سے منقول ہیں تو آپ جھوٹا کس کو کہہ رہے ہو اگر وہ سچے ہیں تو صدوق صاحب اور تم جھوٹے اور اگر تم سچے ہو تو تمہارا مذہب تحریف کدھر سے آ گیا مستقل کتابیں تحریف کے موضوع پر تم لکھو تفاسیر میں ابواب اس موضوع پر تم قائم کرو اور پھر بھولے بھالے بن کر کہہ دو جو ہمارے متعلق یوں کہے وہ کاذب ہے تو سہ

اتنی نہ بڑھا پاکئی داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

کیا شیعہ صاحبان اس حقیقت کا انکار کر سکتے ہیں کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الوصال میں قرآن مجید حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے فرمایا اور انہوں نے جمع کر کے صحابہ کرام کو دکھلایا لیکن انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اگر زمانہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مجموع ہوتا تو بعد از وصال جمع کرنے کی ضرورت کیوں پڑتی اور جب مکمل آیات پر مشتمل مجموعہ صرف رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھی نہیں تھا حالانکہ کاتبانِ وحی کے سردار تھے تو کسی دوسرے کے پاس بھی یقیناً نہیں تھا تو حضرت علی کا نبوی مجموعہ سے جمع کردہ قرآن ظاہر ہی نہ ہو سکا اور جو ظاہر ہوا اس میں حضرت علی کو شامل ہی نہ کیا گیا تھا پھر سالمیت کی کیا ضمانت رہ گئی؟ لہذا ان علماء کا یہ قول کسی روایت اور واقعی دلیل پر مبنی نہیں بلکہ ذلت و رسوائی اور جگ ہنسائی سے بچنے کے لئے مذہبی کتب اور قدماء و اسلاف کے عقیدہ کے برعکس تراشیدہ اور اختراعی قول ہے۔ تاکہ لوگوں کے اس طعن سے بچ سکیں کہ جب آسمانی کتاب ہی ان کے

Marfat.com

ان کے پاس نہیں تو یہ مذہب آسمانی کیسے ہو سکتا ہے؟

السید الجزائری نے کہا ان الاصحاب قد اطبقوا علی صحۃ الاخبار المستفیضۃ بل المتواترۃ لدلالتہ بصریحہا علی وقوع التحریف فی القرآن مادۃ وکلاما واعرابا والتصدیق بہا نعم خالف فیہا المرتضی والصدوق والطبرسی۔

ملا محسن کاشانی نے تفسیر صافی کے چھٹے مقدمہ میں اور صاحب فصل الخطاب نے صدوق وغیرہ کے تمسکات اور مستندات پر مکمل بحث کی ہے اور ان کے تار و پود کو ادھیڑ کر رکھ دیا ہے فصل الخطاب کا دوسرا باب جو صفحہ ۲۶۰ سے شروع ہو کر صفحہ ۲۹۳ پر ختم ہوتا ہے اس نے ان تمام صفحات میں اپنے معدودے چند علماء کے دلائل کا رد بلیغ کیا ہے۔ پہلے اتفاق نہیں ہوا تو اب اسکا اچھی طرح مطالعہ کر لو تاکہ کم از کم اپنے مذہب کا پتہ چل سکے۔

۵۔ شیخ صدوق اور شیخ مرتضی وغیرہ کی ذوات بھی قائلین تحریف کے نزدیک مشکوک اور مضطرب فیہ ہیں۔

ٹ

ملاحظہ ہو۔ فصل الخطاب صفحہ ۳۱۔

تمام علماء شیعہ کا ان مشہور روایات بلکہ متواتر روایات کی صحت پر اتفاق ہے جو قرآن میں تحریف و تبدیلی پر بصراحت دلالت کرتی ہیں مادہ و کلام کے لحاظ سے بھی اور اعراب کے لحاظ سے بھی اور سبھی ان کے ساتھ ایمان و تصدیق پر بھی متفق ہیں سوائے مرتضی، صدوق اور طبرسی کے جب ایک طرف اتنی عظیم اکثریت ہے۔ تو صرف ان تین چار علماء کے بے سند اقوال کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے۔ جبکہ عظیم اکثریت کے مذہب و عقیدہ کا دار و مدار صحیح اور متواتر روایات پر ہو۔

ٹ

Marfat.com

شیخ صدوق کی حیثیت:

زندیق والی روایت جس کو طبرسی نے احتجاج میں نقل کیا اور اس نے کتاب کے آغاز میں اس امر کی تصریح کر دی کہ ہم اس کتاب میں وہ روایات درج کریں گے جن پر اجماع و اتفاق ہو گا یا عقول و درایات کے تقاضوں کے مطابق ہوں گی یا موافقین و مخالفین کے درمیان مشہور و معروف ہوں گی ماسواء ان روایات کے جو میں امام ابو محمد علیہ السلام سے نقل کروں گا۔ جب اسی روایت کو شیخ صدوق نے اپنی کتاب التوحید میں نقل کیا تو اس کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا جس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ اس نے صرف اپنے مقصد کے حصہ پر اکتفاء کیا اور زوائد کو حذف کر دیا اور یا یہ روایت اس کے مذہب کے خلاف تھی اس لئے اس میں گڑبڑ کر دی اور اسے مذہب کے مطابق بنانے کی سعی لاحاصل کی۔

اسی طرح صاحب بحار نے صدوق کی کتاب التوحید میں کلینی سے منقول روایت اپنی کتاب میں درج کی ہے اس میں بھی عجیب تغیرات و تبدلات ہیں۔ (و تورث سوء الظن بالصدوق وانه فعل ذلک لیوافق مذهب اهل العدل) جو اس بدظنی کا موجب بنتے ہیں کہ صدوق نے اس ہیرا پھیری اور کتر بیونت کا مظاہرہ صرف اسی لئے کیا ہے کہ ان روایات کو مذہب اہل العدل کے مطابق کر سکیں یعنی معتزلہ کے وربما طعن علیه بعض القدماء بمثل ذلک فی حدیث رواه فی العمل بالصوم بالعدد وهذا عجیب من مثله اور بسا اوقات قدماء نے بھی اسی طرح کا طعن شیخ صدوق پر کیا ہے۔ مثل صوم بالعدد کے متعلق وارد روایت میں اور صدوق جیسے آدمی کے لئے یہ عجیب سی بات ہے یہ تھا تبصرہ شیخ اسد اللہ الکاظمین کا جو فصل الخطاب صفحہ ۱۴ پر موجود ہے۔

شیخ مرتضیٰ کے قول کا دار و مدار:

ترکہ تلک الاخبار المنقولة من الکتب المعتبرة لخبر او خبرین تفرد بنقله المخالف ممایقضی منه العجب۔ شیخ مرتضیٰ کا ان روایات کو ترک کرنا جو

Marfat.com

کتب معتبرہ سے منقول ہیں محض ایک ایک دو ایسی روایات کی وجہ سے جن کی روایات اور نقل کے ساتھ مخالف منفرد ہیں محل تعجب اور مقام حیرت ہے۔

الغرض ڈھکو صاحب کے جو دو بڑے ستون ہیں علماء شیعہ کے نزدیک وہ مخدوش و مشکوک اور مقام حیرت اور محل تعجب بن چکے ہیں تو ان کا نام پیش کر کے ڈھکو صاحب کون سی قابلیت کا مظاہرہ کر رہے ہیں اور کس نیک نامی کی آس لگائے بیٹھے ہیں۔ اور ان کے اقوال سے پورے مذہب کا رد کیسے کر سکتے ہیں۔

اہل انصاف کو دعوت غور و فکر :

۱۔ ایک طرف تو صحابہ کرام پر اس لئے تحریف کے الزامات عائد کیے گئے اور اہل بیت کی طرف سے شکوہ و شکایات پر مشتمل روایات نقل کی گئیں کہ انہوں نے صرف اور صرف غصب خلافت اور سلب امامت کے لئے اور پھر اس کارستانی پر پردہ ڈالنے کے لئے حضرت علی کا قرآن قبول نہ کیا تاکہ وہ راز فاش نہ ہو جائے اور اپنے طور پر اپنی پسند کا قرآن امت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا اور دوسری طرف انہیں غاصب اور ظالم اور اہل البیت کے ساتھ بالعموم اور حضرت علی المرتضیٰ کے ساتھ بالخصوص بزعم شیعہ بغض رکھنے والوں کے جمع کردہ قرآن کو صحیح و سالم اور ہر عیب و نقص سے مبرا تسلیم کرنا کس قدر مضحکہ خیز حرکت ہے اور سفیہانہ اور مجنونانہ دعویٰ۔

اس بگڑتے ہوئے اور گرتے ہوئے مزخرف اور ملمع شدہ محل اور بیخ و بن سے اکھڑتی ہوئی شیعہ مذہب کی بنیاد کا احساس کرتے ہوئے صاحب فصل الخطاب نے اس حرکت پر سخت برہمی اور ناراضگی کا اظہار کیا اور کہا...... کہ جن لوگوں نے موجودہ قرآن کو صحیح و سالم اور بے عیب ثابت کرنے کے لئے کہا کہ فلاں وقت اتنے ہزار صحابہ تھے اور فلاں جنگ میں اتنے ہزار اور وہ بھی حفظ قرآن پر حریص تھے اور اس کے ضبط پر جد و جہد کرنے والے وغیرہ وغیرہ تو یہ کلمات ان لوگوں کے کلمات کے مشابہ ہیں جنہیں مباحث امامت کا کوئی علم نہیں ہے اور خود حیات رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ہی صحابہ کی ضلالت و غوایت کی حالت

Marfat.com

معلوم نہیں اور نہ بعد از وفات انتھی ما اوردنا نقله من الکلمات التی یشبه بکلام من لا عهد له بمباحث الامامة وحال الاصحاب فی الضلالة والغوایة فی حیاته وبعد وفاته ۔ (فصل الخطاب ص۳۶۷)

۲۔ نوودڑمکو صاحب ۔ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ذات مقدس پر طعن وطنز کرتے ہوئے کہا کہ عمر صاحب کے نامۂ اعمال میں کوئی ایسی چیز نہیں جو کسی عام مسلمان کے لئے موجب رشک ہو چہ جائیکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لئے تو اگر انہیں تسلیم ہے کہ یہ قرآن بے عیب ہے اور صحیح وسالم اور معجزہ خالدہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا تو پھر بتلائیں کہ اس کارنامہ کو کس کے نامۂ اعمال میں شمار کیا جائے گا اور وہ قابل رشک تمام اہل اسلام کے لئے بالعموم اور حضرت مرتضیٰ کے لئے بالخصوص ہے یا نہیں ہے ۔ کیا یہ ایک کارنامہ ہی بے عدد اور لامحدود اجر وثواب کا موجب نہیں ہے کہ قیامت تک صرف اسی کی بدولت کلام خدا کی تلاوت نصیب ہوئی اور لاکھوں کو نہیں کروڑوں نہیں بلکہ اربوں کھربوں کو ایک طرف اتنے بغض وعناد کا اظہار اور دوسری طرف اتنی صاف گوئی اور سچائی اگر وہ کلام خدا میں امین ہیں اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت پر عمل کا حق ادا کرنے والے تو اہل البیت کے معاملہ میں بھی یہی یقین کرنا ضروری ہوگا ۔ ؎

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

قائلین تحریف کا شرعی حکم کیا ہے:

اچھا اس بحث کو جانے دیجئے جن شیعی علماء اعلام اور محدثین ومفسرین متقدمین ومتاخرین نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر تحریف ثابت کی ہے تو ان کے متعلق کیا فتویٰ ہے کیونکہ منکر قرآن کے کفر میں تو شک نہیں ہو سکتا اور اس میں ریب وتردد کی جگہ ہی جب نہیں قال تعالیٰ " لاریب فیه " تو جنہوں نے اس کو ریب اور عیب کا مقام ومحل بنانے کی کوشش کی ہے ان کا مذہب شیعہ میں کیا حکم ہے ؟ کیا وہ بھی مومن ہیں اور بے عیب ماننے والے

Marfat.com

بھی مومن یا صرف ایک فریق حق پر ہے اور دوسرا باطل پر بس اسکا فیصلہ ہی ہو جائے تو بھی امت کے لئے موجبِ فوز و فلاح ہے اور دیکھتے ہیں کہ کتنے بڑے اساطین مذہب رفض و تشیع کے دھڑام سے گرتے ہیں مگر فتویٰ کون لگائے۔ ڈھکو صاحب دل و جان سے تو انہیں کے مذہب پر فدا ہیں یہ ہاتھی کے دانت صرف دکھلانے کے لئے ہیں۔ اور اگر فتویٰ صادر کریں تو پہلی تین صدیوں میں اور چوتھی کی کئی دہائیوں میں پیدا ہونے والے سب شیعہ کافر قرار پائیں گے پھر بعد والوں کے ایمان کی ضمانت کیا ہو سکتی ہے۔

Marfat.com

فصل چہارم

تنزیہہ الامامیہ ——— ڈھکو صاحب

بعض منصف مزاج علماء اہلسنت کا اعتراف حقیقت

شیعان علی کا ایمان بالقرآن ایک ایسی کھلی حقیقت ہے کہ بعض منصف مزاج اہلسنت نے بھی اس کا اقرار کیا ہے۔

۱۔ چنانچہ فاضل رحمت اللہ ہندی اپنی کتاب اظہار الحق ۹۸/۲ مبنی میں بعض اعلام شیعہ کا کلام نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"ان حقائق کی روشنی میں ظاہر ہوگیا کہ فرقہ شیعہ اثنا عشریہ کے علماء اعلام کے نزدیک ثابت شدہ نظریہ یہ ہے کہ وہ قرآن جو خداوند عالم نے اپنے نبی خاتم (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل فرمایا وہ یہی ہے جو کتابی صورت میں لوگوں کے ہاتھوں میں موجود ہے۔ اس سے زیادہ نہیں ہے۔"

۲۔ حافظ محمد اسلم جیراجپوری اپنی کتاب "تاریخ القرآن" ص ۴۲ بذیل عنوان "شیعہ اور قرآن" متعلقہ مسئلہ میں بعض اکابر علماء شیعہ کا کلام نقل کرنے کے بعد اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "یہ ان علماء شیعہ کے اقوال ہیں جو اہل تشیع میں مقبول و مستند ہیں۔ مولانا عبد الغنی کشمیری اپنی کتاب مذاہب اسلامیہ ص ۲۹۴ طبع لاہور پر لکھتے ہیں۔" اثنا عشریہ قرآن

Marfat.com

میں کمی و بیشی کے قائل ہیں۔ (ص: ۲۷)

تحفہ حسینیہ ——— محمد اشرف السیالوی

بعض منصف مزاج علماء اہلسنت سے توسّل کی حقیقت

علامہ رحمت اللہ صاحب نے عیسائیوں کے الزام کا جواب دینا تھا کہ اگر ہماری انجیلیں محرف و مبدل ہیں تو آخر تمہارا قرآن بھی تو اسی طرح ہے۔ دیکھو! شیعہ علماء اس میں تحریف کے قائل ہیں تو اگر یہ قول تمہاری طرف سے نہ ہوتا تو عیسائیوں کو اعتراض کی جرأت ہی کیسے ہوتی لیکن جب اس الزام کا جواب دینے کے لئے ہزاروں علماء میں سے دو چار کا قول مل گیا تو اس کو ہی غنیمت جان کر پیش کر دیا۔ نیز جو بھی شیعہ عالم قرآن پر ایمان لائے ہمیں خوشی ہوگی خواہ چوتھی صدی میں پیدا ہونے والا ہو یا پندرھویں میں اور اس کو حق ماننے سے ہم بخل سے کام نہیں لیں گے لیکن ثابت صرف یہ کرنا ہوگا کہ اس کا قول شیعی مذہب اور اس کے اکابرین کے مذہب کے مطابق بھی ہے۔ ہمیں تو اس مذہب اور اس کے بانیوں کے نظریہ تحریف اور اس کے تحت گھڑی گئی روایات سراسر غلط اور خلاف تحقیق معلوم ہوتی ہیں لیکن ان کو چھوڑنے والا شیعہ نہیں رہ سکتا اور شیعہ رہتا ہے تو تحریف کا انکار نہیں کر سکتا لیکن عیسائیوں کے ساتھ اس جوابی کاروائی سے جناب کا دامن تحریف قرآن کے قول سے کیسے صاف ہو گیا۔ آپ کے مولوی صاحبان نے تو ان علماء کو ہی مشکوک قرار دے دیا۔

حافظ اسلم صاحب نے بھی بعض علماء کی طرف سے اس قول کا سرزد ہونا تسلیم کیا ہے وہ محل انکار نہیں لیکن وہی قول شیعہ کا مذہب قدیم بھی ہے وہ اس سے ثابت نہیں اور

Marfat.com

نہ دوسرے شیعہ علماء نے اس قول کو قبول کیا۔ عبدالغنی کشمیری صاحب نے جو کہا ہو گا اس کو ایک طرف رکھ کر یہ بتلائیں کہ جن کتابوں کے حوالے ہم نے پیش کئے ہیں اور جن علماء کے نام ہم نے بحوالہ کتب درج کئے ہیں وہ اہل السنت علماء ہیں اور ان کی کتابیں یا وہ اثنا عشری مذہب کے مقتدا اور شریعت مدار اور ثقۃ الاسلام قسم کے لوگوں کی کتابیں ہیں تو آخر برہان اور جدل کے طریقوں میں سے یہ کونسا طریقہ ہے جواب کا جو آپ نے اختیار کیا ہے۔ یہ تین تنکے آپ کو اس بھنور سے نجات نہیں دے سکتے اور نہ ہی ان کے اقوال اس محل نزاع میں کار آمد ہو سکتے ہیں آخر کتاب وسنت کے دلائل اور روایات ائمہ کا جواب مخالفین کے لاکھوں علماء میں سے تین کے قطع و برید کئے ہوئے اقوال سے چہ معنی دارد۔

Marfat.com

فصل پنجم

تنزیہہ الامامیہ ——— محمد حسین ڈھکو صاحب

حضرت امیر علیہ السلام کے جمع کردہ قرآن کی حقیقت

فریقین کی کتابوں سے جو چیز پایہ ثبوت تک پہنچ چکی ہے وہ یہ ہے کہ جو قرآن جناب امیر علیہ السلام نے جمع کیا تھا وہ یہی تھا جو اس وقت لوگوں کے ہاتھوں میں موجود ہے ہاں البتہ اس میں درج ذیل امور کو پیش نظر رکھا گیا تھا۔

الف: اس کی ترتیب نزول قرآن کے مطابق تھی یعنی جو سورۃ پہلے نازل ہوا تھا اسے پہلے درج فرمایا تھا اور بعد میں نازل ہونے والے سور (سورتوں) کو بعد میں جگہ دی گئی تھی۔ اس کی تائید مزید اصول کافی ص۱۶۷ کی روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام نے سقیفائی دربار خلافت میں اپنا جمع کردہ قرآن پیش کرتے ہوئے فرمایا:

"یہ ہے خدا کی کتاب جو اس طرح جمع کی گئی جس طرح خدا نے جناب رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل فرمائی تھی۔"

ب: اس مصحف میں قرآن مجید کی مختصر تاویل و تفسیر بھی تھی جیسا کہ سیوطی نے ابن سیرین کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا:

"اگر جناب امیر علیہ السلام کا جمع کردہ قرآن مل جاتا تو علم کا ذخیرہ ہاتھ آجاتا۔" (تاریخ الخلفاء ص۱۸۵ طبع جدید مصر)

اس کی تائید مزید تفسیر صافی ص۱۱ کی روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں جناب امیر

Marfat.com

اور طلحہ کا مکالمہ درج فرمایا:

" اے طلحہ! ہر وہ آیت جو خداوند عالم نے جناب رسول خدا پر نازل فرمائی وہ آنحضرت کی املاء اور میرے خط سے لکھی ہوئی میرے پاس موجود ہے اور ہر ہر آیت کی تاویل و تفسیر اور ہر حلال و حرام کی تفصیل بھی میرے پاس محفوظ ہے۔"

یہ ہے وہ مصحف جو اس وقت امام زمانہ" کے پاس محفوظ ہے:" یہ ہے وہ مصحف جو اس وقت امام زمانہ کے پاس ہے جسے وہ وقت ظہور اپنے ہمراہ لائیں گے۔

؎ اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

(ص: ۲۸ - ۲۹)

⁂ ⁂ ⁂

فصل پنجم کا جواب:

تحفہ حسینیہ ——— محمد اشرف السیالوی

حضرت علیؓ کے جمع کردہ قرآن کی حقیقت

علامہ ڈھکو صاحب نے یہ تسلیم کر لیا کہ جو قرآن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جمع فرمایا اس کی ترتیب موجودہ قرآن کی ترتیب سے مختلف تھی اور آپ نے اس کو ترتیب نزولی کے مطابق جمع کیا تھا لیکن دریافت طلب امر یہ ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اس ترتیب پر جمع کرنے کا حکم دیا تھا تو دوسرے حضرات صحابہ نے سرور عالمؐ کی مرضی کے برعکس اس کو جمع کیا لہذا وہ مجموعہ بے عیب نہ رہا اسی طرح خود سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ترتیب نزول کے مطابق تلاوت فرماتے تھے تو اس کے خلاف جمع کرنا درست نہ ہوا اور اگر سورتوں میں جو ترتیب صحابہ کرام نے قائم فرمائی اس کے مطابق پڑھتے تھے

Marfat.com

تو آپ کا جمع کردہ قرآن درست نہ ہوا مثلاً سورہ علق کی ابتدائی آیات آغاز وحی میں نازل کی گئیں اور آخری حصہ بہت بعد میں۔ سورہ مدثر کی ابتدائی آیات فترت وحی کے بعد نازل ہوئیں اور دوسری بہت بعد میں علی ھذا القیاس طویل سورتوں کا نزول مختلف مواقع پر ہوتا رہا تو اس طرح موجودہ ترتیب کے لحاظ سے جو ایک سورۃ ہے ترتیب نزول کے لحاظ سے وہ سورت بن ہی نہیں سکتی الامان والحفیظ تو پھر دونوں کو درست تسلیم کر نہیں سکتے لہذا یہ دعویٰ کرنا کہ آپ کا جمع کردہ قرآن یہی ہے صرف ترتیب نزول پر جمع کیا تھا تو اس ترتیب نے دونوں میں زمین و آسمان کا فرق پیدا کر دیا محض سورتوں کی تقدیم و تاخیر سے اس قدر تفاوت نہیں لازم آتا لیکن جب آیات میں ترتیب نزول ملحوظ ہو تو موجودہ قرآن کی ایک سورت کتنی جگہ پر متفرق اور منتشر ہو کر رہ جائے گی اسلئے یقینی ہوش و حواس یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ جو قرآن حضرت امیرؓ نے جمع کیا تھا۔ وہ یہی قرآن ہے۔

۲۔ اصول کافی کی روایت سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کہ آپ نے کہا میں نے اس قرآن کو ترتیب نزول کے مطابق جمع کیا ھذا کتاب اللہ کما انزلہ اللہ تعالیٰ علی محمد حالانکہ اس کا قطعاً یہ مطلب نہیں کہ میں نے ترتیب نزول کے مطابق اس کو جمع کیا ہے بلکہ یہ مقصد ہے کہ میں نے اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہونے دیا اور الف و لام کے برابر کوئی حرف بھی ساقط نہیں ہونے دیا جب کہ دوسرے حضرات کے جمع کردہ قرآن کے متعلق خود آپ نے جرح و قدح کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سے وہ آیات انہوں نے حذف کر دی ہیں جو ان کے عقیدہ و عمل کے خلاف تھیں اور ایسی آیات بنا کر ملا دیں جن سے وہ اپنے اعمال یعنی غصب خلافت وغیرہ کا جواز پیش کر سکیں اور صرف فان خفتم الا تقسطوا فی الیتامیٰ اور فانکحوا ماطاب لکم کے درمیان سے ایک تہائی قرآن کے غائب ہونے کا آپ نے زندیق کے سامنے اعتراف کیا اور آیات قرآنیہ سے بھی اس جمع کردہ قرآن کے تحریف پر مشتمل ہونے اور خلاف ما انزل اللہ ہونے کو ثابت کیا ہے تو بمطابق صاحب البیت ادری بما فیہ آپ ہی بہتر طور پر بتلا سکتے ہیں کہ ھذا کتاب اللہ کما انزلہ اللہ علی محمد کا کیا معنی ہے

Marfat.com

اور آپ نے تو اس طرح بتلا دیا اور دیگر شیعی علماء نے موجودہ قرآن کی آیات کا خلاف ما انزل اللہ ہونا ائمہ اہل البیت کی روایات سے ثابت کیا ہے۔ اور متعدد آیات اس ضمن میں گنوائی ہیں۔ جیسے کہ میں نے تمہ میں ان کو مفصل طور پر ذکر کر دیا ہے لہذا یہ دعوی بھی تقیہ۔ دھوکہ دہی اور فریبکاری پر مبنی ہے کہ آپ نے اس کو صرف اس قدر اختلاف کے ساتھ جمع کیا تھا کہ ترتیب نزولی کو ملحوظ رکھا۔

۳۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ والی روایت میں تصریح ہے کہ حضرت عمر کے مطالبہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اب وہ قرآن تمہارے پیش نہیں کیا جا سکتا۔ ہم نے حجت قائم کرنی تھی وہ کر دی اور قیامت کے دن تمہارے لئے عذر کی کوئی گنجائش نہ چھوڑی کہ ہم اصل قرآن سے غافل تھے یا یہ کہ علی مرتضی نے ہمیں دکھلایا نہیں تھا تا آنکہ فرمایا کہ اب یہ قرآن صرف مہدی کے ذریعے لوگوں کے سامنے ظاہر کیا جائے گا اور وہ لوگوں کو اس کے مطابق عمل پر برانگیختہ اور آمادہ کریں گے اور دین اس کے مطابق جاری ہوگا۔ جس سے دونوں کا احکام میں اختلاف بھی واضح اور صحابہ کے جمع کردہ قرآن پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ناراضگی بھی ظاہر اور واضح تو ڈھکو صاحب کا یہ دعوی کہ وہ قرآن یہی ہے۔ کس قدر مضحکہ خیز ہے اور جواب سے مکمل بے بسی کا منہ بولتا ثبوت۔ حضرت شیخ الاسلام اور میری بیان کردہ روایات کو پھر غور سے پڑھیں اور روایات تحریف کے متعلق شیعی دعوی اور خود حضرت علی کی طرف منسوب روایات کا بنظر غائر مطالعہ کریں۔ اور مجتہد صاحب کے اجتہادی غبارے سے ہوا خارج ہوتی دیکھیں۔

تنبیہہ : ۹۔

اپنی روایات کو ہاتھ لگائے بغیر اہل السنت کے حوالے پیش کرنا کس قدر شرمناک ہے پہلے اپنی روایات کا جواب دو بعد میں کوئی روایت معتد بہا بطور تائید پیش کرو تو بجا ہے لیکن اپنی روایات کے متعلق چپ سادھ لینا تو جواب نہیں کہلا سکتا۔ ہمارے نزدیک نہ کوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تحریر فرمودہ مصحف موجود ہے اور نہ ہی کوئی امام چھپا ہوا ہے جس کے پاس وہ محفوظ ہے اور نہ ہی اس کے ظہور پر دین میں کسی تبدیلی اور نئے قرآن کے ظہور کا

Marfat.com

امکان ہے۔ لہٰذا امام سیوطی وغیرہ کا حوالہ اس ضمن میں پیش کرنا ڈھکو صاحب کے لئے قطعاً کارآمد نہیں۔

ب: جو قرآن آپ نے جمع فرمایا تھا اس وقت بھی اس کو ایک علمی خزانہ اس لحاظ سے قرار دیا گیا کہ اس سے ناسخ و منسوخ کا پوری طرح علم ہوجاتا لیکن منسوخ التلاوۃ آیات جمع کئے جانے کی صورت میں اس مجموعہ کو قرآن اور وہ بھی اصلی کون کہہ سکتا ہے؟ پھر جب حسب اعتراف علامہ ڈھکو صاحب اس میں تفسیری نوٹ بھی تھے تو وہ قرآن کہلانے کی بجائے ایک علمی اور تفسیری خزانہ تھا جس طرح دیگر اکابر نے تفاسیر لکھ کر امت کی بھلائی اور خیرخواہی فرمائی لیکن قرآن بہر حال خالص طور پر جمع ہونا چاہیئے تھا۔ جس کا اعجاز دلیل نبوت بنتا اور مسلسل نظم و عبارت کی تلاوت نماز وغیرہ میں کی جاسکتی ہے۔ مثلاً اس دور میں قرآن مجید کو کوئی شخص مختلف موضوعات کے مطابق جمع کردے۔ توحید باری اور اس کی صفات کمال پر مشتمل آیات الگ جمع کردے۔ عظمت رسالت پر مشتمل آیات علیحدہ جمع کردے وعلیٰ ہٰذا القیاس تو اسے علمی کارنامہ تو ضرور قرار دیں گے لیکن قرآن تو نہیں کہیں گے لہٰذا صحابہ کرام علیہم الرضوان کی عظیم اکثریت کے ساتھ آپ نے بھی اتفاق فرمایا اور اپنا مجموعہ تلف فرما دیا ؎

اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

لیکن چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد کے مصداق ڈھکو صاحب الٹا ہمیں افسانہ بنانے کا ذمہ دار ٹھہرا رہے ہیں گویا اصول کافی، احتجاج طبرسی اور تفسیر صافی وغیرہ ہم نے لکھ کر یہ افسانہ تیار کیا ہے۔ آخر شرم بھی کوئی شے ہے یا نہیں؟

ج: جب مولائے مرتضیٰ کے دور امامت میں سبائی سازش سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جمع کردہ قرآن کے متعلق بعض لوگوں نے چہ میگوئیاں شروع کیں تو ان کا سختی سے رد کرتے ہوئے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں جمع قرآن اور اس کی تالیف کے متعلق کسی قسم کے شکوک و شبہات کا اظہار مت کرو کیونکہ جو کچھ انہوں نے کیا وہ ہمارے صلاح و مشورہ سے کیا۔

Marfat.com

عن سوید بن غفلة قال علی رضی الله عنه لاتقولوا فی عثمان الاخیرا فوالله ما فعل الذی فعل فی المصاحف الاعن ملائنا قال ما تقولون فی هذه القراءة فانه بلغنی ان بعضهم یقول ان قراءتی خیر من قراءتك وهذا ایکاد یکون کفرًا قلنا فما تری قال اری ان اجمع الناس علی مصحف واحد فلا تکون فرقة ولا اختلاف قلنا نعم مادءیت۔

حضرت عثمان کے حق میں صرف خیر اور بھلائی کے کلمات کہو کیونکہ انہوں نے مصاحف کے متعلق جو کچھ کیا وہ ہمارے مشورے سے کیا انہوں نے ہم سے مشورہ طلب کرتے ہوئے کہا اس قرأت کے متعلق تمہاری رائے کیا ہے کیونکہ مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ بعض لوگ دوسروں کو کہتے ہیں کہ میری قرأت تیری قرأت سے اچھی اور بہتر ہے۔ اور یہ بات تو کفر کے قریب پہنچ جاتی ہے ہم نے کہا پھر تمہاری رائے کیا ہے آپ نے کہا میرا خیال یہ ہے کہ لوگوں کو ایک ہی مصحف پر جمع کر دیا جائے تاکہ اختلاف وافتراق ختم ہو جائے ہم نے کہا جو آپ نے سوچا ہے وہ بہت خوب ہے۔

(الاتقان جلد اول صہ ۵۹)

اور آپ کا ارشاد گرامی ہے:

"لو ولیت لعملت بالمصاحف التی عمل عثمان بہا۔"

ترجمہ: اگر (اس وقت) میں مسلمین کا والی ہوتا تو مصاحف کے ساتھ وہی سلوک کرتا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا۔

اسی لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد امجاد اور اہل بیت کے ہاں اس مصحف کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔ قال ابن سیرین تطلبت ذلك الکتاب وکتبت فیه الی المدینة فلم اقدر علیه۔ (الاتقان جلد اول صہ ۵۹)

Marfat.com

ابن سیرین فرماتے ہیں میں نے اس کتاب کو بہت تلاش کیا اور ڈھونڈا اچھالا اور مدینہ منورہ خطوط لکھے لیکن میں اس کی تلاش میں ناکام ہی رہا

مگر یار لوگوں نے صحابہ کرام علیہم الرضوان میں اختلاف و نزاع ثابت کرنے کے لئے اور امت محمدیہ کے یہود و نصاریٰ کی طرح کتاب اللہ میں باہم اختلاف کو ثابت کرنے کے لئے اس کو بمع امام غائب کر دیا اور بارہ صدیاں ہونے کو ہیں کہ نہ امت کو امام کا چہرہ دیکھنا نصیب اور نہ اصلی قرآن کی صورت نظر آئی اور انشاء اللہ العزیز قیامت تک یہ حسرت اسی طرح باقی رہے گی۔!

یہود کی انتقامی کاروائی:

دراصل قرآن مجید نے یہود پر تحریف کا الزام لگایا کہ وہ تورات میں ثمن قلیل حاصل کر کے تغیر و تبدیل کر لیتے ہیں کچھ چھپا لیتے ہیں۔ ان الذین یکتمون ما انزلنا الا یۃ اور بعض کلمات کو ان کی جگہ سے بدل دیتے ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ: یحرفون الکلم عن بعض مواضعہ" تو انہوں نے اس کا بدلہ لینے کے لئے عبد اللہ بن سبا یہودی کے ذریعے اہل اسلام میں یہ عقیدہ رائج کر دیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پورا قرآن غائب کر دیا اور دوسرے صحابہ نے اس میں تحریف کر دی تاکہ اہل اسلام میں عظیم ترین شخصیات اور مقتدایان امت کو اس سے بھی شدید طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جا سکے جس قسم کا طعن اہل اسلام کی طرف سے یہود پر تھا اور مدعیان اسلام کی ایک جماعت بغیر سوچے سمجھے اس ڈگر پر چل نکلی اور یہود کی سازش کو کامیاب بنا دیا۔

مگر پھر بھی پرنالہ وہیں رہا:

ڈھکو صاحب فرماتے ہیں بس وہی قرآن جو ذرا ترتیب میں مختلف ہے اس کو امام مہدی ہمراہ لائیں گے۔ اگر احکام کے لحاظ سے اس قرآن میں جو حضرت مہدی کے پاس ہے فرق نہیں اور نہ آیات کے لحاظ سے تو پھر دوبارہ اس کو ظاہر کرنے کی ضرورت

Marfat.com

کیوں پڑے گی ..... رہے تفسیری نوٹ تو ہر امام دوسرے ائمہ کے علوم کا وارث ہوتا ہے اور عالم اسرار بھی اور عالم ما کان ما یکون بھی علاوہ ازیں جب ائمہ کی روایات سے محشی اور لمبی چوڑی تفاسیر بھی اور بہترین چھپائی والے اور عمدہ کاغذوں والے قرآن بھی موجود ہیں تو چودہ صدیاں پرانے قلمی اور انتہائی سادہ کاغذ پہ لکھے ہوئے قرآن کو امت کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت کیا ہوئی کیا محض تبرک کے طور پر امت کو دینا مقصود ہوگا۔

نیز یہ قرآن اس وقت کالعدم کر دیا جائے گا یا باقی رہے گا پہلی صورت میں مذہب شیعہ پہ ڈالا جانے والا تلبیس کا پردہ چاک ہوگیا اور دوسری صورت میں بیک وقت دو قرآن رائج کرنا لازم آئے گا جو ترتیب وغیرہ میں بالکل مختلف تو کیا یہ یہود کی تورات اور عیسائیوں کی انجیل والا معاملہ نہیں ہو جائے گا۔ کوئی عام عقلمند آدمی بھی یہ صورت برداشت نہیں کر سکتا چہ جائے کہ امام اور آخری امام اور صدیوں سے انتظار کرا کرا کر باہر تشریف لانے والا امام اور بقول شیعہ رسول معظم، علی المرتضیٰ اور دیگر ائمہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر انتظامی امور میں دسترس رکھنے والا امام۔

تنزیہہ الامیہ ——————— ڈھکو صاحب

ان حقائق کی روشنی میں واضح ہوگیا کہ پیر صاحب کی یہ رجز خوانی بے جا ہے کہ "جو قرآن کہ سیدنا حضرت عثمان نے جمع فرمایا جو ہمارے سینوں میں موجود ہے سات سال عمر کے بچے پڑھتے ہیں۔ الخ ....

معلوم ہوگیا کہ یہ اہل السنت کی کوئی خصوصیت نہیں ہے بلکہ یہی قرآن شیعان حیدر کرار کے سینہ ہائے بے کینہ میں بھی موجود ہے اور بحکم ائمہ اطہار ہماری مساجد اور ہمارے مدارس میں بچوں سے بوڑھوں تک اسے پڑھتے اور پڑھاتے ہیں۔ ہمارے علماء اعلام اس سے احکام شرعیہ کا استنباط کرتے ہیں اسی کی تفسیریں لکھتے ہیں۔ اسی قرآن کو شیعہ حق و باطل کا معیار اور صحیح اور سقیم احادیث کے معلوم کرنے کا میزان سمجھتے ہیں۔
(ص: ۹۰)

Marfat.com

۱۔ ڈھکو صاحب فرماتے ہیں ان حقائق کی روشنی میں واضح ہوگیا کہ پیر صاحب کی رجز خوانی بے جا ہے مگر وہ حقائق ہیں کہاں اور اگر اس فریب کاری کا نام حقائق ہے تو جہاں میں باطل اور ناحق کا تو پھر نام ونشان نہیں ہے۔

۲۔ رہا یہ دعوٰی کہ ہماری مساجد اور مدارس میں بچوں سے بوڑھوں تک اسی کو پڑھتے ہیں ہمیں تو کوئی علامہ تمہارا ابھی صحیح قرآن پڑھتا نظر نہیں آیا حافظ ہونا تو دور کی بات ہے۔ اور پورے عالم تشیع میں جب ایک حافظ بھی نہ مل سکے تو حضرت شیخ الاسلام کی رجز خوانی بالکل بجا ہے۔ رہ گئی تفسیروں کا معاملہ تو جب انہیں میں ہی اس کو محرف ومبدل اور خلاف ما انزل ثابت کیا گیا ہے تو تفاسیر لکھنے کا اصل مقصد بھی واضح ہوگیا۔

۳۔ ڈھکو صاحب نے دعوٰی فرمایا کہ یہی قرآن شیعہ کے نزدیک حق وباطل کا معیار ہے اور صحیح وسقیم احادیث کو معلوم کرنے کا میزان۔

سبحان اللہ جنہوں نے جمع کیا اور امت پر یہ احسان عظیم فرمایا ان پر تو سب وشتم اور ان کے ایمان وعقیدہ اور عمل وکردار پر اعتراض اور انہیں ہر خیر اور نیکی سے محروم تسلیم کریں اور ان کے عطا کردہ قرآن کو اس قدر اہمیت دیں کیا صاحب فصل الخطاب کی نہ سنی کہ ایسے لوگوں سے صحیح قرآن کا ہاتھ لگنا عادت ممتنع اور محال ہے اگر وہ خلافت وامامت جیسے اہم امر دینی کو نظر انداز کر سکتے ہیں تو قرآن میں کتر بیونت کیوں نہیں کریں گے نیز روایات کے معاملہ میں اگر اس کا میزان ہونا مسلم ہے۔ تو اس کی قلعی فضائل صحابہ میں کھل جائے گی۔ وہاں ہم مجتہد صاحب سے دریافت کریں گے کہ جن روایات کو رد کیا جا رہا ہے وہ قرآن کے مطابق ہیں یا جو ردمیں پیش کی جارہی ہیں الغرض یہ محض کہنے کو ہے عملاً اس کا نام ونشان بھی ڈھکو صاحب اور ان کے ہم مسلک لوگوں میں نظر نہیں آتا۔

Marfat.com

محمد حسین ڈھکو

تنزیہ الامامیہ

تراویح بدعت عمر ہے:

ہاں البتہ ہم شیعان علی نیر سیالوی کے ہم مسلک حضرات کی طرح ماہ رمضان میں تراویح کے اندر قرآن ختم نہیں کرتے کیونکہ یہ نماز سنت رسول نہیں بلکہ بدعت عمر ہے (ملاحظہ ہو بخاری شریف ج ا صلا۲۶ طبع دہلی) اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا راستہ جہنم کی طرف جاتا ہے۔
(کنز العمال صلا۱۱ ج ا) (ص: ۴۰۰)

تحفہ حسینیہ

الجواب وہو الموفق للصدق والصواب:

ہاں جی آپ کے ہاں فرائض میں باجماعت ادائیگی بھی مروج نہیں ہے تو اتنی لمبی نماز باجماعت اور اس میں ختم قرآن کی تکلیف آپ کو کیسے گوارا ہو۔ لیکن دریافت طلب امر یہ ہے کہ جب بدعت گمراہی ہے اور اس کا راستہ جہنم کو جاتا ہے تو حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ نے اس راستہ پر چلنے سے لوگوں کو منع فرمایا یا نہ؟ منع فرمایا اور شان امیری اور حاکمانہ اختیار استعمال فرمایا ہے تو ثبوت فراہم کرو اور نہیں تو جو ہستی حاکم شرع اور امیر المومنین ہو کر لوگوں کو جہنم جانے سے نہ روک سکے اس کو امیر المومنین رہنے کا کیا حق پہنچتا ہے۔ اور اگر از راہ مصلحت خاموشی اختیار فرمائی تاکہ اپنی خلافت و امامت میں خلل نہ پڑے خواہ اپنی رعایا جہنم واصل کیوں نہ ہو تو ایک چال باز اور حیلہ ساز حکمران میں اور آپ میں نعوذ باللہ کیا فرق رہ جائے گا؟ جب وہ لشکری بیچارے آپ کے حکم پر ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف تلوار اٹھا لیتے تھے۔ حضرت طلحہ جیسے جانثار اور محافظ رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم اور حواری رسول علیہ السلام۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف تلوار اٹھا لیتے تھے تو تراویح جیسے معاملہ میں آپ کے کہنے پر عمل کیونکر نہیں کرتے تھے۔ لہٰذا ڈھکو صاحب آپ تراویح نہ پڑھیں فرض بھی چھوڑ دیں وہ آپ کا معاملہ خدا سے ہے لیکن تراویح کے متعلق یہ فتویٰ صادر کرکے اپنے ساتھ بھلا کیا ہے اور نہ جن ائمہ کی طرف نسبت کا دعویٰ کرتے ہو ان کے سردار

Marfat.com

اور امام کے ساتھ کسی اچھی روش کا مظاہرہ کیا ہے کیونکہ ان کو شیر خدا کہہ کر اتنا بے بس ثابت کرنا اور ان کے ڈر اور خوف سے مبرا اور منزہ ہونے اور حق کی خاطر سب کچھ قربان کر دینے کے بار بار دعوے کرتے (نہج البلاغہ میں بکثرت موجود اور باب التقیہ میں ان کا ذکر بھی ہو چکا) کے باوجود انہیں مصلحت کوش اور منفعت اندیش ثابت کرنا بدترین دشمنی ہے۔ انہیں مصلحتوں کی طرف تو حضرت ابن عباس نے توجہ دلائی تھی کہ وقتی طور پہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کو گورنری دے دو اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام کا گورنر رہنے دو جب قدم جم جائیں تو پھر ان کو الگ کر دینا لیکن آپ نے ضمیر اور دل کی آواز کے خلاف کرنا گوارا نہ کیا اور ہر مشکل سے مقابلہ کرنے کی ٹھان لی تو کیا تراویح کا معاملہ آپ کے لئے زیادہ مشکل تھا یا لشکریوں کے لئے اتنا اہم تھا۔ سچ ہے۔

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

Marfat.com

فصل ششم

تنزیہہ الامامیہ ——— ڈھکو صاحب

روایات موہم تحریف کے حلی جوابات

پہلا جواب:

ان روایات میں سے کوئی ایک بھی صحیح السند نہیں ہے بلکہ وہ سب کی سب ضعیف ہیں اس لئے وہ ناقابل استدلال ہیں۔

دوسرا جواب:

یہ روایات اختلاف قرأت پر محمول ہیں یعنی جن روایات میں وارد ہے کہ فلاں آیت اس طرح نازل ہوئی اور فلاں اس طرح ان کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے قاریوں کے بالمقابل ائمہ اہلبیت کی قرأت یہ ہے۔

تیسرا جواب:

یہ روایات تاویل پر محمول ہیں یعنی جن روایات میں یہ وارد ہے کہ فلاں آیت یوں نازل ہوئی ہے۔ اور فلاں یوں تو یہاں تنزیل سے مراد تاویل ہے۔۔۔۔۔ بنابریں جن روایات میں قرآنی آیات کی تعداد زیادہ مذکور ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ اگر ان وضاحتی بیانات ... ت کے ساتھ شامل کیا جائے قرآن کی مقدار اتنی بن جاتی ہے (ص: ۴۰۰، ۱۴۱)

Marfat.com

پیش کردہ روایات کے جواب میں تحکم اور سینہ زوری

پہلا جواب اور اس کا رد:

یہ ہے کہ ان روایات میں سے کوئی ایک بھی صحیح نہیں ہے بلکہ سب کی سب ضعیف ہیں لیکن جس مذہب کی متداولہ اور معتبرہ کتب کی دو ہزار سے زاید روایات اور وہ بھی اہل بیت سے مروی ہوں اور درجہ شہرت بلکہ تواتر تک پہنچی ہوئی ہوں اور پھر بھی نا قابل اعتبار ہوں تو آخر وہ مذہب کیسے قابل اعتبار ہو سکتا ہے۔ صاحب فصل الخطاب نے کہا:

عندی ان الاخبار فی هذا الباب متواترة المعنی وطرح جمیعها یوجب رفع الاعتماد عن الاخبارات بل ظنی ان الاخبار فی هذا الباب لا تقصر عن اخبار الامة فکیف یثبتونها بالاخبار ص ۳۵۲

میرا نظریہ یہ ہے کہ تحریف کے متعلق متواتر المعنی روایات وارد ہیں اور ان سب کا نظر انداز کرنا روایات سے بالکل ہی اعتماد کو ختم کر دے گا اور میرے ظن اور گمان غالب کے مطابق تحریف کے باب میں وارد روایات امامت کے متعلق وارد اخبار و روایات سے کم اور قاصر نہیں ہیں لہذا اگر تحریف کے باب میں ان پر اعتماد نہیں تو باب امامت میں ان پر اعتماد کیسے کیا جا سکتا ہے۔

لیکن اگر ڈھکو صاحب تحریف اور امامت دونوں کی روایات کو ضعیف اور نا قابل اعتبار قرار دے دیں تو بیشک یہ بھی .... ت سنت ان کو شیخ صدوق، علم الہدیٰ اور محقق طوسی سے بڑا محقق تسلیم کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن فرق کرنے کی صورت میں منصف شیعہ بھی ان کو

Marfat.com

محقق تسلیم نہیں کرسکتے

کلینی مصرح کہ جو روایات میں نے ذکر کی ہیں میں ان کے متعلق وثوق ہے اور سردرق پر امام غائب حضرت مہدی کی مہر تصدیق بھی ثبت "ھذا کاف لشیعتنا" یہ ہمارے شیعہ کے لئے کافی ہے مگر ڈھکو صاحب کو وہ ضعیف نظر آرہی ہیں اور ناقابل اعتبار تو کہیں امام غائب بھی بے اعتبار و غیر معتمد علیہ تو نہیں بن گئے۔ آخر ان کا مقصد اس مہر تصدیق سے کیا تھا یہ کتاب ہمارے شیعہ کی ہدایت کے لئے کافی ہے یا گمراہی کے لئے۔؟

۲۔ شیخ صدوق اور شیخ مرتضیٰ سے قبل تمام تر شیعہ کا مذہب یہی تھا اور بعد میں بھی اکثریت اس کی قائل رہی اور رہے۔ تو جب مذہب یہی رہا ہے تو روایات کو ناقابل اعتبار کیسے قرار دیا جاسکتا ہے۔ روایات تو پہلے سے تھیں اور وہی اکابر ان کو روایات کرنے اور نقل کرنے والے تھے اور ان کے مطابق عقیدہ رکھنے والے لہذا واضح ہو گیا کہ یہ سب عند اکابر شیعہ معتمد علیہا ہیں اگر ان کو صحت و سقم کا پتہ نہیں چلا تو آپ کو کیسے پتہ چل گیا؟ صاحب فصل الخطاب نے ان روایات میں ضعف کا قول کرنے والوں کا رد کرتے ہوئے کہا:

"فیہ ان ناقلھا فی الکتب ثقۃ الاسلام الکلینی وشیخہ علی بن ابراھیم وتلمیذہ النعمانی والکشی وشیخہ العیاشی والصفار وفرات بن ابراھیم والشیخ الطبرسی صاحب الاحتجاج وابن شھراشوب والثقۃ محمد بن العباس الماھیار و اضرابھم وھؤلاء اجل من ان یتوھم فیھم سوء فی العقیدۃ وضعف فی المذھب وفتور فی الدین وعلیھم تدور رحی آثار الائمۃ الاطھار" ص ۳۵۱

اس قول اور توجیہ میں سقم اور سخافت یہ ہے کہ ان روایات کے اپنی کتابوں میں نقل کرنے والے ثقۃ الاسلام محمد بن یعقوب کلینی اس کے شیخ علی بن ابراہیم قمی اور شاگرد نعمانی ہیں اور علامہ کشی اور اس کے شیخ صفار اور فرات بن ابراہیم۔ شیخ طبرسی صاحب الاحتجاج اور ابن شہر اشوب اور ثقہ محمد بن عباس ماہیار اور

Marfat.com

ان جیسے دوسرے لوگ اوران کا شان اس سے ارفع اور مرتبہ و مقام اس سے بلند وبالا ہے کہ ان کے متعلق بدعقیدگی یا مذہب میں کمزوری اور دین میں فتور کا گمان کیا جا سکے حالانکہ انہیں پر ائمہ اطہار کے آثار کی چکی گردش کرتی ہے ۔ اور ہر بچھلا محدث انہیں کا بقیہ نوش جان کرنے والا ہے ۔ اور ہر فقیہ انہیں کے دستر خوان فیض کا ریزہ چیں ہے ۔

الغرض خود شیعی علماء کے نزدیک روایات میں ضعف کا قول درست ہے اور نہ ان کے ناقلین پر بداعتمادی کا کوئی جواز اور امکان اس لئے ڈھکو صاحب کا جواب باطل ہے ۔ اور مذہب شیعہ کی رو سے حق پوشی کی ناکام کوشش ۔ وائے بدقسمتی علامہ موصوف کی کہ اپنے علماء پہلے ہی اس کے فرار کی راہیں مسدود کر گئے اور ہیرا پھیری کی گنجائش ختم کر گئے ۔

دوسرا جواب اور اس کا رد :

یہ روایات اختلاف قرأت پر مبنی ہیں اگر یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو متعدد قرأتوں میں پڑھنے کی رخصت دی ہے تو شیعہ مذہب میں یہ قطعاً قابل قبول توجیہ نہیں ہے کیونکہ وہ صرف ایک ہی قرأت کے قائل ہیں ۔

ا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے متعلق امام ابوعبداللہ جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت اصول کافی جلد ۲ ص۶۳۴ پر یوں منقول ہے ۔

"ان کان ابن مسعود لا یقرأ علی قراءتنا فهو ضال فقال ربیعة ضال؟ فقال نعم ضال ثم قال ابو عبد الله اما نحن فنقرأ علی قراءة ابیّ ۔"

"اگر عبداللہ بن مسعود ہماری قرأت پر قرآن مجید نہیں پڑھتے تو وہ گمراہی کا شکار ہیں ربیعہ نے حیران ہو کر دریافت کیا گمراہ ہیں؟ تو آپ نے فرمایا ہاں وہ گمراہ ہیں ۔ بعدازاں فرمایا کہ ہم ابی بن کعب کی قرأت کے مطابق پڑھتے ہیں ۔"

Marfat.com

لہٰذا اس کے خلاف صحابی اور تلمیذ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پڑھے تو وہ بھی گمراہ تو دوسروں کے لئے مختلف قرأت پر پڑھنے کی رخصت کیوں کر ہو سکتی ہے؟ اس مضمون کی مزید روایات بھی ملاحظہ کرتے چلیں۔

۲۔ فضیل بن یسار کہتے ہیں میں نے امام ابو عبداللہ سے عرض کیا لوگ کہتے ہیں "ان القرآن نزل علی سبعۃ احرف" قرآن سات قرأتوں پر نازل ہوا ہے تو آپ نے فرمایا وہ اللہ کے دشمن جھوٹے ہیں قرآن صرف ایک قرأت پر نازل ہوا ہے۔ کذبوا اعداء اللہ ولکنہ نزل علی حرف واحد من عند الواحد"۔

۳۔ زرارہ امام باقر رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ آپ نے فرمایا "ان القرآن واحد نزل من عند واحد ولکن الاختلاف یجیئ من قبل الرواۃ" یقیناً قرآن بھی ایک ہے، نازل بھی ذات واحد کی طرف سے ہوا ہے لیکن اختلاف ناقلین کی طرف سے آجاتے۔ اصول الکافی ص ۶۳۰ جلد ۲

مطلب واضح کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے متعدد قرأت کی اجازت ہوتی تو راویوں کی طرف اختلاف منسوب نہ کیا جاتا اور قرأت واحدہ کی یہ دلیل بھی بے محل ہو کر رہ جاتی کہ بھیجنے والا واحد ہے۔ لہٰذا قرآن بھی واحد ہے اس لئے یہ جواب گلو خلاصی کا فائدہ نہیں دے سکتا کیونکہ شیعہ مذہب پر مبنی نہیں ہے۔

۴۔ اگر قرأت مختلفہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرخص تھیں تو پھر دوسری قرأتوں کا مذاق نہ اڑایا جاتا اور ان کو خلاف ما انزل اللہ کے عنوان کے تحت درج نہ کیا جاتا۔ کنتم خیر امۃ کے متعلق کیسے تبصرہ کیا گیا کہ یہ امت بھی خیر ہو سکتی ہے جس نے اپنے ائمہ کو شہید کیا اور واجعلنا للمتقین اماما کے متعلق کہا گیا کہ سوال میں حد سے تجاوز ہے اور معقبات من بین یدیہ اور یحفظونہ من امر اللہ پر بھی اعتراض کہ معقب سامنے سے ہو ہی نہیں سکتا اور نہ اللہ کے امر سے کسی کی حفاظت کی جا سکتی ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں قرأت کی تعداد ملحوظ رکھ کر یہ نہیں کہا گیا بلکہ موجودہ قرآن کو ان خلاف عقل امور پر مشتمل ثابت کر کے اس کے اصل تنزیل کے خلاف ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے لہٰذا ڈھکو صاحب کا یہ جواب مذہب شیعہ کی رو سے قطعی غلط اور ناقابل اعتبار ہے۔

Marfat.com

نوٹ:

تعدد قرأت کے مذہب شیعہ میں بطلان کی تفصیل ملاحظہ کرنی ہو تو فصل الخطاب مولفہ نوری طبرسی صد۲۱ تا ۲۲۵ کا مطالعہ کریں اور ڈھکو صاحب کی سینہ زوری بلکہ منہ زوری کی داد دیں کہنے کو تو تقیہ کو خنزیر کی طرح صرف موت کے خطرہ کے تحت استعمال کرتے ہیں مگر عمل اس کے بالکل برعکس ہے۔

تیسرا جواب اور اس کا رد:

جہاں یہ وارد ہے کہ فلاں آیت یوں نازل ہوئی تو اسکا مطلب یہ ہے کہ نازل تو اسی طرح ہوئی جیسے اہل السنت کے قرآن میں ہے مگر اس کا معنی یوں ہے۔ اللہ اللہ کہتے تو یہ ہیں کہ نازل اس طرح ہوئی اور مطلب ہوتا ہے کہ معنی اس طرح؟ اور پھر اس کو خلفاء ثلاثہ اور جامعین قرآن پہ الزام بنا لیتے ہیں اور موجب طعن و تشنیع بھی ۔

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

۱۔ صاحب فصل الخطاب نے اس تاویل اور توجیہ پر بھی مفصل بحث کی ہے اور مصحف علیؑ میں تاویل اور تفسیری اقوال یا احادیث قدسیہ کے اندراج کا رد کیا ہے۔ اس کا عنوان الدلیل الرابع قائم کیا ہے۔ اور صد۱۲۱ تا صد۱۳۶ ان توہمات کے رد میں سیاہ کئے ہیں اور صریح روایات بھی پیش کی ہیں۔

۱۔ خود شیخ صدوق نے عقائد میں نقل کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قرآن جمع کر کے فرمایا "ھذا کتاب ربکم لم یزد فیہ حرف ولم ینقص منہ حرف" اس قرآن میں نہ کسی حرف کی زیادتی کی گئی ہے اور نہ ہی کمی۔

۲۔ سلیم کی روایت میں ہے "ھذا کتاب اللہ عندی مجموعا لم یسقط منہ حرف" اور اس مضمون کی بہت سی روایات مختلف کتب سے نقل کی ہیں جن سے صاف ظاہر ہے کہ شیعہ کا مزعومہ مصحف جو صاحب الزمان کے پاس موجود ہے وہی اصلی قرآن ہے اور اس سے مختلف اور اس میں نہ تفسیری نوٹ ہیں نہ احادیث قدسیہ اور نہ ہی قرأت

Marfat.com

مختلفہ لھذا یقول کذا یعنی کہ ۱ ۔ والی توجیہہ جو ڈھکو صاحب نے ذکر کی ہے شیعی علماء بھی اس کے خلاف ہیں اور لغت اور عرف بھی اس توجیہہ کے خلاف ہیں کیونکہ لفظ اور معنی مرادی میں کوئی مناسبت تو ہونی چاہیئے ۔

۲۔ تاویل مذکور اس صورت میں درست ہو سکتی تھی جب ائمہ اہل بیت کو جامعین قرآن کے ساتھ اس کے معنی میں اختلاف ہوتا خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم ایک معنی بیان کرتے اور ائمہ کرام دوسرا معنی جب قطعاً اس طرح کا کوئی اختلاف درپیش نہ تھا تو ان پر تاویل کے لحاظ سے طعن و تشنیع کا کیا مطلب ہو سکتا تھا اور انہیں تحریف اور تغییر و تبدیل کا مرتکب کیوں کر قرار دیا جا سکتا تھا اسی ضعیف اور کمزور پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے علامہ نوری طبرسی نے فصل الخطاب صفہ ۲۵ پر کہا :

"لم نعثر علی التحریف المعنوی الذی نعلمه الخلفاء الذین نسب الیهم التحریف فی تلک الاخبار فی ایة او اکثر و تفسیرهم لها لغیر ما اراد الله منها ولو وجد فذالک کان فی غایة القلة وانما شاع التحریف المعنوی والتفسیر بالرأی والاهواء فی الطبقات المتاخرة عنهم ۔الخ"

ہم کسی تحریف معنوی پر مطلع نہیں ہوئے جو ان خلفاء نے کی ہو جن کی طرف ان روایات میں تحریف کی نسبت کی گئی ہے نہ ایک آیت میں اور نہ زیادہ میں اور نہ ایسی تفسیر پر جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے برعکس کی ہو ، اور اگر پائی بھی گئی ہو تو وہ انتہائی قلیل ہے اور تحریف معنوی یا تفسیر بالرائے خلفاء کے بعد والے ادوار میں شائع ہوئی ۔

علی ہذا القیاس ائمہ کے اقوال کو ان روایات میں تفسیری نوٹس پر محمول کرنا اور کثرت تعداد آیات کا محمل احادیث قدسیہ کو بنانا بھی بعید ہے اسی لئے صاحب فصل الخطاب نے کہا ،

لعمری کیف یجترؤن علی التکلفات الرکیکة فی تلک الاخبار

Marfat.com

مثل ما قیل ان الایات الزائدۃ عبارۃ عن الاخبار القدسیۃ (الی) فی خبر لم یکن ان الاسماء کانت مکتوبۃ علی الهامش علی التفسیر" ص ۲۵۳۔

مجھے اپنی زندگانی کی قسم منکرین تحریف ان روایات میں کیوں کر تکلفات رکیکہ کا ارتکاب کرتے ہیں مثلاً یہ کہ آیات زائدہ سے مراد احادیث قدسیہ ہیں یا سورہ لم یکن والی روایت کا مطلب یہ ہے کہ ان ناموں کو مصحف علی کے حاشیہ پر بطور تفسیر لکھا گیا تھا یعنی روایات ائمہ قطعاً ایسی تاویلات کی گنجائش نہیں رکھتیں۔

تنزیہ الامامیہ ——— ڈھکو صاحب

ان روایات کے الزامی جوابات:

این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

یعنی جس طرح ہمارے ہاں ایسی روایات ملتی ہیں جو موہم تحریف ہیں ویسے ہی ان کے ہاں بھی ملتی ہیں جن کا ایک شمہ ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں لہٰذا جو جواب یہ حضرات ان روایات کا پیش کریں وہی ہماری طرف سے سمجھ لیں اور اگر اس قسم کی روایات کے باوجود ان کے ایمان بالقرآن پر کوئی خلل نہیں پڑتا تو ہمارے ایمان میں کیوں خلل واقع ہو سکتا ہے اس اجمال کی بقدر ضرورت تفصیل یہ ہے کہ۔

روایات اہلسنت کے مطابق موجودہ قرآن ناقص ہے:

تفسیر اتقان طبع مصر جلد ۱ ص ۶۵ اور طبع لاہور ص ۲۱۶ پر عبداللہ بن عمرؓ کی زبانی منقول ہے کہا:

"لا یقولن احدکم قد اخذت القرآن کلہ وما یدریہ ما کلہ قد ذہب منہ قرآن کثیر"

Marfat.com

کوئی شخص یہ نہ کہے کہ میں نے پورا قرآن پا لیا ہے۔ اسے کیا خبر کہ پورا قرآن کس قدر تھا۔ قرآن کا بہت سا حصہ تو ضائع ہو گیا۔

(ص: ۴۱)

تحفہ حسینیہ ———— محمد اشرف السیالوی

ع تو کار زمیں را نکو ساختی ۔ کہ با آسماں نیز پرداختی

اپنی مذہبی متواتر روایات کا اور اکابر مذہب کے عقیدۂ تحریف کا جواب تو نہ بن سکا لیکن ڈھکو صاحب نے الزامی کارروائی شروع کر دی جس میں جعل سازی۔ دھوکہ دہی اور تلبیس سے کام لیا ہے۔ ہم نے صرف شیعہ مذہب کی کتابوں سے عبارات پیش کی ہیں۔ الزامی کارروائی تب ممکن ہے جب کسی اہل السنت والجماعت عالم کا یہ قول ثابت کریں کہ وہ قرآن مجید میں تحریف کے قائل ہیں اس کے بعد ان کی کتابوں سے روایات پیش کرتے کا انہیں پورا پورا حق حاصل ہے لیکن مذہب بیان کئے بغیر ان کی کتب میں مذکور و منقول روایات سے اپنے طور پر مطلب کشید کر کے الزامی کارروائی کرنا اسی کے لئے ممکن ہے جو برہان اور الزام کا معنی ہی نہ سمجھتا ہو۔

محل نزاع کا تعین اور حقیقت حال کی وضاحت یعنی

نسخ یا تحریف

جو قرآن مجید وقتاً فوقتاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا رہا اور تئیس سال میں مکمل ہوا وہ پورے کا پورا اب اہل اسلام کے پاس موجود نہیں اس پر شیعہ اور اہل السنت والجماعت کا اجماع و اتفاق ہے لیکن شیعہ کے نزدیک اس قرآن مجید میں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے تصرف کیا اور اسے اپنی مرضی کے مطابق بناتے کے لئے کچھ کہیں بڑھا دیا اور کہیں کمی کر دی اور اس وجہ سے ان کو منافق اور ملحد کے القابات سے یاد کیا گیا۔

Marfat.com

نعوذ باللہ من ذلک۔

لیکن اہل السنۃ والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی بعض نازل شدہ آیات کو بعض مصلحتوں اور حکمتوں کے پیش نظر منسوخ فرمادیا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لوح قلب سے محو فرمادیا "کما قال تعالیٰ ماننسخ من آیۃ اوننسھا نات بخیر منھا" جو آیت ہم منسوخ کریں گے یا اس کو بھلوائیں گے تو اس سے بہتر لائیں گے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: "سنقرئک فلا تنسیٰ الا ما شاء اللہ۔" عنقریب ہم آپ کو پڑھائیں گے تو آپ نہیں بھولو گے مگر جو اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ الغرض ان آیات مبارکہ سے اور قانون فطرت اور آئین قدرت کو دیکھتے ہوئے یہ حقیقت تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ جس طرح پہلے انبیاء و رسل کے ادوار میں احکام کو حسب مصالح و حکم تبدیل کرتا چلا آیا ہے۔ زمانہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی اس نے مختلف ادوار اور مواقع پر تبدیلیاں فرمائیں اور کلام مجید کی آیات کا نسخ اور انساء بھی اس ضمن میں پایا گیا۔

اقسام نسخ:

پھر آیات مبارکہ باعتبار نسخ کے تین قسم ہیں۔

۱۔ جن کی تلاوت اور حکم دونوں منسوخ کر دیے گئے ہیں۔

۲۔ صرف تلاوت منسوخ کی گئی اور حکم باقی رہا۔

۳۔ حکم منسوخ کر دیا گیا لیکن تلاوت باقی رکھی گئی۔ جبکہ شیعہ مذہب میں منسوخ التلاوۃ آیت کا کوئی نام و نشان نہیں ہے۔

اس پس منظر میں یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ آیات کی مقدار میں کمی اہل السنۃ والجماعت اور اہل تشیع کے درمیان محل نزاع نہیں ہے بلکہ صحابہ کرام کا عمل و کردار اس نسخہ کیمیا کے متعلق کیا تھا اس وقت بحث اس میں ہے چونکہ جو قرآن ہمارے پاس موجود ہے یہ خلفاء ثلاثہ کا ترتیب دیا ہوا اور جمع کیا ہوا ہے لہذا اگر وہ تحریف اور قطع و برید سے مبرا تھے اور افراط و تفریط سے محفوظ تھے۔ اور قرآن مجید بھی ان کو فرداً فرداً یا مجموعی طور پر یاد تھا تو پھر یہ قرآن قابل اعتماد

Marfat.com

ہے ورنہ نہیں۔ جب کہ شیعہ مذہب میں ان کو اس ضمن میں یہود و نصاریٰ سے بڑھ کر تحریف اور تغییر و تبدیل کا مورد الزام ٹھہرایا گیا ہے۔ اور اہل بیت کی دشمنی کی وجہ سے ان کے فضائل اور حقوق کے متعلق وارد آیات کا حذف کرنا بھی اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے ہے۔ اور اپنے فضائل و کمالات اور اپنے جاری کردہ مذہب کی حقانیت پر مشتمل آیات کا اضافہ بھی ان کے ذمے لگا دیا گیا ہے۔ ایسی صورت میں ڈھکو صاحب کا مذہب تحریف اور تغییر و تبدیل کا دعویٰ کرتا ہے جبکہ اہل السنۃ اس سے بری الذمہ ہیں اور مذہب اہل السنۃ میں اگر کوئی امر ثابت ہے تو وہ بعض آیات کی کمی ہے۔ اور وہ بھی اندر و نسخ و تلاوت لہٰذا اس سے مذہب اہل تشیع کا تحفظ کیوں کر ہو سکتا ہے۔

۲۔ نیز اہل تشیع نے تواتر کا اعتبار کئے بغیر قرآنیت اعتبار کر کے صحابہ کو مورد الزام ٹھہرایا جب کہ اہل السنۃ والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ قرآن نام ہے ان کلمات طیبات کا جو تواتر اور قطعیت کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوں تمام کتب اصول فقہ میں قرآن مجید کی تعریف کرتے ہو تصریح فرمائی:

"القرآن هو المنزل على الرسول المكتوب في المصاحف المنقول الينا نقلا متواترا بلا شبهة فيه ۔"

قرآن ان آیات مقدسہ کا نام ہے۔ جو رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئیں۔ مصاحف میں لکھی گئیں اور ہماری طرف تواتر کے ساتھ منتقل ہوئیں اور ان کے قرآن کا حصہ ہونے میں کسی قسم کا شبہ نہ پایا گیا ہو۔

لہٰذا اخبار آحاد جو بعض حروف یا آیات میں کمی یا زیادتی پر د۔ ت کرتی ہیں ان سے ہمارے مذہب میں تحریف کا دخیل ہونا لازم نہیں آتا

کیونکہ وہ خود ظنی ہیں ان سے کسی کلمہ کا جزو قرآن ہونا یونکر ثابت ہو سکتا ہے

۳۔ علاوہ ازیں شیعہ مذہب میں قرأت کا تعدد معتبر نہیں ہے جب کہ ہمارے نزدیک قرآن مجید میں سات قرأتیں متحقق ہیں اور قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

ـــ ـ القرآن على سبعة احرف " کا مصداق بھی انہیں کو قرار دیا

Marfat.com

گیا ہے۔ اور قراء سبعہ کی قراءت بطریق تواتر مروی اور منقول بھی ہیں لہذا ہمارے مذہب و مسلک کی رو سے تعداد میں کمی وبیشی کی یہ وجہ بھی ہے کہ اصل کلمہ تو ایک نازل ہوا لیکن تعداد قراءت نے اس کو متعدد بنا دیا مثلاً سورۃ فاتحہ میں مالک یوم الدین کو مَلِکِ یوم الدین اور مَلَکَ یوم الدین بھی پڑھا گیا ہے۔ لہذا مجموعی طور پر تین آیات بن گئیں اور اصل میں ایک اس لحاظ سے یہ کمی وبیشی قراءت کی طرف راجع ہوئی نہ کہ صحابہ کرام کی طرف سے تحریف اور تغییر و تبدیل کی طرف۔ اندریں حالات ڈھکو صاحب نے جو الزامی کارروائی کی ہے یہ سراسر دجل اور فریب کاری پر مبنی ہے اور مذہب اہل تشیع کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ مفسر شہیر علامہ سید محمود الوسی حنفی نے اپنی شہرہ آفاق تفسیر "روح المعانی" کے مقدمہ میں فرمایا:

"زعمت الشیعة ان عثمان بل ابابکر وعمر ایضا حرفوہ واسقطوا کثیرا من ایاتہ وسورہ فقد روی الکلینی۔ الخ

شیعہ کا دعویٰ باطل اور زعم فاسد یہ ہے کہ بیشک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بلکہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم نے قرآن مجید میں تحریف کی اور اس کی بہت سی آیات اور سورتوں کو حذف کر دیا ہے جیسے کہ کلینی نے روایت کیا (اور کلینی وغیرہ کی چند روایات پہلے ذکر کی جا چکی ہیں۔ محمد اشرف)

"فالقران الذی بایدی المسلمین الیوم شرقا وغربا وھو کرۃ الاسلام ودائرۃ الاحکام مرکزا وقطبا اشد تحریفا عند ھؤلاء من التوراۃ والانجیل واضعف تالیفا منھما واجمع للاباطیل۔"

روح المعانی جلد اول صـ ۲۳

پس وہ قرآن مجید جو آج شرق و غرب کے اہل اسلام کے ہاتھوں میں موجود ہے اور وہ کرہ اسلام کا قطب اور دائرہ احکام شرع کا مرکز ہے وہ ان لوگوں کے نزدیک تورات وانجیل سے زیادہ تحریف پر مشتمل ہے اور ان دونوں کی نسبت بھی ضعیف ترین تالیف ہے اور ان سے بھی زیادہ

Marfat.com

اباطیل پر مشتمل ہے۔

"وانت تعلم ان هذا القول اوهى من بيت العنكبوت وانه لاوهن البيوت ولا اراك فی مرية من حماقة مدعيه و سفاهة مفتريه ولما تفطن بعض علماء هم لما به جعله قولا لبعض اصحابه"۔

حالانکہ ہر ایک شخص جانتا ہے کہ یہ قول اور مذہب مکڑی کے جالا سے بھی ضعیف اور کمزور ہے۔ جب کہ وہ سب گھروں سے کمزور ترین گھر ہے اور مکان ہے اور ایسے مدعی کی حماقت اور ایسے مفتری کی سفاہت ہر شخص پر واضح ہے اور جب بعض علماء شیعہ نے اس قول اور مذہب کی شناعت وقباحت کو محسوس کیا تو اس کو اپنے بعض اصحاب کا قول قرار دے دیا جیسے کہ طبرسی نے مجمع البیان میں کہا اور علم المرتضی نے بھی اس کو نقل کیا۔

اور چونکہ طبرسی نے اہل السنۃ والجماعۃ کی طرف بھی قرآن مجید میں نقص اور کمی کے اعتراف کی نسبت کی تھی (جیسے کہ اس کی اقتداء میں ڈھکو صاحب نے بھی ایسا ہی کیا ہے) تو اس کا رد کرتے ہوئے علامہ آلوسی نے فرمایا:

"فاما ان نسبة ذلك الى قوم من الحشوية للعامة الذين يعنى بهم اهل السنة والجماعة فهو كذب او سوء فهم لانهم اجمعوا على عدم وقوع النقص فيما تواتر قرآنا كما هو موجود بين الدفتين اليوم"

رہا قرآن میں کمی کی نسبت عامہ حشویہ کی طرف کرنا جب کہ ان کی مراد اہل السنۃ والجماعت ہیں تو وہ کذب اور جھوٹ ہے اور نا سمجھی اور بد فہمی پر مبنی ہے کیونکہ اہل السنت کا اس پر اجماع ہے کہ وہ جو قرآن ہے اور تواتر کے ساتھ ثابت ہے اور دو تختیوں کے درمیان ہمارے سامنے موجود ہے [illegible] ہے۔

طبرسی کا منشاءِ غلط:

"نعم اسقط زمن الصدیق مالم یتواتر وما نسخت تلاوتہ وکان یقرءہ من لم یبلغہ النسخ ومالم یکن فی العرضۃ الاخیرۃ۔" صد ۲۴ جلد اول

ہاں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ اقدس میں وہ حصہ ساقط کر دیا گیا جو متواتر نہیں تھا اور وہ حصہ جس کی تلاوت منسوخ ہو چکی تھی لیکن جن کو نسخ کی اطلاع نہیں پہنچی تھی وہ بھی اس کی تلاوت کیا کرتے تھے اور وہ حصہ بھی جو (جبرئیل علیہ السلام) پہ آخری مرتبہ پیش کرنے اور باہم دور کرنے پر ترک کر دیا گیا تھا تو اس غیر متواتر کو یا منسوخ التلاوۃ کو یا عرضہ اخیرہ میں خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور جبرئیل علیہ السلام کے ساقط کرنے کی وجہ سے اس کو ساقط کیا گیا تو یہ قرآن میں صحابہ کرام کی طرف سے کمی اور نقصان نہیں بلکہ وہ قرآن تھا ہی نہیں یا تھا مگر بوجہ نسخ قرآن نہ رہا۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت اور دیگر روایات کا جواب:

ڈھکو صاحب کی پیش کردہ روایت کا جواب دیتے ہوئے علامہ آلوسی نے فرمایا:

"وعلیہ یحمل مارواہ ابو عبید عن ابن عمر (الی) والروایات فی ھذا الباب اکثر من ان یحصیٰ الا انھا محمولۃ علی ماذکرنا۔"

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی قول اور اس کے علاوہ اس مضمون کی کثیر التعداد روایات کا یہی جواب ہے کہ وہ غیر متواتر ہیں اور جو تواتر کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہ ہو وہ ہمارے نزدیک قرآن نہیں ہے اور یا وہ ان آیات کے قبیل سے ہیں جن کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے لہذا اس قسم کی روایات سے اہل السنت کو بھی تحریف کا قائل ثابت کرنا قطعاً غلط ہے اور سہ

ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے۔ کے مترادف ہے

Marfat.com

وَمَن لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِن نُّور   واين ذلك مما يقوله الشيخ الجسور

تنزیہہ الامامیہ ـــــــــــ ڈھکو صاحب

بحسب روایات اہلسنت سورہ ہائے قرآنی میں کمی

زمانہ پیغمبرؐ میں سورہ احزاب کی دو سو آیتیں پڑھی جاتی تھیں لیکن جب عثمان نے جمع کرائے تو صرف وہ آیات دستیاب ہوئیں جو اس وقت موجود ہیں۔ نیز "اتقان" کے ص۷۲ سے بروایت ابی بن کعب اس سورۃ کا بقدر سورہ بقرہ ہونا ثابت ہوتا ہے اس کی دو سو چھیاسی آیات ہیں یہاں نسخ والی تاویل بھی نہیں کی جاسکتی کیونکہ نسخ صرف زمانہ نبی میں ممکن ہے۔ اس کے بعد اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ کما لا یخفی۔

(ص: ۴۲)

تحفہ حسینیہ ـــــــــــ محمد اشرف السیالوی

یہ سب کچھ ڈھکو صاحب کی پانی میں مدانی ہے اور محل نزاع سے بے خبری یا دیدہ دانستہ حیلہ سازی اور تجاہل سے کام لیا ہے کیونکہ قرآن مجید کی آیات جتنی بھی کم ہوں یا زیادہ اس میں تو بحث ہی نہیں۔ بحث اس میں ہے۔ کہ اس میں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کردار کیا ہے؟ کیا حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ عثمان رضؓ نے آیات حذف کر دی ہیں؟ جب نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر اس کے پیش کرنے کا مقصد کیا رہا؟

علاوہ ازیں انہوں نے یہ بھی نہیں فرمایا کہ ابوبکر و عمر کے دور میں پڑھی جاتی تھیں۔ اب ڈھکو صاحب سے پوچھئے کہ منسوخ التلاوت آیات کو بیان کرنا ہو تو کیا کہیں گے زمانہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے پڑھی جاتی تھیں۔ ڈھکو صاحب غلط بات کرنے کی بجائے عقلمندوں کے نزدیک چپ رہنا ہی غنیمت ہوتا ہے آپ نہ چپ رہتے ہیں اور نہ بات کرنے سے

Marfat.com

پہلے اس کو سوچتے ہیں۔

تنبیہہ:

علامہ آلوسی کے حوالے سے میں نے مسلک اہل السنت واضح کر دیا ہے کہ ایسی روایات نسخ پر محمول ہیں اور اگر کہیں رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد کسی سے ان کی تلاوت ثابت ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی اس کو نسخ کی اطلاع نہیں ملی تھی نہ یہ کہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم اس کے نزدیک موردِ الزام ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے خود بعض آیات کے نسخ فرمانے کا اور انہیں لوحِ قلب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے محو فرمانے کا اعلان کر دیا تو اس کمی بیشی کا معاملہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے لے لیا" کما قال تعالیٰ "ما ننسخ من آیۃ او ننسھا نات بخیر منھا۔" اور اس کی مفصل تقریر پہلے ذکر کی جا چکی ہے خود شیعہ علماء نے اس آیت کریمہ کے تحت نسخ کے تین قسم بیان کئے ہیں۔ مجمع البیان جلد اول ص۱۸۰ اور منہج الصادقین جلد اول ص۲۰۲ پر اس کی تفصیل ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ منجملہ اس کے یہ بھی ہے کہ ایک شخص نے بارگاہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کیا کہ مجھے چند آیات کلام مجید سے یاد تھیں اور میں نماز تہجد میں ان کو پڑھا کرتا تھا آج رات تہجد کے لئے اٹھا تو وہ بھول چکی تھیں اور مجھ سے پڑھی نہ جا سکیں دوسرے صحابی نے بھی اپنا واقعہ اس طرح بیان کیا تیسرے نے بھی اپنی سرگزشت اسی طرح بیان کی تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جانتے ہو اسکا سبب کیا ہے انہوں نے عرض کیا اللہ و رسولہ اعلم آپ نے فرمایا این بجہت آنست کہ حق تعالیٰ آنرا نسخ فرمود و ہرگاہ آیتے را نسخ نماید آنرا از یاد مرداں ببرد۔

طبرسی نے منسوخ التلاوۃ کو بیان کرتے ہوئے کہا: "قد جاءت اخبار کثیرۃ بان اشیاء کانت فی القرآن ننسخ تلاوتھا فمنھا ما روی عن ابی موسی انھم کانوا یقرؤن "لوان لابن آدم وادیین من المال لا تبتغی الیھما ثالثا ولا یملاء جوف ابن آدم الا التراب ویتوب اللہ علی من تاب ثم رفع وعن انس ان السبعین من الانصار الذین قتلوا ببئر معونۃ

Marfat.com

قرأنا فيهم كتابا ۔ بلغوا عنا قومنا انا لقينا ربنا فرضي عنا وارضانا ثم ان ذلک رفع۔

(ص ۱۸۰)

بہت سی روایات اس مضمون کی وارد ہیں کہ چند آیات قرآن مجید میں تھیں بعد ازاں ان کی تلاوت منسوخ ہوگئی۔

۱۔ حضرت ابوموسیٰ سے مروی ہے کہ صحابہ قرآن مجید میں پڑھا کرتے تھے "لو ان لابن آدم" یعنی اگر ابن آدم کے لئے دو وادیاں مال سے بھری ہوں تو وہ ضرور تیسری وادی کا طلبگار ہو گا اور ابن آدم کے پیٹ کو صرف مٹی ہی بھرتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان پر نظر رحمت فرماتا ہے۔ جو توبہ کریں بعد ازاں اس کی تلاوت منسوخ ہوگئی اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ ستر قاری جو بئر معونہ میں شہید ہوئے ہم نے ان کے حق میں نازل شدہ یہ کلمات تلاوت کئے "بلغوا عنا قومنا" ہماری قوم کو ہماری طرف سے یہ پیغام دیدو کہ ہم نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی پس وہ ہم سے راضی ہوا اور ہمیں راضی کیا پھر یہ بھی منسوخ ہوگئی۔

سورہ احزاب اور شیعی مفسر:

سورۂ احزاب کے متعلق خصوصی طور پر طبرسی نے ابوعلی کی کتاب الحجۃ سے یہ روایت نقل کی ہے اور اس کے اکثر حصہ کو منسوخ التلاوۃ قرار دیا ہے:

روی من زر بن حبیش ان ابیا قال له کم تقرؤن الاحزاب قال بضعا وسبعین آیة قال قد قرأتها ونحن مع رسول الله صلی الله علیه وسلم اطول من سورة البقرة اوردہ ابوعلی فی کتاب الحجة۔

یعنی زر بن جیش سے مروی ہے کہ حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے دریافت کیا کہ سورۂ احزاب کی کتنی آیات پڑھتے ہو تو میں نے کہا ستر کچھ زیادہ آیات آپ نے کہا میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس کی تلاوت اس حالت میں بھی کی ہے کہ یہ سورۂ بقرہ سے بھی زیادہ تھی۔

Marfat.com

ڈھکو صاحب اب تو سمجھ آگئی ہوگی کہ اس میں نسخ وارد ہوا یا نہیں اور یہ نسخ زمانہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوا یا بعد میں کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابی رضی اللہ عنہ دونوں ہی نے مع رسول اللہ اور فی زمن النبی لکھ کر ایک ہی مضمون کو ادا کیا ہے۔

ہمیں افسوس ہے کہ علامہ ڈھکو صاحب کا مطالعہ محدود ہے اور اپنی کتابوں کی بھی خبر نہیں یا پھر دیدہ دانستہ الجھاؤ اور التباس و اشتباہ پیدا کرنے کے درپے ہیں اور تقیہ کا حق ادا کر رہے ہیں۔

نوٹ:

ابوالقاسم الخوئی نے اپنی تفسیر البیان کے مقدمہ میں منسوخ التلاوۃ آیات کا انکار کیا ہے، اور اس کو تحریف قرار دیا ہے جس کا رد لکھتے ہوئے ابوالحسن بن محمد الشعرانی نے کہا کہ خود صاحب کتاب اپنی کتاب کے بعض حصوں کو قلم زد کر دے تو اس کو تحریف نہیں کہتے تحریف یہ ہے کہ کوئی دوسرا شخص اس میں تصرف کرے پھر خود اس کی رہنمائی کرتے ہوئے کہا۔

بہتر آں بود کہ میگفت کہ ثبوت منسوخ التلاوت بخبر صحیح ثابت نشدہ است حاشیہ منہج ص۲۷۳ جلد اول۔ بہتر یہ ہوتا کہ اس طرح کہتا کہ ایسی آیات جن کی تلاوت منسوخ کی گئی ہو کسی صحیح حدیث اور روایات سے ان کا ثبوت نہیں ملتا گویا نسخ تلاوت ممکن ہے۔ لیکن پایہ ثبوت تک نہیں پہنچا اور طبرسی اور کاشانی نے اس کے ثبوت کا بھی اعتراف کر لیا اس سے شیعی علماء کا اضطراب اور بے یقینی اور بے اعتمادی آشکارا ہے۔

یاد رہے اسی ابوالقاسم الخوئی اور اس کی تفسیر کا حوالہ ڈھکو صاحب نے انکار تحریف میں دیا ہے اور اس کے نسخ تلاوت کو تحریف قرار دینے کا قول شعرانی نے نقل کیا ہے جس سے ڈھکو صاحب کی دیانت و امانت عالم آشکار ہو جاتی ہے۔ بہر حال شیعی علماء کا قلبی معاملہ جو بھی ہو ہم نے یہاں صرف یہ بتلانا تھا کہ اہلسنت کے نزدیک نسخ کا ایک قسم نسخ تلاوت بھی ہے اور ایسی روایات کا مفاد و مدلول اور معنی و مقتضا یہی ہے کہ ان کی تلاوت منسوخ ہو گئی بعض میں مع حکم اور بعض میں بلا نسخ حکم هذا والحمد للہ۔

Marfat.com

تنزیہہ الامامیہ ________ ڈھکو صاحب

روایات اہل السنت کے مطابق قرآن سے بعض سورے غائب ہیں

علامہ جلال الدین سیوطی نے تفسیر اتقان جلد ا ص ۶۵ طبع مصر پر لکھا ہے کہ ابی ابن کعب کے مصحف میں ۱۱۶ سورے تھے (جبکہ موجودہ قرآن میں ۱۱۴ سورے ہیں) کیونکہ اس کے آخر میں سورہ حفد اور سورہ خلع بھی درج تھیں مگر آج وہ سورے ندارد ہیں۔ پیر سیالوی صاحب یا ان کے مریدان باصفا بتائیں کہ وہ دو سورتیں کدھر گئیں۔ (ص: ۴۳)

تحفہ حسینیہ ________ محمد اشرف السیالوی

۱۔ علامہ ڈھکو صاحب کا دو سورتوں کے غائب ہونے کی وجہ سے غصہ ٹھنڈا نہیں ہو رہا آخر یہ بھی تو سوچیں کہ ایک سو چودہ سورتیں بھی انہیں صحابہ کرام کی مہربانی سے ہاتھ آئیں بقول آپ کے تو مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے لے کر جملہ اہل بیت نے سرے سے قرآن ہی غائب کر دیا اور ایک سورت بھی امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا نہ کی کہیں اتنا حوصلہ اور بردباری کہ سبھی قرآن غائب ہونے پر بھی مکمل خاموشی بلکہ داد تحسین اور کہیں اس قدر برہمی آخر انصاف نام کی کوئی شئے بھی دنیا میں ہے یا سراسر اندھیر ہی اندھیر ہے۔

۲۔ پھر سورہ حفد اور سورہ خلع میں اگر اہل بیت کرام کی امامت و ولایت کا بیان ہوتا یا ان کے فضائل و خصائص کا یا دیگر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مثالم و مثالب کا العیاذ باللہ تو پھر بھی ان کی طرف سے ان کو چھپانے کا تخیل فاسد آپ کو ہو سکتا تھا

Marfat.com

جب ان دونوں سورتوں کی عبارات کتب تفاسیر میں منقول ہیں۔ اور ان میں ان امور میں سے کوئی بھی موجود نہیں تو صاف ظاہر ہے کہ جمہور کے نزدیک ان کی قرآنیت ثابت نہیں تھی منسوخ ہونے کی وجہ سے یا متواتر نہ ہونے کی وجہ سے اس لئے ان کو ذکر نہیں کیا گیا۔ ولا یجوز ان یقراء فی مصحف مسعود ولا ابی ولا غیرھما لان غیر المتواتر لیس بقرآنا: مقدمہ تفسیر مظہری صـ۳

یعنی کوئی شخص مصحف ابن مسعود اور مصحف ابی وغیرہ کی قرأت نہ کرے جو متواتر نہیں کیونکہ جو متواتر نہیں وہ قرآن ہی نہیں۔ اور اس کی تائید اسی اتقان کے اسی صفحہ پر منقول روایات سے ہوتی ہے۔ جن میں اس کا دعا قنوت کے طور پر نازل ہونا ثابت ہے:

عن خالد بن ابی عمران ان جبرئیل نزل بذلک علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو فی الصلوۃ مع قولہ تعالیٰ لیس لک من الامر شیئ الایۃ لما قنت یدعو علی مضر۔ (صـ ۶۵۔ جلد اول)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول تھے کہ جبرئیل امین حفد اور خلع کے کلمات کے ساتھ نازل ہوئے بمع اس آیت کریمہ کے "لیس لک من الامر شیئ" جب کہ آپ نے قبیلہ مضر کے خلاف قنوت میں دعا ہلاکت کرنی شروع کی ہوئی تھی۔ شیعی عالم ابوالحسن بن محمد شعرانی نے تذکرہ کے حوالے سے نقل کیا۔

گویا آپ کو "لیس لک من الامر شیئ" فرما کر اس معاملہ کو خدا کے سپرد کرنے کو کہا گیا اور ان کی دعاء ہلاکت کی جگہ اس دعا کی تعلیم دی گئی اس لئے سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی ان کلمات کو قنوت میں پڑھتے تھے۔ جیسے کہ سیوطی نے بیہقی کے حوالہ سے عبید بن عمیر سے نقل کیا ہے کہ آپ نے رکوع کے بعد قنوت میں پڑھا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم اللھم انا نستعینک ونستغفرک ونثنی علیک الخ لہذا جمہور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نزدیک یہ دعا قنوت ہے۔ اور اسی پر اب بھی اہل السنت کا عمل ہے اور ان کلمات کو سورہ واحدہ یا دو سورتیں سمجھنا صرف حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا خیال اور اجتہاد تھا۔ یہی وجہ ہے کہ امام جلال الدین سیوطی نے اس فصل کے آغاز میں فرما دیا "اما سورہ فمائۃ واربع عشرۃ سورۃ باجماع من یعتد بہ۔" قرآن مجید کی سورتیں معتد بہ حضرات

Marfat.com

کے اجماع و اتفاق کے مطابق ایک سو چودہ ہیں کم یا بیش ہونے کے متعلق اقوال یا روایات کی نفی نہیں کی لیکن ان اقوال کو معتد بہ حضرات کے اجماع کا خلاف قرار دیا ہے۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں نہ سورۃ فلق تھی اور نہ سورہ ناس تو اس طرح ایک سو بارہ ہو گئیں تو کیا ان کی طرف سے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن میں اضافے کا مرتکب قرار دیا جائے گا اور تحریف کا؟ قطعاً نہیں کیونکہ ان دونوں کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے میں کلام نہیں ہے جمہور صحابہ کرام نے ان کو ہمیشہ کے لئے بطور قرآن برقرار رکھا اور آپ کا خیال یہ تھا کہ یہ بطور تعوذ اور ازالۂ سحر کے نازل ہوئی ہیں نہ بحیثیت قرآن ہونے کے۔

یہی سوال ابوبکر حضرمی نے حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے کیا تو آپ نے فرمایا کان ابی یقول انما فعل ذلک ابن مسعود برایه وهما من القرآن " میرے والد گرامی فرماتے تھے یہ عبداللہ بن مسعود کی ذاتی رائے تھی حقیقت میں یہ دونوں سورتیں قرآن مجید سے ہیں۔

الغرض جو جواب ان دونوں ائمہ کرام محمد باقر، زین العابدین رضی اللہ عنہما نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت کی طرف سے دیا ہے وہی جواب ہماری طرف سے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ والی روایت کی طرف سے ہے۔

تنبیہہ:

ڈھکو صاحب پوچھتے ہیں ان دونوں سورتوں کو حضرت عائشہ کی بکری کھا گئی یا نذر آتش ہو گئیں۔ ان کی عبارت اور کلمات تو کتب تفاسیر میں موجود ہیں اور ہم صدیوں سے بطور قنوت ان کو پڑھتے بھی ہیں اور ڈھکو صاحب نے وہ عبارت لکھی ہوئی اپنی آنکھوں سے بھی دیکھی ہو گی اس کے باوجود یہ سوال کتنا عجیب ہے اور مضحکہ خیز چلو جواب ہی لینا ہے تو ہم عرض کر دیتے ہیں جو چیز مصحف علی رضی اللہ عنہ کو نگل گئی وہی ان دونوں کو بھی لے گئی ہو گی وہیں پر تلاش کر لینا جہاں وہ مصحف مل سکے گا۔ یہ بھی انشاء اللہ ضرور مل جائیں گی۔

٭ ٭ ٭ ٭

Marfat.com

تجیبہ:۔

ڈھکو صاحب سمجھتے ہیں کہ قرآن صرف اور صرف وہ ہوتا ہے جو کاغذات وغیرہ پر مرقوم ہو اور وہ ختم ہو جائیں۔ تو قرآن ختم ہو جائے گا اور اپنے خیال میں سچے بھی ہیں کیونکہ انہیں یاد تو ہوتا نہیں۔ لہذا صحیفے ضائع ہوئے تو قرآن بھی ضائع ہو گیا۔ لیکن اہلسنت کا اپنے اوپر قیاس کرنا غلط محض ہے کیونکہ ان میں ہزاروں کی تعداد میں حافظ ہیں لہذا اب اگر شیعہ صاحبان مل کر صحائف کو کھا بھی جائیں تو قرآن ختم نہیں ہوتا اور ایک بکری کیا لاکھوں بکریاں اس کام پر مامور کر دیں تو بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا کیونکہ قرآن مجید حقیقت میں ان ایات کا نام ہے جو اہل ایمان اور اہل علم کے سینوں میں محفوظ ہیں

اور بحمدہ تعالیٰ اس دور میں بھی اہل السنت کے مقتداء و پیشوا سیکڑوں کی تعداد میں پورے قرآن کے حافظ تھے اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہر ایک متعدد سورتوں کا حتی کہ ہر سورت اور پورا قرآن ان حضرات کی بدولت ہم تک تواتر کے ساتھ پہنچا لہذا نہ بکریوں کے کھانے سے وہ ضائع ہو سکتا ہے اور نہ جلائے جانے سے۔

رہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اظہار بغض و عناد تو اس کی سزا تو انشاءاللہ ضرور بر وقت جھیلنی ہی پڑے گی سر دست اتنا عرض کرنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ آپ اگر قرآن کے مخالف تھے اور اسے جلانے دے تو ہمیں قرآن دینے والا کون ہے اور جو آج شیعہ صاحبان کا بھی سہارا بنا ہوا ہے وہ کس کا عطا کردہ ہے اگر ان کی مہربانی سے یہ مصحف بھی نصیب نہ ہوتا تو آپ اہل کتاب کہلانے کے بھی حق دار نہ ہوتے چہ جائیکہ اہل قرآن۔

لمحہ فکریہ!

حضرت ابی بن کعب کا زائد سورتوں پر مشتمل مصحف اور حضرت عبداللہ بن مسعود کا کم سورتوں پر مشتمل مصحف اصحاب کے سامنے آگیا اور جمع کرنے والوں پر کوئی قیامت نہ ٹوٹی اور نہ انہوں نے کسی کی طرف سے ڈر اور خوف کی خاطر ان کو چھپایا لیکن شیعہ برادری کو صرف حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہی اتنے کمزور اور بزدل نظر آئے نعوذ باللہ کہ دوسرے صحابہ کرام کے خوف سے اس کو غائب کر دیا اور امت کو اصل قرآن سے محروم کر دیا۔

Marfat.com

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اسکا آسماں کیوں ہو

ڈھکو صاحب کی غلط بیانی:

رسالہ مذہب شیعہ میں ایک جگہ کتابت کی غلطی سے سترہ کی "ہ" رہ گئی اسی طرح سترہ ہزار کا ستر ہزار بن گیا لیکن اس سے قبل رسالہ مذہب شیعہ کے ص۹ پر اصل عبارت کا ترجمہ اردو اور ہندسوں میں سترہ ہزار ۱۷،۰۰۰ بصراحت مذکور ہے مگر ڈھکو صاحب نے اس کو تو شیر مادر سمجھ کر ہضم کر لیا اور جہاں کاتب کی غلطی سے جا رہ گئی اس کو مؤلف کی غلطی کا عنوان دے کر بڑی دھوم دھام سے پیش کیا اسی لئے تو ہم شیعی تقیہ کا رد کرتے ہیں کیونکہ وہ ضرورت اور مجبوری کے وقت خنزیر کے گوشت کی طرح مباح نہیں سمجھتے بلکہ دھوکہ دہی، فریب کاری اور تلبیس ابلیس کا کام لینے کے لئے اس کو استعمال کرتے ہیں۔ اگر کاتب کی غلطی کو مؤلف اور مصنف پر بطور اعتراض و تنقید پیش کیا جا سکتا ہے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ ڈھکو صاحب نے نبی اکرم علیہ السلام کو باغی شریعت کہا۔

ڈھکو صاحب کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو باغی شریعت کہنا:

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ اہل بیت کو باغیان شریعت کہہ کر اپنے دین و ایمان کو تباہ کیا اور مرتد و مردود ٹھہرے۔ ملاحظہ ہو ڈھکو صاحب کے رسالہ کی عبارت "مگر حقیقت بین حضرات پر یہ حقیقت کہ مذہب شیعہ کوئی نیا مذہب نہیں بلکہ باغیان شریعت یعنی سرکار ختمی مرتبت نے اظہار نبوت واسلام کے ساتھ ساتھ (الخ ص۳۰)" اور یہ حقیقت کسی سے مخفی نہیں ہے کہ جو شخص سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو باغی شریعت کہے وہ اس قابل ہی نہیں رہتا کہ مومن ہو سکے اس کے دل سے قبول ایمان کی صلاحیتیں ہی سلب کر لی جاتی ہیں۔

لیکن ہم تو ایسا الزام نہیں لگاتے کیونکہ صاف ظاہر ہے کہ یہ کاتب کی غلطی ہے۔ مگر دیانت و امانت نہ ہو تو آدمی اس طرح کا قول کرتا ہے جیسے ڈھکو صاحب نے کیا ہے اور کاتب کی غلطی کو حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کے ذمے لگا دیا۔

Marfat.com

تنزیہہ الامامیہ ــــــ ڈھکو صاحب

سورہ توبہ؛

تفسیر در منثور جلد ۳ صفحہ ۲۰۸ طبع مصر پر حضرت حذیفہ سے مروی ہے فرمایا" جس سورۃ کو تم سورۃ توبہ کہتے ہو یہ دراصل سورۃ عذاب ہے۔ بخدا اس نے ہم میں سے کسی ایک کی بھی مذمت کئے بغیر نہیں چھوڑا۔ اس کی جتنی مقدار ہم عہد رسالت میں پڑھتے تھے اس کا صرف چوتھا حصہ اب تم پڑھتے ہو۔

اسی سورہ کے متعلق عمر صاحب کہا کرتے تھے: "اس وقت تک سورہ برأت کے نزول کا سلسلہ ختم نہیں ہوا جب تک ہمیں یہ گمان نہیں ہو گیا کہ ہم میں سے کسی ایک کو نہیں چھوڑے گی مگر یہ کہ اس کی مذمت میں کچھ نہ کچھ ضرور نازل ہو گا اسی واسطے اس سورت کا نام فاضحہ (رسوا کنندہ) رکھا جاتا تھا۔ تفسیر اتقان صفحہ ۶۵ جلد ۱

لہذا پیر سیالوی اور ان کے ہم نوالہ و ہم پیالہ حضرات بتائیں کہ اس سورہ کے ۳/۴ حصے کدھر گئے اور جن جن لوگوں کی مذمت میں آیتیں نازل ہوئی تھیں ان کے نام کہاں غائب کر دئے گئے؟

(ص: ۴۲،۴۳)

تحفہ حسینیہ ــــــ محمد اشرف السیالوی

اصولی اور تحقیقی جواب ان روایات کا بھی اور اس قسم کی دوسری روایات کا بھی ذکر کیا جا چکا ہے۔ یہاں صرف ڈھکو صاحب کی اس روشن دماغی کا آئینہ لوگوں کو دکھلانا ہے کہ سورہ برات میں لوگوں کا محاسبہ اور ان کے بعض اعمال پر تنقید کا تقاضا یہ ہے کہ اس میں لوگوں کے نام موجود تھے اور اب وہ نام غائب کر دئے گئے حالانکہ یہ سراسر خود فریبی ہے اور اپنی غلط فہمی مثلاً بقول

Marfat.com

شیعہ صاحبان انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین امنوالذین یقیمون الصلوۃ ویؤتون الزکوۃ وھم راکعون حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی لیکن آپ کا نام اقدس تو یہاں مذکور نہیں اور نہ ہی شیعہ صاحبان نے ہی اس جگہ صحابہ کرام کی طرف نام حذف کرنے اور تحریف کرنے کی نسبت کی ہے۔ لہٰذا یہ انوکھی منطق ہے کہ نام ہوں گے تو ان لوگوں پر تنقید درست ہو گی ورنہ نہیں۔

حقیقت حال یہ ہے کہ قرآن مجید چونکہ ابدی کتاب ہے اور صحیفہ آسمانی اس لئے اس میں بعض اشخاص کے ساتھ ہی مخصوص احکام کا ذکر نہیں ہو گا بلکہ عام احکام ہوں گے الا ماشاء اللہ تاکہ قیامت تک پیدا ہونے والے لوگ ایسے افعال سے اجتناب اور احتراز کریں اسی لئے آیت سرقہ میں اس خاص شخص کا نام ذکر کرنے کی بجائے عام ذکر کیا "السارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما" اور زنا کا حکم بیان کرتے ہوئے محدود کی تخصیص کی جگہ عام الفاظ استعمال کئے گئے۔ الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منھما مائۃ جلدۃ تو کیا جن لوگوں نے سرقے یا زنا کا فعل سرزد ہوا تھا ان کے حق میں ان آیات کو موجب فضیحت نہیں کہا جائے گا حالانکہ ان کے نام بھی یہاں پر موجود نہیں نہ اہل السنۃ کے نزدیک اور نہ ہی شیعہ نے ان مخصوص مقامات میں تحریف وغیرہ کا دعویٰ کیا ہے۔

رہ گیا تین چوتھائی کا معاملہ تو مذہب اہل السنت بیان کر کے ہم نے اس قسم کی تمام روایات کا اصولی جواب ہم نے دیدیا ہے اور حقیقی مکمل بیان کر دیا ہے ڈھکو صاحب سمجھتے ہیں کہ نزاع کا دارومدار روایات کے موجود ہونے اور نہ ہونے پر ہے حالانکہ محل نزاع یہ نہیں ہے بلکہ فریقین کے مذہب کی روشنی میں ان روایات کا فیصلہ کیا جائے گا شیعہ حضرات تحریف کے قائل ہیں لہٰذا ان کی مذہبی کتب میں موجود روایات اسی پر محمول ہوں گی اور اہل السنت تحریف کے قائل نہیں لیکن نسخ کے قائل ہیں۔ اور تعدد قرآت کے لہٰذا اس قسم کی روایات ان کے نزدیک منسوخ التلاوۃ آیات پر دلالت کرتی ہیں یا قرآت کے تعدد پر اور یا اخبار احاد موجب ظن ہونے کی وجہ سے اثبات قرآنیت سے قاصر ہیں لہٰذا ان سے کسی پر الزام عائد نہیں ہو سکتا اور نہ قرآن میں کمی و بیشی لازم آسکتی ہے اسی لئے کسی سنی عالم نے تحریف کا قول نہیں کیا۔

Marfat.com

تنزیہ الامامیہ ———— ڈھکو صاحب

آیات قرآنیہ کی تعداد میں اختلاف کی حقیقت

مؤلف رسالہ نے بار بار اس بات کا تکرار کیا ہے کہ موجودہ قرآن کی آیات ۶۶۶۶ ہیں یہ حقیقت کے بالکل خلاف ہے کیونکہ ابن عباس سے ۶۶۱۶ مروی ہیں۔ تفسیر اتقان جلد ۱ صفحہ ۷۰۔ مگر حق یہ ہے کہ موجودہ قرآن کی آیتوں کی تعداد بغیر بسم اللہ ۶۲۳۶ اور بسم اللہ سمیت ۶۳۵۰ ہے (ص: ۴۳)

تحفہ حسینیہ ———— محمد اشرف السیالوی

ڈھکو صاحب کا اپنا تتبع ناقص ہے اور اپنی کتابوں کا مطالعہ بھی نہیں ورنہ اس تعلی اور انعامی ڈھنگ سے گریز کرتے اور اعتراض کرنے میں کچھ شرم محسوس کرتے۔ اصول کافی کے محشی نے لکھا۔ قد اشتھر الیوم بین الناس ان القرآن ستۃ الاف وستمائۃ وست وستون ایۃ لوگوں میں اب مشہور ومعروف یہ ہے کہ قرآن مجید کی ۶۶۶۶ آیات ہیں۔ وروی الطبرسی فی المجمع عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان القرآن ستۃ الاف ومأتان وثلاث وستون ایۃ۔ جب کہ طبرسی نے "مجمع البیان" میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے ۶۲۶۳ آیات بیان کی ہیں ولعل الاختلاف من قبل تحدید الایات۔ تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ کلمات کلام مجید تو وہی ہیں لیکن ان کی گنتی اور حد بندی کی وجہ سے اختلاف پیدا ہو گیا اور حضرت شیخ الاسلام کا فرمان بھی اسی مشہور بین الناس اور معروف عند الانام . . . . قول پر مبنی ہے۔ البتہ مؤلف کا بیان کردہ حق مذہب خود اس کے اہل مذہب کی نقل کردہ حدیث کے بھی خلاف ہے۔

Marfat.com

شیخ الاسلام قدس سرہٗ

مذہب شیعہ

بیان فضائل صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین

اب فقیر چاہتا ہے کہ اہل تشیع کی خدمت میں ان مقدس ہستیوں کی تصریحات پیش کرے جو اہل تشیع کے دعویٰ کے مطابق بھی پیشوا اور امام ہیں جن تصریحات کے ملاحظہ کرنے کے بعد اہل فکر و ہوش حضرات خود ہی فیصلہ فرما سکیں کہ ائمہ اور پیشوایان امت کے بالمقابل موجودہ ذاکروں ماکروں کی کچھ وقعت نہیں اور ائمہ کرام کی تصریحات کے مقابلہ میں ان ذاکروں کے تخمینے اور ڈھول سخت لغو اور بیہودہ ہیں یہ بات بھی قابل گزارش ہے۔ کہ جن مقدس ہستیوں نے اللہ اور اس کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی اور رضا کے لیے اپنا تن من دھن قربان کیا اور ایسے وقت میں محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان لائے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان لانا اور کائنات عالم کی دشمنی مول لینا ایک معنی رکھتا تھا اور ایسے وقت میں حضورؐ کا ساتھ دیا جس وقت میں کہ حضورؐ کا ساتھ دینے میں مستقبل کی تمام دنیوی منزلوں میں غربت اور مصائب و آلام اور تکالیف کے سوا عالم اسباب میں اور کچھ نظر نہ آتا تھا تو ایسے حالات میں ان مقدس ہستیوں نے تمام تر دنیوی تکالیف کو بطیب خاطر برداشت کیا اور اللہ کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر گھر بار، بال بچے، عزت و ناموس قربان کئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہ چھوڑا تو ایسی مقدس ہستیوں کے خلوص، ان کے صدق و صفا ان کے ایمان و تصدیق کے متعلق کیا شبہ ہو سکتا ہے؟ ایسے حالات میں دوسرا کونسا داعیہ ہو سکتا تھا جس کے زیر نظر ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس قدر دکھ برداشت کئے؟ پھر ایسے جانثاروں اور وفاداروں کی جانثاری اور قربانی کا بدلہ جو اللہ ارحم الراحمین کی جناب سے ضروری اور لازمی ہے

Marfat.com

اس کی کیفیت اور کمیت بھی مد نظر رکھنا چاہیے۔ قرآن کی بیسیوں آیات اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کرنے والوں اور انصار و مجاہدین کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔ کہ اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے ان کے لیے جنت کے اعلیٰ وارفع مراتب اور نعمتیں مہیا ہیں ان کو بھی سامنے رکھنا چاہیے اور اس بات کو بھی پورے نظر و فکر کے ساتھ دیکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ انہی نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ.

یعنی اے اللہ تعالیٰ کے پیارے نبیؐ آپ کافروں اور منافقوں کے خلاف جہاد فرماؤ اور ان پر سختی کرو۔ اس حکم کے بعد جن مقدس ہستیوں کو اللہ کے پیارے نبیؐ نے اپنا ہمراز و دمساز قرار دیا، سفر و حضر، ہجرت و جہاد ہر معاملہ اور ہر حالت میں اپنا مشیر و وزیر مقرر فرمایا اور اپنا ساتھی و رفیق قرار دیا۔ ان ہستیوں کی شان میں گستاخی کرنا (معاذ اللہ) اور ان ہستیوں کی طرف کفر و نفاق کی نسبت کرنا کونسی دیانت ہے اور کونسا ایمان ہے۔ ذرا سوچو تو ان مقدس ہستیوں کے صدق و صفا کا انکار براہ راست مہبط وحی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شان اقدس میں گستاخی کو مستلزم نہیں؟ یقیناً ہے۔ ص ۱۲، ۱۳

تحفہ حسینیہ؛ محمد اشرف السیالوی

تتمہ مبحث مذکورہ بالا = حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز نے انتہائی اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے بعض اہم امور کے طرف صرف اشارہ کرنے پر اکتفا کیا ہے لیکن ڈھکو صاحب کے کلام باطل نشان کے پڑھنے سے پہلے وہ تفصیلات قارئین کرام کے ذہن میں ہونی ضروری ہیں، اس لیے بطور تتمہ ان کو درج کیا جاتا ہے۔

شہادت عقل و خرد؛

۱۔ جس وقت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا۔ اس وقت سے لے کر جنگ بدر تک کے واقعات تاریخ کے آئینہ میں ملاحظہ فرمادیں کہ خود

Marfat.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قریبی برادری کا ردعمل کیا تھا۔ ابولہب بھی چچا تھا لیکن دشمنی میں سب سے پیش پیش۔ حتیٰ کہ پوری سورت اس کی مذمت میں نازل ہوئی۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ چچا ہیں مگر جنگ بدر میں کفار کی طرف سے برسرپیکار ہوئے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سگے بھائی حضرت عقیل بھی اس جنگ میں اور قتال میں کفار کا ساتھ دے رہے تھے۔ بالآخر گرفتار ہوئے اور فدیہ دے کر رہا ہوئے۔ جب اس قدر قریبی برادری کا حال یہ تھا تو جن حضرات نے اس وقت آپ کا ساتھ دیا اور ان مشکل حالات میں آپ کے دامن نبوت سے وابستہ ہوئے جب کہ آپ خود اپنے دیس میں اجنبی سمجھے جاتے تھے اور آپ کا وجود اہل مکہ اور قریش کے لئے ناقابل برداشت تھا اور بالآخر آپ کو ہجرت کرنا پڑی اس وقت آپ کا طوق غلامی گلے میں ڈالنا اور کفر کی طاغوتی طاقتوں کے ہر جبر و اکراہ اور ظلم و تشدد کو برداشت کرنا کسی بھی لالچ اور دنیوی غرض کے تحت نہیں ہو سکتا تھا نہ سید سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بظاہر مال و زر تھا اور نہ حکومت و سلطنت نہ اور کوئی جائیداد تو پھر ان لوگوں کو ان تکالیف کے برداشت کرنے اور مصائب و آلام کو سینے سے لگانے پر کون سی چیز آمادہ اور راغب کر سکتی تھی سوائے اعتراف حق، اعتقاد، صداقت اور اذعان حقانیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی بھی عقلمند اس حقیقت کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا اور اگر کوئی از رہ تحکم اور سینہ زوری کے اس کا انکار کرے تو کم از کم اسے ایسی کوئی نظیر پیش کرنی چاہیے اور تاریخ انسانیت کے کسی دور کی صرف ایک مثال پیش کرنا چاہیے کہ مقتدا و پیشوا بظاہر مسکین اور فقیر ہو، مال و منال، دولت و ثروت اور جاہ و حشمت، حکومت و سلطنت وغیرہ دنیوی کشش کا کوئی سامان بھی اس کے پاس نہ ہو لیکن ارباب دولت، اصحاب جاہ و حشمت کسی دنیوی لالچ میں اس کے حلقہ بگوش بنے ہوں اور اپنا سب کچھ ان پر نثار کر دیا ہو اور خود بھی۔ ان کی خاطر درویش اور فقیر ہو گئے ہوں اور جب ایسی کوئی مثال تاریخ آدمیت و

Marfat.com

انسانیت پیش کرنے سے عاجز اور قاصر ہے تو پھر مہاجرین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حق میں اس بدظنی اور بدگمانی کا کیا جواز ہو سکتا ہے اور انصار کے حق میں اس قسم کے غلط مفروضوں کا تصور کس طرح کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ اس گزارش کو ارباب عقل و دانش اور اصحاب فہم و فراست کی صائب رائے پر چھوڑتے ہوئے اب خالق عقل و دانش اور موجد فہم و فراست کے کلام حق ترجمان سے ان مقدس ہستیوں کے متعلق دریافت کرتے ہیں۔

شہادت قرآن مجید۔

(۱) قال اللہ تعالیٰ: اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ (سورہ حج : ۱۷)

پروانگی عطا کی گئی انہیں جن سے کافر لڑتے ہیں اس بنا پر کہ ان پر ظلم ہوا اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے وہ جو اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے، صرف اتنی بات کرنے پر کہ رب ہمارا اللہ ہے۔

اس آیت کریمہ میں مہاجرین کا مظلوم ہونا اور ناحق گھروں سے نکالا جانا اور نگاہ کفار میں ان کا صرف یہ جرم ہونا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو اپنا پروردگار اور رب کیوں تسلیم کیا، اور اس کے بعد ان کو قتال و جہاد کا اذن دیا جانا ثابت ہے۔ تو اس قرآنی شہادت کے بعد ان کی مظلومیت اور ان کے اخلاص پر کونسی شہادت درکار ہو سکتی ہے؟ اور پھر اس میں کسی خاص فرد کا ذکر نہیں بلکہ علی العموم ان حضرات کا ذکر کیا گیا ہے جن سے کافر لڑتے ہیں اور جن کو اپنے گھروں سے نکالا گیا اور عام کا اپنے عموم پر رکھنا لازم ہوتا ہے لہذا سب مہاجرین کا اخلاص یہاں سے ظاہر اور واضح ہو گیا۔

Marfat.com

(۲) للفقراء المهاجرین الذین اخرجوا من دیارھم واموالھم یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا وینصرون اللہ ورسولہ واولئک ھم الصادقون۔ (سورہ حشر: ۲۸)

ان فقیر ہجرت کرنے والوں کے لیے جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے، اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں اور اللہ اور رسولؐ کی مدد کرتے ہیں وہی سچے ہیں۔

اس آیت مبارکہ میں بھی علی العموم مہاجرین کرام علیہم الرضوان کے جبراً وطن اور اموال سے جدا کیے جانے کی تصریح اور ان کے فضل خداوند تعالیٰ اور اس کی رضا و رضوان کی طلب گاری، اللہ تعالیٰ اور رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی نصرت کا جذبہ اور سراپا صدق و اخلاص ہونا بصراحت مذکور ہے۔ جب اللہ تعالیٰ یہ گواہی دے تو پھر مزید کسی کی شہادت کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے۔ کما قال تعالیٰ: قل ای شئی اکبر شہادۃ من اللہ

(۳) والذین تبوؤ الدار والایمان من قبلھم یحبون من ھاجر الیھم ولا یجدون فی صدورھم حاجۃ مما اوتوا ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ ومن یوق شح نفسہ فاولئک ھم المفلحون۔ (سورۃ حشر: ۲۸)

اور جنہوں نے پہلے سے اس شہر اور ایمان میں گھر بنا لیا، دوست رکھتے ہیں انہیں جو ان کی طرف ہجرت کر کے گئے اور اپنے دلوں میں کوئی حاجت نہیں پاتے اس چیز کی جو دیئے گئے اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں شدید محتاجی ہو اور جو اپنے نفس کے لالچ سے بچایا گیا تو وہی کامیاب ہیں۔

اس آیت کریمہ میں انصار کا اخلاص، مہاجرین سے محبت اور ان کو اپنی ذوات پر اور ان کی حاجات کو اپنی حاجات پر ترجیح دینا خواہ خود محتاج ہی کیوں نہ ہوں، بیان کیا گیا ہے جس سے ان کا اعزاز و اکرام نمایاں ہے اور بغیر کسی لالچ کے

Marfat.com

کے اسلام، بانی اسلام اور شیدائیان اسلام کی خدمات سرانجام دینا ثابت اور علی الخصوص مہاجرین سے محبت کرنا روشن اور پھر انہی خصائص کی بدولت فلاح پانا اور کامیاب ہونا ثابت جب خدائے علیم وخبیر نے ان کی یہ نمایاں خصوصیات بیان فرمادیں اور ان کی فلاح کا اعلان واجب الاذعان بھی فرمادیا تو انہیں کسی دوسرے شخص سے اخلاص اور کمال ایمان کی سند لینے کی ضرورت نہیں ہو سکتی، نیز جب مہاجرین کے ساتھ محبت، ان کی فلاح کی ضامن بنے تو ہمارے لیے فلاح کا اس کے علاوہ دوسرا کونسا پختہ وسیلہ اور مضبوط ذریعہ ہو سکتا ہے؟ بلکہ جب ان کی محبت موجب فلاح ہے تو ان کی دشمنی یقیناً موجب ذلت اور رسوائی ہوگی اور باعث عذاب وعقاب۔

(۴) قال اللہ تعالیٰ: محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا۔ (سورۃ فتح: ۲۹)

محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں۔ اور آپس میں نرم دل تو انہیں دیکھے گا رکوع کرتے سجدہ کرتے اللہ کا فضل اور رضا چاہتے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر پندرہ سو کے قریب مہاجرین وانصار نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ یہ آیت کریمہ ان کے کفار پر سخت ہونے اور آپس میں نرم دل اور مہربان ہونے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ومشغول ہونے اور اس کے فضل اور رضا کے طلب گار ہونے کی گواہ ہے علاوہ ازیں تورات وانجیل میں ان کی شان ارفع واعلیٰ اسی تمثیلی رنگ میں مذکور ہونے پر شاہد ہے۔ ذلک مثلھم فی التوراۃ ومثلھم فی الانجیل۔ پھر ان پر اپنی خوشی اور اپنے محبوب کی خوشی کا بیان ہے۔ یعجب الزراع اور کفار کے دلوں میں ان کی وجہ سے غیظ وغضب اور بغض وحسد کی آگ بھڑکنے کا بیان لیغیظ بھم الکفار، الغرض ان کلمات مقدسہ نے مجموعی طور پر مہاجرین وانصار کے خصوصی مقام اور امتیازی شان اور

Marfat.com

اخلاص کامل کو پوری طرح اجاگر کر دیا ہے۔

(۵) قال اللہ تعالیٰ: فالذین ھاجروا واوذوا فی سبیلی و قاتلوا وقتلوا لاکفرن عنھم سیئاتھم ولادخلنھم جنات تجری من تحتھا الانھار ثوابا من عند اللہ واللہ عندہ حسن الثواب۔ (سورہ آل عمران: ۴)

پس جن لوگوں نے ہجرت کی اور میری راہ میں ان کو ایذا پہنچائی گئی اور لڑے اور مارے گئے میں ضرور ان کے سب گناہ دور کر دوں گا۔ اور ضرور انہیں باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ بطور ثواب کے اللہ تعالیٰ کے پاس سے، اور اللہ تعالیٰ کے پاس ہی اچھا ثواب ہے۔

اس آیت کریمہ میں ہجرت کرنے، ایذائیں برداشت کرنے جہاد و قتال میں حصہ لینے اور راہ خدا میں قربان ہو جانے والوں کے متعلق بشارت ہے کہ اگر بشری تقاضوں کے تحت ان سے کوئی غلطی سرزد ہو بھی گئی تو اللہ تعالیٰ ضرور اس گناہ کو ان سے دور کر دے گا اور جنات النعیم میں داخل فرمائے گا اس میں بھی عموم ہے اور جو بھی ان صفات عالیہ کے ساتھ موصوف و متصف ہوئے ان کے متعلق یہ مژدہ جانفزا ہے لہٰذا جب اللہ تعالیٰ نے مہاجرین اور مجاہدین کے مواخذہ اور باز پرس اور عقاب و عتاب کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی تو ہم کون ہیں جو اپنی تمام تر سیاہ کاریوں اور گناہگاریوں کے باوجود ان مقدس ہستیوں پر طعن و تشنیع کریں جن کی مغفرت و بخشش کا مژدہ عرفانی اور ابدی کتاب خدا میں موجود ہے۔

اصحاب بدر اور شہادت قرآن:

(۶) قال اللہ تعالیٰ: اذ تستغیثون ربکم فاستجاب لکم انی ممدکم بالف من الملائکۃ مردفین (الی) وما النصر الا من

عند اللہ ان اللہ عزیز حکیم (سورہ انفال : ۹)

جب تم اپنے رب سے فریاد کرتے تھے تو اس نے تمہاری سن لی کہ میں تمہیں مدد دینے والا ہوں ساتھ ہزار فرشتے کے جو قطار در قطار ہوں اور یہ تو اللہ تعالیٰ نے صرف تمہاری خوشی کو کیا، اس لیے کہ تمہارے دل چین پائیں اور مدد نہیں مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں مومنین کی فریاد سننا اور فرشتے امداد کو بھیجنا ثابت ہے۔ اجابت دعا ان کی کرامت ہے۔ اور ملائکہ کا ان کے ساتھ شامل ہو کر جنگ لڑنا ان کا امتیازی نشان ہے اور اللہ تعالیٰ رسل کرام اور اہل ایمان کی نصرت فرماتا ہے اور ظالمین اور کفار کے خلاف اپنے احباء اور مقبولین کی دعائیں قبول فرماتا ہے۔ لہذا ان مقدس کلمات سے اہل بدر کا مؤمن کامل ہونا اور عند اللہ محبوب اور معزز و مکرم ہونا واضح ہو گیا۔

(۷) قال تعالیٰ، واذ یوحی ربک الی الملائکۃ انی معکم فثبتوا الذین آمنوا (سورہ انفال : ۹)

جب اے محبوب تمہارا رب فرشتوں کو وحی بھیجتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم مسلمانوں کو ثابت قدم رکھو۔

اس ارشاد خداوندی سے بھی صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اور ملائکہ بدری صحابہ کے ساتھ تھے اور ان کے حوصلے بلند کرنے والے اور ان کی ڈھارس بندھانے والے جب کہ اس نے نصرت خاصہ کا وعدہ صرف رسل کرام اور مخلص اہل ایمان کے ساتھ کر رکھا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ انا لننصر رسلنا والذین آمنوا فی الحیوۃ الدنیا ویوم یقوم الاشہاد۔ بیشک ہم ضرور مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی دنیا کی زندگی میں بھی اور جب کہ شاہد اور گواہ قائم ہوں گے یعنی قیامت کے دن، لہٰذا اہل بدر مہاجرین و انصار کے اخلاص اور ایمان کامل پر ان،

Marfat.com

کلمات قدسی نے مہر تصدیق لگادی۔

(۸) قال اللہ تعالیٰ: اذ یقول المنافقون والذین فی قلوبھم مرض غر ھٰؤلاء دینھم ومن یتوکل علی اللہ فان اللہ عزیز حکیم (سورہ انفال: ۴۹)

جب کہتے تھے منافق اور وہ جن کے دلوں میں آزار اور بیماری ہے کہ یہ مسلمان اپنے دین پر مغرور ہیں اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے۔

میدان بدر میں اہل اسلام کی قلیل تعداد دیکھ کر ان لوگوں نے کہا یہ لوگ اپنے اس دین کی وجہ سے مغرور ہو گئے ہیں ورنہ اس قدر قلیل تعداد اور بے سروسامانی کی حالت میں اس قدر کثیر التعداد اور ساز و سامان سے آراستہ لشکر کے مقابل صف بستہ نہ ہوتے۔ اس فرمان صداقت نشان سے واضح ہو گیا کہ منافقین اور مریض القلب لوگوں نے بھی اصحاب بدر کے کمال وثوق اور یقین کامل کی گواہی دی اور دین کے نشہ میں ان کو مخمور تسلیم کیا۔ اگر منافق اور مریض القلب بھی اس حقیقت کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکیں تو مؤمنین کے لیے شک و تردد اور اضطراب و تذبذب کا کیا امکان باقی رہ جاتا ہے!

غزوہ احد اور شہادت قرآن۔

(۹) وما اصابکم یوم التقی الجمعان فباذن اللہ ولیعلم المؤمنین ولیعلم الذین نافقوا وقیل لھم تعالوا قاتلوا فی سبیل اللہ اوادفعوا عن انفسکم قالوا لو نعلم قتالا لا تبعناکم ھم للکفر یومئذ اقرب منھم للایمان (سورۃ آل عمران: ۴)

اور وہ مصیبت جو تم پر آئی جس دن دونوں فوجیں ملی تھیں وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھی اور اس لیے کہ پہچان کرا دے ایمان والوں کی اور

Marfat.com

اور اس لیے کہ پہچان کرا دے ان کی جو منافق ہوئے اور ان منافقین سے کہا گیا آؤ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو۔ یا دشمن کو ہٹاؤ تو کہا اگر ہم لڑائی ہوتی جانتے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے۔ اس دن وہ ظاہری ایمان کی نسبت کفر کے زیادہ قریب ہیں۔

ان کلمات طیبات میں جنگ احد کے دن اہل ایمان اور منافقین کے درمیان امتیاز کرانے کا اعلان ہے اور ان کی زبان سے نکلنے والے کلمات بیان کر کے اور ان کا عمل دکھ دار واضح کر کے بتلا دیا کہ مخلص مومن کون ہیں اور منافق کون۔ اگر اس کے بعد بھی کوئی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عملی طور ساتھ دینے والوں اور آپ کی خاطر ہر قسم کی مصیبت کو برداشت کرنے والوں کو مومن تسلیم نہیں کرتا بلکہ متذبذب اور متردد ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر ایمان نصیب نہیں اور وہ خود اس دولت سے محروم ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کو اپنے ارادہ اور مقصد میں ناکام سمجھنے والا ہے جس کے تحت اس نے اہل ایمان اور کفار کو آمنے سامنے لاکھڑا کیا یعنی اس نے مومنوں کا منافقین سے امتیاز نہ کیا حالانکہ اس حرب و قتال کا اولین مقصد ہی یہی تھا۔

(۱۰) قال اللہ تعالیٰ ﴿وان اللہ لا یضیع اجر المومنین الذین استجابوا للہ والرسول من بعد ما اصابہم القرح للذین احسنوا منہم واتقوا اجر عظیم الذین قال لہم الناس ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم فزادھم ایمانا وقالوا حسبنا اللہ ونعم الوکیل فانقلبوا بنعمۃ من اللہ وفضل لم یمسسہم سوء واتبعوا رضوان اللہ واللہ ذو فضل عظیم﴾ (آل عمران : ۴)

اور بیشک اللہ تعالیٰ نہیں ضائع کرتا اجر مومنین کا جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور رسول گرامی کے لیے تعمیل ارشاد کی بعد اس کے کہ انہیں مشقت پہنچی اور زخم لگے تھے۔ ان میں سے محسنین کے لیے اور متقین کے لیے اجر عظیم ہے جنہیں لوگوں نے کہا کہ لوگوں (کفار) نے تمہارے

Marfat.com

لیے بڑا لشکر تیار کر رکھا ہے پس ان سے ڈرو تو ان کا ایمان اور زیادہ ہوا اور انہوں نے کہا ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے اور کیا ہی اچھا کارساز ہے تو واپس ہوئے اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس کے فضل کے ساتھ انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچی اور اللہ کی مرضی پر چلے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

جنگ احد سے واپس ہونے کے بعد کفار نے جب مدینہ منورہ کی طرف پلٹ کر اسے العیاذ باللہ تہس نہس کرنے کا ارادہ کیا تو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ احد میں شریک اہل اسلام اور میدان کا ندار میں تکلیف اور مشقت اٹھانے والوں کا جتھا لے کر ان کے تعاقب میں نکلے آپ کے حکم کی تعمیل میں نکلنے والوں کی داد و تحسین اور ان کی قوت ایمانی اور ان کے اخروی درجات کو ان کلمات طیبات میں بیان کیا گیا ہے اور کفار کی تیاری کی خبر سن کر اس حالت درد و کرب میں بھی ان کا خوفزدہ نہ ہونا بلکہ ان کے ایمان و ایقان کا بڑھنا بیان کیا گیا جو ان حضرات کے ایمان کامل اور بے مثل اخلاص کی عظیم دلیل ہے۔

(۱۱) ان الذین تولوا منکم یوم التقی الجمعان انما استزلھم الشیطان ببعض ما کسبوا ولقد عفا اللہ عنھم ان اللہ غفور حلیم۔ (آل عمران)

بیشک وہ لوگ جو لوٹے تم میں سے جس دن دونوں فوجیں ملیں۔ انہیں صرف شیطان نے ان کے بعض اعمال کی وجہ سے پھسلایا اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا بردبار ہے۔

اس آیت مبارکہ میں تیر اندازوں کے اس خیال پر مرکز کو چھوڑ دینے کی وجہ سے کہ اب دشمن بھاگ گیا ہے لہذا چلو مال غنیمت حاصل کریں جو صورت حال پیش آئی اور میدان جنگ سے بعض مجاہدین پھر گئے تو ان کے متعلق بھی عفو و درگزر کا اعلان کیا گیا ہے اور کسی بھی شخص کے لیے ان کے حق میں طعن و تشنیع کے لیے

Marfat.com

کوئی گنجائش نہیں چھوڑی جس سے اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی معذوری بھی واضح ہوتی ہے اور ان پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مہربانی بھی۔

غزوہ خندق اور شہادت قرآن :

(۱۲) قال اللہ تعالیٰ : ولما رأی المؤمنون الاحزاب قالوا ھذا ما وعدنا اللہ ورسولہ وصدق اللہ ورسولہ وما زادھم الا ایمانا وتسلیما۔ (سورۂ احزاب : ۲۱)

اور جب مومنوں نے کفار کے لشکر دیکھے تو کہا یہ ہے وہ جس کا ہمیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ نے وعدہ دیا اور سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسولؐ نے اور لشکر ہائے کفار دیکھ کر نہ بڑھا مگر ان کا ایمان اور حکم خداوند پر رضامندی واطاعت

(۱۳) قال تعالیٰ : ورد اللہ الذین کفروا بغیظھم لم ینالوا خیرا وکفی اللہ المؤمنین القتال وکان اللہ قویا عزیزا۔

اور اللہ تعالیٰ نے کفار کو ان کے قلبی غیظ اور جلن کے ساتھ لوٹایا، وہ کچھ بھی بھلائی اور کامیابی حاصل نہ کر سکے اور اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو لڑائی میں کفایت فرمائی اور اللہ تعالیٰ قوی اور غالب ہے

ان آیات مقدسہ میں بھی جنگ احزاب اور غزوہ خندق میں شامل مہاجرین و انصار کی ایمانی پختگی اور جذبہ جہاد و سرفروشی کا بیان ہے اور اللہ تعالیٰ کے ان پر خصوصی کرم کا کہ اپنی قدرت کاملہ سے کفار کو بھگا دیا اور انہیں کسی قسم کی پریشانی سے دوچار نہ ہونے دیا۔

معاہدہ حدیبیہ اور شہادت قرآن :

(۱۴) قال اللہ تعالیٰ : لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونک

Marfat.com

تحت الشجرة فعلم ما فی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم
واثابھم فتحا قریبا الآیۃ (سورۂ فتح ۲۶)
البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ راضی ہوا مومنین سے جب کہ وہ درخت کے نیچے
تمہارے ساتھ بیعت کرتے تھے پس جانا جو ان کے دلوں میں ہے
تو ان پر اطمینان و سکون اتارا اور انہیں جلد آنیوالی فتح کا انعام دیا
اور بہت سی غنیمتوں کا جن کو حاصل کریں گے اور اللہ تعالیٰ عزیز حکمت
والا ہے۔

اس آیت مقدسہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے شہید کیے جانے کی اطلاع پر جو بیعت لی گئی تھی اس میں صحابہ کرام کا خلوص اور ان سے اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے کا اعلان ہے اور ان پر خصوصی تسکین اور بردباری کے نزول کا اور جلد ہی فتح اور اموال غنیمت کے حصول کا جس میں مہاجرین و انصار کی بھاری تعداد تھی اور پندرہ سو کے قریب جانثاران مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم شامل تھے لہٰذا ان کے کمال ایمان اور مدغایت ہمک واصل اخلاص پر اللہ تعالیٰ کی اس گواہی کے بعد کسی مومن کے لیے شک و تردد کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی

(۱۵) قال تعالیٰ۔ ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ
ید اللہ فوق ایدیھم (سورہ الفتح ۲۶)
بیشک جو لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ تو صرف اللہ تعالیٰ
سے ہی بیعت کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔

اس آیت مقدسہ میں اس بیعت رضوان میں شامل حضرات کا کس قدر اعزاز و اکرام ہے۔ اور رسول گرامی کا بھی وہ چشم بصیرت پر مخفی نہیں۔

(۱۶) قال تعالیٰ: سیقول لک المخلفون من الاعراب شغلتنا
اموالنا واھلونا فاستغفر لنا یقولون بالسنتھم مالیس
فی قلوبھم (الی) بل ظننتم ان لن ینقلب الرسول والمؤمنون الی اھلیھم

Marfat.com

ابدا و زین ذٰلک فی قلوبکم و ظننتم ظن السوء و کنتم قوماً بوراً (سورۃ الفتح ۲۶)

عنقریب کہیں گے آپ کو وہ گنوار جو پیچھے رہ گئے تھے کہ ہمیں ہمارے اموال اور ہمارے گھر والوں نے مصروف و مشغول رکھا پس ہمارے لیے استغفار کیجئے۔ کہتے ہیں اپنی زبانوں سے جو ان کے دلوں میں نہیں ہے بلکہ تم نے تو یہ گمان کر رکھا تھا کہ رسول خدا اور مؤمنین ہرگز لوٹ کر اپنے گھروں کو نہیں آسکیں گے اور یہی امر تمہارے دلوں میں مزین کیا گیا تھا اور تم نے برا گمان کیا تھا۔ اور تم ہلاک ہونے والی قوم تھے۔

اس آیت مبارکہ میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ عمرہ کے لیے جانے والوں کے کمال ایمان کی گواہی ہے اور اعراب و گنوار لوگوں کے اندیشوں اور گمانوں کے برعکس مہاجرین و انصار کی اس عظیم جماعت کے صبر و سکون اور وثوق و اعتماد کی علیم و خبیر خدا کی طرف سے شہادت ہے۔ جس کا ملاحظہ کرنے کے بعد کسی مومن کے لیے مقدس ہستیوں کے حق میں کسی قسم کے توہم کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

غزوۂ حنین اور شہادت قرآن:

(۱۷) قال تعالیٰ: لقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرۃ و یوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئاً و ضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین ثم انزل اللہ سکینتہ علی رسولہ و علی المؤمنین و انزل جنوداً لم تروھا و عذب الذین کفروا و ذلک جزاء الکافرین (سورہ توبہ ۱۰)

البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے بہت سے مقامات پر تمہاری مدد فرمائی اور علی الخصوص حنین کے دن جب کہ تمہیں تمہاری عددی کثرت بھلی معلوم ہوئی تو وہ کچھ تمہارے کام نہ آئی اور زمین وسیع ہونے کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی پھر تم پیٹھ دے کر پھرے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی تسکین

Marfat.com

نازل کی اپنے رسول پر اور ایمان والوں پر اور ایسے لشکر اتارے جو
تم نہیں دیکھتے تھے اور کافروں کو عذاب دیا اور منکروں کی یہی
سزا ہے۔

اس آیت کریمہ میں غزوہ حنین کے شرکاء پر سکینت اور خصوصی اطمینان کا نزول، ملائکہ کے ذریعے ان کی امداد کا صریح بیان ہے اور ظاہر ہے جن کو اللہ تعالیٰ مؤمن بھی کہے، ان پر سکینت بھی نازل کرے اور ملائکہ کے ذریعے ان کی امداد و نصرت بھی فرمائے کون سا مؤمن ہوگا۔ جو ان کے متعلق شک و شبہ کا شکار ہوگا اور تذبذب و اضطراب کا مرتکب، کیونکہ نصرت خداوندی کے حقدار انبیاء و رسل ہوتے ہیں۔ یا مؤمنین مخلصین۔ قال تعالیٰ انا لننصر رسلنا والذین آمنوا۔

غزوہ تبوک اور شہادت قرآن :

(۱۸) قال تعالیٰ: لقد تاب اللہ علی النبی والمھاجرین والانصار الذین
اتبعوہ فی ساعۃ العسرۃ من بعد ما کاد یزیغ قلوب فریق منھم
ثم تاب علیھم انہ بھم رؤف رحیم (سورۃ توبہ ۱۱)
البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم اور مہاجرین و انصار پر رحمت فرمائی
جنہوں نے مشکل گھڑی میں ان کا ساتھ دیا۔ بعد اس کے کہ قریب تھا کہ
ان میں سے ایک فریق کے دل پھر جائیں پھر ان پر رحمت کے ساتھ
متوجہ ہوا بیشک وہ ان پر مہربان رحم والا ہے۔

غزوہ تبوک میں شامل مجاہدین اسلام مہاجرین و انصار کے لیے اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتیں اور ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رافت و رحمت کا یہ ابدی اعلان اور مشکل ترین اوقات و حالات میں انکا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وفاداری کا مظاہرہ اور جانثاری و جاں سپاری کا عزم اس فرمان واجب الایمان سے پوری طرح عیاں ہے اس کے بعد کون مؤمن ہونے کا دعویدار ہوگا جو ان کی وفاداری اور اخلاص میں شک کرے گا یا

Marfat.com

ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت کا مظہر ہوگا۔

(۱۹) قال اللہ تعالیٰ: والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضي الله عنهم ورضوا عنه واعد لهم جنات تجري تحتها الانهار خالدين فيها ابدًا ذلك الفوز العظيم (سورۃ توبہ ۱۰۰)

اور سبقت لے جانے والے مہاجرین اور انصار اور جو بھلائی کے ساتھ ان کے تابع ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی اور ان کے لیے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں ہیں ہمیشہ ان میں رہیں۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔

اس آیت مبارکہ میں مہاجرین اولین اور انصار اولین کے ساتھ ساتھ ان کی اتباع کرنے والے مہاجرین وانصار یعنی بعد میں ان کے ساتھ شامل ہونے والوں سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور ان کی اللہ تعالیٰ سے رضامندی کا بیان ہے اور سابقین کی اس امتیازی خصوصیت کا کہ ان کے نقش قدم پر چلنے والے خواہ مہاجرین وانصار لاحقین ہوں یا قیامت تک آنے والے مؤمنین ہوں وہ سبھی مستحق رضا اور اجر جزیل ہیں تو پھر اس رضاء خداوندی نے واضح کر دیا کہ جب ان سابقین کے متبعین کا یہ مقام ہے تو ان کو یقیناً اس سے ارفع واعلیٰ مرتبہ ومقام حاصل ہوگا۔

(۲۰) قال تعالیٰ: لا يستوي منكم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئك اعظم درجة من الذين انفقوا من بعد وقاتلوا وكلا وعد الله الحسنى والله بما تعملون خبير (سورہ حدید ۱۰)

فتح مکہ سے پہلے راہ خدا میں خرچ کرنے والے اور جہاد کرنے والے تم میں برابر نہیں وہ ان سے درجات میں عظیم تر ہیں جنہوں نے بعد میں خرچ کیا اور جہاد کیا اور ہر فریق کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی خبر رکھنے والا ہے۔

اس آیت کریمہ میں فتح مکہ سے قبل جہاد کرنے والوں اور راہ خدا میں مال صرف

Marfat.com

کرنے والوں کے عظیم درجات اور بعد والوں پر ان کی فوقیت کا بیان ہے لیکن استحقاق جنت اور وعدۂ ثواب میں دونوں کو شریک کرنے کا اعلان بھی ہے جس کا حصول بغیر ایمان و اخلاص کے ممکن نہیں لہٰذا فتح سے قبل اور فتح سے بعد حلقۂ اسلام میں داخل ہونے والوں کی ایمانی کیفیت اور اخلاص پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس آیت کریمہ میں مہر تصدیق ثبت ہے اور ان کے اخروی فوز و فلاح کا اعلان واجب الاذعان ہے لہٰذا اول سے آخر تک جو حضرات ہر مقام اور ہر مرحلہ میں ساتھ رہے ان تمام تر آیات میں گنوائی گئی خوبیوں، اعلیٰ صفات اور انفرادی خدمات اور کامل اخلاص اور اجر جزیل اور ثواب جمیل میں ان کا شامل اور شریک ہونا علی الوجہ الاتم والاکمل ثابت ہے اور ہر باایمان شخص اور قرآن کی ان آیات کا ماننے والا اس اعتقاد حق اور یقین صادق کا پابند ہے ورنہ اس کا اپنا دعویٰ ایمان محض ابن ابی اور اس کے ساتھیوں کے دعویٰ ایمان کی مانند ہوگا۔

ہم نے صرف بیس آیات گنوائی ہیں اگر دامن اوراق تنگ نہ ہوتا تو حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز کے بیسیوں والے دعویٰ کو بھی بالکل عیاں اور مستغنی از بیان کر دیتے لیکن سعادت ازلیہ جن کے مقدر میں ہے ان کے لیے مذکورہ آیات کا بیسواں حصہ بھی کافی ہے اور جو ازلی بدبخت اور شقی ہیں۔ ان کے لیے ان سے بیس گنا بھی ناکافی ہیں۔ اس لیے یہ معاملہ بھی اہل انصاف کے غور و فکر اور ارباب اخلاص کے فہم و فراست پر چھوڑتا ہوں کہ خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کی شان اقدس انہیں ان آیات سے معلوم ہوتی ہے یا نہیں اور ان کا سراپا اخلاص ہونا یہاں سے مشہود ہوتا ہے یا نہیں؟ یقیناً ان پر روز روشن کی طرح یہ حقیقت عیاں ہے۔

اخلاص صحابہؓ اور تعامل نبویؐ کی شہادت

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز نے حکم خداوندی کی روشنی میں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان حضرات کے ساتھ سلوک اور برتاؤ سے ان کے اخلاص پر استدلال۔

Marfat.com

اور استشہاد پیش کیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

یاایھا النبی جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیھم وماواھم جھنم

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے ساتھ جہاد کرو اور منافقین کے خلاف جہاد کرو اور ان پر سختی اور تشدد کرو اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔

کہ جن ہستیوں کو اس حکم کے بعد اللہ تعالیٰ کے پیارے رسولؐ نے اپنا ہمراز اور دمساز بنا کے رکھا اور اپنا وزیر و مشیر منتخب کیے رکھا۔ ان کی طرف نفاق اور کفر کی نسبت کرنے کا کیا جواز ہے۔ بلکہ ان کے صدق و صفا پر اعتراض براہ راست مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض ہے اور آپ کو حکم خداوندی کا مخالف قرار دے کر آپ کی کھلی گستاخی!

اقول: اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

"ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار" ظالموں کی طرف ذرہ بھر میلان نہ کرو ورنہ دوزخ کی آگ کا عذاب تمہیں پہنچے گا، اس فرمان خداوندی کے باوجود ان سے محبت و پیار، ان کی تمام صحابہ کرام سے زیادہ عزت افزائی اور ان کی مجمع عام میں تحسین و توصیف، ان کے ساتھ باہم رشتہ دارانہ روابط حضرت صدیق کو شرف دامادی بخشنا اور اپنی بھاوج حضرت اسماء زوجہ جعفر طیار رضی اللہ عنہا کا ان سے نکاح کر دینا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شرف دامادی بخشنا اور حضرت عثمانؓ کا سسر بننا اس امر کی بین دلیل ہیں کہ یہ مقدس ہستیاں نگاہ خدا اور نگاہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں پاکیزہ، مقدس اور سراپا اخلاص تھیں ورنہ خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان قرآنی احکام کے برعکس عمل پیرا ہونا لازم آئے گا۔ العیاذ باللہ

اہل بدر اور شہادت نبوی:

قرآن حکیم کے حکیمانہ ارشادات کے بعد ذرا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بدری صحابہ کے متعلق ارشاد بھی ملاحظہ کرتے چلیں۔

Marfat.com

(۱) فی المجمع عن الباقر علیہ السلام ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما نظر الی کثرۃ عدد المشرکین وقلۃ عدد المسلمین استقبل القبلۃ وقال: اللھم انجز لی ما وعدتنی، اللھم ان تھلک ھذہ العصابۃ لا تعبد فی الارض فما زال یھتف ربہ مادا یدیہ حتی سقط رداؤہ عن منکبیہ فانزل اللہ اذ تستغیثون ۔ الآیۃ،

امام محمد باقر سے تفسیر مجمع البیان میں منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب لشکر کفار و مشرکین کی کثرت دیکھی اور اہل اسلام کی قلت تو قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر دعا کی اور عرض کیا ۔ اے اللہ ۔ میرے ساتھ کیا ہوا وعدہ نصرت پورا فرما ، اے اللہ اگر یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو زمین میں تیری عبادت نہیں کی جائے گی ۔ آپ اسی طرح دست دعا دراز کر کے التجا کرتے رہے حتیٰ کہ آپ کے کندھوں سے چادر مبارک گر گئی تو اللہ تعالیٰ نے بشارت دیتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی (تفسیر صافی جلد اول ص۲۳۳)

اور دوسری روایت میں اس طرح وارد ہے کہ جب اہل مکہ کفار و منافقین نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی قلت کو دیکھا تو کہا ۔

مساکین ھولاء غرھم دینھم فیقتلون الساعۃ (الی) فقال: یارب ان تھلک ھذہ العصابۃ لم تعبد و ان شئت لا تعبد لا تعبد "

یہ مساکین ہیں ان کو ان کے دین نے ذبح کر دیا یہ تو ابھی قتل ہو جائیں گے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دست دعا دراز کر کے عرض کیا اگر یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو تیری عبادت نہیں ہو گی ۔

اور اگر تو یہی چاہتا ہے کہ تیری عبادت نہ کی جائے تو اسی طرح سہی پھر آپ

Marfat.com

پر استغراقی حالت طاری ہوئی اور ملائکہ کی آمد کا مژدہ سنایا گیا تو آپ نے صحابہ کو مبارکباد دی (صافی ص ۲۲۳ وکذا فی تفسیر مجمع البیان ۲/۵۲۵)

۲- ابوعوانہ سے مروی ہے کہ عبدالرحمٰن بن عطیہ اور ابوعبدالرحمٰن سلمی کے درمیان حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق بات چلی (اور یہ ابوعبدالرحمٰن حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منحرف ہونے والوں میں سے تھا) تو اس نے حیان کی طرف متوجہ ہو کر کہا کیا جانتا ہے کہ تیرے امام کو کس چیز نے خون بہانے اور قتل و قتال کرنے پر برانگیختہ کیا ہے؟ تو اس نے دریافت کیا "تو انہیں کس چیز نے اس امر پر برانگیختہ کیا ہے" اس نے کہا:

حدثنا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لاهل بدر: اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم او کلاما هذا معناه۔" (شرح نھج البلاغہ حدیدی ص ۱۰)

انہوں نے ہمیں بیان کیا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اہل بدر کے متعلق فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تم جو چاہو کرو کیونکہ میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔

۳- تفسیر مجمع البیان جلد پنجم ص ۲۷۲ اور تفسیر منہج الصادقین جلد نہم ص ۲۴۶ پر بھی اہل بدر کے لیے یہی بشارت موجود ہے جس کا سبب ورود حضرت حاطب بن ابی بلتعہ بدری صحابی کی اہل مکہ کے لیے مخبری تھی جس کی وجہ سے ان کو منافق سمجھا گیا اور ان کے قتل کرنے کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی گئی تو آپ نے فرمایا یہ بدری صحابی ہے۔ اور مجاہدین بدر کے متعلق اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے "اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم" جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔ سبحان اللہ اس قسم کی سنگین غلطی کے باوجود نہ اس صحابی کے حق میں نفاق کا طعن قابل برداشت اور نہ ہی تعزیری اور تادیبی کارروائی فرمائی حالانکہ ان کو بارگاہ نبوت میں وہ قرب بھی حاصل نہیں تھا جو خلفاء ثلاثہ کو

Marfat.com

حاصل تھا لیکن میاں ڈھکو صاحب کو اور اس کے ہم مذہب علماء کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اعلان عام نظر آتا ہے اور نہ اس پر اعتقاد اور عمل کی ضرورت محسوس ہوتی ہے نعوذ باللہ من هذا الشقاء۔

۴۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہؓ کے اس اعتراض کا کہ انہوں نے ہمارے صلاح و مشورہ کے بغیر خلافت کو سنبھالا ہے اور ہم اس اجماع میں شریک نہیں ہیں۔ جواب دیتے ہوئے فرمایا۔

ان الناس تبع المهاجرين والانصار وهم شهود للمسلمين فى البلاد على ولاتهم وامرائهم فرضوابى وبايعونى،

باقی لوگ مہاجرین و انصار کے تابع ہیں اور صرف وہی مسلمانوں کے شہروں میں ان ولاۃ امراء اور امراء پر شہود اور گواہ ہیں اور وہ مجھ پر راضی ہیں اور انہوں نے میری بیعت کر لی ہے تو امیر معاویہؓ نے کہا، ہمارے ہاں شام میں بھی مہاجرین و انصار موجود ہیں جو آپ کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے اور نہ آپ کی خلافت پر راضی ہوئے (لہذا یہ دعویٰ کیونکر قابل قبول ہو سکتا ہے) تو آپ نے جواب میں فرمایا

ويحكم هذا للبدريين دون الصحابة ليس فى الأرض بدرى الا وقد بايعنى وهو معى او قد قام ورضى فلا يغرنكم معاوية من انفسكم ودينكم۔

تمہارے لیے افسوس ہے یہ اختیار اور تصرف بدری مہاجرین و انصار کے لیے ہے نہ کہ تمام صحابہ مہاجرین و انصار کے لیے اور روئے زمین پر کوئی بدری صحابی نہیں جس نے میرے ساتھ بیعت نہ کی ہو اور میرے ساتھ شریک کار نہ ہو یا بیعت کر کے اٹھا ہو اور

Marfat.com

مجھ سے راضی نہ ہو لہٰذا معاویہ تمہیں اپنے نفوس اور دین کے متعلق دھوکہ میں نہ ڈالے (شرح حدیدی ص۳ جلد چہارم)

الغرض ان روایات سے بدری صحابہ کرام مہاجرین والنصار کا مدار اسلام وایمان ہونا اور عبادت خداوندی کا ان کی حیات اور بقا سے وابستہ ہونا واضح ہے اور اللہ تعالیٰ کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس قولی اور دعوی کی وجہ سے اعتراض نہ کرنا اس امر واقعہ کی بین دلیل وبرہان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم اسباب میں اہل بدر کی حیات وبقا اور فتح اور کامیابی پر تا قیام قیامت اسلام وایمان اور توحید وعبادت کے موقوف ومترتب ہونے کو مان لیا ہے اور اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موافقت فرمائی۔ اور انہیں مرضی محبوب کے مطابق فتح وکامرانی بھی عطا فرمائی اور ساتھ ہی یہ اعزاز بھی بخشا کہ آج کے بعد جو چاہو کرو تم پر عذاب وعقاب نہیں ہے اور اسی طرح یہ بھی واضح ہوا کہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نگاہ ولایت میں بھی یہ حضرات مقتدائے اہل اسلام ہیں۔ انہیں پر امراء وحکام کا انتخاب موقوف ہے اور ان کی بیعت ان امراء وحکام کے لیے موزونیت واستحقاق کی حتمی سند اور شہادت ہے۔

اہل حنین اور شہادت نبوی:

(۱) ثم رفع رأسه الی السماء فقال اللهم ان تهلك هذه العصابة لم تعبد وان شئت ان لا تعبد لا تعبد (صافی جلد اول)

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اہل اسلام کے وقتی طور پر پیچھے ہٹنے پر) آسمان کی طرف سر اٹھایا اور عرض کیا اے اللہ اگر تو نے اس جماعت کو ہلاک کیا (یا یہ جماعت کفار کے ہاتھوں ہلاک ہو گئی) تو تیری عبادت نہیں کی جائے گی اور اگر تو یہی چاہتا ہے کہ تیری عبادت نہ کی جائے تو پھر تیری عبادت نہ ہی کی جائے، اور یہی مضمون تفسیر قمی ص۲۸۷ پر موجود ہے۔

Marfat.com

غزوہ بدر میں تین سو تیرہ مہاجرین وانصار تھے اور غزوہ حنین میں بارہ ہزار بمع مہاجرین وانصار کے اور فتح مکہ کے بعد اسلام لانے والوں کے، اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں گروہوں کو مدار اسلام اور بنیاد توحید و رسالت قرار دیا اور اساس عبادت خداوند تعالی اور عرض کیا اے اللہ اگر یہ جماعت بدر میں اور وہ جماعت حنین میں ہلاک ہو گئی تو پھر تیری عبادت کبھی بھی نہیں ہو سکے گی تو جو ہستیاں مدار اسلام ہوں اور بنیاد شریعت اور ان کے حق میں یہ اعلان کرنے والے محمد رسول اللہ ہوں اور مہر تصدیق لگانے والا اللہ تعالی ہو، وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی تو ان کے ایمان واخلاص میں کون مسلمان شک کر سکتا ہے۔

تنزیہہ الامامیہ (ص ۴۵/از علامہ محمد حسین ڈھکو صاحب)

کیا اصحاب ثلاثہ اسلام لانے میں مخلص تھے

پیر سیالوی نے اپنے رسالہ کے ص۱۲ و ص۱۳ پر دو مسئلوں کا تذکرہ کیا ہے پہلا یہ کہ اصحاب ثلاثہ اخلاص سے ایمان لائے تھے دوسرا یہ کہ منافق عہد رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں ختم ہو گئے تھے۔

تحفہ حسینیہ: امر اول، حضرت شیخ الاسلام بلکہ تمام عالم اسلام کا ماسوائے روافض کے یہی عقیدہ اور ایمان ہے کہ اصحاب ثلاثہ واقعی اسلام لانے میں مخلص تھے اور دلائل عقلیہ ونقلیہ اس کے شاہد ہیں جس طرح حضرت شیخ الاسلام نے بیان فرمائے اور ہم نے بھی بطور تتمہ ذرا تفصیل سے ان کا ذکر کر دیا۔

امر دوم: یہ کہ منافق عہد رسالت میں ختم ہو گئے، یہ جملہ دیکھ کر جی چاہتا ہے کہ آیہ مباہلہ پڑھ ہی دیں، لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔

Marfat.com

حضرت شیخ الاسلام کی عبارت اصغر تو ملاحظہ و مطالعہ فرمادیں اور بتائیں کہ یہ لفظ وہاں موجود ہیں یا آپ کی عبارت سے یہ مطلب کشید کیا جا سکتا ہے؟ آپ نے آیت کریمہ یا ایہا النبی جاھد الکفار و المنافقین الآیہ کو نقل کر کے دعوت فکر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم جہاد اور تغلیظ و تشدید کا ہو تو آپ جن کو ہمراز و دمساز بنائیں اور وزیر و مشیر تو یقیناً اُن کے متعلق کفر و نفاق کا گمان خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ بد عقیدگی پیدا کرے گا کہ آپ نے قرآن پر عمل نہیں فرمایا نہ یہ کہ مطلقاً منافق ختم ہو گئے تھے۔ مطالب کشید کرنے کے اس انداز پر تو ابن سبا بلکہ شیطان لعین بھی ڈھکو صاحب کو رشک بلکہ حسد کی نگاہ سے دیکھتے ہوں گے۔

تنزیہہ الامامیہ ص ۴۵: الجواب واللہ المعین علی الصواب ارباب دانش و بینش کا قول ہے کہ۔

"عدم العلم لا یدل علی العدم"

یعنی کسی چیز کا معلوم نہ ہونا اس کے نہ ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

اگر مؤلف کو اصحاب ثلاثہ کے اسلام لانے کے کسی دنیوی داعیہ اور محرک کا علم نہیں ہے تو اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ سوائے خلوص و ایمان کے اس کا کوئی اور دنیوی داعیہ موجود نہ تھا۔

تحفہ حسینیہ: ڈھکو صاحب یہ قاعدہ اس وقت استعمال کرتے جب حضرت شیخ الاسلام نے دلائل پیش نہ کیے ہوتے جب آپ نے اجمالاً قرآنی اور عقلی دلائل کی طرف اشارہ فرما دیا جن کی تفصیل ہم نے عرض کر دی ہے تو یہ عدم علم سے عدم شئی پر استدلال نہیں بلکہ دلائل و براہین قاہرہ کے وجود سے مدلول و مطلوب کے حتمی وجود پر استدلال ہے علامہ ڈھکو صاحب دل کی آنکھیں چلو نہ سہی مگر سر کی آنکھوں سے دیکھ لیتے کہ یہاں ارباب دانش و بینش کے اس قاعدہ کا ذکر کر کے تم نے کس قدر دانش و بینش سے محرومی کا ثبوت فراہم کیا ہے۔

Marfat.com

تنزیہہ الامامیہ فصل اوّل

ابوبکرؓ صاحب کے اسلام لانے کا اصل محرک

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی تک اعلانِ نبوت بھی نہیں فرمایا تھا کہ جناب ابوبکر کی سفرِ تجارت کے سلسلہ میں شام جاتے ہوئے بحیرہ راہب سے ملاقات ہوئی۔ اس نے رسمی احوال پرسی کے بعد یہ پیش گوئی کی کہ عنقریب تم میں ایک شخص نبوت کا دعویٰ کرے گا اور تکالیف شاقہ برداشت کرنے کے بعد وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوجائے گا۔ تم اس کی تصدیق کرنا کیونکہ اس نبی کے بعد زمام اقتدار تمہیں ملے گی۔

(ملاحظہ ہو، سیرت حلبیہ ج ۱ : ۳۱۰، تاریخ الخلفاء ۲۳، صواعق محرقہ ۵۰)

(۱) چونکہ ابوبکر صاحب کو راہب کی بات پر پختہ یقین تھا۔ اس لیے جب آنحضرتؐ نے اعلان نبوت فرمایا تو یہ بظاہر دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے اور حصول اقتدار اور عروس حکومت سے ہمکنار ہونے کے لیے تمام تر تکالیف کو بطیب خاطر برداشت کیا۔

(۲) خلیفہ صاحب کے قلبی مرض کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شرک تم میں چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی چلتا ہے۔

(در منثور ۱، ۵۴، کنز العمال ۲ : ۱۶۹)

(۳) نیز آنحضرتؐ نے یہ فرما کر ابوبکر کی سبقت اسلامی کا بھانڈا بھی چوراہے پر پھوڑا ہے۔ "ما سبقکم ابوبکر بصوم ولا صلوٰۃ الا بشئ وقر فی قلبہ" یعنی ابوبکر نے روزہ رکھنے، نماز پڑھنے میں تم پر سبقت حاصل نہیں کی بلکہ ایک ایسی چیز کی وجہ سے کی ہے جو ان کے دل میں راسخ تھی"، یعنی بحیرا راہب کی پیشگوئی۔

Marfat.com

ع - نہاں کے ماند آن رازے کزو سازند محفلہا۔

تحفہ حسینیہ ۔ از ابوالحسنات محمد اشرف السیالوی۔

ڈھکو صاحب نے قرآن مجید اور ارشادات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ارشادات ائمہ جو اصحاب ثلاثہ کے اخلاص پر دلالت کرتے ہیں ان کے مقابل اور معارض اقوال پیش کر کے حضرت شیخ الاسلام کے استدلال کا توڑ پیش کرنا چاہا ہے اور اس میں ترتیب خلافت کو ہی ملحوظ رکھ کر اپنے قلبی بغض کا اظہار کیا ہے۔ سیرت حلبیہ اور صواعق محرقہ میں مرقوم روایت بجا مگر اس سے جو نتیجہ اخذ کیا گیا ہے وہ ڈھکو صاحب کی اپنی افتاد طبع ہے۔ اس قول میں کوئی ایسی دلالت تو کجا اشارہ بھی موجود نہیں ہے اور اسی کشید کردہ بلکہ فرض کردہ مقصد کو مدنظر رکھ کر تیسری دلیل بھی تیار کر لی ہے لہٰذا ڈھکو صاحب کے استدلال کا دارومدار دو امور پر ہوا ایک اپنے مفروضہ پر اور دوسرا ایک حدیث پر اب ہم ذیل میں اس استدلال کی عقلی اور نقلی حیثیت کو واضح کرتے ہیں اور فیصلہ قارئین کرام پر چھوڑتے ہیں۔

(1) قابل توجہ امر یہ ہے کہ آیا قرآن مجید کی آیات صریحہ اور احادیث صحیحہ کے مقابل سیرت حلبیہ کی روایت سے خود ساختہ اور تراشیدہ مطلوب پیش کرنا کسی با اصول عالم دین بلکہ مسلمان کے نزدیک قابل قبول ہو سکتا ہے ظاہر ہے دلائل کے مقابلہ میں جوابی طور پر دلائل پیش کرتے وقت قوت کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ اگر دلیل وزنی ہو گی تو مستدل کا موقف وزنی ہو گا اور برابر درجہ کی ہونگی تو دونوں احکام موقوف اور معلق ہو کر رہ جائیں گے اور کمزور دلیل بلکہ شبہ پیش کیا جائے گا تو طفلانہ حرکت اور مجنونانہ گپ قرار پائے گی۔ اس پس منظر میں دیکھو تو شیخ الاسلام قرآن مجید کی آیات کا خلاصہ اور مغز پیش کر رہے ہیں اور ڈھکو صاحب ایسی روایت جس میں قطعاً ان کے مدعا پر کسی پہلو سے دلالت موجود ہی نہیں بلکہ صرف اپنا مزعومہ اور مفروضہ ہے جس کو صرف طفلانہ بلکہ مجنونانہ حرکت ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

(۲) دلیل وہ ہونی چاہیئے جو دعویٰ اور مدلول کو مستلزم ہو اور عقلاً تحقق دلیل کے بعد مدلول کا متحقق نہ ہونا باطل ہو لیکن اس روایت میں اس طرح کا کوئی استلزام موجود نہیں یہ خبر سن کر حضرت ابوبکر، ہو سکتا ہے خلوص سے ایمان لائے ہوں اور راہب کی خبر کے ہر دو حصوں کا یقین کیا ہو کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے برحق رسول ہیں اور میں ان کی زندگی میں وزیر و مشیر اور بعد از وصال خلیفہ اور نائب ہوں گا۔ جب یہ احتمال موجود ہے بلکہ دلائل کتاب و سنت کی روشنی میں متعین ہے تو دوسرے احتمال کی وجہ ترجیح تو کجا، اس کا تصور بھی کوئی ہوش اور عقلمند نہیں کر سکتا۔ اس کے تحت پہلی صورت کو رد کیونکر کیا جا سکتا ہے اور برکم زعم۔
اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال والے عقلی قاعدہ کے تحت باعزت انسان کو اپنے استدلال سے دست بردار ہونا پڑتا ہے۔
جب اس کے استدلال میں دوسرا احتمال موجود ہو چہ جائیکہ جب دوسرا احتمال ہی متعین ہو۔

تذییل: یہی حال تیسری دلیل کا بھی ہے (کہ جناب ابوبکر نے اسی چیز کی وجہ سے سبقت کی ہے جو ان کے دل میں راسخ ہے)

(۵) کیونکہ ظاہر ہے دل میں حرص و لالچ بھی ہوا کرتا ہے اور ایمان و اخلاص بھی اور عشق و محبت بھی، جب دونوں احتمال موجود ہیں تو ازروئے عقل اور دیانت یہ استدلال بھی لغو اور باطل ٹھہرا

(ب) **تحریف معنوی اور ستم بالائے ستم:** ڈھکو صاحب نے اپنی جان پر ظلم یہ کیا ہے کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں تحریف معنوی کر دی ہے۔

"ما سبقکم ابوبکر بصوم ولا بصلوٰۃ الا بشئ وقر فی قلبہ"

جس کا صحیح ترجمہ تو یہ تھا۔ کہ تم سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نہ روزہ کے ذریعے سبقت لے گئے ہیں اور نہ نماز کے سبب سے لیکن اس چیز کی وجہ سے جو ان کے دل میں راسخ ہے۔

Marfat.com

یعنی ان کی سبقت اہل اسلام پر مسلم ہے مگر بسبب اکثرت صوم وصلوٰۃ۔
نہیں بلکہ یہ تو اعمال ظاہرہ ہیں اور وہ سبب ان کے دل سے تعلق رکھتا ہے۔ لیکن ڈھکو صاحب نے طالب علموں کے سامنے شرمندگی کا خوف کیے بغیر اپنی مرضی کا ترجمہ داغ دیا۔ طلبہ جانتے ہیں کہ جس چیز کی طرف سبقت مراد ہو اس پر (الی) داخل کیا جاتا ہے کما قال تعالیٰ: سابقوا الی مغفرۃ من ربکم. الآیۃ نہ کہ اس پر باء داخل کی جاتی ہے جو کہ سببیت پر دلالت کرتی ہے لیکن اگر یہ معنی کرتے جو قواعد کے مطابق ہے تو قلبی بغض کا اظہار نہیں ہو سکتا تھا اس لیے شرم خلق اور شرم خدا سے بے نیاز ہو کر یہ ترجمہ کر دیا۔

الغرض جب اس میں بھی احتمال ہے کہ وہ شئی ایمان و یقین کامل اور اخلاص اکمل ہو تو استدلال باطل ہو گیا بلکہ یہی احتمال متعین ہے کیونکہ تمام اہل اسلام پر سبقت طلب جاہ اور حرص سلطنت سے تو ثابت نہیں ہو سکتی بلکہ ایمان و اخلاص کامل اور حب صادق سے کیونکہ اعمال ظاہرہ بمنزلہ مجسمے ہوا کرتے ہیں اور یقین محکم اور حب صادق اور عشق کامل، ان کی جان اور ان کے پر پرواز ہوا کرتے ہیں جو سبقت کا موجب بنتے ہیں۔ قال الحمد فقط الشیرازی۔

آنجا کہ زاہداں بہ ہزار اربعین رسند — مست شراب عشق بیک آہ میرسد

(ج) علاوہ ازیں یہ تیسری دلیل ڈھکو صاحب کی پہلی دلیل کی فرع ہے جب اس کے پرخچے فضاء آسمانی میں بکھرے ہوئے ہر آنکھ والے کو نظر آ جائیں گے تو اس کا فیصلہ وہ خود کریں گے۔

(۳) بحیرا راہب نے جو کچھ آپ کو بتلایا تھا اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی آخر الزمان ہونا بھی داخل تھا اور سب اہل کتاب کا ان کی راہ میں آنکھیں بچھائے ہونا بھی۔ اگر آپ کو اس کی بات سن کر اپنے وزیر اور خلیفہ ہونے کا یقین آ گیا تھا تو آپ کی نبوت و رسالت کا یقین کیونکر نہ ہوا اور جب آپ کو اس کی خوشخبری کے تحت دونوں امر کا یقین ہو گیا تو اس سے آپ کے عدم من بر اعتراض

کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے مثلاً ہمیں یقین ہے کہ آپ کی غلامی میں آ کر جنت ملے گی اور حور و غلمان اور نہ ختم ہونے والی زندگی تو کیا ہمارا ایمان صرف اس لالچ کے تحت ہوگا لہٰذا معاذ اللہ اس کا اعتبار ہی نہیں ہوگا؟ نعوذ باللہ من ذٰلک جب یہ بشارت ہمارے اخلاص میں مخل نہیں تو وہ بشارت حضرت صدیق کے اخلاص میں کیونکر خلل انداز ہو سکتی ہیں۔

(۴) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ملک عرب کے مالک بن چکے ہوتے یا آپ کے لیے حالات سازگار ہوتے تو پھر تو اس توہم کی کوئی گنجائش ہو سکتی تھی لیکن مکی زندگی کے تیرہ سال انتہائی پُرآشوب تھے، پھر مدنی زندگی میں کبھی جنگ بدر کبھی جنگ احد اور کبھی خندق وغیرہ، علاوہ ازیں وطن سے بے وطن ہونا، گھر بار سے الگ ہونا اور کفار کی طرف سے زد و کوب کیا جانا، (جس کو خود ڈھکو صاحب نے تقیہ نہ کرنے کے خوفناک انجام کے تحت ذکر کیا ہے) قریبی رشتہ داروں بلکہ اولاد کے ساتھ جنگ و جدال صرف اس موہوم امید پر کون برداشت کر سکتا ہے اگر دل میں حلاوت ایمان گھر نہ کر چکی ہو اور عشق نبوی کے شراب نے مست بنا کر دنیا کی ہر تکلیف کو سہل نہ کر دیا ہو تو ایسے مصائب و شدائد کبھی برداشت نہیں ہو سکتے۔

(۵) راہب نے جس وزارت اور خلافت کی خبر دی تھی وہ ذاتی رائے اور نجوم و رمل کے علم پر مبنی تھی یا اللہ تعالیٰ کی منزل کتب میں ازلی فیصلہ اور محیط علم غیب کی بنا پر، صورت اولیٰ میں اس قدر جزم اور یقین کس کو آ سکتا ہے بالخصوص ان مشکل اور تکلیف دہ احوال میں اور دوسری صورت میں اخلاص کی نفی نہیں ہو سکتی ورنہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر بھی یہی فتویٰ لگے گا کیونکہ ولادت شریفہ کے وقت سے لے کر اعلان نبوت سے پہلے تک مختلف رہبان اور احبار آپ کی نبوت و رسالت کی خبریں دیتے رہے اور اس وجہ سے آپ کو جناب ابو طالب نے سفر تجارت میں شام کی طرف لے جاتے وقت راہ

Marfat.com

سے واپس کردیا تھا کیونکہ راہب نے آپ سے کہا تھا کہ یہ پیغمبر آخر الزمان ہیں۔ اور مجھے ان کے متعلق یہود کی بدباطنی اور دشمنی کا خطرہ ہے اور اس قسم کے بے شمار واقعات کتب سیرت میں موجود ہیں تو کیا یہاں بھی اس قسم کے توہم کی گنجائش ہو گی۔

(۶) اگر یہ خلافت ظالمانہ تھی تو راہب کو بطور بشارت اور مژدہ اس کو ذکر کرنے کا کوئی مطلب نہیں ہو سکتا تھا۔ اور نہ اس کے حصول کے لیے کوشش کرنے کی ترغیب دینے کی کوئی وجہ ہو سکتی تھی اور اگر اللہ تعالیٰ کے خصوصی انعام اور عطیہ کے طور پر تھی تو اس سے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا اعزاز و اکرام ظاہر ہے کہ جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے قبل ان کی خلافت کا اعلان ملائکہ اور جنوں میں کیا گیا۔ آدم علیہ السلام کے اس فرزند ارجمند کی خلافت کا اعلان بھی ان کی پیدائش سے قبل آسمانی کتابوں اور رسل و انبیاء علیہم السلام کی زبانی کرایا گیا اور مقدر کی بات ہے کہ پہلی امتوں کا بھی اس پر ایمان اور اعتقاد ہے لیکن یہ بدقسمت لوگ محمد عربی کے حلقہ غلامی میں داخل ہونے کے مدعی ہو کر اس پستی میں گرے ہیں کہ اس عظیم خلافت پر ایمان نہیں لاتے بلکہ اس کے انکار کو جزو ایمان بلکہ عین ایمان تسلیم کرتے ہیں۔

(۷) نیز یہ بھی واضح ہو گیا کہ یہ محض شورائی خلافت نہیں تھی بلکہ اس کے فیصلے اللہ تعالیٰ کے ازلی کلام میں ہو چکے تھے اور کتب سابقہ میں بھی ہاں البتہ زبان خلق نقارۂ خدا کے تحت اس اجماع و اتفاق نے اس ازلی فیصلہ پر تصدیق لگا دی ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کو یہ خلافت پسند نہیں تھی تو اس کے اعلان کرا کر اور رائج دلا کر وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کونسی مہربانی کا اظہار کر رہا تھا جو برحق خلیفہ ہے اس کا اعلان نہ ہو اور کسی کتاب سماوی میں نام نہ ہو اور جو ناحق ہیں ان کی خلافت کا ہر دور میں اعلان ہو اور ہر ایک کا اس پر ایمان ہو آخر یہ خدائے عادل کے عدل کے کہاں تک مطابق اور موافق ہے؟ اور اگر ان کی خلافت کا ذکر بھی تھا

Marfat.com

تو لازماً ان کو بھی علم ہوگا ورنہ علم میں ناقص ہونا لازم آئے گا اور عالم ما کان وما یکون ہونے کے خلاف، جو کہ عقیدہ روافض ہے۔ تو آپ کے اخلاص پر بھی حرف آسکتا ہے صرف ابوبکر صدیق پر اعتراض کیوں؟ پھر ایسے لالچی لوگوں کے ذریعے اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کو سہارا دینے کی کیا ضرورت بھی کیا وہ خود اور حضرت علی کافی نہیں تھے۔

(۸) چلئے ڈھکو صاحب آپ کے ادعاء باطل کے مطابق ابوبکر صدیق کو تو یہ حرص اور لالچ تھا لہٰذا مشکلات بھی برداشت کرلیں اور بظاہر اسلام بھی لے آئے مگر دوسرے مہاجرین وانصار کو کس نے مجبور کیا، اس راہب کی بشارت نے یا ابوبکر کی افواج اور سپاہ نے، ان کا اخلاص اور صدق دل سے اسلام لانا قرآن سے ثابت ہے اور علی الخصوص انصار کا ایثار کہ اپنے شہر میں آنے والے مسلمانوں کو ہی اپنا خلیفہ اور سردار بنالیا تو آخر ان کو کس نے مجبور کرلیا تھا کم از کم وہ اپنے علاقہ میں تو اپنی حکومت قائم کرلیتے اور دنیا میں ایسا کون سا دشمن عقل ودین ہوگا جو دین بھی گنوائے اور دنیا بھی گنوائے۔ اگر انصار نے تقاضائے دین کے برعکس ہی کرنا تھا تو آپ خلیفہ اور حاکم بنتے یا پھر دنیا کو نظرانداز کرتے اور دین کو برقرار رکھتے اور جو صحیح خلیفہ تھا اس کی خلافت کو تسلیم کرتے۔ الغرض واضح ہوگیا کہ راہب کی خبر نے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تو مجبور نہیں کیا تھا انہوں نے جو فیصلہ دیا وہ اپنی مرضی سے دیا لہٰذا یہ خلافت حق تھی اور عنداللہ اسی کا فیصلہ تھا اور اسی صدیق کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ اسلام کی نشأۃ ثانیہ کی بنیاد رکھوانا چاہتا تھا۔ اس لیے اس کے اعلانات پہلے سے ہی کرادئے گئے اور تمام اہل اسلام مہاجرین اور انصار کو آپ کی خلافت پر متفق کردیا۔

(۹) مہاجرین کا اخلاص قول باری تعالیٰ۔ یبتغون فضلا من اللہ و رضوانا سے واضح ہے اور ارشاد خداوندی الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ، سے ظاہر ہے اور ان سب کے

Marfat.com

امام و پیشوا صدیق اکبر ٹھہرے تو ان کے اخلاص میں کیا شک و شبہ ہو سکتا ہے نیز مہاجرین کو اولئك هم الصادقون فرمایا گیا اور انصار کو اولئك هم المفلحون. جب کہ صدیق اکبر صادقین و مفلحین کے بھی امام و پیشوا تو پھر ان کے اخلاص اور صدق دلی پر کسی کافر کو بھی شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔

(۱۰) راہب نے آپ کے خواب کی کہ "چاند طلوع ہوا اور اس کا ایک ایک ٹکڑا مکہ شریف کے ہر گھر میں گرا اور پھر وہ مکمل ہو کر آپ کی گود میں آگیا"، تعبیر بیان کی تھی۔ یہ شیطانی تو ہو نہیں سکتا کیونکہ اس میں نبوی عظمت کا اظہار تھا اور آپ کے فیوض کے عموم کا بیان۔ لہٰذا یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو ترغیب تھی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں لانے کی۔ تدبیر جس میں نہ ابوبکر کا دخل اور نہ راہب کا کیونکہ اگر آپ کو خواب نہ آتا تو نہ تعبیر پوچھتے اور نہ ہی خلافت حقہ کے غصب ہونے کا راستہ کھلتا، لہٰذا۔ حضرت صدیق کی ذات اقدس پر ناراض ہونے کی بجائے اللہ تعالیٰ کے متعلق فیصلہ کرنا چاہیے کہ اسے روافض کے عقیدہ پر کاری ضرب لگانے میں دلچسپی کیوں ہے۔ اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل کی راہ میں روڑے اٹکانے کا خیال کیوں!

تلك عشرة كاملة فهاتوا برهانكم ان كنتم صادقين۔

فائدہ: ڈھکو صاحب کی بنیادی دلیل کا حال دیکھ کر اب آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جب اصل کی حالت یہ ہے تو فرع کی کیا ہوگی۔ یعنی تیسری دلیل کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکر تم پر صرف اس چیز کی وجہ سے سبقت لے گیا ہے جو اس کے دل میں راسخ ہو چکی ہے یعنی بحیرا راہب کی پیش گوئی کی وجہ سے حکومت کا حرص۔ لیکن اس شبہ کا بھی علمی تجزیہ ہو جائے تو بہتر ہوگا۔ قرآن مجید نے غلامان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا۔

Marfat.com

(۱) والسابقون الأولون من المهاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان

یہاں بھی سبقت کا لفظ ہے تو اس سے اخروی درجات مراد ہیں اور ایمان و استسلام میں سبقت مراد ہے اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ان سابقین کے ایک اہم اور مقدم رکن ہیں۔ لہٰذا حدیث شریف میں بھی ان کی اس سبقت کا ذکر ہے اور اس کی بنیادی وجہ اور حقیقی سبب کا جس نے ان کو سابقین کا بھی رئیس اور سردار بنا دیا ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: الا ان الیوم مضمار و غداً السباق والسبقة الجنة (نہج مع الشرح الحدیدی ص ۹۰ ج ۲) یعنی آج ریاضت و مشقت ہے اور کل سبقت ہے اور وہ جنت ہے۔

(۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ فکنتم فیمن دخل فی ھذا الدین اما رغبة واما رھبة فکنتم فیمن دخل فی ھذا الدین اما رغبة واما رھبة علی حین فاز اھل السبق بسبقھم وفاز المھاجرون الاولون بفضلھم (شرح حدیدی جلد سوم ص ۲۱۰)

تم ان لوگوں میں سے تھے جو اس دین میں رغبت کی وجہ سے داخل ہوئے یا خوف کی وجہ سے جس وقت کہ سبقت لے جانے والے اپنی سبقت کی وجہ سے کامیاب ہو چکے تھے اور مہاجرین اولین اپنے فضل و مرتبہ کی وجہ سے۔

جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں بھی سبقت سے مراد وہی سبقت ہے جو موجب فوز و فلاح ہے اور ضامن ترقی درجات اور یہی تحقیق لفظ سبق کی امام راغب نے ذکر کی ہے (السبق لاحراز الفضل والتبریز وعلی ذلک والسابقون السابقون) الخ (مفردات ص ۲۲۲) لہٰذا ڈھکو صاحب کا یہ شبہ بیت عنکبوت سے بھی کمزور تر ہے۔

موئف کا دوسرا شبہ اور اس کا جواب: ڈھکو صاحب نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف روئے سخن ہونے کی وجہ سے آپ کو مورد الزام ٹھہرایا اور ان کے

Marfat.com

دل کی مرض کی تشخیص کا دعوی کر دیا حالانکہ دیگر دلائل کتاب وسنت کے مقابل اس شبہ کا سہارا لینا بے سود ہے جو ان کے اخلاص پر صریح الدلالت ہیں ۔علاوہ ازیں یہاں چند امور توجہ طلب ہیں ۔

(۱) بسا اوقات ایک اہم ہستی کی طرف روئے سخن کیا جاتا ہے لیکن مراد دوسرے لوگ ہوتے ہیں اور اس خطاب کا مقصد دوسروں کے دلوں میں اس حکم کی اہمیت کا راسخ کرنا ہوتا ہے جس طرح ارشاد باری تعالی ہے ۔

"ولا تمدن عینیک الی ما متعنا به ازواجا منهم زهرة الحیوٰة الدنیا۔"

آپ آنکھیں بڑھا کر اور اٹھا کر ہرگز نہ دیکھیں ان چیزوں کی طرف جو ہم نے ان میں سے مختلف لوگوں کو عطا کی ہیں حیواۃ دینویہ کی زینت کے طور پر ۔

حالانکہ اس ذات مقدس نے کونین کی نعمتوں کو بھی خاطر میں نہ لاتے ہوئے فقر و مسکنت کو اختیار فرمایا ہوا تھا لہذا یہاں روئے سخن آپ کی طرف ہے ۔ اور مراد دوسرے لوگ ہیں اور یہی معاملہ حضرت صدیق کا ہے لہذا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے مرض قلب کی نشاندہی تو اس سے نہیں ہوتی البتہ مؤلف صاحب کے مرض قلب و روح کی نشاندہی ضرور ہوتی ہے ۔

(۲) الشرک اخفی فیکم ۔ کا خطاب اگرچہ عام ہے لیکن کبھی عام سے عموم والا معنی مراد نہیں ہوتا بلکہ بعض کا فعل ہوتا ہے مگر اس کی نسبت سب کی طرف کر دی جاتی ہے جس طرح بنی اسرائیل میں سے بعض نے قتل کا ارتکاب کیا لیکن نسبت سب کی طرف کرتے ہوئے اللہ تعالی نے فرمایا ۔ واذ قتلتم نفسا فادارأتم فیها ۔ اس وقت کو یاد کرو جب تم نے ایک شخص کو قتل کیا پھر اس قتل کو ایک دوسرے پر ڈالا ۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ کا ارشاد ہے ۔ فایدلنا بعد الضلالة بالهدی واعطانا البصیرة

Marfat.com

بعد المعی (نہج البلاغہ مصری ۵۳۹/۱)

اللہ تعالیٰ نے ہمیں گمراہی کے بعد اس کے بدلے ہدایت عطا فرمائی اور دل کے نابینا اور اندھا ہونے کے بعد قلبی بصیرت عطا فرمائی اگر اس کلام کو اپنے ظاہر پر رکھو تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھی پہلے گمراہ ہونا اور قلبی بصیرت سے محروم ہونا لازم آئے گا، حالانکہ نہ شیعہ اس کے قائل ہیں اور نہ ہی ہم اس کے معتقد ہیں، اسی طرح حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں بھی دوسرے دلائل کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہی تاویل متعین ہوگی ورنہ خطاب عام ہونے کی صورت میں خود حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اس میں داخل ہوں گے اور شرک خفی کا آپ میں بھی سرایت کرنا لازم آئے گا اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اس مضمون کو دوسری روایت میں الشرك فی هذه الامة اخفی من دبيب النمل سے تعبیر کیا گیا ہے (مفردات راغب ص: ۲۶۰) اور امت میں حضرت علی، حضرت ابوذر، حضرت مقداد اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہم اجمعین بھی داخل ہیں حالانکہ وہ اس سے منزہ و مبرا ہیں لہٰذا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ بھی مبرا و منزہ ہیں اور خطاب چونکہ امت کے متعلق ہے لہٰذا قیامت تک پیدا ہونے والے لوگوں میں سے کوئی بھی اس شرک خفی میں مبتلا ہو تو آپ کا فرمان بھی صادق ہو جائے گا لیکن صدر اول اور مہاجرین و انصار اور علی الخصوص بدری صحابی ہی اس کا نشانہ بنانے کیوں ضروری ہیں، کیا صرف اس لئے کہ ابن سبا کی قوم اور مجوسیوں کو ان سے تکلیف پہنچی۔

لمحہ فکریہ: وعدہ خلافت ہو تو پھر خطاب کی ضمیر ہونے کے باوجود مصداق حضرت مہدی علیہ السلام بن جائیں گے جیسے کہ تفسیر صافی وغیرہ میں زیر آیت: وعد الله الذين آمنوا منكم وعملوا الصالحات ليستخلفنهم (الآیہ) لکھا ہے کہ اس سے مراد حضرت مہدی علیہ السلام کی امامت و خلافت کا وعدہ ہے اور اگر ریاکاری اور شرک خفی کے بیان میں ضمیر خطاب وارد ہو تو پھر صرف ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذات

Marfat.com

مراد ہو گی کیا یہ انصاف کا تقاضا ہے یا علم تحقیق اور شان اجتہادی کا کہ کہیں تو ضمیر خطاب سے ڈیڑھ ہزار سال بعد والے یا اس سے بھی متاخر لوگ مراد ہوں اور کہیں صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ اور قریبی صحابی مراد ہوں جو مہاجرین اولین میں سے ہوں اور مجاہدین بدر واحد خندق وخیبر اور غازیان تبوک میں سے جن کا اخلاص بیسیوں آیات، سینکڑوں احادیث اور ارشادات ائمہ سے مہر نیم روز کی طرح واضح اور عیاں ہو، بریں عقل و دانش بباید گریست۔

(۳) خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے اخلاص کی گواہی دیتے ہوئے فرمایا،

کان افضلھم فی الاسلام کما زعمت. وانصحھم للہ ولرسولہ الخلیفۃ الصدیق وخلیفۃ الخلیفۃ الفاروق ولعمری ان مکانھما فی الاسلام لعظیم وان المصاب بھما لجرح فی الاسلام شدید الخ شرح ابن میثم بحرانی ۴۸۸/۳

ان سب مہاجرین میں سے افضل جیسے کہ تیرا قول اور نظریہ ہے اور سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خلوص رکھنے والے خلیفہ رسول ابو بکر صدیق ہیں اور ان کے خلیفہ عمر فاروق اور مجھے اپنی حیات کے خالق کی قسم ان کا مرتبہ اسلام میں بہت بڑا ہے اور ان کا دنیا سے رخصت ہونا اسلام کے لیے ناقابل تلافی نقصان اور نہ مندمل ہونے والا زخم ہے۔

ایک طرف قرآن مجید ان کے اخلاص کی گواہی دے دوسری طرف سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے فضائل ومناقب بیان کریں اور خود علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان کو سب سے زیادہ افضل اور مخلص للہ ولرسول قرار دیں اور ان کی جدائی کو اسلام کے قلب وجگر کا نہ مندمل ہونے والا زخم قرار دیں اللہ تعالیٰ اور رسول گرامی اور معدن ولایت علی مرتضیٰ سے بڑھ کر کون زیادہ حکیم ہے کہ اس نے تو مرض قلب کی

Marfat.com

تشخیص کرلی لیکن ان حضرات کو کچھ پتہ نہ چل سکا۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

(۴) علاوہ ازیں شرک خفی نام ہے ریاکاری کا اور کبھی اس کی طرف توجہ نہیں دی جاتی اور وہ اندر ہی اندر ترقی کرتا رہتا ہے لہٰذا طبیب روحانی نے زیر تربیت اپنے غلاموں کو اس کی اہمیت جتلانے کے لیے فرمایا کہ ریا یہ چیونٹی کی چال میں غیر محسوس طریقہ پر انسان میں سرایت کرتا رہتا ہے لہٰذا اس سے ہوشیار اور چوکس رہنے کی ضرورت ہے اور دل کی پاسبانی اور نگرانی کی ضرورت ہے لہٰذا یہ تربیت اخلاق اور اعلیٰ ترین اوصاف کے ساتھ متصف ہونے کی ترغیب ہے نہ کہ مرض قلب کا اثبات اور اس کے لاعلاج ہونے کا بیان۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

وہی روایت جس کا ایک جملہ ڈھکو صاحب نے مفید مطلب سمجھ کر لکھ دیا خود اسی روایت سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہے آپ نے فرمایا، الا ادلک علی شی اذا قلته ذهب قليله وكثيره کیا میں تجھے ایسا وظیفہ نہ بتلاؤں کہ جب تو اسے پڑھے تو قلیل اور کثیر ہر طرح کا شرک دور ہو جائے۔

قل اللهم انی اعوذبك ان اشرك بك وانا اعلم واستغفرك لما لا اعلم (تفسیر در منثور ۵۲) اسی طرح کہا کرو اے اللہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس کی کہ تیرے ساتھ شرک کروں دیدہ دانستہ اور میں تجھ سے استغفار کرتا ہوں اور بخشش طلب کرتا ہوں اس کی جو میں نہیں جانتا، تو کس قدر مطلب اور مفہوم واضح ہے کہ طبیب روحانی اپنے مخلص غلام کو تربیت دے رہا ہے اور امکانی صورت کا تدارک بتلا رہا ہے لہٰذا اس صورت میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ پر اعتراض کا کیا جواز ہے؟ اور اگر حضرت صدیقؓ کے دل میں شرک تھا تو ان سے ازدواجی مراسم قائم کرنا اور برادرانہ روابط روا رکھنا کیا قرآن مجید کے اس ارشاد کی کھلی خلاف ورزی نہیں ہوگی۔

"یا ایها النبی جاهد الکفار والمنافقین واغلظ علیهم"

یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کفار و منافقین کے ساتھ جہاد کرو اور ان پر سختی کرو۔

Marfat.com

اور اسی طرح فرمان باری تعالیٰ کی بھی

"ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار"

ظالموں کی طرف لوئی میلان اور معمولی رغبت بھی نہ رکھو ورنہ تمہیں دوزخ کی آگ اپنی لپیٹ میں لے لے گی اور کونسا مسلمان ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اس خلاف ورزی کو روا رکھے۔

تنبیہ: ڈسکو صاحب نے لفظ شرک مطلق لکھ کر یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ یہاں شرک جلی اور شرک اکبر مراد ہے حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے اس میں چیونٹی کی چال کی طرح چلنے کا کیا مطلب بلکہ یہاں ریا مراد ہے جیسے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ان یسیر الریاء شرک" معمولی سی ریاکاری بھی شرک ہے اور ریاء کا صدور انسان کو کافر و مشرک شرعی نہیں بناتا لہذا یہاں بھی ڈنڈی ماری گئی ہے خود اسی روایت میں یہ تصریح ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

هل الشرك الا من جعل مع الله الها آخر" اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے عرض کیا: هل الشرك الا ما عبد من دون الله او ما دعی مع الله، یعنی کیا شرک تو صرف یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو الہ اور معبود مانا جائے اور ہم تو آپ کے غلام ہیں۔ اور توحید و رسالت کے عقیدہ پر کاربند ہیں تو آپ نے فرمایا نہیں وہ چیونٹی کی طرح سرایت کرنے والا بھی ہوتا ہے اور وظیفہ بتلاتے ہوئے اس کا اثر بھی یہی بتلایا کہ اس سے قلیل اور کثیر ہر دو شرک دور ہو جائیں گے حالانکہ شرک جلی تو قلیل نہیں ہو سکتا وہ تو "ان الشرك لظلم عظيم" کا مصداق ہے اور کثیر و عظیم ہی ہے۔ اس صورت میں بھی ڈسکو صاحب کی تشخیص غلط ہو گئی اور اس کی دھاندلی واضح ہو گئی۔ کیونکہ شرک جلی منافی ایمان ہے، شرک خفی تو ایمان کے منافی نہیں البتہ کمال صدیق کے منافی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن مجید میں الاتقی فرمایا ہے۔

"سیجنبها الاتقی الذی یوتی ماله یتزکی" دوزخ کی دہکتی آگ سے

Marfat.com

وہ شخص ضرور دور رکھا جائے گا جو بہت زیادہ پرہیزگار ہے جو کہ مال کو تزکیہ قلب کے حصول کے لیے راہِ خدا میں دیتا ہے اس آیت کریمہ کے تحت ابو علی طبرسی نے مجمع البیان میں کہا کہ اس سے مراد ابوبکر ہیں :

عن ابن الزبير قال ان الاية نزلت فى ابى بكر لانه اشترى المماليك الذين اسلموا مثل بلال و عامر ابن فهيرة و غيرهما و اعتقهما. (مجمع البیان ۵۰۲/۵)

ابن الزبیر سے مروی ہے کہ یہ آیت کریمہ ابوبکر صدیق کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ انہوں نے ان غلاموں کو خرید کر آزاد کیا جو اسلام لا چکے تھے مثلاً حضرت بلال، عامر بن فہیرہ اور دیگر غلام۔

لہٰذا ایسی ہستی میں قلیل ترین ریاکاری بھی قابلِ برداشت نہیں ہو سکتی تھی اس لیے اس کی اہمیت بھی واضح فرمائی اور اس کا علاج بھی بتلایا اس لیے یہ روایت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خصوصی تربیت اور اعلیٰ تہذیب کی دلیل ہے نہ کہ تنقیص شان کی ۔ ؎

چشم بد بین کہ برکندہ باد — عیب نماید ہنرش در نظر ۔

تنزیہ الامامیہ — از علامہ محمد حسین ڈھکو صاحب

اسلام عمر کی حقیقت : کتب سیر و تواریخ کی ورق گردانی کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کے اعلان نبوت کے چھ سال بعد تک عمر صاحب اسلامی دائرہ میں داخل نہیں ہوئے بلکہ اس اثنا میں مختلف طریقوں سے آنحضرتؐ کو اذیت پہنچاتے رہے حتیٰ کہ ایک مرتبہ جب ابوجہل نے آنحضرتؐ کو قتل کرنے پر ایک ہزار سرخ و سیاہ اونٹ اور ایک ہزار اوقیہ چاندی دینے کا اعلان کیا تو عمر صاحب قتل رسول کے ارادہ سے شمشیر بکف ہو کر رسول خدا کو قتل کرنے کے بد ارادہ

Marfat.com

سے روانہ ہوئے اور جب اسی حالت میں بارگاہ نبوی میں پہنچے تو آنحضرتؐ باہر تشریف لائے اور عمر صاحب کے دامن اور برہنہ تلوار کو جھنجوڑ کر فرمایا: اے عمر معلوم ہوتا ہے کہ تم اس وقت تک ان حرکات سے باز نہیں آؤ گے۔ جب تک تمہارے متعلق۔ خدا ذلت و رسوائی کی وہی باتیں نہ نازل کر دے جو اس نے ولید بن مغیرہ کے متعلق نازل کی ہیں۔ یہ دھمکی سن کر عمر نے کلمہ شہادتین زبان پر جاری کیا (ملاحظہ ہو تاریخ الخلفا ص۸۷ صواعق محرقہ ص ۵۵، شرح نہج البلاغہ حدیدی ۱۰۱/۳ وغیرہ)

لمحہ فکریہ: یہ درست ہے کہ عمر صاحب کے ظاہری کلمہ پڑھنے سے وہ آیت نہ اتری جس کی رسول خدا نے دھمکی دی تھی۔ مگر صاحبان عقل و دانش کے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ آیا اس کلمہ پڑھنے سے ولید بن مغیرہ کے ساتھ مشابہت کے اسباب بھی بدل گئے تھے یا بدستور قائم تھے؟ صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لیے (ص ۴۶، ۴۷، ۴۸)

تحفہ حسینیہ

امیر المومنین عمرؓ بن الخطاب کی حقیقتِ اسلام

ڈھکو صاحب نے حضرت عمرؓ بن الخطاب کی شانِ اقدس میں گستاخی اور آپ کے ایمان و اخلاص کا انکار کرنے کے لیے جس روایت کا سہارا لیا ہے اس کے استدلال کا نچوڑ یہ ہے۔ کہ چونکہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ولید بن مغیرہ۔ جیسے انجام سے ڈرایا اور اس کی دھمکی دی۔ لہٰذا آپ اسلام میں مخلص نہیں تھے سبحان اللہ کتاب و سنت کے دلائل کے مقابل ایسی دلیل وہی پیش کر سکتا ہے جس کی کھوپڑی میں مغز نام کی کوئی شئے نہ ہو۔ آیئے اس دلیل کی حقیقت پر بھی نظر ڈالتے چلیں۔

(۱) اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وعید سنانے پر لایا ہوا ایمان قابلِ اعتماد اور لائقِ اعتبار نہیں کیونکہ کفر و شرک کی صورت میں جہنم کی دہکتی آگ کا ایندھن بننا اور

Marfat.com

ہمیشہ کے لیے اس میں رہنا ہاتھوں اور پاؤں میں ہتھکڑیاں اور بیڑیاں آگ کی۔
ڈالے جانا نیز اُبلتا گرم پانی انتڑیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے باہر نکال دے گا۔
وغیرہ وغیرہ قرآن مجید میں جا بجا موجود ہیں۔ لہٰذا اس دلیل کے تحت کسی کا ایمان بھی قابلِ قبول نہیں ہوگا۔ گویا جنت اور اس کی نعمتوں کا ذکر لالچ و حرص کی خاطر ایمان کو مستلزم ہو گیا۔ اور دوزخ اور اس کے شدائد کا ذکر خوف و دہشت کی وجہ سے ایمان لانے کو مستلزم اور دونوں ایمان ڈھکو صاحب کی شریعت میں ناقابلِ قبول۔

(۲) علامہ ڈھکو صاحب نے اسلاف کی اتباع میں یہاں بھی تحریف کا حق ادا کر دیا ہے۔ اور روایت کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی ناپاک سعی کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ جب بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اس سے پہلے اپنے سابقہ ارادہ سے توبہ کر چکے تھے۔ اور اپنی بہن اور بہنوئی سے قرآنِ مجید کی آیات سن کر اور صحیفہ میں پڑھ کر اسلام کی طرف راغب ہو چکے تھے۔ اور اسی نعمت سے مالا مال ہونے کے لیے وہاں حاضرِ بارگاہ ہوئے تھے۔ لہٰذا اس میں جبر و اکراہ اور وعید و تشدید کا کیا دخل ہو سکتا تھا۔ یہ تو اس صورت میں تھا جب وہ خود حاضر نہ ہوتے اور آپ انہیں گھر سے یا کہیں جنگل سے پکڑ لیتے اور ڈرا دھمکا کر اسلام کی طرف مائل کر لیتے۔ یا دارِ ابی ارقم میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ اسلام کے ساتھ حرب و قتال کے لیے جاتے جب حقیقت اس کے برعکس ہے تو مؤلف کا استدلال بالکل لغو اور باطل۔

(۳) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ان کلمات پر اکتفا نہیں کیا تھا جو ڈھکو صاحب نے ذکر کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ بلکہ اس کے آخری حصہ کے الفاظ یوں ہیں

"اللھم ھذا عمر اللھم اعز الاسلام بعمر فقال عمر اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمدا رسول اللہ" شرح نہج البلاغہ حدیدی جلد اول ص ۱۲۳

اے اللہ یہ عمر ہے۔ اے اللہ اسلام کو عمر کے ساتھ عزیز اور

Marfat.com

غالب فرما۔

اور ابتدائی حصہ میں یہ الفاظ ہیں۔

"ثم ندم ورق وجلس واجما فخرج اليه خباب فقال ابشر يا عمر فانى ارجو ان تكون دعوة رسول الله صلى الله عليه وسلم لك الليلة فانه لم يزل يدعو منذ الليلة اللهم اعز الاسلام بعمر بن الخطاب او بعمرو بن هشام"

یعنی بہن اور بہنوئی کے ساتھ لڑائی اور ان دونوں کی پٹائی کرنے کے بعد آپ نادم ہوئے اور آپ کا دل نرم ہو گیا۔ اور غمگین ہو کر بیٹھ رہے۔ تو حضرت خبابؓ جو چھپے ہوئے تھے وہ حوصلہ پا کر باہر نکلے اور کہا اے عمرؓ تیرے لیے بشارت اور مبارکباد ہو کہ آج رات کی دعائے مصطفیٰ تیرے حق میں منظور ہو گئی ہے۔ کیونکہ آج آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساری رات یہی دعا فرماتے رہے۔ اے اللہ اسلام کو عمر بن الخطاب یا عمرو بن ہشام کے ذریعے عزت عطا فرما۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اس دعا سے آپ کا مقدر سنور گیا ہے۔

غور کیجئے روایت کا پہلا حصہ بھی عظمت عمر بن الخطاب کی دلیل اور آخری حصہ بھی مگر ڈھکو صاحب اس کو تو شیر مادر سمجھ کر ہضم کر گئے اور درمیانہ حصہ لے کر اپنی طرف سے حاشیہ چڑھانا شروع کر دیا۔ استدلال کبھی برہانی انداز میں ہوتا ہے اور کبھی جدلی انداز میں پہلا مفید یقین ہوتا ہے اور دوسرے میں صرف خصم اور مدمقابل کو خاموش کرانا مقصود ہوتا ہے۔ آخر ڈھکو صاحب بتلائیں کہ یہ استدلال کا کون سا قسم ہے۔ اور یہود کی وراثت میں ملنے والی تحریف کو یہاں کیونکر استعمال کیا۔ کیا دوسرے لوگوں کے پاس کتابیں نہیں یا مطالعہ نہیں رکھتے۔ دن دھاڑے اتنی اندھیر کیوں؟ بہر حال اس روایت سے تو یہ واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے آپ نے ان کو مانگ

Marfat.com

کر لیا۔ اور عمر بن الخطاب اور عمرو بن ہشام میں سے ایک کا آپ کی طرف سے مطالبہ تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت فاروقؓ کا انتخاب کیا اور تاریخ اسلام اور تاریخ عالم کے اوراق گواہ ہیں کہ واقعی آپ کی بدولت اسلام کو چار چاند لگ گئے۔

(۴) ڈھکو صاحب کا عقیدہ ہے کہ چونکہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید بن مغیرہ کے انجام سے آپ کو ڈرایا لہٰذا لازماً جو حقیقت باعتبار نسب کے اس کی تھی آپ کی بھی وہی ہے۔ مگر یہ تو فیصلہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کرنا تھا کہ ایسے شخص کو سسر کیوں بناؤں اور ان کو یہ اعزاز کیوں بخشوں۔ اگر ڈھکو صاحب۔ عام قسم کے خاندان سے متعلق ہو کر اور معمولی قسم کے مولوی ہو کر ایسے لوگوں سے تعلق اور رشتہ داری گوارا نہیں کر سکتے تو پھر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور فخر آدم و بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایسا گمان کیونکر ہو سکتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سطور لکھتے وقت یہ مؤلف نشے میں تھا اور شعور و ادراک سے محروم ورنہ اپنے اس استدلال سے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں لازم آنے والی توہین اور بے ادبی اور گستاخی سے بے خبر کیوں کر رہ سکتا تھا۔

(۵) علاوہ ازیں کوئی اس مدعی علم بلکہ دعویدار اجتہاد سے دریافت کرے کیا تشبیہ جمیع امور میں اشتراک اور مساوات کو مستلزم ہوتی ہے۔ مثلاً ڈھکو صاحب کو ہی شیر اہل تشیع کہہ دیا جائے تو اس کا مطلب کیا ہوگا شیر کی دم ہوتی ہے لہٰذا اس کی بھی دم ہے۔ یا وہ چار ٹانگوں والا ہوتا ہے تو اس کی بھی چار ٹانگیں ہیں، وہ شریعت کا پابند نہیں لہٰذا یہ بھی اس کا تو لد نکاح سے نہیں لہٰذا .... آخر کسی کی عداوت میں یوں تو بے ہوش اور بدحواس نہیں ہو جانا چاہیئے کہ قواعد و ضوابط اور اصول و قوانین اور آداب و اخلاق انسانی کو بھی خیرباد کہہ دیا جائے۔ ولید بن مغیرہ کا انجام یہ ہوا کہ اس کو ناک پر زخم آیا۔ اور وہ سوج کر انتہائی بھیانک بن گیا۔ اور اسی حالت میں مر گیا۔ تو تشبیہ اسلام نہ لانے کی صورت میں اس قسم کے خوفناک انجام

Marfat.com

میں بھی ہو سکتی تھی۔ لیکن آپ کا ذہن جو ایک خاص نکتے کی طرف راغب ہوتا ہے تو اس سے خود جناب کے جوہر کا اندازہ ہوتا ہے اگر آپ کے محسن جناب سید نوازش علی شاہ کے بھائی جناب سید عنایت علی شاہ کی تالیف آپ کو منظور ہو تو ہمیں تامل نہیں ہوگا۔ گمانِ غالب بلکہ یقین کامل ہے کہ وہ میرے اندیشہ کو سو فیصد درست ثابت کر دیں گے۔ بلکہ بھی محفلوں میں کرتے رہتے ہیں۔

(۶) پھر شارح حدیدی نے اس روایت کو بلا سند اور بلا حوالہ نقل کیا۔ جب کہ انکی باحوالہ روایت بھی معتبر نہیں ہوتی۔ جوہری جیسے فرضی نام استعمال کرتا ہے تو بے سند اور بے حوالہ روایت کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے۔ جب کہ وہ پکا خبیث تھا اور ابن علقمی جیسے غدار شیعی کا نمک خوار لہٰذا اس کی وہ روایت جو اہلِ سنت کے خلاف ہو اس کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے۔ کتب اہل سنت میں صرف

"اللھم اعز الاسلام بعمر بن الخطاب او بعمرو بن ھشام" موجود ہے۔ یا اللھم اعز الاسلام بعمر بن الخطاب خاصۃ مروی ہے یا پھر "لو کان بعدی نبی لکان عمر"

اگر میرے بعد نبی ہوتا تو عمر بن الخطاب ہوتے۔

اور انبیاء تو ایسے امور سے قطعاً منزہ و مبرا ہوتے ہیں جو عوام میں قابلِ نفرت سمجھے جاتے ہیں۔ لہٰذا جن کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی سرفرازی کیلئے منتخب کیا اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے منصبِ نبوت کے شایانِ شان سمجھا۔ اس کی شان اقدس میں اس قسم کی گستاخی سر کوفتہ یہودی اور مجوسی ہی کر سکتا ہے جن کو عمر بن الخطاب کی وجہ سے ذلت و رسوائی سے دوچار ہونا پڑا تھا کہ حقیقی مسلمان اور مؤمن۔

Marfat.com

(۷) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دھمکی دے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جو کلمہ پڑھوایا تھا اسی طرح ابولہب اور ابوجہل سے کیوں نہ پڑھوالیا۔ کیا انہیں دھمکیاں نہیں دی گئی تھیں۔ ذرا سورہ لہب پڑھ کر دیکھیں۔ لیکن کوئی نتیجہ مترتب ہوا معلوم ہوا کہ دھمکی اور ترغیب و ترہیب بھی اس وقت کام دیتی ہے۔ جب کہ سعادت اور نیک بختی مقدر میں ہو۔ اور جوہر قابل ہو۔ اور صلاحیتیں مسلوب نہ ہو چکی ہوں۔ لہٰذا آپ کا دھمکی سن کر ہدایت قبول کر لینا بھی سعادتِ ازلی کی علامت ہے۔ بلکہ روشن دلیل۔

(۸) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دھمکی اور تھدید و تشدید کے ذریعے پڑھائے ہوئے کلمہ کو حضرت عمرؓ سے قبول کیا یا نہ؟ اور اس پر خوشی اور مسرت کا اظہار کیا یا نہ؟ دارِ ابی ارقم میں نعرۂ تکبیر بلند ہوا تو اسی عمر کے اسلام پر اور جبریل امین نے بھی اسی اسلام پر آکر بشارت دی۔

"لقد استبشر اهل السماء باسلام عمر" کہ آسمان والے بھی حضرتؓ کے اسلام لانے سے خوش ہوئے ہیں اور جب آپ نے اس اسلام کو قبول کر لیا اور اس پر خوشی منائی تو آخر مؤلف کو کیوں غم اور رنج دالم لاحق ہے صرف اس لیے کہ یہودیوں کو ان کے ہاتھوں تکلیف پہنچی اور ابن سبا ان سے ناراض تھا؟

(۹) ڈھکو صاحب کہتے ہیں۔ کہ آپ چھ سال بعد اسلام لائے تو کیا چھ سال بعد والا اسلام قابلِ قبول نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو فتح مکہ کے بعد والے اسلام پر بھی جنت کی خوشخبری دی ہے۔

"کلا وعد الله الحسنیٰ" اگر اعلانِ نبوت کے اکیس سال بعد اسلام لانا قابلِ قبول ہے تو چھ سال بعد والا کیونکر قابلِ قبول نہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"الاسلام يهدم ما كان قبله"

Marfat.com

اسلام پہلے گناہوں کو گرا دیتا ہے اور معدوم کر دیتا ہے شرک و کفر ہو یا فسق و فجور۔

الغرض ڈھکو صاحب کا اس روایت کو پیش کرنا نہ عقلاً درست ہے نہ نقلاً درست اور نہ کسی طرح اس میں ان کے قلبی غیظ و غضب اور عناد و بغض کے لیے سامان تسکین ہے۔ سوائے اپنی تذلیل اور سیاہ بختی کے اظہار کے۔

عجیبہ :۔ ڈھکو صاحب نے ینزل بك کا لفظ دیکھ کر سمجھ لیا کہ نزول کا لفظ آیت اترنے کے معنی میں ہی ہوتا ہے۔ لہٰذا سمجھ لیا کہ آیت اترنے کی دھمکی دی گئی تھی اور کلمہ پڑھنے سے وہ آیت نہ اتری۔

ع بریں عقل و دانش بباید گریست۔

وہاں تو خزی اور نکال کے نزول کا ذکر ہے۔ اس کے لیے آیت اترنی ہی ضروری تھی دوسرے جو لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے رہتے کیا ان کے خلاف جوابی کاروائی میں صرف آیت اتار دی گئی تھی۔ بات صرف اتنی تھی کہ اگر تم مخالفت سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتقامی کاروائی کا نشانہ بن جاؤ گے۔ اور آپ پہلے ہی اسلام لانے اور کلمہ پڑھنے کے لیے حاضر ہوئے تھے۔ لہٰذا اس مشروط انتقامی کاروائی کا امکان بھی باقی نہ رہا جیسے کلام مجید میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا گیا ہے۔

" لئن اشرکت لیحبطن عملك "

اگر آپ شرک کرو گے تو آپ کے عمل بیکار ہو جائیں گے لیکن جب شرط ہی موجود نہ ہوئی تو اعمال کا بے اثر اور بے نتیجہ ہونا لازم نہ آیا وہی صورت یہاں بھی ہے۔

تنزیہ الامامیہ   اسلام عثمان کی ماہیئت

بعض ارباب تاریخ کے بیان سے واضح و عیاں ہوتا ہے کہ جناب عثمان رضی اللہ عنہ

Marfat.com

دینِ اسلام کو دینِ برحق سمجھ کر اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ رقیہ بنت رسول بڑے جمال۔ کمال کی مالک تھیں۔ ان کا عقد پہلے عتبہ سے ہوا تھا۔ جب ان کو وہاں سے طلاق مل گئی۔ تو عثمان صاحب ان سے شادی کرنے کے شوق میں اسلام لائے۔

اس سے بھی قطع نظر یہ تو سب مانتے ہیں کہ جناب عثمانؓ حضرت ابوبکرؓ کی تحریک پر اسلامی برادری میں داخل ہوئے تھے۔ لہٰذا جو خلوص اول میں تھا۔ اسی کا عکس ثالث بالخیر میں بھی نمایاں ہوگا

تحفہ حسینیہ:

حضرت سیدنا عثمانؓ ابن عفان کے خلاف زہر افشانی کے لیے قرآنِ مجید سے کوئی آیت نہ ملی۔ اور پورے ذخیرہ احادیث سے کوئی ایک حدیث بھی نہ ملی۔ صرف ایک روایت ذکر کی جس میں خود حضرت عثمان نے اپنے اسلام لانے کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ اس سے بڑھ کر بے بسی اور بے چارگی بھی کوئی ہو سکتی ہے کہ لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں اور دوسری طرف بیسیوں آیات اور سینکڑوں احادیث جو مستقل ابواب قائم کر کے بیان کی گئی ہیں۔ اور بخاری شریف مسلم شریف جیسی اہم کتابوں میں مذکور ہیں اور شیعہ صاحبان کی مستند کتابوں میں بھی اگر ذرا بھر بھی شرم و حیاء ہو بلکہ اس کی رمق کسی میں ہو تو ہزار دشمنی حضرت عثمانؓ کے ساتھ ہونے کے باوجود ایسا عنوان کبھی قائم نہ کرتا اور عوام کے سامنے اس قسم کا دعویٰ قطعاً نہ کرتا۔

آئیے اب اس روایت کو اصل کتاب سے دیکھیں اور اس میں کی گئی سبائی ہیرا پھیری اور تحریف و تغییر کا ملاحظہ کریں۔

(۱) حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں نے جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کا نکاح عتبہ بن ابی لہب کے ساتھ ہو جانے کی خبر سنی تو میرے دل میں حسرت پیدا ہوئی کہ میں نے کیوں نکاح کے لیے سبقت نہ کی۔ اور نہ

Marfat.com

شرف کیوں حاصل نہ کر سکا یاد رہے آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بن ام اروی کے لخت جگر تھے اور جدی برادری سے بھی اگرچہ عتبہ زیادہ قریبی تھا) اس کے بعد آپ اپنی خالہ کے پاس پہنچے اور انہیں علم کہانت میں مہارت تھی۔ اس نے آپ کو اس حال میں دیکھتے ہی بشارتیں دینا شروع کر دیں جن میں یہ بھی تھی۔

انکحت واللہ حصانا زھرا ۔۔۔ وانیتہا بنت عظیم قدرا

کہ تیرا عقد پاک دامن اور چمکدار رنگت والی عظیم القدر شخص کی بیٹی سے ہوگا۔

فرماتے ہیں میں نے اس سے کہا خالہ تم کیا کہہ رہی ہو اور کیسی بشارتیں دے رہی ہو۔ تو اس نے کہا عثمان تو صاحب جمال بھی ہے۔ اور صاحب لسان بھی اور یہ نبی ہیں جن کے پاس صداقت وحقانیت کا برہان ہے۔ انہیں دیان نے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اور ان کے پاس تنزیل اور قرآن آیا۔ لہذا ان کے حلقہ غلامی میں آجاؤ اور اوثان واصنام تجھے غارت نہ کرتے رہیں۔ آپ نے کہا اے خالہ تم جس امر کا ذکر کر رہی ہو تمہارے اس شہر مکہ میں تو قرآن وتنزیل اور نبوت ورسالت کو جانتا کوئی نہیں۔ لہذا اس کی ذرا وضاحت کرو۔ تو اس نے کہا۔

محمد بن عبداللہ ۔ رسول من عند اللہ

جاء بتنزیل اللہ ۔ یدعوا الی اللہ

محمد رسول اللہ ہیں جو اللہ کی طرف سے نازل کردہ کتاب کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں اور لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے ہیں

آپ کا چراغ ہی نور پھیلانے والا ہے۔ اور آپ کے دین میں سراسر فلاح ہے۔ آپ کے امر میں ہی نجات اور کامیابی ہے۔ آپ کے لیے وادیاں سرنگوں ہو چکی ہیں۔ اگر آپ نے جہاد شروع کر لیا اور مخالفین کا قتل تو پھر چیخ و پکار فائدہ نہیں دے گی۔ اور نہ ہی جب تلواریں میانوں سے باہر آگئیں اور نیزے بلند کر دیئے گئے۔ قال ثم انصرفت ووقع کلامہا فی

Marfat.com

قلبی و جعلت افکر فیہ ۔ فرماتے ہیں میں واپس ہوا تو ان کا کلام میرے دل میں گھر کر چکا تھا۔ اور میں نے اس میں غور و فکر کرنا شروع کر دیا ۔ اور میرا ابوبکر صدیق کے ساتھ بیٹھنا اٹھنا بھی تھا۔ میں نے اپنی خالہ سے جو کچھ سنا تھا ان کے سامنے بیان کیا تو انہوں نے کہا عثمان تجھ پر افسوس ہے تو عقلمند آدمی ہے اور حق کی باطل سے پہچان تجھ پر مشکل نہیں ہے ۔ یہ کیا پتھر ہیں جن کی عبادت ہماری قوم کرتی ہے ۔کیا وہ سخت پتھروں سے تیار شدہ نہیں ہیں جو نہ سن سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں ۔ اور نہ نفع و ضرر پہنچا سکتے ہیں ۔ میں نے کہا ہاں یہ تو بالکل ٹھیک ہے تو انہوں نے کہا تمہاری خالہ نے بالکل درست کہا ہے ۔ یہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں محمد بن عبداللہ جن کو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی طرف اپنی رسالت کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے ۔ کیا تم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام کی باتیں سنو میں نے کہا کیوں نہیں چنانچہ میں بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا۔

یا عثمان اجب اللہ الی جنتہ فانی رسول اللہ الیک والی خلقہ قال فواللہ ما تمالکت حین سمعت قولہ ان اسلمت ثم لم البث ان تزوجت رقیۃ بنت رسول اللہ فکان یقال، حسن زوج رقیۃ و عثمان۔ (خصائص کبری جلد اول صفحہ ۱۳۱)

اے عثمان اللہ تعالیٰ کی جنت کی طرف دعوت کو قبول کر کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں تیری طرف بھی اور ساری مخلوق کی طرف بھی ۔آپ نے کہا بخدا جب میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سنا تو میں اسلام قبول کرنے میں زمام کار اپنے ہاتھ سے دے بیٹھا اور حلقہ بگوش اسلام ہو گیا پھر زیادہ عرصہ نہ گزرا کہ حضرت رقیہؓ سے میری شادی بھی ہو گئی چنانچہ کہا جاتا تھا کہ جوڑا رقیہ اور عثمانؓ والا کس قدر خوبصورت ہے ۔

Marfat.com

یہ ہے وہ روایت جس کو ڈاکو صاحب نے اپنے دعویٰ کی دلیل بنایا ہے۔ اسے بار بار غور سے پڑھیں اور سبائی ذہنیت کی داد دیں۔ کہ بات کیا ہے۔ اور اسے کیا بنا دیا ہے۔ اب اس روایت کا علمی رنگ میں تجزیہ کرتے ہیں اور مستدل کے مدعا سے اس کا کوسوں دور ہونا واضح کرتے ہیں۔

(۱) اہل اسلام اور کفار کی باہمی رشتے داری کی حرمت والا حکم جنگ بدر کے بعد نازل ہوا۔ پہلے یہ رشتے داریاں جائز تھیں اس لیے عتبہ کے ساتھ نکاح ہو گیا۔ حالانکہ وہ بھی مشرف باسلام نہیں تھا۔ لہٰذا طلاق ہو جانے کے بعد بھی اس نکاح کے لیے اسلام کی کوئی شرط ہی نہیں تھی۔ اس لیے حضرت زینبؓ اور حضرت ابو العاص ابن الربیع کا نکاح برقرار رہا۔ اور جنگ بدر کے بعد جب یہ حکم نازل ہوا "لا تنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا" تب آپ نے ان کو رہا کرتے وقت اس امر کا پابند کیا کہ وہ حضرت زینبؓ کو مدینہ منورہ بھیج دے۔ چنانچہ اس نے وفائے عہد کرتے ہوئے انہیں مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔

(۲) حضرت رقیہؓ کا تو نکاح ہو چکا اور طلاق کا تو اس میں ذکر ہی نہیں۔ لہٰذا منکوحہ رقیہؓ کے نکاح کی رغبت اسلام لانے کا باعث کیسے بن گئی۔

(۳) اس روایت کی رو سے آپ کی خالہ نے نکاح کا ذکر ضرور کیا۔ لیکن کس سے ہوگا۔ کب ہوگا کیونکر ہوگا۔ قطعاً اس کا ذکر نہیں۔ صرف اتنا کہ منجملہ دوسری بشارتوں کے ایک یہ بھی بشارت دی کہ ایک عظیم القدر شخص کی حسین وجمیل بچی سے ترا نکاح ہوگا۔ اس سے یہ کب معلوم ہوگیا کہ وہ حضرت رقیہؓ ہی ہیں اور انہیں طلاق بھی ہوگی اور اسلام لائے بغیر انہیں یہ رشتہ نہیں مل سکے گا۔

(۴) بقیہ پوری روایت میں خالہ کی طرف سے حقانیتِ اسلام بیان کی گئی ہے۔ اور حضرت صدیق کی طرف سے بھی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

Marfat.com

بھی صرف اعلانِ رسالت اور جنت کی بشارت پر اکتفاء فرمایا ہے۔
اور خود حضرت عثمانؓ کا بارگاہِ نبوی میں حاضر ہونے سے قبل حضرت صدیقؓ کی تقریر پر بتوں کی بے بسی اور بیچارگی کا اعتراف کرنا منقول ہے۔ وہاں نہ ڈر نہ خوف۔ نہ حرص۔ نہ لالچ۔ تو پھر کونسا شیطان آپ کے اعداء پر نازل ہو گیا ہے جس نے انہیں یہ الہام کیا ہے کہ بس صرف اور صرف یہی باعث تھا اسلام لانے کا۔ واقعی وہ بہت بڑا شیطان ہے جس نے یہ کام سرانجام دیا۔ ان الشیاطین لیوحون الی اولیاۤئہم

(۵) اگر دلیل کوئی ہے تو صرف اتنی کہ پہلے نکاح ہو جانے پر اطلاع ملی تو دل میں حسرت پیدا ہوئی۔ لیکن وقت گزر چکا تھا اور اسلام لانے کے بعد خالہ کی پیش گوئی کے مطابق اس عظیم القدر ہستی کی عظیم القدر لخت جگر سے نکاح ہو گیا۔ تو کیا ڈھکو صاحب کے دعویٰ کے ساتھ اس کو کوئی تعلق ہے۔ اور برہانی یا جدلی انداز میں اس روایت کے ساتھ مدعا کا اثبات یا زعم فاسد کا دفاع ممکن ہے۔؟ اور کیا یہ بچگانہ حرکت نہیں اور طلبۂ علم کے لیے مقام حیرت اور تعجب نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جو ازلی بدبخت ہو قرآن و حدیث کے دلائل اور روشن عقلی اور نقلی براہین اس کے دل کی تاریکی اور دھندلکوں کو قطعاً دور نہیں کر سکتے۔

ع گلیم بخت کسے کہ بافند سیاہ
باآب زمزم و کوثر سفید نتواں کرد

(۶) حضرت عثمانؓ کے اسلام کی جو ماہیت ڈھکو صاحب کو سمجھ آگئی۔ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھ نہ آسکی نہ پہلا رشتہ دیتے وقت نہ بدر کے بعد دوسرا رشتہ ام کلثوم کا دیتے وقت نہ جنتی ہونے کا اعلان کرتے وقت نعوذ باللہ منہ اور نہ حضرت علی کو سمجھ آئی۔ ورنہ مجلس شوریٰ کے فیصلے پر یہی سوال کھڑا

Marfat.com

کردیتے۔ مہاجرین نہیں تو انصار کو ہی اس دلیل سے مطمئن کر لیتے مگر آپ نے قطعاً کوئی ایسا شک و شبہ ظاہر نہیں کیا جس سے صاف ظاہر کہ اس اعتراض و تنقید کے پیچھے نبوی سوچ اور فراستِ ولایت کارفرما نہیں ہے۔ بلکہ صرف ابلیسی اور سبائی ذہنیت ہی کارفرما ہے۔

(۷) اگر العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ آپ کو ان کے متعلق پوری طرح آگاہی تھی اور اس کے باوجود صرف مریدین اور امتیوں میں ایک فرد کے اضافے کے لیے رشتہ دیا تو اس سے نبوت کی حقانیت اور صداقتِ رسالت کا دامن تارتار نہیں ہو جائے گا۔ مگر آپ کو اس سے کیا۔ آپ کا مطمحِ نظر تو صرف اپنے شیخ ابن سبا کو راضی رکھنا ہے۔

(۸) ڈھکو صاحب کے مذہب میں تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی ہی ایک ہے۔ ایسی صورت میں تحقیق سے تو اس دلیل کو کوئی نسبت ہی نہ رہی آجا کے رہ گئی الزامی کارروائی اور جدلی انداز تو جدل میں مسلمات خصم پیش کیے جاتے ہیں۔ کیا ہمارے نزدیک حضرت عثمانؓ کا اسلام قبول کرنے میں یہ باعث اور داعیہ قابلِ قبول ہے۔ جب نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر الزامی کارروائی بھی نہ رہی۔ چلو مسلمات سے تنزل کرتے ہوئے کہتے کہ روایت اس پر دلالت کرتی ہے پھر بھی کوئی وجہ تھی۔ جب روایت میں کسی طرح اس اختراعی نظریہ پر دلالت نہیں تو کسی طرح بھی استدلال نہ پایا گیا۔ بلکہ ادنیٰ درجہ کا شبہ بھی ثابت نہ ہو سکا۔ چہ جائیکہ دلیل لہٰذا اس تاریخی روایت کو اپنے عقیدہ فاسدہ کے اثبات میں پیش کرنا طفلانہ حرکت سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتا

(۹) پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ حدیث نہیں بلکہ حضرت عثمانؓ کا اپنا بیان کردہ واقعہ ہے۔ تو کیا آپ سے یہ توقع کی جا سکتی تھی کہ اپنے اسلام لانے کا باعث اور سبب موجب ایسے امر کو قرار دیں جو ان کے اسلام کو مشکوک

Marfat.com

بناوے۔ لہٰذا اس شبہ پر مرادِ متکلم کے لحاظ سے بھی کوئی دلالت موجود نہیں۔
ہے۔ جو ڈھکو صاحب نے یہاں بیان کیا ہے۔

(۱۰) ڈھکو صاحب کہتے ہیں اسلام عثمانؓ فرع اور تابع ہے اسلام ابوبکر کے لہٰذا جو خلوص اول میں تھا وہی ثالث بالخیر میں بھی ہوگا۔ اول کا خلوص بھی بحمد اللہ آیات بینات اور واضح الدلالت روایات سے ثابت ہو چکا اور اگلے صفحات میں بھی ہوگا۔ اور ثالث بالخیر کا بھی ہو چکا اور آئندہ بھی ثبوت پیش کیا جائے گا۔ صرف ایک روایت یہاں درج کی جاتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم احد پر تشریف فرما تھے۔ اور ابوبکر صدیق۔ عمر فاروق اور حضرت عثمانؓ ساتھ تھے۔ احد خوشی میں رقص کرنے لگا۔ اور اس کے پتھر لڑھک کر نیچے گرنے لگے۔ تو آپ نے پاؤں کی ٹھوکر مار کر فرمایا۔

اسکن احد فانما علیك نبی و صدیق و شہیدان۔

اے احد ٹھہر جا تجھ پر ایک نبی کی ذات ہے۔ اور ایک صدیق کی اور دو شہید موجود ہیں۔

اگر اخلاص نہ ہوتا تو صدیقیت اور شہادت کی بشارت کیوں ملتی۔

لمحہ فکریہ : پہاڑ اور پتھر تو ان کی قدر و منزلت پہچانیں اور ان کے مقدس قدم لگنے پر خوشی سے جھوم اٹھیں۔ اسی لیے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ ان کا تذکرہ کیا۔ مگر انسان اور مسلمان ہونے کے دعویدار ان کا نام سن کر جل جائیں۔ اور ان کے غیظ و غضب کا لاوا بھڑک اٹھے۔ نعوذ باللہ من الشقاء

اگر حضرت عثمانؓ میں خلوص نہ ہوتا تو حبشہ کیطرف ہجرت کیوں کرتے پھر مدینہ منورہ کیطرف ہجرت کیوں کرتے اور گھر بار خویش و اقرباء سے علیحدگی کیوں اختیار کرتے یہ صرف اور صرف اخلاص ہی تھا۔ جس نے ان عظیم قربانیوں پر برانگیختہ کیا صرف شادی مقصود ہوتی تو وہ تو ہو چکی تھی۔ پھر ان تکالیف کو برداشت کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

؎ ہنر بچشم عداوت بزرگ ترعیب است۔

Marfat.com

فصل دوم

تنزیہہ الامامیہ

کیا آیت جاھد الکفار والمنفقین کے نزول کے بعد منافق ختم ہو گئے تھے

الجواب السوی بفضل اللہ القوی :

مؤلف کے اس بیان سے دو چیزیں عیاں ہوتی ہیں ۔
اوّل : یہ کہ اس آیت کے نزول کے بعد منافقوں کا وجود ختم ہو گیا تھا ۔
دوم : یہ کہ اس حکم کے نزول کے بعد جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ باقی رہ گئے تھے وہ مخلص مؤمن اور کامل مسلمان تھے ۔ حالانکہ اسلامی حقائق پر معمولی نگاہ رکھنے والے حضرات جانتے ہیں کہ یہ دونوں باتیں غلط اور بے بنیاد ہیں اور اس آیت مبارکہ کے صحیح مفہوم نہ سمجھنے کی پیداوار ہیں ۔

چنانچہ جب لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ منافقین کے ساتھ جہاد بالسیف کیوں نہیں فرماتے ۔ تو فرمایا

یقول (او یتحدث) الناس ان محمد ایقتل اصحابہ
لوگ کہیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو قتل کرتے ہیں
(اور اس سے تبلیغ نبوت رک جائے گی)

اس سے معلوم ہوا کہ صحابیوں کے لباس میں کچھ منافق بھی موجود تھے اور اگر بفرض محال اس جہاد سے جہاد بالسیف مراد ہوتا اور آپ اس پر عملدرآمد بھی کرتے تو اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ منافقین ختم ہو گئے ؟ کیونکہ جب وہ کفار جن کے ساتھ

Marfat.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیسیوں جہاد فرمائے ختم نہیں ہوئے بلکہ آج تک بدستور موجود ہیں۔ تو منافقین کس طرح ختم ہو سکتے تھے۔

اخبار و آثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سانحہ رحلت کے بعد منافقوں کی حالت بد سے بدتر ہو گئی تھی اور ان کی تخریبی کاروائیاں تیز سے تیز تر ہو گئیں تھیں۔ چنانچہ جناب حذیفہ یمانی سے منقول ہے فرمایا۔

آج منافقوں کی حالت عہد نبوی سے بدتر ہے کیونکہ اس وقت یہ لوگ خفیہ ریشہ دوانیاں کرتے تھے مگر آج کھلم کھلا (اپنی خباثت کا اظہار) کر رہے ہیں۔

ملاحظہ ہو بخاری۔ جلد ۴ ص ۱۴۱۔ طبع مصر

فصل دوم کا رد

تحفہ حسینیہ: علامہ ڈھکو صاحب کی اس فصل کا جواب پہلے آچکا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز نے قطعاً نہ یہ فرمایا کہ منافق ختم ہو گئے تھے اور نہ یہ کہ جو لوگ کلمہ پڑھتے تھے اور آپ کے پیچھے نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ وہ سبھی مؤمن تھے۔ آپ کا صرف اور صرف یہ مطلب ہے جو دوپہر کے اجالے سے بھی زیادہ واضح اور آشکارا ہے۔ کہ اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد منافقین کو دمساز و ہمراز بنانا اور انہیں وزیر و مشیر بنانا اور سفر و حضر میں ساتھی اور رفیق بنانا اس امر کو مستلزم ہوگا۔ کہ آپ نے اس آیت مبارکہ پر عمل نہیں کیا۔ یاایھا النبی جاھد الکفار والمنٰفقین واغلظ علیھم۔ الآیۃ۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

اس برہان صداقت نشان کا کون انکار کر سکتا ہے؟ رہا ڈھکو صاحب کا یہ مطلب کشید کرنا کہ آپ نے منافقین کے ختم ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ تو یہ قطعاً غلط ہے۔

(۱) اس جگہ ڈھکو صاحب نے جو نئی منطق چلائی ہے وہ یہ ہے کہ اگر آپ جہاد کرتے بھی تو بھی منافق ختم نہیں ہو سکتے تھے؟ کیا خوب؟ اسی طرح کافر

Marfat.com

بھی ختم تو نہیں ہو سکتے تھے لہٰذا ان کے خلاف جہاد کیوں کیا۔

(۲) منافقین مدینہ منورہ میں اور اس کے گرد و نواح میں موجود تھے اب اس میں کلام ہی کس نے کیا ہے۔ ہم تو کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے دور میں اور زیادہ بڑھ گئے تھے۔ اور اتنا زور پکڑ گئے تھے۔ کہ خلیفہ وقت بھی ان کی سازشوں سے اپنے خون میں نہا گیا۔ سوال صرف یہ ہے کہ جن کو امام الانبیاء نے قربِ خاص سے نوازا کہیں نائب امام بنایا۔ کبھی حج میں نائب امیر بنایا کبھی جنگوں میں علم ان کے حوالے کئے۔ اور امیرِ لشکرِ اسلام بنایا کبھی کفار کے ساتھ گفتگو اور عہد و پیمان کے لیے ان کو اپنا سفیر اور ترجمان بنایا۔ جن میں بعض کو اپنا سسر بنایا اور بعض کو اپنا شرفِ دامادی بخشا۔ ان کا معاملہ کیا ہے۔ اگر وہ واقعی مخلص ہیں۔ تو جھگڑا ختم اور العیاذ باللہ نہیں تو دامنِ رسالت پر اس آیت مبارکہ کی خلاف ورزی کا داغ ضرور لگ جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ کا جو یہ ارشاد گرامی ہے۔

ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار۔

ظالموں کی طرف میلان سے دوزخ کی آگ تمہیں اپنی لپیٹ میں لے لیگی۔

خلاف ورزی کی صورت میں مزید نازک صورتحال پیدا کر دے گا۔ لہٰذا ماننا پڑے گا۔ کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصی ربط و تعلق ہی مؤمن مخلص اور منافق کی پہچان میں معیار اور کسوٹی ہے۔

(۳) ڈھکو صاحب نے مزید ترقی کرتے ہوئے "لا تعلمھم نحن نعلمھم" بھی پڑھ دیا۔ گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کا علم ہی نہیں تھا۔

"علم منافقین"

(الف) کہیں تو ڈھکو صاحب کی مذہبی کتابیں ہر امام کے لیے ماکان وما یکون کا علم اور ادراک لازمی ٹھہراتی ہیں۔ اور اس موضوع پر مؤلف کتابیں ان کے

Marfat.com

پاس موجود ہیں۔ اور کہیں امام الانبیاء اور معدنِ امامت کے لیے بھی منافقین کے علم کا انکار اور وہ بھی ایسے منافق جو پاس موجود تھے پر عجب ہے آدمی ایک غلطی کو چھپانے کے لیے ہزار غلطیاں کرتا ہے۔ مگر وہ غلطی مستور ہونے کے بجائے زیادہ قباحت وشناعت کے ساتھ ظہور پذیر ہوتی ہے۔

(ب) اللہ تعالیٰ نے آپ کو جہاد کا حکم دیا۔ چلو وہ جہاد بالسیف نہ سہی جہاد لسانی سہی۔ لیکن اگر منافقین کا علم ہی نہ ہو تو ان کے خلاف کسی قسم کا جہاد کیونکر ہو سکتا ہے۔

(ج) اللہ تعالیٰ نے ان پر نماز جنازہ پڑھنے سے منع فرمایا۔

ولا تصل علی احد منهم مات ابداً و لا تقم علی قبره. (الآیہ)

اور جب مخلص اور منافق میں تمیز اور باہمی پہچان ہی نہ ہو سکے تو ان پر نماز جنازہ پڑھنے سے کس طرح رک سکتے تھے۔ لہٰذا قطعی طور پر آپ کو ان کا معلوم ہونا ضروری ٹھہرا۔

(د) اللہ رب العزۃ ارشاد فرماتے ہیں۔

وما کان اللہ لیذر المؤمنین علی ما انتم علیه حتی یمیز الخبیث من الطیب۔

اللہ تعالیٰ کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ تمہیں اس مخلوط حالت میں رکھے یہاں تک کہ وہ خبیث کو طیب اور پلید کو پاک سے علیحدہ نہ کر دے اور طیب وخبیث کی پہچان غیب ہے۔ جس کی اطلاع ہر ایک کو نہیں دی جا سکتی۔ ولکن اللہ یجتبی من رسله من یشاء۔

لیکن اللہ تعالیٰ اس اطلاع اور تمیز وپہچان کے لیے اور غیبی اطلاعات کے لیے اپنے رسل کرام کو منتخب فرما لیتا ہے۔

(ھ) فرمانِ خداوندی ہے۔

ولو نشاء لارینٰکهم فلعرفتهم بسیماهم ولتعرفنهم فی لحن القول

Marfat.com

اگر ہم چاہیں تو آپ کو منافق دکھلا دیں۔ پس آپ ان کو چہرہ سے پہچان لو گے۔ اور ضرور بالضرور آپ ان کو اندازِ گفتگو اور لب و لہجہ سے معلوم کر لو گے۔

اور اللہ تعالیٰ کے دکھلانے اور علم خصوصی عطا کرتے پر آپ نے جمعہ کے دن بہت بڑی تعداد کو دھتکار کر مسجد سے نکال دیا۔ نام لے کر فرماتے۔

اخرج یا فلان انك منافق۔

اے فلاں نکل میری مسجد سے کیونکہ تو منافق ہے۔

(د) عبداللہ بن ابی میدان احد سے تین سو ساتھیوں کے ساتھ واپس ہوا تھا۔ تو مسلمانوں میں سے بعض نے کہا۔ ان کے خلاف کاروائی کر لیں۔ اور بعض نے نے کہا فی الحال مشرکین سے نمٹ لیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

ما لکم فی المنافقین فئتین۔

تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ منافقین کے متعلق دو گروہ ہو گئے ہو۔ اور رائے میں مختلف۔

(ز) جن لوگوں نے مسجد ضرار بنائی تھی اور آپ کو اس میں نماز پڑھنے کی دعوت دی تھی کیا ان کا نفاق کسی سے اوجھل اور مخفی رہ گیا تھا۔

ان الذین اتخذوا مسجداً ضراراً وکفراً وتفریقاً بین المؤمنین وارصاداً لمن حارب اللہ ورسولہ الغرض منافقین نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے مخفی نہیں تھے۔ اور آیت مذکورہ جس سے ڈھکو صاحب نے استدلال کیا اس کا مطلب ان دلائلِ قرآنیہ کی روشنی میں یہی ہے کہ بذاتِ خود نہیں جانتے جب تک ہم نہ بتلائیں کیونکہ نحن نعلمھم میں علم ذاتی استقلالی مراد ہے۔ لہذا لا تعلمھم میں بھی نفی اسی کی ہو گی۔ اور جب واضح ہو گیا کہ وہ معلوم و ممتاز تھے۔ تو پھر مخلصین اور ان کے درمیان ربط و تعلق میں ہمراز اور دمساز ی میں اور وزارت و مشاورت میں فرق ہونا چاہیئے تھا۔ یا نہیں؟ اور وہی امتیازی سلوک ہی عام اہلِ اسلام کے لیے کسی کو مخلص

Marfat.com

یا منافق سمجھنے کے لیے معیار ہونا چاہیئے یا نہیں؛

قال اللہ تعالیٰ

لا یتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء من دون المؤمنین۔

مؤمنین مخلصین کے بجائے کفار کے ساتھ دوستی اور قلبی محبت مؤمنین

کو نہیں رکھنی چاہیئے۔

آخر اس فرمان پر عمل کی بھی کوئی ظاہر اور محسوس صورت ہے یا نہیں!۔

یہی مقصد تھا حضرت شیخ الاسلام کا کہ ان حضرات خلفائے ثلاثہ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو خصوصی روابط اور تعلقات تھے اور ان پر جو خصوصی کرم تھا وہ ہمیں ان کے اخلاص کا بین ثبوت فراہم کرتا ہے۔ ورنہ آپ کا نصوص قرآنی کی مخالفت کا مرتکب ہونا لازم آئے گا۔ جو قطعاً غلط ہے اور ناممکن۔

(۴) ڈھکو صاحب نے حضرت خدیفہؓ کا قول بھی پیش کیا ہے کہ آج منافقین کی حالت عہد نبوی سے بدتر ہے ان پر تو ڈھکو صاحب کو اعتماد ہوگیا ہے انہیں کے عمل اور برتاؤ کی روشنی میں معلوم کر لیتے ہیں۔ کہ کون منافق تھے اور کون مخلص ان کا معاملہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ کے ساتھ کیسا تھا۔ کیا تاریخ کے اوراق گواہ نہیں ہیں۔ کہ وہ ہمیشہ ان کے معاون ومددگار بلکہ عام سپاہی اور خادم کی حیثیت سے رہے۔ آخر کسی پر تو اعتماد کرو۔ اور کسی کے تعلقات اور روابط کو ان حضرات کے نظریہ اور عقیدہ کو معلوم کرنے کے لیے معیار اور کسوٹی بناؤ۔ ہم اسی کے عمل سے اور اقوال سے آپ کو جواب دینگے اور ان مقدس ہستیوں کا اخلاص اور کمال ایقان ثابت کر دینگے۔

(۵) ڈھکو صاحب نے یہ سوال بھی اٹھایا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے منافقین کو قتل نہ کرنے کے متعلق دریافت کیا گیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ لوگ یہ نہ کہیں کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قریب آنے والوں کو قتل کر دیتے ہیں۔ اور تبلیغ رسالت کا کام رک نہ جائے۔ اس سے کیا ثابت ہوا کہ

Marfat.com

حضرات خلفاءِ ثلاثہ رضی اللہ عنہم میں اخلاص تبیں تھا۔ آخر بات کرنے کا موقعہ د محل بھی کوئی ہونا چاہیئے کیا پوچھنے والے نے انہیں کے متعلق دریافت کیا تھا؛ ذرا ابن ابی کی گستاخی اور اللہ تعالیٰ کا جواب ہی ملاحظہ کر لو۔ تاکہ سمجھ آ جائے کہ مہاجرین کا مقام کیا ہے۔ ایمان لانا تو مقدر کی بات ہے۔ اس رئیس المنافقین نے کہا تھا۔

لئن رجعنا الی المدینۃ لیخرجن الاعز منہا الاذل ۔

ہم واپس مدینہ پہنچ لیتے ہیں تو اہل مدینہ جو مقامی ہیں۔ اور عزت والے ہیں۔ وہ ان مہاجرین کو نکال باہر کریں گے۔ جو ہمارے محتاج ہیں اور بے سر و ساماں تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

للہ العزۃ و لرسولہ و للمؤمنین و لکن المنافقین لا یعلمون ۔

عزت اللہ کے لیے ہے اور اس کے رسول کے لیے اور مؤمنین کے لیے لیکن منافقین ان کی عزت کو نہیں جانتے۔ یہ کون مؤمنین ہیں۔ جن کی عزت کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنے رسول کی عزت میں داخل فرمایا۔ اور ان کو ایک قرار دیا ہے اور ان کی شانِ اقدس اور مقامِ ارفع واعلیٰ سے منافقین کو بے خبر اور نادان قرار دیا۔ وہ ہیں مہاجرین جو یبتغون فضلا من اللہ و رضوانا کی شان کے ساتھ اور اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ کے شایان کے ساتھ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ آئے تھے۔ دیکھا ڈھکو صاحب اللہ تعالیٰ کا فرمان کس قدر سچا ہے۔ نہ اس وقت منافقین نے ان کا مقام جانا پہچانا اور نہ ہی آج کے دن اس وقت ان کو ذلیل کہتے تھے۔ اور آج بھی ان کی شانِ اقدس میں توہین و تحقیر کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔

مزید تفصیل اس آیت مبارکہ کی دیکھنی ہو تو مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ کریں۔

تفسیر صافی۔ جلد ثانی صفحہ نمبر ۲۲۹۔ مجمع البیان جلد پنجم صفحہ نمبر ۲۹۵۔
منہج الصادقین جلد نہم صفحہ نمبر ۲۹۷ اور قمی جلد ثانی صفحہ نمبر ۳۶۹، ۳۷۰۔

Marfat.com

اور دیکھیں کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قدر دکھ ہوا اور آپ نے اس منافق کے قول پر مع مہاجرین مدینہ واپسی کا ارادہ ترک کر دیا جب کہ منافق کے اس قول کے وقت آپ مریسیع میں تھے۔ لیکن حضرت سعد بن عبادہ اور مخلصین انصار کی منت سماجت پر آپ مدینہ منورہ تشریف لائے اور بقول قمی یہ غزوہ پانچ ہجری میں وقوع پذیر ہوا۔

(۶) ڈھکو صاحب نے کہا سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم منافقین کے ساتھ زیادہ لطف و مدارات فرماتے تھے۔ اور ان کو زیادہ مال و منال سے نوازتے تھے۔ اور قریب تر بٹھاتے تھے۔ ڈھکو صاحب ہی بتلائیں کہ اللہ تعالیٰ تو ان پر سختی کا حکم دے۔ اور نماز جنازہ سے بھی روک دے اور آپ ان کے ساتھ یہ سلوک کریں تو مطلب یہی ہوا کہ آپ نے واقعی حکم خداوند تعالیٰ پر عمل نہیں فرمایا۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

آئیے اس معاملہ میں مزید غور و فکر کریں کہ آیا منافقین پر روز اول سے ہی سختی اور تشدد کا حکم تھا۔ اور نماز جنازہ وغیرہ ترک کرنے کا یا بعد میں نازل ہوا جب یقیناً یہ بات ثابت ہے کہ پہلے مدارات کا حکم تھا۔ اور بعد میں وہ منسوخ گیا۔ تو اب اس سے استدلال کی کیا گنجائش ہے۔ عبداللہ بن ابی کا جنازہ ہی اس آیت کریمہ کے نزول کا سبب بنا۔ ولا تصل علی احد منھم الایہ۔ لہٰذا خلط ملط اور گڑبڑ کرنے کی کوشش ارباب تحصیل کو زیب نہیں دیتی۔ یہ بازاری اور مجمع باز جہال کا پیشہ ہوا کرتی ہے۔

(ب) مؤلفۃ القلوب کا ذکر مصارف صدقات کے اندر موجود ہے۔ لیکن ہمارا کلام تو ان لوگوں میں ہے جو صدقات دینے والے ہیں۔ خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم وتزکیھم بھا وصل علیھم۔ ان صلوتک سکن لھم
ان کے اموال سے صدقات وصول کرو۔ اور ان کے ظاہر و باطن کو ان صدقات کے ذریعے پاک کرتے ہوئے اور ان کے لیے دعا

یہ کیجئے کیونکہ تمہاری دعا ان کے لیے سامانِ تسکین ہے۔
ہمارا کلام ان میں ہے جنہوں نے اسلام کی خاطر جان اور مال کی بازی لگا رکھی تھی جہاں بھی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مال خرچ کرنے کو کہا مال خرچ کیا اور جہاد کرنے کو کہا تو بلاچون وچرا اپنی جانوں کو قربان کرنے کے لیے نکل پڑے۔ انہیں کی شانِ جانثاری اور ایثار کو بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

لکن الرسول والذین آمنوا معه جاهدوا باموالهم وانفسهم واولئك لهم الخیرات واولئك هم المفلحون (سورة توبه [۱۱])

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں نے اپنے اموال کے ساتھ اور نفوس کے ساتھ جہاد کیا۔ انہیں کے لیے بھلائیاں ہیں اور وہی کامیاب ہیں۔

جن کی مالی قربانیوں کو اور پھر اجر وجزاء کو بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

سیجنبها الاتقی الذی یؤتی ماله یتزکی. وما لاحد عنده من نعمة تجزی. الا ابتغاء وجه ربه الاعلی ولسوف یرضی۔

عنقریب دوزخ کی دہکتی ہوئی آگ سے اس کو دور رکھا جائے گا۔ جو بہت پرہیزگار ہے جو اپنا مال اس لیے دیتا ہے تاکہ تزکیہ حاصل ہو اور کسی کے لیے اس کے پاس نعمت اور احسان نہیں جس کا اس کی طرف سے بدلہ دیا جائے۔ لیکن اس انفاق اور تصدق کا مقصد صرف رب اعلیٰ کی رضا حاصل کرنا ہے۔

اور وہ ضرور اس سے راضی ہوگا۔ جن کے متعلق فرمایا۔

ولا یأتل اولو الفضل منکم والسعة ان یؤتوا اولی القربی والمساکین والمهاجرین فی سبیل الله ولیعفوا ولیصفحوا الا تحبون ان یغفر الله لکم والله غفور رحیم۔ (سورة نور پ[۱۸])

Marfat.com

اور قسم نہ اٹھائیں تم سے جو فضیلت والے اور گنجائش والے ہیں کہ دیں قرابت والوں اور مساکین کو۔ اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو۔ اور چاہیئے کہ معاف کریں اور درگزر کریں۔ کیا تم دوست نہیں رکھتے اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور بخشش کو اللہ تعالیٰ بخشنے والا۔ مہربان ہے۔

تنبیہہ : اس سے پہلی آیت کے متعلق ذکر ہو چکا کہ اس سے مراد ابوبکر صدیقؓ ہیں۔ اور بعض نے کہا حضرت ابوالدحداح اور طبرسی نے کہا کہ اولی اور انسب یہ ہے کہ اس کو عام رکھا جائے بہرحال اس صورت میں بھی حضرت ابوبکر کا اس میں داخل ہونا۔ یقینی ہے۔

اور دوسری آیت کے متعلق تفسیر صافی جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۱۵ میں ہے کہ اس سے مراد صحابہ کرامؓ کی جماعت ہے۔ جنہوں نے قسم اٹھائی تھی کہ افک میں حصہ لینے والوں پر خرچ نہیں کریں گے۔ اس صورت میں بھی حضرت ابوبکرؓ کا یہاں داخل ہونا قطعی طور پر ثابت ہو گیا۔ کیونکہ افک اور بہتان کا تعلق ہی انہیں کی لخت جگر حضرت صدیقہؓ کے ساتھ تھا۔ اور طبرسی نے مجمع البیان صفحہ نمبر ۱۳۱ جلد چہارم پر اس آیت کریمہ کے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت مسطح کے حق میں نازل ہونے کی تصریح کی ہے۔ جب کہ عموم والا قول بھی ذکر کیا ہے۔ اور یہی مضمون کاشانی نے منہج الصادقین جلد ششم صفحہ نمبر ۲۸۷ پر ذکر کیا ہے۔ اور ہمارا کلام ان میں ہے جو مظلومیت کی حالت میں وطن کو خیر باد کہہ کر مدینہ میں آ گئے۔

(۵) قال اللہ تعالیٰ :

والذین ھاجروا فی اللہ من بعد ما ظلموا لنبوئنھم فی الدنیا حسنۃ ولاجر الآخرۃ اکبر لوکانوا یعلمون۔ الذین صبروا وعلی ربھم یتوکلون۔ (سورۂ نحل)

اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی بعد اس کے کہ

Marfat.com

ان پر ظلم کیا گیا ہم ضرور ان کو دنیا میں اچھا ٹھکانہ دیں گے اور آخرت
کا اجر البتہ بہت بڑا ہے۔ اگر جانتے ہوتے جنہوں نے صبر کیا اور
اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں۔

الغرض ہم نے ان لوگوں کی بات نہیں کی جن کے شر سے بچنے کے لیے ان کو مال دیا جاتا تھا۔ اور ان کی تالیف قلب کی جاتی تھی۔ ہم نے کلام ان میں کیا جو خود صدقات دیتے تھے۔ اور مال کو میل سمجھ کر اس کو راہ خدا میں دے کر دل کا تزکیہ حاصل کرتے تھے۔ اور مقصود صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مندی ہوا کرتی تھی۔ اور محبت خدا و مصطفےٰ کے تحت وطن۔ گھر بار، خان و ماں، خویش و اقربا، سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر مدینہ طیبہ آ گئے۔ اور ان پر نظر کرم اور نگاہِ لطف ان کے شر سے بچنے کے لیے نہیں بلکہ ان کے ایثار اور قربانیوں کے تحت ہوا کرتی تھی۔ لہٰذا ان مقدس ہستیوں کا قیاس ایسے مؤلفۃ القلوب پر کیونکر درست ہو سکتا ہے۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا لطف و کرم حضرت علی مرتضیٰ حسنین کریمین اور سیدہ فاطمۂ زہراء حضرت عباس اور ان کی اولاد۔ حضرت جعفر اور ان کی اولاد پر بھی تھا تو کیا کوئی کم بخت بلکہ بد بخت اور شقی ازلی کہہ سکتا ہے کہ اس لطف و مدارات اور مہربانی اور نوازش سے ان کا کوئی امتیازی شان ثابت نہیں ہو سکتا۔ آپ کی مہربانی تو منافقین پر بھی ہوا کرتی تھی۔ جس طرح یہاں پر ہر مؤمن اپنے نورِ ایمان سے فیصلہ کر سکتا ہے۔ کہ مہربانی مہربانی میں فرق ہے۔ اس طرح یہاں بھی فرق بین ہے۔ مگر ہر شخص اس کو محسوس نہیں کر سکتا۔ صرف وہی کر سکتا ہے۔ جس کی ظاہری اور دل کی آنکھ پر بغض و عناد کا کالا موتیا نہ چڑھا ہوا ہو۔ ورنہ کتاب اللہ کے ان واضح دلائل کے بعد کون سی دلیل درکار ہو سکتی ہے فبای حدیث بعدہٗ یؤمنون۔ ناظرین کرام ہر ایک پر یہ حقیقت پوری طرح عیاں ہو گئی ہو گی کہ مہاجرین و انصار بالعموم اور خلفاء اربعہ بالخصوص کس عظیم شان کے مالک ہیں اور ان کے اخلاص و ایثار اور راہِ حق میں دی ہوئی قربانیوں کا اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں کس صراحت اور وضاحت

Marfat.com

کے ساتھ اعلان کیا۔ اور ان کے اخروی درجات و مراتب بیان فرمائے صرف آیات ذکر کرتے جائیں تو بہت بڑا دفتر تیار ہو جائے گا۔ پھر کتب اہل سنت میں منقول صحیح اور متواتر معنوی احادیث مزید برآں ہیں۔ جن کا عشر عشیر بلکہ ہزاریں سے ایک حصہ بھی بیان کریں تو ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔ اور اس کے مقابل ڈھکو صاحب نے اصحاب ثلاثہ کی شان اقدس کو گھٹانے کے لیے جو ناقابل اعتبار و التفات شبہات پیش کئے ہیں، وہ بھی آپ ملاحظہ کر چکے اور ان کے جوابات بھی اب ترازو ہے انصاف تمہارے ہاتھ میں ہے۔ خود ہی فیصلہ کر لو۔ کہ ڈھکو صاحب کے ترکش میں کوئی تیر ہے یا ان کے صحن سر میں عقل و فہم اور ادراک و علم نے کبھی قدم بھی رکھا ہے۔ تا بہ تو طعن چہ رسد۔ لیکن اس تہی دامنی کے باوجود تعلیاں اور شیخیاں ہیں اور بلند بانگ دعوے۔

شرم تم کو مگر نہیں آتی۔

رسالہ مذہب شیعہ : از حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ

محبوب رب العالمین علیہ وعلی آلہ وصحبہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام صحابہ مہاجرین و انصار کے فضائل و مناقب میں آیات کلام اللہ اور احادیث صحاح اس کثرت کے ساتھ وارد ہیں۔ کہ جن کو لکھا جائے تو ایک بہت بڑی مستقل کتاب تیار ہو جائیگی تشیع حضرات کی معتبر ترین تصانیف بھی اگر غور سے مطالعہ کی جائیں تو جھگڑا ختم ہو جاتا ہے بطور نمونہ چند روایات اہل بصیرت کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ اور بغور مطالعہ کرنے کی درخواست کرتا ہوں۔

رسالہ مذہب شیعہ صفحہ نمبر ۱۳

تحفہ حسینیہ : از ابو الحسنات محمد اشرف سیالوی

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کی اس تحریر کو دیکھتے ہی علامہ ڈھکو صاحب بہت طیش میں آ گئے اور قلم غیظ و غضب کا آتش فشاں بن گئی۔ لیکن جوابی کاروائی میں وہ

Marfat.com

یہ بھول گئے۔ کہ واقعی کلام مجید میں کوئی آیت ہے جو فضیلت صحابہ کرام پر دلالت کرتی ہے۔ یا سارا قرآن مجید ان کی العیاذ تنقیص و تنقید پر مشتمل ہے۔ کیونکہ اگر شیعہ صاحبان کے زبانی دعاوی کو دیکھا جائے جن میں اس قرآن کو اصلی ماننے اور اس پر ایمان لانے کے تذکرے ہیں۔ تو پھر صرف یہی ایک کتاب ہے جو اہل سنت اور ان روافض کے درمیان قدرے مشترک بن سکتی ہے۔ اور ہر فریق کے لیے اس کی آیات کریمہ حجت اور برہان کا درجہ رکھتی ہیں اور دوسرے فریق کے ساتھ محض جدل اور الزامی کاروائی پر موقوف اور منحصر نہیں رہتی جب کہ دوسری کتب ہر فریق کی علیحدہ علیحدہ ہیں۔ نہ اہل سنت کی کتابوں پر اہل تشیع کا ایمان ہے خواہ ان کا تعلق احادیث رسول سے ہی کیوں نہ ہو اور نہ اہل تشیع کی کتابوں پر اہل سنت کو اعتماد و اعتبار ہے خواہ روایات آئمہ کی طرف ہی منسوب کیوں نہ ہوں اور نہ ہی ان دونوں فریق کو اپنے مذہب کی ان کتابوں کے تمام مندرجات کے صحیح ہونے کا دعویٰ ہے بلکہ ہر فریق کو تسلیم ہے کہ کتب میں صحت و سقم اور قوت و ضعف کے لحاظ سے تفاوت بھی ہے۔ اور صحاح کے اندر بھی بعض ضعیف روایات موجود ہیں جس طرح آئندہ صفحات پر یہ تفصیلات ہدیہ ناظرین ہوں گی۔ ایسی صورت میں ڈھکو صاحب کو پہلا کام یہ کرنا چاہیئے تھا۔ کہ

قرآن مجید کی آیات سے استدلال کرتے۔ اور پھر ان کی تائید میں اہل سنت کی مستند کتب سے روایات پیش کرتے اور اپنی کتب کی بھی وہ روایات جو کلام مجید کے مطابق ہوتیں۔ کیونکہ جب قرآن مجید پر ایمان کا دعویٰ کیا جائے تو پھر انسانی تصنیفات کو اس پر ترجیح نہیں دی جا سکتی بلکہ ان مصنفہ کتب کی صحت کی کسوٹی صرف اور صرف کلام مجید کی مطابقت و موافقت ہو گی۔ لیکن افسوس صد افسوس حضرت شیخ الاسلام نے ابتدائی کلمات میں جن آیات کی طرف اشارہ فرمایا اور آئندہ صفحات میں ان کی تصریحات فرمائیں علامہ ڈھکو صاحب نے ان کا جواب دینے کی بالکل تکلیف نہیں فرمائی۔

Marfat.com

حضرت شیخ الاسلامؒ نے فرمایا۔

قرآن کی بیسیوں آیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کرنے والوں اور انصار و مہاجرین کے حق میں نازل ہوئیں۔ کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔ ان کے لیے جنت کے اعلیٰ وارفع مراتب اور نعمتیں مہیا ہیں۔ ان کو بھی سامنے رکھا جائے۔ رسالہ مذہب شیعہ صفحہ نمبر ۱۳۔ اور اسی رسالہ کے صفحہ نمبر ۱۴ پر حضرت علیؓ کے ارشاد اور یہ آیت کلام مجید والسابقون الاولون من المھاجرین والانصار والذین اتبعوھو باحسان رضی اللہ عنھو ورضوا عنہ ۔ الایہ کو ذکر فرمایا جس میں ثقلین کی متفقہ شہادت کے ذریعے اپنے دعویٰ کو ثابت فرمایا جو صفحہ نمبر ۱۲ پر ذکر کیا۔ اسی طرح امام زین العابدین کا ارشاد اور قرآنِ مجید کی شہادت کو صفحہ نمبر ۱۹ پر نقل فرمایا۔ جو اس دعویٰ پر ثقلین کی متفقہ شہادت ہے۔ اسی طرح آپ نے رسالہ مذکورہ کے صفحہ نمبر ۵۵ سے ص ۹۵ تک۔

حضرت علیؓ اور قرآنِ مجید کی شہادت سے صحابہ کرام بالخصوص حضرت فاروقؓ کا ایمان اور عمل صالح اور ان کی خلافت کا خلافتِ موعودہ اور خلافتِ الٰہیہ ہونا ثابت کیا ہے۔ اور یہی اصولی انداز ہے بحث کا اور صحیح طریقہ ہے استدلال کا لیکن علامہ موصوف ہیں کہ انہوں نے نہ کوئی آیت پیش کی ہے۔ نہ ان آیات کا ہی جواب دیا ہے۔ اور نہ ہی اپنی پیش کردہ روایات میں اس معیارِ صحت کو ملحوظ رکھا ہے۔ جو ائمہ کرام نے بیان فرمایا ہے۔ کہ قرآنِ مجید کے مطابق روایت و حدیث سچی ہے۔ اور جو مخالف ہے وہ جھوٹی ہے۔ اور سراسر بہتان (تفصیل روایات بعد میں ذکر کی جائیں گی)

بلکہ حضرت شیخ الاسلامؒ کی پیش کردہ نہج البلاغہ اور شرح نہج البلاغہ۔ لابن میثم کی اکثر عبارات کا سرے سے کوئی جواب ہی نہیں دیا۔ حالانکہ۔ نہج البلاغہ شیعہ مذہب کی صحیح ترین کتاب ہے۔ اور اس کی روایات کو قطعاً نظرانداز

Marfat.com

نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی کسی نے ڈھکو صاحب سے پہلے ان کو نظر انداز کرنے کی جسارت کی ہے۔ تو اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ علامہ موصوف نے چند اوراق سیاہ کرنے کی سعی ضرور کی ہے۔ لیکن نہ اپنے ساتھ انصاف کیا ہے نہ اپنے مذہب کے ساتھ اور نہ ان کے ساتھ جن کے مصارف خورد برد کرنے کے لیے قلم کے حقوق کا خون کیا ہے۔ کیونکہ بہت بھاری قرض اسی طرح اس کے اور دیگر اس کے ہم مذہب علماء کے ذمہ واجب الاداء ہے۔ جو انشاء اللہ العزیز قیامت تک ادا نہیں ہو سکتا۔

لمحہ فکریہ : جب حضرت شیخ الاسلام نے شیعہ مذہب کی کتابوں سے ثابت کیا کہ ان کے نزدیک موجودہ قرآن اصلی قرآن نہیں ہے۔ اور نہ ان کا اس پر ایمان ہے تو اس وقت علامہ ڈھکو صاحب نے بڑی دھواں دھار تقریر کی اور یہ دعویٰ کیا۔

یہی قرآن شیعیان حیدر کرار کے سینہائے بے کینہ میں بھی موجود ہے۔ اور بحکم ائمۂ اطہار ہماری مساجد اور ہمارے مدارس میں بچوں سے بوڑھوں تک اسے پڑھتے اور پڑھاتے ہیں۔ ہمارے علمائے اسلام اس سے احکامِ شرعیہ کا استنباط کرتے ہیں۔ اسی قرآن کو شیعہ حق و باطل کا معیار اور صحیح و سقیم کے معلوم کرنے کا میزان سمجھتے ہیں۔ تنزیہ الامامیہ صفحہ نمبر ۲۹

لیکن شیخ الاسلام کے منقولہ روایات اور مستند کتب بالخصوص نہج البلاغہ جیسی اہم اور صحیح ترین کتاب کی عبارات جن پر قرآنِ مجید کی شہادات بھی ساتھ ہی پیش فرمائیں۔ تو اس وقت اس قرآنِ مجید کا معیار حق و باطل ہونا اور صحیح و سقیم حدیث کے لیے میزان ہونا بھول گیا۔ اور صرف روایات متواترہ کی اور احادیث صحیحہ کی آڑ لینے پر اکتفا کیا گیا۔ حالانکہ جب معیارِ حق قرآن ہے۔ اور صحیح و سقیم کا میزانِ صحت و سقم وہی ہے۔ تو جو اس کے خلاف ہو گی وہ بہر حال مردود ہو گی کیونکہ قرآن کا تواتر اور اس کی صحت حسب ادعاء علماء شیعہ مسلم بین الفریقین۔ لیکن ان روایات کے تواتر اور ان کی صحت کا صرف علماء شیعہ ہی دعویٰ کرنے والے ہیں دوسرے تمام

Marfat.com

اہلِ اسلام ان کو موضوع اور من گھڑت تسلیم کرتے ہیں۔ جن میں حضرات صحابہ اور بالخصوص خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی تنقیص شان ہو۔ یا اہل بیت کرام اور ان میں مستقل دائمی مناقشت اور منافرت ثابت ہوتی ہو۔ اور عداوت و دشمنی۔ لہٰذا مزعوم اور موہوم تواتر اور صحت کا دعویٰ ثقلین کی شہادت کے مقابل پرکاہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتا اور سوائے عجز اور بے بسی کے اظہار کے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ اور بندہ نے جو آیات نقل کی ہیں اور ان کے مفاہیم و مطالب سیاق و سباق ائمہ کرام اور آئمہ کرام کی روایات اور ان کے ارشادات کی روشنی میں بیان کئے ہیں۔ ان پر ذرا دوبارہ نظر ڈال لیں اور پھر ڈھکو صاحب اور اُن کے طبیب روحانی و جسمانی کا خبط اور بدحواسی ملاحظہ کریں اور اصول و قواعد اور قوانین و ضوابط سے انحراف اور فرار کا اندازہ کریں اور بغض صحابہ کرام میں کلام اللہ اور کلام ائمہ سے عدول اور روگردانی کا مشاہدہ کریں۔

Marfat.com

باب چہارم

رسالہ تنزیہہ الامامیہ ——— از علامہ محمد حسین ڈھکو صاحب

اہل بیت نبوت اور اصحاب ثلاثہ کے باہمی تعلقات کا بیان
جناب پیر صاحب سیالوی کی ساری تگ وتاز اور کدو کاوش سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اس رسالہ کی نگارش سے ان کا اصل مدعا یہی ہے۔ کہ ائمہ اہل بیت اور اصحاب ثلاثہ کے باہمی تعلقات اور مراسم کا خوشگوار ہونا اور ان لوگوں کا ممدوح اہل بیت ہونا ثابت کیا جائے۔ اور اس مقصد کے لیے انہوں نے اپنے رسالہ کے صفحہ نمبر ۱۴ سے صفحہ نمبر ۸۰ تک پورے سرسٹھ صفحات اپنے نامۂ اعمال کی طرح دجل وفریب۔ کذب وافتراء، حق کشی اور باطل کوشی سے سیاہ کیے ہیں (تا،) مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ خلفاء مسلمین کے بارے میں ائمہ طاہرین کے حقیقی نظریات اپنی کتب معتبرہ سے پیش کریں۔ اور اس کی تائید مزید کتب معتمدہ اہل سنت سے پیش کر دیں (تا)، اس سلسلہ میں اپنی طرف سے کچھ کہنے کے بجائے ہم۔ اس طویل معلوماتی مقالہ کو ہی سپرد قرطاس کرنا کافی سمجھتے ہیں۔ جو.. حکیم امیر الدین نے اپنے رسالہ "ابطال الاستدلال" میں حوالۂ قلم فرمایا۔ (جو کہ ڈھکو صاحب) کے رسالہ کے صفحہ ۵۳ سے صفحہ ۶۹ تک پورے سترہ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ اور اس میں اپنے مسلک کی چند کتابوں سے متعدد روایات نقل کرنے کے بعد خلاصۂ بحث یوں بیان کیا ہے)

اس قدر متواتر اور صحیح احادیث کے برخلاف اگر کوئی خبر واحد کہیں سے

Marfat.com

ملے جس سے بظاہر ثلاثہ کی مدح مترشح ہوتی ہو۔ تو اس کو شاذ۔ مرجوح اور ساقط عن الاعتبار سمجھا جائے گا۔ یا اس کا ایسا معنی مراد لیا جائے۔ جو ان احادیث کے مطابق ہو ص۔ ۲

تحفہ حسینیہ از محمد اشرف سیالوی

علامہ ڈھکو صاحب فضائل ثلاثہ اور اہل بیت کرام کے ساتھ ان کے محبانہ مراسم اور نیازمندانہ تعلقات دیکھ کر ایسے گھبرائے کہ حکیم صاحب کے نسخوں کا سہارا لیے بغیر کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔ لیکن ناظرین کرام دیکھیں گے ان کی دوائیں بھی ان کی گھبراہٹ اور اختلاج قلب کا قطعاً سامان فراہم نہ کر سکیں گی بلکہ ان کے لیے۔

مریض بغض پر لعنت خدا کی
مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

والا معاملہ بن گیا۔ مندرجہ بالا اقتباس میں چند امور غور طلب ہیں۔

(۱) ڈھکو صاحب فرماتے ہیں۔ کہ حقیقی نظریات ائمہ اہل بیت کے معلوم کرنے کے لیے ہم اپنے مذہب کی کتب معتبرہ سے حوالہ پیش کریں گے۔

مگر جب خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے خلاف زہر اگلنے کی ٹھانی تھی تو اس وقت بھی یہ خیال کیا تھا۔ کہ آیا یہ کتابیں اہل سنت کی ہیں بھی یا نہیں؟ یا آگے چل کر جو۔ پیش کی ہیں۔ وہ کتب اہل سنت ہیں معتبر ہیں۔ کہیں ابن ابی الحدید معتزلی شیعی کی۔ روایات درج کی ہیں۔ جو ابن علقمی شیعہ وزیر اعظم خلیفہ مستعصم کا نمک خوار اور زندہ درگاہ تھا کہیں مروج الذہب مسعودی کے حوالے جو پکا شیعہ تھا۔ اور اعلیٰ درجہ کا تقیہ باز۔

(۲) علاوہ ازیں اپنی کتب معتبرہ کے چند حوالے پیش کرنے کے بعد اگر ڈھکو صاحب اور اس کے ماہر طبیب کو حق حاصل ہے۔ کہ وہ اہل سنت کی جس کتاب سے بھی چاہیں حوالے پیش کر سکتے ہیں۔ اور اپنی طرف سے ان کی طرف منسوب کر کے بھی۔ تو حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کو یہ حق کیوں نہیں دیتے کہ وہ کتب متداولہ معتبرہ کے حوالے کتاب و سنت سے استشہاد کے

Marfat.com

بعد پیش کر سکیں۔

کہیں متواتر ساقط الاعتبار اور کہیں اخبار احاد حجت و دلیل

(۳) ڈھکو صاحب اور ان کے روحانی پیشوا فرماتے ہیں۔ کہ اس قدر متواتر اور صحیح احادیث کے برخلاف جو خبر واحد ملے گی وہ شاذ۔ مرجوح اور درجۂ اعتبار سے ساقط ہو گی۔ مگر جو ضابطہ یہاں یاد آیا وہ تحریف القرآن کے باب میں کیوں نہ یاد آیا۔ کہ جب متواتر اور صحیح ترین احادیث اور کتب معتمدہ متداولہ میں منقول احادیث اور ایسے ناقلین کی نقل کردہ جن کے متعلق ضعف کا گمان تک نہ کیا جا سکتا ہو۔ اور نہ ان کے مذہب میں راسخ ہونے بلکہ امام اور مقتداء ہونے میں شک و شبہ کیا جا سکتا ہو ایسی روایات جب تحریف پر دلالت کرتی ہوں تو انکی مخالف روایات بھی مرجوح اور ساقط عن الاعتبار ہونگی معلوم ہوتا کہ شیعی علماء کا نہ کوئی ضابطہ ہے۔ اور نہ اصول و قواعد۔ بس جدھر سے جان چھوٹتی نظر آئی ادھر ہی دوڑ پڑا۔ جی چاہا تو متواتر کو اخبار احاد بلکہ اپنے عقل اور قیاس سے رد کر دیا۔ اور جی چاہا تو من گھڑت اخبار احاد کو متواترات کا درجہ دیکر ان کے ساتھ صحیح اور واقعی اور قرآن مجید کی تائید و تقویت یافتہ متواتر یا مشہور روایات کو اور نہج البلاغہ جیسی اصح الکتب میں منقول روایات کو بھی رد کر دیا۔ جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

ائمہ کرام کا بیان فرمودہ صحت روایات کا معیار

آئیے سب سے پہلے یہ دیکھیں کہ خود ائمہ کرام نے اختلاف کی صورت میں سب سے مضبوط اور اہم معیار کون سا بیان فرمایا اور اس پر پوری اترنے والی روایات کونسی ہیں حضرت علیؓ نے امام حسن مجتبیٰ کو فرمایا۔

انی اوصیک بتقوی اللہ ولزوم امرہ وعمارۃ قلبک بذکرہ والاعتصام بحبلہ وای سبب اوثق من

Marfat.com

سبب بینک وبین اللہ ان انت اخذت بہ۔ (نہج البلاغۃ جلد ثانی صفحہ ۴۹)

میں تجھے اللہ سے ڈرتے رہنے اور اس کے احکام کو اپنے اوپر لازم سمجھتے رہنے اور دل کو اس کے ذکر سے آباد رکھنے اور اللہ تعالیٰ کی رسی سے چنگل مارنے اور چمٹے رہنے کی وصیت کرتا ہوں اور کون سا سبب ہے۔ جو اس سبب اور رشتہ سے مضبوط اور پائیدار ہے۔ جو تیرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے۔ بشرطیکہ تم اسی کے ساتھ تمسک کرو۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ کی رسی سے مراد قرآن مجید ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ۔

واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً۔

(۲) خیر الناس فی حالاً النمط الاوسط فالزموہ والزموا السواد الاعظم فان ید اللہ علی الجماعۃ وایاکم والفرقۃ فان الشاذ من الناس للشیطان کما ان الشاذ من الغنم للذئب۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ دمیرے اندر دو گروہ ہلاک ہوں گے ایک حد سے تجاوز کرنے والا محب اور دوسرا میرے خداداد مقام میں تقصیر و کوتاہی کرنے والا مبغض اور میرے حق میں اور میری وجہ سے جو سب سے بہتر حالت پر ہے۔ وہ صرف ایسا گروہ ہے جو افراط و تفریط اور تجاوز و تقصیر سے محفوظ ہے لہٰذا تم اسی کو لازم پکڑو اور سواد اعظم کا دامن تھامو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔ اور اپنے آپ کو افتراق اور علیحدگی سے بچاؤ۔ کیونکہ جماعت سے الگ ہونے والا انسان شیطان کے تصرف میں ہوتا ہے جس طرح ریوڑ سے الگ ہونے والی بکری بھیڑیئے کا لقمہ ہوتی ہے

(۳) فلا تکونوا انصاب الفتن واعلام البدع والزموا ما عقد علیہ حبل الجماعۃ وبنیت علیہ ارکان الطاعۃ (نہج البلاغۃ جلد اول صفحہ ۳۲۷)

Marfat.com

نہ فتنوں کے لیے نشان اور نہ بدعات کے لیے اعلام ہو بلکہ اس امر کو لازم پکڑو جس پر جماعت کی رسی معقود اور بندھی ہے۔ اور جس پر ارکان طاعت کی بنیاد رکھی گئی ہے۔

(نوٹ) یہ تحقیق پہلے ہدیۂ قارئین ہو چکی کہ ہر دور میں سواد اعظم اور عظیم جماعت کی صورت میں اہل سنت والجماعت ہی موجود رہے ہیں۔ نہ کہ دوسرے فرقے۔

(۲) حضرت امام حسنؓ کو فرمایا۔

واردد الی اللہ ورسولہ مایضلعك من الخطوب و یشتبه علیك من الامور فقد قال اللہ تعالٰی لقوم احب ارشادھم " یاایھا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیٔ فردوہ الی اللہ والرسول "

فالرد الی اللہ الحکم بمحکم کتابه والرد الی الرسول الاخذ بسنته الجامعة غیر المفرقة) نہج البلاغہ جلد ثانی ص۱۲۲)

جو اہم امور تجھ پر ملتبس ہو جائیں اور مشتبہ ہو جائیں تو ان کو اللہ تعالٰی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹا۔ کیونکہ اللہ تعالٰی نے اس قوم کو فرمایا۔ جن کی رہنمائی اور بھلائی اس کو محبوب تھی۔ "اے ایمان والو اللہ تعالٰی کی اطاعت کرو۔ اور اس کے رسول اور اولوالامر کی اطاعت کرو۔ پس اگر تمہارے اندر کسی امر میں باہم نزاع پیدا ہو جائے۔ تو اس کو اللہ تعالٰی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹاؤ۔" تو اللہ تعالٰی کی طرف رد کرنے کا معنی ہے اس کی کتاب کے آیات محکمات اور صریح الدلالت کی طرف لوٹانا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹانے کا مطلب ہے آپ کی سنت جامعہ کے ساتھ تمسک کرنا۔ اور سہارا لینا جو اجتماع و اتفاق پیدا

Marfat.com

کرنے والی ہے۔ اور تفریق و اختلاف پیدا کرنے والی نہیں ہے

ف: اس عبارت سے اللہ تعالیٰ کا حکم اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم واجب الاطاعت ہونا ثابت ہوا اور آپ نے صرف اپنی طرف سے اس کو نہیں بلکہ قرآنِ مجید سے دلیل پیش کر کے اس کو لازم اور ضروری ٹھہرا دیا تو قرآنِ مجید کے ساتھ معدنِ ولایت اور ابوالائمہ حضرت علی کے ارشاد نے یہ حقیقت واضح کر دی کہ صحیح اور غیر صحیح قابلِ اعتقاد و عمل اور ناقابلِ اعتقاد و عمل کو پرکھنے کا معیار قرآنِ مجید کے واضح ارشادات ہیں۔ اور وہ سنت جو جماعت میں اجتماع و اتفاق اور اتحاد و یکجہتی کی موجب ہو نہ کہ افتراق و انتشار کی۔ اور اہلسنت کی وجہ تسمیہ میں ہم نے واضح کر دیا ہے۔ کہ جو جماعت اور سوادِ اعظم ان عبارات میں مذکور ہے۔ وہ صرف اور صرف اہلسنت والجماعت ہی ہیں اور ان کے مقتدا و پیشوا جو اہل بیت کرام کی عزت و حرمت کو بھی ملحوظ رکھنے والے تھے۔ اور اکابر صحابہ مہاجرین و انصار کے خداداد منصب و مقام کا بھی پاس کرنے والے تھے۔ لہٰذا اس ارشادِ گرامی کے تحت صحیح روایت وہی ہو سکتی ہے۔ جو قرآنِ مجید کی آیات محکمات کے مطابق ہو۔ جیسے کہ چند ایک آیات قبل ازیں ہم نے ذکر کی ہیں۔ اور اس سنت کے مطابق ہو۔ جس میں سوادِ اعظم اور جماعت عظیمہ کی موافقت ہو۔ لیکن جو قرآن کے خلاف ہوں یا سنت جامعہ غیر مفرقہ کے خلاف ہوں۔ وہ قطعاً قابلِ قبول نہ ہوں گی۔

(۵) نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے ہدایت پر قائم رہنے اور صراطِ مستقیم پر گامزن رہنے کے لیے جو سامانِ ہدایت اور استقامت عطا فرمایا ہے وہ کیا ہے۔ فرمایا۔

"انی تارک فیکم ما ان تمسکتم بہ لن تضلوا بعدی احدھما اعظم من الآخر کتاب اللہ حبل ممدود من السماء الی الارض وعترتی اھل بیتی لن یتفرقا حتی یردا علی الحوض فانظروا

Marfat.com

کیف تخلفونی فیھما" (رواہ الترمذی)

"انی مخلف فیکم الثقلین ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا کتاب اللہ وعترتی اھل بیتی ولن یتفرقا حتی یردا علی الحوض" (تفسیر صافی. ص ۱۵)

بے شک میں تمہارے اندر دو قیمتی چیزیں چھوڑ رہا ہوں. کہ جب تک ان کا سہارا لیے رہو گے اور ان کے ساتھ وابستہ رہو گے تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہیں ہو گے. ان چیزوں میں سے ایک کتاب اللہ ہے. جو دوسری سے عظیم ہے. اور وہ اللہ تعالیٰ کی رسی ہے جو آسمان سے زمین کی طرف لٹکی ہوئی ہے. اور دوسری میری عترت اور اہل بیت ہیں اور وہ دونوں جدا نہیں ہوں گے. حتیٰ کہ مجھ پر حوض کوثر پر وارد ہونگے اچھی طرح خیال رکھو کہ تم ان کے حق میں میری نیابت کا حق کس طرح ادا کرتے ہو.

ف) یہ وہ روایت ہے. جو فریقین کے نزدیک متفق علیہ ہے اور مسلم الثبوت اور معروف الصحت جس سے واضح ہے کہ قرآن اور اہل بیت مجتمع اور متفق رہیں گے. اور ان کی راہ ایک ہی ہو گی. اور منزل بھی ایک ہی ہو گی. اور باہم مل کر صاحب شرع صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حوض کوثر پر پہنچیں گے. اس سے بھی واضح ہوتا ہے. کہ ائمہ کے اقوال وارشادات فی الواقع وہی ہوں گے جو قرآن عظیم کے موافق اور مطابق ہوں گے. ورنہ راہیں جدا ہو جائیں گے اور افتراق پیدا ہو جائے گا. اور کتاب کو دوسرے ثقل سے اعظم کہا گیا ہے. تو واضح ہوا کہ اصل دلیل کتاب اللہ ہو گی اور اقوال ائمہ اس کے تابع نہ کہ قرآن کو ان کے اقوال کے تابع کر دیا جائے یا اس کو چھوڑ دیا جائے. پہلی صورت میں اس کا اعظم اور اصل ہونا ختم ہو جاتا ہے اور دوسری صورت میں ان کا اجتماع واتفاق کالعدم ہو جاتا ہے. لہٰذا ایسے اقوال وارشادات

Marfat.com

جو ائمہ کی طرف منسوب ہوں لیکن خلافِ قرآن ہوں۔ ان کے متعلق موضوع اور من گھڑت ہونے کا یقین کرنا پڑے گا۔ اور ان کو سبائی سازش قرار دینا لازم ہوگا۔

معیارِ حق کے مطابق کونسی روایات درست ہیں

جب یہ معیار متعین ہوگیا۔ اور قرآنِ مجید کے چند ایک ارشادات اور آیات بینات بھی ملاحظہ کر چکے تو ایسا تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں رہے گا کہ جو ارشاداتِ ائمہ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے بیان فرمائے ہیں یا راقم عرض کرے گا۔ تو وہی اور صرف وہی برحق ہیں۔ اور دوسرے موضوع اور مفتریات ہیں۔ جو یہود کی تقیہ بازی اسلام اور اہلِ اسلام بلکہ بانیانِ اسلام کی دشمنی اور عداوت پر مبنی ہیں۔

تواتر کونسا معتبر ہے

ڈھکو صاحب اور ان کے روحانی اور جسمانی طبیب نے صحابہ کرام کی عداوت اور دشمنی پر مبنی روایات کو متواتر قرار دیا ہے۔ اور واجب القبول۔ لیکن امیر المؤمنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جماعت اور سوادِ اعظم کے عقائد اور نظریات کی موافقت پر زور دیا ہے۔ اور اس کے ماسوا کو غلط قرار دیا ہے۔ اور ساتھ ہی علت بھی بیان کر دی۔ کہ بعض لوگوں نے میرے حق میں افراط سے کام لیا۔ (جیسے شیعہ اور روافض) اور بعض نے تفریط سے کام لیا ہے۔ (جیسے خوارج اور حروریہ) لہٰذا ان دونوں سے ہٹ کر جو معتدل اور افراط و تفریط سے محفوظ اور مصئون جماعت ہے اس کے نقشِ قدم پر چلو۔ تو آپ کے اس ارشاد کی روشنی میں نہ شیعہ کی انفرادی روایات کا اعتبار ہو سکتا ہے۔ اور نہ خوارج کی انفرادی روایات کا۔ کیونکہ فریق اوّل

Marfat.com

نے اہل بیت کے غلو محبت میں روایات کا اختراع کیا۔ یا دیگر صحابہ کے ساتھ عداوت کا اظہار کرتے ہوئے ان کی تنقیص شان کی روایات وضع کیں۔ اور خوارج نے حضرت امیر کی عداوت میں تفریط پر مشتمل روایات گھڑ لیں۔ یا پھر ان پر اپنے پسندیدہ نظریات کے تحت دوسرے صحابہ کرام کو فوقیت دینے میں حدود سے تجاوز کیا۔ لہٰذا اگر معتبر ہیں تو وہ متواتر روایات جن کا تواتر اہل سنت کے ہاں بھی مسلم ہو۔ نہ کہ صرف شیعہ کے ہاں متواتر ہوں۔

شیعہ صاحبان اور تحریف روایات

شیعہ صاحبان نے حب علی مرتضیٰؓ میں افراط کا لازمی تقاضہ یہ بھی سمجھا کہ دیگر اکابر صحابہ کی شان میں تقصیر اور تنقیص کی جائے۔ لہٰذا مقدور بھر سعی کر کے ان روایات کے الفاظ میں تبدیلی کی اور کہیں بیان محتاد مقصود میں تبدیلی کی کوشش کی جو کہ فضائل صحابہ اور ان کے ساتھ اہل بیت کے بہتر تعلقات پر دلالت کرتی تھیں اور یا پھر اس حقیقت کو چھپانے کی مقدور بھر سعی کی کہ ان حضرات کا یہ ارشاد کس ہستی کے متعلق ہے۔ چند ایک مثالیں اس کی عرض کرتا ہوں۔ تاکہ حقیقت حال واضح ہو جائے۔

۱۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے واقعہ ہجرت اور رفاقت نبویہ جیسے اعزاز کو کم کرنے اور آپ کی اس امتیازی حیثیت کو نگاہ مومنین سے اوجھل کرنے کیلئے بلکہ بالکل الٹا اور برعکس تاثر دینے کے لیے ابوالحسن القمی نے جو کارنامہ سرانجام دیا ہے وہ ملاحظہ ہو۔

قوله تعالیٰ : اذ هما فی الغار اذ یقول لصاحبه لا تحزن (الآیة)

حدثنی ابی عن بعض رجاله رفعه الی ابی عبد الله علیه السلام قال لما کان رسول الله صلی الله علیه وسلم فی الغار قال لفلان کانی انظر الی سفینة جعفر فی اصحابه یقوم فی البحر وانظر الی الانصار محتبین فی افنیتهم فقال فلان وتراهم یا رسول الله؟ قال نعم. قال فارنیهم فمسح علی عینیه فرآهم فقال فی نفسه الآن

Marfat.com

صدقت انك ساحر فقال له رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انت الصدیق۔

ترجمہ: مجھے میرے باپ نے اپنے بعض شیوخ روایت کے واسطے سے۔ امام ابوعبداللہ جعفر صادق تک مرفوع روایت بیان کی کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم غار میں تھے۔ تو آپ نے فلاں (ابوبکرؓ) کو فرمایا۔ کہ میں جعفر کی کشتی بمع ان کے ساتھیوں کے سمندر میں کھڑی دیکھ رہا ہوں اور انصار کو اپنے گھروں کے سامنے بیٹھے ہوئے۔ تو فلاں نے کہا۔ یا رسول اللہ آپ ان کو دیکھ رہے ہو، آپ نے فرمایا ہاں۔ تو انہوں نے کہا وہ مجھے بھی دکھلایئے۔ آپ نے ان کی آنکھوں پر دست کرم پھیرا تو انہوں نے مہاجرین حبشہ اور انصار کو دیکھ لیا۔ (تو دل ہی دل میں کہا۔ کہ اب میں اس امر کی تصدیق کرتا ہوں کہ تم ساحر اور جادوگر ہو) تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ہی صدیق ہے۔

تبصرہ: الف، اس روایت میں دو جگہ ابوبکر کا نام لینے کی جگہ فلاں کا لفظ ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں جو نیک نیتی کارفرما ہے وہ واضح ہے۔ یعنی نام کو ابہام پیدا کرنے کے لیے فلاں کے لفظ سے بدلا دیا۔

ب، بریکٹ میں اپنی طرف سے ابوبکر کے دل کا حال معلوم کر کے لکھ دیا کہ انہوں نے کہا کہ اب مجھے تمہارے جادوگر ہونے کا یقین ہو گیا۔

ج، اس کے متصل بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہہ دیا کہ آپ نے فرمایا۔ انت الصدیق تو ہی سچا ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ بریکٹ کے اندر دیئے ہوئے جملہ کی درستی کی صورت میں خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا ابطال ہے۔ العیاذ باللہ۔ کیونکہ ابوبکر نے آپ کے ساحر ہونے کا یقین کر لیا۔ اور آپ نے فرمایا۔ تم سچے ہو۔ اگر آپ کو جادوگر سمجھنے والا سچا ہے۔ تو نبی سمجھنے والا جھوٹا۔ اور جو جھوٹا ہو اس کو صادق کہنا بھی غلط ہے۔ چہ جائیکہ صدیق کہا جائے بہرحال روایت کا اس طرح ستیاناس کیا ہے کہ۔

Marfat.com

عظمت ابوبکر کے ساتھ عظمتِ رسالت کو بھی گھٹا کر رکھ دیا ہے۔

للہ بلاد فلان فقد قوم الاود وداوی العمد خلف الفتنۃ الخ نہج البلاغ

یہاں یہ امر قابل غور ہے۔ کہ حضرت امیرؓ نے تو یقیناً اس ہستی کا نام لے کر اور اس کی پوری طرح نشاندہی کر کے یہ خوبیاں بیان فرمائیں لیکن اس میں سبائی چال چلتے ہوئے ناقلین نے فلاں کا لفظ لکھ دیا تاکہ کسی کو پتہ ہی نہ چل سکے۔ کہ یہ فضائل کس کے بیان کئے گئے ہیں یعنی اللہ ہی جزائے خیر دے فلاں کو جس نے کجی کو درست کیا اور مرض جہالت کی دوا کی الخ

(۳) تحریف لفظی اور قطع و برید اور رکیک بیونت کے ساتھ ساتھ بعض عبارات کے مطلب میں گڑبڑ کرنے کے لیے ترتیب خطبہ کو اس طرح بدلا کہ جس کی تعریف حضرت مرتضیٰ نے کی تھی اس کی تنقیص لازم آجائے۔ اور یہ اس قدر بھیانک اور سنگین جرم اور حق پوشی اور باطل کوشی کی رذیل اور گھٹیا چال تھی۔ کہ اپنے بھی چلا اٹھے اور اس ذلیل حرکت پر اپنا اضطراب چھپا نہ سکے۔

(الف) حضرت علی رضی اللہ عنہ کا طویل خط جو آپ نے امیر معاویہؓ کے خط کے جواب میں تحریر فرمایا تھا۔ اس سے فضیلت شیخین پر دلالت کرنے والے جملے سبائی ذہنیت کے بھینٹ چڑھے۔ ذرا وہ جملے دیکھ لیں۔ تاکہ مؤلف کی مجبوری واضح ہو جائے اور رکیک بیونت کا موجب معلوم ہو جائے۔

کان افضلھم فی الاسلام کما زعمت وانصحھم للہ ولرسولہ الخلیفۃ الصدیق وخلیفۃ الخلیفۃ الفاروق ولعمری ان مکانھما فی الاسلام عظیم وان المصاب بھما لجرح فی الاسلام شدید یرحمھما اللہ وجزاھما باحسن ما عملا۔ (ای) نما سمعت باحد ھو انصح للہ فی طاعۃ رسولہ ولا اطوع لرسول اللہ فی طاعۃ ربہ ولا اصبر علی الاذی والضراء حین الباس۔ و مواطن المکروہ مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم من ھؤلاء النفر الذین سمیت۔ کذلک وفی المہاجرین خیر کثیر تعرفہ جزاھم اللہ باحسن اعمالھم۔ (شرح ابن میثم)

Marfat.com

اس عبارت کے ترجمہ کا کچھ حصہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ اور بقیہ شیخ الاسلام کی عبارت میں ملاحظہ کر دگے۔ یہاں یہ بتلانا ہے۔ کہ یہ تمام تر عبارت جو عظمتِ صدیق اور مرتبت فاروق کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اور نصف النہار کی طرح واضح اور روشن برہان دہ سب مؤلف نہج البلاغہ نے حذف کر کے بغض شیخین کا بھرپور اظہار کیا ہے۔ اور کیوں نہ کرتا۔ اگر حضرت مرتضیٰ کی زبانی ان کا صدیق اور فاروق ہونا اور سب سے افضل اور سب سے زیادہ مخلص ہونا عوام پر ظاہر ہو جائے تو پھر مذہب رفض کب پنپ سکتا ہے اور کون اسے قبول کر سکتا ہے۔ اس لیے یہ عبارت تو حذف کرنی شریعت رفض میں فرض تھی۔

(ب) اس کے علاوہ اس خطبہ کی ترتیب میں اس طرح الٹ پھیر سے کام لیا کہ مفہوم کچھ کا کچھ ہو گیا جس پر شارح ابن میثم کو بھی کہنا پڑا۔

وهذا اخبط عجيب من السيد مع وجود كتبه فى كثير من التواريخ (شرح ابن میثم جلد ۴ ص ۳۶۳)

یہ سید رضی کی طرف سے عجیب خبط اور التباس واشتباہ ہے۔ حالانکہ حضرت علیؓ کے خطوط بہت سی تاریخی کتب میں موجود ہیں۔ لہٰذا ان میں التباس و اشتباہ کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی تھی۔ اور تلبیس و تخلیط کی بھی۔ کیونکہ ہر شخص اصل مراجع کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔ جس کے بعد سوائے ذلت اور رسوائی کے کیا ہاتھ آسکتا ہے۔

(۴) تحریف معنوی: اسی طرح شیعی علماء نے تحریف معنوی میں بھی وہ کمال کر دکھایا ہے کہ یہودی بھی سر پیٹ کر رہ گئے ہوں گے اور پھر لطف یہ کہ اس کی نسبت بھی آئمہ کرام اور اصدق الصادقین کی طرف کر دی ہے مثال کے طور پر ایک حوالہ پیشِ خدمت ہے، سید نعمت اللہ الجزائری موسوی نے انوار نعمانیہ میں نقل کیا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے خلیفہ وقت کے دربار میں شیخین رضی اللہ عنہما کے متعلق علی الاعلان فرمایا:

"هما امامان عادلان قاسطان كانا على الحق فماتا عليه عليهما رحمة

Marfat.com

الله یوم القیامة" (انوار نعمانیہ جلد اول ص ۹۹)

جس کا ترجمہ و مفہوم ظاہر ہے اور اہل دربار نے بمع خلیفہ آپ کا یہی ظاہری مقصد سمجھا کہ وہ دونوں امام عادل ہیں اور منصف، دونوں حق پر تھے اور اسی پر ان کا وصال ہوا، ان دونوں پر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی رحمت اور عنایت ہے، مگر جب آپ مجلس سلطان سے باہر تشریف لائے تو آپ کے خواص میں سے ایک آپ کے پیچھے ہو لیا اور اس نے عرض کیا۔

یا بن رسول الله قد مدحت ابا بکر و عمر هذا الیوم فقال أنت لا تفهم معنی ما قلت فقال: بيّنه لی۔

اے لخت جگر رسول صلی اللہ علیہ وسلم آج آپ نے ابوبکر و عمر کی مدح و ثنا اور تعریف و توصیف کر دی ہے آپ نے جواب میں فرمایا تو میرے قول کا معنی و مفہوم نہیں سمجھتا تو اس نے عرض کیا میرے لئے اس کی وضاحت کریں تو آپ نے بقول اس (مجہول اور نامعلوم مرید خاص) کے فرمایا۔

اما قولی هما امامان فهو اشارة إلی قوله تعالی: "ومنهم ائمة يدعون إلى النار" وأما قولی عادلان فهو اشارة إلی قوله تعالی: "والذين كفروا بربهم يعدلون" واما قولی قاسطان فهو المراد من قوله عزمن قائل: "أما القاسطون فكانوا لجهنم حطبا" وأما قولی کانا علی الحق فهو من المكاونة أو الكون ومعناه انهما كانوا علی حق غيرهم لأن الخلافة حق علی بن أبی طالب وكذ اماتا عليه فانهما لم يتوبا بل استمرا علی افعالهم القبيحة إلى ان ماتوا وتولى عليهما رحمة الله المراد به النبی صلی الله عليه وسلم بدليل قوله تعالی: "وما ارسلناك الا رحمة للعالمين" فهو القاضی والحاكم والشاهد علی ما فعلوه يوم القيامة۔

Marfat.com

(انوار نعمانیہ جلد اول ص ۹۹)

(۱) میں نے جو یہ کہا کہ دونوں امام ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے کہ ان میں سے بعض امام ہیں جو نار جہنم کی طرف بلاتے ہیں۔

(۲) اور میں نے ان کو عادل کہا تو اس میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اپنے رب کے ساتھ (غیروں کو) برابر ٹھہراتے ہیں یعنی عدالت والا معنی مراد نہیں تھا بلکہ برابری والا۔

(۳) لیکن میں نے جو ان کو قاسطان کہا تو اس سے مراد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس قول میں مراد ہے لیکن قاسط تو جہنم کا ایندھن ہوں گے۔

(۴) اور میں نے یہ جو کہا کانا علی الحق تو اس کا معنی یہ ہے کہ دوسروں کے حق پر زبردستی قابض ہو گئے کیونکہ خلافت علی رضی اللہ عنہ کا حق تھا اور وہ اس پر قابض ہو گئے تھے)

(۵) اسی طرح ماتا علیہ کہنے کا مطلب بھی یہ ہے کہ انہوں نے اس ظلم و زیادتی اور غصب و نہب سے توبہ نہ کی بلکہ مرتے دم تک انہیں افعال قبیحہ پر برقرار رہے۔

(۶) اور میں نے جو علیہما رحمۃ اللہ کہا ہے تو اس سے میری مراد ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس آیت کریمہ میں رحمت کہا ہے "وما ارسلناك الا رحمة للعالمين" تو آپ ان دونوں پر قیامت کے دن حکم اور قضا نافذ کریں گے اور جو کچھ انہوں نے کیا اس پر گواہی دیں گے۔

امام موصوف کا یہ تفصیلی جواب اور وضاحتی بیان سن کر اس مرید خاص نے کہا: "فرجت عني فرج الله عنك" آپ نے میری مشکل حل کر دی اللہ تعالیٰ آپ کی مشکل حل کرے۔

لمحہ فکریہ: امام صادق رضی اللہ عنہ نے بھرے دربار میں خلیفہ کے روبرو جو کچھ فرمایا۔ اس سے ہر ایک نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی

Marfat.com

مدح و ثنا اور تعریف و توصیف بھی اور ان کا آپ کے نزدیک امام برحق اور عادل
منصف ہونا، تادم زیست حق پر قائم ہونا اور اسی پر دنیا سے رخصت ہونا اور رحمت
خداوند تعالیٰ سے مشرف ہونا سمجھا بلکہ آپ کے مرید خاص نے بھی یہی معنی و مفہوم اور مقصد
مطلب سمجھا اس لیے تڑپ اٹھا اور اپنے قلبی اضطراب اور دکھ درد کو چھپا نہ سکا بلکہ
شکوہ کیا آپ نے تو ابوبکر و عمر کی مدح و ثنا کر دی، جس سے صاف ظاہر اور آفتاب نیم
کی طرح روشن کہ عام اہل اسلام کے سامنے قطعاً ائمہ کے کلام سے ان حضرات کے متعلق
تنقیص و توہین اور تحقیر و تفریط پر مشتمل کوئی کلمہ سرزد نہیں ہوتا تھا بلکہ ان سب کو یہی
اور نظریہ یہاں سے ملتا تھا کہ ائمہ اہل بیت ان کی عظمت و رفعت کے قائل و معترف
ہیں اور ان کے لیے مدح سرا اور دعا گو تو گویا ان تمام اہل اسلام کو غلط راہ پر ڈالنے
اور انہیں گمراہی و ضلالت میں مبتلا کرنے کی ساری ذمہ داری انہیں ائمہ پر عائد ہوئی
بقول شیعہ یہ حضرات العیاذ باللہ ائمہ ہدی ہونے کی بجائے ائمہ ضلالت بن گئے او
اگر یہ حضرات ایسی چالیں چلنے والے ہوتے اور عالم اسلام کو بے وقوف بنانے وال
ہوتے تو واقعہ ہائلہ کربلا والا کبھی پیش نہ آتا اور جب سب ائمہ کا مذہب ایک
تو یقیناً آپ کا بھی ظاہر و باطن ایک ہونا لازم ہے اور پھر آپ کو بالخصوص صادق
لقب دیا جانا بھی اس امر کی بین دلیل ہے، کیا امام حسین رضی اللہ عنہ یزید کو اس طرح
امام عادل قاسط من علی الحق کہہ کر اپنی اور اپنے عزیزوں کی جان اور پردگیان عصمت
کی عزت و ناموس کا تحفظ نہیں کر سکتے تھے؟ جب کر سکتے تھے اور یقینی تحفظ بھی حاصل
سکتے تھے مگر جان کی بازی لگا دی اور یہ طریقہ اختیار نہ کیا تو واضح ہو گیا کہ یہ دورخی چال
اور دوغلی پالیسی اہل بیت کرام کے شایان شان نہیں ہے۔

امام جعفر صادق کے لیے تقیہ و کتمان کا عدم جواز:-

نیز یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے لیے

Marfat.com

تقیہ و کتمان جائز ہی نہیں تھا اور کسی امام جابر اور سلطان جائر کے ڈر اور خوف کی وجہ سے اس قسم کی حیلہ سازی اور اصل نظریہ و عقیدہ کا اخفاء آپ کے لیے قطعاً حرام تھا کیونکہ محمد بن یعقوب کلینی نے اصول کافی جلد اول صفحہ ۲۸۱ مطبوعہ تہران پر خود امام جعفر صادق سے ہی یہ روایت نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے قریب جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے ایک کتاب نازل فرمائی جس میں تمام ائمہ کے متعلق وصیتیں مرقوم تھیں اور ہر وصیت نامہ سربمہر تھا جو ہر امام اپنے دور امامت میں ہی کھول سکتا تھا چنانچہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے وصیت نامہ کی عبارت یہ تھی۔

حدث الناس وافتهم وانشر علوم اهل بيتك وصدق آباءك الصالحين ولا تخافن الا الله عزوجل وانت فى حرز وامان ففعل۔

یعنی لوگوں کو احادیث بیان کرو اور فتوے جاری کرو اور اپنے اہل بیت کے علم کی نشر و اشاعت کرو اور اپنے اسلاف اور آباء و اجداد صلحاء کی تصدیق کرو۔ اور سوائے اللہ عزوجل کے ہرگز کسی سے نہ ڈرو کیونکہ تم اللہ تعالیٰ کے حفظ و امان میں ہو۔

اہل انصاف و دیانت اور اہل ایمان و امانت اس وصیت کو اس روایت کے ساتھ ملا کر ہمیں بتلائیں کہ وصیت پر عمل کس صورت میں پایا جا سکتا ہے، شیعی تاویل اور تحریف کی صورت میں یا ظاہری معنی و مفہوم جو عام اہل اسلام نے سمجھا، حتیٰ کہ اس مرید خاص نے بھی۔ وہ مراد ہونے کی صورت میں یقیناً وصیت پر عمل کی صورت صرف وہی ہے جو اہل السنت کے مذہب و مسلک کے بالکل مطابق ہے اور چونکہ آپ از روئے وصیت علوم اہل بیت کی نشر و اشاعت اور اپنے اسلاف کی تائید و تصدیق کے پابند تھے تو روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ تمام اہل بیت اور ائمہ کرام کا مذہب و مسلک بھی یہی تھا جس پر سواد اعظم اہل السنت والجماعت اب تک قائم ہیں اور بصورت دیگر جب آپ نے وصیت کی خلاف ورزی کی تو امامت ہی ختم ہو گئی۔ اور صدق

Marfat.com

بھی ختم ہو گیا۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ پھر نہ آپ کو امام تسلیم کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی صادق کا لقب دیا جا سکتا ہے۔

محرفین کی وجہ سے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا اضطراب

مراد ائمہ کی تشریح و توضیح پیش کرنے والوں سے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی پریشانی بھی ملاحظہ کرتے چلیں۔

رجال کشی میں مذکور ہے کہ امام موصوف نے فیض بن مختار کو فرمایا۔

إنّ الناس اولعوا بالكذب علينا كان الله افترض عليهم لا يريد منهم غيره وانى احدث احدهم بالحديث فلا يخرج من عندى حتى يتاوله على غير تاويله الخ (رجال الكشی ص ۱۲۲)

یعنی لوگ ہم پر بہتان باندھنے اور افترا کرنے کے عاشق ہو چکے ہیں گویا اللہ تعالیٰ نے یہی کام ان پر فرض کر دیا ہے اور اس کے علاوہ دوسرے کسی امر اور فعل کا ان سے ارادہ نہیں رکھتا، میں ان میں سے ایک کو حدیث بیان کرتا ہوں تو وہ میرے پاس سے نکل نہیں پاتا کہ اس کو میری مراد کے برعکس دوسرے معنی پر محمول کر دیتا ہے

امام صادق کے اس ارشاد صادق کے بعد اس تاویل کے بطلان و ضلال اور اس کے ناقل کے افترا اور بہتان میں قطعاً شک و شبہ کی کوئی صورت باقی نہیں رہ جاتی اور صرف یہ ایک روایت اور اس کی تاویل فاسد بطور نمونہ ذکر کی ہے ورنہ یہاں تو جھوٹی روایات کے انبار ہیں اور صحیح روایات کی تاویلات فاسدہ کے دفاتر اور بہت بڑی جماعت اسی شیطانی کام میں شب و روز مصروف تھی اور ائمہ کرام کی ان پر لعنتوں اور براءتوں اور تکذیب کے باوجود انہیں کے نام پر یہ ملعون و مردود اس مذموم مقصد کو جاری رکھے رہے۔

بعض انتہائی مقتدر اور معتبر راویوں پر ائمہ کرام کے تبصرے دوسری جگہ ذکر

Marfat.com

کیے گئے ہیں وہاں ملاحظہ فرمادیں اور خداتعالیٰ موقعہ دے تو صرف رجال الکشی کا ہی مطالعہ کرلیں تو اندازہ ہو جائے گا کہ یہ کون لوگ تھے اور ان کا اصل مقصد کیا تھا یعنی یہود و مجوس تھے اور اسلام کو غالم بدبن نیست و نابود کرتے کے درپے تھے
نعوذ باللہ من شر الشیاطین من الجنۃ والناس۔

الغرض جب ایک فریق اس بات پر تلا ہوا ہو کہ کوئی کمال اور فضیلت صحابہ کرام کی ثابت نہیں ہونے دیں گے۔ تو اس کے تواتر کا جو حال ہوگا وہ بھی واضح ہے۔ ہم تو یہ بھی قدرتِ خداوندتعالیٰ کا اعجاز سمجھتے ہیں۔ کہ ایسے لوگوں کے ہاتھوں کہیں کوئی کلمہ خیر کا حضراتِ صحابہ اور خلفاء ثلاثہ کے حق میں صادر ہو جائے۔ اس لیے اگر کوئی تواتر یہاں حجت ہو سکتا ہے اور دلیل صداقت اور معیار حقانیت ہو سکتا تو وہ بالعموم اہل اسلام کی روایات کا ہے اگر کتب شیعہ میں بھی وہ روایت دستیاب ہو جائے اور تمام اہلِ اسلام کی کتابوں میں بھی تو اسی کو معیارِ حق سمجھا جائے گا۔ اور یہی حضرت علیؓ کا ارشادِ گرامی ہے جو کہ نظر نواز ہو چکا۔ اور قرآن مجید کی تائید اور موافقت ہی اصل معیارِ صداقت ہو گا۔ کیونکہ وہ بھی اہل اسلام میں متواتر ہے کامل و مکمل طور پر جس طرح کہ ہمارا مذہب ہے۔ یا جس قدر بچ گیا۔ جیسے کہ شیعہ صاحبان کا مذہب ہے۔

معیارِ حق کتاب اللہ اور سنت رسول جو اس کے موافق ہو

اب اس پر مزید تائیدی روایات پیش خدمت ہیں کہ معیار حق صرف کتاب اللہ ہے۔ اور وہی سنت قابل قبول ہے۔ جو اس کے موافق ہو۔

(۱) عن ابی عبد اللہ علیہ السلام ان علی کل حق حقیقۃ و علی کل ثواب نورا فما وافق کتاب اللہ فخذوہ وما خالف کتاب اللہ فھو زخرف۔

(۲) عن ایوب بن الحر قال سمعت ابا عبد اللہ علیہ السلام

Marfat.com

کل شی مردود الی الکتاب والسنۃ وکل حدیث لایوافق کتاب اللہ فھو زخرف۔

(۳) عن ایوب بن راشد عن ابی عبد اللہ السلام قال مالم یوافق من الحدیث القرآن فھو زخرف (۴) عن ھشام بن الحکم وغیرہ عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال۔ خطب النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمنی فقال ایھا الناس ما جاءکم عنی یوافق کتاب اللہ فانا قلتہ وما جاءکم یخالف کتاب اللہ فلم اقلہ۔

(۵) عن ابن ابی عمیر عن بعض اصحابہ قال سمعت ابا عبد اللہ علیہ السلام۔ من خالف کتاب اللہ وسنۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فقد کفر۔

اصول کافی باب الاخذ بالسنۃ وشواھد الکتاب جلد اول ص ۶۹، ۷۰۔ خلاصہ سب روایات کے معنی ومفہوم کا یہ ہے کہ ہر اختلاف ونزاع کا فیصلہ قرآن وسنت کے مطابق کرنا ضروری ہے۔ اور جو دونوں کا خلاف کرے وہ کافر ہے۔ اور جب ان میں تخالف آجائے تو ائمہ کا بھی اور سرور انبیاء اور امام الائمہ کا حکم بھی یہی ہے کہ قرآن مجید کے ساتھ تمسک کرو۔ اور اس سنت اور حدیث کے ساتھ جو اس کے موافق ہو۔ اور دوسری روایات کو موضوع۔ زخرف اور من گھڑت سمجھو۔

جب ائمہ کا بیان کردہ میارحق اور مدار صداقت یہ ہے۔ بلکہ خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بھی یہی ہے۔ تو ڈھکو صاحب نے اور ان کے پیر طریقت اور طبیب جسمانی اور روحانی نے جو میار قائم کیا ہے۔ یعنی ہماری متواترات کے مطابق ہو تو درست ہے۔ ورنہ ساقط عن الاعتبار وہ بالکل غلط ہے۔ اور ناقابل اعتبار اور ان ارشادات ائمہ کے سراسر مخالف ومعاکس اس لیے یہ جواب ان کا سراسر عجز اور بے بسی وبیچارگی پر مبنی ہے۔ اور اپنے مذہبی کتب میں بیان کردہ میار اور کسوٹی کے بھی خلاف ہے تا بہ جمیع اصول اہل اسلام متواترہ ومجمع علیہا چہ رسد

لمحہ فکریہ:

حضرت علی رضی اللہ عنہ ڈھکو صاحب اور ان کے طبیب محترم کے ارشاد کے مطابق

Marfat.com

اور کتاب الروضہ کے مطابق اپنے مافی الضمیر کا اظہار بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اور انہیں لشکر میں بغاوت اور ان کی علیحدگی کا کھٹکا لگا رہتا تھا۔ اس لیے خلفاء سابقین کے جاری کردہ احکام میں تبدیلی پیدا نہ کر سکے۔ اور صرف تراویح کو بند کرنا چاہا تو شور مچ گیا کہ عمر کی سنت بدلی جا رہی ہے۔ اور حضرت امیر کو مجبوراً خاموش ہونا پڑا۔ لہٰذا ہم پوچھتے ہیں کہ اس پوزیشن کا مالک کیا علانیہ ان پر تنقید کر سکتا تھا۔ اور ان کی عظمت شان کے خلاف کوئی لفظ زبان پر لا سکتا تھا۔ قطعاً نہیں۔ اس لیے ان کا عام خطبات میں یقیناً طریقہ کار یہی رہا کہ ان حضرات سابقین کی مدح و ثنا کرتے۔ اور ان کے معتقدین کو خوش رکھتے اور بقول شیعہ در پردہ ان کے خلاف ظلم و ستم اور غصب و نہب کے الزامات عائد کرتے تھے اور صرف خواص پر حقیقی نظریات کا اظہار کرتے تھے۔ ایسی صورت میں تواتر کہاں رہا۔ جو ظاہر اور متواتر ہے وہ شیعہ کیلئے قابل قبول نہیں۔ اور جو خفیہ اور راز داری سے چھپنے والا حقیقی نظریہ ہے۔ اس کو متواتر کیونکر کہہ سکتے ہیں۔ اور اس پر ظاہر اور علانیہ کے مقابل اعتبار کیسے ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ان خفیہ اور راز دارانہ انداز میں پروان چڑھنے والی روایات کو قطعاً متواتر نہیں کہہ سکتے۔

دو رخی پالیسی اور انصاف و عدالت کے مختلف ترازو اور پیمانے

جب خلفاء ثلاثہ پر اعتراض کرنا تھا۔ تو اہل سنت کی غیر اہم کتابوں کے حوالے اور قطع برید کر کے عبارات پیش کر دیں یا اپنے تراشیدہ مضمون اور معنی کو پیش کر دیا اور یہ خیال نہ آیا کہ آخر اہل سنت کے ہاں متواتر روایات اور صحیح ترین احادیث کیا ہیں۔ اور جو روایات ہم پیش کر رہے ہیں۔ ان کی حیثیت کیا ہے۔ بلکہ یہ بھی نہ سوچا کہ کتابیں بھی ان کی ہیں یا نہیں اور جب اپنی باری آئی تو اپنی کتابوں کی اور علی الخصوص اصح الکتب نہج البلاغہ کی روایات اور عبارات کو شاذ ضعیف خلاف متواتر اور ساقط عن الاعتبار قرار دے دیا آخر جو اپنے لیے پسند نہیں وہ دوسروں کے لیے پسند کیوں کیا گیا۔

Marfat.com

علامہ ڈھکو صاحب اور مولوی امیر الدین کا راہِ اسلاف سے انحراف

نہج البلاغہ جیسی اہم کتاب کی روایات کے متعلق کسی شیعہ نے ایسی بے رحمی اور بے باکی کا اظہار نہیں کیا۔ بلکہ بظاہر اجماع شیعہ کے خلاف ہونے کے باوجود روایات کی صحت کو تسلیم کر کے تاویل و توجیہ کی کوشش کی ہے۔ مثلاً علامہ ابن ہیثم نے اور صاحب درۃ النجفیہ نے حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد للہ بلاد فلان ۔۔۔۔۔۔ جس میں بقول بعض حضرت امیر المؤمنین ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مدح و ثنا ہے اور بقول بعض حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عظیم منقبت اور مدحت ہے۔ اس کے تحت یہ سوال نقل کیا ہے۔ کہ اگر یہ ارشاد آپ کا ہے تو شیعہ کا اجماع خطا اور غلطی پر لازم آتا ہے۔ اگر ان کا اجماع و اتفاق صحیح ہے۔ یعنی ان حضرات کو ظالم و غاصب وغیرہ کہنے پر تو پھر اس عبارت کی نسبت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف درست نہیں ہو سکتی۔ لیکن جواب میں اس عبارت کی نسبت آپ کی طرف درست تسلیم کر کے پہلا جواب یہ دیا۔ کہ آپ نے عوام اہل اسلام کو اپنا ہمنوا اور موافق رکھنے کے لیے اور اپنا مدد معاون رکھنے کے لیے بطور مصلحت اس طرح فرمایا۔ نہ کہ ذاتی نظریہ اور عقیدہ کے طور پر۔ اور دوسرا جواب یہ دیا کہ اگرچہ کمات مدحیہ اور ستائش کے ذکر کیے لیکن مقصود ان حضرات کی مدح و ستائش نہیں تھی۔ بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سرزنش مقصود تھی۔ کہ تمہارے پیش رو حضرات نے ایسے کام نہ کیے جو موجب نزاع و اختلاف اور باعث حرب و قتال بنے۔ بلکہ وہ صاف دامن اور پاکیزہ خصال دنیا سے کوچ کر گئے۔ لیکن تم اس معیار کو برقرار نہ رکھ سکے۔ ملاحظہ ہو شرح ابن ہیثم جلد نمبر ۴ ص ۹۷ اور درہ نجفیہ جلد نمبر ۲ ص ۲۵۷ اسی طرح علماء شیعہ نے حضرت علی کا یہ ارشاد تسلیم کر لیا۔ کہ آپ نے بر سر منبر اعلان فرمایا۔

الا ان خیر ھذہ الامۃ بعد نبیھا۔ ابوبکر و عمر۔ شافی ص ۱۷۶ و تلخیص ص ۳۰

یعنی اس امت میں سب سے افضل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور

Marfat.com

عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔

اور اس پر ضعف اور وضع کا حکم تیں لگایا لیکن اس کا محمل یہ بیان کیا ہے۔ کہ لوگوں کو ہمنوا بنانے کے لیے آپ اس طرح کے ارشادات فرماتے رہتے تھے۔ جیسے کہ آئندہ کے صفحات میں اس کی مکمل بحث آتی ہے۔ یہاں صرف اتنا عرض کرنا مقصود ہے کہ ان اسلاف نے یہ ضابطہ اور قاعدہ قطعاً استعمال نہیں کیا۔ کہ جو فضائل میں وارد روایات ہیں وہ سب ضعیف شاذ اور ناقابلِ اعتبار ہیں۔ بلکہ انہوں نے تسلیم کیا کہ خطبات میں فضائلِ شیخین بیان کرنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا معمول رہا ہے البتہ مذہب کا دفاع اس طرح کیا ہے۔ کہ صرف رعیت کو اپنے ساتھ وابستہ رکھنے کے لیے ان کے ممدوحین خلفاء کی تعریف فرماتے تھے۔

ان جوابات میں وجوہِ ضعف اور سقم جہالت۔ بطالت۔ سخافت ہر صاحبِ عقل وخرد پر روزِ روشن کی طرح عیاں اور تفصیل انشاءاللہ اسی عبارت کے ضمن میں بیان کی جائے گی۔ لیکن بہرحال ان لوگوں کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ ان عبارات کو شاذ۔ ضعیف اور ساقط عن الاعتبار کہیں یہ صرف اور صرف ڈھکو صاحب اور اس کے بلیب کا دل گردہ ہے۔ کہ ارشاداتِ مرتضویہ کو رد کر دیا اور ساقط عن الاعتبار قرار دے دیا ہے خلاصہ مرام یہ ہے کہ ان کے ہاں کوئی ضابطہ اور قاعدہ نہیں ہے۔ اور نہ کوئی معیار اور میزان سوائے ہوائے نفس اور خواہش قلب کے اور عقیدہ فاسدہ مفروضہ مخترعہ کے کہ جو روایت اس کے مطابق وہ سچی اور صحیح خواہ ضعیف ترین کتاب میں ہی کیوں نہ ہو اور جو اس کے خلاف ہے وہ جھوٹی اور خلافِ واقع اور ناقابلِ اعتبار خواہ جس قدر بھی مستند اور اصح الکتب میں ہی موجود کیوں نہ ہو۔ اور قرآن مجید کے بھی مطابق اور موافق کیوں نہ ہو۔

تنبیہ

اب حضرت شیخ الاسلام کے رسالہ "مذہب شیعہ کی روایات جو کتب شیعہ سے منقول ہیں۔ اور ڈھکو صاحب نے ان کی تاویلات و تسویلات میں جو کچھ ذکر کیا ہے اور

Marfat.com

ترتیب کتاب کو ملحوظ رکھے بغیر ادھر اُدھر ذکر کیا ہے۔ ان کو بھی اسی ترتیب سے ذکر کر کے ساتھ ہی جوابات عرض کرتا جاؤں گا۔ اور حقیقتِ حال کا فیصلہ ارباب نظر و فکر اور اصحاب عقول سلیمہ و آراء صائبہ پر چھوڑ دوں گا۔ البتہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی عظمت اور کتاب خطبات نہج البلاغۃ کی اہمیت کے پیش نظر بندہ نے ان ارشادات و عبارات کو دوسرے حوالہ جات پر مقدم کر دیا ہے۔ اور اپنی طرف سے بھی چند عبارات تائید مزید کے طور پر ذکر کی ہیں۔

Marfat.com

مذہب شیعہ از حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ

فضائل صحابہ اور نہج البلاغہ

پہلی روایت: (۱) حضرت سیدنا امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے زمانۂ خلافت میں خطبہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

لقد رایت اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فما اری احداً منکم یشبھھم لقد کانوا یصبحون شعثا غبرا قد باتوا سجدا وقیاما یراوحون بین جباھھم وخدودھم ویقفون علی مثل الجمر من ذکر معادھم کان بین اعینھم رکب المعزی من طول سجودھم اذا ذکر اللہ ھملت اعینھم حتی تبل جیوبھم ومادوا کما یمید الشجر یوم الریح العاصف خوفا من العقاب ورجاء للثواب۔ (نہج البلاغہ ع۹۶ مطبوعہ تہران)

میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو دیکھا تم میں سے کسی کو بھی ان کے مشابہ نہیں دیکھتا وہ تمام رات سجدوں اور نماز میں گزارتے صبح کو اس حال میں ہوتے کہ ان کے بال پریشان اور غبار آلود ہوتے تھے۔ شب کو ان کا آرام جبینوں اور رخساروں کے درمیان (طویل سجدوں کی وجہ سے) ہوتا تھا۔ اپنی عاقبت کی یاد سے دہکتے ہوئے کوئلوں کی طرح بےقرار اٹھتے تھے۔ زیادہ لمبے لمبے سجدوں کی وجہ سے آنکھوں کے درمیان (جبینوں پر) دنبوں کے گھٹنوں کی طرح نشان ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا نام جب ان کے سامنے لیا جاتا تو ان کی آنکھیں بہ پڑتیں۔ یہاں تک کہ ان کے گریبان بھیگ جاتے اور

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کے عذاب کے خوف سے اور اس کے ثواب کی امید میں
اس طرح کانپتے تھے۔ جیسے سخت آندھی میں درخت کانپتا ہے۔

تحفہ حسینیہ:

اقول اس ارشادِ مرتضوی کے مناسب قرآنِ مجید میں ان حضرات کے صفات اس طرح بیان فرمائے گئے۔

محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا۔ سیماھم فی وجوھم من اثر السجود۔ (الایہ)

یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اور جو ان کے ساتھ ہیں۔ وہ کفار پر سخت آپس میں رحیم و کریم تم انہیں دیکھو گے رکوع کرتے سجود کرتے دراں حالیکہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رضا کے طلبگار ہیں ان کے علامات ان کے چہروں میں ہیں سجود کے اثرات سے۔

اور ظاہر ہے کہ یہ علامات ان حضرات کے بیان کیے گئے ہیں جو صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ لہٰذا حضرت امیرؑ کا خطبہ بھی تمام صحابہ کرام کو شامل نہیں تو ان حضرات کو تو لازماً شامل ہونا چاہیئے تاکہ ثقل اکبر اور ثقل اصغر میں باہمی اتحاد و اتفاق ثابت ہو جائے۔ اور افتراق و اختلاف نہ لازم آئے اور کون کہہ سکتا ہے۔ کہ حضرات شیخین بلکہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم بھی ان میں شامل نہیں تھے۔ لہٰذا ثقلین کے اتحاد و اتفاق سے بالعموم صحابہ کرام اور بالخصوص خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت و منقبت بیان سے روز روشن کی طرح واضح ہو گئی۔

تنزیہ الامامیہ ۔ علامہ محمد حسین ڈھکو

علامہ موصوف کا عملی طور پر اعتراف عجز

نوٹ ۔ علامہ ڈھکو صاحب نے نہج البلاغۃ کی جملہ عبارات میں سے صرف اس عبارت کا جواب دیا ہے۔ اور وہ بھی ان الفاظ کے ساتھ۔ نہج البلاغۃ کا یہ اقتباس۔

Marfat.com

جو جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض مخلص اصحاب کے بارے ہیں۔
ہے مثل سلمان۔ ابو ذر مقداد اور عمار وامثالہم کی مدح وثناء میں وارد ہے جن
کا تمام اصحاب اور بالخصوص پیر صاحب کے ممدوحین کے ساتھ دور کا بھی کوئی
تعلق نہیں۔ تحفہ حسینیہ۔ محمد اشرف سیالوی

لیکن اربابِ عقل ودانش پر یہ حقیقت مخفی نہیں رہ سکتی کہ ڈھکو صاحب کا محض یہ
یہ دعویٰ ہے۔ اس پر دلیل پیش کرنا تو دور کی بات ہے کوئی قرینہ بھی قائم نہیں کر سکے
جب کہ ہم نے ثقلین کا اتحاد واتفاق ثابت کر کے قطعی طور پر خلفاء ثلاثہ کے حق میں
اس کا ورود ثابت کر دیا ہے۔

(۲) ڈھکو صاحب کو خود اعتراف ہے۔ کہ نصوص کو اپنے عموم پہ رکھا جائے گا۔
اور خصوصی مورد کا لحاظ نہیں کیا جائے گا۔ تنزیہ الامامیہ صفحہ نمبر ۵۶) اور یہاں۔
مورد میں بھی کوئی تخصیص نہیں۔ پھر عموم الفاظ سے عدول کا باعث کیا ہو سکتا
ہے۔ یوں تو ڈھکو صاحب کا کوئی ملنگ کہہ سکتا ہے۔ کہ اقیموا الصلوٰۃ کا خطاب
اس دور کے لوگوں کے لیے نہیں ہے۔ وہ گزر گئے جو اس کے مخاطب تھے۔
پھر کیا جواب ہو سکے گا۔ اس طرح تو شریعت مذاق بن کر رہ جائے گی۔

(۳) جن کا ذکر ڈھکو صاحب نے کیا ہے۔ وہ حضرات امیر المؤمنین عمر بن الخطاب
رضی اللہ عنہ کے عامل اور نائب کی حیثیت سے کام کرتے رہے ہیں حضرت
سلمان فارسی ہوں یا حضرت عمار وغیرہ رضی اللہ عنہم اور سبھی جنگوں میں انکے سپاہی
کے طور پر تو کیا یہ انتہائی حیرت اور تعجب کی بات نہیں ہو گی کہ جو نائب اور ماتحت
رہے ہوں وہ تو ان فضائل کے مصداق ہوں اور جو انکے امیر اور امام وخلفاء
ہیں۔ وہ ان اوصاف سے دور کا تعلق بھی نہ رکھتے ہوں۔

چشم بد بیں کہ برکندہ باد عیب نماید ہنرش در نظر

مذہب شیعہ۔ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز

دوسری روایت (۱) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ خلافت میں خطبہ دیتے

Marfat.com

ہوئے فرماتے ہیں۔

واعلموا عباد اللہ ان المتقین ذھبوا بعاجل الدنیا وآجل الاخرۃ فشارکوا اھل الدنیا فی دنیاھم ولم یشارکھم اھل الدنیا فی آخرتھم سکنوا الدنیا بافضل ما سکنت واکلوھا بافضل ما اکلت فحظوا من الدنیا بما حظی بہ المترفون واخذوا منھا ما اخذہ الجبابرۃ المتکبرون ثم انقلبوا عنھا بالزاد المبلغ والمتجر الرابح اصابوا لذۃ زھد الدنیا فی دنیاھم وتیقنوا انھم جیران اللہ غدًا فی آخرتھم لا ترد لھم دعوۃ ولا ینقص لھم نصیب من لذۃ (نہج خطبہ ع۲۷)

ترجمہ، اللہ تعالیٰ کے بندو۔ اچھی طرح جان لو کہ متقی اور پرہیزگار لوگ وہی تھے۔ جو دنیا اور آخرت کی نعمتیں حاصل کر کے گزر چکے ہیں۔ وہ ہستیاں اہل دنیا کے ساتھ ان کی دنیا میں شریک ہوئیں۔ لیکن اہل دنیا ان کی آخرت میں ان کے ساتھ شریک نہ ہو سکے وہ مقدس ہستیاں دنیا میں اس طرح سکونت پذیر ہوئیں جیسا کہ سکونت اختیار کرنے کا حق تھا۔ اور دنیا کی ہر اس نعمت سے ان ہستیوں نے حصہ پایا جس سے بڑے بڑے متکبرین اہل دنیا نے حصہ پایا اور دنیوی مال و دولت۔ جاہ و حشمت جس قدر بھی بڑے بڑے جابرین متکبرین نے حاصل کی ہے۔ اسی قدر انہوں نے حاصل کی ہے۔ پھر یہ ہستیاں زادِ آخرت لے کر اور آخرت میں نفع دینے والی تجارت کو ساتھ لے کر دنیا سے بے رغبت ہوئیں۔ یہ لوگ دنیا سے بے رغبتی کی لذت کو اپنی دنیا میں حاصل کر چکے تھے۔ کہ کل اللہ تعالیٰ سے ملنے والے ہیں اپنی آخرت میں یہ وہ لوگ تھے جن کی کوئی دعا نا منظور نہیں ہوتی تھی۔ اور ان کی آخرت کا حصہ دنیاوی لذات کی وجہ سے

Marfat.com

کم نہ ہوگا۔ تحفہ حینیہ۔ محمد اشرف سیالوی

اقول اس خطبہ کے اندر منقول و مذکور صفات کو بقائمی ہوش و حواس اور بقائے ایمان و انصاف سوائے خلفائے راشدین اور ان کے کمانڈروں اور جرنیلوں کے کسی پر منطبق نہیں کیا جا سکتا ہے جنہوں نے قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کو اپنے قبضہ و تصرف میں لیا اور ان کے تاج و تخت اپنے پاؤں تلے روندے اور ان کے اموال و خزائن اپنے سپاہیوں اور لشکریوں میں اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں تقسیم کئے۔ اور ایرانی شہزادیوں کو لونڈیوں کی صورت میں مدینہ منورہ لا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مرضی کے مطابق ان کو بانٹنے اور تقسیم کرنے کا اختیار دیا۔ اسی خداداد عظمت و شوکت اور تصرف اقتدار کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

هو الذی جعلکم خلائف الارض و رفع بعضکم فوق بعض درجات لیبلوکم فیما آتاکم۔ (الآیہ)

اور وہ خدا ہی تو ہے جس نے تم کو زمین کا متصرف بنایا۔ اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں فوقیت دی۔ تاکہ جو نعمتیں تم کو دی ہیں اس میں تمہاری آزمائش کرے

ترجمہ مقبول اور اسی آیہ کریمہ کے حاشیہ میں مولوی مقبول نے لکھا خلائف الارض اس کے معنی ہیں۔ وہ گروہ جو پہلے گروہ کا قائم مقام ہو۔ اور زمین میں تصرف کرے جیسے کہ اہل اسلام جو یہود و نصاریٰ اور مجوس کی سلطنتوں کے فاتح اور ان کے تصرف اور تسلط کے قائم مقام بنے۔ حاشیہ نمبر ۳ صفحہ نمبر ۲۳۸ اور ان کا اس امتحان میں پورا اترنا اور کامیابی کے ساتھ ہمکنار ہونا حضرت علیؓ کے زبان سے ظاہر اور واضح ہو گیا۔ لہٰذا اس خطبہ میں ثقلین کا اتحاد و اتفاق واضح اور ظاہر ہو گیا۔ اور بالعموم صحابہ کرام کے فضائل کے ساتھ ساتھ خلفاء ثلاثہ کے فضائل بھی بطریق اولیٰ و اکمل ثابت ہو گئے۔

نوٹ۔ ڈھکو صاحب نے اس خطبہ کو بھی بالکل نہیں چھیڑا۔ اور ایک لفظ بھی اس کے متعلق کہنے کی ہمت نہیں ہوئی۔

Marfat.com

تیسری روایت: (۳) سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اپنے زمانہ خلافت میں فرماتے ہیں۔

فانا اهل السبق بسبقهم و ذهب المهاجرون الاولون بفضلهم۔
(نہج البلاغہ خطبہ ۱۷)

(اسلام اور ایمان کے ساتھ) سبقت لے جانے والے اپنی سبقت کے ساتھ فائز المرام ہو چکے۔ اور مہاجرین اولین اپنی فضیلت اور برتری کے ساتھ گزر چکے۔

(اس ارشاد حیدری کی تائید بلکہ تشریح ثقل اکبر اور اللہ تعالیٰ کے آخری پیغام میں بھی موجود ہے۔ اور ثقلین کا سابقین اولین مہاجرین و انصار کے فضائل و فواضل اور عالی درجات و منازل میں پورا پورا اتفاق ملاحظہ ہو)

صدق الله مولانا العظيم "والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضي الله عنهم ورضوا عنه واعد لهم جنات تجري تحتها الانهار خالدين فيها ابداً ذالك الفوز العظيم۔

تحفہ حسینیہ:

تتمہ روایات نہج البلاغہ

حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ کے مطابق ہے اور دونوں ثقل اس حقیقت کے اظہار پر متفق نظر آتے ہیں۔ کہ۔ مہاجرین و انصار میں سے اسلام کی طرف سبقت لے جانے والے مہاجرین و انصار فائز المرام ہیں۔ اور کامیاب و کامران اور علی الخصوص مہاجرین اولین کو سب پر فوقیت

Marfat.com

اور فضیلت حاصل ہے۔ اور آپ کے ارشادِ گرامی کی تائید اس سے ہوتی ہے۔ کہ ہر جگہ مہاجرین کو انصار سے پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ بلکہ آپ کا فرمان اسی وجہ تقدیم کے راز کا ترجمان ہے۔

اور حضرت امیر المؤمنین کے کلام میں فوز و فلاح کا صرف ان سابقین اور مہاجرین اولین میں حصر نہیں۔ اور قرآنِ مجید نے والذین اتبعوھم باحسان فرما کر بعد میں ہجرت کر کے دامنِ مصطفوی میں پناہ لینے والوں کی عظمت بیان کر دی۔ بلکہ قیامت تک ان کے نقشِ قدم پر چلنے والوں کی فوز و فلاح اور کامیابی و کامرانی بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ ذلک الفوز العظیم لہٰذا اس فضیلت میں دونوں نقل قرآن اور روایت متفق ہیں۔

۴۔ تحکیم قبول کرنے پر جب آپ کو اعتراضات کا سامنا کرنا پڑا تو اس وقت اپنے لشکریوں کو خطاب کرتے ہوئے جو کچھ فرمایا وہ ملاحظہ ہو۔

۴۔ این القوم الذین دعوا الی الاسلام فقبلوہ۔ وقرؤا القرآن فاحکموہ وھیجوا الی القتال فولھوہ ولہ اللقاح الی اولادھا وسلبوا السیوف اغمادھا واخذوا باطراف الارض زحفاً زحفاً وصفاً صفاً بعض ھلک وبعض نجا، لا یبشرون بالاحیاء ولا یعزون بالموتی مرہ العیون من البکاء، خمص البطون من الصیام، ذبل الشفاہ من الدعاء، صفر الالوان من السھر۔ علی وجوھم غبرۃ الخاشعین اولئک اخوانی الذاھبون فحق لنا ان نظمأ الیھم ونعض الایدی علی فراقھم ان الشیطان یسنی لکم طرقہ ویرید ان یحل دینکم عقدۃ عقدۃ ویعطیکم بالجماعۃ الفرقۃ فاصدفوا عن نزغاتہ ونفثاتہ واقبلوا النصیحۃ ممن اھداھا الیکم واعقلوھا علی انفسکم (نہج البلاغہ مصری جلد اول ص۲۳۵)

Marfat.com

ترجمہ۔ کہاں ہیں وہ لوگ جن کو اسلام کی دعوت دی گئی تو فوراً انہوں نے اس کو قبول کیا اور قرآن مجید کو پڑھا اور اسے اچھی طرح ضبط کیا۔ انہیں جب جہاد و قتال کی طرف آمادہ اور برانگیختہ کیا گیا۔ تو انس محبت سے اس کی طرف نکلے جیسے شیر دار اونٹنیاں اپنی اولاد کی طرف دوڑتی ہیں اور انہوں نے تلواروں سے ان کی میانوں کو کھینچ لیا اور زمین کے اطراف و کناف کو تھوڑا تھوڑا کر کے قبضہ میں لیتے گئے اور دشمنوں کے سامنے صف بستہ رہے۔ بعض راہی ملک بقا ہو گئے اور بعض نے نجات پائی۔ نہ ان کو زندہ لوگوں کی طرف سے بشارت دی جاتی ہے۔ اور نہ فوت ہو جانے والوں کی طرف سے تعزیت کی جاتی ہے۔ خوف خدا سے رو رو کر آنکھوں کو خراب کر دینے والے ہیں۔ اور روزے رکھنے کی وجہ سے ان کے پیٹ پیٹھ سے لگے ہوئے ہیں۔ بارگاہ خداوند تعالیٰ میں دعا و التجا کی وجہ سے ہونٹ خشک ہیں۔ شب بیداری کی وجہ سے زرد رنگ، چہروں پر مجسمہ خشوع و خضوع لوگوں جیسی خاکستری رنگت، وہ عظیم شان والے میرے بھائی ہیں۔ جو اس دنیا سے کوچ کر کے جانے والے ہیں۔ ہم پر لازم ہے کہ ہم ان کے دیدار کے پیاسے ہوں اور ان کے فراق پر ہاتھ کاٹیں۔

بے شک شیطان تمہارے لیے اپنی طرف سے نئے راستے کھولتا ہے۔ اور یہ چاہتا ہے۔ کہ تمہارے دین کی مضبوط گانٹھوں کو ایک ایک کر کے کھول دے۔ اور تمہیں جماعت اور جمعیت کے بدلے افتراق و انتشار دے۔ لہٰذا اس کے جذبات اور کشاکش اور اس کے افسون لو منتر سے اپنے آپ کو دور رکھو۔ اور جو تمہیں نصیحت کرے اس کی نصیحت کو قبول کرو۔ اور اسے پلے باندھو

Marfat.com

اور اپنے عقول کا اس کو پابند بناؤ۔

ان کلمات صداقت نشان سے خلفاء راشدین اور مہاجرین و انصار کی عمومی اور خصوصی مدح سرائی ظاہر ہے ان کا فتوحات کرنا اور زمین کے اطراف و اکناف کو اپنے قبضہ میں لینا سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اور پھر خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے ادوار خلافت میں ہی پایا گیا۔ خود حضرت امیر کرم اللہ وجہہ کا دورِ خلافت تو باہمی اختلاف و نزاع کا شکار ہو گیا۔ لہٰذا وہ تو یہاں پر مراد ہو نہیں سکتا۔ اور پہلے ادوار میں جو فتوحات ہوئیں اور اسلام پھلا پھولا تو اس کا اعزاز اور کریڈٹ کس کو ملے گا وہ کسی چشم بینا سے مخفی نہیں۔ اور عبادت اور شب بیداریوں کے جو اثرات اور نشانات آپ نے بیان فرمائے ہیں۔ قرآنِ مجید اس کی تائید اس طرح فرماتا ہے۔

تراهم ركعا سجدا يبتغون فضلا من الله ورضوانا سيماهم فى وجوههم من اثر السجود۔

کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی کفار پر سخت ہیں۔ آپس میں رحیم و کریم ان کو دیکھو گے رکوع کرتے ہوئے سجدہ ریز ہوتے ہوئے درآنحالیکہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رضامندی کے طلب گار ہیں۔ اور ان کے چہروں میں سجدہ ریزیوں کی وجہ سے نشانات اور علامات ہیں۔

اگرچہ حضرت امیر کے بیان کردہ علامات بالعموم سب صحابہ کرام میں موجود ہیں لیکن ان آیاتِ مقدسہ نے ان میں سے اہل حدیبیہ کے امتیازی مقام کو ظاہر کر دیا لہٰذا ان کے حق میں بھی حضرت امیر اور ثقل اکبر قرآن مجید کا بیان باہم توافق ہو گیا۔ اور لن يتفرقا کی غیبی خبر کی حرف بحرف تصدیق ہو گئی۔

۵۔ اين خياركم وصلحاءكم وسمحاؤكم واين المتورعون فى مكاسبهم والمتنزهون فى مذاهبهم اليس قد ظعنوا جميعاً عن هذه الدنيا الدنيه والعاجلة المتغصة ولا خلفتم الا فى

Marfat.com

فمثالة لا تلتقی بذمهم الشفتان استصغاراً لقدرهم وذهاباً عن ذکرهم فانا للہ وانا الیہ راجعون
(نہج البلاغہ مصری صفحہ ۳۰۲)

کہاں ہیں تمہارے بہترین اور صلحاء اور مردانِ حر اور اصحاب جود و سخا کہاں ہیں جو مکاسب اور ذرائع آمدنی میں تقوی اور احتیاط سے کام لینے والے تھے اور مذاہب اور مسالک میں تنزہ اور ورع سے کام لینے والے اور تم باقی نہیں رہ گئے مگر گیا وہ بھی اس گھٹیا دنیا سے کوچ نہیں کر گئے تھے مگر ردی اور بے مقدار لوگوں میں جن کی قدر و منزلت اس سے بھی کم ہے۔ کہ ان کی مذمت کی جائے یا زبان پر ان کا نام لایا جائے۔
انا للہ وانا الیہ راجعون۔

وہ خیار و صلحاء کون ہیں۔ اور مردانِ حر اور اصحاب جود و سخا اور مجسمہ ہائے تقوی اور تورع کون ہیں؟ ظاہر ہے جن کی سیرت اور روش و کردار سے حضرت علیؓ کو بھی عدول کا چارہ نہیں تھا۔ اور آپ کے لشکری بھی اس کی اجازت نہیں دیتے تھے کہ ان کی سنت صالحہ اور سیرت مرضیہ سے عدول کیا جائے ان کے علاوہ ان صفاتِ کاملہ کے مصداق اور اخلاقِ عالیہ کے موصوف کون ہو سکتے ہیں۔ تمام شیعہ اسلاف و اخلاف کو تسلیم ہے۔ کہ حضرت امیر قدس سرہ اپنے دورِ خلافت میں بھی سیرت شیخین پر عمل پیرا رہے

۶۔ قد مضت اصول نحن فروعها فما بقاء الفروع بعد ذهاب اصولها۔ (نہج البلاغہ مصری جلد اول ص ۳۲)

تحقیق ہمارے اصول گزر چکے جن کے ہم فروع ہیں اور اصول کے چلے جانے کے بعد فروع کے لیے بقاء کی صورت کیا ہو سکتی ہے
انصار کی خدمات کو سراہتے ہوئے فرمایا۔
هم والله ربوا الاسلام كما يربى الفلو مع غنائهم

Marfat.com

بایدیہم السیاط والسنتہم السلاط (نہج البلاغہ مصری جلد ثانی صہ ۳۱۵)

بخدا انہوں نے اسلام کی اس طرح تربیت کی اور اسے قوی و توانا اور مضبوط و مستحکم بنایا جیسے کہ بچھیرے کا مالک اس کی تربیت کر کے اس کو عظیم گھوڑا بنا دیتا ہے۔

اور اسلام کی تائید و تقویت ان کے سخاوت پیشہ ہاتھوں کے ساتھ ہوئی اور اعداء اسلام پر سخت زبانوں کے ساتھ۔ اس کلام بلاغت نظام میں وجود اسلام کو گویا انصار کے انصار بننے سے قبل تسلیم کیا گیا ہے لیکن اس کی توانائی اور رعنائی اور اس میں رغبت اور میلان کا موجب انصار کو تسلیم کیا گیا۔ اور اس کو لوگوں کے لیے نفع بخش دین کے طور پر پیش کرنے کا سہرا انصار کے سر باندھا گیا ہے۔ جس طرح بچھیرا کار آمد اور نفع بخش اسی وقت بنتا ہے۔ جب اس کی تربیت کر کے اسے قوی و توانا اور مضبوط مستحکم بنا دیا جائے۔ قرآن مجید کا انہیں انصار فرمانا بھی اسی حکمت کے پیش نظر ہے۔ جو حضرت امیر کرم اللہ وجہہ نے بیان فرمائی تو دونوں ثقل ان کی خدمات کے معترف دکھائی دیتے۔ اور وہ انصار متفقہ طور پر حضرات شیخین کے خادم اور جانثار سپاہی تھے۔

(۸) مہاجرین و انصار کے فیصلوں اور ان کے اجماع و اتفاق کی اہمیت حضرت امیرالمؤمنین کے نزدیک کیا ہے۔ اسکا اندازہ آپ کے اس کلام حقیقت ترجمان سے کریں۔

انما الشوریٰ للمھاجرین والانصار فان اجتمعو علی رجل و سموہ اماما کان ذلك لله رضی فان خرج عن امرھم خارج بطعن او بدعة ردوہ الی ماخرج منه فان ابی قاتلوہ علی اتباعه غیر سبیل المؤمنین و ولاہ الله ماتولی (نہج البلاغہ مصری جلد ثانی صہ ۸)

مشاورت کا حق فقط مہاجرین و انصار کے لیے ہے۔ اگر وہ کسی شخص پر اجتماع و اتفاق کر لیں۔ اور اس کو امام نامزد کریں تو وہی اللہ تعالیٰ

Marfat.com

کے ہاں پسندیدہ ہوگا۔ اور ان کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا مظہر ہو گا۔ اگر کوئی شخص ان کے فیصلہ اور اجماع سے خروج کا ارتکاب کرتا ہے۔ اس پر طعن و تشنیع کی وجہ سے یا بدعت کی وجہ سے تو اس کو مجمع علیہ امر اور متفق علیہ امر کی طرف لوٹائیں پس اگر وہ ابا اور انکار کرے تو مؤمنین کی راہ چھوڑ کر علیحدہ راستہ اختیار کرنے پر اس کے ساتھ جنگ کرو۔ اور اللہ تعالیٰ اسے ادھر ہی پھیرے جدھر وہ خود پھرا ہے۔

دیکھئے کس صراحت اور وضاحت کے ساتھ آپ نے مہاجرین و انصار کے فیصلوں کو حق کا مظہر قرار دیا ہے۔ اور ان سے اختلاف کو گمراہی کا راستہ اور اس میں بھی ثقلین کا اتفاق واضح ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدی ویتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ما تولی ونصله جهنم وساءت مصیرًا۔

جو شخص رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے بعد اس کے کہ اس پر راہ ہدایت واضح ہو چکا۔ اور مؤمنین کا راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرے ہم اس کو ادھر ہی پھیریں گے جدھر وہ خود پھرا۔ اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے۔ اور وہ بہت برا ٹھکانا اور مقام بازگشت ہے۔

ان دونوں ارشادات کو سامنے رکھ کر دیکھو کہ قرآن میں مذکور مؤمنین جن کا راستہ راہ حق ہے۔ اور موجب نجات ان کا مصداق حضرت امیر کرم اللہ وجہ کے نزدیک مہاجرین و انصار ہیں۔ اور ان کے متفقہ فیصلہ کو اللہ تعالیٰ کے فیصلہ اور اس کے قضاء و قدر اور اس کی مرضی اور پسند کا درجہ حاصل ہے۔ ان کے مخالف کے خلاف تلوار اٹھانا لازم اور اس کو دوزخی سمجھنا ضروری اس کے بعد بھی ان ہستیوں کی عظمت شان اور ان کے مقتداو پیشوا حضرات کی عظمت شان میں چوں و چرا کی

Marfat.com

کوئی گنجائش ہے اور ایسے ارشادات کو متواترات کا خلاف قرار دینے کا کوئی امکان ہے
جب کہ دونوں ثقل قرآن اور اہل بیت میں اس اعتراف و اقرار پر اتحاد و اتفاق ہے
مزید بحث تمحیص اس کی بحث امامت میں ذکر کی جائے گی یہاں صرف اس قدر
عرض کرنا ہے۔ کہ سابقہ عبارات میں بالعموم جن حضرات کے اوصاف و کمالات بیان
کئے گئے ہیں۔ ان کو اس عبارت اور اس آیت کے پس منظر میں دیکھو تو یہ یقین
کئے بغیر چارہ کار نہیں رہتا کہ ان سب کا مصداق اول اور موصوف اصلی یہی مہاجرین و
انصار ہیں۔ جن کی مخالفت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت قرار دی گئی ہے۔
جو مخالفت رسول کا حکم اس آیۂ کریمہ میں ہے۔ وہی ان کی مخالفت کا حکم ہے۔
اور ان کی موافقت کو راہ حق پر گامزنی اور منزل مقصود تک رہنمائی قرار دیا گیا ہے۔
اور یہی وہ اصول ہیں۔ جن کی فرع ہونے کی تصریح حضرت امیر نے فرمائی ہے۔ اور
یہی وہ لوگ ہیں جن کے فراق میں کف دست کاٹنے اور ہر وقت ان کے شوق
لقاء و دیدار کا پیاسا اور شائق رہنے کی تلقین آپ نے فرمائی ہے۔
اسی مضمون کو دوسرے الفاظ میں بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

۹۔ لعمری لئن کانت الامامة لا تنعقد حتی تحضرها
عامة الناس فما الی ذلك سبیل ولكن اهلها
یحكمون علی من غاب عنها ثم لیس للشاهد ان
یرجع ولا للغائب ان یختار۔

(نہج البلاغہ جلد اول صفحہ ۳۹۷)

مجھے اپنی حیات و زیست کی قسم اگر امامت اس وقت تک منعقد نہ ہو۔
سکے جب تک عام لوگ اس میں حاضر اور شامل نہ ہوں۔ تو پھر اس۔
کے انعقاد کی سرے سے کوئی صورت ہی نہیں ہے۔ بلکہ جو اہل ولایت
اور ارباب حل و عقد ہیں وہ غائبین پر حاکم ہیں۔ ان کے حکم اور فیصلہ
کے بعد نہ حاضر اور موقعہ پر موجود شخص کو رجوع کا حق حاصل ہو سکتا ہے

Marfat.com

اور نہ غائب کے لیے اختیار۔

اس بیان حق نشان میں حلف اور قسم اٹھاکر آپ نے واضح کر دیا کہ امامت کا انعقاد اہلِ ولایت اور ارباب حل وعقد کے ہاتھوں میں ہے۔ اور پچھلی عبارت کی رو سے وہ مہاجرین وانصار ہیں۔ تو واضح ہوگیا۔ کہ حضرت امیر کی نگاہِ ولایت میں ان کا مرتبہ اور مقام اسلام میں کیا ہے۔ اور ان کے فیصلوں کی اہمیت کیا ہے اور یہ کہ نظامِ حکومت اور خلافت وامامت کا مستحق وہی ہے جس کے حق میں ان کا فیصلہ صادر ہو۔ اس کے بعد بھی ان کے اخلاص اور تقوی وتورع اور بے نفسی اور للّٰہیت میں کلام کی گنجائش ہو سکتی ہے۔

(۱۰) جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے اہل فارس کے خلاف جنگ میں بنفسِ نفیس حصّہ لینے کے متعلق مشورہ طلب کیا تو آپ نے فرمایا۔

ھو دین اللہ الذی اظھرہ وجندہ الذی اعدہ وامدہ حتی بلغ ما بلغ وطلع حیثما طلع ونحن علی موعود من اللہ واللہ منجز وعدہ وناصر جندہ (نہج البلاغہ مصری جلد اول صفحہ ۳۲۵)

اور وہ اللہ تعالیٰ کا دین ہے جسے اس نے غالب فرمایا۔ اور اس کا لشکر جس کو اس نے غلبۂ اسلام اور قہر اعداء کے لیے تیار فرمایا۔ اور اس کی مدد ومعاونت فرمائی۔ یہاں تک کہ وہ پہنچا جہاں پہنچا اور طلوع ہوا جہاں کہ طلوع ہوا اور ہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح ونصرت کا وعدہ دیئے گئے۔ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا ہے۔ اور اپنے لشکر کی نصرت فرمانے والا ہے۔

اس ارشاد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لشکر کو اللہ تعالیٰ کا لشکر قرار دیا اور اللہ تعالیٰ کا اس لشکر کے لیے ناصر ومددگار ہونا واضح ہے۔ اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اللہ تعالیٰ کا لشکر ایمان واخلاص کا پیکر ہوگا اور جب لشکر کا حال یہ ہوا تو ان کے امیر کا ایمان واخلاص بھی اظہر من الشمس ہوگیا جس کے وہ تابع۔

Marfat.com

فرمان اور مطیع و فرمانبردار ہیں۔ الحمد للہ تلك عشرة كاملة۔

بقیہ مباحث اس عبارت سے متعلق بعد میں ذکر کئے جائیں گے۔

تنبیہ: ان عمومی ارشادات کے بعد ہم خاص اشخاص اور اہم ہستیوں کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نظریات بیان کرتے ہیں۔ لیکن ابھی صرف نہج البلاغت سے کیونکہ شیعہ برادری کی یہ سب سے اہم کتاب ہے۔ اور سب سے اصح بلکہ قرآن ثانی اسی لیے علامہ ڈھکو صاحب نے حضرت شیخ الاسلام کے پیش کردہ حوالہ جات کے تحت دوسری ہر کتاب پر تبصرہ کیا۔ لیکن نہج البلاغہ کے متعلق مکمل سکوت اختیار کیا۔ اگر اطمینان قلب مقصود ہو تو رسالہ کا ص ۹۶ تا ص ۹۷، ملاحظہ فرمائیں جہاں یہ عنوان قائم کر کے ہر کتاب کے متعلق یا اس کی روایات کے متعلق بحث کی ہے "فصل دوم فضائل ثلاثہ کے سلسلہ میں کتب شیعہ سے پیش کردہ روایات کے تحقیقی جوابات" مگر نہج البلاغہ اور اس کی پیش کردہ روایات کے متعلق جناب کو صرف وہی رٹ نظر آئے گی۔ جو اجمالی اور مبہم انداز میں جواب دیتے ہوئے کہی ہے کہ متواترات کے خلاف جو بھی روایت ہوگی وہ ساقط عن الاعتبار ہوگی اور اس ضابطہ کی حقیقت ہم پہلے واضح کر چکے ہیں۔

مذہب شیعہ ——— از حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز

شیخین کی فضیلت اور تقیہ کا رد

چوتھی روایت: للہ بلاد فلان فلقد قوم الاود وداوی العمد اقام السنة وخلف الفتنة وذهب نقی الثوب قليل العيب اصاب خيرها وسبق شرها ادّی الی اللہ سبحانہ طاعته

Marfat.com

وانقاد بحقه رحل وترکھم فی طرق متشعبة لا یھتدی فیھا الضال ولا یستیقن فیھا المھتدی۔

(کتاب نہج البلاغہ)

یعنی اللہ تعالیٰ ہی جزائے خیر عطا کرے فلاں نے کو جس نے کج روی کو قطعی طور پر درست کیا اور جہالت کی مرض کی دوا کی جس نے سنت کو قائم کیا اور فتنہ کو پیچھے دھکیل دینا سے پاک دامن ہو کر اور بے عیب ہو کر گیا بھلائی اور خیر کو حاصل کیا۔ اور فتنہ و شر سے پہلے چلا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس کی عبادت کما حقہ کی۔ وہ رخصت ہو گیا۔ اور لوگوں کو اس طرح پریشان حالت میں چھوڑ گیا۔ کہ گمراہ ہدایت نہیں پا سکتا اور ہدایت یافتہ یقین نہیں کر سکتا۔

حضرت امام الائمہ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اس خطبہ کی شرح میں صاحب بہجۃ الحدائق اور ابن ابی الحدید اور منہاج البراعۃ لابیجی اور ابن ہیثم تصریح کرتے ہیں کہ فلاں سے مراد عمر ہیں۔ البتہ ابن ہیثم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی کہتے ہیں۔ الدرۃ النجفیہ میں ہے۔ کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ نہج البلاغہ کی یہ شروح متعصب اور غالی اہل تشیع کی ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ صاحب بہجۃ الحدائق اس خطبہ کی شرح کے آخر میں کہتے ہیں۔ شیر خدا نے بطور تقیہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس قدر تعریف فرمائی ہے۔

بہرحال ہم نے مولا علی کرم اللہ وجہہ کا کلام پاک اور ان کا ارشاد گرامی پیش کرنا ہے۔ ان کے مافی الضمیر المنیر کے متعلق خدا جانے اور وہ جانیں شاید امام عالی مقام علم الصدق والصفا شہید کربلا رضی اللہ عنہ کو تقیہ کرنے کا مسئلہ معلوم نہ ہوگا۔ ورنہ جب گھر میں تقیہ ضروری تھا۔ تو غربت اور سفر میں علی الخصوص جب کہ عترت معصومین ان کے ساتھ تھے۔ تو وہ بھی تقیہ کرتے اور خانوادۂ نبوت کو شہید نہ کراتے اور باامن و امان مدینہ طیبہ تشریف لے جاتے اہل تشیع کو باطنی اور صدری علوم زندہ جاوید ستیوں

Marfat.com

کا ماتم منانے اور مقتدایان امت کے حق میں سب دشتم بکنے سے حاصل ہو گئے۔
بھائی یہ تو اپنی اپنی قسمت ہے۔ اگر باب مدینۃ العلوم کا نظریہ اور ان کا مذہب و عقیدہ ان کی رازداری کا شرف اور ان کے باطنی علوم نہ معلوم ہوں تو مظلوم کربلا کو اور ان کے افکار و اسرار و مافی الضمیر کا علم حاصل ہو گیا تو شیعہ کو مگر۔

سر داد نہ داد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

تقیہ نہ کرنے والے پر جو بے پناہ فتوی اور ان کی تکفیر اہل تشیع کی ام الکتب یعنی کافی کلینی میں موجود ہے کہ ان کا مستقل باب باندھا ہے جس کو دیکھ کر الامان و الحفیظ بے ساختہ منہ سے نکل جاتا ہے۔ اور اہل تشیع کے صدق و صفا اور ان کی صاف باطنی کی داد دینا ضروری ہو جاتا ہے۔ جس کا نمونہ عرض کر چکا ہوں حضرت امام حسین حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہما کے فرزند۔ ان کے شاگرد۔ ان کے خلیفہ، ان کے فیض یافتہ اور شیعہ ان تمام نعمتوں سے محروم تو پھر یہ نعمت عظمی ان کو نصیب ہو گئی۔ اور باطنی علوم سے صرف اور صرف یہی فیض حاصل کر سکے۔ اور امام معاذ اللہ محروم رہ گئے۔ تلك اذا قسمة ضيزىٰ بہر حال ہم ظاہر بینوں کو مدعیان محبت و تولی کی انتہائی معتبر کتابوں میں آئمہ طاہرین معصومین کی سند سے جو روایات پہنچی ہیں۔ ہم تو انہیں پر اکتفاء کرتے ہوئے گزارش کرنے کے اہل ہیں۔ اور امام عالی مقام شہید کربلا رضی اللہ عنہ کے ظاہری طرز عمل اور ان کی ظاہری تعلیم کو اہل بیت کے صدق و صفا کا علم سمجھتے ہیں۔ اور اسی پر قناعت کر سکتے ہیں۔ میدان کربلا کا ذرہ ذرہ ہمیں جس صاف باطنی اور شیر خدا کے خوف سے بے دھڑک ہو کر صدق بیانی اور صاف گوئی کی طرف بلاتا رہے گا۔ ہم تو بھائی اسی کو شیر خدا کا نظریہ یقین کرتے رہیں گے اور جب تک روضۂ اطہر کو میدان کربلا میں دیکھتے رہیں گے ہماری آنکھیں تو کسی دوسرے صدری علم کو دیکھ نہیں سکتیں اپنی اپنی استعداد ہے۔

رسالہ مذہب شیعہ ص ۲۳ تا ص ۳۹

Marfat.com

تحفہ حسینیہ :

نوٹ نہج البلاغہ کی اس عبارت اور پہلی دو عبارات کے متعلق ڈھکو صاحب نے مکمل سکوت اور خاموشی سے کام لیا ہے۔ اس کا پورا رسالہ چھان مارو۔ کہیں ایک حرف بھی ان کے متعلق آپ کو نظر نہیں آئے گا۔ جس سے ان کا اعتراف عجز ظاہر و باہر ہے۔ اور حق کا غلبہ عیاں اور مستغنی از بیان علاوہ ازیں نہج البلاغہ کی اس روایت کے متعلق چند امور قابل غور اور خصوصی توجہ کے لائق ہیں۔

اول : جب فضیلت خلفاء رضی اللہ عنہم کا بیان حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہو۔ تو اس کو چھپانے کی اور حقیقت حال سے لوگوں کو بے خبر رکھنے کی کس طرح مذموم اور ناپاک کوشش کی جاتی ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ ان لوگوں کو حضرت ابو الائمہ معدن ولایت رضی اللہ عنہ کے نظریہ کو عام اہل اسلام تک پہنچانے میں قطعاً کوئی دلچسپی نہیں۔ بلکہ تحریف جیسے گھناؤنے عمل کو بھی اپنا کر غلط فہمی پیدا کرنے اور مغالطے دینے کی مقدور بھر سعی سے گریز نہیں کرتے کیونکہ یقیناً حضرت امیر کرم اللہ وجہہ نے حضرت ابو بکر یا حضرت عمر کا نام ذکر فرمایا۔ مگر وہ نذرِ تحریف ہو گیا۔ اور اس جگہ فلاں کا مبہم لفظ ذکر کر دیا گیا تاکہ حقیقتِ حال معلوم نہ ہو سکے۔

دوم : اس عبارت حق ترجمان اور صداقت نشان کا مصداق حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہوں یا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بہر حال حضرت امیر کا ان کی مدح سرائی فرمانا اور ان کی عظمت شان کو اجاگر کرنا اس سے صاف ظاہر ہے۔ اور اہلِ سنت کے نظریہ کی موافقت حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس سے بالکل واضح ہے۔ اور برملا طور پر کہا جا سکتا ہے۔ کہ نظریاتِ امیر کے امین صرف اور صرف اہل سنت ہیں نہ کہ روافض

سوم اس عبارت نے تشیع اور رفض کے بنے ہوئے منافقوں اور عداوتوں۔

کے مصنوعی جال کو تار تار کر کے رکھ دیا اور اس مزخرف محل کو بیخ و بن سے اکھیڑ کر رکھ دیا ہے اور باہمی محبت والفت اور قدر دانی اور حق شناسی کا غیر فانی رشتہ اور ابدی تعلق واضح کر دیا جو ہمارے مذہب کی روح ہے۔

نہج البلاغہ کی عبارت اور اہل تشیع کا اضطراب

علامہ ابن ہیثم بحرانی نے مذہب رفض کا قلعہ منہدم ہوتا دیکھا تو اس کے تحفظ کے لیے لنگوٹ باندھ کر اور کمر کس کر میدان نقد و نظر میں اترے۔ پہلے ان کا جواب ملاحظہ فرمائیں اور پھر ہمارا تبصرہ۔

اعلم ان الشیعة قد اوردوا ههنا سوالا فقالوا ان هذه الممادح التی ذکرها علیه السلام فی حق احد الرجلین تنافی ما اجمعنا علیه من تخطئتهم واخذهما المنصب الخلافة فاما ان لایکون هذا الکلام من کلامه علیه السلام اوان یکون اجماعنا خطأ۔

ثم اجابوا من وجهین احدهما لا نسلم الثنا فی المذکور فانه جاز ان یکون ذلك منه علیه السلام علی وجه استصلاح من یعتقد صحة خلافة الشیخین واستجلاب قلوبهم بمثل هذا الکلام. الثانی. ان یکون مدحه ذلك لاحدهما فی معرض توبیخ عثمان بوقوع الفتنة فی خلافته واضطراب الامر علیه واستئثاره ببیت مال المسلمین هو وبنو ابیه حتی کان ذلك سبباً لثوران المسلمین من الامصار الیه وقتلهم له ونبه علی ذلك بقوله تخلف الفتنة وذهب نقی الثوب قلیل العیب اصاب

Marfat.com

خیر ها و سبق شرها۔ شرح ابن میثم البحرانی جلد چہارم ص ۹۸)

اس بات کو ذہن نشین رکھیں کہ شیعہ نے اس مقام پر ایک سوال وارد کیا ہے اور پھر اپنی طرف سے اس کے دو جواب دیئے ہیں سوال و جواب ملاحظہ ہوں۔

سوال: یہ کلمات مدح و ثنا اور خصال خیر جو حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں ذکر کئے ہیں۔ اس نظریۂ و عقیدہ کے خلاف ہیں۔ جس پر اہل تشیع کا اجماع ہے۔ یعنی اہل تشیع کا ان کو خطا کار قرار دینا اور ان پر غصب خلافت کا الزام عائد کرنا یا تو یہ کلام حضرت امیر رضی اللہ عنہ کا نہیں ہونا چاہیئے۔ اور یا پھر ہمارا اجماع خطا اور باطل ہونا چاہیئے۔

جواب:۔ اس کلام کی دو طرح توجیہ کی گئی ہے۔ اول یہ ہے کہ اجماع شیعہ اور کلامِ مذکور میں کوئی منافات نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے آپ کا یہ کلام صرف ان لوگوں کی اصلاح اور درستگی اور ہمنوائی اور موافقت حاصل کرنے کے لیے ہو جو شیخین کی خلافت کو درست اور برحق سمجھتے ہیں اور ایسے کلام کے ذریعے صرف ان کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنا مقصود ہو۔ دوم یہ کہ اس کلام کا بنیادی مقصد عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو سرزنش کرنا ہو کہ تمہارے دورِ خلافت میں فتنے وقوع پذیر ہو گئے۔ اور امر خلافت میں اضطراب اور بے سکونی اور تم نے اہلِ اسلام کے بیت المال کو اپنے اور اپنی جدی برادری کے لیے مخصوص ٹھہرا لیا جس کی وجہ سے شہروں سے لوگ اٹھ کر مدینہ منورہ آ گئے۔ اور ان کو قتل کر دیا۔ اور اس توجیہ اور مقصد پر تنبیہ اس عبارت سے ہوئی ہے۔ جس میں اس ممدوح کو فتنہ سے سبقت لے جانے والا اور پاکیزہ صفات، بے عیب قرار دیا جس نے امامت و خلافت

Marfat.com

کے خیر یعنی ثواب عدل وانصاف کو پالیا۔ اور اس کے شر یعنی جور وجفا

سے سبقت لے جانے والا قرار دیا۔

تبصرہ: اہل تشیع کے پہلے جواب کا حاصل وہی ہے۔ جس کو تقیہ کے جامع لفظ سے تعبیر کیا گیا۔ اور حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز نے اس پر بہت مؤثر انداز میں رد فرما کر اس کی لغویت کو واضح کر دیا۔ اور اس جواب کو ائمہ کرام کے مذہب کے خلاف ثابت کر دیا کیونکہ علماء شیعہ کا اس پر اصرار ہے۔ کہ ائمہ میں سے جو ایک کا مذہب ہو سب کا مذہب وہی ہوتا ہے چنانچہ ڈھکو صاحب نے اس کو بڑے شد ومد سے ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔

ملاحظہ تنزیہ الامامیہ ص ۹۹ ص ۰۰

لیکن امام حسین رضی اللہ عنہ کا مذہب معلوم کرنے کے لیے کسی روایت کی ضرورت نہیں صرف کربلا میں قائم مقدس روضہ جات اور قبہائے مقدس کو ایک نظر دیکھ لینا کافی ہے۔ اور جب اس امام مظلوم کا مذہب ثابت ہو گیا تو سب کا مذہب معلوم ہو گیا۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

علاوہ ازیں حضرت امیر المؤمنین کا ارشاد اور عمل بھی سراسر اس جواب کی تکذیب کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔

(۱) ولعمری ما علی من قتال من خالف الحق و خابط الغی من ادھان ولا ایھان (نہج البلاغہ جلد اول صفحہ ۴۳)

مجھے اپنے حیات و زیست کی قسم جو شخص بھی حق کی مخالفت کرے اور گمراہی و ضلالت کے اندر بھٹکنے والا ہو مجھ پر اس کے خلاف حرب و قتال اور جنگ و جدال میں کسی زمانہ سازی اور موافقت یا کمزوری اور بزدلی کی کوئی صورت ممکن نہیں ہے۔

Marfat.com

ظاہر ہے کہ جب حرب وقتال سے گریز نہیں ہو سکتا۔ تو زبانی تعریفات اور توصیفات کر کے عوام اہلِ اسلام میں ان کی اصلی پوزیشن واضح کرنے کی بجائے غلط تاثر دینے کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ لہٰذا یہ جواب آپ کے اس ارشاد کے بھی خلاف ہے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے آپ کو خلافت سنبھالتے وقت حالات کی نزاکت اور اضطراب اور بے چینی کی فضا میں مصلحت سے کام لینے اور وقتی طور پر رواداری اور موافقت کا اظہار کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

ولہ شھرا واعزلہ دھرًا فانہ بعد ان یبایعک لا یقدر علی ان یعدل فی امرتہ ولا بد ان یجور فتعزلہ بذلک فقال کلا ماکنت متخذ المضلین عضدًا۔ (شرح ابن میثم بحرانی جلد چہارم صفحہ ۳۹۱)

امیر معاویہ کو ایک مہینے کے لیے شام کا عامل اور والی بنا دو۔ پھر ہمیشہ کے لیے معزول کر دینا۔ کیونکہ وہ تمہاری بیعت کرنے کے بعد بھی عدل وانصاف کے تقاضے پورے نہیں کر سکیں گے اور لازماً جور وظلم کو اپنائیں گے۔ لہٰذا اس عذر کے تحت معزول کر دینا۔ تو آپ نے فرمایا میں گمراہ کرنے والوں کو اپنا دست وبازو نہیں بنا سکتا۔ اور نہ غلط کار لوگوں کا تعاون حاصل کرتا ہوں۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ ابن عباس نے مشورہ دیا کہ طلحہ کو بصرہ کا گورنر بنا دو اور زبیر کو کوفہ کا عامل بنا دو اور معاویہ کو گورنری پر بحال رکھو اور اس کو قرابت اور صلہ رحمی کا واسطہ دے کر تعاون حاصل کرو تا، اور فتنہ کے سمندروں میں اپنے آپ کو داخل نہ کرو۔ تو اس کے جواب میں آپ نے فرمایا۔ معاذ اللہ ان افسد دینی بدنیا غیری اللہ کی پناہ کہ میں کسی کی دنیا کے لیے اپنے دین کو تباہ کروں۔ ولک یا ابن عباس ان تشیر علی واری وان عصیتک فاطعنی۔ آپ کو مشورہ کا حق ہے

Marfat.com

اور مجھے اس میں غور و فکر کا اور اگر میں تمہارے مشوروں کے برخلاف کروں تو تم پر میری اطاعت لازم ہے۔ نہج البلاغۃ مع ابن میثم جلد پنجم ص ۴۰۳

بلکہ خود امیر معاویہ کے اس مطالبہ کو ٹھکراتے ہوئے فرمایا۔

واما طلبك الى الشام فانى لم اكن لاعطيك اليوم ما منعتك بالامس. واما قولك ان الحرب قد اكلت العرب الاحشاشات انفس بقيت الا ومن اكله الحق فالى الجنة ومن اكله الباطل فالى النار۔

(نہج البلاغہ مع ابن میثم جلد رابع صفحہ ۳۸۸)

رہا تیرا شام کی ولایت اور امارت کا مطالبہ کرنا تو میں آج وہ چیز تجھے عطا کرنے والا نہیں ہوں، جو کل میں نے تجھ سے روک رکھی تھی۔ رہا تیرا یہ عذر و مصالحت کی اہمیت اور اس کو قبول کرنے کی ضرورت کو بیان کرتے ہوئے، کہ ہماری باہمی جنگ عربوں کو نگل چکی ہے۔ گرچند نفوس بچ گئے ہیں جو کٹ جانے والوں کے مقابل غیر اہم ہیں۔ تو اچھی طرح سن لے جس کو حق اپنا لقمہ بنا لے تو وہ جنت کی طرف جانے والا ہے اور جسے باطل اپنا لقمہ بنا لے تو وہ دوزخ کا ایندھن ہے۔ (لہٰذا حق پر کٹ مرنے والے سبھی مرجائیں تو قابلِ برداشت ہے۔ لیکن مداہنت اور زمانہ سازی ناقابلِ برداشت ہے۔

ابن میثم نے اسی عبارت کی تشریح میں کہا۔ اگرچہ دنیاوی مصلحت اور کاروبارِ خلافت کی ظاہری اصلاح اور استحکام کا تقاضا تو یہی تھا۔ لیکن آپ دین کے چھوٹے سے معاملہ میں بھی تساہل اور مداہنت سے کام لینے والے نہیں تھے۔ لہٰذا اس رائے کو مسترد کر دیا اور ہر قسم کی صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے تیار ہو گئے۔

قد كان الرأى الدنياوى الخالص فى حفظ الملك لكنه ع لم يكن ليتسا هل فى شى من امر الدين اصلاوان قل. (شرح ابن میثم بحرانی صفحہ ۳۹۱ ج ۴)

Marfat.com

تعجب کا مقام ہے۔ جو ہستی ایک مدینہ کے لیے اتنی عظیم خلافتی مصلحتوں کے حصول اور خونریزیوں اور جنگوں سے بچ سکنے کے واضح امکانات کے باوجود ایسی لچک روا نہیں رکھ سکتے تھے۔ اور زندہ امراء کے متعلقین کو اپنے ساتھ ملانے کی ایسی کوشش کرنے کے روادار نہیں تھے۔ وہ فوت شدہ امراء و خلفاء کے معتقدین کے ساتھ ملائے رکھنے کی خاطر ضمیر کے خلاف اقدام کو کیونکر گوارا کر سکتے تھے۔ لہٰذا یہ جواب نہ آپ کے ارشادات کے مطابق ہے۔ اور نہ ہی آپ کے طرزِ عمل کے۔ اور نہ ہی آپ کی تعلیم کے مطابق ہے۔ کیونکہ آپ فرماتے ہیں۔

لا یترك الناس شیئاً من امر دینهم لاستصلاح دنیاهم الا فتح الله علیهم ما هو اضر منه۔

جب لوگ امر دین میں سے کسی چیز کو اپنی دنیا کی اصلاح کے لیے ترک کرتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ ان پر اس سے زیادہ مضر چیز کا دروازہ کھول دیتا ہے۔

نہج مع شرح ابن میثم جلد پنجم ص ۲۹۵

بلکہ اصلاح عوام کا جو نسخہ کیمیا آپ نے تجویز فرمایا وہ یہ ہے

من اصلح ما بینه وبین الله اصلح الله ما بینه وبین الناس ومن اصلح امر آخرته اصلح الله امر دنیاه۔ صفحہ ۲۸۵

جس نے اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیانی تعلق کو درست کر لیا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے اور لوگوں کے درمیانی تعلق کو درست فرما دیتا ہے اور جس نے اپنی آخرت کی اصلاح کر لی۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی دنیا کو اس کے لیے درست کر دیتا ہے۔

اور یہی مضمون ص ۲۲۷ پر بھی موجود ہے تو جو ہستی لوگوں کو یہ تعلیم دے اور مخلوق کے بجائے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق درست کرنے کا حکم دے وہ خود ہی اس کا خلاف کیسے کر سکتی ہے۔

Marfat.com

رہ گیا دوسرا احتمال کہ اس کلامِ صداقت نشان میں آپ نے اپنے حقیقی نظریہ کو نہیں بیان کیا۔ بلکہ صرف خلیفہ ثالث کے لیے توبیخ و سرزنش ہے۔ لیکن ہر عقلمند یہ جانتا ہے۔ اور کسی ادنیٰ طالب علم سے تو یہ حقیقت بالکل مخفی نہیں۔ کہ خلافِ اصل کے لیے قرینہ کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے۔ اگر قرینہ نہ ہو تو پھر متبادر اور حقیقی معنی ہی مراد ہو گا اور بلا قرینہ صارفہ خلافِ حقیقت کا ارادہ کلام کو بلاغت و فصاحت تو درکنار عامیانہ سطح سے بھی گرا دے گا۔ بلکہ مہمل کلام بنا دے گا۔ مثلاً کوئی شخص رأیت اسداً کا ترجمہ کرے میں نے بہادر آدمی دیکھا تو اس کا بیان کردہ یہ معنی اگر درست تسلیم کیا جائے تو عبارت غیر معیاری اور عامیانہ بن جائے گی۔ ہاں جب رأیت اسداً فی الحمام یا یرمی کہا جائے تو پھر بے شک ترجمہ ہی متعین ہو گا۔ کہ میں نے بہادر شخص کو حمام میں دیکھا یا اسے تیر اندازی کرتے دیکھا۔ اور یہاں اس قسم کا قطعاً کوئی قرینہ نہیں ہے۔ بلکہ متذکرہ بالا ذملان اپنے متبادر اتی معنی کے تحت اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ہی اپنی قدرت کاملہ سے اس ممدوح کو صفات کمال اور اخلاقِ عالیہ سے نوازا ہے۔ اور یہ خوبیاں اور اعلیٰ اخلاقی قدریں کسی کے اپنے بس میں نہیں ہوا کرتیں گویا فرمایا۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست۔

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

(۲) تعریض اور اشارات و کنایات کا استعمال وہاں ہوا کرتا ہے جہاں تصریح سے کوئی امر مانع ہو اور جب حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے روبرو باہمی مکالمات ہوتے رہے۔ اور آپ نے لگی لپٹی رکھے بغیر دل کی بات ان کے سامنے کہی اور حضرت عثمان نے ان کو خلفاء سابقین سے مختلف رویہ ان کے ساتھ رکھنے پر بار با گلہ دیا تو پھر اس طرح کی تعریض وغیرہ کا کیا مطلب دونوں حضرات کے مکالمے ملاحظہ فرمائیں۔ اور اس حقیقت کا بچشمِ خود ملاحظہ کریں۔

(۱) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا حضرت عثمان رضی اللہ کو نصیحت فرمانا۔

Marfat.com

ان الناس ورائی وقد استسفرونی بینک وبینہم وواللہ
ماادری مااقول لک مااعرف شیئا تجهله ولا ادلک علی شی
لاتعرفه. انک لتعلم مانعلم ما سبقناک الی شئ فنخبرک
عنه ولاخلونا بشئ فنبلغکه وقد رأیت کما رأینا
وقد سمعت کما سمعنا وصحبت رسول اللہ کما صحبنا
وما ابن ابی قحافه ولاابن الخطاب اولی بعمل الحق
منک وانت اقرب الی رسول اللہ وشیجة رحم منهما
وقد نلت من صهره مالم ینالا .
فاللہ اللہ فی نفسک فانک واللہ ماتبصر من عمیً .
ولا تعلم من جهل وان الطرق لواضحة وان اعلام
الدین لقائمة ۔

(نہج البلاغہ مصری جلد اول صفحہ ۳۷۳)

تحقیق لوگ میرے پیچھے ہیں۔ اور انہوں مجھے اپنے اور تمہارے درمیان سفیر بنایا ہے۔ اور بخدا میں نہیں جانتا کہ میں تمہیں کیا کہوں میں کوئی ایسی چیز نہیں جانتا جس سے تم بےخبر ہو۔ اور نہ میں کسی ایسی چیز پر تمہاری رہنمائی کر سکتا ہوں جو تمہیں معلوم نہیں۔ بے شک البتہ تم وہ جانتے ہو جو ہم جانتے ہیں ہم آپ سے کسی معاملہ میں سبقت نہیں لے گئے تاکہ اس اس کی خبر تمہیں دیں۔ اور نہ ہم نے خلوت میں بارگاہِ رسالت سے کوئی شئی حاصل کی۔ جو آپ تک پہنچائیں آپ نے دیکھا جس طرح کہ ہم نے دیکھا اور سنا جس طرح ہم نے سنا اور تمہیں رسولِ خدا، صلی اللہ علیہ وسلم کا شرفِ صحبت اس طرح حاصل ہے جیسے ہم نے شرف صحبت حاصل کیا۔

اور ابن ابی قحافہ (حضرت ابوبکر صدیق) اور ابن الخطاب (حضرت عمر)

Marfat.com

تم سے زیادہ حق پر عمل پیرا ہونے کے حقدار نہیں خصوصاً جب کہ تم رحم والے رابطہ وتعلق میں ان کی نسبت رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ قریب ہو اور تمہیں رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی دامادی کا ایسا شرف حاصل ہے۔ جو ان دونوں کو حاصل نہ ہوا۔ لہٰذا اپنی ذات کے متعلق اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ بخدا تم نابینائی کے بعد بصیرت اور بینائی حاصل کرنے والے نہیں اور نہ جہل کے بعد علم حاصل کرنے والے اور بے شک راستے واضح ہیں اور دین کے اعلام قائم اور برقرار ہیں۔

قانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول یوتی بالامام الجائر یوم القیامۃ ولیس معہ نصیر ولا عاذر فیلقی فی نار جہنم۔

یقین جانیئے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ امام جو رپیشہ کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لایا جائے گا۔ درانحالیکہ اس کے لیے نہ کوئی معاون ومددگار ہوگا۔ اور نہ کوئی اس کی طرف سے عذر کرنے والا پس اسے جہنم کی آگ میں ڈال دیا جائے گا۔

اس سارے خطبہ کا مطالعہ کر کے اندازہ لگائیں۔ کہ ایسی حق گو اور صاف گو ہستی کو اس قسم کی تعریض وغیرہ کا سہارا لینے کی کیا ضرورت تھی۔ لہٰذا یہ توجیہ جو سابقہ خطبہ کی اہل تشیع نے کی ہے وہ توجیہ الکلام بمالا یرضی بہ القائل کے قبیلے سے ہے۔

فوائد: اس خطبہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نظریہ بھی واضح ہو جاتا ہے۔ کہ جملہ کمالات علمی عرفانی۔ اور شرف صحبت اور اخلاص میں ان کو اپنے مماثل قرار دیا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ خونی رشتہ میں شیخین کی نسبت قرب کا اثبات بھی ہے۔ اور آپ کے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف دامادی کے ساتھ مشرف ہونے کا بھی اعتراف ہے اور اس خطبہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے حق پر عمل پیرا ہونے کی صراحت بھی ہے۔ اس لیے دامادی اور خونی رشتہ

Marfat.com

میں منسلک ہونے کا لازمی تقاضا بیان کر کے ترغیب دی کہ تمہیں بھی ان سے بڑھ کر نہیں تو کم از کم ان کے برابر عمل حق اور عدالت و انصاف کا مظاہرہ کرنا چاہیئے۔

البتہ قوم نے آپ کو جن مطالبات میں سفیر بنا کر حضرت عثمان کے پاس بھیجا تھا۔ ان کی ترجمانی کا حق ادا کرتے ہوئے آپ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حق ادا کیا۔ اور امام کا منصب اور اس کے جور پر جزا، سزا کو واشگاف الفاظ میں بیان کیا۔ جس سے واضح ہوتا ہے۔ کہ عثمانی حکومت کے دور میں اللہ تعالیٰ کا یہ شیر ڈرنے والا اور مداہنت اور زمانہ سازی سے کام لینے والا نہیں تھا۔ تو اپنی خلافت کے دوران اس قسم کی زمانہ سازی اور موافقتِ ظاہرہ کی توقع آپ سے کیونکر کی جا سکتی ہے۔

(نوٹ) یہ سب کچھ خطبہ کے الفاظ کا جو مفاد و مدلول تھا وہ بیان کیا ہے۔ ورنہ ہم توقطعاً اس کے قائل نہیں۔ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جور و اعتساف سے کام لیا۔ اور جادۂ استقامت سے ہٹے۔ یہ صرف سبائی سازش تھی۔ اور معمولی معاملات کو ہوا دیکر اسلام کے خلاف بدترین سازش کا اہتمام کیا جا رہا تھا۔ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو غلط سلط باتیں کر کے اپنا سفیر بنانے کا فلسفہ یہی تھا۔ کہ آئندہ بنو ہاشم اور بنو امیہ کے ٹکراؤ اور آویزش کے لیے فضا سازگار ہو جائے (جیسے کہ ابن سبا کی سازش مفصل طور پر بعد میں بیان کی جائے گی) اور ان کی یہ سازش اور مکری چال کافی حد تک مؤثر رہی اور وہ اسلام دشمنی کے اس منصوبے میں کافی پیش رفت کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے شیخین رضی اللہ عنہما کی طرح موافقت اور معاونت کا مطالبہ کرنا۔

فقال له نشدتك الله ان تفتح للفرقة باباً فلعهدى بك انت تطيع عتيقاً وابن الخطاب طاعتك لرسول الله ولست بدون واحد منهما وانا احس بك رحما

واقرب الیك صهرًا (الی) فلم اقصر عنهما فی دینی
وحسبی وقرابتی فکن لی کما کنت لهما "۔

(ناسخ التواریخ جلد دوم۔ کتاب دوم صفحہ ۵۱۹)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلا کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے نام کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ افتراق و انتشار کا دروازہ نہ کھولیں۔ میں آپ کے اس دور کو اچھی طرح جانتا ہوں جب کہ آپ عتیق (حضرت ابو بکر) اور ابن الخطاب (حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما) کی اس طرح اطاعت کرتے تھے۔ جیسے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے تھے۔ اور میں ان دونوں حضرات میں سے کسی سے بھی کمتر نہیں ہوں جب کہ میں تمہارے ساتھ رحم اور خونی رشتہ میں زیادہ قریبی ہوں۔ اور دامادی کے لحاظ سے بھی زیادہ قریب ہوں (تا) پس میں ان سے نہ دین میں کم ہوں اور نہ حسب و قرابت میں لہٰذا میرے ساتھ بھی وہی تعلق و ارتباط اور موافقت و معاونت اختیار کرو۔ اور اس کا مظاہرہ کرو۔ جیسے کہ ان دونوں کے لیے کیا کرتے تھے۔

فوائد:۔ اس خطبہ کا مفصل تذکرہ حضرت شیخ الاسلام رضی اللہ عنہ کے رسالہ میں ہے۔ اور عنقریب اپنی جگہ اس کے جملہ مالہ و ماعلیہ کو بیان کیا جائے گا۔ یہاں قدر ضرورت پر اکتفاء کیا ہے۔ تاکہ واضح ہو جائے کہ جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے روبرو دل کی بات کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اسی لب ولہجہ میں ان سے متوقع موافقت اور معاونت کا پرزور مطالبہ کیا۔ اور شیخین کے ساتھ آپ کے سلوک کے مطابق سلوک کا مطالبہ کیا۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ استحقاق کا اظہار کیا۔

علاوہ ازیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شیخین کی اطاعت اور معاونت میں۔

Marfat.com

وہی طریقہ اختیار کرنا جو سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اختیار کرتے تھے ان حضرات کی عظمت خداداد کی ناقابلِ تردید شہادت ہے۔ اور جبر واکراہ اور تشدد و تہدید وغیرہ افسانوی روایات کا بھی اس سے بالکلیہ رد ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ عنقریب ذکر کیا جائے گا سردست یہ بتلانا تھا۔ کہ اس خطبہ میں اس قسم کی توجیہات اور تاویلات و تسویلات کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اور وہ بحمد اللہ واضح ہو گیا۔

(۲) فضیلت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی خصوصی شہادت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

وولیهم وال فاقام واستقام حتی وضع الدین بجرانه

نہج البلاغہ جلد دوم ص ۲۱۷

اور ان کا متولی امور بنا ایسا والی جس نے لوگوں کو درست کیا خود بھی درست رہا حتی کہ دین نے اپنے حلقوم کو زمین پر رکھ دیا یعنی راحت محسوس کی اور سکھ کا سانس لیا۔

یہ ایک طویل خطبہ سے لیا گیا جملہ ہے۔ اور شرح ابن میثم میں ذرا تفصیل سے اس کو درج کیا گیا ہے جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہاں والی سے مراد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس نہیں جیسے کہ مصری نہج البلاغہ کے حاشیہ میں ظاہراسی کو قرار دیا گیا ہے۔ اور قیل کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ذاتِ اقدس مراد ہونے کا قول نقل کیا ہے۔ جب کہ ابن میثم بحرانی نے کہا۔

والمنقول ان الوالی عمر بن الخطاب یعنی از روئے نقل جو کچھ ثابت ہے وہ یہی ہے کہ اس سے مراد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور در اصل خطاب میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما دونوں کے متعلق اپنا نظریہ اور تاثر بیان فرمایا ہے۔ جب خطبہ کا ایک حصہ مسلم ہے تو لامحالہ سارا خطبہ مسلم ہونا چاہیئے۔

قال فیها فاختار المسلمون بعده بآرائهم رجلا منهم فقارب وسدد حسب استطاعته علی ضعف وجد کانا فیه

Marfat.com

ثم وليهم بعده وال فاقام واستقام حتی ضرب الدین بجرانه علی عسف وعجز کاتافیه۔

شرح ابن میثم جلد خامس ص ۳۶۳

پس مسلمین نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد اپنی رائے سے اپنے میں سے ایک شخص کو منصب خلافت کے لیے چن لیا تو اس نے حق کے ساتھ مقاربت اور غایت درجہ پختگی اور مضبوطی کا مظاہرہ کیا اور اپنی استطاعت اور استعداد کو پوری طرح بروئے کار لے آیا۔ باوجودیکہ اس میں ضعف اور ناتوانی (جسمانی) موجود تھی اور سعی و کوشش پھر ان کے بعد ایک اور شخص والی بنا اس نے دین اور اہل دین کو درست کیا۔ اور خود بھی درست اور راہ راست پر قائم رہا۔ حتی کہ دین نے اس اونٹ کی طرح سکون محسوس کیا جو پیٹ بھر کر کھا پی لینے کے بعد اپنا حلقوم زمین پر رکھ کر سو جاتا ہے۔ باوجود تشدد کے اور ضبط کمال سے عجز کے جو اس میں تھا۔ یعنی ذاتی طور پر دونوں میں بشری تقاضوں کے تحت کچھ نہ کچھ جسمانی ضعف یا قوتِ برداشت کی کمی وغیرہ موجود تھے۔ لیکن قدرتِ خداوندی ان کی دستگیر تھی۔ اور توفیقِ الٰہی ان کے شامل حال کہ انہوں نے اسلام کو از سر نو استحکام بخشا اور رسداد و پختگی اور حق پر استقامت کا بھرپور مظاہرہ کیا اور نہ صرف خود حق پر ثابت قدم رہے بلکہ دوسروں کو بھی اس پر جرأت کے ساتھ گامزن کیا وکذا فی شرح حدیدی جلد ۲ ص ۲۱۸

۲۔ جب حضرات شیخین ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی حق پرستی اور رسداد قول و عمل اور استقامتِ دین واضح ہو چکی۔ تو اسی مناسبت سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے وہ خطبات بھی ملاحظہ کرتے چلیں جو آپ نے اپنی خلافت کے دوران مختلف مقامات پر دیئے۔

۳۔ ابوالحسن علی بن محمد المدائنی نے ذکر کیا ہے۔ کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے زمامِ خلافت سنبھالنے کے بعد پہلا خطبہ دیتے ہوئے فرمایا جس میں خلفاء کی تعریف یوں کی فولی الامر ولاۃ لم یالوا الناس خیرًا پس امر خلافت

Marfat.com

کے والی وہ لوگ بنے جنہوں نے لوگوں کی بھلائی اور بہتری میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی۔

(ب) بصرہ کی طرف روانگی کے وقت آپ نے خطبہ دیا جس کو کلبی نے مفصل طور پر نقل کیا ہے۔ اس میں خلفاء سابقین کے حق میں آپ نے یہ الفاظ استعمال فرمائے۔

فولی الامر قوم لم یالوافی امرهم اجتهاداً ثم انتقلوا الی دار الجزاء والله ولی تمحیص سیئاتهم والعفو عن هفواتهم

پس امر خلافت کے والی وہ لوگ بنے جنہوں نے اپنے فریضہ خلافت میں کوشش اور سعی کے اندر کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اور مقدور بھر اس کو نبھانے کی جدوجہد کی پھر وہ دار جزاء کی طرف منتقل ہوئے۔ اللہ ان سے ان کی سیئات کو مٹانے اور دور کرنے کا مالک ہے اور ان کی لغزشات سے درگزر کرنے کا۔

(ج) زید بن صوحان نے ذی قار کے مقام پر دیئے گئے آپ کے خطبہ کو بیان کرتے ہوئے خلفاء سابقین کے حق میں آپ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔

ثم استخلف الناس ابا بکر فلم یال جهده ثم استخلف ابو بکر عمر فلم یال جهده. ثم استخلف الناس عثمان فنال منکم ونلتم منه حتی اذا کان من امره ما کان اتیتمونی لتبایعونی لاحاجة لی فی ذلک[209] شرح ابن ابی الحدید المعتزلی الشیعی جلد اول ص ۲۱۰، ۲۰۷، ۲۸۳

پھر لوگوں نے ابوبکر کو خلیفہ بنایا تو انہوں نے امر خلافت نبھانے میں جدوجہد میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔ پھر ابوبکر نے عمر کو خلیفہ بنایا تو انہوں نے بھی اس فرض کو ادا کرنے میں اپنی پوری قوت صرف کر دی بعد ازاں لوگوں نے عثمان کو خلیفہ بنایا اس نے تمہیں تکلیف پہنچائی اور تم نے ان پر تشدد کیا حتیٰ کہ ہوا جو ہوا تو تم میرے پاس آ گئے تاکہ میرے۔

Marfat.com

ساتھ بیعت کرو۔ حالانکہ مجھے اس کی کوئی ضرورت اور حاجت نہیں تھی

فائدہ: ان تینوں خطبات سے نہج البلاغہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق الفاظ کی بھی تائید ہوتی ہے۔ اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں صادر ارشاد امیر کی بھی جس کو شریف مرتضیٰ نے ذکر نہیں کیا تھا۔ مگر ابن میثم اور ابن ابی الحدید نے ذکر کیا تھا۔ اور گویا یہ بھی نہج البلاغہ کے خطبہ کا حصہ ہیں اس مناسبت ان کا یہاں ذکر درست ہو گیا۔ اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ معدن ولایت کی نگاہ میں حضرات شیخین نے مہاجرین و انصار کے سونپے ہوئے فریضہ خلافت کے نبھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ذات مورد طعن و تشنیع بنی۔ مگر ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ اور وہی بخشش کا مالک ہے۔ کوئی اس کی مغفرت اور بخشش کو محدود نہیں کر سکتا۔ اور دوسرے نمبر پر دیئے گئے خطبہ کے الفاظ میں تمحیص اور عفو هفوات کا اگرچہ ذکر ہے۔ مگر تیسرے خطبہ کے الفاظ نے اس کی وضاحت کر دی۔ کہ وہ نسبت تینوں حضرات کے مجموعی احوال کا لحاظ کرتے ہوئے تھی۔ نہ کہ انفرادی حالت میں جیسے کہ اگلے خطبہ کے الفاظ میں یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی

(د) اس ضمن میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا امیر معاویہ کی طرف سے مصالحت کی گفتگو کے لیے بھیجے ہوئے سفراء یعنی حبیب بن مسلمہ فہری شرحبیل بن سمط اور معن بن یزید بن الاخنس اسلمی کے ساتھ کلام اور حضرات شیخین کے حق میں اپنے بیان کردہ تاثرات جن کو نصر بن مزاحم نے بیان کیا ہے ملاحظہ فرما دیں

اما بعد فان اللہ سبحانہ بعث محمدا صلی اللہ علیہ وسلم فانقذ بہ من الضلالۃ ونعش بہ من الھلکۃ وجمع بہ بعد الفرقۃ ثم قبضہ اللہ الیہ وقد ادی ما علیہ فاستخلف الناس ابابکر ثم استخلف ابو بکر عمر فاحسنا السیرۃ وعدلا فی الامۃ ووجدنا علیھما ان تولیا الامر

Marfat.com

دونناو نحن آل الرسول واحق بالامر فغفرنا ذلک لهما

شرح حدیدی جلد رابع ص ۲۳

بعد از حمد و صلوٰۃ واضح ہو کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا پس آپ کے ذریعے لوگوں کو گمراہی سے بچایا۔ اور ہلاکت سے حفظ و امان میں رکھا اور افتراق و اختلاف کے بعد جمعیت اور اتفاق بخشا اور پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی طرف بلالیا۔ جب کہ آپ اپنا فریضۂ رسالت ادا فرما چکے۔ پھر لوگوں نے ابوبکر کو خلیفہ بنایا بعد ازاں انہوں نے عمر کو پس انہوں نے اپنی سیرت اور کردار کو قابلِ ستائش رکھا۔ اور امت میں عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کیا۔ اور ہمیں ان پر یہ ارمان تھا کہ وہ امر خلافت کے والی بن گئے۔ بغیر ہمارے حالانکہ ہم آلِ رسول تھے اور اس امر کے زیادہ حقدار لیکن ہم نے ان کو معاف کر دیا اور ان سے درگزر کیا۔

اس بیان سے بھی ان کا حسنِ کردار اور شانِ عدل و انصاف بھی ظاہر اور یہ بھی ظاہر کہ آپ کو اگرچہ برادرانہ شکر رنجی تھی۔ کہ ہمیں صلاح و مشورہ میں بھی شامل نہ کیا گیا۔ لیکن خلافت کے بنیادی مقصد کی باحسن طریق تکمیل ہوتی دیکھ کر آپ نے رضامندی کا اظہار کیا۔ اور دل سے اس ارمان کو بھی دور کر دیا۔ اور رحماء بینہم کی شان عملی طور پر ظاہر فرمائی۔ والحمد للہ

(۴) حضرات شیخین رضی اللہ عنہما اور مہاجرین کی فضیلت ۔ قبل ازیں اجمالاً تحریف روایات کے ضمن میں اس کا کچھ حصہ ذکر کیا جا چکا ہے۔ اب مفصلاً اس عبارت کو ملاحظہ فرمائیں اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا حضرات شیخین کے متعلق بالخصوص اور حضرات مہاجرین کے متعلق بالعموم نظریہ اور تاثر معلوم کریں۔

(نوٹ، اور یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ جب اس خطبہ کا کچھ حصہ صاحب نہج البلاغہ نے ذکر کیا۔ خواہ ترتیب میں رد و بدل کر کے سہی بہر حال اس سے اتنا قدر

Marfat.com

واضح ہوگیا۔ کہ اس کے نزدیک اس خطبہ کی نسبت حضرت امیرالمؤمنین۔
کرم اللہ وجہہ الکریم کی طرف بالکل صحیح ہے۔ لہٰذا یہ عبارت بظاہر شرح ابن میثم
کی ہے لیکن حقیقت میں گویا نہج البلاغہ کی ہے۔ اور یہ خط آپ کا امیر معاویہ
کے ایک خط کا طویل جواب ہے۔ جس میں ان کے خط کے مندرجات میں
سے بعض کے ساتھ اتفاق کیا گیا ہے۔ اور بعض کے ساتھ اختلاف

وذکرت ان اللہ اجتبی لہ اعوانا من المسلمین ایدھم به فکانوا فی منازلھم عندہ علی قدر فضائلھم فی الاسلام وکان افضلھم فی الاسلام کما زعمت وانصحھم للہ ولرسولہ الخلیفۃ الصدیق وخلیفۃ الخلیفۃ الفاروق ولعمری ان مکانھما فی الاسلام عظیم وان المصاب بھما لجرح فی الاسلام شدید یرحمھما اللہ وجزاھما باحسن ما عملا غیر انک ذکرت امرًا ان تم اعتزلک کلہ وان نقص لم یلحقک ثلمۃ مانت والصدیق؟ فالصدیق من صدق بحقنا وابطل باطل عدونا ومانت والفاروق؟ فالفاروق من فرق بیننا وبین اعدائنا وذکرت ان عثمان کان فی الفضل ثالثًا فان یک عثمان محسنًا فسیلقی ربا غفورًا لا یتعاظم ذنب یغفرہ جزاھم اللہ باحسن اعمالھم ثم مانت والتمییز بین المھاجرین الاولین وترتیب درجاتھم وتعریف طبقاتھم! نہج البلاغہ مع شرح ابن میثم جلد نمبر ۴ ص ۳۶۲
نہج البلاغہ مع شرح حدیدی جلد نمبر ۱۵ ص ۷۶

ترجمہ: تو نے ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے
لیے اہل اسلام سے معاون اور مددگار منتخب فرمائے جن کے ساتھ
آپ کی تائید و تقویت کا انتظام فرمایا۔ وہ آپ کے نزدیک اپنے
انہیں مراتب و مدارج و منازل میں تھے۔ جو ان کو اسلامی خدمات سرانجام

Marfat.com

دینے اور اسلام میں حاصل کردہ فضائل کے مطابق حامل تھے اور ان میں تیرے نظریہ کے مطابق افضل اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سب سے زیادہ مخلص اور ہمدرد خلیفہ صدیق تھے۔ اور پھر ان کے خلیفہ فاروق مجھے اپنی زندگانی کی قسم ان دونوں کا مرتبہ اسلام میں البتہ عظیم ہے۔ اور ان کا وفات دیا جانا اسلام کے لیے ناقابل تلافی نقصان ہے اور نہ مندمل ہونے والا زخم۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں پر رحم فرمائے اور ان کو اپنے اچھے اعمال کی جزائے خیر عطا فرمائے۔

لیکن تو نے ایسے امر کا ذکر کیا ہے۔ کہ اگر وہ تام او مکمل ہو جائے تو تجھ سے علیحدہ اور الگ تھلگ رہے گا۔ تجھے اس کا نفع نہیں پہنچے گا۔ اور اگر تام اور مکمل نہ ہو تو تجھے اس کا نقصان نہیں پہنچے گا۔ لہٰذا تجھے اپنے اور میرے اختلاف کے دوران وہ حوالہ دینا اور ان حضرات کے منازل و مراتب کا اور فضائل کا ذکر کرنا کار آمد نہیں ہے۔ تم اپنی بات کرو) تمہیں صدیق سے کیا نسبت۔ حضرت صدیق تو وہ شخصیت ہیں۔ کہ جنہوں نے ہمارے حق کی تصدیق کی۔ اور ہمارے اعداء کے باطل کو باطل ٹھہرایا اور تمہیں فاروق سے کیا نسبت ہے۔ فاروق تو ایسی ذات والا ہیں۔ کہ انہوں نے ہمارے درمیان اور ہمارے اعداء کے درمیان فرق اور بعد پیدا کیا۔ اور اہل اسلام اور اہل کفر میں امتیاز پیدا کیا اور حق کو باطل سے جدا کیا۔

پھر تو نے یہ ذکر کیا کہ عثمان ان کے بعد تیسرے درجہ میں تھے، اگر عثمان محسن تھے تو اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں۔ جو غفور رحیم اور بخشنے والا اور کسی بھی گناہ کا بخشنا اس کے لیے دشوار نہیں ہے۔ اور مجھے اپنی زندگانی کی قسم میں البتہ اس امر

Marfat.com

کی قوی امید رکھتا ہوں کہ جب اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے فضائل اسلامیہ کے مطابق اجر اور ثواب عطا کرے گا۔ تو ہمارا حصہ بہت زیادہ ہو گا۔

اور بالعموم مہاجرین میں خیر کثیر ہے جو تجھے بھی معلوم ہے اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اچھے اعمال کے مطابق جزائے خیر عطا فرمائے۔

لیکن تیرا یہ منصب نہیں اور تجھے اس سے واسطہ نہیں ہونا چاہیئے کہ تو مہاجرین اولین کے درمیان امتیاز قائم کرے اور ان کے درجات میں ترتیب بیان کرے اور ان کے طبقات کا تعارف کرائے۔

(نوٹ) اس خط کا کچھ حصہ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے اپنے رسالہ کے ص ۲۷ پر نقل کیا جس کا آغاز وذکرت ان اجتبیٰ لہ ہے اور اختتام تجزاعنا باحسن ما عملوا ہے اور میں نے نہج البلاغہ میں صراحتاً یا ضمناً مذکور عبارات کو ایک جگہ اکٹھا کرنے کی غرض سے یہاں درج کیا ہے۔

تبصرہ و بیان فوائد: امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خط میں نہ حضرت ابوبکر کو صدیق لکھا گیا تھا۔ اور نہ حضرت عمر کو فاروق بلکہ صرف خلیفہ اور خلیفۃ الخلیفہ کہنے پر اکتفا کیا گیا تھا لیکن حضرت علی المرتضیٰ نے اپنی طرف سے ان کو صدیق اور فاروق کے القاب سے بھی نوازا۔ اور پھر شانِ صدیقی کا تقاضا اور شانِ فاروقی کا منطقی نتیجہ بھی بیان فرمایا۔ یعنی صدیق نے ہمارے حق کی تصدیق کی اور اعداء کے باطل کو باطل کر دکھایا اور فاروق نے اہل حق کو اہل باطل سے ممتاز کر دکھایا۔ اس کے بعد بھی ان مقدس شخصیات کے ان اعزازات میں کسی شک و شبہ کی گنجائش ہے۔ چہ جائیکہ ان کے انکار کی محبِ علی ہونے اور ائمہ کے مذہب پر چلنے کا دعویٰ بھی ہو۔ اور آپ کی بیان کردہ شیخین کی اس شان کا انکار بھی یہ دونوں چیزیں قطعاً یکجا نہیں ہو سکتیں۔ اور یہ حقیقت بھی ذہن نشین رہے کہ نحوی قاعدہ کی رو سے اور اصولی قاعدہ کی رو سے بھی معرف باللام کو

Marfat.com

معرف باللام کر کے لوٹایا جائے۔ تو پچھلا پہلے کا عین ہوتا ہے لھذا الخلیفۃ الصدیق اور فالصدیق من صدق بحقتا کا مصداق ایک ماننا ضروری ہے اور اسی طرح خلیفۃ الخلیفۃ الفاروق اور فالفاروق من فرق بینتا وبین اعدائنا میں بھی دونوں کا مصداق ایک ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا قواعد و اصول کو نظر انداز کر کے مغالطہ دہی کی کوشش کارآمد نہیں ہو سکتی۔

(ب) آپ نے اعتراف کیا۔ کہ انکا مرتبہ و مقام اسلام میں عظیم ہے۔ اور ان کا وصال اسلام کے لیے ناقابل تلافی نقصان ہے۔ اور ان کی جدائی اسلام کے لیے نہ مندمل ہونے والا زخم ہے۔ اور پھر اس عقیدہ و نظریہ کو حلف اور قسم کے ساتھ آپ نے مؤکد بھی فرمایا۔ لہٰذا ان کی شان اور ان کے خداداد مقام کا انکار حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو جھٹلانے کے مترادف ہے بلکہ ڈھکو صاحب کا دعویٰ ہے۔ کہ سب ائمہ کا مذہب ایک ہے۔ لہٰذا صدیق و فاروق ماننا اور ان کے مرتبہ و مقام کو عظیم جاننا اور ان کی جدائی کو ناقابل تلافی نقصان قرار دینا سب ائمہ کا نظریہ ٹھہرا اور اس کی تکذیب گویا سب کی تکذیب ہوئی۔ اسی لیے تو امام محمد باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ جو ان کو صدیق نہ کہے۔ اللہ تعالیٰ اسے نہ دنیا میں سچا کرے۔ اور نہ آخرت میں کیونکہ یہ انکار صرف مقام صدیق کا انکار نہیں بلکہ بارہ اماموں کے عقیدہ کا انکار ہے اور ان کو جھٹلانے کے مترادف ہے

(ج) آپ کے اس خطبہ میں مہاجرین کی فضیلت اعمال صالحہ کا اقرار ہے اور ان کے خیر کثیر کا اور ان کے لیے جزائے خیر کی دعا بھی موجود ہے۔ اگر نعوذ باللہ وہ مرتد ہو چکے ہوتے تو نہ ان کے لیے اعمال خیر اور افعال حسنہ کا ثابت کرنا درست اور نہ ان میں کسی خیر کا پایا جانا درست۔ اور نہ ان کے لیے دعائے خیر کا شرعاً کوئی جواز باقی رہتا تھا۔ جس سے۔

Marfat.com

صاف ظاہر ہوا کہ آپ کے نزدیک نہ ان مہاجرین اولین کے حق میں تنقیص و تنقید کا کوئی پہلو موجود تھا۔ اور نہ ان کے اور سب اہل اسلام کے مقتداء و پیشوا حضرت ابوبکر اور حضرت عمر پر اعتراض و انکار کا۔

(د) اس خطبہ میں سے نقل کی گئی عبارت میں جو دھاندلی روا رکھی گئی ہے۔ اس کے باوجود بھی مہاجرین اولین کی فضیلت اور شیخین رضی اللہ عنہما کی فضیلت پوری طرح آشکار ہے۔ شریف رضی نے اس خط کو نقل کرتے ہوئے یہ الفاظ روایت کئے ہیں۔ وزعمت ان افضل الناس فی الاسلام فلان وفلان فذکرت امراً ان تم اعتزلک کله وان نقص لم یلحقک ثلمه وما انت والفاضل والمفضول والسائس والمسوس وما للطلقاء وابناء الطلقاء والتمیز بین المهاجرین الاولین وترتیب درجاتهم وتعریف طبقاتهم ! هیهات لقد حن قدح لیس منها وطفق یحکم فیها من علیه الحکم لا له. نہج البلاغہ ص ۳۸ ج ۲

تو نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اسلام میں سب سے افضل فلاں اور فلاں ہیں۔ تو تو نے ایسے امر کا ذکر کیا ہے۔ کہ اگر پایہ تکمیل تک پہنچے تو تجھے اس کا نفع نہیں پہنچے گا اگر ناتمام رہے تو تجھے اس کا نقصان نہیں پہنچے گا۔ اور تجھے اس سے غرض ہی کیا ہے کہ فاضل کون ہے اور مفضول کون ہے ! حاکم کون ہے اور رعایا کون؟ طلقاء اور ان کی اولاد کو مہاجرین اولین میں امتیاز قائم کرنے، ان کی ترتیب درجات بیان کرنے اور ان کے طبقات کا تعارف کرانے سے کیا کام قداح قمار سے وہی تیر بجا جو ان میں سے نہیں تھا۔ یعنی جوہر کے تھالمے سے اور وہی حکم کرنے لگا۔ جو حکم کرنے کے لائق نہیں تھا بلکہ محکوم تھا۔

(ف) اس عبارت سے بھی ظاہر ہوا کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر و عمر کو مہاجرین اولین کے عظیم افراد شمار کیا۔ البتہ مہاجرین کے ترتیب درجات

Marfat.com

اور تعریف طبقات کو امیر معاویہ کے ذہن اور مقام سے بالاتر قرار دیا
اور ظاہر ہے کہ مہاجرین اولین از روئے قرآن مجید اللہ تعالیٰ سے راضی
اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور آخرت میں بلند درجات پر فائز ہیں۔
کما قال تعالیٰ۔ والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار
والذين اتبعوهم باحسان رضی الله عنهم ورضوا عنه الآیہ
اور جب تمام مہاجرین و انصار کے وہ امام وخلیفہ اور مقتدا ٹھہرے
تو ان فضائل کا ان کے حق میں اکمل و اتم طریقہ پر ثابت ہونا یقینی ہے اور
اسی نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شرح حدیدی میں ابن ابی الحدید
نے کہا۔

هذا الكلام ينقض ما يقول من يطعن فی السلف فان امير المؤمنين عليه السلام انكر على معاوية تعرضه بالمفاضلة بين اعلام المهاجرين ولم يذكر معاوية الا المفاضلة بينه عليه السلام وبين ابی بكر وعمر رضی الله عنهما فشهادة امير المؤمنين عليه السلام بانهما من المهاجرين الاولين ومن ذوی الدرجات والطبقات التی اشتبه الحال بينهما وبينه فی ای الرجال منهم افضل وان قدر معاوية يصغر ان يدخل نفسه فی مثل ذلك شهادة قاطعة على علو شانهما وعظم منزلتهما۔

شرح حدیدی جلد پنجم ص ۱۹۱

یہ کلام اس شخص کے قول کا رد کرتا ہے جو اسلاف پر طعن و تشنیع
کرتا ہے کیونکہ امیر المؤمنین کرم اللہ وجہہ نے امیر معاویہ پر اگر
انکار کیا ہے تو ان کے اعلام مہاجرین اور ان کے روٴساء
کے درمیان باہمی فضیلت کے بیان کرنے پر اور انہوں نے

Marfat.com

باہمی فضیلت کا ذکر شیخین اور مرتضیٰ رضی اللہ عنہم کے درمیان ہی کیا تھا لہٰذا امیر المؤمنین نے اس فرمان میں یہ شہادت دی کہ وہ دونوں حضرات مہاجرین اولین سے ہیں اور بلند درجات اور عالی مراتب لوگوں میں سے ہیں جن کے اندر اس امر میں اشتباہ و التباس پیدا ہو چکا ہے۔ کہ ان میں سے کون سا فرد افضل ہے اور معاویہ کا مقام اس سے بہت کمتر ہے۔ کہ وہ اس قسم کے معاملات میں مداخلت کرے حضرت امیر کا یہ ارشاد ان دونوں حضرات کے علوِ مرتبت اور عظمت شان کی عظیم شہادت ہے۔

اور شرح ابن میثم میں ہے استفہام علی سبیل الانکار والاستحقار علیه ان یخوض علی صغر شانه ومقامه فی هذه الامور الکبار ص ۴۲۷ جلد نمبر ۴ یعنی مہاجرین اولین کے درجات میں ترتیب اور ان کے طبقات کی درجہ بندی۔ جیسے عظیم امور میں دخل دینا امیر معاویہ کے مقام و مرتبہ سے بعید ہے۔ اور قابلِ انکار ہے اذ لیس لك نصیب ولا شرك فی درجاتهم ومراتبهم و سابقتهم فی الاسلام کیونکہ تو نہ ان کے ساتھ درجات و مراتب میں شریک اور حصہ دار اور نہ ان کے اسلام کی طرف سبقت لیجانے میں اور اس عبارت سے یہ بھی بالکل واضح ہے کہ جن حضرات کے مراتب کی ترتیب اور درجہ بندی کے لیے امیر معاویہ جیسے شخص کو اہل اور موزوں نہیں سمجھا گیا ان کے درجات و مراتب کتنے عظیم ہوں گے۔

نہج البلاغہ کی ان عبارات کو ملاحظہ کرنے کے بعد جو بالعموم مہاجرین والانصار کی عظمتِ شان پر دلالت کرتی ہیں۔ اور علی الخصوص شیخین رضی اللہ عنہما کی شان پر اور اس ضمن میں دیگر خطبات کے عبارات بھی ملاحظہ ہو چکے جن کا اصل نہج البلاغہ کے جامع اور مؤلف شریف رضی کے نزدیک مسلم تھا۔ اب ہم پھر مذہب شیعہ مؤلفہ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کے رسالہ کی عبارات کا سلسلہ

Marfat.com

شروع کرتے ہیں۔

مذہب شیعہ ص۱۶ تا ص۱۹ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز

اگرچہ اجماعی طور پر مہاجرین اولین اور انصار رضی اللہ عنہم کی مدح وثنا اور منقبت کے بارے میں اہل تشیع کی تقریباً ہر کتاب میں ائمہ معصومین طاہرین کے خطبات اور ملفوظات موجود ہیں لیکن خصوصیت کے ساتھ خلفائے راشدین رضوان علیہم اجمعین کے مناقب اور رفعت شان کے متعلق اہل تشیع کی مسلم اور معتبر کتابوں کی عبارات (نہج البلاغہ کے علاوہ بھی) بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

کتاب کشف الغمہ فی مناقب الائمہ مصنفہ عیسیٰ بن ابی الفتح الاربلی جو اہل تشیع کی مستند اور معتبر ترین کتاب ہے اور مصنف مذکور غالی شیعہ ہے۔ جس کے غلو فی التشیع کا نمونہ ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔

ومن اغرب الاشياء واعجبها انهم يقولون ان قوله عليه السلام في مرضه مروا ابا بكر يصل بالناس نص خفي في تولية الامر و تقليده امر الامة وهو على تقدير صحته لا يدل على ذلك ومتى سمعوا حديثا في امر علي عليه السلام نقلوه عن وجهه وصرفوه عن مدلوله واخذوا في تاويله بابعد محتملاته منكبين عن المفهوم عن صريحه اوطعنوا في راويه وضعفوه وان كان من اعيان رجالهم وذوي الامانة في غير ذلك عندهم، هذا مع كون معاوية بن ابي سفيان وعمرو بن العاص والمغيرة بن شعبة وعمران بن الحطان الخارجي وغيرهم من امثالهم من رجال الحديث عندهم ورواياتهم في كتب الصحاح عندهم ثابتة عالية يقطع بها ويعمل عليها في احكام الشرع وقواعد الدين۔

Marfat.com

ومتی روی احد عن زین العابدین علی بن الحسین وعن ابنه الباقر وابنه الصادق وغیرهم من الآئمة علیهم السلام نبذوا روایته وطرحوها واعرضوا عنها فلم یسمعوها وقالوا رافضی لا اعتماد علی مثله وان تلطفوا قالوا شیعی مالنا ولنقله مکابرۃ للحق وعدواۃ له ورغبة فی الباطل ومیلا الیه واتباعاً لقول من قال انا وجدنا آباء نا علی امة" اولعلهم رأوا اماجرت الحال علیه اولا من الاستبداد بمنصب الامامة فقلموا بنصرۃ الک محامین عنه غیر مظهرین لبطلانه ولا معترفین به کشف الغمہ ص مطبوعہ دار الطباعات کربلائی۔ سب سے عجیب وغریب بات ہے کہ یہ لوگ یعنی اہل السنت والجماعت کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی بحالت بیماری میں فرمانا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں ان کی امر خلافت کے لیے اور حضور کی امت کی امامت و امارت کے لیے نص خفی ہے۔ اس روایت کو اگر سچا بھی مان لیا جائے تو بھی یہ روایت خلافت پر دلالت نہیں کرتی اور یہ لوگ جب علی علیہ السلام کی خلافت کے بارے میں کوئی حدیث سنتے ہیں تو اس حدیث کو صحیح توجیہ سے ہٹا دیتے ہیں اور اس کے اصل معنی سے اس کو پھیر دیتے ہیں اور اس میں تاویلیں کرنا شروع کر دیتے ہیں اور اس کو بعید ترین احتمالات پر محمول کرکے صریح مفہوم سے پھیر دیتے ہیں یا اس حدیث کے راویوں پر اعتراض کرتے ہیں اگرچہ وہ ان کے مشہور راویوں میں سے ہوں اور دوسری روایات میں ان کے نزدیک ثقہ اور امانت دار ہی کیوں نہ ہوں باوجود اس کے کہ معاویہ بن ابی سفیان، عمرو بن عاص، مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم) اور عمران بن حطان خارجی ان کے نزدیک حدیث کے راوی ہیں اور ان کی روایات ان کی کتب صحاح میں مندرج ہیں جن کے ساتھ یقین کیا جاتا ہے اور شرعی احکام اور قواعد دین میں ان پر عمل کیا جاتا ہے۔

لیکن جب امام زین العابدین، ان کے صاحبزادے محمد باقر اور ان کے فرزند ارجمند جعفر صادق علیہم السلام سے کوئی شخص روایت کرتا ہے تو اس کو پھینک دیتے ہیں اور

Marfat.com

اور اس سے روگردانی کرتے ہیں۔ پس اسے سنتے ہی نہیں اور کہتے ہیں کہ اس کا راوی رافضی ہے ایسے راویوں پر اعتماد اور بھروسہ نہیں کیا جاسکتا اور اگر مہربانی اور نرم دلی سے کام لیں تو کہتے ہیں کہ راوی شیعہ ہے ہمیں اس کی روایت اور نقل سے کیا غرض ہے، اور یہ سب کچھ حق کے ساتھ مکابرہ و مقابلہ اور اس سے اعراض اور روگردانی اور باطل کی طرف میلان اور رغبت کی وجہ سے کرتے ہیں اور ان لوگوں کی اتباع و تقلید میں ایسا کرتے ہیں جنہوں نے کہا تھا کہ ہم نے اپنے آباء کو ایک طریقہ اور راستہ پر پایا اور ہم انہیں کی اتباع اور پیروی کریں گے۔

یا شاید ان لوگوں نے ابتداء میں ہی منصب امامت کے ساتھ ظلم و استبداد والی حالت کو دیکھا تو اس جاری ظلم و استبداد کی امداد و اعانت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے درآنحالیکہ اس سے الگ رہنے والے تھے اور اس کے بطلان و فساد کو ظاہر نہیں کرتے تھے اور نہ اس کو تسلیم ہی کرتے تھے۔

اس عبارت کو ملاحظہ کرنے کے بعد کتاب کشف الغمہ کے متعلق مزید تحقیق کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ اس کا مصنف سخت غالی شیعہ ہے اور خلافت راشدہ کا منکر و مخالف اور اہل السنت والجماعت اس کے نزدیک گمراہ ہیں اور اس کا ایک ایک لفظ اہل السنت والجماعت پر آتشباری کی مثال ہے، اس کے دعوے کی صداقت یا کذب کے متعلق تو اہل فکر و ہوش خود ہی فیصلہ کریں گے، اس موقعہ پر اس کتاب کے چند حوالے جو امام عالی مقام حضرت زین العابدین علی بن الحسین رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادے امام عالی مقام سیدنا محمد باقر رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں اس توقع کے ساتھ پیش کرتا ہوں کہ مدعیان محبت و ولا تو کسی صورت میں بھی ان کی روایات کو رد نہیں فرمائیں گے اور نہ پھینکیں گے اور نہ ہی ان سے روگردانی فرمائیں گے بلکہ سنیں گے اور سن کر ایمان لائیں گے

رسالہ مذہب شیعہ ص ۱۶ تا ص ۱۹

Marfat.com

تنزیہہ الامامیہ   از محمد حسین صاحب ڈھکو

پیر صاحب سیالوی نے اپنے رسالہ کے تقریباً تین صفحات ص ۱۶ تا ۱۸ کشف الغمہ کے مصنف جلیل جناب شیخ علی بن عیسی بن ابی الفتح الاربلی کا تشیع ثابت کرنے کے لیے عبث و بے فائدہ سیاہ کیئے ہیں۔ کیونکہ ان کا تشیع محتاج اثبات نہیں ہے کیونکہ۔

آنجا کہ عیاں است چہ حاجت بیان است ۔ ص ۹۳

تحفہ حسینیہ: ہاں عیاں کرنے دینے کے بعد تو یہی کہنا تھا لیکن اثبات اور اظہار سے قبل تو تلبیس کی ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے جس طرح ابن ابی الحدید کو اور مسعودی وغیرہ کو اہل سنت کے کھاتے میں ڈال دیا گیا۔ اور پھر ان کی ہر بے سروپا روایت کا جوابدہ اہل سنت کو قرار دے دیا گیا اس لیے حضرت شیخ الاسلام نے یہاں اس امر کی اشد ضرورت محسوس کرتے ہوئے اس کا اندرون اس کے زبانِ قلم سے صفحۂ قرطاس پر نقش کر دکھایا تاکہ اس بہانے راہ فرار اختیار کرنے کا امکان باقی نہ رہے۔

تنزیہہ الامامیہ ۔   از علامہ محمد حسین ڈھکو صاحب

کشف الغمہ کی روایات کو ناقابل اعتبار ٹھہرانے کی سعی ناتمام اور حقیقتِ حال کا اظہار ڈھکو صاحب فرماتے ہیں مدیر موصوف اربلی صاحب کا طریقہ تالیف یہ ہے کہ وہ اپنے موضوع یعنی ائمہ اطہار رضی اللہ عنہم کے حالات اور ان کے فضائل و مناقب بیان کرنے میں زیادہ تر اہل سنت ہی کی کتب معتبرہ کی روایات و عبارات پیش کرتے ہیں۔ اور اپنی کتابوں سے شاذ و نادر ہی استفادہ کرتے ہیں تا ان حقائق کے چہرہ سے خود مؤلف نے اپنی کتاب کے مقدمہ ص ۳ پر نقاب کشائی

Marfat.com

فرمائی ہے۔ (جس کی عبارت کا ترجمہ ڈھکو صاحب کی زبانِ قلم کا حاضر ہے)

میں نے زیادہ تر اہلِ سنت کی کتابوں سے (فضائل و مناقب) نقل کرنے پر اعتماد کیا ہے۔ تاکہ زیادہ قابلِ قبول ہو۔ اور سب لوگوں کی رائے کے مطابق ہو۔ کیونکہ جب خود مخالف کسی دلیل کی مضبوطی اور کسی فضیلت کے ثابت کرنے کے درپے ہو جائے تو یقیناً وہ دلیل و فضیلت نہایت قوی اور مضبوط ہو جاتی ہے ہاں جو فضیلت اہل سنت کی کتابوں میں نہیں ملی اسے اپنی کتابوں کے حوالے سے درج کیا ہے (آتا)

اس کتاب کے حوالہ جات میں پیر سیالوی نے یہ چابک دستی دکھلائی ہے کہ اس کتاب میں کتب اہل سنت سے باحوالہ بعض روایات مندرج ہیں۔ ان کو اپنے رسالہ میں درج کر کے یہ ظاہر کیا ہے۔ کہ شیعوں کی معتبر کتاب کشف الغمہ میں یہ روایت درج ہے۔ حالانکہ دراصل وہ روایت اہل سنت کی ہے نہ شیعوں کی صفحہ ۷۲ تا ۷۳۔

تحفہ حسینیہ: ابوالحسنات محمد اشرف سیالوی

علامہ ڈھکو صاحب نے کشف الغمہ میں مندرجہ روایات اور حضرت شیخ الاسلام کی پیش کردہ عبارات سے گلو خلاصی کا یہ اہتمام فرمایا۔ کہ اس میں زیادہ تر روایات ہی اہل سنت کی کتب معتبرہ سے لیے گئے ہیں۔ لہٰذا ہم ان کے جوابدہ ہی نہیں ہیں لیکن دریافت طلب یہ امر ہے کہ

(۱) وزیر با تدبیر نے اس کتاب کو جمیع کی رائے کے مطابق بنانے کی سعی فرمائی ہے جیسے کہ جناب کے ترجمہ اور ان کی عربی عبارت سے ظاہر ہے۔

"واعتمدت فی الغالب النقل من کتب الجمھور لیکون ادعی الی تلقیہ بالقبول وفق رأی الجمیع الخ" اور شیعوں کے لیے قابلِ قبول بنانے کی سعی فرمائی۔ اگر اس کتاب میں ایسی روایات درج ہیں۔ جو شیعہ

Marfat.com

صاحبان کے نزدیک بالعموم اور اربلی صاحب کے نزدیک بالخصوص قابلِ قبول اور موافق رائے نہیں تھیں تو کتاب کے تالیف کرنے کا مقصد ہی ختم ہو کر گیا۔ شیعی روایات اہلِ سنت کے لیے قابلِ قبول نہیں۔ اور ان کے کتب سے منقولہ اہلِ تشیع کے لیے قابلِ قبول نہیں۔ تو یہ کتاب نہ شیعہ کے لیے قابلِ قبول اور موافق رائے و اعتقاد ٹھہری۔ اور نہ ہی خود اہلِ سنت کے لیے کیونکہ انہیں اہلِ بیت کے فضائل و مناقب معلوم کرنے کے لیے اپنی کثیر التعداد بلکہ ان گنت کتابیں چھوڑ کر اس وزیر صاحب کی کتابیں دیکھنے کی کیا ضرورت ہو سکتی تھی۔ الغرض ڈھکو صاحب کے قول کے مطابق یہ کتاب بے کار، بے منفعت اور وزیر صاحب کی بے تدبیری کا شاہکار ٹھہری اور کسی فریق کے لیے بھی قابلِ قبول اور موافق اعتقاد نہ بن سکی۔

(۲) اربلی صاحب کی عبارت صاف صاف بتلا رہی ہے۔ کہ کتبِ اہلِ سنت سے روایات نقل کرنے کا یہ مقصد اور باعث نہ تھا۔ کہ کتبِ اہلِ تشیع میں وہ روایات موجود نہیں تھیں۔ بلکہ سابقاً بیان کردہ مقصد کے علاوہ یہ مقصد تھا۔ کہ ان کے فضائل اور مناقب کی پختگی اور واقعیت ثابت ہو جائے۔ جیسے ڈھکو صاحب کے ترجمہ اور اربلی صاحب کی عربی عبارت "کان منی قام الخصم لتشیدہ الی کانت اقوی" سے ظاہر ہے لہٰذا جو کچھ روایات کتبِ اہلِ سنت سے لی گئی ہیں۔ وہ پختگی اور مضبوطی پیدا کرنے کے لیے لی گئی ہیں۔ کہ جب مخالف خود تسلیم کرتا ہے۔ تو اپنوں کے لیے تسلیم کرنے میں تردد و تذبذب کیونکر ہو سکتا ہے۔ لیکن ڈھکو صاحب سکتے ہیں کہ ہمیں ان روایات سے کوئی واسطہ ہی نہیں۔ وہ ہمارے مذہب کے خلاف ہیں۔ تو اربلی صاحب کس کی تقویت اور پختگی بیان کرنا چاہتے تھے۔ مذہب اہلِ سنت کی یا مذہب روافض کی۔ ان کے ذکر کرنے کا مقصد کیا رہا۔ یہی کہ مذہب رفض پر ساتھ ساتھ پانی پھرتا جائے۔

Marfat.com

(۲) اربلی صاحب کہتے ہیں "نقلت من کتب اصحابنا مالم یتصدی الجمھور لذکرہ" میں نے اپنی مذہبی کتابوں سے صرف وہ فضیلت اور منقبت نقل کی ہے جس کو جمہور نے نقل نہیں کیا تھا اس سے بھی صاف ظاہر ہے۔ کہ شیعہ کتب سے صرف وہ روایات لی گئی ہیں۔ جن کے ساتھ اہل تشیع منفرد ہیں۔ اور جن میں منفرد نہیں ہیں وہ کتب جمہور سے نقل کی ہیں، تاکہ یہ کتاب سب کے نزدیک مقبول ہو اور سب کی رائے اور نظریہ کے مطابق۔ لہٰذا اگر اربلی صاحب سچے ہیں۔ تو ڈھکو صاحب نے جھوٹ فرمایا۔ اور اگر یہ سچے ہیں تو اربلی صاحب کا کمد دروغ بے فروغ اور بے تدبیری۔ ظاہر ہو گئی۔

لمحۂ فکریہ:۔ ڈھکو صاحب نے اربلی صاحب کی عربی عبارت بھی خود ذکر کی اور اس کا ترجمہ بھی خود کیا۔ لیکن خدا جانے پھر دماغ کیونکر چکر کھا گیا۔ اور بے ہوشی اور مدہوشی اور مخموری میں کہہ گئے۔ کہ اہل سنت کی روایات کے ہم ذمہ دار نہیں ہیں۔ تمہیں کس نے کہا تھا۔ کہ درج کرو کیا مجبوری تھی۔ اور کون سا فائدہ اس سے اٹھانا چاہتے تھے۔ اپنے مدعا پر دلائل قائم کرنے کے دو طریقے ہوتے ہیں۔ برہانی اور جدلی۔ برہان میں واقعی اور یقینی مقدمات سے مؤلف اور مرکب دلیل پیش کی جاتی ہے جو قطعی طور پر مثبت مدعا ہوتی ہے۔ اور مفید یقین اور جدلی انداز میں۔ اپنے نظریہ کے تحفظ کے لیے مدمقابل کو اس کے مسلمات پیش کر کے خاموش کر دیا جاتا ہے۔ اور اس کو خاموش کر کے اپنے نظریہ اور عقیدہ کے تحفظ کا اہتمام۔ کیا جاتا ہے۔ جب اربلی صاحب نے ہماری روایات بیان کیں تو برہانی انداز میں۔ یا جدلی انداز میں اور ان سے حاصل کیا کیا صرف اپنی تذلیل اور تمام شیعہ برادری کی رسوائی کیا اسے اس کار بے خیر بلکہ مضر اور مذہب کے لیے تباہ کن کاروائی سے روکنے والا کوئی نہیں تھا کیا وزیر یا تدبیر ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

Marfat.com

تنبیہ: ڈھکو صاحب کے جواب کی نوعیت ظاہر ہونے کے بعد اور حقیقت حال کے دوپہر کے اجالے کی طرح روشن ہونے کے بعد اب شیعہ صاحبان اپنے امام و پیشوا کی کتاب سے حضرت شیخ الاسلام کی زبانی وہ روایات ملاحظہ فرمادیں جو کہ شیعہ وسنی کی متفق علیہ ہیں۔ اور موجب اتفاق واتحاد ہیں۔ تاکہ باہمی اختلاف ختم نہیں ہو تو انتہائی کم ہوجائے۔

مذہب شیعہ: از حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ

کشف الغمہ اور فضائل صحابہ کرام علیہم الرضوان

اس موقعہ پر اسی کتاب کے چند حوالے جو حضرت امام عالیمقام زین العابدین علی بن الحسین اور ان کے صاحبزادے امام عالیمقام سیدنا امام باقر رضی اللہ عنہما سے مروی ہیں۔ اس توقع کے ساتھ پیش کرتا ہوں کہ مدعیان محبت و تولا تو کسی صورت میں بھی ان کی روایات کو رد نہیں فرمادیں گے۔ نہ پس پشت پھینکیں گے۔ اور نہ ہی ان سے روگردانی فرمائیں گے۔ بلکہ سنیں گے اور سن کر ایمان لائیں گے۔ ذرا باادب ہو کر سنیئے۔

قدم علیه نفر من اهل العراق فقالوا فی ابی بکر و عمر و عثمان رضی الله عنهم فلما فرغوا من کلامهم قال لهم ألا تخبرونی انتم المهاجرون الاولون الذین اخرجوا من دیارهم واموالهم یبتغون فضلا من الله ورضوانا وینصرون الله ورسوله واولئك هم الصادقون؟ قالوا لا قال فانتم الذین تبوؤا الدار و الایمان من قبلهم یحبون من هاجر الیهم ولا یجدون فی صدورهم حاجة مما اوتوا ویؤثرون علی انفسهم ولو کان بهم خصاصة؟ قالوا لا! قال اما انتم فقد تبرأتم ان تکونوا من احد هذین الفریقین وانا اشهد انکم لستم من الذین قال الله فیهم والذین جاءوا من بعدهم یقولون ربنا

اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلاً للذین آمنوا ! اخرجوا عنی فعل اللہ بکم۔

(کشف الغمہ ص ۱۹۹ مطبوعہ ایران)

اور امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عراقیوں کا ایک گروہ حاضر ہوا آتے ہی حضرت ابوبکر حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی شان اقدس میں بکواس شروع کر دیا۔ جب چپ ہوئے تو امام عالی مقام نے ان سے دریافت فرمایا کہ کیا تم یہ بتا سکتے ہو کہ تم وہ مہاجرین اولین ہو جو اپنے گھروں اور مالوں سے ایسی حالت میں نکالے گئے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رضا چاہنے والے تھے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد و اعانت کرتے تھے اور وہی سچے تھے: تو عراقی کہنے لگے کہ ہم وہ نہیں ہیں۔

امام عالی مقام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پھر تم وہ لوگ ہو گے جنہوں نے اپنے گھر بار اور ایمان کو ان مہاجرین کے آنے سے پہلے تیار کیا ہوا تھا ایسی حالت میں کہ وہ اپنی طرف ہجرت کرنے والوں کو دل سے چاہتے تھے اور جو کچھ مال و متاع مہاجرین کو دیا گیا تھا اس کے متعلق اپنے دلوں میں کسی قسم کا حسد یا بغض یا کینہ نہیں پلتے اور اگرچہ وہ خود حاجتمند تھے مگر پھر بھی مہاجرین کو اپنے اوپر ترجیح دیتے تھے؛ تو اہل عراق کہنے لگے ہم وہ بھی نہیں ہیں۔

امام عالی مقام سید الساجدین رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم اپنے اقرار سے ان دونوں جماعتوں میں سے کسی ایک یعنی مہاجرین یا انصار سے ہونے کی برات ظاہر کر چکے ہو اور میں اس امر کی شہادت دیتا ہوں کہ تم ان مسلمانوں میں سے بھی نہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اور وہ مسلمان لوگ جو مہاجرین اولین اور انصار سابقین کے بعد آئیں گے وہ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں بخش اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش جو ہم سے ایمان کے ساتھ سبقت لیجا چکے اور ایمان والوں کے

Marfat.com

متعلق ہمارے دلوں میں کسی قسم کا کھوٹ، بغض اور کینہ، حسد یا عداوت نہ ڈال۔

یہ فرما کر امام عالی مقام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے یہاں سے نکل جاؤ اللہ تمہیں ہلاک کرے آمین ثم آمین

رسالہ مذہب شیعہ ص ۱۹ و ص ۲۰

تنزیہہ الامامیہ۔ از محمد حسین ڈھکو صاحب

مؤلف کشف الغمہ کی عادت اور روش یہ ہے۔ کہ وہ آئمہ اہل بیت کے حالات و کوائف اور فضائل و مناقب کتب اہل سنت سے نقل کرتے ہیں۔ اور اگر اس مذکورہ عبارت میں کوئی جملہ ان کے موقف و مسلک کے خلاف بھی آجاتے تو وہ اپنی دیانت داری کی وجہ سے عبارت میں کسی قسم کا کوئی تغیر و تبدل نہیں کرتے اور پھر اس کا جواب نہیں دیتے تاکہ مناظرہ کی کتاب نہ بن جائے (تا) یہ عبارت جس پر مصنف رسالہ نے اپنے قصر استدلال کی بنیاد قائم کی ہے۔ یہ شیخ کمال الدین بن طلحہ شافعی کی ہے۔ جو ان کی کتاب نور الابصار میں موجود ہے اس لیے اس کو ہمارے خلاف بطور حجت ہرگز نہیں پیش کیا جا سکتا۔ اور ایسا کرنا اصول مناظرہ کے سراسر خلاف ہے۔ ص ۹۵ تا ۹۶

تحفہ حسینیہ:۔ مگر دریافت طلب یہ امر ہے کہ وزیر باتدبیر اربلی صاحب نے یہ کتاب کس غرض ہدایت اور رہنمائی کے لیے تالیف فرمائی۔ اہل سنت تو اس کے ذریعے ہدایت اور رہنمائی حاصل کرنے سے رہے ان کے مسلک کی کتب میں ہی ان کے لیے سامان ہدایت اور اسباب رشد کافی دوافی طریقہ پر موجود ہیں۔ ایک غالی شیعہ کی کتاب سے وہ کیونکر اپنا دین حاصل کریں گے۔ اور اگر ان کو الزام دینا مقصود ہے کہ تمہاری کتابوں میں تصریح موجود ہے کہ ائمہ کرام شیخین رضی اللہ عنہما کو سب و شتم کرنے والوں کو مہاجرین و انصار اور ان کے علاوہ تابعین باحسان میں

Marfat.com

سے کسی فریق میں بھی شمار نہیں کرتے تھے۔ اور انہیں دھتکار کر اپنے درِ والا سے اٹھا دیتے تھے۔ تو ہم ا لیکن الزام دینے والا خود ہی۔ اس کا قائل ہو تو الزامی کاروائی بھی کالعدم ہو گئی۔ اور تحقیق و تدقیق بھی نہ رہی۔ تو آخر اوراق سیاہ کرنے کا فائدہ کیا رہا۔ صرف یہی کہ ڈھکو صاحب اور اس کے ساتھی ذلیل و خوار ہوتے رہیں۔ اور ہزار سعی و کوشش کے باوجود کوئی راستہ فرار کا نظر نہ آئے۔

(۲) ڈھکو صاحب۔ دیانت و امانت کے دعوے آسان ہیں۔ مگر عمل مشکل اور علی الخصوص آپ کے ہاں سے

خیال است و محال است و جنوں

جب اربلی صاحب اس کتاب کو مقبول عند الکل بنانے کا داعیہ رکھتے ہیں۔ اور سب کی رائے کے مطابق بنانے کا تو اتہیں اس روایت کی معنوی صحت اور اس کے ثبوت اور [illegible] اقعیت پر ایمان لانا بہر حال لازم اور ضروری ہے خواہ آپ ایمان نہ بھی لائیں۔

(۳) آپ نے کہا کوئی جملہ اپنے مسلک کے خلاف آجائے تو وہ من و عن نقل کرتے ہیں۔ اور بیچارے مناظرانہ انداز سے گریز کرتے ہوئے بالکل خاموشی سے آگے نکل جاتے ہیں۔ مگر یہ تو اول سے آخر تک ساری روایت ہی مسلک شیعہ پر برقِ آسمانی بن کر گری ہے۔ اور سارا محل ہی بھسم کر کے رکھ دیا ہے۔ صرف ایک جملہ کونسا ہے۔ جس پر آپ کے وزیر نے صبر سے کام لیا ہے۔

(۴) پھر امام عالی مقام نے قرآن مجید سے استدلال اور استنباط کیا ہے مہاجرین کا شان اخلاص اور اسلام کی خاطر سب کچھ قربان کرنے اور اللہ و رسول کی نصرت اور فضل خداوندی حاصل کرنے کے لیے گھروں اور اموال اور امتاع کو چھوڑ دینا ذکر کر کے دریافت کیا۔ کیا تم ان لوگوں میں سے ہو۔ پھر انصار کی۔

Marfat.com

خدمات اور امتیازی علامات گنوا کر دریافت کیا کہ تم ان میں سے ہو کیا مہاجرین و انصار کی منصوص من اللہ شان اور امام کا ان کی شان میں سب و شتم کرنے والوں سے سوال فرمانا بھی اربلی صاحب اور ان کے نیاز مند ڈھکو صاحب کو مسلم ہے یا نہیں ؟ اگر ہے تو مذہب کا بھانڈا چوراہے میں پھوٹا۔ اور اگر نہیں تو قرآنِ مجید اور حقیقت و واقعہ کا انکار لازم آیا۔ کیونکہ قرآن سے ان کی اس شان اور خداداد مقام اور مرتبہ کو کم چنانا تو ساری شیعہ برادری کے بس کی بات نہیں۔ اور نہ ان معترضین کے حق میں مہاجرین و انصار ہونے کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے رہ گئی تیسری آیت تو اس کا انکار بھی ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ قطع نظر ارشاد امام کے ہر ایک مومن اور مسلمان کو یہ ماننا لازم ہے کہ اہل اسلام کے تیسرے گروہ کی علامت بہر حال یہی ہے کہ پہلے گزرے بھائیوں کے حق میں دعائیں کریں اور ان کے خلاف اپنے دلوں میں کسی قسم کا کھوٹ اور میل پیدا نہ ہونے دیں۔ لہٰذا یہ روایت ساری کی ساری مذہب شیعہ کی بربادی اور اس کے بیخ و بن سے اکھڑنے کی موجب ہے اور اس میں قرآن اور امام کی زبان کی مطابقت و موافقت بھی اہل سنت کے مسلک کا اثبات و احقاق اور اہل تشیع کے مذہب و مسلک کا ابطال کرنے میں کافی و وافی ہے کیونکہ یہ امر واقعہ ہے۔ کہ ائمہ اہل بیت بالخصوص خلاف۔ قرآن نہیں ہو سکتے ورنہ فرمان رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم۔ ولن یتفرقا حتی یردا علی الحوض۔ کی خلاف ورزی لازم آئے گی۔ اور جب قرآن مجید نے اس حقیقت کا واشگاف الفاظ میں اظہار کر دیا ہے۔ تو امام زین العابدین بلکہ سب ائمہ کا اس کے ساتھ اتفاق تسلیم کرنا سب اہل ایمان کے لیے جزو ایمان ہے۔ اور جو قرآن کے مخالف ہوں اور ثقل اکبر کے باغی اگر اہل بیت انہیں اپنے دروازے سے نہ ہٹائیں اور نہ دھتکاریں تو . . . . اور کون ہے جو قرآن کی عزت کا پاس کرے گا اور اس کی پاسبانی کرے گا اور تصریح مرتضیٰ

Marfat.com

رضی اللہ عنہ نظر نواز ہو چکی کہ خلفاء سابقین اور شیخین رضی اللہ عنہما۔
مہاجرین اولین میں سے ہیں۔ لہذا اپنے آباء کے مسلک کا آپ تحفظ نہ کریں
تو اور کون کرے گا۔ اس لیے یہ کاروائی امام زین العابدین رضی اللہ عنہ پر لازم
تھی۔ اور واقعی آپ نے اپنا فرض منصبی باحسن طریق ادا فرمایا فجزاہ اللہ احسن
الجزاء۔

لہذا ڈھکو صاحب کی یہ ساری کوشش عبث اور بے کار ہے۔ اور اس
کے لیے فرار کی راہیں بالکل مسدود کیونکہ اربلی صاحب نے خود ان کے پاؤں کاٹ
ڈالے ہیں لہذا علامہ موصوف اربلی صاحب کے بارے میں یہی کہہ سکتے ہیں۔

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ با من ہر چہ کرد آں آشنا کرد

اور خود اربلی صاحب نے اپنا مطمح نظر واضح کر دیا ہے۔

خوش تر آں باشد کہ سر دلبراں۔
گفتہ آید در حدیث دیگراں۔

(نوٹ) ڈھکو صاحب نے امام محمد باقر رضی اللہ عنہ والی روایت میں بھی یہی چال چلی
ہے لہذا اس کا جواب بھی یہیں سے معلوم ہو گیا۔ اور جو روایت، ہم اپنی طرف
سے پیش کریں گے۔ اس کے متعلق بھی یہ حقیقت ذہن نشین رہنی ضروری
ہے۔ کہ صرف نام اہل سنت کا لیے کر یہ روایت نقل کی گئی ہے۔ لیکن
فی الواقع متفق علیہ اور مسلم عند الکل ہے۔

Marfat.com

ناسخ التواریخ اور فضائل صحابہ کرام علیہم الرضوان

کتاب ناسخ التواریخ جلد دوم، کتاب احوال امام زین العابدین رضی اللہ عنہ صفحہ ۵۹۰ پر امام الساجدین کے فرزند ارجمند حضرت زید کا ارشاد گرامی بھی ملاحظہ فرمالیں۔ اور اولاد رسول کی شان پر حق الیقین کریں۔

"طائفۂ از معارف کوفہ با زید بیعت کردہ بودند در خدمتش حضور یافتہ گفتند۔ رحمت اللہ در حق ابی بکر (الصدیق) وعمر چہ میگوئی؟ فرمود دربارۂ ایشاں جز بخیر سخن نکنم واز اہل خود نیز در حق ایشاں جز سخن خیر نشنیدہ ام وایں سخناں منافی آں روایتے است کہ از عبد اللہ بن العلاء مسطور افتاد با لجملہ زید فرمود ایشاں برکسے ظلم وستم نراندند وبکتاب خدا وسنت رسول کار کردند الخ"

(یعنی کوفہ کے مشہور ترین لوگوں کے ایک گروہ نے جس نے حضرت زید بن زین العابدین رضی اللہ عنہما سے بیعت کی ہوئی تھی ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ اللہ آپ پر رحمت کرے ابوبکر (صدیق)، اور عمر (رضی اللہ عنہما)، کے حق میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ میں ان کے حق میں سوائے کلمہ خیر کے اور کچھ کہنے کے لیے تیار نہیں اور اپنے خاندان سے بھی ان کے حق میں سوائے کلمہ خیر کے میں نے کچھ نہیں سنا صاحب ناسخ التواریخ کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن علا سے جو روایت لی جاتی ہے۔ امام کا یہ فرمان اس روایت کے سراسر خلاف ہے۔ حاصل یہ ہے کہ حضرت زید بن علی نے فرمایا کہ ابوبکر اور عمر نے کسی پر بھی ظلم نہیں۔

Marfat.com

کیا اور اللہ کی کتاب اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کاربند رہے۔ الخ)

اور کتاب ناسخ التواریخ جلد ۳ احوال زین العابدین رضی اللہ عنہ صفحہ ۹۱ سطر ۱ تا ۱۷ کا بھی مطالعہ فرمائیں اور الولد سر لابیہ کی تصدیق فرمائیں۔

"بالجملہ چوں مرداں در حق عمر و ابوبکر (صدیق) رضی اللہ عنہما آں کلمات را از زید بشنیدند گفتند ہمانا تو صاحب ما نیستی۔ امام از دست برفت و مقصود ایشاں امام محمد باقر علیہ السلام بود آنگہ از اطراف زید متفرق شدند، زید فرمود "رفضونا الیوم" یعنی مارا امروز گذاشتند و گذشتند و ازاں ہنگام ایں جماعت را رافضیہ گفتند، رَفض بتحریک و تسکین ماندن چیزی را بر گذاشتن ستوراست و رفیض در قوم بمعنی متروک است۔ روافض گروہے را گویند کہ رہبر خود را راندند و از وے بازگشتند و جماعت از شیعیاں باشند، در مجمع البحرین مذکور است کہ رافضہ و روافض کہ در حدیث وارد است فرقہ از شیعہ ہستند کہ رفضوا یعنی ترکوا زید بن علی بن الحسین علیہما السلام را گاہے کہ ایشاں را از طعن در حق صحابہ منع فرمود و چوں مقالہ او را بدانستند معلوم ساختند کہ از شیخین تبری نجست او را بگذاشتند و بگذشتند و از ایں پس ایں لفظ در حق کسے استعمال میشود کہ دریں مذہب غلو نماید و طعن دربارہ صحابہ را نیز جائز بشمارد"

(حاصل یہ کہ جب ان عراقیوں نے حضرت امام زین العابدین کے صاحبزادے حضرت زید کی زبان فیض ترجمان سے حضرت ابوبکر صدیق و عمر رضی اللہ عنہما کی تعریف سنی تو کہنے لگے کہ یقیناً آپ ہمارے امام نہیں ہیں اور امام وہی آج کے دن سے، ہمارے ہاتھ سے

Marfat.com

گیا۔ ان کا مقصود تھا امام محمد باقر علیہ السلام ۔ اس وقت زید کی طرف داری سے اور ان کی حاضری سے الگ ہو گئے ۔ جس پر حضرت زید نے فرمایا کہ آج یہ لوگ رافضی بن چکے ہیں ۔ یعنی ہمیں آج کے دن سے ان لوگوں نے چھوڑ دیا اور چلے گئے ۔ اس وقت سے اس جماعت کو رافضی کہتے ہیں ۔ رَفض اور رُفض کا معنا ہے سواری کو واگزار کرنا اور رفیض اور مرفوض کا معنی ہے متروک ہونا ۔ روافض اس گروہ کو کہتے ہیں جس نے اپنے امام اور رہبر کو چھوڑ دیا اور اس سے منہ پھیر لیا اور شیعوں کی جماعت سے ہو گیا اور مجمع البحرین میں ہے کہ رافضہ اور روافض جو حدیث شریف میں آیا ہے اس سے مراد شیعوں کا فرقہ ہے کیونکہ یہ رافضی بن گئے اور انہوں نے ۔

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت زید کا انکار کر دیا اور ان کو چھوڑ دیا کیونکہ آپ نے ان کو صحابہ کرام کے شان میں طعن کرنے سے منع فرمایا تھا ۔ جب ان لوگوں نے اپنے امام کا ارشاد سمجھ لیا اور معلوم کر لیا کہ وہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے حق میں تبرا برداشت نہیں کرتے تو ان لوگوں نے ان کو چھوڑ دیا اور نکل گئے اس کے بعد لفظ رافضی اس شخص کے حق میں استعمال ہونے لگا جو اس مذہب میں غلو کرتا ہے اور صحابہ کرام کے حق میں طعن کرنا جائز سمجھتا ہے ۔

بھائیو ! جب حضرت امام عالی مقام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کے حق میں طعن کرنے والوں کو اپنی مجلس سے نکال دیا اور رد فتنہ کیا اور فرمایا ۔ کہ نکل جاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں ہلاک کرے ۔ تو ان کے صاحبزادے اپنے والد ماجد کی سنت کو کیوں نہ اپناتے اور کیوں نہ سختی کے ساتھ اس پر عمل فرماتے الولد سر لابیہ کا یہی معنی ہے اب رفض اور تشیع کا ہم معنی ہونا اور مصداقاً متحد ہونا تو اہل تشیع

Marfat.com

کی اس معتبر ترین کتاب نے پوری اور مکمل تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا جو کسی تبصرہ کا محتاج نہیں۔

رہا یہ امر کہ جس حدیث کی طرف اہل تشیع کی معتبر کتاب مجمع البحرین نے اشارہ کیا اور صاحب ناسخ التواریخ نے اس کا ذکر کیا وہ کونسی حدیث ہے تو یہ وہی حدیث ہے جس حدیث کے متعلق کافی (کتاب الروضہ ص ۱۶) میں۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم ان لوگوں نے تو تمہارا نام رافضی نہیں رکھا بلکہ تمہارا نام اللہ تعالیٰ نے رافضی رکھا ہے کافی کی بعینہٖ عبارت پیش کرتا ہوں۔ (کافی شیعوں کی معتبر ترین کتاب ہے جس کے متعلق کئی دفعہ حوالے گزر چکے ہیں)

قال: قلت: جعلت فداك فانا قد نبذنا نبزًا انكسرت له ظهورنا وماتت به افئدتنا واستحلت له الولاة دماءنا في حديث رواه لهم فقهاءهم قال فقال ابوعبدالله عليه السلام الرافضة؟ قال قلت نعم قال لا والله ما هم سموكم بل الله سماكم الخ

یعنی ابو بصیر نے (جو حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا خاص الخاص شیعہ ہے) حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں آپ پر قربان جاؤں ہمیں ایک ایسا لقب دیا گیا ہے جس لقب کی وجہ سے ہماری ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ چکی ہے اور جس لقب کی وجہ سے ہمارے دل مردہ ہو چکے ہیں اور جس کی وجہ سے حاکموں نے ہمیں قتل کرنا مباح اور جائز قرار دیا ہے۔ وہ لقب ایک حدیث میں دیا ہے جس حدیث کو ان کے فقہا نے روایت کیا ہے ابو بصیر کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رافضہ کے متعلق حدیث؟ ابو بصیر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا جی ہاں امام صاحب

Marfat.com

نے فرمایا کہ خدا کی قسم ان لوگوں نے تمہارا نام رافضی نہیں رکھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام رافضی رکھا ہے"

تتمہ مبحث:

تحفہ حسینیہ: حضرت زید بن زین العابدین رضی اللہ عنہ کا شیخین سے برأت کا اظہار نہ کرنا بلکہ تیروں کی بارش اور تلواروں کی چھاؤں میں اعلان حق کرنا اور بالآخر سولی پر لٹک جانا اور جان جان آفریں کے سپرد کر دینا چونکہ شیعہ مذہب کی جڑ اکھیڑ کر رکھ دینے والا واقعہ ہے۔ اس لیے شیعہ صاحبان نے اس میں اینچ پینچ اور ہیرا پھیری کی بہتری کوشش کی ہے۔ لیکن۔

جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے

حق چھپانے سے چھپ نہیں سکتا۔ قاضی نور اللہ شوستری نے اس حقیقت کو بہت ٹال مٹول کے بعد تسلیم کر ہی لیا ہے۔ ملاحظہ ہو مجالس المومنین جلد دوم ۲۵۵، ۲۵۶ شوستری صاحب نے کہا تحقیق یہ ہے۔ کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے امامت کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ اور انہیں یقین تھا کہ اس زمانہ کے امام محمد باقر ہیں۔ بلکہ ان کا مقصد اس خروج سے یہ تھا۔ کہ متغلبان اہل زمان سے اہل بیت پر کیے گئے ظلم و ستم کا بدلہ لیا جائے۔ اور آپ ہر طرح لوگوں کو اپنے ساتھ ملانے میں کوشاں تھے۔ تاکہ اپنے خاندان کے دشمنوں کو دور کرتے اور ان کو مغلوب کرنے کی کوشش کر سکیں اور اس وقت میں جو شخص بھی بنو امیہ کے شر و ر اور جور سے تنگ آیا ہوا تھا۔ خواہ سنی خواہ معتزلی وہ ان کے ساتھ موافقت کرتا گیا۔ اور معاون و مددگار ہو گیا اور اہل تشیع میں سے جو ان کے ساتھ ہوئے بعض اس سبب سے ان کا ساتھ چھوڑ گئے۔ جو پہلے ذکر ہو چکا۔ کہ امام زماں کی طرف سے ان کو خروج کی اجازت نہیں ملی اور یہ صرف ان کا ذاتی فیصلہ ہے۔ لہٰذا وہ امام زماں یعنی امام محمد باقر کی اجازت کے بغیر ان کے بھائی کا ساتھ نہیں دے سکتے تھے اس لیے، جنگ کے کسی نتیجہ پر پہنچنے سے پہلے ان سے

Marfat.com

جدا ہو گئے۔

اور جن کو اس سبب اور حقیقی موجب کی اطلاع نہیں ہو سکی تھی یا امام زماں کی اجازت کے بغیر جنگ کرنے کو جائز سمجھتے تھے۔ انہوں نے جنگ کرنے پر کمر ہمت باندھی۔ لیکن جب مخالفین کی جماعتوں کو بھی ان کے ساتھ دیکھا تو دو گروہوں میں بٹ گئے جن کا حضرت زید کے ساتھ حسن ظن تھا۔ اور ان کے حقیقی عقائد کی پوری معرفت اور پہچان ان کو تھی۔ وہ ان کے حق میں کسی شبہ اور بدگمانی کا شکار نہ ہوئے۔ اور مخالفین کے ساتھ ان کی الفت کو ان کے اعتقاد پر اعتراض و تنقید کا موجب نہ سمجھے بلکہ ان کو مؤلفۃ القلوب کے قسم سے سمجھتے ہوئے حضرت زید کی محبت اور ہمدردی میں ائمہ اطہار کے اعداء سے انتقام لینے کے جذبے سے سرشار ہو کر میدان انتقام میں کود پڑے۔

و بعضے کہ ایشاں را زیادتی معرفت بحال زید نبود یا در تشیع غالی بودند موافق بودن او را با مخالف دلیل اختلال اعتقاد او خیال نمودند و در مقام امتحان او بودند تا آنکہ او را اعلیٰ روس الاشھاد تکلیف برات و سب شیخین نمودند و چون زید بنا بر رعایت مصلحت وقت و استمالت قلوب جمہور شیوۂ مدارا می ورزید لاجرم از اظہار تبرا امتناع نمود و آں جماعت معاملہ ناشناس او را در آں باب معذور نداشتند و در دست اعداء مخذولش گزاشتند۔

ترجمہ: اور شیعان کوفہ میں سے بعض جو زید بن زین العابدین رضی اللہ عنہما کے متعلق زیادہ معلومات نہیں رکھتے تھے یا تشیع میں غالی تھے انہوں نے آپ کو مخالفین کے ساتھ موافقت کرتے ہوئے دیکھ کر ان کے اعتقاد میں خلل اور فساد کا خیال کیا اور ان کا امتحان لینے کے درپے ہو گئے حتیٰ کہ ان سے مجمع عام میں شیخین سے برات اور ان کو سب کرنے کا مطالبہ کر دیا مگر جب حضرت زید نے مصلحت وقت کو ملحوظ

Marfat.com

رکھتے ہوئے ان کا مطالبہ پورا کرنے سے انکار کر دیا اور جمہور کی دلجوئی کو مقدم سمجھا تو لازمی طور پر اظہار تبرا اور سب و شتم سے گریز کیا اور اس معاملہ ناشناس اور حقیقت حال سے بے خبر جماعت نے ان کو معذور نہ سمجھا اور ان کو دشمنوں کے حوالے کر دیا اور امداد و اعانت سے دست کش ہو گئے۔

فوائد۔ شیعان کوفہ کے لیے گویا یہ پہلا موقعہ تھا کہ انہوں نے اپنے ساتھ اہل السنت کو بھی حضرت زید کی معاونت میں دیکھا تھا۔ حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں تمام تر اہل السنت آپ کے ساتھ تھے اور کوفہ میں شیعی عقائد کے لوگ اقل قلیل تعداد میں تھے۔ لہٰذا اس پر برہم ہونے اور برافروختہ ہونے کی کیا ضرورت تھی؟ صرف اور صرف یہ کہ آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی آڑ میں ان کو بدترین دشمنی کا نشانہ بنایا جائے اور یہود و مجوس کا جگر ٹھنڈا کیا جائے ورنہ یہ دیکھنے کی ضرورت نہ تھی کہ ان کے ساتھ کون کون ہیں۔ بلکہ صرف اس پر نظر رکھنے کی ضرورت تھی کہ ہم کس کے ساتھ ہیں اور کس کیلئے قربانی دے رہے ہیں

(۲) اگر ان کے ساتھ اہل السنت کو دیکھ کر ان کے عقیدہ میں اختلال کا شبہ ہو گیا تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق کیسے یقین رہا کہ وہ صحیح عقیدہ کے مالک ہیں، جب کہ ان کی طرف سے خطبات اور خطوط میں عظمت شیخین کا بار بار اعتراف پایا گیا اور کبھی آپ نے ان پر سب و شتم تو کجا امیر معاویہ پر سب و شتم کو بھی روا نہ رکھا بلکہ ان کے اور ان کے متبعین کے حق میں بھی دعا کرنے کا حکم دیا الغرض خلافت ملنے سے قبل آپ اہل السنت اور ان کے ائمہ کی موافقت و معاونت فرماتے رہے اور خلافت کی باگ ڈور سنبھالنے پر عالم اسلام کے اطراف و اکناف کے اہل السنت آپ کے معاون و مددگار اور جانباز و جانثار بن گئے اور آپ کے مخالفین خواہ وہ کس قدر ہی عظیم المرتبت تھے ان سے ٹکرا گئے ماسوا شام کے محدود علاقہ کے لہٰذا یہ کوئی عذر اور واقعی بہانہ آپ کا ساتھ چھوڑنے

Marfat.com

کا نہیں ہو سکتا تھا۔ اصل راز اس میں وہی ہے۔ جو عرض کیا جا چکا ہے۔

(۳) شوستری صاحب کو اعتراف ہے کہ غالی شیعوں نے تبرا اور سب و شتم کا مطالبہ کیا اور یہ بھی تسلیم ہے کہ آپ نے نتائج اور عواقب کی پروا کئے بغیر ان کے مطالبہ کو ٹھکرا دیا بلکہ شیخین رضی اللہ عنہما کی عزت و عظمت پر اپنی جان کو قربان کر دیا اور ریزہ دار تک سولی پر لٹک کر بتلا دیا کہ ہم اہل بیت ان محسنین اسلام اور مخلصین و وفاداران بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر جان تو قربان کر سکتے ہیں مگر ان کی شان میں ادنی گستاخی گوارا نہیں کر سکتے۔

(۴) یہاں سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ تقیہ کو آپ نے قابل عمل نہ سمجھا اور نہ ان کو تقیہ کے ہتھیار سے رام کیا جا سکتا تھا۔ جیسے بقول شیعہ صاحبان حضرت علی رضی اللہ عنہ سر عام خلفاء راشدین کی تعریف بھی فرما لیتے تھے اور علیحدگی میں شیعہ صاحبان کو بھی خوش کر لیتے تھے۔ نہ امام حسین کو یہ سلیقہ آیا اور نہ ہی حضرت زید رضی اللہ عنہ کو العیاذ باللہ

(۵) اس قول کی رو سے امام زید نے غالیوں کا مطالبہ ٹھکرایا اور سابقہ روایت کی رو سے حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ نے غالیوں کو اپنے دربار اور در دولت سے بھگایا جس سے ثابت ہو گیا کہ واقعی یہ حضرت زین العابدین کی تربیت کا اعجاز تھا کہ ان سنگین حالات میں آپ نے وفا شعاری کا حق ادا کر دیا اور بتلا دیا کہ صرف میں خود ان کو اچھا نہیں سمجھتا بلکہ از اہل خویش نیز در حق ایشاں جز سخن خیر نشنیدہ ام۔ جس گھر میں میں نے آنکھ کھولی جن آغوش ہائے کرامت میں پرورش پائی وہاں کبھی ان کے متعلق بھلائی اور خیر کے علاوہ بات تک نہیں کی جاتی تھی بلکہ ہمیشہ ان کی مدح و ستائش کی جاتی تھی۔

والحمد للہ علیٰ ذالک

Marfat.com

تنزیہہ الامامیہ:

ناسخ التواریخ کے متعلق تبصرا اور گلو خلاصی کی ناکام کوشش

یہ کتاب تاریخ کی ہے اور جس طرح تمام تاریخی کتابوں میں ہر قسم کا رطب ویابس موجود ہوتا ہے۔ اس کتاب میں بھی اس قسم کا مواد ہے بلکہ سب سے زیادہ ہے کیونکہ یہ ہے ناسخ التواریخ رتا، یہ کوئی تفسیر اور حدیث کی کتاب نہیں اور اس میں تمام اسلامی فرقوں کی روایات درج ہیں۔ مؤلف نے اس کتاب سے حوالہ جات نقل کرنے میں وہی دھاندلی روا رکھی ہے جو کشف الغمہ وغیرہ میں کی ہے ص ۲۴۷ ، ۲۴۸

تحفہ حسینیہ:

(۱) جب اپنی باری آئی تو پتہ چلا کہ تاریخی کتابوں میں ہر قسم کے رطب ویابس ہوتے ہیں مگر جب اہل السنت کے خلاف بلکہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے خلاف باطنی غیظ وغضب اور بغض وعناد کا اظہار کرنا تھا اس وقت کیوں خیال نہ آیا کہ یہ تاریخی کتابیں ہیں اور ان میں ہر قسم کے رطب ویابس ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کے پیش کرنے سے حیاء کر جائیں لیکن وہ مرضی کے مطابق تھیں اس لیے بڑی دھوم دھام سے پیش کیں اور عنوان یہ قائم کر دیا۔ کتب سیر سے مضمون بالا کی تائید یعنی اہل بیت کرام کے خلفاء ثلاثہ کے ساتھ اختلاف اور باہمی کدورت کی تائید میں جو حوالے دیئے ان میں مروج الذہب مسعودی ، تاریخ کامل ، تاریخ طبری ، تاریخ ابو الفداء وغیرہ ذکر کی ہیں۔ اور یہ خیال نہ کیا کہ آیات واحادیث اور ارشادات ائمہ کے مقابل ان تاریخی کتابوں کی کیا اہمیت ہے پھر بددیانتی یہ کہ مسعودی شیعہ ہے اس کی کتاب کا حوالہ بھی دے دیا اور ابن ابی الحدید معتزلی

Marfat.com

شیعی ہے اس کا حوالہ بھی دے دیا بلکہ زیادہ تر اسی کے حوالوں سے گزارا چلایا اور پھر لطف یہ کہ ہمارے خلاف جس مؤرخ کا حوالہ مل سکے وہ سبھی محقق زمانہ خواہ شبلی نعمانی ہو یا عبدالغنی کاشمیری ہو یا حافظ اسلم ہو اور اپنی باری آئے تو اتنا بڑا قلمکار بھی ناقابل اعتداد و اعتبار اور مردود۔

(۲) ڈھکو صاحب فرماتے ہیں کہ ناسخ التواریخ میں اس قسم کا زیادہ مواد ہے کیونکہ یہ ناسخ التواریخ ہے۔ کیا خوب کہا۔ کیا ناسخ کا معنی یہی ہوا کرتا ہے کہ منسوخ کی نسبت اس میں زیادہ خرابیاں اور کوتاہیاں ہوں قرآن۔ تورات و انجیل کے لیے ناسخ اور مذہب اسلام یہودیت و نصرانیت کے لیے ناسخ وہاں تولامحالہ ناسخ کا یہی معنی ہوگا کہ قرآن نے اس زمانہ کے مصالح مطلوبہ پر منطبق نہ ہو سکنے والے احکام کو منسوخ ٹھہرایا یا مرفہ احکام۔ کی حیثیت واضح کی اور مذہب اسلام نے اخلاق عالیہ کی تکمیل کر دی اور ادھورے معاملات کا نسخ کر دیا لیکن شیعہ صاحبان کا ناسخ وہ ہے جس میں منسوخ کی نسبت زیادہ خرابیاں۔ رطب و یابس، اور موضوعات موجود ہوں، کیوں نہ ہو ان کی گنگا الٹی جو بہتی ہے

(۳) ناسخ کے مؤلف نے بھی آغاز کتاب میں اس امر کا دعویٰ کیا ہے کہ میں۔ شیعہ و سنی دونوں فریق سے متفق علیہ روایات پیش کروں گا تاکہ دونوں۔ فریق کے لیے یہ کتاب قابل قبول ہو سکے مگر جب اپنے ہی اس کو قبول۔ نہیں کر رہے تو اہل السنت کیسے کریں گے تو گویا اس مؤرخ نے یوں ہی ہزاروں اوراق سیاہ کئے اور اپنا وقت اور قوم کا سرمایہ برباد کیا۔ الغرض اس کی اپنی قلم سے اس کتاب کا مقصد تالیف اور اس کو اہم اور مقبول ترین بنانے کا طریقہ کار ملاحظہ ہو۔

Marfat.com

ناسخ التواریخ میں متفق علیہ روایات ہیں

معلوم باد کہ راقم الحروف در تاریخ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم و آل او بیشتر خبر اہل سنت را بنگارد کہ شیعہ و سنی در آں اتفاق دارند اگر سخنی بر خلاف عقیدت علماء امامیہ اثنا عشریہ در میاں آید آنرا باز مینماید (ناسخ التواریخ جلد اول کتاب دوم ص ۳۵)

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رہے کہ راقم الحروف پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل کی تاریخ میں زیادہ تر اہل السنت کی ان روایات کو نقل کرتا ہے جن میں شیعہ اور سنی کا باہم اتفاق ہوتا ہے اور اگر کوئی روایت اور خبر علماء امامیہ اثنا عشریہ کے عقیدہ کے خلاف درمیان میں آتی ہے تو اس کی صراحت کر دیتا ہے اور حقیقت حال کی وضاحت کر دیتا ہے۔

دیکھا آپ نے ڈھکو صاحب! مؤلف خود کہتا ہے کہ اہل السنت کی روایات وہی نقل کرتا ہوں جس پر اہل تشیع کا بھی اتفاق ہوتا ہے اور اگر کوئی روایت شیعہ کتب کی یا اہل السنت کی کتابوں سے لی ہوئی شیعہ مسلک کے خلاف آتی ہے۔ تو اس کی وضاحت اپنے اوپر لازم اور ضروری سمجھتا ہے۔ آپ نے میرے خیال میں اپنی مذہبی کتابوں کو پڑھنے کی زحمت کبھی نہیں کی یا پھر ان کی عبارات پر غور و خوض کا موقعہ کم ملتا ہے ورنہ اس طرح جواب دینے کی جسارت نہ کرتے اور اپنے مصنفین کی محنت برباد نہ کرتے۔

(۲) اہل السنت کی روایات کے بغیر تمہارا کوئی مفسر اور سیرت نگار یا مؤرخ چل ہی نہیں سکتا کیونکہ جناب کا سلسلہ روایات منقطع ہے اور غیر مرفوع، زیادہ تر روایات کو حضرت امام جعفر صادق تک یا زیادہ ہمت کی تو امام محمد باقر تک پہنچا کر چھوڑ دیا اور جو واقعات ان کی پیدائش سے بھی پہلے گزر چکے۔ وہاں اہل السنت کی کتابوں سے ہی استفادہ کرنا پڑتا ہے تفسیر قمی میں اور صافی میں تفاسیر اہل السنت سے استفادہ نہیں کیا گیا تو انتہائی مختصر اور

Marfat.com

نامکمل تفسیریں نہیں۔ لیکن مجمع البیان اور منہج الصادقین وغیرہ میں بھرپور استفادہ کیا گیا ہے تو مبسوط ضخیم اور جامع تفاسیر بن گئیں للذا یہ تمہاری مجبوری ہے اس کے بغیر تمہیں چارہ ہی نہیں اور نہ نقل کرنے والے اس خیال سے نقل کرتے ہیں کہ یہ عقیدہ اہل تشیع کے منافی نہیں ہیں۔ خود نہج البلاغہ کے خطبات واقدی وغیرہ سے منقول ہیں۔ للذا اس کو بھی مردود اور ناقابل اعتبار قرار دے دو لیکن یہ ایک حقیقت ذہن نشین رکھو کہ تمہارے اسلاف نے ان کو سنی سمجھ کر نہیں بلکہ واقعات نگار سمجھ کر وہ روایات لی ہیں اس لیے اس بہانے اور عذر کو چھوڑ کر اگر دامن عقل و دانش میں تحقیق و تدقیق کا کوئی ریزہ ہے تو اسے پیش کرو۔

ناسخ التواریخ کی پہلی روایت، ڈھکو صاحب کے جوابات اور ان کی لغویت

(۱) موصوف نے پہلا جواب تو حسب عادت یہی دیا ہے کہ روایت اہل السنت سے لی گئی ہے جس کا جواب دیا جا چکا ہے کہ اس نے متفق علیہ روایات کا التزام کیا ہے۔

(۲) دوسرا یہ کہ حضرت زید بن علی رضی اللہ عنہما سے ایک دوسری روایت بھی منقول ہے جو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق ان کے اس عقیدہ کے برعکس عقیدہ پر دلالت کرتی ہے للذا اسی کا اعتبار ہوگا لیکن ہم قاضی نور اللہ شوستری شہید ثالث رئیس تقیہ باز ان کا قول پیش کر چکے ہیں۔ جس کا آغاز انہوں نے اس طرح کیا ہے "مؤلف گوید تحقیق آنست" اور اس کے بعد شیعہ صاحبان کے تین گروہ کر ڈالے ایک آغاز جنگ سے بھاگ جانے والوں کا جنکی طرف سے عذر یہ بیان کیا کہ انہوں نے جب معلوم کر لیا کہ امام زمان حضرت ابوجعفر محمد باقر رضی اللہ عنہ کی اجازت کے بغیر انہوں نے خروج کیا ہے، تو ساتھ چھوڑ دیا اور ایک جماعت نے عین موقعہ پہ سینوں کو امام موصوف

Marfat.com

کے ساتھ دیکھ کر ان کے عقیدہ کے متعلق شکوک و شبہات پیدا ہونے پر شیخین کے متعلق سوال کر دیا اور جب آپ نے تبرا سے گریز کیا تو انہوں نے آپ کو میدان جنگ میں چھوڑ کر گھر کی راہ لی اور تیسرا گروہ ساتھ رہا بیالیس ہزار نے بیعت کی تھی اور میدان کارزار میں پانچ سو باقی رہ گئے تھے مگر امام موصوف نے ساڑھے انتالیس ہزار کی کی رعایت نہ کی .

الغرض جب آپ کے قاضی القضاۃ اور شہید ثالث کی تحقیق یہ ہے تو آپ خلاف تحقیق بات کر کے اپنی آبرو اور ہمارا وقت کیوں برباد کرتے ہیں .

(۴-۱۰) ڈھکو صاحب فرماتے ہیں چونکہ دوسری روایت کی تائید بہت سی دیگر روایات سے ہوتی ہے لہذا وہی راجح ہوگی مگر تعجب ہے کہ روایات پر تو نظر جاتی ہے حقائق اور واقعات پر نظر کیوں نہیں جاتی کہ امام موصوف نے ان روٹھے ہوئے روافض کو ساتھ ملانے کی کیوں کوشش نہ فرمائی اور ان کو جدا علی ، حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کا حوالہ کیوں نہ دے دیا کہ وہ بظاہر خلفاء ثلاثہ کی تعریف بھی کر لیتے تھے اور حقیقی عقیدہ بھی اس کے خلاف تھا تاکہ اہل السنت کی تائید حاصل ہو سکے ، میں بھی الولد سر لابیہ پر عمل پیرا ہوں اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا واقعی یہی طرز تھا تو نہ آپ کو اس کے اظہار میں تامل ہو سکتا تھا اور نہ شیعہ کو اس عذر کے قبول کرنے میں لیکن ایسی کسی کوشش کا نہ پایا جانا بھی ہمارے لیے واضح دلیل ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے قربان ہو جانا گوارا کر لیا لیکن ایسے ملعونوں کی سعادت کو ٹھکرا دیا .

اب ، حضرت زید رضی اللہ عنہ پر سوال سامنے آتے ہی یہ حقیقت تو پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی کہ اس جواب کا ردعمل کیا ہوگا . تو آپ شیعہ صاحبان کو ناراض کرنے کی بجائے حقیقی عقیدہ ظاہر کر دیتے خواہ سنی ساتھ چھوڑ ہی جاتے کیونکہ کسی بھی فریق کے چھوڑنے پر انجام تو وہی ہونا تھا لیکن اس صورت میں آتا تو کہا جا سکتا تھا کہ امام موصوف نے حق پر ثابت قدمی کا حق ادا کر دیا اور موت کی آنکھوں

Marfat.com

میں آنکھیں ڈال کر بھی اظہار حق سے گریز نہ کیا۔ لیکن جب آپ نے شیعہ کا ساتھ چھوڑنا گوارا کر لیا اور جان دینا گوارا کر لیا مگر شیخین رضی اللہ عنہما کی شان میں سب و شتم اور ان سے برأت کا اظہار نہ کیا تو یہ حقائق اور واقعات ہیں یہ عقیدہ رکھنے پر مجبور کرتے ہیں کہ آپ کا واقعی عقیدہ صرف اور صرف وہی تھا۔ جس پر آپ شہید ہوئے اور جس کے برعکس کہلوانے کی کوشش کے باوجود ان دشمنان دین و ایمان کو منہ کی کھانی پڑی۔ بلکہ صاحب مجالس کے قول کے مطابق چالیس ہزار نے بیعت کی تھی۔ اور میدان میں صرف پانچ سو باقی رہ گئے تھے تو مطالبہ کرنے والوں کا مطالبہ پورا کرنے پر کسی حد تک کامیابی کا امکان تھا لیکن تبرا نہ کرنے پر یقینی شکست اور شہادت پیش آنے والی تھی۔ لہٰذا ایسی صورت حال کے باوجود امام موصوف کی اس نظریہ پر استقامت اور روافض کو ٹھکرانے کی پالیسی ایسی ٹھوس اور ناقابل تردید و انکار شہادت ہے جس کے مقابلہ میں ہزاروں روایات کی بھی پرکاہ کے برابر حیثیت نہیں رہ جاتی۔

(۴) ——— ڈھکو صاحب فرماتے ہیں۔ یہ روایت درایت اور عقل کے خلاف ہے کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ شیخین نے کتاب خدا اور سنت رسول پر عمل کیا اور کسی پر ظلم و ستم نہیں کیا اور یہ کہ وہ فرماتے ہیں میں نے اپنے اہل خاندان سے بھی ان کے حق میں سوائے خیر اور بھلائی کے کچھ نہیں سنا حالانکہ ہم قبل ازیں حقیقی اعتقادات ائمہ کے دربارہ خلفاء ثلاثہ میں ان کے خلاف اہل بیت کے نظریات بیان کر چکے ہیں اور ان کا ظلم بھی غصب فدک وغیرہ کے معاملہ میں ظاہر ہے تو اپنی جدہ ماجدہ کے ساتھ اس ظلم کا وہ انکار کیسے کر کر سکتے تھے۔ (ملخص از تنزیہ الامامیہ ص ۱۰۵)

(۵) ——— مگر کہاں روایات اور کہاں حقائق و واقعات جب حقائق و واقعات نے ثابت کر دیا کہ امام موصوف نے اہل تشیع پر اہل السنت کو اور شیخین رضی اللہ عنہما پر تبرا کی بجائے ان کی مدح و ثنا کو اختیار کر کے ہر چہ بادا باد ۔

مظاہرہ کیا تو پھر روایات کی طرف بھاگنے کا کیا مطلب ؟

(ب) ـــــ ہم نے کتاب اللہ کے آیات محکمات سے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ارشادات عامہ وخاصہ سے ان مقدس ہستیوں کا ایمان واخلاص اور ان کا رضائے الٰہی کی خاطر گھر بار اور خویش واقرباء کو خیر باد کہنا ثابت کر دیا اور حضرت امیر کی زبانی یہاں تک ثابت کر دیا کہ ان دونوں حضرات کا مرتبہ اسلام میں عظیم ہے اور ان کا وصال اسلام کے لیے ناقابل تلافی نقصان وغیرہ ذلک لہٰذا جب ان روایات کے ساتھ ان واقعات کو اور آیات بینات کو ملائیں تو اہل ایمان کے لیے وہی عقیدہ اپنائے بغیر چارہ نہیں رہتا جو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے تلواروں کی چھاؤں تیروں کی بارش اور نیزوں کی نوکوں کے سامنے بیان فرمایا ۔ والحمد للہ

(ج) ـــــ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کا فدک غصب ہوا اور ان پر ظلم ہوا یا نہیں اس کی بحث آئندہ اوراق میں فدک کی بحث میں آ جائے گی ۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ ڈھکو صاحب واقعات وحقائق کا مشاہدہ چھوڑ کر روایات کا سہارا لیتے ہیں حالانکہ وہ خود معترف ہیں کہ دوسری کتابوں کا تو کیا کہنا ہمارے نزدیک ہماری صحاح اربعہ بھی تمام تر صحیح نہیں عبارت ۔ ملاحظہ ہو۔

"حقیقت یہ ہے کہ شیعہ علماء محققین اپنی کتب اربعہ کے متعلق بھی دعویٰ نہیں کرتے کہ ان کے تمام مندرجات قابل قبول ہیں ص ۱۰۲"

قیاس کن زگلستان من بہار مرا جب روایات کی کتب معتبرہ کا حال یہ ہو تو ان کے بل بوتے پر ان ہستیوں کو مورد الزام ٹھہرانا جن کی عظمتوں کا قرآن قصیدہ خواں ہو، کہاں کا انصاف ہے ۔

دوسری روایت کے جوابات اور ان کا رد بلیغ

روایت کا ماحصل یہ تھا کہ شیعہ نے جب اپنی مرضی اور خواہش کے برعکس

Marfat.com

حضرت زید رضی اللہ عنہ کی طرف سے اظہار براءت کی بجائے تعریفی کلمات سنے تو ان کا ساتھ چھوڑ دیا اور امام موصوف نے فرمایا رفضونا الیوم اس وقت سے اس جماعت کو رافضی کہتے ہیں یعنی چھوڑ جانے والے۔ اور جب اسی لقب کے متعلق ابو بصیر نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں شکایت کی اور اس کی وجہ سے ہونے والے تشددات کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا بخدا ان لوگوں نے تمہارا نام رافضی نہیں رکھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام رافضی رکھا ہے۔

ڈھکو صاحب فرماتے ہیں اس ابو بصیر والی روایت کا ایک تتمہ بھی ہے جسے نظر انداز کیا گیا ہے ورنہ ہمیں جواب کی ضرورت نہ پڑتی اور وہ یہ ہے کہ جب فرعون کے جادوگر حضرت موسیٰ کا معجزہ دیکھ کر ایمان لے آئے تو خداوند عالم نے ان کا نام رافضہ رکھا یعنی فرعون اور اس کے انصار دلعوان کو ترک کرنے والے اور پھر یہ لقب باقی رہ گیا یعنی جو بھی اچھے لوگ برے لوگوں کو چھوڑ دیں ان کو رافضی کہا جاتا ہے الخ ص ۱۰۸۔

الجواب بفضل اللہ الوھاب

(۱) ——— حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے صرف ناسخ التواریخ اور مجمع البحرین میں جس حدیث کی طرح اشارہ کیا گیا تھا اس حدیث کی نشاندہی فرما دی۔ نہ آپ کا مقصد بالتفصیل وہ روایت بیان کرنا تھا۔ اور نہ ہی یہ آپ کی ذمہ داری تھی بلکہ صرف یہ بتلانا تھا کہ ابو بصیر نے اس لقب کی وجہ سے درپیش مشکلات کا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے آگے رونا رویا جس سے واضح ہوا کہ جو شیعہ ہیں وہی رافضی ہیں ورنہ ابو بصیر جو خاص الخاص شیعہ تھا اس کو اس لقب کی وجہ سے اپنے امام کے سامنے اس آہ و بکا کی ضرورت کیا تھی جب مقصد اتنا تھا۔ تو وہ اس قدر حصہ کے ذکر سے ہی پورا ہو گیا ساری روایت کو ذکر کرنا مقصد سے خارج تھا لہٰذا آپ کیوں ذکر فرماتے

Marfat.com

(۲) ــــــــ رہا یہ سوال کہ روضہ کافی میں تو رافضہ کا لقب عظمت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ فرعون کو چھوڑنے والوں کو رافضہ کہا گیا تھا اور وہ ابھی تک باقی تھا الخ اس کا جواب ناسخ التواریخ کے مؤلف اور مجمع البحرین کے مؤلف کی ذمہ داری ہے نہ کہ حضرت شیخ الاسلام کی کیونکہ یہ انہوں نے کہا ہے ازیں پس ایں لفظ در حق کسے استعمال میشود کہ درایں مذہب غلو نماید و طعن درباره صحابہ را نیز جائز بشمارد (یعنی اس واقعہ ہائلہ اور حادثہ فاجعہ (شہادت حضرت زیدؓ) کے بعد یہ لفظ رافضی کا اس شخص کے حق میں استعمال ہونے لگا ہے جو اس مذہب تشیع میں غلو اور تجاوز سے کام لے اور صحابہ کے حق میں طعن و تشنیع کو جائز شمار کرے۔ آپ تو اس کے ناقل ہیں۔

(۳) ــــــــ چلو ہم سے ہی تطبیق کا مطالبہ کرتے ہو تو ہم ہی بتلا دیتے ہیں کہ یہ لقب یہودیوں کا تھا اور جب وہی یہودی عبداللہ بن سبا اور اس کے ساتھی اسلام میں داخل ہوئے اور اسلام کے خلاف سازشیں شروع کیں کبھی صحابہ کرام پر طعن و تشنیع سے کام لیا اور کبھی اہل بیت کرام کے ہمدرد بن کر ان کو میدانِ جنگ میں اتار دیتے اور رہبر بانے بنا کر ساتھ چھوڑ جاتے تو سابقہ نام سے ہی پکارے جانے لگے لہٰذا کوئی منافات اور مخالفت باقی نہ رہی یعنی اب بھی رافضی کو یہودیوں پر ہی استعمال کیا گیا اور آپ کے نزدیک جب صحابی رسول ہونا ایمان کی ضمانت مہیا نہیں کرتا تو رافضی جو یہود کا لقب تھا اور انہی کا رہا اس سے آپ لوگوں کی کون سی عظمت ثابت ہو سکتی ہے

(۴) ــــــــ ڈھکو صاحب نے ساحران فرعون کا تائب ہو کر موسیٰ علیہ السلام کے حلقہ غلامی میں آنا رافضی کہلانے کا سبب بتلایا ہے حالانکہ یہ غلط محض ہے اور کذب قبیح کیونکہ روضہ کافی میں قطعاً اس طرح نہیں ہے عبارت ملاحظہ ہو۔ أما علمت یا ابا محمد ان سبعین رجلا من بنی اسرائیل رفضوا فرعون وقومه لما استبان لهم ضلالهم فلحقوا بموسى لما

Marfat.com

استبان لهم هداه فسموا في عسكر موسى الرافضة صف ۳۲ -

روضہ کافی مطبوعہ طہران یعنی بنی اسرائیل کے ستر آدمی جنہوں نے فرعون اور اس کی قوم کو چھوڑا جب کہ ان پر فرعونیوں کی گمراہی واضح ہو گئی تو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ لاحق ہو گئے جب ان کا حق ان پر واضح ہو گیا۔ تو ان کو رافضہ کہا گیا۔ اور یہ بات محتاج وضاحت نہیں ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام تمام اہل و عیال سمیت حضرت یوسف علیہ السلام کی دعوت پر مصر میں تشریف لے گئے اور وہیں آباد ہوئے تھے اور جادوگر مدائن سے بلائے گئے "کما قال تعالیٰ حکایة عن آل فرعون: أرسل في المدائن حاشرين یاتوك بكل ساحر عليم" لہٰذا یہ روایت بذات خود غلط ہے اگر اس سے جادوگروں میں سے ستر آدمی مراد ہیں تو کیونکہ خلاف قرآن ہے رہا قوم بنی اسرائیل کا معاملہ تو ان کا صدق و اخلاص کبھی ساحل قلزم پر نظر آجاتا ہے جب موسیٰ علیہ السلام کو کہتے ہیں انا لمدرکون ہم مارے گئے اب کدھر جائیں آگے پانی پیچھے فرعون اور اس کا لشکر۔ اور کبھی بچھڑے کی پوجا پر اور خاص الخاص رافضہ کا حال طور پر ظاہر ہو جاتا ہے جب کہ اعلان کر دیا۔ لن نؤمن لك حتى نرى الله جهرة " ہم محض تمہارے کہنے پر اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے جب تک خود علانیہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ نہ لیں تو اللہ تعالیٰ نے بجلی گرا کر تباہ و برباد کر دیا اور تھے وہ بھی ستر ہی ذرا تحقیق کر کے بتلانا کہ وہ یہی ستر تو نہیں تھے کیونکہ ساری قوم سے موسیٰ علیہ السلام نے انہیں کو منتخب جو فرمایا تو ظاہر ہے کہ انہیں پر فرعون کا ضلال اور موسیٰ علیہ السلام کا حق اچھی طرح ہی واضح ہو چکا ہو گا اور بہت بڑے رافضی وہی ہوں گے جنہوں نے پہلے فرعون کو چھوڑا اور اب طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چھوڑا۔

(۵) ــــــ ڈھکو صاحب فرماتے ہیں اس وقت کے رافضیوں نے فرعون کو چھوڑا اور اس وقت کے رافضی بھی فرعون صفت لوگوں کو چھوڑ رہے

Marfat.com

ہوئے ہیں مگر اس وقت تو انہوں نے امام زین العابدین کے نورِ نظر کو اور محبوب فرزند کو چھوڑا جن کے منہ میں وہ اس وقت تک لقمہ نہیں رکھتے تھے۔ جب تک اسے اپنے منہ میں رکھ کر اطمینان نہ کر لیتے کہ گرم نہیں اور میرے بیٹے کو تکلیف نہیں دے گا اور انہوں نے امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کے بھائی کو چھوڑا۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے چچا کو چھوڑا جن کی خبر شہادت سن کر وہ خون کے آنسو روتے رہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا نعوذ باللہ نگاہ رفض و تشیع میں وہ بھی فرعون وقت تھے۔ علاوہ ازیں یہ لقب انہوں نے اور ان کے ساتھ بچ جانے والوں نے تجویز کیا۔ تو اگر اللہ تعالیٰ کی مخالفت کی ہے تو انہوں نے کی ہے نہ کہ ہم نے۔ قاضی نور اللہ شوستری نے تصریح کی ہے کہ حضرت زید نے فرمایا۔

رفضونی، مرا ترک کردند آں قوم کہ با زید بماندند ایں قوم را رافضہ نام نہادند ص۲۵۳ مجالس المؤمنین زید آں طائفہ را مخاطب گردانید گفت یا قوم رفضتمونی بنا بر ایں سخن اسم رافضی بر شیعہ اطلاق یافت ص۲۵۳ لہذا یہ سوال حضرت زید رضی اللہ عنہ سے کیا جانا چاہیے کہ روافض تو فرعونوں کو چھوڑنے والوں کا نام تھا تم نے اہل بیت کے محبوں پر اس کا اطلاق کیوں کیا؟ جب کہ ہماری محبت کا ثبوت اپنی سر کی آنکھوں سے مشاہدہ کر چکے ہو۔

(۶) ــــــــ علاوہ ازیں نام برقرار رہتے ہیں لیکن معنوی تبدیلی ہو ہی جاتی ہے فرعون کے دور میں اہل مصر کو شیعہ کہا جاتا تھا۔ حالانکہ وہ فرعون کے پجاری تھے اور اب ماشاء اللہ ان کو کہا جاتا ہے جو سفید گھوڑوں کے پجاری بناوٹی قبروں کے پجاری اور لکڑی کے تابوت کے پجاری ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو الوہیت کے منصب پر فائز ماننے والوں اور چودہ صدیاں گزرنے کے باوجود آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے صرف بارہ کو کامل ماننے والوں، امام حسن رضی اللہ عنہ کی ساری اولاد اور امام حسین رضی اللہ عنہ

Marfat.com

کی اولاد میں بعض کو کذاب اور بعض کو مرتد ماننے والوں پر اطلاق کیا جاتا ہے اور مساجد چھوڑ کر نئے عبادت خانے تیار کرنے والوں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام تر صحابہ الا ماشاء اللہ کو مرتد اور منافق سمجھنے والوں پر لہٰذا اگر اس وقت رافضی کے معنی میں کوئی خیر والا پہلو تھا بھی تو اب وہ عنقا ہو گیا جس طرح لقب شیعہ میں بقول شیعہ اس وقت کوئی شر والا پہلو موجود تھا تو اب خیر ہی خیر ہو گیا چشم بد دور

مذہب شیعہ : حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز

رافضیوں والی حدیث احتجاج طبرسی

مطبوعہ ایران میں بھی موجود ہے اگرچہ اہل تشیع کی کتاب کافی کی روایت کے بعد اہل تشیع کی خدمت میں اس حدیث کی توثیق کے لیے مزید شہادت کی ضرورت نہیں علی الخصوص ایسی حالت میں کہ جب امام صاحب اس حدیث کی توثیق میں یہ فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ کی قسم اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام رافضی رکھا ہے مگر ہم چاہتے ہیں کہ مومنین کو خوش کرنے کے لیے بطور استشہاد ایک حدیث پیش کر ہی دیں۔

عن علی قال یخرج فی آخر الزمان قوم لهم نبز یقال لهم الرفضة یعرفون به فینتحلون شیعتنا ولیسوا من شیعتنا وآیة ذلك انهم یشتمون ابا بکر وعمر ولیسوا من شیعتنا اینما ادرکتموهم فاقتلوهم فانهم مشرکون۔

حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آخر زمانہ میں ایک فرقہ نکلے گا جس کا خاص لقب ہو گا جس کو لوگ رافضی کہیں گے اسی لقب کے ساتھ ان کی پہچان ہو گی وہ لوگ ہمارے شیعہ ہونے کا دعویٰ کریں گے اور درحقیقت وہ ہماری جماعت سے نہیں ہونگے اور ان کے ہماری جماعت سے نہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ لوگ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حق میں سب بکیں گے تو وہ تمہیں جہاں کہیں ملیں ان کو قتل کر دینا کیونکہ وہ مشرک ہوں گے۔

Marfat.com

اس حدیث کی صحت کے متعلق صرف اس قدر کافی ہے کہ بعینہ وہی الفاظ اور وہی مضمون جو حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش ہوا جس کی تصدیق حضرت امام جعفر صادق نے فرمائی اس حدیث میں موجود ہے اس لیے اگرچہ یہ حدیث ہم کنز العمال سے پیش کر رہے ہیں۔ اور یہ کتاب اہل تشیع کے نزدیک معتبر نہیں ہے مگر اس حدیث کا ان کے نزدیک بھی صحیح ہونا کسی مزید دلیل کا محتاج نہیں ہے جیسا کہ عرض کر چکا ہوں کنز العمال میں یہ حدیث اور اس کی ہم معنی باقی احادیث ملاحظہ فرمائی ہوں تو جلد نمبر ۶ ص ۸۱ پر دیکھیں در رسالہ مذہب شیعہ ص ۲۴، ۲۵

تنزیہ الامامیہ از علامہ محمد حسین ڈھکو صاحب

جواباً عرض ہے پیر صاحب نے جس روایت پر اعتماد کر کے مظلوم شیعوں کے قتل کا جواز پیش کرنے کی ناکام کوشش کی ہے وہ اصول روایت اور درایت کے مطابق ناقابل اعتماد ہے۔ روایت کے لحاظ سے اس طرح کہ یہ ان کی اپنی مذہبی کتاب کی روایت ہے جسے ہمارے خلاف بطور حجت پیش نہیں کیا جا سکتا کیونکہ مناظرہ کا یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ استدلال میں مد مقابل کے مسلمات پیش کئے جاتے ہیں ان سے کون پوچھے کہ آیا کنز العمال بھی شیعوں کی معتبر ترین کتاب ہے۔ اور درایت کے لحاظ سے اس طرح کہ اس روایت میں مذکورہ ہے کہ ابوبکر و عمر کو برا کہلا کہنے والے رافضی آخر زمانہ میں پیدا ہوں گے مگر خود پیر صاحب بیان کر چکے ہیں کہ جو لوگ حضرت زید کو چھوڑ گئے وہ رافضی تھے اور وہ شیخین کو برا سمجھتے تھے ص ۱۰۹، ۱۰۸۔

تحفہ حسینیہ: از محمد اشرف السیالوی

(۱) ــــــ ڈھکو صاحب نے کنز العمال والی روایت کا پیش کرنا اصول روایت اور درایت کے خلاف قرار دیا ہے جس میں روایتی پہلو یہ بیان کیا کہ اہل السنت

Marfat.com

کی مذہبی کتاب ہے مگر شیخ الاسلام قدس سرہ نے کب کہا کہ یہ مذہب شیعہ کی ہے اور ان کے نزدیک معتبر ہے آپ نے تو اس کو صرف اس مناسبت سے پیش فرمایا کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ان کے خاص الخواص شیعہ نے کہا کہ ایک لقب ہمیں دیا گیا ہے جس نے ہماری کمر توڑ کر رکھ دی اور قلوب کو مردہ بنا دیا ہے اور حکام وقت نے اس کی وجہ سے ہمارا خون بہانا مباح سمجھ رکھا ہے اس حدیث کی وجہ سے جو ان کے فقہا نے روایت کی ہے تو امام صاحب نے فرمایا کون سا لقب رافضہ والا؟ تو ابو بصیر نے کہا بالکل وہی لقب تو آپ نے فرمایا یہ لقب تمہیں اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔

نوٹ: ڈھکو صاحب کو اگر صدق سالبہ کے صور محتملہ کا علم ہوتا تو وہ حضرت شیخ الاسلام کے اس جملہ کا معنی باآسانی سمجھ جاتے کہ یہ کتاب اگرچہ شیعہ کے نزدیک معتبر نہیں "کے صدق کی یہ صورت ہے کہ ان کی مذہبی کتاب ہے نہ ان کے ہاں معتبر یعنی یہ سالبہ سلب موضوع کے ساتھ سچا آیا مگر علامہ صاحب اس جملہ کا معنی و مفہوم سوچے سمجھے بغیر گرجنے کے درپے ہیں۔

جب امام صاحب رضی اللہ عنہ کے سامنے اس شیعہ شخص نے حدیث کی آڑ میں اس لقب سے ملقب لوگوں کے قتل وغیرہ کا ذکر کیا اور آپ نے اس حدیث یا اس کے لازمی تقاضے کے متعلق کچھ کہنے سے پہلے ہی اس لقب کی نشاندہی کر دی تو معلوم ہوا کہ آپ اس کو جانتے اور مانتے تھے جس کو اصطلاحی زبان میں حدیث تقریری کہا جاتا ہے اور جو کچھ کتاب کافی سے حدیث تقریری کے طور پر ثابت ہوا وہی کنز العمال والی روایت سے تصریح کے طور پر ثابت ہو گیا لہٰذا دونوں کی موافقت کے بعد مزید توثیق کی ضرورت ہی نہ رہی اور اس کا پیش کرنا صحیح ہو گیا۔ لیکن نہ اس لحاظ سے کہ یہ کتاب اہل تشیع کی ہے یا ان کے ہاں معتبر ہے بلکہ اس لیے کہ جو مضمون اس میں ادا کیا گیا ہے وہی مضمون کافی والی روایت میں بھی ادا کیا گیا ہے۔

(۲) ——— اور ابھی قاضی القضاۃ نور اللہ شوستری صاحب کی زبانی یہ بات

Marfat.com

نظر نواز ہو چکی کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کی شہادت والے حادثہ فاجعہ کے بعد رافضہ کا لقب انہیں لوگوں کو دیا گیا بلکہ خود حضرت زید نے دیا جو ان سے سب و شتم اور تبرا کا مطالبہ کر رہے تھے اور بالآخر میدان کارزار میں چھوڑ گئے اور عملی طور پر مروانیوں کو تقویت بہم پہنچائی اور ان کے غلبہ اور کامیابی کا سامان فراہم کیا۔ اس پس منظر میں دیکھیں تو روضہ کافی والی روایت میں جو تتمہ موجود ہے اور جس پر ڈھکو صاحب نے نظر جما رکھی ہے وہ سراسر موضوع و من گھڑت ہے ورنہ خود حضرت زید رضی اللہ عنہ پر کیا فتویٰ لگے گا ؛ حالانکہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو جب اطلاع ملی کہ حکم بن عباس کلبی نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی شہادت پر یہ دو شعر کہے ہیں۔

صلبنا لکم زیدا علی جذع نخلة ۔ ولم نر مهدیا علی الجذع یصلب

وقستم بعثمان علیا سفاهة ۔ وعثمان خیر من علی واطیب

ہم نے تمہارے زید کو سولی پر لٹکایا یعنی کھجور کے تنا پر اور ہم نے نہیں دیکھا کہ کسی مہدی کو تنا پر سولی دیا گیا ہو اور تم نے کم عقلی سے علی (المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) کو عثمان (ذوالنورین رضی اللہ عنہ) کے برابر قرار دیا حالانکہ عثمان علی سے بہتر اور پاکیزہ تر ہیں۔ تو آپ نے کہا "اللهم ان کان عندك کاذبا فسلط علیه کلبك" اے اللہ اگر یہ کلبی تیرے نزدیک کاذب ہے تو اس پر درندہ کو مسلط فرما چنانچہ آپ کی دعا کو اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت بخشا اور ایک شیر نے اس کو کوفہ کے راستہ میں پھاڑ کھایا اور آپ نے یہ خبر سن کر فرمایا "الحمد للہ الذی انجزما وعدنا" لہٰذا حضرت زید رضی اللہ عنہ کا مہدی اور مہتدی ہونا اور حق پر ہونا جب مسلم ہے اور ان کو چھوڑ جانے والوں کا رافضی ہونا بھی مسلم تو پھر تتمہ کا من گھڑت ہونا بھی مسلم ہی ہونا چاہیے اور یہ خود ڈھکو صاحب کو تسلیم ہے کہ شیعہ علماء و محققین کے نزدیک ان کے صحاح اربعہ کے مندرجات بھی تمام تر صحیح اور قابل اعتبار نہیں ہیں۔

Marfat.com

(۳) ـــــــ علاوہ ازیں ناسخ التواریخ اور مجمع البحرین کی عبارت سے واضح ہو چکا کہ رافضہ غالیوں کا لقب ہے اور غالی و مفرط خود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فرمان کے مطابق ہلاک ہونے والے ہیں۔ دنیوی عذاب کے لحاظ سے نہ ہوں تو آخروی تو لازمی ہے جیسے کہ فرمایا سیهلك فی صنفان محب مفرط یذهب به الحب الی غیر الحق ومبغض مفرط یذهب به البغض الی غیر الحق وخیر الناس فی حالاً النمط الاوسط فالزموه والزموا السواد الاعظم فان ید الله علی الجماعة ۔"

یعنی میری وجہ سے دو گروہ ہلاک ہوں گے ایک محبت میں افراط اور غلو سے کام لینے والا گروہ جس کو میری محبت راہِ حق کی بجائے باطل اور گمراہی کے راستہ پر ڈال دے گی اور دوسرا بغض و عناد رکھنے والا گروہ جو میری عداوت کی وجہ سے میری شان میں کمی اور کوتاہی کرے گا اور راہِ حق سے بھٹکنے والا ہوگا اور میرے حق میں بہتر حالت اور اچھی عاقبت والا وہ گروہ ہے جو درمیانی راہ اختیار کرنے والا ہے لہٰذا اسی کو لازم پکڑو اور سواد اعظم اور جمہور کے راستہ کو اپناؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت اور جمہور پر ہے۔

لہٰذا ان غالیوں اور حد سے متجاوز لوگوں کی وکالت کر کے ڈھکو صاحب انہیں عذاب دنیا و آخرت سے بچا نہیں سکتے اور نہ کنز العمال والی روایت کی معنوی صداقت کو چیلنج کر سکتے ہیں اور نہ کتاب الروضہ کے تتمہ کو ان غالیوں پر چسپاں کر سکتے ہیں۔ اس لیے اصول روایت کی مخالفت کا دعویٰ لغو اور باطل ہو گیا و الحمد للہ

(۴) ـــــــ اب لیجئے درایت والے پہلو کو کہ کنز العمال والی روایت کی رو سے ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو سب و شتم کرنے والے آخر زمانہ میں پیدا ہونے چاہئیں حالانکہ خود پیر صاحب کو اعتراف ہے کہ وہ

Marfat.com

رافضی حضرت زید کے زمانہ میں پیدا ہو چکے تھے۔ مطلب یہ ہوا کہ آخر زمانہ۔ بکتے ہیں بالکل قیامت کے ساتھ متصل وقت کو اور ان کا ظہور ہو گیا تھا ۱۲۱ھ میں لہٰذا یہ روایت عقل کے خلاف ہو گئی کیونکہ ۱۲۱ھ کو آخر زمانہ کہنا ناممکن ہے اور محال۔ مگر ڈھکو صاحب کو یہ خیال نہ رہا کہ آخر کبھی حقیقی ہوتا ہے اور کبھی اضافی، دیکھئے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیغمبر آخر الزمان ہونا امتیازی وصف ہے حالانکہ پندرھویں صدی جا رہی ہے اور خدا جانے کتنی صدیاں مزید گزریں گی تب قیامت قائم ہو گی تو پھر آپ بھی نعوذ باللہ پیغمبر۔ آخر الزمان نہ ہوئے بلکہ قیامت کے نزدیک تشریف لاتے تب آخر الزمان کہلا سکتے تھے۔

۵ . بریں درایت بباید گریست۔

اسی طرح حدیث خوارج میں یہی الفاظ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں

سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول یخرج فی آخر الزمان قوم احداث الاسنان سفهاء الاحکام۔ الحدیث

الحدیث (شرح حدیدی جلد ثانی ص ۲۶۷) اگر آخر الزمان کا وہ معنیٰ ہے جو ڈھکو صاحب نے بیان کیا ہے تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ان کا خروج کیونکر متصور ہو سکتا ہے؟ الغرض آخر زمانہ میں ظہور کا مطلب یہی ہے کہ ہمارے بعد والے زمانہ میں قریب ہو یا قدرے بعید، اس لیے یہ استحالہ یہاں پیش کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے؟

(۵) ـــــ نیز ڈھکو صاحب کو یہ بھی اعتراض ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب تو تسلیم کرتے ہیں کہ یہ فرقہ حضرت امیر کی حینِ حیات ۳۵ھ میں پیدا ہو گیا تھا۔ (ص ۱۱۵) تو پھر آخر زمانہ کہاں رہا بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنا دور ہی ان کے خروج کا دور ہوا مگر یہاں بھی مجتہد صاحب کو خطا اجتہادی ہو گئی۔ کیونکہ روایت میں یخرج فی آخر الزمان قوم لھم نبز یقال لھم الرفضۃ ہے جس

Marfat.com

کا واضح مطلب یہ ہے کہ وہ تعداد میں بھی زیادہ ہوں گے اور اس لقب خاص کے ساتھ ممتاز بھی ہوں گے اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے جو کچھ فرمایا ہے۔ وہ بھی برحق ہے اس وقت بھی ابن سبا ملعون کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے اس قسم کے عقائد کا بیج بو دیا گیا تھا۔ لیکن حضرت امیرالمومنین کی سطوت اور محاسبہ کی وجہ سے ان کو کھل کھیلنے کا موقع نہ مل سکا لیکن بعد والے دور میں اس حد تک بے باک ہو گئے کہ میدان کارزار میں لشکر اسلام کے سامنے علانیہ ایسے مطالبے شروع کر دیے اور پھر کسی ڈر جھجک کے بغیر مطالبہ پورا نہ ہونے پر علیحدہ ہو گئے اس کا نام ہے خروج و ظہور، اور یہ واقعی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے عرصہ دراز بعد ظہور پذیر ہوا للہذا آپ کا فرمان "یخرج فی آخر الزمان" بالکل درست اور برمحل ہو گیا جیسے کہ خوارج کی بنیاد سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پڑ چکی تھی لیکن فرمایا کہ آخر زمانہ میں ایسے لوگ ظاہر ہوں گے جن کی نمازوں کے مقابل تم اپنی نمازوں کو حقیر سمجھو گے اور ان کے روزوں کے مقابل اپنے روزوں کو ایسے للہذا رفض اور تشیع کے نظریات مخصوصہ کی بنیاد اگرچہ حضرت امیر کے دور امارت میں ابن سبا کے ہاتھوں رکھی جا چکی تھی لیکن کما حقہ ان کا ظہور بعد میں ہوا۔

(۶) ——— نیز ڈھکو صاحب فرماتے ہیں کہ اس روایت میں "فانہم مشرکون" کہا گیا ہے اور یہ بات حقائق کے سراسر خلاف ہے کہ شیعہ مشرک ہیں حالانکہ وہ خداوند عالم کو ذات و صفات اور افعال و عبادت میں واحد و یکتا مانتے ہیں ویسے اگر پیر صاحب کو بلا وجہ صرف ولایت اہل بیت کے جرم میں

ہمارے خون ناحق میں ہاتھ رنگین کرنے کا شوق ہے تو

ع تو مشق ناز کر خون دو عالم میری گردن پر

گویا اس وجہ سے بھی یہ روایت خلاف درایت ہے۔

Marfat.com

لیکن اس ظالم ۔مظلوم نما ۔ سے کوئی پوچھے کہ رافضہ تو غالیوں کو کہتے ہیں اور ان کا مذہب ہی سب وشتم اور تبرا ہے تو بلاوجہ صرف ولایت اہل بیت کا عقیدہ رکھنے کا جرم اور اس کی یہ سزا کیوں ٹھہرائی ہے معلوم ہوتا ہے ڈھکو صاحب خود کو غالیوں میں ہی شمار کرتے ہیں اگر کسی دوسرے زمرہ میں داخل ہوتے تو پھر سیخ پا ہونے کی ضرورت نہیں تھی ۔اسی طرح شرک کی نفی اور انکار زبانی تو آسان ہے ۔ مگر عمل و کردار کی دنیا میں اس حقیقت کو جھٹلانے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی جیسے ذوالجناح جیسے فرضی نام رکھ کر گھوڑوں کی پوجا پاٹ ، مصنوعی قبریں بنا کر ان کی پوجا پاٹ اور تابوت و تعزیہ بنا کر اس کی پوجا پاٹ وغیرہ جہاں بھی اصل کے مناسب سلوک نقل کے ساتھ شروع کر دیا جائے تو یہی شرک قرار پاتا ہے ۔

ڈھکو صاحب خود اپنی کتاب اصول الشریعہ میں تصریح کرتے ہیں کہ امام رضا رضی اللہ عنہ سے غالیوں اور مفوضہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا ۔ "الغلاۃ کفار والمفوضۃ مشرکون رجوالہ عیون الاخبار یعنی غالی کافر ہیں اور مفوضہ مشرک ہیں اور توضیح کرتے ہوئے کہا جو مذمت غالیوں کی کی گئی ہے مفوضہ بھی اس میں داخل ہیں کیونکہ مفوضہ بھی غالیوں کی ہی ایک قسم ہے اور مامقانی کے حوالہ سے کہا ہے اجمع العلماء علی کفر الغالی" غالیوں کے کفر پر علماء کا اجماع ہے جب کفر اور شرک مفوضہ کے حق میں خود تسلیم کر لیا اور ان کو مشرک بھی تسلیم کر لیا تو پھر درایت کے خلاف قرار دے کر اس روایت پر اعتراض کا کیا معنیٰ مزید تفصیل غلو اور افراط کی دیکھنی ہو تو ڈھکو صاحب کی کتاب اصول الشریعہ ص ۲۸ تا ص ۳۲ مطالعہ فرمادیں ۔

(۷) ——— علاوہ ازیں مقام حیرت اور محل تعجب یہ ہے کہ کہیں تو ڈھکو صاحب کو صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مشرک نظر آنے لگتے ہیں اور الشرک اخفی فیکم من دبیب النمل والی روایت کو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخص تلامذہ اور انتہائی مقرب صحابہ پر منطبق کر دیا جاتا ہے اور کہیں ۔ بناسبا

کے ائمہ اور روحانی فرزندوں کے حق میں شرک کا امکان بھی نظر نہیں آتا کیا
وہ حضرات نماز نہیں پڑھتے تھے۔ شہادتین ان کی زبان پر جاری نہیں ہوتی
تھیں۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک ٹھہراتے تھے یا افعال
میں، آخر وہ ان سب امور سے منزہ مبرا ہونے کے باوجود مشرک ہو گئے
تو آپ اس قدر غیر شرعی افعال کا ارتکاب کر کے بلکہ غلط عقائد اور نظریات
کے حامل ہو کر کیسے مشرک نہیں ہو سکتے۔ کبھی خیال کیا ہے جناب نے؟
آپ کے فرقوں میں کئی حضرت علی کو خدا ماننے والے ہیں کئی نبوت کا
حقدار حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مانتے ہیں۔ اور محمدی نبوت کو جبرائیل علیہ السلام
کی غلطی قرار دیتے ہیں اور کئی بظاہر حضرت علی کو عبد مانتے ہیں مگر حلول و اتحاد
کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ آخر ان حقائق سے تقیہ کرنے کی کیا ضرورت پڑی؟
اور ان کے اعتراف و تسلیم میں کونسا جان و مال کا خطرہ لاحق ہو گیا۔

مذہب شیعہ از حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز

حضرت زید رضی اللہ عنہ کا شیخین رضی اللہ عنہما کے متعلق عقیدہ آپ نے
ملاحظہ فرما لیا اور ان کے والد گرامی کا سلوک ان غالیوں کے ساتھ
جو شیخین کی جناب میں گستاخی کے مرتکب ہوئے آپ ملاحظہ کر
چکے تو اب بتلایئے۔
مسلمانوں کے کسی گروہ سے بھی امام صاحب نے جن کو شمار نہیں کیا وہ کون
ہیں؟ جن کو امام عالی مقام نے اپنی مجلس سے دفع فرمایا اور ان کے ساتھ وہی
سلوک فرمایا جو کفار کے ساتھ کرنا واجب ہے "واغلظ علیہم" ان کا عقیدہ اور
مذہب کیا تھا۔ ان غالیوں کے حق میں آپ کا یہ فرمانا "اللہ تعالیٰ تمہیں ہلاک کرے"
کس نظریہ کے ماتحت ہے اب ہم امید رکھتے ہیں کہ مدعیان محبت و تولی تو امام
عالی مقام سیدنا زین العابدین کو نہ جھٹلائیں گے بلکہ ان پر ایمان لائیں گے اور ان کے

Marfat.com

مذہب اور عقیدہ کی تقلید کریں گے اور ان کے صاحبزادے حضرت زید بن زین العابدین رضی اللہ عنہما کا ارشاد اقدس۔

اور عمل و کردار اور شیخین پر جان قربان کرنے کے جذبہ اور ان کی عزت و ناموس کے تحفظ کی خاطر ہر مصیبت کا مقابلہ کرنے کا عزم مشعل راہ بنائیں گے بلکہ ان کے صاحبزادے امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد گرامی کو بھی مشعل راہ بنائیں گے جو ابھی پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کا مذہب اقدس اور آپ کا نظریہ بھی اسی کتاب کشف الغمہ کے ص ۲۲۰ پر ملاحظہ فرمادیں۔

وعن عروة عن عبد الله قال سئلت ابا جعفر محمد بن علي عليهما السلام عن حلية السيوف فقال لا بأس به قد حلى ابوبكر الصديق رضي الله عنه سيفه، قلت فتقول الصديق؟ قال فوثب وثبة واستقبل القبلة فقال نعم الصديق نعم الصديق نعم الصديق فمن لم يقل له الصديق فلا صدق الله له قولاً في الدنيا ولا في الاخرة۔

امام عالی مقام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے ایک شیعہ صاحب نے مسئلہ دریافت کیا کہ یا حضرت تلواروں کو زیور لگانا جائز ہے یا نہیں؟ امام صاحب نے فرمایا اس میں کوئی مضائقہ نہیں جب کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار کو زیور لگایا ہوا تھا۔ شیعہ صاحب نے عرض کیا کہ آپ بھی ان کو صدیق کہتے ہیں اس پر امام عالی مقام اچھل پڑے اور قبلہ شریف کی طرف رخ انور کر کے فرمایا کہ ہاں وہ صدیق ہیں۔ ہاں وہ صدیق ہیں۔ ہاں وہ صدیق ہیں۔ جو ان کو صدیق نہیں کہتا، اللہ اس کے کسی قول کو نہ دنیا میں سچا کرے نہ آخرت میں۔

اب ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ امام عالی مقام کے ارشاد گرامی کے

Marfat.com

کا ایمان ہے اور کون ان کے ارشاد کو نہیں مانتا؟ اہل السنۃ والجماعت عزیب تو امام عالی مقام کے ایک دفعہ فرمانے پر آمنّا وصدّقنا کا نعرہ لگاتے ہیں مدعیان محبت و تولّی کے انتظار میں ہیں کہ پانچ دفعہ فرمانے کے باوجود بھی ایمان لاتے ہیں یا نہیں؛

کیوں جناب امام عالی مقام کا نظریہ کیا تھا؟ اور ان کے سچے غلام اور سچے حلقہ بگوش کون ہیں۔ اب رہا یہ امر کہ جو شخص صدیق اکبر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو صدیق نہیں کہتا اس کے متعلق امام عالی مقام کی یہ بددعا کہ "اللہ تعالیٰ اس کے کسی قول کو دنیا و آخرت میں سچا نہ کرے" خطا تو جا نہیں سکتی۔ غالباً بلکہ یقیناً یہی تقیہ کی لعنت ہی ہو سکتی ہے جس سے کوئی شخص ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو صدیق نہ کہنے والا۔ خالی نہیں۔ الغرض تمام ائمہ معصومین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نزدیک ابوبکر صدیق ہیں۔

بہت ممکن ہے کہ مدعیان محبت اہل بیت اپنے عقیدے پر امام عالی مقام کے مذہب اور ان کے عقیدے کو قربان کرتے ہوئے یہ کہنا شروع کر دیں کہ امام صاحب نے قبلہ رو ہو کر عمداً جان بوجھ کر خلاف واقعہ فرمایا۔ مگر کوئی مسلمان ان علمبرداران صدق و صفا کے شان اقدس میں اس قسم کی گستاخی کی جرأت نہیں کر سکتا۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ کذب بیانی اور خلاف واقعہ امر کا اظہار ان کی شان ارفع سے بہت دور ہے بلکہ منافی ہے۔

دو سرا نقل کفر کفر نباشد۔ اگر کذب بیانی یا تقیہ جائز سمجھتے تو کسی مخالف کے سامنے نہ کہ اپنے شیعہ کے سامنے جو منکر خلفائے راشدین تھا بلکہ اہل تشیع کے نظریہ کے ماتحت تو برعکس تقیہ کرتے کیونکہ ایک ہمراز و ہمساز کے سامنے تقیہ کرنا سخت بے محل بات ہو سکتی ہے شاید شیعہ مذہب میں قسم اٹھا کر ہمیشہ اور ہر بات میں ہر جگہ جھوٹ بولنا عبادت ہو۔

Marfat.com

(د) ——— یہ روایت جسے مؤلف نے شیعی روایت ظاہر کیا ہے ابن الجوزی جیسے متعصب سنی عالم کی کتاب صفوة الصفوة سے منقول ہے اور صاحب کشف الغمہ نے اس کی ابتداء اور انتہا معین کر دی ہے۔

(ب) ——— اس روایت کے راوی عروہ بن عبداللہ کو شیعہ ظاہر کیا گیا حالانکہ وہ سنی العقیدہ ہے۔

(ج) ——— اس کلام ابلہ نظام میں امام عالی مقام کے فرمان پر آمنّا وصدقنّا کا نعرہ مستانہ لگانے کا تذکرہ کیا گیا ہے کیا ہم دریافت کر سکتے ہیں کہ آپ کی صحاح ستہ میں اہل بیت سے کس قدر روایات لی گئی ہیں کیا فقہی کتابوں میں ڈھونڈے سے ائمہ اہل بیت کا نام مل سکتا ہے کتب تفسیر میں کہاں تک تفسیر اہل بیت پر انحصار کیا گیا ہے۔ پھر یہ چیز سمجھ سے بالاتر ہے۔ کہ حضرت صاحب ائمہ اہل بیت کو مانتے کیا ہیں۔؟

اگر نعرہ مستانہ لگانے میں صادق ہیں تو ہم نے اس رسالہ کی ابتداء میں ائمہ اثنا عشر کے ارشادات کی روشنی میں ثابت کر دیا ہے کہ یہ ذوات مقدسہ اصحاب ثلاثہ کو آثم۔ غادر، خائن، ظالم و جابر اور غاصب سمجھتے تھے۔ ہم انتظار میں ہیں کہ امام کے ایک دفعہ فرمانے پر آمنّا وصدقنّا کا نعرہ لگانے والے بیسیوں فرامین پر ایمان لاتے ہوئے خلافت ثلاثہ سے دستبردار ہو کر کب ولایت اہل بیت کا اقرار کرتے ہیں۔ ص ۹۷/۹۸

Marfat.com

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب۔

(د) ——— ڈھکو صاحب ہر جگہ وہی راگ الاپتے رہیں گے کہ بہ سنی کی روایت ہے اور فلاں کی ہے، فلاں کتاب سے ہے اور اس کا اول و آخر بیان کر دیا گیا ہے۔ اس کو ہمارے سامنے پیش کرنا تحکم اور سینہ زوری ہے وغیرہ وغیرہ مگر آپ کے وزیر باتدبیر اربلی صاحب نے اس روایت کو نقل کرنے میں جو تدبیر پیش نظر رکھی وہ بھی تو بتلاؤ۔ اس روایت کو درج کر کے اس نے اہل السنت کو ہدایت کرنا چاہی اور ائمہ کے ان ارشادات پر عمل کرنے کی تلقین کرنا چاہی کہ ابو بکر کو صدیق مانو ورنہ مانو گے تو دنیا و آخرت میں جھوٹے اور کاذب قرار پاؤ گے یا اہل تشیع کو پہلی شق کا ابطلان تو مستغنی از بیان ہے لہٰذا لازمی طور پر ماننا پڑے گا کہ شیعہ صاحبان کو غلو اور افراط سے باز رکھنا چاہتے تھے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عمل کو حجت شرعیہ اور ان کی صدیقیت کے عقیدہ کو مدار نجات قرار دینا چاہتے تھے لہٰذا اس کے مطابق اعتقاد و عمل شیعہ صاحبان کو لازم یا پھر وزیر صاحب کو بے تدبیر بلکہ بد تدبیر ماننا لازم کہ ایسی روایات کتاب میں بھر دیں جو اہل تشیع کی تذلیل اور ندامت کا موجب بن گئیں اور اہل السنت کے خلاف نہ حجت بن سکیں نہ الزام بلکہ اربلی صاحب نے یہ کہہ کر کہ اس قسم کی روایات ہمارے نزدیک مقبول ہیں اور ہمارے عقیدے کے مطابق ورنہ اس میں فقط شیعہ صاحبان کی ذلت و رسوائی کا سامان رہ جائے گا دوسرا کوئی مقصد پورا نہیں ہو سکے گا؟ ڈھکو صاحب کو اعتراض ہے کہ شیخ الاسلام کو تصنیف کا ڈھنگ نہیں آتا تھا مگر اربلی صاحب کے

Marfat.com

ڈھنگ پر تو اعتراض نہ کرو اور ایمان لے آؤ۔

(ب) ـــــــ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے بُردہ بن عبد اللہ کا کہیں نام ہی نہیں لیا اور نہ اس کے شیعہ ہونے کا دعویٰ کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ ڈھکو صاحب پنک میں یہ الفاظ لکھ گئے ہیں البتہ اتنا فرمایا کہ صاحب کتاب تمہارا ہے اور راوی درحقیقت امام ہیں لہٰذا ان کو سنی کہو گے تو بنا بنایا کھیل ختم ہو جائے گا جب آپ نے بُردہ کا نام ہی نہیں لیا تو اس جواب کا بے محل و موقع ہونا ادنیٰ سمجھ رکھنے والے طالب علم پر بھی مخفی نہیں رہ سکتا پھر تقیہ باز شیعہ بھی تو سنی ہی سمجھے جاتے ہیں دل چیر کر کون دیکھ سکتا ہے؟

(ج) ـــــــ ڈھکو صاحب کو بہت غصہ آیا اور پیچ و تاب کھاتے ہوئے اور دانت پیستے ہوئے الزامات کی بارش کر دی کہ اگر آپ اتنے ہی محب اہل بیت تھے تو صحاح ستہ میں ان سے مروی روایات کیوں ذکر نہ کئے گئے وغیرہ وغیرہ۔

(۱) ـــــــ صحاح ستہ میں بھی بحمد اللہ ان کی روایات اور ان کی عظمت شان کی روایات موجود ہیں اور دوسری کتابوں میں بھی اور یہ روایات جنہوں نے آپ کو بہت پریشان کر رکھا ہے اور کوئی جواب ان کا نہیں بن رہا یہ بھی تو آپ کے اعتراف کے مطابق اہل سنت سے ہی لی گئی ہیں پھر اس الزام کا کیا مطلب؟

(۲) ـــــــ علاوہ ازیں حقیقت حال یہ ہے کہ احادیث و روایات میں علو اسناد اور قرب سند اور تقلیل رواۃ کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور امام محمد باقر رضی اللہ عنہ مثلاً حضرت جابر عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کریں اور دوسرے محدث کو بھی ان سے براہِ راست سننے کا موقع میسر آیا ہو تو وہ براہِ راست حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ ہی صرف نسبت کریں گے نہ کہ حضرت امام محمد باقر یا حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ

Marfat.com

کی طرف اور شیعہ صاحبان کو روایات بنانے کا بعد میں خیال آیا اس لیئے ۔
سوائے ان تابعین یا تبع تابعین کی طرف نسبت کرنے کے کوئی چارہ نہ رہا۔

(۳) —— علاوہ ازیں قابل غور امر یہ ہے کہ اگر تین تین چار چار راویوں کے واسطہ کے باوجود وہ روایت اہل بیت کی رہتی ہے تو اتنے واسطوں سے جو روایت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی ہو وہ اہل بیت کی کیوں تصور نہیں کی جائے گی کیا سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اہل بیت سے خارج ہیں اور پانچ تن پاک میں سر فہرست نہیں ہیں ۔ صرف امام جعفر صادق اور امام محمد باقر اہل بیت ہیں ۔

(۴) —— تفاسیر میں بھی سبھی حضرات کے اقوال موقع و محل کی مناسبت سے منقول ہیں اور جن دوسرے حضرات سے اہل السنت نے اقوال نقل کئے ہیں انہی کے اقوال شیعی مفسرین نے اہل السنت سے اپنی کتابوں میں نقل کئے ہیں لہذا یہ جرم تو برابر رہا ۔

(۵) —— رہ گیا فقہ کا معاملہ تو ہم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے ذاتی اقوال کو دین نہیں سمجھتے بلکہ جو کچھ انہوں نے احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام اور اکابر تابعین کے اقوال و اعمال سے سمجھا اس کو دین سمجھتے ہیں اور ان میں حضرات اہل بیت بھی داخل ہیں البتہ وہ بھی تابعی ہیں یا تبع تابعین اور امام محمد باقر اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہما کے ہم زمان لہذا وہ ہر قول ان سے نقل کرنے کے بجائے اوپر والے حضرات سے بھی نقل کریں گے ۔ لہذا صرف ان کے اقوال میں انحصار کی نفی ہو سکتی ہے اعتبار کی نہیں ہو سکتی پھر ان حضرات نے ایک موضوع کو سامنے رکھ کر اس پر پوری محنت و کوشش صرف کر کے کتب تالیف فرمائیں اور جمع و تدوین اور تصنیف و تالیف کا کام سرانجام دیا جب کہ ائمہ اہل بیت میں سے کسی کی کوئی تصنیف نہیں ملتی ایک تفسیر امام حسن عسکری رضی اللہ عنہ کی تھی اس کو بھی ڈھکو صاحب

Marfat.com

نے ضعیف اور ناقابل اعتبار قرار دے دیا اور اگر تمہارے راویوں کا نقل کردہ مذہب ان ائمہ کا مذہب ہو سکتا ہے تو ہمارے راویوں کا نقل کردہ مذہب ان ائمہ کا مذہب کیوں نہیں ہوگا ؟ یقیناً یہ مذہب انہیں کا ہے لیکن ان جھوٹے اور کذاب راویوں کے اتہامات اور موضوع اقوال جو ائمہ کی طرف منسوب کر دیے گئے ان سے امتیاز دینے کے لیے نسبت ان ائمہ مجتہدین کی طرف کر دی گئی۔

(۶) ——— نیز ڈھکو صاحب کو یہ بھی مغالطہ ہے کہ محبت اہل بیت کا دعویٰ بھی درست ہو سکتا ہے جب روایات صرف ان کی طرف منسوب کریں اور فقہ تفسیر ان کی طرف ہی منسوب ہو ذرا یہ تو بتلاؤ امام حسین اور امام حسن رضی اللہ عنہما یا حضرت امام موسیٰ کاظم کے بعد والے ائمہ سے تمہارے ہاں کتنی روایات اور تفسیری اقوال اور فقہی اقوال مروی و منقول ہیں ؟ تو کیا شیعہ کو ان سے محبت نہیں ہے۔

(۷) ——— علاوہ ازیں ہم چشتی قادری نقشبندی اور سہروردی ہیں اور ان سلاسل اربعہ کے روحانی بزرگ و پیشوا ہمارے محبوب اور رہنما ہیں مگر روایات اور تفسیری اقوال یا فقہ کے لحاظ سے نہیں بلکہ علم و عمل اور شریعت و طریقت کے لحاظ سے اور وصول الی اللہ کے طرق سے آگاہی اور اس کی تعلیم و تربیت کے لحاظ سے اور اسی وجہ سے یہ حضرات ائمہ بھی ہمارے محبوب ہیں اور ان کے ارشادات ہمارے لیے مشعل راہ ہیں علیحدہ کتابوں کی تصنیف اس محبت و عقیدت کی موجب نہیں ہے سلسلہ قادریہ میں امام حسن عسکری رضی اللہ عنہ تک سارے ائمہ سلسلہ اور شجرہ شریف میں بالترتیب مذکور ہیں اور روحانی پیشوا ہیں صرف ان کے نہیں بلکہ سب کے کیونکہ یہ مختلف راہیں ہیں منزل مقصود ایک ہے اور اللہ تعالیٰ کے سب اولیاء اور محبوبان بارگاہ کی محبت عین ایمان ہے لیکن اس کے لیے ہم بعض صحابہ کو لازمی شرط قرار نہیں دیتے جیسے ڈھکو صاحب اور ان کے ہم مشربوں کا خیال ہے۔

Marfat.com

شیعی روایات کی صحت کی ضمانت کیا ہے

(۸) ——— ڈھکو صاحب فرماتے ہیں اگرچہ پیر صاحب سیالوی اس آمنّا وصدقنا کے دعویٰ میں سچے ہیں تو ہماری بیان کردہ بغض وعداوت والی روایات پر ایمان لائیں اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ظالم اور خائن وغادر سمجھیں مگر ڈھکو صاحب آپ کے مذہب کی دو ہزار سے زیادہ متواتر روایات جو تحریف قرآن پر دلالت کرتی تھیں وہ سب کی سب آپ کے اعتراف کے مطابق غلط ہیں۔ اور ناقابل اعتبار تو پھر صحابہ کرام علیہم الرضوان کے خلاف جو روایات درج کی ہیں ان کی صحت بھی ہمارے نزدیک ناقابل قبول ہے۔ بلکہ وہ موضوع اور من گھڑت ہیں اور سبائی سازش کا نتیجہ۔

(۹) ——— پھر تم نے خود اعتراف کیا کہ اسی قرآن کو شیخ حق وباطل کا معیار اور صحیح وسقیم احادیث کے معلوم کرنے کا میزان سمجھتے ہیں (تنزیہہ الامامیہ ص) تو ذرا قبر اور قیامت اور دوزخ کو سامنے رکھ کر اور قوم کے عطیات اور خصوصاً جناب سید نوازش علی شاہ صاحب کی نوازشات اور تبرکات کو نظر سے ہٹا کر بتلائیں کہ قرآن مجید کی آیات مبارکہ جو ہم نے ذکر کی ہیں اور اس کے علاوہ بیسیوں روایات مہاجرین وانصار اور ان کے مقتداء پیشواء خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کے متعلق کیا گواہی دیتی ہیں اور ان کے نور ہیں آپ کی ان روایات کی ظلمت وکدورت چھٹ جاتی ہے یا نہیں؟ یقیناً ان مؤید بالقرآن روایات کے ہوتے ہوئے ان موضوعہ روایات کا کیا اعتبار ہے۔

عمومات نصوص کے تقاضا پر ایمان کس کا ہے؟

(۱۰) ——— پھر تم نے یہ بھی اعتراف کیا ہے کہ نصوص کے عموم الفاظ کو سامنے

Marfat.com

رکھا جاتا ہے خصوص واقعہ کو نہیں عقلائی قاعدہ ہے کسی مطلب کی عمومیت یا ۔
خصوصیت کے لیے ہمیشہ الفاظ کے عموم وخصوص پر نظر رکھی جاتی ہے
نفس واقعہ کو مدنظر نہیں رکھا جاتا جس میں وہ الفاظ وارد ہوئے ہیں کما قیل العبرۃ
بعموم الالفاظ لا لخصوص المورد (ص ۱۵۶) تو کیا یہاں بھی اس عقلائی قاعدہ کو ملحوظ
رکھتے ہوتے مہاجرین وانصار اور فتح مکہ سے قبل اور فتح مکہ کے بعد مالی اور
جانی قربانیاں دینے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے انعام اور ابدی راحتوں
کے اعلانْ کلا وعد اللّٰہ الحسنی پر یقین وایمان رکھا جا سکتا ہے اور اس
کے خلاف روایات کو رد کیا جا سکتا ہے ۔ اور نہیں تو یہ دعوے جھوٹے
ثابت ہوئے اور صرف تقیہ بازی ، اور اگر جواب اثبات میں ہے تو پھر جھگڑا
ہی ختم ہو جائے گا ۔ کلا بل ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون ۔

تتمہ روایات کشف الغمہ

روایات کشف الغمہ کے سلسلے میں حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق اظہار اعزاز واکرام بھی ملاحظہ کرتے چلیں ۔
قال جعفر علیہ السلام ولدنی ابوبکر مرتین ۔ (کشف الغمہ ۲ - ۱۶۱ مطبوعہ قم) امام جعفر صادق
رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دو مرتبہ جنم دیا ۔ اس اجمال کی ۔
تفصیل یہ ہے کہ آپ کی والدہ کا نام قریبہ اور کنیت ام فروہ ہے اور آپ قاسم بن
محمد بن ابی بکر کی بیٹی ہیں اور آپ کی والدہ ماجدہ اسماء بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہم
ہیں گویا والدہ ماجدہ کے پردادے بھی ابوبکر صدیق ہیں اور نانی جان کے دادے بھی
ابوبکر صدیق ہیں ۔ تو والدہ ماجدہ میں اس دوہری ابوت کو اپنی طرف نسبت کرتے
ہوئے فرمایا مجھے ابوبکر نے دو بار جنم دیا ہے ۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ
کے پوتے ہو کر اور سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے ہو کر ابوبکر کی اولاد

Marfat.com

ہونے پر افتخار اور ناز حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی عظمت کا بین ثبوت ہے اور روشن برہان اور اس روایت کو بھی اربلی صاحب نے کتاب کو عندالکل مقبول بنانے کے لیے اور سب کی رائے کے مطابق و موافق بنانے کے لیے ذکر کیا ہے لہٰذا اس کا قبول کرنا اور اس کے مطابق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی عقیدت اور ان کی محبت کا دل میں رکھنا اہل تشیع کے لیے ازبس ضروری ہے کیونکہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے ان کی اولاد ہونے پر اظہار فخر فرمایا ہے۔

نعمۃ اللہ الجزائری الموسوی نے شیعہ کی طرف سے حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت زبیر و دیگر اکابر صحابہ کے نسب پر طعن و تشنیع اور بیحیائی و بیباکی کے اظہار کے باوجود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اس قسم کے طعن و طنز سے گریز کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا۔ وأما عدم الطعن عليه بالسوء كما سيأتي في انساب امثاله فلعله لأن الائمة من نسله وذلك لان ام فروة هي ام الصادق بنت القاسم بن محمد بن ابی بکر (انوار نعمانیہ جلد اول ص ۶۰) کہ آپ پر ایسے طعن ذکر نہ کرنے وجہ یہ ہے کہ ائمہ کرام علیہم الرضوان آپ کی نسل سے ہیں کیونکہ حضرت امام جعفر صادق کی والدہ ماجدہ ام فروہ قاسم بن محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہم کی بیٹی ہیں اور حضرت موسیٰ کاظم سے آخر الزمان امام تک سبھی ان کی اولاد ہیں۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے حیائی

ایک طرف ائمہ کا ادب اتنا زیادہ کہ اس قدر دور کی نسبت کے باوجود بھی ایسے طعن و تشنیع سے گریز کیا لیکن دوسری طرف سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اس قدر بے ادبی و بیحیائی کہ ان کے سسر حضرت عمر اور ان کے پھوپھی زاد بھائی زبیر کے نسب پر طعن کیا یعنی آنحضور کی پھوپھی کو مورد الزام ٹھہرایا اور آنحضرت کی پھوپھی زاد بہن ام اروی جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ ہیں ان کو بھی

Marfat.com

سورد الزام ٹھہرایا اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوہرے داماد حضرت عثمان پر اور آپکے بالواسطہ دلاد حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر نسب کے لحاظ سے طعن و تشنیع کی۔ (کیونکہ آپ حضرت علی اور حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی لخت جگر حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے خاوند ہیں جیسا کہ ناقابل تردید دلائل و براھین سے اس کو ثابت کیا گیا ہے) گویا شیعی مذہب میں نہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و احترام کی ضرورت ہے۔ اور نہ ان کی لخت جگر حضرت زہرا کی اور آپ کے بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نہ پھوپھی کی اور نہ پھوپھی زاد بہن کی۔ نعوذ باللہ من ذلك کیا کسی مسلمان سے اس قسم کی بے حیائی اور بے باکی کا صادر ہونا ممکن ہے؟ قطعاً نہیں، اور کیا عقل سلیم اور فکر رسا کے نزدیک اس قسم کے افراط تفریط کی کوئی گنجائش ہو سکتی ہے؟ قطعاً نہیں۔

افراط و تفریط کا اہم نمونہ

ایک طرف شیعہ صاحبان نے ان حضرات کے نسب پر بزعم خویش اعتراض و تنقید کر کے ان کے ایمان و اسلام کو ناقابل اعتبار بنانے کی سعی مذموم کی لیکن دوسری طرف اس بارے میں غلو اور افراط کا عالم یہ ہے کہ زنا کار پیشہ ور عورت کو توبہ کے بعد انبیاء علیہم السلام کی ماں تسلیم کر لیا ہے۔ اسی نعمۃ اللہ الجزائری کا بیان ملاحظہ فرمادیں۔

روی انه كان فی بنی اسرائیل امرأة بغية وكانت مفتتنة بجمالها وكان باب دارها ابداً مفتوحا (الی) فتابت الی الله و اغلقت بابها ولبست ثيابا خلقة واقبلت علی العبادة (الی) فتزوجته فولد له منها خمسة اولاد کلهم صاروا انبياء فی بنی اسرائیل۔ (انوار نعمانیہ جلد اول ص ۲۴۶، ۲۴۷)

خلاصۃ الکلام یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں زناکار عورت تھی اور اپنے

Marfat.com

جمال پر فخر و ناز کرنے والی تھی اور اس کا دروازہ ہر دولت مند شہوت پرست کے لیے کھلا رہتا تھا۔ ایک فقیر کی نظر اس پر پڑی تو بے اختیار اس کے قدموں پر جا گرا اس نے اپنے متو کی قیمت بتلائی تو اسے تن بدن کے کپڑے بھی فروخت کرنے پڑے مگر جب تکمیل مقاصد کا وقت آیا تو خوف خدا دامنگیر ہو گیا اور وہ بھاگ نکلا اس حالت کو دیکھ کر اس زنا کار رنڈی کے دل پر بھی خوف خدا طاری ہوا کہ یہ شخص پہلی دفعہ گناہ کرنے لگا تو اس کا یہ حال ہو گیا اور میں تو اس دھندے میں عمر گزار رہی ہوں تو اس نے توبہ کی اور پرانے کپڑے پہنے اور عبادت خداوند تعالیٰ میں مصروف ہو گئی۔ پھر اس شخص سے شادی کا خیال آیا اس کے پاس پہنچی، آنے کا مقصد بتلایا اور اپنا تعارف کرایا تو وہ غش کھا کر گرا اور مر گیا۔ چنانچہ اس نے اس کے مفلس بھائی سے شادی کر لی جس سے پانچ بچے پیدا ہوئے اور وہ سبھی بنی اسرائیل میں منصب نبوت پر فائز ہوئے۔

کیا ہے کوئی صاحب عقل اور مالک فہم جو یہ بتلائے کہ بنی اسرائیل کی رنڈیوں کی توبہ بھی قبول ہو سکتی تھی اور پھر ان سے انبیاء و رسل بھی پیدا ہو سکتے تھے۔ مگر عرب کے دور جاہلیت کے بعد نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہنے والوں کی نہ توبہ قبول ہو سکتی تھی اور نہ ان سے مومن کامل پیدا ہو سکتے تھے اور نہ مجاہدین اسلام تو پھر میں کیوں نہ کہوں کہ اس مذہب رفض و تشیع کے بانی فقط یہود ہیں جو اپنی بدباطنی کے اظہار کے لیے اور میدان کارزار میں ذلت و رسوائی اٹھانے کے بعد ان ذلیل حرکات پر اتر آئے اور اس رنگ میں ان محسنین اسلام اور بانیان شریعت و ملت سے بدلے لینے کی ناپاک کوشش میں مصروف ہو گئے

Marfat.com

مذہب شیعہ از حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز

اہل تشیع کی معتبر ترین کتاب شافی مصنفہ علم الھدیٰ سید مرتضیٰ و تلخیص الشافی مصنفہ محقق طوسی امام الطائفہ جلد نمبر ۲ ص ۴۲۸ کی روایات بطور نمونہ پیش کرتا ہوں اور اہل تشیع کی محبت اور تولی کا جائزہ لیتا ہوں۔

وروی عن جعفر بن محمد عن ابیہ ان رجلا من قریش جاء الی امیر المؤمنین علیہ السلام فقال سمعتہ یقول فی الخطبۃ آنفا اللھم اصلحنا بما اصلحت بہ الخلفاء الراشدین فمن ھما؟ قال ھما حبیبای وعماک ابوبکر وعمر اماما الھدی وشیخا الاسلام ورجلا قریش والمقتدی بھما بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اقتدی بھما عصم ومن اتبع آثارھما ھدی الی صراط مستقیم۔

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اپنے والد ماجد امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک قریش کا جوان امیر المومنین سیدنا علی کرم اللہ وجہ الشریف کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا حضرت! میں نے آپ سے ابھی خطبہ میں فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آپ فرما رہے تھے کہ اے میرے پروردگار ہم پر اسی مہربانی کے ساتھ کرم فرما جو مہربانی و کرم تو نے خلفائے راشدین پر فرمایا ہے تو وہ خلفائے راشدین کون ہیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ میرے پیارے ہیں اور تیرے چچا ہیں۔ ابوبکر اور عمر وہ دونوں ہدایت کے امام ہیں اور وہ دونوں اسلام کے پیشوا ہیں جس نے ان کی پیروی کی وہ جہنم سے بچ گیا اور جس شخص نے ان کی اقتداء کی اس نے صراط مستقیم کی ہدایت پالی۔

علم الصدق والصفا سیدنا امیر المؤمنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے صریح اور

Marfat.com

واضح وغیر مبہم ارشاد کی شان دیکھئے اور روایت بھی تمام تر ائمہ صادقین طاہرین معصومین سے ہے۔ میں انتظار میں ہوں کہ محبت و تولی کے دم بھرنے والے اس فرمان پر کہاں تک ایمان لانے کے لیے تیار ہوتے ہیں؟ ایک عجیب و غریب اعتراض بھی اس روایت پر سن لیں۔ جو شیعوں کے محقق طوسی نے اپنی کتاب تلخیص الشافی میں لکھ دیا ہے کہتا ہے کہ روایت بیشک ائمہ کرام سے ہے مگر اس کے راوی ایک ایک ہیں۔ اس لیے اس پر اعتبار نہیں کرتا یعنی امام جعفر صادق صاحب اپنے والد امام محمد باقر سے روایت کرتے ہیں اور صرف امام محمد باقر صاحب اپنے والد امام زین العابدین سے روایت کرتے ہیں اور صرف زین العابدین اس روایت کو حضرت علی سے بیان فرماتے ہیں لہٰذا یہ خبر احاد اور ناقابل اعتبار الشیعہ ہے مگر غالباً یہ کہنا بھول گیا کہ صرف حضرت علی خلفائے راشدین کو امام الهدی شیخ الاسلام اور مقتدائے پیشوا کہہ رہے ہیں اور صرف وہی ان کو پیارے فرما رہے ہیں لہٰذا اس پر کیا اعتبار؟

مگر ہم شیعوں کی تسلی کے لیے چودہ (۱۴) آدمیوں سے بیک وقت روایت پیش کرتے ہیں جو کتاب الشافی جلد دوم ص ۴۲۸ مطبوعہ نجف اشرف میں موجود ہے

ان علیا علیه السلام قال فی خطبته خیر هذه الامة بعد نبیها ابو بکر وعمر و فی بعض الاخبار انه علیه السلام خطب بذلك بعد ما انهی الیه ان رجلاً تناول ابا بکر وعمر بالشتیمة فدعی به وتقدم بعقوبته بعد ان شهدوا علیه بذلك۔

یعنی حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبے میں فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضور کی تمام امت سے افضل ابو بکر اور عمر ہیں، بعض روایتوں میں واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ حضرت شیر خدا حیدر کرار رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اطلاع پہنچی کہ ایک شخص نے (غالباً کسی شیعہ نے) حضرت ابو بکر (صدیق) اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہما) کی شان میں سب بکا ہے۔ جس پر

Marfat.com

امیرالمؤمنین رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو بلایا اور اس کے سب بکنے پر شہادت ۔
طلب فرمائی (یعنی باقاعدہ مقدمہ چلایا) اور شہادت گزرنے کے بعد اپنے دست
حیدری کے ساتھ اس کو واصل جہنم فرمایا اور مبتلا عقوبت گردانا (شافی وتلخیص الشافی
جلد دوم ص ۴۲۸)

تنزیہہ الامامیہ از محمد حسین ڈھکو صاحت

(۱) کچھ کتاب شافی کے متعلق ۔ یہ کتاب فن مناظرہ اور مسئلہ .
امامت پر ہے ، مسئلہ امامت پر قاضی عبدالجبار کی معرکۃ الآراکتاب ۔
"المغنی" کا محققانہ اور شافی وکافی جواب ہے جناب سید نے قاضی اور
اپنے کلام میں امتیاز کرنے کے لیے قال اور اقول کی اصطلاح مقرر کی ہے
قاضی کا کلام قال سے نقل کرتے ہیں اور اپنے کلام کا آغاز اقول سے
کرتے ہیں ۔ تمام مناظرین اہل السنت بالعموم اور بہایت تملق اور
شیخ الاسلامی کے دعوے دار پیر سیالوی کی بالخصوص یہ عادت شریفہ
ہے کہ جہاں قاضی عبدالجبار کی کلام درج ہوتی ہے نقل کر دیتے ہیں ،
اور پھر یہ ڈھنڈورا پیٹتے ہیں کہ شیعہ کی معتبر ترین کتاب میں اصحاب ثلاثہ
کی مدح لکھی ہوئی ہے ۔

س نالمقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے (ملخص از ص ۱۷)

وہ روایت جس کو اہل السنت جناب امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ
سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے آباء کرام کے سلسلہ سند سے روایت
کی ہے کہ اسد اللہ الغالب رض نے اللہ تعالیٰ سے ان اعمال صالحہ کی مانند
اعمال صالحہ طلب کیے اور اس قسم کی صلاح و بہتری جو خلفاء راشدین کو عطا
فرمائی تھی اور سائل کے سوال پر کہ وہ کون ہیں تو آپ نے ابوبکر (صدیق
رضی اللہ عنہ) اور عمر (فاروق رضی اللہ عنہ) کی منقبت اور مدح وثنا بیان

Marfat.com

اور بتلایا کہ میری مراد خلفاء راشدین سے وہ حضرات تھے تو یہ بات عجائب روزگار سے ہے کہ یہ بات وہ امیر المؤمنین فرمائیں جو ہمیشہ اس کے خلاف ارشاد فرماتے رہے ہیں یعنی اپنی مظلومی اور ان کے ظلم و ستم کا کھلم کھلا شکوہ کرتے رہے ہیں۔

(ا) چنانچہ ثقہ راویوں کا بیان ہے کہ جناب نے بارگاہ ایزدی میں شکوہ شکایت کرتے ہوئے کہا یا اللہ میں تیری بارگاہ میں قریش کی شکایت کرتا ہوں۔

(ب) آپ نے فرمایا جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا ہے میں برابر مظلوم رہا ہوں۔

(ج) زید بن علی بن الحسین رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا لوگوں نے ابو بکر کی بیعت کر لی حالانکہ جس طرح مجھے اپنی قمیص میں تصرف کا حق ہے اس سے زیادہ مجھے خلافت کا حق حاصل تھا لیکن بوجوہ میں نے اپنا غصہ پیا اور اپنے امر کا انتظار کیا۔

اس بیان سے ناظرین پر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی ہو گی کہ یہ روایت بطریق اہل السنت مروی ہیں اور وہ بھی بنا بر قواعد روایت و درایت موضوع و مجہول ہے۔ (رسالہ تنزیہ الامامیہ ص ۷۶، ۷۷، ۷۸)

الجواب وھو الملھم للصدق والصواب — تحفہ حسینیہ

جواب اول: علامہ ڈھکو صاحب نے حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کے پیش کردہ دلائل جن کا تعلق نہج البلاغہ یا شرح ابن میثم وغیرہ سے تھا ان کے جوابات تو سرے سے دیے ہی نہیں اور اپنی ساری توانائیاں زیادہ تر ان تینوں کتابوں کے حوالہ جات کے جوابات پر صرف کی ہیں۔ ناسخ التواریخ، کشف الغمہ اور شافی و تلخیص الشافی، جن کا لب لباب یہ ہے کہ یہ اہل السنت کی روایات۔

Marfat.com

ہیں اور اس میں دھوکہ کیا گیا ہے جعلسازی کی گئی ہے وغیرہ وغیرہ حالانکہ کشف الغمہ کے مؤلف نے واضح کر دیا کہ میں وہی روایات ذکر کروں گا جو فریقین کے نزدیک مسلم ہوں گی اور اہل السنت کی کتابوں کا حوالہ اس لیے دوں گا تاکہ کتاب زیادہ قابل قبول ہو سکے اور جب ہمارا فریق مخالف بھی ایک حقیقت کو تسلیم کرتا ہو تو اس کی حقانیت مزید واضح اور مستحکم ہو جائے گی اور صاحب ناسخ التواریخ نے بھی تصریح کی ہے کہ میں فریقین کی متفق علیہ روایات ذکر کروں گا اور جو روایات ہمارے مسلک کے خلاف ہوں گی میں ان کی نشاندہی بھی کروں گا اور شیعی نقطہ نظر بھی وہاں پر واضح کروں گا

لیکن ڈھکو صاحب نے لاعلمی میں یا دھوکہ دینے کے لیے وہاں بھی بار بار یہی رٹ لگائی ہے کہ یہ روایات سنی کتب سے لی گئی ہیں اور وہاں ماخذ کی نشاندہی کر دی گئی ہے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن یہ نہ سوچا کہ آخر ان روایات کے ذکر کرنے کا مقصد کیا تھا اور خود مصنفین نے بھی اس کی کوئی وجہ بیان کی ہے یا نہیں؟ اور جب مؤلف و مصنف شیعہ ہے تو اہل السنت کی کتابوں سے روایات درج کرنے کا جواز کیا ہے؟ اور ان سے مؤلف کون سا مقصد کرنا چاہتا ہے۔؟

وہی شور و شغب اور واویلا و فریاد یہاں بھی ہے کہ یہاں پر اہل السنت کی روایات کو رد کرنے کے لیے نقل کیا گیا ہے اور پیر صاحب نے جہاں قاضی القضاۃ عبد الجبار کی کتاب المغنی کی عبارت درج کی گئی تھی وہاں سے حوالہ جات درج کر دیے ہیں۔ اور اس طرح گویا اپنی روایات کو شیعہ کے خلاف پیش کر دیا ہے جو نہ الزام و جدل قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ تحقیق و برہان لیکن حقیقت حال اس سے مختلف ہے اور ڈھکو صاحب نے صرف جان چھڑانے کے لیے بہانہ سازی اور حیلہ گری سے کام لیا ہے۔ قاضی عبد الجبار نے جو روایات ذکر کی تھیں وہ اس حیثیت سے نہیں کہ محض اہل السنت اس کے قائل ہیں بلکہ اس حیثیت سے کہ فرق اسلامیہ (جن میں شیعہ کے مختلف گروہ بھی

Marfat.com

شامل ہیں انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کرام کے فضائل کے ساتھ ساتھ ان محسنین اسلام اور مقتدایان انام کے فضائل و کمالات بھی بیان کئے ہیں لہٰذا ان کو نظر انداز کر کے کوئی نظریہ قائم کرنے اور عقیدہ اپنانے کی بجائے ان کو سامنے رکھ کر نصب العین کا تعین ضروری ہے۔ اگر یہ روایات صرف اور صرف اہل السنت کی طرف سے مروی ہوتیں تو صاحب شافی کی طرف سے شیعی روایات درج کر کے جواب دینا انتہائی لغو اور بیہودہ حرکت ہو کر رہ جائے گا خود ڈھکو صاحب نے شافی سے علم المرتضیٰ کی نقل کردہ بیمن روایات ذکر کی ہیں تو اہل السنت کی روایات کا جواب شیعی روایات سے دینا بھی اصول مناظرہ کے سراسر خلاف ہے۔ کیونکہ برہانی مقدمات اور واقعی دلائل کے علاوہ صرف وہ حوالہ جات پیش کئے جا سکتے ہیں جو عند الخصم مسلم ہوں اور شیعی روایات نہ اہل السنت کے خلاف بطور الزام اور جدل پیش ہو سکتی ہیں اور نہ تحقیقی اور برہانی قیاس کے طور پر، جس سے صاف ظاہر ہے کہ خود علم المرتضیٰ کو ان روایات کا شیعی کتب میں موجود ہونا تسلیم ہے اور ان کے معنی و مفہوم پر مشتمل روایات کا شیعی کتب میں مذکور رہنا۔

علاوہ ازیں ہم انشاء اللہ ہر روایت کے متعلق صریح الفاظ یا اس کا معنی و مفہوم شیعی کتب کے حوالے سے بھی بیان کریں گے اور ظاہر ہے کہ اعتبار معانی و مفاہیم کا ہوتا ہے نہ کہ صرف الفاظ و حروف کا، قرآن مجید میں ایک ہی واقعہ میں پیغمبران کرام اور ان کے مخالفین کے درمیان ہونے والی گفتگو کو مختلف پیرایوں میں بیان کیا گیا ہے جہاں الفاظ و حروف کے تفاوت کے باوجود معنی و مفہوم کا اتحاد برقرار ہے لہٰذا واضح ہو گیا کہ اصول مناظرہ کے تحت مد مقابل اور خصم صرف الفاظ دکھلانے کا مطالبہ نہیں کر سکتا بلکہ صرف اور صرف اس معنی و مفہوم کے اثبات کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ اس لئے ڈھکو صاحب کو یہ دکھلانا چاہیئے تھا کہ ایسی کوئی روایت ہماری کتب میں موجود نہیں جو اس معنی و مفہوم پر دلالت کرے یوں تو ڈھکو صاحب

Marfat.com

بھی رسالہ مذہب شیعہ کی عبارت نقل کر کے اس کا جواب دیتے ہیں۔ تو کوئی شخص مذہب شیعہ کے حوالہ سے روایت پیش کرے تو کیا یہ کہنا کافی ہو گا کہ یہ کتاب تو پیر صاحب سیالوی سنی کی لکھی ہوئی ہے اس کا حوالہ کیسے دیا جا سکتا ہے اور اگر کوئی شخص یہ جواب دیتا ہے تو اس کا واضح مطلب یہ ہو گا کہ وہ صرف جان چھڑانے کی کوشش کر رہا ہے اور تحقیقی جواب سے عاجز اور قاصر ہے اور ڈھکو صاحب کا عجز بھی واضح ہے کہ یہاں یہی مضمون اور مفہوم نہج البلاغہ وغیرہ کی عبارات سے پیش کیا گیا تو جناب نے سرے سے ان کا جواب ہی نہیں دیا اور یوں خاموشی سے گزر گئے گویا ان حوالہ جات کا ذکر ہی نہیں تھا۔

روایات خیریت و فضیلت کی صحت کا اعتراف

علامہ ڈھکو صاحب نے شافی اور تلخیص شافی کا پوری طرح مطالعہ کیے بغیر واویلا اور شور مچانا شروع کر دیا کہ یہ روایات اہل السنت کی ہیں اگر ان کو اپنی کتابوں کے مطالعہ کی توفیق ہوتی تو انہیں یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہ رہتا کہ از روئے درایت بھی انکی صحت اور درستگی تسلیم کرنی ضروری ہے اور از روے روایت بھی

(۱) ـــــ صاحب شافی علم الہدیٰ صاحب نے کہا۔

روی عون بن ابی جحیفۃ قال سمعت علیا رضی اللہ عنہ اذا حدثتکم عن رسول اللہ فلان اخر من السماء فتخطفنی الطیر احب الی من ان اقول قال رسول اللہ ولم یقل واذا حدثتکم عن نفسی فانی محارب مکائد ان اللہ قضی علی لسان نبیکم ان الحرب خدعۃ الا ان خیر ھذہ الامۃ بعد نبیھا ابوبکر و عمر ولو شئت لسمیت الثالث (شافی ص۱۷۱ وکذا تلخیص للشافی ص۴۳۰)

عون بن ابی جحیفہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ ؓ

Marfat.com

کو فرماتے ہوئے سنا جب میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث نقل کروں تو میں البتہ آسمان سے گر پڑوں تو وہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں آپ کی نہ فرمائی ہوئی بات کے متعلق کہوں کہ آپ نے یوں فرمایا اور جب میں تمہیں اپنے طور پر کوئی بات کہوں تو حرب و قتال میں مصروف ہوں اور کید و مکر اور مخفی تدابیر سے کام لینے والا ہوں بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر یہ قول جاری فرمایا بے شک جنگ دھوکہ ہے (اور اس میں خداع اور مکر جائز ہے) غور سے سنو بے شک اس امت سے افضل اور بہتر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر اور عمر ہیں اور اگر میں چاہوں تو تیسری شخصیت کا نام بھی گنوا دوں۔

اس روایت کو صاحب شافی اور تلخیص دونوں نے ذکر کیا اور اپنے اسناد کے ساتھ اور اس کی صحت کو بھی تسلیم کیا بلکہ اس کو بطور حجت اور دلیل پیش کیا ہے اور غیر ثابت اور غیر محقق بلکہ موضوع اور من گھڑت روایت سے حجت اور دلیل پیش کرنے کا کوئی مقصد نہیں ہو سکتا جس سے صاف ظاہر کہ یہ روایت عند الشیعہ بالکل صحیح ہے اور موثوق بہ

شیعہ کی فریب کاری:

لیکن شیعہ صاحبان اس سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ آپ نے الفاظ یہ ضرور کہے لیکن آپ ان کے معانی و مفاہیم کے قائل اور معتقد نہیں تھے بلکہ آپ نے بطور مکر اور کید اور خداع کے ان کو استعمال کیا اور اپنے لشکریوں کو مطمئن کرنے کے لیے۔ کیونکہ ان کی عظیم اکثریت ابوبکر و عمر کی امامت بلکہ افضلیت کی قائل تھی تو کہیں وہ بدظن ہو کر ساتھ چھوڑ نہ دیں لہٰذا ان کو اپنا ہمنوا بنائے رکھنے

Marfat.com

کے لیے ایسے الفاظ زبان پر لاتے تھے۔ اور خطبات میں خلفاء سابقین کی مدح و ثناء فرما دیتے تھے۔ اور ان کو ساری امت سے افضل قرار دے دیتے تھے۔

وھذا الکلام یدل علی انه علی سبیل التعریض (الی) ومعلوم أن جمهور اصحابه وجلهم کانوا ممن یعتقد امامة من تقدم علیه وفیهم من یفضلهم علی جمیع الامة (شافی ص۱۹۶، تلخیص ص۳)

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ کلام اس بات کی دلیل ہے کہ آپ نے بطور تعریض کے یہ کلمات زبان پر جاری فرمائے نہ کہ حقیقی معنی مراد ہونے کی حیثیت میں اور یہ حقیقت ہر ایک کو معلوم ہے کہ آپ کے ساتھیوں کی عظیم اکثریت ان لوگوں کی تھی جو پہلے خلفاء کی خلافت اور امامت کے معتقد تھے اور ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو انہیں ساری امت پر فضیلت دیتے تھے۔

وقیل ان معاویة بث الرجال فی الشام یخبرون عنه علیه السلام بأنه یتبرأ من المتقدمین علیه وانه شریک فی دم عثمان لینفر الناس عنه ویصرف وجوه اکثر اصحابه عن نصرته فلا ینکر ان یکون قال ذلک اطفاء لهذه النائرة (تلخیص الشافی ص ۳۰۴ و شافی ص ۱۷۲)

اور تحقیق یہ کہا گیا ہے کہ معاویہ (رضی اللہ عنہ) نے شام میں ایسے لوگوں کو پھیلا دیا تھا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے لوگوں کو یہ خبر دیتے تھے کہ یہ متقدمین خلفاء سے برات کا اظہار کرتے ہیں۔ اور یہ حضرت عثمان کے خون میں شریک ہیں تاکہ لوگوں کو آپ سے متنفر اور بیزار کریں اور آپ کے ساتھیوں کی اکثریت کو آپ کی امداد و نصرت سے باز رکھیں لہٰذا اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آپ نے ایسے کلمات زبان پر جاری فرمائے ہوں تاکہ اس آگ کو بجھا سکیں۔

Marfat.com

الحاصل یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ اس قسم کی روایات کا انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ امیر معاویہ لوگوں کو یہ باور کرانا چاہتے تھے کہ یہ خلفاء سابقین کی عظمت و رفعت کے قائل نہیں بلکہ ان سے برات کے قائل ہیں اور آپ پراپیگنڈے اور افواہ کو بے اثر کرنے کے لیے اور اس فتنہ کی آگ کو بجھانے کے لیے اس طرح کے ارشاد فرماتے تھے اس لیے ان کا انکار نہیں کیا جا سکتا تو جب ڈھکو صاحب کے اسلاف تسلیم کر رہے ہیں کہ ایسے کلمات مدح و ثنا اور عظمت و رفعت خلفاء کے خطبے حضرت امیر المؤمنین دیا کرتے تھے تو پھر شور و غل اور واویلا کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے

اہلِ السنت اور اہلِ تشیع میں فرق :

اس مضمون کی روایات اصول روایت اور درایت دونوں لحاظ سے صحیح اور درست ثابت ہوگئیں مگر فرق صرف یہ رہ گیا کہ اہل السنت کے نزدیک جو کچھ آپ زبان سے فرماتے تھے وہی آپ کا عقیدہ و نظریہ بھی تھا اور آپ کا دل اور زبان اس معاملہ میں باہم متفق اور متحد تھے لیکن شیعہ حضرات کا عقیدہ یہ ہے کہ صرف رعایا اور لشکریوں کو بے قوف بنانے کے لیے اور امیر معاویہ کے انتشار و راز سے گھبرا کر اور لشکریوں کے چھوڑ جانے کے ڈر اور خوف و اندیشہ کی وجہ سے محض زبانی زبانی اس طرح کے خطبے دیا کرتے تھے اور دل سے ان کے معتقد و معترف نہیں تھے گویا امیر معاویہ سچ کہتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ جھوٹ بولتے تھے العیاذ باللہ

قارئین کرام صحیح حقیقت کے طلوع ہونے کے بعد ڈھکو صاحب کے ٹمٹماتے چراغ کذب کے جلنے کا کوئی اخلاقی، عقلی اور شرعی جواز رہ جاتا ہے۔

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز کا تبصرہ

شافی پر اپنے قلمی حاشیہ میں حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے فرمایا۔

Marfat.com

عد هذا الكلام من المكائد (الى) ابعد من الدراية لأن الاعلان على المنبر بانى اكيد فى كل ما اقول لا يتأتى عن جاهل فضلا عن باب مدينة العلم كرم الله وجهه لأن بهذا الإعلان على المنبر يرتفع الأمان عن قوله كائنا ما كان ولا يعتمد على ما قاله احد على ان الكائد قد ضاع كيده بمثل هذا الاعلان لان الكيد لا يكون الا باخفاء امره وابراز خلافه فمن اعلن بانى اكيد فى كل ما احدث فكيف يعتمد على قوله وكيف يفوز بكيده لاسيما اذا كان اميرا او اعلن على المنبر (الى) والله ان سيدنا عليا كرم الله وجهه الشريف ابرأ الناس مما يقول الظالمون.

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے کلام کو مکائد سے شمار کرنا (نقلی دلائل کے خلاف ہونے کے علاوہ) درایت اور عقل کے بھی خلاف ہے کیونکہ آپ کا منبر شریف پر بیٹھ کر اعلان کرنا کہ میں جو کچھ اپنی طرف سے کہتا ہوں تو اس میں کید اور مکر سے کام لیتا ہوں کسی جاہل ترین آدمی سے بھی متوقع نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ باب مدینۃ العلم سے کیونکہ منبر پر ایسے اعلان کرنے سے آپ کے اقوال پر سے اعتماد اٹھ جائے گا خواہ جیسے اقوال بھی ہوں (دوسروں کی مدح وثنا میں ہوں یا اپنی تعریف و توصیف میں یا مخالفین کی مذمت میں) اور اس طرح کوئی بھی آپ کے ارشادات کے ظاہری معنی پر اعتماد نہیں کر سکتا۔

علاوہ ازیں جب کید اور مکر کرنے والا خود ہی کہہ دے کہ میرا کلام کید اور مکر پر مبنی ہے تو کید اور مکر ہی ختم ہو کر رہ گیا کیونکہ کید اور مکر کا دارومدار اس پر ہے کہ مراد کو مخفی رکھا جائے اور خلافِ مقصود کو ظاہر کیا جائے اور جب بر سر منبر امیر وقت اپنے عساکر اور رعایا کے سامنے کہہ دے۔ میرا ذاتی کلام جو بھی ہوگا میں اس میں مکر اور خداع سے کام

سے رہا ہوں گا، اس کا ظاہری معنی مراد نہیں ہوگا تو اس کے کلام کو ظاہری معنی پر محمول کون کرے گا اور اس کلام کا فائدہ کیا ہوگا اور اس میں کس کو مغالطہ کا شکار کیا جا سکے گا لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ ظالموں کے ایسے اقوال سے بہت ہی دور اور منزہ و مبرا ہیں۔

اقول: مقصد آپ کا یہ تھا کہ کس طرح امیر معاویہ نے میرے دل کی بات اور اصلی عقیدہ کو جو ظاہر کر دیا ہے اس پر پردہ ڈالا جا سکے اور اس پردہ داری کی کوشش کرتے ہوئے خود ہی پردہ دری کر دی اور اپنا اصلی عقیدہ ظاہر کر دیا کہ میں ان کی تعریف محض دکھلاوے کے لیے کرتا ہوں اور مغالطہ دینے کے لیے، تو اس پردہ داری نے الٹا آپ کے راز کو فاش کر دیا اور امیر معاویہ کے پرچار کو صحیح اور درست ثابت کر دیا اور کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسی معدن علم و حکمت اور مرقع دانش و بینش ہستی کے متعلق یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ وہ ایسی نامناسب اور ناموزوں حرکت کریں۔

عجیبہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر اکابر اہل بیت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بالعموم اور شیخین رضی اللہ عنہما کی بالخصوص تعریف و توصیف فرمادیں تو شیعہ صاحبان کہتے ہیں دھوکہ اور مغالطہ دینے کے لیے ہے تاکہ لشکر ساتھ نہ چھوڑ دے۔ کیا ایسے حب خالص دنیا دار اور دنیا کا طالب مردار خور کرسکتا ہے یا دین اور شریعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترویج و اشاعت کے لیے سر دھڑ کی بازی لگانے والے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا "لایخافون لومۃ لائم" کہ وہ اشاعت دین اور اس کی تنفیذ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوفزدہ نہیں ہوتے اور کلمہ حق کہنے اور اس کو نافذ کرنے میں ذرہ بھر ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے جن کی شان ہے "تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر" کہ تم نیکی کا حکم کرتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو مگر شیعہ صاحبان کہتے ہیں نہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکریوں کو غلط عقائد و نظریات پر برقرار رکھا بلکہ انہیں مغالطہ دیتے ہوئے ان کی مرضی کے مطابق خطبات دیتے رہے اور فضائل شیخین بیان کرتے رہے تو گویا ان دوست نما دشمنوں نے

Marfat.com

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ان صفات کمال سے عاری اور محروم نہیں ثابت کر دکھلایا اور ان کو عام امتی کی صفات سے خالی ثابت کر دیا چہ جائیکہ ان کو امامت اور قیادت کی اہلیت کا مالک ثابت کریں گویا بقول ان کے آپ کا مطمح نظر صرف اور صرف یہ تھا کہ حکومت میرے قبضے میں رہے خواہ میری رعیت اور لشکری جہنم واصل کیوں نہ ہوں۔

ع ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسمان کیوں ہو

مقام حیرت: اگر کسی کے حق میں ائمہ کرام فرمادیں وہ کذاب ودجال ہے۔ اور یہود و مجوس سے بدتر ہے اور مشرک وکافر ہے تو شیعہ صاحبان کہتے ہیں نہیں وہ کامل مؤمن اور مخلص شیعہ ہے اور آپ نے صرف اس کی جان بچانے کے لیے اور دشمنان شیعہ سے اس کو تحفظ دینے کے لیے یہ کلمات مذمت اور الفاظ تحقیر و تذلیل استعمال کیے ہیں اور اگر کسی کی تعریف فرمادیں تو کہتے ہیں یہ ان کا عقیدہ نہیں صرف لوگوں کو سنانے اور اپنے ساتھ شامل رکھنے اور ہمنوا بنانے کے لیے بظاہر ایسے تعریفی کلمات کہہ دیتے ہیں تو اس صورت میں کیا ائمہ کرام کی مذمت کا یا مدح و ثنا کا کوئی اعتبار ہو سکتا ہے اور ان کی کوئی بات قابل قبول ہو سکتی ہے؟ کیا ہادیان ملت اور مقتدایان انام اور معدنہائے رشد و ہدایت کا یہی حال ہوا کرتا ہے یہی وہ الزام تراشیاں اور بہتان بازیاں نہیں جن کو امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے جوتے کی نوک سے ٹھکرا دیا اور اپنے خون سے کربلا کے ریگزار پر وہ انمٹ نقوش تحریر کئے جو رہتی دنیا تک ان کی حق گوئی و بیباکی کے شاہد صادق رہیں گے اور ان کے ردیاہی صفات اور رذیلہ اخلاق سے مبرا و منزہ ہونے کی دلیل ناطق اقبال مرحوم نے کیا خوب فرمایا ہے۔

حدیث بیخبراں ہے کہ بازمانہ بساز
زمانہ باتو نسازد تو بازمانہ ستیز

لہٰذا ہم تو ائمہ اہل بیت اور علی الخصوص حضرت ابوالائمہ شیر خدا رضی اللہ عنہ

Marfat.com

کو اس بے خبرانہ حدیث پر عمل پیرا تسلیم نہیں کرتے نہ ہمارا ضمیر اس کی اجازت دیتا ہے اور اگر کسی بے ضمیر کا ضمیر اس امر کی اجازت دیتا ہے تو وہ جانے اور اس کا کام۔

الغرض ہم بہ بانگ دہل کہہ سکتے ہیں اور کہتے ہیں اور کہتے رہیں گے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جو مذہب اور عقیدہ ظاہر فرمایا اور جس پر علانیہ عمل پیرا رہے اور جس کا برملا اعلان اور اظہار فرماتے رہے وہ یہی اہل السنت والا مذہب تھا نہ کہ اہل تشیع والا اور ہم ظاہر کو ہی جان سکتے ہیں دلوں کی حالت کو صرف علیم بذات الصدور ہی جانتا ہے اور شریعت کا دار و مدار ہی ظاہر پر ہے لہذا اہل السنت کا مذہب بھی برحق ہے اور جو کچھ شافی اور تلخیص سے حضرت شیخ الاسلام۔ قدس سرہ نے مدح و ثنائے شیخین کی نقل فرمائی اس کا ثابت اور محقق ہونا بھی واضح ہو گیا۔ والحمد للہ علی وضوح الحق۔

مدح شیخین رض بزبان معدن ولایت رض

اسی مضمون کی روایت یحییٰ بن حمزہ زیدی شیعہ کی کتاب الصواعق المحامرفی مباحث الامام سے معروض خدمت ہے۔

عن سوید بن غفلة انه قال مررت بقوم ينتقصون ابا بكر وعمر (رضی اللہ عنهما) فاخبرت عليا وقلت لولا انهم يرون انك تضمر ما اعلنوا ما اجترؤا على ذلك منهم عبد الله بن سبا وكان اول من أظهر ذلك فقال على اعوذ بالله رحمهما الله ثم نهض وأخذ بيدى وأدخلنى المسجد فصعد المنبر ثم قبض على لحيته وهى بيضاء فجعلت دموعه يتحادر على لحيته وجعل ينظر البقاع حتى اجتمع الناس ثم خطب فقال ما بال اقوام يذكرون اخوى رسول الله صلى الله عليه وسلم ووزيريه وصاحبيه وسيدى قريش وأبوى المسلمين

Marfat.com

وأنا بریٔ ممایذ کرون وعلیه معاقبۃ صحبا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالجد والوفاء والجد فی امر اللہ یامرا ت وینھیان ویعاقبان لا یری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرایھما رأیا ولا یحب کحبھما حبا لما یری من عزمھما فی امر اللہ فقبض وھو عنھما راض والمسلمون راضون فما تجاوزا فی امرھما وسیرتھما رأی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وامرہ فی حیاتہ وبعد مماتہ فقبضا علی ذلک رحمھما اللہ والذی فلق الحبۃ وبرأ النسمۃ لا یحبھما الا مؤمن فاضل ولا یبغضھما الا شقی مارق وحبھما قربۃ وبغضھما مروق۔ الی آخر الحدیث (بحوالہ تحفہ اثنا عشریہ ص ۹۹)

سوید بن غفلہ سے مروی ہے کہ میرا گزر ایسی قوم پر ہوا جو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی تنقیص شان اور تحقیر کر رہے تھے میں نے اس کی اطلاع حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دی اور ساتھ ہی یہ بھی عرض کیا کہ اگر ان کا عقیدہ یہ نہ ہوتا کہ حضرت علی کا اصل اور قلبی عقیدہ بھی یہی ہے جس کو وہ ظاہر کر رہے ہیں تو وہ اس طرح کی جرأت اور جسارت نہ کرتے اور ان میں عبداللہ بن سبا بھی تھا اور وہی پہلا شخص تھا جس نے اس امر کا اعلان اور اظہار کیا تھا تو حضرت علیؓ نے فرمایا میں اس عقیدہ سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ابوبکر و عمرؓ پر رحم فرمائے پھر آپ اٹھے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے مسجد میں لے چلے منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ پھر اپنی ڈاڑھی مبارک کو اپنے ہاتھ سے پکڑا اور وہ سفید تھی اور اسی دوران آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی اور وہ ڈاڑھی مبارک پر گرنے لگے اور آپ ادھر ادھر زمین پر اپنی نگاہوں کو پھیر رہے تھے حتیٰ کہ لوگ جمع ہو گئے۔ تو آپ نے خطبہ دیا اور فرمایا ان لوگوں کا کیا حال ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو بھائیوں۔ آپ کے دو وزیروں، ساتھیوں

Marfat.com

قریش کے سرداروں اور اہل اسلام کے ابوین یعنی باپوں کو برائی کے ساتھ یاد کرتے ہیں میں اس سے بری ہوں جس کا وہ ذکر کرتے ہیں اور میں اس حرکت پر سزا دوں گا ان دونوں حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق صحبت پوری محنت کوشش اور وفاداری کے ساتھ ادا کیا اور اللہ تعالیٰ کے امر میں جد وجہد کا حق ادا کیا، وہ امر و نہی فرماتے قضا اور حدود و تعزیرات قائم کرتے تھے۔ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی رائے کی طرح کسی کی رائے کو اہمیت نہیں دیتے تھے اور نہ کسی محبوب اور پیاری شخصیت کو ان کی مانند محبوب رکھتے تھے بسبب اس عزم اور پختگی کے جو ان میں اللہ تعالیٰ کے امر کے متعلق ملاحظہ فرماتے تھے۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو آپ ان دونوں سے راضی تھے اور اہل اسلام بھی راضی تھے تو انہوں نے اپنے امور میں اور سیرت و کردار میں نہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے اور نظریہ سے تجاوز کیا اور نہ ہی آپ کے امر سے آپ کی حیات میں اور نہ آپ کے وصال کے بعد اور اسی حالت پر ان کا وصال ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں پر رحمت فرمائے۔

مجھے اس ذات اقدس کی قسم جس نے دانہ کو پھاڑا اور پودے کو اگایا اور نفس انسانی کو تخلیق فرمایا۔ ان دونوں سے محبت نہیں رکھتا مگر مومن کامل اور ان سے بغض نہیں رکھتا مگر ازلی بدبخت اور دین سے دور ہونے والا۔ ان کی محبت اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے اور ان کا بغض دین سے اعراض اور خروج کا موجب ہے۔

اس روایت نے جو زیدی شیعہ کے حوالہ سے منقول ہے ان حضرات کی عظمت شان کو اور ان کے حق میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عقیدہ و نظریہ کو مہر نیمروز کی طرح واضح کر دیا اور یہ حقیقت بھی کھل گئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس پالیسی

Marfat.com

اور زمانہ سازی سے بالکل بری تھے۔ یہ صرف عبداللہ بن سبا کی سازش اور اس کے دجل اور مکر وفریب کا کرشمہ ہے اور اس کے چیلے چانٹوں کا ورنہ حضرات ائمہ۔ اس قسم کے الزامات سے بالکل مبرا و منزہ ہیں اور نہ ہی ایسے امور ان کے شایان شان ہیں۔

اور شافی و تلخیص شافی سے نقل کردہ ان روایات کی تائید و تصدیق حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے کہ آپ نے شیخین رضی اللہ عنہما کے حق میں فرمایا۔ لعمری ان مکانھما فی الاسلام لعظیم وان المصاب بہما لجرح فی الاسلام شدید (شرح ابن میثم جلد ۴ ص ۳۶۲)۔

(شرح ابن میثم جلد نمبر ۴ ص ۳۶۲) مجھے اپنے خالق حیات و زیست کی قسم۔ ان دونوں حضرات کا مرتبہ و مقام اسلام میں بہت عظیم ہے اور ان کا وصال اسلام کے لیے شدید اور گہرا اور نہ مندمل ہونے والا زخم ہے، اور امیر معاویہ کے اس نظریہ کی (کہ اہل اسلام میں سب سے افضل ابوبکر ہیں اور پھر عمر) تصدیق کرتے ہوئے فرمایا۔ وکان افضلھم فی الاسلام کما زعمت وانصحھم للہ ولرسولہ الخلیفۃ الصدیق وخلیفۃ الخلیفۃ الفاروق (شرح ابن میثم جلد ۴ ص ۳۶۲)

(شرح ابن میثم جلد نمبر ۴ ص ۳۶۲) کہ اسلام میں سب سے افضل ابوبکر ہیں جیسے کہ تو نے کہا اور سب سے زیادہ مخلص اللہ تعالیٰ کے لیے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خلیفہ صدیق ہیں اور پھر ان کے خلیفہ عمر۔ پھر انہیں دعا دیتے ہوئے فرمایا۔ یرحمھما اللہ وجزاھما باحسن ما عملا۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے اور انہیں ان کے اچھے اعمال کی جزائے خیر عطا فرمائے۔ پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس دعوے اور اس تفضیل کے متعلق تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ سب کچھ مسلم جو تو نے ذکر کیا۔ مگر تیرا میرے سامنے ان امور کو ذکر کرنے کا کیا جواز ہے۔ تجھے صدیق سے کیا نسبت۔ انہوں نے تو ہمارے حق کی تصدیق کی اور اسے ثابت کیا اور ہمارے دشمنوں کے باطل کو باطل اور نیست و نابود کیا

Marfat.com

اور تجھے فاروق سے کیا نسبت، فاروق نے تو ہمارے دشمنوں اور ہمارے درمیان تفریق کی۔

وما انت والصدیق فالصدیق من صدق بحقنا وابطل باطل عدونا وما انت والفاروق، فالفاروق من فرق بیننا وبین اعدائنا۔ (ص: ۳۶۲- ج ۴)

جب کہ آپ نے متعلق ارشاد فرمایا۔ لعمری ماکنت الا رجلاً من المھاجرین اوردت کما اوردوا وصدرت کما صدروا وما کان اللہ لیجمعھم علی ضلال ولا یضربھم بعمی (جلد ۴ ص ۳۵۵) شرح ابن میثم مجھے اپنی زندگانی کی قسم میں تو مہاجرین میں سے ایک عام فرد تھا۔ جہاں وہ داخل ہوئے میں بھی داخل ہوا اور جہاں سے وہ لوٹے میں بھی لوٹا اور اللہ تعالیٰ کے یہ شایان شان نہیں کہ ان کو گمراہی پر متفق کرے اور نہ یہ کہ انہیں حق و صداقت کے مشاہدہ سے بے بہرہ اور اندھا کرے اس کے بعد بھی کوئی شک و شبہ رہ سکتا ہے کہ آپ کا حضرات شیخین کے حق میں نظریہ عقیدہ کیا تھا جب کہ ان کے مقام کو عظیم اور ان کے وصال کو اسلام کے لیے ناقابل تلافی نقصان قرار دیتے ہیں اور اپنے آپ کو مہاجرین میں سے ایک عام فرد قرار دیتے ہیں جو ان کے ساتھ موافق و مرافق ہے لہٰذا شافی اور تلخیص الشافی کی ان روایات کے متعلق دعویٰ کرنا کہ یہ محض اہل السنت کی روایات ہیں بالکل غلط ہے اور حقائق سے آنکھیں بند کرنے کے مترادف اور جواب سے عجز اور بے بسی کا عملی اظہار۔

مذہب شیعہ از شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز

جناب ابوسفیان کی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بیعت کی پیشکش اور آپ کا جواب

وروی جعفر بن محمد عن ابیہ عن جدہ علیھم السلام قال لما استخلف ابوبکر جاء ابوسفیان فاستاذن علی علی علیہ السلام قال ابسط یدک ابایعک فواللہ لاملأنھا علی ابی فصیل خیلاً ورجلاً

Marfat.com

فانزوی عنه علیه السلام وقال ویحك ابا سفیان هذه من دواهیك

وقد اجتمع الناس علی ابی بکر ما زلت تبغی الاسلام عوجا فی الجاهلیة و

الاسلام و واللّٰه ما ضر الاسلام ذالك شیئا کتاب الشافی جلد ۲ ص ۱۰۸ مطبوعہ نجف اشرف :

امام جعفر صادق اپنے والد سے روایت فرماتے ہیں اور وہ اپنے والد سے روایت فرماتے ہیں اور وہ اپنے والد (امام زین العابدین رض) سے روایت فرماتے ہیں کہ جب (حضرت) ابوبکر (صدیق رض) خلیفہ بنے تو ابو سفیان نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضری کی اجازت چاہی (اور حاضر ہو کر) عرض کی آپ ہاتھ بڑھائیں میں آپ سے بیعت کرتا ہوں، خدا کی قسم اس علاقہ کو سواروں اور پیدلوں سے بھر دوں گا (اگر حضور خوف کی وجہ سے خلافت کا اعلان نہیں فرما رہے اور تقیہ" خاموش ہیں) یہ سن کر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس سے روگردانی فرمائی اور فرمایا کہ ابو سفیان تیرے لیے سخت افسوس ہے یہ خیالات تیری تباہ کاریوں کی دلیل ہیں، حالانکہ ابوبکر (صدیق رض) کی خلافت پر صحابہ کا متفقہ اور اجماعی فیصلہ ہو چکا ہے تو تو ہمیشہ کفر اور اسلام کی حالت میں فتنہ اور کجروی ہی تلاش کرتا رہا ہے۔ خدا کی قسم (صدیق اکبر) ابوبکر کی خلافت کسی طرح بھی اسلام کے لیے غیر مفید نہیں ہو سکتی اور تو تو ہمیشہ فتنہ بازی رہا ہے۔

لیجیئے جناب یہ حدیث بھی امام عن امام غرضیکہ اس حدیث کی سند بھی تمام تر ائمہ معصومین صادقین پر مشتمل ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ ان کے ساتھ دوسرا شاہد موجود نہیں ورنہ شیعوں کے محقق طوسی اس پر ایمان لا چکے ہوتے کاش شیعوں کا پیشوا اس بات پر ایمان رکھتا کہ ائمہ ہدیٰ کے ارشاد سے زیادہ اور کوئی چیز قابلِ یقین اور لائق اعتبار نہیں ہو سکتی اور ان کے ارشاد پر یقین کرنے کے لیے کسی دوسری شہادت کی ضرورت نہیں ہوتی۔

Marfat.com

تحفہ حسینیہ

آیا بیعت خلافت کی پیشکش ابوسفیان کی طرف سے صرف اہل لسنت کی روایت ہے؟

علامہ ڈھکو صاحب نے یہاں بھی ساری شاعری صرف اس نکتہ پر صرف کر دی ہے کہ یہ روایت بھی قاضی عبدالجبار نے مغنی میں نقل کی اور صاحب شافی نے تو اس کا جواب دیا ہے لہٰذا یہ اہل تشیع کی روایت کس طرح بن گئی اور اسے ان کے خلاف پیش کرنے کا کیا مطلب ہے اور اپنی عبارت کو بے حیائی اور بے شرمی کا مرقع بنا دیا ہے اور کیوں نہ ہو ہے

اذا یئس الانسان طال لسانه كسنور مغلوب يصول على الكلب

جب انسان مایوس ہو جاتا ہے تو زبان درازی پر اتر آتا ہے جیسے بلی عاجز آئے تو کتے پر حملہ آور ہو جاتی ہے۔

(۱) ـــــــ کوئی اس بھلے مانس سے پوچھے کہ قاضی عبدالجبار جو روایت مغنی میں نقل کر دے وہ شیعہ کتب میں موجود نہیں ہو سکتی اور نہ وہ شیعی روایت ہو سکتی ہے، جب حقیقت یہ ہے کہ روایت متعدد شیعی کتب میں موجود ہے اور نہج البلاغہ جیسی کتاب میں تو پھر اس شور و شر اور رد و اویلا کا مطلب کیا۔ (ملاحظہ ہو نہج البلاغہ مع شرح ابن میثم جلد اول ص ۲۷۶)

لما قبض رسول الله صلى الله عليه وسلم وخاطبه العباس وابوسفيان بن حرب ان يبايعا له بالخلافة: ايها الناس شقوا امواج الفتن بسفن النجاة وعرجوا عن طريق المنافرة وضعوا تيجان المفاخرة "

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اور حضرت عباسؓ نے اور جناب ابوسفیان نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت خلافت کے لیے ہاتھ بڑھانے کو کہا تو آپ نے فرمایا اے لوگو فتنوں کی موجوں کو نجات کی کشتیوں کے ساتھ

Marfat.com

پھاڑ دو اور عبور کر دو اور منافرت کا راستہ چھوڑ دو اور نسبی و قبائلی فخر و ناز کے تاج سروں سے اتار پھینکو۔ اور اس خطبہ کی شرح میں ابن میثم اور ابن ابی الحدید نے یہی تفصیلات بیان کی ہیں جو اس روایت میں موجود ہیں جو شافی میں منقول ہے۔ لہٰذا اس روایت کو صرف یہ کہہ کر ٹال دینا کہ قاضی عبدالجبار نے نقل کی ہے اور مغنی میں مرقوم ہے بالکل عجز اور بے بسی کی منہ بولتی تصویر ہے۔

(۲) ——— یہ کہہ کر اس روایت کی اہمیت کم کرنا کہ یہ صرف ابوسفیان کا خیال تھا اور وہ دشمن اسلام تھا اور وہ دارالخلافہ میں لڑائی کروانا چاہتا تھا نہ اس کو ابوبکر سے دشمنی تھی اور نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دوستی بلکہ وہ تو اسلام کی جڑیں کھوکھلی کرنا چاہتا تھا۔ تو آپ نے دشمن اسلام کی پست بڑی سازش کو ناکام کر کے اسلام کو تباہی سے بچالیا یہ بھی واقعات و حقائق کے سراسر خلاف ہے کیونکہ اس مشورہ میں حضرت عباس بھی شامل تھے اور حضرت زبیر بھی اور دیگر مہاجرین کی ایک جماعت بھی جیسے کہ ابن ابی الحدید نے ذکر کیا ہے۔ لما قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واشتغل علی علیہ السلام بغسلہ ودفنہ وبویع ابوبکر خلا الزبیر وابو سفیان وجماعۃ من المہاجرین بعلی وعباس رضی اللہ عنہما لاجالۃ الرأی وتکلموا بکلام یقتضی الاستنہاض والتہییج (جلد اول ص ۲۱۸) جب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے غسل اور دفن میں مصروف ہو گئے اور ابوبکر (صدیق رضی اللہ عنہ) کی بیعت خلافت کر لی گئی تو حضرت زبیر اور ابوسفیان اور مہاجرین کی ایک جماعت نے حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے خلوت میں کلام کیا صلاح و مشورہ کے لیے اور ایسا کلام کیا جو ابوبکر کی خلافت اور بیعت کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے اور ہلچل مچا دینے کا موجب تھا اور خود نہج البلاغہ سے صراحۃً ثابت کہ حضرت عباس نے بھی یہی قول کیا لیکن

Marfat.com

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سب کو منافرت کی راہ پر چلنے سے منع کیا اور نجات کی کشتیوں کے ذریعے ان فتنوں کی امواج کو پھاڑنے اور عبور کرنے کا مشورہ دیا اور اپنی خلافت کو قبل از وقت کچا پھل توڑنے اور دوسروں کی زمین میں کھیتی کرنے کے مترادف قرار دیا جس سے صاف ظاہر و واضح ہے کہ آپ مطلقاً حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے خلاف کوئی بھی اقدام کرنے کے مشورہ کو ناقابل قبول اور ناقابل عمل قرار دیتے تھے نہ محض اس لیے کہ مشورہ دینے والا ابوسفیان ہے اور اس کا اصلی مقصد میری محبت نہیں بلکہ اسلام کو ختم کرنا ہے (العیاذ باللہ) کیونکہ مشورہ دینے میں تو بڑے بڑے اکابر اہل بیت اور صحابہ شامل تھے۔

(۳) ——— علاوہ ازیں وہ کون سا محفوظ و مصئون اسلام تھا جس کو ابوسفیان کی سازش ناکام کر کے حضرت علی رضی اللہ نے بچا لیا جب کہ تمہارا مذہب ہی یہ ہے "ارتد الناس الا ثلاثۃ" تین اشخاص کے علاوہ سبھی مرتد ہو گئے تو آپ نے نعوذ باللہ ارتداد کا تحفظ کیا اور مرتدین کا یا اسلام کا اور اہل اسلام کا؟ سچ کہیے کونسی بات تمہاری سچی ہے۔

(۴) ——— نیز جناب کا نظریہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ عظیم اکثریت ان لوگوں کی تھی جو شیخین کی خلافت کو برحق جانتے تھے بلکہ ان کو افضل امت تسلیم کرتے تھے لہٰذا آپ ان کی دلجوئی کے لیے اور ان کو ہمنوا بنائے رکھنے کے لیے شیخین کی مدح و ثناء اور تعریف و توصیف فرما دیتے تھے اور اصلی اسلام اور حقیقی دین جاری نہیں فرماتے تھے۔ تو ہم پوچھ سکتے ہیں کہ حصول خلافت کے لیے اور مخالفین کے ساتھ جوابی اقدام اور کاروائی کے لیے اگر اس وقت یہ سیاست اور حکمت عملی اپنائی جا سکتی تھی تو اس وقت اس سے مانع کیا تھا آپ ان کی امداد حاصل کر کے اس خلافت غاصبانہ کو ختم کر دیتے اور پھر ان کے ساتھ

Marfat.com

نمٹ لیتے اگر وہ طرز عمل درست تھا جو دوران خلافت اپنایا گیا تو وہ اس وقت درست کیوں نہیں تھا اور اگر اس وقت یہ چال اور حربہ اور خداع دیکر (نعوذ باللہ بزعم شیعہ) درست نہیں تھا تو بعد میں کیوں درست ہوگیا۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین

(۵) ——— قابل غور امر یہ ہے کہ جو خلافت نہیں دیتے وہ بھی مجرم اور جو ہر طرح کا تعاون کریں اور سواروں اور پیادوں کے ساتھ مدینہ منورہ کی وادیوں کو بھر دینے کی پیشکش کریں وہ بھی مجرم تو یہ بلافصل خلافت کسی کو جرم سے پاک رہنے بھی دیتی ہے یا سبھی کو مجرم اور گناہگار اور ظالم و غاصب ثابت کرنے کے لیے ہی اس کو فرض و تسلیم کیا گیا ہے۔

حقیقت حال:۔ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ان حضرات کی اتباع و اطاعت اور ان کی متابعت و موافقت کا پابند کر دیا تھا اور آپ ان کی خلافت کو برحق سمجھتے تھے اس لیے آپ نے ایسی کسی تحریک کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا بلکہ سختی سے ایسے لوگوں کو منع کر دیا جیسے کہ فرمایا۔ اذا المیثاق فی عنقی لغیری کما سیأتی۔

ترجمہ صحیح ہے یا غلط:۔ ڈھکو صاحب نے حضرت شیخ الاسلام کے ترجمہ کو بھی ہدف تنقید بنایا اور کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد "مازلت تبغی الاسلام عوجا فی الجاھلیۃ والاسلام واللہ ماضر الاسلام ذلک شیئا" کا مقصد یہ ہے کہ تو کفر و اسلام کی حالت میں کجروی اور فتنہ سامانی کرتا رہا ہے مگر تیری ان کارستانیوں نے اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا بلکہ وہ برابر پھیلتا رہا اور پھیلتا رہے گا۔ مگر مؤلف نے آخری جملے "ماضر ذلک الاسلام شیئا" کا ترجمہ کیا ہے؟ ابوبکر کی خلافت اسلام کے لیے غیر مفید بھی نہیں جو کہ سراسر غلط ہے اور جان بوجھ کر کیا گیا ہے تو محض ضلالت ہے اور نادانستہ کیا گیا ہے تو جہالت ہے (رسالہ تنزیہ ص ۸۲)

Marfat.com

علامہ صاحب اس سے بے خبر تو نہیں ہو سکتے کہ کبھی تحت اللفظ ترجمہ کیا جاتا
ہے اور کبھی مقصد قائل بیان کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پہلے
حضرت صدیق رضی اللہ عنہ پر اہل اسلام کا اجماع و اتفاق بیان کیا اور اس کی مخالفت کو
فتنہ سامانی قرار دیا اور بعد ازاں ابوسفیان کی عادت اور معمول بیان کیا کہ تو اسلام لانے
سے قبل اور اسلام لانے کے بعد بھی اسلام کو نقصان پہنچانے کے درپے رہا ہے تو
منجملہ اسلام کو نقصان پہنچانے کے مواقع سے صدیق اکبر کی خلافت کا موقعہ بھی ہے لہذا اس
کے خلاف کاروائی اسلام کو نقصان پہنچانے کے مترادف ہے اور اگر خود ابوبکر کی خلافت
ہی اسلام کو نقصان پہنچانے کا موجب ہوتی تو اس کے خلاف کاروائی تو اسلام کو بچانے
کے لیے ہوتی نہ کہ اس کو نقصان پہنچانے کے لیے جس سے بالکل آفتاب نیمروز کی طرح
واضح ہو گیا کہ ابوبکر صدیق کی خلافت نے اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا اور اس کے
خلاف اقدام اسلام کو نقصان پہنچانے کا موجب ہو گا لہذا حضرت شیخ الاسلام نے
اس جملہ مرتضویہ کے مغز اور مقصد کو بیان فرمایا تھا مگر بے مغز اور محروم فطنت و ذہانت
اس کو سمجھنے سے قاصر رہے اور اپنی ذلالت و جہالت کو اگل بیٹھے

الغرض حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے واضح ہو گیا کہ خلافت صدیقی کا
دور اسلام کا سنہری دور ہے اور اس کی مخالفت اسلام کی مخالفت ہے اور حضرت علی
رضی اللہ عنہ اس کی نہ خود مخالفت کر سکتے ہیں
اور نہ کسی کو اس کی مخالفت کی اجازت دے سکتے ہیں خواہ کوئی بھی ہو۔

والحمد للہ علی ذلك۔

اب مدعیان محبت و تولی بتلائیں کہ جس حکومت کا تحفظ اور نگہبانی فرماتے
والے خود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہوں اس کو غاصبانہ و ظالمانہ کیسے کہا جا
سکتا ہے اور نعوذ باللہ حضرت امیر اس کی حفاظت و صیانت کر کے کیا خود بھی
س جرم میں شریک اور حصہ دار نہیں بن گئے؟
علامہ ڈھکو کا دماغی چکر! ڈھکو صاحب حضرت شیخ الاسلام کی غلطی نکالتے نکالتے

Marfat.com

ایسے چکرائے کہ اتنا ہوش بھی نہ رہا کہ تلخیص الشافی کس کی تصنیف ہے چنانچہ فرماتے ہیں یہ روایت کتاب مذکور کے اسی صفحہ سے نقل کی گئی ہے جس سے سابقہ دو جعلی روایتیں نقل کی گئی ہیں، سید علم الہدیٰ نے کتاب الشافی کے ص ۴۳۰، ص ۴۳۱ پر اس کا مکمل جواب باصواب پیش کیا ہے (رسالہ تنزیہ الامیہ ص ۸۱) حالانکہ یہ عبارت اور یہ صفحات تلخیص الشافی کے ہیں نہ کہ شافی کے جب کہ شافی ص ۲۹۵ پر ختم ہو جاتی ہے اور اس کے بعد تلخیص الشافی کے دو جز ہیں جن سے پہلا جز ص ۳۸۶ پر ختم ہوتا ہے اور یہ عبارت تلخیص کے دوسرے جز کی ہے اور وہ ابو جعفر محمد بن حسن بن علی طوسی کی تصنیف ہے نہ کہ سید مرتضیٰ علم الہدیٰ کی۔ مقام حیرت ہے کہ جب اس مذہب کے مجتہد کو اپنے مذہب کی کتاب کے مصنف کا بھی علم نہیں ہے تو اس کی شان اجتہاد کا عالم کیا ہوگا دوسروں کی غلطیاں نکالنے کا ہی ہر وقت خیال رہتا ہے مگر اپنے دماغ بلکہ نصیب کے چکر سے بالکل بے خبر ہیں۔

لو نظر الناس الی عیبہم

ما عاب الناس بالناس

اگر اپنی حالت کا علم ہو جاتا تو اکابرین امت کو نشانہ کیونکر بنایا جاتا

ع

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنے خبر

رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر

پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر

تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

شیخ الطائفہ ابو جعفر طوسی کا جواب یہ ڈھکو صاحب نے تلخیص الشافی کے ص ۴۳۰ و ص ۴۳۱ پر مذکور جس جواب باصواب کا حوالہ دیا ہے مختصراً اس کا تذکرہ اور اس میں موجود وجوہ سقم اور ضعف کی طرف بھی اشارہ کرتا چلوں طوسی صاحب نے کہا: فهو خبر متی صح لم یکن فیه دلالة علی اکثر من تهمة امیر المؤمنین لابی سفیان (رالی) ولا حجة فیه علی امامة ابی بکر

Marfat.com

ولا تفضیلہ الخ یعنی یہ ایسی روایت اور خبر ہے کہ اگر صحیح ہو بھی تو اس سے اس سے زیادہ کچھ بھی معلوم نہیں ہو سکتا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک ابوسفیان اس رائے کے اظہار میں متہم تھا اور اس میں نہ ابوبکر کی امامت پر کوئی دلالت ہے اور نہ ان کی فضیلت پر کیونکہ آپ نے مخالفت سے صرف اس لیے گریز کیا کہ کہیں ایسا نقصان لازم نہ آئے جس کی تلافی ممکن نہ ہو۔ لیکن اس سے یہ کہنے کا کسی کے لیے جواز پیدا نہیں ہو جاتا کہ اگر متولی الامر اس کا حقدار نہ ہوتا تو آپ اس کے خلاف فوج کشی سے گریز کیوں کرتے اور ابوسفیان کی بیعت لینے سے گریز کیوں کرتے کیونکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ مصلحت کا تقاضا یہی تھا اور اس کے تحت مخالفت سے دور رہنا واجب ولازم تھا اور اگر ترک نزاع واختلاف کو اس کی دلیل بنا لیا جائے کہ متولی امر مستحق ہے تو پھر ظالم بنو امیہ کو بھی مستحق خلافت ماننا پڑے گا۔ اسی طرح حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو امیر معاویہ کی مخالفت کا اگر کوئی مشورہ دیتا بھی تو آپ اس کو قبول نہ کرتے بلکہ نہ کیا اور مصالحت پر برقرار رہے اور منکرین مصالحت کو فرمایا کہ دین اور رائے اسی کے متقاضی ہیں جو کچھ میں نے کیا ہے یہ ہے محصل اس جواب باصواب کا جو طوسی صاحب نے نو ساڑھے نو سطر میں ذکر کیا ہے جس میں سے کچھ ص ۴۳۰ پر ہے اور کچھ ص ۴۳۱ پر

طوسی صاحب کے جواب کے وجوہ اختلال

اقول : اس جواب پر چند امور قابل توجہ ہیں۔ اول یہ کہ طوسی صاحب نے وہ واویلا اور شور نہیں مچایا بلکہ روایت درست ہونے کی صورت میں اس کا محمل بیان کیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک یہ روایت محض اہل السنت کی نہیں ورنہ وہ بھی ڈھکو صاحب کی طرح آسمان سر پر اٹھا لیتے اور شور و شر کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کر دیتے

دوم طوسی صاحب نے بھی صرف اس روایت کے الفاظ کو سامنے رکھ کر

Marfat.com

گلو خلاصی کی سعی ناکام فرمائی ہے حالانکہ دوسری اس مضمون کی روایات میں دوسرے حضرات حضرات کی شرکت بھی اس صلاح و مشورہ میں ثابت ہے اور اس منافرت اور عصبیت سے آپ کا انہیں منع فرمانا بھی ثابت ہے لہٰذا جواب کو صرف ان الفاظ تک محدود رکھنا اور گلو خلاصی کی سعی کرنا محققین کی شان سے بعید ہے۔

سوم ہے (و) یہ دعویٰ کہ اس سے نہ ابوبکر کی امامت ثابت ہوتی ہے اور نہ ہی فضیلت ثابت ہوتی ہے سراسر سینہ زوری اور تحکم ہے اور اس باب میں وارد دوسری روایات سے صرف نظر کر کے یہ قول کیا گیا ہے جن میں تصریح موجود ہے کہ ہمیں تیرے سواروں اور پیادوں کی ضرورت نہیں ہے اگر ہم ابوبکر کو اس کا اہل نہ دیکھتے تو کبھی ان کو امامت و خلافت کے منصب پر فائز نہ ہونے دیتے ملاحظہ ہو شرح حدیدی جلد نمبر ۲ ص ۴۵ اور حضرت علی رضی اللہ کا یہ فرمانا کہ میرا اس وقت بیعت لینا پھل پکنے سے قبل توڑنے کے مترادف ہے اور دوسرے کی زمین میں کھیتی باڑی کرنے کے حکم میں ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ ابھی دوسرے حضرات کا وقت ہے اور جب وقت ہی ان کا ہے تو پھر ان کا استحقاق اور اہل ہونا خود ہی ثابت ہو گیا۔

(ب) ——— جب اس روایت میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیقؓ پر صحابہ کرام کا اجماع و اتفاق تسلیم کر لیا تو اہلیت و استحقاق خود بخود واضح ہو گیا کیونکہ آپ کا اپنا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ صحابہ کو ضلالت پر جمع نہیں فرماتا اور نہ ان کو مشاہدہ حق سے محروم رکھنا اس کے شایان شان ہے لہٰذا فضیلت بھی ثابت ہو گئی اور امامت و خلافت بھی۔

(ج) ——— آپ نے ابوسفیان کی سابقہ کاروائی اور معمول کا حوالہ دیکر کہا کہ تو روز اول سے اسلام کے خلاف سازش کرتا رہا ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ اب بھی یہ اسلام کے خلاف سازش ہے، جس سے اسلام کا قائم اور باقی ہونا اور محفوظ و مصئون ہونا ثابت ہو گیا حالانکہ شیعی نقطہ نظر

Marfat.com

سے تو اسلام کی جگہ ارتداد نے لے لی تھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرمان کے مطابق اسلام باقی ہے تو امامت و خلافت کی تنقیص اور اس کا مدار ایمان و اسلام ہونے کا دعویٰ ختم ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی حضرت صدیق کی خلافت و امامت کا ثبوت واضح ہو گیا۔

(د) ——— ظالم بنو امیہ کا یہاں حوالہ دینا اور اس معاملہ کو ان کی حکومت و بادشاہت پر قیاس کرنا ہی بنیادی غلطی ہے کیونکہ مہاجرین و انصار کے اجتماع کو حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ نے دلیل حقانیت قرار دیا ہے اور اسی کو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ بھی جیسے کہ نہج البلاغہ میں ہے۔ إنما الشورى للمهاجرين والأنصار فان اجتمعوا على رجل وسموه اماما كان ذلك لله رضى (الى) قاتلوه على اتباعه غير سبيل المؤمنين وولاه الله ما تولى۔ شوریٰ اور انتخاب کا حق صرف مہاجرین و انصار کے لیے ہے وہ کسی پر متفق ہو کر اسے امام اور خلیفہ نامزد کریں تو وہی اللہ تعالیٰ کی رضا بھی ہے لہٰذا اگر کوئی اس کی مخالفت کرے اور باز نہ آئے تو اس کے ساتھ مؤمنین کی راہ سے ہٹنے کی وجہ سے جنگ کرو اور اللہ تعالیٰ اس کو ادھر پھیرے گا جدھر کو وہ پھرا۔ اس لیے خود اہل السنت نے خلافت راشدہ اور ملوکیت کے درمیان فرق کیا ہے مسلسل تیس سال تک خلافت راشدہ کا دور تسلیم کیا ہے اور اس کے بعد ملک و سلطنت جو کبھی رحمت اور کبھی زحمت بنتا رہا لہٰذا اس دور خلافت کو ظالم بنو امیہ کے دور پر قیاس کرنا خود علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو جھٹلانے کے مترادف ہے۔

(ہ) ——— حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو کوئی ہزار مرتبہ مشورہ دیتا کہ مصالحت ختم کر دو تو آپ ختم نہ کرتے اور نہ ہی ختم کی یہ بالکل بجا ہے لیکن تسلیم و تفویض کا اہل بھا تو سوچیں اگر وہ دین اسلام سے برگشتہ تھے اور اور اسلام کے خلاف اصول و قواعد اور قوانین و آئین کے نافذ اور جاری

Marfat.com

کرنے والے تو یقیناً آپ نے اسلام اور اہل اسلام پر زیادتی کی ہے اور آپ اس کے جواب دہ ہوں گے۔ العیاذ باللہ۔

لوسی صاحب کے اس جواب کا مطلب یہ ہوا کہ آپ نے نااہل شخص کو حکومت اسلام دے کر حقوق اہل اسلام میں خلل اندازی کی ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ جو سراسر نعوذ باطل ہے۔ تو اس تفویض سے امیر معاویہ کی نفی فضیلت اور اہلیت و استحقاق مسلم ہے ہاں البتہ امام حسنؓ پر فضیلت لازم نہیں آتی اور نہ ہی ہم اس کے قائل ہیں ہاں خلافت معاویہؓ اگر ابتداء اہل حل وعقد مہاجرین والانصار کے اجماع سے ثابت ہوتی اور شورائی انداز میں تو پھر کلی یا جزوی فضیلت کا تسلیم کرنا ضروری تھا ورنہ ان کا اجماع محل تنقید و اعتراض بن جاتا۔

الغرض آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ لوسی صاحب کا جواب مطلب سے کوسوں دور ہے اور محض گوشمالی کی سعی ناتمام اور تحقیق و تدقیق سے بالکل بیگانہ اور بے تعلق!

مذہب شیعہ:

حضرت علیؓ کے لیے قابل رشک اعمال نامہ

وروی جعفر بن محمد عن ابیہ عن جابر بن عبد اللہ لما غسل عمر وکفن دخل علی علیہ السلام فقال صلی اللہ علیہ ماعلی الارض احد احب الیّ ان القی اللہ بصیفۃ من ھذا المسجی بین اظہرکم۔

امام جعفر صادق امام محمد باقر سے روایت فرماتے ہیں کہ جب (امیر المومنین) عمر شہید ہوئے اور ان کو کفن پہنایا گیا تو حضرت علی المرتضیٰؓ تشریف لائے اور فرمایا اس پر اللہ تعالیٰ کی صلوۃ (رحمتیں و برکتیں) ہوں تمام روئے زمین پر میرے نزدیک کوئی چیز اس سے زیادہ پسندیدہ تر نہیں کہ میں اللہ سے ملوں اور رہبرا۔

Marfat.com

اعمال نامہ بھی اس کفن پوش کے اعمال نامہ کی طرح ہو جو اس وقت تمہارے سامنے موجود ہے ۔

سبحان اللہ! مولا مرتضیٰ تو ان کے اعمال نامہ کے ساتھ رشک فرما رہے ہیں اور مدعیان تولّی ان کو غاصب اور ظالم کہہ رہے ہیں اب سوال یہ ہے کہ کس کی سنیں اور کس کی نہ سنیں؛ مولا مشکل کشا کو سچا مانیں یا ان مدعیان محبّت و تولی کو! اس سے زیادہ بھی کوئی تعجب انگیز صورت پیدا ہو سکتی ہے ۔ کہ کتابیں بھی ۔ اہل تشیع کی نہایت معتبر اور روایات بھی شروع سے آخر تک ائمہ صادقین ۔ طاہرین معصومین کی، ان کتابوں کی کتابت اور طباعت بھی تہران یا نجف اشرف میں مشہور غالی شیعوں کی زیر نگرانی اور پھر روایات پر اہل تشیع ایمان نہ لائیں تو کہنا پڑتا ہے کہ "فبأیّ حدیث بعدہ یؤمنون" یہ بھی یاد رکھیے کہ سید مرتضی مصنف کتاب شافی کے متعلق ملا مجلسی نے اپنی کتاب حق الیقین ص ۱۵۰ مطبوعہ ایران میں لکھا ہے کہ از اکابر علمائے امامیہ است (یعنی شیعوں کے بہت بڑے علماء میں سے ہے) اور ابو جعفر طوسی کے متعلق بھی تمام مجتہدین شیعہ امام الطائفہ لکھتے ہیں اس کی اپنی کتابیں بھی اس کے غالی شیعہ ہونے کی تصدیق کرتی ہیں ۔

تنزیہہ الامیہ ۔

(۱) بارہا گفتہ ام و بار دگر می گویم ۔ یہ خانہ ساز روایت اسی سابقہ زنجیر کی کڑی ہے یعنی سید مرحوم نے ص ۲۸ پر اس کو اہل السنت کے استدلال کے ضمن میں ذکر کیا ہے اور پھر ص ۱۳۳ پر اس کا کافی و شافی جواب دیا ہے

(۲) اس میں درایتی سقم یہ ہے کہ رشک وہ کرتا ہے جس میں کوئی علمی یا عملی کمزوری ہو اور رکھتا اس پر ہے جس میں ایسی برتری موجود ہو مگر یہاں ہر لحاظ سے معاملہ برعکس ہے لہذا ایسا جامع الصفات کامل انسان عمر صاحب کے کس ایمانی، علمی یا عملی کارنامے پر رشک کر سکتا ہے ان

Marfat.com

کے ایمان پر جو خود حذیفہ بیان فرماتے ہیں اے حذیفہ خدا کی قسم میں منافقین سے ہوں یا ان کے یقین پر جن کی کمزوری کا یہ عالم ہے کہ رسول خدا کی نبوت و رسالت پر شک کرتے ہوئے نظر آتے ہیں یا ان کے علم و فضل پر جو خود کہتے ہیں۔ کہ بوڑھی عورتیں بھی مجھ سے زیادہ احکام شریعت جانتی ہیں یا ان کی زندگی پر جس کا اکثر و بیشتر حصہ کفر و شرک کی وادیوں میں چکر کاٹتے گزرا ان حالات میں کوئی دشمن عقل و ایمان ہی باور کر سکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عمر صاحب کے اعمال نامہ کے ساتھ رشک کیا۔ ورنہ کوئی صاحب عقل و انصاف تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تا بہ تصدیق چہ رسد؟

(۳) حقیقت یہ ہے کہ عمر صاحب کے اعمال نامہ میں کسی بھی آدمی کے لیے کوئی قابل رشک کارنامہ نہیں ہے چہ جائیکہ حضرت امیر علیہ السلام رشک کریں الخ ص ۸۴،۸۵،۸۶۔

تحفہ حسینیہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قابل رشک اعمال نامہ اور اس کی روایتی و درایتی درستگی اور صحت کا بیان:

جواب اول: ڈھکو صاحب نے سب سے پہلا جواب حسب سابق۔ شور و شرا اور واویلا کے ساتھ دیا کہ یہ اہل السنت کی روایت ہے مغنی میں مرقوم ہے۔ قاضی عبد الجبار نے اس کو نقل کیا ہے اور سید مرتضیٰ نے تو اس کا کافی و شافی جواب دیا ہے وغیرہ وغیرہ گویا قاضی عبد الجبار کوئی آیت بھی ذکر کر دے تو ڈھکو صاحب کا جواب یہی ہوگا یہ سنی آیت ہے اس کو قاضی نے مغنی میں ذکر کیا ہے اور سید مرتضیٰ نے تو اس کا جواب دیا ہے آخر اس احمقانہ حرکت کا بھی کوئی جواز ہے تم کہو ہماری کسی کتاب میں یہ روایت اور اس کا معنی و مفہوم مذکور نہیں ہے پھر تو کوئی بات ہوئی محض اس لیے کہ اس کو فلاں سنے ذکر کیا ہے

Marfat.com

اور فلاں نے اس کا جواب دیا ہے اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ دوسری کسی مذہبی کتاب میں موجود نہیں ہے۔ اگر جناب کو نہیں ملی تو ہم ہی یہ احسان کر دیتے ہیں اور آپ کو اپنی کتابوں کا مطالعہ کرا دیتے ہیں جس سے آپ کو تو نہیں لیکن ارباب عقل و دانش اور اصحاب دیانت و امانت کو تسلی ہو جائے گی کہ یہ روایت واقعی اہل تشیع نے بھی نقل کی ہے، ملاحظہ ہو (معانی الاخبار ص ۱۱۷ مصنفہ ابو جعفر محمد بن علی بن الحسن بن موسیٰ بن بابویہ القمی)

عن محمد بن سنان عن مفضل بن عمر قال سألت اباعبد الله علیه السلام عن معنی قول امیر المؤمنین اذا نظر الی الثانی وھو مسبجی بثوبه ما احد احب الی ان القی الله بصحیفته من ھذا المسبجی فقال عنی بھا الصحیفة التی کتبت فی الکعبة۔

محمد بن سنان نے مفضل بن عمر سے روایت کی ہے کہ میں نے امام ابو عبد اللہ جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا حضرت امیر المؤمنین کے اس قول کے معنی کے متعلق جو آپ نے اس وقت کیا جب کہ ثانی یعنی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ شہادت کے بعد کفن میں پیٹ دیئے گئے تھے کہ کوئی بھی مجھے زیادہ محبوب نہیں اس سے کہ میں اس کے صحیفہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کروں بنسبت اس شخص کے جو کفن میں لپٹا ہوا ہے تو آپ نے فرمایا اس سے آپ کی مراد وہ صحیفہ ہے جو کعبہ میں لکھا گیا تھا۔

فائدہ ۱:۔ اس روایت سے یہ حقیقت تو روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ کلمات اپنی زبان مبارک سے ادا کیے تھے یہ کتاب بھی خالص شیعہ کی ہے اور راوی بھی سبھی شیعہ ہیں اور امام جعفر صادق سے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کا معنی پوچھا جا رہا ہے اگر فرمان ہوتا ہی نہ تو معنی پوچھنے کا مطلب کیا ہو سکتا تھا۔ نیز امام موصوف فرما دیتے کہ یہ

Marfat.com

فرمان ہی آپ کا نہیں ہے بلکہ بقول شیعہ آپ نے اس کی تفسیر بیان فرمائی۔ امید ہے اب تو صاحب شرم و حیاء لوگ یہ نہیں کہیں گے کہ یہ روایت شیعہ کی نہیں ہے

(۲) ابن ابی الحدید شیعی معتزلی نے شرح نہج البلاغہ میں یہی روایت نقل کی ہے ترجمہ پہلے گزر چکا ہے الفاظ ذکر کرنے پر اکتفا کروں گا۔

وقد جاء فی روایة ان علیاً علیه السلام جاء حتی وقف علیه فقال: ما احد احب الی ان القی الله بصحیفته من هذا المسجی

(جلد ۳ صفحہ ۱۹۳[12]) اب یہ بھی واضح ہو گیا کہ صرف سنی نہیں بلکہ معتزلہ اور تفضیلی شیعہ بھی اور امامیہ اثنا عشریہ بھی اس روایت کے قائل ہیں۔

(۳) سید مرتضیٰ علم الہدیٰ نے کتاب الشافی کے ص ۱۱۰ پر اسی روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔

ان فی متقدمی اصحابنا من قال انما تمنّی أن یلقی الله بصحیفته لیخاصمه بما فیها ویحاکمه بما تضمنته۔ یعنی ہمارے بعض متقدمین اصحاب نے کہا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے (حضرت عمر جیسے صحیفہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کی آرزو اس لیے کی تاکہ جو کچھ اس میں ہے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے روبرو ان سے مخاصمت کریں اور جس کو وہ صحیفہ متضمن ہے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور محاکمہ اور فیصلہ طلب کریں۔ اس قول میں سید مرتضیٰ نے متقدمین اصحاب کے نزدیک اس روایت کا حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ سے منقول ہونا تسلیم کر لیا لہٰذا روایت کا درست ہونا اور واقعی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہونا مسلم ہو گیا۔

شیعی تاویل کا بطلان: اب رہا ابن بابویہ قمی اور سید مرتضیٰ اور متقدمین شیعہ کا یہ قول کہ اس سے مراد وہ صحیفہ ہے جو کعبہ میں لکھا گیا کہ حضرت علی کو خلیفہ نہیں بننے دیں گے یا صحیفہ اعمال ہی مراد ہے لیکن اس لیے اس کے

Marfat.com

ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونے کی تمنا کی تاکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے ذریعے حکومت اور فیصلہ کے لیے عرض کر سکیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر صحیفہ کسبے والا یا صحیفہ اعمال حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ہوا تو پھر اللہ تعالیٰ کے حضور اس کے متعلق فیصلہ کا مطالبہ کر سکیں گے اور جو کچھ اس میں ہے اس کے متعلق حکم اور قضا کا مطالبہ کر سکیں گے ورنہ نہیں نعوذ باللہ من ذلک گویا جس کو ایسے مخالف نہ ملیں تو ان کا کیس عدالت خداوندی میں پیش ہی نہیں ہو سکے گا اس طرح وہ سب مظلوم محروم عدل و انصاف رہیں گے جن کے پاس دستاویزی ثبوت نہیں ہوگا۔

برین عقل و دانش بباید گریست

شیعہ برادری کی تاویل دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا ہے کہ

خدا جب دین لیتا ہے حماقت آ ہی جاتی

اللہ تعالیٰ علیم و خبیر کے حضور عدل و انصاف کے حصول کے لیے مظلومین کو ان تکلفات کی قطعاً ضرورت نہیں ہے سب کچھ اس کے ہاں معلوم بھی ہے۔ اور مکتوب و مرقوم بھی اور ہر شخص کے اعمال کی ایسی دستاویز موجود ہوگی کہ وہ دیکھ کر پکار اٹھے گا۔ "مالھذا الکتاب لا یغادر صغیرۃ ولا کبیرۃ الا احصاھا"

(۲) علی تقدیر التسلیم اس کا ثبوت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ تمنا اور آرزو پوری ہو گئی صحیفہ آپ کو مل گیا بلکہ یقیناً آپ کو دستیاب نہیں ہوا تھا تو آپ قیامت کے دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف کوئی اقدام نہیں کر سکیں گے۔ کیونکہ شیعی عقلا کے نزدیک اس کا دار و مدار اس صحیفہ کے دستیاب ہونے پر تھا اور وہ مہیا نہ ہو سکا۔

(۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ علانیہ طور پر ان حضرات کے خلاف کوئی کلمہ اپنے دورِ خلافت میں بھی نہیں کہہ سکتے تھے چہ جائیکہ اس دور میں لہٰذا ظاہر یہی ہے کہ آپ نے عام حاضرین کو تاثر یہی دیا کہ میں ان کے کارہائے نمایاں اسلامی خدمات اور دین حنیف کی ترویج اور ترقی سے اس قدر متاثر ہوا

Marfat.com

ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے حضور یہ آرزو پیش کر رہا ہوں کہ مجھے بھی اس قسم کے اعمال کی توفیق عطا فرمائے رہا یہ کہ آپ کے دل میں اس کے برعکس کچھ اور معنی تھا تو یہ دھوکہ اور فریب ذلیل اور گھٹیا انسانوں کا پیشہ اور طریقہ ہوا کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے شیر ایسی بزدلانہ اور روباہی حرکات سے منزہ و مبرا ہوتے ہیں علی الخصوص امام حسین شہید کربلا کے ابا جان جیسے اسد اللہ الغالب رضی اللہ عنہ

(۴) ـــــ اگر خواہ مخواہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس اعمال نامہ کے حصول کی کوشش کرنی تھی جو اللہ تعالیٰ کے ہاں حضرت عمر فاروق کے ساتھ مخاصمت اور مخالفت میں دستاویزی ثبوت کے طور پر درکار تھا تو پھر لوگوں کے سامنے اس طرح کہنے کی ضرورت نہیں تھی اور نہ انہیں غلط تاثر دینے کی بلکہ یہ کوشش اور تمنا و آرزو تو گھر میں بیٹھ کر بھی ہو سکتی تھی اور لوگوں کو اس مغالطہ اور غلط فہمی سے بھی بچایا جا سکتا تھا کہ ان کے نیک اعمال اور اعلیٰ کارناموں کی وجہ سے ایسی ہستیاں ان کے ساتھ رشک کر رہی ہیں۔

تفسیر امام کے راویوں کا حال :-

اب ذرا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے منقول اس روایت کے راویوں کا جائزہ لیتے ہیں کہ وہ کس قسم کے لوگ ہیں تاکہ اس تفسیر کا مبنی بر حقیقت ہونا واضح ہو جائے۔

مفضل بن عمر کا حال :- حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کا معنی امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے پوچھ کر جس نے بیان کیا ہے ذرا اس ذات شریف کا تعارف بھی کراتا ہوں تاکہ حقیقت حال واضح ہو جائے یہ لغویات ائمہ کرام کی طرف منسوب کیے گئے ہیں اور پناہ بخدا کہ وہ اس قسم کی بے سر و پا اور غیر معقول باتیں کریں

(۱) حماد بن عثمان سے مروی ہے کہ میں نے حضرت امام ابو عبد اللہ

Marfat.com

کو فرماتے ہوئے سنا کہ آپ مفضل بن عمر کو فرما رہے تھے۔

یا کافر یا مشرک مالک ولابنی یعنی اسماعیل بن جعفر اے کافر اے مشرک۔ تجھے میرے بیٹے اسماعیل سے کیا تعلق ہے اور کون سی غرض ہے! (تو اس کو کیوں تباہ و برباد کر رہا ہے)

(۲) ——— اسماعیل بن جابر سے مروی ہے کہ امام ابو عبداللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ مفضل بن عمر کے پاس جا اور اسے کہہ: یا کافر یا مشرک ما ترید الی ابنی ترید ان تقتلہ اے کافر اے مشرک تو میرے بیٹے کی طرف کیا ارادہ رکھتا ہے کیا تو اس کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے؟

(۳) ——— ابو عمرو الکشی نے یحییٰ بن عبدالحمید الحانی کی کتاب جو امامت امیر المؤمنین کے اثبات میں لکھی گئی ہے سے نقل کیا ہے کہ یحییٰ نے شریک سے کہا، ان اقواما یزعمون ان جعفر بن محمد ضعیف الحدیث الخ یعنی بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ جعفر بن محمد ضعیف احادیث بیان کرتے ہیں اور اس فن میں قابل اعتماد نہیں ہیں تو انہوں نے کہا حقیقت حال اس سے مختلف ہے دراصل بعض جاہل اور جھوٹے لوگ اپنی دنیاوی اغراض اور حرص و لالچ کے تحت آپ کے ارد گرد جمع ہو گئے اور انہوں نے آمد و رفت شروع کر دی اور لوگوں سے سنتے ہیں امام جعفر صادق نے فرمایا۔ ویحدثون باحادیث کلھا منکرات کذب موضوعۃ حالانکہ جتنی روایات بیان کرتے وہ سب منکر ہوتیں اور موضوع و من گھڑت اور سراسر جھوٹ اور بہتان جب عوام نے ان روایات کو سنا تو ان کو تسلیم کر کے ہلاک ہو گئے اور بعض نے ان کا انکار کر دیا۔ اور وہ لوگ ہیں مفضل بن عمر بنان، عمرو النبطی وغیرہ۔ ذکروا ان جعفر احدثھم ان معرفۃ الامام تکفی من الصلاۃ والصوم الخ یہ روایت بھی امام جعفر صادق سے نقل کر ڈالی کہ امام کی معرفت نماز اور روزہ سے کافی ہے یعنی اس معرفت کے حصول کے بعد نماز و روزہ کی

Marfat.com

ضرورت نہیں رہتی اور یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بادلوں میں ہیں اور ہوا کے ساتھ اڑتے ہیں۔ (مزید تفصیلات کے لیے رجال الکشی ص ۲۷۰ تا ص ۲۷۸ ملاحظہ فرمائیں)

محمد بن سنان راوی کا حال :- فضل بن شاذان کہتا ہے: لا استحل ان اروی احادیث محمد بن سنان میں اس کی احادیث کو روایت کرنا حلال نہیں سمجھتا اور بعض کتب میں اس کے متعلق فضل بن شاذان نے تصریح کی ہے ان من الکاذبین المشہور ابن سنان، یعنی محمد بن سنان مشہور دروغگو لوگوں میں سے ہے۔ (مزید تفصیلات رجال الکشی کے ص ۳۳۲، ص ۴۲۳، ص ۴۲۷، ص ۴۸۶ پر ملاحظہ فرمادیں)

یہ صرف دو راویوں کا حال ہے جو نذر قارئین ہے جس سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشادات میں تحریف کرنے والے ہیں اور دجال و کذاب اور کافر و مشرک لہذا ایسے لوگ جب مذہب شیعہ کے بانی مبانی ہیں اور شریعت مدار اور حجۃ الاسلام تو پھر اس مذہب میں خیر اور بھلائی کا پہلو کس طرح ڈھونڈنے سے مل سکتا ہے۔

۵ قیاس کن زگلستان من بہار مرا۔

جب تحریف معنوی روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی اور محرفین کی حالت بھی واضح ہوگئی تو اب ارباب انصاف و دیانت اور اصحاب عقل و فہم کے لیے اس روایت کو اپنے ظاہری معنی و مفہوم پر محمول کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے اور یہ ماننا لازم ہے کہ امیر المومنین عمر فاروق کا اعمال نامہ وہ عظیم تر اعمال نامہ ہے۔ جس کے ساتھ حضرت ابو الائمہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی رشک فرماتے تھے اور اس قسم کے اعمال نامہ کے لیے دل و جان سے آرزو مند اور بدرگاہ خداوندی میں اس کے لیے دست بدعا رہتے تھے۔ والحمد للہ علی وضوح الحق

روایت کی حقیقت اور اصل معنی اور تحریف معنوی کے ... کے بعد اب اس کا حقیقی معنی ملاحظہ فرمادیں۔ ابن ابی الحدید نے حضرت عبداللہ بن عباس

Marfat.com

اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ابو لؤلؤ مجوسی نے خنجر کا وار کر کے شدید زخمی کر دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: "ویلم عمران الله لم یغفر له" عمر کی امی کی ہلاکت ہے اگر اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے بخشش اور مغفرت نہ فرمائی تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: فقلت واللہ انی لارجوان لاتراھا الامقدار ما قال اللہ تعالیٰ: "ان منکم الاواردھا" ان کنت ما علمنا لامیر المؤمنین وسید المسلمین، تقضی بالکتاب وتقسم بالسویۃ میں البتہ امید رکھتا ہوں کہ تم نہ دیکھو گے آگ مگر صرف اتنا قدر جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی بھی نہیں مگر اس میں وارد ہونے والا ہے یعنی پل سے گزرتے ہوئے بیشک تم ہمارے علم کے مطابق البتہ مؤمنین کے امیر تھے۔ اور اہل اسلام کے سردار تم کتاب اللہ کے ساتھ فیصلے کرتے تھے اور تقسیم اموال میں مساوات سے کام لیتے رہے

فرماتے ہیں۔ حضرت عمر بن خطاب کو میری یہ بات بھلی معلوم ہوئی آپ اٹھ کر بیٹھ گئے اور کہا، اتشھد لی یا ابن عباس کیا تم میرے لیے اس کی شہادت دیتے ہو، تو میں نے کمزوری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس شہادت میں ذرا ہچکچاہٹ محسوس کی فضرب علیؓ بین کتفی وقال اشھد: تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے میرے دونوں کندھوں کے درمیان تھپکی دی اور کہا گواہی دے، اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے عرض کیا: لم تجزع یا امیر المؤمنین فواللہ لقد کان اسلامك عزا وامارتك فتحا ولقد ملأت الارض عدلا. تم پریشانی کا اظہار کیوں کر رہے ہو خدا کی قسم بے شک تمہارا اسلام لانا موجب عزت اور غلبہ تھا اور تمہاری امارت وخلافت سراسر فتح تھی اور یقیناً آپ نے زمین کو عدل کے ساتھ بھر دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اے ابن عباس کیا تم اس امر کی شہادت دیتے ہو تو آپ نے شہادت دینے کو پسند نہ کیا (کیونکہ اللہ تعالیٰ پر ایک حکم اور فیصلہ دینے کے مترادف تھی) اور

Marfat.com

اس میں توقف کیا "فقال له علی علیه السلام قل نعم، انا معك فقال نعم" تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہو ہاں میں شہادت دیتا ہوں اور میں بھی اس شہادت میں تیرے ساتھ ہوں۔ (شرح حدیدی جلد نمبر ۱۲ ص ۱۹۲) اور اسی موقعہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور یہ الفاظ زبان اقدس پر جاری فرمائے: ما احد احب الیّ ان القی اللہ بصحیفتہ من ھذا المسجی ص۱۹۲ اس سیاق وسباق سے اس صحیفہ کا معنی و مفہوم اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری کی تمنا و آرزو کا مطلب و مقصد واضح ہو گیا اور ساری سبائی سازش اور یہود و مجوس کی تحریف لغو و باطل ہو کر رہ گئی کیونکہ وہ تمنا و آرزو گھر بیٹھ کر بھی کی جا سکتی تھی لوگوں کے سامنے اور اس سیاق و سباق میں اس قدر تمنا و آرزو کا کیا جواز ہو سکتا تھا۔ اور خواہ مخواہ عام اہل اسلام میں ان کی عظمت اور رفعت و برتری کے عقیدہ کی بنیاد فراہم کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

شیعی درایت کی حقیقت: اب ذرا ڈھکو صاحب سے بے کر طوسی اور مرتضیٰ شیعی وغیرہ اسلاف کی درایت کی حقیقت سے پردہ اٹھایا جاتا ہے اور اس کی لغویت اور بطلان واضح کیا جاتا ہے سب سے پہلی وجہ تو یہ بیان کی گئی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے جامع الکمالات اور صاحب مفاخر و مناقب کو اس تمنا و آرزو کی ضرورت کیا ہو سکتی ہے؟ جب کہ رشک وہ کرتا ہے جس میں علمی یا عملی کمزوری ہو اور اس پر کرتا ہے جس میں علمی یا عملی برتری ہو اور یہاں معاملہ برعکس ہے لہٰذا رشک کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔

الجواب: اولاً۔ رشک کرنے کے لیے صرف ذاتی علم اور عمل میں کمزوری کی ضرورت نہیں ہے بلکہ دوسرے پہلو بھی ہو سکتے ہیں مثلاً فتوحات کثیرہ اور اشاعت اسلام و ترویج دین اور اقامت معدلت اور لوگوں کو راہ استقامت پر چلانا جس طرح کہ آپ نے فرمایا: ولیھم وال فاقام واستقام حتی وضع الدین بجرانہ ابوبکر کے بعد ایسی شخصیت اہل اسلام کی والی اور امیر بنی جو خود بھی راہ راست پر تھے اور لوگوں کو بھی راہ راست پر گامزن کیا حتیٰ کہ دین نے راحت و سکون محسوس

Marfat.com

کیا، اور یہ حقیقت کسی جاہل سے جاہل شخص پر بھی مخفی نہیں ہے کہ متعدی نیکی کا فائدہ اور اجر و ثواب غیر متعدی نیکی کی نسبت زیادہ ہوتا ہے۔ مثلاً بہت بڑا عالم ہو مگر پڑھائے نہ اور اس کے مقابل تھوڑا علم رکھنے والا ہو مگر شب و روز اس علم کو پڑھائے یا عابد ہے جو رات دن عبادت میں مصروف و مشغول ہے لیکن دوسروں سے واسطہ نہیں رکھتا اور اس کے مقابل دوسرا شخص فرائض و واجبات اور سنن مؤکدہ ہی ادا کرتا ہے لیکن دوسروں کو بھی ان امور کی ادائیگی پر آمادہ کرتا ہے تو لازمی بات ہے کہ اس کا اجر و ثواب دوسرے شخص سے زیادہ ہے، الغرض رشک کرنے کا اس میں انحصار نہیں ہے۔ کہ ایک میں علمی و عملی کمزوری موجود ہو اور دوسرے میں فوقیت و برتری بلکہ علم و عمل میں کمال کے باوجود افادہ و افاضۂ خلق اور ترویج و اشاعت دین میں امتیاز بھی قابل رشک ہو سکتا ہے، علی الخصوص حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیعی عقیدہ کے مطابق علم ماکان و مایکون حاصل تھا اور اہل السنت بھی آپ کو حقائق سے آگاہ اور نور ولایت سے عواقب امور کو دیکھنے والا یقین کرتے ہیں تو آپ کے علم میں ہو گا کہ میرا دور خلافت تو باہمی اختلاف و انتشار اور کشت و خون کی نذر ہو جائے گا اور اشاعت دین اور فتوحات کا سلسلہ اس طرح برقرار نہیں رہ سکے گا تو آپ کا ایسے ساتھ رشک کرنا اور زیادہ موزوں و مناسب ہو جائے گا۔

(۲) ایک ہے واقعہ میں علم و عمل کے اندر افضل و برتر ہونا اور ایک ہے اس برتری اور افضیلت کا اعتقاد بھی رکھنا، اگر شیعہ صاحبان کے قول کے مطابق علم و عمل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سب سے افضل و اعلیٰ بھی ہوں مگر یہ کہاں سے لازم آتا ہے کہ آپ اپنے آپ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ یا دیگر صحابہ کرام سے افضل و برتر سمجھیں بھی ہیں، آپ کا ارشاد گرامی نقل کیا جا چکا ہے کہ آپ نے فرمایا۔ لعمری ماکنت الا رجلا من المہاجرین الخ بخدا میں تو مہاجرین میں سے ایک عام مہاجر تھا۔ جہاں وہ داخل ہوئے میں بھی داخل ہوا جہاں سے وہ لوٹے میں بھی لوٹا (شرح ابن ابی المیثم ص ۲۵۵ ج ۴) اور

Marfat.com

حقیقت بھی یہی ہے کہ بار دار شاخ ہمیشہ جھکتی ہے اور بے ثمر بلند رہتی ہے۔
لہٰذا از رہ تواضع و انکساری بھی تو رشک کیا جاسکتا ہے۔

ع تواضع ز گردن فرازاں نکواست۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل اور شامل ہونے کی تمنا فرمائی حالانکہ ہر نبی تمام تر امم سے افضل و برتر ہوتا ہے لیکن مقصد تواضع تھا، تو فرمایئے شیعہ صاحبان کے نزدیک۔ از روئے عقل اس رشک کو محال اور ناممکن سمجھنے کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ ماسوائے تحکم اور سینہ زوری کے یا اظہار بغض و عداوت کے۔

(۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشادات سے جو نہج البلاغہ، ابن اثیم اور دیگر کتب امامیہ میں مذکور رہیں ان سے واضح ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان دونوں بزرگواروں کے متعلق اور بالخصوص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق کس قدر فضیلت اور فوقیت کے قائل تھے۔ کہیں فرمایا بخدا ان کا مرتبہ اسلام میں بہت بلند ہے اور ان کا وصال اسلام کے لیے گہرا زخم ہے کہیں حضرت فاروق کو اہل اسلام کے لیے مرجع اور ملجا و ماویٰ قرار دیا۔ کہیں تسبیح کے دانوں کے ربط و ضبط برقرار رکھنے والے دھاگے کی مانند اہل اسلام کے باہمی ربط و ضبط کا آپ کو ضامن قرار دیا۔ کہیں اسلام کے لیے آپ کو قطب مدار قرار دیا جو اسلام کی چکی کی گردش اور منفعت و افادہ کا ضامن ہے۔ کہیں ان کو کجی دور کرنے والا بیماریوں کا علاج کرنے والا۔ ہر خیر اور بھلائی کو پانے والا اور شر و فساد سے دامن بچا کر نکل جانے والا قرار دیا وغیر ذالک جب کہ ان کے لیے بطور وزیر و مشیر معاونت۔ بھی فرماتے رہے اور ان کے وصال پر بنائی ہوئی مشاورتی کمیٹی میں۔ بھی شامل ہو کر ان کی اطاعت کا حق ادا کرتے رہے تو اس کے بعد اس فاروق اعظم کی افضلیت اور برتری میں اور خدا داد فضل و کمال میں

Marfat.com

کون دشمن دین دمقل شک کر سکتا ہے ؟ اور کس منہ سے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تعلق اور نسبت کا دعویٰ کر سکتا ہے جب کہ وہ ان کے اقوال اور نظریات کو جھٹلانے والا ہے اور ان کے ممدوحین اور معظمین و مکرمین کی گستاخی اور بے ادبی کرنے والا ہے۔ نعوذ باللہ من ھذا الشقاء۔

جواب الثانی: (۱) ڈھکو صاحب نے کہا وہ رشک کس چیز پر کریں گے۔ ان کے ایمان پر جو قسم اٹھا کر کہتے ہیں اے حذیفہ میں منافقین میں سے ہوں ڈھکو صاحب نے گویا ذخیرہ احادیث میں سے صرف یہی ایک روایت دیکھی ہے، دوسری کوئی روایت ان کی عظمت ایمانی اور صدیق اکبر کے بعد ساری امت پر راجح اور وزنی ہونے کی انہیں ملی ہی نہیں۔ ڈھکو صاحب! آپ کے اپنے اعتراف اور اس کی اصلیت کو معلوم کئے بغیر اس بدباطنی کے اظہار کو چھوڑو۔ یہ دیکھو کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت امیر المومنین اور ائمہ کرام نے انکے متعلق کیا فرمایا ہے اگر آپ حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید میں لکھا ہوا دیکھ لو "ربنا ظلمنا انفسنا" اے رب ہمارے ہم نے اپنے نفوس اور جانوں پر ظلم کیا ہے تو ان کی خلافت اور نبوت کا انکار کر دو گے اور تقویٰ و پرہیزگاری کی نفی کر دو گے حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید میں "انی کنت من الظالمین" دیکھ لو گے تو ان کی خداداد رفعت و عظمت اور نبوت کا انکار کر دو گے؟ یہ سب تواضع اور انکساری کا اظہار ہے اور عرفان کے بلند ترین مراتب جب کھلتے ہیں تو نچلے مراتب کو اہمیت حاصل نہیں رہتی اس لیے ہر سطح کا کامل سے کامل فرد بھی "اھدنا الصراط المستقیم" کی التجا کرتا ہے کیونکہ اس کی نظر میں وہ مرتبہ عالی ہی ہدایت ہوتا ہے اور نچلے مرتبہ کو وہ اہمیت نہیں دیتا لہٰذا عارف کامل جس ہدایت کو ہدایت نہیں سمجھ رہا اور بلند تر مقام ہدایت پر نظر رکھ کر اس کا طلب گار ہے اس کی اس نچلے درجہ کی ہدایت اگر ہمیں نصیب ہو جائے تو ہم اپنے آپ کو مومن اکمل سمجھنے لگ جائیں مگر یہ اسرار بھنگ اور چرس میں مست اور نشہ کے رسیا

Marfat.com

لوگوں کے غیظ دماغ میں کب راہ پا سکتے ہیں

(ب) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس یقین پر حضرت علی رضی اللہ عنہ رشک کریں گے جن کی کمزوری کا یہ عالم ہے کہ رسول خدا کی نبوت و رسالت پر شک کرتے ہوئے نظر آتے ہیں؟ یہ بھی ڈھکو صاحب نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنا قول نقل کیا ہے نہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جس سے ڈھکو صاحب کی حماقت اور سخافت عقل ظاہر اور واضح ہے کیونکہ کاملین اور اکملین کے کمال عرفان کا تقاضا ہی یہی ہے کہ وہ بلند مراتب ایمانی کے مقابل نچلے مرتبہ کو کوئی اہمیت نہ دیں، علاوہ ازیں قلوب صافیہ کو معمولی سی تبدیلی بھی بہت زیادہ محسوس ہوتی ہے جیسے دودھ میں تنکا یا شیشہ پر سانس پڑ جائے تو فوراً اس کا اثر محسوس ہوتا ہے لیکن زنگ آلود لوہے پر سانس کا اثر نمایاں نہیں ہوتا اور نہ کالے گڑ کے شربت میں معمولی تنکا کا وجود محسوس اور نمایاں ہوتا ہے لہٰذا یہ قول اسی قلبی صفائی اور شفافیت کا آئینہ دار ہے اور آپ کی اس تگ ودو میں جو آپ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر کی تھی صرف اور صرف اشداء علی الکفار کی شان کا ظہور تھا لیکن شدت اور غیظ و غضب کے اظہار میں آپ نے جو سعی اور جد وجہد فرمائی محض اس لحاظ سے اس کو شک سے تعبیر فرما دیا کہ محض کفار و مشرکین کے خلاف غیظ و غضب ملحوظ نہیں رہنا چاہیے تھا بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری اور منصب خلافت و نیابت کے تحت ہر سبب رہنا چاہیے تھا۔ اور تسلیم و رضا کے اعلیٰ مقام پر استقامت اور استقرار کا مظاہرہ کرنا چاہیے تھا۔ ڈھکو صاحب کہیں قرآن مجید میں عصیٰ آدم ربہ فغویٰ دیکھ کر یہ فتویٰ نہ لگا دینا کہ وہ خود ہدایت پر نہیں تھے دوسروں کے ہادی کیسے بن سکتے تھے اور ہدایت یافتہ لوگوں کے لیے قابل رشک کب ہو سکتے تھے کیونکہ دوسری آیت بھی ملحوظ رکھنی ضروری ہے "فنسی ولم نجد له عزماً" وہ بھول گئے اور ان کا عزم و ارادہ عصیان اور نافرمانی کا نہیں تھا۔ معلوم ہوا اللہ تعالیٰ کے فرمان کے باوجود ظاہری معنی کا عقیدہ رکھنا کفر ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ جن کے

Marfat.com

فضل وکمال، اور ایمانی و عرفانی بلندیوں کی گواہی اللہ تعالیٰ دے ''فان آمنوا بمثل ما آمنتم بہ فقد اھتدوا'' تم جیسا ایمان لائیں تو ہدایت یافتہ ہیں ورنہ نہیں اور ان کے ایمان کو ان کے لیے قابل تقلید نمونہ کے طور پر پیش فرمائے '' آمنوا کما آمن الناس'' اس طرح ایمان لاؤ جس طرح یہ لوگ ایمان لائے ہیں اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاتر ان شہادات سے پر ہوں اور حضرات ائمہ کے ارشادات بکثرت موجود ہوں جن کے جواب دینے کی شیعہ کے اخلاف واسلاف میں ہمت و جرأت ہی نہ ہو تو انکے اپنے ذاتی قول کو جو از رہ تواضع وانکساری سرزد ہوا اس کو کس طرح دلیل بنایا جا سکتا ہے۔ الیس منکم رجل رشید!

(ج) ——— ڈھکو صاحب کا ارشاد ہے کہ حضرت علی ان کے علم کے ساتھ رشک کریں گے جو خود کہتے ہیں کہ مجھ سے مدینہ منورہ کی بوڑھی عورتیں احکام شرع کی زیادہ سے زیادہ واقف ہیں، مگر یہ بھی ان کا ذاتی قول ہے جو سراسر تواضع اور انکساری پر مبنی ہے اور ان عورتوں کی حوصلہ افزائی اور دلجوئی پر جو خلیفہ وقت کو عین موقع پر اپنی رائے سے مطلع کرنے کا حوصلہ اور برملا اپنی معلومات کا اظہار کرنے کی ہمت رکھتی تھیں۔

ڈھکو صاحب ان بوڑھی عورتوں کا علم اپنی جگہ مسلم اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اعتراف بھی مسلم مگر آپ اپنے فارسیوں سے یا رومیوں سے بھی یہ قول ثابت کر دیں کہ ان میں علم اور تدبیر نہیں ہے اور حکمت و دانش نہیں ہے جب کافر بھی یہ نہ کہہ سکیں بلکہ انہیں اس عظیم ہستی کی عظمتوں کا اعتراف کرنا پڑے تو تم اپنے آقا عبداللہ بن سبا اور ابلیس کو خوش کرنے کے لیے ان کافروں سے بڑھ کر کیوں زور لگا رہے ہو۔ قرآن مجید میں پیغمبران کرام کا یہ اعتراف موجود ہے اور ڈھکو صاحب ذکر ہے''لاعلم لنا''۔ ہمیں بالکل علم نہیں ہے۔ نکرہ تحت النفی ہے جو عموم نفی کا افادہ کرتا ہے تو یہاں بھی کہو گے کہ بوڑھی شیعہ عورتوں کے برابر بھی انبیاء کو علم نہیں تھا، نعوذ باللہ من ذالک۔ پرچ ہے۔

Marfat.com

س ۵ خدا جب دین لیتا ہے حماقت آہی جاتی ہے۔

(د) ڈھکو صاحب فرماتے ہیں کہ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ جناب عمر کی زندگی پر رشک کریں گے جس کا اکثر و بیشتر حصہ کفر و شرک کی وادیوں میں بھٹکتے گزر گیا۔ ڈھکو صاحب یہ قاعدہ آپ نے کس یہودی سے سیکھا ہے کہ جس کی ساری زندگی ایمان کی حالت پر گزرے وہ دوسروں سے افضل ہوا کرتا ہے۔ آپ کو پیدا ہوتے ہی مومن ہونے کا دعویٰ ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت عقیل اور آپ کے اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے موقعہ پر اسلام لائے تو کیا خیال ہے کہ تم ان سے افضل ہو گئے یا ان کے برابر؟ نعوذ باللہ من ذلک۔

علاوہ ازیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت کے بعد جو لوگ کسی وقت بھی حلقہ غلامی میں داخل ہوئے ان کے سابقہ عقائد اور اعمال کالعدم ہو گئے یا ان پر مواخذہ باقی ہے جب وہ اعمال قابل مؤاخذہ نہیں اور نہ اس شرک اور کفر پر ان کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کسی قسم کا عقاب ہے تو آخر شیعہ صاحبان کو اس مؤاخذہ اور تنقید کا حق کس نے دیا ہے اور اس کو مقام لعن و تشنیع میں ذکر کرنے کا! ماننے پر آئیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلانے والے اور عذاب خداوند تعالیٰ کا نشانہ بننے والے مرتدین کو دوبارہ زندہ ہونے اور توبہ کرنے پر نبی تسلیم کر لیں اور نہ ماننے پر آئیں تو رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کا ایمان ہی اس لیے تسلیم نہ کریں کہ وہ نبوت کے چھٹے سال مشرف باسلام ہوئے یعنی صرف سترہ اٹھارہ سال شرف صحبت حاصل رہا لہٰذا اس کا کیا اعتبار ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ علامہ کشی نے حضرت سلمان فارسی کی طرف منسوب روایت نقل کی ہے۔ والسبعین الذین اتهموا موسی علی قتل هارون فاخذ تهم الرجفة من بغيهم ثم بعثهم الله انبياء مرسلين۔ (رجال الکشی ص۲۶)۔ جن ستر آدمیوں نے موسیٰ علیہ السلام کو حضرت ہارون علیہ السلام کے قتل کے ساتھ متہم کیا تھا اور ان کی

Marfat.com

بغاوت اور سرکشی کی وجہ سے ان کو زلزلہ نے اپنی لپیٹ میں لے لیا پھر انہیں زندہ کیا اس حال میں کہ ان میں سے بعض انبیاء و مرسلین تھے۔ اور بعض انبیاء تو تھے مگر رسل نہیں تھے تو اس کے بعد کیوں نہ کہوں کہ ایسے لوگ یہودی ہیں اور عبداللہ بن سبا کے دام تزویر میں گرفتار۔ ان کا اسلام اور اہل اسلام بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت کرام سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے اور صرف از روئے نفاق کلمہ پڑھ کر اسلام کے ساتھ بدترین دشمنی کا مظاہرہ کیا گیا ہے، اپنے مرتدین کو نبی مرسل بنا کر دکھلاتے ہیں اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مخلص غلاموں اور قریبی رشتہ داروں کے ایمان کے بھی قائل نہیں جن کے ایمان و اخلاص کے گواہ اللہ تعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ کرام علیہم الرضوان ہیں۔

اور یہی حکمت ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس رشک کی تاکہ اہل اسلام یہودی سازش سے بچ سکیں اور انہیں پتہ ہو کہ جن ہستیوں کے نامہ اعمال کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسی ہستی رشک کرے ان کے متعلق کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش کیا ہو سکتی ہے؟ اور آپ کا فرض منصبی تھا کہ آپ اہل اسلام کی ہدایت کا اہتمام فرماتے اور آپ نے اس کو باحسن طریق ادا فرمایا۔

جواب الثالث: ڈھکو صاحب نے شیطان مجسم بن کر اپنے غیظ و غضب اور بغض باطن کا اظہار اس رنگ میں کیا ہے کہ حضرت امیر المؤمنین کا عمر صاحب کے نامہ اعمال سے رشک کرنا تو دور کی بات ہے کسی آدمی کے لیے بھی اس اعمال نامہ کے ساتھ رشک کا کوئی پہلو موجود نہیں ہے۔ اس میں آدمی کا ذکر کر کے اور مؤمن کی تخصیص کو بھی ختم کر کے جس بے باکی اور بے حیائی کا مظاہرہ کیا گیا ہے اس سے شیطان کو بھی شرم آرہی ہوگی کہ میں ان کے مخالف تو ضرور تھا مگر اعتراف حقیقت میں کبھی بخل نہیں کیا اور "الا عبادک منہم المخلصین" کہہ کر ان مقدس ہستیوں کے سامنے اپنا اعتراف عجز کر لیا۔ مگر میرا یہ چیلا اتنا حد سے تجاوز کر گیا ہے کہ کسی کو بھی معاف نہیں کیا اور وہ خود بھی اللہ تعالیٰ اور ملائکہ اور اہل ایمان کے ساتھ اس پر لعنت بھیجنے میں فرد فرد شریک ہوگا۔

Marfat.com

ڈسکو صاحب کیوں نہ اس محسن اسلام کے ساتھ اس غیظ و غضب کا اظہار کرتے انہوں نے سرزمین ایران فتح کر کے آگ کے پجاریوں کی آگ ختم کرائی اور زنار اتروائے یہود و نصاریٰ کے علاقے فتح کر کے صلیبوں اور بتوں کی پرستش ختم کرائی اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اعلان کرایا اور خدائے واحد کے سامنے لوگوں کو سربسجود کیا اور ان کی بہنوں بیٹیوں اور ماؤں نانیوں اور دادیوں کو متعہ کروانے سے روک دیا وغیرہ ذلک تو ایسا شخص ان یہود و مجوس کے لیے کس طرح داد و تحسین کا حق دار ہو سکتا ہے۔ اور اس کا اعمال نامہ ایسے انسانی نما درندوں اور جانوروں کے لیے کیونکر قابل رشک ہو سکتا ہے؟ اگر اس کے اعمال نامہ سے رشک کریں گے تو ملائکہ یا ملائکہ سیرت اکابرین اسلام ہی کریںگے۔

والحمد للہ علی وضوح الحق وبطلان الباطل واندفاع وساوس الوسواس الخناس۔

Marfat.com

مذہب شیعہ　　　　از حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز

خطبہ حضرت عبداللہ بن عباس در حق

خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم

قال ابن عباس رضی اللہ عنہما فی ابی بکر (الصدیق) رحم اللہ ابابکر کان واللہ للفقراء رحیما وللقرآن تالیا وعن المنکر ناھیا وبدینہ عارفا ومن اللہ خائفا وعن المنہیات زاجرا وبالمعروف آمرا وباللیل قائما وبالنہار صائما فاق اصحابہ ورعا وکفافا وسادھم زھدا وعفافا فغضب اللہ علی من ینقصہ ویطعن علیہ (ناسخ التواریخ جلد ۵ کتاب نمبر ۲ صفحہ ۱۴۳، ۱۴۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت ابوبکر (صدیق رضی اللہ عنہ) کی شان میں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ رحمت فرمائے ابوبکر (صدیق) پر کہ اللہ کی قسم وہ فقیروں کے لیے رحیم تھے اور قرآن کریم کی تلاوت ہمیشہ کرنے والے تھے۔ بری باتوں سے منع کرنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے دین کے عالم تھے۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے تھے۔ اور ناکردنی اعمال سے ہٹانے والے تھے۔ اچھی باتوں کا حکم دینے والے تھے رات کو خدا کی بندگی کرنے والے تھے اور دن کو روزہ رکھنے والے تھے۔ تمام صحابہ پر پرہیزگاری اور تقویٰ میں فوقیت حاصل کر چکے تھے۔ دنیا سے بے رغبتی اور پاکدامنی میں سب سے زیادہ تھے پس جو شخص ان کی شان میں تنقیص کرے یا ان پر طعن کرے تو ان کی شان میں تنقیص کرنے والے پر خدا کا غضب ہو

شان فاروقی میں بھی ایک تصریح ملاحظہ ہو (ناسخ التواریخ کتاب نمبر ۲ صفحہ ۱۴۴)

Marfat.com

رحم اللہ ابا حفص کان واللہ حلیف الاسلام ومادی الأیتام ومنتہی الاحسان ومحل الایمان وکھف الضعفاء ومعقل الحنفاء وقام بحق اللہ صابرا محتسبا حتی اوضح الدین وفتح البلاد وآمن العباد اعقب اللہ من ینقصہ اللعنۃ الی یوم القیامۃ۔

اللہ تعالیٰ رحمتیں فرمائے ابوحفص عمر رضی اللہ عنہ پر خدا کی قسم کہ وہ اسلام کے پیچھے ہمدرد تھے۔ یتیموں کے آسرا تھے۔ احسان کے اعلیٰ مرتبہ پر متمکن تھے۔ ایمان کا مرکز تھے ضعیفوں کے جائے پناہ تھے، متقی اور پرہیزگاروں کے ملجا و ماویٰ تھے۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی حفاظت فرمائی، جس میں تکلیفوں اور مصیبتوں پر صبر کرنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی چاہنے والے تھے، یہاں تک کہ دین کو روشن کیا اور ملکوں کو فتح کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کو خوف سے بچا کر امن میں رکھا۔ جو شخص بھی ان کی شان کو گھٹائے وہ قیامت تک اللہ تعالیٰ کی لعنت کا مستحق ہے۔

اسی طرح شان ذی النورین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق ملاحظہ فرمائیں۔

رحم اللہ عثمان کان واللہ اکرم الحفدۃ وافضل البررۃ ھجادا بالاسحار کثیر الدموع عند ذکر النار نھاضا عند کل مکرمۃ سباقا الی کل منجیۃ حبیبا وفیا صاحب جیش العسرۃ وختن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ فاعقب اللہ من یلعنہ لعنۃ اللاعنین۔

(ناسخ التواریخ جلد ۵ کتاب ۲ صفحہ ۱۴۴)

اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں عثمان (رضی اللہ عنہ) پر اللہ کی قسم وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شریف ترین داماد تھے۔ اور مقدس لوگوں سے افضل تھے۔ بہت تہجد پڑھنے (نماز) والے تھے۔ نار جہنم کو یاد کرتے وقت بہت رونے والے تھے۔ ہر بہترین کام میں ہر نجات دینے والے پہلو کی طرف سب سے زیادہ سبقت کرنے والے تھے۔

Marfat.com

غزوۂ تبوک میں اسلامی لشکر کی اعانت کرنے والے تھے غزوہ تبوک میں اسلامی لشکر کی اعانت کرنے والوں کے سردار تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ دار تھے جو ان کی شان میں لعنت کرتا ہے اس پر اللہ کی لعنت ہے اور ان لوگوں کی لعنت ہے جو لعنت کرنے والے ہیں۔

تنزیہہ الامامیہ   از محمد حسین ڈھکو صاحب

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب اس روایت سے بچند وجہ تمسک کرنا درست نہیں ہے۔

اولا   ناسخ التواریخ میں یہ روایت مسعودی کی مروج الذہب سے لی گئی ہے اور مسعودی اہل السنت کا جلیل القدر عالم بلکہ فاضل امام ہے۔

ثانیا   عقلائی قاعدہ ہے کہ کسی شخص کا کلام اس وقت اس کے عقیدہ کا ترجمان ہو سکتا ہے جب کوئی قرینہ اس کے خلاف عقیدہ ہونے پر قائم نہ ہو اور یہاں قرینہ موجود ہے جو اس کلام کے خلاف اعتقاد ہونے پر دلالت کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ انہوں نے یہ کلمات مدح وثنا ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے حق میں دربار معاویہ کے اندر کہے اور اگر وہاں وہ حقیقی نظریہ بیان کرتے جو اپنے استاد گرامی حضرت علی اور دیگر خاندان نبوت کے افراد کاملہ سے حاصل کیا تھا تو جان سے ہاتھ دھونے پڑتے اور جب جان کا خطرہ ہو تو تقیہ جائز ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ سب از روئے تقیہ کہا گیا ہے اس لیے اس کا اعتبار نہیں۔

ثالثاً   حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب یہ کلام ان کے مسلمہ نظریات کے خلاف ہے جیسے کہ ان کے گرانقدر مکالمات سے روز روشن کی طرح واضح ہے جو انہوں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کئے

Marfat.com

جیسے کہ طبری، محاضرات راغب میں مرقوم ہے اور شبلی نے ان کی تفصیل نقل کی ہے

رابعاً قطع نظر سابقہ وجوہ کے اگر واقعہ میں یہ اقوال حضرت عبد اللہ بن عباس کے بھی ہوں تو کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ مذہب شیعہ میں سند اور حجت صرف نبی ہے یا امام معصوم اور جس کا قول ان کے قول وفعل کے خلاف ہو اس کو پرکاہ کے برابر بھی اہمیت حاصل نہیں ہوتی۔ (تنزیہہ الامامیہ ص ۱۱۰ تا ۱۱۵)

تحفہ حسینیہ از ابو الحسنات محمد اشرف السیالوی،

الجواب بتوفیق رب الأرباب

جواب الأول (ا) علامہ ڈھکو صاحب نے حسب عادت پہلا جواب یہ دیا کہ یہ روایت اہل السنت کی ہے لہٰذا ہمارے خلاف اس کو بطور حجت پیش نہیں کیا جا سکتا لیکن ہم نے اس سے قبل صاحب ناسخ التواریخ کی زبانی ثابت کر دیا ہے کہ اس نے متفق علیہ روایت نقل کرنے کا التزام کر رکھا ہے اور اگر کہیں ایسی روایت آ جائے جو عقیدہ شیعہ کے خلاف ہو تو وہ اپنے مذہب کا تحفظ کرنے کی پوری پوری کوشش کرتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ ڈھکو صاحب نے اپنی مذہبی کتابوں کا پوری طرح مطالعہ نہیں کیا اور یا پھر تقیہ سے کام لیتے ہوئے غلط بیانی اور جھوٹ کو بروئے کار لائے ہیں۔

(ب) اس روایت کے اہل السنت کی کتابوں سے ہونے کی دلیل یہ دی ہے کہ روایت مسعودی کی مروج الذہب سے لی گئی ہے اور وہ علامہ اور امام فاضل اہل السنت کا ہے۔ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے اس مکاری کا پردہ چاک کرتے ہوئے تحفہ اثنا عشریہ میں فرمایا۔

کید بست و سوم آنکہ شخصے از علماء زیدیہ و بعضے فرق شیعہ غیر امامیہ

Marfat.com

اثنا عشریہ نام بر ند داول در حال او مبالغہ نمایند (تا) مثل زمخشری صاحب کشاف کہ تفضیلی و معتزلی است و اخطب خوارزم کہ زیدی غالی است و ابن قتیبہ صاحب معارف کہ رافضی معتزلی است و ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغہ کہ تشیع را با اعتزال جمع کردہ و ہشام کلبی مفسر کہ رافضی معتزلی است مسعودی صاحب مروج الذہب و ابو الفرج اصفہانی صاحب کتاب الاغانی و علی ہذا القیاس امثال ازینہا را ایں فرقہ در اعداد اہل السنت داخل کنند و معقولات و منقولات ایشاں الزام اہل السنت خواہند۔

تینوں[۲۴] داں مکر اہل تشیع کا یہ ہے کہ اثنا عشریہ فرقہ کے علاوہ اپنے فرقوں میں سے کسی فرقہ زیدیہ وغیرہ کے عالم کا نام لیں گے پہلے پہل اس کے حق میں مبالغہ کریں گے کہ یہ بڑا متعصب سنی ہے بلکہ بعض اس کو سخت ترین ناصبی بھی کہہ جائیں گے پھر اس سے ایسی روایت نقل کر دیں گے جس سے مذہب اثنا عشری کی تائید ہوتی ہوگی اور مذہب اہل السنت کا ابطال تاکہ اس روایت اور نقل کو دیکھنے اور سننے والا غلط فہمی میں مبتلا ہو جائے اور گمان کر لے کہ اس قدر متعصب سنی ہو کر بغیر تحقیق صحت کے وہ ایسی روایات کیونکر نقل کر سکتا ہے۔ اور پھر ان پر سکوت اور خاموشی کیونکر اختیار کرتا ہے جیسے کہ زمخشری صاحب کشاف جو تفضیلی شیعہ ہے اور معتزلی بھی اور اخطب خوارزم جو زیدی غالی ہے اور ابن قتیبہ صاحب معارف رافضی معتزلی ہے اور ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغہ کہ جس نے تشیع اور اعتزال کو یکجا کیا ہوا ہے۔ اسی طرح ہشام کلبی مفسر وہ بھی غالی رافضی ہے اور مسعودی صاحب مروج الذہب اور ابو الفرج اصفہانی صاحب کتاب الاغانی و علی ھذا القیاس اس قسم کے شیعہ علماء کو یہ گروہ پہلے پہل اہل السنت کے علماء میں شمار کر دیتا ہے اور پھر ان کے اقوال اور ان کی منقول روایات سے اہل السنت کو الزام دینے کی کوشش

Marfat.com

کرتے ہیں۔

الغرض مسعودی صاحب اور انکی مروج المذہب اہل السنت کے نزدیک شیعہ مؤلف کی شیعی مذہب کی کتاب ہے اس لیے اس کو اہل السنت کے کھاتے میں ڈالنا سراسر دھوکہ بازی اور بدترین مکاری و عیاری ہے نیز قاضی طبا طبائی شیعی نے بھی اس کے شیعی عالم ہونے کی تصریح کی ہے

جواب الثانی علامہ موصوف نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ خطبات چونکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دربار میں سرزد ہوئے لہٰذا خوف جان کی وجہ سے اپنے ضمیر کے برعکس کہنے پر مجبور تھے اور عقلائی قاعدہ کے تحت کہ جب قرینہ قائم ہو کلام کا ظاہری معنی مراد متکلم نہیں ہو سکتا لہٰذا ان کے ان خطبات کا بھی ظاہری معنی و مفہوم حضرت ابن عباس کی مراد و مقصود نہ تھا بس ویسے ہی زبان سے کہہ دیے لیکن دریافت طلب امر یہ ہے کہ۔

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اس دربار میں کون گرفتار کر کے لے گیا تھا جب ایسے خطرات وہاں پر تھے تو وادم منہ کرنے کا حوصلہ ہی انہیں کیونکر ہوا۔

(۲) آپ نے ایک طرف عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو اتنا بہادر ثابت کر دیا کہ حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے دور خلافت میں روبرو مکالمہ کرتے ہوئے ان کے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر ظلم اور جبر کرنے کا الزام عائد کیا اور ان کے رعب و جلال اور سطوت و جبروت کو ذرا بھی خاطر میں نہ لائے جن کے بادے پر امیر شام کا پسینہ چھوٹ جاتا تھا اور جو خالد بن الولید جیسی شخصیت کو حمص کی گورنری سے معزول کر کے انہیں کی دستار ان کے گلے میں ڈال کر لوگوں کے سامنے کھڑا کر کے جواب طلبی کرتے ہیں کہ یہ اموال داشتہ کہاں سے آئے اور فلاں جگہ اتنا خرچ کیوں کیا وغیرہ وغیرہ (شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید جلد اول ص-۱۸۰) آخر اس تضاد کا بھی جواب کبھی سوچا۔؟

Marfat.com

(۴) پھر حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے شاگرد خاص تھے تو انہیں معلوم نہیں تھا کہ استاد گرامی کی تعلیم تو یہ ہے۔

اَنّ الأمر بالمعروف والنهی عن المنکر لایقربان من اجل ولاینقصان من رزق وافضل من ذلک کله کلمة حق عند سلطان جائر"

کہ امر معروف اور نہی منکر نہ موت کے منہ میں دھکیلتے ہیں اور نہ رزق۔ اور روزی سے محروم کرتے ہیں اور سب سے افضل صورت امر معروف اور نہی منکر کی یہ ہے کہ جور پیشہ سلطان کے سامنے کلمہ حق اور آوازہ عدل بلند کیا جائے۔

(نہج البلاغہ مع شرح حدیدی ص ۳۰۶ / ۱۹)

حضرت زید بن زین العابدین رضی اللہ عنہما نے حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی خاطر جان کی بازی لگادی تو حضرت ابن عباس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خاطر یہ قربانی دینا کیوں مشکل معلوم ہوا۔ بلکہ حقیقت یہی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اپنا موقف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے بیان فرمایا اور مناظرانہ انداز میں اپنی صداقت و حقانیت واضح کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سچائی اور صداقت بھی لیکن ڈھکو صاحب کا خیال یہی ہوگا کہ کون اتنی بڑی کتاب منگوائے گا پھر اس کے دیکھنے کا تکلف کرے گا۔ اور تقیہ میں اجر و ثواب بھی ملے گا۔ اور زحمت جواب سے بھی کسی حد تک خلاصی مل جائے گی لہٰذا ہم خرما و ہم ثواب کرنے ہیں ہی عافیت ہے آیئے اصل حقیقت کے چہرہ سے نقاب الٹ کر دیکھیں۔ اور علامہ موصوف کی اپنے اسلاف کی تقلید و تاسی میں فریب کاری کا مشاہدہ فرمادیں۔

ڈھکو صاحب کی فریب کاری:

ناسخ التواریخ جلد پنجم از کتاب دوم کے ص ۱۳۹ پر مؤرخ نے عنوان قائم کیا ہے "وفد عبداللہ بن عباس بر معاویہ" رضی اللہ عنہم۔ اور اس کے تحت اپنے مسلک کی

Marfat.com

کتاب الخصال سے روایت نقل کی ہے جس کو عبدالملک بن مروان کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ بنو ہاشم کے چند افراد مع ابن عباس رضی اللہ عنہما کے موجود تھے۔ جن کو امیر معاویہؓ نے خطاب کرتے ہوئے کہا: بما تفخرون علینا الیس الاب والام واحد والدار والمولد واحد" تم ہم پر کس وجہ سے فخر ظاہر کرتے ہو کیا ہمارے ماں باپ ایک نہیں ہیں اور منشاؤ مولد ایک نہیں ہیں جس کے جواب میں حضرت ابن عباس بولے اور وجوہ مفاخر بیان کیے اور یہ سلسلہ گفتگو دو صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ پھر عمرو بن العاص نے مداخلت کی اور آپ نے بڑے سخت لب و لہجہ میں ان سے کلام کیا۔ اس کے بعد ص ۲۴۲ پر فاضل مجلسی کا کلام مجالس شیخ مفید سے نقل کرتے ہوئے لکھا کہ امیر معاویہؓ نے آپ سے کہا: انکم تریدون ان تحرزوا الامامة کما اختصصتم بالنبوة واللہ لایجتمعان ابداً تم چاہتے ہو کہ نبوت کے اختصاص کے بعد خلافت بھی اپنے ہی خاندان میں جمع کر لو لیکن بخدا اس طرح نہیں ہو سکتا الخ جس کا جواب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے دیا جو تقریباً دو صفحوں پر پھیلا ہے ہے جس میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہاں تک کہا کہ تیری امارت کی وجہ سے لوگوں پر عذاب اور تکلیف ظاہر ہے اور تیرے بعد تیرے لڑکے اور تیری جدی برادری کی سلطنت ریح عقیم سے بھی زیادہ لوگوں کے لیے موجب ہلاکت ہوگی پھر اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کے ذریعے تم سے انتقام لے گا اور انجام کار مملکت و سلطنت متقین کے ہاتھوں میں ہوگی۔

اس کے بعد خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے حق میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کہنے پر آپ نے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ آخر اتنی دھاندلی بھی کوئی روا رکھ سکتا ہے کہ ان عبارات سے قبل پورے پانچ صفحات پر انتہائی سخت لب و لہجہ میں گفتگو ہو اور براہ راست امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر تنقید، وہاں جان کا خطرہ لاحق نہ ہوا اور صرف خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی تعریف میں جان کا خطرہ لاحق ہو گیا اور تقیہ کی ڈھال استعمال کرنی پڑی۔

Marfat.com

سراپا تعجب و حیرت :۔ سراسر تعجب اور حیرت کی بات یہ ہے کہ چوتھے نمبر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہی مطالبہ پر آپ نے امیر المؤمنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شان اور عظمت پر خطبہ دیا اور اس کے آغاز میں فرمایا رضی اللہ عن ابی الحسن کان واللہ علم الھدی وکھف التقی ومحل الحجیٰ وبحر الندی اور آخر میں فرمایا لم ترعینی مثلہ ولن تری فعلی من یبغضہ لعنۃ اللہ والعباد الی یوم القیامۃ ۔ یعنی اللہ تعالیٰ حضرت ابو الحسن سے راضی ہو بخداوہ ہدایت کے علم تھے اور تقویٰ کے ملجا و ماویٰ اور محل عقل و دانش اور جود و سخا کے سمندر، نہ میری آنکھ نے ان جیسا دیکھا اور نہ کبھی دیکھے گی پس ان کے ساتھ بغض رکھنے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اور اس کے تمام بندوں کی تاقیام قیامت، جس پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے صرف ان الفاظ میں تبصرہ کیا " یا بن عباس در حق پسر عم خود فزونی جستی و فراواں گفتی اکنوں از پدر خود عباس بگوئی" اے ابن عباس تم نے اپنے چچازاد بھائی کے حق میں مبالغہ آمیزی اور فراوانی کے ساتھ کہنے اور ان کے مقام کو زیادہ بڑھانے کی کوشش کی ہے اچھا اب اپنے والد کے متعلق کچھ بیان کیجئے۔
الغرض اس سیاق و سباق کو دیکھنے اور مطالعہ کرنے پھر سمجھنے کے بعد کوئی شخص بھی بقائمی ہوش و حواس اور بقاء ایمان و انصاف یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ حضرت عبد اللہ بن عباس نے جو کچھ کہا وہ جان بچانے کی خاطر تقیہ کرتے ہوئے کہا ہے۔

علاوہ ازیں یہی مضمون آپ سے اس وقت بھی مروی و منقول ہے جب کہ آپ کو طائف کی طرف منتقل ہونا پڑا جب کہ حضرت عبد اللہ بن زبیر سے آپ کو اختلاف ہوا۔ اور اہل طائف آپ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے کے بعد خلفاء راشدین کا ذکر کرتے اور فرماتے: ذھبوا فلم یدعوا امثالھم ولا اشباھھم ولا من یدانیھم ولکن بقی اقوام یطلبون الدنیا بعمل الآخرۃ۔ (شرح حدیدی بحوالہ مدائنی جلد ۲۰ ص ۱۲۵)

Marfat.com

وہ خلفاء نبوی دنیا سے تشریف لے گئے اور اپنے بعد نہ اپنی مثال چھوڑی نہ کوئی اپنے مشابہ بلکہ کوئی ایسا بھی نہیں جو ان کے اخلاق اعمال اور سیرت و کردار کے قریب بھی ہو چہ جائیکہ ان جیسا ہو لیکن اب صرف ایسے لوگ رہ گئے ہیں جو اعمال آخرت کے بدلے دنیا کو طلب کرتے ہیں۔

آپ کو طائف میں تو کوئی خطرہ اور خوف درپیش نہیں تھا جس سے بالکل واضح ہے کہ وہ صرف اور صرف اپنے ضمیر کی آواز اور اپنا پسندیدہ نظریہ اہل اسلام کو بتلانا چاہتے تھے اور آپ نے اس اعلان حق میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی۔ نہ اس میں تقیہ کا ذرہ بھر شائبہ تھا اور نہ ہی جان کا کوئی خطرہ تھا۔

(۴) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ چونکہ ان حضرات کے قریبی رشتہ دار تھے اس لیے وہاں جاتے بھی رہتے تھے اور بے تکلفی میں بات چیت بھی کرتے رہتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دور میں جب کہ مخالفت عروج پر تھی حضرت عقیل رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور بہت ہی عزت و کرامت وہاں پر دیکھی لیکن جب انہوں نے اپنے برتاؤ کے متعلق خطبہ دینے کو کہا تو کس قدر کھل کر حضرت علی کی عظمت بیان فرمائی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ان کی نسبت کم مرتبت ہونا واضح اور ظاہر کیا جیسے کہ ابن ابی الحدید نے اس کو اپنے تشیع اور اعتزالی پس منظر میں بڑے غلیظ انداز میں بیان کیا ہے۔ الغرض وہاں نہ کوئی جان کا خطرہ تھا اور نہ ہی کوئی جبر و اکراہ تھا للذا عقلائی قرینہ تو اس مدح سرائی اور قصیدہ خوانی کو حضرت ابن عباس کے عقیدہ کے برعکس سمجھنے پر دلالت کرتا نہیں ویسے مزاج تشیع کو یہ حقیقت ناقابل برداشت محسوس ہو تو اس کا کیا علاج ہے۔ بلکہ امام حسن رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے دوران فرماتے تھے میرے والد گرامی فرماتے تھے۔

لا تكرهوا امارة معاوية فانكم لو فارقتموه لرائيتم الرؤس تندر عن الكواهل كالحنظل، امیر معاویہ کی امارت کو ناپسند نہ کرو۔ اگر

Marfat.com

تم ان سے جدا ہوئے (اور ان کی وفات ہو گئی) تو تم سروں کو کندھوں سے اس طرح جدا ہوتے دیکھو گے جس طرح کہ حنظل کو بیل سے جدا کیا جاتا ہے۔ (شرح ابن ابی الحدید جلد نمبر ۴ ص ۲۶ بحوالہ ابوالحسن المدائنی) اگر نگاہ حسن بلکہ نگاہ مرتضیٰ رضی اللہ عنہما میں وہ خلافت و امارت اتنی ہی جابرانہ ہوتی تو آپ یہ ارشاد کیوں فرماتے اور پھر امام حسن رضی اللہ عنہ اپنی خلافت ان کے حوالے ہی کیوں فرماتے اور مصالحت کیوں کرتے لہٰذا جان کے خطرے والا بہانہ لغو و باطل ہے۔

جواب الثالث :- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے مکالمات میں اپنا حقیقی عقیدہ ظاہر کر دیا ہے لہٰذا اسی کا اعتبار ہے نہ کہ اس کا جو دربار معاویہ میں کہا گیا اس مقام پر علامہ صاحب نے الفاروق شبلی النعمانی کے حوالے سے دو مکالمے نقل کئے گئے ہیں۔

پہلا مکالمہ حضرت عمرؓ : کیوں عبداللہ بن عباس! علیؓ ہمارے ساتھ کیوں شریک نہیں ہوتے؟

عبداللہ عباسؓ : میں نہیں جانتا۔

حضرت عمرؓ : تمہارے باپ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے چچے اور تم آپ کے چچیرے بھائی ہو، پھر تمہاری قوم تمہاری طرف دار کیوں نہ ہوئی؟

حضرت ابن عباس : میں نہیں جانتا۔

حضرت عمرؓ : وہ نبوت اور خلافت کا ایک ہی خاندان میں جمع ہونا پسند نہیں کرتے تھے۔ شاید تم یہ کہو گے کہ حضرت ابوبکر نے تمہیں خلافت سے محروم کر دیا لیکن خدا کی قسم یہ بات نہیں ہے ابوبکر نے وہی کیا جس سے زیادہ مناسب کوئی بات نہیں ہو سکتی۔ اگر وہ تم کو خلافت دینا بھی چاہتے تو ایسا کرنا تمہارے حق میں مفید نہ ہوتا۔

اس پورے مکالمے کو غور سے پڑھو بار بار پڑھو اور بتلاؤ حضرت عبداللہ بن عباسؓ

Marfat.com

کے کسی لفظ سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ آپ حضرت صدیق اور حضرت فاروق کی خلافت کو غاصبانہ اور ظالمانہ سمجھتے تھے۔ اس مکالمہ میں سرے سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایسا لفظ ہی موجود نہیں ہے۔ اگر ایک شخص مجتہد العصر اور حجۃ الاسلام ہونے کا دعویدار ہو کر ایسے دلائل دینے لگے اور مدعا کو اس قسم کے مکالمات سے ثابت کرنا چاہے تو اس سے زیادہ اندھیر نگری کیا ہو سکتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے شبلی صاحب کی اردو عبارت میں بھی علامہ صاحب کو غور و فکر کی توفیق نصیب نہیں ہوئی۔

دوسرا مکالمہ : ڈھکو صاحب فرماتے ہیں دوسرا مکالمہ اس سے زیادہ مفصل ہے کچھ باتیں وہی ہیں اور کچھ نئی ہیں اور وہ یہ ہیں۔

حضرت عمرؓ : کیوں عبداللہ بن عباس تمہاری نسبت میں بعض باتیں سنا کرتا تھا لیکن میں نے اس خیال سے ان کی تحقیق نہیں کی کہ تمہاری عزت میری نگاہوں میں کم نہ ہو جائے۔

عبداللہ بن عباسؓ : وہ کیا باتیں ہیں؟

حضرت عمرؓ : میں نے سنا ہے کہ تم کہتے ہو ہمارے خاندان سے خلافت حسداً ظلماً چھین لی گئی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ : ظلم کی نسبت تو میں کچھ نہیں کہتا کیونکہ یہ بات کسی پر مخفی نہیں ہے لیکن حسداً تو اس کا تعجب کیا ہے ابلیس نے آدم علیہ السلام پر حسد کیا اور ہم لوگ آدم ہی کی اولاد ہیں پھر محسود ہوں تو کیا تعجب ہے۔

حضرت عمرؓ : افسوس بنو ہاشم کے دل سے پرانے رنج اور کینے نہ جائیں گے

حضرت ابن عباسؓ : ایسی بات نہ کہیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہاشمی تھے۔

---

(۱) ——— اس مکالمہ میں حسد اور ظلم کے الفاظ موجود ہیں لیکن سوال یہ ہے

Marfat.com

کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس مکالمہ میں حاسد اور ظالم کس کو
کہا ہے ؟ علامہ ڈھکو صاحب کا درج کردہ پہلا مکالمہ ہی اس کی وضاحت کر دیتا
ہے کہ ہماری قوم نے یہ نہ چاہا کہ ان کو نبوت کی فضیلت کے ساتھ ساتھ خلافت
کی فضیلت بھی مل جائے اور خلافت و امامت تو انہیں کے شوریٰ اور انتخاب
سے ہی ملنی تھی لیکن انہوں نے اس خیال پر کہ اگر ایک ہی گھر از میں نبوت اور
خلافت جمع ہو گئی تو وہ دوسروں کو حقیر سمجھیں گے اور کوئی اہمیت ہی نہیں
دیں گے۔ لہٰذا انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف داری نہ کی اور حضرت
ابوبکر صدیق کو خلیفہ بنا دیا۔ لہٰذا اگر نسبت حسد یا ظلم کی ہو سکتی ہے تو قوم قریش
کی طرف نہ کہ حضرت عمر اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما کی طرف اور اگر کینے اور
رنج وغیرہ جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا تھے بھی تو دوسرے
حضرات کے ساتھ جن کے افراد خاندان حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں
قتل ہوئے یا جن کے ہاتھوں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے قریبی شہید ہوئے
یا دور اسلام سے قبل جو باہمی نزاع اور اختلاف ہوا کرتا تھا حضرت ابوبکر اور
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ پرانے رنج اور کینے کون سے ہو سکتے تھے۔

(۲) ان دونوں مکالموں سے صاف ظاہر ہے کہ خلافت و امامت کا
حصول قوم کی معاونت و موافقت پر مبنی تھا نہ کہ یہ امر منصوص من اللہ تھا۔ لہٰذا
ڈھکو صاحب کے ان مکالموں سے بھی ان کا مذہب باطل ہو کر رہ جاتا ہے۔
کہ قوم چاہتی تو ان کو خلیفہ بنا سکتی تھی لیکن انہوں نے اپنی مصلحتوں کے تحت
ایسا نہ چاہا لہٰذا حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کو خلافت نہ مل سکی۔

(۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس مکالمہ میں کوئی تخصیص نہیں بلکہ بنو ہاشم کے
گھرانہ کی بات ہے تو اس سے بھی اہل تشیع کا مدعا پورا نہیں ہو سکتا کیونکہ ثبوت
امام ثبوت اخص کو مستلزم نہیں ہوا کرتا اور جب خلافت بنو عباس کو مل بھی گئی۔
تو انہوں نے اولاد علی رضی اللہ عنہم کو واپس نہیں کی تھی جس سے معلوم ہوتا ہے

Marfat.com

کہ وہ اپنا حق ہی سمجھتے تھے۔

(۴) جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیعت کا معاملہ آیا یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیعت کا تو بنو عبدالمطلب اور بنو ہاشم میں سے کسی نے حضرت علی کا ساتھ دیا؟ اور بیعت میں توقف بھی فرمایا اور اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر بنو عبدالمطلب اور بنو ہاشم بھی اس حسد اور ظلم میں شریک ماننے ضروری ہیں، نیز حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقرب خاص تھے اور مشیر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان صلح وصفائی کرانے والے اگر خلافت ظالمانہ اور غاصبانہ سمجھتے تھے تو ان سے معاونت کیوں فرماتے تھے۔ مزید تفصیل بیعت صدیق کے ضمن میں ذکر کی جائے گی۔

(۵) نیز یہ مکالمات بھی محض تاریخی روایت اور حکایت ہیں اور عقائد کے معاملہ میں اخبار آحاد صحاح اربعہ کے بھی بقول ڈھکو صاحب کارآمد ثابت نہیں ہو سکتے۔ (ملاحظہ ہو اصول الشرائع ص ۲۰) تو ان تاریخی حکایات سے کیونکر عقائد کا اثبات ممکن ہے نہ اسلام میں ایک عقیدہ کو رکن بنانے اور نہ ہی کسی شخص کا عقیدۂ اسلام ثابت کرنا ایسی حکایات و روایات تاریخیہ سے ممکن ہے کیونکہ ان میں ہر قسم کے رطب ویابس ہوتے ہیں۔

لہٰذا یہ ساری تطویل لاطائل ہے اور ڈھکو صاحب نے صرف ڈوبتے کو تنکے کا سہارا والا طریقہ اختیار کیا ہے۔ ڈھکو صاحب کے ہی بیان کردہ قاعدہ وقانون کے مطابق حضرت عبداللہ بن عباس بلکہ ان کے والد گرامی اور بھائی صاحبان کا زندگی بھر کا طرز عمل اور ارشادات جو کتب اہل السنت میں علی الخصوص صحاح میں موجود ہیں وہ اس حقیقت کی بین برہان ہیں کہ آپ دل و جان سے ان حضرات کی خلافت حقہ کے قائل تھے اور معترف جیسے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت ملنے پر اس کے قائل اور معترف ہوئے اور ان کا پورا پورا ساتھ دیا لہٰذا اہل السنت کی طرف ابن عباس

Marfat.com

ان کے کسی ایسے عقیدہ کی حکایت و روایت کو منسوب کرنا سراسر افترا اور بہتان ہے اور واقعہ و حقیقت کے بھی سراسر خلاف ہے۔

جواب الرابع ۔ ڈھکو صاحب نے اپنے جوابات کی کمزوریاں اور وجوہ ضعف محسوس کرتے ہوئے دل کی اصل بات اگل ہی ڈالی کہ چلو ابن عباس کا یہ عقیدہ ہو تو مذہب شیعہ کو اس سے کیا فرق پڑتا ہے، ہم تو صرف نبی کے فرمان یا امام وقت کے فرمان کو حجت سمجھتے ہیں اور دوسرے کسی شخص کے قول کو پرکاہ کی اہمیت نہیں دیتے لیکن ڈھکو صاحب مشکل یہ بن جائے گی کہ علی مرتضیٰ کے چچازاد بھائی تلمیذ خاص، وزیر خاص، مشیر خاص، مفسر صحابہ اور آپ کی طرف سے نامزد مناظر اور فیصل اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منظور نظر جن کو فقہ دین اور تفسیر قرآن کے علوم دربار مصطفےٰ اور نگاہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے نصیب ہوئے اگر وہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے حق میں اس قدر مدح و ثناء پر مشتمل خطبات دیں اور ان کی تنقیص کرنے والوں پر لعنت بھیجیں تو اس کا عمومی تاثر اور ردعمل کیا ہوگا۔ اگر گھر والے ہی خلافت بلافصل اور وصیت و نامزدگی کا انکار کریں اور بقول شیعہ خلافت غصب کرنے والوں سے کسی ناراضگی کا اظہار نہ کریں بلکہ ناراضگی کا اظہار کرنے والوں پر لعنت بھیجیں تو دوسرے لوگ یہی کہیں گے جب گھر والے اس خلافت کو کوئی اہمیت نہیں دیتے اور بلافصل کی بجائے قائل نہیں اور اس کے خلاف کرنے والوں کے دین و ایمان میں ان کو کوئی نقص نظر نہیں آتا تو پھر یہ افسانہ ہی ہے اور اس کو حقیقت اور واقعہ سے کوئی واسطہ و تعلق نہیں ہے۔ اس لیے اسے محض یہ کہہ کر ٹھکرایا نہیں جاسکتا کہ ہمیں ابن عباس کے قول کی کیا پروا؟ اگر ڈھکو صاحب جیسا پندرھویں صدی کا عالم خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے متعلق ایسا خطبہ دے تو ہلچل مچ جائے اور شیعہ مذہب میں شدید زلزلہ محسوس ہو لیکن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس قدر غیر اہم اور بے اعتبار سمجھے جائیں۔ اس سے بڑھ کر مقام حیرت اور محل تعجب کیا ہوسکتا ہے؟

رہ گیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ارشاد

Marfat.com

اور اداعا ئشہ والا معاملہ تو وہ چودہ سو سال سے شیعہ صاحبان کے ذمے ہے مگر آج تک اس کو ثابت کرنے کی ہمت کسی میں نہیں ہوئی۔ مفصل بحث بیعت اور خلافت کی مبحث میں ذکر کی جائے گی۔ فانتظر۔

مذہب شیعہ — از حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز

منقبت عثمان رضی اللہ عنہ

کافی کتاب الروضہ مطبوعہ لکھنؤ کے ص ۹۹ وص ۴۶ اور ص ۱۵۰ پر ائمہ کرام سے یہ روایت موجود ہے کہ بیعت الرضوان کے موقعہ پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک دست مقدس کو امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دیا اور دوسرے دست مقدس کو اسکے اوپر رکھکر فرمایا کہ یہ عثمان کا ہاتھ ہے جو تمہارے ساتھ ہی ساتھ بیعت کے شرف سے مشرف ہو رہا ہے (اقول) اور صحابہ کرام علیہم الرضوان نے جب حضرت عثمان کے مکہ مکرمہ پہنچنے پر تشریف رکھے جانے پر کہا کہ وہ تو بیت اللہ کے طواف کا شرف حاصل کرلیں گے لیکن ہم یہیں پر روک دیئے گئے ہیں تو آپ نے فرمایا یہ نہیں ہوسکتا کہ عثمان ہمارے بغیر طواف کرلیں چنانچہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ واپس حدیبیہ میں تشریف لائے تو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا۔ آیا تم نے طواف کیا ہے تو انہوں نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ میں کس طرح طواف کرلیتا جب رسول خدا نے طواف نہیں کیا اصلی عربی عبارت بھی مطالعہ فرمالیں فبايعه رسول الله صلى الله عليه وسلم المسلمين وضرب بإحدى يديه على الاخرى لعثمان وقال المسلمون طوبى لعثمان قد طاف بالبيت وسعى بين الصفا والمروة واحل فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما كان ليفعل فلما جاء عثمان قال له رسول الله صلى الله عليه وسلم اطفت بالبيت فقال ما كنت لاطوف بالبيت ورسول الله صلى الله عليه وسلم لم يطف (کتاب الروضہ للکافی صد ۳۲۶ مطبوعہ تہران) اور اسی مضمون کو علامہ باذل شیعی نے فارسی اشعار میں اسی طرح ادا کیا ہے۔

Marfat.com

بجو شید آنکہ بدل مہر خون
بعثمان چنیں گفت آں سرنگوں

کہ گر میل داری تو طوف حرم
بکن ما لفت نیست کس زیں حشم

ولیکن محال است ایں پیغام
کہ آید محمد برائے طواف

چوں بشنید عثمان از وایں سخن
چنیں داد پاسخ بہ آں اہرمن

کہ طوف حرم بے رسول خدا
نباشد بر پیر دانش روا ۔

(کتاب حملہ حیدری تالیف مرزا محمد رفیع التخلص باذل ص ۱۱۹)

سبحان اللہ یہ منزلت اور یگانگت، یہ اعتماد اور یہ رتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا۔ اور پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہونے کے مدعی ان کی شان میں بکواس کریں یہ شرف اور بھی کسی کو نصیب ہوا جو اس ہستی مقدس کے حصہ میں آیا کہ جس ہاتھ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ قرار دیا ید اللہ فوق ایدیھم اس کو آپ نے عثمان کا ہاتھ قرار دیا اور جن بیعت کرنے والوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا کہ جو لوگ تمہارے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیعت کر رہے ہیں وہ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ بیعت کر رہے ہیں۔ ان الذین یبا یعونک انما یبایعون اللہ ۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی ان میں شامل فرما کر اس اعزاز و اکرام کے ساتھ نوازا اور جن بیعت کرنے والوں کے متعلق ارشاد فرمایا کہ میں ان سے راضی ہو چکا ہوں اور میں نے ان کے دلوں کی کیفیت معلوم کر لی ہے "لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم" نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کی طرف سے بیعت لے کر اس فضیلت میں ان کو بھی داخل فرما لیا، نیز ان کے متعلق اپنے طور پر اس اعتماد اور اطمینان کا اظہار فرما دیا کہ عثمان کی محبت و عقیدت سے یہ بعید ہے کہ وہ ہمارے بغیر بیت اللہ کا طواف کرے یا صفا و مروہ میں سعی کرے اور احرام کھول دے۔ اس سے بڑھ کر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتماد اور اطمینان کا ثبوت کیا ہوگا۔ اور حضرت عثمان کا اس اعتماد پر پورا اترنے کا مزید کیا ثبوت درکار ہوگا اور عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو نمونہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پیش کیا ہے اس قسم کا بے مثال

Marfat.com

نمونہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ خدائے بزرگ و برتر کا عظیم گھر سامنے ہے اور قریش کی طرف سے طواف اور سعی کی مکمل آزادی بھی ہے لیکن وہ کہہ رہے ہیں میرا رسول طواف کرے گا تو میں بھی کروں گا۔ اور میرا رسول سعی کرے گا تو میں بھی کروں گا میرا رسول احرام کھولے گا تو میں بھی کھولوں گا ہمیں تو کعبہ سے تعلق اور پیار ہے یا سعی صفا و مروہ سے دلچسپی تو ان کے طفیل انہیں کا شوق اور عشق اس سعی و طواف میں ہمارا امام ہے۔ لہذا انکے بغیر یہ عظیم عبادات ادا نہیں ہو سکتیں اور نہ اکیلے یہ سعادتیں حاصل ہو سکتی ہیں۔ محمد اشرف سیالوی)

ائمہ ہدی کی ان تصریحات کا انکار صرف اس صورت میں کارگر ہو سکتا ہے کہ اہل تشیع کے ذاکرین مذہب شیعہ کی تمام تر کتابوں کو ضبط کرا دیں اور ان کی کلی یا جزوی اشاعت قانونا جرم قرار دے دیں! بتایئے اس کے بغیر بھی کوئی چارہ ہے یا روایات کا انکار کوئی معنی رکھتا ہے۔

محترم بھائیو! میں خدا کو حاضر ناظر یقین کرتے ہوئے مذہبی تعصب کو درکنار رکھ کر محض حق پسندی اور انصاف سے عرض کرتا ہوں کہ ائمہ طاہرین کی اس قدر واضح اور غیر مبہم تصریحات سے انکار کرنا اور ان کی بعید از عقل و قیاس تاویلیں کرنا۔ ان کے اصل مفہوم اور معنی سے انحراف کر کے عقل سلیم اور صحیح نظر و فکر کے خلاف توجیہیں کرنا صرف اس شخص سے ممکن ہے جو دل سے ان کے ساتھ رائی کے برابر بھی الفت نہیں رکھتا اور اس کے دل میں ان مقربین بارگاہ صمدیت کی ذرہ بھر وقعت نہیں۔ صرف دعوی یا محرم کے چند دنوں میں ہنگامہ آرائی۔ ائمہ صادقین کے صریح ارشادات کی خلاف ورزی کا تدارک نہیں کر سکتی اور ان ائمہ ہدی کے واضح تر احکامات اور ان کے حلفیہ بیانات اور قسمیہ تصریحات کو خلاف واقعہ اور جھوٹ یقین کرنے والا ان کا محب اور مومن نہیں ہو سکتا۔ کافی کتاب الروضہ مطبوعہ لکھنؤ ص ۹۹ و مطبوعہ تہران ص ۲۰۹ بھی ملاحظہ فرماتے جایئے۔

ینادی مناد فی اول النهار الا ان فلان بن فلان وشیعته هم الفائزون وینادی آخر النهار الا ان عثمان وشیعته هم الفائزون۔ یعنی

Marfat.com

رج لو ایک نداد ینے والا نداء دیتا ہے کہ ہوشیار ہو کر اور خبردار ہو کر سنو کہ فلاں بن فلاں اور ان کا گروہ ہی فائز المرام ہیں اور شام کے قریب ایک نداء دینے والا ندا دیتا ہے کہ ہوش سے اور خبردار ہو کر سنو کہ عثمان اور ان کا گروہ ہی فائز المرام ہیں۔
(حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اور ان کے متبعین کے فائز المرام ہونے کی تصریح کے ساتھ جب دوسری شخصیت اور ان کے متبعین کے فائز المرام ہونے کا اعلان کیا جاتا ہے فلاں بن فلاں کے ساتھ تو دیکھنا یہ ہے کہ اس فلاں سے کون مراد ہیں تو اہل تشیع کی عادت یہ ہے کہ امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا نام نامی اگر ناچار لکھنا پڑ جائے تو فلاں لکھ کر سبکدوش ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ان کے سایہ سے بھی اس اس طرح بھاگتے ہیں کہ دوسرا راستہ اختیار کرتے ہوئے فلاں کہہ دیتے ہیں اہل تشیع نے اپنی کتابوں میں کئی جگہ یہ طرز اختیار کی ہے مثلاً کتاب نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۲۱۹ مطبوعہ ایران میں ، للّٰہ بلاد فلان فلقد قوم الاود حضرت امام الائمہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اس خطبہ کی شرح میں صاحب بھجۃ الحدائق، ابن ابی الحدید اور صاحب منہاج البراعۃ اور لاہیجی اور ابن میثم تصریح کرتے ہیں کہ "فلاں" سے مراد عمر ہیں البتہ ابن میثم ابوبکر (الصدیق رضی اللہ عنہ) کے متعلق بھی کہتے ہیں۔ اور الدرۃ النجفیہ میں ہے کہ ابوبکر صدیق مراد ہیں۔
(نوٹ) ڈھکو صاحب ان دونوں روایات کا جواب ہضم کر گئے اور عملی طور پر گویا اپنے عجز اور بے مائیگی کا اعتراف کر لیا اور اپنی جماعت کی وکالت میں ناکامی کا اقرار کر لیا۔

تحفہ حسینیہ :

الغرض صبح کو یا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے تبعین کے متعلق یہ اعلان کیا جاتا ہے۔ اور یا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور ان کے تبعین کے متعلق اور پچھلے پہر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے تبعین کے متعلق کہ وہ فائز المرام ہیں اور یہی اعلان قرآن مجید نے بھی ان کے متعلق فرمایا ہے قال اللہ تعالیٰ: والسابقون الاولون من المہاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی

Marfat.com

اللہ عنہم ورضوا عنہ واعد لھم جنات تجری تحتھا الانہار خالدین فیھا ابدا ذلک الفوز العظیم ، یعنی اسلام کی طرف سبقت سے جانے والے مہاجرین اور انصار اور جو اچھے طریقہ پر ان کے پیروکار ہوئے اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی اور ان کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ جن میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اور وہ بہت بڑی فوز و فلاح اور کامیابی ہے لہٰذا اس روایت کا وہی معنی معتبر ہوگا۔ جو اس آیت کریمہ کے مطابق ہوگا اور اس کا خلاف باطل و مردود ہوگا کیونکہ وہ قرآن مجید اور نقل اکبر کے خلاف ہوگا۔

ھذا والحمد للہ۔

غزوۂ تبوک کی تجہیز پر حضرت عثمان کیلئے بشارات

القصہ چوں پیغمبر لختے بتحریض جہاد سخن کرد و در مردم مدینہ جنبش پدید گشت لاجرم عثمان بن عفان کہ ایں وقت دویست شتر و دویست اوقیہ سیم از بہر تجارت شام آمادہ کردہ بود بتمامت بحضرت رسول آورد و برائے تجہیز لشکر پیش داشت، پیغمبر فرمود: لا یضر عثمان ما عمل بعد ھذا و بروایتی سیصد شتر با ساز و برگ و ہزار مثقال زر سرخ حاضر کرد و پیغمبر فرمود۔ اللھم ارض عن عثمان فانی عنہ راض و نیز گفتہ اند از سی ہزار تن لشکر کہ سفر تبوک کرد و دیہرہ را عثمان تجہیز نمود و علماء عامہ از بہر او چنیں حدیث کنند کہ پیغمبر فرمود: من جھز جیش العسرۃ فلہ الجنۃ فجھزھا عثمان۔"

(ناسخ التواریخ جلد اول کتاب دوم ص ۳۲۲)

ساعت عسرت یعنی غزوہ تبوک کے موقعہ پر جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کی طرف ترغیب پر مشتمل گفتگو فرمائی اور ساکنینِ مدینہ مہاجرین و انصار میں جوش و خروش پیدا ہوگیا تو عثمان بن عفان (رضی اللہ عنہ) جنہوں نے دو سو اونٹ اور اور دو سو اوقیہ چاندی (آٹھ ہزار درہم) شام کی تجارت کیلئے تیار کر رکھے تھے ان کے

Marfat.com

تمام لاکھر بارگاہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں لشکر کی تیاری کے لیے پیش کر دیئے،
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عثمان اس کے بعد جو بھی کرے اس کا ضرر و نقصان
اس کو لاحق نہیں ہوگا۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس سے مواخذہ اور باز پرس نہیں فرمائیگا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ تین سو اونٹ بمع ساز و سامان اور ایک ہزار
دینار زر خالص کا حاضر کیا اور پیغمبر علیہ السلام نے ان کو دعا دیتے ہوئے کہا اے اللہ عثمان
سے راضی ہو جا کیونکہ میں تیرا محبوب و مطلوب ہوں جس کی رضا از رہ کرم تو چاہتا ہے اور میں
ان سے راضی ہو چکا ہوں۔ نیز علماء نے کہا ہے کہ تبوک کی طرف سفر کرنے والے تیس
ہزار افراد پر مشتمل لشکر میں سے دو تہائی کی تیاری کا انتظام و اہتمام انہوں نے کیا تھا۔
اور علماء عامہ (اہل السنت والجماعت) نے ان کے لیے اس طرح حدیث نقل کی ہے کہ
رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم نے فرمایا جو شخص جیش عسرت یعنی لشکر تبوک (جو کہ
شدت اور سختی کی حالت میں ہے اور فقر و فاقہ سے دوچار ہے) اس کو تیار کرے گا
اور ان کے لیے ضروری ساز و سامان بہم پہنچائے گا تو اس کے لیے جنت ہے۔ تو
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس پورے لشکر کے لیے ضروری ساز و سامان مہیا فرمایا۔

تبنیہ علماء عامہ کی روایت کو علیحدہ ذکر کرکے صاحب ناسخ نے واضح کر دیا کہ
پہلی روایت میں علماء شیعہ بھی اہل السنت کے ساتھ متفق ہیں اور اس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ
کے لیے یہ بشارت بھی ہے کہ ان سے مؤاخذہ اور باز پرس نہیں ہوگی اور یہ دعا بھی
ہے کہ اے اللہ ان سے راضی ہو جا اور وہ محبوب جس کے دل کا ارادہ بدلے۔ تو
اللہ تعالیٰ عین نماز میں قبلہ بدلا دے اور اپنی قضاء و قدر کو تبدیل فرما دے ان کی
صریح دعا کیونکر رائیگاں جا سکتی ہے اور پھر ان سے اپنے راضی ہونے کی تصریح بھی
ہے جس کو رضاء الٰہی کے حصول کی علت اور سبب موجب کے طور پر ذکر کیا ہے
کہ میں تیرا محبوب ہوں اور تو از راہ کرم میری رضا کا طالب ہے لہٰذا جب میں ان سے
راضی ہو چکا تو اس لطف عمیم اور کرم قدیم کا تقاضا یہ ہے کہ تو ان سے بھی لامحالہ راضی
ہو لہٰذا یقینی طور پر ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو گئی اور یہی قرآن مجید کا اعلان

Marfat.com

ہے "رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ" اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے۔ نیز خصوصی طور پر غزوہ تبوک اور جیش عسرت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا

"لقد تاب اللہ علی النبی والمہاجرین والانصار الذین اتبعوہ فی ساعۃ العسرۃ (الی) ثم تاب علیہم انہ بہم رءوف رحیم۔"

البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے نظر رحمت فرمائی اپنے نبی علیہ السلام پر اور مہاجرین وانصار پر جنہوں نے مشکل گھڑی میں ان کی اتباع کی اور ساتھ دیا تھا) اس نے پھر ان پر نظر رحمت اور نگاہ لطف فرمائی بیشک وہ ان کے لیے بہت ہی رأفت اور رحمت فرمانے والا ہے۔ جب نفس جنگ کے لیے جانے والوں کا عزوشرف اور اعزاز واکرام یہ ہے تو جو عملی طور پر بھی اس جنگ میں شامل تھے اور اس عظیم لشکر کی تیاری کے لیے اس قدر عظیم قربانی دینے والے ہیں ان کے اجر جمیل اور جزائے جمیل کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے اور ان پر اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم اور رأفت ورحمت کی کیا حد ونہایت ہو سکتی ہے والحمد للہ۔

چاہ رومہ کے خرید کر وقف کرنے اور مسجد نبوی میں توسیع پر بشارت

جب عبداللہ بن سبا یہودی کے لیکچروں اور تقاریر سے متاثر کوفی، بصری اور مصری حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے اور بعض صحابہ کرام بھی بعض مصلحتوں کے تحت وہاں موجود تھے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حرم سرا کی دیوار سے سر مبارک ان کی طرف بلند کیا اور دریافت فرمایا کہ اس مجمع میں سعد بن ابی وقاص اور زبیر بن العوام ہیں انہوں نے کہا ہم حاضر ہیں کہیے آپ کیا کہنا چاہتے ہیں تو آپ نے فرمایا۔

سوگند میدہم شمارا بخدائے کہ جز او تعالیٰ خدائے نیست شنیدید کہ یک روز نزدیک مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم رفتم وگفتم آں مرید کہ فرماں دادی بخریدم فرمود مسجد درا فزائی تا ثواب آں از بہر تو ذخیرہ بود من چناں کردم گفتند چنیں بود گفت اے خدا گواہ باش۔ آنگاہ گفت شمارا بخدا سوگند میدہم کہ شنیدید کہ روز مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

گفت خداوندا آنکس را بیامرزد کہ چاہ رومہ را بخرد من بخریدم فرمود آنچاہ را سبیل کن سبیل کردم تا مسلماناں را باشد گفتند چنیں بود گفت اے خدا گواہ باش رب آخرہ

ناسخ التواریخ جلد دوم کتاب دوم ص ۵۲۲

میں تمہیں اس خداوند تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ جس کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے کیا تم نے سنا کہ ایک دن مصطفےٰ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا کہ وہ قطعہ زمین جو کہ کمیلانوں کے لیے استعمال کیا جاتا تھا میں نے آپ کے فرمان کے مطابق اس کو خرید لیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اس کو وقف کردو اور میری مسجد میں شامل کر کے اس میں توسیع کا اہتمام کر دتا کہ اس کا ثواب تمہارے لیے ذخیرہ ہو اور دائم و باقی ہو چنانچہ میں نے اسی طرح کیا انہوں نے تصدیق کرتے ہوئے کہا واقعی اسی طرح ہوا تھا، تو آپ نے عرض کیا اے بار الٰہ گواہ رہنا۔

پھر فرمایا میں تمہیں قسم د ے کر دریافت کرتا ہوں کہ آیا تمہیں معلوم ہے کہ ایک دن پیارے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ اس شخص کے لیے مغفرت اور بخشش فرمائے گا جو چاہ رومہ کو خرید کرے میں نے اسے خرید لیا تو آپ نے فرمایا کہ اس کنوئیں کو اہل اسلام کے لیے وقف کر دے تو میں نے حسب الارشاد اس کو اہل اسلام کے لیے وقف کر دیا۔ تو ان صحابہ نے تائید و تصدیق کرتے ہوئے فرمایا ہاں ایسے ہی تھا تو آپ نے کہا اے اللہ گواہ ہو جا۔

ان دونو مصدقہ اور مسلمہ روایتوں اور حدیثوں سے بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مغفرت و بخشش کا اعلان اور ان کے صدقات جاریہ اور ثواب دائم و مستمر کی واضح شہادت ملتی ہے اور سابق الی الخیرات ہونے کی اور مقام غور اور محل فکر ہے کہ جو اسلام اور حب اہل بیت کو کمائی کا ذریعہ بنائیں اور لاکھوں روپے کا ٹھیکہ نہ ملے تو اہل بیت کا نام لینا بھی گوارا نہ کریں وہ تو پکے مومن ہوں اور ان کا ایمان و اسلام شک و شبہ سے بالاتر ہو مگر جو اسلام اور اہل اسلام کے لیے اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعمیل ارشاد اور امتثال حکم میں اس قدر عظیم مالی قربانیاں پیش کریں اور اپنے

Marfat.com

خون پسینہ کی کمائی سے اسلام کے شجرہ مبارکہ کو پروان چڑھائیں ان کا ایمان واسلام بھی مشکوک ہو اور حب خداوند تعالیٰ اور حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی۔ العیاذ باللہ

حضرت امام حسنؓ کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی محافظت کرنا

لیکن یاد رہے اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ قربانیاں رائیگاں جانے والی نہیں ہیں جیسے کہ کلام مجید نے ان کے اخلاص اور وفا شعاری کی گواہی دی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان سے راضی ہونے کا اعلان فرمایا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی عزت افزائی کے طور پر فرمایا کہ ابوبکر میری آنکھ ہے عمر میرے کان ہے اور عثمان میرا دل ہے اور امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے ان تینوں کا شکوہ کرنے والوں کو نہ صرف اپنے در اقدس سے دھتکار دیا بلکہ اہل اسلام کے کل تین گروہوں سے بھی ان کے خارج ہونے کا اعلان فرمایا۔ اور ان کی اسی عظمت و رفعت اور اہل اسلام پر احسان و انعام کی قدردانی کرتے ہوئے حضرت علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ نے بلوائیوں کے خلاف اپنے لخت جگر، حضرت زہرا کے نور نظر اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے نواسے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دروازے پر پہرے دار بنا رکھا تھا۔ ملاحظہ ہو ناسخ التواریخ جلد دوم کتاب دوم ص ۵۲۶

پس قوم آتش بیاوردند بر در بختستین زدند و پاک بسوختند و بدرون آمده در دیگر را آتش زدند حسن بن علی علیہما السلام و محمد بن طلحہ و عبداللہ بن الزبیر نزد عثمان بودند، عثمان با حسن بن علی گفت ای توقت درہائے سرایتی را قوم برائے کار بزرگ مسوزانند و پدرت علی بن ابی طالب ایں ہنگام و حق تو اندیشناک است ترا سوگند میدہم کہ بنزد او شوی پس حسن علیہ السلام از نزد او بیرون شد۔

بلوائی قوم نے آگ لاکر پہلے دروازے کو لگائی اور اسے مکمل طور پر جلا دیا اور اندر آ کر دوسرے دروازے کو بھی آگ لگا دی حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما، حضرت محمد بن مسلمہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ کے پاس موجود تھے، حضرت عثمان نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اس وقت

Marfat.com

میں اس قوم نے سرا کے دروازوں کو کسی بڑے مقصد اور بری نیت کے تحت جلا دیا ہے اور تمہارے والد گرامی علی بن ابی طالب اس وقت تمہارے حق میں بہت اندیشہ ناک ہوں گے لہٰذا میں تمہیں قسم اور اللہ تعالیٰ کے نام کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ آپ ان کے پاس تشریف لے جائیں تب حضرت حسن رضی اللہ عنہ وہاں سے اٹھے۔

بلوائیوں کیخلاف جنگ کیلئے حضرت علی المرتضیٰؓ کا حضرت عثمانؓ سے اذن طلب کرنا

خود امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے نزدیک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی قدر و منزلت یہ تھی کہ جب حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ مشورہ دیا کہ تمہاری موجودگی میں اگر حضرت عثمان شہید ہو گئے تو لامحالہ تمہارا دامن بھی ان کے خون سے آلودہ سمجھا جائے گا اس لیے تقاضائے مصلحت یہ ہے کہ آپ مدینہ منورہ سے ینبع کی طرف چلے جائیں تو آپ نے فرمایا اس بلوا اور ہنگامہ آرائی میں میرا قطعاً کوئی دخل نہیں ہے اور میں ان کے پاس آدمی بھیجتا ہوں اور اگر وہ چاہیں اور اذن دیں تو ان کی امداد و اعانت میں کسی کوتاہی کو روا نہیں رکھوں گا۔

پس امام حسن علیہ السلام را گفت اے فرزند بنزدیک عثمان شو و بگو پدر من تو نگرانست و چناں کشوف می افتد کہ ایں قوم قصد قتل تو دارند اگر خواہی ترا مدد دہیم واین قوم را از سرائے تو دور داریم حسن بنزدیک عثمان آمد و کلمات علی را ابلاغ کرد تا (پس عثمان) با امام حسن عرض کرد کہ نمیخواہم کہ رنجہ شوی و با ایں قوم رزم دہی و ظفر جوئی چناں خواہم ایں روزہ کہ دارم در خدمت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بکشایم لاجرم حضرت حسن علیہ السلام مراجعت کرد۔ ناسخ التواریخ جلد دوم کتاب دوم ص۵۲۵

پس حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ اے میرے لخت جگر حضرت عثمان کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ میرے والد گرامی آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں اور تمہارے اذن کے منتظر ہیں، اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ یہ بلوائی لوگ تمہارے قتل کے درپے ہیں اگر آپ چاہیں تو آپ کو مدد و تعاون فراہم کریں اور انہیں آپ کے دولت سرائے

Marfat.com

سے دور رکھیں حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کلمات وارشادات انہیں پہنچائے تو انہوں نے آپ سے عرض کیا کہ میں نہیں چاہتا کہ تمہیں رنج وتکلیف پہنچے اور ان لوگوں کے ساتھ جنگ کر کے غلبہ وفتحمندی کی کوشش کروں میں چاہتا ہوں کہ جو روزہ میں نے رکھا ہے (شہید ہو کر) سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچوں اور آپ کی بارگاہ میں ہی اس کو افطار کروں یہ جواب سن کر حضرت حسن رضی اللہ عنہ مجبوراً واپس ہوئے

لشکریان مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ سے انتقام کا مطالبہ اور آپ کا جواب

قد قال له قوم من الصحابة لو عاقبت قوماً ممن اجلب على عثمان فقال عليه السلام يا اخوتاه : انى لست اجهل ماتعلمون ولكن كيف لى بالقوة والقوم المجلبون على حد شوكتهم يملكوننا ولا نملكهم وهاهم هؤلاء قد ثارت معهم عبدانكم والتفت اليهم اعرابكم وهم خلالكم يسومونكم ماشاءوا وهل ترون موضعاً لقدرة على شئ تريدونه ، وان هذا الامر امر جاهلية وان لهؤلاء القوم مادة، ان الناس من هذا الامر اذا حرك على امور، فرقة ترى ماترون وفرقة ترى مالاترون وفرقة لاترى هذا ولا ذاك ، فاصبروا حتى يهدأ الناس وتقع القلوب مواقعها وتوخذ الحقوق مسمحة فاهدأوا عنى وانظروا ماذا يأتيكم به امرى؛

(نهج البلاغه مصری جلد اول ص۳۹)

(ونهج البلاغہ مع ابن میثم جلد ثالث ص۳۲۱)

ترجمہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی ایک جماعت نے آپ سے عرض کیا کہ کاش آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بلوا کرنے والوں اور ان کو شہید کرنے والوں کو سزا دیتے اور عقاب وانتقام کا نشانہ

Marfat.com

بنات تو آپ نے فرمایا اے میرے بھائیو! میں اس سے بے خبر نہیں ہوں جو تمہارے علم میں ہے۔ لیکن ابھی میرے پاس اسقدر قوت و طاقت نہیں ہے اور ان کے خلاف کاروائی کرنے والی قوم اپنی پوری قوت پر ہے وہ ہم پر حکم چلانے کی قوت رکھتے ہیں اور ہم ان پر حکمرانی کی قوت وطاقت نہیں رکھتے اور اس پر بھی نظر رکھو کہ تمہارے غلام اور اوباش سبھی ان کے ساتھ ہیں اور اعراب بھی انہیں سے ربط وتعلق قائم کیے ہوئے ہیں اور وہ تمہارے درمیان موجود ہیں اور تمہیں جس امر کی چاہیں تکلیف اور مشقت دے سکتے ہیں لیکن کیا تم بھی اپنے اندر کسی ایسی چیز کی قدرت محسوس کرتے ہوئے جس کے کر گزرنے کا تم ارادہ رکھتے ہو۔ اور بے شک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف کیا جانے والا یہ اقدام جاہلیت کے امور سے ہے اور ان لوگوں کے لیے مزید مدد واعانت کی صورتیں موجود ومتحقق ہیں۔

اگر اس معاملہ کو چھیڑا جائے تو اس میں تین قسم کے نظریات کے لوگ موجود ہیں، ایک جماعت وہ ہے جس کا نظریہ وہی ہے جو تمہارا نظریہ ہے دوسرا گروہ وہ ہے جو ایسا نظریہ رکھتا ہے جو تم سے مختلف ہے اور تیسرا گروہ وہ ہے جو کہ توقف اور تردد کی حالت میں ہے نہ اس نظریہ کا حامل ہے جو تمہارا ہے اور نہ ہی دوسرے فریق کے نظریہ سے متفق ہے۔ لہذا صبر وتحمل سے کام لو یہاں تک کہ لوگ پرسکون ہو جائیں اور قلوب واذہان اپنی سابقہ حالت پر آ جائیں (اور ہیجانی کیفیات زائل ہو جائیں) اور حقوق بآسانی حاصل کئے جا سکیں لہذا میری طرف سے مطمئن رہو اور دیکھو کہ میری طرف سے کیا فیصلہ تمہارے سامنے آتا ہے الخ

علامہ ابن میثم بحرانی نے اس کی شرح میں کہا: واعلم ان ھذا الکلام اعتذار منه عليه السلام في تاخير القصاص عن قتلة عثمان وقوله ... الخ

Marfat.com

لست اجهل ما تعلمون" دليل على انه كان فی نفسه (الی) ان هذا الامر امر جاهلية يريد امر المجلبين على عثمان اذ لم يكن قتلهم اياه بمقتضى الشريعة اذ لم يصدر عنه من الاحداث ما يجب فيها قتل۔ الی۔ قوله فاهدءوا عنی وانظروا ماذا ياتيكم به امری يدل على ترصده وانتظاره للفرصة من هذا الامر۔

یہ امر ذہن نشین رہے کہ اس کلام امیر اور خطبہ مرتضے رضی اللہ عنہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے قصاص اور انتقام لینے میں تاخیر و التواء کا عذر بیان کیا گیا ہے۔ اور آپ کے اس فرمان میں کہ میں اس سے بے خبر نہیں جو تمہارے علم میں ہے اس امر کی دلیل صریح ہے کہ آپ کے دل میں قصاص اور انتقام کا پختہ عزم تھا۔ اور آپ کا یہ فرمانا کہ یہ امر جاہلیت کا امر ہے تو اس سے آپ کی مراد یہ ہے کہ امیر عثمان کے خلاف کاروائی فعل جاہلیت ہے کیونکہ ان کا آپ کو قتل کرنا مقتضائے شرع کے مطابق نہیں تھا کیونکہ آپ سے سرزد ہونے والے افعال سے از روئے شرع استحقاق قتل ثابت نہیں ہوتا تھا اور آپ کا یہ فرمانا کہ میری طرف سے مطمئن رہو اور میرے فیصلہ کا انتظار کرو اس امر کی دلیل ہے کہ آپ انتقامی کاروائی اور قصاص کے لیے موقعہ کی انتظار میں تھے اور فرصت کی تاک میں تھے۔

حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے صاف ظاہر کہ آپ جس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ان کی امداد و اعانت کے لیے ہر وقت آمادہ و تیار تھے ان کی شہادت کے بعد بھی حق نصرت و اعانت اور انتقامی کاروائی میں کسی قسم کی کوتاہی کو روا نہیں سمجھتے تھے بلکہ صرف موزوں اور مناسب وقت کی انتظار میں تھے حالانکہ اگر آپ کے نزدیک حضرت امیر عثمان رضی اللہ عنہ ارتداد یا نفاق میں مبتلا تھے اور باغیوں نے شرعی تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے یہ کاروائی کی تھی اور انہوں نے کامل مومن ہونے کا مظاہرہ کیا تھا تو آپ کے ارادہ انتقام اور قصاص کے عزم کا کوئی جواز نہیں ہو سکتا تھا اور باغیوں کے اس اقدام کو جاہلیت کا تقاضا اور قبل از اسلام سرزد ہونے والی ناجائز حرکات جیسی حرکت قرار دینے کا کوئی جواز نہیں تھا لہذا صاف

Marfat.com

ظاہر ہے کہ آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مخلص مومن سمجھتے تھے اور مظلوم خلیفہ اور آپ کے مخالفین کو ظالم اور حد سے متجاوز اور مستحق عتاب و عقاب۔

الغرض مناقب عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ جو شیعی کتب معتبرہ میں منقول ہیں ان سب کو جمع کریں تو بہت بڑا دفتر تیار ہو جائے لیکن منصف مزاج قارئین انہیں چند حوالہ جات سے ان کی عظمت خداداد کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

فضیلت شیخین بزبان امام ابوجعفر محمد تقی رضی اللہ عنہم

اسی ضمن میں امام علی رضا رضی اللہ عنہ کے فرزند ارجمند حضرت ابوجعفر محمد تقی رضی اللہ عنہ کا نظریہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق معلوم کرتے چلیں یہ روایت احتجاج طبرسی کی ہے اور ابن نے صحیح اور متواتر اور مشہور روایات کو اپنی کتاب میں درج کرنے کا التزام کر رکھا ہے۔

فقال ابو جعفر (محمد بن علی) لست بمنکر فضل ابی بکر و قال لست بمنکر فضل عمر و لکن ابا بکر افضل من عمر (انتہی بقدر الضرورۃ)، یعنی امام ابوجعفر محمد بن علیؓ نے فرمایا میں ابوبکر (صدیق رضی اللہ عنہ) کی فضیلت کا منکر نہیں اور نہ میں عمر بن الخطاب کی فضیلت کا منکر ہوں لیکن ابوبکر عمر سے افضل ہیں رضی اللہ عنہما۔ لہٰذا دونوں کا دولو الفضل ہونا بھی ظاہر ہو گیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے افضل ہونا بھی۔

اب ذرا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے معاونین نیز حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم کے متعلق بھی حضرت امام معدن ولایت رضی اللہ عنہ کے ارشادات ملاحظہ فرمالیں اور ان کے باہمی نزاع کی نوعیت کا بھی اندازہ فرمالیں کہ آیا ان میں کفر و اسلام کی جنگ تھی یا اسلام و ایمان میں اشتراک کے باوجود صرف غلط فہمی اور خطاء اجتہادی کی وجہ سے اختلاف و نزاع کی نوبت یہاں تک

Marfat.com

پہنچی اور کوئی شخص جس رفعت اور بلندی مقام پر بھی فائز ہو بشری تقاضے کچھ نہ کچھ اس میں موجود ہوتے ہیں۔ حضرات انبیاء نوع بشر کے عظیم ترین افراد ہیں مگر دیکھئے سگے بھائی ہو کر حضرت ہارون اور حضرت موسیٰ علیہما السلام میں تنازعہ نے کیا صورت اختیار کر لی اور صحابہ کرام علیہم الرضوان تو انبیاء علیہم السلام کے مرتبہ کو پہنچ ہی نہیں سکتے۔ لہٰذا اس سے اس قسم کے افعال کا صدور بعید از قیاس نہیں ہو سکتا۔ بہرکیف اختلاف و نزاع کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ان کے متعلق قولی اور عملی رد عمل اور طریقہ کار ملاحظہ فرمادیں۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق ارشاد مرتضوی

(۱) فخرجوا یجرون حرمة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کما تجر الآمة عند شرائها متوجهین بها الی البصرة فحبسا نساء هما فی بیوتهما وابرزا حبیس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لهما ولغیرهما الخ

وہ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و حرمت (حضرت عائشہ صدیقہ رض) کو اپنے ہمراہ کھینچتے ہوئے بصرہ کی طرف نکلے جیسے کہ لونڈی کو خریداری کے وقت کھینچا جاتا ہے پس اپنی عورتوں کو تو ان دونوں (حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما) نے اپنے گھروں میں بٹھایا ہوا ہے اور رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی مستورہ و مخدرہ کو اپنے اور لوگوں کے سامنے ظاہر کر رکھا ہے۔ (نہج البلاغہ مصری جلد اول ص ۳۴۸)

(۲) حضرت صدیقہ کے ساتھ اپنی شکر رنجی کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا

لها بعد حرمتها الاولیٰ والحساب علی اللہ نہج البلاغہ جلد اول ص ۳۴۸) اب بھی اس کے لیے میرے دل میں ذہنی سابقہ عزت و حرمت اور قدر و منزلت ہے اور قلبی معاملات کا حساب لینے والا اللہ تعالیٰ ہے)

Marfat.com

(۳) وقد روی ان الناس اجتمعوا الی امیر المؤمنین یوم البصرة فقالوا یا امیر المؤمنین اقسم بیننا غنائمهم قال ایکم یاخذ ام المؤمنین فی سهمه (کتاب علل الشرائع ص۶۳) وکذا فی قرب الاسناد لابی العباس قمی من اصحاب الامام الحسن العسکری۔

تحقیق روایت کیا گیا ہے کہ بصرہ کے دن فتحیاب ہونے کے بعد حضرت علیؓ کے لشکری آپ کی خدمت میں اکٹھے ہو کر عرض کرنے لگے اے امیر المؤمنین ان اہل بصرہ کے اموال غنیمت ہمارے درمیان تقسیم فرما دُ تو آپ نے فرمایا تم میں سے کون ام المؤمنین عائشہ کو اپنے حصہ میں لیتا ہے اور یہی مضمون ابو العباس قمی نے قرب الاسناد میں ذکر کیا ہے اور وہ امام حسن عسکری کے اصحاب سے ہے۔

عربی عبارت ملاحظہ ہو۔ فقال له قائلون یا علی اقسم الفیئ بیننا والسبی قال فلما اکثروا قال ایکم یاخذ ام المؤمنین فی سهمه فسکتوا۔

تو یہ تھا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان کی عزت و قدر اور حرمت وکرامت اور ام المؤمنین ہونے کا اظہار و اعلان باوجود اس اقدام کے ام المؤمنین اور احترام مرتضیٰ۔ اب ذرا ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی طرف سے صورت حال کا مشاہدہ کیجئے۔ (علل الشرائع ص۸۵)

قالت: قضی القضاء وجفت الاقلام واللہ لو کانت لی من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشرون ذکرا کلهم مثل عبد الرحمٰن بن الحارث بن هشام فثکلتهم بموت وقتل کان ایسر علی من خروجی علی علیؑ ومسرای الذی سریت فالی اللہ اشکو لا الی غیرہ۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی قضا وارد ہو چکی اور قلمیں اس کو لکھ کر خشک ہو گئی تھیں بخدا اگر میرے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بیس فرزند عبد الرحمٰن بن حارث ابن ہشام جیسے ہوتے پھر بیں یکے بعد دیگرے ان کی موت یا شہادت کے غم میں مبتلا ہوتی تو وہ عجز والم میرے لیے برداشت کرنا اس سے سہل اور آسان تھا جو میرے علی المرتضیٰ

Marfat.com

کے خلاف خروج کرنے اور اس راہ پر چلنے سے لاحق ہوا بس میں اللہ تعالیٰ کی طرف اس امر کی شکایت کرتی ہوں نہ کسی دوسرے شخص کی طرف (اور اللہ تعالیٰ سے اس پر معذرت خواہ ہوں)

اس کے علاوہ بھی بہت سے کلمات اسی مضمون کے مروی ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ اختلاف و نزاع کا وقوع مسلم مگر اس کے باوجود باہمی احترام اور اکرام برقرار تھا اور برقرار رہا لہٰذا ہم کس مونہہ سے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ کی شان میں تقصیر و تفریط کر سکتے ہیں یا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شان رفیع میں ایک طرف سب مؤمنین کی ماں اور دوسری طرف معدن ولایت اور سرچشمہ روحانیت۔ اگر حضرت علی کی جلالت مرتبت حضرت صدیقہ کی شان میں گستاخی پر آمادہ کرے تو قول باری تعالیٰ "ولا تقل لھما اف ولا تنھرھما" کو سامنے رکھو یعنی ماں باپ کو نہ اف کہو اور نہ جھڑکو بلکہ ان کے ساتھ نرم لہجہ میں بات کرو اگر اپنی ماں کے متعلق حکم یہ ہے تو سب مؤمنین بلکہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور دیگر ائمہ کرام اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کی روحانی ماں کا درجہ کیا ہوگا۔

اگر اعتراض ہی کرنا ہو تو جس طرح حضرت صدیقہ پر کیا جا سکتا ہے کوئی خارجی حضرت علی کے حق میں بھی تو کہہ سکتا ہے کہ جن کے خلاف اف کرنا اور اونچی بات کرنا درست نہیں ان کے خلاف تلوار اٹھانا کیوں کر جائز ہو سکتا ہے بلکہ جس طرح حضرت ہارون و حضرت موسیٰ علیہما السلام کے معاملہ میں سوائے زبان بند رکھنے کے اور ادب و احترام سے کام لینے کے کوئی چارہ نہیں یہاں بھی اسی طرز عمل کو اپنانا لازمی ہے

(حضرت طلحہ حضرت زبیر اور حضرت معاویہؓ اور اہل شام کے متعلق فرمان مرتضیٰ[۶۱])

وکان بدء امرنا انا التقینا والقوم من اھل الشام والظاھر ان ربنا واحد ونبینا واحد ودعوتنا فی الاسلام واحدۃ ولا نستزیدھم فی الایمان باللہ والتصدیق برسولہ ولا یستزیدوننا والامر واحد الا ما اختلفنا فیہ من دم عثمان ونحن منہ براء۔[۶۲]

Marfat.com

(نہج البلاغۃ مع شرح حدیدی جلد بزء ۱۷ ص ۱۴۱، نہج البلاغۃ مصری جلد دوم ص ۱۵۱)

ہمارے امر کا آغاز یہ تھا کہ ہم اور اہل شام میں سے ایک قوم باہم میدان کارزار میں لڑائی کے لیے اترے اور یقیناً ہمارا رب ایک ہے نبی ہمارے ایک ہیں اور دعوت ہم دونوں فریق کی ایک ہے یعنی دعوت اسلام اور شہادتین، نہ ہم ان پر ایمان باللہ اور تصدیق بالرسول میں زائد ہونے اور افضل ہونے کے دعوے دار ہیں۔ اور نہ وہ ہم پر اور معاملہ بالکل ایک ہے ماسوا اس کے جس میں ہمارے اندر اختلاف پیدا ہوا یعنی خون عثمان رضی اللہ عنہ اور ہم اس سے بری ہیں۔ الخ۔

اس فرمان مرتضوی سے کس صراحت اور وضاحت کے ساتھ ثابت ہو گیا کہ ہم آپس میں رشتہ اسلام و ایمان کے لحاظ سے بھائی ہیں اور ہم میں سے نہ کوئی فریق دوسرے پر ایمان و تصدیق میں فوقیت جتلا سکتا ہے اور نہ دوسرے کو نیچا دکھلا سکتا ہے۔ جھگڑا صرف خون عثمان رضی اللہ عنہ کی وجہ سے پیدا ہوا ہے نہ کہ دینی امور اور ارکان اسلام و ایمان میں جس میں حضرت علیؓ یقیناً حق پر ہیں اور آپ کے ساتھ نزاع کرنے والے مغالطہ کا شکار لیکن اس ایک معاملہ میں ان کی غلطی کو ان کے ایمان و اسلام کے کالعدم ہو جانے کا سبب قرار نہیں دے سکتے۔ آخر اللہ تعالیٰ کے قوانین اور آئین کو بالکل نظر انداز کرنے کا کیا جواز ہے۔ اس نے من یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ بھی فرمایا ہے اور ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ بھی لہٰذا ہر نیکی کا بدلہ ملنا ضروری ہے از روئے وعدہ باری تعالیٰ۔ اور ہر غلطی پر سزا ملنی ضروری نہیں اگرچہ شمار میں آئے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہی فرمان ہے۔

"ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذلک لمن یشاء"

اللہ تعالیٰ شرک اور کفر کو معاف نہیں کرے گا اور اس کے علاوہ جس کو چاہے گا دوسرے گناہ بخش دے گا

Marfat.com

قال تعالیٰ: فالذین ھاجروا واخرجوا من دیارھم واوذوا فی سبیلی وقاتلوا وقتلوا لاکفرن عنھم سیئاتھم ولادخلنھم جنٰت تجری من تحتھا الانھار ثوابا من عند اللہ و اللہ عندہ حسن الثواب۔ (سورہ آل عمران)

پس جن لوگوں نے ہجرت کی اور گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں تکلیف دیئے گئے اور راہ خدا میں جہاد کیا اور قتل کئے گئے ہیں ضرور ان کے گناہ دور کردوں گا اور ضرور ان کو جنات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب کے طور پر اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ہی اچھا ثواب ہے۔

نیز ارشاد خداوند تعالیٰ ہے۔

"لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئک اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا وکلا وعد اللہ الحسنیٰ۔"

تم میں سے وہ لوگ جنہوں نے فتح مکہ سے قبل اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کیا اور جہاد وقتال کیا وہ فتح مکہ کے بعد اسلام لانے والوں اور جہاد کرنے والوں کے برابر نہیں بلکہ پہلے راہ خدا میں خرچ کرنے والے اور جہاد کرنے والے ان سے درجات کے لحاظ سے عظیم تر ہیں جنہوں نے بعد میں راہ خدا میں مال خرچ کیا اور جہاد وقتال کیا اور ہر ایک فریق کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کیا ہے۔

اور دنیا میں اگر باہمی رنجش اور تکدر پایا بھی گیا تو اللہ تعالیٰ دونوں فریق میں صلح وصفائی کرا کے دونوں کو جنت میں داخل فرما دے گا کما قال تعالیٰ: ونزعنا ما فی صدورھم من غل اخوانا علی سرر متقابلین اور ہم نے سلب کرلیا وہ کینہ اور غیظ وغضب جو ان کے دلوں میں تھا۔ درانحالیکہ وہ بھائی بھائی بن کر ایک

Marfat.com

دوسرے کے سامنے جنتی تختوں اور مسانید پر بیٹھے ہوں گے۔ اللہٰذا ثقل اکبر اور ثقل اصغر کے بیانات میں اتفاق واتحاد کے بعد امیر معاویہ اور دیگر صحابہ کرام مہاجرین و انصار علیہم الرضوان جو ان کے معاون تھے ان کے ایمان پر حملہ کی اور ان کو منافق بلکہ کافر قرار دینے کی نعوذ باللہ کوئی وجہ نہیں ہو سکتی اور علی الخصوص امام حسن رضی اللہ عنہ کی مصالحت امیر معاویہؓ کے مومن مخلص ہونے کی سند اور ضمانت ہے ورنہ خود امام حسن مجتبیٰ کی حیثیت ایمانی واسلامی مورد طعن وتشنیع بن جائے گی کہ آپ نے امور امت اور معاملات دین اور احکام اسلام کے نفاذ کو غیر مسلم کے ہاتھ میں دے دیا نعوذ باللہ من ذلک نیز حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا امام حسن رضہ کے وصال کے بعد امیر معاویہ کے ساتھ مصالحت ومسالمت کو برقرار رکھنا اور حرب وقتال سے گریز فرمانا بھی ان کے ایمان واخلاص کی واضح دلیل ہے اور ان کی وفات کے بعد یزید کے خلاف آپ کا اقدام باپ بیٹے میں فرق اور امتیاز کی بین برہان ہے۔

بلکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دوسرے خطبات سے بھی یہی حقیقت واضح اور آشکارا ہے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک خط کا جواب دیتے ہوئے فرمایا، اما بعد فانا کنا نحن وانتم علی ماذکرت من الالفۃ والجماعۃ ففرق بیننا و بینکم امس انا آمنا وکفرتم والیوم انا استقمنا وفتنتم۔ (نہج البلاغۃ مصری جلد ثانی ص ۱۲۲) اما بعد پس

بیشک ہم اور تم جیسے تو نے ذکر کیا باہمی الفت اور اجتماع واتفاق کی حالت میں تھے لیکن پہلے ہمارے اور تمہارے درمیان اس امر نے تفریق ڈالی کہ ہم اسلام لائے اور تم کفر پر برقرار رہے اور تمہارے اسلام لانے کے بعد اس امر نے تفریق پیدا کر دی ہے کہ ہم اسلام پر پوری طرح ثابت قدم ہیں اور تم ثابت قدم نہیں رہے بلکہ فتنہ میں مبتلا ہو گئے ہو۔ اور یہی مضمون دوسرے خطبہ میں ان الفاظ کے ساتھ ادا کیا گیا ہے جو آپ نے اہل بصرہ کے خلاف قتال کی تیاری کرتے

Marfat.com

وقت دیا۔

ومالی ولقریش واللہ لقد قاتلتھم کافرین ولاقاتلنھم مفتونین وانی لصاحبھم بالامس کما انا صاحبھم الیوم واللہ ماتنقم منا قریش الا ان اللہ اختارنا علیھم فادخلناھم فی حیزنا۔

(نہج البلاغہ مع شرح حدیدی جلد ثانی ص ۱۸۵) مجھے قریش سے اور انہیں مجھ سے کیا کام بخدا میں نے ان کے ساتھ قتال کیا جب کہ وہ کافر تھے اور میں ضرور ان سے قتال کروں گا جب کہ وہ فتنہ میں پڑ گئے ہیں یقیناً میں ہی کل ان کا صاحب قتال تھا۔ جیسے آج کے دن بخدا قریش ہم سے ناپسند نہیں کرتے مگر اس امر کو کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان پر ترجیح دی لیکن ہم نے ان کو اپنی جماعت اور قبیلہ میں شمار کیا۔

ان دونوں جگہوں پر مفتون کو کافر کے مقابل ذکر کیا گیا جس سے صاف ظاہر کہ آپ کے ساتھ حرب و قتال کرنے والے کافر نہیں خون عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں غلط فہمی کا شکار ہیں اور مفتون ہیں۔ اسی لیے ابن ابی الحدید معتزلی شیعی نے اس مقام پر کہا۔ وھذا الکلام یؤکد قول اصحابنا، ان اصحاب الصفین والجمل لیسوا بکفار خلافا للامامیۃ فانھم یزعمون انھم کفار (شرح حدیدی جلد ثانی ص ۱۸۷) یہ کلام ہمارے اصحاب بغدادیوں کے قول کی تاکید کرتا ہے کہ اصحاب صفین اور جمل کفار نہیں ہیں۔ بخلاف شیعہ امامیہ کے وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ کفار ہیں۔

فرمان نبوی حربک حربی کا صحیح مفہوم: رہا یہ سوال کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علی "حربک حربی وسلمک سلمی" تیرے ساتھ جنگ میرے ساتھ جنگ ہے اور تیرے ساتھ صلح میرے ساتھ صلح ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کلام تشبیہ بلیغ کے قبیل سے ہے مثلاً کہا جاتا ہے زیدٌ اسدٌ زید شیر ہے لیکن یہ مقصد نہیں کہ زید اور شیر میں عینیت اور اتحاد ہے بلکہ یہ مقصد ہے کہ زید شیر کی مانند ہے۔ بعض وجوہ سے یہاں بھی یہی مقصد ہے کہ تیرے ساتھ جنگ یا مسالمت اور مصالحت میرے ساتھ جنگ اور مصالحت کی مانند ہے بعض وجوہ میں یعنی میں حق پر ہوں

Marfat.com

اور میرا مخالف غلطی پر ہوگا اسی طرح تم حق پر ہوگے اور تمہارے مخالف غلطی پر ہوں گے اور تمام وجوہ میں مشارکت اور برابری لازم نہیں آتی کہ میرے ساتھ جنگ کرنے والا کافر ہے لہذا تمہارے ساتھ جنگ کرنے والا بھی کافر ہے کیونکہ امتی اپنے نبی کے ساتھ تو حرب وقتال نہیں کر سکتا لیکن امتیوں میں باہم نزاع وقتال ہو سکتا ہے کما قال تعالیٰ "وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بین اخویکم فان بغت احداھما علی الاخری فقاتلوا التی تبغی حتی تفیئ الی امر اللہ" اگر مؤمنین کے دو گروہ آپس میں جنگ و جدال اور حرب وقتال پر اتر آئیں تو ان دونوں بھائی فریقوں میں مصالحت کراؤ اگر ایک گروہ دوسرے کے خلاف بغاوت کرے تو باغی فریق کے خلاف جنگ کرو تاآنکہ وہ اللہ تعالیٰ کے امر کی طرف لوٹے اس کی مزید توضیح درکار ہو تو ایک حوالہ ضمیمہ مقبول کا سنتے چلیں شاید مقبول خاطر ہو اور حقیقت حال منکشف ہو جائے حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا جس نے تمہارے شیعہ کی اہانت کی اس نے تمہاری اہانت کی اور جس نے تمہاری اہانت کی اس نے میری اہانت کی اور جس نے میری اہانت کی اسے اللہ تعالیٰ آتش دوزخ میں داخل کرے گا۔

تمہارے شیعہ ہمارے خمیر کی بچی ہوئی مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں پس جو ان کو دوست رکھے گا وہ ہمارا دوست ہوگا۔ اور جو انہیں غضب ناک کرے گا وہ ہمیں غضب ناک کرے گا اور جو ان سے دشمنی کرے گا وہ ہمارا دشمن ہے۔ جو ان سے دلی محبت رکھے گا وہ ہمارا دلی دوست ہے (ضمیمہ مقبول ص ۲۸۲ و ص ۲۸۳) تو بتلائیے کیا ہر شیعہ سے جنگ بھی کفر ہے اور یہ بھی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ محبت و عداوت میں ہم پلہ ہیں اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو اسی طرح مقام نبوت اور مقام خلافت و امامت میں بھی فرق کرنا ضروری ہے اور خود حضرت امیر کرم اللہ وجہہ نے فرق واضح طور پر کیا ہے جیسے کہ سابقہ عبارات اور ارشادات مرتضوی اس پر شاہد ہیں

Marfat.com

بشرطیکہ چشم بینا، بلکہ دل بینا اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے۔

لمحہ فکریہ :۔ جب ان حضرات کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نظریہ اور طرز عمل واضح ہو گیا جن کے ساتھ عملاً لڑائیاں اور جنگیں ہوئیں تو جن کے ساتھ لڑائی اور جنگ تک نوبت ہی نہیں آئی ان کے متعلق سب وشتم اور گالی گلوچ اور کافر و منافق کے فتووں کا کیا جواز ہو سکتا ہے علی الخصوص جب کہ آپ سے ان کے محامد و مدائح ثابت ہیں اور ایسے قطعی اور ناقابل تردید و انکار حوالوں کے ساتھ کہ ڈھکو صاحب نے ان کے جواب میں چپ سادھنے میں ہی عافیت سمجھی اور علی الخصوص قرآن مجید اور ثقل اکبر کی شہادتوں کے بعد کسی چون و چرا کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے۔

حضرت زبیر بن العوام اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہما کا رجوع:

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے آغاز کار میں حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے خلاف نقض عہد کیا لیکن میدان کارزار میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یاد دہانی پر انہیں فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاد آ گیا اور وہ یہ تھا کہ اے زبیر آج تم علی کے ساتھ بہت پیار کر رہے ہو تو آپ نے عرض کیا۔ ومالی لا احبه وهو اخی وابن خالی ہیں کیوں نہ ان سے محبت کروں حالانکہ وہ میرے بھائی ہیں اور میرے ماموں کے لڑکے تو آپ نے فرمایا: اما انك ستحاربه وانت ظالم له غور سے سنو تم ان کے ساتھ جنگ کرو گے جب کہ تم زیادتی اور تجاوز کرنے والے ہو گے تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا اذکرنی علی حدیثا انسانیه الدهر۔ علی تم نے مجھے وہ بات یاد دلائی جو مرور ایام نے مجھے بھلا دی تھی۔ چنانچہ آپ میدان کارزار سے واپس ہوئے اور وادی سباع میں ابن جرموز نے آپ کو دھوکے سے شہید کر دیا اور جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آپ کا سر لے کر گیا اور بروایت بعض صرف تلوار پیش کی تو آپ نے فرمایا۔ واللہ ما کان ابن الصفیة جبانا ولا لئیما ولکن الحین ومصارع اللہ الخ

Marfat.com

بخدا ابن صفیہ نہ بزدل تھا اور نہ گھٹیا صفات کا حامل لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر وقت اور مقرر جگہ کا فیصلہ ہے (جس کے تحت ابن جرموز جیسا آدمی ان کو قتل اور شہید کرنے پر قادر ہو گیا) پھر ابن جرموز کو فرمایا تلوار مجھے دے، جب اس نے تلوار پیش کی تو فرمایا: سیف طالما جلی به الکرب عن وجه رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یہ وہ تلوار ہے جس نے بہت دفعہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ اقدس اور ذات مقدسہ پر سے کرب و شدائد کو دور کیا ہے۔ جب ابن جرموز نے انعام کا مطالبہ کیا تو آپ نے فرمایا: "اما انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یقول: بشر قاتل ابن صفیة بالنار" غور سے سن میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ابن صفیہ یعنی زبیر بن العوام کے قاتل کو نار جہنم کی بشارت دے اور وہ خائب و خاسر ہو کر لوٹا اور بالآخر خوارج کے ساتھ مل کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکریوں کے ہاتھوں قتل ہوا (ج حدیدی ص ۲۳۴ تا ۲۳۶) جلد اول

اور حضرت طلحہ کے متعلق ابن ابی الحدید شیعی معتزلی کہتا ہے کہ امامیہ اثنا عشریہ کی روایت کے برعکس صورت حال یہ ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ حرب بصرہ میں کامیاب ہو گئے۔ اور آپ نے مقتولین میں گھوم پھر کر ہر ایک کو مخاطب ٹھہرایا تو حضرت طلحہ کو خطاب کرتے ہوئے کہا: اعز علی ابا محمد ان اراك معفرا تحت نجوم السماء وفی بطن هذا الوادی ابعد جهادك فی الله وذبك عن رسول الله (صلی الله علیه وسلم)

اے ابو محمد تم مجھ پر اس سے زیادہ ہی معزز اور مکرم تھے کہ میں تمہیں آسمان کے ستاروں کے نیچے اور اس وادی میں خاک پر لوٹتے ہوئے دیکھتا کیا اللہ تعالیٰ کے لیے جہاد کے بعد اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دفاع اور اپنی جان اور اپنے جسم کو آپ کے لیے سپر اور ڈھال بنانے کے بعد بھی ہم نے آپ کو اس حال میں دیکھنا تھا) تو اسی دوران ایک آدمی دوڑتا ہوا حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا اے امیر المؤمنین میں شہادت دیتا ہوں کہ میرا ان پر گزر ہوا جب کہ

Marfat.com

وہ تیر لگنے سے زخمی ہو کر گر چکے تھے تو مجھے بلایا اور دریافت کیا تو کس گروہ سے تعلق رکھتا ہے تو میں نے کہا امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کی جماعت سے تو آپ نے کہا: امدد یدک لابایع لامیر المؤمنین فمددت الیہ یدی فبایعنی لک فقال علی علیہ السلام ابی اللہ ان یدخل طلحۃ الجنۃ الا و بیعتی فی عنقہ۔ (شرح

حدیدی جلد اول ص ۲۴۸ و ص ۲۴۹) اپنا ہاتھ بڑھاؤ تاکہ میں تیرے ہاتھ پر امیر المؤمنین علی کے لیے بیعت کر دوں چنانچہ انہوں نے میرے ہاتھ پر بیعت کی تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے انکار کیا کہ طلحہ جنت میں داخل ہوں مگر اس حال میں کہ میری بیعت ان کی گردن میں ہو اور وہ اس کے پابند ہوں حضرت زبیر کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا حواری اور مددگار فرمایا اور حضرت طلحہ کے متعلق جنگ احد میں عظیم قربانیاں دینے کی وجہ سے فرمایا "اوجب طلحۃ" طلحہ نے اپنے لیے جنت واجب کر لی ہے۔ الغرض ان کا خروج بھی اہل السنت کے نزدیک خطا ہے اور غلطی اور امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق لیکن خدائے عادل کی بارگاہ میں ان کی سابقہ خدمات کو بہر حال نظر انداز نہیں کیا جائے گا علی الخصوص جب کہ بدری صحابہ کے متعلق اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم کا مژدہ اور بشارت موجود ہے۔ کہ تم جو کرو اللہ تعالیٰ تم سے مؤاخذہ نہیں فرمائے گا اور جب کہ یہ نص قرآن کے تحت دو مؤمن فریقوں میں جنگ تھی جس کو کفر و اسلام کی جنگ قرار نہیں دیا جا سکتا تو اس وجہ سے ان حضرات کے ایمان پر حملہ کرنا اور ان کو نعوذ باللہ منافق یا کافر قرار دینا قطعاً غلط ہے اور اپنی عاقبت برباد کرنے کے مترادف۔

قبل ازیں عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام میں نوبت انتہا پائی اور باہم دست و گریبان ہونے تک پہنچی حالانکہ نبی تھے۔ تو اگر صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نزاع و اختلاف پایا جائے تو اس کو بھی بشری تقاضوں پر محمول کیا جائے گا اور صحابیت کے شرف کے پیش نظر زبان طعن و تشنیع دراز

Marfat.com

نہیں کی جائے گی، پچھلے عنوان میں مندرج آیات اور دیگر حوالہ جات میں اچھی طرح غور و خوض کرنے سے بحمداللہ یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی والحمد للہ اولاً و آخراً۔

مذہب شیعہ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز

"حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عمل و کردار اور خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم"

حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ارشادات اور وہ بھی ائمہ معصومین کی اسنادات کے ساتھ جن کا نمونہ آپ دیکھ چکے اب ہم آپ کو شیر خدا رضی اللہ عنہ کا طرز عمل بھی پیش کرتے ہیں (ناسخ التواریخ جلد نمبر ۲ ص ۴۳ مطبوعہ ایران)

پس از ہفتاد شب با ابوبکر بیعت کرد در بروایتی پس از شش ماہ با ابوبکر بیعت کرد یعنی ستر دنوں کے بعد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے (حضرت) ابوبکر (صدیق رضی اللہ عنہ) کے ساتھ بیعت کی اور دوسری روایت کے مطابق چھ ماہ کے بعد۔

ہاں جی ضروری اگر چھ سال کے بعد بیعت کرتے اس کو بیعت ہی کہا جاتا۔ رہے اس تاخیر کے اسباب تو اس واقعہ کو تیرہ سو ستر بسٹھ سال ہو گئے ہیں جو راوی دو ماہ دس دن سے کھینچ کر چھ ماہ تک لے جا سکتا ہے وہ ایک آدھ دن سے دو ماہ تک بھی لے جا سکتا ہے، دوسرا چھ ماہ کے عرصہ میں جس نے کربلا کا سامان مہیا نہیں کیا اور آخر پورے غور و خوض کے بعد بیعت ہی کو اختیار فرمایا تو بہر حال انہیں کی رائے عالی صائب تھی۔

تیسرا کتاب شافی علم الہدیٰ جو غالی ترین شیعہ کی تصنیف ہے اور کتاب تلخیص الشافی جو شیعوں کے محقق طوسی کی تصنیف ہے جن کا حوالہ گزر چکا ان میں صاف صاف روایت موجود ہے جس کو امام جعفر صادق امام محمد باقر سے اور وہ امام زین العابدین رضی اللہ عنہم سے نقل فرماتے ہیں کہ جب ابوبکر صدیق خلیفہ ہوئے

Marfat.com

تو ابو سفیان نے ان کی خلافت کو ناپسند کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کرنے انتہائی کوشش کی جس پر شیر خدا رضی اللہ عنہ نے اس کو وہ ڈانٹ پلائی کہ تا قیامت عبرت رہے گی اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کو سراہا اور برحق تسلیم فرمایا۔

اس واقعہ سے تقیۃً یا جبراً بیعت کا سوال ہی اڑ جاتا ہے جب اس قدر فوج مہیا تھی تو پھر خوف کاہے کا تھا، جبراً بیعت کا فائدہ ہی کیا تھا۔ جب جبراً ووٹ کی پرچی حاصل نہیں کی جا سکتی تو وعدہ اطاعت اور عہد وفا جبراً حاصل کرنا کیا معنی رکھتا ہے اور پھر تقیۃً اور جبراً بیعت کرنا بھی الٹو کی منطق کا نتیجہ ہے

بھائی تقیہ کا تو معنی ہی یہ ہے کہ ظاہر میں طرف داری اور دل سے بیزار تو پھر مجبور ہونا اور نقل کفر کفر نباشد گھسیٹنے کی نوبت آنا (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) گلے میں رسہ ڈلوا کر گھسیٹنے کی حالت میں مسجد میں جانا بھی عجیب رضامندی اور طرف داری کا اظہار ہے۔ دراصل اہل تشیع بیعت نہ کرنے اور ناخوشنودی کے جتنے احتمالات ہو سکتے ہیں بیک وقت پیش کر کے محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام میں باہمی اختلاف ثابت کرتے وقت عقل سے بھی تقیہ کر جاتے ہیں اور یہی ایک تقیہ ہی تمام تر شیعہ مذہب کے درد دل کی دوا ہے (رسالہ مذہب شیعہ ص ۴۰)

تنزیہ الامامیہ علامہ محمد حسین ڈھکو صاحب

پیر صاحب نے ادھر ادھر ہاتھ پیر مار کر یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے ابو بکر کی بیعت کر لی تھی (معاذ اللہ) اس موضوع پر تفصیلی گفتگو تو وہاں کریں گے جہاں بیعت کے موضوع پر بحث آئے گی یہاں سر دست ناسخ کی اس عبارت پر تبصرہ کیا جاتا ہے سو واضح ہو کہ پیر صاحب سیالوی نے اپنی عادت کے مطابق خیانت سے کام لیا اور اس کو قطع و برید کر کے پیش کیا صاحب ناسخ نے ثابت کیا ہے کہ حضرت امیر دربار میں تشریف لے گئے اپنی خلافت کے دلائل پیش کیے اور قبول نہ ہونے پر بغیر بیعت کیے واپس ہوئے (بیعت

Marfat.com

ناکردہ بازلبراب شد) یہ ہے صاحب ناسخ کی ذاتی تحقیق جسے انہوں نے دوسرے شیعہ اہل علم کی طرح بلاکم وکاست پیش کر دیا اس کے بعد وہ عبارت موجود ہے جس کا ٹکڑا مؤلف نے پیش کیا جس کا آغاز یوں ہے گویند چوں فاطمہ سلام اللہ علیہا وداع جہاں گفت پس از ہفتاد شب ام اور گویند یعنی لوگ کہتے ہیں اس امر کی دلیل ہے کہ یہ دوسروں کا نظریہ ہے اور وہ ہیں جمہور اہل السنت (ملخص ص ۱۱۵، ۱۱۶)

اس کے بعد علامہ ڈھکو صاحب نے ایک اہل قلم کو سنی ظاہر کر کے اس کی زبانی حضرت امیر کا پہلے بیعت سے کنارہ کش رہنا اور بعد میں حالات کے جبر سے بیعت کرنا ذکر کیا ہے۔ اور اس سنی قلمکار کی اصل عبارت میں لفظ یہ درج کئے ہیں " انہوں نے اس ظلم کے خلاف اللہ تعالیٰ سے فریاد کی اور بیعت سے کنارہ کش رہے گو بعد میں ایسے واقعات پیش آئے کہ انہیں بھی بیعت کرنا پڑی الخ ص ۱۱۶

تحفہ حسینیہ از محمد اشرف السیالوی غفرلہ :

شیعی مجتہد کی فریب کاریاں اور بیعت مرتضوی کا اثبات

(۱) علامہ ڈھکو صاحب کے جواب کا خلاصہ یہ ہوا کہ علماء شیعہ بمع صاحب ناسخ التواریخ بیعت مرتضوی کے قائل نہیں اور یہ صرف اہل السنت کا مسلک ہے جس کو از راہ خیانت شیعوں کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔

(۲) ہم اس کی حقیقت موضوع بیعت کے تحت بیان کریں گے۔

(۳) مشہور سنی اہل قلم ابوالنصر عمر نے اس کو جبر و اکراہ اور تقاضائے حالات کے تحت کی جانے والی بیعت قرار دیا۔

اقول اگر ابوالنصر عمر خلافت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ظلم اور زیادتی کہہ کر بھی سنی

Marfat.com

ہے تو پھر جہاں میں شیعہ ہے ہی کوئی نہ صرف اہل السنت ہی اہل ہیں، ڈھکو صاحب کا یہ بہت ہی بڑا دھوکہ اور فریب ہے اور ایسے شیعہ اور بدقماش اہل قلم کو سنی لکھ کر عوام اہل اسلام کی نظروں میں دھول جھونکنے والی بات ہے اور بددیانتی کی بدترین مثال

رہا ڈھکو صاحب کا بلند بانگ اعلان کہ موضوع بیعت میں اس حقیقت پر سے نقاب اٹھا جائے گا ہم نے رسالہ تحریرات نامیہ کے سب اوراق الٹے پلٹے پر ہمیں کہیں اس موضوع پر ڈھکو صاحب کے قلم فریب رقم کا کوئی نقش بے ثبات ایسا نظر نہیں آیا جس میں اس موضوع پر کوئی ہلکا سا تبصرہ بھی کیا گیا ہو لہٰذا۔

ے ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندہ معنی نہ ہوا۔

اب ہم حضرت امیر المومنین علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے ابوبکر صدیق بلکہ تینوں۔ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے ساتھ بیعت کرنے کے دلائل اور شواہد پیش کرتے ہیں۔ تاکہ مذہب اہل تشیع ان کی کتب سے ہی واضح ہو جائے۔ اور ڈھکو صاحب کا یہ بے بنیاد دعویٰ اور بلا برہان اعلان ھباً منثوراً ہو جائے۔

سب سے پہلے ناسخ التواریخ کے متعلق جو دعویٰ ڈھکو صاحب نے کیا ہے کہ وہ علماء شیعہ کے ساتھ متفق ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی اس کی حقیقت پیش خدمت ہے مجتہد صاحب نے ایک جملہ لکھ کر۔ بیعت ناکردہ باز سرا سے شد" یہ نتیجہ اخذ کر لیا کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بیعت کی نفی ہو گئی حالانکہ یہ طرز استدلال قواعد و ضوابط اور واقعات و حقائق کے سراسر خلاف ہے اور درایت و بصیرت کے بھی خلاف۔

ڈھکو صاحب کا دعویٰ از روئے نقل و عقل خلاف واقعہ ہے۔

اما نقلاً : چنانچہ صاحب، ناسخ التواریخ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت

Marfat.com

اور بیعت کی بحث کو ص ۷، ۸ ص ۸ کے شیعہ اور سنی ہر دو فریق کی روایات کے مطابق بیان کیا ہے۔ اور انہوں نے مستقل عنوان قائم کر کے شیعہ مسلک کو بیان کیا ہے (ملاحظہ ہو ص ۴۴) جہاں عنوان یہ قائم کیا ہے

"طلب کردن علی علیہ السلام را بمسجد برائے بیعت ابوبکر بروایت مردم شیعی"
یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مسجد نبوی میں بیعت ابوبکر کے لیے طلب کرنا شیعہ لوگوں کی روایت کے مطابق اور ص ۴۵ پر یوں عنوان قائم کیا ہے۔ "بردن علی علیہ السلام را بمسجد پیغمبر برائے بیعت با ابوبکر موافق روایت شیعی" یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مسجد نبوی میں پہنچانا بیعت ابوبکر کے لیے شیعی روایت کے مطابق اور ص ۴۶ پر یوں عنوان قائم کیا ہے "احتجاج علی واصحاب او بعد از بیعت با ابوبکر و عمر" حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کا بیعت کرنے کے بعد ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے ساتھ مباحثہ و مناظرہ، کیا اب بھی کوئی شخص دین و دیانت اور ایمان و امانت کے ہوتے ہوئے یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ صاحب ناسخ التواریخ نے صرف سینوں کا مذہب و مسلک بیان کیا ہے۔

اما عقلاً و درایۃ : دعویٰ تو یہ ہے کہ بالکل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیعت نہیں کی اور دلیل میں ایک وقت دلائل احقیت پیش کر کے بغیر بیعت کئے واپس جانے کا ذکر کیا گیا ہے کیا میں علامہ صاحب سے دریافت کر سکتا ہوں کہ وجوہ احتجاج و استدلال یعنی قیاس استقراء اور تمثیل میں سے یہ کونسا قسم ہے۔ ایک وقت میں بیعت نہ کرنا گویا جزئی ہے اور بالکل بیعت نہ کرنا کلی حکم ہے تو ایک جزئی کے ذریعے حکم کلی ثابت کرنا نہ قیاس ہے اور نہ استقراء و تمثیل کلی سے جزئی کا حکم ثابت کرنے کو قیاس کہتے ہیں جس طرح ہر انسان حیوان ہے لہٰذا زید حیوان ہے اور اکثر جزئیات کا حال معلوم کر کے حکم کلی لگا دینے کو استقراء کہتے ہیں جس طرح کل حیوان یحرک فکہ الاسفل عند المضغ ہر حیوان چباتے وقت نچلا جبڑا ہلاتا ہے حالانکہ حکم لگانے والے نے جمیع جزئیات کا احاطہ نہیں کیا۔

Marfat.com

لہٰذا یہ حکم ظنی ہوگا اور غلطی کا احتمال جیسے مگر چھ میں اس کے برعکس قول کیا گیا ہے۔ اور جزئی کے ذریعے جزئی کا حکم ثابت کرنا جیسے شراب حرام ہے بوجہ نشہ آور ہونے کے لہٰذا افیون بھی حرام ہے اس کو تمثیل کہتے ہیں اور یہ استدلال بھی موجب ظن ہوا کرتا ہے۔ الغرض ڈھکو صاحب کا استدلال عند العقلاء معتبر وجوہ استدلال میں سے کوئی وجہ بھی نہیں بن سکتا۔

علاوہ ازیں اس کی پیش کردہ عبارت ستر دن بعد بیعت یا چھ ماہ بعد بیعت کرنے کے منافی بھی نہیں ہو سکتی۔ ایک وقت میں بیعت نہ فرمائی دوسرے وقت میں فرمالی لہٰذا کوئی تخالف اور تعارض لازم نہیں آسکتا تو ڈھکو صاحب کا یہ جواب صرف مجنونانہ حرکت ہے۔

بیعت ابی بکر کا ثبوت

اب پیش خدمت ہیں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بیعت فرمانے کے حوالہ جات، سب سے پہلے ناسخ التواریخ کے انہیں صفحات سے حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

(۱) فقال له ابوبکر بایع فقال له علیؑ فان انا لم ابایع قال اضرب الذی فیه عیناك فرفع رأسه الی السماء ثم قال اللهم اشهد ثم مد یده فبایعه ص۶۳۔

توانہیں (حضرت) ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے کہا بیعت کرو تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا اگر میں بیعت نہ کروں تو کیا ہوگا تو انہوں نے کہا ہم آپ کا سر قلم کر دیں گے تو آپ نے اپنا سر اقدس آسمان کی طرف اٹھایا اور عرض کیا اے اللہ گواہ ہو جا پھر ہاتھ بڑھایا اور ابوبکر صدیق سے بیعت کی۔

Marfat.com

وکذا فی تلخیص الشافی ص ۳۹۸

(۲) فقال صلی اللہ علیہ وسلم ان وجدت علیہم اعوانا فجاھدھم ونابذھم وان انت لم تجد اعوانا فبایع واحقن دمک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر ان کے خلاف معاون و مددگار میسر ہوں تو ان سے جہاد کرنا اور ان کی خلافت کو پھینک دینا اور اگر معاونین و مددگار دستیاب نہ ہوں تو بیعت کر لینا اور اپنی جان بچانا" اور اس حقیقت کا انکار کون کر سکتا ہے بلکہ خود شیعہ کے اقرار و اعتراف کے مطابق "تو دانی اے خدا کہ برائے من کس ہمدست نشد" کوئی آپ کا معاون و مددگار نہیں تھا لہذا حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق بیعت ضروری ٹھہری اور واقعی آپ نے بیعت فرمائی، کذا فی احتجاج الطبرسی ص ۱۹۰ مطبوعہ مشہد

(۳) بروایتے اں ہنگام عباس بن عبد المطلب را آگاہی دادند کہ اینک علی در زیر شمشیر عمر نشستہ است عباس شتاب کناں دوراں دواں برسید وہمی فریاد برداشت کہ با پسر برادرم رفق و مدارا کنید بر من است کہ او بیعت کند وچوں در آمد دست علی را بگرفت و بکشید و بدست ابی بکر مسح داد پس علی را رہا دادند ص ۶۳

ایک روایت میں اس طرح وارد ہے کہ اس وقت حضرت عباس بن عبد المطلب کو لوگوں نے اطلاع دی کہ یہ علی ہیں جو عمر بن الخطاب کی تلوار کے نیچے بیٹھے ہوئے ہیں حضرت عباس جلدی جلدی دوڑتے ہوئے اور زور زور سے پکارتے ہوئے آ رہے تھے کہ میرے بھتیجے کے ساتھ نرمی اور رواداری سے کام لینا میں اس کی طرف سے بیعت کا ضامن ہوں اور جب آئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے چھو دیا پس انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا۔

(۴) صاحب ناسخ التواریخ نے ص ۷۰ پر بیعت کے اقرار اور اس کے

Marfat.com

جبر واکراہ کے ساتھ ہونے کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا قصۂ بیعت امیر المؤمنین علی علیہ السلام با ابوبکر بروایت مردم شیعی نیز مرقوم افتاد و علماء اثنا عشریہ بر صدق دعویٰ خود از رواۃ و روایات اہل السنت حجت کنند از جملہ تحریق در سرائے فاطمہ و زدن عمر در را بر پہلوئے فاطمہ و سقط محسن و کشیدن علی علیہ السلام را ملبباً۔ بسعد بیشتر از علماء سنت را استوار نمی افتد شگفت آنست کہ ابن ابی الحدید در ذیل قصۂ سقیفہ بنی ساعدہ میگوید مردم شیعی در تقریر ایں روایات و تحریق باب و سقط محسن متفرد اند ص ۶۷

امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیعت کا قصہ شیعی علماء اور رواۃ کے مطابق بھی ذکر ہو چکا اور علماء اثنا عشریہ اپنے دعویٰ کی صداقت پر اہل السنت کے راویوں اور ان کی روایات سے استدلال پیش کرتے ہیں منجملہ جن کے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے مکان کا دروازہ جلانا اور دروازہ کا ان کے پہلو پر گرانا اور حضرت محسن کا ساقط ہو جانا اور حضرت علی علیہ السلام کے گلے میں کپڑا ڈال کر مسجد کی طرف گھسیٹنا علماء اہل السنت کے نزدیک درست نہیں ہے اور تعجب کی بات یہ ہے کہ ابن ابی الحدید سقیفہ بنو ساعدہ کے قضیہ کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ شیعہ لوگ جبر و اکراہ وغیرہ اور حضرت محسن کے اسقاط اور دروازہ کے جلانے کی روایات کے ساتھ منفرد ہیں کوئی سنی ان کے ساتھ شریک نہیں ہے۔

(نوٹ) اور صاحب ناسخ التواریخ نے بھی نقل کیا ہے کہ ابن ابی الحدید نے۔

ابو جعفر نقیب بصرہ رئیس فرقہ اثنا عشریہ کے حوالہ سے لکھا کہ میں نے کہا کیا میں تمہاری طرف سے یہ روایت بیان کروں کہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے ساتھ اس طرح تشدد ہوا اور آپ کا حمل ساقط ہو گیا تو اس نے کہا لا تروہ عنی ولا تروعنی بطلانہ فانی متوقف فی ھذا الموضع لتعارض الاخبار عندی نہ میری طرف سے اس امر کے صحیح ہونے کی روایت کرنا اور نہ ہی اس کے بطلان کی کیونکہ میں اس مقام میں توقف اور تردد کا شکار ہوں۔ کیونکہ اس مقام پر مروی روایات باہم متعارض ہیں

Marfat.com

جب خود رؤسا علماء شیعہ کو تردد اور توقف ہے تو اس کو اہل السنت کے سر تھوپنے کا جواز کیا ہو سکتا ہے اور ان روایات کے ذریعے ان ائمہ ہدیٰ اور خلفاء راشدین کی ذوات قدسیہ کو مورد طعن و تشنیع بنانے کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ البتہ صاحب ناسخ التواریخ نے "بردن علی علیہ السلام را بمسجد بجبر برائے بیعت ابو بکر موافق روایت شیعی" کا عنوان قائم کر کے ص ۷۵ دروازہ جلانے کی دھمکی کا ان الفاظ میں تذکرہ کیا ہے "فالجأها تنفذ الیٰ عضادة بیتها و دخلها فکسر ضلعا من جنبها فالقت جنینا من بطنها) نعوذ باللہ منہا

لمحۂ فکریہ!

(۱) علامہ ڈھکو صاحب تو کہتے تھے کہ بیعت ہوئی ہی نہیں اور صاحب ناسخ التواریخ اس کا قائل ہی نہیں مگر ناظرین کرام نے دیکھ لیا کہ یہ صاحب نہ صرف بیعت کا قائل ہے بلکہ ایسے بھونڈے انداز اور ذلیل طرز بیان کے ساتھ کہ کوئی غیرت مند انسان ان حالات میں زندہ رہنا گوارا ہی نہیں کر سکتا چہ جائیکہ جا کر پھر بیعت کرے اور گھر واپس آکر آرام سے بیٹھ جائے اور شیر خدا بھی کہلائے اور فاتح خیبر بھی اور اعلان بھی یہ فرمائیں المنیة ولا الدنیة (نہج البلاغہ) کہ موت اختیار کی جا سکتی ہے لیکن ذلت اور حقارت برداشت نہیں کی جا سکتی الغرض ڈھکو صاحب کے حق میں ہم آیت مذکورہ پڑھنے کا حق پوری طرح محفوظ رکھتے ہیں۔

(۲) نیز شیر خدا رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر عملدرآمد نہ کرنے والے اور خلاف فرمان کا ارتکاب کرنے کا مورد طعن بھی ثابت کر دیا کیونکہ آپ کا تو ارشاد یہ تھا اگر معاون و مددگار نہ ملیں تو بیعت کر لینا لیکن آپ نے بیعت نہ کر کے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی سخت توہین کرائی اور ان کی ہتک حرمت کا موجب بنے

(۳) علاوہ ازیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر کی توہین ہوتی دیکھ کر چپ چاپ رہنا اور اس کا بدلہ نہ لینا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کون۔

Marfat.com

سی عقیدت اور محبت کی دلیل ہے اگر یہ واقعات درست ہیں
تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ نے عزت مصطفوی اور
عزت زہرا رضی اللہ عنہا کو بھی کوئی اہمیت نہ دی۔

(۴) پھر تقیہ کس لیے ایجاد کیا گیا تھا جیسے کہ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز
نے فرمایا کہ تقیہ کرنا ہوتا تو نوبت اس صورت حال تک نہ پہنچتی اور اگر ان حالات
میں بھی تقیہ نہیں کیا تو اس کا جواز بھی ختم ہو گیا چہ جائیکہ اس کا عین ایمان ہونا یا نوے
فیصد دین کا اس میں منحصر ہونا لہٰذا یہ دعویٰ سراسر لغو و باطل ٹھہرا

رجال کشی اور بیعت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ (ص ۱۲ احوال سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ)

(۵) هولاء الذين دارت عليهم الرحى وابوا ان يبايعوا لابي بكر المقداد
وابوذر وسلمان الفارسی)
حتی جاؤا بامیرالمؤمنین مکرها فبایع (یہی وہ تین حضرات تھے مقداد، ابوذر اور
سلمان الفارسی جن پر اسلام کی چکی گردش کر رہی تھی اور دوسرے نعوذ باللہ مرتد ہو چکے
تھے) اور انہوں نے ابوبکر (صدیق رضی اللہ عنہ) کے ساتھ بیعت کرنے سے انکار
کر دیا تھا حتیٰ کہ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مجبور کر کے لائے تو انہوں
نے بیعت کر لی (اور ان تینوں نے بھی)

احتجاج طبرسی اور بیعت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ (ص ۴۸ مطبوعہ مشہد)

(۶) ثم تناول يد ابي بكر فبايعه ۔ پھر آپ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا
اور ان کے ساتھ بیعت کی۔

(۷) مامن الامة احد بايع مكرها غير علي واربعتنا یعنی امت رسول خدا صلی اللہ
علیہ وسلم میں سے کسی نے بھی مجبور ہو کر بیعت نہیں کی تھی ماسوائے حضرت علی رضی اللہ عنہ
کے اور ہم چار کے (ص ۵۲)

(نوٹ) اس روایت سے واضح ہو گیا کہ تمام بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب نے بطیب خاطر
رضیت بیعت کر لی تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیعت کرنے کا انتظار نہیں۔

Marfat.com

کیا تھا بلکہ بقول شیعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی انتہائی منت سماجت کے باوجود اور ان کو ہمنوا بنانے کی آخری حد تک سعی و کوشش اور جدوجہد کے باوجود انہوں نے آپ کا ذرہ بھر تعاون نہ کیا۔ ذرا عبارت ملاحظہ و مشاہدہ کر کے خود فیصلہ کرو کہ ان محبوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو محبت کے رنگ میں کس طرح غیر اہم اور ناقابل التفات اور خلافت و امامت کے لیے غیر موزوں ثابت کر دکھلایا ہے کہ اپنے انتہائی قریبی رشتہ دار بھی آپ کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔

فلما توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشتغلت بغسلہ وتکفینہ الی، ثم اخذت بید فاطمة وابنی الحسن والحسین فدرت علی اھل بدر واھل السابقة فناشدتھم حقی ودعوتھم الی نصرتی فما اجابنی الا اربعة رھط سلمان وعمار وابو ذر والمقداد ولقد راودت فی ذلک بقیة اھل بیتی فابوا علی الا السکوت (احتجاج طبرسی ص۲۸)

(جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو میں آپ کے غسل اور کفن ودفن میں مشغول رہا۔ پھر میں نے قسم کھائی کہ چادر اس وقت تک نہیں اوڑھونگا جب تک قرآن جمع نہ کر لوں چنانچہ اس کو جمع کر چکا تو میں نے حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کا ہاتھ پکڑا اور اپنے دونوں صاحبزادوں حسن وحسین کا اور اہل بدر اور سابقین اسلام کے گھروں پر گیا۔ انہیں اپنے حق کا واسطہ دیا اور اپنی مدد کی طرف بلایا لیکن میری دعوت کو سوائے چار کے کسی نے قبول نہ کیا یعنی ابو ذر سلمان فارسی عمار بن یاسر اور مقداد رضی اللہ عنہم اور البتہ تحقیق میں نے اس معاملہ میں اپنے بقیہ اہل بیت کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی لیکن سب نے صرف سکوت اور خاموشی پر اکتفا کیا اور میرے مطالبہ کو بالکل نظر انداز کیا اور درخور اعتناد التفات ہی نہ سمجھا)

خلافت کے لیے اس قدر سر توڑ کوشش اور حضرت زہراء کی عزت وحرمت کو

Marfat.com

کو بھی داؤ پر لگا دینے کے باوجود کوئی دوسٹ نہ ملے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ نعوذ باللہ مہاجرین و انصار تو درکنار خود اہل بیت اور بنو ہاشم و بنو عبد المطلب میں بھی آپ کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا تھا اور ناقابل توجہ اور التفات سمجھا گیا تھا حقیقت یہ ہے کہ اہل تشیع کی یہ دوستی اور محبت دراصل بدترین دشمنی ہے اور ایسی دشمنی کہ جس کے بعد آپ کے کسی دشمن کو دشمنی کرنے کی ضرورت بھی نہیں رہ جاتی۔

ے ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسمان کیوں ہو۔

کتاب الروضۃ للکافی اور بیعت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ۔ (ص ۱۳۹)

(۹) بایع مکرھا حیث لم یجد اعواناً۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجبور ہو کر بیعت کی کیونکہ آپ کو معاون و مددگار میسر نہیں تھے مفصل روایت مذہب شیعہ میں حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز کے قلم سے آرہی ہے۔

تنزیہ الانبیاء مؤلفہ سید مرتضیٰ علم الہدیٰ اور بیعت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ۔

(۱۰) فاما البیعۃ فان ارید بھا العرض والتسلیم فلم یبایع امیر المؤمنین علیہ السلام القوم بھذا التفسیر علیٰ وجہ من الوجوہ ومن ادعیٰ ذلک کانت علیہ الدلالۃ فانہ لا یجدھا وان ارید بالبیعۃ الصفقۃ واظہار الرضا فذالک مما وقع عنہ الخ (تنزیہ الانبیاء ص ۱۳۸)

لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت ابوبکر صدیق کے ساتھ بیعت جس کا اہل سنت والجماعت نے دعویٰ کیا ہے) تو اس بیعت سے اگر ان کی مراد ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تسلیم و رضا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بایں معنیٰ ان کے ساتھ بالکل بیعت نہیں کی اور جس کا یہ دعویٰ ہے اس پر دلیل پیش کرنا لازم ہے اور کوئی دلیل اس دعویٰ پر نہیں پائے گا اور اگر اس بیعت سے مراد ہے ہاتھ میں ہاتھ دینا اور تسلیم و رضا کا اظہار کرنا تو یہ بیعت واقعی آپ کی طرف پائی گئی ہے۔

جب شیعہ کا یہ عظیم مناظر و متکلم اور ممتاز اصولی اس بیعت ظاہرہ کو تسلیم کر رہا ہے تو پھر علامہ ڈھکو صاحب کے لیے اس بیعت کے انکار کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے؟ رہ گیا دل

Marfat.com

کا معاملہ تو وہ اللہ علیم وخبیر جانتا ہے شریعت مطہرہ کا دارومدار ظاہر پر ہے نیز اگر ظاہری بیعت کارآمد اور سود مند نہ ہوتی تو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما اس پر اصرار کیوں کرتے اور بقول شیعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس سے انکار کیوں کرتے۔ جب ان کا انکار ختم ہو گیا اور انکا اصرار پورا ہو گیا تو اس بیعت کی احادیث اور حجیت واضح ہو گئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے اسی ظاہری بیعت والے عذر کو مسترد کرتے ہوئے اسی کو حقیقی بیعت قرار دیا اور دل وجان سے صادر ہونے والا عہد اور پیمان۔

"بیعت مرتضوی کا ثبوت بروایات متواترہ"

الغرض ان کے علاوہ بہت سی روایات اس مضمون کی وارد ہیں جو متواتر معنوی کے قبیل سے ہیں جن میں بیعت کا اقرار تو کیا گیا ہے۔ لیکن شیر خدا رضی اللہ عنہ کو مجبور و بے بس اور گلے میں رسی ڈلوائے یا تلواروں کے سائے میں بیعت کرتے دکھایا گیا ہے۔ ابو جعفر طوسی صاحب نے تلخیص میں اس کے تواتر کا اقرار کیا ہے عبارت ملاحظہ ہو۔

معنیٰ کل خبر مما ذکرناہ وان کان وارداً عن طریق الاحاد فان معناہ الذی تضمنہ متواتر بہ والمعول علی المعنی دون اللفظ ومن استقری الاخبار وجد معنی اکراھہ علیہ السلام علی البیعۃ و انہ دخل فیہا مستدفعاً للشر وخوفاً من تفرق کلمۃ المسلمین الخ

(ان روایات کے اخبار آحاد ہونے والے توہم کے جواب میں)

Marfat.com

ہم کہتے ہیں کہ اگرچہ الفاظ کے لحاظ سے ہر ایک خبر واحد ہے مگر معنی کے لحاظ سے متواتر ہیں اور اعتماد و اعتبار معنی کا ہوتا ہے نہ کہ الفاظ کا اور جو شخص بھی اس ضمن میں وارد روایات کا تتبع کرے تو آپ کے بیعت پر مجبور ہونے کی حقیقت اس پر واضح ہو جائے گی اور یہ کہ آپ شر و فساد کو دور کرنے کے لیے اور اہل اسلام کی وحدت کو پراگندگی سے بچانے کے لیے بیعت کرنے والوں میں شامل ہوئے۔

الغرض ثبوت بیعت تو متواتر طریقہ سے ہو گیا جس کا انکار دوپہر کے سورج کے انکار کے مترادف ہے رہا جبر و اکراہ اور مجبوری و بے بسی کا معاملہ تو اس کا عقلی اور نقلی وجوہ سے رد شیخ الاسلام کے سابقہ کلام میں بھی موجود ہے اور آگے بھی متعدد مقامات پر اس پر رد و قدح کا بیان آ رہا ہے جس میں بنظر انصاف غور کرنے سے جبر و اکراہ کا افسانہ بیخ و بن سے اکھڑ جاتا ہے اور اس جال کا بیت عنکبوت سے بھی کمزور تر ہونا واضح ہو جاتا ہے۔

"حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیعت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ"

چونکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ کو خلافت کے لیے نامزد فرمایا اور آپ کے لیے وثیقہ خلافت لکھ کر اس پر بیعت لی تھی للناکسی کی خلاف ورزی اور انکار بیعت کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے یہ بیعت عند الکل مسلم اور متفق علیہ ہے چنانچہ ناسخ التواریخ میں مرقوم ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن الخطاب کو نصیحت و وصیت فرمانے کے بعد حاضرین اسد دجودین۔ سے کہا: اے مردمان! عمر بن الخطاب را بامامت شما گماشتم آیا بدان راضی شدید یا کسی را استکبارے و استنکارے است گفتند آنچہ فرمان کنی سر از اطاعت تو بر نتابیم۔

(ص ۲۱۵ جلد دوم از کتاب دوم)

اے لوگو! میں نے عمر بن الخطاب کو تمہاری امامت کے لیے منتخب اور نامزد کیا ہے کیا تم اس پر راضی ہو گئے ہو یا کسی کو اس پر انکار ہے اور اس سے اعراض تو سب نے یک زبان ہو کر کہا جو حکم دو ہم آپ کی اطاعت سے سر نہیں پھیر سکتے اور ابن ابی الحدید نے اس مقام پر یہی مضمون نقل کیا ہے کہ جب عہد خلافت اور وثیقہ امامت کی کتابت ہو گئی تو آپ نے حکم دیا کہ اس کو لوگوں کے سامنے پڑھا جائے اور انہیں آگاہ کیا جائے چنانچہ کہتے ہیں ثم اتم العهد وامران یقرء علی الناس فقرء علیهم (جلد اول ص ۱۶۵)

علاوہ ازیں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے منتخب ارکان شوریٰ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شامل ہونا اس حقیقت کا روشن برہان ہے کہ جب شوریٰ میں شمولیت اختیار کر رہے ہیں اور اس کے فیصلہ کو تسلیم کرنے پر تیار ہیں تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت پر آپ کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ شوریٰ میں شامل ہو کر آپ نے عملی طور پر ثابت کر دیا کہ میں خلافت و امامت کے لیے نامزد نہیں تھا اور جو فیصلہ شوریٰ کرے گی مجھے اس کا انکار نہیں ہوگا اور نہ اس سے انحراف۔ تو اس سے حضرت عمر بن الخطاب کے حکم کا پابند ہونا اور ان کی خلافت کا قائل اور معترف ہونا اظہر من الشمس ہو گیا۔ مزید تفصیل آئندہ صفحات میں درج کی جائے گی۔

"حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیعت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ"

جب شوریٰ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلافت و امامت کے لیے نامزد کر دیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو کچھ فرمایا وہ نہج البلاغہ سے پیش خدمت ہے۔

لقد علمتم انی احق بها من غیری وواللہ لاسلمن ما سلمت امور المسلمین ولم یکن فیها جور الا علی خاصة التماساً لاجر ذلک وفضله وزهداً فیما تنافستموه من زخرفه وزبرجه۔

(نہج البلاغہ جلد اول ص ۱۲۶) یقیناً تمہیں معلوم ہے کہ میں خلافت کی بیعت لینے کا زیادہ

Marfat.com

حقدار ہوں اور بندا میں ہر حال میں عثمان بن عفان کے لیے امر خلافت کو تسلیم کروں گا جب تک امور مسلمین سلامتی کے ساتھ انجام پذیر ہوتے رہے اور کسی پر ظلم اور زیادتی نہ ہوئی ماسوائے میرے میں اپنے اوپر اگر زیادتی ہوئی بھی تو اس کو اجر و ثواب حاصل کرنے کے لیے اور درجہ فضیلت کے حصول کی خاطر برداشت کروں گا اور اس امر خلافت سے زہد اور بے رغبتی ظاہر کرنے کے لیے جس کی آرائش و زیبائش میں تم نے میلان اور رغبت ظاہر کی ہے فرداً فرداً خلفاء ثلاثہ کی بیعت کے دلائل و شواہد کے بعد اب ایک جامع خطبہ ملاحظہ فرمائیں۔

جامع خطبہ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا اور خلفاء ثلاثہ کی بیعت کا ثبوت،

یہ خطبہ آپ نے مصر کے ہاتھ سے نکل جانے اور آپ کے عامل و گورنر محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کے شہید ہونے کے بعد دیا جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثناء اور رفعت و مرتبت کو بیان فرمایا پھر اہل اسلام کے امر خلافت میں نزاع و اختلاف کو اور اپنے بیعت سے ابتداء میں الگ رہنے اور اپنے آپ کو اس امر کا زیادہ مستحق سمجھنے کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا۔

فلبثت بذلك ما شاء الله حتى رايت راجعة من الناس رجعت عن الاسلام يدعون الى محق دين الله وملة محمد صلى الله عليه وسلم فخشيت ان لم انصر الاسلام واهله ان ارى فيه ثلما وهدما يكون المصاب بهما على اعظم من فوات ولاية اموركم التى انما هى متاع ايام قلائل ثم يزول ما كان منها كما يزول السراب وكما يتقشع السحاب فمشيت الى ابى بكر فبايعته ونهضت فى تلك الأحداث حتى زاغ الباطل وزهق وكانت كلمة الله هى العليا ولو كره الكافرون۔

فتولى ابوبكر تلك الأمور فيسر وسدد وقارب واقتصد وصحبته مناصحا واطعته فيما اطاع الله فيه جاهدا وما طمعت ان

Marfat.com

لوحدث به حادث وانا حي ان يرد الى الامر الذي نازعته فيه طمع مستيقن ولا يئست منه يأس من لا يرجوه ولولا خاصة ما كان بينه وبين عمر لظننت انه لا يدفعها عني فلما احتضر بعث الى عمر فولاه فسمعنا واطعنا وناصحنا وتولى عمر الامر فكان مرضي السيرة ميمون النقيبة، حتى اذا احتضر فقلت في نفسي لن يعد لها عني، ليس يدافعها عني فجعلني سادس ستة (الى) فاجمعوا اجماعا واحدا افصرفوا الولاية الى عثمان مهار جاء ان ينالوها ويتداولوها اذ يئسوا ان ينالوا بها من قبلي ثم قالوا هلم فبايع والا جاهد تاك فبايعت مستكرها وصبرت محتسبا الخ (شرح حديدی جلد ۲ ص ۹۴، ۹۵، ۹۶)

پس میں اس حال میں رہا (یعنی خلوت نشین اور عزلت گزین رہا) جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا پھر میں نے دیکھا کہ لوگوں کی خاص تعداد اسلام سے روگردانی کرنے لگی ہے اور وہ دوسروں کو اسلام کے مٹانے کی دعوت دیتے ہیں اور ملت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو نیست ونابود کرنے کی کوشش میں ہیں تو میں نے یہ خطرہ محسوس کیا کہ اگر اس وقت میں اسلام اور اہل اسلام کی مدد نہ کروں تو اس کے مضبوط قلعہ میں دراڑیں پڑ جائیں گی اور منہدم ہو کر رہ جائے گا جس کی وجہ سے مجھ پر مصیبت اور پریشانی اس سے زیادہ ہوگی جو کہ امور مسلمین کی ولایت اور خلافت کے ہاتھ سے نکلنے کی وجہ سے لاحق ہوئی جو کہ صرف چند دنوں کی متاع ہے اور پھر اسی طرح زائل ہو جانے والی ہے جس طرح سراب زائل ہوتا ہے یا بادل چھٹ جاتا ہے۔

تو میں ابو بکر (صدیق رضی اللہ عنہ) کی طرف چل کر گیا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور اسلام کے خلاف اٹھنے والے فتنوں اور

Marfat.com

حادثات میں اہل اسلام کا ہاتھ بٹانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا اور اپنی پوری قوت صرف کر دی حتیٰ کہ باطل کا رخ پھر گیا اور وہ بھاگ گیا اور اللہ تعالیٰ کا کلمۂ توحید اور علم شریعت بلند ہو گیا اگرچہ کفار اس کو پسند نہیں کرتے تھے تو ابوبکر ان امور کے متولی و متصرف ہوئے انہوں نے لوگوں پر آسانی اور سہولت کا اہتمام کیا اور ثابت قدمی اور مضبوطی سے کام لیا اور حق کی مقاربت اور میانہ روی کو اختیار کیا اور میں نے ان کی پورے خلوص اور ہمدردی کے ساتھ مصاحبت اور موافقت کی ۔ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر مشتمل تمام امور میں ان کی فرمانبرداری میں پوری قوت صرف کی اور میں نے کبھی یہ طمع نہ کیا کہ اگر ان کو حادثہ موت پیش آئے اور میں اس دوران زندہ ہوں تو اس امر خلافت کو میری طرف لوٹائیں جس میں میں نے ان کے ساتھ اختلاف کیا تھا ۔ نہ اس طرح کا حتمی طمع اور پختہ آرزو تھی ۔ اور نہ ہی میں اس سے مکمل طور پر مایوس تھا ۔ جیسے بالکل اس کی امید ہی نہ ہو اور اگر عمر بن الخطاب اور ان کے درمیان خصوصی تعلقات و روابط نہ ہوتے تو مجھے غالب گمان یہی تھا کہ وہ مجھ کو خلافت سے دور بھی نہ رکھتے ۔

چنانچہ جب ان کا وقت وفات قریب آ گیا تو انہوں نے عمر بن الخطاب کو بلایا اور امور خلافت کا والی بنا دیا تو ہم نے ابوبکر کے وصیت نامہ اور وثیقۂ خلافت کو قبول کیا ۔ اس کی اطاعت کی اور خلوص و ہمدردی میں کوئی کمی اور کوتاہی روا نہ رکھی پس عمر بن الخطاب متولی امور خلافت بنے تو وہ پسندیدہ سیرت نکلے اور بابرکت خلافت اور ولایت والے ثابت ہوئے (جنہوں نے سرحدات اسلام کو بہت وسیع کر دیا اور قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کو پامال کر دیا)

جب ان کا وقت وفات قریب آیا تو میں نے دل میں کہا

Marfat.com

یہ ہرگز مجھ سے خلافت کو دوسری طرف نہیں پھیریں گے اور اس کو ہرگز مجھ سے دور نہیں کریں گے لیکن انہوں نے اس کو شوریٰ پر چھوڑا اور مجھے ان میں سے چھٹا فرد قرار دیا (تا) چنانچہ شوریٰ نے مکمل اتفاق کے ساتھ اس کو عثمان کے حوالے کر دیا اس امید پر کہ وہ خود بھی اس کو پالیں گے اور یکے بعد دیگرے ان کو بھی خلافت کا شرف اور اعزاز حاصل ہوتا رہے گا جب کہ میری طرف سے انہیں مایوسی تھی پھر انہوں نے مجھ سے مطالبہ کیا کہ آؤ اور عثمان کے ساتھ بیعت کرو ورنہ ہم تمہارے خلاف جہاد کریں گے تو میں نے بادل ناخواستہ بیعت کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے حصول ثواب کی امید پر صبر کیا۔ انتہی۔

اس طویل خطبہ سے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ بیعت کرنا اور شیخین رضی اللہ عنہما کے ساتھ مکمل اخلاص اور ہمدردی کا اظہار اور ان کی سیرت اور عملی زندگی پر مکمل اطمینان کا اظہار موجود ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیعت میں اللہ تعالیٰ سے حصول ثواب کی امید رکھنے کا ذکر ہے۔ جو قلبی ارادہ اور نیت خالصہ کے بغیر ممکن نہیں لہذا اس میں طبیعت پر جبر کرنا تو ثابت ہوتا ہے لیکن کسی کا اس شیر خدا کو مجبور و بے بس کر کے بیعت کرا لینا قطعاً ثابت نہیں ہوتا۔

الغرض تینوں حضرات کے ساتھ بیعت ثابت ہو گئی اور یہ خطبہ اگرچہ ہم نے ابن ابی الحدید کی شرح سے نقل کیا ہے لیکن اس کے بیشتر حصے شریف مرتضیٰ نے نہج البلاغہ میں ذکر کئے ہیں اور بالکل انہی الفاظ کے ساتھ ملاحظہ ہو نہج البلاغہ مصری جلد ثانی ص ۱۵۷، ۱۵۸ اور شرح ابن میثم جلد پنجم ص ۲۰۱ اور اسی خطبہ کا آخری حصہ واللہ لو لقیتھم واحدا و ہم طلاع الارض الخ نہج البلاغہ میں ص ۱۰۴ اور ص ۱۶۰ پر موجود ہے اور ابن میثم میں ص ۲۰۱، ۲۰۲ جلد پنجم پر موجود ہے لیکن وہ اس آڑ میں مکمل خطبہ نقل کرنے کی پابندی قبول نہیں کرتا کہ میں نے صرف فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ معیار پر پورے اترنے والے جملے نقل کرنے ہوتے ہیں اس لیے خطبہ مکمل ذکر نہیں کرتا اور دوسرے شراح حضرات پورے خطبے نقل کرتے ہیں۔

Marfat.com

لہذا ناچار انہیں کی زبانی اس کا اندراج کرنا پڑتا ہے اور خطبہ کی صحت عند المؤلف اس کے منتخب جملوں کی شناخت کے بعد بالکل بے غبار ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں چونکہ ابن ابی الحدید تفضیلی شیعہ ہے بلکہ اصحاب صفین اور اصحاب جمل کے حق میں بالکل شیعوں والا عقیدہ رکھتا ہے سوائے حضرت صدیقہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کے اس لیے بھی اس کی نقل عند الشیعہ لازماً حجت ہے نیز یہ شرح اس نے ابن علقمی جیسے متعصب اور اہل السنت کے ساتھ غداری کرنے والے غالی شیعہ کی لکھوائی ہوئی ہے اور اسی کے اخراجات پر اس کی تالیف ہوئی ہے لہٰذا اس کے متعلق چون و چرا کی شیعہ صاحبان کو کوئی گنجائش نہیں ہو سکتی۔

یہی مضمون ناسخ التواریخ جلد سوم کتاب دوم ص ۲۹۷ تا ۲۹۹ پر موجود ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ مبارک سے لکھ کر عمرو بن الحمق، حجر بن عدی، حارث اعور اور عبد اللہ بن سبا کے حوالے فرمایا، اس اجمال کی تفصیل صاحب ناسخ کی زبانی سماعت فرمادیں حدیث کردہ اند کہ عمرو بن الحمق و حجر بن عدی و حارث الاعور و عبد اللہ بن سبا بعد از شہادت محمد بن ابی بکر بحزن آنحضرت بر شہادت او بر امیر المومنین آمدند و عرض کردند یا امیر المومنین در حق ابو بکر و عمر چہ فرمائی، امیر المومنین فرمود آیا از غلبۂ دشمن بر فتح مصر قتل شیعیان من بدست اعداء شمارا الم و فزعے رسیدہ باشد من مکتوبے از بہر شمار قوم دارم و شمارا از آنچہ پرسش کردید آگاہی میدہم و از شما میخواہم کہ آنمکتوب را از برکنید و بر شیعیان من قرات کنید و از آنچہ حق مرا ضائع کردہ اند باز نمائید و اعوان و انصار من باشید و آں مکتوب را بدیشاں فرستاد۔

علماء حدیث نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ حضرت محمد بن ابی بکر کی شہادت کے بعد اور حضرت امیر المومنین کے ان کی شہادت پر سخت غمگین اور رنجیدہ خاطر ہونے کے بعد عمرو بن الحمق، حجر بن عدی، حارث اعور اور عبد اللہ بن سبا آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے امیر المومنین ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہ) کے متعلق آپ کا کیا ارشاد ہے؟ آپ نے فرمایا کہ مصر پر دشمن کے حملہ اور فتحمندی کی وجہ سے

Marfat.com

اور میرے طرف داروں کے اعداء و مخالفین کے ہاتھ قتل ہو جانے کی وجہ سے تمہیں رنج والم اور فزع وجزع لاحق ہوا ہے۔ میں تمہارے لیے ایک خط تحریر کرتا ہوں اور جو کچھ تم نے دریافت کیا ہے اس سے تمہیں آگاہ کرتا ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ تم اس مکتوب کو خود بھی یاد کر دو اور میرے متعلقین پر اس کی قرارت کرو اور جنہوں نے میرے حق کو ضائع کیا ہے ان کو واضح کر دو اور میرے معاون و مددگار رہو پھر یہ خط ان کی طرف بھیجا اور اس کے الفاظ اور مضمون بالکل وہی ہے جو شرح حدیدی کے حوالے سے نقل ہو چکے ہیں اور اس پر تبصرہ بھی ہدیۂ ناظرین ہو چکا۔ دوبارہ اس کا بنظر مطالعہ کریں اور اس عبارت کو ساتھ ملا کر یہودی اور سبائی ذہنیت اور موقعہ سے فائدہ اٹھانے کی سعی مذموم کو ملاحظہ فرما دیں کہ جب حضرت امیرالمومنین کو غمزدہ دیکھا اور رنجیدہ خاطر پایا تو فوراً انہیں ان اسباب رنج والم کو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے کھاتے میں ڈالنے اور ان کے ذمہ لگانے کی طرف ترغیب دی اور مائل کیا یعنی اگر روز اول سے خلافت آپ کو مل جاتی تو یہ صورت حال پیش نہ آتی لہذا ان تمام پریشانیوں اور غموم و آلام کے باعث اور سبب موجب وہی ہیں مگر حضرت امیر کے مکتوب نے ان کی سعی مذموم پر پانی پھیر دیا لیکن انہوں نے عوام کالانعام میں اپنی اس ذہنیت اور نظریہ کو رائج کرنے میں کسی حد تک کامیابی حاصل کر لی اور معدودے چند لوگ ان کے دام تزویر میں آ گئے اور رفتہ رفتہ اس نظریہ فاسدہ پر حب اہل بیت کی ملمع کاری کر کے ان سبائے تلامذہ اور مسترشدین نے اس کو مزید ترقی دی اور ایک مستقل مذہب بنا ڈالا)

فائدہ جلیلہ ۔ اس خطبے اور دیگر کئی خطبات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیعت کے متعلق یہ ایثار اور جذبہ مذکور ہے کہ اسلام دشمن قوتوں کے برے اور ناپاک عزائم خاک میں ملانے کے لیے آپ نے ابوبکر صدیق کی بیعت کی اور اہل اسلام کا پورا پورا ساتھ دیا جس سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ اگر آپ کو ان حضرات کے خلاف کوئی شکایت تھی تو وہ برادرانہ شکر رنجی اور ارمان کی حد تک تھی نہ کہ ایمان و کفر اور اخلاص و نفاق والا اختلاف پیدا ہو گیا تھا ورنہ پھر ان کے ساتھ بیعت کر کے اسلام کو

Marfat.com

ترقی دینے اور کفر و باطل کو مغلوب کرنے کا مطلب کیا ہو سکتا تھا بلکہ خاکم بدہن منکرین زکواۃ اور دیگر مرتدین کی اعانت یا برسر اقتدار لوگوں کی اعانت برابر تھی۔

علاوہ ازیں اس خطبہ سے یہ تو واضح ہو گیا کہ ارتداد کی لہر اٹھی تھی اور اسلام کے لیے خطرات پیدا ہو گئے تھے۔ لیکن جو جماعت اسلام کے تحفظ کے لیے سربکف اور کفن بردوش ہو کر میدان میں اتری وہ کونسی تھی وہ بھی ہر نیم روز کی طرح واضح ہو گیا اب قرآن مجید اور ثقل اکبر کی شہادت کو ثقل اصغر کی شہادت کے ساتھ ملا کر نتیجہ دیکھئے اور ایمان و امانت اور دین و دیانت کے تقاضا کو پورا کرتے ہوئے حقیقت کے اعتراف میں کسی بھی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہ کیجئے اور اس جماعت خدا آگاہ اور حق نما اور باطل شکن کی عظمت خداداد کو سلام کیجئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"یا ایھا الذین آمنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی الله بقوم یحبھم و یحبونہ اذلۃ علی المؤمنین اعزۃ علی الکافرین یجاھدون فی سبیل الله ولا یخافون لومۃ لائم"

اے ایمان والو اگر تم میں سے کچھ لوگ مرتد ہوئے تو اللہ تعالیٰ ایسی قوم لائے گا جن سے وہ محبت کرتا ہے اور وہ اس سے محبت کرتے ہیں مومنین پر نرم اور مہربان ہیں اور کفار مشرکین پر عزیز و غالب، اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے اور اس راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے ذرہ بھر اندیشہ اور خوف رکھنے والے نہیں ہیں۔

کیا یہ صفات کاملہ اور اخلاق عالیہ اور امتیازی علامات اس جماعت مقدسہ کے نہیں جنہوں نے جھوٹے نبیوں کو صفحۂ ہستی سے مٹایا اور ان کی پھیلائی ہوئی گمراہیوں سے عالم عرب کے دامن کو صاف کیا اور منکرین زکواۃ کا قلع قمع کیا جب اس جماعت کی شان یہ ہے تو اس کے سربراہ کی عظمت کا انکار کون بدبخت کر سکتا ہے اور ان کو ان اعزازات اور کرامات سے محروم رکھنے کی کوشش کون سا شقی کر سکتا ہے۔

Marfat.com

"عقیدۂ مرتضویہ اور عقائد صحابہ کا توافق"

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے شوریٰ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی نامزد فرمایا اور آپ نے اس میں شمولیت اختیار فرمائی اگر مذہب اور عقیدہ میں اختلاف ہوتا اور ان حضرات کو آپ کے متعلق ذرا بھی اندیشہ مذہبی اختلاف کا ہوتا تو اس طرح کی نامزدگی کا کوئی امکان نہ تھا اور دوسرے حضرات کو بھی اس قسم کا گمان ہوتا تو پہلی دفعہ ہی آپ کے خلاف یہ حربہ استعمال کیا جاتا اور آپ کو نکال باہر کیا جاتا جس سے صاف ظاہر کہ آپ کا مذہب اور عقیدہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے نزدیک وہی تھا جو ان کا اپنا تھا خدا جانے سبائی پارٹی کو کہاں سے یہ غیبی علوم ہاتھ لگ گئے اور آپ کا علیحدہ مذہب اور عقیدہ کس طرح معلوم کر لیا جو کم از کم برصغیر کی تاریخ میں چودھویں صدی سے قبل خود اولاد مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھی معلوم نہ ہو سکا۔ صرف اس صدی میں دولت اور امارت کے نشہ میں چور چند افراد اپنے اسلاف کے عقیدہ اور مذہب سے برگشتہ ہو کر اس دام تزویر میں پھنسے ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ورنہ ان سے پہلے تیرہ صدیوں پر پھیلی ہوئی تاریخ اسلام اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ اہل السنت کی امامت و قیادت علی مرتضیٰ کی اولاد رضی اللہ عنہم اور اہل بیت نبوی کے لاڈلوں کے پاس ہی رہی وہی اس مذہب و مسلک کے بانی اور معمار تھے اور اس کو اوج ثریا تک پہنچانے والے۔ والحمد للہ علی ذلک۔

Marfat.com

مذہب شیعہ از حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خدام خاص کا تعامل اور

طرز عمل

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اخص الخواص خدام حضرات جن میں حضرت سلمان فارسی حضرت عمار بن یاسر اور حضرت مقداد اور حضرت ابوذر کے ہی نام آتے ہیں ان میں سے تین حضرات نے خلافت فاروقی میں مختلف مناصب اور عہدے سنبھالے اور حروب وقتال میں حصہ لیتے رہے جس کا اعتراف محقق طوسی نے ان الفاظ میں کیا ہے

تولی سلمان لعمر المدائن وکذلک تولی عمار رحمة الله علیه الکوفة ونفذ المقداد فی بعوث القوم۔ (ص ۴۰۲ تلخیص شافی، ملخص)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مدائن میں حضرت عمرؓ کے نائب اور گورنر رہے اور اسی طرح عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کوفہ میں عامل اور نائب رہے اور حضرت مقداد جنگوں میں شامل رہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ حضرات آپ کی خلافت پر رضامند تھے اور انہوں نے آپ کو اپنا امیر اور سب مومنین کا امیر و امام تسلیم کر لیا تھا تو اس کے جواب

Marfat.com

میں طوسی صاحب نے مردف حربہ کا سہارا لیا اور اس کو بھی تقیہ کے سایہ میں حلال اور مباح قرار دے دیا۔ محمد اشرف "

کتاب الشافی مع التلخیص ص ۴۰۲ سطر نمبر ۱۲ کا بھی مطالعہ کرتے چلیں جہاں شیر خدا رضی اللہ عنہ کے خواص کی بیعت اور ان مناصب اور عہدوں پر فائز ہونے کی وجہ ان لفظوں میں بیان کی گئی ہے۔

فان قيل تولى سلمان لعمر المدائن فلولا انه كان راضيا بذلك والا لم يتول ذلك قيل ذلك ايضا محمول على التقية وما اقتضى اظهار البيعة والرضا يقتضيه وليس لهم ان يقولوا اى تقية فى الولايات لانه غير ممتنع ان يعرض عليه هذه الولايات ليمتحن بها ويغلب فى ظنه انه ان عدل عنها وابا ها نسب الى الخلاف واعتقدت فيه العداوة ولم يأمن المكروه وهذه حال توجب عليه ان يتولى ما عرض عليه وكذلك الكلام فى تولى العمار الكوفة ونفوذ المقداد فى بعوث القوم اگر کہا جائے کہ حضرت سلمان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے مدائن کے نائب اور عامل رہے تو لامحالہ آپ اس خلافت و امامت پر راضی تھے ورنہ اس عہد کے متولی نہ ہوتے تو جواب میں یوں کہا جائے گا کہ یہ بھی تقیہ پر محمول ہے اور جو امر بیعت خلافت کے اظہار اور اس پر رضامندی ظاہر کرنے کا موجب بنا وہی موجب اور مقتضی یہاں بھی موجود ہے اور ہمارے مخالف یہ نہیں کہہ سکتے کہ ولایت عہدیں اور مناصب پر فائز ہونے میں کون سا تقیہ ہو سکتا ہے کیونکہ از روئے عقل یہ بات ناممکن اور محال نہیں ہے کہ جناب فاروق ان پر یہ عہدے پیش کر کے امتحان لیں اور ان کا غالب گمان یہ ہو کہ اگر ان عہدوں سے عدول و اعراض کریں اور ان کے قبول کرنے سے انکار کریں تو ان کو مخالف سمجھا جائے گا اور ان کے حق میں بغض و عداوت کا اعتقاد پیدا ہو جائے گا اور خلیفۃ المسلمین کی طرف سے مکروہ اور ناپسندیدہ ردعمل اور انتقامی کارروائی سے بے فکر نہ ہوں اور یہ ایسی حالت ہے جو ایسے عہدے قبول کرنے پر مجبور کرتی

Marfat.com

ہے اور ایسے ہی حضرت عمار کے کوفہ میں نائب بننے اور حضرت مقداد کے قوم کی طرف سے جنگوں میں شامل ہو کر دشمنان اسلام کے خلاف کارروائی کرنے کا جواب دیا جائے گا اب ظاہر ہے کہ ان حضرات کا یہ اقدام حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد اور صلاح و مشورہ کے بغیر ممکن نہیں جس سے خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تعامل اور تعاون و توافق ان حضرات کے ساتھ واضح ہو گیا۔ اس عبارت نے چند حقائق واضح کر دئے اول یہ ہے کہ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خلفاء راشدین کے زمانہ خلافت میں حتی المقدور ان کی اطاعت فرمانبرداری میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا اور کوئی ایسا فعل اور عمل ظاہر نہیں ہونے دیا جس سے مخالفت معلوم ہو سکے اور کوئی ایسا کلام نہیں فرمایا جس سے ان کا آپس میں اختلاف معلوم ہو سکے دوسرا یہ کہ ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کو ان حالات میں واجب یقین کرتے تھے۔ ملاحظہ ہو کتاب الشافی مع التلخیص مطبوعہ ایران ص ۲۹۸ جس پر مرقوم ہے کہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے ایک مخلص جاں نثار صحابی حضرت بریدہ کو حکم دیتے ہیں کہ تم ابو بکر صدیق کے ساتھ بیعت کرو: جاء بریدۃ حتی رکز رأیتہ فی وسط اسلم ثم قال لا ابایع حتی یبایع علی بن ابی طالب فقال علیؑ یا بریدۃ ادخل فیما دخل فیہ الناس فان اجتماعھم احب الی من اختلافھم الیوم۔ حضرت بریدہ آئے اور اپنے قبیلہ اسلم کے وسط میں اپنا جھنڈا گاڑ دیا پھر کہا میں اس وقت تک بیعت نہیں کروں گا جب تک علی بن ابی طالب بیعت نہ کریں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے جاں نثار خادم کو حکم دیا کہ تم بیعت کرنے والے زمرہ میں شامل ہو جاؤ کیونکہ اجتماع بہ نسبت اختلاف کے مجھے بہت پسند ہے۔ اور اس روایت سے ذرا آگے دوسری روایت میں یہ تصریح موجود ہے (ص ۲۹۸) کہ حضرت بریدہ کا قبیلہ بیعت صدیق سے انکاری تھا مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بریدہ کو بیعت کا حکم دے کر پورے قبیلہ کو حضرت ابو بکر کا حلقہ بگوش بنا دیا اور انہیں اختلاف و افتراق سے باز رکھا: عن موسی بن عبد اللہ بن الحسن قال ابت اسلم ان تبایع فقالوا ما کنا نبایع حتی یبایع بریدۃ لقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لبریدۃ علی ولیکم من بعدی کہ قبیلہ اسلم نے

Marfat.com

ابوبکر صدیق کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا اور کہا جب تک بریدہ بیعت نہیں کریں گے
ہم بھی بیعت نہیں کریں گے کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بریدہ کو فرمایا تھا علی میرے
بعد تمہارے ولی ہیں۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ صرف ایک حضرت بریدہ کا معاملہ
نہیں بلکہ قبیلہ کا معاملہ ہے اور وہ حضرت بریدہ کو اپنا قائد بنا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی
طرف سے جہاد اور حرب و قتال کے لیے تیار ہیں لیکن آپ نے بیعت کا حکم دے کر نہ
صرف حضرت بریدہ بلکہ تمام قبیلہ کو حضرت ابوبکر کے تابع فرمان بنا دیا۔
اب اس تصریح کے ساتھ ذرا اجبر و اکراہ والی روایت کو ملا کر پڑھو اور اس کے بعد
اور نہیں تو شیعہ مذہب کا ماتم ہی کر لو۔

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

تنبیہ اول : زحمت نہ ہو تو ذرا احتجاج طبرسی کے حوالے سے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ
کے تقیہ اور مجبوری و بے بسی کے بہانے کا تار و پود ادھڑتا دیکھتے چلئے اور محققین شیعہ
اور ان کے ائمہ اسلام اور مؤلفین صحاح کا مکر و فریب اور ان کی دھوکہ بازی کا مشاہدہ
کرتے چلئے، احتجاج طبرسی مطبوعہ مشہد کے ص ۱۳۰ پر حضرت امیر عمر رضی اللہ عنہ کے تادیبی
خط کا جواب دیتے ہوئے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے لکھا:

واعلم انی لم اتوجه اسوسهم واقیم حدود الله فیهم الا
بارشاد دلیل عالم فنهجت بنهجه فیهم وسرت فیهم بسیرته
(الی) واعلم انك سید رکك عواقب ظلمك فی دنیاك وآخرتك
وسوف تسأل عما قدمت وعما اخرت والحمد لله۔

اس بات کا اچھی طرح یقین کر لیجئے کہ میں اہل مدائن کی سیاست و نگرانی
اور ان میں اقامت حدود اللہ کی طرف جو متوجہ ہوا ہوں (تو آپ کی خاطر
نہیں بلکہ) صرف اس ہستی کی وجہ سے اور ان کے حکم کے تحت جو دلیل
صحیح اور عالم ہیں اور میں ان میں انہیں کے طرز پر چلا ہوں اور انہیں کی
سیرت کے مطابق اور اس کا بھی یقین رکھیئے کہ عنقریب تمہیں اپنے ظلم

Marfat.com

کا نتیجہ اور انجام اپنی دینوی زندگی میں اور آخرت میں پہنچ جائے گا اور ضرور بالضرور تم سے پہلے اور پچھلے کئے ہوئے امور کے متعلق سوال ہو جائے گا۔

اس جواب کو پڑھ کر کوئی بھی صاحب عقل یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت سلمان نے اپنے متعلق یا اپنے ہادی و رہنما اور دلیل و حجت کے متعلق کوئی پردہ اور خفا کی صورت چھوڑی ہے؟ کیا اس کو تقیہ کہا جاتا ہے کہ نائب ہو کر اپنے اصلی حاکم کو للکارے اور اس کو ظالم کہے اور عذاب دنیا و آخرت سے ڈرائے اگر طوسی صاحب سچے ہیں تو طبرسی صاحب جھوٹے ہیں اور طبرسی صاحب سچے ہیں تو طوسی صاحب نے جھوٹ بولنے کا ریکارڈ توڑ دیا ہے۔ محمد اشرف سیالوی غفرلہ

لیکن آیئے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا جو عمل محمد بن یعقوب کلینی نے بیان کیا ہے وہ بھی ملاحظہ کرتے چلیں تاکہ مرید و مرشد کے طرز عمل میں واضح تفاوت سامنے آسکے اور ان کے نہج اور سیرت پر چلنے کے دعویٰ کی حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے اور اس جگہ بھی تضاد آشکار ہو جائے (کتاب الروضہ ص ۱۲۹)

عن ابی جعفر علیہ السلام قال ان الناس لما صنعوا اذ بایعوا ابابکر لم یمنع امیر المؤمنین علیہ السلام ان یدعوا الی نفسہ الانظرا للناس وتخوفا علیھم ان یرتدوا عن الاسلام فیعبدوا الاوثان ولایشھدوا ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ وکان الاحب الیہ ان یقرھم علی ما صنعوا من ان یرتدوا عن جمیع الاسلام وانما ھلك الذین رکبوا فامامن لم یصنع ذلك ودخل فیما دخل فیہ الناس علی غیر علم ولا عداوۃ لامیر المؤمنین علیہ السلام فان ذلك لایکفرہ ولا یخرجہ من الاسلام فلذلك کتم علی علیہ السلام امرہ وبایع مکرھا حیث لم یجد اعوانا۔

حضرت امام جعفر صادق کے والد گرامی رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب کرتے ہوئے روایت کرتے ہیں کہ لوگوں نے جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

Marfat.com

کے ساتھ بیعت کرنی شروع کر لی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھ بیعت کرنے کے لیے لوگوں کو اس خوف سے نہ بلایا کہ لوگ پورے اسلام سے ہی مرتد نہ ہو جائیں اور بت پرستی نہ شروع کر دیں اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت دینا ترک ہی نہ کر دیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لوگوں کے مرید ہو جانے سے زیادہ پسند یہ بات تھی کہ لوگوں کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیعت پر برقرار رکھیں کیونکہ صدیق اکبر کی بیعت نہ تو لوگوں کو کافر بناتی تھی اور نہ ہی اسلام سے خارج کرتی تھی اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے امر کو چھپایا اور مجبور ہو کر بیعت کی جب کہ اپنا کوئی مددگار نہ بنایا۔

اہل عقل و ہوش تھوڑا سا غور اس بات پر بھی فرمالیں کہ جس بات کو شیر خدا جیسی عقلمند ہستی نے اور فہیم ترین شخصیت نے اس طرح چھپایا کہ اس زمانہ کے عقلمند اور مسلم ترین سیاستدان نہ سمجھ سکے اور شیر خدا رضی اللہ عنہ کو اپنے ہر معاملہ میں مشیر بنائے رکھا تو سینکڑوں برس کے بعد دور دراز ملک کے رہنے والوں نے شیر خدا رضی اللہ عنہ کی وہ قلبی کیفیت کیسے معلوم کر لی جو امام حسین رضی اللہ عنہ جیسے قریب ترین رشتہ دار کو اور لخت جگر کو معلوم نہ ہو سکی اور قریب ترین علم رکھنے والی ہستی کو معلوم نہ ہو سکی۔ پھر آپ نے تو اپنے امر کو پوشیدہ رکھا تو ان خواص اور نیازمندوں کو آپ کے طریقہ کے برعکس اس کے اظہار کا اور تحریری ثبوت مخالفت کا فراہم کرنے کی جرات کیونکر ہوئی لہٰذا یا تو صاحب احتجاج نے حضرت سلمان پر جھوٹ باندھا اور یا پھر کلینی صاحب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بہتان باندھا ہے۔

شیعوں کی کتاب کافی میں کئی جگہ شیر خدا رضی اللہ عنہ کا خلفاء راشدین کے ساتھ بیعت کرنے کا ذکر ہے اور اسی طرح کتاب الشافی مع التلخیص ص ۲۹۸ اور ص ۲۹۹ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیعت کو ثابت

Marfat.com

کیا ہے بلکہ اس کے تواتر معنوی کا دعویٰ کیا ہے علیٰ ہذا القیاس اسی کتاب کے ص ۲۵۴ وص ۲۹۷ وص ۳۹۹ وص ۴۰۰ وص ۴۰۷ وغیرہ ملاحظہ کریں، البتہ ان صفحات میں بعض روایات میں یہ تصریح ہے کہ شیر خدا رضی اللہ عنہ نے رضامندی اور خوشی کے ساتھ بیعت کی تاکہ لوگوں میں اتفاق قائم رہے اور بعض روایتوں میں یہ ہے کہ اس اندیشہ کے تحت بیعت کی کہ لوگ مرتد نہ ہو جائیں اور یہ بھی تصریح ہے کہ لوگوں کو بھی آپ کی بیعت کرنے کا حکم دیا کہ وہ بھی خلیفہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کریں اور بعض روایات میں ہے کہ شیر خدا رضی اللہ عنہ نے ڈر کر بیعت فرمائی اور اصل مقصد کو ظاہر نہ ہونے دیا۔

بہر حال بیعت کا ثبوت اخبار متواترہ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ بیعت کے متعلق ٹوٹل بعد کے ہیں۔ اور بعض روایات کافی میں تصریح ہے کہ آپ۔ نے مجبور ہو کر بیعت کی اور معاذ اللہ العظیم گلے میں رسی ڈلوا کر کشاں کشاں دعوۃ الطاعت کے لیے بیعت کرنے کی خاطر شیر خدا تشریف لے گئے اور شیر خدا نے تقیہ کیا ہوا تھا یعنی ظاہر میں ان کے ساتھ تھے اور اندرونی طور پر بیعت نہیں کرنا چاہتے۔ تھے۔

اہل تشیع کے فضلاء سے کوئی پوچھے کہ ظاہر اطرفداری اور جبر و اکراہ کی باہمی آمیزش وامتزاج اور ان کا باہمی ربط و تعلق تو سمجھاؤ، کہیں آپ اجتماع نقیضین کی مثال تو نہیں دے رہے یا قضیہ مانعۃ الجمع کو محقق الوجود تو نہیں بتا رہے ہو؟ اس جبر و اکراہ اور تقیہ کا باہمی امتزاج اور آمیزش کی شان دیکھنی ہو تو ناسخ التواریخ جلد ص ۶۲ وص ۹۴ اور کتاب حملہ حیدری مصنفہ علامہ باذل مطالعہ کریں۔ لیکن کافی وشافی اور ناسخ وغیرہ کتب کے مصنفین کے تخمینوں کے مقابل ذرا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اپنے بیانات اور حلفی اعلانات کو بھی پڑھیے کہ وہ شیر خدا اور اسد اللہ الغالب بے یار و مددگار ہو کر اور گلے میں رسی ڈلوا کر اور تلواروں کی چمک سے ڈر کر بیعت کرنے والے تھے یا نہ!

خوف اور تقیہ کے دعاوی کا بطلان خود

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اعلان سے

(۱) ــــــــ انی واللہ لو لقیتھم واحدا و ھم طلاع الارض کلھا ما بالیت ولا استوحشت الخ یعنی بخدا اگر میں اکیلا ان کے مقابل آجاؤں اور تمام روئے زمین کے لوگ میرے مقابلہ میں ہوں تو اللہ تعالیٰ کی قسم نہ میرے دل میں کوئی کھٹکا محسوس ہوگا اور نہ ہی مجھے کسی قسم کا خوف و ہراس ہوگا (نہج البلاغہ مطبوعہ ایران خطبہ نمبر ۲۹۸)

آمنا و صدقنا! واقعی شان حیدری کا یہی تقاضا ہے اور ذرا یہ ارشادات بھی ملاحظہ کرتے چلیں۔

(۲) ــــــــ واللہ لو تظاھرت العرب علی قتالی لما ولیت عنھا ولو امکنت الفرص من رقابھا لسارعت الیھا (نہج البلاغہ مصری جلد ثانی ص ۹۶) بخدا اگر تمام عرب میرے ساتھ حرب و قتال پر متفق ہو جائیں تو میں ان سے پیٹھ نہیں پھیروں گا اور جونہی ان کی گردنیں اڑانے کی فرصت ملی تو فوراً ان کو قتل کر دوں گا

(۳) ــــــــ موتات الدنیا اھون علی من موتات الآخرۃ فکانت معالجۃ القتال اھون علی من معالجۃ العقاب دنیا کی موتیں آخرت کی موتوں سے مجھ پر آسان ہیں اور حرب و قتال کا برداشت کرنا میرے لیے عذاب آخرت کے برداشت کرنے سے آسان ہے۔

(۴) ــــــــ فواللہ ما ابالی ادخلت الی الموت او دخل الموت علی، بخدا مجھے اس کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں ہے کہ میں موت کی طرف بڑھ رہا ہوں یا موت میری طرف بڑھ رہی ہے (ص ۱۲۲ جلد نمبر ۱)

(۵) ــــــــ واللہ لعلی بن ابی طالب آنس بالموت من الطفل بثدی امہ، بخدا علی بن ابی طالب موت کے ساتھ اس سے بھی زیادہ

Marfat.com

مانوس ہے جس قدر شیر خوار بچہ اپنی ماں کی چھاتی کے ساتھ (ص ۴۷)

(۶) ـــــ المنیة ولا الدنیة والتقلل ولا التذلل۔ (نہج البلاغہ ص ۴۸)
موت برداشت ہو سکتی ہے مگر ذلت برداشت نہیں ہو سکتی اور قلت و فقر برداشت ہو سکتا ہے مگر حقارت و ذلت برداشت نہیں ہو سکتی۔ کیا ان ارشادات اور حلفیہ بیانات کے بعد کسی مؤمن اور قدر مرتضوی کے جاننے والے کے لیے ان توہمات اور ظنون فاسدہ کی کوئی گنجائش ہو سکتی ہے۔
اور اس کے ساتھ ہی یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ جناب ابوسفیان ایک لشکر جرار کے ساتھ امداد پر آمادہ رہیں اور ایک اشارہ مرتضوی پر تمام علاقہ کو پیدلوں اور سواروں کے ساتھ پر کر دینے پر تلے ہوئے ہیں (جس کا حوالہ گزر چکا ہے یعنی کتاب الشافی سے) اور مزید احتجاج طبرسی کا حوالہ بھی مطالعہ کرتے چلیں۔
وجاء ابو سفیان بن حرب وقال یا ابا الحسن لو شئت لاملانها خیلا ورجالا یعنی المدینة (صفحہ ۲۰۸) اور ابوسفیان بن حرب نے عرض کیا اے ابوالحسن اگر چاہو تو میں مدینہ کو سواروں اور پیادوں سے بھر دوں تو فرمایئے اب بے یار و مددگار ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذاتی قوت و طاقت

علاوہ ازیں آپ کو یاروں اور مددگاروں کی ضرورت ہی کیا ہے؟ جب کہ شیر خدا رضی اللہ عنہ فقط بائیں ہاتھ سے ستر ہزار دشمن کے سر نوچ سکتے ہیں، تلوار اٹھانے کی بھی ضرورت پیش نہیں آتی ملاحظہ ہو کتاب علل الشرائع جلد ثانی ص ۱۶۲ انه قادر علی ان یقتل خمسین الفا بشماله دون یمینه، اور لطف یہ ہے کہ اس روایت کے راوی بمع دیگر گیارہ خصائص کی روایت کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بتائے گئے ہیں کہ انہوں نے اپنی خلافت کے پہلے دن منبر پر جلوہ فرما ہوتے ہی یہ خصائص بیان۔

Marfat.com

فرمانے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود تھے آپ نے سن کر فرمایا "اعترفت بالحق قبل ان یشہد علیک" تم نے خود ہی حق کا اعتراف کر لیا قبل اس کے کہ تم پر شہادت قائم کی جاتی۔

گویا ایسی روایت ہوئی کہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اس کے قائل اور حضرت عمر بن الخطاب بھی اس کے قائل و معترف اور تمام صحابہ و حاضرین کو بھی اس کا قائل اور معترف بنانے کے لیے بر سر منبر اس کا اعلان کیا جا رہا ہے اور کوئی اس کا انکار کرنے والا بھی نہیں ہے اور پھر رعب و دبدبہ اور جاہ و جلال یہ ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ دور سے دیکھ کر لرزہ براندام ہو جاتے ہیں ملاحظہ ہو کتاب الخرائج والجرائح لراوندی ص ۲۱۲

روی سلمان ان علیا بلغه عن عمر عن ذکر شیعته فاستقبله (الی) ثم رمی علی بالقوس علی الارض فاذا هی ثعبان کالبعیر فاغرا فاه وقد اقبل نحو عمر لیبتلعه فصاح عمر الله الله یا ابا الحسن لاعدت بعدها فی شیئ وجعل یتضرع الیه (الی) ثم قال رعب الثعبان فی قلبه الی ان یموت۔

حضرت سلمان فارسی روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو عمر بن الخطاب کے متعلق اطلاع ملی کہ انہوں نے آپ کے شیعہ کا ذکر برائی کے ساتھ کیا ہے تو آپ ان کو مدینہ شریف کے ایک باغ میں مل گئے اور اس واقعہ کے متعلق سرزنش کی جب عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) نے جواب میں درشتی کی تو آپ نے اپنے ہاتھ میں موجود قوس کو زمین پر پھینکا تو وہ اونٹ کے برابر اژدھا کی صورت میں ڈھل گئی اور اپنا پھن کھولے عمر بن الخطاب کی طرف متوجہ ہوئی تاکہ ان کو نگل جائے تو عمر چلائے اور عرض کیا اے ابوالحسن خدا سے ڈرو خدا سے ڈرو میں اس کے بعد آپ کے شیعہ کی گستاخی بالکل نہیں کروں گا اور منت و زاری شروع کی تو آپ نے اس کی پشت پر ہاتھ رکھا تو سابقہ حالت میں ہو گیا یعنی کمان بن گیا۔ پھر آپ کو معلوم ہوا کہ علاقہ مشرق سے مال عمر بن الخطاب کے پاس پہنچا ہے اور وہ اس کو تقسیم کرنے

Marfat.com

کا ارادہ نہیں رکھتے تو سلمان فارسی کو بھیجا اور دھمکی دی کہ یہ مال فوری طور پر تقسیم کر دو ورنہ میں تمہیں رسوا کر دوں گا، القصہ وہ پیغام سن کر لرزہ براندام ہوئے اور تعمیل کا عہد کیا جب سلمان فارسی نے واپس آ کر ان کا ردعمل بیان کیا تو آپ نے فرمایا میرے سانپ کا رعب تادم زیست اس کے دل سے نہیں جائے گا۔

فائدہ: سبحان اللہ! شیعہ کی گستاخی پر تو اس قدر کرامات اور معجزوں کا ظہور ہو اور گستاخی کے مرتکب کو ایسا مرعوب کیا جائے کہ موت سے قبل اس کے دل سے خوف دور ہی نہ ہو سکے اور حضرت زہراء کی بے حرمتی ہو پسلیاں ٹوٹیں اور حمل ساقط ہو۔ خلافت چلی جائے۔ قرآن بدل جائے۔ گلے میں رسی ڈال کر لوگ گھسیٹتے پھریں تو کوئی معجزہ اور کرامت ظاہر نہ ہو سکے تو معلوم ہوا کہ آپ کے نزدیک صرف شیعہ کی عزت کا تحفظ ضروری تھا۔ دوسرے کسی بھی شخص اور کسی بھی اہم اسلامی حکم کی کوئی قدر و قیمت اور اہمیت نہیں تھی۔ سبحانک ھذا بھتان عظیم (ابوالحسنات محمد اشرف سیالوی غفرلہ)

الغرض امیرالمؤمنین عمر بن الخطاب کے زمانہ خلافت میں جب کہ قیصر و کسریٰ اور دنیائے کفر ان کے نام سے لرز رہی تھی وہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے لرزہ براندام تھے تو خدا کے واسطے سوچو کہ ایسے شیر خدا رضی اللہ عنہ کو کس کا ڈر تھا۔

اہل تشیع کی ان معتبر کتابوں کی ڈرنے والی روایات کو اگر سچا مان لیا جائے تو یہ سمجھ میں آ سکتا ہے کہ شیر خدا رضی اللہ عنہ خلفاء سابقین کی مخالفت کرنے میں خدا تعالیٰ سے ڈرتے تھے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد و پیمان کی خلاف ورزی سے ڈرتے تھے جس کے حوالے ناسخ التواریخ اور نہج البلاغہ وغیرہ کتب شیعہ سے پیش کیے جا چکے ہیں، اس کے علاوہ اسد اللہ الغالب کے دل مقدس میں اور اس امام الائمہ کے قلب اطہر میں غیر خدا کا خوف قطعاً نہیں آ سکتا، علی الخصوص جب کہ ان کو اپنے وقت وصال کا بھی پتہ ہو اور اس کی کیفیت کا بھی علم ہو اور پھر موت و حیات کا معاملہ بھی اپنے اختیار میں ہو جیسے کہ اصول کافی میں مستقل ابواب قائم کر کے ان عقائد کو بیان کیا گیا ہے تو پھر ڈر کا مطلب کیا ہو سکتا ہے؟

Marfat.com

انوکھا استدلال : ایک دفعہ شیعہ کے ایک علامہ صاحب نے شیر خدا کے ڈر جانے کی میرے سامنے دلیل یہ پیش کی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو دشمنوں سے ڈر گئے تھے اور ہجرت فرما ہو گئے تھے۔ میں نے عرض کیا اگر ڈر کی وجہ سے ہجرت فرمائی تھی تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ کی ایسی دشمنی بھی ثابت کریں (معاذ اللہ) کہ جس کی وجہ سے اپنے بستر پر ان کو سونے کا حکم دیا ہے۔ میاں اس وقت جہاد فرض ہوا نہیں تھا اور سکون و اطمینان کے ساتھ عبادت الٰہی میں مشغول ہونے کا یہی ایک ذریعہ تھا یا ہجرت کا فلسفہ خدا جانے یا ہجرت کرنے والے جانیں، بہر حال اگر ڈر ہوتا تو اپنے چچا زاد بھائی کو اپنے ساتھ رکھتے جیسے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لے چلے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تابع حکم الٰہی تھے جیسے کہ تفسیر امام حسن عسکری کی حدیث سے واضح ہے سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ شیر خدا قسم اٹھا کر فرماتے ہیں کہ میں نہیں ڈر سکتا اور یہ کہ بچہ اپنی ماں کے دودھ کو جس طرح پسند کرتا ہے میں موت کو اس سے بھی زیادہ پسند کرتا ہوں۔ پھر وہ شیری، وہ دلیری وہ کرامات اور وہ بے پناہ لشکر اور اس کے باوجود شیر خدا ان سے ڈرتے تھے تو پھر اس مقدس ہستی کو قوت پروردگار اور ہیبت الٰہی کہنے سے کیا حاصل ہے! اے برادرانِ وطن کچھ خدا سے بھی ڈرو اور اس قسم کے بے سروپا ٹوٹل اور تخمینے شیر خدا کے حلفیہ بیانات کے بالمقابل صحیح نہ سمجھو!

سب سے بڑی بات تو شان حیدری کا لحاظ رکھنا ہے کہ وہ شیر خدا کسی خوف یا ڈر کی بناء پر بیعت کرنے والے تھے یا نہ! دوسرا امام حسینؑ کا اسی بیعت کے سوال میں سر دے دینا اور بیعت کے لیے ہاتھ نہ دینا نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور ان باپ بیٹے کے نظریات میں خلاف و تضاد تصور نہیں کیا جا سکتا۔ تیسرا شان حیدری کے برعکس اگر تقیۃ و مجبوراً بیعت کا انعقاد فرض بھی کر لیا جائے تو حسب ارشاد مرتضوی در نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۱ و ناسخ التواریخ جلد ۲ حصہ ۲ ص ۲۳ و ص ۴۸) پر جو آگے مذکور ہوگا۔ کہ زبیر یہ خیال کرتا ہے کہ اس نے صرف ہاتھ سے بیعت کی ہے اور دل سے

Marfat.com

نہیں کی تو بیعت کرنے کا اس نے یقیناً اقرار کیا اور بیعت کرنے والے زمرہ میں داخل ہو گیا۔ الخ

چوتھا حضرت زبیرؓ نے جو بیعت کی تھی، جس کو حضرت علیؓ صحیح قرار دیے رہے ہیں وہ بھی حسب تصریح ناسخ التواریخ جلد نمبر ۳ ص ۷، انتہائی جبر و اکراہ کی بناء پر تھی۔ دیکھو اصل عبارت ناسخ التواریخ :-

ازپس اواشتر روئے باز بیر کرد، فقال قم یا زبیر واللہ لاینازع احد الا ضربت قرطہ بھذا السیف گفت اے زبیر برخیز و بیعت کن، سوگند با خدائے ہیچکس از در منازعت بیرون نشود الا آنکہ سرش برگیرم پس زبیر برخواست و بیعت کرد الخ

یعنی حضرت علیؓ کے خادم خاص اشتر نے حضرت زبیر کی طرف منہ کر کے کہا اٹھ اور بیعت کر، خدا کی قسم جو شخص بھی بیعت کرنے سے انکار کرے گا تو میں اس کا سر قلم کر کے رکھ دوں گا۔ پس زبیر اٹھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کی۔ الخ

اب اس جبر و اکراہ کے ساتھ بھی بیعت صحیح بیعت کے حکم میں ہے تو حضرت علیؓ کا خلفائے راشدین کے ہاتھ پر بیعت کرنا اسی طرح صحیح بیعت ہی تسلیم کر لیا جائے تو کیا مضائقہ ہے۔

اہل بصیرت کے سامنے اس پر تبصرہ تحصیل حاصل ہوگا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے بیعت کرنے سے لوگ (معاذ اللہ) مرتد ہو جاتے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیعت سے اگر لوگوں کو ہٹایا جائے تو مرتد ہو جائیں گے تو پھر حسب روایات ناسخ التواریخ و حملہ حیدری وغیرہ چھ ماہ تک یا (بروایت) دو ماہ تک توقف کیوں فرمایا اور جب ارتداد جیسے فتنے کو روکنا تھا تو (نقل کفر کفر نباشد) ریسمان اندازی اور کشاکشی کی تہمت کیوں لگائی گئی؟ اور جب (حسب روایت ناسخ التواریخ و شافی وغیرہ) ابو سفیان اور ان کے ساتھی ایک بے پناہ لشکر لے کر امداد کے لیے حاضر ہوئے تو مجبوری کے کیا معنی اور بے یار و مددگار ہونے کا کیا مطلب۔

مسلمان بھائیو! شیر خدا کی شان ہی جب ان مدعیان تولّی کو معلوم نہیں تو اس

Marfat.com

قسم کی بے سروپا روایات نہ گھڑتے تو کیا کرتے۔ شاید امام عالی مقام شہید کربلا سے زیادہ شیر خدا بیعت کرنے پر مجبور تھے۔ (نعوذ باللہ ان نکون من الجاھلین) یا یہ کہ میدان کربلا میں خانوادۂ نبوت کی شہادت اور گلستان نبوت اور چمنستان رسالت کا (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) نذر خزاں ہونا مجاہد کربلا کی بیعت کر لینے سے رک نہیں جا سکتا تھا اور معاندین اور شہید کنندگان سید شباب اہل الجنۃ اور حضور کے سارے خاندان عالیشان کو شہید کرنے والوں نے مرتد اور اسلام سے خارج نہیں ہونا تھا۔ جن کو کفر اور ارتداد سے روکنا امام عالی مقام شہید کربلا کا اولین فریضہ تھا اور حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی سنت اقدس پر عمل کرنا اپنی جگہ پر ضروری تھا اور ہم خرما اور ہم ثواب کی عدنا ایک مصلحت موجود تھی۔

مذہب شیعہ

حضرت شیخین رضی اللہ عنہما کی مدح وثنا از امیر المومنین علی المرتضے رضی اللہ عنہ

ناسخ التواریخ جلد سوم از کتاب دوم ص ۲۱ ۵ پر دستور دکا یہ خطبہ منقول ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت وحمد کے بعد شیخین رضی اللہ عنہما کی عظمت وبرتری کے ساتھ خطبہ دیا اور وہ خوارج کا رئیس اور قائد تھا لیکن یہ اس کے ذاتی رائے قرار نہیں دی جا سکتی کیونکہ انہیں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اگر اختلاف پیدا ہوا تو صرف تحکیم کے موقع پر اور اس کی وجہ سے ورنہ وہ آپ کی تعظیم وتکریم کرتے تھے اور آپ کے ہی تلامذہ اور مسترشدین تھے اور آپ کی خاطر ام المؤمنین کے ساتھ جنگ کرنے سے گریز کیا اور نہ بدری صحابہ اور حواری رسول حضرت زبیر اور سپر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت طلحہ کے ساتھ جنگ کرنے میں تذبذب کا مظاہرہ کیا اور نہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سالے اور حضرت فاروق اعظم اور

Marfat.com

حضرت عثمان رضی اللہ عنہا کے نائب اور عامل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کرنے میں کسی شک و وہم کا شکار ہوئے الغرض جو کچھ کہا وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہی عقیدہ اور ان کی تعلیم و تربیت کا ماحصل بیان کیا، اسی لیے محقق طوسی نے تلخیص الشافی ص ۴۳۳ پر کہا، والمعروف من مذهبهم تعظيم امير المؤمنين عليه السلام وتفضيله والقول فيه باحسن الاقوال قبل التحكيم الخ کہ ان کا معروف و مشہور مذہب امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کی تعظیم و تکریم ہے اور آپ کی افضلیت کا اعتراف اور ان کے حق میں احسن ترین قول و کلام کرنا قبل از تحکیم۔ اور آخر میں ہم خود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے وہی مضمون اور تقریباً وہی الفاظ بھی پیش کریں گے، الغرض اس نے خطبہ دیتے ہوئے کہا:

نحمد الله واثنى عليه وصلى على محمد صلى الله عليه وسلم ثم قال اتانا بالعدل معلنا مقالته مبلغا عن ربه ناصحا الامة حتى قبضه الله تعالى مخيرا مختارا ثم قام الصديق فصدق عن نبيه وقاتل من ارتد عن دين ربه وذكر ان الله قرن الصلوٰة والزكوٰة فرأى تعطيل احداهما طعنا على الاخرى لابل على جميع منازل الدين ثم قبضه الله اليه موفورا ثم بعده الفاروق ففرق بين الحق والباطل سويا بين الناس لا مؤثرا لاقاربه ولا محكما في دين ربه"

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام پر درود شریف کے بعد کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف تشریف لائے عدل و انصاف کے ساتھ ایسی حالت میں کہ اپنی شریعت کا اعلان فرمانے والے تھے اور اپنے پروردگار کی طرف سے تبلیغ رسالت و احکام شرع بیان فرمانے والے تھے اور امت کے لیے مخلص اور ہمدرد و غمخوار حتی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی حالت میں وصال بخشا کہ آپ اس میں مختار اور با اختیار تھے پھر آپ کے بعد ابو بکر صدیق خلیفہ

Marfat.com

بیٹے اور امور امت و ملت کے ساتھ قیام فرما ہوئے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور اللہ تعالیٰ کے دین سے جو لوگ مرتد ہو گئے تھے ان کے خلاف جہاد کیا اور یہ اعلان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نماز اور زکوٰۃ کو اکٹھا بیان کیا ہے لہٰذا ان کا عقیدہ یہ تھا کہ ان میں سے ایک کا انکار دوسرے کا بھی انکار ہے۔ نہیں نہیں ساری شریعت کا انکار ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو مکمل طور پر اپنے جوار رحمت میں جگہ دی اور وافر اجر و ثواب کے ساتھ اپنے پاس بلایا۔ پھر ان کے بعد فاروق (اعظم رضی اللہ عنہ) خلیفہ ہوئے تو آپ نے حق و باطل کو الگ الگ کیا۔ لوگوں میں ایسی مساوات قائم فرمائی کہ اپنے اقرباء کو بھی کوئی ترجیح نہ دی اور نہ اللہ تعالیٰ کے دین میں اپنی طرف سے کسی قسم کا دخل دیا۔

آیئے اب یہی مضمون حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زبانی سماعت فرماتے چلیں

وذکرت ان اجتبی له من المسلمین اعوانا ایدهم به فکانوا فی منازلهم عنده علی قدر فضائلهم فی الاسلام وکان افضلهم فی الاسلام کما زعمت وانصحهم لله ولرسوله الخلیفة الصدیق وخلیفة الخلیفة الفاروق ولعمری ان مکانهما فی الاسلام لعظیم وان المصاب بهما لجرح فی الاسلام شدید یرحمهما الله وجزاهما باحسن ما عملا (الی) وما انت والصدیق فالصدیق من صدق بحقنا وابطل باطل عدونا وما انت والفاروق فالفاروق من فرق بیننا و بین اعدائنا (شرح ابن میثم بحرانی جلد رابع ص ۳۶۲)

یعنی اے معاویہ تم بیان کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول علیہ السلام کے لیے معاون و مددگار مسلمانوں سے منتخب فرمائے جن کو آپ کے ساتھ تائید و تقویت بخشی تو وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنے

Marfat.com

مرتبوں میں وہی قدر و منزلت رکھتے ہیں جس قدر کہ اسلام میں ان کے فضائل ہیں۔ واقعی تمام صحابہ سے اسلام میں افضل جیسے کہ تیرا زعم اور دعویٰ ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سب سے زیادہ غمخوار اور ہمدرد خلیفہ صدیق تھے اور ان کے خلیفہ فاروق اور مجھے اپنی زندگانی کی قسم ان دونوں کا مرتبہ و مقام اسلام میں البتہ عظیم ہے اور ان کی وفات اسلام کے لیے گہرا زخم ہے اللہ تعالیٰ ان دونوں پر رحم فرمائے اور ان کو ان کے اچھے اعمال کی جزا عطا فرمائے لیکن تجھے صدیق سے کیا واسطہ صدیق تو وہ شخص ہے کہ اس نے ہمارے حق کی تصدیق کی اور ہمارے اعداء کے باطل اور ناحق کو باطل ٹھہرایا اور فاروق سے تجھے کیا واسطہ فاروق تو وہ مقدس ہستی ہے کہ اس نے ہمارے اور ہمارے دشمنوں کے درمیان تفریق کی۔

یہ وہ کلمات قدسی سمات ہیں جو اہل تشیع کے علامہ ابن میثم نے شرح نہج البلاغہ میں سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کئے ہیں جو آپ نے اپنے ایک طویل خط میں رقم فرمائے جو بصورت جواب امیر معاویہؓ کی طرف ارسال فرمایا اور جس کو جامع نہج البلاغہ نے بمقتضائے صداقت و دیانت قطع و برید کر کے اور تحریف و تبدیل کر کے نقل کیا، لیکن ابن میثم بحرانی نے اس کو نقل مطابق اصل تمامہ درج کیا اور اس میں جامع نہج البلاغہ (رضی) کی قطع و برید اور تقدیم و تاخیر کو واضح کیا جس نے قول باری تعالیٰ۔ "افتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض" کے مطابق بعض کلمات مرتضویہ پر ایمان اور بعض کے ساتھ کفر و انکار اور جحود و استکبار کی یاد تازہ کر دی۔

الغرض حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ اپنے خطبات میں حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی ان کلمات طیبات کے ساتھ تعریف فرما دیں اور ان کے لشکری اور ان سے تعلیم پانے والے ان کی اس طرح تعظیم و تکریم کریں

Marfat.com

اور محبت و تولی کے مدعیان ان کو ظالم اور غاصب کہیں بتاؤ کس کو سچا جانتے ہو۔
اور کون جھوٹا ہے؟ حضرت مولا علی تو راستبازوں کے امام ہیں لہٰذا صرف اور صرف
وہی لوگ جھوٹے ہیں جو ان کے کلام فیض ترجمان کو جھٹلاتے ہیں۔

علامہ ڈھکو کی بے بسی

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ان کلمات قدسیہ اور شیخین رضی اللہ عنہما کی۔
اس مدح و ثنا کا علامہ ڈھکو صاحب نے قطعاً کوئی جواب نہیں دیا اور بالکل ڈکار
تک بھی نہیں لیا جس سے صاف ظاہر ہے کہ اس نے عملی طور پر اپنے عجز اور بے بسی
کا اعتراف کر لیا ہے۔ نہ خط کے ان مندرجات کو جھٹلا سکا ہے اور نہ ہی جواب میں
خامہ فرسائی کی ہمت ہوئی ہے اس کو کہتے ہیں۔

جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے!

Marfat.com

فائدہ عظیم:

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ جہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خطبات میں یا خطوط میں۔ اصحاب ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے متعلق تعریفی کلمات موجود ہوتے ہیں وہاں شریف رضی جیسے جامع نہج البلاغہ کس طرح تحریف اور قطع و برید سے کام لیتے ہیں اور حضرت سیدنا المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی مرضی اور مراد کے برعکس آپ کا مضمون بنا دیتے ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ اصحاب ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے متعلق کتب شیعہ میں جو اعتراض و تنقید اور جرح و تنقیص اور تظلم و فریاد مروی و منقول ہے وہ سب ایجاد بندہ کے قبیل سے ہے۔ اگر یہ لوگ آپ کے بیان فرمودہ مدائح و محامد اور اوصاف و کمالات اور محاسن و فضائل کو بھی من و عن نقل کرنے کی کوشش کرتے تو ہم سوچ سکتے تھے کہ واقعی حضرت امیرالمومنین کی طرف سے چونکہ دونوں طرح کی اقوال مروی و منقول ہیں لہٰذا اس تخالف و تعارض کو دور کرنے کی کوشش کریں لیکن رواۃ شیعہ اور ان کے مصنفین ہر قیمت پر اور ہر چہ بادا باد ایمان و امانت اور دین و دیانت کا دامن چھوڑ سکتے ہیں مگر حتی المقدور فضائل اور محاسن صحابہ اور ان کے خداداد امتیازی اوصاف و کمالات کو قلم زد کرتے رہتے ہیں تو یہ اجماع اور تواتر ائمہ کی روایات کا نہیں اور نہ اہل بیت کے ارشادات پر مبنی ہے بلکہ ان کی طرف از روئے افتراء و بہتان منسوب کردہ روایات پر مبنی ہے اور ظاہر ہے اس کا نہ اعتبار اور نہ اس سے ہمیں غرض ہم نے ثقلین کا مذہب و مسلک اور ان کا طرز و طریق دیکھنا ہے اور اسی کے مطابق ایمان و عقیدہ رکھنا ہے نہ کہ ہر راوی اور واضع سے ایمان و عقیدہ حاصل کرنا ہے۔

عساکر تصویر مخالفت شیخین برداشت نہیں کرتے تھے

لمحہ فکریہ: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے دور اقتدار و

Marfat.com

اختیار اور زمانہ تصرف و تسلط میں تو ان کے خلاف علانیہ اس قسم کے خطبے دے نہیں سکتے تھے لہٰذا کوئی ایسی روایت اگر ملے گی تو مخصوص قسم کے لوگوں سے جو سینہ بسینہ اس قسم کی روایات کو چلانے کے درپے تھے، اگر علانیہ اور کھلم کھلا ان کے خلاف شکایت کر سکتے تھے اور اپنی مظلومیت کا اظہار کر سکتے تھے تو اپنے دور خلافت میں اور زمانہ امارت میں لیکن اس دور میں بھی عظیم اکثریت صرف ان لوگوں کی تھی جو اصحاب ثلاثہ اور بالخصوص شیخین رضی اللہ عنہما کے ایمان و اخلاص کے خلاف کوئی لفظ سننا گوارا نہیں کر سکتے تھے اور ان کے اطوار و اخلاق اور ان کے جاری کردہ احکام رسوم کے خلاف کوئی کلمہ سن ہی نہیں سکتے تھے جیسے کہ خود علامہ ڈھکو صاحب اور ان کے طبیب روحانی و جسمانی امیر دین صاحب نے اعتراف کیا ہے ملاحظہ ہو رسالہ تنزیہ الامامیہ ص۶۵، ۶۶، ۶۷، ۸ جس کا خلاصہ مضمون یہ ہے کہ آپ نے فرمایا: "اب اگر میں ان لوگوں کو ان حکام کے پیدا کردہ بدعات کے ترک کا حکم دوں اور تمام سنن نبویہ کو اصلی طرز پر جاری کرنے کا حکم دوں تو میرے لشکر کے سب لوگ مجھ سے جدا ہو جائیں گے اور میں اکیلا رہ جاؤں گا، میں نے لوگوں کو کہا کہ رمضان المبارک میں تراویح پڑھنا بدعت ہے لہٰذا اس کو چھوڑ دیں تو میرے لشکر کے لوگ جو میرے ساتھ ہو کر جنگ کر رہے تھے پکار اٹھے اے مسلمانو! دیکھو حضرت عمر کی سنت تبدیل کی جا رہی ہے۔ اس سے مجھے یہ خوف پیدا ہوا کہ یہ میرے لشکر میں اشتعال، در بغاوت پیدا کرتے ہیں الخ

لہٰذا مقام حیرت ہے کہ جب تراویح جن کے چھوٹنے سے بدنی راحت اور آرام و سکون میسر آسکتا تھا۔ ان کا چھوڑنا صرف اس لیے ناگوار گزرا کہ حضرت عمر کی جاری کردہ سنت کو تبدیل کرنا غلط ہے اور ناقابل معافی اقدام جہاں عقیدت و محبت کا یہ عالم ہو کہ زندہ اور صاحب زمان امام کا حکم مدتوں دنیا سے کوچ کر جانے والے امام کے خلاف ہو تو بغاوت پر آمادہ ہو جائیں اور ان کا ساتھ چھوڑنے پر تیار ہو جائیں تو اگر ان کے ایمان و اخلاص اور اخلاق و کردار پر اعتراض کیا جاتا اور

Marfat.com

ان کی ذاتوں کو نشانہ بنایا جاتا تو وہ لشکری کس طرح برداشت کر سکتے تھے لہٰذا یہ سراسر عقل و فہم اور دانش و فراست اور حقائق و واقعات کے خلاف ہے کہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ حضرات شیخین کے خلاف علانیہ اس طرح کے ردعمل کا اظہار کر سکیں اور پھر یار لوگوں کے مذہب تقیہ کے ایجاد کا آخر فائدہ ہی کیا ہو سکتا تھا اگر اس طرح حق گوئی سے کام لینا تھا اور دل کی بات ڈنکے کی چوٹ کہنی تھی!

لشکریوں کی دلجوئی اور شیخین کی تعریف

ہاں البتہ جو کچھ قرین قیاس ہے اور حالات جس کے متقاضی تھے وہ یہی ہے کہ آپ اپنے لشکریوں کی دلجوئی فرما دیں اور حضرات شیخین کے حق میں کلمات خیر کہیں تاکہ کسی قسم کی بدظنی ان لشکریوں کو نہ ہونے پائے اور یہی پہلو علم المرتضیٰ الشیعی نے کتاب الشافی میں اور طوسی نے تلخیص الشافی میں اختیار کیا ہے کہ جہاں یہ روایت ملتی ہے۔ "خیر ھٰذہ الأمۃ بعد نبیّھا ابوبکر و عمر" یعنی اس امت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل ابوبکر ہیں اور پھر عمر رضی اللہ عنہما تو اس کی وجہ یہی ہے کہ آپ کے لشکریوں کی عظیم اکثریت ان خلفاء کی امامت کی قائل تھی بلکہ ان میں وہ بھی موجود تھے جو ان کو ساری امت پر افضل مانتے تھے اور علی الخصوص۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو باور کرانا شروع کیا ہوا تھا کہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ حضرات شیخین کی امامت کے منکر ہیں اور ان کو ظالم و غاصب سمجھتے ہیں اور حضرت عثمان کے شہید کرنے میں حصہ دار ہیں اس لیے بھی آپ کو اس پروپیگنڈے کے مذموم اور زہریلے اثرات کا ازالہ کرنے کے لیے حضرات شیخین کی امامت اور افضلیت، عظمت اور رفعت کا اعتراف کرنا پڑتا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل سے اور قاتلوں سے بیزاری ظاہر کرنا پڑتی تھی ورنہ ان کی امامت بھی برحق ماننی پڑتی تھی، مضمون و مفہوم ملاحظہ فرما چکے" اب اصل

Marfat.com

عبارت بھی ملاحظہ فرمالیں تاکہ مزید اطمینان حاصل ہو جائے کتاب الشافی ص۱۷۶ و تلخیص الشافی ص۲۰/۴۔

ومعلوم أن جمهور اصحابه وجلهم كانوا ممن يعتقد امامة من تقدم عليه وفيهم من يفضلهم على جميع الأمة وقد قيل ان معاوية بث الرجال فى الشام يخبرون عنه بأنه يتبرأ من المتقدمين وأنه شرك فى دم عثمان لينفر الناس عنه ويصرف وجوه اكثر اصحابه عن نصرته فلا ينكر أن يكون قال ذلك اطفاءً لهذه النائرة ومراده بالقول ما تقدم مما لا يخالف الحق۔

البتہ ان دونوں شیعی اکابر کے نزدیک حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ "الحرب خدعة" کے مطابق اپنے لشکریوں کو اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس قسم کے خطبات اور خطوط سے دھوکہ دینا چاہتے تھے نہ کہ آپ کا حقیقی عقیدہ یہ تھا، بہرحال حقیقت حال تو حضرت امیر جانیں اور ان کا علیم وخبیر خدا جانے ہم نے یہ دکھلانا تھا کہ علانیہ جو کچھ فرمایا جاتا تھا وہ ان حضرات کی تعریف و توصیف، فضیلت و برتری اور مدارج ومراتب عالیہ کا بیان تو ہو سکتا تھا ان کی خلافت و امامت اور ان کے ایمان واخلاص کے خلاف ایک جملہ بھی نہیں بولا جا سکتا تھا، لہٰذا جو کچھ آپ سے ظاہر اور باہر میں تواتر کے ساتھ ثابت ہو سکتا ہے وہ صرف اور صرف جمہور اصحاب اور عظیم اکثریت کے عقیدہ کے مطابق ہی ہو سکتا ہے اور جو کچھ اس کے برعکس اور منافی ومعارض ہے وہ صدری روایات اور خاندانی نسخوں کے قبیل سے ہے اور تقیہ والی مرہم پٹی کے ضمن میں آتا ہے۔ لہٰذا اس کا قطعاً کوئی اعتبار نہیں ہو سکتا، علی الخصوص جبکہ ثقل اکبر واعظم کتاب اللہ اور خدا تعالیٰ کا آخری پیغام پکار کر ان کی عظمت اور رفعت مراتب کا اعلان کر رہا ہو، ہذا والحمد للہ۔

Marfat.com

تنزیہہ الامامیہ — از علامہ محمد حسین ڈھکو صاحب

فضائل صحابہ کرام اور بالخصوص فضائل خلفاء رضی اللہ عنہم میں وارد روایات واحادیث اور اقوال ائمہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا جواب دینے کے لیے علامہ ڈھکو صاحب نے اپنے طبیب خاص کے رسالہ اور طویل مقالہ کو نقل کرتے ہوئے یہ عنوان قائم کیا۔

"فصل اوّل بحق ثلاثہ، ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے حقیقی اعتقادات"

اور کہا کہ اب ہم ان احادیث کتب شیعہ کی فہرست مع حوالہ جات بطور نمونہ تحریر کرتے ہیں جن میں حضرات ثلاثہ (رضی اللہ عنہم) پر جناب امیر علیہ السلام اور دیگر ائمہ اہل بیت کی ناراضگی اور ان سے نفرت اور بطلان خلافت ثلاثہ اور ان کا جور وستم اور مخالفت شرع محمدی اور ان کی مذمت اور جناب علیؓ کے اپنے مذہب حق کی توضیح صریح الفاظ میں موجود ہے جن کے ساتھ مطابقت دیتے ہوئے مکتوبات وخطبات کے کلمات متنازعہ کے حقیقی معانی بہ آسانی سمجھ آسکتے ہیں ص۵۳۔

اس کے بعد خطبۃ الوسیلہ کو بحوالہ روضہ کافی اور تفسیر صافی نقل کیا ہے نہج البلاغہ سے مختلف فقرات جمع کیے ہیں اور بالخصوص خطبہ شقشقیہ کا حوالہ دیا اور چند ایک دوسرے حوالے بھی ذکر کیے ہیں جو ص۵۳ سے ص۵۹ تک مرقوم ہیں۔ جس کے بعد بطور تفریع کہا اس قدر متواتر اور صحیح اخبار کے خلاف اگر کوئی خبر واحد کہیں سے ملے تو اس کو شاذ مرجوح اور ساقط عن الاعتبار سمجھا جائے گا یا اس کا ایسا معنی مراد لیا جائے گا جو ان احادیث کے مطابق ہو۔

تحفہ حسینیہ — از ابوالحسنات محمد اشرف السیالوی

ناظرین کرام پر یہ حقیقت تو مخفی نہیں ہو سکتی کہ جب روافض اور اہل تشیع

Marfat.com

کے مذہب کا دار و مدار ہی صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ساتھ بالعموم اور خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ بالخصوص بغض و عناد اور نفرت و کدورت پر ہے تو لا محالہ ان کی اپنی تصنیف کردہ کتابوں میں ایسی روایات لازماً مذکور ہونی چاہئیں ورنہ اس مذہب کی ایجاد اور تدریج و ترقی کی کوئی صورت ممکن ہی نہیں ہو سکتی تھی، اس لیے حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے یہ دعویٰ نہیں فرمایا تھا کہ کتب شیعہ میں صرف اور صرف صحابہ کرام کے محامد اور مدائح ہی مذکور ہیں بلکہ آپ نے صرف یہ فرمایا تھا کہ "تمام صحابہ مہاجرین والانصار رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فضائل و مناقب میں آیات کلام اللہ اور احادیث صحاح اس کثرت کے ساتھ وارد ہیں کہ جن کو لکھا جائے تو ایک بہت بڑی ضخیم کتاب بن جائے گی اور اہل تشیع حضرات کی معتبر ترین تصانیف بھی اگر غور سے مطالعہ کی جائیں تو جھگڑا ختم ہو جاتا ہے اور تنزیہ الامامیہ ص۳۳ پر ڈھکو صاحب نے خود بھی یہی اقتباس نقل کیا ہے لہذا اس کے جواب میں اپنی متعدد روایات نقل کر دینا اور ان کو محض زبانی دعویٰ کر کے صحیح متواتر کہہ دینا کافی نہیں ہو سکتا کیونکہ ہم نے ائمہ کرام کی زبانی روایات کے صحیح اور معتبر ہونے کا معیار اور دار و مدار شیعی کتب سے واضح کر دیا ہے کہ صرف اور صرف وہ روایات صحیح ہیں جو کلام اللہ کے موافق ہیں اور جماعت اہل اسلام اور سواد اعظم کے مطابق نہ کہ جو بہتر اسلامی فرقوں میں صرف غالی اور سبی شیعہ اور روافض کی خواہشات نفس کے مطابق ہوں اس لیے یہ جواب بالکل غلط ہے اور خلاف ضابطہ۔

نیز صحت روایت کے لیے اس کے مضمون اور متن کا قطعیات کے موافق ہونا ضروری ہوتا ہے۔ یا راویوں کا صادق اور صحیح الاعتقاد ہونا جب کہ مذکورہ روایات کلام مجید کے سراسر خلاف ہیں اور دیگر تمام فرق اسلامیہ کی متواترہ روایات کے خلاف اور ان کے راوی وہ ہیں جن کا نام لے لے کر ائمہ نے ملعون، کذاب، مشرک، کافر، یہود اور نصاریٰ سے بدتر اور مجوس و آتش پرستوں سے گئے گذرے وغیرہ وغیرہ قرار دے کر ان کی روایات سننے سے

Marfat.com

اور ان پر اعتبار کرنے سے اجتناب اور احتراز کا حکم دیا جبکہ شیعی کتب رجال اور علی الخصوص رجال الکشی میں اس قسم کی مستقل پارٹی کی نشاندہی کی گئی ہے اور ہم نے متعدد جگہ پر ان ذوات خبیثہ کے متعلق مفصل حوالے نقل کیے ہیں لہذا ان کو صحیح کہنا حق و صداقت کے ساتھ استہزاء اور مذاق ہے اور متواتر کہنا حق کا منہ چڑانے کے مترادف ہے۔

الغرض ان روایات کی رو سے حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی مظلومیت، اور خلافت و امامت کے بلا شرکت غیرے حق دار ہونے کے دعوی اور خلفاء ثلاثہ پر ظلم اور زیادتی وغیرہ کے الزامات سراسر بے بنیاد ہیں کیونکہ علامہ کشی کے اعتراف کے مطابق یہ سب ابن سبا یہودی اینڈ کمپنی کے ایجاد کردہ نظریات ہیں اور اس کے ہمنوا یہودیوں مجوسیوں کی خفیہ سازشوں اور مکرو خداع کے ذریعے اہل اسلام میں آہستہ آہستہ اور طویل المیعاد منصوبے کے تحت پھیلائے جانے والے عقائد ہیں جیسے کہ دوسرے مقام پر اس حقیقت کو روز روشن کی طرح واضح کیا گیا ہے لہذا علامہ ڈھکو صاحب کا اختلاج قلب اور اضطراب صدران نسخوں سے دور نہیں ہو سکتا۔

اب ذرا خطبہ شقشقیہ اور خطبۃ الوسیلہ وغیرہ کے تواتر اور دعوی صحت کا حال تفصیلاً عرض کیے دیتا ہوں تاکہ اس اجمال کی تفصیل سامنے آجائے اور شیعی متواتر اور صحیح ترین روایات کی حقیقت سے غبار ہو جائے اس پس منظر میں دوسرے حوالوں کی حقیقت حال بھی کھل کر سامنے آجائے گی۔

"خطبہ شقشقیہ کے تواتر لفظی کا انکار خود شیعی علماء کی زبانی"

اس ضمن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب خطبہ شقشقیہ جس میں خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے متعلق سخت الفاظ استعمال کیے گئے ہیں اس کی حقیقت حال شیعی علماء کی زبانی معلوم کرنے کے بعد یہ امر واضح ہو جائے گا کہ یار لوگوں

Marfat.com

نے اپنے الفاظ استعمال کر کے مفہوم و مضمون کو بالکل دوسرا رنگ دے دیا جس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کلام میں تعارض اور تناقض والی صورت پیدا ہو گئی اور اس قسم کی عبارات کو شکوک و شبہات کی نظروں سے دیکھا جانے لگا۔

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق اس خطبہ میں ہے۔

" أما واللہ لقد تقمصها فلان وانه ليعلم ان محلی منها محل القطب من الرحى (الى) فصبرت وفى العين قذى وفى الحلق شجا أرى تراثی نهبا حتى مضى الأول لسبيله فأدلى بها إلى فلان بعده (الى) فصبرت على طول المدة وشدة المحنة حتى إذا مضى لسبيله جعلها فى جماعة زعم انى احدهم فيا اللہ وللشورى .الخ

(نہج البلاغہ مصری جلد اول ص۔ اور ابن میثم جلد اول ص۲۵)

یعنی قمیص خلافت کو ابو بکر نے زبردستی اپنے اوپر اوڑھ لیا حالانکہ وہ یقیناً جانتے تھے کہ میری اور خلافت کی وہ نسبت ہے جو چکی اور اس کے مدار اور میخ کی ہوتی ہے (تا) تو میں نے صبر کیا حالانکہ آنکھ میں تنکے کی طرح اور حلق میں ہڈی کی طرح وہ خلافت مجھے چبھتی تھی اور میں اپنی وراثت کو لٹتا ہوا دیکھتا تھا یہاں تک کہ اول یعنی ابو بکر کا انتقال ہوا تو اس نے اپنے بعد فلاں یعنی عمر بن الخطاب کے حوالے امر خلافت کو کر دیا (تا) تو میں نے طویل مدت پر صبر کیا اور شدت محنت پر یعنی ان کے ایام خلافت کی طوالت کی وجہ سے وہ دن صبر آزما ہو چکے تھے حتی کہ جب وہ راہی ملک بقاء ہوئے تو اس کے شوریٰ کے انعقاد پر۔

اس کے آگے کافی طویل خطبہ ہے جس کے متعلق اہل السنت کا موقف یہ ہے کہ یہ سرے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہی نہیں بلکہ رضی نے یا اس سے پہلے خلفاء ثلاثہ کے مخالفین نے اس کو وضع کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دیا جب کہ بعض شیعی علماء اس کے متواتر ہونے کے

Marfat.com

دعویدار ہیں لیکن علامہ ابن میثم بحرانی نے اپنے اس عہد کی قسم کھاتے ہوئے کہ بے جا تعصب سے کام نہیں لوں گا اور اعتراف حقیقت میں کسی بخل کا مظاہرہ نہیں کروں گا اور اس عہد کی تجدید کرتے ہوئے کہا۔ "وأنا مجدد لعهد الله على أني لا احكم في هذا الكلام إلا بما اجزم به أو يغلب على ظني أنه من كلامه او هو مقصوده"۔ یعنی میں اس عہد کی تجدید کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ میں اس کلام میں صرف وہی حکم کروں گا جس کا مجھے جزم اور یقین ہوگا یا ظن غالب کہ یہ آپ کا کلام ہے یا آپ کا مقصود یہ ہے، جزم یا ظن غالب حاصل ہوئے بغیر میں کوئی حکم اور فیصلہ صادر نہیں کروں گا۔

فاقول ان كل واحد من الفريقين المذكورين خارج عن العدل اما المدعون لتواتر هذه الالفاظ من الشيعة فانهم في طرف الافراط وأما المنكرون لوقوعها اصلاً فهم في طرف التفريط وأما ضعف كلام الأولين فلان المعتبرين من الشيعة لم يدعوا ذلك ولو كان كل واحد من هذه الالفاظ منقولا بتواتر لما اختص به بعض الشيعة دون بعض (شرح ابن میثم بحرانی جلد اول ص ۲۵۱)

تو میں کہتا ہوں کہ دونوں فریق حد اعتدال سے خارج ہیں لیکن شیعہ نے ان الفاظ کے متواتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے تو وہ حد افراط میں ہیں اور تجاوز کا شکار اور جنہوں نے سرے سے اس قسم کی شکایت کا انکار کیا ہے تو وہ تفریط اور کوتاہی و تقصیر کی جانب میں ہیں، پہلے فریق یعنی شیعہ کے دعویٰ تواتر کی وجہ ضعف یہ ہے کہ قابل اعتبار و اعتماد علماء شیعہ نے اس کے متعلق تواتر کا دعویٰ نہیں کیا اور اگر اس خطبہ کا ہر ہر لفظ متواتر طور پر منقول ہوتا تو اس کی نقل صرف بعض شیعہ کے ساتھ مخصوص نہ ہوتی بلکہ تمام علمائے شیعہ اس کو نقل کرتے آگے چل کر لکھتے ہیں کہ نفس اختلاف کا شیعہ اور سنی کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا اسی لیے شیعہ

Marfat.com

میں سے بہت سے اس کے قائل ہیں کہ بالکل حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت ہی نہیں کی تھی اور بعض نے کہا " انه بايع بعد ستة اشهر كرها " کہ آپ نے چھ ماہ کے بعد مجبور ہو کر بیعت کی اور ان کے مخالفین نے کہا کچھ عرصہ تخلف اور ٹال مٹول کے بعد بیعت کی بہر حال دونوں طرف سے خلافت کی رغبت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہ ملنے پر آپ کی طرف سے شکوہ و شکایت مسلم امر ہے۔" أما خصوصيات الشكايات بالفاظها المعينة فغير متواترة وإن كان بعضها اشهر من بعض" ص ۲۵۲

لیکن مخصوص شکایات اپنے مخصوص الفاظ کے ساتھ تو وہ تواتر کے ساتھ منقول نہیں اگرچہ بعض بنسبت دوسرے بعض کے زیادہ معروف ہیں۔

شیعی علماء کی زبانی جب یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی کہ مخصوص شکایات بھی متواتر نہیں اور ان کے الفاظ مخصوصہ بھی متواتر نہیں ہیں تو ایسے خطبات کی وجہ سے خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی ذوات مقدسہ کو مورد الزام ٹھہرانے اور ان کے ایمان و اخلاص پر حملہ کرنے کی

کسی مؤمن کو کیونکر جرأت ہو سکتی ہے مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت ہارون علیہ السلام کے متعلق یہ شکایت تو قطعی طور پر ثابت ہے کہ انہوں نے خلافت کا حق ادا نہیں کیا اور آپ نے اسی وجہ سے ان کے سر اقدس اور داڑھی مبارک کے بال پکڑ کر گھسیٹنا بھی شروع کر دیا لیکن کوئی یہودی یہاں اپنے طور پر موسیٰ علیہ السلام کی ترجمانی کرتے ہوئے حضرت ہارون علیہ السلام کے ایمان و اخلاص پر۔ اعتراض کر دے اور ان کی بچھڑا پرست یہودیوں اور سامری کے ساتھ موافقت اور سازباز والے الفاظ استعمال کر دے جیسے کہ موجودہ تورات میں کیا گیا ہے تو کیا اس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نظریہ تسلیم کر لیا جائے گا ایک شخص کو بھائی سے شکوہ ہوتا ہے مگر اس کی تعبیر الگ ہوتی ہے اور دشمن سے بھی شکوہ ہوتا ہے لیکن اس کے ترجمانی جملے اور الفاظ الگ ہوا کرتے ہیں اور اگر دو

Marfat.com

بھائیوں کی برادرانہ شکر رنجی کو ایک بھائی کا دشمن بیان کرے گا تو وہ دوسرے بھائی کی ترجمانی نہیں ہوگی بلکہ اس موقعہ ومحل سے فائدہ اٹھاتے ہوئے صرف اپنے غیظ وغضب اور بغض وکینہ کا اظہار مقصود ہوگا، اس لیے شیعہ صاحبان نے جو رنگ دیا ہے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقصد سے بالکل مختلف ہے اس کا اگر مزید اطمینان کرنا ہو تو اسی مضمون کے دوسرے خطبات جو دیگر کتب میں منقول ہیں ان کے الفاظ دیکھ لو جو ڈھکو صاحب اور ان کے طبیب نے ذکر کیے ہیں نیز کلمہ التقدیم میں علامہ بحرانی کی زبانی نقل کیا جا چکا ہے کہ اگر کوئی شخص سرے سے ایسے خطبات کا انکار کر دے اور ان اختراف امت کے متعلق عوام اہل اسلام کو ان کا باہمی اتحاد واتفاق باور کرانا مقصود ہو اور عوام اہل اسلام کو بھی باہمی اختلاف وانتشار سے بچانا اور ان میں بھائی چارہ کی فضا پیدا کرنا تو یہ بہت نیک اور مستحسن اقدام ہے، کاش کہ اس اہم اور نیک مقصد کی خاطر اس خطبہ کا اور دیگر اس مضمون کے خطبات وغیرہ انکار کر دیا جاتا اور ایسے خطبات کا انکار کرتے وقت یہ عظیم مقصد پیش نظر ہوتا۔ شرح ابن میثم جلد اول ص ۲۵۲

خطبۃ الوسیلہ اور اس کی موضوعیت کے قرائن اور شواہد

خطبہ الوسیلہ جس کو روضہ کافی میں نقل کیا گیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

لقد تقمصها دونی الاشقیان نازعانی فیما لیس لهما بحق وركباها ضلالة واعتقداها جهالة فلبئس ما عليه وردا۔ الخ

میرے سوا دو بدبختوں نے خلافت کا کرتہ پہن لیا اور انہوں نے ناحق میرے ساتھ جھگڑا کیا اور گمراہی سے خلافت پر سوار ہو گئے اور جہالت سے

Marfat.com

اسے اپنی چیز سمجھ لیا پس دونوں نے برے فعل کا ارتکاب کیا الخ اس میں چند امور قابل غور اور مستحق توجہ ہیں۔

۱۔ نہج البلاغۃ کا خطبہ جس کے تواتر کا دعویٰ بعض شیعہ صاحبان نے کیا ہے اس میں اس قدر شدید الفاظ استعمال نہیں کیے گئے جتنے کہ اس خطبہ میں استعمال کیے ہیں لہٰذا خصوصیات الفاظ کے تواتر کا دعویٰ بالکل غلط ہے جیسے کہ علامہ ابن میثم بحرانی شیعی نے خود اعتراف کیا۔

۲۔ اس خطبہ کو بقول صاحب کافی جب امام ابو جعفر محمد باقر نے جابر بن یزید کے سامنے بیان کرنے کا ارادہ فرمایا تو اس کو حکم دیا کہ اپنے وطن جا کر صرف ہمارے شیعہ کو بتلانا" بلغ حيث انتهت بك راحلتك أي فاذا انتهت بك راحلتك إلى بلادك فبلغ شيعتنا (ص۱۸ مع حاشیہ)
لہٰذا اس اخفاء سے اس کے تواتر معنوی کا فقدان واضح ہو گیا بلکہ یہ صدری نسخہ کے حکم میں ہو گیا اور مخفی اور سربستہ راز کے قبیل سے۔

۳۔ یہ خطبہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ساتویں دن بعد دیا گیا ہے "خطب الناس بالمدينة بعد سبعة أيام من وفاة رسول الله صلى الله عليه وسلم وذلك حين فرغ من جمع القرآن وتاليفه"
حالانکہ اس وقت صرف حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ تھے نہ کہ دونوں حضرات تو یہ کہنا کہ دونوں نے خلافت کا کرتہ پہن لیا غلط محض ہے اور خلافِ حقیقت جس سے اس کا من گھڑت ہونا صاف ظاہر ہے۔

۴۔ خطبۂ شقشقیہ ان تینوں حضرات کی خلافت کے بعد ہے مگر اس میں یہ تشدید اور تغلیظ نہیں اور یہ خطبہ وصال نبوی کے ساتویں دن بعد ہے اور اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نا کردہ گناہ شامل کر کے فتوے لگا دیئے گئے ہیں جو سراسر بے جواز ہیں اور خلاف عدل و انصاف۔

۵۔ اگر غیبی خبر کے طور پر معلوم ہو گیا کہ دونوں جبراً خلافت لے لیں گے تو

Marfat.com

پھر بھی علم میں نقص و قصور لازم آئے گا کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی اس میں شریک ہیں اور ان کی مدت خلافت ان دونوں کی مجموعی مدت خلافت کے قریب ہے۔ پھر ان کو نظر انداز کرنے کی اور فتووں کے ساتھ نہ نوازنے کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟

۶۔ اگر ان کی خلافت کا بوجھ شوریٰ قائم کرنے والے پر ہے لہذا حضرت عثمان درگزر کے قابل ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بوجھ بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سر ہے جنہوں نے ان کی مرضی کے برعکس ان کو خلیفہ بنا دیا اور جبراً یہ ذمہ داری سنبھالنے پر مجبور کیا۔ ملاحظہ ہو۔

ناسخ التواریخ جلد دوم از کتاب دوم ص۲۱۵

دانستہ باش اے عمر کہ من از برائے تو عہد نامہ نگاشتہ ام و ترا نائب و خلیفہ خویش داشتہ ام کتاب عہد را فراگیر و با دل قوی بکار خویش بپرداز عمر گفت اے خلیفہ رسول خدا مرا بخلافت حاجت نیست ابو بکر گفت خلافت را بتو حاجت است،، لہذا پھر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو بھی قابل عفو سمجھنا چاہیے تھا کیونکہ حضرت صدیق نے ان کو حکم دیا کہ اس بات کو اچھی طرح جان لو کہ میں نے تمہارے لیے عہد نامہ لکھا ہے اور تمہیں اپنا نائب اور خلیفہ نامزد کیا ہے۔ عہد نامہ لیجئے اور دل کو مضبوط کر کے اپنے فرائض خدمت کی ادائیگی میں مشغول ہو جائیے، آپ نے کہا مجھے خلافت کی ضرورت نہیں ہے تو حضرت صدیق نے کہا خلافت کو تمہاری ضرورت ہے۔

۷۔ ان حضرات نے حضرت امیر سے خلافت لی ہی نہیں بلکہ انصار حضرت سعد بن عبادہ کو خلیفہ بنا رہے تھے جس کے بعد کسی مہاجر اور قریشی کو خلافت ملنا ممکن ہی نہ تھا لہذا انہوں نے حسن تدبیر سے حضرت سعد بن عبادہ کو اس منصب سے ہٹا دیا اور اس کے اہل قبیلہ بھی اس کی طرفداری سے باز آ گئے اور حضرت ابو بکر صدیق کو خلیفہ بنا دیا جس کی برکت سے

Marfat.com

حضرت علی رضی اللہ عنہ چوتھے نمبر پر خلیفہ بن گئے ورنہ تو اس کی امید بھی نہیں کی جا سکتی تھی، لہٰذا انہوں نے خلافت لی ہے تو انصار سے اگر وہ یہ قدم نہ اٹھاتے تو نہ یہ حضرات سقیفہ بنی ساعدہ میں جاتے اور نہ ہی فوری طور پر خلافت کا مسئلہ کھڑا ہوتا لہٰذا ندریں صورت ان دونوں کو بھی درگزر اور عفو و معافات کے قابل سمجھتے ہوئے سارا بوجھ صرف انصار پر ڈالنا چاہیے تھا۔

ذرا انصاف کی نظر سے دیکھو۔ تو یہ حقیقت مہر نیم روز سے بھی زیادہ روشن اور واضح ہے کہ انصار کے شہر اور وطن میں بھی جب ان کے ہاتھ سے سیادت اور قیادت جا رہی تھی تو کم از کم جب وہ دنیا قربان کر رہے تھے تو دین کو تو ہاتھ سے نہ جانے دیتے کوئی اتنا کم عقل بھی ہو سکتا ہے کہ اپنی دنیا بھی خراب کرے اور آخرت کو بھی تباہ کرے۔ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق بار بار خلیفہ بلافصل کے اعلان کئے ہوتے تھے تو انہوں نے فوراً حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حق میں دستبرداری کا اعلان کیوں نہ کیا جس سے صاف ظاہر ہے کہ قطعاً ایسا کوئی اعلان نہیں کیا گیا تھا اور یہ سب یار لوگوں کے تیار کردہ افسانے ہیں اور سبائی سازش کے شاخسانے کیونکہ۔ جب ابوبکرؓ کی زبانی حدیث نبوی "الائمۃ من قریش" سن کر انصار اپنے موقف سے دستبردار ہو گئے تھے تو خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے سنے ہوئے ارشادات کو کیونکر نظر انداز کر سکتے تھے؟ اور خلافت علی سے اعراض اور روگردانی کیونکر کر سکتے تھے۔

۸۔ یہ خلافت جبر و اکراہ پر مبنی نہیں تھی بلکہ مہاجرین و انصار کے انتخاب سے معرض وجود میں آئی خواہ ابتداء میں سارے شامل نہ سہی بہر حال انہیں کی عظیم اکثریت نے اس طریقہ خلافت کی بنیاد رکھی اس لیے ان دونوں حضرات کو اس قدر غیظ و غضب کا نشانہ بنایا جائے تو کیوں؟ اگر دو امیدوار

Marfat.com

مقابلے میں کھڑے ہوں اور سب لوگ اپنا نمائندہ ان میں ایک کو چن لیں اور دوسرے کو اپنا نمائندہ نہ بنائیں تو قصور کس کا ہوگا؟ جب کہ مہاجرین اور انصار کے فضائل حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زبانی اور مستند حوالوں سے عرض کیے جا چکے ہیں بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہی یہ نہیں ہے کہ سب کو گمراہی پر اکٹھا کرے۔ ملاحظہ ہو شرح ابن ہیثم کی عبارت جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خطبہ میں داخل تھی مگر شریف رضی صاحب کی شرافت نے اس کو ننگ اہل اسلام سے ہمیشہ کے لیے اوجھل کرنے کی ٹھانی اور اس پر قینچی چلا دی مگر الحق یعلو ولا یعلیٰ علیہ کے مصداق حق ظاہر ہو کر رہا اور ابن ہیثم نے قطع و برید اور ترتیب میں گڑبڑ کی نشاندہی کرتے ہوئے اس عبارت کو اگل دیا۔

ولعمری ماکنت الا رجلا من المهاجرین اوردت کما وردوا و صدرت کما صدروا وما کان الله لیجمعهم علی ضلال ولا یضربهم بعمیً (ص ۳۵۵ جلد رابع)

مجھے اپنی زندگی کی قسم میں نہیں تھا مگر مہاجرین میں سے ایک عام فرد، جہاں اور جیسے وہ وارد ہوئے میں بھی وارد ہوا اور جہاں سے اور جیسے وہ پھرے میں بھی پھرا اور اللہ تعالیٰ کے یہ شایان شان نہ تھا کہ وہ ان کو ضلالت اور گمراہی پر جمع کرتا اور نہ اس کو یہ زیبا تھا کہ وہ سب کو نابینا اور حق ناشناس بنا دیتا۔ جب صرف مہاجرین کا حکم یہ ہے تو مہاجرین اور انصار کے اجماع کا حکم اس کے خلاف کیونکر ہو سکتا ہے اور یہی مضمون قول باری تعالیٰ۔ " ویتبع غیر سبیل المؤمنین" الآیہ سے ظاہر اور حضرت امیر کے ارشاد۔ " قاتلوہ علی اتباعه غیر سبیل المؤمنین" سے ظاہر ہے کما سیاتی

۹۔ پھر اس خطبہ میں حضرت علیؓ کو مہاجر بھی اور انصاری بھی کہا گیا ہے حالانکہ

Marfat.com

قرآن مجید نے دونوں فریق میں ہمیشہ واضح امتیاز برقرار رکھا ہے، کبھی انصار کا مہاجرین پر عطف کر کے، کبھی مہاجرین کو "الذین اخرجوا من دیارھم واموالھم" سے تعبیر فرما کر اور انصار کو "والذین تبوءوا الدار والایمان من قبلھم یحبون من ھاجر الیھم" فرما کر لہٰذا خطبہ کی عبارت "وان مھاجر آل ابی قحافة خیر من المھاجری الانصاری الربانی ناموس ھاشم بن عبد مناف" واقعہ اور حقیقت کے خلاف ہے اور یار لوگوں کی اختراع ہے یعنی انہوں نے جھوٹا دعویٰ کیا کہ آل ابی قحافہ کا مہاجر ہاشم بن عبد مناف کی ناموس اور مہاجر و ربانی انصاری (علی) سے بہتر ہے۔

۱۰۔ علاوہ ازیں اس خطبہ میں یہ دعویٰ بھی کیا گیا ہے "ان اول شھادة الزور وقعت فی الاسلام شھادتھم ان صاحبھم مستخلف رسول اللہ فلما کان من امر سعد بن عبادة ما کان رجعوا عن ذلک" یعنی پہلی جھوٹی شہادت جو اسلام میں واقع ہوئی وہ ان کی یہ شہادت تھی کہ ان کا منتخب خلیفہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا بنایا ہوا خلیفہ ہے لیکن جب سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا اختلاف سامنے آیا تو اس سے رجوع کر لیا اور کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو خلیفہ نامزد نہیں کیا تھا۔ حالانکہ یہ سراسر واقعات کے خلاف ہے، اگر سقیفہ بنی ساعدہ میں کوئی دلیل بطور حدیث کے پیش کی گئی تو وہ صرف اور صرف "الائمة من قریش" والی حدیث تھی کہ ائمہ قریش سے ہی ہو سکتے ہیں نہ کہ انصار سے اور اسی پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب یہ تبصرہ بھی نہج البلاغہ وغیرہ میں جا بجا موجود ہے کہ ثمرہ اور نتیجہ کا تو اعتبار کر لیا یعنی بالعموم قریشی ہونے کا اور اصل و شجرہ کو نظر انداز کر دیا یعنی بالخصوص اہل بیت اور قریش ہونے کا

Marfat.com

لہٰذا یہ بھی سراسر خلاف حقیقت کلام ہے۔

الغرض ہر ایک نے ایک ہی مضمون کو اپنی خواہش نفس اور قلبی غیظ و غضب کے مطابق مختلف رنگ دئے ہیں جیسے کہ اس مضمون کی کئی روایات اور عبارات ڈھکو صاحب نے اور اس کے پیشوا نے نقل کی ہے جو دوسرے ارشادات مرتضویہ کے بھی خلاف ہیں اور فرمودات باری تعالیٰ کے بھی خلاف ہیں اور قبل ازیں مفصل طور پر بیان کر چکا ہوں کہ وہی روایت قابل قبول ہو سکتی ہے جو کلام اللہ کے مطابق ہو اور اہل بیت کا بھی صرف اور صرف وہی مذہب سمجھا جائے گا جو قرآن مجید سے ثابت ہو۔

ھذا والحمد للہ وصلی اللہ علی حبیبہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین

تنبیہ: اگر شیعہ کتب سے منقول تمام عبارات پر مفصل بحث کروں تو بہت طوالت ہو جائے گی اسی بحث سے آپ باقی عبارات کی سخافت اور موضوعیت کا بھی اندازہ کر سکتے ہیں یعنی ؎

شد پریشان خواب من از کثرت تعبیرھا۔

حقیقت کچھ اور تھی مگر ان دشمنان صحابہ کی تعبیرات نے کچھ اور بنا دی، بلکہ،

کلام العدی ضرب من الھذیان۔

تنزیہ الامامیہ **علامہ محمد حسین ڈھکو صاحب**

"کتب سینہ سے مضمون بالا کی تائید" کا عنوان قائم کر کے علامہ ڈھکو صاحب کے طبیب خاص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے یوں فرماتے دکھایا ہے

ولکنک استبددت علینا بالامر وکنا نحن نری لنا حقا لقرابتنا من رسول اللہ۔

یعنی تم نے اپنی رائے سے بلا رضامندی ہم اہل بیت رسول کی خلافت و امارت پر تسلط حاصل کر لیا حالانکہ ہم بوجہ قرابت رسول کے اسے اپنا حق جانتے تھے۔

Marfat.com

نیز مسلم جلد ثانی ص۹۱ پر حضرت عمر خود اعتقاد امیر حق شیخین کی ترجمانی اس طرح کرتے ہیں کہ عمر صاحب جناب علی اور حضرت عباس کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکر خلیفہ تھے تو آپ دونوں نے اپنے اعتقاد میں ان کو جھوٹا، گنہگار، دغا باز اور خیانتی سمجھ رکھا تھا اور جب میں خلیفہ ہوا ہوں تو بھی تم دونوں نے مجھے جھوٹا گنہگار، دغا باز اور خیانتی سمجھا ہوا ہے حضرت علی نے یہ سن کر انکار نہیں فرمایا۔ جب کہ سکوت دلیل رضا ہوا کرتا ہے تو اس طرح گویا حضرت امیر کا عقیدہ ان دونوں کے متعلق واضح ہو گیا، اس کے بعد ڈھکو صاحب نے مسعودی اور ابن ابی الحدید کو سنی ظاہر کر کے متعدد حوالے مروج الذہب للمسعودی اور شرح ابن ابی الحدید سے نقل کئے ہیں اور بعض عبارات تاریخی کتب کے حوالے سے نقل کر دی ہیں۔ اور یہ سلسلہ ص۳۰۲ تا ص۳۰۹ تک چلا گیا ہے جس کے آخر میں خلاصہ یوں بیان کیا۔

ان عبارات کتب سینہ سے ثابت ہوا کہ حضرت علی خلافت خلفاء ثلاثہ کو غاصبانہ اور ظالمانہ سمجھتے تھے اور آپ دعوئ خلافت ظاہر فرماتے رہے، اس حد تک آپ کو اپنے استحقاق کا یقین تھا کہ خوف اختلاف وارتداد نہ ہوتا تو جنگ بھی کرتے اور خلافت ثلاثہ کو آپ ایک دردناک مصیبت تصور کرتے تھے جس پر صبر فرمایا۔

تحفہ حسینیہ   از ابو الحسنات محمد اشرف السیالوی غفرلہ

مسلم شریف کی روایت ۴ اور علماء شیعہ کی مغالطہ آفرینی

علامہ ڈھکو صاحب اور ان کے معالج نے کتب سینہ سے اپنے غلط نظریات عقائد کی اور خلافت کے غصب وغیرہ کی تائید پیش کرتے ہوئے بزعم خویش مسلم شریف کی دو روائتیں پیش کی ہیں اور باہم ناچاکی اور سخت کلامی ثابت کرنا چاہی ہے لیکن سب سے پہلے۔

۱۔ ڈھکو صاحب کو اپنے ضابطہ کی روشنی میں یہ دیکھنا چاہیے تھا کہ آخر اہل السنت

Marfat.com

کی کتابوں میں متواتر روایات کون سی ہیں باہم محبت و اخلاص والی اور ایک دوسرے کی عزت افزائی اور تعظیم و توقیر والی یا اس کے برعکس، آخر یہ کون سی دیانت علمی ہے اور کس قسم کی تحقیق اور شان اجتہاد ہے کہ اپنے سلیے ایک پیمانہ اختیار کر لیا جائے اور دوسروں کے لیے دوسرا پیمانہ۔

ہر چہ برائے خود پسندی برائے دیگراں ہم پسند

۲۔ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس روایت میں یہ اعتراف ہے "لم ننفس خیراً ساقه الله الیك" جس خیر اور بھلائی کو اور عزو شرف کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے حوالے کیا ہے ہم اس کے متعلق آپ کے ساتھ حسد نہیں کرتے جس میں صاف صاف اعتراف ہے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے ہی یہ منصب عطا کیا ہے اور ہمیں آپ کے ساتھ اس بارے میں حسد اور منافست نہیں ہے بلکہ اس کا دلی طور پر اعتراف ہے اور احترام بھی۔

۳۔ اور اسی میں تصریح ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا "موعدك العشیة للبیعة" میری طرف سے آپ کے ساتھ کل بعد نماز ظہر بیعت کا وعدہ ہے اور اگلے دن آکر آپ نے بیعت کر لی اور آپ کے اس اقدام پر تمام مہاجرین و انصار نے داد تحسین فرمائی اور حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما دونوں کے بیان کردہ اعذار اور اسباب پر اطمینان کا اظہار کیا۔ مگر ان دونوں حقیقتوں کو ان دو نو شیعی مولفین نے بطور تقیہ نگل لیا۔

۴۔ ڈھکو صاحب نے استبداد کے لغوی معانی اور وہ بھی صلات کے اختلاف کے ساتھ بیان کر کے فریب کاری کی کوشش کی ہے۔ مثلاً استبد برأیہ اپنی رائے میں منفرد ہو کر گمراہ ہوا وغیرہ کیا ہے حالانکہ اس جگہ الفاظ ہی محتمل ہیں یعنی استبددتم بالامر ہے کہ تم نے خلافت میں ہمیں بطور مشیر بھی شامل

Marfat.com

نہیں کیا اس قدر ہم تمہارے نزدیک غیر اہم اور نا قابل اعتبار و اعتماد تھے جو سراسر ایک برادر شکر رنجی ہے اور بے پرواہی برتنے کا گلہ ہے جو حقیقت حال واضح ہونے پر زائل ہو گیا جب کہ حضرت صدیق نے واضح کیا کہ ہم تو سقیفہ بنو ساعدہ میں اختلاف کی بنیاد ختم کرنے گئے تھے لیکن حالات نے یہ رخ اختیار کر لیا کہ فوری طور پر خلیفہ کا انتخاب کرنا ضروری ہو گیا ورنہ مرکز اسلام میں ہی افتراق و انتشار کی بنیاد قائم ہو جاتی اور اسلام کی جڑیں کھوکھلی ہو جاتیں۔

رہا آپ کا فرمان "کنا نری أن لنا حقاً لقرابتنا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" تو اس میں آپ کی نامزدگی کیسے ثابت ہو گئی اور پھر قرابت صرف آپ میں ہی تو نہیں تھی بلکہ تمام بنو ہاشم اور بنو عبد مناف اس میں شامل تھے تو کیا سب کو خلیفہ بنایا جاتا بلکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس قرابت کے لحاظ سے زیادہ حقدار تھے کیونکہ چچازاد بھائیوں کا درجہ بہر حال چچوں اور اعمام کے بعد ہی ہوتا ہے کیونکہ اصول وراثت سے یہی ہے کہ اقرب ابعد کے لیے حاجب ہوتا ہے اس لیے چچے کے ہوتے ہوئے چچازاد بھائی محروم رہتا ہے اور اس دلیل کے پیش نظر بعض لوگوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو احق بالخلافۃ قرار بھی دیا ہے ملاحظہ ہو تلخیص الشافی از محقق طوسی ص ۲۸۹

حضرت عباسؓ کے اصل حقدار خلافت ہونے کا دعویٰ

المخالف لامامۃ امیر المؤمنین بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم بلا فصل طائفتان احدا ھما یذھب إلی امامۃ العباس رحمۃ اللہ علیہ والأخری الی امامۃ أبی بکر فالقائلون بامامۃ العباس یتعلقون فی امامتہ بالمیراث وباخبار یروونھا لا تعلق لھا بالامامۃ ص۳۸۳ .

Marfat.com

یعنی امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ بلا فصل ہونے میں اہل تشیع اور امامیہ کے ساتھ اختلاف رکھنے والے دو گروہ ہیں ایک گروہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل کا قائل ہے اور دوسرا فریق حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل کا اور جو فریق حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل کا قائل ہے وہ اس مسلک پر اولاً وراثت کو دلیل بناتے ہیں اور ثانیاً ان روایات کو جو انہوں نے نقل کی ہیں مگر ان کا اس موضوع اور مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے

الغرض اگر وراثت علت خلافت ہے تو پھر پہلا حق حضرت عباس رضی اللہ کا بنتا ہے وادلیس فلیس، اگر ان کی خلافت بلا فصل ثابت نہیں ہو سکتی تو پھر اس کا تقاضا صرف یہی ثابت ہوا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل قرابت کو اعتماد میں لے کر اور ان کے صلاح و مشورہ سے خلیفہ کا تقرر عمل میں آنا چاہیے تھا اور اس کا لحاظ کیوں نہیں کیا گیا جس کے متعلق حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی پوزیشن واضح کر دی اور باہم صلح و صفائی ہو گئی اور سب صحابہ کرام میں خوشی اور مسرت کی لہر دوڑ گئی۔

لہٰذا اس روایت سے قطعاً شیعہ صاحبان کی تائید فی الواقع نہیں ہوتی اور مالیخولیا کا علاج کوئی نہیں ہو سکتا۔

مسلم شریف کی روایت ۲ اور شیعہ حضرات کی فریب کاری

علامہ ڈھکو صاحب اور اس کے معالج صاحب نے مسلم شریف کی ایک اور روایت سے بھی استدلال کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ شیخین رضی اللہ عنہما کو آثم، عہد شکن اور خیانت پیشہ سمجھتے تھے کیونکہ جناب عمر نے ان کا یہ نظریہ بیان کیا اور انہوں نے انکار نہ فرمایا لہٰذا سکوت دلیل رضا ہو گیا اور اس طرح سینوں کا شیعوں کے ساتھ خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم میں باہم اختلاف اور سوء ظن پر اتفاق

Marfat.com

ثابت ہو گیا نعرہ حیدری یا علی۔

والجواب بالصواب بفضل اللہ الوھاب۔

۱۔ اس روایت کی رو سے سب سے پہلے جس نے یہ الفاظ استعمال کئے ہیں۔ وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہیں اور جن کے حق میں کئے ہیں وہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں " فقال عباس اقض بینی و بین ھذا الکاذب الآثم الغادر الخائن "۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ تعالیٰ نے اس پر بھی سکوت اختیار فرمایا۔ کیا یہاں بھی سکوت دلیل رضا ہے؟ اور آپ کا اپنے متعلق بھی یہی عقیدہ تھا اور جو کچھ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہہ رہے تھے کیا وہ صحیح تھا؟ یعنی حضرت علی نفس کاذب آثم، عہد شکن اور خائن ہیں نعوذ باللہ

۲۔ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود ان دونوں حضرات کی طرف سے اپنے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ خیال ذکر کیا ہے تو ساتھ ہی حضرت صدیق کے متعلق یہ الفاظ بھی ذکر کئے ہیں۔ واللہ یعلم انہ لصادق بار راشد تابع للحق" اور اپنے متعلق بھی یہ کلمات ذکر فرمائے ہیں۔ واللہ یعلم انی لصادق بار راشد تابع للحق"۔ کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے ابوبکر" یا سچے، محسن، راہ راست پر گامزن اور حق کے پیروکار تھے اور اللہ جانتا ہے کہ میں بھی یقیناً سچا، نیکوکار، راستی پر قائم اور حق کا پیروکار ہوں اور اس پر بھی دونوں حضرات نے خاموشی اختیار فرمائی کیا یہاں بھی سکوت دلیل رضا ہے یا نہیں؟ ایک جگہ سکوت کو دلیل رضا قرار دینا اور دوسرے مقامات پر اس کو دلیل رضا نہ سمجھنا کہاں کا انصاف ہے اور کون سی دیانتداری ہے۔

۳۔ ایک طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا خیال بیان کیا اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کا حضرت ابوبکر اور اپنے متعلق محسن، تابع للحق اور

Marfat.com

راہ راست پر گامزن ہونے کے حق میں حتمی اور قطعی علم بیان کیا اور وہ دونوں حضرات خاموش رہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی طرف غلط امر کی نسبت پر ضرور ٹوکنا چاہیے تھا جس سے صاف ظاہر ہے کہ ان دونوں حضرات کے نزدیک یہ حقیقت مسلم تھی کہ واقعی عنداللہ یہ ان اوصاف کمال کے مالک ہیں اور جب یہ تسلیم ہو گیا تو پھر پہلے کلمات کا جواب بھی اسی میں آ گیا لہٰذا از سر نو جواب دینے کی کیا ضرورت تھی اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق یہاں سکوت کا گمان ہی بذات خود غلط ہے تو اس پر متفرع نتیجہ کی بیہودگی میں کیا خفا ہو سکتا ہے۔

۴۔ یہ دونوں حضرات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس فدک کے انتظامی امور کی تولیت میں اپنے جھگڑے کا فیصلہ کرانے کے لیے تشریف لائے تھے اور حضرت عثمان، حضرت سعد، حضرت زبیر اور حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہم کو اپنا سفارشی بنا کر لائے تھے جس شخص کے متعلق یہ عقیدہ ہو اس کو فیصل بنانے کا کیا مطلب؟ اور ایسے عظیم انجاص کی سفارشات کے ذریعے فیصلہ کرنے پر رضا دینے اور اصرار کرنے پر زور دینے کا کیا مطلب؟

حقیقت حال

۵۔ لہٰذا اس روایت سے ڈھکو صاحب اور ان کے معالج کی اندرونی بھڑکتی آگ کی تسکین نہیں ہو سکتی اور نہ وہ بجھ سکتی ہے "قل موتوا بغیظکم" البتہ حقیقت حال ہم واضح کیے دیتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جناب میں یہ سخت لفظ استعمال کیے گو آپ ان کے لیے بمثل والد کے تھے مگر آپ کی جلالت شان اور عظمت قدر کی وجہ سے قطعاً مناسب نہیں تھے، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق کو اور اپنے آپ کو بھی ساتھ ملا دیا اور یہ کہا یہاں

تو جھگڑا صرف انتظام میں ہوا تو یہ الفاظ استعمال ہونے لگ گئے تو پھر ہمارے متعلق بھی یہی عقیدہ رکھتے ہو جنہوں نے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کا دعویٰ کرتے ہوئے سرے سے تمہیں فدک دیا ہی نہیں اور جب ہمارے متعلق یہ الفاظ استعمال نہیں کرتے تو ادھر کیوں اس قدر برافروختہ ہو گئے ہو لیکن ان کی عمر رسیدگی اور قرب مصطفوی اور آپ کے لیے بقیۃ الآباء ہونے کے ناطے صرف انہیں کو مخاطب نہ ٹھہرایا بلکہ اپنے جس عزیز کے حق میں انہوں نے یہ الفاظ استعمال کیے تھے انہیں بھی ساتھ شامل کر دیا، الغرض اس سے مقصود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عزت و عظمت کا تحفظ تھا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ان سخت الفاظ کا احسن طریقہ پر رد اور ان پر انکار لیکن چشم بدبین ہنر کو عیب ہی دیکھتی ہے اگر فدک نہ دینا کذب، خیانت اور گناہ وغیرہ کا موجب تھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا طرز عمل اپنے دور خلافت میں اس طرح کیوں رہا جو شیخین رضی اللہ عنہما کا تھا اور حضرت زہراء کی اولاد کو یہ حق نہ دے کر وہ بھی کیا انہیں عیوب سے متصف ہو گئے تھے؟

۲۔ قاضی عیاض اور علامہ مازری رحمہما اللہ نے فرمایا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے استعمال کردہ یہ الفاظ نہ ان کے شایان شان ہیں اور نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ میں قطعاً ان قبائح کے تحقق کا کوئی شائبہ ہے اور ضابطہ یہ ہے کہ اس قسم کی روایات جو حضرات صحابہ کے شایان شان نہ ہوں اور ان کی مناسب توجیہ اور تاویل بھی نہ ہو سکے تو وہاں راوی کو جھوٹا کہہ دینا آسان ہے بنسبت ان ہستیوں پر کسی بدگمانی کے جن کی طہارت دامن قرآن مجید اور احادیث صحاح کے ساتھ ثابت ہے "واذا انسد طرق تاویلها نسبنا الکذب الی رواتها" اور اسی لیے امام بخاری نے اور دیگر محدثین نے ان الفاظ کو ذکر نہیں کیا" قال النووی نقلا عن المازری، وقد

Marfat.com

حمل ھذا المعنی بعض الناس علی ان ازال ھذا اللفظ عن نسختہ تورعاً عن اثبات مثل ھذا ولعلہ حمل الوھم علی رواتہ۔ (شرح مسلم للنووی ص۹۰ جلد اول)

یعنی اس حقیقت نے بعض حضرات کو اس امر پر آمادہ کیا کہ انہوں نے اپنے نسخہ سے ان الفاظ کو حذف کر دیا اس سے پرہیز کرتے ہوئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس قسم کے کلمات ثابت کریں اور اس کو انہوں نے راویوں کا وہم قرار دیا اور یہی قاعدہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے کہ ظن اور گمان کی بنا پر کسی ثقہ اور معتمد علیہ شخصیت کے خلاف فیصلہ دینا ظلم ہے اور کمینہ حرکت (نہج البلاغۃ مع شرح ابن میثم جلد نمبر ۵ ص ۲۵۲)

لیس من العدل القضاء علی الثقۃ بالظن ای من کان عندک ثقۃ معروفا بالامانۃ فحکمک علیہ بالخیانۃ عن ظن خروج عن العدل وھو رذیلۃ الجور۔ ھذا والحمد للہ۔

۷۔ علاوہ ازیں غصہ اور ناراضگی کی حالت میں بعض سخت الفاظ آدمی کے موہنہ سے نکل جاتے ہیں لیکن وہ عقیدہ نہیں ہوا کرتا اس لیے اس وقت موہنہ سے نکلے ہوئے الفاظ کو سند اور دلیل نہیں بنایا جا سکتا کیونکہ زبانی تشدد کی بجائے نوبت دست درازی تک بھی آ سکتی ہے بیت اقدس انسانوں کی جماعت کے متعلق بار بار بیان کر چکا ہوں یعنی انبیاء علیہم السلام بھی بشری تقاضوں کے تحت نوبت یہاں تک پہنچ سکتی ہے جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ معاملہ قرآن نے بیان فرمایا لہٰذا اس قسم کے بیہودہ استدلال ڈھکو صاحب اور ان کے مرشد صاحب کو کوئی فائدہ نہیں دے سکتے اور یہ تنکے ان کو بحر غضب خداوند تعالیٰ میں غرق ہونے سے نہیں بچا سکتے۔ فبعداً للقوم الظالمین ٥

Marfat.com

۸۔ ڈھکو صاحب کو اعتراف ہے کہ ہم اپنی صحاح اربعہ کی ہر روایت کو بھی صحیح نہیں سمجھتے۔ رسالہ تنزیہہ الامامیہ ص۱۰۳ حالانکہ ان کے اکابر نے اسماء رجال اور جرح و تعدیل کے حکم میں اور ان اصطلاحات اور قواعد و ضوابط کے ایجاد و اختراع میں علماء اہل السنت کی تقلید و پیروی کی ہے ملاحظہ ہو مقدمہ منہج الصادقین۔ تو اہل السنت کو کیوں اپنے ان قواعد و ضوابط کے مطابق ایسی روایات کے متعلق فیصلہ کا حق نہیں دیتے ہمارا اسلم قانون ہے کہ راوی سے صحابہ کی عزت و عظمت بہر حال مقدم ہے اور راوی کو جھوٹا کہنا سہل ہے بنسبت صحابی کو متہم ٹھہرانے کے۔

دیانت و امانت کا خون:

علامہ ڈھکو صاحب اور اس کے معالج خاص نے مسعودی صاحب مولف مروج الذہب کو اور ابن ابی الحدید کو سنی ثابت کر کے ان کی عبارات سے ہمیں الزام دینے کی کوشش کی ہے حالانکہ دونوں نہ سنی ہیں اور نہ ان کی تصنیفات اہل السنت کے نزدیک حجت بلکہ ابن ابی الحدید نے بار بار اپنے معتزلی اور تفضیلی شیعہ ہونے کا اعتراف کیا ہے اور اس کا عقیدہ اصحاب جمل اور اصحاب صفین کے متعلق بھی رافضیوں والا ہے جس کو اس نے لگی لپٹی رکھے بغیر بار بار صراحت سے بیان کیا ہے اور مسعودی کا حال حضرت شاہ عبدالعزیز نے تحفہ اثنا عشریہ میں مفصل بیان کر دیا ہے نیز قاضی محمد علی طباطبائی شیعی نے انوار نعمانیہ کے حاشیہ میں تصریح کی ہے کہ مؤرخ کبیر مسعودی صاحب مروج الذہب علماء امامیہ میں سے ہے: وافقهم ايضا من الامامية على بن الحسين المسعودی المؤرخ الكبير صاحب مروج الذهب (انوار نعمانیہ جلد اول ص۳۶۵)

لیکن بایں ہمہ خود ہی ان کو سنی فرض کر کے پھر ان کی عبارات کو اہل السنت کے خلاف بطور الزام پیش کرنا ایسی دھاندلی اور ڈھٹائی اور بے شرمی و بے حیائی ہے جس کی نظیر کسی یہودی اور دیگر غیر مسلم مصنف کے ہاں بھی ڈھونڈے سے

Marfat.com

ل سکے گی سچ ہے سہ

اذا لم تستح فاصنع ماشئت ۔

ابن ابی الحدید کے سنی شیعہ ہونے پر بہر حال ہم نے دوسری جگہ باحوالہ بحث کردی ہے اور یہاں ہم شرح حدیدی سے منقول مکالمات پر بھی مفصل تبصرہ کر دیا ہے جس سے بالکل مہر نیمروز کی طرح واضح کر دیا ہے کہ یہ حضرت عمر اور حضرت ابن عباس والے مکالمات تشیع اور رفض کے مردہ جسم میں جان نہیں ڈال سکتے لہٰذا یہاں اس تطویل لا طائل سے احتراز کرتے ہوئے اسی قدر پر اکتفا کرتے ہیں۔

نیز علامہ ڈھکو صاحب اور اس کے معالج نے ان کے علاوہ تاریخ کامل اور طبری وغیرہ کے نام بھی اس ضمن میں گنوائے ہیں لیکن ڈھکو صاحب کو خود اعتراف ہے جیسے کہ انہوں نے ناسخ التواریخ کے حوالہ جات کے جواب میں کہا کہ تاریخی کتب میں ہر قسم کے رطب و یابس اور ضعیف وسقیم روایات ہوتے ہی ہیں تو پھر یہاں تاریخی روایات پیش کرنے کی خود کیوں جسارت کی ہے اور اپنا وہ نظریہ کیسے فراموش کر دیا ہے جس سے ان کی بدحواسی اور اضطرابی کیفیت ظاہر ہے۔

مدار استدلال

اصول اسلامیہ کے مطابق اصل دلیل قرآن مجید ہے پھر حدیث وسنت جو قرآن مجید کے مطابق ہو لیکن ناظرین کرام اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر چکے کہ دونوں شیعی عالم قطعاً قرآن مجید کی ایک آیت سے بھی اس ضمن میں استدلال پیش نہیں کر سکے اور نہ کوئی صحیح حدیث جب کہ ہم نے ان حضرات صحابہ کے اخلاص، للہیت، صداقت اور ایثار و قربانی اور آخروی فوز و فلاح پر واضح اور صریح صریح الدلالت متعدد آیات پیش کی ہیں اور پھر ان کے موافق اور مطابق شیعی کتب سے روایات پیش کی ہیں جو ائمہ کرام بلکہ خود رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان فرمودہ معیار صحت اور مدار صدق کے عین مطابق ہیں لیکن شیعی علماء نے محض ہیرا پھیری سے کام لیا ہے اور فریب کاری اور دھوکہ دہی سے ۔

Marfat.com

جس کی علم و حکمت اور عدل و انصاف کی دنیا میں کوئی قدر و قیمت نہیں ہے اور نہ ہی اہمیت و وقعت ۔

کیا حضرت امیر خلافت کے ہمیشہ خواہشمند رہے

اور خلافت خلفاء کو مصیبت سمجھتے رہے تو اس کے جواب میں بیسوں حوالے کتب شیعہ سے علی الخصوص نہج البلاغۃ سے مبحث خلافت میں ذکر کیے جائیں گے جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حلفیہ بیان دیتے ہیں کہ مجھے خلافت میں قطعاً کوئی رغبت اور دلچسپی نہیں اور اگر اسے کسی دوسرے کے حوالے کو دو تو میں سب سے زیادہ اس کا اطاعت گزار رہوں گا اور میرا وزیر رہنا بنسبت امیر بننے کے تمہارے لیے مفید تر ہے اور آپ نے خلافت فاروقیہ کو خدا تعالیٰ کی موعود خلافت قرار دیا اور آپکے لشکر کو خدا تعالیٰ کا لشکر اور اس کی نصرت و حمایت کا اللہ تعالیٰ کو ضامن قرار دیا ۔ اور کتب اہل السنت میں مذکور ایسی روایات شمار سے باہر ہیں لہٰذا یہاں بھی حکیم صاحب اور علامہ ڈھکو صاحب نے اپنی صحیح ترین کتب مذہب کا اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ کا مذاق اڑایا ہے کیونکہ جب وہ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد بھی خلیفہ بنائے جانے والے حضرات کی خلافت کو تسلیم کرتے اور ان کا سب سے زیادہ مطیع و تابعدار ہونے کا برملا اور علی الاعلان کر رہے ہیں تو خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم جن کی عظمت و رفعت تمام مہاجرین و انصار کے ہاں مسلم تھی وہاں بیزاری اور اظہار مصیبت کا کیا جواز ہو سکتا ہے؟ حالانکہ آپ عملی طور پر ان کے وزیر و مشیر رہے اور شریک کار بھی ۔

تم الجزء الاول من التحفة الحسينية بحمد الله وحسن توفيقه وصلى الله على سيدنا ومولانا محمد الله وخلقة اجمعين وعلى آله واصحابه اجمعين والتابعين بهم بالاحسان الى يوم الدين ۔

Marfat.com

﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَام﴾ (ال عمران:١٩)

اسلامی عقائد و معمولات قرآن و حدیث کی روشنی میں

اسلامی عقائد و معمولات

مؤلف

ڈاکٹر جان گل خان

اهل السنه پبلی کیشنز شاندار بیکری والی گلی منگلا روڈ دینہ جہلم

فون نمبر:0321:7641096 Mob 0333-5833360

Marfat.com

بہت جلد دلکش اندازمیں چھپ کر منظر عام پر آرہا ہے

محرم الحرام سے ذوالحجہ تک مختلف موضوعات پر

(59) انسٹھ خطبات کا شاندار مجموعہ

خطبات ہاشمی

﴿مؤلف﴾

حضرت مولانا صاحبزادہ محمد عبدالرؤف ہاشمی

نقشبندی مجددی فاضل علوم اسلامیہ خطیب جہلم

ناشر

اھل السنہ پبلی کیشنز شاندار بیکری والی گلی منگلا روڈ دینہ جہلم

فون نمبر:0321:7641096 Mob 0333-5833360

Marfat.com

محمد اشرف سیالوی مدظلہ

کی قابل قدر تصانیف

انبیاء سابقین اور بشارات سید المرسلین

تنویر الابصار بنور النبی المختار

دی ہولی بائبل اور شان انبیاء میں گستاخیاں

اہل السنۃ پبلی کیشنز دینہ ضلع جہلم

https://ataunnabi.blogspot.com

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ۚ

جن لوگوں نے دین میں تفرقہ ڈالا اور بہت سے گروہ ہو گئے مختلف گروہ، آپ کا ان سے ذرہ بھی تعلق نہیں ہے۔

مذہب شیعہ

از

حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین صاحب قدس سرہ

مع

تحفہ حسینیہ

دوم

علامہ ابو الحسنات محمد اشرف السیالوی

اہل السنہ پبلی کیشنز

دینہ ضلع جہلم

Click For More Books
https://archive.org/details/@ zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ۝

جن لوگوں نے دین میں تفرقہ پیدا کیا اور ہو گئے مختلف گروہ، آپ کا ان سے قطعی تعلق نہیں ہے

مذہبِ شیعہ

از

حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین صاحب قدس سرہ العزیز

مع

تحفہ حسینیہ

حصہ دوم

علامہ ابو الحسنات محمد اشرف السیالوی

اہل السنۃ پبلی کیشنز دینہ ضلع جہلم

Click For More Books
https://archive.org/details/@ zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	تحفہ حسینیہ (جلد دوم)
مصنف	شیخ الحدیث علامہ محمد اشرف سیالوی
تزئین واہتمام	محمد ناصر الہاشمی
اشاعت	نومبر 2007ء
تعداد	1100
قیمت	200 روپے
ناشر	اہل السنہ پبلی کیشنز دینہ (جہلم)

ملنے کے پتے

جامعہ غوثیہ مہریہ منیر الاسلام کالج روڈ سرگودھا فون نمبر:0451-724695

مکتبہ نوریہ رضویہ گلبرک اے فیصل آباد فون نمبر:041-626046

فرید بک سٹال 38 اردو بازار لاہور فون نمبر:042-7312173

مکتبہ جمال کرم دربار مارکیٹ لاہور فون:042-7324948

احمد بک کارپوریشن راولپنڈی فون نمبر:051-5558320

مکتبۃ المجاہد بھیرہ شریف فون نمبر:048-6691763

شبیر برادرز زبیدہ سنٹر اردو بازار لاہور فون نمبر:042-7246006

نوریہ رضویہ پبلی کیشنز 11 گنج بخش روڈ لاہور فون نمبر:042-7313885

Click For More Books
https://archive.org/details/@ zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حرفِ آغاز

بسمِ اللّٰہِ الرّحمٰنِ الرّحیمِ ط

نحمدہٗ ونصلّی ونسلّم علیٰ رسولہِ الکریم وعلیٰ آلہٖ و صحبہٖ اجمعین ہ امّا بعد!

بحمدہٖ تعالیٰ کتاب مستطاب "تحفہ حسینیہ" کا حصہ اوّل طبع ہو کر آپ کے ہاتھوں میں پہنچ چکا، جس میں تقیہ اور تحریفِ قرآن کے متعلق شیعی مسلک اور اُس کا ردِ بلیغ، فضائلِ صحابہ کرام از رُوئے قرآن اور احادیثِ خیر الانام اور اقوال ائمہ کرام علیہم الرضوان اور شیعی تاویلات کا ردّ وابطال کیا گیا اور اس کے علاوہ بہت سے ضمنی ابحاث بھی ہدیۂ ناظرین ہو چکے۔

اب بفضلہٖ تعالیٰ دوسری جلد پیشِ خدمت ہے، جس میں خلافت ووصیت کے موضوع پر مفصل گفتگو کی گئی ہے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زبانی چوتھا خلیفہ ہونے کا اقرار اور خلفاء سابقین کی خلافت کے خلافتِ موعودہ ہونے کا اقرار و اعتراف حضرت امِ کلثوم بنتِ علی رضی اللہ عنہ کا حضرتِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں دینا، مدلل انداز میں بیان کیا گیا ہے اور شیعی تاویلات وتسویلات کا ردِ بلیغ کیا گیا ہے۔ نیز حدیثِ قرطاس کی حقیقت روزِ روشن کی طرح آشکارا کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں حدیثِ غدیر سے اہلِ تشیع کے استدلال کا بطلان واضح کیا گیا ہے اور ان موضوعات کے علاوہ بھی بہت سے ابحاث ہیں جو مطالعہ اور گہرے غور وخوض کے متقاضی ہیں اور ان نزاعی واختلافی امور میں ہدایت وارشاد کے موجب ہیں اور بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ یہ حصہ تحفہ حسینیہ کے قلب وجگر کی مانند ہے۔

اس کے بعد تیسرے حصہ میں حدیثِ منزلت اور فدک پر مفصل بحث کی جائے گی نیز مذہبِ شیعہ کا بانی کون تھا؟ شیعہ کی مذمت بزبانِ ائمہ کرام، قاتلانِ امام حسین

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

رضی اللہ عنہ کون تھے ؛ ائمہ کرام کا بروزِ قیامت شیعہ سے اظہارِ برأت اور بیزاری؛ جنازہ کی تکبیراتِ اربعہ ، ائمہ کرام کا اپنی اولاد امجاد کے نام خلفاء ثلاثہ کے ناموں پر رکھنا اور خلفاء ثلاثہ کے اسماء گرامی کے ساتھ موسوم لوگوں کے ساتھ اہلِ تشیع کا سلوک بیان کیا جائے گا۔

استاذ العلماء حضرت شیخ القرآن والحدیث علامہ محمد اشرف صاحب سیالوی مدظلہٗ ایک سلجھے ہوئے خطیب، منجھے ہوئے ادیب ہیں۔ تعلیم و تدریس کا شعبہ ہو، یا مناظرے کا میدان، غرضیکہ ہر مرحلے پر سنجیدگی، متانت، تحمل مزاجی، بُردباری اور وسیع القلبی کی کیفیات غالب رہتی ہیں۔ ہر موضوع پر پوری ذمہ داری سے دلائل و براہین کی بھرمار، ان کا قرینہ ہے۔ کھلے دل سے بات سننا اور کھلے دل سے عقدہ کشائی فرمانا ان کا طریقہ ہے۔ جچی تلی، عالمانہ، محققانہ، منصفانہ اور مدبرانہ گفتگو، ان کا وطیرہ ہے۔ کئی کتابیں تالیف و تصنیف فرما چکے ہیں۔ کئی کتابوں کے تراجم سے عہدہ برآ ہو چکے ہیں۔ تحفہ حسینیہ کا دوسرا حصہ ہدیۂ ناظرین ہے تیسرا حصہ بھی جلد ہی منصۂ شہود پر آجائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ العزیز۔ قارئین کرام خود ہی یہ اندازہ فرمالیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے علامہ موصوف مدظلہٗ کو کن کن خوبیوں سے سرفراز فرمایا ہے۔ ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

اللہ کریم، حضرتِ علامہ صاحب مدظلہٗ کے علم و فضل اور اخلاص و عمل میں مزید برکتیں عطا فرمائے۔ آپ کا سایہ ملتِ اسلامیہ پر تا دیر قائم رکھے۔ آپ کی تصنیفات و تالیفات کو اپنی بارگاہِ مقدس میں شرفِ قبولیت سے نواز کر حضور نبیٔ مکرم، سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم اور آل و اصحابِ رسول رضوان اللہ علیہم اجمعین کی رضامندی و خوشنودی اور نگاہِ کرم کا موجب بنائے۔ آمین ثم آمین بجاہِ طٰہٰ و یٰسین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم!

۲۰ صفر المظفر ۱۴۱۱ھ

غبارِ راہِ جاناں؛
غلام رسول سیالوی عفی عنہ

مرکزی ناظم اعلیٰ، مجلس الدعوۃ الاسلامیہ، پاکستان۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

فہرست حصہ دوم تحفہ حسینیہ

بحث امامت و خلافت	۱۵
تمہیدی امور، امرِ اوّل، نصب خلیفہ کا ذمہ دار کون ہے؟	۱۵
امرِ ثانی، عند الشیعہ امامت کا عقیدہ قطعی عقیدہ ہے۔	۱۶
امرِ ثالث، تقررِ امام میں مذہبِ اہلِ تشیع کا بیان	۱۷
امرِ رابع، محلِ نزاع امامت کی تعریف	۱۸
ابطال عقیدۂ شیعہ	۱۹
فرمانِ مرتضیٰ، جو مجھے چوتھا خلیفہ نہ مانے، وہ لعنتی ہے	۲۲
علماء شیعہ کی تحریف اور اس کا ردِ بلیغ	۲۳
سوادِ اعظم کا مذہب ہی مذہبِ مرتضیٰ ہے	۳۱
اہلِ تشیع اور شورائی حکومت	۳۲
رسالہ مذہبِ شیعہ، شوریٰ ذریعۂ انعقادِ خلافت	۳۳
تحفہ حسینیہ، تتمۂ استدلالِ اوّل	۳۴
مذہبِ شیعہ، دلیل دوم بر صحتِ شوریٰ	۳۹
تحفہ حسینیہ، فوائد و نکات کا بیان	۴۰
حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور شوریٰ و انتخاب	۴۵
ابنِ میثم کا اختلاف و نزاعِ اصحاب کے بیان سے تنفر	۴۶
اسلاف پر تنقید سے اجتناب کا لزوم از روئے قرآن	۴۷
رسالہ مذہبِ شیعہ، دلیل سوم بر صحتِ شوریٰ	۴۸
تحفہ حسینیہ، تتمۂ استدلال مذکور	۴۸

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی مجبوری و مقہوری کے دعویٰ کی لغویت ۵۱
بیعتِ مرتضوی اور جمہورِ اہلِ اسلام کا مذہب ۵۵
حضرتِ امیر رضی اللہ عنہ کی تگ ودو برائے خلافت عند الشیعہ ۵۵
لمحہ فکریہ اور عمل و قول میں تضاد ۵۶
طلبِ خلافت میں عذرِ تاخیر اور اس کا بطلان ۵۸
لائقِ توجہ امر، اسلامی حکومت اور غیر اسلامی حکومتوں کا فرق ۵۹
رسالہ مذہب شیعہ، وصیتِ خلافت کی نفی و انکار ۶۰
تحفہ حسینیہ، تتمہ دلیل چہارم ۶۱
علامہ ڈھکو صاحب کا دلائل کے جواب سے عجز اور کھو کھلے دعووں پر اکتفا ۶۴
تحفہ حسینیہ، امام کا انتخاب کون کرتا ہے؟ ۶۵
قولِ باری تعالیٰ، ما کان لھم الخیرۃ کا صحیح مفہوم ۶۶
خطیبِ خوارزم ابو المؤید کا مذہب ۷۲
خلفاء ثلاثہ کی بیعت کرنے والے کون تھے اور کتنے افراد تھے؟ ۷۳
رسالہ مذہب شیعہ، خلافتِ فاروقی کی حقانیت اور مشورہ ہائے مرتضیٰ ۷۶
تحفہ حسینیہ، تتمہ دلیلِ اول و بیان فوائد و نکات ۷۷
مذہبِ شیعہ، دلیلِ دوم، ۸۴
" " دلیلِ سوم، امامِ ناحق کے تحت جہاد حرام ہے۔ ۸۵
" " تعاملِ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ۸۶
" " دلیلِ چہارم، خلافتِ موعودہ خلافتِ صدیق و فاروق ہے ۸۷
تحفہ حسینیہ، تقریرِ استدلال اور کلامِ امیر کے فوائد و قرائد ۹۰
بادشاہِ روم کا اعترافِ مغلوبیت اور غلبہ اسلام کی شہادت ۱۰۱

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

علامہ ڈھکو صاحب کا جواب سے عجز اور بے بسی ۱۰۴

تعاملِ مرتضوی کے بیان میں غلط بیانی کا دعویٰ ۱۰۵

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشوروں اور تعامل کی توجیہ ۱۰۶

تحفۂ حسینیہ، شیعی توجیہات کا ردّ و ابطال ۱۰۷

ابن ابی الحدید کا منصفانہ فیصلہ ۱۱۵

خلفاء ثلاثہ کے دور میں حضرتِ امیر رضی اللہ عنہ کے جنگوں میں شامل نہ ہونے کی وجہ ۱۱۷

رسالہ مذہبِ شیعہ، حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی دعوائے خلافت سے دستبرداری ۱۲۰

شیعی تاویلات - رسالہ تنزیہ الامامیہ ۱۲۲

شیعی تاویلات کا بطلان - تحفۂ حسینیہ ۱۲۳

خلافت سے دستبرداری اور بے رغبتی کے مزید دلائل ۱۲۳

کیا از روئے عقل و درایت خلافت سے دستبرداری ممکن ہے؟ ۱۳۰

نگاہِ مرتضوی میں خلافت مثلِ سراب ۱۳۳

〃 〃 〃 خلافت جوتے سے بھی کم قیمت ۱۳۴

〃 〃 〃 خلافت بکری کے ناک کی ریزش سے بھی حقیر ۱۳۴

〃 〃 〃 خلافت خنزیر کی ہڈی سے بھی حقیر ۱۳۵

حضرتِ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے منصبِ امامت کی تحقیر کا لزوم ۱۳۷

ضرورتِ امیر اور امام ۱۳۸

منصبِ امامت ناقابلِ انتقال ہے تو غصب کیسے ہو گیا؟ ۱۳۹

حضرتِ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پیدائشی مظلوم ۱۴۰

رسالہ مذہبِ شیعہ، حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے وصیِ رسول ہونے کی حقیقت ۱۴۱

تحفۂ حسینیہ، تتمہ بحث وصیت ۱۴۳

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے شوریٰ میں شامل ہونے کی شیعی تاویل اور اس کا ردِ بلیغ ۱۴۷

وصیت و وراثت کے الفاظ پر مشتمل روایات کا صحیح مفہوم و معنیٰ ۱۴۸

وصیت و خلافت پر صریح اور قطعی نص کا انکار ۱۴۹

وصیتِ خلافت کے متعلق ابوجعفر نقیب بصرہ کا نظریہ ۱۵۱

اذنِ وصیت نہ ملنے کی حکمت و مصلحت ۱۵۳

خلافت میں اختلاف و نزاع سے دور رہنے کی وصیت ۱۵۴

انوکھی وصیت ۱۵۵

رسالہ تحریر الامامیہ، وصیت کے تحقق و ثبوت کا دعویٰ ۱۵۶

تحفہ حسینیہ، ثبوت وصیت کے دعویٰ میں اپنی کتب صحیحہ کا رد ۱۵۷

روایاتِ وصیت میں موجود تعارض دور کیجئے ۱۵۸

متفق علیہ پر عمل اور مختلف فیہ کا رد کوئی صحیح قاعدہ نہیں ہے ۱۵۹

علامہ ڈھکو صاحب کا جھوٹا دعویٰ ۱۶۲

انکارِ وصیت کے معارض روایات کی حقیقت اور سید مرتضیٰ و طوسی کا رد ۱۶۴

وصیتِ خلافت کے راویوں کا حال ۱۶۸

رسالہ مذہبِ شیعہ، وصی رسول ہونے کی حقیقت ۱۷۱

حضرتِ علی رضی اللہ عنہ کا خلیفہ کے متعلق سوال سے اجتناب ۱۷۱

تتمہ مبحث وصیت ۱۷۲

انکارِ وصیت کی روایات اور طوسی کے جوابات ۱۷۶

ابوجعفر طوسی کی مغالطہ آفرینی اور دھوکہ دہی ۱۷۸

رسالہ مذہبِ شیعہ، حضرت امیر رضی اللہ عنہ کا بیعت کی پیش کش کو ٹھکرانا اور خلافت میں تنازع سے روکنا! ۱۸۲

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تحفہ حسینیہ، حضرت عباس اور ابوسفیان کی پیشکش کے مزید ثبوت ۱۸۳
تنقیحِ خطبہ اور وجہ استدلال ۱۸۷
از روئے تقیہ بیعت واطاعتِ ابوبکر کا عجز بانِ مرتضےٰ رضی اللہ عنہ ۱۸۹
شیعی شارحین نہج البلاغہ کا اضطراب ۱۹۲
طوسی کا اعتذار اور اس کا ردِ بلیغ ۱۹۳
حضرتِ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے خوارج، باغیوں اور خارجیوں سے قتال کا عہد ۱۹۶
تحفہ حسینیہ، تتمہ مبحث مذکور ۱۹۷
حضرتِ امیر کی بیعتِ ابوبکر پر رضا و تسلیم ۱۹۸
خطبہ مذکورہ کے فوائد کا بیان اور اثباتِ مذہبِ اہل سنت ۲۰۱
حضرتِ امیر رضی اللہ عنہ اور دیگر اہل بیت پر تشدد کا ابطال ۲۰۳
حضرتِ امیر کا تعامل خلفاء ثلاثہ کے ساتھ بزبانِ ابنِ ابی الحدید ۲۰۵
ابن ابی الحدید کا عقیدہ اور علماء شیعہ کی دھاندلی ۲۰۸
رسالہ مذہبِ شیعہ، ظاہری بیعت ہی حقیقی بیعت ہوتی ہے ۲۱۰
بیعتِ مرتضوی کے لیے مالکِ اشتر وغیرہ کا تشدد و جبر ۲۱۴
بارگاہِ نبوی میں خلفاء ثلاثہ کا مقام اور شانِ تقرب ۲۱۸
ارشادِ نبوی میں تحریف کی ناکام سعی ۲۱۹
عظمتِ صدیق رضی اللہ عنہ کا بیان بزبانِ رسالت بموقعہ ہجرت ۲۲۵
شیعی تشکیکات، روایتِ مذکورہ کے متعلق ـ رسالہ تنزیہ الامامیہ ۲۲۷
شیعی تشکیکات و تلبیسات کا ردِ بلیغ ـ تحفہ حسینیہ ۲۲۸
صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر اللہ تعالیٰ اور رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتماد اور آپ کا اس اعتماد پر پورا اترنا ـ نفیس بحث ۲۲۹

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

علامہ طبرسی کا شیعی افسانہ نگاری سے گریز ۲۲۳

اس شبہ کا ازالہ کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر سکینہ کا نزول کیوں نہ ہوا؟ ۲۲۹

حرفِ شرط لانے کی حکمت اور ایثارِ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا تقابلی جائزہ ۱۴۰

اہم نکتہ، حدیثِ ہجرت سے خلافتِ صدیق کا اثبات ۱۴۷

حضرتِ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت سلمان و ابوذر رضی اللہ عنہما پر ۲۴۸

شیعہ کا پیچ و تاب اور فرمانِ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی تحریف ۲۴۹

گروہِ اصفیاء بنو امیہ کا نہیں، بلکہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا تیار کردہ ہے ۲۵۱

شیعی تاویلات کا رد بلیغ ۲۵۱

کتبِ شیعہ میں سُنّی راوی کیوں اور کیسے؟ ۲۵۶

مبحثِ دامادیِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ برائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ۲۵۹

سینہ کوبی کا موجبِ اصلی ۲۶۱

تتمہ مبحث نکاح حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا ۲۶۲

تزویج اُم کلثوم کی وجہ سے حضرتِ امیر کی حضرت عباس پر ناراضگی ۲۶۵

بیوہ کی عدت اور تزویجِ امِ کلثوم رضی اللہ عنہا کا ثبوت ۲۶۸

نکاح اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا کے متعلق شیعی تاویلات اور ثبوتِ نکاح ۲۷۰

عقدِ امِ کلثوم رضی اللہ عنہا کا اعتراف، از سید مرتضیٰ علم الہدیٰ ۲۷۳

عقدِ امِ کلثوم رضی اللہ عنہا کا اعتراف، از ابوجعفر طوسی شیخ الطائفہ ۲۷۴

سحیقہ جنیّہ کا ام کلثوم کی صورت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نکاح و زفاف ۲۸۱

اس تاویل کا بطلان اور شیعہ کو درپیش الجھنیں ۲۸۴

کیا حضرتِ امِ کلثوم رضی اللہ عنہا کے عقدِ تزویج کے قائل جھوٹے ہیں؟ ۲۸۸

صاحبِ ناسخ التواریخ کا اعترافِ حقیقت اور اقرارِ تزویج ۲۸۷

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

شرم تم کو مگر نہیں آتی ؛ ۲۸۸

عقدِ اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا میں تاویلات کی ضرورت کیوں ؟ ۲۸۹

عقدِ نکاح کی روایات کو موضوع کہنے کی لغویت ۲۹۰

علامہ ڈھکو صاحب کی توجیہات - رسالہ تنزیہ الامامیہ ۲۹۱

علامہ صاحب کی جملہ توجیہات کا ردِ بلیغ - تحفہ حسینیہ ۲۹۲

از رُوئے درایت و روایت بنتِ علی رضی اللہ عنہ کے نکاح کا ثبوت ۳۰۲

اسلام میں رشتہ داری کا دارومدار ایمان داری پر ہے ۳۰۴

پیر صاحب کے اوّل فرج غصبناہ پر غصّہ کی وجہ ۳۰۵

علامہ مجلسی کا مذہب اور ڈھکو صاحب کی غلط بیانی ۳۰۷

علامہ ڈھکو صاحب کی تلبیس ہی تلبیس ۳۱۰

شیعی مؤرخ کی طرف سے ڈھکو صاحب کی تکذیب ۳۱۱

رسالہ مذہبِ شیعہ، بحثِ حدیثِ قرطاس ۳۱۶

تتمہ مبحث قرطاس - تحفہ حسینیہ ۳۱۸

علامہ ڈھکو صاحب کی جوابی کارروائی ۳۲۶

علامہ صاحب کے جوابات کا مکمل رد - تحفہ حسینیہ ۳۳۰

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لکھنے کے محال ہونے کا مطلب ؟ ۳۳۱

کیا سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم صرف تہتر زبانیں جانتے تھے ؟ ۳۳۴

کتبِ اہل السنّت سے لکھنے کے متعلق ثبوت اور اس کا جواب ۳۳۵

نبی اُمّی کے نہ لکھنے کے بارے علمائے شیعہ کے اقوال ۳۳۶

بہتر علوم پر دسترس اور ان میں لکھنے کی حقیقت ۳۳۹

آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اُمّی ہونے کا مطلب ۳۴۰

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حدیثِ قرطاس کی دوسری توجیہ کے جواب میں فریب کاری ۳۴۱

حضرتِ امام غزالی علیہ الرحمہ پر بہتان ۳۴۲

کتاب سر العالمین شاہ عبدالعزیز کی نظر میں ۳۴۵

امام غزالی علیہ الرحمہ نعمت اللہ جزائری شیعی کی نظر میں ۳۴۶

حدیث قرطاس کی تیسری توجیہ کے جواب میں مکاری ۳۴۹

شیعہ کا دعویٰ ہذیان دراصل ہذیان ہی ہے ۳۵۳

حدیثِ قرطاس کی چوتھی توجیہ کے جواب میں حقائق پر پردہ پوشی ۳۵۶

کیا صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی غیبی خبر خروجِ دجال کی پیشین گوئی کی مانند ہے؟ } اس شیعی توہم کا رد بلیغ ″

کیا صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اظہارِ خلافت کی وجہ سے دِل ٹیڑھے ہو رہے تھے؟ ۳۶۵

علماء شیعہ کی عداوتِ شیخین میں ہوش و خرد سے بیگانگی ۳۶۹

امّ المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی عداوت میں بے حیائی کی انتہا ۳۷۱

علامہ ڈھکو صاحب کی جاہلانہ اور بے محل تنقید ۳۷۳

رسالہ مذہبِ شیعہ، بحث حدیث غدیر اور شیعی استدلال کا ابطال ۳۷۴

تتمہ حدیثِ غدیر۔ تحفہ حسینیہ ۳۷۵

خلافتِ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور شیعہ و سُنّی محلِ نزاع ۳۷۶

شیعی استدلال کی مدارِ صحت ۳۷۷

امرِ اوّل کی تحقیق کہ حدیثِ غدیر متواتر اور قطعی الثبوت نہیں ۳۷۸

امرِ ثانی کی تحقیق کہ مولیٰ کی دلالتِ خلافتِ بلافصل پر قطعی نہیں ۳۷۹

مولیٰ بمعنیٰ خلیفہ بلافصل کے قرائن کی حیثیت ۳۸۰

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

علامہ ڈھکو صاحب کی جوابی کارروائی ۳۸۲
تحفہ حسینیہ، علامہ موصوف کے جوابات کا ردِ بلیغ ۳۸۲
ڈھکو صاحب کا دعویٰ کہ مولیٰ بمعنیٰ اولیٰ بالتصرف ہے اور اس کا رد ۳۸۴
علامہ ڈھکو صاحب کے قائم کردہ قرائنِ عشرہ اور ان کا ابطال ۳۸۷
پہلا قرینہ، ألست اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم اور اس کا صحیح مفہوم ۳۸۷
مولیٰ بمعنیٰ محبوب پر تمام قرائن کا بیان ۳۹۱
شیعی علماء کا منشار غلط ۳۹۴
دوسرا اور تیسرا قرینہ مولیٰ بمعنیٰ اولیٰ بالتصرف، اہتمام اور فرمانِ نبوی ۳۹۵
فرمانِ نبوی اور اہتمام کا پس منظر اور شیعی دعویٰ کا رد ۳۹۶
تکرار اور تحصیل حاصل کے لزوم سے مغالطہ دینے کی کوشش ۴۰۳
کیا اعلانِ خلافتِ امیر کے بغیر کارِ نبوت اکارت ہو رہا تھا؟ ۴۰۵
کیا قولِ باری تعالیٰ، یاایھا الرسول بلغ الآیہ غدیر خم پر نازل ہوا ۴۱۰
بقولِ علماء شیعہ خلافتِ امیر کے اعلان میں نبوی پس و پیش ۴۱۲
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خوفزدہ ہونے والے توہم کا بطلان ۴۱۴
قولِ باری تعالیٰ، یاایھا الرسول الآیہ کا شانِ نزول اور خارجی قرائن کا بیان ۴۱۷
شانِ نزول میں غلط فہمی کی وجہ ۴۲۱
چوتھا قرینہ، حارث فہری کا واقعہ ۴۲۴
شیعہ وسُنی علماء مفسرین کے نزدیک سأل سائل کا مصداق کون ہے؟ اور حارث فہری کب اور کہاں ہلاک ہوا؟ ۴۲۷
شیعی استدلال کی مدار تفسیر ثعلبی اور واحدی کی حیثیت ۴۲۹
پانچواں قرینہ، صحابہ کرام کی حضرتِ امیر رضی اللہ عنہ کو مبارکباد دی ۴۳۱

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مبارک بادی وغیرہ والی روایت کی حقیقت	۴۳۲
اولیٰ اور مولیٰ ہونا حاکم و خلیفہ ہونے کو مستلزم نہیں	۴۳۳
مولیٰ بمعنیٰ اولیٰ سے کیا ثابت ہوا؟	۴۳۶
چھٹا قرینہ، صحابہ کرام کو حکم دیا گیا کہ مرتضیٰ کو امیر المومنین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے لقب سے سلام دیں!!	۴۳۷
امیر المومنین کے لقب سے سلام دینے والی روایت کی حیثیت	۴۳۸
ساتواں قرینہ، حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی منقبت اور اس کا صحیح مفہوم	۴۴۵
آٹھواں قرینہ، حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے دوستوں کے لیے دعائے خیر اور دشمنوں کے لیے دعائے ہلاکت، اور اس قرینہ کی عدم مناسبت	۴۴۸
نواں قرینہ، اعلانِ ولایت کے بعد تکمیلِ دین کی بشارت اس قرینہ میں اہلِ تشیع کی مغالطہ دہی اور خود فریبی	۴۴۹
قرآن مجید ایسے اہم فریضہ اور مدارِ اسلام کے بیان سے خاموش کیوں؟	۴۵۲
دسواں قرینہ، حضرت امیر رضی اللہ عنہ کا اس حدیث کو استحقاقِ خلافت میں بطورِ دلیل پیش کرنا اور اس کا ردِ بلیغ۔	۴۵۵
بیعتِ خلافت کے لیے ابوسفیان کا اصرار اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ کا انکار	۴۶۰
معیارِ صحت برائے روایات	۴۶۱
مولیٰ بمعنیٰ اولیٰ میں منشاءِ غلط۔ فائدہ ۱	۴۶۳
مولیٰ کے معانی میں علمائے شیعہ کا باہمی اختلاف۔ فائدہ ۲	۴۶۵
ابوجعفر قمی کا بے بنیاد دعویٰ	۴۶۷
حدیث غدیر کی حقیقتِ حال اور صحیح مفہوم	۴۶۸

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مبحث امامت و خلافت و فضائل خلفاء راشدین

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کا اس رسالہ کی تالیف سے بنیادی مقصد خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کے باہمی خوشگوار تعلقات کا بیان تھا اور اہل بیت کرام کی زبانی ان کے فضائل و مناقب کا بیان۔ اسی مناسبت سے آپ نے حضرات ائمہ اہل بیت کی زبانی عمومی فضائل کے اثبات کے ساتھ ساتھ اصحاب ثلاثہ کی خلافت کا برحق ہونا بھی ثابت فرمایا اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حق میں کسی نص کے ورود یا وصیت وغیرہ کی بھی حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ارشادات سے نفی اور انکار ثابت فرمایا تاکہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم پر اہل تشیع کی طرف سے طعن و تشنیع اور ان کے ایمان و اخلاص پر اعتراض و تنقید کی بنیاد ہی ختم ہو کر رہ جائے اور یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جائے کہ جو ترتیب خلفاء میں عملاً پائی گئی ہے وہی برحق ہے اور وہی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک مقبول اور پسندیدہ ہے جو انشاء اللہ العزیز آئندہ صفحات کے مطالعہ سے بالکل واضح ہو جائے گی لیکن یہاں پر چند امور بطور تمہید ذکر کرنے ضروری ہیں تاکہ اس مسئلہ میں اختلاف کی بنیاد اور اس کا دار و مدار واضح ہو جائے اور اس بنیاد و اساس کو ملحوظ رکھ کر اس موضوع پر قائم کردہ دلائل کا مفید مدعا اور مثبت مطلب ہونا یا نہ ہونا قارئین کو معلوم ہو سکے اور اس مسئلہ میں دونوں فریق یعنی اہل السنت والجماعت اور اہل تشیع کے موقف کی صحت و درستگی یا اس کا فساد و بطلان واضح ہو سکے۔ فاقول وعلی توفیقہ اعول۔

امر اول

اہل سنت کے نزدیک خلیفہ و امام کا تقرر اہل اسلام کی ذمہ داری ہے اور ان پر واجب و لازم افعال میں سے ایک اہم واجب اور لازم فعل ہے۔ اگر صحیح انتخاب کریں گے تو مستحق اجر و ثواب ہوں گے ورنہ مستحق عتاب و عقاب جبکہ اہل تشیع کے نزدیک خلیفہ و امام کا انتصاب و تقرر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور بندوں کا قطعاً

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اس میں کوئی دخل نہیں۔ پوری کائنات کے افراد مل کر بھی ایک شخص کو امام اور خلیفہ نہیں بنا سکتے اور از روئے عقل اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ وہ امام و خلیفہ مقرر کرے کیونکہ اس میں مخلوق کی بالعموم اور نسل انسانی کی بالخصوص بھلائی اور بہتری ہے اور ہر ایسا کام جو عباد و بلاد کے لیے خیر اور بہتر ہو وہ اللہ تعالیٰ پر واجب و لازم ہوتا ہے، ملاحظہ ہو تجرید الطوسی و شرح تجرید للقوشجی وغیرہ۔

علامہ طوسی نے کہا: الامام لطف فیجب نصبه علی اللہ تعالیٰ تحصیلاً للغرض امام کا نصب کرنا لطف اور عنایت ہے لہذا اس کا مقرر کرنا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے تاکہ غرض مطلوبہ حاصل ہو سکے۔ علامہ قوشجی نے اس کی شرح میں فرمایا: ذھب اھل السنة الی انه واجب علینا سمعا (الی) وذھبت الامامیة الی انه واجب علی اللہ عقلاً و اختارہ المصنف۔ اہل السنت اس طرف مائل ہیں کہ امام کا تعین ہم پر لازم ہے دلائل سمعیہ کی وجہ سے، جبکہ امامیہ کا مذہب و عقیدہ یہ ہے کہ دلائل عقلیہ کی رو سے امام کا نصب کرنا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے اور یہی مضمون کشف المراد فی شرح تجرید الاعتقاد للعلامہ الحلی ص۳۸۸ پر موجود ہے۔

لیکن دریافت طلب امر یہ ہے کہ بعثت انبیاء علیہم السلام سے یہ مقصد پورا ہوا یا نہ؟ پہلی صورت میں ائمہ میں لطف کا انحصار باطل ہو گیا اور دوسری صورت میں بعثت انبیاء عبث ہو گئی نعوذ باللہ اور انبیاء و رسل کی بعثت تحصیل غرض کے لیے ناکافی ٹھہری۔ لہذا اہل تشیع کا بعثت انبیاء کو عبث بھی نہ ماننا اور لطف باری تعالیٰ کا ائمہ کے تقرر میں منحصر ماننا لغو و باطل ہو گیا۔ کما قال الطوسی فی التجرید: وانحصار اللطف فیه معلوم للعقلاء (تجرید مع الکشف ص۳۸۸)

امر ثانی

شیعہ کے نزدیک امامت کا عقیدہ قطعی عقاید میں داخل ہے اور اس پر ایمان و کفر اور نجات و ہلاکت کا دار و مدار ہے حتی کہ جو شخص بارہ ائمہ میں سے کسی کی امامت کا منکر

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہو وہ مؤمن نہیں ہو سکتا اور نہ ہی مستحق ثواب بلکہ اس کی نماز اور زنا برابر ہیں دیکھا ذکرہ القاضی فی المجالس جلد اول ص۸۴ وسیاق ذکرہ) اور وہ انکار امامت کے بعد مرتدین کے زمرہ میں داخل ہو جاتا ہے اس لیے انھوں نے تمام مہاجرین وانصار کو العیاذ باللہ تعالیٰ مرتد قرار دے دیا کما قالوا: ارتد الناس إلا ثلاثة أو اربعة، تین یا چار افراد کے علاوہ سبھی مرتد ہو گئے ملاحظہ ہو: رجال کشی ص۱۲۔ انوار نعمانیہ ص۸۱/ج۱، روضہ کافی للکلینی ص۲۹۶/۲۵۲/۲۵۴ اس بحث کو مستقل باب قائم کر کے اصول کافی جلد اول ص۳۷۲ تا ص۳۷۸ بیان کیا ہے اور امام حق کے ساتھ امام جائر کو ملانے والوں کو مشرک اور کافر کہا گیا اور ان کے لیے عذاب الیم ثابت کیا گیا ہے۔

امر ثالث

شیعہ کے نزدیک امام وخلیفہ کا منصوص ہونا لازمی ہے جبکہ عباسیہ کے نزدیک امام کا تعین نص سے بھی ہو سکتا ہے اور وراثت کے طریقہ پر بھی۔ زیدیہ نے کہا ہے کہ نص موجود ہونی ضروری ہے یا امام کا لوگوں کو اپنی طرف دعوت دینا جب کہ دوسرے فرق اسلامیہ کے نزدیک تنصیص یا اہل حل وعقد کے انتخاب واختیار سے اس کا تقرر ہو سکتا ہے۔ ملاحظہ ہو کشف المراد ص۳۹۲: المسألة الرابعة فی وجوب النص علی الامام اقول ذهبت الامامية خاصة الى ان الامام يجب ان يكون منصوصا عليه الخ لہذا جب تک خصوصی نص امام کے نام اور اس کے منصب امامت پر دلالت کرنے والی موجود نہ ہوگی اور اس کا ثبوت اور دلالت بھی قطعی نہیں ہوگی۔ اس وقت تک کسی امام کی امامت ثابت نہیں ہو سکے گی کیونکہ قطعی عقیدہ قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت دلیل سے ہی ثابت ہو سکتا ہے یعنی غیر مؤول آیت یا متواتر حدیث سے، جس طرح کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اقدس کی تصریح کے ساتھ ہی منصب رسالت کا ذکر صریحۃ الدلالۃ آیت میں موجود ہے اور متواتر روایات واحادیث سے بھی آپ کا دعویٰ نبوت ورسالت اور اظہار معجزات

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ثابت ہے۔ اسی طرح ائمہ کے حق میں بھی نام کی صراحت اور منصب امامت کی وضاحت ضروری ہے۔

امرِ رابع

جس امامت میں یہاں بحث اور کلام ہے اس سے مراد فقط روحانی مرتبہ اور اللہ تعالیٰ کا قرب نہیں ہے جو ہر ولی کو حاصل ہوتا ہے نہ محض تبلیغ احکام جو ہر عالم کر سکتا ہے بلکہ اس سے مراد ہے نیابت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طور پہ دینی اور دنیوی امور میں سیادت وقیادت کما قال فی شرح التجرید: ھی ریاسۃ عامۃ فی امور الدین والدنیا خلافۃ عن النبی اس اجمال کی تفصیل حضرت امام رضا رضی اللہ عنہ کی زبانی سماعت فرمالیں تاکہ اس معاملہ میں اہل السنہ اور اہل التشیع کا اجماع واتفاق واضح ہو جائے۔

ان الامامۃ زمام الدین ونظام المسلمین وصلاح الدنیا وعز المؤمنین، ان الامامۃ رأس الاسلام النامی وفرعہ السامی، بالامام تمام الصلوٰۃ والزکوٰۃ والصیام والحج والجہاد وتوفیر الفیئ والصدقات وامضاء الحدود والأحکام ومنع الثغور والأطراف۔ الامام یحل حلال اللہ ویحرم حرام اللہ ویقیم حدود اللہ ویذب عن دین اللہ ویدعو الی سبیل ربہ بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ والحجۃ البالغۃ الخ

(احتجاج للطبرسی مطبوعہ مشہد ص ۴۳۴)

بے شک امامت دین کے لیے زمام ہے اور لوگوں کو دین پر برقرار رکھنے کا موجب ہے اور اہل اسلام کے لیے ذریعہ نظم وضبط ہے۔ دنیا کی اصلاح اور بہتری ہے اور اہل ایمان کے لیے عز وافتخار امامت اسلام کے لیے بمنزلہ سر کے ہے جو بلند وبالا ہے اور اس کی بلند مرتبت فرع ہے۔ امام کے ذریعے ہی نماز، زکوٰۃ، روزہ، اور حج کی تتمیم وتکمیل ہے اور اس کے ذریعے جہاد، اور اموال فیئ اور غنائم وصدقات کی فراوانی ہے اور حدود واحکام کا نفاذ واجراء اور دار اسلام کی سرحدات اور اطراف کا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تحفظ۔ امام ہی اللہ تعالیٰ کے حلال کو حلال ٹھہراتا ہے اور اس کے حرام کو حرام قرار دیتا ہے۔ وہی اللہ تعالیٰ کے حدود کو قائم کرتا ہے اور اس کے دین کا دفاع کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف اور راہ ہدایت کی جانب حکمت بالغہ موعظت حسنہ اور حجت غالبہ کے ساتھ دعوت دیتا ہے۔

علامہ حلی نے محقق طوسی کے اس دعویٰ پر کہ امام کا نصب کرنا لطف محض ہے دلیل قائم کرتے ہوئے کہا: اذ العلم الضروری حاصل بأن العقلاء متی کان لھم رئیس یمنعھم عن التغالب والتھاوش ویصدھم عن المعاصی ویعدھم ویحثھم علی فعل الطاعات ویبعثھم علی التناصف والتعادل کانوا الی الصلاح اقرب ومن الفساد أبعد وھذا أمر ضروری لایشک فیه عاقل۔ (کشف المراد ص۳۸۸)

یعنی اس امر کا علم بدیہی ہر ایک کو حاصل ہے کہ جب اہل عقول کے لیے ایک رئیس اور امیر ہو جو ان کو ایک دوسرے پر غلبے اور تسلط سے منع کرے اور معاصی و ذنوب سے منع کرے۔ طاعات وعبادات کے لیے آمادہ اور تیار کرے اور باہمی عدالت وانصاف پر برانگیختہ کرے تو وہ صلاح اور بہتری کے قریب تر ہوں گے اور فساد اور برائی سے بعید تر اور یہ واضح حقیقت ہے جس میں کوئی عقلمند شک و شبہ نہیں کرسکتا۔

ابطال عقیدہ شیعہ

ان معروضہ امور کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور عدل وانصاف کا دامن تھامتے ہوئے بتلائیں کہ کہیں کلام مجید میں اللہ تعالیٰ نے بارہ ائمہ میں سے کسی ایک کا نام تک بھی ذکر فرمایا ہے۔ جب نہیں اور یقیناً نہیں تو اس عقیدہ کو قرآن مجید سے ثابت کرنا ممکن نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دوسرے خلفاء اور ائمہ کے متعلق کوئی ابہام نہ چھوڑا بلکہ تصریح سے کام لیتے ہوئے خلافت وامامت ان کے لیے ثابت فرمائی اور مخلوق خدا کے لیے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

لطف وعنایت کا اظہار فرمایا مگر ائمہ اہل بیت کی باری آئی تو یہ لطف الٹا موجب افتراق و انتشار اور نزاع وجدال بن گیا اور خود شیعہ دو درجن فرقوں میں بٹ گئے۔ باقیہ طوائف اسلام چہ رسد اور بارہ میں سے جو گزر چکے ان کی اکثریت دنیوی حکومت سے محروم رہی اور جن کو یہ حکومت ملی، تو وہ صحیح عقائد اور اعمال جاری نہ کر سکے کیونکہ عساکر اور رعایا کے الگ ہو جانے کا اندیشہ تھا تو ایسی صورت میں ان میں سے کسی کے حق میں امامت وخلافت کا وہ مفہوم ومعنی اور تعریف سچی نہیں آتی جو شیعی علماء نے ذکر کی ہے بلکہ امام رضا رضی اللہ عنہ نے ذکر کی ہے۔ رہا احادیث کا معاملہ تو ان میں تواتر ثابت کرنا ناممکن ہے بلکہ اکثر احادیث اور روایات کا از روئے اصطلاح صحیح ہونا بھی محل نظر ہے چہ جائیکہ ان کا اختصاص ثابت ہو، مثلاً قول باری تعالیٰ: وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنہم فی الارض الآیہ میں زمین کے اندر حکومت اور اقتدار وتصرف، دین کا استحکام اور خوف کو امن میں بدلنے کا وعدہ ہے جبکہ ان حضرات کو حکومت ہی نہ ملی اور ملی بھی تو اپنے دین کو نافذ نہ کر سکے اور ہر وقت رعایا اور لشکریوں سے ڈرتے رہے اور ان کی مرضی کے مطابق چلتے رہے اور تقیہ سے کام لیتے رہے۔ اسی لیے شیعہ علماء کی عظیم اکثریت نے اس کو صرف اور صرف حضرت مہدی علیہ السلام پر منطبق کیا ہے جبکہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خطبات سے اس کا مصداق حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ہیں جیسے کہ آئندہ اوراق میں ارشادات مرتضویہ سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی "انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین آمنوا" بھی ائمہ کے اسماء مبارکہ کی تصریح سے خالی ہے اور والذین آمنوا تمام مہاجرین وانصار کو شامل ہے اور اگر روایت ساتھ ملائیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حالت رکوع میں زکوٰۃ دی تھی وہی اس کا مصداق ہیں تو بھی قطعیت ثابت نہیں ہو سکتی کیونکہ روایت اخبار آحاد کے قبیل سے ہے اور استدلال کا دارومدار اس پر ٹھہرا جب وہ قطعی الثبوت نہیں ہے تو اس سے یہ قطعی عقیدہ کیونکر ثابت ہو سکتا ہے؟ علاوہ ازیں اگر یہ قید یعنی یؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون اتفاقی ہے تو جنہوں نے زکوٰۃ حالت رکوع میں

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نہیں دی ان کی امامت کی نفی نہیں ہو سکتی لہٰذا دعویٰ اختصاص باطل ہو گیا اور اگر احترازی ہے تو جس طرح خلفاء ثلاثہ کی خلافت و امامت کی نفی ہو گی دیگر ائمہ کرام کی امامت کی بھی نفی لازم آئے گی کیونکہ حالتِ رکوع میں صدقہ دینا صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں ثابت کیا جاتا ہے لہٰذا یہ دلیل بجائے بارہ ائمہ کی امامت کو ثابت کرنے کے الٹا ان میں سے گیارہ کی نفی کر دے گی کیونکہ دس حضرات کے حق میں تو حالت رکوع میں صدقہ کرنا ثابت نہیں ہے اور گیارہویں گو مخفی ہیں اور احتمال ہے کہ حالت رکوع میں انہوں نے صدقہ دیا ہو لیکن یہ احتمال مقام استدلال اور محل یقین میں کار آمد نہیں علی الخصوص جبکہ اس علامت کو امتیازاً امام کے لیے بیان کیا گیا ہو تو جب ہمیں معلوم ہی نہ ہو کہ امام صاحب ہیں کہاں اور نماز کس طرح ادا فرمائی اور جب دوسرا شخص پاس نہیں ہے تو صدقہ کس کو دیا تو کس طرح یقین حاصل ہو گیا کہ وہ اس آیت کے مصداق ہیں اور اس امتیازی صفت کے ساتھ موصوف

علاوہ ازیں جس طرح شان نزول میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صدقہ کرنے کو بیان کیا جاتا ہے اسی طرح یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اہل کتاب میں سے ایمان لانے والے حضرات کے ساتھ اہل کتاب یہود کے بائیکاٹ کرنے پر ان کو تسلی دی گئی ہے کہ اگر وہ تم سے الگ ہو گئے تو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اور ایمان والے تمہارے معاون و مددگار ہیں لہٰذا تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں اس صورت میں اس کا محل نزاع سے ذرہ بھر تعلق بھی نہ رہا کیونکہ یہاں پر نہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی خلافت بلا فصل ثابت کرنی مقصود ہے بلکہ ان حضرات کی معاونت اور نصرت اسی طرح دیگر اہل ایمان کی طرف سے بھی خلافت بلا فصل کا اثبات مقصود نہیں ہے بلکہ ان کے بھائی چارے برادرانہ روابط اور امداد و اعانت کا ذکر کرنا مقصود ہے۔ علاوہ ازیں اگر اس آیت کریمہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت و خلافت کا اعلان ہو چکا تھا تو غزوہ تبوک اور حجۃ الوداع کے موقع پر اعلان خلافت تکرار محض ہے اور علی الخصوص حجۃ الوداع کے موقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خطرات اور اندیشوں کا اظہار اور عصمت و حفاظت کی ضمانت کا مطالبہ کرنا بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے جیسے کہ ناظرین اس مبحث کا "من کنت مولاہ فعلی مولاہ"

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے ضمن میں مطالعہ کریں گے۔ اسی لیے شیعہ صاحبان کو اس اشکال سے جان چھڑانے کے لیے کہنا پڑا کہ گو خلافت امیر کا تذکرہ تو اس آیت میں تھا لیکن لوگ اس کو سمجھتے نہیں تھے۔ اس لیے حجۃ الوداع میں یایھا الرسول بلغ ما انزل الیک وان لم تفعل فابلغت رسالتہ کہہ کر اس کا اعلان کرانا پڑا۔ ملاحظہ ہو شیعی ترجمہ مقبول کا حاشیہ ص ۱۸۰ لیکن یہ سوال اپنی جگہ قائم ہے کہ اہل زبان جن کے محاورات کے مطابق قرآن نازل ہوا اور جن کو تعلیم اور تربیت دینے کے لیے رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا گیا تو وہ ولایت کا معنی کیوں نہ سمجھے اور انہیں اس طویل عرصہ میں سمجھایا کیوں نہ گیا اور ان سے رکوع میں زکوٰۃ دینے والی شخصیت مخفی کیسے رہ گئی۔ چنانچہ واضح ہو گیا کہ اس میں بھی کوئی تنصیص اور تخصیص ائمہ اور خلفاء کی موجود نہیں ہے۔

الغرض یہاں ان آیات پر تفصیلی بحث کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ ناظرین وقارئین کو بطور اجمال اور اختصار یہ بتلانا مقصود ہے کہ اہل تشیع کے پاس کوئی صریح اور قطعی دلیل اس دعویٰ پر نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر واجب اور فرض امر کو ان ائمہ کا تقرر کر کے ادا فرمایا اور اس طرح ہدایت خلق اور ان کی سیاست کا اہتمام فرمایا اور منصب امامت و خلافت کو صرف خاندانِ نبوت بالعموم اور خاندان امام حسین کے ساتھ بالخصوص مختص فرما دیا ہے۔ لہٰذا یہ عقیدہ عقیدہ نہیں ہے بلکہ سراسر وہم و وسوسہ ہے اور علی الخصوص جب یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ سب سے پہلے خلافت بلا فصل اور وصیت کا راز کھلا تو ۳۵ ہجری میں اور وہ بھی ایک یہودی نومسلم پر تو اس کے سراسر سازش ہونے کا یقین ہو جاتا ہے اور اہل اسلام کے اندر نظریاتی آویزش پیدا کرنے کا خطرناک منصوبہ ہونے کا جزم واذعان۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا چوتھا خلیفہ ہونا

لہٰذا صحیح عقیدہ و نظریہ یہی ہے کہ خلیفہ کا تقرر اہل اسلام کے فرائض میں سے ہے کما قال المرتضیٰ رضی اللہ عنہ لابد للناس من امام بر او فاجر الخ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کہ لوگوں کے لیے اچھے یا برے امام کا موجود ہونا ضروری ہے۔ اگر صحیح امام کو مقرر کریں گے تو مستحق اجر و ثواب ورنہ مستحق عذاب و عقاب، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسی حقیقت کو اپنے خطبات میں واضح کیا اور خود اسی طریق کار کے مطابق منتخب ہوئے اور اسی انتخاب کو اپنی حقانیت خلافت کی دلیل کے طور پر پیش فرمایا بلکہ یہاں تک تصریح فرما دی کہ میں چوتھا خلیفہ ہوں اور جو مجھے چوتھا خلیفہ تسلیم نہ کرے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔
کما فی مناقب ابن شہر آشوب: قال امیر المومنین من لم یقل انی رابع الخلفاء فعلیہ لعنۃ اللہ۔ جلد ثالث ص ۲۵۵

علماء شیعہ کی تحریف اور اس کا رد بلیغ

علماء شیعہ نے اس فرمان مرتضوی کو دیکھا تو سارے عقیدہ پہ پانی پھرتا نظر آیا لہٰذا لنگر لنگوٹ کس کر تاویلات و تسویلات کے درپے ہو گئے اور بڑی عجیب و غریب تعبیرات شروع کریں جن کا ماحصل یہ ہے کہ یہاں پر حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہم کے بعد چوتھا خلیفہ مراد نہیں ہے بلکہ حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد چوتھے خلیفہ مراد ہیں کیونکہ پہلے خلیفہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں قال اللہ تعالیٰ: انی جاعل فی الارض خلیفۃ۔ دوسرے حضرت ہارون علیہ السلام قال اللہ حکایۃ عن موسیٰ علیہ السلام: واذ قال موسیٰ لاخیہ "ھارون اخلفنی فی قومی" اور تیسرے خلیفہ حضرت داؤد علیہ السلام ہیں "قال اللہ تعالیٰ: یاداود انا جعلناک خلیفۃ فی الارض" اور چوتھے خلیفہ آپ ہو گئے۔ کما قال تعالیٰ۔

"وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصالحات یعنی علیاً لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم آدم وداؤد وھارون ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم یعنی الاسلام الخ۔
(مناقب جلد سوم ص ۶۳)

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

لیکن یہ توجیہ وتاویل سراسر لغو اور باطل ہے کیونکہ بحث لفظ خلیفہ اور خلافت میں نہیں بلکہ اس معنی ومفہوم میں ہے جس کا ذکر قبل ازیں امام رضا رضی اللہ عنہ کی زبانی اور دیگر علماء شیعہ کی زبانی ہو چکا اور اس معنی ومفہوم کا انبیاء کرام علیہم السلام میں سے صرف تین میں منحصر کرنا اور غیر انبیاء علیہم السلام میں سے صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ میں منحصر کرنا یا ان کی اولاد میں بالکل باطل اور خلاف واقعہ ہے۔

اوّلاً

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا امام ہونا نص قرآنی سے ثابت ہے اور بقول شیعہ وہ نبی و رسول پہلے تھے اور خلیل بھی بعد ازاں تکمیل مراتب کے طور پر ان کو امامت کا منصب عطا کیا گیا۔ کما قال تعالیٰ: إني جاعلك للناس اماماً " اور اپنی اولاد کے لیے انہوں نے یہ منصب اللہ تعالےٰ سے طلب کیا۔ تب ان کو امامت وخلافت نصیب ہوئی تو کون سا عقلمند ہو گا جو پہلے ثابت اور متحقق امامت وخلافت کا انکار کر دے اور از راہِ لطف اس میں دوسرے شریک کیے جانے والوں کی امامت وخلافت کا اقرار واعتراف کرے " قال ومن ذریتی قال لا ینال عهدی الظالمین " اور امام رضا رضی اللہ عنہ کی تصریح کے مطابق ان کی اولاد میں حضرت اسحاق، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب بھی منصب امامت پر فائز ہوئے کما قال تعالیٰ: وجعلناهم ائمة یهدون بأمرنا وأوحینا الیهم فعل الخیرات واقام الصلوٰة الایة (احتجاج ص ۲۳۳)

ثانیاً

حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو تو اللہ تعالیٰ کا خلیفہ تسلیم نہ کیا جائے اور جس ہستی کو وہ عارضی طور پر اپنا خلیفہ بنائیں اس کو خلیفۃ اللہ تسلیم کر لیا جائے، کیا اس سے بڑی حماقت کا مظاہرہ بھی ہو سکتا ہے؟ حالانکہ وقتی طور پر روانگی سے قبل یا واپسی کے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بعد حضرت ہارون علیہ السلام وزارت کلیم کے منصب پر فائز تھے کما قال تعالیٰ۔ "واجعل لی وزیرا من اھلی ھارون اخی اشدد بہ ازری" اگر موسیٰ علیہ السلام کے وزیر خلیفۃ اللہ ہیں تو وہ خود کیوں اس منصب سے محروم ہیں۔

ثالثاً

حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا خلیفہ تسلیم کیا گیا لیکن ان کے فرزند ارجمند جو منصب نبوت پر بھی فائز اور حضرت داؤد علیہ السلام کی نسبت عظیم ترین سلطنت کے مالک، جن کے زیر تصرف شرق تا غرب تھا اور جن وانس اور چرند پرند درندبھی بلکہ ہوا بھی اور ایسی حکومت وسلطنت اللہ تعالےٰ نے ان کو عطا فرمائی جو بعد میں بھی بظاہر کسی کو حاصل نہ ہوئی کما قال تعالیٰ، رب ھب لی ملکا لا ینبغی لأحد من بعدی" نیز اولاد علی رضی اللہ عنہم میں بطور وراثت امامت وخلافت کو تسلیم کیا گیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام از روئے نص قرآن حضرت داؤد علیہ السلام کے وارث ہیں کما قال تعالیٰ: وورث سلیمان داؤد" لہذا ان میں یہ امامت اور خلافت کیوں تسلیم نہ کی گئی۔

رابعاً

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سید الانبیاء والمرسلین اور شہنشاہ عرب ہونے کے باوجود خلیفہ اللہ تسلیم نہیں کیا گیا حالانکہ آپ نے تبلیغ احکام اور تنفیذ حدود کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا اور اس عظیم مقصد کے لیے ہر قسم کی تکلیف برداشت فرمائی تو آپ نے جس کے متعلق "انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ فرمادیا یا" من کنت مولاہ فعلی مولاہ" تو اس کا خلیفۃ اللہ ہونا کیسے ثابت ہوگیا۔ آپ مولیٰ پہلے ہوں گے تب حضرت علی مولیٰ ہوں گے اور آپ پہلے خلیفۃ اللہ ہوں گے تب آپ کا نائب خلیفۃ اللہ ہوگا اور جب آپ ہی خلفاء کی فہرست سے خارج ہو گئے نعوذ باللہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تو آپ کا وارث اور جانشین خلیفۃ اللہ کیونکر ہو سکتا ہے؟

خامساً

حضرت طالوت کے لیے اس وقت کے پیغمبر حضرت شموئیل نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے حضرت طالوت کو بنی اسرائیل کی سیاست اور نگرانی کے لیے احکام شرع کے نفاذ اور جہاد و قتال کے لیے مبعوث فرمایا کما قال تعالیٰ: ان اللہ بعث لکم طالوت ملکا (الی) ان اللہ اصطفاہ علیکم وزادہ بسطۃ فی العلم والجسم واللہ یؤتی ملکہ من یشاء واللہ واسع علیم۔"

"اور حضرت امام رضا رضی اللہ عنہ نے خود انہیں ائمہ میں شمار فرمایا۔ ملاحظہ ہو احتجاج طبرسی ص۲۳۶ لہٰذا انہیں ائمہ اور خلفاء میں شمار نہ کرنا سراسر دھاندلی ہے اور تحکم وسینہ زوری۔

سادساً

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حقیقی خلیفے اور جانشین حضرت یوشع علیہ السلام تھے حتیٰ کہ بقول شیعہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وصال کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا: "انت منی بمنزلۃ یوشع بن نون من موسیٰ" تمہارا اور میرا وہ تعلق اور نسبت ہے جو یوشع علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تعلق اور ربط و مناسبت تھی، ملاحظہ ہو مناقب ابن شہر آشوب جلد ۳ ص۲۵۲ جب طور پر جاتے ہوئے عارضی خلافت حضرت ہارون علیہ السلام کو ملی اور وہ خلیفۃ اللہ بن گئے تو جو آپ کے وصال کے بعد تا زیست خلیفہ رہے اور جنہوں نے ملک فلسطین فتح کر کے بنو اسرائیل کی حکومت و سلطنت قائم کی اور جہاد و قتال کے ذریعے اموال غنیمت جمع کئے اور احکام شرع کو نافذ کیا وہ کیونکر خلیفۃ اللہ تسلیم نہ کئے جائیں۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

سابعًا

حضرت آدم علیہ السلام کی حیات طیبہ میں صرف ان کی اولاد بلا واسطہ یا بالواسطہ ہی موجود تھی اور اولاد کے لیے خیر و شر اور حق و باطل کی توضیح و تشریح اگر خلافت قرار پا سکتی ہے تو کفار و مشرکین اور اقربا، و اغیار کی طرف مبعوث ہونے والے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سر انجام دینے والے کیوں خلفاء اللہ تسلیم نہیں کئے جا سکتے جنہوں نے ایذائیں برداشت کیں اور شہید بھی کر دیئے گئے مگر اس فرض کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی روا نہ رکھی اور تقیہ وغیرہ سے کام نہ لیا لہٰذا ہر نبی کو اللہ تعالیٰ کا خلیفہ تسلیم کرنا ضروری ہے نہ کہ صرف حضرت آدم علیہ السلام کو کیونکہ جو معنی خلافت کا ان میں موجود ہے وہ تمام انبیاء علیہم السلام میں موجود ہے۔ اسی لیے خود شیعی روایات کے مطابق ان کو بادشاہ انبیاء میں شمار نہیں کیا گیا عن ابی جعفر قال ان اللہ لم یبعث الانبیاء ملوکا فی الأرض إلا اربعة بعد نوح ذوالقرنین و داؤد و سلیمان و یوسف علیهم السلام۔ اور عنوان بھی خصال شیخ صدوق جلد اول ص۲۲۵ میں یہی قائم کیا گیا ہے "ملوك الانبیاء فی الأرض اربعة" یعنی انبیاء علیہم السلام میں سے زمین کے بادشاہ صرف چار ہوئے ہیں جبکہ شیخ صدوق نے ذوالقرنین کو انبیاء سے خارج کر دیا ہے تو صرف تین رہ گئے جن میں آدم علیہ السلام کا نام شمار ہی نہیں کیا گیا۔ لہٰذا ان میں ریاستہ عامہ موجود ہی نہیں تھی تو محل نزاع میں اس خلافت کا ذکر درست ہی نہیں ہو سکتا۔

عجیبہ

امام پنجم نے خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی ملوک الانبیاء سے نکال دیا ہے تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت کس طرح ثابت کی جا سکتی ہے؟

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ثامناً

جو خلافت و امامت حضرت آدم، حضرت ہارون، حضرت داؤد علیہم السلام میں ثابت ہے وہ حکومت و سلطنت کے علاوہ نبوت و رسالت کے معنی میں ہے جبکہ حضرات اہل بیت میں نبوت تسلیم کرنا کفر ہے۔ اسی لیے حضرت امام ابو عبداللہ جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

عن ابی بصیر قال لی ابو عبداللہ علیہ السلام یا ابا محمد ابرأ ممن یزعم انا ارباب قلت بریٔ اللہ منہ فقال ابرأ ممن زعم انا انبیاء قلت بریٔ اللہ منہ۔ (رجال الکشی ص۲۵۲)

اے ابو محمد میں اس شخص سے براءت کا اظہار کرتا ہوں جو کہے کہ ہم ارباب یعنی آلہ ہیں (ابو بصیر کہتا ہے) میں نے کہا اللہ تعالیٰ اس سے بری ہو۔ پھر آپ نے فرمایا میں ان سے بری ہوں جو کہتے ہیں کہ ہم انبیاء ہیں۔ میں نے کہا اللہ تعالیٰ ان سے بری ہے۔

لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو ان حضرات کی خلافت کے ساتھ جوڑنا آپ کو بھی نبی و رسول تسلیم کرنے کے مترادف ہے اور صرف لفظی تبدیلی کی آڑ میں اس غلو کا مظاہرہ کیا گیا ہے جس سے امام صادق نے براءت کا اظہار کیا ہے نعوذ باللہ منہ۔

تاسعاً

علاوہ ازیں آپ کا انبیاء سابقین علیہم السلام کے ساتھ خلافت میں مرتبہ و مقام کون سا ہے اس میں نہ امت کو بحث و نزاع تھی اور نہ اس میں کلام و سخن تو اس ضمن میں اس قدر وعید و تشدید کا کوئی معنی ہی نہیں ہو سکتا تھا بلکہ یہ سراسر محل حیرت اور تعجب ہے کہ بحث تو ہے وصال مصطفوی کے بعد خلافت میں کہ اصل اور اول خلیفہ کون ہے؟ اور فتویٰ لگایا جا رہا ہے ان پہ جو آپ کو انبیاء سابقین کے ساتھ ملا کر چوتھا خلیفہ تسلیم نہ کریں۔ آخر حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حضرت یوسف، حضرت سلیمان اور حضرت یوشع علیہم السلام کے بعد آپ کو کیوں خلیفہ تسلیم نہ کیا جائے؟

عاشراً

مرتبہ و مقام کے لحاظ سے عند الشیعہ آپ ان تین خلفاء سے بھی افضل ہیں اور دوسروں سے بھی سوائے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے اور زمانی ترتیب کے لحاظ سے جس طرح تین سے مؤخر ہونا درست ہے دس گیارہ سے مؤخر ہونا بھی درست ہے بلکہ ہزاروں سے مؤخر ہونا بھی درست اور صحیح ہے لہذا چوتھے درجہ میں تسلیم نہ کرنے والا لعنت کا حق دار کیونکر ہو سکتا ہے؟

الغرض یہ تاویل و توجیہ سراسر لغو اور باطل ہے اور نا قابل قبول والتفات بلکہ اس فرمان کا صحیح اور صریح واضح اور بے غبار معنی و مفہوم یہی ہے کہ میں امت مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء میں سے چوتھا برحق خلیفہ ہوں اور مجھے بلا فصل خلیفہ ماننے والا اور خلفاء ثلاثہ کی خلافت کا انکار کرنے والا اللہ تعالیٰ کی لعنت کا حقدار ہے۔ اگر شیعہ صاحبان کو اس ظاہری معنی پر ایمان لانے کی توفیق نہ ہو تو کم از کم اس قدر تسلیم کر لینے میں تو ان کے مذہب پر کوئی اثر نہیں پڑے گا کہ رعایا اور لشکریوں کی ہمنوائی اور خوشنودی کے لیے جس طرح آپ ان کو اس امت میں سب سے افضل قرار دیتے تھے۔ خیر هذه الأمة بعد نبيها ابو بكر و عمر۔ اسی طرح انہیں کی دلجوئی اور تسکین کے لیے ان کو خلفاء تسلیم کر لیا اور اپنے آپ کو چوتھا خلیفہ کہہ دیا۔ تاکہ امیر معاویہؓ کو آپ کی رعایا اور لشکریوں کو بدظن کرنے اور آپ سے برگشتہ کرنے کا موقعہ ہاتھ نہ آ سکے، اور ہمارا مدعا اس سے بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ آپ کا ظاہر مذہب جس کی ترویج و اشاعت اور تعلیم و تبلیغ آپ نے فرمائی وہ یہی تھا کہ میں خلیفہ بلا فصل نہیں ہوں بلکہ چوتھا خلیفہ ہوں اور پہلے تینوں برحق خلفاء ہیں اور جو طریقہ انتخاب ان کا ہے وہی طریقہ انتخاب میرا ہے اور جن اہل حل و عقد نے ان کو اس منصب کے لیے اہل قرار دیا انہوں نے مجھے اس منصب کا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اہل قرار دیا ہے اور ان کا انتخاب اللہ تعالیٰ کا انتخاب ہے اور ان کی رضا اللہ کی رضا لہٰذا وہ بھی میری طرح اللہ تعالےٰ کے مقرر کردہ خلفاء ہیں۔

اگر باطنی نظریہ بھی یہی تھا تو چشم ما روشن دل ماشاد اور اگر در پردہ کسی دوسرے نظریہ کی تبلیغ فرماتے تھے تو اس کا جواب شیعہ برادری کی ذمہ داری ہے کہ آپ نے دوہرا اسلام کیوں جاری کیا اور ملت اسلامیہ کو افتراق و انتشار سے دوچار کیوں کیا۔ جو ذلت و ابتری اس افتراق و انتشار کی وجہ سے ملت اسلامیہ کو درپیش ہے اس کی ذمہ داری سے ابو الائمہ کی ذات کو بری کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟ اور کیا ائمہ اور قائدین اسلام کا رویہ یہی ہونا چاہیے جو ان لوگوں نے شیر خدا رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ علاوہ ازیں ہم تو ظاہر کو دیکھ سکتے ہیں اور اسی کا اعتبار کر سکتے ہیں آپ کے دل اقدس میں کیا تھا وہ اللہ تعالیٰ جانے یا آپ جانیں۔ ظاہر کے لحاظ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک وہ برحق خلفاء تھے اور مہاجرین و انصار کا یہ انتخاب اللہ تعالیٰ کا ہی انتخاب تھا۔ کما قال رضا المخلوق عنوان رضا الخالق جل و علی۔

اور یہی امر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے بھی ظاہر ہے۔ قال اللہ تعالیٰ:

"ھو الذی جعلکم خلائف الأرض ورفع بعضکم فوق بعض درجات لیبلوکم فیما آتاکم ان ربک سریع العقاب وانہ لغفور رحیم"

"اور وہ خدا ہی تو ہے جس نے تم کو زمین کا متصرف بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض پہ درجوں میں فوقیت دی تاکہ جو نعمت تم کو دی ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے۔ بیشک تمہارا پروردگار جلد عذاب دینے والا ہے اور بے شک وہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے (ترجمہ مقبول) اور حاشیہ میں اسی مترجم نے یوں صراحت کی ہے: "خلائف الأرض کے معنی ہیں وہ گروہ جو پہلے گروہ کا قائم مقام ہو اور زمین میں تصرف کرے جیسے کہ اہل اسلام جو یہود و نصاریٰ کی اور مجوس کی سلطنتوں کے فاتح اور ان کے تصرف و تسلط کے قائم مقام بنے (مقبول ترجمہ ص ۲۴۳ سورہ انعام)

اور یہی معنی ہوں گے اللہ تعالےٰ کے اس ارشاد گرامی کے "وعد اللہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحات یستخلفنہم فی الارض (الآیہ) البتہ واقع میں چونکہ یہ تصرف وتسلط مستقبل میں حاصل ہونے والا تھا تو اس حقیقت کے پیش نظر مضارع موکد کے ساتھ اس کو تعبیر فرمایا اور چونکہ یہ حتمی اور قطعی فیصلہ تھا اور اس کا وقوع یقینی تھا لہذا اس کو ماضی سے تعبیر کرتے ہوئے جعلکم خلائف الأرض فرمایا جیسے کہیں نفخ فی الصور فرمایا اور کہیں یوم ینفخ فی الصور کہا۔ لہذا اس آیت مبارکہ کی تخصیص یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کرنا غلط ہے اور خلاف واقعہ اور اسی طرح حضرت مہدی علیہ السلام کے ساتھ اس کو مخصوص ٹھہرانا بھی غلط ہے اور خلاف واقعہ بلکہ وہ تمام امراء اسلام اور خلفاء وسلاطین اس کا مصداق ہیں جنہوں نے دین اسلام کو مستحکم اور مضبوط کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اور جن کے دور میں اہل اسلام کا خوف امن سے بدل گیا اور مجوس و یہود اور نصاریٰ کی حکومتوں سے کسی قسم کا اندیشہ و فکر ان کو دامن گیر نہ رہا۔

سواد اعظم کا مذہب ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے

نیز علامہ حلی کی کشف المراد سے یہ حقیقت بھی واضح ہو چکی کہ صرف شیعہ امامیہ ہی اس کے قائل ہیں کہ ائمہ اور خلفاء کا منصوص من اللہ ہونا لازم اور ضروری ہے جبکہ دیگر تمام فرق اسلامیہ اس کو لازمی شرط قرار نہیں دیتے بلکہ دیگر ذرائع مثلاً وراثت یا دعویٰ امامت اور خروج بالسیف کو بھی امامت کی دلیل قرار دیتے ہیں جس طرح کہ عباسیہ اور زیدیہ کا نظریہ ہے یا شوریٰ اور انتخاب کو انعقاد امامت و خلافت کا ذریعہ بھی قرار دیتے ہیں جس میں ان تین کے علاوہ تمام فرق اسلامیہ متفق ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشادات سے یہ حقیقت واضح کی جا چکی ہے کہ اختلاف و نزاع کی صورت میں سواد اعظم کا ساتھ دو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا دست حفظ و امان جماعت پر ہے اور اس سے علیحدہ ہونے والا جہنم کی راہ پر چلنے والا ہے اور شیطان کے راستہ پر گامزن ہے، ملاحظہ ہو۔ نہج البلاغہ مصری جلد اول ص۲۹۸۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

الزموا السواد الاعظم فان يد الله على الجماعة وایاکم والفرقة فان الشاذ من الناس للشیطان کما أن الشاذ من الغنم للذئب۔ لہذا صحیح اور صواب مذہب اور نظریہ یہی ہے کہ امت کے اہل حل وعقد ہی نصب امام اور تعیین خلیفہ کے حقدار ہیں اور یہی حقیقت حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے ارشادات مرتضویہ اور شیعی کتب کے حوالہ سے ثابت کی ہے لہذا اب بغور ان ارشادات کا مطالعہ کریں اور اس نظریہ کی حقانیت وصداقت کا مشاہدہ کریں۔ واللہ الموفق للهداية الى سبيل الرشاد۔

اہل تشیع اور شوریٰ

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اب اس مسئلہ پر دلائل وشواہد پیش کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہی اور اہل تشیع خود عملی طور پر اس حقیقت کے معترف ہو چکے ہیں اسی لیے اب اس انتظار کو ترک کر دیا گیا ہے کہ کب اللہ تعالیٰ بندوں پر لطف وعنایت فرماتا ہے اور اپنے واجب اور فرض کو ادا کرتے ہوئے امام منصوص کو مبعوث فرماتا ہے اور یہ حقیقت بھی تسلیم کرنی پڑی کہ پوشیدہ اور مخفی امام موجود ہونا نہ ہونا برابر ہے اور اس سے مقاصد مطلوبہ حاصل نہیں ہو سکتے اس لیے خود ہی شوریٰ اور انتخاب کے ذریعے ملکی اور دینی امور کی حفاظت ونگرانی اور سیاست کے لیے اور اجراء احکام اسلام اور نفاذ حدود وتعزیرات کے لیے اپنے قائدین اور امراء کا تعین اور تقرر شروع کر دیا ہے اور چودہ سو سال بعد وہ نظریہ عملاً متروک ہو گیا جس کی بنا پر خلفاء راشدین کو طعن وتشنیع کا نشانہ بنایا گیا اور ان کے انتخاب اور تقرر کو غیر اسلامی اقدام ٹھہرایا گیا اور ان صادقین وصدیقین اور مخلصین وفائزین کے ایمان واخلاص پر اعتراض کیا گیا جنہوں نے ان خلفاء کرام کا انتخاب کیا۔

والحمد لله على وضوح الحق وبطلان الباطل

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

شوریٰ اور انتخاب کا ذریعۂ انعقادِ خلافت ہونا

دلیل اول

حضرت امیر المؤمنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے ایک گرامی نامہ میں تصریح فرماتے ہیں جو آپ نے اپنے زمانہ خلافت میں امیر معاویہ کی طرف تحریر فرمایا:

انه بایعنی القوم الذین بایعوا ابا بکر و عمر و عثمان علی ما بایعوھم علیه فلم یکن للشاھد ان یختار ولا للغائب أن یرد و إنما الشوری للمھاجرین والانصار فإن اجتمعوا علی رجل وسموہ اماما کان ذلك لله رضیً فان خرج من امرھم خارج بطعن اوبدعة ردوہ إلی ماخرج منه فان ابی قاتلوہ علی اتباعه غیر سبیل المؤمنین وولاہ الله ماتولّی۔

(نہج البلاغہ کتاب ع۶)

یعنی میرے ساتھ انہی لوگوں نے بیعت کی ہے جن لوگوں نے ابو بکر (صدیق رضی اللہ عنہ) اور عمر (فاروق رضی اللہ عنہ) اور عثمان (غنی رضی اللہ عنہ) کے ساتھ بیعت کی تھی۔ پس کسی حاضر کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ میرے بغیر کسی دوسرے شخص کو خلیفہ بنائے اور نہ ہی کسی غائب کو یہ حق پہنچتا ہے کہ (ایسی خلافت کو) رد کرے اور (انعقاد خلافت میں) مشورہ کا حق اور انتخاب کا اختیار صرف مہاجرین وانصار ہی کو ہے پس جس آدمی پر ان کا اجماع اور اتفاق ہو جائے اور اس کو امام وامیر کے نام سے موسوم کریں تو انہیں کا اجماع اور امیر بنانا اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضامندی ہے پس جو شخص بھی ان کے اجماعی فیصلہ پر طعن کرتے ہوئے یا نیا راستہ اختیار کرتے ہوئے اس سے الگ ہونا چاہے تو اس کو اسی اجماعی فیصلہ کی طرف لوٹانے کی کوشش کرو اور اگر واپس آنے اور موافقت کرنے سے انکار کرے تو اس کے خلاف جنگ کرو

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اس بنیاد پر کہ اس نے مسلمانوں کے راستہ کے علاوہ دوسرا راستہ اختیار کر لیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو ادھر ہی پھیر دیا ہے جس طرف وہ اپنی مرضی سے پھرا ہے یعنی یہ نہ سمجھو کہ وہ کسی صحیح نظریہ کے تحت مسلمانوں سے الگ ہوا ہے۔

تحفہ حسینیہ تتمہ استدلال

۱۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اس تحریری بیان سے صاف ظاہر ہے کہ آپ مہاجرین و انصار کے انتخاب اور کسی بھی شخص کو خلافت کے لیے نامزد کرنے کو نہ صرف درست اور صحیح سمجھتے ہیں بلکہ اس کو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اور اس کی رضامندی قرار دیتے ہیں۔

۲۔ آپ ان کے اجماع و اتفاق سے طے ہونے والے معاملہ کو راہ ہدایت اور راہ حق سمجھتے ہیں اور اس کی مخالفت کو گمراہی و ضلالت سمجھتے ہیں اسی لیے الگ ہونے والے کو طاعن اور بدعتی فرمایا اور اس کو ہر قیمت پر مہاجرین و انصار کے اختیار کردہ راستہ کی طرف لوٹانے کا حکم دیا۔ اگر دوسری طرف بھی ہدایت اور حقانیت کا امکان ہوتا تو اس سے پھرنا کیونکر واجب و لازم ہو سکتا تھا۔

۳۔ واپس نہ آنے والے کو آپ نے واجب القتال قرار دیا اور اہل حق کے خلاف جہاد واجب تو کجا جائز بھی نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا قتال و جہاد کو واجب قرار دینا بھی اس حقیقت کی بین دلیل ہے کہ ان کی مخالفت کرنا صرف غلط ہی نہیں بلکہ ناقابل برداشت اور ناقابل عفو جرم ہے اور اس کو کیفر کردار تک پہنچانے کا موجب و باعث۔

۴۔ ان کے خلاف چلنے والے کو ولاہ اللہ ما تولی کہہ کر یہ بھی واضح کر دیا کہ جب جدوجہد اور سعی و کوشش کے باوجود وہ واپس نہیں آتا تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت قاہرہ غالبہ سے اسے گمراہی کے راستہ پر ڈال دیا، اس لیے راہ راست پر چلنے کی صلاحیت اور لیاقت بھی اس سے چھن گئی ہے، جس سے واضح ہوا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کہ مہاجرین وانصار کی مخالفت صرف غلط نہیں بلکہ ضلالت ہے اور ایسی ضلالت کہ اس پر اصرار کرنے والے سے ہدایت پانے کی صلاحیتیں بھی سلب کرلی جاتی ہیں۔ اس قدر سخت مؤکد اور محقق ارشاد کے بعد بھی خلافت کے بذریعہ شوریٰ اور انتخاب منعقد ہونے کی صحت اور درستگی میں بحث ونزاع کی اور اختلاف ومجادلہ کی کوئی گنجائش ہوسکتی ہے؟ نیز آپ نے صرف اپنا نظریہ بیان نہیں فرمایا بلکہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کو بیان فرمایا قال اللہ تعالیٰ: "ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدی ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولی و نصلہ جھنم وساءت مصیرا" جو شخص بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے بعد اس کے کہ اس پہ ہدایت واضح ہوگئی اور مؤمنین کی راہ کے علاوہ کسی راہ پر چل پڑے تو ہم اسے ادھر ہی پھیریں گے جدھر وہ پھرا۔ پھر اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔ اس آیت مقدسہ میں مخالفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور مؤمنین کے راستہ کے ترک کرنے کو ایک ہی سطح پر رکھا گیا ہے اور دونوں کو موجب ضلالت اور جہنمی ہونے کا سبب قرار دیا گیا اور اسی آیت مبارکہ کے مضمون کو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے "قاتلوہ علی اتباعہ غیر سبیل المؤمنین وولاہ اللہ ما تولی" سے تعبیر فرمایا ہے۔ بقول علامہ ابن میثم بحرانی، مؤلف نہج البلاغہ نے ابتدائی حصہ حذف کردیا ہے جو حضرت امیر المؤمنین کا دعویٰ ہے یعنی اما بعد فان بیعتی لزمتک یامعاویۃ وانت بالشام "میری بیعت تجھ پہ لازم ہوچکی ہے باوجودیکہ تو شام میں ہے" اور اس دعویٰ پہ آپ نے منطق کی شکل اول کے ساتھ استدلال کرتے ہوئے فرمایا "انہ بایعنی القوم الذین الخ" جس میں صغریٰ شکل اول قیاس حملی کا یہ ہے "میرے ساتھ ان لوگوں نے بیعت کی ہے جنہوں نے خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ بیعت کی ہے" اور کبریٰ اس کا یہ ہے کہ جس شخص کے ساتھ یہ لوگ بیعت کرلیں دوسرے کسی شخص کو حاضر ہو یا غائب اس کے علاوہ دوسرے شخص کو امام منتخب کرنے یا خود امامت کا دعویٰ کرنے کا حق نہیں رہتا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اوران کے فیصلہ کو رد کرنے کا اختیار نہیں رہتا اور صغریٰ تو واضح ہے دلیل اس پہ قائم کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ رہا کبریٰ تو اس پہ دلیل دیتے ہوئے فرمایا" انما الشوریٰ للمهاجرين والانصار فان اجتمعوا۔ الخ جس کا خلاصہ بزبان ابن میثم یہ ہے۔

لانهم اهل حل وعقد من امة محمد صلى الله عليه وسلم فاذا انفقت كلمتهم على حكم من الأحكام كاجتماعهم على بيعته وتسميته اماماً كان ذلك اجماعاً حقاً هو رضى الله اى مرضى له وسبيل المؤمنين الذى يجب اتباعه۔ الخ

(شرح ابن میثم جلد رابع صفحہ ۳۵۳ ۳۵۲)

کیونکہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے اہل حل وعقد وہی (مہاجرین وانصار) ہیں ان میں کسی بھی امر اور حکم پر اتفاق ہو جائے جیسے کہ آپ کی بیعت پر اور آپ کو امام کے اسم کے ساتھ موسوم کرنے پر تو وہ اجماع برحق ہوگا اور اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ اور مؤمنین کا ایسا راستہ جس کی اتباع واجب ولازم ہے۔ لہٰذا اب ہر شخص پر بمع تیرے لے معاویہ! یہ بیعت لازم ہے۔

۲۔ اور شارح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید نے بھی یہی بتلایا کہ اس کلام کا آغاز یوں ہے اما بعد! فان بيعتى بالمدينة لزمتك وانت بالشام لانه بايعنى القوم الخ اور آخر میں اس اضافہ کا بھی ذکر کیا ہے والمروى بعد قوله وَلاه الله ما تولى واصلاه جهنم وساءت مصيراً تو اس طرح آیت کریمہ کے معنی کو مکمل طور پر آپ نے اپنے کلام میں سمو دیا یعنی مؤمنین کی مخالفت کو موجب قتال وجہاد قرار دیا اور اس کے بھٹکنے کو اللہ تعالیٰ کی قدرت قاہرہ کے تصرف کا نتیجہ قرار دیا اور پھر جہنم میں داخل کئے جانے کا ذکر فرمایا جو بہت برا ٹھکانا ہے (شرح حدیدی جلد ۱۴۔ صفحہ ۳۶/۳۵)

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

فائدہ

اس آیت کریمہ سے استشہاد و استدلال نے واضح کر دیا کہ مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا کلام سابق محض الزام و جدل نہیں تھا بلکہ عقلی اور نقلی برہان کے ذریعے اپنے مدعا کو ثابت کرنا مقصود تھا ورنہ لازم آئے گا کہ اس آیت کریمہ کے بھی صرف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ قائل تھے نہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ العیاذ باللہ۔ علاوہ ازیں اگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ الزامی کاروائی ہوتی تو دوسرے صوبہ جات میں گورنر اور عامل مقرر کرتے وقت ان لوگوں پر اس حجت کو قائم نہ فرماتے حالانکہ جس وقت آپ نے مصر میں قیس بن سعد کو اپنا گورنر بنا کر بھیجا جب کہ یہی اہل مصر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف ہو گئے تھے اور آپ کو شہید کرنے والوں میں پیش پیش تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عامل کو آپ کی شہادت سے بھی پہلے انہوں نے برطرف کر دیا تھا تو قیس بن سعد کو جو خلافتی آرڈر اور حکمنامہ اہل مصر کے نام لکھ کر دیا تھا اس میں بھی یہی دلیل مرقوم تھی۔

ثم ان المسلمین من بعدہ استخلفوا امیرین منهم صالحین فعملا بالکتاب والسنة واحییا السیرة ولم یعدوا السنة ثم توفیا رحمهما الله فولی بعدهما وال احدث احداثا فوجدت الامة علیه مقالاً فقالوا ثم نقموا فغیروا ثم جاءونی فبایعونی وانا استهدی الله الهدی واستعینه علی التقوی الخ

(کتاب الغارات لابراهیم الثقفی شرح حدیدی ص ۵۸ جلد ۶)

پھر اہل اسلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد دو صالح امیر یکے بعد دیگرے خلیفہ بنائے جنہوں نے کتاب و سنت کے مطابق عمل کیا اور سیرت نبویہ کو زندہ کیا اور سنت سے تجاوز نہ کیا پھر ان کا وصال ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں پر رحمت فرمائے۔ پھر ان کے بعد ایک والی بنایا گیا جس نے بعض نئے امور ایجاد کئے جن کی وجہ سے امت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اس پر معترض ہوئی اور ناراضگی کا اظہار کیا اور بالآخر اس خلافت کو بدلا دیا پھر میرے پاس آئے اور مجھ سے بیعت کی اور میں اللہ تعالیٰ سے ہدایت کا طلب گار ہوں اور اس سے تقویٰ پر اعانت کی توفیق طلب کرتا ہوں اور اس کے علاوہ دوسرے خطبے اور خطوط جو اس معنی پر مشتمل ہیں بکثرت آپ سے منقول ہیں جن میں سے بعض کا ذکر ابھی آتا ہے لہذا اس کو الزامی کارروائی قرار دینا قطعاً درست نہیں ہے۔

توجیہ الامامیہ

شارح ابن ابی الحدید کہتا ہے کہ شیعہ نے اس کو تقیہ پر محمول کیا ہے۔ اور اس کی بنیاد اس امر کو بنایا ہے کہ آپ اگر امیر معاویہؓ کی طرف حقیقت حال لکھتے اور کہتے کہ میں خلیفہ بلا فصل تھا اور ہوں تو اس میں خلفاء سابقین پر طعن ہوتا اور جن اہل مدینہ نے ان کی بیعت کی تھی اس صورت میں ان کے بگڑنے اور ناراض ہونے کا خطرہ درپیش تھا۔

وهذا القول من الامامية دعوى لوعضدها دليل لوجب ان يقال بها ويصار اليها ولكن لا دليل لهم على ما يذهبون اليه من الاصول التي تسوقهم إلى حمل هذا الكلام على التقية۔

(شرح حدیدی ص۳، جلد ۱)

امامیہ کا یہ قول محض دعویٰ ہے اگر کوئی دلیل اس کی تائید کرتی تو اس کے مطابق قول کرنا اور اس کی طرف رجوع کرنا لازم ہوتا لیکن ان کے لیے ان اصول و قواعد میں سے جو انہیں اس کلام کو تقیہ پر محمول کرنے پر مجبور کریں کوئی دلیل اور سند موجود نہیں ہے (اور کلام کو بلا دلیل صارف اور احتمال ناشی عن دلیل کے بغیر ظاہری معنی سے پھیرنا اس کو باطل قرار دینے کے مترادف ہے اس لیے شیعہ صاحبان کی یہ توجیہ ناقابل قبول ہے۔ محمد اشرف)

فائدہ ۲

حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے کہ میرے ساتھ انہیں

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

لوگوں نے بیعت کی ہے جنہوں نے خلفاء ثلاثہ کے ساتھ بیعت کی تھی ظاہر ہے کہ آپ کے نزدیک اِن کا ایمان اور ان کی امانت و دیانت محلِ کلام نہیں تھی ورنہ بیعتِ سابقہ سے اگر نعوذ باللہ وہ مرتد ہو چکے ہوتے اور انہیں پتہ بھی ہوتا کہ ہم اِن کے نزدیک مرتد ہیں تو وہ یا بیعت نہ کرتے اور یا از سرِ نو اسلام میں داخل ہوتے جب توبہ کئے بغیر حضرت علی کی بیعت کی اور وہ بیعت دلیل شرعی بن گئی تو ان کا کامل الایمان ہونا اور خلفاء ثلاثہ کی بیعت کا صحیح ہونا لازم ہو گیا۔ اور حضرت امیر کا اِن کے ساتھ مذہب و عقیدہ میں متفق ہونا بھی ورنہ آپؓ یہ نہ فرماتے :- " علی ما بایعوھم علیہ " یعنی اس امر پر انہوں نے میری بیعت کی ہے جس پر اِن کی بیعت کی تھی اگر مذہب مختلف ہو تو بنیادِ بیعت یکساں کیوں کر ہو سکتی ہے ۔

دلیل دوم

مذہب شیعہ

از حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ العزیز

خلافت کے انعقاد کے بارے میں حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا دوسرا بیان بھی ملاحظہ فرمائیں اور چونکہ آپ کا یہ بیان حلفی ہے اور مؤکد بالقسم ہے ۔ اس لیے اِس کو بالکل نظر انداز نہ فرمائیں ۔

ولعمری لئن کانت الخلافۃ لا تنعقد حتی تحضرھا عامۃ الناس ما الیٰ ذٰلک سبیل ولکن اھلھا یحکمون علیٰ من غاب عنھا ..... ثم لیس للشاھد ان یرجع ولا للغائب ان یختار الا وانی اقاتل رجلین رجلاً ادعی ما لیس لہ وآخر منع الذی علیہ ۔ الخ

(نھج البلاغۃ ، مطبوعہ ایران خطبہ نمبر ۱۷۲)

یعنی مجھے میری زندگی کی قسم کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ جب تک سب لوگ جمع ہو کر خلیفہ اور امام مقرر نہ کریں اتنے تک وہ شخص امام نہ بن سکے بلکہ صرف اہلِ رائے لوگ ہی اِس کا فیصلہ کرنے کے اہل ہیں جو دوسرے لوگوں پر اِس حکم کو نافذ کرتے ہیں ۔ اِن کے فیصلہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے بعد نہ موقعہ پر موجود شخص کو رجوع کا حق ہے اور نہ غائب کو یہ حق ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق عمل کرے اور اس فیصلہ کا خلاف کرے۔ خبردار میں دو قسم کے لوگوں کے خلاف قطعی طور پر جنگ کروں گا ایک تو وہ لوگ جنہوں نے ایسی چیز کا دعویٰ کیا جس کے وہ مستحق نہیں تھے دوسرے وہ لوگ جنہوں نے کسی کا حق روک رکھا ہو۔ کوئی بھی سمجھدار انسان مولیٰ مشکل کشاء کے اِس حلفی بیان کے بعد خلفاء راشدین کے خلافت کے مستحق نہ ہونے کا تصور بھی نہیں کرسکتا کیونکہ حضرت علیؓ نے اِن کے خلاف جنگ نہیں لڑی بلکہ ان کی اعانت فرمائی اور نصرت و امداد فرمائی اِن کے ہاتھ پر بیعت فرمائی بلکہ بطیب خاطر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو رشتہ دیا اور اپنا شرفِ دامادی بخشا اِن کو امیر المؤمنین تسلیم فرمایا۔ ان کی شان ارفع میں سب بکنے والوں کو قتل کیا بلکہ ان کو آگ میں جلایا یعنی سبائی غالیوں کو (ناسخ التواریخ) اِس طرح اِن کی اس سنت پر اِن کی اولادِ اطہار نے بھی عمل فرمایا جن کے حوالے گزر چکے ہیں۔

نیز یہ بھی واضح ہوگیا کہ خلافت کے متعلق آپ کے حق میں کوئی وصیت نہیں تھی بلکہ اس کا انعقاد صرف اہل الرائے اور ارباب حل و عقد کے مشورے سے ہی ہوسکتا ہے اسی لیے آپ نے انما الشوریٰ للمھاجرین والانصار۔ الخ کہہ کر اس حق کو تسلیم فرمایا اور لکن اھلھا یحکمون علیٰ مَن غاب عنھا کہہ کر بھی اور اِنَّہٗ بایعنی القوم الّذین بایعوا ابابکر و عمر و عثمان۔ کہہ کر اپنے حق میں ان کا فیصلہ صادر ہونا تسلیم فرمایا لہٰذا یہ طرزِ استدلال وصیت کے نہ ہونے پر بیّن دلیل ہے اور واضح برہان

تحفہ حسینیہ

از ابوالحسنات محمد اشرف السیالوی عفی عنہ

فوائد و نکات

ان دونوں عبارتوں سے یہ حقیقت بھی واضح ہوجاتی ہے کہ آپ کو خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت پر قطعًا اعتراض اور انکار نہیں تھا ورنہ آپ کا یہ استدلال اور اعلان مذاق بن کر رہ جائے گا کہ جب خود تم نے مہاجرین و انصار کے فیصلہ کو تسلیم

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نہ کیا اور ان کے انتخاب کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور رضاء المخلوق عنوان رضا الخالق یعنی مخلوق کی رضامندی خالق کائنات کی رضامندی کا عنوان ہے، تسلیم نہ کیا تو دوسروں کو اس دلیل سے کیونکر پابند کر سکتے ہو؟ لِمَ تقولون مالا تفعلون لہٰذا امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کی ذاتِ مقدسہ ایسے واضح اور لاجواب اعتراض سے اس صورت میں بچ سکتی ہے جب اس کے مطابق آپ کا اپنا عمل بھی تسلیم کیا جائے۔ اگر اس کا صرف یہ مقصد بیان کیا جائے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو الزام دینا چاہتے تھے تو یہ خلافِ واقعہ ہے کیونکہ انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس انتخاب پر ہی اعتراض تھا اور اس دعویٰ میں ہی کلام تھا جیسا کہ ابھی ذکر کیا جائے گا۔

علاوہ ازیں وہ کہہ سکتے تھے کہ میرا اب وہی نظریہ ہے جو اس وقت آپ کا تھا اگر آپ ان کی خلافت کا انکار کر کے اور مہاجرین وانصار کے فیصلہ کو ٹھکرا کر گنہگار نہیں ہوئے تو ہم پر کون سا پہاڑ ٹوٹ پڑے گا؟

اب اس عبارت کا پس منظر شیعی شارحین کی زبانی سماعت فرما کر ذرا حقیقتِ حال کا جائزہ لیں شرح حدیدی میں ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خط لکھا جس میں یہ اعتراض کیا گیا تھا۔ فان کنتَ اباحسن انما تحاربُ علی الإمارة والخلافة فلعمری لو صحّتْ خلافتك لکنت قریباً مِنْ ان تُعذَرَ فی حرب المسلمین ولکنّها ما صحّتْ لكَ وأنّی بصحّتها واهل الشام لم یدْخلُوا فیها ولم یرْتضُوا بها فخف اللّٰه وسطواته واتق بأسه ونکاله واغمد سیفك عن الناس۔ ج $\frac{۴۲}{۱۴}$۔

اے ابوالحسن (علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) اگر تم امارت اور خلافت پر لوگوں کے خلاف جنگ لڑ رہے ہو تو مجھے اپنی زندگانی کی قسم اگر تمہاری خلافت درست ہوتی تو تم اہلِ اسلام کے خلاف جنگ لڑنے میں معذور سمجھے جانے کے قریب ہوتے لیکن خود وہ بھی درست اور صحیح نہیں ہے اور کیونکر صحیح ہو سکتی ہے جب کہ اہل شام اس میں شامل ہی نہیں ہوئے تو اجماع کہاں منعقد ہو گیا اور بغیر اجماع کے اس کا انعقاد کسی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے لیے کیونکر ہو سکتا ہے؟ اور نہ ہی وہ اس پر رضامند ہوتے ہیں لہذا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس کی گرفت سے اور نہ اس کی سخت گیری سے اور عذاب سے ڈرو اور اپنی تلوار کو میان میں کر لو اور لوگوں سے اس کو دور کر لو۔

جب انہوں نے اجماع کا یہ مطلب لیا کہ تمام تر لوگ حاضر ہوں اور عملی طور پر بیعت کریں تو اس کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر خلافت کا انعقاد اس وقت تک ممکن نہ ہو جب تک عام لوگ اس میں حاضر نہ ہوں تو اس طرح کے اجماع و اتفاق کا تو امکان ہی نہیں بلکہ یہ اہل حل و عقد کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہیں منصب خلافت کے لیے منتخب کریں اور انہیں کا فیصلہ تمام اہل اسلام اور عالم اسلام پر نافذ ہو گا۔

"بل المعتبر فی الاجماع اتفاق أهل الحل و العقد من أمة محمد صلی الله علیه وسلم علی بعض الامور وهم العلماء" ابن میثم، ص ۳۴۱، ج ۳۔

لہذا واضح ہو گیا کہ اس عبارت اور سابقہ عبارات میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو الزام دینا مقصود نہیں وہ تو انعقاد اجماع میں بھی اختلاف رکھتے ہیں بلکہ آپ کے پیش نظر واقعہ اور حقیقت کا بیان ہے اور اس مسئلہ میں اپنے نظریہ کا بیان مقصود ہے والحمد للہ۔

اور دوسرے مقام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ کو جو جواب لکھا اس کا خلاصہ یوں مرقوم ہے شرح حدیدی میں ہے۔ ص ۴۳ جلد ۴:۔

"لان بیعتی بالمدینة لزمتك وانت بالشام كما لزمتك بیعة عثمان بالمدینة وانت امیر لعمر علی الشام وكما لزمت یزید اخاك بیعة عمر وهو امیر لابی بكر علی الشام (الخ) واما قولك ان بیعتی لم تصح لان اهل الشام لم یدخلوا فیها كیف وانما هی بیعة واحدة تلزم الحاضر والغائب لایثنی فیها النظر ولا یستأنف فیها الخیار الخارج منها طاعن والمروی فیها مداهن"

یعنی میرے مدینہ میں ہونے کے باوجود میری بیعت تجھ پر واجب و لازم ہو چکی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

باوجود اس کے کہ تو شام میں ہے جیسے کہ تجھ پر حضرت عثمان کی بیعت لازم ہوگئی جو مدینہ میں پائی گئی۔ جبکہ تو شام میں امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے امیر تھا اور جیسے تیرے بھائی یزید کو امیر عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنا لازم ہوگیا حالانکہ وہ شام میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے امیر تھے (تا) رہا تیرا یہ قول کہ میری بیعت اور خلافت درست ہی نہیں کیونکہ اہل شام اس میں داخل نہیں ہوئے تو یہ تعلل اور بہانہ غلط ہے کیونکہ بیعت خلافت ایک ہی ہے دریہ نہیں ہو سکتا کہ بعض اہل اسلام ایک کو خلیفہ منتخب کریں اور دوسرے کسی اور کو بلکہ جب بعض نے ایک کو خلافت کیلئے چن لیا تو دوسروں پر بھی اس کی بیعت کرنا لازم ہے۔ اور حاضر و غائب سبھی اس کے پابند ہیں نہ اس میں دوبارہ غور و فکر ہو سکتا ہے اور نہ اس میں نئے سرے سے چناؤ اور انتخاب کا اختیار دیا جا سکتا ہے جو اس سے خروج کرے وہ اسلام کے فیصلہ پر طعن کرنے والا ہے۔ اور جو اس میں سوچ بچار کرنے لگے وہ مداہنت اور دین میں تساہل و تغافل کا مرتکب ہے۔ اور یہی عبارت نہج البلاغۃ مصری جلد ثانی ص۹ پر موجود ہے۔

لانها بيعة واحدة لا يثنى فيها النظر ولا يستانف فيها الخيار الخارج منها طاعن والمروى فيها مداهن" لهذا روز روشن کی طرح عیاں ہوگیا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا عقیدہ و نظریہ یہی ہے کہ خلافت و امامت کے لیے انتخاب اور شوریٰ ہی واحد راستہ ہے اور اس حقیقت کو ابن ابی حدید نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے شرح حدیدی ص۳۶ جلد ۱۴۔

وَاعْلَمْ اَنَّ هٰذَا الفصل دال بصريحه على كون الاختيار طريقاً إلى الامامةِ كما يذكرهُ اصحابنا المتكلمون لِاَنَّهٗ احْتَجَّ على بيعة معاوية ببيعة اهل الحل والعقد له ولم يراع فى ذٰلك اجماع المسلمين كلهم وقياسه على بيعة اهل الحل والعقد لابى بكر فانه ما روعى فيها اجماع المسلمين لِاَنَّ سعد بن عبادة لم يبايع ولا احد

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مِنْ أهلِ بيتهٖ ودارهٖ ولان عليا وبنی هاشم ومن انضوی الیهم لم یبایعوا فی اوّل الامرِ وامتنعوا ولم یتوقف المسلمون فی تصحیح امامةِ ابی بکر وتنفیذ احکامهٖ علی بیعتهم وھذا دلیل علی صحة الاختیار وکونهٖ طریقاً الی الامامة لا یقدح فی امامتهٖ علیه السلام امتناع معاویة من البیعةِ و أهل الشام۔

یہ امر اچھی طرح ذہن نشین رہے کہ یہ نقل اور خطا اپنے صریح معنی و مفہوم کے لحاظ سے اس امر کی دلیل بیّن ہے کہ اختیار اور انتخاب انعقادِ امامت وخلافت کا ذریعہ ہے جیسے کہ ہمارے علماء متکلمین ذکر کرتے ہیں کیونکہ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہٗ نے اپنی خلافت و امامت پر اہلِ حل وعقد کی بیعت سے امیر معاویہؓ کے خلاف استدلال پیش کیا ہے اور اس میں تمام اہل اسلام کے اجماع کا لحاظ اور رعایت کو امر لازم نہیں سمجھا اور اس کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ کے حق میں اہل حل وعقد کی بیعت پر قیاس کیا کیونکہ اس میں بھی تمام تر افراد مومنین اور اہل اسلام کی بیعت پر انعقاد خلافت کو موقوف نہیں کیا گیا تھا کیونکہ حضرت سعد بن عبادہ ، اِن کی اولاد اور افراد خاندان نے بیعت نہیں کی تھی اور حضرت علی مرتضیٰ، بنو ہاشم اور اِن کے ساتھ منسلک ہونے والوں نے بھی ابتدائی طور پر بیعت سے گریز کیا لیکن اس کے باوجود اہل اسلام نے حضرت ابوبکرؓ کی صحت امامت اور ان کے احکام کے نفاذ کو اِن حضرات کی بیعت پر موقوف نہ سمجھا اور اس میں کسی تردّد اور تذبذب کا اظہار نہ کیا۔ اور یہ امر صحت اختیار وانتخاب کی دلیل ہے اور اس کے ذریعے امامت وخلافت منعقد ہونے کا بیان ہے اور اس سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اور اہل شام کا توقف آپ کی امامت وخلافت میں خلل انداز نہیں ہوسکتا جس طرح حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت وخلافت میں کوئی خلل واقع نہ ہوا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور شوریٰ کی صحت اور اس کا ذریعہ خلافت ہونا

جب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے امت مسلمہ کی خیر خواہی اور بھلائی کے لیے اور باہمی کشت و خون اور حرب و قتال کو ختم کرنے کے لیے خلافت و امامت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی تو اس وقت جو عہد پیمان ہوا اور جن شرائط پہ یہ مصالحت انجام پذیر ہوئی۔ ان کا مطالعہ کرو تا کہ واضح ہو جائے کہ شوریٰ اور انتخاب کا مطالبہ امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اگر اہل بیت کرام کے نزدیک اس کا اعتبار نہ ہوتا تو اس کا مطالبہ کیوں کرتے عبارت ملاحظہ ہو کشف الغمہ جلد اوّل ص۵۷۵ مطبع جدید۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - ھذا ما صالح علیہ الحسن بن علی بن ابی طالب معاویۃ بن ابی سفیان صالحہ علی ان یسلم علیہ ولایۃ امر المسلمین علی ان یعمل فیھم بکتاب اللہ وسنۃ رسول اللہ وسیرۃ الخلفاء الراشدین ولیس لمعاویۃ بن ابو سفیان ان یعھد الی احد من بعدہٖ عھداً بل یکون الامر من بعدہٖ شوریٰ بین المسلمین الخ

یہ وہ معاہدہ اور پیمان ہے جس پر حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے معاویہ بن سفیان کے ساتھ مصالحت کی ہے۔ انہوں نے معاویہ بن ابی سفیان کے ساتھ مصالحت کی کہ ان کو ولایت اہل اسلام اور ان کی خلافت اس شرط پر سونپی جاتی ہے کہ ان میں اللہ تعالیٰ کی کتاب اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کی سیرت کے مطابق عمل کرے۔ اور امیر معاویہ کو یہ حق نہیں ہوگا کہ وہ اپنے بعد کسی کے لیے وصیت کرے اور عہد و پیماں، بلکہ امر خلافت ان کے بعد اہل اسلام کے درمیان شوریٰ اور انتخاب کے ساتھ طے ہوگا۔ اس سے یہ واضح ہو گیا کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے بھی شوریٰ پر اعتماد کیا اور اس کو انعقاد امامت و خلافت کا ذریعہ قرار دیا اور الولد سر لابیہ کا پورا پورا مظاہرہ کیا۔

فائدہ اخیرہ: اس عبارت سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ امام حسن رضی اللہ عنہ خلفاء ثلاثہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

رضی اللہ عنہم کو خلفاء راشدین سمجھتے تھے ورنہ صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر فرماتے بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ کا چونکہ اختلاف رہا لہذا یہ شرط تو قرین قیاس ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ اگر ہو سکتی ہے تو صرف خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم والی اور صاحب کشف الغمہ نے اس کو نقل کر کے اس پر سکوت اور خاموشی اختیار کی ہے جس سے صاف ظاہر کہ وہ اس کے معتقد اور قائل ہیں اور انہوں نے ابتداء کتاب میں تصریح کی ہے کہ میں ایسی روایات نقل کرتا ہوں جو سب کے نزدیک قابل قبول ہوں اور سنی شیعہ کے نظریہ وعقیدہ کے موافق، لہذا شیعہ صاحبان کو بھی اس پر ایمان لانا چاہیے اور اہل سنت کے ساتھ موافقت کرنی چاہیے تاکہ باہم اختلاف و نزاع کم ہو کر بلکہ ختم ہو کر ملکی سلامتی کا ضامن بن سکے اور آخرت میں بھی سب کا بھلا ہو سکے اور اسی قسم کا ایک استحسان اور پسندیدہ نظریہ ابن میثم بحرانی کا بھی ملاحظہ فرماتے چلیں

علامہ ابن میثم بحرانی اور بیان نزاع و خلافت سے تنفر

خطبہ شقشقیہ جس میں حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے متعلق بعض سخت الفاظ منسوب کیے ہیں، اہل السنت نے سرے سے اس خطبہ کی صحت اور درستگی کا ہی انکار کر دیا جیسے کہ اس کی بحث گزر چکی ہے۔ علامہ ابن میثم فرماتے ہیں کہ اگر انکار کرنے والوں کے انکار کا یہ مقصد ہے کہ عوام کو مطمئن کیا جائے اور ان کے اندر خیالات فاسدہ اور تعصبات ردیہ کے بھڑک اٹھنے سے ان کو بچایا جائے تاکہ امر دین میں استقامت اور استواری پیدا ہو جائے اور سب اہل اسلام ایک شاہراہ پہ گامزن ہو جائیں اس لئے ان کے سامنے اس طرح ظاہر کریں کہ سرے سے صحابہ کرام علیہم الرضوان میں جو اشرف المسلمین اور سادات اہل اسلام ہیں کوئی اختلاف اور نزاع تھا ہی نہیں اور وہ باہم شیر و شکر تھے تاکہ دوسرے لوگ بھی ان کی اقتداء و اتباع کریں اور باہم متحد و متفق ہو کر رہیں تو یہ مقصد بہت اچھا ہے اور بہت ہی گہری اور باریک نظر ہے۔ اے کاش ایسے مقاصد سامنے رکھے جاتے۔

أما المنكرون لوقوع هذا الكلام منه فيحتمل انكارهم وجهين

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

احدھا أن یقصد وابذلک توطیة العوام وتسکین خواطرھم عن اثارة الفتن والتعصبات الفاسدة لیستقیم امرالدین ویکون الکل علی نھج واحد فیظھروالھم انه لم یکن بین الصحابة الذین ھم أشراف المسلمین وساداتھم خلاف ولا نزاع لیقتدی بحالھم من سمع ذلک وھذا مقصد حسن ونظر لطیف لو قصد۔

(شرح ابن میثم جلد اول صـ۲۵۱، وکذا فی الدرة النجفیة جلد اول صـ۶۱)

گزر جانے والوں پر اعتراض و تنقید سے اجتناب کا لزوم از روئے قرآن

یہی حکم قرآن مجید نے دیا ہے کہ پہلی امتوں یا اس امت کے پہلے ادوار میں گزرنے والے لوگوں پر تنقید اور اعتراض سے دور رہو اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑو اور تم اپنے اعمال کی اصلاح اور درستگی کی سعی مسلسل کرو کیونکہ تم ان کی طرف سے جواب دہ نہیں ہو بلکہ اپنے اعمال کی طرف سے۔

قال عزوجل:۔ تلک امة قد خلت لھا ما کسبت ولکم ما کسبتم ولا تسئلون عما کانوا یعملون ؀

وہ امت ہے جو گزر چکی ہے اس کو وہ اعمال نفع دینے والے ہیں جو اس نے کمائے اور تمہیں وہ اعمال جو تم نے کمائے اور تم سے سوال نہیں کیا جائے گا اس کے متعلق جو وہ کرتے تھے، اور یہی حکم اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے بھی ثابت ہے قال تعالیٰ:

والذین جاؤا من بعدھم یقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا ربنا انک رؤف رحیم ؀

جس کا ترجمہ اور تشریح حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے فرمان سے واضح کی جا چکی ہے۔

لیکن افسوس کا مقام ہے کہ خود شیعی اکابر کے اس طرز عمل اور نصیحت و وصیت کے برعکس بعض پیٹ کے دوزخ کو پر کرنے کے درپے ذاکر صاحبان اور مبلغ صاحبان شرف صحابہ کرام اور خلفاء راشدین اور اشراف و سادات امت کو ہی ہر وقت اپنے اعتراضات کا نشانہ بنائے رکھتے ہیں اور نفرت پھیلانے اور اہل اسلام کو ایک دوسرے سے دور کرنے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے علاوہ ان کا کوئی پیشہ ہی نہیں ہے حالانکہ انہیں نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کی عظمت اور عزت سے کوئی غرض ہے نہ صحابہ کرام علیہم الرضوان سے کوئی ذاتی تکلیف ہے اگر روزی کا یہ ذریعہ بند ہو جائے اور اس بہانے لاکھوں روپے کے ٹھیکے چکنے بند ہو جائیں تو ان کے سب جذبات حب علی اور بغض معاویہ والے ختم ہو کر رہ جائیں گے۔

مقام تعجب ہے کہ جو پیشگی رقم کا ٹھیکہ چکائے بغیر ان مقدس ہستیوں کا نام ہی نہ لے سکیں وہ محب ہیں اور جنہوں نے اپنا سب کچھ اور خود کو اسلام اور بانی اسلام کے لیے قربان کر دیا وہ دشمن ہیں؟ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

مسائلہ مذہب شیعہ — از حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز

دلیل سوم بر صحت شوریٰ

ناسخ التواریخ جلد ۳ حصہ ۲ کی عبارت بھی ملاحظہ کریں جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا خطبہ ہے:

انکم بایعتمونی علی ما بویع علیہ من قبلی وانما الخیار للناس قبل أن یبایعوا فإذا بایعوا فلا خیار لھم ۔الخ

یعنی تم لوگوں نے میرے ساتھ اسی بنیاد اور شرط پر بیعت کی ہے جس بنا پر مجھ سے پہلے خلفاء کے ساتھ بیعت کی تھی اور جز این نیست کہ لوگوں کو کوئی خلیفہ منتخب کرنے کا اختیار اس وقت تک ہوتا ہے جب تک کسی ایک کی بیعت نہ کریں جب کر لیں تو پھر ان کے لیے کوئی اختیار باقی نہیں کہ وہ دوسرا راستہ اختیار کریں۔

تحفہ حسینیہ — از ابو الحسنات محمد اشرف السیالوی عفی عنہ

تتمہ استدلال: اگر شوریٰ اور انتخاب ذریعہ انعقاد خلافت ہی نہ ہوتے تو بیعت کرنے کے باوجود اختیار باقی رہتا کیونکہ بیعت کرنا نہ کرنا اور کسی کو اپنے طور پر امام اور خلیفہ نامزد کرنا نہ کرنا جب دونوں برابر ہوں اور انعقاد خلافت کا دارومدار ہی نص اور وصیت پر ہو تو پھر جس کے حق میں نص اور وصیت ہو گی دوسرے کی بیعت کر کے بھی اس کی طرف میلان اور رجوع درست ہو گا اور جس کے حق میں نص اور وصیت نہیں ہو گی اس سے انحراف اور اعراض واجب ولازم ہو گا لہٰذا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

واضح ہو گیا کہ انعقاد امامت وخلافت کا ذریعہ شوریٰ اور انتخاب وبیعت ہے اور ایک مرتبہ بیعت کرنے کے بعد اختیار ختم ہو جاتا ہے۔

اسی مضمون کو حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ خط وکتابت میں آپ نے بار بار دہرایا۔

أما بعد، فقد علمتما وان كتمتما انی لم ارد الناس حتی ارادونی ولم ابايعهم حتی بايعونی وانكم ممن ارادنی وبايعنی وان العامة لم تبايعنی لسلطان غالب ولا لعرض حاضر فان كنتما بايعتمانی طائعين فارجعا وتوبا إلی الله من قريب وان كنتما بايعتمانی كارهين فقد جعلتما لی عليكما السبيل باظهاركما الطاعة واسراركما المعصية ولعمری ما كنتما بأحق المهاجرين بالتقية والكتمان وان دفعكما هذا الامر من قبل ان تدخلا فيه كان أوسع عليكما من خروجكما منه بعد اقراركما به۔ (نہج البلاغہ مصری ص ۱۲۸ ج ۲)

اما بعد۔ تم دونوں یقیناً اس حقیقت سے باخبر ہو اگرچہ اس کو چھپاؤ اور اس کا اظہار نہ کرو۔ کہ میں نے لوگوں کی اپنے ساتھ بیعت کرانے کا ارادہ نہیں کیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے خود میری بیعت کا ارادہ کیا۔ اور نہ میں نے ان سے بیعت لی جب تک انہوں نے اپنے طور پر بیعت نہ کی۔ اور تم بھی انہیں لوگوں میں سے ہو۔ جنہوں نے میرے ساتھ ارادت کا اظہار کیا۔ اور بیعت کی۔ علاوہ ازیں عام لوگوں نے میرے ساتھ کسی جبر و قہر اور تسلط وغلبہ کی وجہ سے بیعت نہیں کی اور نہ کسی حاضر و موجود سامان لالچ کی وجہ سے لہٰذا اگر تم نے بھی خوشی اور ذاتی رغبت سے بیعت کی ہے تو واپس آ جائیے اور فوری طور پر اللہ تعالیٰ کے حضور اس خروج سے توبہ کیجئے اور اگر تم نے بوجہ مجبوری اور ناچاری بیعت کی ہے تو بھی تم نے میرے لیے اپنے اوپر مواخذہ اور گرفت کی راہ پیدا کر دی کہ اطاعت ظاہر کی اور دل میں عصیان اور بغاوت کو چھپائے ہوئے تھے۔ مجھے اپنی زندگانی کی قسم تم دوسرے مہاجرین کی نسبت تقیہ وکتمان کے زیادہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

لائق اور حقدار نہیں تھے (کہ ان میں سے کسی کو اس کی ضرورت محسوس نہ ہوئی صرف تم دونوں کو اس کی ضرورت محسوس ہوئی) اور اس امر خلافت و بیعت کو اس میں داخل ہونے سے پہلے دور کرنا تمہارے لیے زیادہ وسعت اور گنجائش رکھتا تھا بنسبت تمہارے اس میں داخل ہو کر اور اقرار و بیعت کر کے پھر اس سے خارج ہونے کے۔

الغرض اس خط سے بھی یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ بیعت کرنے اور حلقہ ارادت میں داخل ہونے کے بعد اس کا توڑنا جائز نہیں ہے۔ اور پہلے تو اختیار اور حق خود ارادیت استعمال کیا جا سکتا ہے لیکن بعد میں اس حق کو استعمال نہیں کیا جا سکتا جیسے کہ پہلے بھی یہی مضمون گزر چکا

یعنی اس میں دوبارہ نہ اختیار دیا جا سکتا ہے اور نہ از سر نو غور و فکر کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ مقصد بھی نہیں کہ تم بیعت نہ کرتے خواہ دوسرے اہل اسلام کر لیتے تو تمہیں اختیار تھا کیونکہ اس کے متعلق بھی واضح ارشاد آچکا کہ بیعت ایک ہی ہوتی ہے جو حاضر و غائب سبھی پہ لازم ہو جاتی ہے۔ لہذا مقصد صرف یہ ہے کہ میرے علاوہ کسی دوسرے کو منتخب کر لیتے تو وہ تمہارا حق تھا مجھے اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا تھا لیکن دیگر اہل حل و عقد اور اصحاب رائے کے ساتھ شامل ہو کر مجھے خلیفہ نامزد کر کے اور بیعت کر کے اب تم اپنی مرضی کرنا چاہو اور نظام خلافت کو درہم برہم کرنا چاہو تو اس کی اجازت قطعاً نہیں دی جا سکتی اور یہی ہمارا اس مقام پر مقصد تھا جو بحمداللہ واضح ہو گیا۔

فائدہ اس عبارت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ بیعت کر لی جائے خواہ دل سے نہ بھی ہو۔ لیکن نہ تسلط اور غلبہ کے تحت کی جائے نہ کسی کے لالچ دلانے کی وجہ سے تو وہ دل و جان سے ہی بیعت سمجھی جائے گی اس میں یہ عذر قابل قبول نہیں کہ میں نے اوپرا اوپر سے بیعت کی تھی۔ دل اور باطن سے نہیں کی تھی۔ کما قال: فقد جعلتما لی علیکما السبیل کیونکہ احکام شرع کا دارو مدار ظاہر پر ہے باطن پر نہیں ہے۔ ورنہ نظام کی درستگی اور اصلاح احوال کی کوئی صورت ہی باقی نہیں رہ سکتی۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حق میں جبر و اکراہ کے دعویٰ کی لغویت اور برضا و رغبت بیعت کا ثبوت

اسی پس منظر میں یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے خواہ چھ ماہ کے بعد بھی بیعت کی ہو لیکن وہ جبر و اکراہ والی بیعت نہیں ہو سکتی اول تو اس لیے کہ اس شیر خدا کو کوئی مجبور اور بے بس کرنے والا ہو سکتا ہی نہیں تھا۔ دوسرا اگر مجبور کر کے بیعت لینی ہوتی تو ہفتہ بھی نہیں گزرنا چاہیے تھا۔ چہ جائیکہ چھ ماہ گزر جاتے اور قبل ازیں آپ کا اس مضمون پر مشتمل خطبہ نقل کیا جا چکا ہے۔ کہ میں نے بیعت سے ہاتھ روک لیا لیکن جب بعض لوگوں کو مرتد ہوتے دیکھا تو کہا کہ اگر اہل اسلام اور اسلام کی مدد نہ کروں تو یہ میرے لیے بہت پریشانی کا موجب ہوگا لہذا خلافت کی خاطر اہل اسلام اور اسلام کو نظر انداز کرنا اور اپنی نصرت و اعانت سے ان کو محروم کرنا بہت زیادہ نقصان دہ ہے۔ تو میں نے ابو بکر صدیق کی بیعت کی اور پھر ان حوادث میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور تعاون کیا۔

اور یہی مضمون احتجاج طبرسی میں بھی موجود ہے " فقال ابو بکر مهلا يا ابا الحسن ما نشد فيك ولا نكرهك ۔ ص۳۷ مطبوعہ ایران طبع قدیم۔
اے ابو الحسن آہستگی اور نرم روی سے کام لو ہم آپ پر بیعت کے معاملہ میں نہ تشدد کرتے ہیں اور نہ جبر و اکراہ۔ اور اس مضمون کو شرح حدیدی میں با حوالہ بیان کیا گیا ہے عبارات ملاحظہ ہوں۔

(۱) الا والله لا اقبل قولك ولا ابايعه فقال له ابو بكر فان لم تبايعني لم اكرهك فقال له ابو عبيدة يا ابا الحسن انك حديث السن وهؤلاء مشيخة قريش قومك، ليس لك مثل تجربتهم ومعرفتهم بالامور ولا أرى ابا بكر الا اقوى على هذا الامر منك واشد احتمالا له واضطلاعا به الخ۔
غور سے سنو (اے عمر) بخدا نہ میں ابو بکر کی بیعت کے متعلق تیرے قول کو قبول کرتا ہوں

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اور نہ اس کی بیعت کرتا ہوں تو حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر آپ میری بیعت نہ کرو تو میں آپ کو مجبور نہیں کروں گا۔ تو حضرت ابوعبیدہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا اے ابوالحسن آپ نوعمر ہو اور یہ تمہاری قوم قریش کے بزرگ ہیں۔ آپ کو نہ ان جیسا تجربہ ہے اور نہ ان کی مانند امور خلافت وحکومت کی معرفت۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ ابوبکر صدیق آپ سے اس امر میں زیادہ قوی ہیں۔ اور اس کے زیادہ متحمل اور حوصلہ رکھنے والے۔ فسلم له هذا الأمر وارض به. لہذا امر خلافت انہیں کو سونپیے۔ اور اس پر راضی ہو جائیے۔ فانك ان تعش وتطل عمرك فانت لهذا الامر خليق وبه حقيق فی فضلك وقرابتك وسابقتك وجهادك اگر آپ زندہ رہے اور عمر شریف لمبی ہوئی تو تم بھی اس امر کے حقدار اور اہل ہو گے اپنی فضیلت کی وجہ سے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرب کی وجہ سے اور اسلام وجہاد میں سبقت کی وجہ سے۔

شرح حدیدی بحوالہ ابو بکر احمد بن عبد العزیز جوہری ج۶ ص۳۔

(۲) روی احمد بن عبد العزیز: جاء ابوسفیان إلی علی علیه السلام فقال ولیتم علی هذا الأمر اذل بیت فی قریش۔ اما واللہ لئن شئت لاملأنها علی ابی فصیل خیلا و رجلا۔ فقال علی علیه السلام طالما غششت الاسلام وأهله فما ضرتهم شیئا لا حاجة لنا الی خیلك ورجلك لولا آنا رأینا ابا بکر لها أهلا لما ترکناه۔

احمد بن عبد العزیز جوہری نے روایت کی ہے کہ ابوسفیان حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا تم نے خلافت وامامت کا معاملہ قریش میں کمزور اور ضعیف گھرانے کے حوالے کر دیا ہے۔ غور سے سنو اگر آپ چاہو تو میں مدینہ منورہ کے علاقہ کو ابوبکر کے خلاف اور تمہاری اعانت میں پیدلوں اور سواروں سے بھر دوں تو آپ نے فرمایا تو نے بہت دفعہ اسلام اور اہل اسلام کے ساتھ دھوکہ کیا مگر ان کو ذرہ بھر نقصان نہ پہنچا سکا۔ ہمیں تیرے گھڑسوار دستوں کی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ضرورت ہے اور نہ پیا دوں کی اگر ہم حضرت ابوبکر کو خلافت کے قابل نہ سمجھتے تو ہم خود ہی اس سے نمٹ لیتے۔ اور اس کو یہ موقعہ ہی نہ دیتے۔

(نوٹ) اس روایت سے ظاہر ہے کہ ابوسفیان کا خلافت صدیقی کے خلاف یہ اقدام بھی نگاہ مرتضوی میں انہیں سابقہ اسلام کے خلاف سازشوں اور نقصان پہنچانے کی کوششوں میں سے ایک کوشش تھی۔ اگر آپ اس خلافت کو اسلام کے لیے نقصان دہ سمجھتے تو ابوسفیان سے امداد لے کر اس خلافت کو بدل دیتے اور پھر موقعہ پاکر ابوسفیان سے بھی نمٹ لیتے۔ جس طرح بقول شیعہ خلفاء ثلاثہ کے پیروکاروں کو تقیہ کے بل بوتے پر اپنے ساتھ ملائے رکھا اور اس انتظار میں رہے کہ جب میری حکومت و امارت اور خلافت و امامت مستحکم ہو جائے گی تو پھر تقیہ کا نقاب اتار کر ان کو درست کر دوں گا اور جب اس طرح کا موقعہ میسر ہونے کے باوجود اس سے فائدہ اٹھانے کا تصور تک نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ آپ خلافتِ صدیقیہ کو اسلام کے لیے نقصان دہ اور خطرناک نہیں سمجھتے تھے۔ الغرض اس روایت سے بھی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا نگاہِ مرتضوی میں امامت و خلافت کے اہل اور شایاں ہونا اور ان کی خلافت پر مطمئن ہونا ظاہر ہے۔

(۳) قال ابوبکر: کان سعید بن خالد بن العاص من عمال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی الیمن فلما قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاء المدینۃ وقد بایع الناس ابا بکر فاحتبس عن ابی بکر فلم یبایعہ ایامًا وقد بایع الناس واتی بنی ھاشم فقال انتم الظھر والبطن والشعار دون الدثار والعصا دون اللحا فاذا رضیتم رضینا واذا سخطتم سخطنا حدثونی ان کنتم بایعتم ھذا الرجل قالوا نعم قال علی برد و رضاء من جماعتکم قالوا نعم قال فانا ارضی وابایع اذا بایعتم۔ ص۵ ج ۶

ابوبکر جوہری نے کہا۔ خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ یمن پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عامل اور گورنر تھے جب آپ کا وصال ہو گیا تو وہ مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیعت کر چکے تھے۔ تو انہوں

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

چند دن تک آپ کی بیعت نہ کی پھر بنو ہاشم کے پاس حاضر ہوئے اور کہا کہ تم ہی ہمارا سہارا ہو اور پناہ ہو بلا واسطہ قریبی اور عصائے قوت و توانائی ہو نہ کہ پچھلے اور ناقابل اعتماد اگر تم راضی ہو تو ہم بھی راضی ہو جاتے ہیں اور اگر تم اس خلافت و امامت پہ راضی نہیں تو ہم بھی اس پہ ناراضگی اور ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں۔ مجھے بتلاؤ کیا تم نے بیعت کر لی ہے اس شخص کے ساتھ؟ تو انہوں نے کہا ہاں تو حضرت خالد نے کہا ٹھنڈے دل سے رضامندی کے ساتھ تم تمام کی طرف سے؟ تو انہوں نے کہا ہاں تو حضرت خالد نے کہا تو اب میں بھی راضی ہوں اور بیعت کرتا ہوں جبکہ تم نے بیعت کر لی ہے۔

(۳) قال ابوبکر: لما جلس ابوبکر علی المنبر کان علی علیہ السلام والزبیر وناس من بنی ہاشم فی بیت فاطمۃ رضی اللہ عنہا فجاء عمر الیہم فقال والذی نفسی بیدہ لتخرجن الی البیعۃ أو لأحرقن علیکم البیت فخرج الزبیر مصلتا سیفہ فاعتنقہ رجل من الأنصار و زیاد بن لبید فبدر السیف فصاح بہ ابوبکر وھو علی المنبر اضرب بہ الحجر، ثم قال ابوبکر دعوھم فسیأتی اللہ بھم قال فخرجوا الیہ بعد ذلک فبایعوہ۔ ص۔ ۵۶۔ ج۔ ۲۔

جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ منبر شریف پر بیٹھے یعنی بیعت لینے کے لیے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور بنو ہاشم کے چند افراد بھی حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے گھر میں موجود تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے کہ مجھے اس ذاتِ اقدس کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ یا تو بیعت کے لیے نکلو گے یا پھر میں تم پر گھر کو جلا دوں گا تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ تلوار سونتے ہوئے نکلے تو ایک انصاری آدمی نے ان کو سینے سے لگا لیا اور زیاد بن لبید نے ان کے ہاتھ سے تلوار کھینچ لی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس کو پتھر پہ مار کر توڑ دو پھر فرمایا ان کو اپنے حال پر رہنے دو اللہ تعالیٰ عنقریب انہیں میرے پاس لائے گا۔ جوہری کہتے ہیں مسلمہ بن عبدالرحمٰن نے کہا کہ ان سب نے اس کے بعد بیعت کر لی۔ الغرض جمہور محدثین اور ان کے اعیان و اکابر کا مذہب یہی ہے۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے گو تاخیر سے بیعت کی لیکن اپنی رضا و رغبت سے کی اور جبر و اکراہ اور تہدید و تشدید

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے قصے شیعہ صاحبان کا انفرادی کارنامہ ہے۔ اور جمہور کے نزدیک ناقابلِ اعتماد واعتبار ملاحظہ ہو شرح حدیدی۔ ص۔۲۲۔ ج۔۲۔

اما الذی یقوله جمهور المحدثین واعیانهم فانه علیه السلام امتنع من البیعة ستة اشهر ولزم بیته فلم یبایع حتی ماتت فاطمة علیها السلام فلما ماتت بایع طوعاً۔

جو کچھ جمہور اور اکابر محدثین نے کہا وہ یہی ہے کہ آپ نے چھ ماہ تک بیعت نہیں کی تھی اور گھر پر ہی مقیم رہے۔ یہاں تک کہ حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کا وصال ہو گیا تو ان کے وصال کے بعد برضا و رغبت بیعت کر لی۔ جب جمہور محدثین اور اعیان و اکابر کی تحقیق یہی ہے اور شان مرتضوی کے شایاں اور لائق بھی یہی ہے اور آپ کے خطبات سے بھی یہی حقیقت نمایاں اور واضح ہے کہ ایک مرتبہ جس کے ساتھ اربابِ حل و عقد اور اہل الرائے بیعت کریں پھر حاضر و غائب کو وہ بیعت لازم ہو جاتی ہے اور اس میں نظر ثانی کی گنجائش نہیں رہتی اور انصار میں سے مختلف حضرات نے بھی آپ کو بقول ابو بکر جوہری یہی جواب دیا کہ اب بیعت کر کے توڑی نہیں جا سکتی۔

ابو بکر جوہری کی پہلی روایت جو ہم نے نقل کی ہے اس کے آخر میں ہے۔

فقال بشیر بن سعد لو کان هذا الکلام سمعته الانصار منك یا علی قبل بیعتهم لأبی بکر ما اختلف علیك اثنان ولکنهم قد بایعوا وانصرف علی إلی منزله ولم یبایع ولزم بیته حتی ماتت فاطمة فبایعه۔ ص۔۱۲۔ ج۔۶۔

بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر انصار تمہارا یہ کلام ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیعت کرنے سے پہلے سن لیتے تو ان میں سے دو شخص بھی تمہارے حق میں اختلاف نہ کرتے لیکن وہ بیعت کر چکے ہیں (لہذا اس کو توڑا نہیں جا سکتا) اور اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے گھر کی طرف لوٹے اور بیعت نہ کی اور گھر میں ہی موجود رہے حتی کہ جب حضرت زہراء رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا تو آپ نے بیعت کی۔

۲۔ ابو بکر احمد بن عبد العزیز الجوہری نے ہی نقل کیا ہے۔

عن ابی جعفر محمد بن علی علیهما السلام ان علیا حمل فاطمة علی حمار

Click For More Books
https://archive.org/details/@ zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

وصار بها ليلا الى بيوت الانصار۔ يسألهم النصرة وتسالهم فاطمة الانتصار له.
فكانوا يقولون يا بنت رسول الله قد مضت بيعتنا لهذا الرجل لو كان ابن عمك
سبق إلينا ابا بكر ما عدلنا به فقال علي أكنت اترك رسول الله صلى الله عليه وسلم
ميتا في بيته لا اجهزه واخرج إلى الناس انازعهم في سلطانه. شرح حدیدی ج ۶ ص ۱۳۔

حضرت امام باقر کی طرف منسوب کرکے روایت کی گئی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو گدھے پر سوار کیا اور رات کے وقت ان کو انصار کے گھروں کی طرف لے گئے ان سے امداد و نصرت کا مطالبہ کرتے تھے اور حضرت زہرا رضی اللہ عنہا بھی آپ کے لیے ان سے امداد و تعاون کا مطالبہ کرتی تھیں تو انصار کہتے تھے۔ اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر اور نور نظر ہم اس شخص یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کر چکے ہیں اگر آپ کا چچا زاد بھائی ابوبکر سے پہلے ہمارے پاس پہنچ جاتا تو ہم کسی کو ان کے برابر نہ ٹھہراتے اور انہیں کو مقدم رکھتے تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا کیا میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر میں وصال کے بعد پڑے رہنے دیتا اور آپ کی تجہیز و تکفین نہ کرتا اور لوگوں کے پاس جا کر آپکی سلطنت کے متعلق ان سے نزاع و اختلاف کرتا۔

الغرض یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ بیعت کے بعد وہ حضرات اس کو کسی قیمت پر توڑنے کے لیے تیار نہ تھے۔ اور اس بیعت پر اس قدر مضبوطی سے قائم تھے کہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی سفارش کے باوجود اور ان کے ہاں چل کر جانے کے باوجود انہوں نے اس سے عدول و انحراف کو جائز نہ سمجھا۔

لمحۂ فکریہ اور فوائد روایت (۱) ان دونوں روایات سے بیعت کو توڑنے کا عدم جواز تو واضح ہے ہی لیکن مقام غور ہے کہ اگر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خود لوگوں کو بیعت توڑنے پر مجبور کرتے رہے ہوں اور ہر قسم کا اخلاقی دباؤ ان پہ ڈالتے رہے ہوں تو حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف بیعت توڑنے کی وجہ سے ناراضگی اور خروج و بغاوت کا الزام اور پھر ان کے خلاف جہاد و قتال کا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کیا جواز رہ جاتا ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ روایات یار لوگوں کی تیار کردہ ہیں۔ احتجاج طبرسی کی روایت میں اور جوہری کی اس روایت میں صرف اتنا فرق ہے کہ جوہری نے انصار کی طرف سے اس مطالبہ کے قابل قبول نہ ہونے کی وجہ بھی نقل کی۔ یعنی بیعت کر کے توڑ نہیں سکتے لیکن طبرسی صاحب نے اس پر قینچی چلا دی۔ باقی مضمون اور الفاظ بالکل ایک ہیں۔ بلکہ طبرسی نے اس میں مزید رنگ یہ بھرا کہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کا ساتھ لے جانا بھی ذکر کیا۔ اور مہاجرین کے گھروں پر جانے کا بھی ذکر کر دیا۔

(۲) انصار کا بالاتفاق یہ عزم ظاہر کرنا کہ اگر پہلے ہمارے پاس آجاتے تو ہم آپ کی بیعت کر لیتے لیکن بیعت کرنے کے بعد معذور ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی تصریح اور تنصیص اور نامزدگی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی امر خلافت و امامت کے لیے نہیں پائی گئی تھی۔ ورنہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کرتے ہی کیوں۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صرف قرابت اور خدمات اسلام کی وجہ سے عرض کر رہے ہیں کہ پہلے تشریف لاتے تو تمہارے ساتھ کوئی دوسرا شخص ہماری نظروں میں برابر نہیں ہو سکتا تھا۔ تو حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کیونکر نظرانداز کر سکتے تھے۔ اور اپنے عہد و پیمان کو رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے کیونکر مقدم سمجھ سکتے تھے۔ جبکہ اندریں صورت بیعت ابوبکر میں دنیوی خسارہ کے ساتھ ساتھ دینی خسارہ بھی تھا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیعت کرنے میں دین اور آخرت کا نفع اور بھلا وابستہ تھا۔

اسی حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے ابن ابی الحدید نے کہا۔ قلت ھذا الحدیث یدل علی بطلان مایدعی من النص علی امیرالمؤمنین وغیرہ ج ۶۔ ص ۱۲!

یعنی اگر کسی بھی شخصیت کے حق میں نص وارد ہوتی تو اس کو مقام احتجاج و استدلال میں پیش کرتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوئی نص انصار یا ابوبکر صدیق اور ان کے معاونین اور ہمنواؤں کے سامنے بیان نہیں فرمائی۔ لہذا دعوئ تنصیص و وصیت بھی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ ورنہ کون عقلمند ہے جو کسی کی دنیا کے لیے اپنی عاقبت اور آخرت کو تباہ کرے۔

عذر تاخیر: ۔ رہا یہ عذر کہ میں تجہیز و تکفین کو چھوڑ کر پہلے اس مسئلہ کی طرف کیونکر متوجہ ہوتا تو حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قطعًا ایسا نہیں فرمایا کیونکہ کون نہیں جانتا کہ یہ صرف مسجد نبوی کے امام اور خطیب کا وصال نہ تھا بلکہ شہنشاہ عرب کا وصال تھا۔ اور حکومت کے معاملات کو ایک لمحہ کے لیے بھی التوا میں رکھنا گوارا نہیں کیا جاسکتا۔ اگر کوئی حملہ آور ہو جائے۔ باغی اٹھ کھڑے ہوں وغیرہ وغیرہ تو آخر اس کا بندوبست کون کرے گا۔ اس لیے آج کی ترقی یافتہ دنیا میں باپ کی وفات ہو چکی ہوتی ہے پھر بھی پہلے بیٹے کو مسند پر بٹھاتے ہیں۔ بعد میں اسی کی زیر نگرانی اس کی تجہیز و تکفین کا بندوبست کیا جاتا ہے۔ حالانکہ مکمل انتظامی مشینری موجود ہوتی ہے۔ اور جس دور میں سوائے ذات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے باہم ربط و ضبط کی اہل اسلام کے لیے کوئی صورت ہی نہیں تھی۔ اس دور میں اس مسند کو خالی کیوں کر رکھا جاسکتا تھا۔ لہٰذا عقلِ سلیم اور فکر صائب کا تقاضا یہی تھا کہ پہلے جانشین کا انتخاب عمل میں آتا۔

نیز سب سے پہلے یہ مسئلہ کھڑا بھی انصار کی طرف سے ہوا تھا نہ کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی طرف سے اور یہ حضرات تو اس انتشار و افتراق کو دور کرنے کے لیے تشریف لے گئے لیکن حالات کا تقاضا یہ ہو گیا کہ فوری طور پر خلیفہ کا چناؤ عمل میں نہ آتا تو دوبارہ فتنہ کھڑا ہو سکتا تھا۔ اور کچھ بھی ہو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو انصار پر یہی حجت قائم کرنی چاہیئے تھی۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پہلے نہیں فرما چکے تھے میرے آنے اور تمہیں کہنے کی ضرورت کیا تھی۔ تم نے آپ کے فرمان کو کیوں پس پشت ڈالا اور وہی فرمان ہر اجماع سے مقدم ہے۔

قابل غور: ۔ دنیا میں بے شمار بادشاہتیں قبل از اسلام بھی گزریں اور اسلام کے ظہور کے بعد بھی کیا اس کی مثال کوئی مل سکتی ہے۔ کہ پہلا بادشاہ دوسرے کو

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نامزد کرے۔ اور ولی عہد بنائے وصیت اس کے حق میں کرے۔ مگر لوگوں کو پتہ نہ چل سکے کہ کوئی ولی عہد ہے بھی یا نہیں۔ اور کسی کو نامزد کیا گیا ہے یا نہیں۔ اگر دنیوی بادشاہوں کے اعلان کے بعد ایسا نہیں ہوا کہ رعیت نے دوسروں کو خود ہی نامزد کر لیا ہو تو بادشاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رعایا نے ایسا کیوں کر کیا۔ اور یہ عذر اور بہانہ انہیں کیسے ہاتھ آ گیا کہ تم نے خود ہی تاخیر کر دی تھی ورنہ ہم سب پر آپ کو ہی ترجیح دیتے اور تمہیں مسند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بٹھاتے۔ لہذا مہر نیمروز کی طرح عیاں ہو گیا کہ کوئی وصیت اور نص آپ کے متعلق موجود نہیں تھی۔

لائق توجہ:۔ اسلام سے پہلے بھی شخصی حکومتیں قائم تھیں اور لوگوں کو حق خود ارادیت حاصل نہیں تھا اور اگر اسلام نے بھی یہی طریقہ جاری کرنا تھا اور شخصی حکومت کی بنیاد رکھنی تھی۔ تو پھر لوگوں کے لیے اسلام میں کون سی رغبت ہو سکتی تھی۔ اس لیے یہ چیز مزاج اسلام کے ہی خلاف تھی۔ اور جس انقلاب کے لیے اس پسندیدہ دین کو آخری نبی کے ہاتھ میں دے کر بھیجا گیا تھا یہ اس کی روح کے بھی سراسر خلاف تھا۔ اس لیے کسی ایسی شخصی حکومت کی بنیاد رکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ ورنہ دشمنوں کو یہ شکوک و شبہات پیدا کرنے کا موقعہ مل سکتا کہ نبوت و رسالت کا اعلان محض ڈھونگ تھا۔ دراصل حکومت و سلطنت کا حصول اور اسے اپنی اولاد اور خویش و اقربا کے لیے منتقل کرنا مقصود تھا۔ پھر آپ کا رسالت و نبوت کی تبلیغ پر اجرہ بھی بایں معنی ثابت ہو جاتا کہ حکومت خود بھی کی اور اولاد و اقربا کے لیے قیامت تک اس کا بند و بست ہو گیا۔ حالانکہ آپ نے صرف اور صرف یہ مطالبہ فرمایا۔ کما قال تعالیٰ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی۔ کہ میں تبلیغ احکام رسالت پہ کسی اجرت کا طلب گار نہیں۔ اگر کوئی چیز تم پہ لازم ہے تو وہ یہ کہ میرے قریبیوں کے ساتھ محبت کرنا اور مودت و الفت رکھنا۔ اگر خلافت و امامت ہی لازمی تھی تو "الا الخلافۃ والامامۃ فی القربی۔" بھی کہا جا سکتا تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ فتح ہونے پہ جلدی وصال پانے کی خبر دے دی۔ اور آخری

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تیاری کی۔ کما قال تعالیٰ۔ اذا جاء نصر اللہ والفتح ورأیت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا فسبح بحمد ربك واستغفرہ انہ کان توابا۔
کیونکہ مقصد بعثت حکومت و سلطنت نہیں تھا بلکہ محض تبلیغ احکام رسالت اور اللہ تعالیٰ کی راہ پر لوگوں کو گامزن کرنا تھا۔ جب وہ پورا ہوا تو فوراً اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو پاس بلا لیا تاکہ دامن نبوت و رسالت پر اس اعتراض اور وہم و وسوسہ کی غبار بھی نہ پڑنے پائے۔ کہ حکومت و سلطنت کے لیے ہی سبھی اہتمام کیا گیا تھا۔ اور دعویٰ نبوت کو ذریعہ حصول بنایا گیا۔

رسالہ مذہب شیعہ: از حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز

وصیت خلافت کی نفی پر دلائل

دلیل چہارم

ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا۔ میں آپ کے ساتھ بیعت کرتا ہوں۔ جواباً شیر خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

لیس ذلك الیکم انما ذلك لأھل بدر فمن رضوا به فھو خلیفة

کشف الغمہ۔ ص۔ ۲۳۔ سطر۔ ۲۶۔ مطبوعہ ایران۔

یہ تمہاری ذمہ داری نہیں ہے بلکہ یہ اہل بدر مہاجرین و انصار کا حق ہے۔ پس جس پر وہ راضی ہو جائیں وہی خلیفہ ہے۔

اس روایت نے بھی کئی مشکلیں حل کر دیں جو کسی صاحب بصیرت پر پوشیدہ نہیں ہیں۔

اول یہ کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں وصیت ہوتی تو شیر خدا نہ خود وصیت کے خلاف عمل فرماتے اور نہ ہی دوسروں کو اس وصیت کی مخالفت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

پر مجبور کرتے۔

دوسرا خلافت کے انعقاد کے لیے اہل بدر کی رائے پر انحصار نہ فرماتے اور خلافت کا انعقاد اس میں منحصر قرار نہ دیتے۔ بلکہ وصیت کا ذکر فرماتے۔ اور اسی کے مطابق عمل ضروری اور لازمی یقین فرماتے۔

تحفہ حسینیہؓ از ابوالحسنات محمد اشرف السیالوی عفی لہٗ۔

یہی مضمون دوسرے طرق سے بھی منقول ہے۔ جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ کا اختلاف و نزاع ہوا۔ تو آپ نے ان کی طرف سے مصالحت کی گفتگو اور بات چیت کے لیے آنے والوں کو فرمایا۔ "ان الناس تبع المھاجرین والانصار وھم شھود المسلمین فی البلاد علی ولاتھم وأمراء دینھم فرضوابی وبایعونی ولست أستحل ان أدع ضرب معاویۃ یحکم بیدہ علی الأمۃ ویرکبھم ویشق عصاھم ۔" یعنی لوگ مہاجرین و انصار کے تابع ہیں۔ اور وہی مسلمانوں کے لیے ان کے امراء اور والیان امر پر شہود و گواہ ہیں۔ اور وہ سب مجھ پر راضی ہوئے اور انہوں نے میرے ساتھ بیعت کی۔ اور میں یہ حلال نہیں سمجھتا کہ معاویہ جیسے آدمیوں کو چھوڑ دوں۔ اور وہ امت پر حکم چلائیں اور ان کے سروں پر مسلط ہوں۔ اور ان کے اتحاد و اتفاق کو پراگندہ کریں۔

وہ حضرات یعنی عبیدہ سمانی، علقمہ بن قیس نخعی، عبداللہ بن عتبہ اور عامر بن عبدالقیس امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد سن کر امیر معاویہ کے پاس گئے اور آپ کا جواب ذکر کیا تو انہوں نے کہا حقیقتِ حال اس طرح نہیں ہے۔ آخر ہمارے ساتھ بھی مہاجرین و انصار ہیں۔ وہ کیوں ان کے ساتھ شامل نہیں ہوئے اور ان سے کیوں مشورہ اور رائے طلب نہیں کی گئی۔ فما بال من ھھنا من المھاجرین والانصار لم یدخلوا فی ھذا الأمر ویؤامروا فیہ۔

وہ حضرات پھر امیر المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اہل شام کا جواب آپ کو عرض کیا تو آپ نے فرمایا:۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ويحكم انما ذلك للبدريين دون الصحابة، ليس فى الأرض بدرى الا وقد بايعنى وهو معى أو قد قام ورضى فلا يغرنكم معاوية من انفسكم ودينكم شرح حديدی ج ۲ ص ۲۱ انقلاً عن نصر بن مزاحم من کتاب الصفین

افسوس ہے تم پر خلیفہ بنانے کا حق بدری مہاجرین و انصار کو ہے۔ نہ کہ تمام مہاجرین و انصار اور دیگر صحابہ کو اور روئے زمین پر کوئی بدری صحابی نہیں مگر اس نے میری بیعت کی ہے۔ اور وہ میرے ساتھ ہے۔ یا میری مجلس سے اس وقت اٹھا جب کہ مجھ سے راضی تھا۔ لہٰذا تمہیں معاویہ اپنے نفوس اور دین میں دھوکہ نہ دے۔ اور اس کے بہکاوے میں نہ آؤ۔

الغرض آپ کا امامت و خلافت کے انعقاد کے لیے اصحاب بدر اور بدری مہاجرین و انصار کے اجتماع و اتفاق کو اور ان کے شوریٰ اور انتخاب کو معیار حق قرار دینا ظاہر اور واضح ہے۔ اور مسلم حقیقت جس میں چون وچرا کی گنجائش نہیں ہے کہیں اس حقیقت کو عمومی الفاظ میں بیان فرمایا اور کہیں تخصیص کے ساتھ بیان فرمایا رضا صحابہ رضا خداوند تعالیٰ ہے۔ اور نہج البلاغہ کے حوالے سے گزر چکا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کے اجتماع کو اور کسی شخص کو خلیفہ نامزد کرنے کو اللہ تعالیٰ کا فعل اور اس کی رضا قرار دیا گویا جس طرح رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا مارنا خدا تعالیٰ کا مارنا" ومارميت اذ رميت ولكن الله رمىٰ" آپ کا بیعت لینا اللہ تعالیٰ کا بیعت لینا" ان الذين يبايعونك انما يبايعون الله" اسی طرح آپ کے صدقہ میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کے لیے یہی اعزاز حاصل ہے۔ کہ ان کا مارنا اور قتل کرنا اللہ تعالیٰ کا مارنا اور قتل کرنا ہے" فلم تقتلوهم ولكن الله قتلهم" ان کا بنو النضیر کی کھجوروں میں سے بعض کو کاٹنا اور بعض کو برقرار رکھنا اللہ تعالیٰ کا امر اور اس کی رضا قرار پایا۔" وما قطعتم من لينة أو تركتموها قائمة على أصولها فباذن الله" کیونکہ منصب محبوبیت پر فائز ہونے کے بعد بندہ کے افعال انوار محبوبیت کی بدولت سرزد ہوتے ہیں۔ لہٰذا وہ اللہ تعالیٰ کا فعل قرار پاتے ہیں۔" کما فی الحدیث

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

القدسی "کنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصر به ویده التی یبطش بها ولسانه الذی یتکلم به وفؤاده الذی یعقل به" یعنی میں ہی اس بندۂ محبوب کے کان ہوتا ہوں جن سے سنتا ہے۔ اور آنکھ ہوتا ہوں جس سے دیکھتا ہے۔ اور ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے پکڑتا ہے۔ اور زبان جس کے ساتھ کلام کرتا ہے۔ اور دل ودماغ جس کے ساتھ سوچتا ہے علی الخصوص جبکہ صرف ایک شخص کا فیصلہ بھی نہ ہو بلکہ اخص الخواص صحابہ کرام اس میں شامل ہوں۔ تو پھر وہ انتخاب یقیناً اللہ تعالیٰ کا انتخاب ہوگا۔ اور ان کی رضا لازماً اللہ تعالیٰ کی رضا ہو گی۔ کیونکہ یہی وہ امت ہے جس کا طرۂ امتیاز اور وجہ انفراد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ لہذا ان کا غیر شرعی امر پر اللہ تعالیٰ کی رضا کے برعکس اور مخالف امر پر اجماع کیوں کر ہو سکتا ہے؟ کنتم خیر أمة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنکر۔ اور یہی وہ امت ہے جس کی شہادت اور گواہی پر قیامت کے دن انبیاء ورسل علیہم السلام کے حق میں اور ان کی امم واقوام کے خلاف اللہ تعالےٰ فیصلہ فرمائے گا۔ کما قال تعالیٰ! کذلک جعلناکم امة وسطا لتکونوا شهداء علی الناس (الآیة) اگر دنیا میں اور اپنی امت میں ایک منتظم کے انتخاب میں ان سراپا تقویٰ اور کامل الایمان حضرات کا قول قابلِ قبول نہیں اور ان کی شہادت مردود ہے۔ تو قیامت میں انبیاء وامم کے معاملہ میں اس کی قبولیت کا تصور کیونکر کیا جا سکتا ہے۔ اور قرآنِ مجید نے ہی ان کی راہ کو راہِ ہدایت قرار دیا اور اس کی خلاف ورزی کو جہنم کا راستہ۔ اور اسی کا حوالہ حضرت امیر المومنین نے بھی دیا۔ "قاتلوه علی اتباعه غیر سبیل المؤمنین وولاه الله ما تولیٰ واصلاه جهنم وساءت مصیرا"۔ بہرحال ثقلین کی شہادت اور ان کے اتحاد واتفاق نے واضح کر دیا کہ ان کا انتخاب اللہ تعالیٰ کا انتخاب ہے۔ اور ان کی رضامندی اور خوشنودی اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی ہے۔ والحمد للہ علیٰ ذلک

مذہبِ شیعہ، از حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز

الغرض ان ارشادات عالیہ پہ کسی قسم کا تبصرہ کرنے اور ان کی تفسیر و تشریح لکھنے اور پڑھنے کی ضرورت نہیں، خلافت کا انعقاد اور خلفاء راشدین کی خلافت اور اس کا مدلل ثبوت اور مہاجرین وانصار کے متفقہ فیصلے سے خلفاء راشدین

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

علیہم الرضوان کی خلافت کا ثبوت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنی خلافت کی حقانیت پہ خلفاء سابقین کی حقانیت خلافت کو بطور دلیل پیش کرنا اور مہاجرین و انصار جس شخص کو امام اور امیر بنائیں اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے مطابق اس کا امام اور امیر ہونا اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ کا یہ حکم دینا کہ جو ایسے امیر کی خلافت کا انکار کرے وہ واجب القتل ہے۔ یہ تصریحات اظہر من الشمس ہیں۔

اب ان تصریحات اور واضح ارشادات کو غلط اور غیر ناشی عن دلیل احتمالات اور نامعقول توجیہوں کے ساتھ بگاڑنے کی کوشش نہ فرمائی جائے ورنہ حسب تصریح صاحب کشف الغمہ حق سے روگردانی ہی ہوگی۔ اور آفتاب کو مکڑی کے جالے سے روپوش کرنے کی مثال زندہ ہوگی۔

علامہ ڈھکو صاحب کا عجز اور جواب دلائل سے گریز اور فرار

(نوٹ) علامہ ڈھکو صاحب نے اس فصل میں قائم کردہ دلائل میں سے صرف اس آخری عبارت کے متعلق جواب کی ناکام کوشش کی ہے۔ اور پہلی عبارات کو بالکل ہضم کر گئے اور ڈکار تک نہیں لیا۔ گویا کہ مذہب شیعہ میں حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے ان کو ذکر ہی نہیں کیا۔ حالانکہ کون نہیں جانتا کہ اصل حامل اہمیت عبارات وہی تھیں۔ اور دوسری عبارات ان کی تائید مزید کے طور پر پیش کی گئی تھیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ڈھکو صاحب نے عملی طور پر اپنے عجز کا اعتراف کر لیا اور اپنی مجبوری و بے بسی کو تسلیم کر لیا۔ بھلا جوابی کارروائی کا یہ بھی کوئی طریقہ ہے۔ کہ اصل اور اہم دلائل کو نظر انداز کر دیا جائے اور تبعاً اور ضمناً ذکر کئے گئے دلائل کا جواب شروع کر لیا جائے۔ بہرکیف اب وہ جواب ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔ اور پھر اس کی لغویت اور بیہودگی واضح کرتے ہیں۔

تنزیہہ الامامیہ از علامہ محمد حسین ڈھکو صاحب

۱۔ شیعان حیدر کرار کا یہ عقیدہ ہے کہ نبی کی طرح امام کا مقرر کرنا بھی خداوند تعالیٰ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ جس طرح تمام دنیا مل کر نبی منتخب نہیں کر سکتی اسی طرح ساری کائنات مل کر امام بھی نہیں بنا سکتی۔ ربك یخلق مایشاء ویختار ما کان لھم الخیرۃ۔ اس عقیدہ کی صحت پر بیسیوں عقلی و سمعی ادلہ و براھین قائم ہیں۔ لیکن ہم نے یہاں صرف یہ دکھانا ہے کہ مؤلف کشف الغمہ کی جو عبارت نقل کر کے ہمارے عقیدہ کی تردید کرنا چاہی ہے وہ درست نہیں کیونکہ یہ واقعہ اہل سنت کی کتابوں سے ماخوذ ہے۔ چنانچہ کشف الغمہ ص۲۳ پر عنوان قائم ہے۔ (قال الخطیب ابو المؤید الخوارزمی الخ۔

۲۔ نیز پیر صاحب کو اس قصہ پر اتنا خوش نہیں ہونا چاہیے کہ اس نے کئی مشکلیں حل کر دیں بلکہ اس نے تو نئی مشکلات کا دروازہ کھول دیا ہے۔ کیونکہ وہ اگر تسلیم کرتے ہیں کہ خلیفہ سازی کا حق تمام اہلِ بدر کو ہے تو انہیں خلفاء ثلاثہ کی خلافت سے بھی دستبردار ہونا پڑے گا۔ کیونکہ ابو بکر صاحب کی بیعت صرف عمر صاحب کے بیعت کرنے سے اور بعض لوگوں کے بیعت کرنے سے عمل میں آئی۔ اور دوسرے صاحب کی بیعت پہلے صاحب کی وصیت سے اور تیسرے صاحب کی دوسرے صاحب کی مقرر کردہ کمیٹی کے رکن اعظم عبدالرحمٰن بن عوف کے بیعت کرنے سے وجود میں آئی۔ بنا بریں جب پہلی خلافت ہی غلط ثابت ہوئی تو اس سے دوسری خلافتوں کا بطلان روز روشن کی طرح عیاں ہو گیا ص ۹۹، ۱۰۰

تحفہ حسنیہ، از ابو الحسنات محمد اشرف السیالوی

الجواب وھو الموفق للصدق والصواب و رفیع درجات المتاب

امام کا انتخاب کون کرتا ہے

امر اول (۱) ڈھکو صاحب کا دعویٰ ہے کہ خلیفہ کا انتخاب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ساری کائنات مل کر بھی کسی شخص کو امام اور خلیفہ نہیں بنا سکتی مگر یہ صرف دعویٰ ہی رہا اور اسی کو حضرت شیخ الاسلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشادات سے باطل فرمایا اور بنیادی مقصد بھی یہی تھا۔ لہٰذا اس سے پہلو بچانا اور نہج البلاغۃ جیسے قرآنِ ثانی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کی عبارات کو نظر انداز کرنا اور مقام رد و قدح میں ان دلائل کے جواب سے پہلوتہی کرنا بالکل بے جواز ہے اور اعتراف عجز و قصور کے مترادف ۔

۲ ۔ شیعانِ حیدر کرار کے عقیدہ کا بیان ہمیں مطلوب نہیں اسے دلیل کی کسوٹی پر پرکھ کر یہ بتلانا مقصود ہے کہ یہ نظریہ غلط ہے۔ اگر محض کسی کا عقیدہ سن کر خاموش رہنا لازم ہے تو ہمارا بھی عقیدہ ہے کہ ان بندگان خدا سیدہ کا انتخاب اللہ تعالےٰ کا انتخاب ہے۔ لہٰذا اس پر کسی کو اعتراض کا کیا حق ہے؟ اور ہماری تردید کا کیا جواز ہے۔

۳ ۔ ڈھکو صاحب اور اس کی برادری جو دلائل پیش کرتی ہے۔ اس میں ہی خود کائنات کے افراد خاصہ کا انتخاب ہی پیش کرتی ہے۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کو فرمایا "اخلفنی فی قومی" تم قوم بنی اسرائیل میں میرے نائب اور خلیفہ ہو اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا: "اَنت منّی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ" کہ تم میرے ساتھ وہی نسبت رکھتے ہو جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے درمیان تھی ۔ لہٰذا دونوں خلفاء کا انتخاب بقول شیعہ برادری کائنات میں سے دو افراد کے ذریعے ہی ثابت ہوا تو اس طرز انتخاب کو کیونکر نظر انداز کیا جا سکتا ہے ۔

۴ ۔ نبی کا انتخاب بجا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مگر اس میں تو اختلاف نہیں۔ اختلاف ہے امام کے نصب کرنے میں لہٰذا مختلف فیہ میں متفق علیہ کا حوالہ دے دینا کونسی علمیت کا مظاہرہ ہے۔ مثلاً اگر کہا جائے شیعہ اور اہل سنت اللہ تعالیٰ کو ایک مانتے ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول برحق لہٰذا خلافت میں بھی کوئی اختلاف نہیں تو کیا یہ طرز استدلال درست ہے ۔

۵ ۔ ڈھکو صاحب نے دبے انداز میں ایک دلیل کی طرف اشارہ کر ہی دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پیدا فرماتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ اور اختیار فرماتا ہے اور ان کے لیے اختیار نہیں ہے اس میں خلافت و امامت کے اختیار کی تو بات ہی نہیں ہے ۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

یہاں تو تخلیق باری تعالیٰ کے انفراد اور کیفیت خلق اور کمیت و احوال و اطوار و اوصاف میں اس کے استقلال کا بیان ہے اور ان امور میں مخلوق کے اختیار کی نفی نہ کہ مطلق اختیار کی نفی۔ ورنہ بندوں میں اختیار ہی نہ ہو تو ان کو ایمان اور اعمال صالحہ کا پابند کیسے کیا جا سکتا ہے۔ اور اعمال سیۂ سے دور رہنے کا پابند کیونکر کیا جا سکتا ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ کو پیدا کرنے کے بعد صرف امام منتخب کرنے کا اختیار رہتا ہے دوسرا کوئی اختیار نہیں؟ اور مخلوق میں صرف امام منتخب کرنے کا اختیار نہیں باقی سب اختیار ہیں۔ اگر ذرہ بھر عقل اور دیانت کسی میں ہو تو وہ اپنی اس دلیل پہ ہزار بار روئے کہ ہماری برادری کیسے لغو اور بیہودہ استدلال پیش کرتی ہے۔ تمام عقلاء کا اس پر اتفاق ہے کہ ثبوت اعم سے ثبوت اخص لازم نہیں آتا جس طرح کسی شے کے انسان ثابت ہو جانے سے اس کا عقلمند ہونا ثابت نہیں ہو جاتا چہ جائیکہ مؤمن ہونا اسی طرح اللہ تعالےٰ کے با اختیار ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ خلیفہ کا انتخاب کرنے میں ہی با اختیار ہے۔ اور مخلوق سے صرف اس انتخاب کی ہی نفی ہے۔ دوسرے جملہ اور تمامی اختیارات ان کے لیے ثابت ہیں اور مسلم۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نیابت کے لیے حضرت ہارون علیہ السلام کو منتخب فرمانا قرآن مجید سے ثابت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا غزوۂ تبوک کے موقعہ پہ خلفاء ثلاثہ کو ساتھ لے جانے کا اختیار اور خلیفہ رابع کو مدینہ منورہ میں نائب بنانے کا اختیار کہاں سے آ گیا اور موسیٰ علیہ السلام جن ستر افراد کو اپنے ہمراہ طور کی طرف لے گئے تھے۔ ان کا اختیار اور ان کا انتخاب کس نے کیا تھا۔ قال تعالیٰ: وَاخْتَارَ مُوسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا موسیٰ علیہ السلام ہی تھے جنہوں نے ان کا انتخاب فرمایا۔ پھر قرآن مجید نے مطلقاً اہل ایمان سے اختیار کی نفی نہیں فرمائی بلکہ اس کو مقید اور مخصوص ٹھہرایا ہے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول حکم دے تو پھر وہ اپنے اختیار کو بروئے عمل نہیں لا سکتے نہ کہ مطلق ارشاد باری تعالیٰ ہے "ما كان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضى الله ورسوله امرا ان يكون لهم الخيرة من امرهم" لہٰذا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا جہاں حکم اور قضاء وارد

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نہ ہو تو وہاں اختیار کی بالکل نفی نہیں ہے بلکہ اسلوب کلام اور انداز بیان سے اس مورد اور محل ومقام کے ماسوا میں اسی آیت کریمہ سے اختیار ثابت ہو گیا اور چونکہ حاکم کا منتخب کرنا افعال مکلفین سے تعلق رکھتا ہے اور اس میں اشخاص کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں اور نہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے لہٰذا اس میں اس آیت سے معلوم ہو گیا کہ بندوں کو اختیار حاصل ہے گویا یہ ہماری دلیل بن گئی بر عکس زعم شیعہ کے۔

۶۔ حضرت امام حسن عسکری کے بعد اللہ تعالیٰ کا منتخب تو دنیا پہ نہ ظاہر ہوا نہ اس نے زمامت کے امور کی دیکھ بھال کی اور مخلوق کو حق اختیار و انتخاب ہے نہیں تو اس عرصہ میں نظام امت ظہور مہدی علیہ السلام تک کس طرح برقرار رکھا جا سکتا ہے۔ شہنشاہیت کی صورت میں یا حق خود ارادی کی صورت میں شہنشاہ کا تقرر کون کرے گا یا حاکم وقت کا انتخاب کون کر سکتا ہے اور اب تیرھویں امام یعنی خمینی صاحب کے دور میں انتخاب اور طریق اختیار اپنانے کا کیا جواز ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کا ارشاد "ما کان لھم الخیرۃ" اہل ایران کے لیے نہیں ہے صرف صدر اول اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے لیے تھا۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

۷۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ہر وقت ہر جگہ اور ہر ایک کے سامنے اپنی حقانیت خلافت کی یہی دلیل دہرائی کہ میں مہاجرین و انصار کا منتخب ہوں۔ اور جن حضرات نے خلفاء ثلاثہ کا انتخاب کیا تھا میرا انتخاب کرنے والے بھی وہی ہیں اور جن انصار نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے ہر اخلاقی دباؤ کے باوجود تعاون سے معذوری ظاہر کی اور صاف جواب دیا تو ان کا مؤقف بھی یہی تھا کہ وہ ہمارے ہی منتخب ہیں۔ اور ہم نے ان کے ساتھ بیعت کر لی ہے۔ کیا اس دور میں یہ آیت نازل نہیں ہوئی تھی۔ یا جن کی زبان میں قرآن نازل ہوا تھا ان کو اس کا ترجمہ نہیں آتا تھا۔ یا جس معلم کتاب کو تعلیم کتاب و حکمت کے لیے مبعوث فرمایا گیا تھا انہوں نے اس آیت کی تشریح نہیں کی تھی۔ اور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اپنے فرضِ منصبی کے ادا کرنے میں کوئی کسر چھوڑ دی تھی۔ العیاذ باللہ

ڈھکو صاحب صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ساتھ بغض یہود و مجوس کو ہونا چاہیئے ان کو جتنی تکلیف ان سے پہنچی اس کا واقعی تقاضا یہی ہے۔ لیکن مسلمان کہلانے والوں کو اور محب اہل بیت ہونے کے مدعیوں کو اتنا بغض کیوں ہے کہ قرآن میں تحریف سے بھی گریز نہیں کیا جاتا۔ اور حقائق و واقعات کو بھی ایک نظر دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی جاتی۔ جس طرح بھو کے آدمی کو سورج بھی روٹی معلوم ہوتا ہے ڈھکو صاحب کو بھی جہاں اختیار کی نفی نظر آئے وہیں انتخاب خلیفہ کے اختیار کی نفی ہی معلوم ہوتی ہے۔

اگر یہاں افراد کا مخلوق میں سے انتخاب بھی مراد لیا جائے تو اس سے مراد رسل کرام علیہم السلام کا انتخاب اور منصب نبوت کے لیے نامزد کرنا مراد ہے یعنی یہ انتخاب لوگوں کے بس میں نہیں جیسا کہ تفسیر مجمع البیان میں شیعہ کے مستند مفسر طبرسی نے ذکر کیا ہے ملاحظہ ہو صت ۲۶۲ جلد ۴۔ لہذا محل نزاع میں اس کو پیش کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ نیز جن کو اللہ تعالیٰ اختیار فرماتا ہے وہ خود ہی اعلان کرتے ہیں۔ اور ہر مشکل کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پھر کیوں اعلان نہ فرمایا اور کیوں نہ اپنے مؤقف پر قائم رہے۔ دوسرے خلفاء کے ساتھ موافقت اور سازگاری کا پھر کیا مطلب تھا؟ کسی پیغمبر خدا نے بھی اس طرح مخالف قوتوں کے ساتھ ہمنوائی فرمائی اور اپنے دعویٰ کو ترک کر کے ان کا ساتھ دیا۔ جب نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر اس استدلال کی لغویت اور بیہودگی روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گئی۔

۸۔ علاوہ ازیں حضرت امام رضا رضی اللہ عنہ کو مامون الرشید نے خلافت دینا چاہی تو لینے سے انکار کر دیا۔ بلکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور فتویٰ و قضاء کا منصب سنبھالنے سے بھی انکار کر دیا۔ البتہ اس کا ولی عہد بننا قبول فرما لیا۔ تو ذرا اس راز سے بھی پردہ اٹھا دو کہ اللہ تعالیٰ امامت و خلافت کے منصب کے لیے منتخب کرے مگر اللہ کا منتخب امام و خلیفہ خود بھی دعویٰ نہ کرے اور لوگوں کو اپنی طرف نہ بلائے۔ اور صاحب اختیار اور حاکم وقت تفویض کرے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تو بھی قبول نہ کرے یہ کیسی امامت و خلافت ہے؟ پھر نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا جو ہر عالم بلکہ مسلمان کا فریضہ ہے اس سے بھی معذرت کر دیں۔ آخر ایسا امام مقرر کرنے کا مقصد کیا ہو سکتا ہے۔ جو صرف امتی ہونے کے تقاضوں پہ بھی پورا نہ اتر سکے پھر اسی مامون کی ولی عہدی کو قبول کر لیا۔ آخر اللہ تعالیٰ کے علاوہ جب کوئی انتخاب اور اختیار و پسند کا حق نہیں رکھتا تھا تو مامون کو یہ حق کیونکر مل گیا امام رضا نے اس کا یہ اختیار کیونکر تسلیم کر لیا۔

۹۔ ہر پچھلا امام پہلے امام کی وصیت سے امام بنا اگر مخلوق کا یہ معاملہ ہی نہیں اور نہ ان کے ہاتھ میں اس طرح کا اختیار ہے تو سابقہ اماموں کو وصیت کرنے کی ضرورت کیوں پڑی۔

۱۰۔ نیز ہر امام کے دور امامت میں ان کے اہل بیت ہی مقابلہ میں دعویٰ امامت کرتے رہے ہیں کیا ائمہ کرام نے خود اپنے فرزندوں اور اقرباء کو بھی یہ مسئلہ نہیں سمجھایا تھا حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کے دور میں حضرت محمد بن حنفیہ نے امامت کا دعویٰ کیا۔ حضرت امام باقر اور امام جعفر صادق کے دور میں حضرت زید، حضرت ابراہیم اور حضرت محمد نفس زکیہ نے امامت کے دعویٰ کئے وعلی ہذا القیاس کیا اہل بیت کو بھی اس آیت کی تشریح معلوم نہیں تھی۔ یا وہ بھی العیاذ باللہ مرتد ہو گئے تھے۔

۱۱۔ امام حسین رضی اللہ عنہ بذاتِ خود خاموش تھے اور کوئی دعوی امامت کا نہ فرمایا۔ کوفیوں نے خط و کتابت شروع کی تو آپ وہاں جانے اور امامت و خلافت سنبھالنے کے لیے آمادہ ہو گئے۔ کیا اس کی بھی کوئی نظیر مل سکتی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ خاموش رہے۔ اور نہ دعویٰ کرے نہ منصب کے تقاضے پورے کرے۔ اور لوگ دعوت دیں تو منصب کا اظہار بھی کرے اور امور مملکت سنبھالنے کے لیے تیار بھی ہو جائے۔ کیا پیغمبران کرام کا بھی یہی دستور رہا ہے؟

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

۱۲۔ امام حسن رضی اللہ عنہ نے امور سلطنت اور انتظامی معاملات امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیئے۔ کیا اللہ تعالےٰ نے ان کو یہ امور سنبھالنے کے لیے منتخب فرمایا تھا اور پابند کیا تھا۔ تو انہوں نے اس کا خلاف کیوں کیا اور اگر اللہ تعالےٰ نے ان کو یہ امور اپنے تصرف میں رکھنے کا پابند نہیں فرمایا تھا تو پھر اختیار کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ٹھہرانا باطل ہو گیا۔ اور خلیفہ و امام کا انتخاب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات میں منحصر کرنا درست نہ رہا۔ اور اگر انہوں نے اللہ تعالےٰ کے اذن سے امیر معاویہ کو یہ امور سونپے تو پھر وہ عند اللہ امام کیوں نہ قرار پائے اور العیاذ باللہ ان کا ایمان بھی مشکوک کیونکر رہا۔

۱۳۔ حضرت مہدی علیہ السلام کو امامت دے کر اللہ تعالیٰ نے چھپ جانے کا حکم دیا۔ تو مخلوق کی بھلائی اور بہتری جو بقول شیعہ اللہ تعالیٰ پر فرض اور واجب ہے اس کی ادائیگی نہ پائی گئی اور اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا تو امام کا فرض منصبی کی ادائیگی سے گریز لازم آگیا۔ اگر نبی و رسول فرض منصبی ادا نہ کرے تو نبی و رسول نہیں رہ سکتا۔ کما قال تعالیٰ "یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک فان لم تفعل فما بلغت رسالتہ"۔ اے رسول جو کچھ آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے اس کی تبلیغ کرو۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی رسالت کو ادا نہیں کیا۔ جو امام اپنا منصبی فرض ادا نہ کرے وہ امام کیونکر رہ سکتا ہے اور پھر وہ غار میں بیٹھ کر انتظار کس کا کر رہے ہیں مرید بڑھنے کا تو کیا پیغمبر بھی اس طرح کرتے تھے یا کفر اور گمراہی کے بڑھنے کا تو ماشاء اللہ اب تو شیعہ صاحبان زیادہ ہو رہے ہیں۔ اور خمینی صاحب نے ہدایت خلق کی ذمہ داری سنبھال رکھی ہے۔ پھر امید ہی ختم کر دینی چاہیئے۔

۱۴۔ جسے اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا وہ لوگوں سے ڈر کر خاموش ہو گیا اور روپوشں اور جسے لوگوں نے امام مانا وہ ڈنکے کی چوٹ روس اور امریکہ جیسی سپر طاقتوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتا ہے۔ اور کسی مخالف قوت کو خاطر میں

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نہیں لاتا۔ اندریں حالات اللہ تعالےٰ کے انتخاب کا مخلوق کے حق میں مفید ہونے کے بجائے مخلوق کا اپنا انتخاب ہی مفید رہا۔ ورنہ لکھو کہ اب اسلام نہیں کفر پھیل رہا ہے۔ اور خمینی صاحب کی امامت تسلیم کرنا کفر اور گمراہی ہے۔

۱۵۔ اگر اس وقت روحانی امامت حضرت مہدی کے پاس اور ظاہری حکومت خمینی کے پاس ہو تو کوئی حرج نہیں تو صدر اول اور دور صحابہ میں اس کو کفر و اسلام کا معاملہ قرار دینا کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ بس روحانی امام کا تقرر اللہ تعالیٰ کردے اور حاکم کا بندے کریں تو اس میں نزاع و اختلاف کی گنجائش ہی نہیں ہو سکتی۔

الغرض شیعہ صاحبان کے پاس اس پر قطعاً کوئی دلیل نہیں کہ نظام ملک اور امور سلطنت سنبھالنے کے لیے خلیفہ اور حاکم کا تقرر صرف اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری ہے اور مخلوق اس میں دخل دینے کی مجاز نہیں ہے اور یہ ڈھکو صاحب اور ان کی برادری کا خالی دعویٰ ہے جس کو واقعہ اور حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ اور اس کے چناؤ اور انتخاب کا اہل حل وعقد اور اصحاب رائے کے سپرد ہونا حضرت مولائے مرتضیٰ اور والد لائمہ رضی اللہ عنہ کے واضح اور صریح ارشادات سے ثابت ہو چکا جس کے بعد چون وچرا کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ اسی لیے ڈھکو صاحب نے حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کے پیش کردہ دلائل کا جواب نہ دیا اور نہ ہی ان کا جواب دیا جا سکتا ہے۔

خطیب خوارزم کون ہے

۱۔ ڈھکو صاحب فرماتے ہیں کشف الغمہ کی روایت چونکہ خطیب ابو المؤید خوارزمی سے منقول ہے اور وہ سنی ہے۔ لہٰذا شیعہ کے خلاف حجت نہیں تو آپ اپنے وزیر باتدبیر اربلی صاحب سے پوچھیں کہ انہوں نے یہ لکھی کیوں ہے؟ شیعوں کو سنی بنانے کے لیے یا سنیوں کو شیعہ بنانے کے لیے بیان حقیقت کے لیے یا اہل سنت کو الزام دینے کے لیے آخر کوئی فائدہ اس کے لکھنے کا ہے بھی۔ وہ جو کہتے ہیں میں نے سب کے ہاں مقبول بنانے کے لیے اور سب کی رائے کے موافق بنانے کے لیے یہ روایات

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

درج کئے ہیں تو پھر اس کو قبول کرو اور اس کے مطابق عقیدہ رکھو یا پھر کہو کہ وزیر صاحب بد تدبیر تھے۔ اور یخ مارتے رہے ہیں۔ اور فضول وقت اور روپیہ برباد کرتے رہے ہیں۔

۲۔ ہم نے قبل ازیں بھی ذکر کیا ہے اور پھر عرض کئے دیتے ہیں کہ یہ خطیب صاحب دراصل آپ کے ہیں اور تم نے دھوکہ یہ دیا ہوا ہے کہ شیعہ امامیہ کے علاوہ شیعہ فرقوں کے مصنفین کی کتابوں کو سنیوں کے کھاتے میں ڈال کر حوالے دے دیتے ہو۔ حالانکہ تمہارا ہی آدمی ہوتا ہے۔ مگر بارہ امامی نہیں ہوتا تو ازراہ تقیہ اس کو سنی کہہ دیا کرتے ہو۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے تحفہ اثنا عشریہ ص۱۵ پہ فرمایا کید بست وسوم۔ آنکہ شخصے از علماء زیدیہ و بعضے فرق شیعہ غیر امامیہ اثنا عشریہ نام برند اول درحال او مبالغہ نمایند کہ وے از متعصبان اہل سنت است۔ بلکہ بعضے از ایشان گویند کہ او از اشد نواصب بود بعد از اں از وے نقل کنند کہ دلالت بر بطلان مذہب سنیاں یا تائید مذہب امامیہ اثنا عشریہ نماید (تا) امام اخطب خوارزم کہ زیدی غالی است۔ خلاصہ مقصود یہی ہے کہ خطیب خوارزم زیدی اور غالی شیعہ ہے۔ لہذا اس سے انکار کرنا اور اسے اہل سنت کے کھاتے میں ڈالنا ہی غلط ہے۔ لہذا ڈھکو صاحب کا یہ جواب بھی اپنی مجبوری اور بے بسی کا عملی اعتراف ہے؟ نیز صاحب کشف الغمہ کا طریقہ کار قبل ازیں عرض کیا جا چکا ہے اس سے بھی ڈھکو صاحب کی راہِ فرار مسدود ہو کر رہ جاتی ہے۔

امر ثانی ــــ خلفاء ثلاثہ کی بیعت کرنے والے کون تھے

ڈھکو صاحب نے خلیفہ ثانی کو ایک فرد کا انتخاب اور خلیفہ ثالث کو شوریٰ کمیٹی کے افراد میں سے صرف عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا انتخاب قرار دے کر اس روایت کی رو سے ان کی خلافت کالعدم قرار دینے کی سعی فرمائی ہے۔ اور حضرت صدیق کی خلافت کو صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور معدودے چند آدمیوں کا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

انتخاب قرار دے کر اسے بھی کالعدم کرنا چاہا ہے؟ مگر ڈھکو صاحب یہ تو حضرت مولائے مرتضیٰ سے دریافت کرنے والی بات تھی کہ جب مہاجرین وانصار نے تینوں خلفاء کی بیعت کی نہیں تھی، تو تم نے کیوں فرمادیا کہ میرے ساتھ انہوں نے بیعت کی ہے جنہوں نے ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ بیعت کی تھی۔ اسی لیے نہج البلاغہ کی وہ عبارت بغیر جواب دیئے چھوڑ دی تھی کہ وہ سانپ کے منہ میں چھچھوندر بن کر نہ رہ جائے۔ لہذا آنکھیں بند کر کے نکل جاؤ گویا اس کتاب میں اس کا ذکر ہی نہیں تھا۔

علامہ صاحب اس کو پھر ذرا غور سے پڑھو اور عینک لگا کر پڑھو یا لگی ہو تو شیشہ بدلوا کر پڑھو وہاں لکھا ہے" انہ بایعنی القوم الذی بایعوا ابابکر وعمر وعثمان علی ما بایعوھم علیہ "میرے ساتھ اسی قوم نے بیعت کی ہے جس قوم نے ابوبکر، عمر اور عثمان کے ساتھ بیعت کی تھی۔ آپ کی لغت میں قوم کس کو کہتے ہیں؟ نیز بقول صاحب احتجاج طبرسی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جن مہاجرین وانصار کے گھروں پر خود رات کو چکر لگاتے رہے اور العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ حضرت زہراء کو بھی گدھے پر سوار کر کے اور حسنین کو بھی ساتھ لے کر امداد کا مطالبہ کرتے رہے۔ وہ کس کے ساتھ تھے اور انہوں نے کیوں آپ کے سامنے معذوری ظاہر کی آخر ایمان وامانت نام کی کوئی شے آپ کے ہاں نہیں رہ گئی اور دین ودیانت بالکل رخصت ہو چکے ہیں۔ کہ اس طرح دھاندلیوں پر اتر آئے ہو۔

حقیقت حال۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیعت کا آغاز کیا نہ کہ صرف وہی بیعت کرنے والے تھے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام خلافت کے لیے تجویز فرمایا اور بیعت سب مہاجرین وانصار نے کی تھی۔ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نام تجویز فرمایا اور بیعت کا آغاز کیا۔ ورنہ بیعت کرنے والے سبھی مہاجرین وانصار تھے حتیٰ کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی ان میں شامل تھے جیسے تصریحات گزر چکی ہیں لہذا آغاز کو انجام قرار دیدینا اور بیعت کرنے والوں کو

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ایک ایک فرد میں منحصر کر دینا دن دھاڑے چوری کرنے کی ناکام کوشش ہے اور دیانت و امانت کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ دینے کا بین ثبوت۔

نیز حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ خود شوریٰ کمیٹی میں شامل ہوئے جس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا عملی اقرار اور اعتراف واضح ہو گیا۔ کیونکہ جب وہ بھی امام اور خلیفہ نہیں تھے تو ان کو بالواسطہ یا بلاواسطہ بعد والے خلیفہ کے انتخاب کا بھی کوئی حق نہیں تھا۔ لہٰذا آپ کا اس میں شامل ہونا ہی غلط تھا۔ اور اپنی خلافت کے دعویٰ سے دست برداری کے مترادف اور اگر وہ شمولیت صحیح تھی اور یقیناً صحیح تھی تو آپ کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو تسلیم کرنا بھی ثابت ہو گیا۔ بلکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت و خلافت کو بھی تسلیم کرنا کیونکہ آپ کو حضرت صدیق نے ہی نامزد فرمایا تھا لہٰذا آپ کی خلافت کا صحیح ہونا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے صحیح ہونے کے مترادف ہے۔

اور اسی سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا آپ کے نزدیک درست ہونا بھی واضح ہو گیا کیونکہ اکثریت کا فیصلہ تسلیم کرنا واجب و لازم تھا۔ ورنہ کمیٹی کے منشور کی خلاف ورزی لازم آجاتی اور جب اس میں شمولیت کر ہی لی تو پھر مخالفت کا حق ہی ختم ہو گیا۔ لہٰذا یہ حقیقت تسلیم کرنی فرض و لازم ہے کہ آپ نے اکثریتی فیصلہ کو تسلیم کیا اور یہی عثمان ذی النورین کی صحت خلافت کی ضمانت ہے۔ لہٰذا حضرت امیر المؤمنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا عمل ہی تینوں حضرات کی خلافت کی صحت اور حقانیت کی ضمانت مہیا کرتا ہے۔ جب امام اول کا عمل اور کردار اور ان کا نظریہ ان کی خلافت کے متعلق یہ ہے تو پھر پیچھے چلانے اور ان حضرات کی خلافت کو دوسروں کی طرف منسوب کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ بلکہ آپ کی خلافت ان کی خلافت کی فرع ہے۔ وہ صحیح تو یہ صحیح اور وہ العیاذ باللہ غلط ہے تو یہ بھی غلط ہے اور یہی حقیقت حضرت مرتضیٰ کے ان ارشادات اور مشوروں سے ظاہر ہے۔ جو ابھی حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کے قلم سے ذکر کئے جا رہے ہیں۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

رسالہ مذہب شیعہ　　　از شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز

حقانیت خلافت فاروق اور مشورہ ہائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہما

دلیل اوّل:- حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا عقیدہ اور نظریہ جو خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق بھا بت کچھ واضح ہو چکا ہے تاہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مزید ارشادات اس ضمن میں ملاحظہ فرمائیں اور مزید اطمینان قلب حاصل کر لیں۔

نہج البلاغہ میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے غزوہ روم کے موقعہ پر مشورہ طلب کرنے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشورہ دینے کا جن الفاظ میں تذکرہ کیا گیا ہے اس کا مطالعہ فرمائیں نہج البلاغہ خطبہ ۱۳۸ نہج البلاغہ مصری جلد اوّل ص۳۱۱۔

قَدْ توکل اللّٰہ لاھل ھٰذا الدین باعزاز الحوزہ و ستر العورۃ والذی نصرھم وھم قلیل لا ینتصرون ومنعھم وھم قلیلٌ لا یمتنعون حیٌّ لا یموت انک متی تسر الیٰ ھذا العدو بنفسک وتلقھم بشخصک فتنکب لا تکن للمسلمین کانفۃ دون اقصی بلادھم ولیس بعدک مرجع یرجعون الیہ فابعث الیھم رجلاً مجربًا واحضر معہ اھل البلاء والنصیحۃ فان اظہر اللّٰہ فذلک ماتحب وان تکن الاخریٰ کنت ردءً للناس ومثابۃ للمسلمین۔

اللہ تعالیٰ نے اس دین والوں یعنی مسلمانوں کو غلبہ دینے اور ان کی عزت کی حفاظت فرمانے کا کفیل اور ذمہ دار ہے۔ وہ ذات جل و علا جس نے مسلمانوں کو ایسی حالت میں فتح و نصرت عطا فرمائی کہ مسلمان قلیل تعداد میں تھے اور قلت تعداد کی وجہ سے بظاہر فتح نہیں حاصل کر سکتے تھے اور ان کے دشمنوں کو ایسی حالت میں ان سے دور فرمایا کہ اہل اسلام بوجہ قلت تعداد ان کو دور نہیں کر سکتے تھے وہ ذات اقدس زندہ ہے نہ فوت ہوئی ہے نہ ہوگی آپ اگر بذات خود دشمن کی طرف جائیں اور اس کے خلاف جنگ میں شرکت کریں اور ایسی حالت میں آپ شہید ہو جائیں تو پھر روئے زمین پہ مسلمانوں کا کوئی آسرا اور ان کی کوئی جائے پناہ نہ ہوگی آپ کے بعد ان کے لیے کوئی ملجا، و ماویٰ باقی نہیں رہے گا جس کی طرف مسلمان رجوع کر سکیں اور اس کے ساتھ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

پناہ لے سکیں۔ آپ کوئی تجربہ کار آدمی دشمن کی طرف روانہ فرمادیں اور اس کے ساتھ جنگ آزمودہ لشکر بھیجیں پس اگر اللہ تعالےٰ نے فتح نصیب فرمادی تو آپ کا عین منشا یہی ہے۔ اور اگر خدانخواستہ دوسری بات ہوگئی تو آپ کی ذات تو مسلمانوں کی ملجا و ماویٰ اور ان کے لیے آسرا اور جائے پناہ موجود ہوگی۔

ہے کوئی اہل تشیع کے مذہب میں نہج البلاغۃ سے زیادہ معتبر کتاب؟ جس کی تصریحات پر اہل تشیع کا اطمینان ہو سکے۔ برادران وطن اچھی طرح حضرت مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ارشادات کا مطالعہ فرمائیں اور اس کے بعد اگر یہی ثابت ہو کہ جن ہستیوں کی خیر موالی علی منا رہے ہیں جن کو مسلمانوں کا ماویٰ وملجا قرار دے رہے ہیں۔ جن کو اہل اسلام کا آسرا اور جائے پناہ بیان فرما رہے ہیں، جن کے بعد مسلمانوں کو بے آسرا اور بے یار و مددگار یقین فرما رہے ہیں ان کی خلافت راشدہ سے پھر انکار کیوں! ان کی شان اقدس میں سب و شتم کا کیا معنی؟

ہاں اگر یہود و نصاریٰ اور مجوسی ان کی شان اقدس میں سب و شتم کریں تو ان کا حق تھا کیونکہ وہ دشمنان اسلام ہیں ان کی سلطنتوں کو دولت فاروقی نے تباہ و برباد کر دیا ان کے گرجوں کو مسجدوں میں تبدیل فرمایا۔ ان کے آتش کدوں کو ٹھنڈا کیا، ان کے تمام تر دبدبے اور ہیبت کو اسلام کی چوکھٹ کے آگے سرنگوں فرمایا لیکن مسلمان زادوں کو یہ حق کہاں پہنچتا ہے کہ شیر خدا کے نظریہ کے برعکس، تاریخ عالم کی شہادت کے برخلاف صرف چند روزہ آزادی اور عشرت سے مست ہو کر اپنے بزرگوں اور پیشواؤں کا مذہب چھوڑ کر مقتدایان اسلام کے حق میں سب و شتم شروع کر دیں۔

(رسالہ مذہب شیعہ ص۵۳ تا ص۵۵)

تحفہ حسینیہ

ازابوالحسنات محمد اشرف السیالوی

بقول مؤرخ طبری وغیرہ یہ صلاح و مشورہ اس وقت کیا گیا جبکہ مسلمان لشکر کے کمانڈروں یعنی حضرت ابو عبیدہ بن الجراح اور حضرت شرجیل بن حسنہ وغیرہما رضی اللہ عنہما بیت المقدس کی فتح میں کامیاب نہیں ہو رہے تھے۔ اور انہوں نے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

امیرالمؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے استمداد اور استعانت کی تھی اس موقعہ پر
خود آپ نے وہاں جانے کا فیصلہ کیا اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ
میں اپنا نائب اور خلیفہ بنایا۔ اس وقت انہوں نے کہا "لاتخرج بنفسك انك تريد
عدواً كلباً" آپ خود تشریف نہ لے جائیں آپ عداوت میں حد سے متجاوز اور
حیلہ ساز دشمن کی طرف جا رہے ہو (خدانخواستہ اس کی عداوت سے اہلِ اسلام آپ
جیسے امیر اور امام سے محروم نہ ہو جائیں) تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "انی
ابادر بجهاد العدو موت عباس بن عبدالمطلب انكم لو فقدتم العباس لانتقض بكم الشر
ينتقض الحبل شرح حدیدی جلد ۸ ص۲۹۶ میں حضرت عباس بن عبدالمطلب کے
وصال سے پہلے پہل دشمن کے ساتھ جہاد کرنا چاہتا ہوں کیونکہ جب تم ان کو نہ پاؤ گے
شر و فساد تمہارے اندر ٹوٹ پڑے گا جیسے کہ رسی ٹوٹ کر ہر دھاگہ علیحدہ ہو جاتا
ہے۔ اور آپ کا وصال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت کے چھٹے سال
ہوا اور اس کے بعد اہلِ اسلام میں شر و فساد اور بے سکونی و بے اطمینانی کا آغاز ہو گیا۔
الغرض حضرت فاروق رضی اللہ عنہ، خود تشریف لے گئے اور بغیر جنگ کے اللہ تعالیٰ نے
فتح دے دی کیونکہ عیسائی علماء، رہبان اور قسیسین کو معلوم تھا کہ اہل اسلام کا ایک
خلیفہ جس کا نام تین حروف پر مشتمل ہوگا وہ بیت المقدس کو فتح کرے گا۔ چنانچہ اس
علاقہ میں موجود امراء اسلام کے نام دریافت کرتے تو کہتے یہ اس علاقہ اور شہر کو فتح نہیں
کر سکتے بالآخر جب آپ تشریف لے گئے تو انہوں نے خود بخود شہر کے دروازے
کھول دیئے اور جزیہ دے کر رعایا میں داخل ہو گئے۔

فوائد (۱) اس خطبہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "قد توكل الله لاهل
هذا الدين باعزاز الحوزة وستر العورة" اور بعض روایات میں
قد تكفل۔ بھی وارد ہے پہلی صورت میں وکیل اور کارساز ہونا مراد ہوا اور دوسری
صورت میں کفیل اور کفایت کرنا مراد ہوا۔ ہر دو صورت میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ
عنہ، کی نظر میں اِن اہل اسلام اور عساکر اسلام کی عزت و آبرو اور ان کی فتح و نصرت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم پر لے رکھی تھی اور جس طرح پہلے وہ ان کی قلت اور بے سروسامانی کے باوجود اہل اسلام کی مدد کرتا رہا ہے آج بھی لشکرِ روم کے مقابلہ میں قلتِ تعداد اور بے سروسامانی کے باوجود مدد فرمائے گا کیونکہ وہ زندہ ہے اس پر موت نہیں آتی۔ اس لیے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ آپ ان اہل ایمان واسلام میں اور ان کے امیر وخلیفہ میں غزوۂ بدر وحنین کے وقت سے اب تک کوئی تغیر وتبدل محسوس نہیں فرماتے تھے ورنہ اس وقت کی نصرتِ خداوندی اور فتح وکامرانی کا حوالہ دینے کا کیا مطلب، جب کہ وہ اسلام اور ایمان بھی العیاذ باللہ باقی نہیں رہا تھا۔ اور بقولِ شیعہ سارے صحابہ کرام علیہم الرضوان مرتد ہو گئے تھے۔ اور صرف تین حالتِ ایمان پر برقرار تھے۔ جس سے دوپہر کے سورج کی طرح روشن کہ شیعہ کا مذہب باطل محض ہے۔ اور ان کا یہ قول سراسر غلط اور خلافِ حقیقت ہے۔

(۲) وہ ضمانت اور کفالت جس کا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، نے ذکر فرمایا وہ کہاں ہے اور کس آیت سے ثابت ہے؟ تو اس کے لیے ہم آپ کو شیعہ شارح نہج البلاغہ علامہ ابن میثم بحرانی کے پاس لے چلتے ہیں دیکھو وہ کہہ رہے ہیں کہ آپ کا مقصد یہ ہے کہ آیت استخلاف میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو بالعموم اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کو بالخصوص یہ وعدہ دیا اور فرمایا:۔

خلاصة النصيحة انه ضمن اقامة هٰذا الدين واعزاز حوزة اهله وهٰذا الحكم من قوله وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمنوا منكم وعملوا الصالحات لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ في الارض كما اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قبلهم وليمكّنن لهم دينهم الذى ارتضى لهم وليبدلنهم من بعد خوفهم امنًا الآية۔

(شرح ابن میثم جلد ۳ ص ۱۶۱)

خلاصہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نصیحت اور مشورہ کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دین کے قائم اور برقرار رکھنے کا اور اہلِ دین کی جمعیت اور ان کی حکومت کو عزت وغلبہ دینے کا ضامن ہو چکا ہے۔ اور یہ حکم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے مستفاد ہے کہ اللہ تعالیٰ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نے تم سے اہل ایمان اور اعمال صالحہ والوں کے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں ضرور بالضرور زمین میں خلافت عطا فرمائے گا۔ جیسے کہ پہلے لوگوں کو خلافت اور حکومت عطا فرمائی اور ان کے لیے ان کے دین کو ہر حال میں مضبوط اور راسخ کرے گا جو دین ان کے لیے پسند فرمایا اور ضرور بالضرور ان کے خوف و ہراس کے بعد انہیں امن و سکون بطورِ بدل عطا فرمائے گا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ نگاہِ ولایت میں حضرت عمر بن الخطاب کی خلافت و حکومت اللہ تعالیٰ کی موعود خلافت ہے۔ اور جو دین اس دور میں ترقی پا رہا ہے۔ وہی اللہ تعالیٰ کا ان کے لیے پسند کیا ہوا دین ہے۔ کما قال: ورضیت لکم الاسلام دینا۔ کہ میں نے تمہارے لیے اسلام کو بطور دین و مذہب پسند کیا ہے" اور انہیں فارس و روم اور کسریٰ و قیصر سے کسی قسم کا خوف و خطر باقی نہیں رہ سکتا۔ جس سے صاف ظاہر کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی حکومت خلافت الٰہیہ ہے اور وہ دین جس کی ترویج و اشاعت اور تقویت و ترقی کے آپ درپے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے۔ اور چونکہ وعدہ اہل ایمان اور اعمال صالحہ والوں کے ساتھ ہے لہذا اس سے آپ کے ایمان اور تقویٰ و پرہیزگاری کی بھی ضمانت حاصل ہو گئی۔ جب قرآن مجید اور اہل بیت نے اور ثقلین نے مل کر یہ شہادت دے دی تو اس کے بعد بھی ان کی خلافت کی حقانیت و صداقت میں کسی مسلمان کے لیے شک و شبہ کی کوئی گنجائش ہو سکتی ہے؟۔ نہیں ہرگز نہیں۔

(۳) حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تم شہید ہو گئے تو اہل اسلام کے لیے دور دراز علاقوں کے علاوہ کوئی جائے پناہ نہیں ہو گی اور ان کے لیے تمہارے بعد کوئی ملجا و ماویٰ نہیں رہے گا۔ حالانکہ خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس قیصر روم کے خلاف جنگ کے لیے تبوک تشریف لے گئے۔ اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ و زبیر اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہم کے خلاف کارروائی کے لیے بنفسِ نفیس تشریف لے گئے اگر رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اور ولایت مآب رضی اللہ عنہ کے نائب مقرر کئے جانے کے بعد اہل اسلام کا مرکز اور ان کی جمعیت اور حکومت برقرار رہ سکتی تھی تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی تو اس شخصیت کو نائب مقرر فرما رہے تھے۔ جن کو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک کی طرف جاتے وقت نائب اور خلیفہ مقرر کیا تھا۔ پھر اس پریشانی اور اضطراب کے اظہار کا کیا مطلب کہ تمہارے بعد اہل اسلام کا ملجا و ماویٰ اور ان کی جائے پناہ کون ہوگا جس سے صاف ظاہر ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو حسب وعدۂ الٰہی: واللہ یعصمک من الناس" لوگوں کے ہاتھوں شہید نہیں ہو سکتے تھے اور حضرت امیر اپنے آپ کو عام اہل اسلام میں سے ایک فرد سمجھتے تھے۔ جیسے کہ فرمایا: "ماکنتُ اِلّا رجلاً من المہاجرین" وردت کما وردوا وصدرت کما صدروا۔" الخ شرح نہج البلاغۃ لعلامۃ ابن میثم بحرانی جلد ۲ ص ۳۵۵ یعنی میں مہاجرین میں سے ایک فرد ہوں جہاں وہ وارد ہوئے میں میں وارد ہوا اور جہاں سے وہ لوٹے میں لوٹا۔ لہٰذا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے وجود مسعود کو اہل اسلام کے لیے نعمت غیر مترقبہ سمجھتے ہوئے اور ان کی ذات ستودہ صفات کو اسلام کی ترویج و ترقی اور اہل اسلام کی جمعیت و اتحاد کا ضامن سمجھتے ہوئے یہ مشورہ دیا کہ آپ خود اس جنگ میں حصہ نہ لیں جس سے نگاہِ ولایت میں فاروق اعظم کی عظمت اور افادیت مہر نیمروز کی طرح عیاں ہے۔

(۲) آپ نے فرمایا اگر فتح ہوگئی تو وہی تمہارا مقصود ہے۔ اور اگر خدانخواستہ شکست ہوگئی تو "کنت ردء للناس ومثابۃ للمسلمین" آپ لوگوں کے لیے معاون و مددگار اور اہل اسلام کے لیے ملجا و ماویٰ اور جائے پناہ ہوں گے جس سے صاف ظاہر ہے کہ نگاہِ ولایت میں مقام فاروق یہ ہے کہ شکست خوردہ لشکر اسلام دوبارہ قوت و توانائی اور عزم جدید اور نئے حوصلے کہیں سے پا کر دوبارہ دشمن کو عبرتناک شکست دے سکتا ہے۔ تو وہ صرف آپ کی ذات ہی ہے۔ جو شکست کو فتح اور ضعف و ناتوانی کو قوت و توانائی اور بزدلی اور کم حوصلگی کو شجاعت و بسالت اور عزم و حوصلہ کے ساتھ تبدیل کرنے کی ضامن ہے اس کے بعد بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

محبت اور عقیدت کا مدعی ان کے محمود و ممدوح کی شان میں طعن و تشنیع کے لیے کوئی راہ پا سکتا ہے۔ لا واللہ ہرگز نہیں ورنہ وہ دعوٰی محبت و عقیدت میں سراسر کذاب ہے۔ اور اندر سے یہودی یا مجوسی ہے جن کو عساکرِ اسلام اور ان کے امیر کی طرف سے پہنچنے والے زخم نہ مندمل ہوئے اور نہ ہو سکتے ہیں اور نہ وہ اس کا بدلہ ان سے عملی طور پر لے سکتے ہیں اور قانون یہی ہے:۔

"اذا یئس الانسان طال لسانہ" جب آدمی ہاتھ کے ساتھ بدلہ لینے سے قاصر ہو تو اس کی زبان دراز ہو جاتی ہے۔ اور وہ گالی گلوچ پہ اُتر آتا ہے۔ الحاصل یہ محض ایک مشورہ نہیں بلکہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی بارگاہِ رفعت پناہ میں حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کی طرف سے گلدستۂ عقیدت و محبت ہے اور ان کے وجودِ مسعود کو اسلام کی سربلندی اور ترقی کا ضامن و کفیل قرار دینا ہے۔ اور صرف اس دور میں نہیں بلکہ اپنے دورِ خلافت میں بھی ان کی خدمت میں گلہائے عقیدت و محبت پیش فرماتے رہے۔ اور ان کی جدائی اور وفات و شہادت کو اسلام کے لیے عظیم خسارہ ناقابلِ تلافی نقصان اور نہ مندمل ہونے والا زخم قرار دیتے رہے۔ جیسے کہ فرمایا: "لعمری ان مکانہما فی الاسلام لعظیم وان المصاب بہما لجرح فی الاسلام شدید"۔

اس لیے صرف یہ کہہ کر اس ارشادِ مرتضوی کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ دشمن بھی مشورہ طلب کرے تو وسیع الظرف اور عالی حوصلہ آدمی مشورہ صحیح دیتا ہے۔ لہٰذا آپ نے صحیح مشورہ دے دیا۔ لیکن اللہ تعالٰی کو عساکرِ اسلام اور جنودِ عمر فاروق کی فتح و نصرت کا ضامن قرار دینا، تو مشورہ کے لیے ضروری نہیں تھا اور نہ فردِ واحد کے وجود کو تمام اہلِ اسلام کی جمعیت و اتحاد کا ضامن اور اہلِ اسلام کا مرجع اور ماوٰی قرار دینا ضروری تھا۔ بلکہ صحیح جانشین اور آزمودہ کار خلیفہ کا تقرر اور مسلّم شخصیت کی ولی عہدی کا اعلان ان خطرات کو دور کرنے میں کار آمد ہو سکتا تھا۔ لیکن بشرطیکہ نگاہِ ولایت اور مرتضوی حقیقت بین نظر میں کوئی ایسا بدل اور قائم مقام ہوتا تو! لہٰذا اگر تعصب کے کالے موتیے نے نظر و نگاہ کو بالکل معدوم نہ کر دیا ہو اور اس کی درستگی کی صلاحیتوں کو بھی سلب

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نہ کیا ہو تو اس ارشادِ ولایت کی حقانیت پر تاریخ عالم کے اوراق کی ہر سطر اور ہر لفظ شاہد صادق اور برہانِ ناطق ہے ؎

آنکھ والا ترے جوبن کا تماشا دیکھے
دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے؟

تنبیہ: ۔ حضرت فاروق اعظم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہما کے خلیفہ ہیں جب ان کی خلافت بنگاہِ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں خلافتِ الٰہیہ ہے اور ان کے اور ان کے عساکر کے ایمان و اخلاص اور اصلاح و تقویٰ پر اللہ تعالیٰ گواہ ہے اور قرآن شاہد ہے، تو حضرت صدیق کی خلافت کے برحق ہونے اور ان کے ایمان و اخلاص میں شک کرنے کی کسی مؤمن کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہو سکتی۔

نیز تاریخی شہادت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ صرف بوقت ضرورت مشورہ ہی دینے پر اکتفاء نہیں فرماتے تھے بلکہ عملی تعاون بھی فرماتے تھے۔ اور شریک کار بھی تھے۔ اور حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی نظر میں انتہائی معتمد علیہ بھی تھے کہ ایسے مواقع پر ان کو اپنا نائب اور قائم مقام بنایا اور آپ نے اس ذمہ داری کو قبول فرمایا جس سے باہمی اور دو طرفہ محبت و مودت اور اخلاص و اعتماد کا بھرپور مظاہرہ ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے متعلق حسن اعتقاد بھی یہاں سے ظاہر اور واضح ہے۔ کہ ان کا وجود مسعود اہل اسلام کے باہمی ربط و ضبط اور اتحاد و یگانگت کا ضامن ہے۔ اور شر و فساد سے تحفظ کا۔ لہذا امیر ادارالحکومت سے چلے جانا ان کی برکت سے کسی نقصان کا موجب نہیں ہو سکتا اور ان حقائق کا مشاہدہ اور واقعات کا مطالعہ کرنے کے بعد بھی کوئی کم بخت بلکہ بدبخت ان میں باہم عداوت و کینہ اور دشمنی کا دعویٰ کر سکتا ہے قطعاً نہیں۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

رسالہ "مذہب شیعہ" صفحہ ۵۵ تا ۶۰ از حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ العزیز

دلیل دوم:- اب اہل عقل و دانش کے لیے اس کتاب میں سے حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ایک اور ارشاد بھی مطالعہ کے لیے پیش کرتا ہوں

(جو اسی نہج البلاغۃ خطبہ نمبر ۱۴۶ میں مذکور ہے اور جس کا عنوان ہے)

قد استشارہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی الشخوص لقتال الفرس بنفسہٖ یعنی جب امیرالمؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امیرالمؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فارس کے خلاف جنگ میں بذاتِ خود شریک ہونے کا مشورہ طلب فرمایا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ مشورہ دیا۔

انّ ھذا الامر لم یکن نصرہٗ ولا خذ لانہٗ بکثرۃ ولا بقلّۃٍ و ھُوَ دین اللہ الّذی اظہرہ وجندہ الذی اعدہ وامدہ.... حتی بَلَغَ ما بَلَغَ وطَلَعَ حیثما طَلَعَ وَنحنُ علیٰ موعود من اللہ سبحانہٗ واللہ منجز وعدہ وناصر جندہ ومکان القیم بالامر مکان النظام من الخرز یجمعہ ویضمہ...... فان انقطعَ النظام تفرّق وذھَبَ ثمّ لم یجتمع بحذافیرہٖ ابداً۔ والعرب الیوم وان کانوا قلیلاً فھم کثیرون بالاسلام عزیزون بالاجتماع فکن قطباً واستدر الرحیٰ بالعرب واصلھم دونک نارا للحرب فانک ان شخصتَ منْ ھذا الارض انقطعتْ علیک العرب من اطرافہا واقطارھا، حتیٰ یکون ما تدَع وراءک من العوراتِ اھم الیک ممّا بَیْنَ یدیک انّ الاعاجم ان ینظروا الیک یقولوا ھذا اصل العرب فاذا اقتطعتموہ استرحتم فیکون ذلک اشدّ لکلبھم علیک وطمعھم فیک۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ترجمہ:۔ بے شک اہل اسلام کی فتح و شکست کثرت و قلت افراد کی وجہ سے کبھی نہیں ہوئی یہ اللہ تعالیٰ کا دین ہے۔ اس کو اللہ ہی نے غالب کیا ہے اور تیار فرمایا ہے۔ اور اس کو امداد دی ہے۔ یہاں تک کہ جہاں اس دین نے پہنچنا تھا پہنچا۔ اور جہاں تک اس نے چمکنا تھا چمکا۔ اور ہم اللہ سبحانہٗ کے وعدے کے مطابق ہیں اور وہی پر برقرار ہیں اور اللہ سبحانہٗ اپنے وعدے کو پورا کرنے والا ہے۔ اور اپنے لشکر کو فتح دینے والا ہے۔ اور مسلمانوں کے امیر کا مرتبہ ایسا ہے جیسے کہ تسبیح کے دانوں کا رشتہ اور دھاگہ جو اس کے دانوں کو اکٹھا اور اپنے اپنے مرتبہ و مقام پر رکھتا ہے۔ پس اگر وہ رشتہ ٹوٹ جائے تو پھر تمام دانے بکھر جاتے ہیں۔ پھر وہ اکٹھے نہیں ہو سکتے اور اہل اسلام اگرچہ بنسبت دشمن کے تعداد میں کم ہیں مگر دولت اسلام کی وجہ سے زیادہ ہیں اور اپنے اجتماع کی وجہ سے غالب ہیں آپ قطب بن کر ایک ہی جگہ رہیں اور لشکر اسلام کی چکی کو گھمائیں اور جنگ کی آگ کو اپنے ملک سے دور رکھ کر دشمن تک پہنچائیں۔ اگر آپ بذات خود اس ملک عرب سے چلے گئے تو قبائل عرب آپ پر ہر طرف سے ٹوٹ پڑیں گے پھر مسلمانوں کی عزت و ناموس کی حفاظت آپ کو فارس کے خلاف جہاد کرنے سے زیادہ اہم محسوس ہوگی، عجمی لوگ جب آپ کو کل میدان جنگ میں دیکھیں گے تو یہی کہیں گے کہ عرب کا سردار یہی ہے۔ اس کو ختم کر دو تو پھر خیری خیر ہے۔ پھر یہ بات دشمن کو آپ کے خلاف جنگ کرنے میں سخت حریص کر دے گی۔ اور آپ کے خلاف لڑنے میں ان کے طمع کو بڑھائے گی۔

دلیل سوم:۔ فروع کافی کتاب الجہاد مطبوعہ لکھنؤ ص ۲۱۳ و ص ۲۱۴ و ص ۲۱۷ پر امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا عقیدہ اور آپ کا فتویٰ ملاحظہ ہو:۔

"القتال مع غیر الامام المفروض طاعتہ حرام قطعاً ولا غزو الا مع امام عادل۔"

یعنی امام برحق جس کی اطاعت فرض ہوتی ہے۔ اس کے بغیر کسی کے ساتھ مل کر جہاد کرنا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

قطعاً حرام ہے۔ اور امام عادل کے سوا کسی کی اطاعت میں جہاد کرنا ہرگز جائز نہیں۔

(اس فتوے کو ذہن میں رکھ کر اور ادھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تعامل کو ملحوظ رکھ کر آپ کو فیصلہ کرنا ہوگا۔)

اب سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا تعامل ملاحظہ ہو کتاب ناسخ التواریخ جلد دوم حصہ دوم ص ۳۹۲:-

" در کارہا، ولشکر کشی ہا، اورا اعانت نے فرمود ورائے نیکو مے داد"

یعنی امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں آپ کے ہر کام میں اور فوج کشی میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان کی امداد و اعانت فرماتے تھے۔ اور نیک مشورے دیتے تھے۔

(اگر یہ معاونت درست ہے تو آپ کی خلافت برحق ہے۔ اور خلافت برحق نہیں تو معاونت صحیح نہیں ہوسکتی)

اب منطق کی جس شکل سے بھی نتیجہ نکالا جائے۔ یہی ثابت ہے۔ کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مقدس نظریہ اور مذہب میں امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ برحق خلیفہ تھے بسلمان بجائیو!

اور نہیں تو کم از کم اتنا تو سوچو کہ اس قسم کے مشورے دوست اور خیر خواہ دیا کرتے ہیں یا دشمن اور لفظ قیم بالامر پہ غور کرو تو اس کا صاف معنی امیر المؤمنین ہے۔ جو حضرتِ علی رضی اللہ عنہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حق میں استعمال فرما رہے ہیں اب یہ شور کہ مستحق خلافت نہیں تھے وغیرہ وغیرہ تو اس بات کا قطعی علم آجکل کے ذاکرین شیعہ کو زیادہ ہوسکتا ہے یا جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو کم از کم یہ خیال کرنا چاہیئے کہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان کے حالات کو بچشم خود ملاحظہ فرمانے والے تھے۔ اور ان کے طرزِ عمل کو ہر وقت محسوس کرتے تھے۔ اور یہ زمانہ کتنا بعید تر ہے تو بہر صورت علیٰ شاھد کا بیان ہی قابلِ قبول ہوسکتا ہے؟

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

دلیل چہارم :- اہل تشیع کی معتبر ترین کتاب ناسخ التواریخ جلد دوم ص ۲۹۵ میں بھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد موجود ہے تو حضور کے یہ جملے کہ نحن علی موعود من اللہ سبحانہ .... الخ کے معنی اور تفسیر میں صاحب ناسخ التواریخ لکھتا ہے :-

وا اینک مابر وعدۂ خداوند ایستادہ ایم چہ مومناں را وعدہ نہاد کہ در ارض خلیفتی دہد چنانچہ پیشینیاں را۔ ودین ایشاں را استوار دارد و خوف ایشاں را مبدل بامنی فرماید تا بر ہمہ ادیان غلبہ جویند و خداوند بوعدہ وفا کند و لشکر خود را نصرت دہد و ہمانا فرمان گزار امور رشتہ را مانند کہ مہرہا بدو پیوستہ شوند۔

یعنی اس وقت ہم اللہ تعالیٰ کے وعدہ پہ کھڑے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ زمین میں ان کو اپنے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلیفے بنائے گا۔ اس طرح جیسا کہ پہلے پیغمبروں کے خلیفے بنائے تھے۔ اور ان کے دین کو تمکنت اور پختگی بخشے گا ان کے خوف کے بعد اس کے بدلے میں ان کے لیے امن دے گا۔ تاکہ مذاہب عالم پر غلبہ حاصل کریں۔ اور اللہ تعالیٰ وعدہ کو وفا کرتا ہے۔ اور اپنے لشکر کو فتح و نصرت دیتا ہے جب کہ امر کرنے والے (امیر المومنین) ایسے رشتہ (دھاگہ) کی مانند اور مثل ہیں جس کے ساتھ دانے پیوستہ ہیں (تو جس طرح تسبیح کے دانوں میں انتظام اور انضباط ان کے درمیانی دھاگہ پر موقوف ہے۔ اسی طرح اہل اسلام کا باہمی ربط ان کے امیر حضرت عمر سے وابستہ ہے سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے وعدہ پہ برقرار اور قائم ہیں۔ صاحب ناسخ التواریخ اور اسی طرح باقی شراح نہج البلاغۃ حضور کے ان جملوں کی تفسیر میں تصریح کرتے ہیں کہ حضور نے اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ :-

وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

الذی ارتضیٰ لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنًا یعبدوننی لایشرکون بی شیئًا ومن کفر بعد ذٰلک فاولئک ھم الفاسقون۔

یعنی تم میں سے مومنین اور صالحین کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ ان کو زمین میں اسی طرح خلیفہ بنائے گا جس طرح پہلے پیغمبروں کے صحابہ کو خلیفہ بنایا تھا۔ اور اس بات کا وعدہ کرتا ہے کہ ان کے لیے اُن کے اس دین کو استحکام اور تمکنت بخشے گا جس کو اللہ تعالےٰ نے ان کے لیے پسند فرمایا ہے۔ اور ان کے خوف کو امن وسلامتی کے ساتھ بدلے گا۔ وہ میری ہی عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گے۔ اور ان تمام باتوں کے بعد جو انکار اور کفر کریں گے تو وہی فاسق ہوں گے۔

حضرت شیر خدا رضی اللہ عنہ کے ان جملوں کا مطلب کہ ہم اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر قائم ہوئے ہیں اسی آیتِ وعدہ کے ترجمہ کو پیش کرتے ہیں چنانچہ، اہل تشیع کا مجتہد اعظم علامہ ابن میثم شرح کبیر نہج البلاغہ ص۳۰۰ مطبوعہ ایران۔ میں انہی ارشادات مرتضوی کی شرح اور تفسیر میں تصریح کرتا ہے:۔

"بوعد اللہ تعالیٰ المسلمین الاستخلاف فی الارض وتمکین دینھم الذی ارتضیٰ لھم وتبدیلھم بخوفھم امنا کما ھو مقتضی الاٰیۃ۔"

یعنی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ارشاد کہ ۔ نحن علیٰ موعود من اللہ (ہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ پر ہیں) دین مقدس اور لشکر اسلام کی فتح مندی کے اسباب اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت اور اعانت اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے کئے گئے وعدہ کو بیان فرما رہے ہیں۔ جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زمین پر خلیفہ بنانے اور ان کے اس دین کو جس پر وہ راضی ہوا تمکنت اور استقلال بخشنے اور ان کے خوف کو امن کے ساتھ بدلنے کے متعلق

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

فرمایا ہے جیسے کہ وہ اِس آیت کا مقتضیٰ ہے۔

بہر صورت تمام شراحِ نہج البلاغۃ یہی تصریح کرتے ہیں کہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ نے امیر عمر رضی اللہ عنہٗ کی خلافت کو اسی آیت استخلاف کے ساتھ برحق ثابت کیا ہے۔ اور اِن کے زمانۂ خلافت اور اِن کے دین کو اسی آیت کریمہ کے مقتضیٰ سے بیان فرمایا کہ وہ برحق ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس پہ راضی ہے۔ واقعات بھی اُسی امر کے مؤید ہیں کہ وہ زمانہ جو جزیرۂ عرب میں بھی مخالف قبائل کی آئے دن فتنہ پردازیوں اور خطرناک سازشوں سے سخت پریشانی اور بے چینی کا زمانہ یقین کیا جاتا تھا اور ہر وقت اِن کی طرف سے خوف وخطر مسلمانوں کو لاحق تھا، امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہٗ کے زمانۂ خلافت میں تمام جزیرۂ عرب کو یہود و نصاریٰ سے پاک کیا گیا۔ اور تمام مخالف عنصر یا حلقہ بگوش اسلام ہوا یا ختم ہوگیا اور اسلام کی سلطنت نے بہت بڑی وسعت اختیار کی سلطنت ایران جیسی بارعب اور پرہیبت حکومت نے اسلام کی چوکھٹ کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا۔ تقریبًا تمام افریقہ، مصر، شام، عراق، خراسان اور باقی تمام قبائلی علاقے حلقۂ بگوش اسلام ہوئے۔ اور یوں مسلمانوں کا خوف امن کے ساتھ تبدیل ہوا اور یہ تمام تر آیت کریمہ:—

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ الآیۃ کے حرف بحرف مطابق ہوا۔

اس آیت کریمہ سے زیادہ احقیت خلافت خلفاء راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر اور کون سی دلیل ہو سکتی ہے۔ یہ غصب خلافت کے بے بنیاد دعوے حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہٗ کی تصریحات اور ائمہ کرام کی توضیحات اور اِن کے طرزِ عمل کے مقابلے میں کیا وقعت رکھتے ہیں؟

تحفۂ حسینیہ — از محمد اشرف سیالوی

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ نے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہٗ کے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اِس ارشادِ گرامی کا معنی و مفہوم اپنی طرف سے بیان کرنے کی بجائے صاحب ناسخ التواریخ، علامہ ابن میثم بحرانی شارح نہج البلاغۃ اور دیگر شراح کے حوالہ سے بیان کیا اور ساتھ ہی ضمنی طور پر دو امر مزید توجہ کے لیے پیش کیے ایک ناحق خلیفہ کی معاونت اور اِس کے ساتھ مل کر جہاد کرنے کی حرمت، دوسری طرف آپ کا لشکر کشی اور صلاح و مشورہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی معاونت فرمانا تاکہ واضح ہو جائے کہ یہ صرف مشورہ ہی نہیں کہ دشمن بھی پوچھے تو صحیح رائے دے دی جاتی ہے بلکہ عملی تعاون واشتراک بھی ہے، جو ناحق خلیفہ کے ساتھ حرام ہے اور حرام کا ارتکاب حضرت ابو الائمہ رضی اللہ عنہ سے بالکل ناممکن اور بعید ترین ہے۔

لہذا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت کا برحق ہونا روز روشن کی طرح واضح ہو گیا۔ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے آپ کو قیم بالامر فرمانے سے بھی یہ حقیقت واضح ہو گئی۔

تحفہ حسینیہ، از ابو الحسنات محمد اشرف السیالوی

تقریر استدلال اور کلام امیر کے فوائد

اب مزید فوائد اِس کلام الامیر، امیر الکلام کے ملاحظہ فرمائیں اور حقانیت خلافتِ فاروقیہ کے دلائل و شواہد کا مشاہدہ فرمائیں۔

(۱) آپ نے فرمایا:- اِنَّ ھٰذَا الامر لم یکن نصرہٗ ولاخذلانہٗ الخ جس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی زمانہ ماضی میں نصرت اللہ فتح مندی کا دار و مدار کثرت تعداد پر نہیں تھا۔ لہذا اب بھی اس پر دار و مدار نہیں جس سے صاف ظاہر کہ یہ اسلام جس کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ داعی ہیں اور اس کے نفاذ کے ذمہ دار ہیں یہ وہی سابقہ اسلام ہے نیا نہیں ورنہ اس کی فتح مندی کا معیار یہاں پر پایا جانا کیونکہ لازم اور ضروری ہو سکتا ہے لہذا شیعہ صاحبان کا اِس اسلام کو عامہ کا عقیدہ و نظریہ کہہ کر ٹھکرانا اور اپنے آپ کو خاصہ کہہ کر اپنے لیے نیا دین ایجاد

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کرنے کا اِس ارشاد کی روشنی میں کوئی جواز نہیں ہے بلکہ آپ نے تصریح فرما دی :-

ھو دین الّذی اظھرہٗ :-

کہ یہی اللہ تعالیٰ کا دین ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے غالب فرمایا ہے۔

نیز یہ بھی فرمایا کہ جس مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب امام الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تھا۔ دورِ فاروقی اِس مقصد کو بطورِ نیابت اور خلافتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کامل کرنے کا دور ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے :-

"ھُوَالّذی اَرسَلَ رسولہٗ بالھُدیٰ و دین الحق لِیُظھِرہٗ علی الدین کُلِّہٖ"

اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا تاکہ اس کو سب ادیان اور مذاہب پر غالب کرے۔

اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے :-

"ھُوَ دین اللہ الّذی اظھرہٗ"

یہ وہ دین ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے غالب فرمایا۔ اور دورِ فاروقی میں مجوسیت کی بھی کمر توڑ کر رکھ دی گئی۔ اور وہ علاقہ بھی شہادتِ توحید اور شہادت رسالت کی آذانوں سے اور تکبیرات کی آوازوں سے گونجنے لگا۔ اور عظیم عیسائی سلطنتِ روم کو بھی کچل کر رکھ دیا جہاں صلیب اور تصاویرِ مسیح و مریم کی جگہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہونے لگی۔ الغرض آپ نے واضح فرمایا کہ اِس مقصدِ بعثت کی تکمیل اِس نائب رسول کے ہاتھوں ہوئی اور اِن ممالک میں اسلام کو اِن باطل ادیان پر غلبہ اور تسلط حاصل ہو گیا۔ اگر خدانخواستہ اصل دین مٹ چکا ہوتا تو اِس کے غلبہ کا ذکر کرنے کا کوئی جواز ہی نہیں تھا۔ اور موجودہ دین کو اللہ تعالیٰ کا دین غالب قرار دینے اور زمانۂ رسالت کی طرح محض نصرتِ خداداد سے اِس کے منصور اور غالب ہونے کا فیصلہ دینے کا کوئی جواز نہیں تھا۔

(۲) آپ نے فرمایا :-

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

"هو جندہ الذی امدہ واحدہ ۔"

کہ تمہارا لشکر اللہ تعالیٰ کا لشکر ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے تیار کیا ہے یعنی غلبۂ اسلام کے لیے ۔ اور کفر و شرک کی کمر توڑنے کے لیے ۔ اور اسے مدد دی ہے ۔ یعنی ملائکہ کے ساتھ بدر میں اور حنین میں عملی طور پر اور دیگر مواقع پہ ان کی روحانی امداد کے ذریعے ۔

اس ارشاد سے بھی صاف ظاہر کہ لشکر فاروقی اور عساکر و افواجِ عمر نگاہِ مرتضےٰ میں اللہ تعالیٰ کے عساکر اور افواج ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر حال میں اپنے لشکر اور عساکر کی مدد فرمانے والا ہے لہٰذا ان افواج کے متعلق کسی بدظنی کا اور ان کے ایمان و اخلاص پر حملہ کرنے کا بھی اور ان کے ارتداد و انحراف کا تصور تک بھی کرنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جھٹلانے کے مترادف ہے ۔ لہٰذا تمام افواج کا کامل اور مخلص مومن ہونا ظاہر اور واضح اور جب افواج اور خدام فاروقی اس شان کے مالک ہیں تو خود مخدوم اور امیر الامراء اور قائد عساکر کا ایمان و اخلاص بھی شک و شبہ سے بالاتر ہونا یقینی ہے ورنہ ان کا فرماں بردار اور وفادار لشکر اللہ کا لشکر کیوں کر قرار پا سکتا تھا؟

(۳) حضرت امیر نے فرمایا:۔

"حتّٰی بلغَ ما بلغ وطلعَ حیثما طلعَ ۔"

یعنی یہ دین جس بلندی پہ پہنچنا تھا پہنچا اور جہاں اس کا آفتاب چمکنا تھا ، چمکا ۔ اس عبارت میں جو الفاظ میں نہ سما سکنے والی ترقی اور بیان سے باہر اشاعتِ دین بیان کی گئی ہے ، اس کا اندازہ عربی اسلوب سے واقف شخص ہی کر سکتا ہے ۔ یہ انداز وہاں اختیار کیا جا سکتا ہے ۔ جہاں الفاظ اس مقصد کی ادائیگی سے قاصر اور عاجز ہوں اور اذہان اس کے تصور اور احاطہ سے عاجز ہوں ۔ جس سے صاف ظاہر کہ اے فاروق! یہ مذہب اسلام آپ کے دور میں اس بلندی اور رفعت پہ فائز ہے ۔ کہ نہ میرے الفاظ میں اس کی تعبیر ممکن اور نہ ہی سامعین و حاضرین میں اس کے کماحقہ تصور اور احاطہ کی طاقت و ہمت ۔ امیر المؤمنین کے اس ارشاد کے بعد بھی کوئی سوچ سکتا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اصل دین کو ختم کر کے رکھ دیا تھا؟ اور باطل نیا دین جاری کر دیا تھا؟ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ مجبور تھے۔ اس لیے اپنے دور میں بھی اس کو اصلی حالت میں نہ لا سکے؟ کیونکہ تمام لشکر کے الگ ہو جانے ہو جاتے اور آپ کو تنہا چھوڑ جانے کا خطرہ لاحق تھا؟ لہٰذا زبان پہ مہر سکوت لگائے رکھی؟

مگر اس وقت ان کو ان الفاظ کے ساتھ خراجِ تحسین پیش کرنا اس توہم کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کے لیے کافی ہے، اور خطبہ روضہ کافی کے موضوع اور من گھڑت ہونے کا بین برہان ہے۔ جس کا تذکرہ بمعہ تبصرہ گزر بھی چکا ہے۔

(۴) آپ نے فرمایا:-

نَحْنُ علیٰ موعودٍ من اللہ واللہ منجزٌ وعدہٗ وناصرٌ جندہٗ

کہ ہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک وعدے پہ قائم ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کو پورا کرنے والا ہے اور اپنے لشکر کی امداد اور نصرت فرمانے والا ہے جس کی مفصل و مکمل تشریح حضرت شیخ الاسلام کے کلام صداقت نشان اور حقیقت ترجمان میں گزر چکی کہ اس وعدہ سے مراد وعدۂ خلافت ہے۔ اور دین کی تمکین و راسخیت اور اور خوف کو امن سے بدلنے کا وعدہ جو قرآن مجید میں صراحتہً مذکور ہے۔ اور حدیث رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے واضح اور ثابت ہے کہ ہدایت کا دار و مدار ثقلین کی اتباع اور پیروی پہ ہے۔ لہٰذا دونوں کا اس پر اتفاق ثابت ہو گیا کہ خلافت فاروقیہ اسی وعدہ کا ایفاء ہے۔ لہٰذا اس خلافت پر انکار و اعتراض ضلالت و گمراہی ہے اور حضرت علی المرتضیٰ کی تکذیب بلکہ قرآن مجید اور ثقل اکبر کی تکذیب اور ذات باری تعالیٰ پر اعتراض و تنقید ہے۔

نیز جب خلافت فاروقیہ اس وعدہ کے عملی طور پہ پورا کیے جانے کی شہادت ہے تو اس دین کو جس کی اشاعت اور ترویج و ترقی کا بیڑا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُٹھایا اس کو خدا تعالیٰ کا آخری دین اور کامل و اکمل دین تسلیم کرنا لازم

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اور واجب ٹھہرا لہٰذا اس پر اعتراض کسی بھی مؤمن کے لیے جائز اور درست نہیں ہے۔

"کما سبق بیانہٗ فی الدلیل الاوّل"

(۵) آپ نے فرمایا:۔

"مکان القیّم بالامر مکان النظام من الخرز"

یعنی اے عمر فاروق تم امرِ خلافت اور امرِ اسلام کے قائم رکھنے والے ہو اور تمہاری وجہ سے اہلِ اسلام میں ربط باہم اور اتحاد و اتفاق قائم ہے۔ اور تمہاری شہادت سے یہ رشتہ ٹوٹ جائے گا۔ اور پھر کبھی ان میں یہ ربط و ضبط پیدا نہیں ہو سکے گا احوالِ اقوامِ عالم کی تاریخ پر نظر رکھنے والے اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ وقت کی اہم ترین شخصیات اور بادشاہ میدانِ جنگ میں کام آتے رہے۔ اور ان کے ولی عہد اور قائم مقام کے ذریعے نظامِ سلطنت برقرار رہا۔ مگر حضرت امیر المؤمنین جیسا حقائق شناس اس امیر اور بادشاہِ اسلام کو ان الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کر رہا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا معاملہ نگاہِ ولایت میں ان دنیوی امراء و سلاطین سے مختلف تھا۔ اور یہی وہ حقیقت ہے جس کی گواہی بعد کے حالات و واقعات نے دی۔ اور پھر سے اس نظام کی کامل شیرازہ بندی نہ ہو سکی۔ بلکہ باہمی افتراق و انتشار نے اس خلافت حقہ کی گرفت کو کمزور کر دیا۔

الغرض حضرت امیر المؤمنین کی دور رس نگاہوں اور عواقب پر مرکوز نظر دلی نے یہ بتلا دیا کہ غلبۂ اسلام کا ضامن اور امت کے اتحاد و یک جہتی کا ضامن بھی ایک فرد ہے۔ لہٰذا میں ان کو میدانِ جنگ میں جانے کا مشورہ کبھی نہیں دے سکتا۔ کیونکہ جو منفعت ان کے پیش نظر ہے وہ دوسری صورت میں بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ اور جو نقصان اسلام اور اہلِ اسلام کا ان کے میدانِ جنگ میں جانے اور شہید ہو جانے سے ہو سکتا ہے اس کا کوئی تدارک نہیں ہو سکتا اور نہ آپ کا کوئی صحیح بدل ہو سکتا ہے۔ چہ جائے کہ نعم البدل۔ کیا اب بھی محبت کے مدعیوں کی مخمور نگاہیں خوابِ غفلت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اور مستی کی نیند سے بیدار نہیں ہوئیں اور مولا علی رضی اللہ عنہ کا بیانِ حقیقت ترجمان ان کو پڑھنے کی توفیق نہیں ہوئی؟ اور ان کے دل و دماغ اس کو سمجھنے کی طرف مائل نہیں ہوئے۔

(۶) آپ نے فرمایا:۔

"العرب الیوم و اِنْ کانُوا قلیلاً فھُم کثیرون بالاِسلام عزیزون بالاجتماع۔ یعنی عرب تعداد میں گو کم ہیں اور قلیل مگر قوتِ اسلام نے ان کو عظیم اور کثیر بنا دیا ہے۔ اور ان میں اخوتِ اسلامیہ کی وجہ سے جو جمعیت اور وحدت ہے۔ وہ ان کے غلبہ کی ضامن ہے۔ کیا یہ صاف اور بے غبار بیان اور واضح ترین ارشاد اس حقیقت کی بین دلیل اور روشن برہان نہیں ہے کہ عرب اور افواجِ عمر میں ایمان کامل اور اسلام خالص موجود ہے اور انما المومنون اخوۃ کے تحت ان میں ایمانی رشتہ کی وجہ سے کامل بھائی چارہ موجود ہے۔ اور علی الخصوص امیرالمؤمنین کی ذات نے ان سب کو متحد اور منظم اور باہم مرتبط اور منظم کر دیا ہے۔ لہٰذا بالکل واضح ہو گیا کہ ان افواج و عساکر اسلام کے ایمان و اخلاص پہ اعتراض دراصل حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جھٹلانا ہے۔

(۷) آپ نے فرمایا:۔

"فکن قطباً واستدر الرحی بالاسلام"

یعنی تم چکی کے نچلے پاٹ کی میخ بن کر اپنی جگہ پہ قائم رہو اور عرب جو چکی کی مانند ہیں ان کو گردش میں لاؤ اور کفر و کفار کو پیس کر رکھ دو۔ اور اسلام کو غالب و سربلند کر دو۔ اس بیانِ حقیقت ترجمان سے صاف ظاہر کہ چکی کی منفعت اس کے قطب سے وابستہ ہے۔ اور عربوں کی افادیت اور منفعت حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے وابستہ ہے۔ اگرچہ ساری امت کی شان یہ ہے کہ کُنْتُمْ خیر امۃٍ اخرجت للناس الخ

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے نفع کے لیے نکالی اور پیدا کی گئی ہو لیکن

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جو منفعت اور افادیت حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی بدولت حاصل ہوئی وہ سب سے نمایاں اور امتیازی شان کی حامل ہے اور یہی وجہ ہے کہ نگاہِ نبوت ورسالت نے اسلام کی عزت وغلبہ کو اِن کی ذات سے وابستہ دیکھ کر انہیں اللہ تعالیٰ سے طلب کرتے ہوئے عرض کیا:۔

"اَللّٰھُمَّ اَعِزَّ الاسلام بعمر بن الخطاب "

ب اے اللہ! اسلام کو عمر بن الخطاب کے ذریعے عزت وعظمت اور غلبہ وقوت عطا فرما۔ الغرض نگاہ نبوت ورسالت میں وہ موجب عزت اسلام ہیں اور نگاہِ ولایت میں بھی قطب الاسلام ہیں لہذا جو ان کو اس مرتبہ پہ فائز نہیں سمجھتے وہ دشمن اسلام ہیں۔

(۸) حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے دوران مشورہ فرمایا کہ لشکرِ فارس اہل اسلام کے خلاف اقدام کی سوچ رہا ہے۔ لہذا انہیں پہل کرنے کا موقعہ ہی نہیں دینا چاہیے۔ تو آپ نے فرمایا:۔

"فاَمّا ماذکرت من مسیر القوم اِلیٰ قتال المسلمین فان اللّٰہ سبحانہٗ اکرہ لمسیرھم منک وَھُوَ اقدرُ علیٰ تغییر مایکرہ "

لیکن وہ جو آپ نے ذکر کیا ہے۔ یعنی قوم فارس کا قتال مسلمین کے لیے روانہ ہونا تو اللہ تعالیٰ ان کی روانگی کو آپ کی نسبت زیادہ ناپسند سمجھنے والا ہے۔ اور وہ اپنی ناپسندیدہ چیز کو تبدیل کرنے پر بھی زیادہ قادر ہے۔ اس ارشادِ گرامی سے بھی صاف ظاہر ہے بالکل واضح ہے کہ نگاہِ مرتضوی میں فارسیوں کا اہل اسلام کے خلاف قدم اٹھانا اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں بہت ہی ناپسندیدہ ہے۔ اگر وہ کامل مومن ہوں اور خدمتِ اسلام میں مخلص پھر تو اس ارشاد کی حقانیت مسلّم ہے۔ ورنہ مرتدین اور مخالفین اسلام کے اعداء کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ناراضگی اور ناپسندیدگی کا کیا مطلب لہذا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد بھی ان افواج اور عساکر اسلام کے ایمان اور اخلاص پہ واضح دلیل ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

(۹) آپ نے فرمایا:۔

واما ما ذکرت مِن عددھم فانا لم تکن نقاتل فیما مضٰی بالکثرۃ وانما کنا نقاتِلُ بالنصرِ والمعونۃِ ۔

رہا آپ کا یہ ذکر فرمانا کہ دشمنانِ اسلام کی تعداد بہت زیادہ ہے تو یقیناً ماضی میں ہم کثرتِ تعداد کے بل بوتے پر جہاد و قتال نہیں کرتے تھے۔ بلکہ صرف اور صرف اللہ کی نصرت و معونت اور امداد و تعاون کے ساتھ جہاد کیا کرتے تھے۔ لہٰذا اس ارشاد سے بھی واضح کہ جس طرح ماضی میں اللہ تعالیٰ کی نصرت و امداد مسلمانوں کے شامل حال رہی، اب بھی ان کو یہ اعزاز و اکرام اور فضل و کرم نصیب رہے گا۔ اگر نگاہِ مرتضوی میں موجودہ اسلام سابق اسلام کی طرح ہے۔ اور مجاہدین اسلام سابقہ حالت پر ہیں پھر تو اس قیاس و مساوات کا جواز ہے۔ ورنہ نہیں۔ اس لیے کوئی محب تسلیم کرے نہ کرے مومنین اور مومنات ہونے کے دعویدار مانیں یا نہ مانیں حضرت امیر المؤمنین ابو الائمہ سرچشمۂ ولایت رضی اللہ عنہ تو اس حقیقت کا برملا اعلان فرما رہے ہیں کہ اب بھی وہی اسلام ہے جو زمانۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں تھا۔ اور اب بھی وہی مخلص اور جان نثارانِ اسلام مصروف جہاد ہیں جو اس وقت تھے۔ لہٰذا فتح و نصرت ان کے اب بھی اسی طرح قدم چومے گی جس طرح ماضی میں چومتی رہی ہے۔ اس لیے علامہ ابن میثم بحرانی نے کہا:۔

" فاجابہٗ بتذکیر قتال المسلمین فی صدر الاسلام فانّہٗ کانَ من غیر کثرۃ ۔ وانّما کان بنصر اللہ ومعونتہٖ فینبغی ان یکون الحال الآن کذالک وبوعد اللہ المسلمین بالاستخلاف فی الارض و تمکین دینھم الذی ارتضٰی لھم وتبدیلھم بخوفھم امناً کما ھُوَ مقتضٰی الآیۃ ۔

کہ حضرت علی نے ان کو جواب دیتے ہوئے صدر اسلام میں اہل اسلام کے جہاد اور حرب و قتال کی کیفیت یاد دلائی کہ وہ جہاد کثرتِ تعداد کی بنا پر نہیں ہوا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کرتا تھا بلکہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی نصرت اور معونت پر اس کا دار و مدار تھا۔ لہذا (اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے اب بھی) شایانِ شان یہی ہے کہ اسی طرح فتح و نصرت حاصل ہو نیز آپ نے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ کا اہل اسلام کے ساتھ وعدۂ خلافت یاد دلایا اور ان کے لیے اپنے پسندیدہ دین کو مضبوط اور راسخ کرنے کا عہد و پیمان اور ان کے خوف کو امن سے تبدیل کرنے کا عزم اور ارادہ جیسے کہ مقتضائے آیت ہے یاد دلایا اور اطمینان رکھنے اور اضطراب و بے چینی کو دل سے نکال دینے کا مشورہ دیا کیونکہ اس نے ہمیں نصرت و غلبہ اور خلافتِ ارضیہ کا وعدہ دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر وعدہ کو پورا کرنے والا ہے۔ کیونکہ اس کی خبر کا خلاف نہیں ہو سکتا۔

وعدنا بموعود وهو النصر والغلبة والاستخلاف فی الارض کما قال وعد الله الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنهم فی الارض الآیة۔

(شرح ابن میثم جلد ثالث ص۱۹۶، ۱۹۷ طبع جدید)

یہ ہیں فاروق اعظم کہ اسلام کی سربلندی اور رفعت کے لیے بے چین اور مضطرب ہیں اور حضرت علی مرتضیٰ ان کو مطمئن اور پرسکون رکھنے کی کوشش میں ہیں جس سے فاروق اعظم کی شان "اشداء علی الکفار" ظاہر ہے اور مولا نے مرتضیٰ کی شان "رحماء بینهم" والحمد لله۔

(۱۰) جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زبانی خلافت فاروقی کا خلافتِ موعودہ ہونا اور خلافت الٰہی ہونا واضح ہو گیا تو حضرت صدیق کی خلافت کا بھی موعود من اللہ ہونا اور خلافت الٰہیہ ہونا واضح ہو گیا کیونکہ یہ خلافت خلافتِ صدیقیہ کی فرع ہے۔ اور حضرت عثمان کی خلافت کا موعود من اللہ ہونا بھی ظاہر ہو گیا کیونکہ وہ خلافتِ فاروقیہ کی فرع ہے۔ اور اس میں انہی مخلصین اور جانثارانِ اسلام نے اپنا حق خود ارادی اور خداداد اختیار استعمال کیا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا موعود ہونا بھی واضح ہو گیا۔ کیونکہ وہ اس ذریعہ سے ثابت ہوئی جس سے خلافتِ اصحابِ ثلاثہ ثابت ہوئی۔

"انّہٗ بایعنی القوم الّذین بایعوا ابابکر وعمر وعثمان علٰی ما بایعوھم علیہ" لہٰذا شیعہ صاحبان کا آیت استخلاف کو حضرت مہدی علیہ السلام کے ساتھ خاص کر دینا اور خلافت مرتضویہ کو بھی اس سے نکال دینا جیسے کہ تفسیر صافی وغیرہ میں ہے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ان دونوں ارشادات کے سراسر خلاف ہے۔ اور تفسیر قرآن میں امام اوّل کے قول کو نظر انداز کرنے کے مترادف ہے۔ بلکہ ان کی منشا اور مرضی و پسند کے برعکس تغییر بلکہ تحریف کرنے کے برابر کیونکہ وعدہ میں صیغۂ خطاب استعمال کیا گیا ہے۔ وعد اللہ الّذین اٰمنوا منکم وعملوا الصالحات الخ اور ظاہر ہے مخاطبین اوّلین صحابہ کرام علیہم الرضوان ہیں تو ان کے دور کو کس طرح نکالا جا سکتا ہے۔ جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وصی اور خلیفہ بلا فصل مانا جاتا ہے۔ تو کیا اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے بغیر ہی وہ وصی بھی بن گئے۔ اور خلیفہ بھی۔ ہاں اس کو عام رکھ لیا جائے اور بعد میں جن جن امراء اسلام نے اسلام کی ترویج و اشاعت اور اس کی سربلندی اور عروج و کمال میں حصہ لیا یا لیں گے جس طرح حضرت مہدی علیہ السلام ان سب کی خلافت موعودہ تسلیم کر لی جائے تو بالکل بجا ہے لیکن خلفائے ثلاثہ کی خلافت کو بہر حال ارشادِ مرتضوی کی روشنی میں خلافتِ حقہ اور موعود من اللہ تسلیم کرنا لازم اور فرض۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہرقل کی طرف سے مغلوبیت کا اعتراف اور غلبۂ اسلام کا کتبِ سابقہ کی پیشین گوئیوں کے مطابق ہونا

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ان ارشاداتِ عالیہ کی ہی تائید اور تصدیق کے طور پر ذرا ہرقل اور قیصرِ روم کا اعترافِ شکست اور مغلوبیت کا یقین اور اس فتوحات کے نہ تھمنے والے طوفانی سلسلہ کا کتبِ سماویہ کی پیشین گوئیوں کے مطابق ہونا بھی ملاحظہ کرتے چلیں۔

(۱) صاحب ناسخ التواریخ نے نقل کیا ہے۔ کہ جب ہرقل بادشاہ روم کی لڑکی خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں گرفتار ہوئی اور اس نے اپنے رہبان اور بطارق بھیج کر اس کی واپسی کی اپیل کی اور فدیہ لے کر چھوڑنے یا بطور کرامت و عنایت چھوڑنے کا مطالبہ کیا تو آپ نے کہا فی الحال ہم اس کو مفت میں چھوڑتے ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ دوبارہ اس کو تیرے محل سرائے سے گرفتار کر لیں گے جب وہ شاہزادی واپس پہنچی اور اس کے ہمراہیوں نے ہرقل کو حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا پیغام پہنچایا تو اس نے حاضرینِ مجلس کی طرف منہ کر کے کہا:۔

ایں ہماں سخن است کہ روزِ نخست وقتی کہ کتاب محمد بمن آمد مردم روم را گفتم سخن او بر حق است دینِ او بپذیرید از من نپذیرفتند و ارادہ قتل من کردند۔ زود باشد کہ دواہی ما ازیں صعب تر گردد و ایں نہ از قدرت و کرامت عرب است بلکہ از خداوند آسمان و زمین است (صفحہ ۲۱۲-۲۱۳ جلد دوم از کتاب دوم)

یہ وہ بات ہے جو کہ میں نے پہلے دن کہی جس وقت کہ محمد عربی کا خط میرے پاس آیا۔ میں نے رومی لوگوں کو کہا ان کی بات درست ہے۔ لہٰذا ان کے دین کو قبول کر لو تو تباہی و بربادی سے بچ جاؤ گے۔ جیسے کہ انہوں نے کہا ہے۔ اسلم تسلم اسلام لے آؤ گے تو بچ جاؤ گے) مگر میری بات کو انہوں نے تسلیم نہ کیا بلکہ میرے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

قتل کرنے کے درپے ہو گئے بہت جلدی ہماری مشکلات اس سے بھی بڑھ جائینگی۔ اور یہ عربوں کی قدرت وطاقت اور عزت وکرامت نہیں دکہ اتنی عظیم سلطنتوں سے ٹکرلے کر ان کو تباہ وبرباد کر دیں) بلکہ آسمان وزمین کے مالک اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہے۔

ہرقل کا خواب اور پھر انطاکیہ سے فرار

(۲) اسی طرح ناسخ التواریخ میں ہے کہ ہرقل سویا ہوا تھا کہ اس نے خواب میں دیکھا کہ آسمان سے ایک شخص اترا اور اس نے ہرقل کو تخت سے نیچے گرا دیا۔ اور تاج اس کے سر سے لے لیا اور کہا ارض سوریۃ یعنی ملک شام سے تیری سلطنت کے زوال کا وقت پہنچ گیا ہے۔ اور وہ کیا دیکھتا ہے کہ اس کے لشکر میں سخت آندھی چلی ہے، اور آگ بھڑک اٹھی ہے۔ یہ منظر دیکھ کر ہرقل گھبرا کر بیدار ہوا اور اس کو یقین ہو گیا کہ میں عربوں کے مقابلے میں برقرار نہیں رہ سکتا اور اس کے بعد اپنے ہم شکل جرنیل کو لشکر کی قیادت سونپ کر رات کی تاریکی میں انطاکیہ سے قسطنطنیہ کی طرف بھاگ نکلا اور لشکر اسلام نے انطاکیہ کو فتح کر لیا۔ اور بے شمار مال غنیمت ہاتھ آیا۔ اور ہزاروں رومی قیدی بنا لیے گئے (ص ۲۳۳۔ جلد دوم، کتاب دوم)

تورات کی بشارت

(۳) اس ضمن میں کتاب دانیال علیہ السلام سے اس لشکر خداوند کے غلبہ اور نصرت اور معونت اور خلافت الٰہیہ کی شان ملاحظہ کرتے چلیں۔ شاہ بابل بخت نصر نے خواب دیکھا جو اسے بھول گیا اس نے اپنے درباری معبرین وحکماء اور بیت المقدس فتح کرنے کے بعد گرفتار کئے ہوئے یہودیوں کو خبردار کیا کہ میرا خواب بھی بتلاؤ اور اس کی تعبیر بھی ورنہ سب کو قتل کر دوں گا۔ تو حضرت دانیال علیہ السلام نے وہ خواب بھی بتلایا۔ اور اس کی تعبیر بھی۔ ملاحظہ ہو عہد نامہ قدیم یعنی تورات ص ۹۳۳

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اے بادشاہ تو نے ایک بڑی مورت دیکھی وہ بڑی مورت جس کی رونق بے نہایت تھی۔ تیرے سامنے کھڑی ہوئی۔ اور اس کی صورت ہیبت ناک تھی۔ اس مورت کا سر خالص سونے کا تھا۔ اس کا سینہ اور اس کے بازو چاندی کے تھے۔ اس کا شکم اور اس کی رانیں تانبے کی تھیں۔ اس کی ٹانگیں لوہے کی اور اس کے پاؤں کچھ لوہے اور کچھ مٹی کے تھے۔ تو اسے دیکھتا رہا، یہاں تک کہ ایک پتھر ہاتھ لگائے بغیر ہی کاٹا گیا۔ اور اس مورت کے پاؤں پر جو لوہے اور مٹی کے تھے لگا۔ اور ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ تب لوہا۔ اور مٹی اور تانبا اور چاندی اور سونا ٹکڑے ٹکڑے کیے گئے۔ اور تابستانی کھلیان کے بھوسے کی مانند ہوئے۔ اور ہوا ان کو اڑا لے گئی۔ یہاں تک کہ ان کا پتہ نہ چلا اور وہ پتھر جس نے اس مورت کو توڑا، ایک بڑا پہاڑ بن گیا۔ اور تمام زمین میں پھیل گیا وہ خواب یہ ہے اور اس کی تعبیر بادشاہ کے حضور بیان کرتا ہوں۔

اے بادشاہ! تو شہنشاہ ہے جس کو آسمان کے خدا نے بادشاہی اور توانائی اور قدرت و شوکت بخشی ہے۔ اور جہاں کہیں بنو آدم سکونت کرتے اس نے میدان کے چرندے اور ہوا کے پرندے تیرے حوالے کر کے تجھے ان سب کا حاکم بنایا ہے۔ وہ سونے کا سر تو ہی ہے اور تیرے بعد ایک اور سلطنت برپا ہو گی جو تجھ سے چھوٹی ہو گی اور اس کے بعد ایک اور سلطنت تانبے کی ہو گی جو تمام زمین پر حکومت کرے گی۔ اور چوتھی سلطنت لوہے کی مانند مضبوط ہو گی اور جس طرح لوہا، توڑ ڈالتا ہے۔ اور سب چیزوں پر غالب آتا ہے۔ ہاں جس طرح لوہا سب چیزوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرتا ہے۔ اور کچلتا ہے۔ اس طرح وہ ٹکڑے ٹکڑے کرے گی اور کچل ڈالے گی اور جو تو نے دیکھا کہ اس کے پاؤں اور انگلیاں کچھ تو کمہار کی مٹی کی اور کچھ لوہے کی تھیں سو اس سلطنت میں تفرقہ ہو گا مگر جیسا کہ تو نے دیکھا اس میں لوہا، مٹی سے ملا ہوا تھا اس میں لوہے کی مضبوطی ہو گی اور چونکہ پاؤں کی انگلیاں کچھ لوہے کی اور کچھ مٹی کی تھیں اس لیے سلطنت کچھ قوی اور کچھ ضعیف ہو گی۔ اور جیسا تو نے دیکھا کہ لوہا مٹی سے ملا ہوا تھا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

وہ بنی آدم آمیختہ ہوں گے۔ لیکن جیسا لوہا، مٹی سے میل نہیں کھاتا۔ ویسے ہی وہ بھی باہم میل نہ کھائیں گے۔ اور ان بادشاہوں کے ایام میں آسمان کا خدا ایک سلطنت برپا کرے گا جو تا ابد نیست نہ ہوگی۔ اور اس کی حکومت کسی دوسری قوم کے حوالہ نہ کی جائے گی۔ بلکہ وہ اِن تمام مملکتوں کو ٹکڑے ٹکڑے اور نیست کرے گی۔ اور وہی ابد تک قائم رہے گی جیسا تو نے دیکھا۔ کہ وہ پتھر ہاتھ لگائے بغیر پہاڑ سے کاٹا گیا۔ اور اس نے لوہے اور تانبے اور مٹی اور چاندی اور سونے کو ٹکڑے ٹکڑے کیا۔ خدا تعالیٰ نے بادشاہ کو وہ کچھ دکھلا دیا جو آگے ہونے والا ہے۔ اور یہ خواب یقینی ہے۔ اور اس کی تعبیر یقینی ہے۔

اقول:۔ اس طویل اقتباس کو بار بار غور سے پڑھئے اور بتلایئے کہ اللہ تعالیٰ نے جس حکومت کو پتھر سے پہاڑ کی صورت میں بخت نصر کو دکھلایا وہ کونسی ہے۔ اور دانیال علیہ السلام کے بقول جو ابدی ہے اور نیست و نابود ہونے والی نہیں وہ کون سی حکومت ہے۔ اور بخت نصر اور اس کے جانشینوں کے علاقوں پر جو حکومت غالب آئی وہ کون سی تھی اور کیا ہے کوئی عقل سلیم کا مالک جو اس میں شک و شبہ اور تردد سے کام لے کہ وہ سلطنت سلطنت اسلام ہے جو خلافت راشدہ کے دور میں پھیل کر پہاڑ کی صورت ناقابلِ شکست و ریخت ہوئی اور بقول دانیال علیہ السلام اسے اللہ تعالیٰ قائم کرنے والا ہے۔ اور ہمیشہ کے لیے برقرار رکھنے والا کیونکہ چودہ صدیوں کے بعد وہ علاقے بہرحال اسلام کے زیر اقتدار ہیں اور اہل اسلام ہی اِن کے حاکم ہیں گو نظام خلافت برقرار نہیں رہا۔ اور یہ گواہی تورات کے علاوہ زبور نے بھی دی۔ اور قرآن نے اس سے حکایت کرتے ہوئے بیان فرمایا۔

" ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون "

یعنی البتہ تحقیق ہم نے زبور میں ذکر کے بعد لکھا کہ اس زمین کے میرے صالحین بندے وارث ہوں گے اور کون کہہ سکتا ہے کہ غلامانِ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

علاوہ اس زمین کے وارث صالحین بندے ہوئے لہذا خلافت راشدہ کا دور ہی اس تورات و زبور کی شہادت کا مصداق ہے۔ اور وہ خلافت ہی خلافت موعودہ ہے۔ جس کا وعدہ اللہ تعالٰے نے آیت استخلاف میں فرمایا۔ اور اس کی تفسیر و تاویل حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس خلافت کے ساتھ فرمائی لہذا کتاب اللہ اور اہل بیت کے اتفاق اور تورات و زبور کی تائید سے اس خلافت کا خلافت حقہ ہونا ظاہر اور واضح ہو گیا اور اس کا مقصودِ باری تعالیٰ ہونا بھی روز روشن کی طرح عیاں ہو گیا۔

تنزیہہ الامامیہ   از علامہ محمد حسین ڈھکو صاحب

جواب سے عجز اور بے بسی

نوٹ:۔ علامہ ڈھکو صاحب نے بنیادی دلائل یعنی حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے غزوہ فارس اور غزوہ روم میں قیمتی مشوروں اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنی محبت و مودت اور ارادت و عقیدت اور ان کے لشکر کو اللہ تعالیٰ کا لشکر قرار دینا اور ان کے دین و مذہب کو اللہ تعالیٰ کا دین قرار دینا اور خلافت کو خلافت موعودہ قرار دینا وغیرہ نظر انداز کر کے ضمناً اور تبعاً مذکورہ ایک عبارت پر جرح اور قدح شروع کر لی۔ آخر کسی کتاب کا جواب دینے اور رد کرنے کا یہی طریقہ ہے۔ کہ جس کا کچھ جواب آتا ہو وہ دے دیا اور جس کا جواب نہ آتا ہو اس کو چھوڑ دیا۔ اور شیر مادر سمجھ کر ہضم کر گیا کہ گویا اس عبارت کا کتاب میں ذکر ہی نہیں تھا۔

نہج البلاغۃ کی تمام تر عبارات کے متعلق تقریباً ڈھکو صاحب کا یہی طرز عمل رہا ہے نہ کہتے ہیں حوالہ غلط ہے۔ نہ کہتے ہیں روایت ضعیف ہے۔ نہ کہتے ہیں طرز استدلال غلط ہے۔ بس مکمل خاموشی کے ساتھ تقیہ کے پردے میں گزر جاتے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہیں جو ان کی بے بسی اور عاجزی کا کھلا اور بین ثبوت ہے۔ بہر حال ناسخ التواریخ کے ضمنی حوالہ کے متعلق جو کچھ گوہر افشانی کی ہے۔ وہ ملاحظہ ہو اور پھر اس کے جوابات ملاحظہ فرمائیں رسالہ تنزیہہ الامامیہ از ص۱۱۸ تا ص۱۲۲ ملخصاً۔

پیر صاحب آف سیال شریف تحریر فرماتے ہیں۔ اب سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ، کا تعامل ملاحظہ ہو۔۔۔۔ در کار ہا ولشکر کشیہا اُو را اعانت میفرمود وبائے نیکو میداد۔

(۱) پیر صاحب نے اپنی عادت شریفہ کے مطابق اس حوالہ میں جس طرح قطع و برید کی ہے۔ دجل وفریب کی دنیا میں اس کی مثال شاذ و نادر ہی ملے گی۔ (تنا) صاحب ناسخ التواریخ فرماتے ہیں، اگرچہ شیعان حیدر کرار کے عقیدہ کے مطابق حضرت علی علیہ السلام عمر کی خلافت کو غاصبانہ سمجھتے تھے۔ لیکن (وہ اپنی روایتی بلند حوصلگی اور قوت ایمانی کی بنا پر اسلام اور مسلمانوں کی بھلائی کے) کاموں میں اور لشکر کشیوں میں ان کی اعانت کرتے اور مفید مشوروں سے نوازتے تھے چنانچہ اس موقعہ پر جناب امیر علیہ السلام نے وہ صائب مشورہ دیا جن کا تفصیلی تذکرہ نہج البلاغہ کے خطبہ ۱۴۶ میں موجود ہے جسے مؤلف نے نقل بھی کیا ہے۔

ارباب عقل وانصاف غور فرمائیں کہ اگر اس پس منظر میں ناسخ کی پوری عبارت پڑھی جائے۔ تو اس سے خلافت عمر کا بطلان واضح ہوتا ہے؟ یا اس کی صحت ثابت ہوتی ہے۔

(۲) اب رہا عبارت کا ابتدائی جملہ" علی علیہ السلام بعقیدت مردم شیعی اگرچہ خلافت عمر را از راہ غصب میدانست الخ کو چھوڑ کر صرف در کارہا ولشکر کشیہا اُو را اعانت مے فرمود، سے استدلال کرنا کہ اگر حضرت امیر علیہ السلام خلافت عمر کو صحیح نہیں سمجھتے تھے تو یہ مشورہ کیوں نہ دیا کہ تم میدان میں جاؤ۔ کہ وہ وہاں جاتے اور مارے جاتے تو جناب امیر کی خلافت کے لیے راستہ ہموار ہو جاتا۔ تو یہ استدلال بچند وجہ درست نہیں۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اولاً جس شخص سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امین ہوتا ہے۔ لہذا غلط مشورہ دینے کا حضرت امیر علیہ السلام کے متعلق تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا جیسے کہ کوتاہ اندیش ملاؤں کا خیال ہے کہ غلط مشورہ دے کر خلافت حاصل کر لیتے۔

ثانیاً:

بوقت مشورہ حضرت امیر کے سامنے صرف حضرت عمر کی موت و حیات کا سوال نہ تھا بلکہ اسلام کی بقاء و فناء کا مسئلہ درپیش تھا اور اگرچہ اس وقت تک لوگوں نے جناب امیر کی ولایت کا اقرار نہیں کیا تھا مگر کفر اور شرک کی وادی سے نکل کر خدا کی توحید اور رسول خدا کی رسالت کا اقرار کر کے اسلام کی چار دیواری میں داخل تو ہو گئے جیسے صاحب ناسخ نے کہا ہے۔

در غلبہ اسلام ازیں کم نبود کہ کافراں بوحدانیت خدا و نبوت پیغمبر اقرار مے دارند و راہ بکوچہ سلامت نزدیک مے کردند۔

ثالثاً:

مشورہ طلب کرنے یا مشورہ دینے سے حضرت علی علیہ السلام اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تعلقات کو خوشگوار سمجھ لینا محض خوش فہمی ہے جس طرح عزیز مصر کا محبوس یوسف علیہ السلام کی طرف تعبیر خواب میں رجوع تعلقات کی خوشگواری کی دلیل نہیں تھا۔ بلکہ یوسف علیہ السلام کے برحق نبی ہونے کی دلیل اسی طرح صائب مشورہ آپ کے امام برحق ہونے کی دلیل ہے۔

رابعاً:

چونکہ حضرت امیر غزوات نبویہ میں جناب حضرت عمر کے جنگی کارنامے دیکھ چکے تھے اس لیے اندیشہ تھا کہ وہ فرار اختیار نہ کریں اور اسلام اور اہل اسلام کی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

توہین نہ ہو لہٰذا کسی تجربہ کار جرنیل کو بھیجنے کا مشورہ دیا جس سے ظاہر ہے کہ عمر صاحب اِن صفات سے عاری تھے۔

خامسًا:

اگر اصحابِ ثلاثہ حضرت امیر کی نگاہ میں برحق خلیفے ہوتے تو بڑی بڑی جنگوں اور فوج کشیوں میں آپ جیسا آزمودہ کار اسلامی جرنیل کیوں شامل نہ ہوا یا کیوں شامل نہ کیا گیا؟ اب منطق کی جس شکل سے بھی نتیجہ نکالو، یہی ثابت ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کے مقدس نظریہ اور مذہب میں اصحابِ ثلاثہ برحق خلفاءِ رسول نہیں تھے۔

"والحقّ مع علی وعلیٌّ مع الحق۔"

الجواب بفضل اللہ المتعال۔

تحفہ حسینیہ

ازابوالحسنات محمد اشرف السیالوی غفرلہٗ

جواب الاوّل

(۱) حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے دو مشورے ذکر فرمائے ہیں جو نہج البلاغہ سے منقول ہیں۔ اور دو عبارتیں فروع کافی اور ناسخ التواریخ کی ذکر فرمائیں فروع کافی میں یہ مذکور ہے کہ "القتال مع الامام الغیر المفروض طاعتہ حرام قطعاً۔ لاغزو الّا مع امام عادل ":

کہ ایسے امام کی معیت میں جہاد اور قتال حرام ہے اور قطعی حرام ہے جس کی اطاعت اللہ تعالیٰ نے فرض نہ کی ہو اور جہاد صرف امام عادل کے ساتھ اور اس کی معیت میں جائز ہے اس فتویٰ کے ساتھ نہج البلاغہ کے دو اقتباس ملا کر اور پھر ناسخ التواریخ کی یہ عبارت ملا کر دیکھیں تو ہر صورت میں نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مقدس نظریہ اور مذہب میں امیر المؤمنین عمر برحق خلیفہ تھے۔

اس لئے جواب میں ڈھکو صاحب کا یہ واویلا کہ پوری عبارت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نقل نہیں کی قطع و برید کی گئی۔ دجل و فریب سے کام لیا گیا وغیرہ اہل عقل اور ارباب دانش کی نظر میں پر کاہ کی حیثیت نہیں رکھتا کیونکہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تعامل اور کردار بیان فرمارہے تھے نہ کہ مردم شیعی کا عقیدۂ فاسدہ تو کیا صاحب ناسخ نے اس تعامل کا اقرار کیا ہے۔ یا نہیں جب ایک طرف تعامل کا اقرار ہے تو جواب فروع کافی کی روایت کا دینا چاہیئے تھا کہ جب یہ جہاد و قتال ہی مردم شیعی کے عقیدۂ فاسدہ میں حرام تھا۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اس حرام کام میں لوگوں کو شامل کرنے اور میدان جنگ میں بھیجنے کے مشورے کیوں دیتے رہے اور خود حصہ دار کیوں بنتے رہے۔ لہذا ان دونوں عبارتوں کو اور نہج البلاغہ والی عبارتوں کو سامنے رکھیں تو آپ کے مقدس نظریہ و عقیدہ میں امیر عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت برحق معلوم ہوتی ہے یا شیعہ کے نظریہ فاسدہ میں حضرت ابو الائمہ کی عصمت ختم ہوتی ہے اور حرام کام میں آپ کی حصہ داری لازم آتی ہے جب دو لوازم میں سے دوسرا لازم فریقین کی نظر میں باطل ہے تو لامحالہ شق اوّل متعین ہو گئی اور آپ کی نظر میں خلافت ثا۔ وقیہ کا برحق ہونا واضح ہو گیا۔

لمحہ فکریہ :۔ دنیائے عدل و انصاف میں کیا اس کی کوئی نظیر ملتی ہے کہ دلیل کے اجزاء اور حصص میں سے اہم جزو اور حصہ کو نظرانداز کر کے جوابی کاروائی شروع کر لی جائے جب ایک طرف امام جعفر کا فتویٰ ہے اور دوسری طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تعامل تو نتیجہ بہر حال وہی ہے جو حضرت شیخ الاسلام نے بیان فرمایا بلکہ شیعی عقیدہ کو شیعی کتب کے حوالے سے ہی باطل فرمایا۔

رسالہ "مذہب شیعہ" کا مطلب شاید ڈھکو صاحب نے یہ سمجھا کہ جو کچھ ذاکر صاحبان بیان کرتے ہیں یا اوٹ پٹانگ کشید کردہ نظریات بیان کئے جاتے ہیں شیخ الاسلام علیہ الرحمہ بھی وہی بیان کرتے آپ کا مقصد اس رسالہ کی تالیف سے صرف اور صرف یہ تھا کہ شیعی [illegible] کی رو سے جو صحیح عقیدہ ہونا چاہیئے وہ بیان کیا [illegible] ئے۔ اور ائمہ کرام کا [illegible] یہ اور عقیدہ واضح کیا جائے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ڈھکو صاحب اس دجل اور فریب کاری سے کام خود لیتے ہیں اور الزام حضرت شیخ الاسلام کو دیتے ہیں ہاں کیوں نہ ہو آئینہ میں اپنی صورت ہی نظر آتی ہے۔

جواب الثانی

شق ثانی ڈھکو صاحب نے یہ ذکر کی تھی کہ اس عبارت کا مقصد یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ مشورہ کیوں نہ دیا کہ میدان جنگ میں چلے جاؤ تاکہ آپ وہاں شہید ہو جاتے اور خلافتِ مرتضوی کے لیے راستہ ہموار ہو جاتا۔ حضرتِ شیخ الاسلام کے پورے کلام میں یہ طرزِ استدلال کہیں بھی مذکور نہیں ہے۔ بلکہ صرف اتنا قدر مذکور ہے:۔

مسلمان بھائیو! اور نہیں تو اتنا کم از کم سوچو کہ اس قسم کے مشورے دوست اور خیر خواہ دیا اور لیا کرتے ہیں یا دشمن؟ صفحہ ۵

جس کا مطلب اور مقصد حضرت شیخ الاسلام کی مفصل عبارت اور ہماری پیش کردہ فوائد عبارت کی طویل فہرست سے ظاہر اور واضح ہے۔ اور وہ مطلب قطعًا نہیں کہ آپ کو مشورہ دیا جاتا کہ میدان جنگ میں جاؤ تاکہ شہید ہو کر حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کے لیے راہِ خلافت ہموار کر دو اگر یہ مشورہ دینا عداوت اور دشمنی ہوتی تو اہل سنت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے اعداء میں شمار کرتے نعوذ باللہ جنہوں نے بنفس نفیس میدان جنگ میں جانے اور اطراف واکناف کے اہل اسلام کو بھی ہمراہ لے جانے کا مشورہ دیا تھا۔

اور کون عقل کا اندھا یہ کہہ سکتا ہے کہ میدان جنگ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جانا ان کے شہید ہونے کے مترادف تھا؟ اس پر کیا دلیل یا معمولی قرینہ بھی قائم ہو سکتا ہے۔ حضرت خالد جیسے خطر پسند جرنیل جو تنہا ہزاروں سے لڑتے رہے میدانِ جنگ میں شہید نہ ہوئے تو آپ کے شہید ہونے کا یقین کس کو ہو سکتا تھا؟

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بلکہ وجہ استدلال صرف اور صرف یہ تھی کہ تمہاری فتح و نصرت کا اللہ تعالیٰ ضامن ہے اور تم سے ہی اہل اسلام کا باہمی ربط و ضبط ہے اور تمہارے شہید ہو جانے پر ان میں باہمی اتحاد و اتفاق برقرار نہیں رہے گا وغیرہ وغیرہ لہٰذا تم خود میدانِ جنگ میں نہ جاؤ۔ اگر اس میں ایک پہلو مصلحت اور منفعت والا ہے کہ اہل اسلام بے جگری سے لڑیں گے تو دوسرا پہلو ضرر اور نقصان والا بھی ہے۔ بلکہ وہ زیادہ خطرناک ہے۔ لہٰذا وزنی لطے یہی ہے کہ خود تشریف نہ لے جاؤ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مشورہ لینا اور آپ کا خلافت فاروقیہ کو اس طرح خراج عقیدت پیش کرنا دوستی کی دلیل بنایا گیا۔ اور دشمنی اور عداوت کے معدوم ہونے کی اور شیعی تر توہمات و تخیلات کے فاسد و باطل ہونے کی حجت اور دلیل بنایا گیا۔

لہٰذا جو بمباری ڈھکو صاحب نے کی ہے وہ اپنے توہمات اور تخیلات فاسدہ کے قلعہ اور محل سرائے پر ہے نہ کہ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ کے طرز استدلال پر۔ مقام تعجب ہے کہ آپ نے ابن میثم اور ناسخ التواریخ وغیرہ کے حوالوں سے جو معانی اور مطالب حضرت امیر کی عبادات کے متعین فرمائے اور اس خلافت کو اللہ تعالیٰ کی موعود خلافت قرار دیا اور تمکینِ دین اور خوف کو امن سے بدلنے کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضمانت کا اعلان فرمایا اس وجہ استدلال کو تو ہاتھ نہ لگایا اور ایک حرف بھی اس کے ردو انکار میں ذکر نہ کیا اور جو آپ نے نہ ذکر کیا نہ آپ کے ذہن میں وہ تصور و خیال تھا وہ فرض کر کے اس پر جرح و قدح شروع کر لی۔ کیا رد و قدح اور جوابی کاروائی کا طریقہ یہی ہوتا ہے؟

الغرض اس حقیقت کے واضح ہونے کے بعد ہمیں شق ثانی پر پانچ وجوہ سے ڈھکو صاحب کی جرح و قدح کا جواب دینے کی قطعاً ضرورت نہیں تھی لیکن ارباب عقل و دانش پر ان کی سخافت اور سفاہت ظاہر کرنے کے لیے ان پر بھی مختصراً تبصرہ کیے دیتے ہیں۔

جواب نمبر ۱:۔ یہ بجا کہ جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امین ہوتا ہے۔ اور اس کو

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

صحیح مشورہ دینا چاہیے۔ مگر غاصبانہ اور ظالمانہ حکومت کو حکومت اسلام اور خلافت الٰہیہ قرار دینا اور اس خلیفہ کے دین کو اللہ تعالیٰ کا دین اور اس کی افواج کو اللہ تعالیٰ کی فوج اور ان کی فتح و نصرت کا اللہ تعالیٰ کو ضامن قرار دینے اور زمانہ رسالتمآب کی طرح ملائکہ کی معاونت کی امید دلانے کا آخر کیا مطلب تھا؟ مشورہ جس امر کے متعلق تھا صرف اس پر اکتفا کیا جاتا۔

جواب عـــ : ڈھکو صاحب فرماتے ہیں مشورہ دیتے وقت حضرت علی المرتضیٰ کے سامنے صرف عمر صاحب کی موت و حیات کا مسئلہ نہ تھا بلکہ اسلام کی بقاء و فنا کا مسئلہ تھا مگر دریافت طلب امر یہ ہے کہ جب شیعہ صاحبان کے نزدیک اسلام رہ ہی نہیں گیا تھا اور نہ مسلمان بلکہ ارتد الناس الا ثلاثہ یعنی سوائے تین افراد کے دوسرے تمام صحابہ العیاذ باللہ مرتد ہو چکے تھے۔ اور وہ اپنا مذہب اور دین چلا رہے تھے۔ تو دین حق اور مذہب اسلام جب تھا ہی نہیں تو کس کی بقاء کے لیے حضرت امیر علیہ السلام نے جہاد و قتال حرام ہونے کے باوجود حصہ داری اختیار فرمائی اور مجاہدین و محاربین اور ان کے امیر اور خلیفہ کی مدح و ثناء میں رطب اللسان ہو گئے؟

نیز شیعہ صاحبان فرماتے ہیں جس کا ولایتِ علی پر ایمان نہیں وہ نماز پڑھے یا زنا کرے برابر ہے۔ ملاحظہ ہو مجالس المؤمنین، قاضی نور اللہ شوستری ج اول ص۸۲

"مَنْ لَمْ یوال من الانام ولیۃ سیان عند اللہ صلی او زنی۔

این مضمون کلام ہدایت انجام حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام است کہ سواءٌ لِمَنْ خالفَ ھٰذا الامر صَلّٰی او زنی، یعنی مخلوق میں سے جو شخص ولی خدا سے محبت نہیں رکھتا اللہ تعالیٰ کے نزدیک برابر ہے نماز پڑھے یا زنا کرے اور یہی مضمون ہے امام صادق کے فرمان کا کہ جو امر امامت کا مخالف ہے اس کی نماز اور زنا برابر ہے۔ تو جس مذہب و ملت کی وجہ سے نماز اور زنا برابر ہو اس میں اسلام نام کی کونسی شے ہو گی اور اس کا فائدہ کیا ہو سکتا ہے؟ اگر شہادت توحید و رسالت مفید ہو تو پھر نماز زنا کے برابر نہیں ہو سکتی اور برابر ہے تو پھر اس

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

شہادت کا فائدہ نہیں ہو سکتا لہٰذا اس مقصد کے تحت بھی ایسے مشورے دینے کا کوئی جواز نہیں۔ اور نہ ایسی حکومت اور خلافت کو خلافتِ الٰہیہ قرار دینے کا۔

جواب نمبر۳:۔ ڈھکو صاحب نے جنگ کے متعلق مشورہ کو عزیزِ مصر کے یوسف علیہ السلام سے تعبیرِ خواب پوچھنے پر قیاس کیا ہے۔ اس بد فہمی اور کج بحثی کا بھی کوئی علاج ہے؟ کہاں تعبیرِ خواب کا معاملہ جو مومن عیسائی اور یہودی سے پوچھ سکتا ہے اور کافر مومن سے اور کہاں جنگ اور حرب وقتال کا معاملہ اور اس کی تدبیریں جو اخص الخواص کے بغیر کسی پر ظاہر نہیں کی جا سکتیں۔ شاید ڈھکو صاحب اس صلاح و مشورہ کو بھی خواب ہی قرار دے رہے ہیں اور حضرت امیر علیہ السلام کو اس کی تعبیر دینے والا۔ ڈھکو صاحب ذرا پینک سے ہوشیار ہونے کے بعد سوچو کہ جنگی معاملات پر صلاح و مشوروں کو تعبیرِ خواب سے کوئی نسبت اور تعلق ہو سکتا ہے؟ پھر یہ بھی مستی اور بدہوشی میں یاد نہیں رہا کہ حضرت یوسف علیہ السلام سے خواب کی تعبیر عزیزِ مصر نے پوچھی تھی جس نے ان کو قید کر رکھا تھا یا بادشاہِ مصر نے جس نے عزیز کو معزول کر دیا تھا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو منصب وزارت سونپ دیا تھا۔ علاوہ ازیں صحیح تعبیر کو دلیل نبوت بنا دیا گیا ہے۔ اور صحیح مشورہ کو دلیل امامت، سبحان اللہ حجۃ الاسلام اور مجتہد العصر جو ٹھہرے ایسے لغو استدلال ذکر نہ کریں تو کیا کریں؟ کیا محض صحیح تعبیر نبوت کی دلیل ہے؟ یوں تو سارے اکمل معبّرین نبی بن جائیں گے! اور اگر سارے صحیح مشورہ دینے والے امام برحق ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صحیح مشوروں کو خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم قبول فرماتے رہے۔ اور قرآن مجید آپ کی موافقت میں اُترتا رہا۔ پھر آپ کی امامت پر اعتراض کیوں؟ ہر رائے کا صحیح ہونا تو وہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی اپنے حق میں تسلیم نہیں بلکہ آپ ہمیشہ قیس بن سعد کو امارتِ مصر سے معزول کرتے اور حضرت محمد بن ابی بکر کو امارت سونپنے پر پچھتاتے رہے۔ اور اظہارِ افسوس کرتے رہے۔ اور امام حسن رضی اللہ عنہ نے بصرہ کی طرف جانے اور اصحاب جمل کے ساتھ براہِ راست جنگ کرنے سے روکا مگر آپ نے نہ صرف ان کے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مشوروں کو رد کیا بلکہ خود مار کر ان کی پنڈلی کو زخمی کر دیا۔ ملاحظہ ہو شرح حدیدی ج ۴ لہٰذا جب ہر مشورہ امام کا قابلِ قبول ہونا ضروری نہ ہو تو اس کو دلیل امامت کیونکر بنا سکتے ہیں؟ اور جب خود امام کو اپنے فیصلہ پر افسوس اور پچھتاوا لاحق ہو تو ہر سوچ اور نظریہ کو دلیل امامت کیوں کر بنا سکتے ہیں؟ ڈھکو صاحب محض شاعری سے کام لینا کافی نہیں معقول و منقول دلائل و براہین پیش کرو محض سید نوازش علی شاہ صاحب کا عطیہ ہضم کرنے کے لیے چند ورق سیاہ کر دینا تو کافی نہیں ہو سکتا۔

جواب نمبر ۲: ۔ حضرت امیر کو یہ اندیشہ تھا کہ عمر صاحب کہیں راہِ فرار اختیار نہ کر لیں۔ لہٰذا یہ مشورہ دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دل کا معاملہ تو اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ وہی علیم بذات الصدور ہے۔ جہاں تک اظہار کا تعلق ہے۔ اور بیان کا تو آپ نے اس قسم کے تاثر اور گمان کا ادنیٰ سا اشارہ بھی نہیں فرمایا۔ چہ جائیکہ تصریح فرمائی ہو۔ لہٰذا جو صاف اور واضح ارشادات ہیں اور عبارت وا شارت اور دلالت و اقتضاء کے لحاظ سے حضرت فاروق اعظم کے خداداد کمالات اور اوصاف پر دلالت کرتے ہیں ان کو چھوڑ کر اس زنانہ خانی پر اتر آنا یہود منش سبائی ٹولہ کا ہی کام ہو سکتا ہے۔ کوئی منصف غیر مسلم بھی ایسی بات نہیں کہہ سکتا چہ جائے کہ مومن ہونے کا مدعی۔

علاوہ ازیں بطور سپاہی لڑنا علیحدہ امر ہے۔ اور سپاہیوں کو لڑانا دوسرا امر ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص خود لڑے تو بہادری اور شجاعت کے نمایاں جوہر نہ دکھلا سکے۔ لیکن تجاویز اور طریق کار کے لحاظ سے کامیاب کمانڈر اور جرنیل ثابت ہو، جنگ کے لیے ہر فرد کا شمشیر زن ہونا لازم نہیں بلکہ بعض لیے ذہن اور غور و فکر اور تدابیر و تجاویز سے شمشیر زنی کی نسبت زیادہ کار آمد ہوتے ہیں — اور کوئی دیانتدار انسان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت سے موازنہ کرے تو وہ اس فرق کو واضح طور پر محسوس کر سکتا ہے کہ کس نے انتہائی کامیابی کے ساتھ اس ذمہ داری کو نبھایا اور کونسا میدانِ کارزار ہے جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قیصر و کسریٰ کے ساتھ مصالحت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اور مسالمت کا راستہ اختیار کرنا پڑا۔ اور کونسا مقام ہے جہاں آپ کی افواج کو شکست اور پسپائی اختیار کرنی پڑی۔ اور کونسا موقعہ ہے، جہاں کمانڈروں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم اور فیصلہ کو نظر انداز کیا ہو اور ان پر اپنی مرضی مسلط کی ہو، حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ جیسے کامیاب ترین جرنیل اور کمانڈر کو معزول کرنے پر بھی فتوحات میں کوئی فرق پڑا۔ یا ان کو محاذ آرائی کی جرأت ہوئی جب کہ مرتضوی دور میں اس قسم کی صورت حال نظر نہیں آتی۔ آپ صفین میں جنگ بند کرنے کے حق میں نہ تھے۔ لیکن کمانڈروں اور افواج نے آپ کی مرضی کے برعکس بند کرنے پر آپ کو مجبور کیا۔ آپ تحکیم پر راضی نہیں تھے مگر مجبور کیا گیا۔ حضرت ابو موسی اشعری کی ثالثی پر رضامند نہیں تھے مگر خواہ مخواہ ان کو ثالث بنا دیا گیا وغیرہ وغیرہ بالآخر حضرت امیر علیہ السلام کو مجبور ہو کر دعا کرنی پڑی کہ اے اللہ مجھے ان سے بہتر ساتھی عطا فرما اور ان کو مجھ سے بدتر حاکم اور مجھے اپنے پاس بلالے۔ اس لیے یہ حقیقت تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ شیخین رضی اللہ عنہما میں روحِ محمدی اور نبوی پرتو اثر انداز تھا۔ اور کفر و شرک کی دنیا میں انقلاب بپا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو منتخب فرما لیا تھا۔ جس طرح رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ہر حقیقت بین نگاہ یہ فیصلہ دینے پر مجبور نظر آتی ہے۔ کہ انہوں نے حق نیابت اور خلافت ادا کر دیا۔ اور زمانہ اس قسم کے نائبین اور خلفاء کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اور اسی فرق اور امتیاز سے مجبور ہو کر شیعہ صاحبان نے آیتِ استخلاف کو صرف حضرت مہدی علیہ السلام میں محصور اور محدود کر دیا اور خلافتِ مرتضوی کو اس سے نکال دیا۔

عجیبہ: آدلوں میں اب دورِ مہدی میں بجائے ان کی خلافت کے اعلان کے سیدنا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل کا اعلان ہو اور آیت استخلاف سے ان کو خارج کر دیا جائے۔ اس سے بڑھ کر دورِ فاروقی کے رعب اور دبدبہ کا ثبوت کیا ہو سکتا ہے کہ اعداء اور بد اندیشوں کے ذہن بھی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ماؤف ہو کر رہ گئے۔ اور تضاد و تناقض کا شکار ہو گئے۔ نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معاملہ دورِ نبوی میں جو رہا، اِس کو چھوڑئیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کے موقعہ پر جو افسانے تراشے گئے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مجبور و بے بس ہو کر ان کے ابو بکر صدیق کے ساتھ بیعت کرنے کے جو ڈرامے سٹیج کئے گئے۔ اس کے بعد بھی اِن کو بزدل اور کم حوصلہ ظاہر کیا جا سکتا ہے۔ کبھی افراط کا یہ عالم کہ شیرِ خدا رضی اللہ عنہ کو اِن کے سامنے بے بس تسلیم کیا جائے۔ اور کبھی تفریط کا یہ عالم کہ بھاگ جانے کے خطرہ کے تحت میدان جنگ میں جانے سے روک دیا ہے کوئی اِس برادری میں معقول انسان جو اِس افراط و تفریط کی دلدل سے نکل کر راہِ اعتدال پر گامزن ہو۔ اور اعترافِ حقیقت میں بخل سے اور بغض و عناد سے کام نہ لے۔ ابن ابی الحدید معتزلی شیعی نے اس ضمن میں بہت اچھا کہا ہے؟

ابن ابی الحدید معتزلی شیعی کا منصفانہ فیصلہ

كان من عناية الله بهذا الدين ان الهم الصحابة ما فعلوا و الله متم نوره ولو كره المشركون (شرح حدیدی ص۱۱۴ ج ۱۱-)

اللہ تعالیٰ کی اس دین کے ساتھ خاص عنایت اور اِس کی ترویج و ترقی اور اِس کے غلبہ و تسلط کا حتمی ارادہ تھا اور خاص توجہ کہ صحابہ کرام کو علی الترتیب شیخین رضی اللہ عنہما کو خلیفہ بنانے کا الہام فرمایا اور اللہ تعالیٰ اپنے نورِ اسلام کو تام اور کامل کرنے والا ہے۔ اگرچہ مشرکین اِس کو ناپسند ہی کریں۔

ابن ابی الحدید نے کہا کہ اوّل اوّل حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خیال تھا کہ مجھے خلیفہ نہ بنا کر انہوں نے میرے ساتھ زیادتی کی ہے۔ اور دنیا کی طرف میلان اور رغبت کی وجہ سے مجھے نظر انداز کیا ہے۔ لیکن بعد میں آپ کو اطمینان ہو گیا کہ انہوں نے جو قدم اُٹھایا ہے۔ وہ عین صواب ہے۔ اور سراسر مصلحت اور دین و

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ملت کے لیے انتہائی مفید اور کارآمد اور خواہشاتِ نفس اور حرص و ہوا کے تقاضوں سے سراسر پاک اور منزّہ اقدام۔

ھٰذا یقتضی ان امیر المؤمنین علیہ السلام کان فی بدءِ امرہٖ یظنُّ انّ العقد لغیرہٖ کانَ مِنْ غیر نظرٍ فی المصلحۃ و انّہ لم یقصد بہٖ اِلّا صرف الامر عنہُ والاستئثار علیہ فظھر ماظھر منہ من الامتناع والقعود فی بیتہٖ اِلٰی ان صَحَّ عندہٗ و ثَبَتَ فی نفسِہٖ انھم اصابوا فیما فعلوْا و انھم لم یمیلوا اِلٰی ھویً ولا ارادُوا الدنیا و اِنّما فعلُوا الاصلح فی ظنونھم۔ الخ

(شرح حدیدی ج نمبر ۱۱ ص ۱۱۲)

یعنی حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کا ابتداء میں علیحدگی اختیار کرنا اس ظن اور گمان پر مبنی تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے عقد خلافت اور مہاجرین و انصار کے ان کی بیعت کرنے میں مصلحت کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ اور اس کا مقصد صرف مجھ سے خلافت کو دور کرنا اور مجھ پر دوسروں کو ترجیح دینا ہے۔ لہٰذا آپ بیعت کرنے سے بھی رکے رہے اور گھر میں بیٹھے رہے حتیٰ کہ آپ رضی اللہ عنہ کے نزدیک بالآخر یہ حقیقت درست ثابت ہو گئی اور آپ کے نزدیک واضح ہو گیا کہ صحابہ کرام نے جو کچھ کیا ہے۔ وہ اس میں صائب الرائے ہیں۔ اور درست سمت میں قدم اٹھانے والے۔ اور یہ اقدام انہوں نے خواہشاتِ نفس اور دنیوی میلان اور رغبت کے تحت نہیں کیا بلکہ اپنے خیال میں جو بہتر سمجھا وہی کیا۔ الغرض حضرت امیر رضی اللہ عنہ اپنی خوشی اور رضا مندی سے ہی مجلس مشاورت میں شامل ہوتے اور حضرات خلفاء کے ساتھ پورے خلوص اور ہمدردی اور محبت و مودت اور اتحاد و یگانگت کی فضا میں مشورے دیتے اور ان کی خلافت کو دین اسلام کی ترویج اور ترقی کا ضامن سمجھ کر ہی لیے ان کے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

وصال کو ناقابلِ تلافی نقصان اور اسلام کے لیے نہ مندمل ہونے والا زخم قرار دیا جیسے متعدد دفعہ اس کا حوالہ گزر چکا ہے اور ڈھکو صاحب نے اس کو شیر مادر سمجھ کر ہضم کر لیا ہے۔

جواب نمبر ۵:۔ ڈھکو صاحب فرماتے ہیں کہ اگر نگاہِ مرتضوی میں یہ تینوں برحق خلیفے تھے تو آپ جیسا آزمودہ کار جرنیل بڑی بڑی جنگوں اور فتوحات میں کیوں شریک نہیں ہوا۔

ا:۔ اس کے جواب میں پہلی چیز تو قابلِ غور یہ ہے کہ ڈھکو صاحب نے خود اپنا رد کر دیا۔ اور اپنے سابقہ جواب کی تردید کر دی۔ پہلے کہا کہ شہادت توحید اور شہادت رسالت کی وجہ سے لوگ کفر سے نکل کر اسلام کے قریب ہو رہے تھے۔ لہٰذا اس مصلحت کو سامنے رکھ کر آپ مجالس مشاورت میں شریک ہوتے تھے۔ تو اسی مقصد کو سامنے رکھ کر آپ جہاد میں کیوں نہ شریک ہوتے رہے۔ عملی طور پر جہاد میں شامل ہونے سے یہ مصلحت بطریقِ احسن حاصل ہو جاتی لہٰذا آپ کو اس کے حصول کے لیے عملی کوششیں بھی کرنی چاہئے تھیں صرف مشوروں پر اکتفاء نہیں کرنا چاہئے تھا۔ فرمائیے ڈھکو صاحب کچھ آیا سمجھ شریف میں اگر مشورہ صحیح تھا تو عملی جہاد بھی درست تھا لہٰذا خود بھی حصہ لینا چاہئے تھا کیوں نہ حصہ نہ لیا؟ اگر کوئی خارجی کہہ دے لِمَ تقولونَ مالاتفعلون تو کیا جواب ہو گا؟ آپ کے پاس تو یقیناً جواب نہیں ہو گا۔ لیکن ہم بحمد اللہ اس کا منہ بھی اس طرح بند کریں گے کہ جنگ عام سپاہی بھی لڑ سکتا ہے۔ لیکن جنگ لڑانا ہر کسی کا کام نہیں۔ اور نہ وہ فردِ واحد کا کام ہوا کرتا ہے۔ بلکہ ایک مشاورتی کمیٹی ہی اس فرض کو باحسن طریق سرانجام دے سکتی ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس اہم ترین کام کو سرانجام دیا کرتے تھے۔

(ب) مسیلمہ کذاب جیسے جھوٹے مدعیانِ نبوت کے خلاف کاروائی میں اور مانعین زکوٰۃ وغیرہ کے خلاف حرب و قتال میں اگر آپ شامل نہیں ہوئے اور کفار کو اسلام کے قریب اور سلامتی کے قریب کرنے کے لیے جہاد میں آپ نے حصہ نہیں لیا تو

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اعتراض حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات پر ہو گا۔ کہ انہیں صرف اور صرف اپنی امامت وخلافت سے سروکار تھا وہ ملتی تو تلوار کبھی میان میں داخل نہ کرتے اور نہیں ملی تو اس کو میان سے باہر نہیں نکالا۔ اور نہ ہی قدم گھر سے باہر رکھا تاوقتیکہ کافر بن یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے منحرف ہوجائیں۔ اور جھوٹے مدعیان نبوت کے دام تزویر میں پھنس جائیں یا احکام اسلام کو مسترد کر دیں اس کے برعکس خالد بن الولید جیسے صدیقی دور کے کمانڈر انچیف کو معزول کر دیا جاتا ہے۔ تو وہ ذرا بھر ملال اور کبیدگی ظاہر کیے بغیر...... کہتا ہے میں امیر عساکر ہو کر وہ خدمت نہیں کر سکتا تھا۔ جو ایک سپاہی کی حیثیت سے کر سکتا ہوں۔ مجھے عہدہ سے غرض نہیں خدمت اسلام سے غرض ہے۔ تو ان محبوں کے حق میں کیوں نہ کہوں ؎

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسمان کیوں ہو؟

"ج" ، بعض دفعہ اہم شخصیات کو میدان جنگ میں نہ بھیجنا ہی عین مصلحت ہوتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک میں اپنے ہمراہ نہ لیا اور نہ ہی آخری غزوہ میں امیر عساکر بنایا جس کو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بھیجنے کا عزم فرمایا تو کیا سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کر دو گے؟ یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت و بسالت پر؟ لا واللہ صرف اور صرف یہی کہا جائے گا کہ مصلحت کو ملحوظ رکھا۔ تو ان حضرات نے بھی کسی اہم مصلحت کے تحت ایسا کیا ہو گا۔

"د" : کیا آزمودہ کار جرنیل کا صرف یہی مصرف ہے کہ اس کو جنگ کی بھٹی میں جھونکے رکھیں کیا اس کے قیمتی صلاح و مشورہ سے زیادہ فائدہ حاصل نہیں کیا جا سکتا؟ اس لیے ان حضرات نے آپ کو وزیر خاص اور مشیر خاص بنایا۔ اور ان کے مشوروں کو اہمیت دی اور بہت زیادہ منافع و مصالح حاصل ہوئے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اس منصب کو خود بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

صـ۲۱۹

"انا لکم وزیراً خیر لکم منی امیراً" (نہج البلاغۃ مصری جلد اول)

میں تمہارے لیے وزیر کی حیثیت میں زیادہ مفید اور کارآمد

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہونا، بنسبت امیر اور خلیفہ ہونے کے، اور یہ اس وقت فرمایا جبکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مہاجرین و انصار آپ کے گرد جمع ہوئے۔ اور آپ کو خلافت و امامت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کی درخواست کی تو آپ نے اپنا سابقہ منصب ان کے سامنے رکھا کہ میں اسی حالت میں بہتر ہوں بہ نسبت اس نئی ذمہ داری سنبھالنے کے کیا خلافتِ خلفاء کی حقانیت صرف اسی صورت میں آپ کی نگاہوں میں ثابت ہوتی کہ سپاہی یا کمانڈر بنائے جاتے۔ اور وزیر و مشیر ہونے کی صورت میں اس خلافت کی حقانیت ظاہر نہیں ہو سکتی تھی؟

"الحق مع علیؓ و علیؓ مع الحق" بجا لیکن حقائق کا مطالعہ کرو اور واقعات کا مشاہدہ کرو کہ وہ علی مرتضیٰ اور حق جو باہم لازم و ملزوم ہیں وہ کن کے ساتھ رہے؟ کن کے مشیر اور کن کے وزیر رہے؟ منطق کے قیاس اقترانی کی باقی سبھی اشکال کو چھوڑ کر شکل اول سے ہی نتیجہ معلوم کر لو۔ حق علی کے ساتھ ہے۔ اور علی اصحاب ثلاثہ کے ساتھ ہیں لہٰذا حق بھی ان کے ساتھ ہے۔ والحمد للہ علی ذالک۔

ڈھکو صاحب کی بے بسی:۔

لیکن پھر عرض کر دوں یہ روایت جو ناسخ التواریخ سے حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ نے ذکر کی تھی وہ ضمنی طور پہ ذکر کی گئی تھی۔ اصل دلائل نہج البلاغہ کے خطبات تھے۔ اور اس روایت کو امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے فتویٰ کے ساتھ ملا کر شیعی اذہان کو جھنجوڑنا مقصود تھا۔ کہ ان دونوں عبارات کا حتمی نتیجہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کا نگاہِ مرتضوی میں برحق ہونا ہے۔ مگر ڈھکو صاحب نہ فروع کافی کی عبارت کو چھیڑتے ہیں اور نہ نہج البلاغہ کی عبارات کو اور نہ ان کی تشریحات کو جو ناسخ التواریخ اور ابن میثم کے حوالے سے پیش کی گئیں اور قرآن مجید کی آیت اور فرمانِ مرتضوی سے اس خلافت کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے موعود ہونا اور ثقلین کی شہادت سے اس کا برحق ہونا لہٰذا ڈھکو صاحب کو یہ اُدھار چکانا چاہیے۔ اور اپنے برادرانِ مذہب کو

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اس بارے میں تسلی کرانی چاہیے۔ کہ حضرت علی مرتضیٰ اور قرآن کیا کہتے ہیں؟ اور ہم کیا کہتے ہیں اور کیوں؟ اِدھر اُدھر بھاگ دوڑ اور اصل اور اہم دلائل کو چھوڑ کر ذیلی اور ضمنی اور جزوی چیز کو لے کر اپنے ایمان کی طرح چند اوراق سیاہ کر دینا کافی نہیں ہو سکتا۔

رسالہ مذہب شیعہ، از حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دعوائے خلافت بلافصل سے دستبرداری

آیئے اب ہم آپ کو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا کھلا فیصلہ سنائیں، جس کو اہلِ تشیع کے مجتہدِ اعظم یعنی صاحبِ ناسخ التواریخ نے نقل کیا ہے۔ ج ۲، ص۱۹۱

اگر ابوبکر و عمر سزاوار نہ بودند چگونہ بیعت کردی و اطاعت فرمودی و اگر لائق خلافت بودند من از ایشان کمتر و فروتر نیستم چناں باش از برائے من کہ از برائے ایشاں بودی۔ یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما خلافت کے مستحق نہیں تھے، تو آپ نے ان کی بیعت کس طرح کی اور ان کی فرمانبرداری کیوں کرتے رہے؟ اور اگر مستحقِ خلافت تھے تو میں ان سے کم نہیں ہوں۔ میرے ساتھ آپ اس طرح موافقت و معاونت کریں جس طرح کہ ان کے زمانے میں ان کے ساتھ کرتے رہے۔

فقال علی علیہ السلام اما الفرقۃ فمعاذ اللہ ان افتح لہا بابا و اسہل الیہا سبیلا و لکنی انہاک عما ینہاک اللہ و رسولہ عنہ و اہدیک الی رشدک و اما عتیق و ابن الخطاب فان کانا اخذا ما جعلہ رسول اللہ لی فانت اعلم بذالک و المسلمون ومالی و لہذا الامر وقد ترکتہ منذ حین فاما ان لایکون حقی بل المسلمون فیہ شرع فقد اصاب السہم الثغرۃ و اما ان یکون حقی دونہم فقد ترکت لہم طبت نفسا و نفضت یدی عنہ استصلاحا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تو حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، لیکن تفرقہ اندازی، تو اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے اس سے بچاتے کہ میں تفرقہ اندازی کا دروازہ کھولوں یا فتنہ کا راستہ آسان کردوں، میں آپ کو صرف اس چیز سے منع کرتا ہوں جس چیز سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے اور میں آپ کو رشد و ہدایت کی راہ دکھاتا ہوں۔ رہا ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا معاملہ تو اگر انہوں نے اس چیز کو غصب کر لیا ہوتا، جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے مختص فرمایا تھا، تو آپ اور دوسرے اہلِ اسلام اس کو زیادہ جانتے ہوتے اور مجھے اس خلافت کے ساتھ واسطہ ہی کیا ہے، حالانکہ میں نے تو اس کے خیال کو بھی مدت سے ذہن سے نکال دیا ہوا ہے۔ پس خلافت کے متعلق دو ہی احتمال ہیں ایک یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت صرف میرا حق نہ تھا بلکہ سبھی مسلمان یعنی صحابہ کرام اس میں مساوی طور پر حصہ دار تھے، تو اس صورت میں خلافت جس کا حق تھی، اس کو مل گئی، حق بحق دار رسید۔ دوسری صورت یہ تھی کہ خلافت صرف میرا ہی حق تھا۔ دوسرے کسی شخص کا حق نہیں تھا، تو میں نے ان خلفاء کے لیے چھوڑ دی اپنی خوشی اور رضا کے ساتھ اور بطیبِ خاطر اپنا حق ان کو بخش دیا اور صلح و صفائی کے ساتھ ان کے حق میں دستبردار ہو گیا۔

لیجیے صاحب! یہ ہے مولیٰ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا حتمی فیصلہ۔ جب مولائے مشکل کشا کرم اللہ وجہہ الکریم فرمادیں کہ اگر صرف میرا حق تھا، تو میں نے صلح و صفائی کے ساتھ اور خوشی اور رضا کے ساتھ امرِ خلافت ان کو بخش دیا اور ان کے حق میں دستبردار ہو گیا اور آجکل کے ذاکروں کے یہ ڈھکے کہ حیدرِ کرار شیرِ خدا رضی اللہ عنہ سے صحابہ کرام نے خلافت چھین لی اور غصب کر لی۔ اب انصاف سے کہیے کہ کس کو صحیح اور درست مانا جائے۔ ذاکر لوگ اپنی لمبی لمبی اذانوں میں وصی رسول اللہ و خلیفۃ بلافصل اور خدا جانے کیا کیا گانٹھتے چلے جاتے ہیں۔ کیا اس سے حضرت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

سیّدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی صاف صاف تکذیب لازم نہیں آتی ؟ منبروں پر چڑھ کر شیرِ خدا مولا مشکل کشا رضی اللہ عنہ کو جھٹلانا اور ان کی تکذیب کرنا کس محبت اور تولّیٰ کا تقاضا ہے۔ اگر یہی محبت ہے تو پھر دشمنی کسے کہتے ہیں ؟

تنزیہ الامامیہ — **از محمد حسین ڈھکو صاحب**

مؤلف رسالہ نے ناسخ التواریخ جلد دوم ص۴۱۹ سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور عثمان (ذی النورین رضی اللہ عنہ) کا ایک مکالمہ نقل کیا ہے جو مشہور سُنّی مورخ واقدی متوفی (۲۳۰ھ) کی کتاب الشوریٰ سے منقول ہے۔ چنانچہ صاحب ناسخ التواریخ رقمطراز ہیں :۔

واقدی در کتاب شوریٰ از ابن عباس حدیث کند کہ عثمان علی علیہ السلام را حاضر ساخت فقال :۔
نشدتک اللہ ان تفتح للفرقۃ بابا۔ الخ

اس سے معلوم ہوا کہ یہ دراصل اہل سنت کی روایت ہے۔ جو ہمارے خلاف حجت نہیں ہو سکتی یہ تو ہے روایتی سقم!

اور اس میں درایتی سقم یہ ہے کہ اس میں حقِ امامت سے دستبرداری کا تذکرہ ہے جوکہ ناممکن ہے کیونکہ نبوت کی طرح امامت بھی ایک عہدۂ خداوندی ہے جسے وہ عطا کرے وہ شخص نہ اس سے دستبردار ہو سکتا ہے۔ اور نہ کسی دوسرے کو دے سکتا ہے۔

الغرض یہ روایت .... بے جوڑ ہے اور اس کی کوئی کل سیدھی نہیں۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

علامہ ڈھکو صاحب نے اس روایت کے متعلق دو سقم ذکر کئے ہیں ایک یہ کہ روایت سنیوں کی ہے۔ دوسرا یہ کہ خلافِ عقل ہے۔ کیونکہ امامت سے دست برداری یا اس کا انتقال دوسری جگہ ممکن نہیں ہے۔ امراوّل کے متعلق گزارش ہے کہ

(۱) صاحبِ ناسخ نے ابتداءِ کتاب میں تصریح کر دی تھی کہ میں سُنی اور شیعہ دونوں کی متفق علیہ روایات درج کروں گا۔ اور کوئی روایت مذہب تشیع کے خلاف ہوئی تو اس میں اپنا مذہب و مسلک واضح کروں گا۔ لہٰذا صاحبِ ناسخ التواریخ اس روایت کو ذکر کر کے جب کوئی جرح و قدح نہیں کرتا تو اس کا صاف اور واضح مطلب یہ ہوا کہ اس کو نہ اس میں روایتی سقم نظر آیا نہ درایتی اور نہ اس کو اپنے مذہب و مسلک کے خلاف معلوم ہوئی۔

لہٰذا ڈھکو صاحب کو اب یہ سقم بیان کرنے کی ضرورت کیوں پڑی؟

اگرچہ عبارت صاحبِ ناسخ کی پہلے ذکر ہو چکی مگر دوبارہ اس کو ملاحظہ فرمالیں ناسخ جلد اوّل ص ۳۵۔

معلوم باد کہ راقم حروف در تاریخ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم و آل او۔ بیشتر خبر اہل سنت را مینگارد کہ شیعی و سنی در آن اتفاق دارند و اگر سخنی بہ خلاف عقیدت علماء امامیہ اثنا عشریہ درمیان آید آنرا باز می نماید۔

۲۔ یہی مضمون و مفہوم خود نہج البلاغۃ میں مندرج آپ کے خطبات سے بھی ثابت ہے۔ لہٰذا روایتی سقم کا دعویٰ بے بنیاد ہے۔

۳۔ قبیلہ اسد کے ایک شخص نے آپ سے دریافت کیا تمہیں تمہاری قوم نے خلافت اور امامت سے کیوں دور رکھا حالانکہ تم اس کے زیادہ حق دار تھے! تو آپ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا:۔ فانّھا کانت اثرۃ شحت علیھا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نفوس قوم وسخت عنہا نفوس قوم آخرین۔ نہج البلاغۃ مصری ص۳۶۵ جلد اول)

یعنی امارت، وخلافت ایک اعزاز و امتیاز تھا اور تفوق و برتری کا ذریعہ جس پر ایک فریق نے بخل اور حرص کا مظاہرہ کیا اور دوسرے فریق نے جود و سخا کا مظاہرہ کیا۔ اگر جبر و اکراہ سے جاتی تو اس کو جود و سخا سے تعبیر نہ کیا جاتا۔ اور اگر جود و سخا ہے۔ تو پھر جبر و اکراہ نہیں ہے۔ بلکہ عفو و درگزر ہے اور یہی واقدی کی کتاب الشوریٰ والی روایت کا مدلول و مقصود ہے۔

"ب" حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مہاجرین و انصار نے آپ کو خلافت کی ذمہ داری سنبھالنے کے لیے عرض کیا تو آپ نے فرمایا۔ دعونی والتمسوا غیری (الیٰ) وان ترکتمونی فانا کاحدکم ولعلی اسمعکم و اطوعکم لمن ولیتموہ امرکم وانا لکم وزیراً خیر لکم منی امیراً۔

نہج البلاغۃ مصری جلد اول ص۲۱۹ ۔

ترجمہ :۔ مجھے چھوڑیئے اور میرے علاوہ اس منصب کے لیے کسی دوسرے شخص کو تلاش کرو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور اگر تم مجھے چھوڑ دو اور اس ذمہ داری کے سنبھالنے پر مجبور نہ کرو) تو میں تمہاری طرح ایک فرد ہوں اور ہو سکتا ہے کہ میں تمہاری نسبت اس شخص کے حکم کو زیادہ قبول کرنے والا اور زیادہ اطاعت کرنے والا ہوں گا جس کو تم امر خلافت کا متولیّ اور مالک بناؤ اور میرا تمہارے لیے وزیر ہونا بہ نسبت تمہارا امیر ہونے کے بہتر ہے (لہذا مجھے وزارت کے منصب پر رہنے دو اور امارت کے لیے دوسرے شخص کا انتخاب کر لو) اس ارشاد سے بھی صاف ظاہر ہے کہ آپ کا حق اگر تھا بھی تو آپ اس کے لیے نہ کوشاں ہیں اور نہ اصرار کرنے والے بلکہ دوسرے شخص کو سلنے پر رضامند ہیں۔ اور سب سے زیادہ اطاعت امیر اور اس کی فرمانبرداری کے لیے تیار اور صرف وزارت کے منصب پر رہ کر خدمتِ اسلام اور اہل اسلام کے لیے تیار و آمادہ۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

سوچنے کی بات ہے کہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے بعد ان کے مرتبہ کا اور ان جیسا سابق الاسلام اور قربِ مصطفوی پر فائز کوئی شخص نہ تھا۔ لیکن اس کے باوجود اگر آپ ایسے شخص کی امامت وخلافت پہ رضامند ہو رہے ہیں اور اس کی وزارت قبول کرنے پہ تیار تو شیخین رضی اللہ عنہما کے حق میں کیوں کر راضی نہیں ہوں گے!

"ج" آپ نے حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کی اس شکایت پہ کہ ہمیں مشورہ میں شریک نہیں کیا جاتا اور ہم سے امور خلافت کی انجام دہی میں کام نہیں لیا جاتا، ارشاد فرمایا" واللہ ما کانت لی فی الخلافۃ رغبۃ ولا فی الولایۃ اربۃ ولکنکم دعوتمونی الیہا وحملتمونی علیہا۔ نہج البلاغۃ ص ۵۱۹ ج ۱ دل

بخدا نہ مجھے خلافت میں کوئی رغبت تھی اور نہ ولایت وحکومت میں کوئی حاجت اور دلچسپی لیکن تم نے مجھے اس کی طرف بلایا اور مجھے اس پر برانگیختہ اور آمادہ کیا۔ اگر آپ اس خلافت وولایت کے مدعی ہوتے اور دست بردار نہ ہوئے ہوتے تو رغبت ومیلان اور دلچسپی کی نفی کیونکر فرماتے۔ اور حضرت طلحہ حضرت زبیر اور دیگر حضرات صحابہ کی طرف یہ منسوب کیوں فرماتے؟ کہ تم نے مجھے اس کی طرف بلایا اور تم نے مجھ پر یہ بوجھ ڈالا جس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ سب مہاجرین وانصار کو اس استحقاق میں مساوی اور برابر سمجھتے تھے! اور اگر بالفرض اپنا حق سمجھتے تھے تو اس سے دست بردار ہو چکے تھے۔ اور اس کی خاطر کسی نزاع واختلاف میں پڑنے کے لیے تیار نہیں تھے۔

(د) فاقبلتم الیّ اقبال العوذ المطافیل علیٰ اولادھا تقولون البیعۃ البیعۃ قبضت یدی فبسطتموھا ونازعتکم یدی فجذبتموھا۔ (نہج البلاغۃ ص ۳۱۴ ج ۱)

تم میری طرف اس طرح متوجہ ہوئے جیسے نئی نئی بچوں کو جنم دینے والی اونٹنیاں اپنے بچوں کی طرف دوڑ کر آتی ہیں جب کہ تم کہتے تھے بیعت لو بیعت لو۔ میں نے اپنا ہاتھ بند کیا مگر تم نے اس کو کھولا۔ میں نے تم سے اپنا ہاتھ کھینچا اور چھڑایا لیکن تم نے اسے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

زبردستی اپنی طرف کھینچا۔

اس ارشاد سے بھی یہی حقیقت ظاہر ہے کہ آپ امارت وخلافت کے متمنی اور آرزومند نہیں تھے بلکہ اس کو مشترکہ حق سمجھتے تھے یا اس سے دستبردار ہو چکے تھے۔

۱۵) آپ کا ارشاد گرامی ہے:۔

رضینا عن اللہ قضاءہٗ وسلّمنا لِلّٰہ امرہٗ اترانی اکذب علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واللہ لانا اوّل من صدقہٗ فلا اکون اوّل من کذب علیہ فنظرت فی امری فاذا طاعتی قد سبقت بیعتی واذا المیثاق فی عنقی لغیری۔

(نہج البلاغۃ ص ج ۱)

ہم اللہ تعالیٰ کی اس قضا پر راضی ہیں اور ہم نے اللہ تعالیٰ کے لیے اس کے امر وحکم کے آگے سر تسلیم خم کر دیا ہے کیا تیرا خیال ہے کہ میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولوں بخدا میں پہلا شخص ہوں جس نے آپ کی تصدیق کی لہٰذا میں ہی پہلا ان کی تکذیب کرنے والا کیونکر ہو سکتا ہوں؟ میں نے اپنے معاملہ میں غور وفکر کیا تو ناگاہ میری طاعت میری بیعت وخلافت سے سبقت لے جا چکی تھی اور میری گردن میں دوسروں کی طاعت کا عہد ومیثاق تھا۔

یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے عہد لیا ہوا تھا کہ خلافت بغیر نزاع واختلاف کے مل جائے تو بہتر ورنہ خلفاء سے اختلاف نہ کریں

کما قال ابن میثم۔ انّہٗ کان معھوداً الیہ ان لا ینازع فی امر الخلافۃ بل اِن حَصَلَ لہٗ بالرفق و الّا فلیمسک فقولہ نظرتُ فی امری فاذا طاعتی سبقتْ بیعتی ای طاعتی لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیما امرنی بہٖ من ترک القتال قد سبقت بیعتی للقوم فلا سبیلَ اِلی الامتناع منھا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

(شرح ابن میثم جلد ثانی ص۹۷)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے یہ عہد و پیمان لیا گیا تھا کہ امرِ خلافت میں نزاع نہ کریں۔ بلکہ اگر نرمی سے اور آسانی سے مل جائے تو بہتر ورنہ اس سے باز رہیں لہٰذا آپ کے قول میری طاعت میری بیعت سے سبقت لے جا چکی تھی کا مطلب یہ ہے کہ میرا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنا ترک قتال و نزاع میں قوم کی بیعت سے پہلے مقدر ہو چکا تھا۔ لہٰذا ان کی بیعت سے رُکنا اور دور رہنا میرے لیے ممکن نہ تھا۔ اور ایک قول اس کی تشریح میں یہ ہے کہ:۔

"المیثاق ما لزمهٗ من بیعة - ابی بکر بعد ایقاعها۔ ای فاذا میثاق القوم قد لزمنی فلم یمکننی المخالفة بَعْدَهٗ۔"

یعنی لوگوں کے ابوبکر صدیق کی بیعت کر لینے کے بعد آپ پر بیعت کرنا لازم ہو گیا تو یہی لزوم بیعت ہی میثاق ہے۔ تو جب قوم کی طرف سے یہ عہد و ذمہ داری قبول کرنا واجب ٹھہرا تو اس کے بعد میرے لیے اس کی مخالفت کرنا ممکن نہ رہا۔ الغرض قوم کی بیعت کے بعد اپنے آپ کو پابند بیعت سمجھیں تو بھی دست برداری کا ثبوت یقینی اور اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آپ کو پابند کر دیا گیا تھا تو پھر دست برداری کا تحقق بھی زیادہ یقینی ہو گیا۔ اور قضاء الٰہی پر رضا لازم ہوتی ہے اور اس کے امر و حکم کے آگے سر تسلیم خم کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اور جب کہ خلفاء سابقین کی خلافت بھی اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر اور اس کے امر سے ہے۔ لہٰذا آپ پر اس کے متعلق رضامندی اور تسلیم لازم ٹھہری تو بھی خلفاء سابقین کے لیے خلافت سے دست برداری اور اس پر مجسم تسلیم و رضا بننا ضروری ٹھہرا۔ اور اگر اس پر بھی حزن و ملال باقی رہا تو پھر رضا بالقضاء اور تسلیم امر کا دعویٰ بالکل درست نہیں ہو سکتا کیونکہ آپ نے ہی فرمایا:۔

مَنْ اَصْبَحَ علی الدنیا حزیناً فقد اَصْبَحَ لقضاء اللہ ساخطاً۔

نہج مع شرح حدیدی جلد۱۹ ص۵۲۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

یعنی جو شخص دنیا کے ہاتھ سے نکل جانے پر حزن وملال کا اظہار کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کی قضا پر ناراض ہوا اور ناپسندیدگی کا اظہار کرنے والا ٹھہرا۔

اور تسلیم ورضا کا مطلب یہی ہوتا کہ مفید اور نافع امر درپیش ہو تو تسلیم و رضا، دگرنہ مخالفت اور نزاع بلکہ رنج وراحت، نفع ونقصان اور نعمت ونقمت ہر حال میں تسلیم ورضا سے کام لینا پڑتا ہے:۔ ؎

اگر رنج وراح است وگر قیل وقید — مَنْ از حق شناسم نہ از عمرو زید
دریں نوع از شرک پوشیدہ ست — کہ زیدم بیازرد وعمرم بخست

لہذا سید التابعین اور رئیس الموحدین اور سلاسل اربعہ کے امام وپیشوا سے بھی اسی امر کی توقع بلکہ یقین رکھنا ضروری ہے۔

(و) جب اہل شوریٰ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کرکے انہیں خلافت کے لیے منتخب فرمالیا تو آپ نے ارشاد فرمایا نہج البلاغۃ جلد اول ص۱۲۶

واللہ لاسلمن ما سلمت امور المسلمین الا التماسا لاجر ذٰلک۔

بخدا میں عثمان کے لیے اس منصب امامت اور عہدہ خلافت کو تسلیم کروں گا جب تک امور مسلمین صحیح طور پر سرانجام پذیر ہوتے رہیں گے اللہ تعالیٰ سے اس صبر وتسلیم کا اجر حاصل کرنے کے لیے جب آپ کی طرف سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں تسلیم پائی گئی تو شیخین رضی اللہ عنہما کے حق میں بطریق اولیٰ لہذا اس پر چون وچرا کی کیا گنجائش ہے۔

(ز) جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا اور عام لوگوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیعت کرلی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور جناب ابوسفیان نے آپ سے بیعت کرنے کا عزم ظاہر کیا اس موقعہ پر آپ نے فرمایا۔ نہج البلاغۃ جلد اول ص۴۱۔

ایھا الناس شقوا امواج الفتن بسفن النجاۃ وعرجوا عن طریق المنافرۃ وضعوا تیجان المفاخرۃ افلح من نھض بجناح اواستسلم فاراح الخ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اے لوگو فتنوں کی موجوں کو نجات کی کشتیوں کے ساتھ عبور کرو۔ اور منافرت و کدورت کے راستہ سے الگ تھلگ رہو اور شعوب و قبائل کی فوقیت و برتری والے تاجہائے مفاخرت کو سروں سے اُتار دو۔ کامیاب وہ شخص ہوا جس نے اعوان و انصار سے تقویت حاصل کی۔ اور پھر اُٹھ کھڑا ہوا یا پھر اقرار و اعتراف اور تسلیم کا راستہ اختیار کیا خود بھی راحت اُٹھائی اور دوسروں کو بھی راحت پہنچائی۔

هٰذا ماءٌ آجِنٌ ولقمة يغص بها آكلها ومجتني الثمرة لغير وقت اينا عها، كالزارع بارض غيره۔

یہ ترش پانی ہے۔ اور گلے میں پھنس جانے والا لقمہ ہے۔ اور پکنے سے پہلے پھل کو چننے والا ایسا ہے جیسے دوسرے کی زمین میں بیج بونے والا اور فصل کاشت کرنے والا۔

جب یہ حقیقت مسلّم ہے۔ کہ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں امامت و خلافت کا دعویٰ نہیں کیا اور اس کو اسی طرح بے منفعت سمجھتے رہے جس طرح غیر کی زمین میں بلا اذن بیج بونا یا پھل کو پکنے اور تیار ہونے سے پہلے توڑنا تو لامحالہ ماننا پڑے گا۔ کہ آپ نے دوسرا راستہ اختیار فرمایا۔ یعنی استسلم فَاَرَاحَ۔ اعتراف و تسلیم سے کام لے کر خود بھی راحت پائی اور دوسروں کو بھی راحت پہنچائی۔ لیکن موت اور ہلاکت کے ڈر سے نہیں کیونکہ آپ تو اس کی طرف اس سے بھی زیادہ راغب تھے جتنا کہ شیر خوار بچہ ماں کے دودھ کی طرف راغب ہوتا ہے۔ بلکہ خصوصی علم اسرار کی وجہ سے جیسے کہ فرمایا بل اندمجت علی مکنون علمٍ میں ایک پوشیدہ علم کو اپنے اندر لئے ہوئے ہوں۔ اور اس کی تشریح پہلے گذر چکی۔ کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے عہد لے رکھا تھا کہ خلافت کے حصول کے لیے شیخین سے نزاع و اختلاف نہیں کرنا لہٰذا واضح ہو گیا کہ آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت اور عہد و پیمان کا پاس اور لحاظ فرماتے ہوئے اور اہل اسلام و اسلام کی بہتری کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور فتنوں کی آلائش سے دامن کو بچاتے ہوئے اور اپنے وقت اور باری کا انتظار کرتے ہوئے ضروری

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تعاون کی پیش کش کے باوجود تسلیم ورضاء اور مصالحت ومسالمت کا راستہ اختیار کیا اور اس میں اللہ تعالیٰ سے اجر وثواب کی امید رکھ کر جو بغیر قلبی رضاء وتسلیم کے ممکن نہیں اور یہی مقصد تھا واقدی صاحب کی کتاب شوریٰ کے حوالے کا جو اتنے خطبات مرتضویہ سے ثابت ہے جو نہج البلاغہ جیسے شیعہ کے قرآن ثانی میں موجود ہیں۔

لہٰذا صاحب ناسخ التواریخ نے انہی حقائق کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس روایت کو متفق علیہ قرار دیا۔ اور اس پر جرح وقدح سے گریز کیا مگر علامہ ڈھکو صاحب کو چونکہ اپنے مذہبی معلومات کم ہیں کیونکہ دوسرے مشاغل زیادہ ہیں اسی لیے اسی بہانے اس روایت کا جواب دینے بلکہ جواب کی ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کی ٹھانی حالانکہ کوئی کتاب شیعہ صاحبان کی نہیں جو واقدی کی روایات سے پُر نہ ہو خود نہج البلاغہ میں جو خطبات مذکور ہیں یہ بھی اسی طرح لوگوں کی کتابوں سے ماخوذ اور منتخب ہیں جن میں واقدی بھی شامل ہے بعض جگہ نام کی تصریح بھی کر دی گئی ہے۔ بعض جگہ تصریح نہیں کی گئی۔ ملاحظہ ہو نہج البلاغہ۔ جلد اول صفحہ ۵۶۶

من خطبة لهٗ علیه السلام خطبها بذی قار وهو متوجه إلی البصرة ذکرها الواقدی فی کتاب الجمل۔

لہٰذا صرف واقدی کا نام لے کر گلو خلاصی نہیں کرائی جا سکتی ورنہ شیعہ صاحبان کی معتبر سے معتبر کتاب بھی غیر معتبر ہو کر رہ جائے گی۔

کیا از روئے عقل و درایت خلافت سے دستبرداری ممکن ہے؟

علامہ ڈھکو صاحب نے خلافت و امارت سے دستبرداری کو خلاف عقل قرار دیتے ہوئے علت یہ بیان کی کہ امامت نبوت کی مانند اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ منصب ہے۔ نہ نبوت ورسالت سے دستبرداری ممکن نہ ہی امامت وخلافت سے یہ عقل اور درایت اور علت ودلیل دیکھ کر کیوں نہ کہوں ؎

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ط۔ جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی

معلوم ہوتا ہے کہ ڈھکو صاحب نے بے عقلی کو ہی عقل اور درایت سے محرومی کو ہی درایت سمجھ رکھا ہے۔ ذرا غور فرمائیے۔

(۱) جب نبوت اور امامت خداداد عہدے ہیں تو اس سے مراد کیا ہے۔ دنیوی حکومت جس میں تنفیذِ احکام شرعیہ کی قدرت و طاقت حاصل ہو۔ یا صرف تبلیغ احکام اور رشد و ہدایت پر مشتمل امور کا بیان۔

اگر پہلی شق مراد ہے۔ تو پھر ہر نبی کے لیے حکومت و سلطنت کا تحقق اور ثبوت ہونا چاہیے۔ حالانکہ قطعاً ایسا نہیں۔ حضرت عیسیٰ حضرت یحییٰ اور حضرت زکریا علیہم السلام اور ان کے علاوہ بہت سے انبیاء علیہم السلام نبوت کے منصب پر فائز ہونے کے باوجود حکمران اور مالک سلطنت نہیں تھے۔ بلکہ شیخ صدوق نے خصال میں ذکر کیا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے صرف چار حضرات زمین میں ملوکیت اور بادشاہت پہ فائز ہوئے۔ اور یہ عنوان قائم کیا: "ملوک الانبیاء فی الارض اربعۃ" جلد اول ص ۲۲۸

حضرت شموئیل علیہ السلام سے بنی اسرائیل نے درخواست کی کہ اللہ تعالےٰ سے ہمیں صاحب سلطنت اور حکمران مانگ کر دیں جس کی زیر قیادت ہم جہاد کریں۔ تو آپ نے دعا فرمائی جس کے صدقہ میں طالوت کو بنی اسرائیل کا بادشاہ مقرر کیا گیا۔ قال اللہ تعالیٰ: "ان اللہ قد بعث لکم طالوت ملکاً۔"

لہٰذا حکومت و سلطنت نبوت و رسالت کے لیے لازم نہیں ورنہ ان حضرات کی نبوت و رسالت کا ہی انکار کرنا پڑے گا جو حکومت و سلطنت پہ فائز نہ رہے ہوں تو ذرا سوچ کر بتلانا بارہ ائمہ میں سے کتنے بچ جائیں گے خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت کب قائم ہوئی؟ اور آپ نبی و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کب سے ہیں؟

(۲) شیعہ صاحبان کے علم الہدیٰ فرماتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کا عرصہ تیس ۳۰ سال ہے اگرچہ حکومت و سلطنت کا عرصہ ساڑھے چار سال ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ملاحظہ ہو کتاب النسائی ص۱۶۲

"بتغیر یسیر فان امیر المؤمنین کان وحدہ الخلیفۃ فی ھذہ المدۃ عندنا و یکون المراد من الحدیث استمرار الخلافۃ بعدی ۔ بخلیفہ واحدٍ یکون مدۃ ثلاثین سنۃ وھکذا کان ۔

لہٰذا واضح ہو گیا کہ روحانی منصب علیحٰدہ امر ہے۔ اور حکومت و سلطنت اور امارت وخلافت علیحٰدہ امر ہے ۔ جس کو محروم درایت لوگوں نے گڈمڈ کر دیا ہے ۔

(۳) سب شیعہ صاحبان غصب خلافت کا عقیدہ رکھتے ہیں اور اس وراثت کے لوٹے جانے کا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف بھی اس نظریہ کی نسبت کرتے ہوئے کہا " دتراثی نھبًا " لہٰذا ان میں کوئی عقل مند ہے۔ تو بتلائے کہ غصب کون سی شے کی گئی تھی ؟ روحانی مرتبہ یا حکومت وسلطنت ۔ نبی و رسول شہید کیا جا سکتا ہے مگر اس کی نبوت و رسالت نہ غصب کی جا سکتی ہے اور نہ لوٹی جا سکتی ہے، جیسے حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام ، لہٰذا امام بھی ، شہید ہو سکتا ہے، مگر اس کا روحانی مرتبہ و مقام سلب نہیں ہو سکتا ۔ البتہ حکومت و سلطنت ہی ایسی شے ہے جو غصب ہو سکتی ہے ۔ اور یہاں کلام بھی اسی حکومت و امارت میں ہے ۔ اور حقِ تصرف و اقتدار میں اس لیے علامہ صاحب کی یہ درایت بالکل بے بصیرتی پر مبنی ہے ۔

(۴) حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصالحت کر کے روحانی منصب ان کے حوالے کیا تھا یا امور حکومت و سلطنت میں تصرف کا اختیار ۔ پہلی شق کا بطلان مسلم ہے ۔ لیکن دوسری کا تحقق بھی مسلم ہے ۔ کیوں کہ اتفاق اور اجتماع اسی وقت سامنے آیا جب دونوں اقتدار ایک شخص میں جمع ہو گئے ۔ اور شام اور عراق اور عالم اسلام میں اقتدار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے ہو گیا جس کی پیشین گوئی خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی ۔

ان ابنی ھٰذا سید ولعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین من المسلمین عظیمتین " میرا یہ بیٹا سردار ہے اور بلند ہمت ۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی بدولت اہل اسلام کی دو عظیم جماعتوں میں صلح کرادے گا۔
ملاحظہ ہو ناسخ التواریخ جلد پنجم کتاب دوم ص۵۱ بحوالہ کشف الغمہ۔

نگاہِ مرتضیٰ میں خلافت و امارت مثل سراب

(۵۱) ۱ … تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے امارت کو دنیا سے تعبیر فرمایا۔ جو سراب کی مانند زائل ہونے والی ہے۔ یا بادل کی طرح چھٹ جانے والی ہے۔ اور صرف چند روزہ متاع ہے۔ ملاحظہ ہو نہج البلاغہ ص۱۵۱۔

فما راعنی الا انثیال الناس علیٰ فلان یبایعونہ فامسکت یدی (الیٰ) فخشیت ان لم انصر الاسلام واھلہ ان اری فیہ ثلما او ھدما تکون المصیبۃ بہ علیّ اعظم من فوت ولایتکم التی انما متاع ایام قلائل یزول منہا ما کان کما یزول السراب او کما یتقشع السحاب۔

مجھے نہ گھبراہٹ میں ڈالا مگر لوگوں کے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر مجتمع و متفق ہونے نے تو میں نے پہلے پہل بیعت سے ہاتھ روکا مگر فتنہ ارتداد وغیرہ کو دیکھا تو مجھے خطرہ لاحق ہوا کہ اگر میں اس وقت اسلام اور اہل اسلام کی امداد کے لیے آگے نہ بڑھوں تو دین میں رخنہ پیدا ہو جائے گا۔ بلکہ دین کے منہدم ہونے کا امکان ہے جس کی وجہ سے مجھ پر اس اس ولایت کی نسبت زیادہ مصیبت ہوگی کیونکہ ولایت و خلافت تو صرف چند روزہ کا معاملہ ہے۔ جو سراب کی طرح زائل ہونے والی ہے یا بادل کی طرح چھٹ جانے والی الخ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نگاہِ مرتضوی میں امارت و خلافت جوتے سے بھی کم قیمت

(ب) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:- تمہاری ولایت و خلافت میرے لیے میرے اس جوتے سے بھی حقیر ہے اور بے قیمت جس جوتے کی تمہاری نظر میں کوئی قیمت نہیں ہے:-

قال عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما دخلتُ علیٰ امیر المؤمنین علیہ السلام بذی قار وھُوَ یَخْصِفُ نعلَہٗ فقال لی ما قیمۃ ھٰذا النعل فقلت لا قیمۃ لھا۔ فقال علیہ السلام واللہ لھی احبّ اِلیّ من امرتکم اِلّا ان اقیم حقاً اَوْ اَدفعَ باطلاً۔

(نھج البلاغۃ مصری جلد اول ص۹۴)

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا جب کہ آپ مقام ذی قار میں موجود تھے اور اپنا جوتا گانٹھ رہے تھے تو آپ نے مجھے فرمایا اس جوتے کی کیا قیمت ہے۔ تو میں نے عرض کیا اس جوتے کی کوئی قیمت نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ تمہاری امارت اور خلافت سے مجھے یہ جوتا زیادہ محبوب اور پیارا ہے۔ مگر یہ کہ میں اس امارت میں حق کو قائم کروں یا باطل کو دفع کروں؟

نگاہِ مرتضوی میں امارت و خلافت بکری کی ناک کی ریزش سے زیادہ حقیر

(ج) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:-

اما والذی خلق الحبّۃ وبرء النسمۃ لولا حضور الحاضر وقیام الحجۃ بوجود الناصر وما اخذ اللہ علی العلماء ان لا یقاروا علیٰ کظۃ ظالم ولا سغب مظلوم لالقیت حبلھا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

علیٰ غاربھا ولسقیت آخرھا بکأس اولھا ولالفیتم دنیاکم ھٰذہٖ ازھد عندی من عفطۃ عنز۔ (نہج البلاغۃ ص۴۲ ج۱)

غور سے سنو! مجھے اِس ذاتِ اقدس کی قسم جس نے دانہ کو پھاڑ کر پودے اگائے۔ اور نفوس انسانیہ کو تخلیق فرمایا۔ اگر حاضرین اور بیعت کے طلبگار موجود نہ ہوتے اور انصار و اعوان کے موجود ہونے سے حجت قائم اور کامل نہ ہو جاتی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل علم سے یہ عہد نہ لیا گیا ہوتا کہ ظالم کے ظلم اور ناحق مال کھانے پہ اور مظلوم کی بھوک اور شدت پہ صبر نہ کریں بلکہ ظالم کو ظلم سے باز رکھیں اور مظلوم کی نصرت وامداد کریں تو میں اِس امارت و خلافت کی رسی اِسی کی گردن پر ڈال دیتا۔ اور اس کے آخر کو اوّل حصہ والے پیالے سے پلاتا یعنی وہی سلوک اب بھی کرتا جو پہلے کیا تھا اس کو نظر انداز کرتا اور قریب نہ جاتا۔ اور تم اِس کو میرے نزدیک بکری کی ناک کی ریزش سے بھی زیادہ ناقابل رغبت پاتے اور حقیر و ذلیل۔

(د) "خلافت و امارت کا نگاہِ مرتضوی میں خنزیر کی ہڈی سے حقیر ہونا،،

یہ تو پہلے ثابت ہو چکا کہ آپ نے فرمایا کہ یہ امارت اور خلافت چند روزہ متاع دنیا ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہو چکا کہ تمہاری یہ دنیوی حکومت میری نظر میں جوتے اور بکری کے ناک کی ریزش سے بھی حقیر ہے۔ اب سنیئے کہ آپ فرماتے ہیں:۔

واللہ لدنیاکم ھٰذہٖ اھونُ فی عینی من عراق خنزیر فی ید مجذوم (نہج البلاغۃ مع شرح حدیدی جلد نمبر۱۹ ص۶۷)

بخدا تمہاری یہ دنیا میری نگاہ میں خنزیر کی ہڈی سے بھی حقیر ہے۔ جو جذام اور کوڑھ کی بیماری میں مبتلا شخص کے ہاتھ میں ہو۔ یہ حقارت بیان کرنے کا ایسا اسلوب اور انداز ہے کہ شاید اس سے زیادہ بیان حقارت کے لیے کوئی دوسری تعبیر موجود ہی نہ ہو۔

(ھ) قبل ازیں جتنی عبارات خلافت سے بے رغبتی اور ولایت سے عدم دلچسپی کی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ذکر کی جاچکی ہیں ان پر بھی ایک نگاہ ڈال لیں کہیں فرمایا:۔

ما کانت لی فی الخلافۃ رغبۃ ولا فی الولایۃ اربۃ۔

کہیں فرمایا:۔ فبسطتم یدی وقبضت وغیرہ وغیرہ۔ جن سے صاف ظاہر کہ آپ عند اللہ حاصل مرتبہ کی بات نہیں کر رہے۔ بلکہ امت محمدیہ کی ولایت امور اور نظام سلطنت اور دنیوی اعزاز وامتیاز کی بات کر رہے ہیں۔

(د) اور یہی آپ سے قبیلہ بنو اسد کے آدمی نے سوال کیا تھا کہ تمہیں تمہاری قوم نے خلافت وامارت سے دور کیوں رکھا؟ تو آپ نے فرمایا:۔

کانت اثرۃ شحت علیہا نفوس قوم وسخت عنہا نفوس قوم آخرین۔

کہ خلافت وامارت ایک اعزاز وامتیاز تھا جس پر ایک قوم نے بخل اور حرص کا اظہار کیا اور دوسرے فریق نے سخاوت اور عالی ہمتی کا یعنی نہ سائل کا سوال یہ تھا کہ اللہ تعالٰے کے ہاں حاصل مرتبہ ومقام سے تمہیں کیوں محروم کیا گیا اور نہ آپ نے اس کا جواب دیا۔ سوال کا تعلق بھی اسی دنیوی منصب اور عہدہ سے تھا اور جواب کا تعلق بھی اسی سے۔ اور یہی ناسخ التواریخ کی عبارت کا مدلول ومفہوم بلکہ معنی ومقصود ہے جس کو حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے ذکر کیا کہ اگر اس عہدہ اور منصب میں سبھی حصہ دار تھے تو حق حقدار کو پہنچا۔ اور اگر صرف میرا حق تھا ان کا نہیں تھا تو میں نے ان کے لیے چھوڑ دیا۔ اپنی خوشی اور طیب خاطر سے اور امت مصطفٰی علیہ التحیۃ والثنار کی بہتری اور بھلائی کے لیے اس سے ہاتھ اٹھا لیا۔ یہی مضمون آپ کے اس خطبہ میں موجود ہے۔ جو آپ نے امیر معاویہ کے خط کے جواب میں لکھا اور خط لانے اور لے جانے والا ابو مسلم خولانی تھا جس کو شرح حدیدی میں نصر بن مزاحم کی کتاب صفین کے حوالہ سے ذکر کیا گیا ہے۔ مقصودی جملہ پیش خدمت ہے۔

بل عرفت ان حقی ھو الماخوذ وقد ترکتہ لھم تجاوز اللہ عنہم۔

شرح حدیدی جلد ۱۵، ص ۷۹۔

بلکہ میں نے جانا کہ میرا حق ہی لیا گیا ہے اور تحقیق میں نے اس کو ان کیلئے چھوڑ دیا ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اللہ تعالیٰ ان سے درگزر فرماتے۔

لہٰذا ان حقائق کی عظیم روشنی میں بھی روایتی اور درایتی سقم دور نہ ہوئے ہوں تو پھر آنکھوں کا کالا موتیا دُور کرانے کی ضرورت ہے۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور استحقار منصب امامت کا لزوم العیاذ باللہ

علاوہ ازیں ڈھکو صاحب کو اگر اب بھی اصرار ہے۔ کہ امامت وخلافت نبوت ورسالت کی مانند عہدہ ہے جس سے دست بردار ی اور منتقلی ممکن نہیں تو میں پوچھتا ہوں اگر کوئی نبی ورسول کہے العیاذ باللہ کہ نبوت ورسالت سراب ہے۔ چند روزہ عزت ہے۔ میرے جوتے سے بھی حقیر ہے۔ اور بکری کی ناک کی ریزش سے بھی زیادہ قابل نفرت ہے تو کیا یہ منصب نبوت اور رسالت کی توہین ہے یا نہیں؟ بلکہ اللہ تعالیٰ کی توہین ہے یا نہیں؟ یقیناً یہ منصب کی بھی توہین ہے۔ اور عطا کرنے والے کی بھی توہین اس لیے کسی پیغمبر نے بھی ہزار مشکلات اور مصائب کے باوجود ایسا کوئی لفظ اس منصب کے حق میں استعمال نہیں کیا اگر امامت وخلافت جو اہل سنت اور اہل تشیع میں محل نزاع ہے۔ وہ بھی ایسا ہی منصب ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے عطا کیا تو یقیناً ان کلمات میں اس منصب کی بھی توہین ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی بھی جو کوئی عام مسلمان بھی نہیں کر سکتا چہ جائیکہ ابو الائمہ اور معدن ولایت حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ لہٰذا روز روشن کی طرح عیاں اور بالکل مستغنی عن البیان ہو گیا۔ کہ یہاں پہ جو امامت اور خلافت محل نزاع ہے۔ وہ روحانی منصب نہیں وہ جس صحابی کو ملا بلا فصل اور بلا واسطہ اور براہِ راست ملا۔ کیونکہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دستر خوانِ نعمت وکرم ہر ایک کے لیے عام تھا! عربی وعجمی اور حبشی ورومی اور فارسی وحجازی کی اس میں کوئی تفریق نہیں تھی بس جس نے خلوص دل سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا طوق گلے میں ڈال لیا وہی محبوبِ خدا بن گیا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

قال اللہ تعالیٰ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ الآیۃ۔

بلکہ کلام صرف اور صرف دنیوی منصب اور عہدہ میں ہے جس کے تحت نفاذ اسلام اور اقامت دین کی ذمہ داری بندہ پر عائد ہوتی ہے۔ اگر صحیح معنوں میں ادا کرے تو یہ خلافت علیٰ منہاج النبوت ہے۔ اور برحق جیسے کہ خلافت خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اگر ادا نہ کرے تو عند اللہ مجرم اور قابل مواخذہ وعتاب اور مستحق عقاب و عذاب جیسے امراء جور کی امارت اور حکومت اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ضرورت امیر

إِنَّهُ لَا بُدَّ لِلنَّاسِ مِنْ أَمِيرٍ بَرٍّ أَوْ فَاجِرٍ يَعْمَلُ فِي إِمْرَتِهِ الْمُؤْمِنُ وَيَسْتَمْتِعُ فِيهَا الْكَافِرُ وَيُبَلِّغُ اللَّهُ فِيهَا الْأَجَلَ وَيُجْمَعُ بِهِ الْفَيْءُ وَيُقَاتَلُ بِهِ الْعَدُوُّ وَتَأْمَنُ بِهِ السُّبُلُ وَيُؤْخَذُ بِهِ لِلضَّعِيفِ مِنَ الْقَوِيِّ حَتَّى يَسْتَرِيحَ بَرٌّ وَيُسْتَرَاحَ مِنْ فَاجِرٍ۔ الخ

نہج البلاغۃ مصری جلد اول ص۱۰۶

یقیناً لوگوں کے لیے امیر کی ضرورت ہے محسن اور نیک ہو یا فاجر اور گناہگار جس کے دور امارت میں مومن عمل صالح کر سکے اور کافر و ذمی چند روزہ زندگی سے نفع اندوز ہو سکے اور اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس کی اجل مقدر تک پہنچائے اور اموال فیٔ جمع کئے جا سکیں اور دشمن کے ساتھ اس کی قیادت میں جنگ لڑی جا سکے اور راستوں کو پر امن رکھا جا سکے اور قوی و توانا سے ضعیف کا حق وصول کیا جا سکے۔ تاکہ نیک لوگ خود راحت پائیں اور فساق و فجار سے راحت حاصل کی جا سکے اور ان کے فسق و فجور سے تحفظ حاصل ہو سکے۔

اور یہی وجہ ہے کہ خود اہل تشیع نے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ امام کا انتظار کر کر کے تھک جانے کے بعد اب خود ہی امام مقرر کر لیا۔ اور اس کی قیادت میں ملک کا نظم و نسق چلا رہے ہیں اور نہ ختم ہونے والی جنگ شروع کر رکھی ہے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے خمینی صاحب کے لیے کونسی نص نازل فرمائی ہے اور عرش اعلیٰ سے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کونسی ندا کی گئی ہے؟ کہ بارھویں امام سے پہلے تیرھویں امام سے کام چلا لو حیرت کی بات ہے کہ یہ سب کچھ چشم سر سے دیکھ کر بھی یہی رٹ ہے یہ عہدہ اللہ دیتا ہے۔ یہ ناقابل استرداد ہے اور اس سے دست بردار ی ناممکن ہے۔ اس کا منتقل ہونا محال ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات احمقوں کی جنت میں بسنے والے ہیں:۔

منصب امامت ناقابل انتقال ہے تو غصب کیونکر ہو گیا؟

علامہ ڈھکو صاحب اور ان کے حکیم صاحب سے ایک سوال

ایک طرف تو یہ دعویٰ ہے کہ امامت نبوت کی مانند ایک عہدہ خداوندی ہے۔ وہ جسے عطا کر دے وہ شخص نہ اس سے دست بردار ہو سکتا ہے۔ نہ کسی دوسرے شخص کو دے سکتا ہے۔ صفحہ ۱۲۳۔ اور ظاہر ہے کہ جب وہ شخص خود کسی کو نہیں سکتا تو دوسرا اس سے لے بھی کوئی نہیں سکتا کیونکہ امام ہو کر اور کائنات پر تصرف کے اختیارات کا مالک ہو کر اس میں منتقل اور تبدیل نہیں کر سکتا۔ تو دوسرا شخص لے کس طرح سکتا ہے؟ لہٰذا غصب اور دفع حق وغیرہ کی جتنی روایات اپنی کتب سے ذکر کی ہیں وہ سب غلط ہو کر رہ جائیں گی مثلاً:۔

(۱) تقمصھا دونی الاشقیان ۔ الخ میرے سوا دو نے خلافت کا کرتہ پہن لیا اور انہوں نے میرے ساتھ ناحق جھگڑا کیا اور خلافت پر گمراہی سے سوار ہو گئے۔ صفحہ ۵۰ تنزیہ الامامیہ۔

(۲) مازلت مدفوعاً عن حقی منذ قبض اللہ نبیہ علیہ السلام۔ علیہ السلام میں ہمیشہ اپنے حق سے دور رکھا گیا جب سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فوت کیا۔

(۳) اجمعوا علی منازعتی حقا کنت اولیٰ بہ من غیری۔ انہوں نے اجماع و اتفاق کیا اس حق کے چھیننے پر جس کا میں بنسبت دوسروں کے زیادہ حق دار تھا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

(۴) ولا يخطر ببالي ان العرب تزعج هذا الامر من بعده عن اهل بيته۔ میرے دل میں اس کا خیال تک نہیں آتا کہ عرب اس امر خلافت کو آپ کے بعد ان کے اہل بیت سے منتقل کر دیں گے۔ ص۵۷

(۵) إنّي لم ازل مظلوماً منذ قبض رسول الله صلی الله علیه وسلم میں ہمیشہ مظلوم رہا جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا ص۵۷

(۶) إنّهما ظلمانا حقنا۔ ص۵۹۔ ان دونوں نے ہمارا حق بطور ظلم اور جبر و قہر سے لیا۔ وغیرہ وغیرہ۔

الغرض جتنی روایات اس مضمون کی ہیں یا وہ سب غلط ہیں اور یا پھر یہ دعویٰ غلط ہے کہ اس منصب میں منتقلی متصور نہیں ہو سکتی، کیونکہ جب آپ کی امامت آپ کے پاس رہی تو حق سے دور کیسے کیا گیا؟ جب آپ کے پاس رہی تو ظلم کیسے ہو گیا؟ جب امامت آپ سے چھن نہ سکی تو اس امر کا دوسری جگہ انتقال کیسے پایا گیا لہٰذا یہ فیصلہ ان دونوں صاحبان کو کرنا ہو گا کہ اسلاف شیعہ نے جھوٹ بولا اور واویلا کیا یا ان اخلاف نے جھوٹ بولا اور غلط دعویٰ کیا؟۔

حضرت علی رضی اللہ پیدائشی مظلوم

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں مظلوم کا لفظ استعمال کر کے تمام صحابہ کرام کے حق میں بالعموم اور خلفاء ثلاثہ کے حق میں بالخصوص ظالم ہونے کا عقیدہ رکھ لیا جاتا ہے۔ اور پھر طرح طرح سے سب وشتم اور گالی گلوچ کا ان کو حقدار سمجھ لیا جاتا ہے۔ اس لیے ذرا اس روایت پر غور فرمالیں اور اس کے بعد ایک جیسا فتویٰ تجویز کریں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔

(۱) مازلتُ مظلوماً منذُ ولدتني اُمي حتّٰی إن كان عقيلاً ليصيبهُ رمدٌ فيقولُ لاتذروني حتّٰی تذروا عليّاً فيذروني ومابي رمدٌ۔ (ص۲۷ کتاب علل الشرائع للصدوق)

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

میں اس دن سے مظلوم ہوں جس دن سے مجھے میری ماں نے جنم دیا ہے۔ میرے بھائی عقیل کی آنکھوں کو بیماری لاحق ہوتی اور وہ کہتا میری آنکھوں میں دوائی اس وقت تک نہ ڈالنا جب تک علی کی آنکھوں میں دوائی نہ ڈال لو تو گھر والے میری آنکھوں میں دوائی ڈال دیتے حالانکہ مجھے کوئی بیماری نہیں ہوتی تھی۔

اب دریافت طلب یہ مسئلہ ہے کہ آپ ٹھہرے مظلوم اور والدین ٹھہرے ظالم تو شیخین اور والدین ظالم ہونے میں برابر ہو گئے لہٰذا حکم دونوں فریق کا ایک ہی ہونا چاہیے۔ ان میں تفریق روا نہیں رکھنی چاہیے۔ تو بلا امتیاز و تفریق دونوں فریق پر کیا فتویٰ عائد ہوتا ہے؟

ہے کوئی شیعہ جو اپنی روایت کے مطابق اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اپنے اعتراف کے مطابق آپ کے والدین کو ظالم کہے؟ اور اگر یہاں فتویٰ اس شرم و حیاء کے تحت نہیں لگ سکتا کہ وہ حضرت علی کے والدین ہیں آپ جو کہیں سو کہیں لیکن ہم پر سکوت لازم ہے۔ تو خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جن روابط اور رشتوں میں منسلک ہیں کیا ان کا بھی یہی تقاضا نہیں کہ ہم شرم و حیا سے کام لیں اور مہر بلب ہیں۔

مذہب شیعہ، از حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ کے وصی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی تحقیقت

اگر حسبِ نو توصیت کے بارے میں چند روایات ملاحظہ فرما لیجیے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق خلافت کی وصیت ہرگز نہیں فرمائی اس کے ثبوت کے لیے اہل تشیع کی معتبر ترین کتاب تلخیص الشافی مطبوعہ نجف اشرف مصنفہ محقق طوسی امام الطائفہ ص ۳۷۲ جلد دوم

وقد روی عن ابی وائل والحکیم عن علی بن ابی طالب علیہ السلام أنہ قیل لہ الا توصی؟ قال ما اوصی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

فاوصی ولکن قال ان اراد اللہ خیراً فسیجمعہم علی خیرہم بعد نبیہم۔

یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے آخری وقت میں عرض کیا گیا کہ حضور اپنے قائم مقام کے سلیے وصیت کیوں نہیں فرماتے؟ جواب میں فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبکہ وصیت نہیں فرمائی تو میں کیسے وصیت کروں البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا ارادہ فرمایا تو میرے صحابہ کا اجماع میرے بعد ان میں سے سب سے اچھے آدمی پر ہو جائے گا۔

اسی طرح ایک اور روایت بھی ملاحظہ ہو دیہی کتاب اسی صفحہ پہ)

روی صعصعۃ بن صوحان ان ابن ملجم لعنہ اللہ لما ضرب علیّا علیہ السّلام دخلنا علیہ فقلنا یا امیر المؤمنین استخلف علینا قال لا فانا دخلنا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ حین ثقل فقلنا یا رسول اللہ استخلف علینا فقال لا انی اخاف ان تتفرقوا کما تفرقت بنو اسرائیل عن ھارون ولکن ان یعلم اللہ فی قلوبکم خیرا اختار لکم۔

یعنی صعصعہ بن صوحان روایت کرتے ہیں کہ جب ابن ملجم ملعون نے حضرت علی علیہ السلام کو زخمی کیا تو ہم حضرت شیر خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضور اپنا خلیفہ مقرر فرمائیں تو اس کے جواب میں آپ نے فرمایا یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض جب زیادہ ہو گیا تو ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے سیلے کوئی اپنا خلیفہ مقرر فرمائیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہرگز نہیں مجھے اس بات کا خوف ہے کہ اگر میں خلیفہ مقرر کر دوں تو تم اختلاف کرو گے جیسا کہ بنی اسرائیل نے ہارون کے متعلق اختلاف کیا تھا لیکن یہ یقین رکھو کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں بہتری دیکھی تو تمہارے سیلے خود ہی بہتر خلیفہ مقرر کر دے گا الخ

ایک اور روایت بھی سن لیں۔ صہ۲۷ یہی کتاب:۔

وفی الخبر المروی عن امیر المؤمنین علیہ السلام لما قیل لہ الا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

توصی ! فقال ما اوصی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم فأوصی ولکن اذا اراد اللہ بالناس خیراً استجمعھم علی خیرھم کما جمعھم بعد نبیھم علی خیرھم (وکذا فی الشافی صلا)

یعنی حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی گئی کہ حضور آپ وصیت کیوں نہیں فرماتے؟ شیر خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت نہیں فرمائی تھی تو میں کیسے وصیت کروں لیکن جب اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرے گا تو ان کو ان میں سے جو اچھا ہے اس پر اتفاق بخشے گا جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں سے جو اچھا تھا اسی پر اجماع اور اتفاق بخشا تھا۔

یہی روایات شیعوں کے علم الھدیٰ نے اپنی کتاب شافی مطبوعہ نجف اشرف صا۱۷ میں لکھیں۔

تحفہ حسینیہ، از ابوالحسنات محمد اشرف السیالوی غفرلہ

تتمہ مبحث وصیت :۔

ابو بکر احمد بن عبد العزیز نے اپنی سند کے ساتھ ہذیل بن شرحبیل سے نقل کیا ہے کہ طلحہ بن مصرف نے ان سے دریافت کیا:۔

(۱) انّ الناس یقولونَ إنّ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم اوصٰی إلٰی علیّ علیہ السلام فقال ابو بکر یتامرُ علٰی وصیّ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم ! وَدّ ابو بکر (رضی اللہ عنہ) انّہٗ وجد من رسول اللہ عھداً فخزم انفہٗ بہٖ (شرح حدیدی جلد ثانی صا۵)

لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف وصیت فرمائی تو انہوں نے کہا کیا ابو بکر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی پر امیر بن سکتے تھے؟ ابو بکر کی تو دلی خواہش تھی کہ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عہد پاتے تو اس کو اپنے ناک کی نکیل بناتے اور اسی کے مطابق عمل پیرا ہوتے۔

(۲) ابو بکر احمد بن عبد العزیز الجوہری نے ہی نقل کیا ہے کہ علی بن ہشام نے عاصم بن عمرو بن قتادہ سے نقل کیا ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

لقی علی علیہ السلام عمر فقال لہ علی انشدک اللہ ؛ ھل استخلفک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ؛ قال لا۔
قال فکیف تصنع انت وصاحبک ؟
قال اما صاحبی فقد مضی لسبیلہ واما انا فسا خلعہا من عنقی إلی عنقک فقال جدع اللہ انف من ینقذک منہا لا ولکن اللہ جعلنی علما فاذا قمت فمن خالفنی ضل
صہ ۵۸ ج ثانی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے ان سے کہا میں تجھے اللہ تعالیٰ کے نام اقدس کا واسطہ دے کر دریافت کرتا ہوں کیا تجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خلیفہ بنایا انہوں نے کہا نہیں تو آپ نے فرمایا تم اور تمہارے یار کیا کریں گے؟ انہوں نے کہا میرے یار اور ساتھی تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو چکے رہا میں تو میں ابھی خلافت کا بوجھ اپنی گردن سے اُتار کر تمہارے گلے ڈالتا ہوں تو آپ نے فرمایا:۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کی ناک کاٹے جو تمہیں اس خلافت سے دور کر دے۔ یہ مقصد نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے علم حق اور دلیل صدق بنایا ہے۔ جس وقت میں خلافت کے ساتھ قائم ہونگا تو جو شخص بھی میری مخالفت کرے گا گمراہ ہو جائے گا۔

اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں وصیت ہوتی تو آپ کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت پر عمل ضروری تھا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بھلا بھی اسی میں تھا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور وصیت کے برعکس عمل سے ان کو باز رکھا جاتا۔ لہذا حضرت عمر کے خلع پر آمادہ ہونے کے باوجود نہ آپ کا وصیت پر عمل کرنا اور نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عمل کرانا اس امر کی بین دلیل ہے۔ کہ خلافت سے متعلق کوئی وصیت موجود نہیں تھی ورنہ صحابہ کرام کے ساتھ ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے بھی حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت لازم آئے گی۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نیز یہ جملہ کہ اللہ تعالیٰ اِس شخص کی ناک کاٹے جو تمہیں خلافت سے دور کرے وصیت کے دعوے کو بیخ و بن سے اکھیڑ دیتا ہے۔ کیونکہ وعید اور سزا اور ناک کٹنے کا حق دار وہ شخص ہو گا جو خلاف شرع کرے نہ جو کہ شریعت اور حکم رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیل کرے۔

(۳) فقال العباس لعلی علیہ السلام: لا تدخل معهم وارفع نفسك عنهم قال انی اکرہ الخلاف قال اذن تریٰ ما تکرہ۔

(شرح حدیدی جلد اوّل صـ ۱۹۱)

حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا ان کے ساتھ شوریٰ میں شامل نہ ہونا اور اپنے آپ کو ارکانِ شوریٰ کی برابری اور ہمسری سے بالاتر رکھنا آپ نے کہا میں مخالفت کو ناپسند کرتا ہوں۔
حضرت عباس نے فرمایا تو پھر تجھے وہی کچھ دیکھنا پڑے گا جس کو ناپسند کرتے ہو۔ سبحان اللہ وصیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کو پسند کریں اور مخالفت فاروق کو پسند نہ کریں۔ یہ کیسی منطق اور دلیل ہے۔ لہٰذا اس سے صاف ظاہر کہ وصیت امامت و خلافت کا دعویٰ خلافِ واقع اور خلافِ حقیقت ہے۔

(۴) قطب راوندی نے روایت کیا کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے جب اہل شوریٰ کو کہا کہ اگر تم میں اختلاف پیدا ہو جائے اور تین تین میں تقسیم ہو جاؤ تو پھر ان تین کی اتباع کرنا جن میں عبد الرحمٰن بن عوف ہوں تو حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا:

ذھب الامر منا الرجل یرید ان یکون الامر فی عثمان فقال علی علیہ السلام وانا اعلم ذٰلِكَ ولکنی ادخل معهم فی الشوریٰ لانَّ عمر قد اھلنی الان للخلافۃ وکان قبل ذٰلِكَ یقول إنَّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان النبوۃ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

والامامة لا یجتمعان فی بیت فانا ادخل فی ذٰلك لا ظهر للناس مناقضة فعله لروایته (بحوالہ شرح حدیدی صفحہ ۱۸۹ جلد اول)

امر خلافت ہم سے چلا گیا اس شخص کا ارادہ یہ ہے کہ خلافت حضرت عثمان کے لیے حاصل ہو تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں بھی اس کو جانتا ہوں مگر اس کے باوجود میں شوریٰ میں اس لیے شامل ہو رہا ہوں کہ اب عمر بن الخطاب نے (شوریٰ میں شامل کرکے) مجھے خلافت کا اہل ثابت کر دیا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے کہا کرتے تھے۔ کہ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے نبوت اور امامت ایک گھرانہ میں اکٹھی نہ ہوں گی تو میں اس لیے شوریٰ میں داخل ہو رہا ہوں تاکہ اِن کے عمل کا روایت کے خلاف ہونا لوگوں پہ ظاہر کر دوں۔

قطب راوندی رئیس شیعہ کی اس روایت میں نظرِ انصاف کے ساتھ غور کرو تو وصیت کے دعویٰ کی بنیاد متزلزل بلکہ نیست و نابود ہو کر رہ جاتی ہے۔

اولاً اس لیے کہ وصیت پر گواہ پیش کرنا ان کی روایت کے رد میں زیادہ وقیع تھا بنسبت شوریٰ میں شامل ہو کر اِن کے عمل اور اِن کی روایت میں تضاد ثابت کرنے کے۔

ثانیاً محض حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا شوریٰ میں اِن کو نامزد کرنا ہی اِن کے عمل و روایت میں مناقضت ثابت کرنے کے لیے کافی تھا شمولیت کیوں ضروری سمجھی گئی؟

ثالثاً روایت بالفعل اجتماع کی نفی کر رہی تھی اور شوریٰ میں شامل کرنا صرف اہلیت پہ دلالت کرتا تھا لہٰذا عمل اور روایت میں مناقضت تھی ہی نہیں۔

رابعاً

جب شامل ہونے کے باوجود خلافت نہ ملی تو آپ کی صداقت ظاہر اور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

واضح ہوگئی نہ کہ مناقضت قول وفعل۔

خامسًا

کچھ بھی وصیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنا اور کرانا ضروری تھا۔ نہ کہ صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عمل اور روایت میں تضاد ثابت کرنا اہم تھا۔ ان کا تضاد تو ثابت ہونے سے رہا۔ خود آپ کے قول اور عمل میں تضاد و تخالف ثابت ہوگیا۔ کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے خلافت و امامت کی وصیت تھی تو شوریٰ میں شمولیت والا عمل اس کے خلاف ہے۔ اور اگر یہ عمل صحیح ہے تو دعویٰ وصیت اِس سے غلط ہوکر رہ جاتا ہے۔ اور عمل کا ثبوت تو شیعہ وسُنّی کے اجماع سے ثابت ہے۔ بلکہ بعد میں بیعت بھی لہٰذا وصیت کا دعویٰ باطل ہوکر رہ گیا۔ اور تضاد ثابت کرنے والے خود تضاد کا شکار ہوکر اپنے ذہنی دعویٰ کی اہمیت بلکہ صداقت کو ختم کر بیٹھے لہٰذا شیعہ صاحبان کا دعویٰ وصیت یقیناً حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کے عمل نے باطل کر دیا ہے اور اس کی صحت اور صداقت بالکل غلط ہوکر رہ گئی ہے۔

(۵) ابن قتیبہ نے حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ سے منقول بعض غرائب کلام کی شرح کی۔ من جملہ غرائب کلام کے آپ کا شوریٰ کے دن یہ ارشاد بھی ہے:۔

إنّ لنا حقًّا ان نعطه ناخذہ وإن نمنعہ نرکب اعجاز الابل وإن طال السری، لو عهد الینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عهدًا لجالدنا علیہ حتی نموت او قال لنا قولاً لانفذنا قولہ علی رغمنا۔ لن یسرع احدٌ قبلی إلیٰ صلة رحم ودعوة حق والامرُ الیک یابن عوف علیٰ صدق النیة وجهد النصح واستغفر اللہ لی ولکم۔

بحوالہ شرح حدیدی صـ۱۳۲ جلد نمبر ۱۱۔ وکذا صـ۱۹۵ جلد اول شرح ابن

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ابی الحدید الشیعی المعتزلی ۔

ہمارے لیے حق ہے اگر ہمیں دیا جائے تو اس کو لے لیں گے اور اگر اس سے روک دیئے گئے تو اونٹوں کے پچھلے حصے پر سوار رہیں گے اگرچہ مسافت طویل ہی کیوں نہ ہو گئی ۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف عہد فرماتے تو ہم اس کے نفاذ پر جرأت وجلادت سے کام لیتے حتی کہ جان دے دیتے یا ہمیں کوئی فرمان دیتے تو ہم آپ کے فرمان کو نافذ کرتے ۔ اپنی خواہش کے برعکس یا اپنی مشقت وتکلیف کے باوجود ۔ مجھ سے کوئی شخص صلہ رحمی اور دعوت حق میں سبقت نہیں لے جا سکتا اے عبدالرحمٰن بن عوف! اب معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہے ۔ صدق نیت اور پوری ہمدردی وخلوص کی بنا پر اس کو سرانجام دو!

اس خطبے میں وضاحت فرما دی کہ ہمارے حق میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی عہد وپیمان نہیں ہے ۔ اور نہ ہی ایسا کوئی فرمان ورنہ ہم اس کو ہر حال میں پورا کرتے ۔ خواہ جان ہی کیوں نہ دینی پڑتی ۔

اور جو حق آپ نے اپنا سمجھا وہ قرابت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ہے ۔ نہ کہ وصیت کی وجہ سے اس لیے فرمایا اگر مل جائے تو ٹھیک نہ ملے تو ہر مشقت اور تکلیف برداشت کرنے کو تیار ہیں کیونکہ اونٹ کے پچھلے حصے پر سوار کو زیادہ مشقت اٹھانا پڑتی ہے ۔ اور یا یہ مقصد ہے کہ ہم دوسروں کے پیچھے چلنے اور ان کی اتباع کرنے پر تیار رہیں ۔ جیسے اونٹ کے پچھلے حصے پر سوار اگلے حصے پر سوار ہونے والے شخص کے تابع ہوتا ہے ۔ اس سے بھی وصیت اور وجوب حق کی نفی ہو جاتی ہے ۔

وصیت و وراثت والی روایات کا معنی ومفہوم

الغرض وصیت اور عہد کی نفی پر بہت سی روایات شاہد صادق ہیں اور جن روایات میں وصیت اور وراثت کا ذکر ہے ان کا وہ معنی نہیں جو شیعہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

صاحبان نے مراد لیا ہے جیسے کہ ابن ابی الحدید معتزلی شیعی نے تصریح کی ہے۔

قال رضی اللہ عنہ وفیہم الوصیۃ والوراثۃ امّا الوصیۃ فلا ریب عندنا ان علیاً علیہ السلام کان وصیّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وان خالف فی ذٰلک من ھو منسوبٌ عندنا۔ إلی العناد ولسنا نعنی بالوصیۃ النص والخلافۃ ولکنّ اموراً اخریٰ لعلہا اذا لمحت کانت اشرف واجل واما الوراثۃ فالامامیۃ یحملونہا علی میراث المال والخلافۃ و نحن نحملہا علی وراثۃ العلم۔

(صـ۱۴۰ شرح حدیدی جلد اوّل)

آپ نے فرمایا۔ اہل بیت میں وصیت ہے اور ان میں وراثت ہے۔ رہی وصیت تو اس میں ہمارے نزدیک ریب و تردد کی مجال نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی تھے۔ اگرچہ اس میں ان لوگوں نے مخالفت کی جو ہمارے نزدیک عناد کی طرف منسوب ہیں لیکن وصیت سے یہ مقصود نہیں کہ آپ کے حق میں نص خلافت وارد ہے۔ بلکہ دوسرے امور ہیں کہ عین ممکن ہے کہ اگر وہ ظاہر ہوں اور ان کا انکشاف ہو جائے۔ تو وہ خلافت سے بھی بلند و بالا معلوم ہوں۔ اور وراثت کے لفظ سے امامیہ میراث مال اور خلافت مراد لیتے ہیں لیکن ہم اس کو وراثت علم پر منطبق کرتے ہیں۔

نصّ صریح وقطعی اور وصیۃ وغیرہ کا انکار

ابن ابی الحدید نے سقیفہ بنو ساعدہ میں صحابہ کرام علیہم الرضوان اور مہاجرین وانصار میں ہونے والے مناظرہ ومباحثہ پر مشتمل بہت سی روایات ذکر کرنے کے بعد کہا:۔

واعلم انّ الاخبار والآثار فی ھٰذا الباب کثیرۃٌ جداً

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ومن تأملها وانصف علم انّهٗ لم يكن هناك نص صريحٌ و مقطوع به لا تختلجه الشكوك ولا تتطرق اليه الاحتمالات كما تزعم الامامية (إلى) ولاريب انّ المنصِف اذا سَمِعَ ما جرىٰ لهم بعد وفاة رسول الله صلّى الله عليه وسلم يعلم قطعاً انّه لم يكن هذا النصّ ولكنَ قَدْ سَبَقَ الى النفوس و العقول انّهٗ قد كان هناك تعريضٌ وتلويح و كناية وقول غير صريح وحكم غير مبتوت و لعلّه يصدهٗ عن التصريح بذٰلك امر يَعْلَمُهٗ ومصلحةٌ يراعيها او وقوفٌ مَعْ اذن الله تعالىٰ فى ذلك۔

(شرح حدیدی صفحہ ۵۹، جلد ثانی)

اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین رکھئے کہ آثار و اخبار باب خلافت اور عہد و پیمان کے عدم ثبوت اور تحقیق و اثبات میں بہت زیادہ ہیں اور جو شخص ان میں غور و تامل کرے۔ اور انصاف سے کام لے اسے قطعی اور حتمی علم اس بات کا ہو جاتا ہے کہ اس ضمن میں کوئی نص صریح اور قطعی موجود نہیں جس میں شکوک و شبہات اور احتمالات کی گنجائش نہ ہو جیسے کہ امامیہ فرقہ کا دعویٰ ہے۔

ہر منصف آدمی جب وہ واقعات اور معاملات سنتا ہے جو وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیش آئے۔ تو اسے یہ یقین ہو جاتا ہے۔ کہ امر خلافت میں کوئی نص موجود نہیں تھی (نہ ابو بکر صدیق کے لیے اور نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے لیکن نفوس و عقول اصحاب میں یہ امر سبقت لے جا چکا تھا کہ کچھ اشارات اور تلویحات موجود ہیں اور تعریفات و کنایات اور غیر صریح اور غیر یقینی احکام (جن سے بعض حضرات نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پہ استدلال کیا اور بعض حضرات نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو راجح

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اور مقدم خیال کیا۔

اور عین ممکن ہے کہ کوئی امر مانع نگاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسا ہو جس کے تحت آپ نے تصریح نہ فرمائی ہو اور کوئی مصلحت ایسی پیش نظر ہو جس نے تصریح کی رخصت نہ دی ہو۔ یا آپ اللہ تعالیٰ کے اذن کے منتظر رہے ہوں۔ اور اس کا اذن وارد نہ ہوا۔

ابو جعفر نقیب البصرہ شیعی کا نظریہ

اس ضمن میں رئیس اہل التشیع نقیب الاشراف لاہل البصرۃ کا اعتراف بھی ملاحظہ فرماتے جائیں :۔

قلت قرأت هذا الخبر على ابي جعفر يحيىٰ بن محمد العلوى الحسينى . المعروف با بن ابي زيد نقيب البصرة رحمة الله تعالىٰ فى سنة عشر وستمائة من كتاب السقيفة لاحمد بن عبد العزيز لاحمد بن عبد العزيز الجوهرى قال لقد صدقت فراسة الحباب (الیٰ) فما زال يقرّرُ لا بن عمّہٖ قاعدة الامر بعدہٗ حفظاً لدمه ودماء اهل بيتہٖ فانّهُمْ اذا كانوا ولاة الامرِ كانت دماء هُمْ اقربُ إلى الصيانةِ والعصمةِ ممّا اذا كانوا سوقة تحتَ يدوال مِنْ غيرهم فلمْ يساعدہٗ القضاء والقدر وكان من الامر ما كان ثم افضى إلى ذريتہٖ فيما بعد الى ما قد علمت -

(شرح حدیدی جلد ثانی ص۵۳)

شارح نے کہا میں نے سقیفہ میں انصار و مہاجرین کی باہمی گفتگو پر مشتمل روایت احمد بن عبدالعزیز جوہری کی کتاب سے ابو جعفر یحییٰ بن محمد علوی حسینی المعروف

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ابن ابی زید نقیب بصرہ پر پڑھی جس میں حباب بن منذر کا یہ قول منقول ہے منا امیر ومنکم امیر ایک امیر ہم سے ہو اور ایک تم میں سے ہمیں بخدا تم پر کوئی حسد نہیں ہے۔ لیکن ہمیں یہ اندیشہ ہے۔ کہ تمہارے بعد امر خلافت کے وارث وہ لوگ ہو جائیں جن کی اولاد۔ بھائی اور باپ دادے ہمارے ہاتھوں قتل ہوئے۔ تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا اگر ایسا وقت آیا تو میں ان کی مخالفت کروں گا۔ اگر مجھ میں ہمت وطاقت ہوئی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا ہم امراء ہیں تو تم وزراء ہو اور امر خلافت ہمارے درمیان مشترک ہو گا۔ تو انصار نے بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی اور سب سے پہلے نعمان بن بشیر کے والد حضرت بشیر بن سعد انصاری نے بیعت کی۔ تو ابو جعفر نقیب نے کہا۔ کہ حباب بن المنذر کی رائے درست نکلی کیونکہ جس امر کا انہیں خوف تھا حرہ کے موقعہ پر وہ پیش آگیا۔ اور انصار سے مشرکین بدر کے قتل کا بدلہ وصول کیا گیا۔ پھر انہوں نے کہا کہ یہی خوف رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو درپیش تھا۔ کہ اگر میرے اہل بیت بطور رعایا رہے تو ان کے لیے سخت خطرات ہیں لہذا ہمیشہ اپنے چچا زاد بھائی (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کے لیے امارت وحکومت کا راستہ ہموار کرتے رہے تاکہ ان کا اور جملہ اہل بیت کا خون اور جانیں محفوظ رہیں لیکن قضاء وقدر نے آپکا ساتھ نہ دیا۔ اور جو ہونا تھا ہو گیا۔ اور بعد ازاں آپ کی ذریت کا معاملہ جس انجام کو پہنچا۔ وہ تجھے معلوم ہی ہے۔ الغرض ابوجعفر نقیب بصرہ کے اس بیان سے واضح ہو گیا کہ گو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قلبی خواہش یہی تھی کہ حکومت کی باگ ڈور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کی اولاد کے ہاتھ میں ہو لیکن قضاء وقدر نے اور اللہ تعالے کے ازلی فیصلہ نے آپ کا ساتھ نہ دیا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خواہش پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکی۔ اور یہی ابن ابی الحدید نے کہا۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اذن باری تعالی کے منتظر تھے۔ لیکن اذن نہ ملا۔ اس لئے آپ نے اعلان نہ فرمایا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اِذن نہ ملنے کی حکمت و مصلحت

جب شیعہ صاحبان اس حقیقت کے مدعی ہیں اور اسے عین ایمان سمجھتے ہیں کہ قوم قریش کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے قلبی کدورت تھی اور کینہ و عداوت اور پیغمبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی خلافت کا بھی اعلان فرما دیتے اور ان کے لیے وصیت بھی فرما دیتے تو گویا اپنے ہاتھوں اسلام کے تعمیر شدہ قلعہ میں دراڑیں ڈالنے اور اسے مسمار کرنے کی بنیاد فراہم کرتے اور وہ ہستی مقدس جو لوگوں کو حکمت کا درس دینے کے لیے مبعوث ہوئی تھی وہ خود خلافِ حکمت اور مصلحت کیونکر کرتی۔ اور جس اسلام کی نشو و نما کے لیے سینکڑوں جانوں کو قربان کیا تھا۔ اور ان کے خون سے اِس مبارک درخت کی آبیاری کی تھی اِس کی جڑوں پہ خود ہی کلہاڑا رکھ دیتے صرف اپنی اولاد اور اپنے چچا زاد کی ممکنہ تکلیف کے پیش نظر۔

لہذا یا شیعہ صاحبان کو اِس نظریہ سے دست بردار ہونا چاہئے کہ اِن میں رحماء بینھم والی صفت موجود نہیں تھی اور آپس میں بغض و کینہ موجود تھا اور علی الخصوص علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہٗ جیسے محسنِ اسلام کے ساتھ اور یا اس دعوٰی سے دست بردار ہونا چاہیے کہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہٗ اور ان کی اولاد کے حق میں خلافت کی وصیت اور اس کا اعلان فرمایا۔ کیونکہ یہ دونوں باتیں بہرحال جمع نہیں ہو سکتیں اور شیعہ صاحبان کو یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خلافت کا دعوٰی کرنے اور اِس کے لیے طاقت استعمال کرنے سے صرف اِس لیے گریز کیا کہ اسلام کو نقصان نہ پہنچے۔ تو جو حکمت علی حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کو سمجھ آ گئی وہ خود سید الانبیاء، امام الحکماء اور معلّم حکمت صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں سمجھ میں نہ آئی؟

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے اختلاف ونزاع سے دور رہنے کی وصیت

بلکہ یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے۔ کہ خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو وصیت فرمائی تھی کہ خلافت کے لیے نزاع و اختلاف سے دور رہنا جیسے کہ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ کے کلام سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔

أذا المیثاق فی عنقی لغیری رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ان خلفاء کی اطاعت کا حکم دیا تھا لہٰذا میرے لیے اس کا خلاف ممکن نہیں ہے۔ اور اسی طرح آپ نے فرمایا: مجتنی الثمرۃ قبل ایناعھا کالزارع بأرض غیرہ کہ پھل پکنے سے پہلے توڑنا اور چننا ایسے ہے جیسے دوسرے کی زمین میں بیج بونا اور کھیتی باڑی کرنا یعنی بلا اذن و اجازت جس کا صاف اور واضح مطلب یہ ہے کہ ابھی میری خلافت کا وقت ہی نہیں آیا۔ تو میں قبل از وقت وصیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے برعکس کس طرح امامت و خلافت کا دعویٰ کر دوں؟ تفصیل عنقریب آتی ہے؟ لہٰذا واضح ہو گیا کہ سرورِ انبیاء علیہم التحیۃ والثناء نے اسلام کا تحفظ اور اس کی نشوونما اور ترویج و اشاعت کو مقدم سمجھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو ثانوی حیثیت دی۔

مقتضائے حکمت کیا تھا؟

یہ حقیقت محتاجِ بیان نہیں کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں دیگر قبائل کے لوگ قتل ہوئے تھے تو آپ کے قبیلہ کی عظیم شخصیات بھی دوسرے لوگوں کے ہاتھوں شہادت کے درجہ تک پہنچی تھیں۔ مثلاً حضرت ابوعبیدہ بن الحارث

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہما اور دیگر حضرات لہٰذا دو طرفہ امکان کین کشی اور انتقام کا موجود تھا۔ تو لامحالہ حکمت و مصلحت کا تقاضا ہی یہ تھا کہ بجائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں وصیت کرنے کے ایسے حضرات کو آگے لایا جاتا جن پہ ہر فریق مطمئن ہو سکتا تھا اور وہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی ذاتِ مقدسہ تھیں اس لیے ان کے دور میں اسلام کو وہ ترقی نصیب ہوئی اور ترویج و اشاعت کہ تاریخ عالم اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے اور اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ اختلاف و نزاع سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اور وصیت کے ذریعے پابند کر دیا۔ گویا اگر وصیت آپ کی طرف سے ہے۔ تو ان حضرات کا ساتھ دینے کی اور موافقت و معاونت کی نہ کہ خود ان کے خلیفہ بلا فصل ہونے کی۔

علاوہ ازیں اس طریقۂ خلافت سے جس کو شیعہ صاحبان نے اختراع کیا ہے۔ خود ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم بھی موردِ طعن و تشنیع بن سکتی تھی کہ آپ کا مقصد اپنے اقرباء اور اپنی اولاد کی شخصی حکومت قائم کرنا تھا۔ اور نبوت و رسالت کو اس کے حصول کے لیے ذریعہ و واسطہ بنایا جس سے خود آپ کی نبوت و رسالت کے متعلق شکوک و شبہات پیدا ہو سکتے تھے۔ لہٰذا یہ طریقہ سراسر خلافِ مصلحت اور منافی حکمت تھا۔ اس لیے آپ سے اس کا صادر ہونا ناممکن تھا۔

انوکھی وصیت

دنیا میں جس بادشاہ اور حکمران نے کسی کو اپنا نائب اور جانشین نامزد کیا اور ولی عہد بنایا کسی کے متعلق اختلاف پیدا نہ ہوا صرف حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ولی عہدی اور وصیت خلافت ہی ہے جو اہل اسلام کے لیے معمہ بن کر رہ گئی۔ اور اس میں شکوک و شبہات پیدا ہو گئے۔ کیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل دوسرا ہر حکم آپ بیان فرما سکتے تھے۔ صرف ولی اور خلیفہ بلا فصل مقرر کرنے کا طریقہ طے نہ فرما سکے اور اس راہ میں حائل موانع اور شکوک و شبہات کو ختم نہ فرما سکے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نعوذ باللہ من ذالک ۔ اور یہ صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات تک محدود نہیں اولاد میں اِس قدر اختلاف پیدا ہوئے کہ جس سے خود شیعہ صاحبان دُو درجن فرقوں میں تقسیم ہو کر رہ گئے جس سے صاف ظاہر کہ وصیت علانیہ کسی کے حق میں نہیں پائی گئی ۔ ورنہ یہ اختلافات رونما نہ ہوتے اور علی الخصوص انصار کبھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہ چھوڑتے کیونکہ ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات مقدسہ سے کوئی رنج اور تکلیف نہیں پہنچی تھی ۔ کہ ذاتی کینہ و بغض اور عناد کی وجہ سے ان کو اس مخالفت پر کربستہ سمجھ لیا جائے ۔ اور اپنی دنیوی وجاہت انہوں نے ویسے مدنظر نہیں رکھی تھی ۔ ورنہ ابو بکر صدیق کی بجائے اپنے لیے خلافت کو مختص کر لیتے ۔ اور ایسا کم عقل کون ہو سکتا ہے ۔ کہ دین اور دنیا دونوں کو خیر باد کہہ دے ۔ بلکہ کسی کی دنیا کے لیے اپنے دین کو قربان کر دے ۔ اور بالخصوص وہ فریق جس کی شان ایثار اور قربانی اور خدماتِ اسلام و اہل اسلام کا قرآن گواہ ہو اور اگر وصیت بطورِ رازداری اور اسرار پائی گئی ہے تو امت اِس کی پابند ہی نہیں لہٰذا محل نزاع میں اس کو پیش کرنے کا کوئی جواز نہیں ۔

تنزیہہ الامامیہ — از علامہ ڈھکو صاحب

۱۔ حضرت شیخ الاسلام کی ذکر کردہ وصیت کے متعلق روایات کے جواب میں ڈھکو صاحب نے سارا زور اس پر صرف کیا ہے کہ یہ صرف اہل سنت کی روایات ہیں اور جناب علم الہدیٰ نے ان کا رد کرنے کے لیے ان کو نقل کیا ہے جبکہ شیعہ کتب وصیت خلافت سے متعلق روایات سے بھری پڑی ہیں لہٰذا ان کے مقابل ان روایات کے پیش کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے ۔ اس لیے شیعانِ حیدر کرار تمام تر مذہبی اختلاف کے باوجود ان روایات کے منکر ہیں اور ان کا رد کرتے ہیں جن میں وصیتِ خلافت کا انکار ہے ۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

۲۔ جن روایات کے ساتھ ہم استدلال کرتے ہیں وہ متفق علیہ ہیں ان کے روایت کرنے والے اور تصحیح کرنے والے خود اہل سنت بھی ہیں جس طرح شیعہ جبکہ معارضہ میں پیش کی جانے والی روایات صرف اہل سنت کی نقل کردہ ہیں نہ کہ شیعہ کی۔ یا ان کے راوی متعصب اور منحرف ہیں لہٰذا مقام معارضہ میں ان کے پیش کرنے کا کوئی جواز نہیں۔

تحفہ حسینیہ

از ابوالحسنات محمد اشرف السیالوی عفی عنہ

جہاں تک وصیت کے ثبوت اور تحقق کا معاملہ ہے۔ تو اس کے متعلق آپ ابو جعفر نقیب بصرہ اور ابن ابی الحدید شیعی کی رائے ملاحظہ کر چکے اول الذکر اس کے قائل کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی خیال مبارک یہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کریں۔ اور وصیت فرمادیں لیکن قضا و قدر نے آپ کی موافقت نہ کی اور خداوند تعالیٰ کی قضا، اور اس کی تقدیر کا تسلیم کرنا ہر مومن پہ لازم ہے۔ چہ جائیکہ نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم جو تسلیم و رضا کا درس دینے کے لیے مبعوث ہوئے۔ اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا رضینا عن اللہ قضاءہ وسلمنا لِلّٰہِ امرہ۔ کہ ہم اللہ تعالیٰ کی قضا پہ راضی ہوئے۔ اور اللہ تعالیٰ کے امر کو تسلیم کیا اور ابن ابی الحدید صاحب نے ببانگ دہل کہا ہے کہ کوئی ایسی نص صریح اور حتمی دلیل خلافت و وصیت کی موجود نہیں ہے۔ لہٰذا یہ دعویٰ علم الہدیٰ صاحب کا کہ تمام تر شیعہ نص خلافت اور وصیت کے قائل ہیں خواہ امامیہ خواہ غیر امامیہ قطعاً غلط ہے۔

نیز جن کتب سے اس ضمن میں حوالے پیش کئے جاتے ہیں وہ سُنی ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ حقائق نگاری اور واقعات کی نقل بلا تعصب مذہب کے پیش کیے جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ تمام تر شیعہ صاحبان کو ان کتب کا سہارا لینا پڑتا ہے خود وہ افندی کے خطبات قطع و برید کر کے صاحب نہج البلاغۃ نے ذکر کئے ہیں لہٰذا ان کتب کے وہ حوالہ جات جو مفید مطلب ہوں لے کر اس پہ مذہب کی بنیاد رکھ لینا اور دوسروں کو غلط اور موضوع روایات کہہ دینا اور ان کے راویوں کو متعصب اور اہل بیت سے منحرف قرار

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

دے دینا ایسی نا روا تفریق ہے اور دھاندلی جس کا دنیا ئے علم و تحقیق اور جہان عدل و انصاف میں کوئی جواز نہیں ہے۔

پھر یہ بات بھی خیال شریف میں رہے کہ احمد بن عبد العزیز جوہری وغیرہ جن کے حوالے ابن ابی الحدید نے نقل کئے ہیں وہ اہل سنت ہی نہیں چہ جائیکہ ان کو اس مذہبی تعصب میں مبتلا سمجھا جائے۔ اور فضائل اہل بیت کرام سے اہل سنت کی کتابیں بھری پڑی ہیں لہٰذا ان کے حق میں کس قسم کی بدظنی اور طعن و تشنیع کا مطلب ہی کیا ہو سکتا ہے؟ آخر دوسری روایات جن کو متفق علیہ قرار دیا گیا ہے وہ انہیں اہل السنت کی نہیں؟ اور ان کے راوی ان کے اہل مذہب نہیں ہیں۔

مزید برآں ہم دلائل عقل و نقل سے یہ ثابت کر چکے ہیں کہ وصیت خلافت کی کوئی روایت موجود ہی نہیں اور اگر ہے تو اس کا وہ معنی ہی نہیں ہے۔ بلکہ محض وصیت کا لفظ دیکھ کر مطمئن ہو جانے والی بات ہے حالانکہ نزاع نہ لفظ وصیت میں ہے اور نہ لفظ وراثت میں بلکہ اس کے مخصوص معنی میں یوں تو ساری امت وصی ہے۔ اور وارث بھی۔ آپ نے ان کو وصیتیں بھی فرمائیں۔ اور علوم نبویہ اور آپ کی شریعت مقدسہ ان کے پاس ہے لہٰذا وصی بھی ہوئے اور وارث بھی العلماء ورثۃ الانبیاء اور خود شیعی کتب سے ہم نے بھی ثابت کیا ہے اور حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے بھی جیسے کہ آپ کی درج کردہ اگلی روایات سے ظاہر ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو وصیت فرمائی تو وہ یہی تھی کہ ان حضرات صحابہ اور خلفاء کے ساتھ اختلاف نہ کرنا اور ان کی موافقت و معاونت کرنا۔

اس تعارض کو دور کیجئے

اگر ایک طرف یہ روایات ہوں اور دوسری طرف خلافت کی وصیت ہو تو ان میں کھلا اور واضح تعارض ہے جس کو دور کرنے کی کوئی صورت ہی نہیں۔ آپ خلیفہ ہیں تو دوسرے باغی اور قاسط لہٰذا ان کے ساتھ مقابلہ ضروری ہے اور کم از کم عدم تعاون اور اگر موافقت اور تعاون اور ترک نزاع و ترک مناقشت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ضروری ہے۔ تو پھر خلافت کی وصیت غلط ہے۔ مثلاً کسی کو قاضی مقرر کر دیا جائے لیکن قضاء اور فیصلہ کرنے سے روک دیا جائے۔ یا دوسرے قاضی کی متابعت کا پابند کر دیا جائے۔ تو کون کہے گا کہ واقعی اس کو قاضی بنا دیا گیا ہے۔ الغرض جو کچھ ثابت ہو سکے گا۔ وہ صرف اس قدر ہو گا کہ اگر تمہیں خلیفہ بنا دیا جائے۔ تو بہتر ہے۔ کیونکہ تمہارے اندر اہلیت و صلاحیت موجود ہے اور اس میں اہل سنت کو کیا اختلاف ہے جو آپ کو چوتھا برحق خلیفہ تسلیم کرتے ہیں اور جس میں اختلاف ہے وہ ان روایات کی موجودگی میں ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ خلیفہ تو آپ ہوں اور اتباع دوسرے حضرات کی آپ پر لازم ہو۔ اذا المیثاق فی عنقی لغیری یہ بالکل غیر معقول بات ہے جو عام عقل مند آدمی بھی نہیں کر سکتا چہ جائیکہ سرچشمۂ عقل و دانش و معدن علم و حکمت۔

لہٰذا نہ تواتر وصیت کا دعویٰ درست ہے اور نہ انکار وصیت کے راویوں پر یہ الزام ہی درست ہے۔ اور نہ ہی تمام تر شیعہ کے متعلق یہ دعویٰ ہی درست ہے۔ کہ وہ انکار وصیت کی روایات کو رد کرتے ہیں لہٰذا صاحب شافی کا یہ واویلا قطعاً غلط ہے۔

متفق علیہ پر عمل اور مختلف فیہ کا ترک کوئی صحیح اصل اور قاعدہ نہیں

رہا صاحب شافی کا یہ دعویٰ کہ ہماری طرف سے جو روایات قاضی القضاۃ نے مغنی میں نقل کی ہیں، ان میں فریقین کا اتفاق ہے اور دوسری روایات میں یا اہل سنت منفرد ہیں یا ان کے راوی متعصب اور منحرف ہیں یہ طرز استدلال ہر جگہ کام نہیں دے سکتی اور نہ ہی اس میں کوئی معقولیت ہے۔ بلکہ یوں کہا جا سکتا ہے۔ اور یہ کہنا بالکل بجا ہے۔ کہ یہ طرز یہود و نصاریٰ سے ماخوذ ہے اور ان کا عطیہ ہے۔ کیونکہ اہل اسلام کے مقابلہ میں ان کا بھی انداز یہی ہوتا ہے۔ کہ نبوت عیسیٰ و موسیٰ علیہما السلام متفق علیہ ہے اور نبوت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم مختلف فیہ علیٰ ہذا القیاس فضائل و کمالات موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام متفق علیہ ہیں اور فضائل و کمالات محمدیہ مختلف فیہ لہٰذا عقل کا تقاضا یہ ہے کہ مختلف فیہ کو چھوڑ کر

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

متفق علیہ پر عمل کیا جائے۔ اور اس کے تقاضا کو پورا کیا جائے اگر علم الہدٰے صاحب کا یہ نسخہ ہدایت تیر بہدف ہے۔ تو یہود و نصاریٰ کا کیوں نہیں اور وہ غلط ہے۔ تو یہ صحیح کیسے ہو سکتا ہے؟

اور یہی استدلال خوارج و نواصب کا بھی ہے۔ کہ شیخین رضی اللہ عنہما کی خلافت ان کے دور میں متفق علیہ تھی اور کوئی نزاع و خلاف ان کے ساتھ خلافت کے معاملہ میں نہیں تھا۔ اگر ہوا تو برادرانہ شکر رنجی کے طور پہ تھا۔ کہ ہمیں شریک مشورہ کیوں نہ کیا گیا۔ یا ان کی خلافت کے بعد غلط فہمیاں پیدا کر کے لوگوں کو بہکایا اور ورغلایا گیا نہ کہ ان کے دور میں جبکہ حضرت علی رضہ کے ساتھ ان کے دور خلافت میں نزاع و خلاف رہا اور جنگ و جدال اور قتل و قتال تک نوبت پہنچی اور بالآخر تحکیم نے آپ کی خلافت کو مخدوش کر کے ہی رکھ دیا لہٰذا عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ مختلف فیہ کو چھوڑ کر متفق علیہ کو اختیار کیا جائے۔ تو کیا یہ استدلال درست ہے اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو اس طرز استدلال کو نص خلافت و وصیت میں کیوں حرف آخر سمجھ لیا گیا ہے۔

مختلف فیہ روایات کیوں اور کیسے؟

ہم قبل ازیں اس طرف اشارہ کر چکے ہیں کہ غالی شیعوں نے اپنا دین و ایمان اس کو سمجھ رکھا ہے کہ فضائل اصحاب اور ان کی حقانیت خلافت کی مقدور بھر کوئی روایت ذکر نہیں کرنی اور کر بھی دی تو ایسی تحریف اور تغیر و تبدیل کے بعد اور قطع و برید کے بعد کہ اصل معنی و مفہوم بدل جائے یا حقیقی مقصد کسی کو سمجھ نہ آسکے۔

نہج البلاغۃ جیسی کتاب میں شریف رضی جیسے آدمی نے جو خطبات مرتضویہ پر خود قینچی چلائی اور عبارات میں قطع و برید کی اور جو ذکر کیں ان کی ترتیب میں ایسی گڑبڑ کی کہ ابن میثم جیسا معقول شیعی شارح بھی چلا اٹھا اور اسے کہنا پڑا" ہذا خبط عجیب من السید" یہ عجیب خبط اور تغیر و تبدیلی ہے اور اصل عبارت جو شیخین کی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

فضیلت پر دلالت کرتی تھی۔

انَّ مکانھما فی الاسلام لعظیم وان المصاب بھما لجرحٌ فی الاسلام شدید الخ یعنی شیخین ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا مقام اسلام میں بہت بلند ہے اور ان کی وفات اسلام کے لیے ناقابل تلافی نقصان اور گہرا زخم ہے اس کو بالکل چھوڑ دیا اور کہیں چار و ناچار حضرت ابوبکر یا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی فضیلت جو زبان مرتضیٰ رضی اللہ عنہٗ سے صادر ہوئی ذکر کر دی مگر نام مبارک کی جگہ فلاں کا لفظ لکھ دیا وغیرہ وغیرہ کیا ان حرکات اور تلبیسات کے بعد بھی ان روایات کا جو شیعہ صاحبان نے خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی تنقیص شان اور ان کی خلافت پر تنقید و تنقیص میں ذکر کی ہیں کوئی وزن ہو سکتا ہے؟

مفید مدعیٰ قوت دلیل ہے:

لہذا یہ حقیقت تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ مدعیٰ کا اثبات قوت دلیل اور اسکی واقعیت پر ہے نہ کہ متفق علیہ ہونے پر اور جو روایات فضائل اصحاب اور ان کی صحت خلافت میں پیش کی گئی ہیں اور وہ عبارات جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہٗ نے شیخین رضی اللہ عنہما کی خلافت کو خلافت الہیہ اور منصوص من اللہ قرار دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کا ایفا "وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض الآیۃ" قرار دیا اس کے بعد وصیت اور نص خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کے حق میں ثابت کرنا ان کو جھٹلانے کے مترادف ہے اور ان پر بہتان اور افترا پردازی کے برابر بلکہ اس صورت میں ان کے حق میں قرآن کی غلط تفسیر کرنے اور خدا تعالیٰ پر بہتان باندھنے اور افترا کرنے کا اعتقاد لازم آئے گا لہذا ایسی روایات قطعاً غلط ہیں اور ناقابل اعتبار اور یا ان کا وہ معنی نہیں جو شیعہ مراد لیتے ہیں شیعہ کے وصیت و وراثت کے الفاظ سے استدلال کی بالکل وہی صورت ہے جیسے کہ کوئی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کہے العیاذ باللہ کہ اللہ تعالٰے کے لیے میراث ثابت ہے کما قال اللہ تعالٰی لِلّٰہِ میراث السموات والارض، وغیر ذلک جیسے کہ انسانوں کے لیے ثابت ہوتی ہے لہٰذا دونوں وراثت کے معاملے میں برابر ہیں نعوذ باللہ حالانکہ لفظ وراثت ثابت ہے نہ وہ معنی و مقصد جو انسانوں میں ثبوتِ وراثت کے لیے ہوا کرتا ہے فتأمل حق التامل!

علامہ ڈھکو صاحب کا جھوٹا دعویٰ

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے وصیت کے متعلق پہلی دو روایات تلخیص الشافی کے حوالے سے نقل فرمائیں جن کے متعلق ڈھکو صاحب فرماتے ہیں۔ سو قارئین پر مخفی نہ رہے کہ ان روایات کے نقل کرنے میں مؤلف نے کئی قسم کی خیانت کی ہے۔

(الف) یہ بے سروپا روایات کتاب الشافی کے ص۱۷۱ پر ہیں نہ کہ تلخیص کے ص۲۴۲ پر جس کا مؤلف نے حوالہ دیا ہے۔

(ب) پہلی روایت جو باسناد حکیم اور ابووائل مروی ہے۔ وہ وہاں ان الفاظ کے ساتھ موجود نہیں بلکہ اس کے الفاظ وہ ہیں جو مؤلف کی نقل کردہ تیسری روایت کے ہیں۔ اور اس عنوان کی کوئی روایت ان صفحات پر نہیں ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف کے پاس اصل کتاب موجود نہیں ہے۔ یا اسے دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی بلکہ مناظرہ کے کسی رسالہ یا کتاب سے نقل کرنے پر اکتفاء کیا ہے۔

الجواب وھو الملھم للصدق والصواب

علامہ موصوف نے خود ہی تلخیص الشافی کے مذکورہ صفحات دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی اور الزام حضرت شیخ الاسلام؁ کو دے رہے ہیں گویا ؎

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ڈھکو صاحب ذرا تکلیف فرما کر تلخیص کو دوبارہ دیکھیں یہ دونوں روایات جن میں سے پہلی ابو وائل اور حکیم سے مروی ہے اور دوسری صعصعہ بن صوحان سے وہ دونوں تلخیص کے ص۳۰ پر موجود ہیں اور بالکل انہی الفاظ کے ساتھ جو رسالہ مذمت شیعہ میں موجود ہیں اور تیسری روایت کا صفحہ ۱۷۱ درج کیا گیا ہے اور شافی کا حوالہ دیا گیا ہے۔ الغرض پہلی دونوں روایات شافی اور تلخیص دونوں میں موجود ہیں، اگرچہ پہلی روایت کے الفاظ میں اختلاف ہے مگر مفہوم ایک ہے اور اس لیے اس کو بحوالہ شافی الگ کر کے ذکر کیا گیا ہے اور چوتھی روایت صرف شافی کے صفحہ ۱۷۱ کے حوالے سے مذکور ہے۔ لہٰذا ان حوالہ جات میں تو کوئی خیانت نہیں صرف ڈھکو صاحب کی کاہلی اور سستی اور تغافل نے اس جھوٹے دعوے کو جنم دیا ہے۔ حوالہ پھر نوٹ فرمالیں تلخیص الشافی ص۳۰ سطر نمبر ۶ سے وہ عبارت اس طرح شروع ہوتی ہے۔

فإن قيل كيف تستدلون على انه استخلفه بعد الوفاة بما ذكر تموه وقد روى عن ابى وائل والحكيم۔ اور سطر نمبر ۱ پر روایات کی عبارت ختم کر کے طوسی صاحب اس سوال کا جواب دیتے ہیں کہ ان روایات میں وصیت نہ کرنے اور خلیفہ نہ بنانے کی تصریح موجود ہے تو تم اپنی ذکر کردہ روایات سے بعد وصال نبوی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے خلیفہ بنائے جانے پر استدلال کیوں کر کر سکتے ہو تو اس کا پہلا جواب طوسی صاحب نے یہ دیا۔

قيل له اول ما نقول ان هذين الخبرين وما جرى مجراهما اخبار آحاد لا تعارض ما هو مقطوع على صحته۔ الخ

کہ یہ دونوں اور اس مضمون کی دوسری روایات اخبار آحاد کے قبیل سے ہیں اور وہ ہماری نقل کردہ روایات کے معارض نہیں ہو سکتیں دوسرا جواب عقلی بحث و تمحیص کے بعد یہ ذکر کیا ہے۔ اللّٰھم الا ان یکون قال ذلک علی وجہ التقیۃ والاستصلاح۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ابو وائل اور حکیم کی روایت میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا جو ذکر حضرت علی نے کیا وہ تقیہ کے طور پر ہوا اور رعیت کی موافقت حاصل کرنے اور ان کی دلجوئی کے لیے (کیونکہ ان میں سے جمہور شیخین کی خلافت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حقہ کے قائل تھے) اور اسی ضمن میں طوسی صاحب نے شافی میں منقول روایت کی عبارت
بھی درج کی ہے جو سطر نمبر۱۲ سے اس طرح شروع ہوتی ہے۔

علیٰ أن فی الخبر المروی عن امیر المؤمنین لما قیل لہ الاتوصی فقال ما اوصی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاوصی ولکن اذا اراد اللہ بالناس خیرا استجمعھم علیٰ خیرھم کما جمعھم بعد نبیھم علیٰ خیرھم۔

تو اب واضح ہو گیا کہ تینوں روایات تلخیص شافی میں موجود ہیں اور ان کے جوابات وغیرہ کی کوشش بھی کی گئی ہے۔ مگر ڈھکو صاحب ہیں کہ آنکھیں بند کر کے کہے جا رہے ہیں تلخیص میں ان کا ذکر ہی نہیں۔ اور پھر ان الفاظ کے ساتھ مذکور نہیں حالانکہ دونوں طرح کے الفاظ سے علیحدہ علیحدہ تلخیص میں مذکور ہیں دنیائے علم و تحقیق میں اس قسم کے دجل و فریب اور مکاری و عیاری کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا جس قسم کی عیاری و مکاری اور دجل و فریب کاری کا علامہ ڈھکو صاحب مظاہرہ کرتے ہیں۔

معارضہ میں پیش کی گئی روایات وصیت کی حقیقت اور صاحب شافی اور صاحب تلخیص شافی کا رد

صاحب شافی علم الہدیٰ اور صاحب تلخیص طوسی صاحب نے ابو وائل اور حکیم اور صعصعہ بن صوحان سے منقول روایات کے معارضہ میں دو روایات اپنی کتب سے نقل کی ہیں جن کو ان مذکورہ روایات کا معارض قرار دے کر بزعم خویش اہل سنت کو چاروں شانے چیت کر دیا ہے۔ اہل انصاف اور ارباب عقل و دانش ان کا مطالعہ فرماویں اور غور کریں کہ محل نزاع و اختلاف سے انہیں کوئی واسطہ بھی ہے۔ اور کوئی صاحب علم و دانش ایسی روایات کو معارضہ میں پیش کرنے کی جرأت کر سکتا ہے؟

روایت اولیٰ:۔ فمنہا ما رواہ ابو الجارود عن ابی جعفر ان امیر

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

المؤمنين لما حضرة الذی حضر قال لابنه الحسن ' دن منی حتی اسر الیك ما اسر الیّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وائتمنك علی ما ائتمننی علیہ۔

کتاب الشافی ص۱۷۳ وتلخیص الشافی ص۳۹۲ سطر نمبر ۲۱،۲۲۔

ابو الجارود نے امام ابو جعفر محمد بن باقر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب امیر المومنین کو حاضر ہوا جو حاضر ہوا تو آپ نے اپنے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو فرمایا مجھ سے قریب ہو تاکہ میں تمہیں بطور راز وہ چیز بتلاؤں جو مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور راز بتلائی تھی اور تمہیں اس چیز کا امین بناؤں جس کا مجھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امین بنایا تھا۔

روایت ثانیہ:۔

رویٰ حماد بن عیسیٰ عن عمر بن شمر عن جابر عن ابی جعفر قال اوصیٰ امیر المومنین الی الحسن واشھد علی وصیتہ الحسین ومحمدا وجمیع ولدہ ورؤساء شیعتہ واھل بیتہ ثم دفع الیہ الکتاب والسلاح فی خبر طویل یتضمن الامر بالوصیۃ فی واحد بعد واحد الیٰ ابی جعفر محمد بن علی بن الحسین بن علی۔

شافی ص۱۷۳ وتلخیص ص۳۹۲

حماد بن عیسٰی نے عمر بن شمر سے اس نے جابر سے اور اس نے امام ابو جعفر سے روایت کی ہے۔ کہ امیر المومنین نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو وصیت کی اور اس پر حضرت حسین کو، محمد بن حنفیہ اور تمام اولاد، رؤسا شیعہ اور اہل بیت کو گواہ بنایا پھر کتاب وصیت ان کے حوالے فرمائی اور ہتھیار بھی اور یہ روایت بہت طویل ہے جس میں امام ابو جعفر محمد باقر تک یکے بعد دیگرے ائمہ کے لیے وصیت کا ذکر ہے۔

تنبیہ:۔ یہ حقیقت محتاج بیان نہیں کہ اہل تشیع کے دونوں چوٹی کے عالم اور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مناظر و متکلم جن دونوں روایات کو منتخب کرکے ذکر کر رہے ہیں ان سے زیادہ واضح اور صریح اور قوی روایت دوسری کوئی نہیں ہوگی ورنہ اقوی اور صریح تر ین کو چھوڑ کر ضعیف اور غیر صریح کا انتخاب بے جواز اور قطعاً غیر موزوں ہے۔ آیئے اب ان کی حقیقت پر غور کریں اور اِن کے محل نزاع سے بے جوڑ اور بے تعلق ہونے کا مشاہدہ کریں۔

(۱) پہلی روایت میں امام حسن کو قریب بلا کر بطور راز اور اسرار کچھ القاء کرنے کا ذکر ہے۔ اور امین اسرار بنانے کا حالانکہ کلام وصیت خلافت میں ہے۔ اور اس کا علانیہ پایا جانا ضروری تھا نہ کہ کان میں خلافت کی وصیت کرنا عقل وخرد کے ہوتے ہوئے اور بقائمی ہوش و حواس کوئی شخص اِن روایات کے معارض اور مخالف اِس روایت کو سمجھ سکتا ہے۔ اور اس کی موجودگی میں ان کے ساتھ استدلال ساقط ہو سکتا ہے۔ جو کچھ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ وہ صدور الاحرار قبور الاسرار کے مطابق رازہا ئے درونِ سینہ کا آپ پر انکشاف ہے۔ اور اس کو سینہ میں محفوظ رکھنے کی وصیت اِس کا ہمیں انکار نہیں بلکہ سب سلاسل حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرتبط ہیں بالخصوص قادریہ وچشتیہ اور وہ سب اولیا اللہ جو اکابرین سلاسل مذکورہ ہیں وہ ان اسرار کے امین ہیں بقدر الاستعداد اور جس میں ہماری بحث ہے وہ یہ ہے کہ اعلان کر دیا جاتا لوگو میں نے اپنے لختِ جگر حضرت حسن کو تمہارے لیے اپنے بعد امیر اور خلیفہ و امام مقرر کیا ہے۔ وہ یہاں سے ثابت نہیں لہٰذا یہ روایت یہاں ذکر کرنا اور اسے معارض سمجھنا قطعاً غلط ہے۔

ابوالجارود کا حال

(۲) اس روایت کا راوی ابوالجارود ہے۔ آیئے اس کے متعلق بھی امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اور امام ابوجعفر محمد باقر رضی اللہ عنہ کے ارشادات ملاحظہ فرمائیں تاکہ راوی کی شان معلوم ہونے کے بعد اِس روایت کی حقیقت واضح ہو جائے۔

(۱) اس کو امام ابوجعفر محمد باقر رضی اللہ عنہ نے سرحوب کا لقب عطا فرمایا۔ اور خود ہی فرمایا سرحوب کہتے ہیں شیطان کو۔ سماہ بذلك ابوجعفر و ذکر ان سرحوبا اسم الشیطان۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

(ب) امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے کہ ایک لونڈی گزری جس کے پاس کوڑے کرکٹ کی ٹوکری تھی جس کو اس نے الٹ دیا۔ تو امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔ ان اللہ قد قلب قلب ابی الجارود کما قلبت ھذہ الجاریۃ ھذا القمقم فما ذنبی۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے ابوالجارود کے دل کو اس طرح الٹ دیا ہے۔ جس طرح کہ اس لونڈی نے اس ٹوکری کو تو اب میرا کیا گناہ وقصور ہے۔

(ج) امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:" ما فعل ابوالجارود اما واللہ لایموت الا تائھا" ابوالجارود کا کیا حال ہے۔ بخدا وہ حیران وسرگرداں ہو کر مرجاویگا۔

(د) ابوبصیر کہتا ہے۔ امام ابوعبداللہ جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے ابوالجارود کثیر النواء اور سالم بن ابی حفصہ کا ذکر کیا پھر فرمایا: کذابون مکذبون کفار علیھم لعنۃ اللہ۔ یہ کذاب ہیں اور بہت زیادہ تکذیب کرنے والے اور جھٹلانے والے ہیں اور بڑے کافر ہیں اللہ تعالیٰ کی ان پر لعنت ہو۔ ملاحظہ فرمائی آپ نے اس راوی کی شان جو جلیل الشان ائمہ کرام کی زبانی منقول ہے۔ اس کے بعد کونسا مومن اور محب اہل بیت اس کی روایات پر اعتبار کرسکتا ہے (اختیار رجال کشی صفحہ ۱۹۹، ۲۰۰) ہاں شیطان اور کافر کو ضرور اس کی روایات پر اعتماد کرنا چاہئے کیونکہ ان کے ساتھ ان کو مناسبت تامہ ہے۔

دوسری روایت:

(۱) دوسری روایت میں اگرچہ وصیت کا لفظ بھی ہے۔ اور چند حضرات کا اس وصیت پر گواہ ہونا ذکر کیا گیا ہے لیکن محل نزاع سے اس کو بھی تعلق نہیں کیونکہ اعلان عام ہونا چاہئے تھا۔ اب آپ دار آخرت کی طرف کوچ فرمانے والے ہیں۔ اور شہر کوفہ میں کونسا آپ کا محب ہوگا۔ جو حاضر خدمت نہ ہوگا۔ اس موقعہ پہ آپ کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت ونیابت اور امارت وحکومت ولی عہدی اور جانشینی کا اعلان کرنا چاہئے تھا۔ لیکن صرف وصیت کرنے کا ذکر ہے۔ اور اس کی کتابت کا اور اس پر گواہ قائم کرنے کا۔ لہذا اس سے لفظ وصیت تو ثابت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہوگا مگر بمعنی وصیت کا جس میں ہمارا کلام ہے۔ اور جس کی نفی پر ابو وائل و حکیم اور صعصعہ بن صوحان کی روایات دلالت کرتی ہیں ان کا اثبات اس روایت میں کہاں ہے۔

(۲) اس میں امام حسین، امام زین العابدین اور امام محمد باقر رضی اللہ عنہم کی فرداً فرداً وصیت کا بھی ذکر ہے۔ ذرا آنکھیں کھول کر اور خواب غفلت سے بیدار ہو کر تاریخ عالم اور صفحات ایام کا مشاہدہ کر کے بتلاؤ ان میں سے کوئی حاکم اسلام اور خلیفہ و حکمران ہوا ہے۔ جب نہیں اور یقیناً نہیں تو اس وصیت کو محل نزاع سے کیا تعلق ہوا۔ اور اگر آپ کو ان کے انجام کی خبر نہیں تھی اور محض گمان کی بنا پر ان کے لیے وصیت خلافت فرما دی تو آپ کے علم ما کان و ما یکون کا انتفاء ثابت ہو گیا۔ جو مذہب شیعہ کے سراسر خلاف ہے۔

(۳) اس روایت کا دارومدار جابر جعفی پر ہے۔ اور وہ ایک پر اسرار شخصیت ہے جس کی روایت کا کوئی اعتبار نہیں ہو سکتا۔

جابر جعفی راوی کا حال

(ا) زرارہ کہتا ہے میں نے امام ابو عبد اللہ جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے احادیث جابر کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:۔ ما رأيته عند ابي قط الا مرة واحدة وما دخل علي قط۔ وہ میرے پاس تو کبھی آیا نہیں اور میں نے اسکو اپنے والد گرامی کے پاس صرف ایک دفعہ دیکھا۔

(ب) ذریح محاربی کہتا ہے کہ میں نے جابر جعفی اور اس کی روایات کے متعلق امام ابو عبد اللہ سے دریافت کیا۔ دو مرتبہ آپ نے جواب ہی نہ دیا۔ اور تیسری مرتبہ عرض کرنے پر فرمایا: دع ذكر جابر فان السفلة اذا سمعوا باحاديثه شنعوا او قال اذاعوا۔ جابر کے ذکر کو چھوڑ دو کم عقل لوگ جب اس کی احادیث سنیں گے تو طعن و تشنیع کریں گے یا فرمایا کہ ان کو شائع کریں گے۔ یا فرمایا کرا کو شائع کریں گے۔ اور عام راور وہ اس قابل نہیں کہ انہیں شائع اور عام کیا جائے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

(ج) عمر بن شمر نے جابر سے نقل کیا ہے کہ مجھے امام محمد باقر رضی اللہ عنہ نے ایک کتاب عطا فرمائی۔ اور فرمایا:۔

"ان انت حدثت به حتی تهلك بنو امية فعليك لعنتی ولعنة آبائی وان انت کتمت منه شيئا بعد هلاك بنی امية فعليك لعنتی ولعنة آبائی ثم دفع الی کتابا آخر ثم قال ؛ وهاك هذا فان حدثت بشیء منه ابدا فعليك لعنتی و لعنة آبائی۔"

اگر تو اس کتاب کے مندرجات کو بنو امیہ کی ہلاکت سے پہلے بیان کر دے یا ان کی ہلاکت کے بعد ان میں سے کسی کو چھپائے تو تجھ پر میری لعنت اور میرے آباء کی طرف سے لعنت ہے۔ اور دوسری کتاب دے کر فرمایا کہ اس کو لے اور اس میں سے کچھ بھی کبھی بیان کیا تو تجھ پر میری لعنت اور میرے آباء کی لعنت۔

(د) ایک روایت میں ہے کہ جابر کہتا ہے میرے پاس پچاس ہزار روایات ہیں جن کے بیان کرنے کے قابل میں کسی کو نہیں سمجھتا اور دوسری میں ہے کہ ستر ہزار روایات ایسی ہیں۔ جب کہ امام محمد باقر سے ایک ملاقات اور امام جعفر صادق سے ایک بھی نہیں تو اتنا ذخیرہ کس سے حاصل کیا؟ معلوم ہوتا ہے خانہ زاد ہیں اور جعلی و وضعی۔ الغرض جابر کہتا ہے۔ میں نے امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا تم نے اپنے اسرار مجھ پر منکشف کر کے مجھ پر بہت زیادہ بوجھ ڈال دیا ہے۔ نہ میں عوام کے سامنے ان کو بیان کر سکتا ہوں اور نہ ہی ضبط کر سکتا ہوں بلکہ سینہ میں سمندر کی امواج کا سا تلاطم پیدا ہو جاتا ہے تو آپ نے فرمایا:۔

یا جابر اذا کان ذلك فاخرج إلى الجبال فاحفر حفيرة ودل رأسك فيها ثم قل حدثنی محمد بن علی بكذا وكذا۔ (رجال کشی ص ۱۲۹ تا ص ۱۷۱۔)

اے جابر جب یہ صورت حال پیش آئے تو پہاڑوں کی طرف نکل جایا کر اور گڑھا کھود کر سر اس میں ڈال کر کہہ دیا کر مجھے محمد بن علی نے ایسے ایسے بیان کیا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اس کے علاوہ بھی بہت کچھ اس کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔ لیکن اس سے یہ حقیقت واضح ہو سکتی ہے۔ کہ ایک ہی ملاقات میں اتنی روایات کا حصول اور اس قدر محرم راز بن جانا اور کتابہائے علوم اسرار کا وارث بن جانا اور پھر ان کے متعلق لعنت کے ساتھ افشاء و کتمان کی تاکید اور جوشِ سینہ کو دور کرنے کے لیے گڑھوں میں سر دے کر روایات بیان کرنے کی وصیت وغیرہ۔ اور پھر شانِ کتمان یہ کہ لوگ ان روایات کو سُن کر امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ، سے ان کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے دوڑے آرہے ہیں الغرض اس قسم کی پُراسرار شخصیت کی روایت کسی عقل مند اور طبع سلیم کے مالک کے لیے قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ یہ ہے حالت ان دونوں روایتوں کے متن کی جس کو محل نزاع و خلاف سے تعلق ہی نہیں۔ اور یہ ہے حالت ان کے راویوں کی۔ جب منتخب ترین روایات کا یہ حال ہے۔ تو دوسری روایات کا کیا حال ہوگا؟ ؎

قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا

(۵) علاوہ ازیں دونوں جگہ روایت کی سند حضرت امام ابو جعفر رضی اللہ عنہ، پر ختم ہو جاتی ہے۔ جب کہ آپ یقیناً وصیت کے وقت موجود نہیں تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت ہجرت کے چالیسویں سال ہوئی اور آپ کی ولادت واقعہ کربلا کے کافی عرصہ بعد ہے۔ تو لامحالہ اس روایت میں انقطاع ہے سا اور درمیان سے راوی متروک ہے۔ ائمہ اسلام کی صداقت اپنی جگہ لیکن اصول روایت کے لحاظ سے مجال بحث موجود ہے۔

صعصعہ بن صوحان: علمائے شیعہ کی نقل کردہ روایات کے راویوں کا حال ملاحظہ کر لیا۔ لیکن اس کے برعکس حضرت شیخ الاسلام کی نقل کردہ روایات کا حال ملاحظہ کریں صعصعہ بن صوحان حضرت علی رضی اللہ عنہ، کے مخلص خدام اور جانثاروں میں سے ہے۔ اور موقعہ پر موجود علیٰ ہذا القیاس دیگر روایات میں بھی یہ انقطاع نہیں ہے۔ نیز حضرت صعصعہ کے متعلق ذرا اپنے اصحاب جرح و تعدیل کی رائے بھی ملاحظہ فرمائیں۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

(۱) قال ابو عبداللہ علیہ السلام ما کان مع امیر المؤمنین من یعرف حقہٗ الا صعصعۃ بن صوحان واصحابہٗ۔

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوئی بھی ایسا شخص نہیں تھا جو آپ کے حقوق کی صحیح معرفت رکھتا ہو۔ ماسوا صعصعہ بن صوحان اور ان کے ساتھیوں کے مزید تفصیل کے لیے رجال کشی ص۶۳ تا ۶۵۔ مطالعہ کریں۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ثناء ان کے حق میں اور ان کا امیر معاویہ کے دور خلافت میں منبر پہ کھڑے ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدح وثنا کرنا اور امیر معاویہ کی شان میں تغلیظ وتشدید سے کام لینا بصراحت مذکور ہے لہٰذا وہ روایات ایسے لوگوں کی روایات کے مقابل کیوں کر قابل قبول ہو سکتی ہیں جو صاحب شافی اور صاحب تلخیص شافی وصیت کے اثبات میں پیش کر رہے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وصی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی حقیقت

مذہب شیعہ

از حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز

روایت نمبر ۴:۔

اس وصیت کے سلسلے میں ایک اور روایت بھی ملاحظہ فرمالیں۔

والمروی عن العباس انہٗ خاطب امیر المومنین فی مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یسال عن القائم بالامر بعدہٗ وانہٗ امتنع من ذٰلک خوفاً ان یصرفہٗ عن اھل بیتہٖ فلا یعود الیھم ابداً۔ (کتاب الشافی ص۱۷۱)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت مرض میں کہا کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کریں کہ حضور علیہ السلام کے بعد کون امیر المؤمنین ہوگا۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

خوف اور اندیشہ کے تحت نہ پوچھا۔ کہ کہیں حضور علیہ السلام اپنے اہل بیت سے امر خلافت کو دور نہ کر دیں۔ اور امیر نہ بنائیں تو اس تصریح کی وجہ سے پھر کبھی بھی اہل بیت میں خلافت نہیں آسکے گی۔ وکذا فی تلخیص الشافی ص۳۵۲ سطر نمبر ۱۶۔

ملاحظہ فرمالیا آپ نے یہ ہیں وصیت اور خلافت بلافصل کے متعلق نصوص قطعیہ جن کی تکذیب کو نہ ختم ہونے والی آذانوں میں بیان کیا جاتا ہے۔ رسالہ مذہب شیعہ ص۲۶

تتمہ مبحث وصیت — تحفۂ حسینیہ — از ابو الحسنات محمد اشرف السیالوی عفی عنہ

اس مضمون و مفہوم کی روایات ابوبکر احمد بن عبدالعزیز جوہری کے حوالہ سے ابن ابی الحدید معتزلی شیعی نے شرح حدیدی میں نقل کی ہیں عبارات ملاحظہ ہوں:۔

(۱) عن عبد الله بن عباس قال خرجَ علی علیه السلام علی الناس من عند رسول الله صلی الله علیه وسلم فی مرضه فقال له الناس کیف اصبح رسول الله صلی الله علیه وسلم یا ابا حسن قال اصْبَحَ بحمد الله بارئًا قَالَ فاخذَ العباس بید علی ثمّ قال یا علی انت عبد العصا بعد ثلاث احلف لقدْ رأیت الموت فی وجهه وانی لاعرف الموت فی وجوه بنی عبد المطلب فانطلق الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فاذکر له هذا الامران کان فینا اعلمنا وان کان فی غیرنا اوصی بنا فقال لا افعل والله ان منعنا الیوم لا یؤتیناه الناس بعدهٗ قال فتوفی رسول الله صلی الله علیه وسلم۔ ذالك الیوم۔

(شرح حدیدی ص۵۱ ج۲)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے نکلے آپ کے مرض وصال میں تو لوگوں نے کہا اے ابوالحسن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کس حال میں صبح کی ہے؟ تو آپ نے کہا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بحمداللہ آپ تندرست ہیں تو حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ اے علی تم تین دن کے بعد ماتحت اور محکوم ہو جاؤ گے (اور تمہارا یہ ذریعہ قوت و توانائی ختم ہو جائے گا) میں قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ میں نے رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس میں موت کے آثار دیکھ لیے ہیں اور میں موت کے قریب بنو عبدالمطلب کے چہروں کی حالت سے ان کی موت کو پہچان لیتا ہوں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر امر خلافت و حکومت کا تذکرہ کرو۔ اگر ہم میں ہے تو اس سے ہمیں باخبر فرمادیں۔ اور جتلائیں اور ہمارے علاوہ دوسرے لوگوں میں ہے تو انہیں ہمارے متعلق وصیت فرمادیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ میں اس طرح نہیں کرتا بخدا اگر آج آپ نے ہمیں حکومت و خلافت سے منع فرمایا۔ تو آپ کے بعد لوگ ہمیں کبھی بھی حکومت و خلافت نہیں دیں گے۔ ابن عباس فرماتے ہیں اسی روز سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے۔ کہ حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے درمیان کچھ بعد اور دوری پیدا ہو چکی تھی اسی دوران آپ کی ملاقات حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو انہیں کہا اگر تمہیں اپنے چچے کے آخری دیدار کا شوق ہو تو ان کے پاس حاضری دیجئے۔ اور میرے خیال میں آپ کے بعد تمہیں ان کی ملاقات کا موقعہ نہیں مل سکے گا حضرت علی رضی اللہ عنہ میری بات سن کر غمگین ہو گئے۔ اور مجھے کہا آگے چلو اور میرے لیے اذن طلب کرو۔ میں آگے چلا اور ان کے لیے اذن طلب کیا اذن ملنے پر آپ اندر داخل ہوئے۔ اور دونوں نے ایک دوسرے سے معانقہ کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اور پاؤں چومنے لگے اور کہا۔ اے چچا جان مجھ سے راضی ہو جاؤ؟ اللہ تعالیٰ تم سے راضی ہو تو انہوں نے فرمایا میں راضی ہو گیا۔

ثم قال یا ابن اخی اشرت علیک باشیاء ثلاثۃ فلم تقبل ورئیت فی عاقبتہا ما کرھت وھا انا اشیر علیک برای رابع فان

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

قبلتهٗ والاٰن مالك مماقبلهٗ قال ماذاك ياعمّ؛ قال اشرتُ عليك فی مرض رسول الله صلی الله علیه وسلم ان تسالہ فان کان الامر فینا اعطاناہ وان کان فی غیرنا اوصیٰ بنا فقلت اخشی ان منعناہ لا یعطینا ہ احدٌ بعدہٗ فمضت تلك۔ الخ

(شرح حدیدی جلد ثانی ص۴۸)

آپ نے فرمایا۔ اے میرے بھتیجے میں نے پہلے تین امور کے متعلق تمہیں مشورہ دیا مگر تم نے قبول نہ کیا مگر ان کا انجام وہ ہوا جو تمہیں پسند نہیں تھا۔ اور غور سے سنو اب میں چوتھا مشورہ دینے لگا ہوں۔ اور اگر اس کو قبول کرو تو بہتر ورنہ جو نتیجہ پہلے نکلا اسی طرح اس کا نتیجہ بھی برآمد ہوگا تو آپ نے کہا اے میرے چچا وہ کیا مشورے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ میں نے مرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تمہیں یہ مشورہ دیا تھا۔ کہ آپ سے امر خلافت کے متعلق دریافت کریں۔ اگر ہم میں ہے تو ہمیں عطا فرمائیں اور اگر دوسروں میں ہے تو انہیں ہمارے متعلق وصیت فرمائیں تو تم نے کہا مجھے خوف واندیشہ ہے کہ اگر آپ ہم سے اس امر کو روک لیں تو آپ کے بعد ہمیں کوئی نہیں دے گا۔ چنانچہ وہ وقت گزر گیا اور موقعہ ہاتھ سے نکل گیا۔

نوٹ:۔ دوسرا مشورہ رسول محتشم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد بیعت لینے سے متعلق اور اپنی طرف سے اور ابوسفیان کی طرف سے پیش کش کا تذکرہ جو بعد میں ذکر کیا جائے گا اور تیسرا مشورہ شوریٰ میں شامل نہ ہونے سے متعلق تھا جس کے متعلق آپ نے فرمایا۔ مجھے اختلاف پسند نہیں اس کا تذکرہ گزر چکا۔ اور چوتھا مشورہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہٗ کے معاملات میں دخل سے گریز کا تھا اور ینبع میں اپنے اموال اور مزرع میں جانے کا تاکہ ان کے قتل کی ذمہ داری تم پر عائد نہ ہو۔ ورنہ خلافت مل گئی تو بھی اس میں تمہارے لیے کوئی خیر اور بھلائی نہیں ہوگی چنانچہ انجام کار آپ نے فرمایا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

واللہ لکان عمی کان ینظر من وراء ستر رقیق واللہ مانلت من ھذا الامر شیئاً الا بعد شر لاخیر فیہ۔

بخدا گویا میرے چچا باریک پردہ کے پیچھے سے اس کا انجام کار دیکھ رہے تھے۔ بخدا میں نے امر خلافت سے جو کچھ حاصل کیا وہ شر و فساد کے بعد حاصل کیا جس میں کوئی خیر اور بہتری نہیں ہے۔

الغرض جوہری اور ابن ابی الحدید کی نقل کردہ ان دونوں روایات سے بھی واضح ہو گیا کہ آپ کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حالات سے قبل خبردار کیا تھا اور انجام کار سے بھی آگاہ کر دیا تھا۔ کہ اگر تمہارا حق ہے۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا اعلان کروالو۔ اور عطا کرنے کا مطالبہ کرو۔ ورنہ محکومی اور ماتحتی تمہارا مقدر بن جائے گی۔ جس سے صاف ظاہر اور مہر نیم روز کی طرح عیاں ہیں کہ آپ کے لیے نہ وصیت خلافت موجود تھی۔ اور نہ کوئی نص خلافت اور غدیر خم کے واقعہ پر ابھی تیسرا مہینہ بھی نہیں گزرا تھا۔ اگر اس میں اعلان خلافت ہو چکا تھا۔ اور مبارک و سلامت کے مژدے اور پیغام بھی دیئے جا چکے تھے۔ تو اب اس موقعہ پر اس امر کا فیصلہ کرانے کے لیے آپ نے کیوں زور دیا۔ اور اپنے وصال تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس مشورہ کو قبول نہ کرنے پر اپنے ارمان اور احساسات کا اظہار کیوں کیا جب کہ آپ کا وصال سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے اٹھارہ سال بعد خلافت امیر عثمان رضی اللہ عنہ کے چھٹے سال میں ہوا۔ گویا اس طویل عرصہ میں بھی آپ پر نص خلافت اور وصیت خلافت کا انکشاف نہیں ہوا تھا۔ اور آپ اپنے اسی موقف پر قائم تھے۔ کہ تمہیں دریافت کر کے حقیقت حال معلوم کر لینی چاہیے تھی جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اتنے قریبی اس وصیت سے بے خبر ہیں تو دوسرے مہاجرین و انصار حضرات کو کیا خبر ہو سکتی تھی؟

لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ نہ بنانے پر انہیں ارتد الناس الا ثلاثہ کے فتویٰ سے جو نوازا گیا ہے کہ سبھی العیاذ باللہ مرتد ہو گئے ہیں ماسوا تین کے تو اس

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ظلم اور زیادتی اور اندھیر نگری کا کیا جواز ہے۔ نصوص کتاب اللہ اور ارشادات مرتضوی کے برعکس محض اس جرم میں ان پہ مرتد ہونے کا فتویٰ لگ رہا ہے تو وہ جرم ثابت بھی تو ہو۔ جب اہل بیت کو ہی معلوم نہیں خود صاحب امر اور خلافت کے حقدار کو بھی اپنا استحقاق پتہ نہیں تو ابوالجارود اور جابر جعفی جیسے کذابوں پہ یہ وحی کیسے نازل ہو گئی۔

ابوجعفر صاحب طوسی صاحب تلخیص کا جواب

(۱) صاحب تلخیص نے پہلا جواب اس روایت کا یہ دیا ہے کہ یہ خبر واحد ہے اور خبر واحد نصوص اور احادیث متواترہ کی مخالفت پہ مشتمل نہ ہو تو بھی اس کے متعلق ہمارا مذہب معروف و مشہور ہے۔ یعنی باب عقائد میں ان کا اعتبار نہیں ہے چہ جائیکہ وہ خبر واحد جو ان ادلہ اور احادیث متواترہ کی مخالفت پہ مشتمل ہو لہذا جس شخص نے اس روایت کو نص خلافت کے دفاع اور معارضہ پیش کیا ہے، وہ امر بعید کا مرتکب ہے۔ فمن جعل هذا الخبر المروی عن العباس رحمة الله عليه دافعاً لما يذهب اليه الشيعة من النص الذی قدمنا على صحته وبينا استفاضة الرواية به فقد ابعد۔ اور دوسرا جواب یہ دیا:

(۲) على ان الخبر اذا سلمناه وصحت الرواية به غير دافع للنص ولا مناف له لان سواله رحمة الله عليه يحتمل ان يكون عن حصول الامر لهم وثبوته فى ايديهم لا عن استحقاقه و وجوبه۔ علاوہ ازیں اس روایت کو اگر تسلیم کریں اور اس روایت کی صحت مان لی جائے تو اس سے ہماری نص خلافت کا دفاع نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی اس کے منافی ہے۔ کیونکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ، کے اس مشورہ کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ آپ سے اس امر کے حصول کا مطالبہ کریں۔ اور اپنے ہاتھوں میں ثبوت اور استقرار کے متعلق دریافت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کریں۔ نہ کہ استحقاق اور وجوب کے متعلق اس کی مثال دے کر توضیح کرتے ہوئے کہا مثلاً ایک شخص کسی کے لیے ایک عطیہ کا اعلان کرتا ہے۔ اور اسے علیحدہ کر کے رکھ بھی دیتا ہے۔ پھر اس کا وقت وفات قریب آجاتا ہے۔ تو عطیہ والے کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ دریافت کرے۔

اترى ما منحتنيه وافردتني به يحصل لى من بعدك ويصير الى يدى ام يحال بينى وبينه ويمنع من وصوله الى ورثتك ولا يكون هذا السوال دليلاً على شكه فى الاستحقاق بل يكون دالاً على شكه فى حصول الشئ الموهوب له ومصيره إلى قبضته والذى يبين صحة تاويلنا و بطلان ما توهموها قول النبى صلى الله عليه وسلم فى جواب العباس على ماوردت به الرواية انكم المقهورون وفى رواية انكم المظلومون ص ۳۵۲۔

یہ تو بتلا سیئے کہ جو عطیہ تم نے مجھے دیا ہے اور مجھے اس کے ساتھ ممتاز فرمایا ہے۔ کیا تمہارے بعد مجھے حاصل ہو گا؟ اور میرے ہاتھ آئے گا؟ یا میرے اور اس کے درمیان رکاوٹ کھڑی کر دی جائے گی اور تمہارے ورثا، اس کو مجھ تک پہنچنے سے روک دیں گے جس سے قطعًا یہ لازم نہیں آتا کہ اسے اپنے استحقاق میں شک ہے۔ بلکہ یہ سوال صرف اس امر میں شک پہ دلالت کرتا ہے کہ آیا موہوب چیز حاصل ہو گی یا نہیں اور میرے قبضہ میں آئے گی یا نہیں؟

ہماری اس تاویل کی دلیل صحت اور مانعین کے توہم کا بطلان نبی اکرم صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ سے اس امر کے حصول کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا۔ تم مقہور و مغلوب ہو گے اور دوسری روایت میں ہے۔ کہ تم مظلوم ہو گے!

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

طوسی صاحب کی مغالطہ آفرینی اور دھوکہ دہی

جواب اوّل کا دار و مدار اس پر ہے کہ یہ خبر واحد ہے۔ اور وہ باب عقائد میں حجت نہیں علی الخصوص جبکہ ادلۂ قطعیہ اور روایات متواترہ کے خلاف ہو اور وصیت خلافت کی متواتر روایات کا حال آپ معلوم کر چکے ہیں اور دلائل قطعی الدلالۃ موجود نہیں جیسے کہ تصریح کر دی ہے۔ جبکہ شیعہ کے نزدیک امامت قطعی عقائد کے قبیل سے ہے۔ مثلاً انما ولیکم اللہ ورسولہٗ والذین آمنوا کے ساتھ شانِ نزول کو نہ ملاؤ تو حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کے ساتھ دیگر اہل ایمان بھی اس پر شریک ہیں اور صرف مفہوم آیت میں نہیں بلکہ واقعات نے بھی اِن کا اشتراک اور شمول ثابت کر دیا ہے اور شانِ نزول ساتھ ملاؤ تو وہ ظنی ہے بلکہ تمام عام اخبار آحاد سے بھی شان نزول میں منقول روایات کا درجہ کم ہوتا ہے۔ لہٰذا قطعیت کہاں سے آ گئی اور اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کی دلیل خلافت کہنا کس طرح درست ہو سکتا ہے جیسا کہ طوسی صاحب جیسے محقق پر مخفی نہیں اور یہ بھی اس صورت میں ہے جب ولی میں خلافت کے علاوہ دوسرا کوئی احتمال نہ ہو۔ اور خلافت بھی بلا فصل مراد ہو۔ کوئی محقق بقائمی ہوش و حواس اور مذہبی تعصب سے ہٹ کر اس قسم کی ضعیف اور پوچ دلیل دے سکتا ہے؟۔ علیٰ ہٰذا القیاس دیگر مزعومہ دلائل کا بھی یہی حال ہے۔ اور اس کے برعکس حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کی زبانی حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ کی خلافت کا خلافت منصوصہ موعودہ ہونا ثابت ہو چکا لہٰذا یہ جواب معیار تحقیق پہ قطعاً پورا نہیں اترا۔

جواب دوم کا دار و مدار اس فرق پر ہے کہ سوال استحقاق سے نہیں بلکہ حصول خلافت اور اس کے قبضہ میں آنے سے ہے۔ لیکن اس میں محقق صاحب نے اپنی ساری ذہانت و فطانت اور شانِ تحقیق کو مذہبی تعصب کی بھینٹ چڑھا دیا ہے۔ اور دیانت و امانت کا خون ناحق کیا ہے۔ اب ملاحظہ ہوں

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اس جواب کے وجوہ ابطلان:

۱) حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا آپ کا وقت وصال قریب ہے تم محکوم بن کر رہ جاؤ گے لہٰذا دریافت کرلو کہ امیر المؤمنین اور قائم بالامر کون ہوگا؟ جب آپ کی خلافت کا اعلان ہوچکا اور وصیت خلافت کر دی گئی تو اب قائم بالامر کے متعلق سوال کا مطلب کیا اور اس غیب کے دریافت کرنے کا مطلب کیا ہوا کہ حق دار تو ہم ہو گئے۔ لیکن قبضہ بھی کر سکیں گے یا نہیں بلکہ یہ کہنا چاہیئے تھا کہ اقتدار عملی طور پر بھی ہمارے حوالے ہونا چاہیئے لہٰذا یہ عرض کرو کہ اب اقتدار میرے حوالے فرما دو۔ اور اپنی ظاہری حیات طیبہ میں مجھے اس مسند اقتدار پر بٹھا دو۔ تاکہ کوئی احتمال نزاع باقی نہ رہے۔ اور یہی مفہوم ہے جوہری کے حوالے سے نقل کردہ دوسری روایت کا کہ عرض کرو اگر خلافت ہمارا حق ہے تو ہمیں عطا کرو۔ اور نہیں تو جن کا ہے: انہیں ہمارے حقوق کی نگہداشت کی وصیت فرماؤ لیکن آپ نے بارگاہ رسالت میں یہ عرض کرنے سے معذرت کر دی اور دوسرا خدشہ ظاہر فرمایا۔ کہ کہیں ہمیں منع نہ کر دیا جائے اور ہمیشہ کے لیے اس منصب سے محروم نہ ہو جائیں

۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ اندیشہ اور خدشہ کیوں ظاہر کیا کہ اگر آپ ہمیں خلافت نہ بخشیں تو پھر بعد میں ہمیں کوئی نہیں دے گا کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایفاء عہد اور شان وفا پر آپ کو شک وشبہ تھا؟ العیاذ باللہ اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت اپنے کئے ہوئے اعلان سے برگشتہ ہو جانے کا گمان تھا؟ لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس جواب کو محقق صاحب کے اختراعی احتمال سے کوئی مناسبت نہیں ہے۔ بلکہ ان پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں وعدہ خلافی اور پیمان شکنی کی بدگمانی اور سوء ظن کا بہتان ہے۔

۳) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے وصال کا علم بہر حال تھا۔ ہمارا مذہب بھی یہی ہے۔ اور شیعہ صاحبان تو ہر امام کو عالم ماکان ومایکون مانتے ہیں چہ جائیکہ نبی الانبیاء

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اور امام الائمہ صلی اللہ علیہ وسلم لہٰذا اپنے قرب وصال کا یقین ہونے کے باوجود خود آپ نے کیوں نہ اِن کے مطالبہ کے بغیر ہی اپنی مسند پہ بٹھا دیا۔ دنیاوی حکمران اپنی بیماری اور تکالیف کے دوران قائم مقام حکمران اور۔ قائم مقام صدر یا وزیر اعظم نامزد کر دیتے ہیں تاکہ نظام درست رہے۔ اور متوقع امکانی خطرات میں یہ نامزدگی اور قائم مقامی کار آمد ثابت ہو۔ لیکن یہاں صورت حال بالکل مختلف ہے۔ بحیثیت نائب حکمران اور قائم مقام بادشاہ مقرر کیا جانا تو دور کی بات ہے، شیعہ صاحبان تو نماز جیسے اہم فریضہ میں جس کی امامت کے لیے شب و روز میں پانچ دفعہ امام کی ضرورت ہوتی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قائم مقام امام بھی ثابت نہیں کر سکتے۔ خلافت کا معاملہ تو اس سے بہت مختلف ہے۔ لہٰذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بادشاہ عرب ہونے کے باوجود اور بیماری جیسے عذر کے باوصف یہ قائم مقامی عمل میں نہ لانا اس حقیقت کی واضح نشاندہی ہے کہ کوئی وصیت اور تنصیص آپ اس ضمن میں نہیں کرنا چاہتے تھے۔ بلکہ اس امر کو اللہ تعالیٰ کے منشا اور اس کی رضا پر چھوڑنا چاہتے تھے۔ اور امت کو اپنے امام کے انتخاب میں اور اس کے طریقوں کی تعیین میں با اختیار بنانا چاہتے تھے جیسے کہ صعصعہ بن صوحان اور ابو الطفیل و حکیم کی روایات میں اس کی تصریح موجود ہے۔ لہٰذا اس توجیہ کی لغویت دوپہر کے سورج سے بھی زیادہ روشن ہے۔

۳) طوسی صاحب تمثیل میں بڑی دور کی کوڑی لائے اور انہیں بڑی دور کی سوجھی ہے۔ کہ عطیہ سے ممتاز تو نہیں کیا گیا۔ مگر دریافت طلب امر یہ ہے کہ حاصل بھی ہوگا یا تمہارے ورثاء قابض ہو جائیں گے۔ تو اس کو یہ غیبی خبر پوچھنے کی کیا ضرورت تھی۔ یوں کہنا چاہیے تھا۔ کہ حضرت وہ عطیہ میرے حوالے کر دو تاکہ بعد میں مجھے محرومی کا منہ نہ دیکھنا پڑے آخر علم غیب کے متعلق امتحان تو مطلوب نہیں۔ اس شئے کا حصول مطلوب ہے لہٰذا براہِ راست مطلوب و مقصود امر کی استدعا کرنی چاہئے۔ لہٰذا اس تمثیل کی لغویت بھی واضح ہے۔

۴) مغلوب و مقہور ہونے بلکہ مظلوم ہونے والی روایت جو ذکر کی ہے ذرا اس کے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

عواقب پر بھی غور کر لیتے۔ کیا اس میں کہیں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دخل تو نہیں کہ تین ماہ قبل استحقاق بیان کر کے دوسروں کو چوکس کر دیا۔ مگر عملاً اقتدار سونپنے کا وقت آیا۔ تو کوئی عملی قدم نہ اٹھایا جس کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلافت سے محروم ہو گئے۔ اگر آپ ظاہری حیاتِ طیبہ میں اس اختیار و اقتدار سے دست بردار ہو جاتے۔ تو نبوت و رسالت میں کونسا خلل لازم آسکتا تھا؟ جب کہ مکی زندگی میں حکومت حاصل نہ تھی بلکہ سکون و قرار سے گھر میں کوئی رہنے نہیں دیتا تھا۔ اور مدینہ منورہ میں بھی کئی سال تک حکومت و شہنشاہی کی بنیاد نہیں پڑی تھی۔ لہٰذا اگر ظاہری حکومت کے حصول نے قبل نبوت و رسالت میں کوئی خلل اور نقص نہیں پڑا تھا۔ تو اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسی مقرب اور معظم اور محبوب ہستی کے حوالے کر دینے سے کیا خلل پڑ سکتا تھا؟ جب کہ ان کی حکومت آپ کی حکومت ہی ہوتی جیسے کہ آپ کی حکومت و سلطنت درحقیقت اللہ تعالیٰ کی حکومت تھی۔ لہٰذا اس روایت کو اگر نص خلافت و وصیت امامت کے پس منظر میں دیکھیں تو خود ذاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس مغلوبیت و مقہوریت اور مظلومیت مرتضیٰ میں برابر کی حصہ دار ہے۔ بلکہ مکمل طور پر ذمہ دار ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک

سچ فرمایا مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے حبك الشئ يعمى ويصم کسی چیز کی محبت اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے" محقق صاحب کو بھی خلافتِ منصوصہ اور وصیت و امامت کی قطعیت ثابت کرنے کی محبت نے دیگر مفاسد لازمہ سے اندھا اور بہرہ کر دیا ہے حتی کہ ذاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مورد الزام بنا لیا اور جب یہ غلط ہے اور یقیناً غلط ہے تو ماننا پڑے گا کہ یہاں پر کوئی نص خلافت تھی نہ اس کی وصیت اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اذن اعلان

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مذہب شیعہ — از حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز

روایت نمبر ۵:-

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک اور فرمان بھی پڑھ لیجئے جو نہج البلاغۃ خطبہ نمبر ۵ میں درج ہے جس میں تصریح ہے کہ حضرت عباس اور جناب ابوسفیان حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ ہم آپ کے ساتھ خلافت کی بیعت کرتے ہیں۔ اس کے جواب میں مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

یا ایھا الناس شقوا امواج الفتن بسفن النجاۃ و عرجوا عن طریق المنافرۃ وضعوا تیجان المفاخرۃ ، افلح من نھض بجناح او استسلم فاراح ھذا ماء آجن و لقمۃ یغص بھا آکلھا و مجتنی الثمرۃ لغیر وقت ایناعھا کالزارع فی ارض غیرہ فان اقل یقولوا حرص علی الملک و ان اسکت یقولوا جزع من الموت ھیھات بعد اللتیا والتی واللہ لابن ابی طالب آنس بالموت من الطفل بثدی امہ۔

پس اے لوگو! تم فتنوں کی موجوں کو نجات کی کشتیوں کے ذریعے طے کرو۔ اور منافرت و مخالفت کے طریقے چھوڑ دو۔ تکبر کے تاجوں کو پھینک دو۔ جو شخص بال و پر کے ساتھ بلند ہوا تو فلاح پاچکا۔ یا جس نے اطاعت کر لی اس نے امن و امان حاصل کر لی مجھے خلیفہ بنانے کی پیش کش ایک گدلے پانی کی طرح ہے یا ایسا لقمہ ہے جو کھانے والے کے گلے میں پھنس جائے۔ میرے خلیفہ بننے کا سوال ایسا ہے جیسے کوئی کچے پھل کو قبل از وقت توڑ لے یا جیسے کوئی دوسرے کی زمین میں کھیتی باڑی کرے پس اگر میں تمہارے کہنے کے مطابق خلافت کا دعویٰ کر دوں تو فتنہ باز لوگ کہیں گے کہ اس نے ملک کے لیے لالچ کیا اور اگر چپ رہوں تو یہی لوگ کہیں گے کہ موت سے ڈر گیا حالانکہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

موت کا خوف وغیرہ میری شان سے کس قدر بعید ہے۔ اللہ کی قسم علی بن ابی طالب موت کو اپنی ماں کے دودھ کی طرف رغبت کرنے والے بچے سے بھی زیادہ پسند کرتا ہے۔

اس روایت نے بیعت میں توقف کرنے کا تخمینہ بھی اڑا دیا۔ اس خطبے کو خلط ملط کرنے کے لیے شیعوں کے مجتہد اعظم نے انتہائی کوشش کی مگر شیرِ خدا کا واضح ارشاد نہیں چھپ سکا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت حضور کے بعد قبل از وقت کچے پھل توڑنے والے شخص کے مشابہ ہے اور کسی دوسرے شخص کی زمین میں کھیتی شروع کر دینے والے کی مانند و مثل صرف ایسی صورت میں ہی متصور ہو سکتی ہے۔ کہ ابھی ان کی خلافت کا زمانہ نہیں آیا۔ اور ابھی وہ خلافت کے حق دار نہیں ہوئے۔ اور ڈر کی وجہ سے بیعت کرنا بھی واضح ہو گیا کہ شیرِ خدا قسم کھا کر فرما رہے ہیں کہ موت سے میں نہیں ڈر سکتا۔ رسالہ مذہب شیعہ ص ۶۵-۶۶۔

تحفۂ حسینیہ   از ابو الحسنات محمد اشرف السیالوی غفرلہٗ

حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسفیان کی اس پیش کش اور مشورہ کا متعدد مقامات پر ذکر ہے۔ لہٰذا ان تمام عبارات کا بھی مشاہدہ کرتے چلیں تاکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جواب کی اہمیت واضح ہو سکے۔

(۱) حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے تین مشورے تمہیں پہلے دیئے لیکن تم نے تسلیم نہ کیئے اور ان میں سے ایک پہلے ذکر ہو چکا اب دوسرا ذکر کیا جاتا ہے۔

فلما قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتانا ابوسفیان بن حرب تلك الساعة فدعوناك الی ان نبایعك و قلت لك ابسط یدك ابایعك و یبایعك ھذا الشیخ فانا ان بایعناك لم یختلف علیك احدٌ من بنی عبد المناف و اذا بایعك بنو عبد مناف لم یختلف علیك احد من

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

قریش واذا بایعتك قریش لم یختلف علیك احدٌ من العرب نقلت لنا بجهاز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شغل و ھٰذا الامر فلیس تخشی علیه فلم نلبث ان سمعنا التکبیر من سقیفة بنی ساعدة فقلتَ یا عمّ ما ھٰذا ؟ قلت ما دعوناك الیه فابیت قلت سبحان اللہ ویکون ھٰذا قلتُ نعم، قلت افلا یرد ؟ قلت لك و ھل ردّ مثل ھٰذا قط۔

(ابوبکر جوہری بحوالہ شرح حدیدی جلد ثانی ص۴۸)

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا تو ابوسفیان بن حرب اس وقت ہمارے پاس آیا۔ تو ہم نے تمہیں دعوت دی کہ ہم تمہارے ساتھ بیعت کرتے ہیں اور میں نے کہا اپنا ہاتھ بڑھایئے میں تمہارے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں اور یہ شیخ بھی تمہارے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے اگر ہم دونوں نے تمہارے ہاتھ پر بیعت کر دی تو بنو عبد مناف کا کوئی شخص تمہارے ساتھ اختلاف نہیں کرے گا اور انہوں نے بیعت کرلی تو قریش میں سے کوئی اختلاف نہیں کرے گا اور جب قریش نے بیعت کر لی تو عربوں میں سے کوئی تمہارے ساتھ اختلاف نہیں کرے گا۔ تو تم نے کہا ہم رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہیں اور اس معاملہ میں ہمیں کوئی اندیشہ اور خوف نہیں ہے۔ لیکن زیادہ دیر نہ گذری تھی۔ کہ ہم نے سقیفہ بنی ساعدہ سے تکبیر کی آواز سنی تو تم نے دریافت کیا اے میرے چچا یہ کیا ہے؟ تو میں نے کہا یہ وہ ہے کہ جس کی ہم نے آپ کو دعوت دی لیکن تم نے انکار کر دیا۔ تم نے کہا سبحان اللہ یہ ہو سکتا ہے تو میں نے کہا ہاں۔ تم نے کہا کیا اب اس کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ تو میں نے کہا کیا کبھی ایسے معاملات بھی رد کئے جا سکتے ہیں اور طے ہونے کے بعد انہیں دوبارہ چھیڑا جا سکتا ہے؟

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

(۲) علی علیہ السلام وبعض بنی ہاشم مشغلون باعداد جہازہ و غسلہ فقال العباس لعلی وہما فی الدار امدد یدک ابایعک فیقول الناس عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بایع ابن عم رسول اللہ فلا یختلف علیک اثنان فقال لہ او یطمع یا عم فیہا طامع غیری قال ستعلم فلم یلبثا ان جاء تہما الاخبار بان الانصار اقعدت سعدًا لتبایعہ وان عمر جاء بابی بکر فبایعہ وسبق الانصار بالبیعۃ فندم علی علیہ السلام علی تفریطہ فی امر البیعۃ وتقاعدہ عنہا۔ (شرح حدیدی ص ۱۶۰/۱۰۴)

حضرت علی اور بعض بنو ہاشم رضی اللہ عنہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل اور تجہیز و تکفین میں مشغول تھے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا۔ اپنا ہاتھ بڑھاؤ میں تمہارے ساتھ بیعت کرتا ہوں جب کہ وہ دونوں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت کدہ پر تھے۔ کیونکہ جب لوگوں کو میری تمہارے ساتھ بیعت کا علم ہو جائے گا تو وہ کہیں گے کہ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچے نے آپ کے چچازاد بھائی کے ساتھ بیعت کر لی ہے۔ لہٰذا دو شخصوں کو بھی تمہارے ساتھ اختلاف نہیں ہوگا۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا اے چچا جان کیا اس میں میرے علاوہ کوئی دوسرا شخص بھی طمع اور امید رکھنے والا ہے۔ تو آپ نے کہا عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ ان کو خبر ملی کہ انصار نے حضرت سعد بن عبادہ کو بیعت کرنے اور خلیفہ بنانے کے لیے بٹھا رکھا ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لائے اور ان کے ساتھ بیعت کی۔ اور انصار سے بیعت میں سبقت لے گئے تو اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ بیعت کے معاملہ میں کوتاہی اور سستی کرنے پر نادم ہوئے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

(۳) نہج البلاغہ کے اس خطبہ کا پس منظر بیان کرتے ہوئے ابن ابی الحدید نے ذکر کیا کہ جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ، آپ کے غسل اور تجہیز و تکفین میں مصروف ہو گئے۔ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، کے ساتھ بیعت خلافت کر لی گئی۔ تو حضرت زبیر، جناب ابو سفیان اور مہاجرین کی ایک جماعت نے حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے ساتھ علیحدگی میں ملاقات کی تاکہ اس امر میں غور و فکر کریں اور ایسا کلام کیا جو انہیں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، کی خلافت کے خلاف برانگیختہ کرنے اور ابھارنے والا تھا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ، نے فرمایا:۔

قَدْ سمعنا قولکم فلا لقلّة نستعین بکم ولا لظنة نترك آراءکم فامهلونا نراجع الفکر۔ یعنی ہم نے تمہارا قول سن لیا، نہ قلت کی وجہ سے ہم تمہارے ساتھ استعانت کرتے ہیں، اور نہ تمہارے متعلق کسی بدگمانی کی وجہ سے تمہاری آرا کو نظر انداز کرتے ہیں، لہذا ہمیں مہلت دو، ہم غور و فکر کریں۔

فان یکن لنا عن الاثم مخرج یصر بنا وبهم الحق صریر الجدجد ونبسط إلی المجد اکفا لا نقبضها او نبلغ المدی وان تکن الاخری فلا لقلّة فی العدد ولا لوهن فی الایدی واللّٰه لولا ان الاسلام قید بالفتك لتدکدکت جنادل صخر یسمع اصطکاکها من المحل العلی۔

اگر ہمارے لیے گناہ سے بچ نکلنے کا کوئی راستہ ہوا تو ہمارے اور ان کے درمیان حق بآواز بلند پکارے گا۔ اور ہم بزرگی کی طرف ہاتھ بڑھائیں گے اور پھر انہیں سمیٹیں گے نہیں جب تک غایت کو پہنچ نہ جائیں اور اگر دوسری صورت ہوئی تو نہ تعداد میں قلت اور کمی کی وجہ سے ہو گی اور نہ ہی ہاتھوں میں ضعف و ناتوانی کی وجہ سے بخدا اگر اسلام نے اظہارِ جلادت و شجاعت پر پابندی عائد نہ کر دی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہوتی اور اس کے حدود و قیود کا یقین نہ کر لیا ہوتا تو سخت پتھروں کی بارش ہوتی اور ان کی گھن گرج بلند و بالا مکانوں میں سنائی دیتی۔ اس دوران حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا کمر بند کھولا اور فرمایا۔ الصبر حلم والتقوٰی دین والحجة محمد والطریق الصراط ایھا الناس شقوا۔ الخ

صبر حلم اور بردباری کا نام ہے۔ اور تقوٰی و پرہیز گاری ہی دین ہے اور حجت و دلیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور راستہ جو کہ چلنے کے لائق ہے وہ صراط مستقیم ہی ہے۔ اے لوگو! فتنوں کی امواج کو نجات کی کشتیوں کے ساتھ عبور کرو۔ الی آخر ما قال

تنقیح خطبہ اور وجہ استدلال:

نہج البلاغۃ کے عنوان خطبہ سے بھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور جناب ابوسفیان رضی اللہ عنہ دونوں کا بیعت کی پیش کش کرنا ثابت ہے۔

من کلام له لما قبض رسول الله صلی الله علیه وسلم وخاطبه العباس وابوسفیان بن حرب فی ان یبایعا له۔

اور شارح ابن ابی الحدید کے حوالہ سے واضح ہو گیا کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور مہاجرین کی ایک جماعت نے بھی یہ پیش کش کی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے تمام بنو عبد مناف پھر قریش پھر تمام عرب کی بیعت کی ضمانت دی۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے انکار کر دیا۔ دیگر روایات کے مطابق آپ کو غمگینی لاحق ہوئی۔ اور بیعت خلافت نہ لینے پر نادم ہوئے لیکن نہج البلاغۃ کی روایت سے واضح ہوا کہ آپ سمجھتے تھے۔ کہ ابھی میرا بیعت لینے کا موقعہ ہی نہیں ہے۔ بلکہ بیعت خلافت لینا کچا پھل توڑنے اور غیر کی زمین میں بیج بونے والی بات ہے۔ اور بنو تیم کو کمزور سمجھ کر اور ان کو حقیر سمجھتے ہوئے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کو توڑنا اور لوگوں کو ان سے منحرف کرنا منافرت کی راہ پہ چلنا ہے۔ اور جاہلیت کے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

دوسروں کی طرح قبائلی فخر و ناز اور تفوق اور برتری کا دعویٰ کرنے کے مترادف ہے۔
لہٰذا فرمایا کہ فخر و مباہات کے یہ تاج سروں سے اُتار پھینکو اور ساتھ ہی یہ بھی واضح فرمایا کہ میں موت و ہلاکت کے ڈر سے یہ باتیں نہیں کر رہا ہوں بلکہ اندمجت علی مکنون علم لو بحت بہ لاضطربتم اضطراب الارشیۃ فی الطوی البعیدۃ۔

ایک مخفی علم اور راز پر مطلع ہوں اور محیط و مشتمل کہ اگر میں اس کو ظاہر کروں تو تم اس طرح لرز جاؤ جیسے گہرے کنویں سے ڈول کھینچتے وقت رسے لرزتے ہیں جس کے متعلق شارح ابن ابی الحدید کہتا ہے هٰذا اشارۃ الی الوصیۃ التی نص بہا علیہ السلام انہ قد کان من جملتہا الامر بترک النزاع فی مبداء الاختلاف علیہ۔

اس جملہ میں اس وصیت کی طرف اشارہ ہے جس کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مخصوص ٹھہرایا گیا۔ من جملہ دیگر امور کے اس میں یہ بھی داخل ہے کہ اگر تمہارے ساتھ اختلاف ہو اور خلافت بغیر نزاع کے ہاتھ نہ آسکے تو تم نزاع اور جھگڑا نہیں کرو گے بلکہ تسلیم و رضا سے کام لو گے جس کا مفصل ذکر اس خطبہ کے بعد تیسرے حوالہ میں آرہا ہے۔ الغرض اس خطبہ میں خلافت مرتضوی کے وقت کا موخر ہونا اور آپ کا اپنی باری کی انتظار میں ہونا واضح ہوگیا۔ کما قال ابن ابی الحدید: یرید انہ لیس ہٰذا الوقت ہو الوقت الذی یسوغ لی فیہ طلب الامر وانہ لم یان بعد۔ ص ۲۱۴ ج ۱

اور وصیت ثابت ہوئی تو یہی کہ اختلاف و نزاع سے گریز کرنا لہٰذا وصی رسول کا یہ معنی نہیں کہ خلافت بلافصل کی وصیت کی گئی بلکہ صبر اور تسلیم و رضا کی وصیت کی گئی بلکہ صبر اور تسلیم و رضا کی وصیت کی گئی۔ اور ترک نزاع کی نیز یہ حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ اصل محرک خلافت و امارت کا معاملہ طے کرنے کے انصار بنے اور حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے خلافت ان سے لی ہے۔ اور اگر یہ حضرات

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

سقیفہ میں جاکر اپنی خداداد عظمت و جلالت اور رفعت و مرتبت کے ذریعے اس کو انصار سے حاصل نہ کرتے تو چوتھے درجہ میں بھی آپ کو خلافت کا ملنا ناممکن تھا چہ جائیکہ بلافصل کا حصول اور انصار کو وصیت خلافت کا علم ہوتا یا نص خلافت معلوم ہوتی تو وہ یہ قدم بالکل نہ اٹھاتے اور جب اپنی خلافت ترک کی تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ، کو خلیفہ بناتے۔ نیز یہ بھی واضح ہو گیا۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، کے ہاتھ پہ بیعت کی پیش کش صرف حضرت ابوسفیان کی طرف سے نہیں تھی۔ تاکہ اس کو اسلام دشمنی سمجھ کر نظر انداز کیا جاتا بلکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ، اور دیگر حضرات صحابہ بھی ان کے ساتھ متفق تھے اور ان میں سے کسی نے بھی آپ کے لیے نہ وصیت کا ذکر کیا اور نہ نص کا بلکہ صرف بنو تیم اور بنو عدی کی حکومت اور بنو عبد مناف پہ حکمرانی کو سامنے رکھ کر اس خلافت کو کالعدم کرنے بلکہ اس کے انعقاد سے قبل بنو عبد مناف اور بنو ہاشم کی حکومت قائم کرنے کا مشورہ دیا۔

خوفِ قتل وغیرہ کی وجہ سے ازراہِ تقیہ بیعت اور اطاعت کا رد

حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ، کے اس خطبے نے واضح کر دیا۔ کہ وہ موت اور قتل کے اندیشے اور خوف کے تحت اس خلافت و امارت کو تسلیم نہیں کر رہے تھے۔ بلکہ موت تو ان کو اس سے بھی زیادہ محبوب ہے جس قدر کہ شیر خوار بچے کو ماں کا دودھ محبوب ہوتا ہے۔ علامہ ابن میثم اور صاحب درۃ نجفیہ نے اس کی شرح میں کہا:۔

قد عرفت ان محبۃ الموت والانس بہ متمکن من نفوس اولیاء اللہ لکونہ وسیلۃ لھم الی لقاء اعظم محبوب والوصول الی اکمل مطلوب وانما کان آنس بہ من الطفل بثدی امہ لان محبۃ الطفل للثدی وانسہ ومیلہ الیہ طبعی حیوانی فی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

معرض الزوال وميلهٗ الی لقاء ربہٖ والوسیلة الیہ میل عقلی باق فاین احدھما من الآخر۔

(ابن میثم جلد اوّل ص ۲۷۹)

(درۂ نجفیہ ص ۶۹)

تحقیق تو جان چکا ہے، کہ موت کی محبت و انس اولیاء اللہ کے نفوس و قلوب میں متمکن ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ موت ان کے لیے عظیم تر محبوب اور کامل تر مطلوب کی طرف وصول کا ذریعہ ہوا کرتی ہے۔ اور بچے کی ماں کے پستان کے ساتھ مانوس ہونے سے بھی آپ کے موت کے ساتھ زیادہ مانوس ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بچے کا اس کی طرف میلان اور انس طبعی ہے۔ اور تقاضائے حیوانیت جو کہ معرض زوال میں ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کا میلان اور انس اللہ تعالیٰ کی ملاقات اور اس کی بارگاہ میں حاضری کے ساتھ اور اس کے وسیلہ یعنی موت کے ساتھ عقلی و روحانی اور دائمی و ابدی ہے۔ لہٰذا ان میں باہم کیا نسبت ہو سکتی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کی شجاعت و بسالت کی حکمت بیان کرتے ہوئے فاضل ابن میثم نے جلد اوّل ص ۳۰ پر تحریر کیا۔

لانّ المانع عن الاقدام علی الاھوال والمکارہ انّما ھو خوف الموت وحب البقاء والعارف بمعزل عن تقیة الموت اذ کانت محبة اللّٰہ شاغلة عن الالتفات الی کل شیٔ بل ربما یکون مشتھیً لہٗ لکونہٖ وسیلةً الی لقاء محبوبہ الاعظم وغایتہ القصوی۔

کیونکہ ہولناک اور مشکل ترین امور میں اقدام اور مداخلت سے صرف موت کا خوف اور زندگی کی آرزو اور محبت مانع ہوا کرتی ہے اور عارف کا مقام موت کے ڈر اور خوف سے کہیں دور اور بالاتر ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی محبت اس کو دوسری تمام اشیاء کی طرف التفات اور اشتغال سے مانع ہوتی ہے بسا اوقات

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

موت اسے دوسری تمام اشیاء سے زیادہ مرغوب و مطلوب ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ عظیم تر محبوب امر اور انتہائی مرغوب مقصد کا ذریعہ اور وسیلہ ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ آپ کا خلافت صدیقی کو تسلیم کرنا بلکہ دوسرے لوگوں کو اس کی مخالفت سے باز رکھنا اور اس کو امواج فتن میں تھپیڑے کھانے اور عصبیت جاہلیہ کے تاج سر پر رکھنے سے محتراز قرار دینا سراسر مصلحت اور حکمت پر مبنی تھا۔ اور اس میں کسی قسم کا ڈر اور خوف و اندیشہ شامل نہیں تھا اور نہ ہی وہ آپ کے شایان شان تھا۔ لہٰذا شیعہ برادری کی وہ ساری افترا پردازی اور افسانہ سازی جو آپ کے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیعت کرنے کے متعلق ذکر کی گئی ہے۔ اس ارشاد سے لغو اور باطل ہوگئی کیونکہ گلے میں رسے ڈلوا کر اور گھسیٹ کر لائے جانے کے بعد کہنا میں بیعت نہ کروں تو کیا کرو گے جب انہوں نے کہا تمہارا سر قلم کر دیں گے۔ تو آپ کا حجرۂ مقدسہ کی طرف منہ کر کے کہنا یا ابن ام ان القوم استضعفونی وکادوا یقتلوننی قوم نے مجھے ضعیف و ناتواں سمجھا اور وہ میرے قتل کے درپے ہیں۔ لہٰذا مجھے بیعت کرنے میں معذور سمجھنا اور اس کے بعد بیعت کر لینا۔ اس فرمان کے سراسر خلاف ہے۔ بلکہ آپ تو پیشگی اسی توہم کا رد کر رہے ہیں کہ میرے سکوت کو موت سے گھبراہٹ کے ساتھ تعبیر کیا جائے گا۔ لیکن بخدا یہ توہم سراسر غلط اور باطل ہے تو گویا جس امر کا توہم بارگاہِ مرتضوی میں ناقابل برداشت تھا۔ اس کو مدعیان محبت . . . نے ایک حقیقت بنا کر رکھ دیا اور مقام عرفان سے گرا دیا اور اپنے فرزند ارجمند حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے بھی شجاعت و بسالت میں کمتر ثابت کر دکھلا دیا اور حق کی پاسبانی اور حفاظت و نگرانی میں قربانی کے جذبات سے سراسر عاری اور خالی ثابت کر دکھایا

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

اور اگر کسی وصیت کی وجہ سے آپ نے ان کے ساتھ حرب و قتال اور جدال ونزاع سے گریز کیا تھا۔ تو پھر گلے میں رسے ڈلوانے دروازے جلوانے حضرت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

زہراء کی توہین و تحقیر کرانے کے بعد بیعت کرنے کی ضرورت کیا تھی؟ لہٰذا ان امور کا سراسر افسانہ اور افتراء ہونا واضح ہو گیا والحمد للہ علیٰ ذٰلک۔ علاوہ ازیں جب دوسروں کو خلافت صدیق رضی اللہ عنہ کی مخالفت سے منع کر رہے ہیں تو خود اس طرح کے اقدام کیوں کر کر سکتے ہیں جو مخالفت اور ناسازگاری پہ دلالت کریں۔ اور عداوت و منافرت کی علامت و دلیل ہوں یہ ایک کھلا تضاد ہے جو سرچشمہ ولایت کی ذات مقدسہ سے بہت بعید ہے بلکہ ناممکن؟

شیعی شارحین کا اضطراب

ابن میثم اور صاحب درۂ نجفیہ نے حضرت امیر قدس سرہٗ العزیز کے اس ارشاد کی تشریح و توضیح میں کہا کہ میرے لیے خلافت کے دعویٰ کا یہ وقت نہیں اور وہ گلے میں اٹک جانے والا لقمہ اور بدبودار اور ترش پانی ہے۔ اور قبل از وقت کچا پھل توڑنا اور غیر کی زمین میں کاشت کرنا ہے کیونکہ میرے لیے کافی ناصر و مددگار نہیں ہیں۔

تنبیہ علیٰ ان ذٰلک الوقت لیس وقت الطلب لھذا الامر اما لعدم ناصر او لغیر ذٰلک ابن میثم (جلد اوّل ص ۲۷۸ و درۂ نجفیہ ص ۶۹۔)

حالانکہ حضرت عباس اور جناب ابوسفیان اور جماعت مہاجرین کی درخواست اور بیعت کے مطالبے پر آپ نے یہ جواب دیا تو آپ اگر ان کی امداد و اعانت کو ناکافی سمجھتے تھے۔ تو صاف فرما دیتے کہ تم میں مقابلہ کی سکت نہیں اور میں تمہاری اس امداد و اعانت پر بھروسہ نہیں کر سکتا۔ نہ یہ کہ تم فتنہ پردازی سے گریز کرو اور تاج مفاخرت سروں سے اتار پھینکو جبکہ مدینہ منورہ کو سواروں اور پیادوں سے بھر دینے کی پیش کش ہو رہی ہو۔ تو قلت ناصر کا دعویٰ کیونکہ صحیح ہو سکتا ہے۔ پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے خطبات کو سامنے رکھیں جو قبل ازیں ذکر ہو چکے تو بھی قلت انصار کا عذر بالکل لغو معلوم ہوتا ہے۔ کس قدر تعجب کی بات ہے۔ کہ بار بار تعصب سے ہٹ کر شرح کرنے کی قسمیں کھانے والے جب بھی مذہب رفض

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اور تشیع کا حضرت امیر کے ہاتھوں بیڑا غرق ہوتا دیکھتے ہیں تو پھر اسی تعصب سے کام لینا شروع کر دیتے ہیں۔

محقق طوسی کا اعتذار اور اس کا رد

محقق طوسی نے حضرت عباس والی اس پیشکش کی توجیہ کرتے ہوئے کہا کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ کے لیے نص موجود نہیں تھی بلکہ ایک طریق نصب خلیفہ کا اس نص پر کرتا تھا اور دوسرا طریقہ شوریٰ و اختیار اور انتخاب کا تھا۔ لہٰذا حضرت عباس رضی اللہ عنہ، دونوں طرح سے خلافت کو آپ میں منحصر اور مختص کرنا چاہتے تھے اور قوم کو الزام دینا چاہتے تھے کہ اگر آپ کا منتخب خلیفہ ہے تو ہمارا بھی منتخب ہے علاوہ ازیں ہمارا خلیفہ منصوص بھی ہے لما بلغه فعل اهل السقيفة و قصدهم الامر من جهة الاختيار اراد ان يحتج عليهم بمثل حجتهم الخ تلخیص الشافی ص۳۵۲۔ علاوہ ازیں دوسرا جواب یہ دیا کہ بیعت کرنا وجود نص کے خلاف نہیں دیکھو ابوبکر صدیق رضی اللہ نے (حضرت) عمر رضی اللہ عنہ، کی خلافت پر تنصیص بھی کر دی اور لوگوں کو بیعت کا حکم بھی دیا اور انہوں نے بیعت کی۔

وقد رأيناه مع نص ابی بكر عليه حمل الناس على بيعته دعاهم اليها فبايعوه ولم يمنع تقدم النص من البيعة ص۳۵۲۔

رد اعتذار اور بیان حقیقت

(۱) لیکن طوسی صاحب صرف اپنی ذکر کی ہوئی روایت پر نظر رکھتے ہیں اور اس ضمن میں وارد دوسری تمام روایات سے نظر ہٹا لیتے ہیں۔ جس سے حقیقت حال پوری طرح واضح نہیں ہوتی۔ یہاں پر دو قسم کی روایات ہیں پہلی قسم کی وہ روایات جن میں سقیفہ کے اندر ابھی انصار کا اجتماع ہوا تھا اور نہ ابوبکر صدیق کے لیے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بیعت کا کوئی امکان سامنے تھا۔ اس وقت بیعت کی پیشکش اور بنو عبد مناف اور قریش بلکہ عرب کے آپ پر متفق ہونے کا ذکر اس امر کی واضح دلیل ہے کہ آپ کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں نص موجود نہیں تھی۔ اور تقرر خلیفہ کی صورت بھی آپ کے نزدیک یہی انتخاب والی تھی۔ جس کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی مشغولیت کا ذکر کیا۔ اور یہ بھی کہ میرے علاوہ اسکا امیدوار کون ہے؟ مگر آپ نے فرمایا انجام دیکھ لینا۔ چنانچہ بعد میں آپ نے کہا کہ اب اس خلافت کو رد نہیں کیا جا سکتا تو انہوں نے فرمایا بعد از انعقاد اس کا رد کیونکر ممکن ہے۔ لہذا اس مضمون کی تمام روایات کو دیکھ کر پھر بنظر انصاف و دیانت غور و فکر کرو تو طوسی صاحب کے جواب کی حیثیت پر کاہ کے برابر بھی نہیں رہ جاتی۔

۲) دوسری قسم کی روایات وہ ہیں جو انعقاد خلافت کے بعد اس کو متزلزل کرنے اور اس کو ختم کرنے کے متعلق پیش کش پر مشتمل ہیں جن میں حضرت عباس کے ساتھ جناب ابوسفیان حضرت زبیر اور جماعت مہاجرین بھی شامل ہے۔ لیکن ایک دفعہ خلافت کے تقرر کے بعد دوسرے شخص کی بیعت کرنے سے آیا۔ اتمام حجت ہو سکتا ہے۔ اور پہلی بیعت و انتخاب کے ساتھ معارضہ و مناقضہ ہو سکتا ہے۔ قطعاً نہیں اور یہی وہ حقیقت ہے جس کا بار بار باصرار حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں حضرت طلحہ اور حضرت زبیر اور جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہم کے سامنے اظہار کیا اور اعلان فرمایا۔ انها بيعة واحدة لا يثنى فيها النظر ولا يستانف فيها الخيار وغیرہ وغیرہ اور خود حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بھی فرمایا۔ وهل يرد مثل ذلك قط۔ کہ کبھی انعقاد بیعت کے بعد اور تقرر خلافت کے بعد اس کا رد ممکن ہے؟ لہذا اس روایت پر بھی یہ جواب قطعاً منطبق نہیں ہوتا۔ اس لیے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بیعت کی پیش کش کرنا اور ہر موقعہ اس خلافت و امامت پر

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

متصرف ہونے کی تلقین کرنا اس حقیقت کی طرف مشعر ہے۔ کہ نص خلافت موجود نہیں تھی علی الخصوص جب دوسری روایات کو ساتھ ملایا جائے جن میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرنے کا مشورہ دیا کہ خلافت کس کے لیے ہے۔

۳) نیز طوسی صاحب کا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی تصریح و تنصیص پر اس کو قیاس کرنا بھی کسی طرح درست نہیں ہے۔ کیونکہ وہاں تنصیص اور تصریح کے ساتھ ہی بیعت کا حکم ہے اور انتقال اقتدار پایا گیا ہے۔ جب کہ بقول شیعہ صاحبان حضرت علی کے لیے خلافت کی تصریح و تنصیص تقریباً تین ماہ پہلے پائی گئی اور انتقال اقتدار کی نوبت نہ آئی۔ علاوہ ازیں حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حکم ابوبکر صدیق میں جو فرق ہے۔ وہ کیونکر نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ حکم ابوبکر کی مخالفت و موافقت دونوں محتمل ہیں جب کہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کسی مومن کے لیے ممکن نہ تھی علی الخصوص وہ انصار جو میزبان رسول اور میزبان مہاجرین تھے اور اپنے وطن میں اپنی حکومت سے دست بردار ہو رہے تھے ان سے یہ مخالفت کیونکر ممکن تھی؟

الحاصل حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد میں کوئی معمولی اشارہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تقرر خلافت کا نہیں ملتا اور نہ اس جواب سے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو دیا حیرت کی بات ہے۔ کہ صحابہ کرام کی جلالت مرتبت اور قرآن و احادیث اور ارشادات مرتضویہ سے ثابت ان کی رفعت کو کس طرح نظر انداز کر کے اور اس مضمون کی دوسری روایات کو کس طرح پس پشت ڈال کر جوابی کاروائی کی ناکام سعی کی جاتی ہے۔ اور سراسر تعصب کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ اور بلا وجہ اور بلا دلیل صحابہ کرام علیہم الرضوان کو ظالم اور غاصب بنانے کی سعی نا تمام اور جہد نا مشکور کی جاتی ہے۔

نوٹ:۔ نہج البلاغۃ کے اس خطبے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کی صریح نفی اور ترک نزاع واختلاف کی وصیت کا ڈھکو صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور بالکل خاموشی سے گزر گئے ہیں۔ جو کھلا اعتراف عجز ہے۔ اور جواب نہ بن سکنے کا عملی اقرار اور علامہ ڈھکو صاحب کا معمول ہی یہی ہے۔ کہ جس دلیل اور روایت کا جواب نہ آتا ہو۔ اس سے آنکھیں بند کر کے نکل جاتے ہیں اور جہاں کچھ نہ کچھ بولنے کا امکان ہو وہاں شاعری شروع کر دیتے ہیں حالانکہ در رسالہ مذہب شیعہ،، کے اندر مندرج دلائل کا جواب نہیں آتا تھا۔ تو خواہ مخواہ رد لکھنے کا تکلف ہی کیوں کرنا تھا۔ اور ان اوراق کے سیاہ کرنے کی کیا ضرورت تھی!

رسالہ مذہب شیعہ از حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز۔

روایت نمبر۴:۔

سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ایک اور فرمان بھی پڑھ لو۔ ناسخ التواریخ جلد سوم کتاب ۲ صفحہ ۵۱ پر مرقوم ہے۔

لَقَدْ عَهِدَ اِلَیَّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقال یا علی لتقاتلنّ الفئة الناكثة والفئة الباغية والفرقة المارقة انهم لا ايمان لهم لعلهم ينتهون۔

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا اور یہ عہد لیا کہ تم ضرور بالضرور اور بہر صورت وعدہ توڑنے والوں، بغاوت کرنے والوں اور سرکشی کرنے والوں کے خلاف جنگ کرنا بے شک ان کے لیے ایمان نہیں ہے ہو سکتا ہے کہ وہ باز آئیں۔

اب یا تو خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کو برحق تسلیم کیا جائے۔ یا حضرت امام المتقین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو معاذ اللہ تعالیٰ عہد توڑنے والا تسلیم کیا جائے؟ ان دونوں صورتوں کے بغیر تبائیے تیسری کونسی صورت متصور ہو سکتی ہے؟ کیونکہ شیر خدا رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف جنگ نہیں کی بلکہ ہر معاملہ میں

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ان کی امداد و اعانت کی اور کوئی قول یا فعل آپ سے ایسا ظاہر نہ ہوا جو ان کے ساتھ کسی معاملہ میں مخالفت پر بطور دلیل پیش کیا جا سکے!

تتمہ مبحث مذکور تحفہ حسینیہ از ابوالحسنات محمد اشرف السیالوی

اقول:۔ جب کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے کلمات جو خطبہ سابقہ کے ابتداء میں سے حذف کئے گئے اور شارح ابن ابی الحدید نے ان کو نقل کیا یعنی آپ کا حضرت زبیر، جناب ابوسفیان اور جماعت مہاجرین کو یہ فرمانا فلا لقلة نستعین بکم ولا لظنة نترك آراءکم الخ ہم نہ تو قلت تعداد کی وجہ سے تم سے امداد و اعانت کے طلبگار ہیں اور نہ کسی بدگمانی کی وجہ سے تمہاری آراء کو نظرانداز کرتے ہیں بس ہمیں سوچنے کا موقعہ دیجئے اور یہ معلوم کرنے کا کہ آیا از روئے شرع ہمارے لیے اس اقدام میں کوئی گناہ تو نہیں لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان مشورہ دینے والوں کی آراء پر تنقید کرتے ہوئے اس کو فتنہ کی امواج میں تھپیڑے کھانے اور منافرت و مخالفت کی راہ چلنے اور جاہلیت کی قبائلی فوقیت و برتری کے مزعومہ تاج مفاخر سر پر رکھنے سے تعبیر کیا اور اس اقدام کو قبل از وقت قرار دیا۔ اس سے صاف ظاہر کہ ثلاثہ رضی اللہ عنہم حضرات نہ باغی تھے اور نہ ناکث اور نہ ہی قاسط و مارق بلکہ خلافت الٰہیہ کے وارث و مالک جس طرح نحن علیٰ موعود من اللہ الخ والے خطبہ سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو چکی اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت فاروق اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی برضا و رغبت بیعت کرنے سے اور ان کو امامت کا اہل تسلیم کرنے سے جیسے کہ سابقہ صفحات میں تفصیل عبارات ہدیۂ ناظرین ہو چکی ہیں۔ الحمد للہ علیٰ ذالک محمد اشرف غفرلہ۔

علامہ ڈھکو صاحب کا عجز اور بے بسی

نوٹ:۔ علامہ ڈھکو صاحب نے اس روایت اور عبارت کا جواب بھی نہیں

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

دیا اور حاضری کے چاولوں کی طرح ہضم کر گئے ہیں۔

روایت نمبر ۵:

خدا کے شیر کی شان میں ایک اور خطبہ نہج البلاغۃ کا ملاحظہ فرمائیں

نہج البلاغۃ مصری جلد اول صفحہ ۸۱

رضینا عن اللہ قضاءہ و سلمنا للہ امرہ أترانی اکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واللہ لانا اوّل من صدقہ فلا اکون اول من کذب علیہ فنظرت فی امری فاذا طاعتی قد سبقت بیعتی واذا المیثاق فی عنقی لغیری۔

یعنی ہم اللہ تعالیٰ کی قضاء پر راضی ہو چکے اور ہم نے اللہ تعالیٰ کے امر و حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا ہے۔ کیا تم میرے متعلق یہ گمان کرتے ہو کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولوں گا؟ خدا کی قسم میں پہلا شخص ہوں جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی تھی تو سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلانے والا میں نہیں ہو سکتا میں نے اپنی خلافت کے بارے میں پوری طرح خوب سمجھ بوجھ لیا ہے کہ میرے لیے اطاعت کرنا اس بات پر سبقت لے جا چکا ہے۔ کہ میں لوگوں کو بیعت کرنا شروع کر دوں جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد و پیمان دوسروں کی اطاعت کا میرے ذمے لگ چکا ہے۔

اس خطبہ کی شرح میں اہل تشیع کے علامہ ابن میثم بحرانی صفحہ ۱۵۸ پر رقمطراز ہیں۔

فنظرتُ فاذا طاعتی قد سبقت بیعتی ای طاعتی لرسول اللہ فی ما امرنی بہ من ترک القتال قد سبقت بیعتی للقوم فلا سبیل الی الامتناع منہا وقولہ اذا المیثاق فی عنقی لغیری ای میثاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعہدہ الیّ بعدم المشاقۃ و قیل المیثاق ما لزمہ من بیعۃ ابی بکر بعد ایقاعہا ای

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

فميثاق القوم قد لزمني فلم يمكنني المخالفة بعدہٗ۔

یعنی جس بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے امر فرمایا تھا۔ کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی مخالفت نہ کروں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اس قوم کی اطاعت اور ان کے ساتھ بیعت کرنے سے قبل ہی واجب ہو چکی تھی۔ تو میرے لیے ان کی بیعت سے رکے رہنے اور ان کی بیعت نہ کرنے کی کوئی وجہ جواز نہیں تھی۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ، کا یہ فرمانا کہ میرے ذمہ دوسروں کی اطاعت کا وعدہ اور عہد پہلے ہی سے لگ چکا تھا۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ میں آپ کے عہد کی مخالفت نہ کروں اور یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ میثاق نبوی سے مراد یہ ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، کے ساتھ بیعت کرنے کا وعدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لیا تھا۔ تو اس لازم اور واجب التعمیل وعدہ کے بعد تو میرے لیے ممکن نہ تھا کہ میں اس کی مخالفت کر دوں۔

علامہ ڈھکو صاحب کی بے بسی۔

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ کی ذکر کردہ اس دلیل کو بھی ڈھکو صاحب نے ہاتھ تک نہیں لگایا اور خاموشی سے نکل گئے مگر عملاً بے بسی کا مظاہرہ کر گئے۔

تحفۂ حسینیہ

از ابوالحسنات محمد اشرف السیالوی

اسی خطبہ کی شرح میں فنظرت فی امری الخ کے تحت شارح ابن ابی الحدید معتزلی شیعی نے کہا ہے۔

هٰذه كلمات مقطوعة من كلام يذكر فيها ماله بعد

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و انّہ کان معہوداً إلیہ ان لا ینازع فی الامر ولا یثیر فتنۃ بل یطلبہ بالرفق فان حصل لہٗ والا امسک۔

(شرح حدیدی جلد ثانی ص۲۹۶)

یعنی یہ کلمات آپ کے اِس کلام سے لیے گئے ہیں جس میں آپ نے وفات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اپنی حالت کا ذکر کیا ہے۔ یعنی یہ کہ آپ کی طرف سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ امر خلافت میں نزاع و اختلاف سے کام نہ لینا اور نہ فتنہ بپا کرنا بلکہ بنرم روی اور رفق و ملائمت سے خلافت طلب کرنا مل جائے تو بہتر اور نہ ملے تو اِس سے رُک جانا اور اعراض و روگردانی کرنا قولہٗ

فاذا طاعتی لرسول اللہ ای وجوب طاعتی فحذف المضاف واقیم المضاف الیہ مقامہٗ قد سبقت بیعتی للقوم ای وجوب طاعۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیّ و وجوب امتثالی امرہٖ سابقٌ علی بیعتی لانّہٗ صلی اللہ علیہ وسلم امرنی بہا۔

یعنی طاعتی الرسول اللہ میں مضاف محذوف ہے۔ اور مضاف الیہ کو مضاف کی جگہ قائم کیا گیا ہے۔ معنی یہ ہے۔ کہ اطاعت رسول صلی اللہ وسلم کا وجوب و لزوم مجھ پر اور آپ کے ارشاد کی تعمیل کی فرضیت میرے قوم کی بیعت کرنے سے سبقت لے جا چکی تھی۔ لہذا میرے لیے اِس سے رُکے رہنے کی وجہ جواز نہیں تھی۔ کیونکہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے اس کا حکم دیا تھا۔

واذا المیثاق فی عنقی لغیری ای رسول اللہ اخذ علی المیثاق بترک الشقاق والمنازعۃ فلم یحل لی ان اتعدیٰ امرہ او اخالف نہیہ۔

دوسروں کے لیے میثاق میری گردن میں تھا۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نے مجھ پر مخالفت اور نزاع سے باز رہنے کی ذمہ داری ڈالی۔ اور عہد لیا لہٰذا میرے لیے آپ کے حکم سے تجاوز کرنے اور آپ کی نہی اور منع کی مخالفت کا امکان نہیں تھا۔

فوائد خطبہ اور مذہب اہل سنت کا اثبات

(۱) سبحان اللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، کو پابند کیا گیا کہ مخالفت نہ کرنا اور فتنہ و فساد برپا نہ کرنا اور نرم روی اور اعتدال پسندی سے کام لینا حالانکہ آپ انجام کار سے باخبر تھے کہ خلافت پر ابو بکر اور عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کو یکے بعد دیگرے اقتدار اور تصرف حاصل ہوگا۔ لیکن ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ، کے لیے پابند نہ فرمایا۔ بلکہ آپ کو ان کے لیے پابند فرما دیا جس سے صاف ظاہر کہ آپ کی نگاہ میں انہیں کی خلافت و امارت اسلام اور اہل اسلام کے لیے مفید تھی۔ اور غلبہ و قوت کا موجب اور اسی میں مصلحت اور بہتری تھی۔ اس لیے ابن ابی الحدید نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی اہل اسلام پر خصوصی عنایت تھی کہ انہیں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، کے انتخاب کا الہام فرمایا۔

فکان من عنایة اللہ تعالیٰ بهذا الدین ان الهم الصحابة ما فعلوه واللہ متم نوره ولو کره المشرکون (شرح حدیدی جلد ۱۱ ص ۱۱۳)

تو اس دین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عنایت تھی۔ کہ صحابہ کرام کو الہام فرمایا اس فعل کا جو انہوں نے کیا اور اللہ تعالیٰ اپنے نور کو کامل و مکمل کرنے والا ہے۔ اگرچہ مشرک اس کی تکمیل و تتمیم کو پسند نہ بھی کریں۔

(۲) اور اس سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، کے حق میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی حقانیت بھی واضح ہو گئی۔

ادعی لی اباک و اخاک اکتب لکم فانی اخاف ان یتمنی متمن و یقول انا ولا ویابی اللہ والمؤمنون الا ابا بکر۔ (مشکوٰۃ شریف)

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اے عائشہ میرے سامنے اپنے باپ اور بھائی کو بلا تاکہ میں خلافت ان کو لکھ دوں۔ کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ کوئی آرزومند اس کی آرزو کرے اور کہے میں حقدار ہوں حالانکہ دوسرا کوئی حق دار نہیں دمگر ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کے ازلی فیصلہ قضاء وقدر کے علم کے تحت فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور مؤمنین سوائے ابوبکر کے کسی دوسرے شخص پہ راضی نہ ہوں گے۔ نیز فرمایا میرے بعد ابوبکر متولی خلافت ہوں گے۔ بعدازاں عمر فاروق رضی اللہ عنہما۔

(۳) نیز یہ بھی واضح ہوگیا کہ آپ اپنے غلاموں کو بغیر نگران اور حکمران کے چھوڑ کر نہیں جا رہے تھے۔ کیونکہ آپ کے علم میں تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ابوبکر صدیق پر متفق فرما دے گا اور انتظام باحسن وجوہ قائم رہے گا۔ جہاں سے اختلاف کا اندیشہ تھا ان کو عہد و میثاق کے ذریعے پابند فرما دیا۔ اور حضرت صدیق کے لیے زمین ہموار کر دی۔

(۴) اہل تشیع کے ان دعوؤں اور اختراعی روایات کی قلعی بھی کھل گئی کہ مسجد قباء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بعد از وصال ابوبکر صدیق کو دیدار ہوا اور آپ نے ان کو فرمایا کہ علی پر ظلم نہ کر اور خلافت ان کے حوالے کر دے کیونکہ جب ظاہری حیات طیبہ میں آپ ان کی اطاعت اور موافقت کا پابند فرما رہے ہیں۔ اور عہد و میثاق لے رہے ہیں تو قبر انور سے باہر آکر وہ بھی مسجد قباء میں اور اکیلے صدیق اکبر کے سامنے یہ ارشاد فرمانے کا فائدہ کیا ہو سکتا ہے۔

نہ خود اقتدار سونپتے ہیں نہ آخری خطبہ میں ان کی خلافت و امامت کا اعلان فرماتے ہیں نہ لوگوں کو آپ کی ولی عہدی کی بیعت کا فرمان جاری کرتے ہیں۔ بلکہ آپ کو پابند اطاعت فرماتے ہیں اور آپ پہ ان کی بیعت لازم کرتے ہیں۔ تو پھر مزار انور سے نکل کر ایسی تاکیدیں فرمانے کا کیا مطلب؟ لہٰذا امر نیمروز کی طرح عیاں ہوگیا کہ یہ یار لوگوں کے تراشے ہوئے افسانے ہیں جن کو حقیقت سے دور کا بھی واسطہ و تعلق نہیں ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اہلبیت کے ساتھ تشدد کا ابطال

(۵) جب حضور خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ عہد تھا اور آپ اس کے پابند تھے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تو بیعت سے رُکنا اور بیعت کی دعوت پر تلوار اُٹھا کر لڑائی کے لیے آمادہ ہونا اور بالآخر مجبور ہو کر گلے میں رستے ڈلوا کر اور گھسیٹ کر منبر نبوی کے پاس لائے جانے پر بعد بیعت کرنا اور اس کے ساتھ ہی گھر جلائے جانے کے افسانے اور حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے بھی مضروب اور زخمی ہونے کے ڈرامے اور حضرت محسن کے اسقاط کے افتراء وغیرہ کو سامنے رکھ کر بتلاؤ۔ اور اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر سمجھ کر بتلاؤ کہ وصیت پر عمل اور عہد کو نبھانے اور وعدے کو پورا کرنے کا یہی انداز ہوتا ہے جو آپ نے اختیار فرمایا۔ لہٰذا واضح ہو گیا کہ یہ روایات جھوٹ اور افتراء پر مبنی ہیں

ابن ابی الحدید معتزلی شیعی نے کہا:۔ فکلہ لا اصل له عند اصحابنا ولا يثبته عند احد منهم ولا رواة اهل الحديث ولا يعرفونه وانما هو شئ تنفرد الشيعة بنقله۔ شرح حدیدی جلد ثانی ص ۶۰ یعنی ان تمام امور کی کوئی اصل نہیں ہمارے علماء کے نزدیک اور نہ ہی ان میں سے کوئی ان امور کو ثابت کرتا ہے۔ اور نہ ہی اہل حدیث نے ان امور کو روایت کیا۔ بلکہ نہ ہی وہ ان کو جانتے ہیں۔ اور یہ ایسے امور ہیں کہ صرف شیعہ لوگ ان کی روایت کے ساتھ منفرد ہیں۔ اور وہ معاند و دشمن ہیں۔

لہٰذا ان کی نقل کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے۔ ان کا تو کام ہی یہی ہے۔ کہ جہاں فضائل صحیح روایات سے بھی ثابت ہوں ان پر قینچی چلا دی۔ اور نقائص و مصائب نہ ہوں تو اپنی طرف سے گھڑ لیے اور یہود و مجوس اور ابلیس کو خوش کرنے کی مقدور بھر سعی سے گریز نہ کیا نعوذ باللہ من شرورہم)

دوسرے مقام پر ابن ابی الحدید نے اپنے مذہب اعتزال اور تفضیلی شیعہ ہونے کے ناطے سے اپنا مذہب مختار بیان کرتے ہوئے اور اس قسم کی روایات پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:۔

فاما علی علیه السلام فانه عندنا بمنزلة الرسول صلی الله علیه وسلم فی تصویب قوله والاحتجاج بفعله ووجوب

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

طاعته ومتی صح عنه انه بریٔ من احد برئنا منه کائناً من کان ولکن الشان فی تصحیح ما یُروی عنه علیه السلام فقد اکثر الکذب علیه وولدت العصبیة احادیث لا اصل لها۔

(شرح حدیدی ج ۲۰ ص ۳۵)

لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقام ہمارے نزدیک آپ کے اقوال کی درستگی اور افعال کی حجیت اور اطاعت و فرمانبرداری کے وجوب و لزوم کے لحاظ سے وہی مقام ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان امور میں ہے۔ اور جب کسی صحیح روایت سے ثابت ہو جائے کہ آپ نے لوگوں میں سے کسی بھی شخص سے برأت کا اظہار کیا ہے۔ تو ہم بھی اس سے برأت اور بیزاری کا اظہار کریں گے۔ خواہ وہ کیسا ہی بظاہر بلند و بالا مقام و مرتبہ کا آدمی کیوں نہ ہو۔ لیکن اصل معاملہ ان روایات کی صحت و ثبوت اور واقعیت کا ہے۔ اور اس تحقیق کا کہ واقعی آپ سے یہ مروی و منقول ہیں کیونکہ آپ پر بہت زیادہ دروغگوئی سے کام لیا گیا اور من گھڑت روایات آپ کی طرف نسبت کر دی گئی اور آپ کی محبت کے جوش اور تعصب میں بے بنیاد اور حقیقت و واقعیت سے بالکل دور روایات کو اختراع کر لیا گیا (اس لیے ہر قسم کی روایت کا بغیر معیار صحت پر پرکھے اعتبار نہیں کیا جا سکتا)

اور یہ حقیقت محتاج وضاحت نہیں کہ جن کی عدالت اور دیانت اخلاص اور نیک نیتی نصوص کتاب اور صحیح روایات و احادیث اور ارشادات مرتضویہ سے ثابت ہو ان کے خلاف اس طرح کی بے بنیاد روایات سے الزام تراشی اور افتراء پردازی کسی طرح بھی درست نہیں ہو سکتی خود امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے۔

لیس من العدل القضاء علی الثقة بالظن۔

نہج البلاغۃ مع شرح ابن میثم جلد ۵ ص ۳۵۲۔ یعنی یہ عدل و انصاف کے خلاف ہے۔ کہ موثوق بہ اور معتمد علیہ شخص پر محض ظن و گمان اور تخیل و توہم کی بنا پر کوئی حکم لگا دیا جائے (جو اس کی قطعی طور پر ثابت عدالت، امانت و دیانت اور تقویٰ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

و پرہیزگاری کے خلاف ہو) اس لیے ابن ابی الحدید نے ہی مسعودی وغیرہ کی نقل کردہ روایات جن کا تعلق حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کے گھر میں بلا اجازت داخل ہونے اور آگ لگانے کے لیے لکڑیاں اکٹھے کرنے کے دعویٰ سے ہے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:۔

فهو خبرُ واحد غیر موثوق به ولا معول علیه فی حق الصحابة بَلْ ولا فی حق احد من المسلمین ممن ظهرت عدالتهٗ صفحہ ۳۴ ج ۲۰ ۔

ترجمہ:۔ وہ خبر واحد ہے اور اس پر وثوق و اعتماد نہیں نہ صرف صحابہ کرام علیہم الرضوان کے حق میں بلکہ کسی بھی ایسے مسلمان کے حق میں جس کی عدالت ظاہر اور واضح ہو۔

الغرض نہج البلاغۃ میں مذکور اس خطبہ اور ارشاد مرتضوی نے واضح کر دیا کہ آپ کا خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم سے تعاون اور ان کی امداد و اعانت اس عہد نبوی اور پیمان مصطفوی اور وعدہ مرتضوی کے تحت ہے۔ اور اسی عہد و پیمان کی تائید و تصدیق آپ کے طرز عمل اور تعامل سے ہوتی ہے ابن ابی الحدید نے قول امیر رضی اللہ عنہٗ يهلك فِيَّ رجلان. محب مفرط و باهت مفتر کے تحت کہا کہ آپ نے دو قسم کے لوگوں کی ہلاکت کا ذکر کیا ہے۔ ایک محبت میں حد سے تجاوز کرنے والا گروہ یعنی غالی اور اعیان و اکابر صحابہ کی تکفیر کرنے والے اور ان کو منافق یا فاسق کہنے والے اور دوسرے قسم کے لوگ وہ ہیں جو آپ کی توہین و تنقیص کرنے والے ہیں اور آپ کے ساتھ بغض رکھنے والے اور آپ کے ساتھ حرب و قتال سے کام لینے والے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تعامل خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کیساتھ

(۱) اس کے بعد اپنا اعتزالی اور شیعی عقیدہ بیان کر کے کہا:۔

فاما الافاضل من المهاجرین والانصار الذین ولو الخلافة والامامة قبله فلو انهٗ انکر امامتهم و غضب

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

علیہم و سخط فعلهم فضلاً ان یشهر علیهم سیفه او یدعوا الیٰ نفسه لقلنا انهم من الهالکین کما لو غضب علیهم رسول الله صلی الله علیه وسلم (الیٰ) ولکنا رویناه رضی امامتهم و بایعهم و صلی خلفهم و انکحهم و اکل من فیئهم فلم یکن لنا ان نتعدی فعله ولا نتجاوز ما اشتهر عنه۔ الخ

(صفحہ ۲۲۲ و ۲۲۱ ج ۲۰)

لیکن وہ اکابر اور افاضل صحابہ مہاجرین و انصار جو آپ سے پہلے خلافت و امامت کے والی ہوئے اور اس میں متصرف ہوئے۔ خلیفہ بننے یا بنانے کے لحاظ سے، تو اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کی امامت کا انکار کرتے اور صرف ان پر ناراض ہی ہو تے۔ اور ان کے فعل کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے خواہ ان کے خلاف تلوار نہ اُٹھاتے۔ یا اپنی طرف لوگوں کو نہ بھی بلاتے تب بھی ہم کہتے کہ وہ افاضل و اکابر مہاجرین و انصار بھی ہلاکت کے گڑھے میں گرنے والے ہیں۔ لیکن اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ آپ نے ان کی امامت و خلافت کو پسند کیا ان کے ساتھ بیعت خلافت کی اور عہد وفا باندھا۔ ان کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ اور انہیں اپنے رشتے دیئے۔ اور ان کے دور میں حروب و قتال میں حاصل ہونیوالے اموال غنیمت کو استعمال فرمایا۔ لہٰذا ہمارے لیے قطعاً روا اور جائز نہیں کہ ہم آپ کے فعل اور عمل سے تجاوز کریں۔ اور آپ کا ان کے ساتھ جو تعامل و تعاون مشہور و معروف ہے۔ اس کو نظر انداز کریں۔ اور پس پشت ڈالیں۔

(۲) ابن ابی الحدید نے اپنے مشائخ معتزلہ مفضلہ شیعہ کے حوالے سے ذکر کیا۔

انّ الامامة کانت لعلی علیه السلام ان رغب فیها و نازع علیها وان اقرها فی غیره و سکت عنها تولینا ذٰلک الغیر و قلنا بصحة خلافته و امیر المؤمنین لم ینازع الا ئمة

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

الثلاثه ولا جرد السيف ولا استنجد بالناس عليهم فدل ذلك على اقراره لهم على ما كانوا فيه فلذا لك تولينا هم وقلنا فيهم بالطهارة والصلاح ولو حاربهم وجرد السيف عليهم واستصرخ العرب على حربهم لقلنا فيهم ما قلناه فيمن عاندكه هذه المعاملة من التفسيق والتضليل

(صـ ۹۹/۳)

یعنی امامت دراصل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تھی، خواہ اس میں رغبت اور دلچسپی ظاہر کرتے۔ اور اس کی وجہ سے تنازع و اختلاف کرتے۔ خواہ دوسرے میں اس کو برقرار رکھتے اور اس پر سکوت اختیار فرماتے تو اس صورت میں ہم اس شخص سے محبت و تولی رکھتے۔ اور اس کی خلافت و امامت کو تسلیم کرتے۔ اور حقیقت حال یہ ہے کہ امیرالمؤمنین نے ائمہ ثلاثہ کے ساتھ تنازع و اختلاف نہیں فرمایا۔ نہ ان کے خلاف تلوار میان سے نکالی۔ اور نہ لوگوں سے ان کے خلاف امداد و تعاون کا مطالبہ کیا تو اس سے ثابت ہوا کہ آپ نے ان کو اس حالت پر برقرار رکھا اور اس کا اقرار کیا جس میں کہ وہ تھے۔ اس لیے ہم ان سے محبت کرتے ہیں اور ان کی طہارت اور افضلیت اور صلاح و تقویٰ کے قائل ہیں۔ اور اگر اس کے برعکس آپ ان کے ساتھ حرب و قتال اور جنگ و جدال فرماتے ان کے خلاف تلوار اٹھاتے اور عرب کو ان کے ساتھ جنگ پر ابھارتے تو ہم ان کے متعلق بھی وہی قول کرتے جو ہمارا قول ان لوگوں کے متعلق ہے جن سے حضرت امیرالمؤمنین رضی اللہ عنہ نے جنگ کی۔ یعنی ان کو فاسق اور گمراہ سمجھتے ہیں۔

ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغہ کا مذہب اور عقیدہ اور شیعی علماء کی دھاندلی

نوٹ :۔ اس حوالہ سے اور دیگر شرح حدیدی کے متعدد مقامات سے اور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

شارح کی تصریحات سے واضح ہوتا ہے۔ کہ وہ معتزلہ بغداد کے مسلک پر ہے۔ اور تفضیلی شیعہ بھی ہے۔ اور اصحاب جمل اور اصحاب صفین کے حق میں گمراہی اور فسق کا قائل ہے۔ اور صرف حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کی مغفرت و بخشش کا قائل ہے۔ کیونکہ ان کی اپنے اقدام پر ندامت اور توبہ اس کے نزدیک ثابت ہے:۔

اما عائشة والزبیر وطلحة فمذهبنا انهم اخطأوا ثم تابوا وانهم من اهل الجنة وان علیاً علیه السلام شهد لهم بالجنة بعد حرب الجمل ص۳۲ ج۲۰

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ان کے حق میں حرب جمل کے بعد جنت کی شہادت اور گواہی دی۔ الغرض ان عقائد کو دیکھنے کے باوجود کوئی شخص اس کو سنی کہتا ہے۔ اور ہر جگہ اس کے نام کے ساتھ سنی لکھنا لازم سمجھتا ہے جس طرح کہ علامہ ڈھکو صاحب اور اس کے طبیب صاحب نے کیا ہے تو اس سے بڑھ کر فریب کاری اور دجل و مکاری کیا ہو سکتی ہے؟ وہ خود جگہ جگہ اپنے معتزلی ہونے اور تفضیلی شیعہ ہونے کا اقرار کرتا ہے بلکہ اس نے تصریح کی ہے۔ کہ ہم اصحاب صفین اور محاربین شام پر مسلمین کا لفظ بولنا بھی روا نہیں رکھتے ج۲ ص۲۹۱۔ اور ان کے ہمیشہ آگ میں رہنے کے قائل ہیں ج۱ ص۱۰ وغیرہ۔ مگر اس طرف سے اس کے سنی ہونے کی رٹ لگائی جا رہی ہے۔ اگر مطالعہ نہیں کیا تو جہالت پر مبنی دعویٰ ہے۔ اور اگر مطالعہ کیا ہے۔ اور حقیقت حال معلوم ہے۔ پھر یہ کارستانی کی ہے۔ تو یہ بدترین خیانت ہے۔ اور مجرمانہ حرکت ہے۔ بحمداللہ ہم نے اس شرح کی بیس۲۰ جلدوں کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے۔ اور بیسیوں مقامات پر اس کے اہل تشیع کے ساتھ متفق اور متحد عقائد کی نشاندہی کر سکتے ہیں۔ اس کے حوالہ جات اس لیے پیش کر رہے ہیں کہ وہ شیعہ بھی ہے۔ اور ابن علقمی جیسے کٹر اور متعصب شیعہ اور غدار اہل سنت کا نمک خوار ہے۔ اس کا بندۂ درگاہ اور انعام یافتہ بھی اور اس کے تعمیل ارشاد میں اس نے یہ شرح لکھی جیسے کہ اس نے خود خطبہ شرح ص۴ میں تصریح کی ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

خطبہ کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

فان مراسم المولی الوزیر الاعظم والصاحب الصدر الکبیر العالم العادل المظفر المنصور المجاهد المرابط موید الدین عضد الاسلام سید وزراء الشرق والغرب ابی طالب محمد بن احمد بن محمد العلقمی (الی) لما شرفت عبد دولته وربیب نعمته بالاهتمام بشرح نهج البلاغة (الخ)۔

لہذا یہ ناممکن کہ وہ کسی جگہ گنجائش ملنے کے باوجود حق نعمت ادا نہ کرتا اور اپنے ولی نعمت اور مربی کا حق نمک خواری ادا نہ کرتا۔ اور مذہب شیعہ کی ترجمانی نہ کرتا۔ اس لیے جو کچھ اس نے لکھا ہے۔ وہ حقائق کے سامنے مجبور و بے بس ہو کر اور واقعات کی شہادت اور گواہی کے بعد کوئی راستہ نہ ملنے کی وجہ سے لکھا ہے۔ اس لیے کم از کم خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے حق میں اہل تشیع کو اپنے اس ترجمان مذہب کی بات تسلیم کرنی چاہیئے۔ اور اسے قطعاً اہل سنت کے زمرہ میں داخل کر کے اس کی بات کو غیر اہم اور بے وزن نہیں کرنا چاہیئے! اور نہ اپنی گلو خلاصی کے لیے بھونڈا اور بودا انداز اختیار کرنا چاہیئے۔ کیا یہ خیال تھا کہ تمہاری کتاب کو صاحب علم اور اہل مطالعہ نہیں دیکھیں گے اور اس مجرمانہ خیانت کو نہیں پکڑیں گے۔ اور انگشت بدنداں نہیں ہوں گے۔ کہ ابن ابی الحدید آپ کیا کہتا ہے۔ اور یہ لوگ اس کے حق میں کیا کہہ رہے ہیں لیکن ؎

اذا لم تستح فاصنع ما شئت۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ظاہری بیعت ہی حقیقی بیعت ہوا کرتی ہے

اب یہ کہنا کہ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ، نے صرف ہاتھ سے بیعت کی تھی اور دل سے نہیں کی تھی کس قدر لغو اور بے معنی تاویل ہے کیونکہ اس کا تو یہی معنی ہوگا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور وعدہ کا ایفا معاذ اللہ دل سے نہیں کیا اس سے زیادہ بھی کوئی کفر ہو سکتا ہے کہ شیر خدا رضی اللہ عنہ، کے متعلق اس قسم کے اتہامات گھڑے جائیں اور یہ کہنا کہ شیر خدا رضی اللہ عنہ، نے ڈر کر بیعت کی تھی کس قدر بیہودگی ہے۔ شیر خدا قسم کھا کر کہیں کہ میں نہیں ڈر سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے "ولا تخافوھم وخافون ان کنتم مؤمنین" یعنی اگر تم مؤمن ہو تو اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی سے نہ ڈرو۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ، فرمائیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان، حکم اور وعدہ کے ماتحت ان خلفاء کی بیعت اور ان کی اطاعت کر رہا ہوں اور اس کے مقابل میں اس قسم کے ٹوٹکے اور تخمینے شیر خدا کی شیری اور دلیری کو چھپانے کی غرض سے پیش کئے جائیں تو میں حیران ہوں کہ باوجود اس کے دعوٰے محبت و تولیٰ کس نظریہ کے ماتحت ہے۔

اگر تھوڑی دیر کے لیے تسلیم بھی کر لیں کہ شیر خدا رضی اللہ عنہ، نے صرف ہاتھ سے بیعت کی تھی اور دل سے نہیں کی تھی تو اس کا جواب بھی حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے کلام فیض انجام سے سن لیں دیکھیے (نہج البلاغۃ خطبہ نمبر ۱۰ و ناسخ التواریخ جلد سوم کتاب ۲ ص ۲۴۳، ۴۹

"یزعم أنه قد بایع بیده ولم یبایع بقلبه فقد اقر بالبیعة وادعی الولیجة فلیأت علیها بامر یعرف وإلا فلید خل فیما خرج منه۔

(نہج البلاغۃ مصری ص ۴۹ جلد اول)

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

یعنی زبیر یہ خیال کرتا ہے کہ اس نے میرے ساتھ بیعت صرف ہاتھ سے کی ہے اور دل سے بیعت نہیں کی تو یقیناً بیعت کا اقرار تو کیا اور بیعت کرنے والوں کے زمرہ میں داخل ہو گیا پس چاہیے کہ اس پر کوئی علامت اور دلیل پیش کرے جس سے اس دعویٰ کو پہچانا جا سکے ورنہ چاہیے کہ وہ بھی اس بیعت میں داخل ہو جس میں لوگ داخل ہوئے اور وہ داخل ہونے کے بعد اس سے خارج ہوا۔

سن لیا حضرات صرف ہاتھ سے بیعت کرنے کی حقیقت۔ اگر شیر خدا کے نزدیک ہاتھ سے بیعت کرنا دل سے نہ کرنا بیعت کے حکم میں نہ ہوتا تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو اِدّعیٰ الولیجۃ کیوں فرماتے اور اقر بالبیعۃ کا حکم کیوں لگاتے یعنی بیعت کنندگان کے زمرہ میں داخل ہونے کا اس نے دعویٰ کر لیا اور بیعت کرنے کا اقرار کر لیا۔

علامہ ڈھکو صاحب کی بے بسی:

نوٹ: اس عبارت اور وجہ استدلال کا بھی علامہ ڈھکو صاحب نے ذکر تک نہیں کیا جواب دینا تو دور کی بات ہے جس سے عملاً اعترافِ عجز اور اقرار بے بسی واضح ہو گیا۔

تحفہ حسینیہ

از ابوالحسنات محمد اشرف السیالوی غفرلہٗ

یہ عبارت اور اس مضمون کی اور بھی بہت سی عبارات نہج البلاغہ میں موجود ہیں خصوصاً نہج البلاغہ مصری ص۳۳۱ کی یہ عبارت قابل غور ہے۔

ان کنتما بایعتما طائعین فارجعا وتوبا إلی اللہ من قریب وان کنتما بایعتمانی کارھین فقد جعلتما لی علیکما السبیل باظھارلما کما الطاعۃ واسرارکما المعصیۃ ولعمری ما کنتما باحق المھاجرین بالتقیۃ والکتمان وان دفعکما ھذا الامر من قبل ان تدخلا فیہ کان اوسع علیکما من خروجکما منہ بعد اقرارکما بہٖ۔

یعنی اگر تم دونوں نے دلی رغبت کے ساتھ میری بیعت کی تھی تو واپس

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

آیئے اور جلد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کیجئے اور اگر تم نے ناپسندیدگی اور دلی نفرت وکدورت کے ساتھ بیعت کی تھی تو تم نے میرے لیے اپنے اوپر راہ الزام اور حجت پیدا کر لی بسبب تمہارے اطاعت کو ظاہر کرنے اور معصیت و نافرمانبرداری کو چھپانے کے مجھے اپنی زندگانی کی قسم تم دونوں دوسرے مہاجرین کی نسبت تقیہ وکتمان کے زیادہ حق دار نہیں تھے (جب انہوں نے تقیہ نہیں کیا تو تمہیں کون سی مجبوری ہو سکتی تھی جس کے تحت تقیہ کرنا پڑا) تمہارا میرے امر خلافت اور بیعت کو اس میں داخل ہونے سے پہلے رد کر دینا زیادہ وسعت اور گنجائش رکھتا تھا بنسبت اقرار کرنے اور بیعت کر کے اس میں داخل ہونے کے بعد اس میں سے نکلنے کے۔

بیعت مرتضوی کے لیے جبر و اکراہ۔

لیکن اس کے برعکس ذرا دوسرے قسم کی روایات بھی ملاحظہ فرمالیں جن میں یہ تصریح ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخلصین اور خدام خاص تلواریں لے کر کھڑے تھے اور بیعت نہ کرنے کی صورت میں قتل کر دینے کی دھمکیاں دے رہے تھے! ابن ابی الحدید نے ابو ہلال عسکری کی کتاب الاوائل سے نقل کرتے ہوئے وہ تفصیلات بتائی ہیں!

(۱) اشتر نخعی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:۔

قم فبایع الناس فقد اجتمعوا لك ورغبوا فيك والله ان نكلت عنها لتعصرن عليها عينيك مرة رابعة۔ اٹھیے اور لوگوں سے بیعت لیجئے کیونکہ وہ تمہارے لیے جمع ہوئے ہیں اور تمہاری بیعت میں ہی رغبت رکھتے ہیں بخدا اگر تم نے اس بیعت خلافت سے اب بھی اعراض کیا تو چوتھی مرتبہ بھی آنسو بہاؤ گے۔

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے اور بئر سکن میں داخل ہوئے اور تمام لوگ جمع ہوئے اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما حاضر ہوئے "لا یشکان ان الامر شوریٰ"

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اوران کو اس میں قطعاً شک وشبہ نہیں تھا کہ امر خلافت شوریٰ اور انتخاب واختیار سے طے ہو گا مگر اسی دوران اشتر نخعی نے کہا کیا اب کسی کا انتظار رہے ہے ؟

ثم یا طلحۃ فبایع فتقاعس فقال قم یا بن صعبہ وسل سیفہ فقام طلحۃ یجر رجلہ حتی بایع ۔ اے طلحہ اٹھئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کیجئے انہوں نے توقف اور تردد کا اظہار کیا تو اشتر نے کہا اٹھ اے ابن صعبہ اور ساتھ ہی تلوار سونت لی تو حضرت طلحہ پاؤں گھسیٹتے ہوئے اٹھے اور بیعت کی۔

ثم قال قم یا زبیر واللہ لا ینازع احد الا وضربت قرطہ بھذا السیف فقام الزبیر فبایع ثم انثال الناس علیہ فبایعوا ۔

پھر کہا اے زبیر اٹھو بخدا جو بھی نزاع واختلاف سے کام لے گا میں اس تلوار کے ساتھ اس کی گردن اڑا دوں گا تو حضرت زبیر اٹھے اور انہوں نے بیعت کی پھر سب لوگ آپ کی طرف مائل ہوئے اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

(۲) پہلے پہل اشتر نخعی نے آپ کی بیعت کی۔ اپنے اوپر اوڑھا ہوا کمبل اتار دیا اور تلوار سونت لی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ کھینچ کر آپ کے ساتھ بیعت کی پھر حضرت زبیر اور طلحہ سے کہا۔

قوما فبایعا والا کنتما اللیلۃ عند عثمان فقاما یعثران فی ثیابھما لا یرجوان نجاۃ حتی صفقا بایدیھما علی یدہ ۔ اٹھو اور آپ کی بیعت کرو ورنہ آج رات تم بھی عثمان کے پاس پہنچے ہوئے ہو گے چنانچہ وہ دونوں اٹھے دراں حالیکہ اپنے کپڑوں میں پھسل رہے تھے اور گرتے پڑتے انہوں نے اپنے ہاتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر رکھے جبکہ انہیں اپنی نجات اور خلاصی کی امید نہیں تھی۔

(۳) ابو مخنف نے کتاب الجمل میں آپ کی بیعت کے واقعات بیان کرتے ہوئے ذکر کیا کہ پہلے پہل حضرت طلحہ نے بیعت کی پھر حضرت زبیر نے بعد ازاں مدینہ منورہ میں موجود تمام مسلمین نے ماسوا حضرت محمد بن مسلمہ حضرت عبداللہ بن عمر حضرت اسامہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بن زید، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت کعب بن مالک، حضرت حسان بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہم کے۔

(۴) حضرت عبداللہ بن عمر کو حاضر کیا گیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیعت کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے کہا۔ "لا ابایع حتی یبایع جمیع الناس" جب تک سب لوگ بیعت نہ کریں میں بیعت نہیں کروں گا۔ آپ نے فرمایا مجھے اس کی ضمانت دو کہ تم یہیں رہو گے اور کہیں چلے نہیں جاؤ گے تو آپ نے کہا میں ایسی کوئی ضمانت بھی نہیں دیتا تو جناب اشتر نخعی نے کہا "یا امیر المؤمنین" یا امیر المؤمنین ان ھذا قد امن سوطك وسیفك فدعنی اضرب عنقہ" امیر المؤمنین اس کو نہ آپ کے درے کا ڈر ہے اور نہ آپ کی تلوار کا مجھے اجازت دو میں اس کی گردن اڑا دوں تو آپ نے فرمایا میں اس کو مجبور کر کے بیعت نہیں لینا چاہتا۔

(۵) جب لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی اور حضرت عبداللہ بن عمر باقی رہ گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ بیعت کے معاملہ میں بات چیت کی مگر انہوں نے بیعت کرنے سے گریز کیا اور دوسرے دن حاضر ہو کر کہا:۔

"انی لك ناصح ان بیعتك لم یرض بھا کلھم فلو نظرت لدینك ورددت الامر شوری بین المسلمین فقال علی علیہ السلام ویحك و ھل ما کان عن طلب منی لہ!

الم یبلغك صنیعھم ؛ قم عنی یا احمق ما انت وھذا الکلام۔

یعنی میں تمہارا ہمدرد اور خیر خواہ ہوں آپ کی بیعت پر سب لوگ راضی نہیں ہوئے اگر آپ اپنے دین اور تقوی پر نظر رکھتے ہوئے اس کو شوری پر چھوڑ دیں تاکہ اہل اسلام اپنی مرضی سے خلیفہ کا انتخاب کریں تو کتنا ہی اچھا ہو تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تیرے لیے افسوس ہے کیا جو ہوا وہ میری طلب اور خواہش پر ہوا کیا تمہیں بیعت کرنے والوں کے عمل اور طریق کار کا اس معاملہ میں علم نہیں ہے۔ اے احمق میرے پاس سے اٹھ جاؤ تمہیں ایسی گفتگو کرنے کا کیا حق ہے؟

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اٹھ کر چلے گئے تو تیسرے دن ایک آدمی نے آکر آپ سے عرض کیا، عبداللہ بن عمر مکہ مکرمہ کی طرف جارہے ہیں وہ وہاں کے لوگوں کو آپ کے خلاف کردیں گے لہٰذا ان کے پیچھے آدمی بھیج کر انہیں واپس بلاؤ۔

فجاءت ام کلثوم ابنتهٗ فسألته وضرعت الیه فیه وقالت یا امیر المؤمنین انما خرج إلی مکة لیقیم بها وانه لیس بصاحب سلطان ولا هو من رجال هذا الشان وطلبت إلیه ان یقبل شفاعتها فی امره لأنه ابن بعلها فاجابها وکف عن البعثة إلیه وقال دعوه وما أراد۔

(شرح حدیدی ص۲۶۰ تا ص۲۶۱ جلد ۴)

اسی دوران آپ کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم آئیں اور انہوں نے آپ سے سوال ومطالبہ کیا اور منت وزاری کی اور عرض کیا اے امیرالمؤمنین عبداللہ بن عمر مکہ کی طرف صرف اس لیے جارہے ہیں کہ وہاں قیام پذیر ہوں نہ وہ صاحب اقتدار ہیں اور نہ اس کی خواہش ر[illegible] والوں سے ہیں اور ان کے حق میں شفاعت اور سفارش کے قبول کرنے کا آپ سے مطالبہ کیا کیونکہ وہ ان کے خاوند (حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ) کے بیٹے تھے چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے مطالبہ کو پورا کیا اور حضرت عبداللہ بن عمر کے پیچھے آدمی بھیجنے سے رک گئے اور فرمایا اسے اس کی مرضی اور ارادہ پہ چھوڑ دو۔

ابوہلال عسکری اور ابومخنف کی یہ روایات کیا بالکل وہی منظر پیش نہیں کررہیں جو ابوبکر صدیق کی بیعت کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق روایات سے ثابت کیا جاتا ہے۔ اگر وہ سچی ہیں تو جو جواب آپ کی خلافت کی حقانیت پہ وارد اس اعتراض کا ہوگا کہ اجماع واتفاق کہاں اور رضا ورغبت کہاں یہ سب کچھ اشتر کی تلوار اور اس کی دھینگا مشتی سے ہوگا وہی جواب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سے دیا جائے گا۔ ماهو جوابکم فهو جوابنا! رہا نص کا دعویٰ تو یہ اس کا محل وموقع نہیں ہے کیونکہ یہاں تو یہ دعویٰ ہے کہ تم نے بیعت کی خواہ دل سے خواہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ظاہری طور پر لہٰذا اس کی پابندی لازم ہے اور خروج و بغاوت اور نقض عہد کا کوئی جواز نہیں ہے؟

نیز بیعت مرتضوی اور بیعت صدیق میں فرق بھی ہے وہ یہ کہ حضرت صدیق کی بیعت مہاجرین و انصار نے پہلے کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بعد میں بیعت کرنے کے لیے کہا گیا جبکہ جناب اشتر نخعی نے پہلے ہی زور شمشیر سے حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کو بیعت پر مجبور کر دیا اور بعد میں دوسرے حضرات نے بیعت کی۔

ہمارا مقصد حاشا و کلا یہ نہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق نہیں ہیں۔ آپ کی حقانیت خلافت ظاہرہ بھی ہمارا دین و ایمان ہے اور ہمارے نزدیک باطنی اور روحانی خلافت و امامت قیامت تک کے لیے آپ کو حاصل ہے اور کوئی ولی اس وقت تک ولی نہیں ہو سکتا اور اسے ارشاد و ہدایت کا حق نہیں ملتا جب تک بارگاہ مرتضوی سے اس کی منظوری نہ ہو بلکہ ہمارا کلام صرف اور صرف اس میں ہے کہ ادھر ادھر کی روایات کو سامنے رکھ کر اور ان کی حقیقت اور اصلیت معلوم کئے بغیر کسی ایسی ہستی کو طعن و تشنیع کا نشانہ نہیں بنانا چاہیے جن کی دیانت، نیک نیتی اور تقویٰ و پرہیز گاری اور اسلام و اہل اسلام کی ہمدردی اور خیر خواہی ظاہر ہو بلکہ قطعی ادلہ سے ثابت ہو۔

رہا صحابہ کرام علیہ الرضوان کا حرب و قتال کا معاملہ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور وہ حضرات غلط فہمی کا شکار یعنی خطا کے مرتکب لیکن خطا اجتہادی پر عذاب و عقاب اور اخروی مواخذہ نہیں ہوتا جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ معاملہ لہٰذا اہل تشیع کی طرح نہ ہم ان کو کافر و منافق کہتے ہیں اور نہ فاسق و فاجر اور جہنمی بلکہ مرتکب خطا اور سابقہ خدمات اسلام اور رباني اسلام کی وجہ سے قابل عفو و لائق مغفرت جیسے کہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے " لاکفرن عنھم سیاٰتھم ولادخلنھم جنٰتٍ تجری من تحتھا الانھار۔ الآیۃ (سورہ آل عمران پ۴) کہ میں ضرور بالضرور ان کے گناہ اور خطائیں ان سے دور کرونگا اور انہیں جنتوں میں داخل کروں گا اور وہ ایسے خون ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

با قصور کو محفوظ رکھا لہٰذا ہم اپنی زبانوں کو ان کے ساتھ آلودہ کرنا جائز اور مناسب نہیں سمجھتے۔ نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ہم ان کے دلوں سے رنجش اور کدورت دور کردیں گے۔ قال تعالیٰ: ونزعنا ما فی صدورھم من غل اخوانا علیٰ سرر متقابلین۔

تو ان ارشادات کے پیش نظر بارگاہ خداوندی اور حضرت رسالت پناہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان سے درگزر ہو جائے گا اور ہم اپنی بدزبانی اور بدکلامی اور گستاخی و بے ادبی کی وجہ سے قابل مواخذہ ٹھہریں گے۔ دیکھیے اہل جمل پر غلبہ حاصل ہونے کے بعد آپ نے سب سے درگزر کیا بلکہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ اسی احترام و اکرام کے ساتھ پیش آئے جیسے کہ قبل ازیں پیش آیا کرتے تھے اور اصحاب صفین کے ساتھ تحکیم و ثالثی قبول فرمائی اور انہیں برابر کی سطح پر رکھ لیا اگر وہ العیاذ باللہ اسلام و ایمان سے خارج ہو چکے تھے تو ثالثی فیصلہ پر رضامندی کا کیا مطلب؟ اور جنگ و جدال سے ہاتھ روکنے کا کیا محل و موقع تھا؟ اسی لیے اہل السنت کا موقف یہ ہے:

ونکف عن ذکر الصحابۃ الا بخیر (شرح عقائد نسفی) کہ ہم ذکر صحابہ علیہم الرضوان سے کف لسان اور سکوت اختیار کریں گے مگر خیر اور بھلائی کے ساتھ اور ان کے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کریں گے اور یہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے۔

"اقیلوا ذوی الھیئات عثراتھم فما یعثر منھم عاثر الا وید اللہ بیدہ یرفعہ" (نہج مع شرح ابن میثم ص ۲۳۸ جلد خامس) بزرگ لوگوں کی لغزشوں اور خطاؤں سے درگزر کرو کیونکہ ان میں سے جو بھی لغزش اور ٹھوکر کھاتا ہے اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور وہ اس کو اٹھاتا اور بلند فرماتا ہے ؎

خطا بزرگاں گرفتن خطاست

نیز خدائے عادل کی بارگاہ میں میزان عدالت کے ذریعے ہی فیصلے ہوں گے تو ان حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان کی ہجرتوں، راہ خدا اور رضا رسول میں پہنچنے والی ایذاؤں اور جہاد و قتال اور عقائد صحیحہ و اعمال صالحہ کو کیونکر نظر انداز کیا جائیگا۔ کما قال تعالیٰ: فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ۔ جو شخص بھی ذرہ بھر مقدار کی مانند بھی نیکی کریگا وہ اس کی جزا اور ثواب ضرور پائے گا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مذہب شیعہ — از شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز

بارگاہ نبوی میں خلفاء ثلاثہ کا مقام اور شانِ قرب

کتاب معانی الاخبار ص۱۱ مطبوعہ ایران مصنفہ ابن بابویہ قمی کا مطالعہ فرمادیں کیونکہ یہ کتاب بھی مذہب اہل تشیع میں مایہ ناز ہے اور ان کے نزدیک بے حد معتبر۔

عن الحسن بن علی رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ابا بکر منی بمنزلۃ السمع وان عمر منی بمنزلۃ البصر وان عثمان منی بمنزلۃ الفؤاد (وکذا فی تفسیر الامام الحسن العسکری)

یعنی امام عالی مقام سیدنا حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکر میرے لیے بمنزلہ میرے سمع مبارک یعنی کان کے ہیں اور عمر میرے لیے بمنزلہ میری آنکھ کے ہیں (عمر میری آنکھ ہیں) اور عثمان بمنزلہ میرے دل کے ہیں یعنی عثمان میرا دل ہیں اور اسی طرح امام حسن عسکری نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔

اب امام عالی مقام امام حسن رضی اللہ عنہ روایت فرمانے والے ہوں اور پیغمبر خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام ان مقدس اور منور ہستیوں کو اپنی سمع مبارک، بصر مقدس اور دل منور کی منزلت بخشیں تو کیا ان مقدس ہستیوں کی شان اقدس میں سب وشتم براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں سب وشتم نہیں اور کیا ان کا ادب واحترام اور ان کی محبت براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب واحترام اور رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نہیں؟ کچھ تو سوچیں اور غور و فکر سے کام لیں۔

در رسالہ مذہب شیعہ ص۶۹۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

علامہ ڈھکو صاحب کا اظہار عجز۔

نوٹ۔ علامہ ڈھکو صاحب نے اس روایت کا بھی جواب نہیں دیا اور یوں ہی اس کو نظر انداز کیا ہے کہ گویا "رسالہ مذہب شیعہ" میں اس کا ذکر ہی نہیں تھا جس سے اس کی عاجزی اور بے بسی نمایاں اور واضح ہے۔ علامہ صاحب نے صرف اسی روایت اور حوالہ پر قلم اٹھایا جس کا کچھ نہ کچھ جواب بزعم خویش دے سکتے تھے اور جن کا جواب نہیں آتا تھا ان کا نام ہی نہیں لیا اور ذکر کرنا گوارا نہیں کیا۔ اگر رد لکھنے کی استطاعت نہیں تھی تو پھر یہ تکلف کیوں کیا؟

تتمہ مبحث

تحفۂ حسینیہ — از ابوالحسنات محمد اشرف السیالوی

ارشاد نبوی میں تحریف کی سعی ناکام

روایت کا مقصودی حصہ تو آپ دیکھ چکے اور وجہ استدلال بھی، اب ذرا شیعہ صاحبان کی اس روایت میں تحریف کی کوشش بھی ملاحظہ فرماویں اور سبائی ذہنیت کا مظاہرہ اور الولد سر لابیہ کا نمونہ بھی ملاحظہ فرماویں۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی طرف حضرت علی بن محمد بن علی الرضا کے واسطے سے یہ منسوب کیا ہے،

" قال فلما کان الغد دخلت إلیه وعنده امیر المؤمنین وابو بکر وعمر وعثمان فقلت له یا ابت سمعتك تقول فی اصحابك ھولاء قولاً فما ھو؟ فقال علیه السلام نعم ثم اشار بیده الیھم فقال ھم السمع والبصر والفؤاد و سیسئلون عن ولایة وصیی ھذا واشار إلی علی بن ابی طالب صلوٰت اللہ علیه ثم قال ان اللہ یقول ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئك کان عنه مسئولاً ثم قال

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

علیہ السلام وعزۃ ربی ان جمیع امتی لموقوفون یوم القیامۃ ومسئولون عن ولایتہ وذلک قول اللہ عزوجل "وقفوھم انھم مسئولون۔ (معانی الاخبار ص۱۱۰)

جب دوسرا دن ہوا تو میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے پاس حضرت امیر المومنین اور (حضرت) ابوبکر اور (فاروق) اور عثمان (ذوالنورین) رضی اللہ عنہم حاضر تھے۔ میں نے عرض کیا میں نے آپ کو اپنے اصحاب کے متعلق ایک بات کرتے ہوئے سنا وہ کیا ہے؟ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہاں۔ پھر ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ سمع وبصر اور فواد ہیں یعنی کان، نگاہ اور قلب وروح اور ان سے میرے اس وصی کے متعلق دریافت کیا جائے گا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ فرمایا۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی:
ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئک کان عنہ مسئولاً۔" بے شک کان آنکھ اور دل سبھی سے اس کے متعلق دریافت کیا جائے گا۔ پھر فرمایا مجھے اپنے رب کی عزت کی قسم قیامت کے دن میری ساری امت کھڑی کر دی جائے گی اور علیؓ کی ولایت کے متعلق ان سے سوال کیا جائے گا اور یہ ہے قول اللہ تعالیٰ کا۔ انہیں روکو بے شک وہ سوال کئے جانے والے ہیں۔

فوائدِ روایت

(۱) اس روایت میں دوبارہ ان تینوں حضرات کو علی الترتیب سمع وبصر اور قلب وجگر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جس سے تاکید اکید اور تائید وتقویت میں اضافہ ہوگیا۔

(۲) ان حضرات پر قرآنِ مجید کی آیت چسپاں کر کے ان کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سمع وبصر اور قلب وجگر ہونا ثابت کیا گیا (اور وہ بھی خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں اور حضرت علیؓ کی شہادت کے ساتھ) جس سے ان کی یہ شان گویا اللہ تعالیٰ رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ کرام کے نزدیک بھی مسلّم ہوگئی کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کان،

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

آنکھ اور دل مقدس ہیں۔

(۳) ان تینوں حضرات سے بمع ساری امت کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولایت کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں اللہ تعالیٰ لاکھوں اولیاء کے متعلق سوال کرے اور ان کے دور کی امت سے دریافت کرے مگر سوال یہ ہے کہ وہ جواب دے سکیں گے یا نہیں تو شیعہ صاحبان جنکے حق میں یہ فضیلت ثابت نہیں کہ وہ سمع نبوت اور بصر رسالت ہیں اور قلب محبوب ہیں۔ اگر وہ اس منقبت اور فضیلت سے محروم ہو کر صحیح جواب دے سکیں گے تو جو اس فضیلت اور شان امتیازی کے مالک ہیں وہ کیوں جواب نہیں دے سکیں گے اور وہ ولایت جس کو نبوت و رسالت اور محبوب خدا کے سمع و بصر اور قلب پہچان نہ سکیں ہم اس کو ولایت تسلیم ہی نہیں کر سکتے اگر ولایت برحق ہے تو ان کی طرف سے اس کی پہچان اور اس کا جواب بھی برحق ہوگا اور پہچان اور بیان صحیح نہیں ہوگا تو ولایت ہی صحیح نہیں ہوگی العیاذ باللہ۔ کیونکہ نبوت و رسالت کی آنکھ اور دل اور اس کی سمع مبارک سے بڑھ کر حقائق شناس اور حقائق کا ترجمان کون ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ان مقدس ہستیوں کی شان گھٹانے اور اس روایت میں تحریف کرنے کی سعی اور کوشش بحمد اللہ ناکام ہوگئی بلکہ ان کی شان مزید قوت اور صحت کے ساتھ واضح اور ثابت ہوگئی۔ اور ہماری کتابوں میں بھی شیخین رضی اللہ عنہ کے متعلق موجود ہے "ھذان السمع والبصر" یہ دونوں میرے کان اور آنکھ ہیں مشکوٰۃ شریف باب فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم۔ لہٰذا ان دونوں حضرات کے حق میں دونوں مذہبوں کی روایتیں اس منقبت کے بیان میں متفق ہوگئیں اور شیعہ مذہب کی روایت سے مزید فائدہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شان اقدس کا بھی حاصل ہوگیا والحمد للہ۔

تنبیہ: جب بندہ مقام محبوبیت پر فائز ہوتا ہے اور نوافل اور فرائض کی وجہ سے اس کو فنا صفاتی اور فنا ذاتی حاصل ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے متعلق فرماتے ہیں

کنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصر به وفودا ہ الذی یعقل به۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

یعنی میں اس بندے کے کان ہوتا ہوں جن سے سنتا ہے اور آنکھیں جن سے دیکھتا ہے اور دل جس سے سوچتا اور علم حاصل کرتا ہے اور اسی طرح ہاتھوں، پاؤں اور زبان کے متعلق بھی فرمایا گیا الغرض جب عابد اور زاہد اس مقام پہ فائز ہو جاتا ہے تو سید الرسل اور امام المحبوبین صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مقام پر فائز ہونے میں کون شک کر سکتا ہے۔ بلکہ آپ کی اس وصف محبوبیت میں اصالت اور دوسروں کی تبعیت میں اور آپ کے براہ راست اللہ تعالے کے ان مخصوص انوار کا مظہر ہونے اور دوسروں پہ آپ کے عکس اور پرتو انوار کا فیضان ہونے میں کس کو شک شبہ ہو سکتا ہے۔

اب اس عظیم شان والے سمع و بصر اور قلب کو اس فرمان کی رو سے ان خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم میں موجود و متحقق دیکھ کر اور یقین کر کے بتلاؤ کہ انوار قرب اور پرتو فیوض محبوبیت کا جو ظہور یہاں پہ ثابت ہو رہا ہے کیا دوسری جگہ اس شان سے ان کے ثبوت و تحقق کا کوئی امکان ہو سکتا ہے۔ مگر ؎

آنکھ والا تیرے جوبن کا تماشا دیکھے — دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

اب ان حواس نبوت کے متعلق کون سوچ سکتا ہے کہ ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان ولایت کی صحیح پہچان نہ ہو گی ہاں ہاں صحیح پہچان وہی ہے جو ان حضرات کے عمل اور قول سے ثابت ہے اور جو افراط و تفریط میں مبتلا اور مدح وثناء میں غلو یا بغض و عناد میں غلو کے شکار لوگوں نے بیان کی ہے وہ قطعاً درست نہیں ہو سکتی ہے بلکہ افراط و تفریط میں مبتلا لوگ خود حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے فرمان کے مطابق ہلاکت اور تباہی کے گڑھے میں گرنے والے ہیں

کما قال سیھلك فی صنفان محب مفرط و مبغض ومفرط۔

مذہب شیعہ — از حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ

«حضرت ابوبکر صدیق کی شان اقدس اور امام حسن عسکری رضی اللہ عنہ کا بیان» چونکہ اہل تشیع ائمہ طاہرین کی اس قسم کی تصریحات کو دیکھ کر ہمیشہ سرے سے انکار کے عادی ہیں۔ اور جھٹ سے کہہ دیتے ہیں کہ ائمہ طاہرین سے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

یہ روایت ثابت نہیں اس لیے امام عالی مقام حسن عسکری رضی اللہ عنہ کی روایت بھی لفظ بلفظ لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کتاب بھی امام صاحب کی اپنی تفسیر یعنی تفسیر حسن عسکری مطبوعہ ایران ص ۱۶۴، ۱۶۵۔

هذا وصية رسول الله صلى الله عليه وسلم لكل اصحابه وامته حين صار الى الغار ان الله تعالىٰ اوحى اليه يا محمد ان العلى الاعلى يقرئك السلام ويقول لك ان اباجهل والملأ من قريش دبروا عليك يريدون قتلك وأمران تبيت عليا وقال لك منزلته منزلة اسحاق الذبيح ابن ابراهيم الخليل يجعل نفسه لنفسك فداء وروحه لروحك وقاء وامرك ان تستصحب ابا بكر فانه ان آنسك واسعدك وآزرك وثبت على ما يتعهد ويعاقدك كان في الجنة من رفقائك وفي غرفاتها من خلصائك فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لعلى ارضيت ان اطلب فلا اوجد وتطلب فتوجد فلعله ان يبادر اليك الجهال فيقتلوك قال بلى يا رسول الله صلى الله عليه وسلم رضيت ان يكون روحي لروحك وقاء ونفسي لنفسك فداء بل رضيت ان يكون روحي ونفسي فداء لك اولقريب منك اولبعض الحيوانات تمتهنها وهل احب الحيوة الا لتصرف بين امرك ونهيك ونصرة اصفيائك ومجاهدة اعدائك ولولا ذلك لما احب ان اعيش في الدنيا ساعة واحدة فقبل رسول الله صلى الله عليه وسلم رأسه فقال له يا ابا الحسن قد قرأ على كلامك هذا الموكلون باللوح المحفوظ وقرؤا على ما اعد الله لك من ثوابه في دار القرار ما لم يسمع بمثله السامعون ولا رأى بمثله الراؤن ولا خطر ببال المفكرين ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لابي بكر ارضيت ان تكون معي يا ابا بكر تطلب كما اطلب وتعرف بانك انت الذي تحملني على ما ادعيه

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

فتحمل عنی انواع العذاب قال ابوبکر یا رسول اللہ اما انا لو عشت عمر الدنیا اعذب فی جمیعها اشد عذاب لا ینزل علی موت مریح ولا فرح منیح وکان ذلك فی محبتك لکان ذلك احب الی من ان اتنعم فیها وانا ملك لجمیع ممالیك ملوکها فی مخالفتك وهل انا ومالی وولدی الا فداك فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لا جرم ان اطلع اللہ علی قلبك ووجده موافقاً لما جری علی لسانك جعلك منی بمنزلة السمع والبصر والرأس من الجسد وبمنزلة الروح من البدن کعلی الذی هو منی کذلك۔ الخ

یعنی جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہجرت کے موقعہ پر غار کی طرف تشریف فرما ہوئے تو اپنے صحابہ اور اپنی امت کو یہ وصیت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف جبریل علیہ السلام کو بھیج کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر صلاۃ سلام بھیجتا ہے۔ اور فرماتا ہے کہ ابوجہل اور کفار قریش نے آپ کے خلاف منصوبہ تیار کر لیا ہے اور آپ کے قتل کرنے کا ارادہ کر چکے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ علی المرتضیٰ کو اپنے بستر پر شب باشی کا حکم دیں اور فرمایا ہے کہ ان کا مرتبہ آپ کے نزدیک ایسا ہے جیسا اسحاق ذبیح کا مرتبہ تھا حالانکہ ذبیح حضرت اسماعیل ہیں مگر اہل کتاب اسحاق کو ذبیح کہتے ہیں) حضرت علی اپنی زندگی اور روح کو تیری ذات مقدس پر فدا اور قربان کریں گے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ ہجرت میں ابوبکر صدیق کو اپنا ساتھی مقرر فرمائیں کیونکہ اگر وہ حضور کی رفاقت اختیار کر لیں اور حضور کے عہد و پیمان پر پختہ کار ہو کر ساتھ دیں تو آپ کے رفقاء جنت میں بھی ہوں گے اور جنت کی نعمتوں میں آپ کے مخلصین سے ہوں گے پس حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی کو فرمایا کہ اے علی اس بات پر راضی ہیں کہ میں طلب کیا جاؤں تو دشمن کو نہ مل سکوں اور تم طلب کئے جاؤ تو مل جاؤ اور شاید جلدی میں تیری طرف پہنچ کر بے خبر لوگ تجھے (شبہ میں) قتل کر دیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

میں راضی ہوں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ میری روح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روح مقدس کا بچاؤ ہو اور میری زندگی حضور کی زندگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مقدس پہ فدا ہو بلکہ میں اس پہ بھی راضی ہوں کہ میری روح اور میری زندگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی (رفیق) پہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض حیوانات پہ قربان اور فدا ہو۔ حضور میرا امتحان لے لیں۔ میں زندگی کو پسند ہی اس لیے کرتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی تبلیغ کروں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دوستوں کی حمایت کروں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کے خلاف جنگ کروں۔ اگر یہ نیت نہ ہوتی تو میں دنیا میں ایک ساعت بھی زندگی پسند نہ کرتا۔ پس حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کو بوسہ دیا اور فرمایا کہ اے ابوالحسن تیری یہی تقریر مجھے لوح محفوظ کے موکلین ملائکہ نے (لوح محفوظ) سے پڑھ کر سنائی ہے۔ اور جو تیری اس تقریر کا ثواب اور بدلہ اللہ تعالیٰ نے آخرت میں تیرے لیے تیار فرمایا ہے وہ بھی پڑھ کر سنایا ہے وہ ثواب جس کی مثل نہ سننے والوں نے سنی ہے نہ دیکھنے والوں نے دیکھی ہے نہ ہی عقلمند انسانوں کے دماغ میں آسکتی ہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے ابابکر تو میرے ہمراہ چلنے کے لیے تیار ہے تو بھی اسی طرح تلاش اور طلب کیا جائے گا جیسا میں اور تیرے متعلق دشمنوں کو یہ یقین ہو جائے کہ تو ہی نے مجھے ہجرت کرنے اور دشمنوں کے مکر اور فریب سے بچ کر نکلنے پہ آمادہ کیا ہے تو میری وجہ سے ہر قسم کی مصیبت اور دکھ برداشت کرے؟ صدیق اکبر نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر میں قیامت تک زندہ رہوں اور اس زندگی میں سخت ترین عذاب و دکھ اور مصائب میں مبتلا رہوں جس مصیبت والم سے نہ مجھے موت بچانے کے لیے آسکے اور نہ کوئی دوسرا سبب آرام دے سکے اور یہ سب کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ہو تو مجھے بطیب خاطر منظور ہے اور مجھے یہ پسند نہیں کہ اتنی لمبی زندگی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہو اور دنیا کے بادشاہوں کا بادشاہ بن کر رہوں اور تمام نعمتیں اور آسائشیں حاصل ہوں، لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت محبوب ہو اور میں اور میرا مال سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا اور قربان ہے پس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ تیرے دل پر مطلع ہے۔ اور جو کچھ تو نے کہا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو تیری دلی کیفیت اور وجدان کے مطابق پایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے بمنزلہ میرے گوش مبارک اور بمنزلہ میری آنکھوں کے کیا ہے اور جو نسبت سر کو جسم سے ہے اللہ تعالیٰ نے تجھے اس طرح بنایا ہے اور جس طرح روح کی نسبت بدن سے ہے میرے لیے تو اسی طرح ہے جیسا کہ علی رضی اللہ عنہ میرے نزدیک ہیں"

اگرچہ اس روایت میں فضیلت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ روزِ روشن سے بھی زیادہ روشن اور واضح ثابت ہے مگر اہل تشیع نے تصرف اور تحریف فی الروایات کی عادت یہاں بھی نہیں چھوڑی۔

اول یہ کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے جب فرمایا گیا تو حرف شرط کے ساتھ یعنی اگر وہ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اعانت و مساعدت پر کمربستہ ہو جائیں تو وہ دنیا اور آخرت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق ہیں۔ یہاں جب اللہ تعالیٰ بھی دلی کیفیات اور حالات پر مطلع ہے اور آپ نے (حضرت صدیق نے) حسب علمِ الٰہی وہی کچھ عرض کی جس کی وجہ سے حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک بمنزلہ سمع مبارک و چشم مبارک اور روح مقدس ثابت ہوئے تو پھر شرطیہ جملہ صاف تحریف و تصرف فی الروایات پر دلالت کر رہا ہے۔ جو قلبی غل و غش پر مبنی ہے۔

دوسرا روایت کے آخر میں یہ جملے کہ وعلی فوق ذلک لزیادۃ فضائلہ وشرف خصالہ یعنی علی رضی اللہ عنہ۔ اس سے زیادہ ہیں کیونکہ ان کے فضائل اور شرف خصال زیادہ ہیں۔ ارے سمع و بصر اور راس و روح نبوت پناہ سے کون سی زیادتی متصور ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بہرصورت اہل تشیع کی معتبر ترین کتب بھی خلفائے راشدین کے فضائل وعلو مرتبت کو اپنے اوراق میں جگہ دینے پر مجبور نظر آتے ہیں والحسن ماشہدت بہ الاعداءُ ائمہ طاہرین کے ارشادات کو ہر حیلے سے رد و بدل کرنے اور توڑنے موڑنے و تصرفات کرنے کی انتہائی کوشش کی مگر خلفاء راشدین کی شان کو آنچ نہ آئی۔

تنزیہہ الامامیہ از علامہ محمد حسین ڈھکو صاحب

امام حسن عسکری کی تفسیر سے منقول اس طویل و عریض روایت سے پیر صاحب کی تائید کی بجائے تردید ہوتی ہے۔ اس روایت میں صرف دو جملے ایسے ہیں کہ جن سے بظاہر مؤلف کی مطلب برآری ہوتی ہے لیکن اگر ذرا غور کیا جائے تو اس سے ان کے دعویٰ پہ ضرب کاری پڑتی ہے۔

پہلا جملہ: امرك ان تستصحب ابا بکر فانه ان آنسك وساعدك و آزرك وثبت علی ما یتعاهدك ویعاقدك الخ اور تمہیں حکم دیا ہے کہ ابو بکر کو آپ ہجرت میں ساتھ رکھیں۔ اگر وہ حضور کی رفاقت اختیار کریں الخ ارباب عقل و دانش فرمادیں اس مشروط کلام میں پیر صاحب کے چہیتے خلیفہ کی کونسی مدح و ثنا کی گئی ہے۔ بلکہ اس سے تو سراسر خلیفہ صاحب کی قدح ظاہر ہوتی ہے۔ اور ان کے ایمان و ایقان، ان کی نصرت و اعانت اور عہد و پیمان پہ بقاء و ثبات کو بالکل مشکوک و مشتبہ کر دیا گیا ہے۔ اور اس روایت میں ان صفات جمیلہ کے ابو بکر صاحب کے اندر پائے جانے کا کہیں کوئی تذکرہ نہیں ہے بلکہ بطور جملہ شرطیہ مذکور ہے اور بموجب اذافات الشرط فات المشروط جناب ابو بکر میں ان صفات کا نہ پایا جانا اہل علم و انصاف کے لیے اظہر من الشمس ہے۔ اگر ان میں یہ شرائط پائے جاتے تو پھر یہ اگر مگر کی تکرار نہ ہوتی۔

دوسرا جملہ: ان اطلع اللہ علی قلبك وجدہ موافقا لما جری علی لسانك الخ ہے اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ اگر خداوند عالم تیری دلی کیفیت پر مطلع ہوا اور اسے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تیرے زبانی اظہار عقیدت کے موافق پایا تو تجھے بمنزلہ میرے کان، آنکھ، سر اور روح کے قرار دے گا۔ جس طرح حضرت علی کو مجھ سے یہی منزلت حاصل ہے۔

اس جملہ میں بھی مثل سابق حرف شرط ان موجود ہے۔ جس سے خلیفہ صاحب کی وفاداری اور اظہار ارادت و عقیدت مشتبہ اور مشکوک ہو کر رہ جاتی ہے

(۳) اس جملے کا یہ ترجمہ کرنا یقیناً اللہ تعالٰی تیرے دل پر مطلع ہے مترجم کی جہالت یا تجاہل کی کھلم کھلا دلیل ہے۔ ورنہ اِنَّ حرف تحقیق اور ان حرف شرط میں جو نمایاں فرق ہے وہ مبتدی طلبہ بھی جانتے ہیں۔

(۴) تفسیر امام حسن عسکری کی نسبت کی صحت میں ہمیشہ علماء کرام کے درمیان اختلاف رہا ہے محققین کی تحقیق یہ ہے کہ یہ نسبت صحیح نہیں ہے لہٰذا جب تک اس کتاب کے مندرجات کی دوسری روایات معتمدہ سے تائید نہ ہو جائے اس وقت تک قابل اعتبار نہیں۔ رسالہ تنزیہ الامامیہ ص۱۲۷ تا ۱۲۹!

تحفہ حسینیہ از محمد اشرف السیالوی غفرلہ

علامہ صاحب موصوف نے ابلیس کو خوش کرنے کے لیے پوری کوشش صرف کی ہے اور مقبولان بارگاہ خداوند تعالٰی اور محبوبان بارگاہ رسالتمآب اور ولایت پناہ کی شانِ اقدس جہاں سے بھی ثابت ہوتی نظر آئے اپنی امکانی کوشش کے ذریعے اس کو مسخ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور انہی ناپاک کوششوں میں سے ایک یہ بھی ہے ہمیں بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ دشمنی اپنی جگہ مگر دشمن بھی خاندانی ہو تو اس کی دشمنی بھی کسی ضابطہ اور اخلاقی تقاضوں کے تحت ہوا کرتی ہے۔ لیکن کمینہ دشمن ہو تو وہ دشمنی میں کسی ضابطہ، اخلاق اور اصول پرستی سے کام نہیں لیتا۔ بد قسمتی سے ڈھکو صاحب بھی صحابۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے ہی دشمنوں میں سے ہیں۔

اب ذرا علمی لحاظ سے اس جوابی کوشش کا تجزیہ پیش کرتا ہوں اور ارباب

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

عقل و دانش کو دعوتِ غور و فکر دیتا ہوں کہ وہ اس پس منظر میں میری سابقہ گزارش کا جائزہ لیں۔ ڈھکو صاحب نے چار سوال یہاں اٹھائے ہیں ایک کا تعلق حضرت شیخ الاسلام کی ذات سے ہے اور تین کا تعلق روایت اور اس سے استدلال کرنے کے ساتھ ہے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ اور محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا اعتماد

پہلا سوال: یہ جملہ شرطیہ ہے اور مشروطی کلام میں حضرت ابو بکر صدیق کے لیے کوئی وجہ فضیلت ثابت نہیں ہو سکتی بلکہ الٹا قدح اور اعتراض ہے اور مشروط خوبیاں ان میں مشکوک اور مشتبہ ہو کر رہ گئی ہیں بلکہ اہل علم اور انصاف کے نزدیک وہ خوبیاں نہیں پائی گئیں اور جب شرط نہ پائی گئی تو مشروط بھی نہ پایا گیا لیکن دریافت طلب امر یہ ہے کہ قضیہ شرطیہ سے آپ کی خوبیاں مشکوک کیونکر ہوئیں۔

(۱) کیا اللہ تعالیٰ نے جو انہیں ساتھ رکھنے اور رفیق سفر بنانے کا حکم دے دیا وہ بھی مشروط تھا قطعاً نہیں اور جب وہ حکم مشروط نہیں تھا تو واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ میں یہ شرائط موجود اور متحقق تھے ورنہ اتنے طویل اور انتہائی خطرناک سفر میں ایسے شخص کو ساتھی بنانے کا حکم کیونکر دیا جا سکتا تھا جو نہ مونس و غمخوار ہو اور نہ ہمدرد و معاون ہو۔ اللہ تعالیٰ جیسا کریم اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا محب جس کو ساتھ رکھنے کا حکم دے رہا ہے یقیناً وہ ان سب اوصاف کے ساتھ موصوف ہے ورنہ یہ محبت کا تقاضا نہ ہوا بلکہ مزید آپ کو پریشانی میں مبتلا کرنے والا معاملہ ہو گیا۔ ایک تو وطن، گھر بار اور کعبہ معظمہ جیسی جگہ سے دوری دوسرا ایسا ساتھی ساتھ رکھنے کا حکم جو کسی بھی وقت عہد شکنی کر کے جان لیوا بن سکتا ہو۔ نعوذ باللہ۔
بلکہ اس حکم کے بعد یہ یقین رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا رفیق عطا فرمایا جو مکمل طور پر سامان راحت و تسکین مہیا کرنے والا تھا۔ اور اس کی رفاقت میں ہر غم واندوہ اور بوجھ اور گرانی کافور ہو جانے والی تھی۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

۲۔ عملی طور پر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو رفیق سفر بنایا اور ساڑھے تین سو میل کا طویل اور کٹھن سفر طے کیا اس دوران سواریاں مہیا کرنے والا کون تھا؟ خورد و نوش کا سامان مہیا کرنے والا کون تھا؟ اور دشمنوں کی دیکھ بھال اور تاک اور ناڑ رکھنے والا کون تھا؟ دو ہفتے کے قریب وقت اس سفر میں صرف ہوا بمع غار والے وقت کے اس سارے عرصے میں ہر ممکنہ خدمت کرنے والا سوائے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کوئی نہیں تھا تو حقائق اور واقعات نے شرط کا تحقق واضح کر دیا کہ آپ نے حق مؤانست بھی ادا کیا اور تعاون و امداد کی بھی ہر امکانی کوشش کی اور عہد وفا اور پیمان اخلاص کو پوری طرح نبھایا لہذا مشروط اور جزا کا تحقق یعنی جنت میں بھی آپ کا رفیق ہونا اور اس کے بالاخانوں میں آپ کے مخلص صحابہ اور امتیوں میں سے ہونا بھی قطعی طور پر ثابت ہو گیا ڈھکو صاحب کی مثال ایسے ہی ہے جیسے انہیں کہا جائے اگر سورج طلوع ہو گیا تو دن ہو جائے گا اور وہ کہتے رہیں یہاں تو دن ہونے کو مشروط کر دیا گیا ہے طلوع آفتاب سے لہذا دن ہونے کا کوئی یقین نہیں کیونکہ ان شرطیہ ہے۔ دو سرا آنکھ والا شخص آئے اور کہے علامہ صاحب صرف اِن کو ہی نہ دیکھتے رہو عین شمس کو بھی دیکھ لو وہ عیاں ہے اور دیکھو سارا جہان روشن ہے مگر وہ کہتے ہیں نہیں نہیں کتاب میں اور قول میں اِن شرطیہ ہے۔ لہذا سورج طلوع ہونے کا معاملہ بھی مشکوک ہے اور دن موجود ہونے کا بھی اگر دن موجود ہوتا تو پھر اگر مگر کی ضرورت کیا تھی۔

صدق شرطیہ کا دارومدار اور نتیجہ کا معیار

۳۔ جو امور بطور قضایا شرطیہ ذکر کئے جائیں ان میں شرط و مقدم کے تحقق سے جزا اور تالی کا تحقق معلوم کر لیا جاتا ہے۔ یا مشروط اور تالی کے عدم اور انتفاء سے مقدم اور شرط کا انتفاء معلوم کر لیا جاتا ہے۔ نہ کہ ان کا معاملہ ہمیشہ معلق اور مشکوک و مشتبہ ہو کر رہ جاتا ہے لہذا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ہجرت کے دوران

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

موانست اور امداد و معاونت اور تائید و تقویت اور آپ کے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق جنت ہونے میں تلازم ثابت اور مشاہدہ اور حس سے حضرت صدیق کی وفا شرط ثابت لہذا جزاء بھی قطعی اور حتمی طور پہ ثابت۔ اس مقام پہ ڈھکو صاحب کا یہ کہہ دینا کہ ارباب علم اور انصاف کے نزدیک ابوبکر صاحب میں ان صفات کا نہ پایا جانا اظہر من الشمس ہے ایک ایسا دعویٰ ہے جس کو کوئی شخص بقائمی ہوش و حواس زبان پر نہیں لا سکتا بلکہ آنکھوں کے ساتھ ساتھ دل کا اندھا ہی اس قسم کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ ڈھکو صاحب کو بتلانا چاہیئے کہ کونسی بے وفائی ابوبکر صدیق نے کی اور کس جگہ امداد و تعاون کو ترک کیا اور کہاں سامان انس و محبت لوٹ لیا محل نزاع میں بداہت کا دعویٰ کرنا پھر اہل علم کہلانا اور مناظر اعظم ہونے بلکہ مجتہد اور حجت اسلام ہونے کا دعویٰ کرنا ؎

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

ہر طالب علم اس حقیقت سے باخبر ہے کہ اختلافی مسئلہ نظری ہوتا ہے اور وہاں دعویٰ بداہت باطل ہوتا ہے۔

(۴) بیوی، بچیوں اور بچوں کو اہل مکہ کے پاس چھوڑ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانے والا ابوبکر صدیق دیکھ رہا تھا کہ میری اولاد اور عزت کے لیے کیا کیا خطرات ہیں اور خود میرے لیے کیا کیا خطرات ہیں جن کی طرف خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی توجہ دلائی کہ جس طرح ہمیں طلب کیا جائے گا تمہیں طلب کیا جائے گا بلکہ یہ سمجھا جائے گا کہ ان کو نبوت کا دعویٰ کرنے پر اگر آمادہ اور برانگیختہ کیا ہے تو ابوبکر صدیق نے اور تمہیں میری وجہ سے انواع و اقسام کی تکالیف برداشت کرنا پڑیں گی۔ لہذا سوچ لو اور اچھی طرح غور و فکر کر لو جس کے جواب میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں قیامت تک زندہ رہوں اور ہر عذاب اور مصیبت مجھ پر ٹوٹ پڑے نہ موت آئے تاکہ راحت ملے اور نہ فرحت و سرور کی کوئی ساعت نصیب ہو۔ جس سے غموں کی نہ ختم ہونے والی سیاہ رات میں مسرت کی کوئی جھلک

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نظر آسکے مگر یہاں ہمہ ہو تمہاری محبت میں تو یہ زندگی مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں قیامت تک زندہ رہوں اور ہر نعمت مجھے میسر اور حاصل ہو اور میں دنیا کے بادشاہوں کا بادشاہ ہوں لیکن آپ کی معیت اور رفاقت نصیب نہ ہو اور نہ محبت و عشق میں خود میری اولاد اور میرا مال سب آپ پہ قربان ہونے کے لیے ہی تو ہیں کیا ان حالات میں اس عمل اور اس اقرار و اعتراف اور اظہار و اعلان کے بعد بھی کوئی عقل سے بہرہ ور انصاف کی دولت سے مشرف شخص یہ سوچ سکتا ہے کہ ایسا فدائی اور جانثار ان شرائط پر پورا نہیں اترا تھا۔

یہ تو ہو سکتا تھا کہ محبت و عقیدت اور ایمان و اخلاص کے باوجود حالات کی سنگینی کے تحت ابوبکر صدیق معذرت کر لیتے اور رخصت و اجازت لے لیتے اور اعلیٰ درجہ کے فدائیوں کا کردار ادا نہ کر سکتے لیکن العیاذ باللہ ایمان اور اخلاص بھی نہ رکھتے ہوں اور محبت و الفت بھی نہ ہو مگر بلا وجہ اہل مکہ کو اور قریش کو اپنا بھی دشمن بنا لیں اور اپنی بیوی بچوں کا بھی خیال نہ رکھیں کسی عقل مند اور صاحب انصاف کا عقل و انصاف اس کو جائز نہیں رکھ سکتا آخر ایسے مؤمن بھی تھے جنہوں نے ہجرت بھی نہ کی تھی جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ الم تکن ارض اللہ واسعۃ فتہاجروا فیہا۔ کیا تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی زمین یعنی مدینہ منورہ میں گنجائش نہ تھی کہ تم بھی ہجرت کر کے اس میں جا بستے تو اگر ابوبکر صدیق سراپا اخلاص اور مجسمۂ وفا نہ ہوتے اور ان کا سارا گھرانا شمع رسالت کا پروانہ نہ ہوتا تو سفر ہجرت کی رفاقت کیونکر ممکن ہوتی۔

(۵) آئیے ذرا ناسخ التواریخ سے اس واقعہ ہجرت کی ایک دو جھلکیاں ملاحظہ فرمالیں تاکہ وفائے عہد اور پیمان اخلاص کی تکمیل کا قدرے اندازہ ہو سکے اور وہ بھی دشمن صدیق کی زبان سے قلم سے۔

(۱) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کی گرمی میں طیلسان سر اقدس پہ رکھے ابوبکر صدیق کے ہاں تشریف لائے اور فرمایا: گھر کو اپنوں اور بیگانوں سے خالی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کرا دو تو ابوبکر صدیق نے عرض کیا۔ بابی انت وامی یا رسول اللہ در خانہ جز من
و دو دختر من کہ یکے از آنہا نیز اہل تست کس نیے باشد آنحضرت فرمود خداوند
باری مرا اذن ہجرت داد ابوبکر گفت الصحبۃ یا رسول اللہ یعنی میخواہم مصاحب
تو باشم آنحضرت فرمود چنیں باشد ابوبکر از شادی بگریست ص۲۳۳ ناسخ التواریخ
جلد اول کتاب دوم۔

میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں گھر میں میرے علاوہ اور میری دو بچیوں کے
علاوہ کوئی فرد نہیں اور ان بچیوں میں سے ایک آپ کی بیوی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا خدا تعالیٰ نے مجھے ہجرت کی اجازت دے دی ہے۔ حضرت ابوبکر
نے عرض کیا میں آپ کی مصاحبت اور رفاقت کا طلب گار ہوں آپ نے فرمایا ایسے
ہی ہو گا یہ سن کر حضرت ابوبکر کے خوشی سے آنسو چھلک پڑے جس سے صاف ظاہر
ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوبکر صدیق کی ذات پر مکمل اعتماد اور اعتبار
تھا اور وہ گویا اسی انتظار میں تھے لہٰذا مژدہ سنانے کے لیے آپ خود تشریف
لے گئے اور شرف رفاقت کا مژدہ سن کر حضرت صدیق کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔

(۲) صاحب منہج الصادقین کہتا ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت پر ابوبکر صدیق
کے گھر سے ہی روانہ ہوئے یعنی بستر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سلایا اور خود
حضرت صدیق اکبر کے گھر پر ٹھہرے اور پچھلی رات کو وہاں سے غار ثور کی طرف
روانہ ہوئے۔ امیر المؤمنین را بر جائے خود بخوابانید خود از خانہ ابوبکر برفاقت او
بیروں آمدہ بداں غار توجہ نمود ص۲۶۰ جلد چہارم)

مفسر شیعہ فتح اللہ کاشانی کے اس اعتراف کے بعد بھی چون وچرا کی کوئی گنجائش
ہو سکتی ہے؟

(۳) حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ تین دن رات غار میں ہی قیام رہا اور عروہ کہتے
ہیں کہ ابوبکر کے غلام عامر بن فہیرہ بھیڑ بکریوں کو غار کے دروازے پر لے جاتے
اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کا دودھ نوش

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

فرماتے۔ اور قتادہ کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر صبح اور شام خفیہ طور پر آتے اور دونوں حضرات کے لیے کھانا لے جاتے۔ تفسیر منہج الصادقین جلد چہارم ص ۲۶۱۔

(۴) پہلا کھانا جو تیار کر کے ان راہروان منزل شوق کو دیا گیا وہ ابو بکر صدیق کی لخت جگر حضرت اسماء نے تیار کیا اور کمر بند پھاڑ کر اس کے ایک حصہ کو بطور دسترخوان استعمال کیا اور اس میں وہ کھانا باندھا جبکہ دوسرا حصہ بطور کمر بند باندھا ازیں رد باسماء ذات النطاقین ملقب گشت اسی وجہ سے آپ کا لقب ذات النطاقین یعنی دو کمر بند والی پڑ گیا و عبداللہ بن ابی بکر را فرمود روز در میان کفار زیستن کند و شبانگاہ خبر کفار را بایشاں بغار تور برد ناسخ ص ۳۳ اور عبداللہ بن ابی بکر کو حکم دیا کہ دن کا وقت کفار کے ہاں گزارا کریں اور شام کے وقت ان کی خبر ہمیں پہنچایا کریں۔

(۵) ابو بکر پنجہزار درم در خانہ ذخیرہ داشت با خود حمل نمود گھر میں پانچ ہزار درہم کا ذخیرہ تھا وہ بھی سارے کا سارا ذخیرہ اپنے ساتھ لے لیا اور جب حضرت ابو قحافہ کو ہجرت کا علم ہوا اور دراہم کے متعلق گمان کیا کہ سبھی اپنے ہمراہ لے گئے ہیں تو افسوس کا اظہار کیا کہ ابو بکر شمارا در سختی گذاشت و آنچہ داشت با خود ہمراہ برد۔ ابو بکر تمہیں مشقت اور تنگدستی کی حالت میں چھوڑ گیا ہے اور جو کچھ اپنے پاس رکھتا تھا وہ بھی ساتھ ہی لے گیا تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہ نے چند ٹھیکریاں کپڑوں میں لپیٹ کر ان کے سامنے رکھ کر ان کا ہاتھ اوپر رکھا کیونکہ ان کی بینائی جا چکی تھی اور کہا دیکھو گھر میں دینار و درہم موجود ہیں۔ این زر ست کہ ابو بکر برائے ما نہادہ است ابو قحافہ باور داشت۔ ناسخ جلد اول ص ۳۳۸۔

(۶) ابو جہل لعین جب حقیقت حال پر مطلع ہوا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھوں سے نکل گئے تو سیدھا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دولت کدہ پر پہنچا اور اپنا جتھا بھی ہمراہ تھا۔ حضرت اسماء سے دریافت کید پدرت کجاست اسماء گفت من نمیدانم طمانچہ سخت بر روئے او زد کہ گوشوارش بیفگاند وانہا بگذشت تیرے باپ کدھر ہیں تو انہوں نے کہا میں نہیں جانتی اس نے زور دار طمانچہ ان کے چہرے پر مارا جس سے ان کے کان

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

چر گئے اور بالیاں گر گئیں اور پھر وہاں سے چلا گیا۔

(۷) غار سے نکل کر عازم مدینہ ہوئے تو ایک اونٹ پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق سوار ہوئے اور دوسرے پر عامر بن فہیرہ اور عبداللہ بن اریقط سوار ہوئے اور راہ میں ابوبکر صدیق کے واقف لوگ ملتے کیونکہ آپ اسی راستہ سے شام کی طرف بغرض تجارت جایا کرتے تھے تو وہ دریافت کرتے من معک تمہارے ساتھ کون ہیں۔ تو آپ فرماتے رجل یھدینی السبیل یعنی این مرد دلیل راہ ماست وشنوندہ چناں گماں میکرد کہ قصد او راہِ مدینہ است ناسخ جلد اول ص۲۴۸۔ یہ وہ شخص ہیں جو مجھے راہ دکھلاتے ہیں اور سننے والا یہ سمجھتا کہ راستہ سے آپ کی مراد مدینہ کا راستہ ہے۔ یہ شخص واقف ہیں اور ابوبکر اس راہ سے واقف نہیں ہیں جبکہ آپ کا مقصد حقیقی اللہ کی راہ ہوتا تھا یہ وہ ہستی ہے جو مجھے اللہ تعالیٰ کا راستہ دکھلانے والی ہے۔

الغرض ان واقعات سے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے اس دعویٰ کی عملی دلیل اور واقعاتی شہادت مل جاتی ہے جس میں آپ نے کہا تھا " ھل أنا و مالی وولدی الا لک او لک یارسول اللہ میں خود میرا مال اور میری اولاد سب آپ پہ فدا اور قربان ہیں اور یاد رہے صاحب ناسخ نے تصریح کی ہے کہ میں نے ہجرت کے متعلق جو روایات نقل کی ہیں یا آئندہ کروں گا وہ شیعہ وسنی دونوں فریق کی متفق علیہ ہیں اور کہیں اختلاف ہوگا تو میں اپنا نظریہ واضح کر دوں گا۔ ملاحظہ ہو ص۲۲۵ جلد اول۔

الغرض اس سفر کی پوری تفصیلات کتب سیر اور تواریخ میں موجود ہیں یہاں صرف نمونہ کے طور پر چند عبارات مختصراً عرض کی ہیں تاکہ چشم بینا اور عقل سلیم پہ واضح ہو جائے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شرائط موانست و موالفت امداد و تعاون اور اطاعت و خدمت گزاری کی انتہا درجہ رعایت فرمائی اور ان کو کما حقہ ادا فرمایا جب شرائط کا موجود ہونا واقعات اور مشاہدات اور عقل سلیم کی شہادت اور مخالف کے اقرار و اعتراف سے واضح ہو گیا تو اس کے بعد مشروط اور جزا کے تحقق و ثبوت میں شک و شبہ کی قطعاً کوئی گنجائش باقی نہیں رہ سکتی۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

۸۔ جب غار کے سرے پر کفار کو موجود دیکھ کر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف اور ایذا رسانی کے خیال سے حزن و ملال لاحق ہوا تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ماظنک باثنین اللہ ثالثھما۔" ان دو اشخاص کے متعلق تمہارا کیا گمان ہے جن کے ساتھ تیسری اللہ تعالیٰ کی ذات ہو۔ ناسخ جلد اول ص۳۵ اور اسی کے متعلق قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا" جبکہ وہ اپنے یارِ غار سے کہہ رہے تھے غمگین نہ ہو بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ ذرا غور فرمائیے اللہ تعالیٰ کی معیت جس طرح رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھی۔ اسی طرح آپ نے اس کو حضرت ابوبکر صدیق کے لیے بھی ثابت فرمایا اور اس کی گواہی دی۔ اب یہ ڈھکو صاحب اور اس کی برادری کا کام ہے کہ قرآن مجید سے دکھلائیں کہ اللہ تعالیٰ مشکوک اخلاص و ایمان والوں کے ساتھ ہوتا ہے یا کامل ایمان و اخلاص والوں کے ساتھ اسی طرح وہ عہد شکن اور غدر پیشہ لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے یا مجسمۂ وفا و اخلاص کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خدمتگزاروں اور جاں نثاروں کے ساتھ ہوتا ہے یا ان سے جان و مال پیارے رکھنے والوں کے ساتھ

؎ آنکھ والا تیرے جوبن کا تماشا دیکھے ۔ دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

(۹) فانزل اللہ سکینتہ علیہ الآیۃ اہل سنت کے نزدیک اس میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی تسکین قلب مراد ہے کیونکہ حزن و ملال آپ کو لاحق ہوا تھا لہٰذا سامان تسکین بھی آپ کے لیے مہیا کرنا چاہیئے تھا۔ رہا شیعہ صاحبان کا یہ بہانہ اور تعلل کہ دوسری غائب کی ضمیریں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہیں۔ اذ یقول لصاحبہ۔ لہٰذا یہ بھی آپ کی طرف ہی راجع ہونی چاہیئے۔ مگر یہ کوئی وزنی اور موجب ترجیح عذر نہیں

(ا) کیونکہ اذھما میں دونوں کو ضمیر غائب سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ایک جگہ مشترکہ طور پر تعبیر کر دیا گیا اور دوسری جگہ علیحدہ علیحدہ تعبیریں پائی گئیں کیونکہ احکام علیحدہ علیحدہ تھے

(ب) چلو اس کو چھوڑتے ہیں مگر جب یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہے کے دل اقدس پر سکینہ نازل فرمائی اور آپ نے خود مطمئن ہونے کے بعد حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو مطمئن کر دیا اور چونکہ اطمینانِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام بعینہٖ اطمینان صدیق تھا اس لیے ضمیر واحد پر اکتفا فرما کر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان فنافی الرسول ظاہر فرمادی اور قرآن مجید میں بہت جگہ یہی اسلوب اور اندازِ بیان اختیار کیا گیا ہے کما قال واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ۔ یہاں پر بھی تثنیہ کی جگہ واحد کی ضمیر اسی لیے ذکر کی گئی ہے کہ رضائے خدا رضائے مصطفےٰ ہے اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رضا رضائے خدا وند تبارک و تعالیٰ۔ تو اب اس میں حضرت صدیق کی ذات پر اعتراض کی کیا گنجائش ہے۔ جیسے کہ شیعہ لوگوں نے یہاں زبان درازی سے کام لیا ہے۔ اور بد باطنی کا مظاہرہ کیا اور اسی کی طرف ڈھکو صاحب نے اہل علم و انصاف کا حوالہ دے کر اشارہ کیا اور حضرت صدیق کی سب قربانیوں کا خوف خدا اور خوف آخرت کو بالائے طاق رکھ کر انکار کر دیا۔

علامہ طبرسی کا شیعہ افسانہ نگاری سے گریز

اس مقام پر ہم علامہ طبرسی کے خاندانی آدمی ہونے اور ہا اصول مخالف اور دشمن ہونے کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتے جنہوں نے اس قسم کے توہمات کا ذکر کرنے سے اپنا دامن بچایا اور کہا۔ "وقد ذکرت الشیعة فی تخصیص النبی صلی اللہ علیه وسلم فی هذه الآیة بالسکینة کلاماً رأینا الاضراب عن ذکره احری لئلا ینسبنا ناسب الی شیٔ" یعنی شیعہ نے سکینہ کے صرف رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کئے جانے کی تخصیص اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ شامل نہ کرنے میں کلام کیا ہے لیکن ہم اس کے ذکر سے اعراض اور روگردانی کو زیادہ موزوں اور مناسب سمجھتے ہیں تاکہ کوئی شخص ہمیں تعصب اور غلو کی طرف منسوب نہ کرے

مجمع البیان جلد سوم ص ۳۲۔

بالفرض اگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر سکینت کے نزول کا تذکرہ نہ کرنے سے ان کے ایمان میں کسی کمزوری کا وہم پیدا ہوتا ہے تو کیا قول باری تعالیٰ "ان اللہ معنا" سے اس قسم کے شیطانی وسوسوں کی بنیاد اکھڑ نہیں جاتی۔ علاوہ ازیں یہ سکینت تو حضرت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

صدیق کے اظہار اضطراب کے بعد نازل ہوئی اس سے پہلے تو نہیں نازل ہوئی تھی تو اس وقت تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان میں نعوذ باللہ کسی کمی اور نقص کا توہم کسی مومن کو ہو سکتا ہے اور جب نہیں اور یقیناً نہیں تو اس کے بعد بھی حضرت صدیق کے لیے کوئی نقص اور ضعف ایمانی کا توہم نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کیلئے آرام جان اور سامان تسکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے۔ حقیقت حال یہ ہے یہاں مقصودی تذکرہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اسی لیے مکہ مکرمہ سے اخراج بھی آپ کا بیان فرمایا۔ اذ اخرجه الذین کفروا حالانکہ صدیق اور جملہ مہاجرین رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کفار نے مکہ مکرمہ سے نکالا اور نصرت کی نسبت بھی آپ کی طرف کی۔ الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ حالانکہ حضرت صدیق کی بھی اللہ تعالیٰ نے امداد و نصرت فرمائی اور دوران ہجرت انہیں کسی حادثہ سے دوچار نہ ہونا پڑا۔ لیکن صدیق آپ کے تابع تھے اور تابع احکام میں متبوع کے ساتھ شامل اور شریک ہوتا ہے اس لیے ان کا علیحدہ ذکر نہیں پایا گیا۔ دیکھئے کلام مجید میں آدم و حوا علیہما السلام کا درخت سے کھانا اور جنت سے نکلنا مشترکہ طور پہ بیان کیا ہے لیکن مقام توبہ میں صرف آدم علیہ السلام کے ذکر پہ اکتفا کیا گیا ہے کما قال تعالیٰ فتلقیٰ آدم من ربه کلمات فتاب علیه الآیۃ تو کیا شیعہ صاحبان کے نزدیک حضرت حوا رضی اللہ عنہا نے توبہ نہیں کی تھی یا اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول نہیں فرمائی بلکہ قبول توبہ میں حضرت حوا آپ کے ساتھ یقیناً شامل تھیں مگر چونکہ آپ کے تابع تھیں لہذا علیحدہ ذکر کی ضرورت نہیں تھی بلکہ یہاں پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے فنافی الرسول والے مقام کو ملحوظ رکھا گیا ہے اسی لیے ان اللہ معنا فرمایا۔ جبکہ موسیٰ علیہ السلام نے لاکھوں بنی اسرائیل کے ساتھ ہونے کے باوجود "ان معی ربی" فرمایا۔ یعنی میرا رب میرے ساتھ ہے۔ کیونکہ دوسروں کو وہ معیت حاصل نہ تھی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حاصل تھی۔ مگر فنافی الرسول کے مقام پہ فائز ہونے کی وجہ سے وہی معیت صدیق کے لیے ثابت فرمائی جو سرور عالم کو حاصل تھی۔

والحمد للہ علی ذلک

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ایک اہم شبہ کا ازالہ

رہا دوسری جگہوں میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ مؤمنین پر بھی سکینت کے نزول کا ذکر جیسے کہ سورۂ فتح میں فرمایا۔ "فانزل اللہ سکینتہ علیٰ رسولہ وعلی المؤمنین" جبکہ اسی سورۂ توبہ میں فرمایا "ثم انزل اللہ سکینتہ علیٰ رسولہ وعلی المومنین" تو وجہ اس کی بالکل واضح ہے کہ وہاں حکم بھی عام بیان کیا جا رہا تھا مثلاً سورۂ توبہ میں پہلے فرمایا "لقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرۃ ویوم حنین" الآیہ اور سورۂ فتح میں اس کی مصلحت و منفعت بیان کرتے ہوئے فرمایا "لیزدادوا ایمانا مع ایمانہم" تاکہ ان کے ایمانوں میں اضافہ ہو اور "لیدخل المؤمنین والمؤمنات الی آخرہ" تاکہ اہل ایمان مردوں اور عورتوں کو جنات میں داخل کرے لہٰذا ان دونوں مقامات پہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کا قصداً اور ارادۃً حکم بیان کیا گیا۔ جبکہ یہاں قصداً اور ارادۃً صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے اور ضمناً اور بالتبع حضرت صدیق اکبر کا۔ اس لیے وہاں آپ کا اس معاملہ میں شریک ہونا بیان نہیں کیا گیا۔ کیونکہ بلیغ امور ذاتیہ کی رعایت نہیں کرتا بلکہ مقام اور مقتضی حال کی رعایت کرتا ہے۔ ماقبل میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکالے جانے کا ذکر کیا۔ "اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین" اور آپ کی ہی نصرت اور امداد کا ذکر کیا "الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ" اور آپ کے لیے ہی ملائکہ کے نزول کا ذکر کیا "وایدہ بجنود لم تروھا" حالانکہ نکالے ابوبکر صدیق بھی گئے تھے اور جس طرح دوران ہجرت اللہ تعالیٰ کی نصرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شامل حال رہی حضرت صدیق کے بھی شامل حال رہی اور جن جنود سماویہ سے نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید و تقویت کی گئی انہیں سے ابوبکر صدیق کی بھی تائید و تقویت فرمائی گئی۔ لیکن اصل مقصود چونکہ سید عرب صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اس لیے بالتخصص آپ کا ہی ذکر فرمایا۔ اسی لیے یہاں بھی اسی اصالت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ضمیر واحد ذکر کی گئی ہے۔ اور فرمایا گیا۔ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ (الآیۃ)

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

علاوہ ازیں سورۂ فتح کی آیت میں یا سورۂ توبہ کی آیت میں جہاں مؤمنین پر نزول سکینت کا بیان ہے کیا ان میں حضرت ابوبکر صدیق داخل نہیں جب داخل ہیں اور یقیناً داخل ہیں بلکہ انؓ کے رئیس ہیں تو پھر اس ہرزہ سرائی اور بیہودہ گوئی کا فائدہ کیا ہو سکتا ہے سوائے بغض باطنی کے اظہار کے اور ابلیس کی رضامندی اور شاباش حاصل کرنے کے

حرف شرط لانے کی حکمت اور ایثار صدیق کا تقابلی جائزہ

(۱۰) حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایثار عظیم ہے اور اس پر ایمان لانا ہمارا فرض ہے لیکن ذرا غور کرو قبیلہ بنو ہاشم اور بنو عبد مناف کی موجودگی بھی مسلم اور ان کا قومی حمیت و عصبیت اور قبیلہ داری کے تحت ہر ممکن امداد کرنا اور دشمنوں سے تحفظ کی کوشش کرنا بھی مسلم اور کفار و مشرکین کا انتہائی بد باطنی کے باوجود فرد واحد کو شبخون کے ذریعے شہید کرنے کی کمینہ حرکت سے کوسوں دور رہنا بھی مسلم اس لیے جو اخلاص اور جانثاری و جانسپاری کا مظاہرہ ان حالات میں اس قدر طویل سفر پر صرف دو اشخاص کے جانے میں ہے وہ کسی دوسری جگہ نہیں ہے اس لیے اس حقیقت کا اعتراف کئے بغیر کوئی اہل علم اور اہل انصاف نہیں رہ سکے گا کہ جس انس و محبت اور امداد و اعانت اور خدمت گذاری اور وفاداری کا ثبوت ابوبکر صدیق نے دیا ہے اس کی مثال بلکہ نظیر ملنی مشکل بلکہ ناممکن ہے اور یہیں سے ان حرف شرط لانے کی حکمت بھی واضح ہو جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ کو تو حتمی اور قطعی علم تھا لیکن سفر اتنا کٹھن اور صبر آزما تھا اور اس رفاقت میں مصائب و آلام اور تکالیف و شدائد کا سخت خطرہ تھا جس کے تحت متیقن کو معرض مشکوک میں ذکر کر دیا و حتمی و قطعی موانست اور وفاداری کو محتمل اور مرجو صورت میں ذکر فرما دیا۔ اور کتنے مقامات پر قرآن مجید میں مختلف حکمتوں کے تحت اسی اسلوب بیان کو اختیار کیا گیا ہے " قال تعالیٰ، یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ " اے رسول گرامی جو کچھ آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے اس کی تبلیغ کرو اگر تم نے تبلیغ نہ کی تو تم نے اللہ کی رسالت کی تبلیغ نہ کی اور فریضہ رسالت کو ادا نہیں کیا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کیا کوئی بد باطن کہہ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا تبلیغ رسالت فرمانا مشکوک تھا" قال اللہ تعالیٰ۔ ان کان للرحمٰن ولد فانا اول العابدین" اگر رحمٰن تبارک وتعالیٰ کے لیے بیٹا ہو تو میں سب سے پہلا اس کا عبادت گزار ہوں گا، تو کیا یہاں بھی کوئی شقی ازلی یہ کہہ سکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹا ہونا ممکن تھا اور آپ اس میں متردد تھے؟ العیاذ باللہ۔ لہٰذا یہاں بھی مخصوص حالات اور دل کو لرزا دینے والے مصائب وشدائد کو سامنے رکھتے ہوئے یہ حکیمانہ انداز اختیار فرمایا ہے۔ اور چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے اس قسم کے حالات درپیش نہیں تھے لہٰذا وہاں ان شرطیہ لانے اور اس متیقن کو صورت محتمل میں ذکر کرنے سے اجتناب فرمایا۔ بشرطیکہ کلام امام میں صحیح سند کے ساتھ کلمہ ان شرطیہ کا تحقق ثابت ہو۔ لیکن ڈھکو صاحب کی الٹی منطق کے تحت اگر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ میں ان شرائط اور صفات کمال کا پایا جانا مشکوک ہو گیا تو ڈھکو صاحب کو بتلانا پڑے گا کہ شک وشبہ کس کو ہوا۔ اس کلام کا متکلم اللہ تعالیٰ ہے اور مخاطب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو کیا متکلم یعنی اللہ تعالیٰ کو شک ہو گیا تھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ مخاطب ہیں العیاذ باللہ تعالیٰ اور جب یہ باطل ہے تو پھر ماننا پڑے گا کہ یہاں حرف شرط کو شک وشبہ کی وجہ سے نہیں لایا گیا بلکہ اس حکمت کے پیش نظر جو ہم نے ذکر کی ہے۔ نیز بقول ڈھکو صاحب اہل تشیع کا اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر علم میں سبقت لے جانا لازم آئے گا۔ کہ انہیں تو ابوبکر کی بے وفائی اور عہد شکنی کا یقین ہو گیا مگر اللہ تعالیٰ اور اس کا محبوب شک وشبہ میں ہی رہ گئے اور لگے ہاتھوں "تلک عشرۃ کاملۃ۔ فھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین" بحمدہ تعالیٰ ڈھکو صاحب کے اس ظلمانی خیال اور توھم کا آفتاب کی مانند روشن دس وجوہ سے رد ہو گیا اور وہ تار عنکبوت سے کمزور شبہ بے نام و نشان ہو کر رہ گیا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

۲۔ دوسرا جملہ:۔

علامہ ڈھکو صاحب کو دوسرا اعتراض یہ ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مخلصانہ اور دنیا مندانہ جواب میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان اطلع اللہ علی قلبك الخ اگر اللہ تعالیٰ تیرے دل پر مطلع ہوا اور تیرے زبانی اظہار عقیدت کو دل کے مطابق پایا تو تیرا میرے ساتھ وہ تعلق قائم کر دے گا جو کان اور آنکھ اور روح کو میرے بدن سے ہے۔ لہٰذا یہ بھی مثل سابق حرف شرطیہ پر مشتمل ہے۔ جس سے خلیفہ صاحب کی وفاداری اور اظہار عقیدت مشتبہ اور مشکوک ہو کر رہ گئے ہیں۔

اس بیان شقاوت نشان اور حماقت ترجمان میں بھی ڈھکو صاحب نے علم و نصر اور عقل و دانش کو خیرباد کہہ کر سید الصدیقین اور رفیق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بغض و عناد اور کینہ و عداوت کا اظہار کر کے مجوس و یہود اور اپنے روحانی پیشوا جناب عبداللہ بن سبا کو خوش کرنے کی سعی نامشکور فرمائی ہے ورنہ دا، ڈھکو صاحب کو سوچنا چاہیئے تھا کہ ان شرطیہ کا یہاں کونسا موقعہ و محل ہے کیونکہ لاجرم کے بعد قطعی حکم بیان کیا جاتا ہے نہ کہ مشروط اور مشکوک حکم قرآن مجید میں جہاں بھی اس کا استعمال ہے اس کے بعد حرف تحقیق موجود ہے اور قطعی حکم بیان کیا گیا ہے۔

(۱) قال تعالیٰ: "لاجرم انھم فی الآخرۃ ھم الاخسرون" سورۃ ھود

(۲) قال تعالیٰ: "لاجرم ان اللہ یعلم ما یسرون وما یعلنون" سورۃ النحل

(۳) "لاجرم ان لھم النار وانھم مفرطون"

(۴) "لاجرم انھم فی الآخرۃ ھم الخاسرون" النحل

(۵) "لاجرم انما تدعوننی الیہ لیس لہ دعوۃ فی الدنیا ولا فی الآخرۃ"

لہٰذا واضح ہو گیا کہ لاجرم کے بعد مشکوک کلام اور مشتبہ حکم کا مقام ہی نہیں ہے، اس لیے یہاں شرطیہ نہیں ہے بلکہ اَن ہے جو در اصل اَنَّ تھا اور بعد میں ضمیر شان منصوب متصل تھی پھر تخفیفاً اس کو حذف کر دیا گیا اور آن کو اَن پڑھا گیا اور اس کے نظائر خود کلام مجید میں بکثرت ہیں کہ اِنَّ اور اَنَّ کو ضمیر شان کے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حذف کرنے پر اَن اور اِن پڑھا گیا ہے اور معنی وہی حرف تحقیق والا مراد ہے مثلاً قرآن مجید میں ہے۔ علم ان سیکون منکم مرضیٰ۔ یہاں اَن کا لفظ موجود ہے اور مضارع کو بھی مضموم پڑھا جا رہا ہے حالانکہ اَن مضارع کو نصب دیتا ہے لیکن چونکہ یہ اَن دراصل اَنّہ کا مخفف ہے اور حرف تحقیق ہے نہ کہ اَن مصدریہ ناصب فعل مضارع لہذا مضارع کو مرفوع پڑھا گیا۔ الغرض یہاں بھی اِن شرطیہ نہیں ہے۔ بلکہ اَن ہے جو حرف تحقیق ہے۔ اور اصل عبارت یوں تھی لاجرم انہ اطلع اللہ علی قلبک یقیناً اور ضرور بالضرور یہی تحقیقی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دل پر مطلع ہے ایک تاکید لاجرم کے ساتھ ہوگئی دوسری حرف تحقیق کے ساتھ تیسری تکرار نسبت کے ساتھ لہذا یہاں شک وشبہ کی گرد تو ہم اور غبار امکان کا بھی سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاتمہ کر دیا ہے اور دامن صدیق کو ایسے گرد وغبار سے محفوظ کر دیا۔

ڈھکو صاحب کی خیانت

(۱) علامہ صاحب جب اس جملہ پر بحث کرنے لگے ہیں تو لاجرم کا لفظ چھوڑ دیا ہے جس کا معنی ضرور بالضرور اور خواہ مخواہ والا ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ ڈھکو صاحب نے تعصب اور عناد کی وجہ سے علمی خیانت کا ارتکاب کیا ہے اور ناظرین کی آنکھ میں دھول جھونکنے کی ناکام کوشش کی ہے۔

(۲) اگر لفظ اِن پڑھا جائے اور اس کو شرط بنا کر اس جملے کے ذریعے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ارادت وعقیدت کو اگر مشتبہ بنایا جائے تو ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کا مطلع ہونا بھی مشتبہ اور مشکوک ہو کر رہ جائے گا۔ کیونکہ مطلع ہونے والا اللہ تعالیٰ اور جس کے دل کی اطلاع اور قلب وزبان کی موافقت پر اطلاع پائی جاتی ہے وہ ابوبکر ہیں جب ابوبکر کے دل کا زبان سے موافق ہونا مشکوک ومشتبہ ٹھہرا تو یہ اشتباہ اور شک کس کو ہوا۔ کیونکہ فعل باری تعالیٰ اِطَّلَعَ اور وَجَلَ کو اِن شرطیہ کے ساتھ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مشروط کیا گیا ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ اس میں اشتباہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مطلع ہوا ہے یا نہیں اور ابوبکر کے دل اور زبان کو باہم موافق پایا ہے یا نہیں؟ جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ کے علم اور اطلاع کے متعلق شک اور تردد ثابت ہو گیا تو بقول ڈھکو صاحب اس عبارت سے جس طرح نبی کریم علیہ السلام کی ذات اقدس پر اعتراض لازم آئے گا کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ یقین نہیں کہ وہ مطلع ہے اسی طرح خود اللہ تعالیٰ کا اس جملہ شرطیہ کی وجہ سے مطلع ہونا مشکوک و مشتبہ ہو کر رہ گیا العیاذ باللہ دیکھا حضرات! ڈھکو صاحب کو بغض صدیق رضی اللہ عنہ نے اتنا اندھا اور بہرہ کر دیا ہے کہ صدیق اکبر کے ساتھ ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر بھی اعتراض سے گریز نہ کیا اور نہ اللہ رب العزۃ کی ذات پر اعتراض اور اس کے علم ازلی میں شک وشبہ کے وقوع و تحقق کو تسلیم کرنے سے گریز کیا۔

اگر کوئی کہے ان ضرب زید عمرًا فقد ظلم۔ اگر زید عمر کو مارے تو وہ ظالم ہے تو اس میں جس طرح عمرو کے مضروب ہونے میں تردد اور شک ہوگا زید کے ضارب ہونے میں بھی لامحالہ شک و تردد ہوگا اور متکلم کو زید سے صدور ضرب میں تردد ہوگا۔ جس طرح کہ عمرو پر وقوع ضرب میں تردد ہوگا اسی طرح اگر صدیق رضی اللہ عنہ کی ارادت و عقیدت مشکوک ہوگی تو اللہ تعالیٰ کی اس پر اطلاع بھی مشکوک ہوگی اور صاحب کلام کو دونوں نسبتوں قیامی اور وقوعی میں شک و تردد ہوگا۔

لہٰذا بغض صدیق میں وہ دھاندلی کی کہ اللہ تعالیٰ کو معاف کیا اور نہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو اور کیونکر نہ ہو محبوب کی عداوت اور اس پر اعتراض محب کی عداوت اور اس پر اعتراض ہوتا ہی ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے دکھلا دیا کہ میں اور میرا رسول صدیق کے ساتھ ہیں اور ان پر اعتراض کرنے والا ـــــ در اصل ہم پر اعتراض کرنے والا ہے۔

تیسرا اعتراض:

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کی ذات سے متعلق تھا کہ ترجمہ میں تحریف کی ہے اور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ان شرطیہ کا ترجمہ اِنْ حرف تحقیق والا کر دیا ہے اور مبتدی طالب علم بھی ان کے استعمالات کا محل وقوع جانتے ہیں لہذا یہ جہل ہے یا تجاہل لیکن ہماری گزارشات سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز کا ترجمہ ہی صحیح اور واقعہ کے مطابق ہے اور لا جرم کے موقعہ و محل کے مطابق اور مبتدی طالب علم تو کجا یہاں اچھے خاصے مجتہد ہونے کے مدعی بھی جہل کا شکار ہیں یا تجاہل کا اور حقیقت حال سے بالکل بیگانہ اور بے تعلق نظر آتے ہیں اور لا جرم کے مواقع استعمال سے نابلد اور ناآشنا محسوس ہوتے ہیں۔

چوتھا اعتراض:۔

اس کتاب کی نسبت حضرت امام حسن عسکری کی طرف مشکوک ہے اور محققین کے نزدیک یہ نسبت درست نہیں ہے۔

(ا) سبحان اللہ۔ حضرات صحابہ کرام پر اعتراض کرنا ہو تو ہر قسم کے رطب و یابس پر مشتمل اور فرضی اور وضعی کتابوں کے حوالے دینا درست بلکہ ضروری لیکن تعریفی کلمات کہیں نظر آئیں تو پھر سرے سے کتاب کی نسبت کا ہی انکار۔ چلو کتاب انہوں نے خود تصنیف نہ فرمائی ہو مگر ان کے خواص کی روایات کے ذریعے اس کو ترتیب دے دیا گیا ہوگا جس طرح فقہ جعفریہ کا خود یہی حال ہے۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے خود تو کوئی کتاب تصنیف نہیں فرمائی راویوں کے ذریعے ہی متعین کیا گیا کہ آپ کا مذہب یہ تھا۔ اور آپ کا فرمان اس طرح تھا۔ اس طرح یہاں بھی راویوں کی روایات سے تفسیری نکات کو جمع کر کے کتابی شکل دے دی گئی اس پر اتنی بداعتمادی کا اظہار کرنے کا سوائے اس کے دوسرا موجب و باعث کیا ہو سکتا ہے کہ ڈھکو صاحب کی بدقسمتی سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے یار غار اور رفیق ہجرت کی تعریف اس میں آ گئی۔

(ب) نیز ڈھکو صاحب فرماتے ہیں کہ جب تک اس کے مندرجات کی تائید دوسری صحیح روایات سے نہ ہو جائے ان کا اعتبار نہیں مگر اس سے پہلے ہی وہ روایت تو

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

معانی الاخبار کے حوالے سے ذکر ہو چکی جس میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بمنزلہ سمع مبارک کے ہونا ثابت ہے اور حضرت فاروق کا آنکھ مبارک کی مانند ہونا اور حضرت ذی النورین کا دل انور کی مانند ہونا اور ظاہر ہے کہ وہ دونوں حضرات حضرت صدیق اکبر کے تابع ہیں لہٰذا بطریق اولیٰ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ مبارک اور دل منور کی مانند ہونا بھی واضح ہو گیا اور یہی مضمون معانی الاخبار کی صحیح اور قوی روایت سے ثابت ہو گیا جس میں تشکیک کی ڈھکو صاحب کو کوئی صورت نظر نہیں آئی تھی لہٰذا عملی بے بسی اور عجز کا اعتراف کرتے ہوئے خاموشی سے آگے نکل گئے۔ اور جواب ہی نہ دیا بہر حال اب یہ عذر بھی ختم ہو گیا کہ دوسری کوئی روایت اس کی تائید نہیں کرتی بلکہ ثقہ محدثین کی نقل کردہ روایت سے اس کی تائید و تصدیق ثابت ہو چکی لہٰذا اب اس سے استدلال ڈھکو صاحب کی اس شرط کے باوجود بھی درست ہو گیا کہ تفسیر حسن عسکری کے مندرجات کی تائید جب تک دوسری روایات نہ کریں تو ان کے ساتھ استدلال درست نہیں۔ والحمد للہ علی ذلک وصلی اللہ علی رسولہ وآلہ وصحبہ اجمعین

(ج) علاوہ ازیں ڈھکو صاحب یہ نہیں کہہ سکے کہ کسی سنی نے یہ بات لکھ کر حضرت امام حسن عسکری رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دی ہے اگر ایسا امکان ہوتا تو ڈھکو صاحب اس کی فعلیت اور وقوع کے قطعی دعوی سے گریز نہ کرتے لہٰذا معلوم ہو گیا کہ یہ سنیوں کی تالیف تو ہے نہیں تو لامحالہ شیعہ صاحبان کی ہے لہٰذا ہمارا مدعا پھر بھی ثابت ہو جاتا ہے، شیعہ کتب میں شیعہ مصنفین بھی یار غار اور رفیق ہجرت رئیس الصدیقین رضی اللہ عنہ کی منقبت اور مدح وثنا کو جگہ دینے پر مجبور نظر آتے ہیں۔

فائدہ: ساتھ ہی یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اس گروہ میں جھوٹ اور بہتان کی عادت کوٹ کوٹ کر بھری ہے کہ کتابیں لکھ لکھ کر ائمہ کے نام پر شائع کر دیتے ہیں اور ذرا بھر شرم و حیا دامن گیر نہیں ہوتی اور کیوں نہ ہو حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ کی دعا بھی ہے کہ جو ابوبکر صدیق کو صدیق نہ کہے اللہ تعالیٰ اس کو نہ دنیا میں سچ بولنے کی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

توفیق نصیب کرے اور نہ آخرت میں صادقین کے زمرہ میں داخل ہونے دے۔

نعم صدیق نعم صدیق نعم صدیق من لم یقل له الصدیق فلا صدقه الله قولاً فی الدنیا ولا فی الآخرة۔

کشف الغمہ فی مناقب الائمہ للاربلی۔

نیز جب ائمہ کرام پر اس قسم کے افتراء سے گریز نہیں کرتے تو ہمارے دوسرے علماء بچارے کس شمار میں ہیں۔ لہٰذا اگر امام غزالی کی طرف سر العالمین جیسی رسوائے زمانہ کتاب کی نسبت کر دی ہے تو یہ اسی عادت معروفہ کے عین مطابق ہے کوئی اچھنبے والی بات نہیں ہے اور نہ ہی اس قسم کے افتراء و اتہام سے ان کی خداداد عظمت میں کوئی خلل پیدا ہو تا ہے اور نہ اس کتاب کے ذریعے مذہب اہل سنت میں کوئی خلل پیدا ہو سکتا ہے کیونکہ اس کی نسبت ہی غلط ہے۔

اہم نکتہ: جب ثابت ہو چکا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ مبارک، بصر مقدس اور دل منور کی مانند ہیں اور آپ کے ساتھ وہ نسبت رکھتے ہیں جو سر کو جسم سے ہوتی ہے اور روح کو بدن سے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا نیابت رسول اور خلافت مصطفویہ کے اہل ہونا بھی ظاہر اور واضح ہو گیا، اور بقول شیعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس خلافت و ولایت کے اس لیے اہل ہیں کہ وہ بمنزلہ نفس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں اور ان کے نفس رسول ہونے کا ثمرہ بھی یہی ہے جیسے کہا گیا ہے کہ وہ بھی اسی طرح ہیں جیسے کہ تم مثل آنکھ، کان، دل اور سر اور روح کے ہو لہٰذا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا مستحق خلافت و ولایت ہونا بھی اس دلیل سے واضح ہو گیا اور اسی اہلیت کی تصریح بھی اسی روایت کے آخر میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر امام حسن عسکری رضی اللہ عنہ ص ۱۶۵۔

واذا انت مضیت علی طریقة یحبها ربک ولم تتبعها بما یسخطه ووافیته بها اذا بعثک بین یدیه کنت لولایة الله مستحقا ولم یفقدنا فی تلک الجنان مستوجبا۔

اے ابو بکر جب تم ایسے طریقے پر جاری اور گامزن رہو گے جس کو تمہارا رب

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

پسند فرماتا ہے اور اس کے بعد تم ایسے کسی امر کا ارتکاب نہ کرو گے جو پروردگار کو ناراض کرے اور تم اسی حالت پہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری دو جبکہ وہ تمہیں وفات کے بعد اٹھائے تو تم اللہ تعالیٰ کی ولایت کے مستحق ہو گے اور ان عالی جنات میں ہماری مرافقت کے حقدار۔

اور یہ حقیقت کسی سے کیونکر مخفی رہ سکتی ہے کہ جو ہستی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ قرب معنوی اور روحانی رکھتی ہو وہ ایسے طریقے پہ گامزن کیونکر نہیں ہوگی اور تادم زیست اس پہ قائم ودائم کیوں نہیں ہوگی اور جب حقیقت حال یہ ہوئی جو قبل ازیں عرض کی جا چکی ہے تو حضرت صدیق کی ولایت وخلافت کا استحقاق بھی قطعی طور پہ ثابت ہو گیا۔

مذہب شیعہ — از حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت حضرت سلمان اور حضرت ابوذر سے

اگرچہ اہل ایمان اور اہل عقل ودرایت کے لیے اس روایت سے زیادہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان اور آپ کا فضل اور کیا متصور ہو سکتا ہے مگر مومنین کے دل کو خوش کرنے کے لیے بطور نمونہ ایک دو روایتیں اور بھی خلفائے راشدین سابقین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی فضیلت کے بارے میں اہل تشیع حضرات کی معتبر کتابوں سے پیش کرتا ہوں۔ اہل تشیع کی معتبر کتابوں میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سلمان منا اھل البیت۔ یعنی سلمان ہمارے اہل بیت میں سے ہیں نمونہ کے طور پر کتاب کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ مطبوعہ ایران ص۱۱۶۔

وانت لو فکرت ورأیت لعلمت انه یکفیه نسبا قوله صلی اللہ علیه وسلم سلمان منا اھل البیت۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@ zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

یعنی تو اگر فکر و ہوش سے کام لے تو یقیناً جان لے گا اور دیکھ لے گا کہ سلمان فارسی کے لیے یہی نسب نامہ کافی ہے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ سلمان ہم میں سے ہیں اور اہل بیت میں سے ہے۔

اب ہم اہل فکر و نظر کی خدمت میں فروع کافی جلد ۲ ص کی عبارت پیش کرتے ہیں جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے فرق مرتبت کے متعلق وارد ہے۔

ثم من قد علمتم بعدہ فی فضلہ و زھدہٗ سلمان وابو ذر رضی اللہ عنہما۔ الخ

یعنی پھر وہ شخص جس کے متعلق تمہیں علم ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد جن کا مرتبہ فضل و زہد میں ہے تو وہ سلمان فارسی اور ابو ذر ہیں رضی اللہ عنہما۔ الخ

اب جن کا مرتبہ فضل و زہد میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بعد ہے وہ اہلبیت ہوں اور اول مرتبے والی ہستی کہ جن کو بمنزلہ "السمع والبصر والروح" بھی فرمایا گیا ہو وہ اہل بیت نہ ہوں تو کس قدر ہٹ دھرمی اور بے انصافی پر مشتمل ایک غلط نظریہ ہے۔

وانت لو نکرت وتدبرت ذلك لعلمت فضل ابی بکر و زھدہ علی جمیع الصحابۃ ویکفیہ فضلاً وکمالاً ومرتبۃ قولہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وصحبہ وسلم لابی بکر رضی اللہ عنہ انت منی بمنزلۃ السمع والبصر والروح وقد مر بیانہ بھنانی۔

تنزیہہ الامامیہ — از علامہ محمد حسین ڈھکو صاحب

مؤلف محترم نے فروع کافی کی ایک عبارت کے بعض فقروں کو توڑ مروڑ کر اصحاب ثلاثہ کی مدح ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگر وہ سیاق و سباق اور داخلی و خارجی قرائن کو مدنظر رکھتے اور شرم و حیا کا دامن بھی ہاتھ سے نہ چھوٹنے دیتے تو اس روایت سے ہرگز استدلال نہ کرتے۔

اس روایت کا پس منظر یہ ہے کہ بنو امیہ نے صوفیہ کی ایک جماعت تیار کی تھی جس کا طرۂ امتیاز صوف کا لباس اور ترک لذائذ کرنا تھا۔ مادی اقتدار

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اہل بیت سے چھیننے کے بعد روحانی اقتدار پر بھی ڈاکہ ڈالیں پہلے پہل ان کی سرگرمیاں عوام تک محدود رہیں مگر حکومت کی سرپرستی کی وجہ سے ان کا دائرہ کار خواص تک پھیل گیا بلکہ ائمہ اہل بیت کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا ان کی محافل و مجالس میں جا کر ان کے لباس و روش و رفتار اور سیرت و کردار پہ حملے کرنے لگے انہیں واقعات میں سے یہ واقعہ بھی ہے کہ سفیان ثوری اور چند دوسرے متصوفہ نے امام موصوف کے لباس فاخرہ پہ اعتراض کر دیا۔

امام رضی اللہ عنہ نے اصول مناظرہ کے مطابق مسلمات خصم پیش کر کے ان کے موقف کی غلطی واضح کی کہ تمہارے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بڑا زاہد ابو بکر ہے ان کے بعد تم سلمان اور ابو ذر کو سب سے بڑا زاہد سمجھتے ہو مگر ان کی حالت یہ تھی کہ ابو بکر (صدیق رضی اللہ عنہ) نے وفات کے وقت صرف پانچواں حصہ راہ خدا میں خرچ کرنے کی وصیت کی اور جناب سلمان و ابوذر بھی سال بھر کا خرچہ رکھ لینے کے بعد باقی ماندہ راہ خدا میں خرچ کرتے تھے جب تمہیں ان پر اعتراض نہیں تو ہم پر اعتراض کا کیا حق ہے؟

الغرض امام علیہ السلام نے معترض کو خاموش کرنے کے لیے اس کے عقیدہ کے مطابق کلام کیا اپنا عندیہ ظاہر نہیں کیا جس کی تائید مزید جملہ "ثم من قد علمتم بعدہ" سے ہوتی ہے۔

جواب دیگر

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس روایت کو معتبر تسلیم نہ کیا جائے جس کی عقلائی وجہ یہ ہے کہ اس کے راوی سنی ہیں۔ پہلا راوی ہارون بن مسلم ہے جو جبری العقیدہ تھا اور دوسرا راوی سعدہ بن صدقہ ہے جو عامی (سنی) تھا لہذا اس کی جواب دہی کا فریضہ ہم پہ عاید ہی نہیں ہوتا۔ رسالہ تنزیہہ الامامیہ ص ۱۲۹ تا ۱۳۲۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

الجواب بتوفیق ملہم الصدق والصواب

(۱) علامہ ڈھکو صاحب نے بلاوجہ صوفیا کرام کو بنوامیہ کا تیار کردہ گروہ قرار دے دیا اور انہیں اہل بیت کے روحانی اقتدار کے لیے خطرہ قرار دے دیا۔ گروہ صوفیاء بنوامیہ کا نہیں بلکہ حضرت علی مرتضی شیرخدا رضی اللہ عنہ کا تیار کردہ ہے اور آپ کے علوم باطنیہ اور اسرار کا امین ہے جیسے کہ محدثین و مفسرین اور فقہاء آپ کے علوم ظاہرہ کے امین اور ترجمان ہیں اور قاضی نوراللہ شوستری نے تمام اکابر صوفیا کرام کو اپنی جماعت یعنی اثنا عشری شیعہ میں داخل کرنے کی متعدد بہر سعی نامشکور فرمائی ہے اور ان کی دلق پوشی اور پابرہنہ ہونے اور ژولیدہ سر اور پراگندہ بال ہونے کی ان الفاظ میں تعریف کی ہے۔

قومے ملوک طبع کہ از روئے سلطنت ۔۔۔ گوئی کزاحترام سلاطین کشور اند
شاہان دلق پوش کہ گاہ حمایتی ۔۔۔ زیر گلیم ان جم وخاقان قیصر اند
امروز از نعیم جہاں چشم دوختند ۔۔۔ فردا خود از کرشمہ بفردوس ننگرند
ننگ بچشم خوار دریں پابرہنگاں ۔۔۔ نزد خرد عزیز تر از دیدہ سر اند
آدم بہشت را بدو گندم اگر فروخت ۔۔۔ حقا کہ ایں گروہ بیک جو نمی خرند

مجالس المؤمنین جلد دوم ص ۳ ۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فیض پانے والوں میں حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کو بھی شمار کیا ہے اور علی الخصوص جناب کمیل بن زیاد نخعی کو اور نقشبندیہ سلسلہ کے علاوہ سب کے منبع فیوض اور سرچشمہ کمالات حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تسلیم کیا ہے لہٰذا اس گروہ پر ڈھکو صاحب کا یہ حملہ یزیدی کاروائی کے زمرہ میں آتا ہے نیز روحانی اقتدار چھیننے کا معاملہ تو یہ چھیننے سے نہ چھینا جا سکتا ہے اور نہ اس پر کوئی قابض ہو سکتا ہے اور ان حضرات کا کام ہی یہ تھا کہ فیض کو عام کریں جیسے کہ سرور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

عالم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو دولت ایمان سے مالا مال کرنے اور ان کو نگاہِ نبوت سے پاک کرنے کے لیے مبعوث ہوئے اور اپنے دامن سے وابستہ کر کے مقام محبوبیت وولایت پر فائز کرنے کے لیے " کما قال تعالیٰ : قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ " اور یہ امر ذہن نشین رہے کہ جس طرح مال میں زکوٰۃ ہے اسی طرح علم ظاہر میں عوام کا حق ہے اور علم باطن میں خواص اور مستحقین کا اور ہر ایک صاحب ثروت اس نعمت خداداد سے فیض رسانی کا بھی پابند ہے" قال اللہ تعالیٰ . ومما رزقناھم ینفقون یعنی مما رزقناھم من انوار المعرفۃ یفیضون جو انوار معرفت ہم نے ان کو عطا کیے ہیں ان کا فیضان فرماتے ہیں اور یہ بھی یاد رہے مادی اقتدار میں بخل ہوا کرتا ہے اور اسی میں عزت سمجھی جاتی ہے لیکن روحانی نعمتیں بانٹنے سے عزت ہوتی ہے اس لیے ارباب سلاسل کی عظمتوں کے سکے اب بھی قائم ہیں والحمد للہ!

(۲) ان حضرات کا سوال امام ابو عبداللہ رضی اللہ عنہ سے یہ تھا کہ جو لباس آپ کا ہے اس طرح کا لباس آپ کے آباؤ اجداد علی الخصوص حضرت علی رضی اللہ عنہ نے استعمال نہیں فرمایا اور امام وقت کو ائمہ سابقین کی روش پہ رہنا چاہیئے لہٰذا یہ تو فرمایئے کہ اس کی حکمت اور مصلحت کیا ہے ؟ یہ ایک خالص علمی سوال تھا۔ اور رہنمائی کے لیے اس پہ حضرت امام ابو عبداللہ کو تحقیقی جواب عطا فرمانا چاہیئے تھا نہ کہ محض ٹالنے اور چپ کرانے تک محدود رہنا چاہیئے تھا اسی لیے رجال کشی میں دوسرا جواب دیا گیا ہے کہ حضرت امام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس وقت تنگی اور عسرت کا دور تھا۔ اور اب دنیا نے اپنے مال و دولت کے دہانے کھول رکھے ہیں اس لیے اس حالت اور اُس حالت میں فرق کا پایا جانا بعید نہیں ہے۔ اِنَّ سُفیان الثوری دخل علی ابی عبداللہ علیہ السلام وعلیہ ثیاب جیاد فقال یا ابا عبد اللہ ان آباءک لم یکونوا یلبسون مثل ھذہ الثیاب فقال ان [illegible] کانوا فی زمان مقفر مقصر وھذا زمان قد ارخت الدنیا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

۲۵۳

عز الیہا فاحق اھلہا بہا ابرار ھم" رجال کشی ص۳۳۶

الغرض کسی مقتدا زمانہ سے سادگی کے ترک کرنے اور آباؤ اجداد کے لباس کے معاملہ میں سنت سے اختلاف کرنے کی وجہ دریافت کرنے کو بے ادبی اور گستاخی سمجھنا عجیب سی حرکت ہے اس میں صرف اوصرف حکمت اور مصلحت کی دریافت ہی مقصود ہو سکتی ہے۔ لہٰذا بدظنی کی کیا گنجائش ہے؟

(۳) تحقیقی جواب یہ ہوا جو ہم نے بحوالہ رجال کشی ذکر کیا اور الزامی وہ ہوا جو ڈھکو صاحب نے ذکر کیا اب ذرا نظر انصاف سے ان میں تطبیق کی کوشش فرمادیں کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا زمانہ اور حضرت ابوبکر، حضرت سلمان اور حضرت ابوذر کے زمانے مختلف ہیں کہ ان کے وسائل تھے لہٰذا وہ تو مال جمع کر لیتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وسائل نہیں تھے اور لباس بھی عمدہ نہیں بنا سکتے تھے۔ علی الخصوص جبکہ حضرت صدیق کی خلافت محدود وقت اور محدود علاقہ میں تھی اور فقر و فاقہ والے علاقہ میں جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا علاقہ وسیع اور وقت خلافت بھی زیادہ پھر اس تحقیقی اور الزامی جواب میں مطابقت کیسے ہو سکتی ہے۔ پھر حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے ایام خلافت میں مال و دولت کی ریل پیل تھی اور آپ معقول وظائف اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب بدر کو دیتے تھے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ لاکھوں درہم کا نذرانہ امام حسن رضی اللہ عنہ کو پیش کیا کرتے تھے لہٰذا اس عذر کی معقول توجیہ کوئی نہیں ہو سکتی اور یہ سب یار لوگوں کی بناوٹ ہے کہ بر موقعہ جو مناسب جواب سمجھا خود تجویز کر کے اس کی نسبت ائمہ کی طرف کر دی جیسے کہ محدثین شیعہ کی عادت معروفہ ہے۔

(۴) جب سوال کرنے والے بنو امیہ کے ساختہ پرداختہ تھے تو وہ ابوذر اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہما کے لیے کونسی فضیلت ثابت کر سکتے تھے جب کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اور جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا معاملہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے ساتھ معروف و مشہور ہے۔ اپنے ان پیشواؤں کے نظریہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے برعکس وہ ان کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد دوسرا درجہ فضل وزہد میں کیونکر دے سکتے تھے؟ لہٰذا اس کو الزامی جواب کیونکر قرار دیا جا سکتا ہے؟ یا پھر ان حضرات کو بنو امیہ کا ترجمان کیوں کر قرار دیا جا سکتا ہے۔ یقیناً ان کا مذہب اس جماعت سے مختلف ہے اسی لیے حضرت ابوذر اور حضرت سلمان کے متعلق فضل وزہد کے یقین کا ذکر کیا گیا ہے۔

(۵) نیز حضرت امام ابوعبداللہ علیہ السلام نے من قد علمتم فرمایا ہے شاید ڈھکو صاحب کو معلوم ہو گا کہ قرآن و حدیث میں اور علم کلام میں علم کا لفظ منطقی اصطلاح کے مطابق استعمال نہیں ہوتا جو ظن اور جہل مرکب کو بھی شامل ہوا کرتا ہے بلکہ یقین اور واقعی قطعی عقیدہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اگر الزام مقصود ہوتا تو زعم سے تعبیر فرماتے یا قول وادعاء سے تعبیر فرماتے اور ظاہر ہے کہ اہل بیت اور قرآن و سنت کی تعبیر اور اسلوب بیان ایک جیسا ہونا چاہیئے۔ لہٰذا علامہ موصوف کا اس کو دلیل الزامی بنانا اور اہل بیت کرام کو محض مناظرین کی سطح پہ لے آنا ان کی شان اقدس میں تقصیر اور تفریط کے مترادف ہے بلکہ یہ یقینی حجت وبرہان اور واقعی دلیل ہے اور مسترشدین کے لیے ہدایت وارشاد اور صحیح رہنمائی کا اہتمام ہے۔

(۶) نیز علامہ ڈھکو صاحب کو یہ حقیقت معلوم ہو گی کہ کلام مقید میں نفی واثبات قیود کی طرف راجع ہوا کرتے ہیں لہٰذا اگر ڈھکو صاحب کی یہ بیہودہ منطق اور تاویل تسلیم بھی کر لی جائے تو الزامی طریقہ جواب میں صرف ان دونوں حضرات کے حضرت ابوبکر صدیق سے مرتبہ میں مؤخر ہونے کا ذکر کیا گیا نہ کہ سرے سے آپ کے فضل اور زہد کا انکار لہٰذا اگر یہ الزامی جواب ہے اور حضرت امام کے نظریہ کے مطابق نہیں تو حضرت صدیق کو ان سے مقدم ماننا نہ کہ ان کو صاحب فضل اور صاحب زہد تسلیم کرنا۔ ڈھکو صاحب کا دعویٰ ہے کہ سب ائمہ مذاہب میں متفق ہیں اور امام ابوجعفر محمد بن علی فرماتے ہیں، لست بمنکر فضل ابی بکر ولست بمنکر فضل عمر۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نہ میں ابوبکر کی فضیلت کا منکر ہوں اور نہ عمر کی فضیلت کا رضی اللہ عنہما۔ لہٰذا نفس فضل وزہد کا مالک ہونا تو یقیناً ثابت ہے البتہ ان تینوں حضرات کے باہمی مراتب کے بیان میں حضرت امام جعفر اور جناب سفیان ثوری کے نظریہ میں قدرے فرق ثابت ہوا تو اس صورت میں بھی ڈھکو صاحب کا جواب بالکل باطل اور غلط ہو کر رہ گیا۔

(۷) نیز قرآن مجید اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی اور امام حسن، امام زین العابدین امام محمد باقر اور امام جعفر صادق کے ارشادات پہلے ذکر ہو چکے جن میں مہاجرین وانصار کے بالعموم اور بالخصوص حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے فضائل و مناقب تحقیقی انداز میں بیان ہو چکے لہٰذا اس کلام کو بھی انہیں ارشادات کی روشنی میں دیکھا جائے گا جب وہاں ان کے فضائل کا بیان تحقیقی انداز میں ہے تو یہاں جدلی انداز کیوں ہو گیا اور اگر جدلی ہوتا تو وہ حضرات بھی کہہ سکتے تھے جناب والا جس ابوبکر کو آپ مانتے ہی نہیں اس کی سنت کو اپنے آباء کی سنت کے مقابل کس طرح پیش کر سکتے ہو۔ اور جب انہوں نے یہ اعتراض نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ امام صاحب نے مخالفین پر تو یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ میں محض الزامی کارروائی کر رہا ہوں پتہ نہیں ڈھکو صاحب کو کہاں سے الہام ہو گیا

(۸) علاوہ ازیں الزامی اور جدلی انداز اختیار کرنے میں ستم یہ ہے کہ حضرت امام موصوف کے لباس فاخرہ پر اعتراض کیا گیا جیسے کہ ڈھکو صاحب کا وہم ہے اور دلیل میں آپ کے آباء کرام کا فعل اور ان کی سنت پیش کی گئی جبکہ آپ نے الزامی کارروائی میں حضرت صدیق کی وصیت کا ذکر کر دیا اس سے لباس فاخرہ کے جواز پر استدلال کیونکر درست ہو گیا وہ تب تھا جب حضرت صدیق کا ایسا لباس ذکر فرماتے اور وصیت خمس کی ہو یا ثلث کی اس میں بھی وجہ استدلال کوئی نہیں جبکہ یہ واضح نہیں کیا گیا کہ ان کی مالیت کتنی تھی۔ اگر بیس، چالیس درہم ترکہ ہو اور اس میں سے پانچواں حصہ کی وصیت کر دی ہو تو اس میں اس شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ پر استدلال کیسے صحیح ہو گیا۔ پھر اہلسنت کے نزدیک حضرت ابوذر کا مذہب معروف یہ ہے کہ وہ رات کا کھانا کھانے کے بعد صبح کے لیے ذخیرہ کر رکھنے کو بھی جائز نہیں سمجھتے تھے۔ لہٰذا ان کے اس عمل کو بھی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مسلمات میں سے شمار کرنا واقع کے خلاف ہے۔ یا کم از کم حضرت سفیان ثوری کے نظریہ اور معلومات کے خلاف ہے۔ اور حضرت سلمان مدائن میں امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے گورنر ہونے کے باوجود اپنے ہاتھ سے کھجور کے پتوں سے ٹوکریاں بنا کر گزر بسر کرتے تھے۔ سال کے اخراجات کے ذخیرہ کرنے کی گنجائش کہاں ہو سکتی تھی۔

ملاحظہ ہو حاشیہ احتجاج طبرسی ص۱۱

بہر حال نہ ہم ائمہ کی طرف ایسے پوچ جواب کی نسبت درست سمجھتے ہیں اور نہ اس کو حجت الزامیہ اور مناظرانہ انداز تسلیم کرتے ہیں۔ نہ واقعات اور حقائق اس امر کی تائید کرتے ہیں اور نہ ہی "ثم من قد علمتم بعدہ فی فضلہ و زھدہ" کا جملہ الزامی جواب ہونے کی تائید کرتا ہے۔ بلکہ حقیقت اور واقعہ کے مطابق اعتقاد جازم پر دلالت کرتا ہے لہٰذا اس کو محض الزامی کاروائی قرار دینا بہت بڑی زیادتی ہے۔ اور حق یہ ہے کہ شیعہ جیسے دشمن صحابہ کی کتابوں میں بھی حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے فضائل و کمالات پر مشتمل روایات مل جاتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ قاہرہ کا اعجاز ہے اور ان مقدس ہستیوں کی عظمت شان کے ساتھ اعتنا و اہتمام کا ثمرہ و نتیجہ۔ والحمد للہ علی ذلک!

کتب شیعہ میں سُنی راوی

جواب دیگر کا عنوان قائم کر کے علامہ صاحب نے اس روایت کو سنی راویوں کی روایت ہونے کی وجہ سے نا قابل قبول قرار دیا ہے۔ بہت خوب

(۱) آپ تو تقیہ کے قائل تھے اور اس کے لباس میں چھپے رہتے تھے اور ہمیں مغالطہ دیتے تھے لیکن ہمارا تو یہ مذہب نہیں تھا۔ لہٰذا تم نے سنی راویوں سے دیدہ دانستہ یہ روایات کیوں لے لیں جو تمہارے مذہب و مسلک کے خلاف ہیں۔ بلکہ اس پہ پانی پھیرنے والی ہیں اور تمہیں لاجواب اور عاجز و بے بس کرنے والی۔

(۲) اس کتاب پر امام زماں قائم آل محمد حجت العصر نے مہر بھی لگا دی۔ "ھذا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کاف لشیعتنا" یہ کتاب ہمارے شیعوں کے لیے کافی ہے۔ جب روایات غلط تھیں اور عقیدہ کے فساد کی موجب تو امام موصوف کی اس مہر کا مطلب کیا ہوا؟ یہی کہ ہمارے شیعوں کی گمراہی کے لیے کافی ہے؟ نعوذ باللہ من سوء الفہم۔

"جہالت یا خیانت"

(۳) ہارون بن مسلم کے متعلق فرمایا وہ جبری العقیدہ تھا اور اداہر فرما دیا۔ راوی سنی ہیں کیا ڈھکو صاحب ابھی تک اس سے بے خبر ہیں کہ اہل سنت نہ جبری ہیں نہ قدری نہ بندے کو مختار مطلق مانتے ہیں کہ خالق افعال ہو اور نہ مجبور محض کہ مردہ بدست زندہ کی مانند ہو۔ ان کے نزدیک بندہ از روئے خلق محتاج باری تعالیٰ ہے۔ اور باعتبار کسب اور جمع وسائل و اسباب مختار ہے۔ اور کتب کلامیہ میں انہوں نے جبریہ اور قدریہ کا رد کیا ہے۔ اگر ڈھکو صاحب کو حقیقت حال سے واقفیت نہیں تھی تو جہالت ہے اور جہالت بھی مرکبہ۔

؎ آنکس کہ نداند و بداند کہ بداند
در جہل مرکب ابدالدہر بماند

اور ایسی صورت میں ڈھکو صاحب کی زبان میں ہی یہ کہنے کا حق رکھتا ہوں ؎

نے اصولت محکم آید و نے فروع
شرم بادا از خدا و از رسول

اور اگر علم ہونے کے باوجود اس طرح کہا ہے تو بدترین دھوکا اور فریب کاری ہے اور علمی دنیا میں خیانت کی بدترین مثال ہے۔ نیز جبری العقیدہ شخص کی روایت ناقابل قبول تب ہوتی جب اس کا تعلق اس کے عقیدہ جبر کے اثبات یا اس کی تائید و تقویت سے ہوتا اور جب اس روایت کا اس عقیدہ سے قطعاً کوئی تعلق ہی نہیں تو اس عذر فاسد کی وجہ سے اس روایت پر اعتراض کرنے کا کیا مطلب؟ نیز مسعدہ بن صدقہ کو سنی کہنا بھی دیانت و امانت کا خون ناحق بہانے کے مترادف ہے۔ کیونکہ وہ تبریہ فرقہ سے تعلق رکھتا ہے جو کہ حضرات شیخین حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کے قائل ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرح انہیں بھی امام تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن وہ لوگ حضرت عثمان، حضرت طلحہ، حضرت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

زبیر اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہم سے بغض و عناد رکھتے ہیں۔ اور ان سے برأت اور بیزاری کا اظہار کرتے ہیں ملاحظہ ہو حاشیہ روضہ کافی ص   و رجال کشی ص ۱۲۱

کیا ایسے عقیدہ والا شخص سنی ہو سکتا ہے اور کوئی اہل سنت کے عقائد سے باخبر شخص ایسے لوگوں کو سنی کہنے کی جسارت کر سکتا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ علامہ موصوف کا کام صرف ہیرا پھیری ہے اور مغالطہ دہی اور فریبکاری الغرض یہ راوی اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مخالف نہیں ہے تو حضرات ائمہ کی محبت و عقیدت کا دم بھرنے والا بھی ہے اور ان کے مخالفین جو اس کے نظریہ کے مطابق واقعی مخالف ہیں ان کا دشمن بھی ہے۔ ایسی صورت میں جو روایت ائمہ کرام کی عظمت شان کے خلاف ہوتی وہ اس کو کیونکر بیان کرتا اور شیعی محدث کلینی اس کو ذکر کیوں کرتا اور امام مہدی اس پہ مہر تصدیق کیونکر ثبت فرماتے۔ لہٰذا اس کو ناقابل قبول ٹھہرانے کی یہ وجہ درست نہیں ہو سکتی۔

شریفانہ زبان

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے ابن شہاب زہری کے متعلق شیعہ کے اپنے اعتراف اور اس کی خاص طرز بیان جس سے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے خلاف غلط تاثر قائم ہو سکے کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کو شیعہ کہہ دیا تو ڈھکو صاحب نے اس پر یہ زبان استعمال کی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تقیہ باز حضرات اہل جماعت کے گھروں میں گھس جائیں، ان کی کتب کے بطون سے ان کے بچے بھی پیدا ہوتے رہیں مگر گھر والوں کو اس کی مطلق اطلاع نہ ہو

یا للعجب ص ۱۶۲۔

لیکن ہارون بن مسلم او مسعدہ بن صدقہ کو تقیہ کے بغیر ہی شیعہ برادری کے گھروں میں جو نقب لگنے کا موقعہ مل گیا کیا ان کے دروازے ہر ایک کے لیے کھلے رہتے ہیں کیا یہاں بھی وہی الفاظ دہرائے نہیں جا سکتے؟ لیکن ہماری شرافت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہمارے لیے مانع ہے۔ اور ڈھکو صاحب کے لیے کوئی مانع موجود نہیں ہے۔ اس لیے ہم ان کو اس زبان میں جواب دینے سے قاصر ہیں اور نہ ہی ان کو یہ کہتے ہیں کہ اے شیخ گفتگو تو شریفانہ چاہیئے۔ کیونکہ یہ مطالبہ ایسا ہی ہے جیسے بچھو یا سانپ سے مطالبہ کیا جائے کہ ڈنگ مارنے اور ڈسنے سے گریز کرنا اور شرفاء کی شرافت کو ملحوظ رکھنا حالانکہ وہ اپنی عادت اور تقاضائے طبع سے مجبور ہیں۔ جن لوگوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرب ترین صحابہ اور آپ کے سسر اور داماد نبی اور داماد علی پر تنقید و اعتراض کرتے وقت نہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شرم محسوس ہو۔ نہ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے انہیں دوسرے لوگوں پر کیچڑ اچھالتے وقت اور بدزبانی سے کام لیتے وقت کیونکر شرم و حیا دامنگیر ہوسکتی ہے؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دامادِ علی مرتضیٰ ہونا

خلیفۂ ثانی سیدنا امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا رشتہ دینا اور ان کو شرفِ دامادی بخشنا کوئی کم مرتبہ دلیل نہیں۔ اعتبار کریں؟ ورنہ کتاب فروعِ کافی جلد ۲ صـ۳۱۱ کی یہ عبارت بروایت امام ابو عبد اللہ جعفر صادق رضی اللہ عنہ پڑھیں، عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال سألته عن المرءة المتوفی عنها زوجها أتعتد فی بیتها او حیث شاءت قال ان علیاً علیہ السلام لما توفی عمر اتی ام کلثوم فانطلق بها الی بیته۔

یعنی حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے مسئلہ دریافت کیا گیا جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے، تو وہ اپنے گھر (خاوند کے گھر) عدت بیٹھے یا جہاں مناسب خیال کرے وہاں بیٹھے؟ امام عالی مقام نے جواب دیا کہ جہاں چاہے عدت بیٹھے کیونکہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فوت ہوئے، تو حضرت علی علیہ السلام اپنی بچی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو اپنے گھر لے گئے۔

علیٰ ہٰذا القیاس کتاب طراز المذہب المظفری مصنفہ میرزا عباس قلی خاں وزیر مجلس شوریٰ کبریٰ سلطنتِ ایران جلد اول صـ۳۴ تا صـ۶۷ میں اس نکاح کے متعلق تمام

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

علماء شیعہ کا اتفاق اور اُن کی اس نکاح کے متعلق تصریحات ملاحظہ فرمائیں۔ یہ کتاب شاہِ ایران مظفر الدین قاچار کی زیرِ سرپرستی لکھی گئی ہے۔

اس نکاح کا ثبوت تقریباً شیعہ کی ہر کتاب میں موجود ہے، مگر جن الفاظ کے ساتھ اہل بیت کرام کی عقیدت کا دم بھرنے والوں نے اس نکاح کا اقرار کیا ہے، مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم ہے کوئی ذلیل سے ذلیل انسان بھی اپنے متعلق ان الفاظ کو برداشت نہیں کر سکتا جن الفاظ کو اہل بیتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ان مدعیانِ تولّی نے استعمال کیا ہے۔ کوئی شخص ان الفاظ کو دیکھ کر یہ بات تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس قسم کے الفاظ بدترین دشمن ہی مُنہ سے نکال سکتا ہے۔ میں حیران ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے مقبولوں کے متعلق یہ الفاظ استعمال کرنے والا اسی دنیا میں غرق کیوں نہیں ہو جاتا۔

لہٰذا میں یہ جرأت نہیں کرتا اور وہ الفاظ لکھ کر اپنی عاقبت تباہ نہیں کرتا۔ اہلِ تشیع کی ام الکتب فروعِ کافی جلد ثانی ص ۱۴۱ سطر ۷ مطبوعہ لکھنؤ کسی بڑے مدّعی تولّا اور معتقد اہل بیت سے سُنیے۔ نیز ناسخ التواریخ جلد ۲ ص ۳۶۳ و ص ۳۶۴ سطر ۱ ملاحظہ فرمائیں اور میری تمام تر معروضات کی تصدیق کریں کہ شانِ حیدری میں کس قدر بکواس اور سب وشتم شیعانِ علی نے کیے ہیں، کوئی بڑے سے بڑا بدبخت خارجی بھی ان کے حق میں اس قسم کے الفاظ لکھنے کی جرأت نہیں کرے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ بکواس صرف اس لیے کیے ہیں کہ آپ نے سیدنا امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کو رشتہ کیوں دیا ہے۔ کاش میرے بھولے بھالے برادرانِ وطن! شیعہ مذہب کی حقیقت سے واقف ہوتے۔

اے ساداتِ عظام! خدا کا واسطہ، کچھ سوچو اور ضرور سوچو۔ جس مذہب کی اس قدر معتبر کتاب میں حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شانِ اقدس میں اس قسم کے بکواس ہوں جو آپ کسی ذلیل سے ذلیل نوکر کو بھی نہیں کہہ سکتے، تو اس مذہب سے آپ نے کیا پھل پانا ہے؟ خدارا اپنی عاقبت تباہ نہ کرو۔ آیئے ہم اہل سُنّت آپ کے بڑے اور آپ کے گھرانے کے غلام ہیں۔ ہم سے اپنے خانوادہ کی عزت و ناموس کے متعلق صحیح روایات سنیے اور خانوادۂ نبوت کی شان کو ملاحظہ فرمایئے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

یہی روایت جس کے لکھنے سے میرا دل لرز گیا اور میرے ہاتھ سے قلم گر گیا اور اللہ کی قسم میں لکھنے کی جرأت نہ کر سکا اہلِ تشیع نے اپنی معتبر کتاب ناسخ التواریخ جلد دوم حصہ ۲ صفحہ ۲۶۳ سطر ۲۹ پر بڑے شد و مد کے ساتھ اور ثبوتِ نکاح میں یہ تمام صفحہ اور صفحہ ۲۶۴ علیٰ ہذا القیاس صفحہ ۲۳۴ بھی ملاحظہ فرمایئے اور اس کے بعد اور نہیں، تو شیعانِ حیدرِ کرار کو یہ ہی پڑھ کر سنا دیجیے کہ ع

ہوتے تم دوست جس کے دشمن اُس کا آسماں کیوں ہو

مگر درحقیقت دوست نما دشمن کے بغیر اہلِ تشیع کے مذہب کی بنیاد اور کوئی نہیں رکھ سکتا۔ مذکورہ بالا عبارات کو پڑھ کر یقیناً اہلِ انصاف میری تصدیق کریں گے

سینہ کوبی کا موجبِ اصلی

ممکن ہے کہ بھولے بھالے برادرانِ وطن کہیں جو لوگ سال بہ سال حضرت امام عالی مقام زندۂ جاوید کا ماتم کرتے ہیں اور اپنے سینوں کو پیٹ پیٹ کر خون کر دیتے ہیں، یہ کیسے کسی دشمن کی تقلید میں مذہبِ تشیع اختیار کر سکتے ہیں یا جس نے یہ مذہب گھڑا ہے، وہ کیونکر اور کیسے دشمنِ اہلِ بیت ہو سکتا ہے؟

اس کا فطرتی جواب صرف اتنا ہے کہ اس قسم کی روایات گھڑنے کی سزا یہی ہو سکتی ہے اور جن ہستیوں کو امام عالی مقام سیدنا علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ، امام الہدیٰ شیخ الاسلام، حبیب، مقتدا اور پیشوا فرمائیں، جن کے ہاتھ پر بیعت کریں جن کو بطیبِ خاطر رشتے دیں، اُن کی شانِ اقدس میں علانیہ بکواس بکنے کی دُنیا میں یہی سزا ہے کہ اپنے ہاتھوں سے اپنے منہ اور اپنے سینوں کو پیٹ پیٹ کر اڑا دیں۔

ورنہ محبت کے تقاضے پر یہ کارروائی مبنی ہوتی، تو اس کی ابتدا حیدرِ کرار رضی اللہ عنہ کرتے۔ ان کے بعد یازدہ ائمہ کرام اس پر عمل کرتے، مگر یاد رکھو یہ کسی بڑے مجرم خدا کی سزا سے ہی شروع ہوتی ہے۔

اے آلِ حیدرِ کرار! آپ اپنے جدِ امجد کی سُنت تلاش فرمائیں اور اپنے تمام اجدادِ طاہرین کی سُنت کی پیروی اختیار کریں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس قسم کی روایات

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

گھڑنے اور ان کو رائج کرنے کا یہ ایک سیاسی کرتب تھا تاکہ بیوقوف اور کم سمجھ لوگ اس قسم کی غلط روایات کے باوجود ہمیں محب سمجھتے رہیں گے اور ہم آسانی کے ساتھ اپنا مذہب رائج کرتے رہیں گے۔ آپ دعوی محبت کے کوٹ اور پردہ کے اندر دیکھئے اور اس زہر قند اندود سے بچیے۔ خیر یہ ایک مخلصانہ مشورہ تھا جو موضوع سے نکال کر لے گیا۔

اب ائمہ طاہرین معصومین کی روایات سے خود اہل تشیع کی کتابوں میں جب یہ بات مل گئی کہ ائمہ طاہرین نے خلفاء راشدین کو صدیق مانا ان کے ہاتھ پر بیعت کی، اُن کو امام الہدیٰ، شیخ الاسلام، مقتداء اور پیشوا تسلیم کیا۔ ان کے حق میں سب وشتم بکنے والوں کو قتل کیا، سزائیں دیں اور اپنی مجلس سے نکالا بلکہ خلفاء راشدین کی شان میں سب بکنے والوں کو مسلمانوں کی جماعت سے نکالا اور یہ بھی مسلم ہے کہ ائمہ طاہرین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے پاک [illegible] دلوں میں غیر خدا کا خوف نہیں آسکتا تھا اور ارشاد خداوندی، وَلَا [illegible] وَخَافُونِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ یعنی اگر تم مومن ہو تو میرے بغیر کسی سے مت ڈرو" پر اُن کا پورا پورا ایمان تھا اور میدانِ کربلا میں اپنے اس ایمان کا عملی [illegible] ہم کیا تو پھر وہ تمام تر ارشادات جو ائمہ نے فرمائے اور وہ تمام تر اخوت اور مودت کے عملی ثبوت جو انہوں نے ہم پہنچائے صرف صدق وصفا اور ظاہری و باطنی صداقت ہی کی بنا پر فرمائے۔

خلافت خلفاء سابقین کے متعلق جن واضح اور غیر مبہم کلمات طیبات کے ساتھ حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے قطعی فیصلہ دیا ہے جو پہلے عرض کر چکا ہوں۔ اس کے بعد فتنہ وفساد پیدا کرنا اور خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شانِ اقدس میں سب وشتم بکنا اور محبِ علی کہلوانا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معاذ اللہ جھٹلانا اور پھر دعوی محبت وتولّی کا ایمان تو بجائے خود کسی معقولیت پر بھی مبنی نہیں ہو سکتا۔ تحفہ حسینیہ، از ابوالحسنات محمد اشرف السیالوی غفرلہ

تتمہ مبحث نکاح حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا

یہ مسئلہ قدیم ایام سے محل نزاع اور معرکۃ الآراء بنا ہوا ہے اور ظاہر ہے کہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

خوشی اور رضامندی سے اس نکاح کا انجام پذیر ہونا شیعہ مذہب کو بیخ و بن سے اکھیڑنے والا ہے، اس لیے شیعہ حضرات اس میں ہزار تاویل کریں گے اور اس کو چھپانے یا ایسا رنگ دینے کی مقدور بھر سعی کریں گے کہ اس سے فاروقی اور مرتضوی تعلقات کی خوش گواری ثابت نہ ہو سکے اور اگر یہ نکاح ثابت ہوتا ہے تو حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی ناراضگی کے افسانے اور غصب فدک اور غصب خلافت کے افترآت حرف غلط کی طرح مٹ جاتے ہیں، لہٰذا سبائی ذہنیت نے اس کو عجیب عجیب رنگ دینے کی کوشش کی ہے، لیکن حقیقت نہ چھپنی تھی اور نہ ہی چھپی اور ان کی عام کتابوں سے لے کر صحاح اربعہ تک میں اس کا اعتراف موجود ہے۔ فروعِ کافی جلد ثانی میں یہ عنوان قائم کیا، باب فی تزویج ام کلثوم اور پہلی روایت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ نقل کی ہے۔

۱۔ عن ابی عبد اللہ علیہ السلام ان ذالک فرج غصبناہ۔
فروعِ کافی جلد ثانی ص۱۴۱ بے شک یہ ایسا رشتہ ہے جو ہم سے غصب کر لیا گیا ہے۔ العیاذ باللہ! وکذا فی الشافی لعلم الہدیٰ۔

حضرات ذرا اپنے گریبان میں جھانکیں اور دل سے فیصلہ طلب کریں کہ اگر تمہارے ساتھ ایسا معاملہ پیش آئے، تو ایسے شخص غاصب کو نماز میں امام اور پیشوا بناؤ گے؟ اس کا وزیر اور مشیر بنا پسند کرو گے؟ اس کے ہاتھوں سے تحائف اور وظائف وصول کرو گے؟ اور اس کو اسلام میں بلند مرتبت شخص اور اس کی وفات کو اسلام کے لیے ناقابلِ تلافی نقصان اور نہ مندمل ہونے والا زخم قرار دو گے؟ اور اس کو راست رو اور راہِ راست پر چلانے والا، بے عیب اور پاک دامنی کی حالت میں دنیا سے جانے والا، خیر اور بھلائی کو ذخیرہ کرنے والا اور شر و فساد سے دامن بچا کر نکل جانے والا وغیر ذالک من الاوصاف کا مالک قرار دے سکتے ہو؟ قطعاً نہیں، بلکہ جونہی موقعہ ملے گا، اس کے وجود کو لوحِ جہاں سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دینے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھو گے۔ تو اس روایت کے پس منظر میں مولا علی رضی اللہ عنہ بلکہ تمام بنو ہاشم اور تمام بنو عبد مناف کا کیا مقام رہ جاتا ہے؟ کیا اہل بیت کرام کی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اس سے بڑی دشمنی اور عداوت بھی کوئی ہو سکتی ہے جو دوستی اور محبت کی آڑ میں سر انجام دی گئی ہے۔

۲۔ عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال لما خطب الیہ قال انہا صبیۃ قال فلقی العباس فقال لہ مالی أبی باس فقال وماذاک قال خطبت الی ابن اخیک فردنی اما واللہ لاعودن زمزم ولا ادع لکم مکرمۃ الا ھدمتہا ولاقیمن علیہ شاھدین بانہ سرق ولاقطعن یمینہ فاتاہ العباس فاخبرہ وسألہ ان یجعل الامر الیہ فجعلہ الیہ۔

حضرت ابو عبد اللہ جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے مروی اور منقول ہے کہ جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس نکاح کا پیغام بھجوایا تو انہوں نے فرمایا، ام کلثوم ابھی بچی ہے۔ تو عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور فرمایا، مجھے کیا ہے؟ کیا مجھ میں کوئی عیب اور نقص ہے؟ آپ نے دریافت فرمایا، آپ کا مقصد کیا ہے؟ تو فرمایا میں نے آپ کے بھتیجے سے رشتہ طلب کیا ہے لیکن انہوں نے میری التجاء کو رد کر دیا ہے۔ بخدا میں تم سے زمزم واپس لے لوں گا اور اس کے علاوہ تمہاری ہر مکرمت و بزرگی اور ساز و سامان فخر و ناز کو ختم کر دوں گا اور میں دو گواہ قائم کر کے کہ حضرت علی بن ابی طالب نے چوری کی ہے، اس کے دائیں ہاتھ کو کاٹ دوں گا۔ چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صورتِ حال سے ان کو باخبر کیا اور اس نکاح کا معاملہ ان کے سپرد کرنے کا مطالبہ کیا، چنانچہ آپ نے حضرت ام کلثوم کا حضرت عمر کے ساتھ نکاح کا معاملہ حضرت عباس کے سپرد کر دیا اور انہوں نے زمزم کی سقایت اور یہ شرف برقرار رکھنے کے لیے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ کٹنے کے ڈر سے حضرت ام کلثوم کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نکاح کر دیا۔ وکذا فی الانوار النعمانیہ للعلامۃ الجزائری جلد اول ص۸۳ وکذا فی الشافی بعلم الہدیٰ ص۲۱۶)

اب اس افسانہ کو ملاحظہ کرنے کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے متعلق

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کیا تاثر قائم ہوتا ہے؟ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شیری اور دلیری اور اسد اللہی شان کے متعلق کیا تاثر قائم ہوتا ہے؛ اور تمام بنو ہاشم اور بنو عبد مناف کے متعلق کیا تاثر قائم ہوتا ہے؟ امام حسین رضی اللہ عنہ کو ہر حیلہ و بہانہ کے باوجود بیعت کے لیے نہ جھکایا جا سکا اور شیر خدا رضی اللہ عنہ کو رشتہ دینے کے لیے خالی دھمکی دے کر جھکا لیا گیا اور آپ کے اس کے اس فرمان "المنیۃ ولا الدنیۃ" کی دھجیاں اڑا دی گئیں کہ موت قبول کی جا سکتی ہے، مگر ذلت قبول نہیں کی جا سکتی۔ کوئی معقول شیعہ عالم ہے جو مظلوم کربلا سید الشہدا کے عمل اور علی مرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہما کے اس عمل و کردار میں تطبیق دے سکے اور باپ بیٹے بلکہ امام اول اور امام ثالث میں وحدتِ فکر ثابت کر سکے۔

تزویج امِ کلثوم کی وجہ سے حضرت علی کی حضرت عباس پر ناراضگی

قاضی نور اللہ شوستری صاحب فروعِ کافی کی اس دوسری روایت میں مزید رنگ بھر کر اسے ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں:

۳۔ در کتاب استغاثہ وغیرہ منقول است کہ چوں عمر بن الخطاب بجہت ترویج خلافت فاسدۂ خود داعیۂ تزویج امِ کلثوم دخترِ حضرت امیر نمود و آں حضرت جہت اقامتِ حجت امتناع نمود، آخر عمر عباس را نزدِ خود طلبید و سوگند خوردہ گفت اگر علی را بداماد یٔ من راضی نسازی آنچہ در دفع او ممکن باشد خواہم کرد و منصبِ سقایت حج و زمزم را از تو خواہم گرفت عباس ملاحظہ نمود کہ اگر ایں نسبت واقع نشود آں خط غلیظ مرتکب چناں امر ناصواب خواہد شد۔ از حضرت امیر علیہ السلام التماس و الحاح نمود کہ ولایت نکاح آں مطہرۂ مظلومہ را باو تفویض نماید و چوں مبالغۂ عباس در آں باب از حد گزشت۔ آں حضرت از روئے اکراہ ساکت شدند تا آں کہ عباس از خود ارتکابِ تزویج او نمود و جہت اطفاء نائرہ فتنۂ او را باں منافق ظاہر الاسلام عقد فرمود و ظاہراً بواسطۂ ایں وکالت فضولی و امثال آں حضرت امیر علیہ السلام عباس را مانند دیگر یارانِ فدائی خود از ممعز در محبت و اخلاص نمی دانست (مجالس المومنین جلد اول صـ ۱۸۲)

کتاب استغاثہ وغیرہ میں منقول ہے کہ جب عمر بن الخطاب نے اپنی خلافت فاسدہ کی ترویج و ترقی کے لیے حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی اُمِّ کلثوم

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کا پختہ ارادہ کر لیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اتمام حجت اور اقامتِ بُرہان کے لیے اس سے امتناع اور گریز ظاہر کیا، تو انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلایا اور کہا، میں نے قسم کھائی ہے کہ اگر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ مجھے اپنی دامادی کا شرف نہیں بخشیں گے اور تم اُن کو ہر قیمت پر راضی نہیں کرو گے تو میں اس رکاوٹ کو دور کرنے میں ہر ضروری اقدام کروں گا اور تم سے حاجیوں کو آبِ زمزم پلانے کا منصب چھین لوں گا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس امر کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہ اگر یہ عقدِ نکاح نہ ہوا، تو وہ سخت مزاج اور تندخو ایسے ناصواب اور نامناسب امر کے ارتکاب سے گریز نہیں کرے گا، لہٰذا حضرت امیر علیہ السلام سے التماس اور زاری کی کہ اس مطہرہ و مظلومہ کا حقِ تزویج مجھے سونپ دو اور جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا اس مطالبہ میں مبالغہ اور التماس و الحاح انتہا کو پہنچ گیا تو حضرت امیر علیہ السلام مجبوری و بے بسی کی وجہ سے خاموش ہو گئے تا آنکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے طور پر اُن کا نکاح اور شادی کر دی اور فتنہ کی آگ بجھانے کے لیے اس ظاہری اسلام والے منافق کو عقد کر کے دے دیا اور اس وکالتِ فضولی اور اس قسم کے دیگر معاملات کی وجہ سے حضرت علی، حضرت عباس (رضی اللہ عنہما) کو اپنے دوسرے فدائیوں اور جاں نثار یاروں کی طرح محبت و اخلاص میں راسخ اور ثابت قدم نہیں سمجھتے تھے۔

تنبیہ: قاضی نور اللہ شوستری کی اس عبارت سراپا ظلمت و شقاوت میں کئی امور قابلِ غور ہیں:

۱۔ اس عقدِ تزویج کا بنیادی مقصد اپنی خلافت کی ترویج و ترقی تھا اور لوگوں کے ذہنوں میں اس کی حقانیت کو راسخ کرنا تھا اور ہر شخص پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ یہ مقصد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ام کلثوم کے ساتھ نکاح سے حاصل نہیں ہو سکتا تھا جو کہ بقول بعض شیعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ربیبہ تھیں، بلکہ صرف اور صرف آپ کی صلبی بیٹی سے ہی حاصل ہو سکتا تھا۔

نیز یہ اعلیٰ مقصد باہمی رضامندی اور صلح و صفائی سے طے ہونے والے رشتے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے ذریعے ہی حاصل ہو سکتی تھا۔ جبر و اکراہ اور ظلم و تعدّی سے تو وہ مقصد بالکل فوت ہو جاتا، لہٰذا واضح ہو گیا کہ یاروگوں نے یہاں سیاسی ذہنیت کا کامل مظاہرہ کیا ہے، اور سنتِ اسلاف کو اپناتے ہوئے تحریف سے کام لیا ہے۔

۲۔ حضرتِ عباس رضی اللہ عنہ نے سقایتِ حج اور زمزم پر تصرف و تسلط برقرار رکھنے کے لیے حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا کو بھینٹ چڑھا دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے سامنے مجبور و بے بس ہو گئے۔

۳۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نکاح کی اجازت نہیں دی تھی اور یہ نکاح ولایت فضولی سے طے پایا، حالانکہ نکاحِ فضولی میں فریقین کی رضامندی ضروری ہے اور حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا بقولِ شیعہ نابالغہ بچی تھی جو کہ اذن دے ہی نہیں سکتی تھیں اور ولی اقرب کے ہوتے ہوئے بھی ولی ابعد کا نکاح بلا اجازت اس کے منعقد ہو ہی نہیں سکتا، تو اس عقد کے بعد رخصتی اور ازدواجی تعلقات قائم کرنے کا شرعی حکم اور حیثیت کیا ہوگی اور کوئی غیرت مند باپ خواہ عامی قسم کا ہی کیوں نہ ہو وہ بھی ایسی حرکت برداشت نہیں کر سکتا، چہ جائیکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس اور آپ کے پیارے بھائی علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما ایسے غلط اور ناجائز امر کا ارتکاب کریں۔

۴۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس خبیث نے منافق ظاہر الاسلام کہا اور اگر حضرت عباس اور حضرت امیر رضی اللہ عنہما کی نظر میں بھی وہ ایسے ہی تھے، تو منافق جو کہ باطن کافر ہوتا ہے، اس کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور بھائی نے آپ کی نواسی کا نکاح کیونکر کیا؟ اور عام اہلِ اسلام نے اس سے کیا تاثر لیا؟ کہ یہ رشتہ منافق کو دیا ہے یا کامل مومن کو؟ گویا دوہری خرابی اور فساد لازم آگیا۔ ایک تو کافر کے ساتھ دیدہ دانستہ رشتہ داری قائم کرنا، دوسرا لوگوں کو اس غلط فہمی میں مبتلا کرنا کہ وہ مومن کامل اور مخلص مسلمان ہیں اور دامادیٔ علی بلکہ دامادیٔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائق اور اہل ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ کیا اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مشعلِ راہِ ہدایت ہوا کرتا ہے یا ضلالت و غوایت کا سبب و ذریعہ؟

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

۵۔ علاوہ ازیں حضرت علی رضی اللہ عنہ پر دباؤ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو دھمکیاں (جیسا کہ شوستری کے قول میں آپ ملاحظہ فرما چکے اور فروعِ کافی کے حوالے سے بھی) اس امر کی بین دلیل ہیں کہ جن کا رشتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مطلوب تھا، وہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی لختِ جگر اور نورِ نظر تھیں، ورنہ تو یہ دباؤ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اولاد پر ہونا چاہیئے تھا، کیونکہ شرعی طور پر وہی اولیاء اور ورثاء تھے، لہذا اس کے لئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس تہدید و تشدید اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے لئے انذار و تخویف کا کیا مطلب ہو سکتا تھا؟

بیوہ کی عدت کا حکم اور حضرت ام کلثوم کا تذکرہ

بیوہ عورت کے مقامِ عدت کے ضمن میں فروعِ کافی، الاستبصار، اور تہذیب الاحکام میں متعدد روایات اس مضمون کی مذکور ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد اپنی لختِ جگر ام کلثوم کو اپنے سسرال میں عدت بٹھانے کی بجائے اپنے گھر لا کر عدت بٹھایا، جس سے یہ مسئلہ ثابت کیا گیا کہ وہ عورت جس کا خاوند فوت ہو جائے، وہ جہاں چاہے عدت گزارے، اپنے فوت شدہ خاوند کے گھر اس کا عدت گزارنا ضروری نہیں ہے۔ اس باب میں فروعِ کافی کے اندر مذکور دو روایات میں سے پہلی روایت حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز نے نقل فرمائی، جس کا یہ جملہ قابلِ غور ہے۔

۳۔ ان علیاً لما توفی عمر اتی ام کلثوم فانطلق بھا الی بیتہ۔

یعنی جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو اپنے گھر لے گئے۔ اگر وہ آپ کی صاحبزادی نہیں تھیں، تو خود جانے کی بجائے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اولاد کو بھیجتے یا ان کو ہمراہ لے جاتے۔ نہ بوقتِ عقدِ نکاح اور تزویج ان کا ذکر اور نہ بوقت بیوگی ان کا ذکر۔ آخر یہ ماجرا کیا ہے کہ اصلی ورثاء کا کہیں نام و نشان ہی مذکور نہ ہوا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہر جگہ ذکر ہو؟

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جس سے صاف ظاہر ہوا اور دوپہر کے اُجالے سے بھی زیادہ روشن کہ اس اُمِّ کلثوم کے اصل ولی اور وارث ہی آپ تھے نہ کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادگان۔
اور دوسری روایت میں یہ مضمون ان الفاظ میں ادا کیا گیا ہے:

۴۔ ثم قال ان علیاً صلوات اللہ علیہ لما مات عمر اتی امکلثوم فاخذ بیدھا فانطلق بہا الی بیتہ۔ (فروع کافی جلد ثانی ص ۳۱۱/۳۱۲)

اور ہر دو روایت میں یہ فرمان حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اور اس طرح استبصار جلد ثانی میں بھی اسی عنوان کے تحت چند روایات درج ہیں اور تہذیب الاحکام جلد ۸ ص ۱۶۱ پر بھی دو روایات اسی مضمون کی درج کی گئی ہیں۔ اگر سب کو علیحدہ علیحدہ شمار کریں، تو چھ روایات بنتی ہیں۔

۵۔ عن جعفر بن محمد القمی عن القداح عن جعفر عن ابیہ قال ماتت امکلثوم بنت علی وابنہا زید بن عمر بن الخطاب فی ساعۃ واحدۃ لا یدری ایہما ھلک قبل فلم یورث احدھما من الاخر وصلی علیہما جمیعاً۔

یعنی جعفر بن محمد قمی نے قداح سے اور اس نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت ام کلثوم بنت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ان کے صاحبزادے حضرت زید بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کا ایک ہی وقت میں وصال ہو گیا اور یہ تحقیق نہ ہو سکی کہ کس کا وصال پہلے ہوا ہے، لہٰذا کسی کو دوسرے کا وارث نہ بنایا گیا اور ان دونوں پر اکٹھی نمازِ جنازہ ادا کی گئی۔

فائدہ: اس روایت میں بھی حضرت اُمِّ کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہما کا ذکر ہے اور ہر جگہ راوی امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں یا امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے لہٰذا اس کو مؤرخین کی غلطی تو نہیں کہہ سکتے۔ اگر یہ مجاز تھا تو کہیں حقیقت کا بھی ذکر ہونا چاہیے تھا اور ام کلثوم بنت ابی بکر یا ام کلثوم بنت اسماء کا بھی ذکر آ جاتا جب اس طرح نہیں اور بالکل نہیں تو صاف ظاہر ہو گیا کہ یہ حقیقت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں اور حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے بطنِ اقدس سے متولد ہونے والی تھیں۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نکاح ام کلثوم بنتِ علی رضی اللہ عنہما کے متعلق شیعی تاویلات

تاویلِ اوّل: اس تاویل کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ نکاح جبر واکراہ کے ساتھ ہوا لہذا کسی فضیلت اور رفعتِ مرتبت کا موجب نہیں ہے۔ سید نعمۃ اللہ موسوی جزائری نے انوارِ نعمانیہ میں اس عقد تزویج پر بحث کرتے ہوئے لکھا:

قد تفصّی الاصحاب عن ھٰذا بوجھین عامی وخاصی اما الاول فقد استفاض فی اخبارھم عن الصادق علیہ السلام لما سئل عن ھٰذہ المناکحۃ فقال انہ اول فرج غصبنا ہ۔

یعنی حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا کے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آنے پر جو اشکال وارد ہوتا ہے کہ دینِ اسلام سے العیاذ باللہ ان کے مرتد ہونے کے باوجود یہ نکاح کیسے ہوگیا، تو علماء امامیہ نے اس سے خلاصی حاصل کرنے کے لیے دو توجیہیں ذکر کی ہیں۔ ایک جو سب کو معلوم ہے اور دوسری جو خواص تک محدود ہے۔ وجہ عام یہ ہے کہ شیعہ کی حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے مستفیض ومشہور اور متواتر روایات سے ثابت ہے کہ جب آپ سے اس نکاح کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا یہ پہلا رشتہ ہے جو ہم سے غصب کیا گیا اور جبری طور پر لیا گیا۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

اس پر دلیل وبرہان پیش کرتے ہوئے اور اس استبعاد بلکہ استحالہ کو زائل کرتے ہوئے جزائری صاحب نے کہا:

وتفصیل ھٰذا ان الخلافۃ قد کانت اعزّ علی امیر المومنین من الاولاد والبنات والازواج والاموال (الی) فاذا لم یقدر علی الدفع عن مثل ھٰذا الامر الجلیل وقد کان معذورًا کما سیاتی الکلام فیہ عند ذکر اسباب التقاعد عن الحرب فی زمان الثلاثۃ ان شاء اللہ والتقیۃ باب فتحہ اللہ سبحانہ للعباد وامرھم بارتکابہ والزمھم بہ کما اوجب علیھم الصلوٰۃ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

والقیام حتّٰی انه ورد عن الائمة الطاھرین علیھم السلام لا دین لمن لا تقیة له فقبل عذره فی مثل ھذا الامر الجزئی وذلك انه قد روی الکلینی الخ۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ خلافت حضرت امیرالمومنین رضی اللہ عنہ کو اولاد، بنات، ازواج اور اموال سے زیادہ عزیز تھی، کیونکہ دین کا انتظام، سنت کی تتمیم و تکمیل، دفع جور اور احیاء حق اور اماتت باطل، نیز تمام دنیوی اور اخروی فوائد اس پر موقوف تھے، تو جب ایسے جلیل القدر اور عظیم الشان امر سے دفاع نہ کر سکے، جس طرح کہ معاویہ بن ابوسفیان کے دور میں کیا اور اس خلافت کی خاطر ساٹھ ہزار آدمی معاویہ کے لشکر سے قتل کیے اور بیس ہزار اپنے لشکر سے قتل کروائے۔ تو جب خلفاء ثلاثہ کے دور میں ہم نے ترک خلافت میں آپ کو معذور سمجھ لیا ہے اور واقعی آپ معذور بھی تھے جیسا کہ اس کے اسباب پر بعد میں روشنی ڈالیں گے اور پھر تقیہ کا دروازہ بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے کھول رکھا ہے، بلکہ اس پر عمل کا حکم دیا اور اس کو لازم و ضروری ٹھہرایا ہے جیسے کہ نماز اور روزہ کو فرض کیا ہے اور ائمہ طاہرین سے مروی و منقول ہے کہ جس کے لیے تقیہ نہیں، اس کے لیے دین نہیں ہے، لہٰذا ہم اس قسم کے جزوی اور انفرادی معاملہ میں بھی آپ کو معذور سمجھیں گے اور اس پر بطور استشہاد وہ روایت نقل کی ہے جو ہم قبل ازیں کلینی کے حوالے سے نقل کر چکے ہیں ــ یعنی باب تزویج ام کلثوم کے تحت مندرج دوسری روایت۔

سوال و جواب: اس تقریر کے بعد جزائری صاحب کو ایک سوال سوجھا اور اس کا جواب بھی لازمی اور ضروری سمجھا، لہٰذا اسی کی زبانی سوال و جواب ملاحظہ کریں۔

اما الشبھة الواردة علی ھذا وھی انه یلزم ان یکون عمر زانیا فی ذالك النکاح وھو مما لا یتقبله العقل بالنظر الی ام کلثوم فالجواب عنھا بوجھین۔ رہا اس عقد پر وارد یہ شبہ کہ اس طرح تہدید و تشدید اور وعید و تکرار کے بعد ہونے والے نکاح میں عمر بن الخطاب کا زانی ہونا لازم آتا ہے حالانکہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے لحاظ سے عقل اس کو باور نہیں کرتی، تو اس کا جواب دو وجہ سے ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

احدهما ان ام کلثوم لاحرج علیها فی مثله لاظاھرًا و لا واقعا و ھو ظاھر واما ھو فلیس بزان فی ظاھر الشریعة لانه دخول ترتب علی عقد باذن الولی الشرعی واما فی الواقع و فی نفس الامر فعلیه مثل عذاب الزانی بل عذاب کل المساوی والقبائح۔ پہلی وجہ جواب کی یہ ہے کہ ایسے نکاح میں حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا پر تو ظاہر و باطن اور واقع و حقیقت کے لحاظ سے کوئی حرج نہیں ہے جیسے کہ ظاہر ہے۔ رہے عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) تو وہ بھی ظاہر شرع کے لحاظ سے تو زنا کار نہیں ہیں، کیونکہ ان کے ازدواجی تعلقات تو ولی شرعی کے اذن کے بعد پائے گئے لیکن واقع اور نفس الامر میں ان پر زنا کا عذاب، بلکہ جملہ اہلِ کبائر اور اربابِ قبائح کی مانند عذاب ہوگا۔

الثانی ، ان الحال لما آل الی ما ذکرنا من التقیة فیجوز ان یکون قد رضی علیه السلام بتلك المناکحة رفعا لدخوله فی سلك غیرا لوطی المباح۔

یعنی دوسری وجہ جواب کی یہ ہے کہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ عقد تزویج کا حال تقیہ کی طرف راجع ہے جیسے کہ ہم نے ذکر کیا، تو عین ممکن ہے کہ آپ اس عقد پر راضی ہوگئے ہوں تاکہ یہ ازدواجی تعلق حرام اور ناجائز مباشرت کے ضمن میں نہ آنے پائے۔ (انوارِ نعمانیہ جلد اول، ص۸۳)

الغرض اس ہاتی وجہ جواب میں مناکحت تسلیم ہوگئی اور اس کا شرعی جواز بھی ثابت ہوگیا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے لیے ہر قسم کے حرج وغیرہ کی نفی بھی ثابت ہوگئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بھی ظاہر شرع کی رُو سے عقد صحیح کے ساتھ ازدواجی تعلقات استوار کرنا واضح ہوگیا اور یہی اس وقت ہمارا مدعا اور مقصود ہے کہ یہ نکاح وقوع پذیر ہوا اور رخصتی بھی ہوئی۔ خواہ جبر و اکراہ اور تغلیظ و تشدید کے بعد بطورِ تقیہ جیسے کہ شیعہ صاحبان کا گمان ہے۔ خواہ باہمی رضامندی اور خوشنودی سے جیسے کہ اہل السنت کا عقیدہ ہے لیکن یہ حقیقت محتاجِ وضاحت نہیں کہ اس تکلف و تصنع اور تقیہ وغیرہ کے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

سہارے کی ضرورت اسی صورت میں پیش آسکتی ہے، جبکہ یہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی لختِ جگر ہوں' ورنہ نہیں۔

عقد اُمِ کلثوم اور سید مرتضیٰ علم الہدیٰ

اہلِ تشیع کے مسلّم متکلم اور فاضل سید مرتضیٰ علم الہدیٰ ابوالقاسم علی بن الحسین جو کہ امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کے پانچ واسطوں سے فرزند ہیں اور گویا یہ مسئلہ اُن کے ہی گھر کا ہے' اس لیے ان کا قول اس معاملہ میں حرفِ آخر سمجھا جانا چاہیے اور اس کے بعد چوں وچرا کی گنجائش شیعہ کے لیے نہیں رہنی چاہیے۔ علی الخصوص جبکہ شیعہ اس کو علم الہدیٰ بھی تسلیم کرتے ہیں۔ قاضی عبدالجبار نے مغنی میں یہ طرزِ استدلال اختیار کیا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنی لختِ جگر اور حضرت زہرا کی نورِ نظر حضرت ام کلثوم (رضی اللہ عنہما) کا حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ سے نکاح کرنا اس امر کی بین اور واضح دلیل ہے کہ ان میں باہمی محبت اور مودت تھی اور کسی قسم کی مخالفت اور عداوت نہیں تھی اور نہ ہی نگاہِ مرتضوی میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ مرتد تھے' ورنہ مرتد کے ساتھ اپنی صاحبزادی کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ کیونکر کرتے۔

زوج ابنتہ من فاطمۃ بعضھم ویقولون کل ذالک دال علی الولایۃ وخلاف العداوۃ (الیٰ) وکیف یزوج مرتدًا ابنتہ۔

تو اس کا جواب دیتے ہوئے شیعی فاضل سید مرتضیٰ نے اپنی معروف ومشہور کتاب شافی میں کہا،

فاما تزویجہ بنتہ فلم یکن ذالک عن اختیار والخلاف فیہ مشھور فان الروایۃ وردت بان عمر خطبھا الی امیرالمومنین علیہ السلام فدافعہ وماطلہ فاستدعی عمرالعباس (الیٰ) فقال لہ ردامرھا الیّ ففعل فزوجہ العباس ایاھا ویبین ان الامرجری علی اکراہ ماروی عن ابی عبداللہ جعفر بن محمد من قولہ ذالک فرج غصبناہ علیہ علی انہ لولم یجز ماذکرناہ لم یمتنع ان یزوجہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

علیہ السلام لانہ کان علی ظاہر الاسلام والتمسک بشرائعہ واظہار الاسلام۔ شافی ص۲۱۶

رہا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا اپنی صاحبزادی کا نکاح ان سے کرنا تو وہ اختیار اور رضامندی سے نہیں ہوا تھا اور اس میں اختلاف مشہور ہے، کیونکہ روایت میں وارد ہے کہ عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) کے مطالبہ پر آپ نے جواب دے دیا تو انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بلا کر زمزم کی سقایت اور اسباب مکرمت چھین لینے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر چوری کی شہادت قائم کر کے ہاتھ کاٹ ڈالنے کی دھمکی دی، تو انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس نکاح کا معاملہ اپنے ہاتھ میں دیئے جانے کا مطالبہ کیا جس کو حضرت امیر علیہ السلام نے قبول کیا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے یہ نکاح پڑھا دیا اور اس جبر و اکراہ کی وضاحت اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ رشتہ ہم سے غصب کیا گیا اور اگر یہ درست نہ بھی ہو بوجہ ہم نے ذکر کی ہے، تو پھر بھی حضرت امیر علیہ السلام کے نکاح کر دینے میں کوئی وجہ امتناع و استحالہ نہیں ہے، کیونکہ عمر (رضی اللہ عنہ) بظاہر اسلام پر تھے اور احکام اسلام کے ساتھ متمسک تھے، بلکہ اسلام کو ظاہر اور غالب کرنے والے تھے۔

عقدِ امّ کلثوم اور ابو جعفر طوسی

سید مرتضےٰ کی کتاب شافی کی تلخیص طوسی صاحب نے کی جس کا نام تلخیص الشافی رکھا اور طوسی صاحب شیعہ کے عظیم محدث بھی ہیں اور ان کی صحاح اربعہ میں سے دو کتابیں یعنی الاستبصار اور تہذیب الاحکام اسی کی ہیں، لہٰذا اس مسئلہ میں اس کا قول بھی ملحوظ کرتے چلیں، کیونکہ اس کا قول شیعی عقائد اور احادیث کا مغز اور جوہر ہوگا اور سید مرتضیٰ کے جواب کا ماحصل، لہٰذا اسی کی زبان قلم سے اس عقد نکاح کا ثبوت بھی ملاحظہ کریں اور اس کے جواز اور صحت و درستگی کے لیے توجیہات و تاویلات بھی مشاہدہ کریں اور اس نکاح کے ناقابلِ انکار و تردید حقیقت ہونے کا اندازہ کریں اور علی الخصوص قاضی عبد الجبار

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کی اس تصریح کے بعد کہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا جس کا نکاح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہوا، وہ آپ کی صاحبزادی تھیں اور حضرت سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا کے بطنِ اقدس سے پیدا ہونے والی لختِ جگر تھیں، مگر نہ سید مرتضیٰ اس کا انکار کرسکا اور نہ ہی ابوجعفر طوسی بلکہ جوازِ نکاح کے لیے مختلف تاویلات و توجیہات ذکر کیں، جن کا بطورِ اختصار کتاب الشافی سے ذکر کیا جاچکا ہے، اب اس کی تفصیل تلخیص الشافی سے پیشِ خدمت ہے۔ ابوجعفر طوسی صاحب نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق نہیں تھے اور غاصب و ظالم تھے، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُن کو اپنی دامادی کا شرف کیوں بخشا۔؟

اما انکاحه بنته عمر لم یکن الا بعد توعد و تهدد و مراجعة ومنازعة وکلام طویل معروف اشفق منه من شروق الحال ولظهور ما لا یزال یخفیه وان العباس لما رأی ان الامر یفضی الی الوحشة ووقوع الفرقة سأله علیه السلام رد امرها الیه ففعل فزوجها منه وما یجری هذا المجری معلوم انه علی غیر الاختیار علی انه لا یمتنع ان یبیح الشرع ان ینا کح بالاکراه من لا یجوز منا کحته مع الاختیار لاسیما اذا کان المنکح مظهر الاسلام والمتمسك بظاهر الشریعة ولا یمتنع ایضًا من منا کحة الکفار علی سائر انواع الکفر وانما المرجع فیما یحل من ذالك الی الشریعة وفعل امیر المومنین اقوی حجة من احکام الشریعة۔ (تلخیص الشافی صفحہ ۳۵۴)

لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنی صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کرنا تو یہ وعید و تہدید اور نزاع و اختلاف اور طویل گفتگو کے بعد پایا گیا، جس سے اُس حقیقت کے روشن ہونے اور اس امر کے ظاہر ہونے کا اندیشہ تھا جس کو آپ ہمیشہ چھپاتے تھے اور جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کہ عقدِ نکاح و تزویج کا معاملہ وحشت و افتراق کا موجب بن رہا ہے تو انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت اُمِ کلثوم کا معاملہ اُن کے سپرد کرنے کو کہا، چنانچہ آپ نے یہ معاملہ اُن کے سپرد کر دیا، تو انہوں نے آپ کا نکاح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ (۱) اور جس عقدِ نکاح اور تزویج کا حال یہ ہو تو ظاہر ہے کہ وہ اختیار اور رضامندی کے ساتھ نہیں ہے۔

(۲) علاوہ ازیں شریعتِ مطہرہ میں یہ امر ممتنع اور محال نہیں ہے کہ اکراہ و اجبار کی صورت میں ایسے شخص کو نکاح کر کے دینا جائز ہو، جس کے ساتھ اختیار و قدرت کے ہوتے ہوئے نکاح کر دینا درست نہ ہو۔

(۳) علی الخصوص جبکہ نکاح کیے جانے والا شخص اسلام کا ظاہر کرنے والا ہو اور ظاہر شرع پر عامل اور کاربند ہو۔

(۴) مزید یہ کہ تمام قسم کے کفار کے ساتھ نکاح کی ممنوعیت بھی ثابت نہیں اور نہ یہ نکاح ممنوع و محال ہے۔ اس ضمن میں حلت اور حرمت کا دارومدار شرع پر ہے اور حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا فعل احکامِ شرع کے لیے ایک اہم دلیل و حجت ہے۔

وکذا فی تنزیہ الانبیاء للعلامۃ سید مرتضیٰ ص۱۴۱ وطراز المذہب المظفری ص۵۹

فائدہ ۵، طوسی صاحب نے قاضی نور اللہ صاحب سے اس معاملہ میں اختلاف کیا ہے کہ نکاح حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اختیار ملنے کے بعد پڑھا، جبکہ قاضی شوستری اس کا قائل تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سکوت فرمایا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بلا اجازت آپ کے ساتھ نکاح کر دیا، جس سے بھانت بھانت کی بولیاں بالکل واضح ہو جاتی ہیں اور دل کا اضطراب اور بے چینی صاف نظر آتی ہے۔

دوسرا اضافہ طوسی صاحب نے یہ کیا کہ کفار کی تمام انواع و اقسام کے ساتھ بچیوں کا نکاح کرنا حرام نہیں ہے، بلکہ اس حلت و حرمت کا دارومدار شریعت پر ہے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ خود شریعت کی سند اور معیار ہیں، لہٰذا آپ کا فعل ہی حجتِ شرع ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

سُبحان اللہ! حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عمل کتاب و سنت کے برعکس کیونکر ہو سکتا ہے، لہٰذا آپ کی طرف منسوب عمل کو شریعت کی کسوٹی پر پرکھنا ضروری ہے، کیونکہ ائمہ اہل بیت پر بہت زیادہ افترا پردازی اور بہتان تراشی سے کام لیا گیا ہے جیسے کہ خود امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا فرمان رجال کشی میں متعدد جگہوں پر موجود ہے۔

قابلِ غور،

ہر شیعی محدث اور عالم اس بات پر مُصر نظر آتا ہے کہ براہِ راست حضرت علی نے نکاح نہیں کر دیا بلکہ سیّدنا حضرت عباس رضی اللہ عنہ درمیان میں آ گئے، لیکن دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس سے کونسی منفعت اور بچت تلاش کی جاتی ہے۔ اگر آپ اجازت نہ دیتے تو نکاح ہی درست نہ ہوتا اور جب آپ کی اجازت سے ہوا، تو وہ آپ ہی کا پڑھایا ہوا نکاح سمجھا جائے گا، لہٰذا اس ہیرا پھیری کا کوئی فائدہ شیعہ حضرات کو نہیں پہنچ سکتا۔ الغرض ابو جعفر طوسی صاحب کے ان جوابات سے واضح ہو گیا کہ ان کے نزدیک اس ام کلثوم کو بنتِ علی رضی اللہ عنہما تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں ہے۔ علی الخصوص جبکہ قاضی عبدالجبار نے ان کو حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کا بھی لختِ جگر قرار دیا، لیکن نہ علم الہدیٰ سید مرتضیٰ صاحبِ شافی نے اس کا انکار کیا اور نہ ہی طوسی صاحب نے تلخیص میں اس کا انکار کیا، جس کے بعد شک و شبہ کا امکان ہی ختم ہو گیا۔

دوسری تاویل، (از علی بن اسماعیل ابوالحسن التمار الاسدی)

دیگرے پُرسید کہ چرا آنحضرت دخترِ خود را بعمر بن الخطاب داد گفت بواسطہ آنکہ اظہارِ شہادتین مینمود بزبان و اقرار بفضلِ حضرت امیر میکرد و در آں باب اصلاح غلظت و فظاظت او نیز منظور بود و ایں معاملہ دشوارتر از آں نبود کہ حضرت لوط پیغمبر عرض دختران خود بر قوم کفارے نمود و بمضمون آیت کریمہ ھٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِیْ ھُنَّ اَطْھَرُ لَکُمْ الآیۃ زبانِ مبارک مے کشود۔ (مجالس المومنین جلد اوّل ص۱۵۴)

یعنی ابوالحسن علی بن اسماعیل التمار الکوفی الاسدی سے کسی نے دریافت کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی لختِ جگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کیوں نکاح کر دی؟

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تو انہوں نے کہا چونکہ وہ زبان سے توحید و رسالت کا اقرار کرتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا بھی اعتراف کرتے تھے اور اس رشتہ داری کے ذریعے ان کی طبعی شدت اور سختی کو کم کرنا مقصود تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کا اس مصلحت کے تحت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں چلے جانا اس سے زیادہ دشوار تو نہیں جو کہ حضرت لوط علیہ السلام سے مروی و منقول ہے کہ انہوں نے اپنی بیٹیوں کو قوم کفار پر پیش فرمایا اور زبانِ مبارک پر یہ مضمون اور کلام جاری فرمایا: یہ میری بیٹیاں حاضر ہیں، وہ تمہارے لئے زیادہ پاکیزہ ہیں۔

تنبیہ: ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ اس مقتدائے اہلِ تشیع نے کتنی دُور سے یہ کوڑی لاکر اپنی برادری کو تسلی دینے کی ناکام کوشش کی ہے کہ جب حضرت لوط علیہ السلام اپنی صاحبزادیوں کا نکاح کر کے دینے کو تیار تھے، حالانکہ قوم کافر تھی اور بیٹیاں مسلمان تھیں۔ اگر پیغمبر کے اس اقدام پر اعتراض نہیں اور اس واقعہ کو سن کر کوئی اُلجھن پیدا نہیں ہوتی، تو حضرت ام کلثوم کے عمر بن خطاب کے ساتھ نکاح میں کونسی اُلجھن ہے۔ جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ زبانی توحید و رسالت کا اعتراف کرتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل کا بھی اقرار کرتے تھے، لہٰذا اس رشتہ داری میں کوئی حرج نہیں اور نہ ہی کوئی قابلِ اعتراض پہلو ہے۔

مقامِ حیرت و استعجاب ہے کہ وہ اسلام جو منافقین کے ساتھ جہاد اور تغلیظ و تشدید کا حکم دے۔ کما قال تعالیٰ "یاایہا النبی جاھد الکفار و المنافقین واغلظ علیھم" وہ اسلام جو ظالموں کی طرف معمولی میلان اور رغبت کو جہنم کی دہکتی آگ کا ایندھن بننے کا سبب قرار دے۔ کما قال اللہ تعالیٰ "ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار" وہ اسلام جو کفار کے ساتھ شادی بیاہ کو حرام قرار دے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: لا ھن حل لھم و لا ھم یحلون لھن۔ صرف بغضِ فاروق رضی اللہ عنہ کی وجہ سے اب اس میں ترمیم و تنسیخ فرما کر اسے حضرت لوط علیہ السلام کے دین کے مطابق ڈھالا جا رہا ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بہرحال شیعہ حضرات اس امر پر تلے ہوئے نظر آتے ہیں کہ اسلام بدلا جا سکے، تو بدل دو، لیکن حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان باہمی محبت و الفت، بھائی چارہ اور برادرانہ روابط اور اخلاص و ہمدردی کسی قیمت پر ثابت نہیں ہونی چاہیے۔ العیاذ باللہ العظیم۔

الغرض یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ رشتہ اس غرض اور مصلحت کے تحت دیا گیا تھا کہ آپ کی طبیعت میں جو شدت و صلابت ہے، وہ کم ہو جائے، جبکہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل و کمالات کے معترف بھی تھے اور یہ مطلوب و مقصود اور سبب و موجب بیان کرنا اسی صورت میں درست ہو سکتا ہے جبکہ یہ ام کلثوم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہوں۔ اگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی ہوتیں، تو یار لوگوں کے لیے جواب دینا بڑا سہل اور آسان تھا کہ جیسا خلیفہ اول، ویسا ہی خلیفہ ثانی اور لڑکی بھی خلیفہ اول کی، لہٰذا کیا ہوا جو یہ رشتہ طے ہو گیا۔

تیسری تاویل، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے جملہ امور میں حضور نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرتے رہے اور منجملہ ان امور کے رشتہ دینا بھی تھا، جیسے کہ قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس المومنین جلد اول صفحہ ۲۰۴ پر بیان کیا ہے:

امیر المومنین بعد از وفات سید المرسلین در سائر امور خود تاسی بہ آنحضرت می فرمود و اقتدا بوصایائے او میفرمود (تا) اگر او در ابتدا امر لکم دینکم ولی دین می فرمود۔ ایں نیز ترک ریاست قوم بے دین نمود، اگر او بوقت عجز بغار فرار نمود، ایں بوقت عجز در خانہ بر روئے خود فراز کرد۔ اگر مصطفیٰ در اول صلح نمود مرتضیٰ نیز در اول اصلاح نمود و اگر نبی دختر بعثمان داد ولی دختر بعمر فرستاد و اگر پیغمبر بآخر قتال کرد، علی نیز بآخر قتال کرد۔ (مجالس المومنین جلد اول ص ۲۰۴)

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات شریف کے بعد تمام امور میں آپ کی اقتدا کرتے رہے اور آپ کی وصیتوں پر عمل فرماتے رہے۔ اگر ابتدا حال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قوم کفار کو فرمایا، تمہارے لیے تمہارا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

دین ہے اور میرے لیے میرا دین، یعنی تم مجھے نہ چھیڑو، میں تم سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کرتا۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی بے دین قوم کے لیے اپنا حق ریاست حکومت ترک کر دیا۔ اور اگر حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے بوقتِ عجز غار کی طرف فرار اختیار فرمایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی بوقتِ عجز و ناتوانی اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا اور اندر بیٹھ گئے۔ اگر مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدا و آغاز میں قوم کفار کے ساتھ صلح فرمائی، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی صلح و آشتی کا اظہار کیا اور اگر نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دامادی کا شرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بخشا تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اپنی دامادی کا شرف بخشا اگر پیغمبرِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آخر میں حرب و قتال فرمایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی آخر کار جنگ اور جدال فرمایا۔

تنبیہ، اقول، گویا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلام پھر از سرِ نو شروع ہوا اور جس طرح اُس نے دورِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں مکی اور مدنی زندگی میں زندگی میں مرحلہ وار ترقی پائی۔ اسی طرح وصالِ نبوی کے بعد پھر اس کا آغاز ہوا اور جو کیفیت وصورت کمال اور تکمیلِ دین کی آپ کے وقتِ وصال میں تھی، والعیاذ باللہ ختم ہو گئی اور اس تدریج اور آہستہ روی کا ایک حصہ یہ بھی تھا کہ ترویجِ اسلام کی خاطر حضور نبی اکرم، رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی لختِ جگر کا نکاح حضرت امیر عثمان رضی اللہ عنہ سے کرنا پڑا اور بالکل اسی مقصد کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی اپنی لختِ جگر کا عقد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کرنا پڑا۔ بہرحال اس تقریر بے نظیر سے یہ واضح ہو گیا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی کا نکاح حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کر دیا تھا نہ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کا، کیونکہ اس صورت میں تو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت امیر علیہ السلام کے عمل میں بالکل مطابقت پیدا نہیں ہو سکتی نہ حضرت امیر کی آپ کے ساتھ متابعت متحقق ہو سکتی ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

چوتھی تاویل ، سید نعمت اللہ جزائری نے ایک عامی وجہ اس نکاح اور عقدِ تزویج کی بیان کی جو پہلے ذکر ہو چکی، اب خاصی وجہ یعنی جو صرف خواص شیعہ کو معلوم تھی اور عوام شیعہ سے بھی اس کو مخفی رکھا گیا تھا، وہ وجہ ملاحظہ فرمائیں۔ اور اس میں وہ خود منفرد نہیں ہیں، بلکہ آپ نے اس کو بہار الدین علی بن عبدالحمید الحسینی النجفی کی کتاب "انوار مضیئہ" کی جلد اول سے نقل کیا ہے اور انہوں نے اس کو شیخ مفید سے نقل کیا ہے، عبارت ملاحظہ ہو:

الوجه الخاص فقد رواه السيد عالم بهاء الدين على بن عبد الحميد الحسيني النجفي في المجلد الاول من كتابه المسمى بالانوار المضيئة قال مما جاز لى روايته عن الشيخ السعيد محمد بن محمد بن النعمان المفيد۔ گویا متفق گردید رائے پر علی بارائے من بلکہ شیخ مفید نے اس کو عمر بن اذینہ کے واسطہ سے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ تک پہنچا دیا ہے۔ اس توجیہ و تاویل کا ملخص یہ ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ اصلی ام کلثوم کا عقدِ تزویج نہیں ہوا، بلکہ ایک جن عورت ان کی شکل میں ڈھل کر عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی دلہن بنی رہی۔

اب روایت ملاحظہ فرمائیں، قال عمر بن اذينة لابى عبد الله عليه السلام ان الناس يحتجون علينا ان امير المومنين زوج فلانا ابنته ام كلثوم وكان متكيا فجلس وقال أتقبلون ان عليا عليه السلام نكح فلانا ابنته؟ ان قوما يزعمون ذالك ما يهتدون الى سواء السبيل ولا الرشاد ثم صفق بيديه وقال ما كان امير المومنين عليه السلام يقدر ان يحول بينه وبينها كذبوا لم يكن ما قالوا۔ ان فلانا خطب الى على عليه السلام ابنته ام كلثوم فابى فقال للعباس والله لئن لم يزوجنى لانزعن منك السقاية وزمزم فاتى العباس عليا عليه السلام فكلمه

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

فابیٰ فالح علیہ العباس فلما رأی امیرالمومنین علیہ السلام مشفقۃ بکلام الرجل علی العباس وانہ سیفعل معہ ما قال ارسل الیٰ جنیۃ من اہل نجران یھودیۃ یقال سحیفہ بنت جویریہ فامرھا فتمثلت فی مثال ام کلثوم وحجبت الابصار عن ام کلثوم بھا وبعث بھا الی الرجل فلم تزل عندہ الیٰ) فقتل فاخذت المیراث وانصرفت الیٰ نجران واظھر امیرالمومنین ام کلثوم۔ (انوارِ نعمانیہ جلد اول ص۸۳)

عمر بن اذینہ کہتا ہے کہ میں نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ لوگ ہمارے خلاف یہ حجت اور دلیل پیش کرتے ہیں کہ حضرت امیر علیہ السلام نے فلاں کو اپنی بیٹی ام کلثوم نکاح کر دی۔ آپ تکیہ لگائے بیٹھے تھے، میری بات سن کر اٹھ بیٹھے اور کہا کیا تم اس کو قبول کرتے ہو کہ آپ نے اپنی لڑکی اس سے نکاح کر دی۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں، وہ راہِ راست اور ہدایت پر نہیں ہیں۔ پھر آپ نے تعجب سے ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر مارا اور فرمایا کیا امیرالمومنین میں اتنی قوت نہیں تھی کہ آپ ام کلثوم اور عمر (رضی اللہ عنہما) کے درمیان حائل ہو سکتے؟ یہ نکاح نہیں ہوا انہوں نے جھوٹ بولا (بلکہ حقیقت حال یہ تھی) کہ فلاں (عمر فاروق رضی اللہ عنہ) نے حضرت امیر علیہ السلام سے یہ رشتہ طلب کیا تو آپ نے انکار فرمایا، تو انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ مجھے یہ رشتہ نہیں دیں گے، تو میں تم سے زمزم اور سقایت کا منصب چھین لوں گا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ آپ نے انکار فرمایا تو انہوں نے الحاح وزاری سے کام لیا۔ جب آپ نے اس شخص کے کلام کا حضرت عباس رضی اللہ عنہ پر گراں بار ہونا مشاہدہ کیا اور سمجھ لیا کہ اس نے جو کہا ہے کر گزرے گا، تو آپ نے اہلِ نجران سے ایک جن یہودی عورت کو بلایا، جس کا نام سحیفہ بنت جریریہ تھا اور اسے ام کلثوم کی صورت میں ڈھلنے کا حکم دیا؛ چنانچہ وہ آپ کی صورت میں ڈھل گئی اور اس کی وجہ سے حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہو گئیں۔ چنانچہ آپ نے اس کو حضرت عمر

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے گھر بھیج دیا اور وہ آپ کے قتل ہونے تک وہاں رہی اور اس کے بعد اپنا وراثت کا حصہ لے کر نجران چلی گئی، تو آپ نے ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو ظاہر فرمایا۔

دل کا چور

چونکہ یہ امر واضح تھا کہ جن وانس میں باہم مماثلت نہیں اور میاں بیوی والے تعلق کے باوجود یہ راز فاش نہ ہونا اور شک و تردد بھی پیدا نہ ہونا بعید از فہم و قیاس تھا، تو اس کا جواب دیتے ہوئے اس روایت میں یہ اضافہ کر دیا۔

فلم تزل عنده حتى استراب بها يوما وقال ما فى الارض اهل بيت اسحر من بنى هاشم ثم اراد ان يظهر للناس فقتل (انوار نعمانیہ جلد ۱ ص ۸۳)

وہی سحیفہ بنت جریر یہودیہ آپ کے پاس بطور بیوی رہی، حتیٰ کہ ایک دن حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو اس کے متعلق شک و تردد ہوا اور کہا کہ تمام روئے زمین پر کوئی گھرانہ بنو ہاشم سے زیادہ جادوگر نہیں ہے۔ پھر لوگوں پر اس امر کے اظہار کا ارادہ کیا، مگر قتل ہو گئے۔ (اور یہ راز طشت از بام نہ ہوا اور مخفی و مستور رہ گیا)

عذرِ ناتمام

۱۔ اس خدشہ کے ازالہ کا خیال تو آیا مگر ان روایات کے متعلق جواب کی نہ سوجھی، جن میں ولایتِ فضولی کے تحت حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے نکاح کر دینے کا اقرار ہے یا جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس ام کلثوم سے اولاد پیدا ہونے کا بھی ذکر ہے اور ماں بیٹے کا اکٹھا وفات پانا بھی منقول ہے۔

۲۔ نیز یہ بھی خیال نہ آیا کہ اتنی دور سے جنیہ عورت کو بلانے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ مدینہ منورہ میں جن نہیں رہتے تھے یا وہ آپ کا حکم تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھے۔

۳۔ نیز یہ بھی وجہ نہ سمجھ آئی کہ ایک طرف تو سحیفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اتنی فرماں بردار اور تابع فرمان کہ ان کی خاطر عرصہ دراز تک خارقی بوجھ برداشت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کرتی رہی، مگر دوسری جانب سے اس قدر سیاہ دل کہ رہی یہودیہ ہی، اسلام قبول نہ کیا اور نہ امامتِ علی پر ایمان لائی۔

۴- پھر سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ شیعہ مذہب میں اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) کی عورتوں سے متعہ جائز ہے، مگر نکاحِ دوام جائز نہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو متعہ کو جائز ہی نہیں سمجھتے تھے۔ آپ کا مقصد نکاح دوام تھا اور تعیینِ مدت عقد میں نہ ہو تو نکاح دوام بن جاتا ہے اور شیعی شریعت یہودیہ عورت کے ساتھ نکاحِ دوام کو حرام ٹھہراتی ہے، تو اس حرام کے ارتکاب کا ذمہ دار کون ہو گا؟ کیا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس سے بری الذمہ ہو سکتے ہیں؟

۵- علاوہ ازیں انسانوں اور جنوں کے درمیان باہمی مناکحت اور ازدواجی تعلقات کے جواز کی کونسی دلیل شرعی ہے۔ یہ بھی بذاتِ خود جائز اور حلال نہیں ہے، تو کیا اس جرم سے حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا دامن بچ سکتا ہے؟ ع

ہوتے تم دوست جس کے دشمن اُس کا آسماں کیوں ہو؟

الغرض صاف ظاہر ہو گیا کہ یار لوگوں نے یہ ساری کہانی اس لیے گھڑی کہ کہیں ان حضرات کے باہمی تعلقات کی خوشگواری ثابت نہ ہو جائے اور شیعی مذہب کی بیخ و بن ہی نہ اکھڑ کر رہ جائے اور جھوٹ کے پاؤں ہوتے نہیں، اس لیے دیگر مفاسد کی طرف توجہ دینے اور ان کا سدِ باب کرنے کا موقعہ ہی نہ ملا کہ وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس کی سیاست اور دُور بین نگاہ نے قیصر و کسریٰ بلکہ عالمِ کفر کو عاجز و بے بس اور مقہور و مغلوب کر کے رکھ دیا تھا۔ اُن کے پہلو میں اور قریب ترین مکان میں اصل اُم کلثوم رضی اللہ عنہا موجود رہے اور اُنہیں خبر ہی نہ ہو سکے، یہ کیسے ممکن ہے؟ اور کون صاحبِ عقلِ سلیم اس کو باور کر سکتا ہے؟

شیعہ کے لیے دُوسری اُلجھن

اس روایت نے ایک اور اُلجھن پیدا کر دی کہ اگر صورتِ حال واقعی یہی تھی،

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تو پھر انہیں امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا کے نکاح کے متعلق فرمانا "اول فرج غصبناہ" کیونکر درست ہوگا کہ العیاذ باللہ یہ پہلا رشتہ ہے جو ہم سے غصب کر لیا گیا۔ تو اس کے جواب میں اکابرینِ شیعہ کی منطق ملاحظہ فرمائیں اور ابن سبا کی چالاکیوں کی داد دیں۔

نعمت اللہ جزائری نے کہا، اقول وعلی ھذا فحدیث اوّل فرج غصبناہ محمول علی التقیۃ والاخفاء من عوام الشیعۃ کما لا یخفیٰ۔ (انوار نعمانیہ جلد اول، صفحہ ۸۴)

یعنی اس روایت کے پیش نظر غصب والی روایت تقیہ پر محمول ہے اور عوام شیعہ سے اخفاء پر گویا حقیقت میں تو رشتہ غصب نہیں کیا گیا تھا مگر زبانی اس کا اظہار ائمہ کرام بھی کرتے رہے اور عوام شیعہ کو یہی تاثر دیتے رہے تاکہ حقیقتِ حال ظاہر ہونے پر انتقامی کارروائی کا نشانہ نہ بننا پڑے۔

۲۔ ملا باقر مجلسی صاحب نے "بحار الانوار" میں اس تعارض کو دور کرتے ہوئے کہا، ایں اخبار با حکایت جنیہ منافات ندارد چہ آں حکایتے است مکتوم کہ جز بہ خواص اصحاب خویش معلوم نداشتہ اند ومعنی ایں حدیث چنیں است کہ غصبناہ ظاہراً۔ (طراز المذہب المظفری ص ۵۹) یعنی وہ روایات جن میں حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے نکاح کا اثبات ہے، وہ جن عورت والی حکایت کے ساتھ منافات نہیں رکھتیں، کیونکہ وہ ایک پوشیدہ حکایت ہے، جس کا سوائے مخصوص اصحاب و احباب کے کسی پر اظہار نہیں کیا گیا، لہٰذا غصب والی روایت کا مطلب یہ ہوا کہ ہم سے بظاہر یہ رشتہ غصب کیا گیا، بلکہ ہم نے صرف ظاہر یہ کیا ہے کہ یہ رشتہ غصب کیا گیا، کیونکہ درحقیقت وہ جنیہ تھی۔ نہ وہ اپنا رشتہ تھا اور نہ ہی غصب کیا گیا، صرف واویلا کرتے رہے۔

حضرتِ اُمِ کلثوم کے عقدِ تزویج کے قائل جھوٹے کیوں؟

آپ نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب جنیہ عورت والی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

روایت میں ملاحظہ فرمایا کہ حضرت امّ کلثوم رضی اللہ عنہا کے نکاح سے تعلقاتِ فاروقی اور مرتضوی میں خوشگواری ثابت کرنے والوں کو جھوٹا، گمراہ اور راہِ راست سے بھٹکا ہوا قرار دیا گیا ہے اور علامہ جزائری اور علامہ مجلسی کے جوابات سے یہ حقیقت بھی معلوم ہو چکی کہ بطورِ تقیہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ یہی کہتے رہتے تھے کہ یہ رشتہ ہم سے غصب کیا گیا ہے اور عوامِ شیعہ سے بھی یہ راز پوشیدہ رہا اور صرف اخص الخواص اصحاب کو اس کا علم تھا اور جب تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ شہید نہ ہو گئے، اصلی امّ کلثوم روپوش رہی اور جنیہ عورت اس روپ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے گھر آباد رہی۔ جب اس کی رخصتی بھی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے گھر سے ہوئی اور حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت امیر علیہ السلام اس کو اپنے گھر بھی لائے اور عام اہلِ اسلام پر یہ راز منکشف بھی نہ ہونے دیا گیا اور بطورِ تقیہ اس کو اپنی بیٹی ہی کہا، تو ایسی صورت میں عام اہلِ اسلام جھوٹے کیسے ہو گئے اور اگر وہ سچ بولتے تو کیا کہتے اور اس کی صورت کیا ہوتی؟ ہے کوئی صاحبِ عقل شیعہ جو ان حالات میں یہ حجت و دلیل پیش کرنے والوں کو جھوٹا ثابت کر سکے اور ان کے مقابل ائمہ کرام کو سچا ثابت کر سکے ؏ ناطقہ سربگریباں ہے اسے کیا کہیے

جو جنیہ عورت کو اپنی بیٹی کہیں اور اس کو اپنی بیٹی ظاہر کریں، وہ سچے اور جو اُن کی زبان اور اُن کے اعلان پر اعتبار کریں اور اس کی روایت و حکایت کریں، وہ جھوٹے ؏

ہر چیز یہاں کی اُلٹی ہے یاں اُلٹی گنگا بہتی ہے

علاوہ ازیں حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ جس دور میں بطورِ تقیہ اور عوام شیعہ سے اخفاء کے لیے یہ کہتے رہتے تھے کہ یہ رشتہ ہم سے غصب کر لیا گیا تھا۔ اس دور میں نہ تو فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی حکومت تھی اور نہ امیر عثمان رضی اللہ عنہ کی اور نہ بنو امیہ کی، وہ تو بنو عباس کا دورِ حکومت تھا اور انہیں بہر حال حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی عزت و حرمت بہ نسبت حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے زیادہ ملحوظ و مرغوب تھی، تو اس وقت اس راز کو عام کرنے میں حرج کیا تھا اور اس تقیہ اور اخفاء کی ضرورت ہی کیا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تھی، بلکہ جنیہ کو اسی شکل و صورت میں متشکل کر کے اس کی گواہی بھی دلوائی جا سکتی تھی اور وراثت کا حصہ بھی بطورِ شہادت پیش کیا جا سکتا تھا اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے بھی خوابوں کا ہمیشہ کے لیے ناطقہ بند کیا جا سکتا تھا، مگر اسے کیا کہیے کہ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے وصال اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے وصال کے درمیان ایک سو پچیس سال کے قریب فاصلہ ہے، مگر اتنے عرصے کے بعد بھی علی الاعلان اس مناکحت اور عقدِ تزویج کا انکار نہیں ہو سکا اور اہل السنت سے ہی نہیں، بلکہ عوام شیعہ سے بھی تقیہ اور اخفاء جاری رہا تو پھر اہل السنت کی اس حجت و دلیل کی صداقت میں شکوک و شبہات کی کیا گنجائش ہے اور اس توجیہ و تاویل کے فساد و بطلان میں کیا ریب و تردد ہو سکتا ہے جو امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کی گئی ہے۔

اعترافِ حقیقت اور اقرارِ تزویج

ان بھونڈی حرکات اور مضحکہ خیز تاویلات میں ظاہرہ باہرہ وجوہ سقم و بطلان دیکھ کر شیعی علماء کو حقیقی اور اصلی امِ کلثوم رضی اللہ عنہا کا عقدِ تزویج تسلیم کرنا ہی پڑا، اسی لیے صاحب ناسخ التواریخ نے کہا،

بعضے از مردم شیعی گویند کہ ام کلثوم بخانہ عمر نرفت بلکہ یکتن جنیہ بصورتِ ام کلثوم برآمد و با عمر ہمبستر گشت، لیکن مردمِ شیعی را واجب نیفتادہ کہ حمل چندیں مصائب کنند چہ در نزد ایشاں خطبہ کردن ام کلثوم بیروں از شریعت از غصب خلافت کہ فتنۂ او تا قیامت باقی است بزیاد نیست از حضرتِ صادق روایت کردہ اند کہ فرمود اول فرج غصب منا ام کلثوم پس لازم نیست جنیہ بصورتِ ام کلثوم درآید (ناسخ التواریخ، جلد دوم صـ۳۶۳)

بعض شیعہ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے گھر بطورِ زوجہ نہیں گئی تھیں، بلکہ ایک جنیہ عورت ان کی صورت میں متشکل ہو کر آپ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے گھر گئی تھی اور ان سے ہمبستر ہوئی تھی، لیکن شیعہ لوگوں کے لیے واجب و لازم نہیں کہ اس قسم کے مصائب (تاویلات و تسویلات کے) برداشت کریں کیونکہ ان کے نزدیک حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا خلافِ شرع نکاح خلافت کے غصب ہو جانے سے زیادہ عظیم معاملہ تو نہیں، جس کا فتنہ قیامت تک باقی ہے اور حضرت صادق رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کا رشتہ ہم سے غصب کیا گیا ہے، لہٰذا ضروری نہیں کہ جن عورت حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کی صورت و شکل میں متمثل و متشکل ہو کر آئے

شرم تم کو مگر نہیں آتی

صاحبِ ناسخ نے بالآخر وہی حل اور مشکل کشا صورت اختیار کی، جس کو نعمت اللہ الجزائری نے وجہ عامی کے عنوان سے ذکر کیا تھا اور وہ خاص وجہ جس کو علامہ بہاالدین اور شیخ مفید نے ذکر کیا تھا، اس کو رد کر دیا، لیکن سب علماء اسلاف کے برعکس اس عقد کو خارج از شریعت قرار دے دیا، مگر سوال یہ ہے کہ اس غیر شرعی عقد کا ذمہ دار کون ہوگا اور اس کا گناہ کس کے سر پر ہوگا؟ کیا حضرت امیر رضی اللہ عنہ کان کو اژدہا بنا کر شیعوں کی حفاظت کر سکتے تھے اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو مرعوب بلکہ لرزہ براندام کر سکتے تھے، لیکن اس غیر شرعی عقد کو روکنے کے لیے اور حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کی عزت و ناموس کے تحفظ کے لیے یا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ڈر اور خوف اور خوف کو دور کرنے کے لیے وہ معجزہ بروئے کار نہیں لایا جا سکتا تھا؟ کیا عوام شیعہ کی عزت و حرمت حضرات اہل بیت سے بھی زیادہ ہے۔

علاوہ ازیں علامہ جزائری صاحب اور صاحبِ ناسخ نے اس عقد کو خلافت پر قیاس کیا اور کہا وہ غصب ہو گئی، تو اس غصب میں کونسی چونکا دینے والی بات ہے — تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ رافضی علماء کے نزدیک ملک و سلطنت اور عزت و ناموس کے معاملات یکساں ہیں کہ اگر ملک و سلطنت چھن جائے تو عزت و ناموس بھی بے شک برباد ہو جائے اور ملک و سلطنت ہاتھ آ جائے، تو پھر عزت و حرمت اور ناموس و عصمت بھی برقرار رہنی چاہیئے
لعنت بریں عقیدہ باد۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تاویلات کی ضرورت کیوں؟

شیعی علماء کا اضطراب دیکھ کر اور بھانت بھانت کی بولیاں سُن کر آپ نے یہ اندازہ کر لیا ہوگا کہ اگر یہ ام کلثوم (رضی اللہ عنہا) حضرت علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ کی لختِ جگر اور نورِ نظر نہ ہوتیں، تو شیعی علماء پر مصائب و متاعب اور شدائد اور مشکلات و نوائب کے پہاڑ نہ ٹوٹتے اور انہیں اس قسم کی بیہودہ اور لغو تاویلات کا سہارا نہ لینا پڑتا کبھی جبر و اکراہ کی آڑ، کبھی تقیہ اور اخفائے حال کا بہانہ، کبھی فاروقی شدت و صلابت کو کم کرنے کا عذر، کبھی وقت اسلام کی ترویج و اشاعت کا پاس و لحاظ اور کبھی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت و مطاوعت میں سعی و کوشش، کہیں حضرت لوط علیہ السلام کے ساتھ موافقت و مطابقت کا اختراع، کسی وقت غصب خلافت پر اس رشتہ کے غصب کا قیاس کر کے خلاصی کی جدوجہد اور کبھی نجران سے منگوائی جانے والی جنی عورت کو ام کلثوم کی ہم شکل قرار دے کر اس کی شادی اور عقدِ تزویج کا مفروضہ قائم کرنا' اس امر کی بیّن بُرہان اور ناقابلِ تردید دلیل ہیں کہ یہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا' حضرت علی رضی اللہ عنہ کی لختِ جگر ہی ہیں اور آپ کی ہی نورِ نظر، ورنہ علماءِ شیعہ کے لئے اتنا ہی کہہ دینا کافی تھا کہ بیٹی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تھی اور خاوند عمر فاروق رضی اللہ عنہ بن گیا' جیسا باپ ویسا خاوند، مگر یہ جواب نہیں دیا جا سکا، بلکہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے منقول تمام تر روایات باہمی تخالف و تعارض کے باوجود صرف اس حقیقت پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ ام کلثوم حضرت امیر (رضی اللہ عنہا) کی نورِ چشم تھیں نہ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی۔

نیز یہ بھی واضح ہو گیا کہ صرف ڈھکو صاحب تو کیا' ان کے عمر بن اذینہ جیسے اسلاف اور قدیم شیعہ بھی اس دلیل و بُرہان کا جواب نہ دے سکے اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی بارگاہ سے اس اشکال کو حل کرانے کی کوشش کی' لیکن وہ تریاق بھی کارآمد ثابت نہ ہو سکا اور عوام اہل اسلام بلکہ عوامِ شیعہ کے سامنے بھی جو حقیقت ظاہر کی گئی وہ بھی یہی تھی کہ یہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا ہماری تھی اور ہم سے جبر و اکراہ کے ساتھ اس کا رشتہ لے لیا گیا۔ العیاذ باللہ!

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

عقدِ نکاح کی روایات کو موضوع کہنے کی لغویت

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز کی اور ہماری نقل کردہ روایات اور حوالہ جات سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ محمد بن یعقوب کلینی المتوفی ۳۲۹ھ سے لے کر صاحبِ ناسخ التواریخ اور صاحب طراز المذہب المظفری تک شیعی محدثین، متکلمین، مؤرخین اور دیگر علماء اس عقد کا ذکر کرتے چلے آتے ہیں اور اس کی مختلف توجیہات اور تاویلات بھی بیان کرتے چلے آئے ہیں اور ان کی کتبِ صحاح میں بھی اس عقد کے ثبوت و تحقق اور وقوع پر دلالت کرنے والی متعدد روایات موجود ہیں، بلکہ باب تزویج ام کلثوم کا مخصوص عنوان قائم کر کے ان کو ذکر کیا گیا ہے۔ ایسی صورت میں ان تمام روایات کو موضوع اور من گھڑت قرار دینا خود شیعہ مذہب کو ہی اختراعی اور افترائی مذہب قرار دینے کے مترادف ہے، کیونکہ مذہب کا دارومدار مذہبی کتابوں پر ہی ہوتا ہے اور وہ سب موضوع اور من گھڑت روایات پر مشتمل ہوں، تو پھر مذہب کا اثبات کس طرح ہو سکتا ہے؟

ہم تو بڑی فراخ دلی سے ان کی تمام تر روایات کو موضوع اور اختراعی اور افترائی ماننے کو تیار ہیں، مگر وہ خود سوچیں کہ کہیں مذہب کی بنیاد ہی تو ختم نہیں کر رہے؟ تحریفِ قرآن کی متواتر روایات جو دو ہزار سے زائد وہ بھی موضوع۔ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے عقدِ نکاح پر دلالت کرنے والی مستفیض اور مشہور روایات بھی سبھی موضوع صحابہ کرام علیہم الرضوان کے فضائل پر دلالت کرنے والی روایات بھی موضوع اور ناقابلِ اعتبار ہوں اور علیٰ ہذا القیاس تو پھر ان روایات پر محیط اور مشتمل مذہبی کتابوں پر کیا اعتماد و اعتبار ہو سکتا ہے اور جب مذہب کی بنیاد اِن پر قائم ہوئی تھی اور وہ بنیاد ہی منہدم اور معدوم ہو گئی، تو اس پر شیعہ مذہب کا تعمیر شدہ سارا محل ہی مسمار اور زمیں بوس ہو جائے گا، لہٰذا ان کو موضوع اور ناقابلِ اعتبار کہہ کر گلوخلاصی اور جان چھڑانے کی سعی اور کوشش بے سود اور بے ثمر و بے نتیجہ ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

رسالہ تنزیہ الامامیہ ص۱۳۳ تا ۱۳۸ علامہ محمد حسین ڈھکو صاحب

پیر صاحب آف سیال شریف نے اپنے رسالہ کے ص۷۵ پر دامادی عمر (رضی اللہ عنہ) کے افسانہ کا تذکرہ کر کے حضرت علی اور عمر فاروق (رضی اللہ عنہما) کے باہمی خوشگوار تعلقات ثابت کرنے کی سعیِ لاحاصل کی ہے، لیکن بچند وجہ اس مفروضہ عقد سے عمر کی فضیلت یا علی وعمر (رضی اللہ عنہما) کے باہمی تعلقات کے خوش گوار ہونے پر استدلال درست نہیں ہے۔

۱۔ اس سلسلہ کی جتنی روایات موجود ہیں، بتصریح علماء محدثین محققین ان میں سے کوئی ایک روایت بھی صحیح السند نہیں ہے، جس سے یہ بات واضح اور عیاں ہو جاتی ہے کہ اس قسم کا کوئی عقد نہیں ہوا۔ یہ محض ہی خواہانِ خلیفہ کا طبع زاد افسانہ ہے۔ ملاحظہ ہو، مرأۃ العقول۔

۲۔ مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ حضرت ابوبکر وعمر (رضی اللہ عنہما) نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا رشتہ طلب کیا، تو آپ نے فرمایا: (انہا صغیرۃ) یعنی وہ چھوٹی ہیں اور ان کی درخواست رد کر دی۔ کیا کوئی صاحبِ عقلِ سلیم ایک لمحہ کے لیے باور کر سکتا ہے کہ اسی صغیرۃ السن شاہزادی کو جن کی شادی بڑے ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوئی ہو اور ان کے بطنِ اقدس سے ایک بچی پیدا ہوئی ہو اور وہ بھی چھوٹی جگہ، جن کے بڑے ہونے پر ان کا رشتہ ساٹھ سالہ بوڑھے شخص عمر کو دے دیا جائے جو نسبی رشتے میں ان کا پڑنانا ہوتا ہو؟

۳۔ تمام شیعی کتب معتبرہ اور کتبِ معتمدہ میں مذکور ہے کہ جناب ام کلثوم دختر جناب امیر کا پہلا نکاح اپنے چچا زاد بھائی عون بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے ہوا۔

۴۔ پیغمبرِ اسلام کی وفات حسرت آیات کے بعد حضرت علی اور حضرت بتول رضی اللہ عنہا کو بالخصوص ظلم واستبداد کا نشانہ بنایا گیا اور ان مصائب وآلام کے ڈھانے میں عمر بن خطاب پیش پیش تھے، حتیٰ کہ انہی مصائب ونوائب کی تاب

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نہ لاکر خاتونِ جنّت وفاتِ پیغمبر کے پچھتر یا پچانوے دن بعد انتقال فرما گئیں، لہٰذا کیسے ممکن ہے کہ اسی زہرا (رضی اللہ عنہا) کی لختِ جگر کا رشتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ عمر بن الخطاب کو دیں؟

۵۔ اگر جناب عمر بن الخطاب کا رشتہ کسی ام کلثوم سے ہوا تھا تو وہ ام کلثوم یقیناً علی و بتول (رضی اللہ عنہما) کی لختِ جگر نہیں تھی، بلکہ دخترِ ابوبکر تھیں جو اسماء بنت عمیس کے بطن سے تھیں اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ربیبہ تھیں، لہٰذا مجازاً بیٹی کہلائیں اور بعض مورخین حقیقت و مجاز میں فرق نہ کرتے ہوئے مغالطہ کا شکار ہو گئے۔ حالانکہ وہ اصولِ روایت اور درایت کے خلاف ہے، اسی لیے کسی روایت میں اُم کلثوم کے نام کے ساتھ "مِنْ بَطْنِ فَاطِمَة" مذکور نہیں۔

۶۔ پیر صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ اُخروی فوز و فلاح اور نجات کا دارومدار ایمانداری پر ہے نہ کہ رشتہ داری پر۔

۷۔ پیر صاحب کو فروعِ کافی کی روایت میں مذکور لفظ "فرج" سے جو غصّہ آیا ہے تو پیر صاحب کی کوتاہ اندیشی ہے۔ اس کو اگر فتح راء سے پڑھ لیتے، تو ان کا سارا غصّہ ٹھنڈا ہو جاتا اور اگر سکون راء سے پڑھنے پر اصرار ہے، تو یہ لفظ متعدد جگہ قرآن مجید میں وارد ہے، لہٰذا جو فتویٰ ہم پر لگا رہے ہیں، وہ پہلے خداوند کی ذات پر لگائیں۔

تحفۂ حسینیہ — از ابوالحسنات محمد اشرف سیالوی

جواب الاوّل، علامہ ڈھکو صاحب نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دامادِ مرتضیٰ ہونے پر پیش کردہ روایات کا پہلا جواب یہ دیا کہ اس مضمون کی کوئی روایت صحیح نہیں ہے، خواہ کتبِ سُنیہ میں مذکور ہو یا کتبِ شیعہ میں اور یہ ایک افسانہ ہے، جس کو بہی خواہانِ خلیفہ نے اختراع کیا ہے، لیکن اس جواب میں چند امور غور طلب ہیں؛

۱۔ علامہ موصوف کو یہاں اہل السنّت کی کتابوں کے نام لینے کا کوئی حق نہیں تھا، اُن کی صحت کے ذمہ دار وہ خود ہیں، ڈھکو صاحب کو صرف اپنا دامن صاف کرنا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

چاہیے تھا، لیکن انہوں نے محض یہ دعویٰ کر کے ان روایات کا جواب دیا جو حضرت شیخ الاسلام نے ذکر فرمائی تھیں کہ اس مضمون کی کوئی روایت صحیح نہیں ہے اور کوئی حوالہ اور عبارت اس ضمن میں ذکر نہیں کی، حالانکہ محل نزاع اور مقامِ اختلاف میں اس قسم کے دعویٰ کا قطعاً اعتبار نہیں ہوتا، بلکہ اس قسم کے کھوکھلے دعوے کو عاجزی اور بے بسی کی دلیل تصور کیا جاتا ہے، جبکہ سابقہ صفحات میں ہم نے شیعی کتبِ معتبرہ سے اور مستند علماء کے حوالہ جات سے اس عقدِ نکاح کو مدلل انداز میں بیان کر دیا ہے۔

۲- ملا باقر مجلسی کی کتاب مرآۃ العقول کے نام کا حوالہ دے کر اور اس کی عبارت ذکر کیے بغیر اس فریضہ سے سبکدوش ہونے کی سعی فرمائی ہے، لیکن اسی علامہ مجلسی نے جہاں بناتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چار ہونے کی تصریح کی ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عقد میں یکے بعد دیگرے دو صاحبزادیاں آنے کی تصریح کی ہے، ڈھکو صاحب اور اُن کی روحانی برادری اس کی بروایاتِ معتبرہ بیان کردہ اس تحقیق کے قائل نہیں ہیں، تو اس کی تحقیق اس مسئلہ میں کیوں حرفِ آخر ثابت ہو گئی؟ یہ صرف میٹھا میٹھا ہڑپ اور کڑوا تھو والی بات ہے، ورنہ اس بے چارے کو علماء محققین میں کون شمار کرتا ہے؟

۳- اہل السنت تو بہی خواہانِ خلیفہ، بلکہ بہی خواہانِ خلفاء راشدین اور صحابہ کرام و اہل بیت عظام کے بھی بہی خواہ ہیں اور انہیں اس پر فخر ہے، لیکن آپ کے مذہب کی تو بنیاد ہی صحابہ کرام کے ساتھ بغض و عداوتِ شیخین اور کینۂ ذی النورین پر ہے، لہٰذا تمہاری کتابوں میں یہ افسانے کیسے اور کیونکر مذکور ہو گئے اور جنہوں نے انہیں ذکر کیا وہ علماء محدثین ہیں یا نہیں؟ اور تحقیق و تدقیق سے انہیں بھی کوئی تعلق ہے یا نہیں؟ کیا کافی، استبصار اور تہذیب الاحکام شیعہ کی صحاح اربعہ میں داخل نہیں ہیں؟ کیا ان کے لکھنے والے اہل سنت ہیں یا شیعہ کے اکابر محدثین؟

۴- اگر یہ روایات جن کو ایک مسئلہ پر بطورِ دلیل پیش کیا گیا ہے، صحیح نہیں ہیں، تو اس مسئلہ کا اثبات کیونکر ممکن ہوگا اور اس پر دوسری دلیل کونسی قائم کی گئی ہے؟ علامہ صاحب اگر صحاحِ اربعہ میں درج وہ روایات درست نہیں ہیں، جن سے خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کی باہمی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

محبت اور پیار ثابت ہوتا ہے، تو ان میں بلکہ ان سے بھی کمتر درجہ کی کتابوں میں مذکور عداوت اور دشمنی پر مشتمل روایات کیونکر صحیح ہوسکتی ہیں؟

کیا یہ امر عجائب روزگار سے نہیں کہ قول باری تعالیٰ، رُحَمَآءُ بَیۡنَهُمۡ کے مطابق جو روایات ہیں وہ توجیہ وٹی ہوں اور جو اس کے خلاف ہوں، وہ سچی ہیں! کیا تمہارے پاس روایات کی صحت کا ضابطہ اور معیار یہی ہے کہ جو قرآن مجید کے خلاف ہوگی وہ سچی اور صحیح ہوگی اور جو اس کے مطابق اور موافق ہوگی وہ موضوع اور من گھڑت ہوگی؟ تو آپ کی زبان میں ہی کیوں نہ کہہ دوں کہ

نے اصول محکم آید نے فروع   شرم باید از خدا و از رسول

آخر آپ کے اتنے بڑے محدث، اصولی اور متکلم ان روایات کی صحت اور درستگی سے بے خبر کیسے رہے؟ کہ انہوں نے دُور از کار تاویلات و تسویلات کے ذریعے اس عقد و نکاح کی صحت تسلیم کرنے کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت تسلیم کرنے سے انکار تو کیا، مگر یہ آسان طریقہ یعنی روایات کی صحت کے انکار والا اختیار نہ کیا، لہٰذا صاف ظاہر ہے کہ ان کے لیے روایات کی صحت اور درستگی میں بحث کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

جواب الثانی، علامہ ڈھکو صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کا رشتہ اس لیے نہ ملا کہ ان کی عمر شریف چھوٹی تھی، تو اُن کی لخت جگر ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا رشتہ کیسے مل گیا؟ جبکہ خاوند ساٹھ سالہ بوڑھا بھی ہو اور رشتہ سببی میں حضرت ام کلثوم کا پڑنانا بھی ہو؟

۱۔ ماشاء اللہ! یہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کسی نہ کسی پہلو سے حضرت ام کلثوم کا پڑنانا تسلیم کرلیا گیا اور وہ پڑنانا نے اس صورت میں بنے، جب انہیں حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی نانا تسلیم کرایا جائے اور اُن کے نانے تب بن سکتے ہیں، جب انہیں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی بیٹی تسلیم کیا جائے اور قول باری تعالیٰ، "وَأَزۡوَاجُهُۥٓ أُمَّهَٰتُهُمۡ" میں دیگر مومنین کے ساتھ انہیں بھی شامل کیا جائے اور جب حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے لئے ازواج مطہرات کا مائیں ہونا تسلیم ہوگیا، تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر ائمہ کرام کے لیے بھی انہیں امہات تسلیم کرنا لازم تھا اور حضرت عمر بلکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما کو ان سب کا نانا تسلیم کرنا لازم

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ٹھہرا۔ الغرض جب حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے عقدِ نکاح کا سوال سامنے آیا تو یہ سب رشتے اور نسبتیں سمجھ میں آگئیں اور واجب التسلیم بھی ٹھہریں، لیکن خلافت اور فدک وغیرہ کا سوال سامنے آئے، تو یہ تعلقات اور رشتہ داریاں نظروں سے فوری طور پر اوجھل ہو جاتی ہیں ع ناطقہ سربگریباں ہے اِسے کیا کہیے ـــــــ مگر سوال یہ ہے کہ کیا یہ سببی رشتے اس عقدِ نکاح میں مانع ہو سکتے ہیں؟

۲۔ نیز کیا عمر کا تفاوت نکاح کے جائز ہونے میں مانع ہے۔ جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی ہوئی تھی، تو اُس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کتنی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف کتنی تھی؟ اگر وہاں پر چھ گنا عمر زیادہ ہونے کے باوجود ازدواجی تعلقات درست تھے تو یہاں کیونکر درست نہیں ہو سکتے؟ کیونکہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا تولد ۷ھ ہجری سے قبل تسلیم کرنا ضروری ہے، کیونکہ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے وقت بقولِ شیعہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے بطنِ اقدس میں حضرت محسن رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ اور بقول ڈھکو صاحب جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کا رشتہ طلب کیا تو اس وقت اُن کی عمر ساٹھ سال تھی، تو اس طرح حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کی عمر شریف اُس وقت کم از کم گیارہ سال ضرور ہو گی، جس کا تناسب فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی عمر سے اس سے بھی کم ہے جو کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وازواجہ واصحابہٖ وبارک وسلم کی عمر شریف میں تھا، لہٰذا اس کو از روئے عقل و درایت رد کرنا اپنی بے عقلی اور درایت سے محرومی کو ثابت کرنا ہے۔

۳۔ نیز حقیقت یہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ رشتہ طلب کیا۔ اس وقت آپ کی عمر چوراون ۵۴ سال تھی، کیونکہ آپ کا عقدِ نکاح سترہ ہجری کو حضرت ام کلثوم کے ساتھ ہوا تھا اور ام کلثوم کے لیے فاروقِ اعظم (رضی اللہ عنہما) کی وفات کی صورت میں دوسری جگہ نکاح کرنا جائز بھی تھا، جبکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لیے یہ جواز بھی موجود نہیں تھا کما قال اللہ تعالیٰ، ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہٖ ابداً۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ابداً۔ لہٰذا عقلی یا شرعی لحاظ سے کوئی وجہ اس نکاح کے ناجائز ہونے کی موجود نہیں تھی

۴۔ بحوالہ مشکوٰۃ شریف حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے صغیرہ ہونے کا جو ذکر کیا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری نسبت بہت چھوٹی ہیں نہ کہ یہ ابھی آپ بالغ نہیں ہوئیں، جیسے کہ ڈھکو صاحب نے سمجھا اور کہا اسی صغیر السن شہزادی کی شادی بڑے ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوئی، کیونکہ یہ عرضداشت ان حضرات کی طرف سے مدینہ منورہ میں کی گئی تھی اور بوقتِ وصال آپ کی عمر مبارک اٹھائیس سال تھی، اور صرف چھ ماہ تک وصالِ نبوی کے بعد بقیدِ حیات رہیں اور ۲ھ ہجری میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ شادی بھی ہو چکی، تو اس طرح صغیرہ ہونے کا مطلب نابالغہ ہونا کیونکر ہو سکتا ہے؟ بلکہ حقیقتِ حال یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا رشتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دینا چاہتے تھے اور ان حضرات نے بھی آپ کی مرضی معلوم کر لی تھی۔ اس لیے انہوں نے آپ کو ہر قسم کے مالی تعاون کی پیشکش کر کے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں بھیجا اور رشتہ کے لیے عرض کرنے پر مجبور کیا، تو آپ انہیں کے مشورہ پر حاضر بارگاہ ہوئے اور اس سعادت سے بہرہ ور ہو گئے اور اس کی تائید ان روایات سے ہوتی ہے، جن میں ان حضرات کے عرض کرنے پر آپ کا جواب اس طرح منقول ہے کہ ابھی اللہ تعالیٰ کی قضا اور حکم نازل نہیں ہوا۔ الغرض اس روایت کا ہرگز ہرگز یہ مطلب نہیں کہ از روئے عقل یا شرع یہ ازدواجی تعلق جائز نہیں تھا۔ ہاں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مرضی معلوم کرنے کے بعد اصرار کی گنجائش نہیں تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ برادرانہ روابط کی وجہ سے بے تکلفی تھی، لہٰذا اس اعزاز کے حصول پر بہت زیادہ رغبت اور دلچسپی کا اظہار کیا اور آپ نے بھی حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو اس شرف سے مشرف فرمایا۔ ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ۔

جواب الثالث: علامہ ڈھکو صاحب فرماتے ہیں کہ تمام شیعی کتب معتبرہ میں ہے کہ پہلا عقد حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا حضرت عون بن جعفر رضی اللہ عنہما سے ہوا تھا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

۱۔ ہمیں یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ وہ کونسی معتبر کتابیں ہیں اور نہ ہی علامہ موصوف نے ان کا نام بتانے کی زحمت گوارا کی ہے، حسب عادت مقام نزاع میں صرف دعوٰی پر اکتفا کر دیا ہے جو قطعاً قابل التفات نہیں۔ جب ان کی صحاح اربعہ ان کے نزدیک معتبر نہیں، تو دوسری کیسے معتبر ہو گئیں ؟

۲۔ نیز اس پر کیا دلیل ہے کہ ان فرضی معتبر کتابوں میں عقد اول کے الفاظ سے مراد اولیت حقیقیہ ہے ؟ اولیت اضافی کیونکر مراد نہیں ہو سکتی، جبکہ لفظ اول کا اس معنی میں استعمال بھی معروف و مشہور ہے، لہٰذا اول حقیقی وہ نکاح ہو جو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا اور اول اضافی وہ ہو جو کہ حضرت عون بن جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا، بشرطیکہ وہ ثابت بھی ہو۔

۳۔ ڈھکو صاحب فرماتے ہیں کہ آپ کا پہلا عقد حضرت عون بن جعفر سے ہوا تھا، جبکہ قاضی القضاۃ نور اللہ شوستری صاحب "مجالس المومنین" میں تصریح کرتے ہیں کہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا تھا اور ان کے وصال کے بعد پہلا نکاح حضرت محمد بن جعفر کے ساتھ ہوا تھا، لکھتے ہیں،

محمد بن جعفر بعد از فوت عمر بن الخطاب بشرف مصاہرت امیر المومنین علیہ السلام مشرف گشتہ ام کلثوم را کہ با عدم کفارت از روئے اکراہ در حبالہ عمر بود تزویج نمود یعنی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد محمد بن جعفر رضی اللہ عنہما حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے ساتھ شادی کر کے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے شرف دامادی سے مشرف ہوئے جو کہ قبل ازیں باوجود کفو نہ ہونے کے محض اکراہ و اجبار کی وجہ سے عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) کے عقد نکاح میں تھیں۔ (مجالس المومنین جلد اول ص ۱۹۵)

الغرض واضح ہو گیا کہ اول حقیقی وہ عقد نکاح ہے جو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہوا اور اس کے بعد اول عقد محمد بن جعفر والا ہے جیسے کہ قاضی نے کہا یا حضرت عون والا جیسے ڈھکو نے دعوٰی کیا، اس لیے اس جواب سے حضرت عمر اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے عقد کی نفی نہیں ہو سکتی اور نہ اس کے انکار کی کوئی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

صورت نکل سکتی ہے اور تمام کتب معتبرہ کا لفظ ذکر کر کے علامہ ڈھکو صاحب نے اپنی روایتی خیانت اور فریب کاری کا مظاہرہ کیا ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ شیعی کتب معتبرہ میں اس کے سراسر خلاف اور برعکس مذکور ہے جیسے ہم نے قاضی نور اللہ کی کتاب سے ثابت کیا ہے

جواب الرابع، علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ حضرت علی اور حضرت بتول پر بے شمار ظلم و ستم ڈھائے گئے، جن میں عمر بن الخطاب پیش پیش تھے، لہذا یہ کیسے ممکن ہے کہ اسی زہرا رضی اللہ عنہا کی لخت جگر کا رشتہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو دیں

جواباً گزارش ہے کہ ہم اس عقد تزویج اور نکاح و شادی کو پیش ہی اس لیے کرتے ہیں کہ تمہارے ظلم و ستم اور تعدی و استبداد کے متعلق تراشے ہوئے سارے افسانے اور داستانیں بے بنیاد اور لغو بیہودہ ثابت ہوں کہ اگر ان میں کوئی صداقت ہوتی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کو حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی لخت جگر کا رشتہ کیونکر دیتے، لہذا یہ عمل اور اس قدر قریبی تعلق، بلکہ تعلقات کی سب سے اعلیٰ صورت اور نوعیت اس امر کی بین دلیل اور ناقابل تردید برہان ہے کہ وہ افسانے جناب کے طبع زاد اور خود ساختہ ہیں اور صرف عبداللہ بن سبا یہودی کی فتنہ پردازی کے ثمرات و نتائج ہیں۔

قبل ازیں ابن ابی الحدید شیعی معتزلی شارح نہج البلاغۃ کے حوالہ جات سے یہ تصریح نظر نواز ہو چکی ہے کہ اس قسم کی روایات کے ساتھ صرف شیعہ منفرد ہیں۔ دوسرے تمام اسلامی فرقے ایسی روایات کو نہ ذکر کرتے ہیں اور نہ ہی ان کے قائل اور معترف ہیں اور شیعہ کی ان مقدس ہستیوں کے ساتھ عداوت اور کینہ وری روشن اور واضح ہے، لہذا کلام العدیٰ ضرب من الهذیان کے مطابق وہ سب ناقابل اعتبار اور نالائق اعتداد ہیں، اس لیے ان طبع زاد اور خود تراشیدہ افسانوں کو یہاں پیش کر کے شیعی علماء کا ان روایات اور تصریحات کو غلط اور موضوع قرار دینے کی کوشش کرنا جو ان کی انتہائی معتمد علیہ اور صحاح میں موجود ہیں بالکل بے جوڑ ہے اور اس عقد تزویج کا اس حیلے بہانے سے انکار کرنا بالکل غلط اور بے سود ہے، بلکہ جب شیعہ کی معتبر کتابوں سے اس کا ثبوت مل گیا اور جمہور اہل اسلام کے نزدیک

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

صحابہ کرام کے بالعموم اور حضرت عمر اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے بالخصوص برادرانہ اور دوستانہ تعلقات ایک مسلّم حقیقت قرار پاتے، تو اس عقد کا سراسر حقیقت ہونا اور ظلم و تعدی کا سراسر افسانہ بلکہ بہتان ہونا واضح طور پر ثابت ہو گیا۔

۲۔ نیز علامہ موصوف نے فرمایا کہ انہیں مصائب و نوائب کی تاب نہ لا کر حضرت زہرا رضی اللہ عنہا وصال فرما گئیں' یہ کس قدر بے عقلی اور کج فہمی کا مظاہرہ ہے کہ سید العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کا صدمہ تو آپ کے لیے جاں لیوا ثابت نہ ہوا، صرف فدک (جس کے نہ ملنے کے باوجود اموالِ غنیمت وغیرہ سے حصص اور معقول وظائف ملتے رہے) ان کے حاصل نہ ہونے کا غم اس قدر ناقابلِ برداشت ہو گیا کہ اسی وجہ سے آپ کا وصال ہو گیا، حالانکہ فدک بھی دنیوی معاملہ اور جو خلافت بقولِ شیعہ غصب ہوئی وہ بھی دنیوی معاملہ تھا، علاوہ ازیں اس کا تعلق بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذاتِ مقدسہ سے تھا نہ کہ آپ سے، لیکن اس فانی دنیا کے ہاتھ سے نکل جانے پر آپ اس جہاں سے بھی بیزار ہو کر دوسرے جہان کو سفر کر جائیں ع ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

جن کے غلاموں کے غلام تخت و تاج چھوڑ کر اور آبائی ورثہ کو ترک کر کے خلوتوں میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرنے میں مصروفیت و مشغولیت کو سعادتِ دارین سمجھیں جیسے کہ حضرت ابراہیم بن ادھم رضی اللہ عنہ بلکہ آپ کے لختِ جگر نورِ نظر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اتنی عظیم سلطنت کو چھوڑ کر امت میں اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کی سعی فرمائیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غیبی خبر کو سچا کر دکھائیں "ان ابنی ھذا سید لعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین من المسلمین عظیمتین" ان کی امی جان اس قدر محدود مال اور محدود حکومت ہاتھ سے نکل جانے پر اس قدر اندوہناک ہو جائیں کہ آپ کی موت واقع ہو جائے —— لعنت بریں عقیدہ باد!

ڈھکو صاحب! بغضِ صحابہ کرام تو تمہاری مجبوری ہے مگر اہلِ بیت کرام کو اس قدر عبدِ دنیا بنا ڈالنے میں اہلِ بیت کرام کے ساتھ کونسی محبت اور مودت اور اخلاص و ہمدردی کا اظہار رہے؟ جن کے ابا جان کو کونین کی حکومت و سلطنت پیش کی جائے مگر

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

وہ فقر و مسکنت کو ترجیح دیں اور اسے اختیار فرمائیں۔ ان کے مقدس خمیر سے پیدا ہونے والی بتول اور ان کے انوارِ علم اور تجلیاتِ عرفان کی امین فاطمہ میں دُنیا کی محبت کا کوئی امکان ہو سکتا ہے؟ اور پھر فاطمہ اور بتول کے معنی پر ہی غور کر لیجئے۔ وہ ان القاب اور اسما سے موسوم ہیں تو دنیوی بے رغبتی اور دُنیا سے بے تعلقی کی وجہ سے ہی تو پھر دنیوی محبت اور محبت اور حرص اور یہ القاب و اسماء جمع کیونکر ہو سکتے ہیں؟

۳۔ نیز علامہ ڈھکو صاحب کا اس عقدِ نکاح کو اس دلیل و بُرہان سے رد کرنا ان کی درایت ہے، جبکہ شیعی علماء نے اپنی درایت کے مطابق اس عقدِ نکاح کو بھی ظلم و استبداد کی اسی لڑی میں پرو دیا اور اسے بھی غصبِ خلافت پر قیاس کر لیا تو فرمائیں ڈھکو صاحب کی درایت قابلِ قبول ہے جو اپنی تمام معتبر مذہبی کتابوں میں مندرج اور مُسلّم روایات کے انکار پر مبنی ہے یا دیگر علماء شیعہ کی درایت جو ان روایات کی صحت اور درستگی تسلیم کرنے پر مبنی ہے۔ الغرض ڈھکو صاحب کا یہ جواب سراسر تحکم اور سینہ زوری ہے اور اپنے علماء کو بلکہ ائمہ کرام کو جھٹلانے کی مذموم سعی اور جدوجہد ہے۔

جواب الخامس: علامہ ڈھکو صاحب فرماتے ہیں جس ام کلثوم نامی عورت کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نکاح ہوا وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں جو کہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئی تھیں اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ربیبہ تھیں اور اُن کے زیرِ تربیت رہیں اس لیے مجازی طور پر بیٹی کہلائیں، کیونکہ انہی حضرت اسماء کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نکاح کر لیا تھا۔ لیکن یہ جواب بھی بوجوہ غلط اور بیہودہ ہے۔

۱۔ علامہ موصوف کو یہ خیال نہ رہا کہ حضرت امِ کلثوم بنتِ علی (رضی اللہ عنہا) کا تولد ۱۰ھ ہجری سے قبل تسلیم کرنا ضروری ہے کیونکہ علماء شیعہ اس پر متفق ہیں کہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے بطنِ اقدس میں حضرتِ محسن اس وقت موجود تھے، جب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تھا، جبکہ امِ کلثوم بنتِ ابوبکر رضی اللہ عنہا کی ولادت ۱۳ھ ہجری میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ہوئی، تو اندریں صورت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جو اُمِ کلثوم چار پانچ سال کم از کم بڑی ہیں، جب اُن کا نکاح ساٹھ سالہ بوڑھے عمر (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ از رُوئے درایت جائز نہیں تھا۔ تو اس سے کم از کم چار پانچ سال چھوٹی ام کلثوم کا نکاح اس بوڑھے شخص کے ساتھ کیونکر جائز ہو گیا؟

ڈھکو صاحب یہ جواب دیتے وقت آپ کی درایت کدھر گئی جو بنتِ علی رضی اللہ عنہا کے نکاح کو محال اور ناممکن بنا رہی تھی؟ اَفَلَیْسَ مِنْکُمْ رَجُلٌ رَّشِیْد۔

۲- اگر حضرت عمر کی منکوحہ ام کلثوم حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہم) کی صاحبزادی ہوتیں تو شیعہ علماء کو یہ تاویلات و تسویلات گھڑنے کی کیا ضرورت تھی کہ اُم کلثوم بنتِ علی حضرت عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہم) کے گھر نہیں گئی تھیں، بلکہ ان کی ہم شکل سحیقہ جنیہ عورت گئی تھی۔ حضرت امیر علیہ السلام نے محض ظاہری اسلام کی وجہ سے ان کو یہ رشتہ دے دیا تھا، اگرچہ حقیقت میں ان کو مومن نہیں سمجھتے تھے۔ اگر خلافت جیسا اہم منصب آپ سے غصب ہو گیا اور آپ مجبوراً خاموش رہے تو اس رشتہ کے غصب ہو جانے میں کونسی تعجب کی بات ہے وغیرہ وغیرہ۔ لہٰذا روزِ روشن کی طرح ظاہر ہوا کہ وہ ام کلثوم بنتِ علی ہی تھیں نہ کہ بنتِ ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہم)

۳- اگر وہ اُمِ کلثوم بنتِ صدیق (رضی اللہ عنہا) تھیں، تو پھر اہل السنت کے جواب میں سید مرتضیٰ اور ابو جعفر طوسی جیسے شیعی متکلم اور محدث کیوں پیچ و تاب کھاتے دکھائی دیتے ہیں اور قرآن و سنت کے برعکس حضرتِ علی رضی اللہ عنہ کے اس فعل کو دلیل بناتے ہوئے کفار کے ساتھ نکاح کو کیوں جائز قرار دیتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ سیدھی سی بات تھی کہ جیسا اُس کا باپ ویسا ہی اُس کا خاوند، لہذا حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کو اس پر کیا اعتراض ہو سکتا تھا؟

۴- علامہ ڈھکو صاحب فرماتے ہیں بعض مورخین مغالطہ کا شکار ہو گئے اور اُم کلثوم بنتِ ابو بکر کو حضرت علی (رضی اللہ عنہم) کے ہاں تربیت پانے کی وجہ سے بنتِ علی سمجھ لیا، مگر یہ سراسر دھوکہ بازی اور فریب کاری ہے۔ کیا محمد بن یعقوب کلینی صاحب بھی مورخ ہیں اور ابو جعفر طوسی صاحب بھی۔ کیا حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ بھی انہیں

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مغالطہ کا شکار ہونے والے مؤرخین میں شامل ہیں؛ جنہوں نے اس رشتہ کے غصب کیے جانے کا بقولِ شیعہ اقرار فرمایا ہے۔

از روئے درایت و روایت اُمِ کلثوم بنتِ علی کے نکاح کا ثبوت

ڈھکو صاحب! آپ فراڈ بازی اور مکاری سے کام نہ لیں، اپنی کتبِ حدیث میں سے صحاح کو چھوڑ کر دوسری طرف کیوں بھاگتے ہو، جبکہ کافی تمہارے نزدیک مسلّم ہے اور تمہارے محدث کلینی کا دعویٰ ہے کہ اس پر مُہرِ تصدیق لگاتے ہوئے امام غائب حجۃ اللہ المنتظر نے فرمایا، ھٰذا کاف لشیعتنا۔ الغرض از روئے روایت و درایت تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ حضرت عمر کی منکوحہ ام کلثوم حضرت علی رضی اللہ عنہم کی ہی لختِ جگر اور نورِ نظر تھیں، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اگر رغبت اور دلچسپی ہو سکتی تھی، تو دینی لحاظ سے بھی حضرتِ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رشتہ داری میں ہی ہو سکتی تھی جیسے کہ طراز المذہب المظفری میں ص ۴۸، ۵۱، ۶۰ پر مذکور و منقول ہے کہ انہوں نے کہا میں نے رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا، کل حسب و نسب ینقطع یوم القیامۃ الا حسبی و نسبی ۔یعنی قیامت کے دن تمام حسبی اور نسبی رشتے منقطع ہو جائیں گے سوائے میرے حسبی اور نسبی تعلق کے ۔ اور حسبی تعلق میں تو پہلے سے شامل ہوں، لہٰذا نسبی تعلق میں بھی مجھے شریک کرلو تاکہ قیامت کے دن مجھے اس سے فائدہ پہنچ سکے اور دُنیوی لحاظ سے رغبت ہو سکتی تھی تو بھی آپ کے ہی رشتہ میں تاکہ بنو ہاشم اور بنو عبد مناف کا تعاون حاصل ہو جاتے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اس رشتہ کے حاصل ہو جانے کے بعد خلافت پر مہرِ تصدیق بھی لگ جائے اور کسی کو تنقید و اعتراض کا موقعہ ہی نہ مل سکے ۔ نیز حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی کبیدگی اور ناراضگی وغیرہ کے افسانے بھی اس صورت میں ختم ہو کر رہ جاتے تھے، لہٰذا از روئے روایات اور درایت و قیاس یہ رشتہ یقیناً ام کلثوم بنتِ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما کا ہے نہ کہ ام کلثوم بنتِ ابوبکر رضی اللہ عنہما کا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

۵ - علامہ موصوف نے اپنے مفروضہ پر یہ قرینہ قائم فرمایا کہ بنت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ کہیں بھی ام کلثوم کے نام کے ساتھ بنت فاطمہ یا من بطن فاطمہ موجود نہیں ہے مگر یہ بھی جناب والا کی دھوکہ بازی اور فریب کاری ہے، کیونکہ اگر بنت فاطمہ رضی اللہ عنہا وغیرہ اس نام کے ساتھ مذکور نہیں تو بنت اسماء وغیرہ بھی کہیں مذکور نہیں ہے تاکہ اس کو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہونے والی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی تسلیم کیا جائے۔ جو جواب باصواب اس لفظ کے مذکور نہ ہونے کے باوجود ام کلثوم بنت اسماء رضی اللہ عنہا کی طرف سے ہوگا وہی جواب ام کلثوم بنت فاطمہ رضی اللہ عنہا مذکور نہ ہونے کا بھی ہوگا۔ لہذا علامہ صاحب کے ایسے بے ہودہ اور بے وزن اور بے مقدار بے اعتبار قرائن کے ذریعے حقائق اور حقیقت کو چھوڑ کر مجاز کی طرف رجوع کیونکر کیا جا سکتا ہے نیز اگر اس قسم کے بے بنیاد توہمات کی بنا پر حقیقت کو ترک کیا جائے تو پھر کسی بھی حقیقت کے اثبات کا امکان ہی نہیں رہے گا، ہر مخالف کوئی نہ کوئی عقلی یا نقلی قرینہ بزعم خویش تیار کر ہی لے گا۔

الحاصل عبارات کے صریح مفہوم اور نصوص کے متبادر الی الفہم معانی و مفاہیم پر ہی دارومدار ہوگا اور بلا دلیل قطعی اور بغیر احتمال ناشی عن الدلیل کے حقیقت سے عدول و انحراف کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی اور طراز المذہب المظفری میں بیس صفحات پر پھیلی ہوئی ام کلثوم کے نکاح کی بحث میں شیعی اور سنی کتابوں کے حوالہ جات سے اس امر کی تصریح کی ہے اور اس تصریح و توضیح پر مشتمل متعدد روایات نقل کی ہیں کہ حضرت عمر کی منکوحہ ام کلثوم حضرت علی رضی اللہ عنہم کی ہی لخت جگر تھیں، مگر ڈھکو صاحب نے نہ اس کو دیکھنے کی زحمت گوارا کی ہے اور نہ اس میں مندرج حوالہ جات کے جواب کی۔

۶ - نیز حقیقت واقعیہ یہ ہے کہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کوئی بیٹی پیدا ہی نہیں ہوئی تھی، بلکہ صرف ایک بیٹا محمد بن ابی بکر پیدا ہوا تھا، تو وہ ام کلثوم جو حضرت اسماء کے بطن سے پیدا ہی نہیں ہوئی تھی، وہ حضرت اسماء کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح کے بعد

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اُن کی ربیبہ کیسے بن گئیں اور بطورِ مجاز اس کو بیٹی کیسے کہہ دیا گیا اور مغالطہ کیسے لگ گیا۔ کیا عقل وخرد کی دُنیا میں اس اندھیر گردی اور فریب کاری کی کوئی مثال مِل سکتی ہے؟

اسلام میں رشتہ داری کا دارومدار ایمانداری پر ہے

جواب السادس: علامہ ڈھکو صاحب فرماتے ہیں کہ پیر صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ اخروی فوز و فلاح اور نجات کا دارومدار ایمان داری پر ہے نہ کہ رشتہ داری پر۔ یہ بھی علامہ موصوف کی کوتاہ اندیشی یا بدباطنی پر مبنی جواب ہے، بلکہ مغالطہ دینے کی کوشش۔ پیر صاحب کو تو معلوم تھا اور اُن کے مریدین کو بھی، مگر تمہیں اور تمہاری قوم کو معلوم ہونا چاہیے کہ مجوسی اور یہودی مذہب کے احکام اب لاگو نہیں ہو سکتے۔ اسلام میں جنگِ بدر کے بعد سے کفار کے ساتھ باہمی نکاح کو ناجائز قرار دے دیا گیا تھا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ۔ "یعنی مشرکین اور کفار مردوں کے لیے مومن عورتیں حلال نہیں اور نہ مشرک اور کافرہ عورتوں کے لیے مومن مرد حلال ہیں۔" نیز فرمایا: وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ۔ کافر عورتوں کو اپنے عقدِ زوجیت میں نہ رکھو اور اہلِ کتاب لوگوں کے ساتھ بھی رشتہ داری کی فقط یہ صورت جائز اور مباح رکھی گئی کہ ان کی عورتوں سے مسلمان مرد نکاح کر سکتے ہیں لیکن اہلِ کتاب مردوں کے ساتھ مسلم عورتوں کا نکاح جائز نہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ "وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ"۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ مومنہ عورت کے لیے مومن مرد ہی خاوند بننے کا حق رکھتا ہے اور ایسے رشتہ کا دارومدار صرف اور صرف ایمان داری پر ہے اور جہاں پر ایمان داری نہیں ہو گی وہاں پر رشتہ داری بھی نہیں ہو سکتی بالخصوص جہاں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جیسا عظیم المرتبت انسان اور متشدد شیعہ سوا خلق رشتہ داری قائم کر رہا ہو، تو اس جگہ ایمان داری کو تسلیم نہ کرنا بے ایمان و بے دین شخص کا ہی کام ہو سکتا ہے۔ کوئی بھی ایماندار شخص ایسی بات زبان پر نہیں لا سکتا۔

اور تعجب کی بات یہ ہے کہ شیعہ مذہب میں شراب خور کے ساتھ مومنہ عورت کا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نکاح درست نہیں ہے جیسا کہ ان کی صحاح میں اس کی تصریح موجود ہے تو کیا غصبِ خلافت اور غصبِ فدک بلکہ نفاق اور ارتداد کو شراب جتنی اہمیت بھی نہیں دیتے تھے؟ کہ شرابی کے ساتھ نکاح تو حرام ہو مگر غاصبِ خلافت و فدک اور منافق و مرتد کے ساتھ مناکحت اور رشتہ داری جائز ہو۔ باوجود اس منافقت اور ارتداد کا قطعی علم ہونے کے۔ حاشاہم اللہ تعالیٰ عن ذالک۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان کو صرف مخلص مومن ہی نہیں سمجھتے تھے، بلکہ اس امت سے افضل ترین اور اپنے لئے قابلِ رشک اعمال نامے والی شخصیت تسلیم کرتے تھے۔ کما سبق۔

جواب السابع، علامہ ڈھکو صاحب فرماتے ہیں، پیر صاحب کو فروعِ کافی میں منقول لفظ فرج پر بہت غصہ آیا ہے، لیکن یہ اُن کی کوتاہ اندیشی ہے، اس کا معنی کشائش اور فراخی ہے اور اس کو راو کی زبر کے ساتھ پڑھا جانا چاہیے۔ مگر اس میں بھی علامہ صاحب نے محض ہیرا پھیری سے کام لیا ہے۔

۱۔ سُبحان اللہ العظیم! جب عنوان ہے "باب تزویج ام کلثوم" تو اس جگہ کشائش اور فراخی کا معنی کیونکر مراد ہو سکتا ہے اور سکون راء کی بجائے فتح راء کے ساتھ پڑھنے کا امکان کیا ہے؟ کیونکہ آپ اس رشتہ کے بخوشی اور برضاء ورغبت ہونے یا جبر و اکراہ کے ساتھ اس کے وقوع پذیر ہونے کو بیان کرنا چاہتے تھے، دوسری کسی فراخی عیش اور کشائشِ رزق کے چھن جانے کا تذکرہ ہی بے محل اور نامناسب تھا۔

۲۔ نیز خلافت اور فدک وغیرہ بقولِ شیعہ پہلے غصب ہو چکے تھے اور اس غم اور رنج والم کی وجہ سے بقول ڈھکو صاحب حضرت سیدہ زہرا طاہرہ رضی اللہ عنہا اس جہان کو بھی الوداع فرما گئی تھیں اور یہ رشتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ سترہ ہجری میں یعنی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد ساتویں سال طے ہوا، تو اتنے عرصہ بعد کہنا کہ یہ پہلی فراخی اور کشائش تھی جو ہم سے غصب کر لی گئی، سارے شیعی مذہب پر پانی پھیرنے کے مترادف ہے، کیونکہ اس طرح غصبِ خلافت و فدک کا دعویٰ بھی غلط ہو گیا اور حضرتِ زہرا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر ظلم و ستم اور جبر و استبداد کے افسانے بھی بے بنیاد

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہوکر رہ گئے۔ علامہ صاحب کی درایت ودانش اور فہم وفراست کا بھانڈا بھی چوراہے میں پھوٹ گیا کہ چند سطر قبل جو کچھ ظلم وستم اور غصب وغیرہ کے دعوے کیے تھے، وہ یہاں پہنچنے تک فراموش ہو گئے ؏ بریں عقل ودانش بباید گریست

الغرض یہ تاویل سراسر بے جوڑ اور بے محل ہے، بلکہ صرف اور صرف ذہنی عیاشی ہے، جس پر حضرت شیخ الاسلام کو اعتراض ہے اور علامہ ڈھکو صاحب جیسے علماء کی تاویلات کو دیکھ کر اور سن کر علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے فرمایا ؎

وائے تاویل شاں در حیرت انداخت خدا و جبریل و مصطفیٰ را!

۳۔ نیز علامہ صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ پیر صاحب قدس سرہ کو ناراضگی غصب کے لفظ سے بھی ہے کہ یہ وہ رشتہ ہے جو ہم سے غصب کر لیا گیا ہے، کیونکہ رشتے غصب کرا کر خاموش ہو کر بیٹھ رہنا غیرت مند لوگوں کا کام نہیں ہوتا، لہذا ایسی مقدس ہستیوں اور بلند وبالا مراتب ودرجات پر فائز حضرات کے متعلق اس قسم کے الفاظ استعمال کرنے والا یقیناً محبت ومودت سے ہی نہیں، بلکہ ایمان واسلام سے بھی محروم ہے اور وہ شخص اہل بیت کرام کا بدترین دشمن ہے، مگر لباسِ محبت میں۔ اور ایسا دشمن سب دشمنوں سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔

۴۔ نیز محض فرج کے لفظ استعمال کرنے پر غصہ ہو تو بھی بجا ہے۔ رہا قرآن مجید میں اس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے استعمال تو اس کو وجہ جواز بنانا قطعاً درست نہیں کیونکہ عمومی تعبیر میں اس کا استعمال علیحدہ امر ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: والذین هم لفروجهم حافظون ہ اور بالخصوص اہل بیت کرام میں اس کو استعمال کرنا اور وہ بھی بروایتِ شیعہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف سے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی لختِ جگر کے حق میں اور اپنے پردادے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ کے حق میں قطعاً قابل قبول اور لائقِ تسلیم نہیں ہے اور اگر قرآن مجید میں حضرتِ مریم علیہا السلام کے حق میں اس کو استعمال کیا گیا ہے تو وہ مقام ضرورت میں ہے اور کچھ بھی ہو، بندے کو اپنی سطح پر رہ کر سوچنا لازم ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے مقام پر اپنے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

آپ کو پہنچا کر۔

اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں اپنی شانِ الوہیت و صمدیت کے تحت اگر ایسے کلمات استعمال فرمادے جو اُس کی شانِ بے نیازی کے لائق ہوں تو ہمارے لیے ان کو سندِ جواز بنا لینے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ ایک ہمارا خدا دوسرے ہمارے نبی و رسول، ہم پر دونوں کی تعظیم و تکریم فرض ہے، لہذا ہمیں اپنے حدود میں رہ کر الفاظ استعمال کرنا لازم ہے۔ الغرض اول فرج غصبناہ کا جملہ غصب اور فرج دونوں کے لحاظ سے سخت بے ادبی ہے اور انتہائی قابلِ اعتراض اور ناقابلِ برداشت، لیکن اہلِ ایمان، اہلِ ادب اور اربابِ نیاز کے لیے اور جو لوگ محبت کے دعویٰ کی آڑ میں بے ادبی اور گستاخی کرنے پر تلے ہوئے ہوں، بلکہ ادھار کھائے بیٹھے ہوں، اُن کے لیے ایسے جملوں میں کیا خرابی اور سقم اور اساءت و بے ادبی ہو سکتی ہے؟ بلکہ انہیں تو شادمانی اور فرحت بھی اسی وقت حاصل ہوتی ہوگی، جب اس طرح کے وہ الفاظ استعمال کرتے ہوں گے۔

علامہ مجلسی کا مذہب اور ڈھکو صاحب کا کِذب

علامہ ڈھکو صاحب نے ان روایات کو موضوع اور من گھڑت کہہ دیا، جن سے حضرت ام کلثوم اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا عقدِ تزویج ثابت ہوتا تھا اور حوالہ علامہ مجلسی صاحب کا دے دیا۔ ہم اسی مجلسی صاحب کے حوالے سے ڈھکو صاحب کے اس دعویٰ کی لغویت اور بطلان ثابت کیے دیتے ہیں اور اس دروغ بے فروغ کا پردہ چاک کرتے ہیں۔ صاحب طراز المذہب المظفری میرزا عباس قلی خاں سپہر اس عنوان پر بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

"مجلسی در بحار الانوار بعد از نگارش ہر حدیث اخبار می نویسد کہ از زرارہ از ابی عبد اللہ مرویست کہ در باب تزویج ام کلثوم فرمود ان ذالک فرج غصبنا؟ و بروایتے فرمود اول فرج غصب منا ام کلثوم (تا) شیخ مفید در جواب مسائل سرویہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

می فرماید۔ خبریکہ بتزویج نمودن امیرالمومنین دختر خود را با عمر وارد است ثابت نیست (تا) بعد انکار نمودن عمر نص را و ظہور عداوت او با اہل بیت علیہم السلام قول بجواز مناکحت اُو بدوں ضرورت یا حصولِ تقیہ مشکل مینماید و اینکہ شیخ مفید اصل ایں واقعہ را انکار نماید برائے بیان آنست کہ از طرق اہل بیت بعید است، ورنہ بعد از ورود ایں جملہ اخبار در وجود ایں مناکحت انکارش عجیب مینماید و ہم از حضرت ابی عبداللہ علیہ السلام مروی است اِنَّ علیاً علیہ السلام لما توفی عمر اتی ام کلثوم فانطلق بھا الیٰ بیتہٖ و ایں حدیث بر وقوع ایں قضیہ تصریح مینماید۔

واصل در جواب ایں است کہ ایں مناکحت از روئے تقیہ و اضطرار روئے دادہ واستبعادی دریں نیست چہ در مقام ضرورت بسیارے از محرمات در جملہ واجبات می آید۔ علاوہ بر ایں بدستیاری اخبار صحیحہ ثابت شدہ است کہ امیرالمومنین و سائر ائمہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین را از رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم از آں ظلم و ستم ہا کہ بر آں ہا روئے دادہ و بر آنچہ واجب می شود بر ایشاں کہ دریں مقام بجائے بیاورند خبر رسیدہ بود، خدائے تعالیٰ آں امر را بر ایشاں مباح فرمود و رسول خدا تنصیص نمود باایں صورت رفع و تسکین استبعاد حاصل شد۔ طراز المذہب المظفری ص ۵۹ تا ۶۱

علامہ مجلسی بحار الانوار میں چند روایات ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے عقدِ نکاح کے ثبوت میں نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ زرارہ نے حضرت ابو عبداللہ جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے نقل ہے کہ آپ نے حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا کے عقد تزویج کے متعلق فرمایا بے شک یہ وہ رشتہ ہے جو ہم سے غصب کر لیا گیا ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ پہلا رشتہ جو ہم سے غصب کیا گیا ہے، وہ ام کلثوم کا ہے اور شیخ مفید نے مسائلِ سرویہ کے جواب میں کہا کہ وہ تمام روایات جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ام کلثوم کا حضرت عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ نکاح اور شادی کر دینے کا ذکر ہے، وہ ثابت نہیں ہیں (تا) عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) کے نص خلافت کا انکار کرنے کے بعد اور اُن کی اہل بیت کے ساتھ بغض و عداوت ظاہر ہونے کے باوجود بغیر ضرورت اور مجبوری

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے یا تقیہ و کتمان کے یہ عقد مشکل معلوم ہوتا ہے۔

اور یہ جو شیخ مفید نے اصل واقعہ کا ہی انکار کر دیا ہے تو وہ اس امر کو بیان کرنے کے لیے ہے کہ اہل بیت کے طرز و طریق اور روش و کردار کے پیش نظر بعید ہے' ورنہ ان تمام روایات کے وارد ہونے کے بعد شیخ مفید کا اس مناکحت اور عقدِ تزویج کا انکار کرنا عجیب معلوم ہوتا ہے' کیونکہ روایت بھی حضرت امام ابو عبد اللہ جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے ہی مروی و منقول ہے کہ جب حضرت عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) کا وصال ہو گیا تو حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور انہیں اپنے گھر لے گئے اور یہ روایت عقدِ تزویج کے وقوع و تحقق پر بڑی صراحت و وضاحت کے ساتھ دلالت کر رہی ہے (لہٰذا اصل واقعہ کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے' بلکہ اس کے لیے کوئی نئی تاویل و توجیہ ضروری ہے)

تو اس عقدِ تزویج کے متعلق اصل جواب یہ ہے کہ عقدِ تزویج تقیہ و اضطرار کی وجہ سے رونما ہوا اور اس امر کو بعید سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں ہے' کیونکہ ضرورت اور مجبوری کے تحت بہت سی حرام چیزیں صرف حلال ہی نہیں' بلکہ واجب ہو جایا کرتی ہیں دوسرا جواب یہ ہے کہ صحیح اخبار و روایات کے ذریعے ثابت ہو چکا ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور دوسرے ائمہ کرام کو ان تمام مظالم اور جور و ستم کی خبر دی جا چکی تھی جو ان کو پیش آنے والے تھے اور جو کچھ اس دوران ان پر واجب و لازم تھا' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے وہ امور ان کے لئے مباح کر دیئے تھے اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی وضاحت و صراحت کر دی تھی۔ لہٰذا اس جواب سے یہ استبعاد دور ہو گیا اور تسکین قلب حاصل ہو گئی۔

اس طویل اقتباس سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ علامہ مجلسی اس عقد کو درست اور محقق تسلیم کرتا ہے' بلکہ اس نے اس عقد کے منکرین کا صحیح روایات پیش کر کے رد کیا ہے لہٰذا اس کا حوالہ دے کر ڈھکو صاحب کا اس مضمون کی جملہ روایات کو موضوع اور بے بنیاد کہنا سفید جھوٹ ہے اور بدترین علمی خیانت اور اگر بالفرض بحار الانوار میں اس عقد کا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اثبات اور منکرین کا رد ہے مگر مرآۃ العقول میں اس کے برعکس ہے تو پھر تضاد و تناقض کے شکار شخص کو علمائے محققین میں شمار کرنے کا کیا جواز ہے اور اس کے قول کو صحاحِ اربعہ کی روایات جو امام جعفر صادق سے منقول ہیں اور ان میں سے بعض کی تصدیق امام غائب حجۃ اللہ المنتظر کی طرف سے بھی ہو چکی ہے، ان کے مقابل کیا اہمیت و وقعت دی جا سکتی ہے؟

تلبیس ہی تلبیس

ڈھکو صاحب نے حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے عقدِ نکاح کے متعلق کوئی علمی بات کرنے کی بجائے فریب کاری اور دھوکہ دہی کے ریکارڈ توڑ دیئے ہیں اور سراسر تلبیس سے کام لیا ہے، چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

تلبیس اوّل: جس امِ کلثوم کا نکاح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہوا، وہ اسماء بنتِ عمیس رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہونے والی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھی اور بطورِ مجاز اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیٹی کہہ دیا گیا، کیونکہ حضرت اسماء کے ساتھ نکاح کر لینے کے بعد وہ آپ کے ہاں تربیت پاتی رہی تھیں حالانکہ حقیقتِ حال یہ ہے کہ حضرت اسماء سے ام کلثوم نام کی کوئی لڑکی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی پیدا ہی نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاں تربیت پائی، لہٰذا اس مجاز کی کوئی وجہ جواز نہیں ہو سکتی۔ آپ کی اس نام والی صاحبزادی حضرت امِ حبیبہ بنت خارجہ بن زید کے بطن سے پیدا ہوئیں اور وہ بھی آپ کے وصال کے بعد ۱۳ھ میں جبکہ عدتِ وفات گزار کر حضرت حبیبہ نے حضرت حبیب بن یسار (رضی اللہ عنہما) کے ساتھ نکاح کر لیا، لہٰذا اگر یہ ام کلثوم ربیبہ ہیں تو حبیب بن یسار کی، نہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی، لہٰذا اندریں صورت اس کے نکاح کا متولی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تسلیم کرنا درست نہیں ہو سکتا اور نہ ہی ان کو مجازی باپ تسلیم کرنا اور نہ ہی امِ کلثوم کو دورانِ عدت حضرت علی رضی اللہ عنہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کا اپنے گھر لانے کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ الاستیعاب لابن عبدالبر جزو ثانی صـ۲۲۵۔ تجرید اسماء الصحابہ للذہبی۔

بلکہ استیعاب میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے صرف محمد بن ابی بکر کے متولد ہونے کی تصریح موجود ہے اور سوائے ان کے دوسری کوئی اولاد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ان سے متولد نہ ہونے کی وضاحت و صراحت موجود ہے اور اسی طرح "الاصابہ فی تمییز الصحابہ لابن حجر عسقلانی میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے متعلق مذکور ہے ،

تزوجها جعفر بن ابی طالب رضی اللّٰہ عنہ فولدت لهٗ هناك اولادًا فلما قتل جعفر تزوجها ابوبکر فولدت محمدًا ثم تزوجها علی فیقال ولدت له ابنه عونًا قال ابو عمر تفرد بذ الك ابن الکلبی۔ الاصابه جلد ۴ صـ۲۳۱

ان کے ساتھ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے نکاح فرمایا تو انہوں نے ان کے ہاں کئی بچوں کو جنم دیا، جب ان کی شہادت واقع ہوئی، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ نکاح کیا تو آپ کے فرزند محمد ان سے متولد ہوئے۔ پھر آپ کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کو اپنی زوجیت میں لیا اور کہا جاتا ہے کہ آپ کے بطن سے عون کا تولد ہوا۔

الغرض حضرت اسماء رضی اللہ عنہ کے بطن مبارک سے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے صرف ایک بیٹے محمد بن ابی بکر پیدا ہوئے اور کوئی بیٹی متولد ہی نہیں ہوئی۔

شیعی مورخ کی طرف سے ڈھکو صاحب کی تکذیب

ناسخ التواریخ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق "ازواج و اولاد ابوبکر" کا عنوان قائم کرکے لکھا ہے ،

ابوبکر را چہار زن بود دو تن را در جاہلیت نکاح بست (قتیلہ)، و دو زن در

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اسلام آورد یکے اسماء بنت عمیس وازو محمد ربیب علی علیہ السلام متولد شد وآں دیگر جبیبہ دختر حارثہ بن زید انصاری داؤد در وقت وفات ابوبکر حاملہ بود پس ازاو دختر ے آورد نام او اُمِ کلثوم۔ ناسخ التواریخ جلد دوم از کتاب دوم ص۲۱۵

یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی چار بیویاں تھیں۔ دو کے ساتھ قبل از اسلام میں نکاح کیا۔ پہلی قتیلہ اور بروایت دیگر اسماء دختر عبدالعزیٰ تھی جس سے عبداللہ اور اسماء ذات نطاقین رضی اللہ عنہما کا تولد ہوا اور دوسری حضرت ام رُمان رضی اللہ عنہا جن سے حضرت عبدالرحمٰن اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما کا تولد ہوا۔ اور دو کے ساتھ دورِ اسلام میں نکاح کیا جن میں ایک حضرت اسماء بنت عمیس ہیں، جن سے محمد بن ابی بکر کا تولد ہوا جو کہ حضرت علی کے ربیب بھی تھے (رضی اللہ عنہما) اور دوسری جبیبہ بنت حارثہ بن زید انصاری ہیں جو کہ حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہم) کی وفات کے وقت حاملہ تھیں اور بعد از وصال آپ کی ان سے ام کلثوم نام والی صاحبزادی پیدا ہوئی۔

اس تفصیل سے واضح ہوگیا کہ علامہ ڈھکو صاحب نے بالکل سفید جھوٹ بولا ہے اور ایسا جھوٹ جو اس سے پہلے اُستادانِ فن کو بھی نہیں سُوجھا تھا۔ الغرض اس ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ربیبہ کہنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے، لہٰذا شیعی روایات کی روشنی میں اہل سنّت کا استدلال بالکل برحق ہے اور ڈھکو صاحب کی تاویلات و تسویلات لغو و بیہودہ اور صرف فریب کاری اور دھوکہ دہی کی ناکام کوشش ہے۔

اور اگر ڈھکو صاحب کی تحقیق ہی صحیح ہے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان سے پہلے تمام محدث اور متکلم اور اصول و فقہاء اور مورخ و سیرت نگار جاہل، بے خبر اور مُورکھ تھے اور فنِ حدیث اور تاریخ سے کورے، جاہل اور ان پڑھ۔ بس صرف پندرھویں صدی میں ایک صاحبِ علم و بصیرت اور ماہر حدیث اور ناقدِ سیرت و تاریخ پیدا ہوا۔ فیاللخسران ولضیعۃ الدرایۃ والادب۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تلبیس دوم: علامہ ڈھکو صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت عمر کی زوجہ حضرت ام کلثوم اور ان کے بیٹے حضرت زید رضی اللہ عنہم کا انتقال تقریباً انچاس یا پچاس ہجری میں مدینہ منورہ کے اندر تسلیم کیا جاتا ہے اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا ان پر نمازِ جنازہ پڑھنا بیان کیا جاتا ہے، جبکہ حضرت ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہما کا میدانِ کربلا میں موجود ہونا ثابت ہے۔ حالانکہ طراز المذہب المظفری صـ۵۲ پر امِ کلثوم کبریٰ بنتِ زہرا اور امِ کلثوم بنتِ ام سعید بنت عروہ دو صاحبزادیاں حضرت علی رضی اللہ عنہم کی مذکور ہیں، لہٰذا حضرت علی کی صاحبزادی ام کلثوم کبریٰ (رضی اللہ عنہما) کا وصال ۵۰ھ میں ہو گیا ہو اور دوسری صاحبزادی ام کلثوم صغریٰ رضی اللہ عنہا واقعہ کربلا کے بعد تک بقیدِ حیات رہی ہوں تو اس میں کونسا استبعاد ہے اور اس قول سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی منکوحہ ام کلثوم کا ہی میدانِ کربلا میں موجود ہونا کیسے لازم آگیا، کیونکہ ام کلثوم بنتِ علی رضی اللہ عنہما جس طرح کبریٰ ہے، اسی طرح صغریٰ بھی ہے اور اگر بالفرض کسی نے امِ کلثوم بنتِ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہما کہہ دیا ہو تو یہ نام اشتراک کی وجہ سے لازم آنے والا مغالطہ ہے۔

نیز اس قول سے حضرت امِ کلثوم کے حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ عقدِ تزویج میں منسلک ہونے کی نفی کیونکر ہو سکتی ہے؟ کیونکہ آپ کا وصال پہلے ہو چکا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا وصال بعد میں ہوا اور اس کی تاریخ میں مورخین کا اختلاف ہو گیا، لہٰذا بعد والے وصال کی تاریخ کا اختلاف اس سے کافی عرصہ پہلے وقوع پذیر عقدِ تزویج کو کیسے باطل کر سکتا ہے، بلکہ ہو سکتا ہے کہ حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ کا نکاح یقیناً ثابت ہوا اور آپ کے وصال کی تاریخ میں وارد روایات میں سے صرف ایک قسم کی صحیح ہو اور دوسری غلط ہو اور دوسری غلط ہو، لہٰذا صحتِ عقد پر اس سے کیا اثر پڑ سکتا ہے؟

تلبیس سوم: علامہ ڈھکو صاحب نے حضرت ام کلثوم بنت علی مرتضیٰ و فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہم کو صغیرہ ثابت کر کے عقدِ تزویج ناممکن قرار دینے کی کوشش

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کی ہے، حالانکہ اُن کا شمار صحابیات میں ہوتا ہے، جبکہ حضرت زینب بنت زہرا رضی اللہ عنہا کو صحابیات میں شمار نہیں کیا گیا، اور ظاہر ہے کہ صرف زمانہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں پیدائش صحابی ہونے کے لیے کافی نہیں ہے، بلکہ سن تمیز کا ہونا بھی ضروری ہے اور یہ قول شیعی مؤرخ صاحبِ ناسخ التواریخ نے بھی ذکر کیا ہے، اور عظیم سُنّی فاضل علامہ ابن عبدالبر نے بھی "استیعاب" میں ذکر کیا ہے، جبکہ مرزا عباس علی خاں اس کی صحت وصداقت پر یوں استدلال پیش کرتا ہے کہ اگر حضرت زینب رضی اللہ عنہا بڑی ہوتیں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ نکاح کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے درخواست کرتے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرتِ ام کلثوم عمر میں حضرت زینب (رضی اللہ عنہا) سے بڑی ہیں۔ ملاحظہ ہو:
طراز المذہب المظفری صـ۴

نیز حضرت ام کلثوم کے حضرت زینب (رضی اللہ عنہا) سے بڑے ہونے کی دلیل اور بُرہان وہ روایت ہے جس کو شیخ صدوق نے اپنی سند کے ساتھ ابن ابی المقدام اور زیاد بن عبیداللہ سے نقل کیا ہے کہ ایک شقی اور بدبخت نے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو اطلاع دی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ابوجہل کی بیٹی کے ساتھ شادی کا ارادہ رکھتے ہیں۔ آپ نے اس سے بتکرار اس کی تصدیق کر لی، تو آپ سخت کبیدۂ خاطر ہوئیں۔ جب رات ہو گئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے لئے روانہ ہوئیں، جس کی کیفیت بقولِ شیخ صدوق یہ تھی:

فحملت الحسن علیٰ عاتقها الایمن والحسین علیٰ عاتقها الایسر واخذت بید ام کلثوم الیسریٰ بیدها الیمنیٰ ثم حولت الی حجرة ابیها۔ آپ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو دائیں کندھے پر اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بائیں کندھے پر اٹھایا اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے بائیں ہاتھ کو اپنے دائیں ہاتھ سے پکڑا اور والدِ گرامی کے حجرۂ مبارکہ کی طرف منتقل ہو گئیں۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب آپ کو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے گھر کی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

طرف لے چلے، تو اُس وقت بھی صورتِ حال بقولِ صدوق یہ تھی،

حمل النبی صلی اللہ علیہ وسلم الحسن وحملت فاطمة علیها السلام الحسین واخذت بید ام کلثوم فانتھی الی علی وھو نائم فی المسجد - (انوارِ نعمانیہ جلد اول ص۸۳)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن کو اُٹھالیا، جبکہ حضرت زہرا نے حضرت حسین کو اٹھالیا اور حضرت ام کلثوم کا ہاتھ پکڑا۔ رضی اللہ عنہم۔

شیخ صدوق کی بیان کردہ اور سید نعمت اللہ الموسوی کی نقل کردہ اس روایت میں اگر کوئی صداقت ہے تو پھر یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی ولادت سے قبل حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کا تولد ہوا اور آپ اس وقت اتنی بڑی ہو چکی تھیں کہ چل پھر سکتی تھیں اور حضرت زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کو اِدھر اُدھر لے جایا کرتی تھیں۔

اندریں صورت صدوق صاحب سچے ہیں تو ڈھکو صاحب جھوٹے ہیں اور اگر ڈھکو صاحب سچے ہیں، تو صدوق صاحب کا معاملہ برعکس، نہند نام زنگی کافور والا ہے، لیکن حقیقت یہی ہے کہ صدوق صاحب کے صدق میں کسی کو کلام نہیں ہے، اسی لیے جزائری صاحب نے تاویلات و تسویلات کے ذریعے ناراضگی اور عصمت میں تطبیق کی سعی اور جدوجہد کی، لیکن روایت سے انکار نہیں کیا اور صاحب ناسخ کو بھی اپنے عقل و فکر کو یہاں لگام دینے میں ہی عافیت نظر آئی، لہٰذا ڈھکو صاحب کا صغرسنی والا عذر اور اس عقد و تزویج کے عقلاً ناممکن ہونے کا دعویٰ لغو اور باطل ہو گیا۔

اس کے علاوہ بعض تلبیسات کا ذکر پہلے آچکا ہے اور کنز مکتوم وغیرہ کے جو حوالے دیئے ہیں کہ ان میں اس مسئلہ کی تحقیق کا حق ادا کیا گیا ہے، تو اس کا ردِ بھی بالحسن وجوہ حضرت علامہ نور بخش توکلی صاحب کے قلم حقیقت سے تحفہ شیعہ جلد دوم ص۲۱۸ تا ۲۱۸ پر ملاحظہ فرمائیں اور اندازہ کریں کہ ڈھکو صاحب نے یہ تلبیسات کن ماہرین سے سیکھی ہیں اور کس قدر غلط اور خلافِ تحقیق کتبِ مناظرہ پر اپنی اس جوابی کاروائی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کا دارومدار رکھا ہے۔ نیز یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ ڈھکو صاحب نے بذاتِ خود کوئی تحقیق و تدقیق نہیں فرمائی، بلکہ اِدھر اُدھر سے مناظرانہ ابحاث پر مشتمل کتب دیکھ کر حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز کے رسالہ کا جواب لکھنے کی کوشش کی ہے

رسالہ مذہب شیعہ — از حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ

حدیث قرطاس اور شیعی استدلال کی لغویت

بے خبر اور ناواقف لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے کبھی قرطاس کی روایت پیش کی جاتی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ظاہری حیاتِ طیبہ کے آخری ایام میں اپنے حرم سرا میں اہلِ بیت کے مردوں سے کہا کہ لکھنے کے لیے کوئی چیز (دوات، قلم، کاغذ) لاؤ۔ میں تمہارے لیے کچھ وصیت لکھوں تاکہ میرے بعد تم صراطِ مستقیم پر ثابت رہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مسجد میں جا کر قلم دوات طلب فرمائی، تو امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ہمیں قرآن کریم کافی ہے۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں داغِ مفارقت تو نہیں دے رہے ہیں؟ اس بات کو سمجھو۔

یہ روایت اہل السنت کی کتابوں میں ہو یا اہلِ تشیع کی کتابوں میں بہرصورت قرآن مجید کی آیت کریمہ وَلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ کے خلاف ہے یعنی آپ اپنے ہاتھ مبارک سے کبھی اس کو نہ لکھتا تاکہ گمراہ کرنے والے لوگ شک پیدا نہ کر سکیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود لکھ سکتے تھے اور قرآن کریم بھی خود لکھا ہے، خدا کی طرف سے نہیں۔ اب آیہ کریمہ میں نفی ہو یا نہی، بہرصورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے ہاتھ مبارک سے لکھنا ممنوع اور محال ہے اور روایت میں ہے کہ میں لکھوں۔ دوسرا بالفرض تسلیم اس روایت میں خلافت کا ذکر تک نہیں۔ اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اور وہ بھی بلافصل کیسے ثابت ہو گئی۔ تیسرا اہلِ بیت کے مردوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود تھے، تو اُن کو دوات، قلم پیش کرنے کا حکم ہوا جیسا کہ اِیتُوْنِيْ کا صیغہ جمع مذکر اسی امر پر دلالت کرتا ہے۔ فرض

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ کہہ بھی دیا تھا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی کتاب کافی ہے، تو سوال یہ ہے کہ حضرت علی نے حضرت عمر (رضی اللہ عنہما) کے کہنے پر عمل کرنا تھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر؟ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کس کے کہنے پر عمل کرتے ہوئے دوات، قلم اور کاغذ پیش نہ کیا؟ جو تھا فرض کر لیں حضور خلافت ہی لکھتے (جس کا ذکر تک روایت میں نہیں) مگر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے فرما رہے ہیں کہ میرے بعد خلیفہ ابوبکر ہوگا، اس کے بعد عمر ہوگا۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ اور یہ بھی فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا ہے۔ دیکھو تفسیر صافی جلد دوم صفحہ ۳۲۲ ۔ اسی طرح تفسیر قمی زیر آیت نبأنی العلیم الخبیر ۲۸ پ سورۃ تحریم، تفسیر حسن عسکری اور باقی تمام شیعہ کی معتبر ترین تفاسیر میں بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت ثابت ہے، تو کیا اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ کے حکم اور فرمان کے خلاف اور اپنے ارشاد کے خلاف کوئی دوسری خلافت لکھ سکتے تھے۔؟

ہم پہلے سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے واضح اور غیر مبہم خطبات آپ کو سنا چکے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد خلافت کی بیعت لینے کے بارے میں عرض کیا گیا، تو آپ نے فرمایا میری خلافت کا زمانہ ابھی نہیں آیا۔ اس وقت میری خلافت کا سوال ایسا ہے جیسے کوئی قبل از وقت کچے میوے توڑے یا کسی دوسرے کی زمین میں کھیتی باڑی شروع کر دے اور فرمایا کہ میرے فرض یہ ہے کہ میں دوسروں کی اطاعت کروں اور میرے بیعت لینے پر میرے لیے دوسروں کی طاعت مقدم ہے۔ میرے لیے ممکن ہی نہیں کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کی مخالفت کروں۔ بالآخر آن کا خود بیعت کرنا۔ یہ تمام تر روایات حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے تحریر کیے جانے کے سراسر خلاف ہیں اور منافی و مناقض۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تتمۂ مبحث قرطاس

پہلے قرطاس طلب کئے جانے کے متعلق اہل السنت کی انتہائی معتبر اور مستند کتب میں مروی و منقول روایات ملاحظہ فرمائیں؛

۱۔ قلت یا ابن عباس ما یوم الخمیس قال اشتد برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وجعہ فقال ایتونی بکتف اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعدہ ابدا فتنازعوا ولا ینبغی عند نبی تنازع فقالوا ما شانہ أھجر استفھموہ فذھبوا یردون علیہ فقال دعونی ذرونی فالذی انا فیہ خیر مما تدعونی الیہ فامرھم بثلاث فقال اخرجوا المشرکین من جزیرۃ العرب واجیزوا الوفد بنحو ما کنت اجیزھم وسکت عن الثالثۃ او قالھا فنسیتھا قال سفیان ھذا من قول سلیمان (متفق علیہ مشکوٰۃ باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا خمیس کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درد سخت ہو گیا، تو آپ نے فرمایا کہ میرے پاس شانہ کی ہڈی لاؤ تاکہ میں تمہارے لیے ایسی تحریر لکھوں، جس کے بعد تم ہرگز گمراہ نہیں ہو گے، تو حجرۂ مبارکہ میں موجود حضرات باہم نزاع و اختلاف کرنے لگے، جبکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتے ہوئے یہ مناسب نہیں ہوتا، تو انہوں نے کہا آپ کا کیا حال ہے، کیا آپ بلا مقصد اور غیر ضروری گفتگو فرما رہے ہیں۔؟ آپ سے اس کو سمجھ لو۔ وہ جب آپ سے دوبارہ پوچھنے لگے، تو آپ نے فرمایا مجھے چھوڑ دو اور اپنے حال پر رہنے دو، کیونکہ میں جس حال میں ہوں، وہ اس سے بہتر ہے، جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو، تو آپ نے انہیں تین امور کا حکم دیا، مشرکین کو

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جزیرۂ عرب سے نکال دینا، آنے والے وفود کو اسی طرح انعامات اور تحائف دے کر رخصت کرنا جیسے کہ میں دیا کرتا تھا۔ تیسری بات سے سکوت فرمایا یا میں اس کو بھول گیا۔ سفیان فرماتے ہیں کہ یہ قول سلیمان ابن احول کا ہے جس نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نقل کی ہے) متفق علیہ۔

۲۔ عن ابن عباس قال لما حضر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفی البیت رجال فیھم عمر بن الخطاب قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھلموا اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعدہٗ فقال عمر قد غلب علیہ الوجع وعندکم القرآن حسبکم کتاب اللہ فاختلف اھل البیت واختصموا فمنھم من یقول قربوا یکتب لکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومنھم من یقول ما قال عمر فلما اکثروا اللغو والاختلاف قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قوموا عنی قال عبید اللہ وکان ابن عباس یقول ان الرزیۃ کل الرزیۃ ما حال بین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبین ان یکتب لھم ذالک الکتاب لاختلافھم ولغطھم۔ متفق علیہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وقتِ وصال قریب آگیا اور حجرۂ مبارکہ میں چند آدمی موجود تھے، جن میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی تھے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میرے پاس (لکھنے کا سامان) لے آؤ، میں تمہارے لیے ایک تحریر لکھوں، جس کے بعد تم ہرگز گمراہ نہیں ہوگے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تحقیق آپ پر درد کا غلبہ ہے اور تمہارے پاس قرآن مجید ہے، لہٰذا تمہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب کافی ہے تو گھر میں موجود لوگوں نے باہم اختلاف کیا اور جھگڑنے لگے۔ بعض کہتے تھے لکھنے کے لیے ضروری اشیاء مہیا کرو۔ آپ تمہارے لیے لکھیں اور بعض اس طرح کہتے تھے جیسے حضرت عمر

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

رضی اللہ عنہ نے کہا تھا۔ جب ان کا اختلاف و نزاع زیادہ ہو گیا اور شور بڑھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میرے پاس سے اُٹھ جاؤ (اور دور جا کر یہ بحث و مباحثہ کرو) عبید اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے، بہت بڑی مصیبت اور پریشان کن بات ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اس تحریر کے درمیان حائل ہو گئی بسبب ان کے اختلاف اور شور کے۔

اقول : بخاری شریف اور مسلم شریف کی متفق علیہ روایات سے چند امور واضح ہو جاتے ہیں، جن کا ذہن نشین رکھنا ازبس ضروری ہے۔

۱۔ یہ واقعہ خمیس کا ہے اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال شریف سوموار کو ہوا، گویا تین دن رات مکمل درمیان میں گزرے اور خمیس کا بقیہ حصہ اور سوموار کی رات اور دن کا کچھ حصہ، لیکن پھر آپ نے اس حکم کا اعادہ نہ فرمایا اور کسی قریبی رشتہ دار کو بھی سامان کتابت لانے کا حکم نہ دیا اور نہ ہی انصار کو جو فی الواقع کامل انصار تھے اور صاحب ایثار اور جاں نثار غلام۔

۲۔ جب صحابہ کرام علیہم الرضوان نے تحقیق کے لیے اور حتمی ارادہ معلوم کرنے کے لیے دوبارہ عرض کیا، تو فرمایا، مجھے میرے حال پر چھوڑ دو، میں جس حال میں ہوں، وہ اس سے بہتر ہے، جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو۔ اگر اس امر کا تعلق فرائض رسالت سے تھا، تو اس کا بیان نہ فرمانا اور نہ لکھنا فرائض رسالت میں العیاذ باللہ تقصیر اور کوتاہی کا موجب ہو گا جو قطعاً درست نہیں۔

۳۔ آپ نے زبانی تین چیزوں کا ذکر فرمایا، جن میں سے دو تو صراحت کے طور پر مذکور ہیں اور تیسری چیز سلیمان بن احول کو یاد نہ رہی یا حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ذکر نہ فرمائی، لیکن وہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کی روانگی کی تاکید ہے جیسے کہ محدثین نے تصریح فرمائی، ان میں بھی خلافت بالفصل یا بلا فصل کا کہیں نام و نشان نہیں، جس کے گمان پر صحابہ کرام علیہم الرضوان کو مورد طعن و تشنیع بنایا گیا ہے۔ اگر تحریر بھی ان کی فرمانی تھی تو زبانی ان امور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کی وضاحت ہوگئی جس طرح نبوت کے تیئیس سال کا معمول تھا کہ جملہ عقائد و اعمال زبانی ہی بتلائے جاتے رہے۔ اور اگر وہ ان امور کے علاوہ کوئی چیز تھی تو اُمت کی ہدایت کی ضامن اور موجب تحریر کو نظر انداز کرنا صرف چند حاضرین میں سے بعض آدمیوں کے اختلاف کی وجہ سے اور قیامت تک آنے والی امت کی بہتری کو نظر انداز فرمانا رحمۃ للعالمین اور بالمؤمنین رؤف ورحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی شان والے نبی سے بعید تر ہے۔

۴۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خالص ہمدردی اور نیازمندی پر مشتمل مشورہ دیا کہ آپ پر درد کا شدید دورہ ہے اور تمہارے پاس قرآن حکیم ہے جو ہدایت کے لیے کافی ہے۔ اس میں آپ کی طرف کس طرح بے ادبی اور جرأت و جسارت کی نسبت کی جا سکتی ہے؟ جبکہ آپ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وزراء میں داخل اور مشیروں میں شامل تھے، جن کے ساتھ مشورہ کرنے کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ اور متعدد مقامات پر ان کا مشورہ قبول کیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے مشورہ کے مطابق وحی نازل فرمائی، لہٰذا مشورہ دینے میں تو کوئی حرج نہیں تھا عمل کے معاملہ میں آپ مالک تھے، مشورہ قبول نہ فرماتے اور اپنے عزم اور حتمی ارادہ کے مطابق عمل فرماتے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، فاذا عزمت فتوکل علی اللہ۔ یعنی جب آپ کا پختہ ارادہ بن جائے، تو اللہ تعالیٰ پر توکل کرو اور اس کام کو کر لو۔ جب آپ نے وہ تحریر نہ لکھی، تو معلوم ہوا کہ آپ کا ارادہ ہی بدل گیا تھا، ورنہ اس حکم خداوندی کی خلاف ورزی لازم آئے گی اور ترکِ توکل جو کہ قطعاً درست نہیں ہے۔

۵۔ جب اتنا طویل وقت درمیان میں ہونے کے باوجود دوبارہ اس ارادہ کو ظاہر نہ کیا گیا، تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورے کو قبول فرما لیا اور اسی کے مطابق عمل ہوا، لہٰذا یہ چیز آپ کے عظیم مناقب میں داخل ہوگئی کہ آخری لمحے میں بھی آپ کے ہی مشورہ کے مطابق عمل ہوا نہ کہ باعثِ طعن و تشنیع اور موجبِ جرح و قدح۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

۶۔ جن لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف اس واقعہ کو بطور حربہ استعمال کیا ہے، ان سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ قرآن مجید میں وہ امر تھا یا نہیں تھا جس کی تحریر کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارادہ رکھتے تھے۔ اگر نہیں تھا تو دین کامل نہ ہوا اور قرآن مجید کا یہ اعلان اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ نعوذ باللہ غلط ہو کر رہ گیا، کیونکہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر تو دین کے اکمال اور نعمت کے اتمام کی خوشخبری سنائی گئی تھی اور ربیع الاول شریف میں یعنی صرف دو ماہ درمیان میں گزرنے پر وہ دین پھر ناقص ہو جاتے اور ہدایت کا دارومدار اور گمراہی سے تحفظ کا ضامن امر ابھی پایا ہی نہ گیا ہو تو اس قدر اہم اور ضروری امر کے اعلان و اظہار کے بغیر دین کامل کیسے ہو گیا اور تکمیل نعمت کیونکر ہو گئی اور اگر اس اہم امر کا بیان قرآن مجید میں تھا، تو اب اس کا لکھوانا یا لکھنا تکرار اور تاکید کے زمرہ میں آتا تھا جو بہر حال اس شدید تکلیف کے دوران حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے ہمدرد اور خیر خواہ کے لیے قابل برداشت نہیں تھا، لہٰذا یہ مشورہ عرض کرنا آپ کا فرض تھا اور آپ نے اپنی ظرف سے ہمدردی اور اخلاص کا حق ادا کیا۔ جس پر آپ لائق صد تحسین تھے نہ کہ قابل تنقید و تنقیص کما قال اللہ تعالیٰ ، فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ
یعنی قرآن مجید کے علاوہ، وہ کس بات سے صاحب ایمان ہو سکتے ہیں؟

۷۔ اگر قرآن مجید میں خلافت اور امامت کا مسئلہ حل کیا جا چکا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت بلا فصل کی تصریح موجود تھی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خلافت مرتضوی میں روڑے اٹکانے والا الزام غلط ہو گیا اور آپ کا "حسبنا کتاب اللہ" کہنا خلافت مرتضوی کا انکار نہ ہوا بلکہ اقرار۔ اور اگر اس خلافت و امامت کا قرآن مجید میں ذکر نہیں تھا، تو آج وہ آیات شیعہ حضرات کو کہاں سے مل گئیں جو صحابہ کرام کو نہ مل سکیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تفسیر اور تشریح کے باوجود مہاجرین و انصار سبھی ان سے بے خبر رہے اور صرف شوریٰ پر ہی دارومدار سمجھ لیا اور لہٰذا دین و مذہب اور دنیا سب کچھ نعوذ باللہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خاطر برباد کر

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بیٹھے اور قرآن مجید کو بھی چھوڑ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی چھوڑا اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھی۔ آخر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں وہ کونسی جاذبیت اور مقناطیسی قوت تھی، جس نے سب کو غافل اور بے خبر کر کے رکھ دیا؟ نعوذ باللہ من سوء الفہم وزیغ القلب۔

۸۔ اگر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مسئلہ خلافت کے متعلق ہی اپنا فیصلہ لکھنا چاہتے تھے، تو وہ کس کی خلافت تھی؟ اس پر کیا دلیل ہے۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق خلافت کی تحریر کا احتمال تھا، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی یہ احتمال موجود تھا۔ تحریر ہو جاتی، تو ایک صورت متعین ہو جاتی اور جب تحریر نہیں پائی گئی تو محض احتمال کی بنا پر ان مقدس ہستیوں کو موردِ الزام و اتہام ٹھہرانا جن کے فضائل و کمالات اور اُخروی نعمتوں اور بلند درجات اور ان سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی وغیرہ کا بیسیوں جگہ قرآن مجید میں اعلان ہے کونسی دینداری اور دیانتداری ہے۔ کیا یہ مسلم عقلائی قاعدہ نہیں ہے: اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال) بلکہ اہل السنت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر دلیل ترجیح پیش کر سکتے ہیں، کیونکہ جہاں یہ روایت بخاری شریف اور مسلم شریف میں ہے۔ دوسری روایت جو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت سے متعلق ہے، وہ بھی انہیں میں موجود ہے اور تمام روایات کو سامنے رکھ کر معنیٰ کا تعین ضروری ہوتا ہے نہ کہ صرف اپنی پسندیدہ اور مرضی کی روایت لے کر مخالف فریق کے خلاف جدلی اور الزامی طریقہ اپنا لیا جائے۔ روایت ملاحظہ ہو:

۱۔ عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (الی) ولقد هممت او اردت ان ارسل الی ابی بکر وابنه واعهد ان یقول القائلون او یتمنی المتمنون ثم قلت یابی اللہ و یدفع المومنون او یدفع اللہ ویابی المومنون۔ رواہ البخاری باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نے فرمایا، البتہ تحقیق میں نے پختہ ارادہ کیا ہے کہ ابوبکر اور اُن کے بیٹے کی طرف آدمی بھیجوں اور اُن کی طرف عہد کروں تاکہ کہنے والے نہ کہیں یا تمنا و آرزو کرنیوالے تمنا و آرزو نہ کریں۔ پھر میں نے کہا، اللہ تعالیٰ انکار کرے گا اور مومن ان کو دُور کر دیں گے یا اللہ تعالیٰ دوسروں کو دُور کر دے گا اور مومن ان کے ماسوا کی خلافت سے انکار کر دیں گے۔

۲۔ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مرضہ ادعی لی ابا بکر اباک واخاک حتّٰی اکتب کتابا فانی اخاف ان یتمنّٰی متمن ویقول قائل انا ولاو یابی اللہ والمومنون الا ابا بکر رواہ مسلم۔

اس روایت کا بھی معنی و مفہوم وہی ہے جو پہلی روایت کا ہے اور جو ذکر کیا جا چکا ہے اور یہ روایت مشکوٰۃ باب مناقب ابی بکر رضی اللہ عنہ میں موجود ہے۔ لہٰذا بخاری شریف اور مسلم شریف کی روایات کی تائید سے اس روایت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت تحریر کرنے کا احتمال متعین ہو گیا، لہٰذا صدیقی خلافت کے لیے عہد نامہ لکھنے میں اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رکاوٹ ڈالی بھی ہے تو اس سے شیعہ حضرات کو کونسی شکایت ہو سکتی ہے اور اگر کہا جائے کہ یہ روایتیں موضوع اور من گھڑت ہیں تو دوسری روایات کی صحت کی کیا ضمانت ہے؟ کیا جس میں اعتراض کی گنجائش نکلے اور صحابہ کرام بالعموم اور شیخین بالخصوص تنقید و تنقیص کا نشانہ بن سکتے ہوں صرف وہی صحیح ہوا کرتی ہے؟ اور جو روایت ابہام و اجمال کو دور کر دے وہ غلط ہوا کرتی ہے (ما لکم کیف تحکمون)

۹۔ جس علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافتِ بلا فصل کے لیے سب صحابہ کرام علیہم الرضوان کو موردِ الزام ٹھہرایا جاتا ہے، خود ان سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وقتِ وصال آ چکا ہے، لہٰذا دریافت کر لو کہ آپ کے بعد امرِ خلافت و امارت کس کے لیے ہے۔ ہمارے لیے ہے یا دوسروں کے لیے؟

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تو انہوں نے فرمایا: میں تو دریافت نہیں کرتا، اگر آپ نے اس وقت انکار کر دیا تو لوگ کبھی بھی ہمیں خلافت نہیں دیں گے۔ یہ روایت بھی بخاری شریف باب وفات النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں موجود ہے اور اس پر متعدد حوالے شرح حدیدی سے ذکر بھی کیے جا چکے ہیں، جس سے صاف ظاہر ہے کہ کبھی بھی خلافت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ذکر اور اعلان نہ پہلے ہوا اور نہ اس وقت اس پر کوئی علامت کہ دلیل موجود تھی اور نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ اس مسئلہ کو چھیڑنا چاہتے تھے۔ جب آپ کا طرز عمل یہ ہے تو محض احتمالات کو مدنظر رکھتے ہوئے امتِ مسلمہ کے محسنین اور اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو موردِ طعن و تشنیع بنانا قطعاً غلط اور ناروا ہے۔

۱۰۔ بعینہٖ یہی مضمون شیعی کتب میں بھی موجود ہے کہ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بالخصوص حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو فرمایا کاغذ اور قلم لاؤ، میں تمہیں وہ چیز لکھ دوں، جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو سکو۔ جب انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) میرے کاغذ اور قلم لانے تک اگر آپ کا وصال ہو جائے تو پھر کیا ہوگا؟ آپ زبانی فرمائیں، میں یاد رکھوں گا۔ تو آپ نے فرمایا، اَلصَّلٰوۃُ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ۔ نماز کا خاص خیال رکھنا اور مملوک غلاموں اور لونڈیوں کا۔ ملاحظہ ہو۔ ناسخ التواریخ، جلد ۲، ص ۵۵۵

لہٰذا اس قسم کے توہمات کو بنیاد بنا کر ان مقدس ہستیوں کو نشانہ بنانا مومنین کے لیے قطعاً درست نہیں ہے اور یہ اقدام عقل و خرد اور دین و ایمان کا دشمن ہی کر سکتا ہے۔ ابھی مزید بہت کچھ کہنا باقی ہے، مگر بخوفِ طوالت اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔

فائدہ : بخاری و مسلم شریف کی ان روایات سے جن میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے علاوہ کسی کی خلافت پر اللہ تعالیٰ اور مومنین کا راضی نہ ہونا بلکہ اس کو دور کرنا اور دوسری خلافت کا انکار کرنا ثابت ہے اور شیعی تفاسیر میں مندرج روایات جن سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

رضی اللہ عنہ کا خلیفہ بننا ثابت ہے۔ ان دونوں قسم کی روایات سے واضح ہو گیا کہ یہ خلافت ظالمانہ اور غاصبانہ نہیں تھی، بلکہ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور منشاء کے عین مطابق تھی اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خلیفہ نامزد نہ کر کے اپنی اُمت کو بغیر نگران کے نہ چھوڑا اور نہ انہیں اختلاف و انتشار کے حوالے کیا کیونکہ خود اللہ تعالیٰ اس کا کفیل ہو چکا تھا اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلا چکا تھا کہ میرا فیصلہ اور میری قضاء و تقدیر کیا ہے اور میں نے کس شخص کو یہ ذمہ داری سنبھالنے کے لیے منتخب کر رکھا ہے اور یہی قرآن مجید کا مقتضیٰ و مدلول ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: یستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم (الآیۃ) یعنی اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان اور صالحین کے ساتھ خلیفہ بنانے کا حتمی وعدہ کر رکھا ہے اور جب اللہ تعالیٰ اس امر کا ضامن اور کفیل ہو چکا تھا، تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اندیشہ اور تفکر کی کیا ضرورت تھی؟

رسالہ تنزیہ الامامیہ — از علامہ ڈھکو صاحب

پیر صاحب سیالوی نے اس روایت کے وجود کا انکار نہیں کیا بلکہ اشارۃً یہ تسلیم کیا ہے کہ شیعہ و سُنی ہر دو فریق کی کتابوں میں موجود ہے۔ ہاں بزعم خویش چار دو ایراد وارد کر کے اسے غلط ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

۱۔ **پہلے اعتراض کا جواب:** پہلا ایراد کہ مطابق آیہ کریمہ: وَلَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِكَ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے ہاتھ سے لکھنا محال ہے اور اس روایت میں ہے کہ میں لکھوں۔ خلاصہ یہ کہ اُمت تو عالم و فاضل، ایم۔ اے اور پی ایچ ڈی اور نبی اُمت اور وہ بھی خواجۂ کائنات اور علتِ غائی ممکنات ان پڑھ محض کہ جس کے لیے لکھنا محال ہے ـــــ ہزار لعنت بریں عقیدہ باد

۲۔ کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ شیخ الاسلامی کے دعویدار کو لا تے نا فیہ اور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

لانے نہی اور کسی کام کے نہ کرنے اور نہ کر سکنے میں جو نمایاں فرق ہے وہ بھی معلوم نہیں۔
قول باری تعالیٰ: "وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتَابٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ" سورۃ عنکبوت کا مفہوم یہ ہے کہ اعلانِ نبوت سے قبل پیغمبر علیہ السلام لکھتے پڑھتے نہ تھے، ورنہ باطل پرستوں کو شک کرنے کا موقعہ مِل جاتا۔ یہ جملہ خبریہ ہے انشائیہ نہیں، لہٰذا یہ ترجمہ کہ اپنے ہاتھ سے کبھی نہ لکھنا پیر صاحب کا وہ علمی شاہکار ہے جو رہتی دنیا تک یادگار رہے گا۔

۳۔ اعلانِ نبوت سے قبل نہ لکھنے اور لکھا ہوا نہ پڑھنے میں جو مصلحت ملحوظ تھی، وہ اعلانِ نبوت کے بعد ختم ہو گئی، کیونکہ معترضین کو یہ کہہ کر خاموش کیا جا سکتا تھا کہ جس خدا نے نبوت و رسالت عطا فرمائی، اُسی نے لکھنا پڑھنا سکھا دیا۔ خاندانِ نبوت سے مروی ہے کہ آپ تہتر زبانوں میں گفتگو کر سکتے تھے اور اتنی ہی زبانوں میں لکھ سکتے تھے اور اسی طرح اہل السنت کی کتابوں میں بھی آپ کا اپنے ہاتھ مبارک سے لکھنا ثابت ہے (تا) کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ جناب عمر رضی اللہ عنہ، کی پوزیشن بچانے کے لیے پیغمبرِ خدا تعالیٰ کی توہین کی پرواہ نہیں کی جاتی۔

دوسرے اعتراض کا جواب: ۱۔ بفرضِ تسلیم اس روایت میں خلافت کا ذکر تک نہیں، تنگ نظری اور کوتاہ اندیشی ہے، ورنہ معمولی سی دینی اور سیاسی بصیرت رکھنے والا بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ رحمۃ للعالمین نبی اپنی امت کو ابدی ضلالت سے بچانے کے لیے اپنے آخری لمحاتِ حیات میں وہی چیز تحریر فرمانا چاہتے تھے، جو بذریعہ تقریر اور بعثت سے لے کر دوات قلم طلب فرمانے تک مختلف اوقات میں مختلف اسالیب و عناوین سے برابر بیان کرتے رہے تھے تاکہ اتمامِ حجت کی آخری منزل طے ہو جائے اور وہ سوائے خلافت و امامت مطلقہ حضرت علی کے اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی تھی۔

۲۔ علمائے اہل سنت مثلاً علامہ شہاب خفاجی نے نسیم الریاض میں علامہ عسقلانی نے فتح الباری میں، نووی نے شرح المسلم میں اور محدث دہلوی نے شرح

Click For More Books
https://archive.org/details/@ zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مشکوٰۃ میں یہی کہا ہے، ارادان یبین امر الخلافۃ لئلا یختلفوا. هو تعیین الخلیفۃ بعدہ وغیرہ۔

۳۔ امام غزالی (رحمۃ اللہ علیہ) نے اس اجمال کا پردہ ہی چاک کر دیا ہے لکھتے ہیں، رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی وفات سے قبل فرمایا مجھے کاغذ و دوات لاکر دو تاکہ میں ہر قسم کے اجمال و اشکال کو دُور کر دوں اور بتادوں کہ میرے بعد خلافت کا حق دار کون ہے؟ اس پر حضرت عمر نے کہا کہ ان کو اپنے حال پر چھوڑ دو کہ وہ بہکی باتیں کر رہے ہیں۔ ان حقائق کے بعد کوئی شک و شبہ رہ جاتا ہے کہ آپ اپنے حقیقی جانشین کے نام کو ضبطِ تحریر میں لانا چاہتے تھے، لیکن تاڑنے والے تاڑ گئے کہ نام انہیں کا لکھیں گے جن کا نام بیسیوں بار زبانی بتلا چکے ہیں، لہٰذا دیرینہ اُمیدوں پہ پانی پھرتا دیکھ کر دماغِ رسول پر اعتراض کر دیا۔

تیسرے اعتراض کا جواب، پیر صاحب کے تیسرے اعتراض کا خلاصہ یہ ہے کہ اِیْتُوْنِیْ جمع مذکر کا صیغہ ہے، لہٰذا بالفرض حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے قلم دوات پیش نہیں کی تھی، تو حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے تعمیلِ حکم کر کے وہ تحریر کیوں نہ لکھوالی۔ ہم اس کے جواب میں یہی کہیں گے ؏

سخن شناس نۂ دلبرا خطا ایں جاست

۱۔ یہ مانا کہ روایت میں حکم عام ہے، مگر یہ خطاب انہیں لوگوں کے لیے ہے، جن کے گمراہ ہونے کا خدشہ تھا، لیکن وہ بزرگوار جو ہادی و مہدی ہو اور کائنات کو صراطِ مستقیم پر چلانے والا ہو، اسے تحریر لکھوانے کی کیا ضرورت تھی؟ (گویا یہ تحریر حاصل کرنا حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے علاوہ دوسرے صحابہ کرام پر فرض تھا، آپ اس حکم سے مستثنیٰ تھے) (محمد اشرف سیالوی)

۲۔ علاوہ بریں جب برادرانِ اسلامی کے بقول شمع رسالت کے بڑے پروانے نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہذیان کی تہمت لگادی اور اکثریت نے ان کی ہاں میں ہاں ملادی، تو بعد ازاں حضرت امیر یا کوئی دوسرا شخص وہ تحریر لکھوا بھی لیتا، تو

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اُس کا وزن کیا ہوتا، وہی جو ایک دیوانے کی بڑ کا ہوتا ہے۔

چوتھے اعتراض کا جواب: پیر صاحب کا یہ کہنا کہ فرض کریں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خلافت ہی لکھنا چاہتے تھے، مگر جب حضور خود فرماتے ہیں کہ میرے بعد خلیفہ ابوبکر ہوگا اور اس کے بعد عمر (رضی اللہ عنہما) تو کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حکم اور ارشاد کے خلاف دوسری خلافت لکھنا چاہتے تھے۔؟

۱۔ پیر صاحب کا یہ کہنا (کلمۃ حق ارید بہا الباطل) کے ضمن میں آتا ہے اور پیر صاحب اس سے جو نتیجہ اخذ کرنا چاہتے ہیں، وہ قیامت تک درست ثابت نہیں ہو سکتا۔

۲۔ تفسیر صافی وغیرہ کے جو حوالے ہیں، اُن کا صرف اور صرف یہ مطلب ہے کہ وہ خود بخود خلافت اور بادشاہی حاصل کر لیں گے اور یہ خبر اسی طرح کی ہے جس طرح دیگر قیامت تک پیش آنے والے اشراط و علامات۔ اگر یہ نصوصِ خلافت تھیں، تو اُمت کے سامنے اس کا اعلان ہونا چاہیے اور اس کو صیغۂ راز میں رکھنے کی تاکید نہیں ہونی چاہیے تھی۔ بلکہ یہ ایک پیشگوئی تھی، مثل خروج دجال کے جو حرف بحرف پوری ہوتی۔

۳۔ پھر اہل السنت ان خلافتوں کو اجماعی اور شورائی کیوں قرار دیتے ہیں، نصی کیوں نہیں سمجھتے؟

۴۔ اعلانِ خلافت تو اس قدر ضروری تھا کہ بمطابق ارشادِ خداوندی (وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ) تمام کارِ رسالت کے اکارت ہونے کا اندیشہ تھا، مگر یہاں اس راز کے افشاء پر دل ٹیڑھے ہو رہے ہیں۔ کیا ہے کسی معقول آدمی کے پاس کوئی معقول جواب، ان سوالات کا؟

(رسالہ تنزیہ الامامیہ صفحہ ۱۳۹ تا ۱۴۷)

نوٹ: پیر صاحب نے آیتِ مبارکہ ولا تخطہ کو ہر جگہ ولا تخطوہ لکھا ہے، جس سے اُن کی قرآن دانی پر تیز روشنی پڑتی ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تحفہ حسینیہ

ازابوالحسنات محمد اشرف سیالوی

علامہ ڈھکو صاحب کے اعتراضات آپ نے ملاحظہ فرمائے اور حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز کے جوابات پر تنقید اور جرح و قدح کا آپنے مطالعہ فرمالیا، لیکن ایک دفعہ پھر رسالہ "مذہب شیعہ" کا متعلقہ مقام پڑھنے کی تکلیف فرمادیں اور آپ کی طرف سے پیش کیے گئے نہج البلاغہ کے اقتباسات پڑھیں، جن سے آپ نے یہ ثابت کیا تھا کہ خود امیرالمؤمنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے، کہ میرا اس وقت خلافت کی بیعت لینا قبل از وقت ہے اور کچا پھل توڑنے کے مترادف اور غیر کی زمین میں کھیتی باڑی کرنے کے حکم میں ہے۔ نیز میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے خلفاء کی اطاعت کا پابند ہوں، لہذا میرے لیے ناممکن ہے کہ میں ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی خلافت کی مخالفت کروں اور پھر خود آپ کا ان کے ہاتھ پر بیعت کرنا، یہ تمام تر روایات حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تحریر کے منافی بلکہ مناقض ہیں۔

(مذہب شیعہ ص۷۹، ۸۰)

حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ نے قبل ازیں مفصل روایات، عبارات اور حوالہ جات ذکر فرمائے ہیں، وہاں بھی ڈھکو صاحب نے جواب دینے کی زحمت گوارا نہ کی اور یہاں پھر اُن کا اجمالی طور پر اعادہ فرما کر حدیث قرطاس کا جواب دیا تو پھر بھی علامہ موصوف نے اِن کا جواب نہ دیا جس کا صاف اور واضح مطلب یہ ہوا کہ وہ بے بس اور عاجز ہیں اور ان روایات و عبارات کے جواب سے بالکل قاصر، جب اس کے اپنے مذہب کی مستند کتابیں اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشادات ہی خلافتِ بلافصل کے دعویٰ کو سراسر غلط اور بے بنیاد ٹھہراتے ہیں، تو اِدھر اُدھر بھاگنے اور دُور دُور کی کوڑیاں لانے کا کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔

بہرحال ڈھکو صاحب کے ذمے نہج البلاغہ اور بہت سی دوسری کتابوں کے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حوالہ جات کے جوابات باقی ہیں اور اس چوری اور فراڈ کی ناکام کوشش نے ان کی اجتہادی صلاحیت اور حجۃ الاسلامی کو نیست و نابود کر دیا ہے اور یہ واضح کر دیا ہے کہ ان دلائل کا پوری قوم کے پاس کوئی معقول جواب نہیں ہے اور اب ہم ڈھکو صاحب کے ذکر کردہ جوابات کی حقیقت قارئین پر واضح کرتے ہیں۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھنا محال ہے اور اس کا مطلب

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے حدیثِ قرطاس کے متعلق پہلا قابل غور امر یہ پیش کیا تھا کہ اس میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے لکھنے کا ذکر ہے اور آپ کے لئے بذاتِ خود لکھنا محال ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ولا تخطہ بیمینک فرما کر آپ کے نہ لکھنے کی خبر دی ہے اور یہ لائے نافیہ ہے، اور یا آپ کو لکھنے سے منع فرمایا ہے اور یہ لائے نہی ہے، لہٰذا ہر دو صورت میں آپ کا لکھنا محال ہے۔ اس تقریر پر شیعی فاضل نے تین طرح سے مؤاخذہ کی سعی لاحاصل فرمائی ہے، جو آپ ملاحظہ فرما چکے، مگر ان کی ساری کاوش میں بنیادی خرابی یہ ہے کہ انہوں نے ذاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لحاظ سے لکھنا محال سمجھ لیا ہے اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی ایم اے اور پی۔ ایچ۔ ڈی ہونے کا عقیدہ لازم اور ضروری قرار دے دیا ہے وغیرہ وغیرہ۔

حالانکہ وہ اگر غور کرتے اور تعصب و عناد نے ان کی فکری صلاحیتوں کو مفلوج نہ کر دیا ہوتا، تو بات بالکل صاف اور واضح تھی کہ اللہ تعالیٰ کی خبر کے خلاف کرنا یا اس کے حکم کی خلاف ورزی کرنا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ممکن نہیں تھا، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لکھنے کو محال بالذات نہیں کہا گیا، بلکہ محال بالغیر کہا گیا ہے اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کی نہ لکھنے کی خبر کے لحاظ سے اور آپ کی شانِ اطاعت اور فرمانبرداری کے لحاظ سے۔

مثلاً تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور ملائکہ معصوم ہیں اور ان سے کفر و کبائر کا سرزد ہونا محال ہے لیکن علامہ ڈھکو صاحب جیسا محقق اس عبارت کو دیکھ کر کہہ دے:

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

واہ رے سُنّی علماء! اُمتی تو ایسے کام کریں اور جن و شیاطین بھی کر سکیں، مگر اُولو العزم مقتدر رُسل کرام نہ کر سکیں اور عظیم قوتوں اور قدرتوں کے مالک ملائکہ نہ کر سکیں، یہ کیسے ممکن ہے؟ لیکن آپ کا یہ دعویٰ سراسر تحکم اور سینہ زوری ہوگا، بلکہ حماقت؛ کیونکہ انہوں نے اس قول میں انبیاء و رُسل اور ملائکہ کرام کی شانِ عصمت کو نظر انداز کر دیا ہے۔ بالکل اور بعینہٖ اسی طرح لکھنے کے معاملہ میں بھی ڈھکو صاحب نے سینہ زوری سے کام لیا ہے۔ بطریقِ اعجاز اور خرقِ عادت لکھ سکنے کی نفی نہ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے فرمائی نہ ہی وہ محلِ بحث ہے، بلکہ کلام عملی طور پر لکھنے میں ہے اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ لکھنے کی خبر یا لکھنے سے نہی کے پیشِ نظر اور محال بالعرض اور ممتنع بالغیر کے طریقہ پر اور اگر آپ کا یہ مقصد نہ ہوتا، تو لائے نفی یا لائے نہی کو ذکر ہی کیوں فرماتے آپ کا قول باری تعالیٰ، وَلَا تَخُطُّہٗ میں لائے نفی اور لائے نہی کو ذکر فرما کر نبی الانبیاء محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھنے کو محال قرار دینا، اسی حقیقت کا واضح بیان ہے؛ مگر اہلِ ابصار و بصائر کے لیے۔

شق ۲۔ دوسری شق میں ڈھکو صاحب نے فرمایا کہ شیخ الاسلامی کے دعوے دار کو نہ کرنے اور نہ کر سکنے کا فرق معلوم نہیں۔ نیز لائے نفی اور لائے نہی کا فرق بھی معلوم نہیں اور وَلَا تَخُطُّہٗ جملہ خبریہ ہے انشائیہ نہیں ہے الخ قبل ازیں حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کا مطلب انہیں کی عبارت کے سیاق و سباق کی رُو سے عرض کیا جا چکا ہے اور نہ کر سکنے کی حقیقت واضح ہو چکی ہے، مگر بدقسمتی سے علامہ صاحب نے خود عبارت سمجھی ہی نہیں تھی۔ نیز لائے نفی اور لائے نہی میں فرق نہ سمجھتے تو دونوں کو لطور تقابل ذکر ہی کیوں فرماتے اور لائے نہی ہونے کی صورت میں ترجمہ بالکل وہی ہے جو حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے ذکر فرمایا۔ ہاں البتہ اس پر اعتراض کرنا جہالت کا ایسا شاہکار ہے، جو رہتی دُنیا تک یادگار رہے گا۔ بلکہ نفی کی صورت میں بھی معنی نہی والا ہی ہوگا اور اس کو صورتِ خبر میں ذکر کرنا مزید تاکید حکم اور مبالغہ کے لیے ہوگا جیسے کہ کتبِ معانی و بیان میں اس کی تفصیل موجود ہے اور یہ دعویٰ کہ وَلَا تَخُطُّہٗ فقط جملہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

خبریہ ہے اور اس میں انشائیت کا احتمال بھی نہیں ہے، محض دعویٰ ہی ہے جو محلِ نزاع میں غیر مسموع ہے۔

شق ۳:- تیسری شق میں ڈھکو صاحب نے فرمایا کہ جو مصلحت اعلانِ نبوت سے قبل نہ لکھنے اور لکھا ہوا نہ پڑھنے میں تھی، وہ اعلانِ نبوت کے بعد ختم ہو گئی، تو ہم ڈھکو صاحب سے دریافت کرتے ہیں کہ اعلانِ نبوت کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تورات و انجیل، زبور اور دیگر صحفِ سماویہ کا مطالعہ شروع فرما دیا تھا؟ یا قرآن مجید اپنے ہاتھ مبارک سے لکھنا شروع کر دیا تھا اور کسی کاتب کو کتابتِ وحی کی تکلیف نہیں دیا کرتے تھے؟ جب آپ نے کتبِ سابقہ کا مطالعہ بھی کبھی نہ فرمایا اور قرآن مجید کی کوئی آیت بھی اپنے ہاتھ مبارک سے نہ لکھی اور اعلانِ نبوت کے بعد کتابوں کے مطالعہ اور قرآنِ کریم کی کتابت والا معجزہ ظاہر کر کے اپنی حقانیت و صداقت نبوت پر اس کو دلیل نہ بنایا تو ثابت ہو گیا کہ یہ قولِ مبارک صرف قبل از اعلانِ نبوت کی حالت کو نہیں بتلا رہا اور نہ مصلحتِ سابقہ پر دلالت کر رہا ہے، بلکہ آئندہ کے لیے بھی وہی حکم تھا اور اسی پر آپ نے زندگی بھر عمل فرمایا اور اس مصلحت کو اعلانِ نبوت کے بعد بھی ملحوظ رکھا۔ لہٰذا علامہ موصوف کا یہ دعویٰ کہ اعلانِ نبوت کے فوری بعد وہ مصلحت ختم ہو گئی، سراسر لغو اور بیہودہ ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وصفِ اُمیت کی بقا اعلانِ نبوت کے بعد بھی بہت ضروری تھی جو شخص اہلِ کتاب وغیرہ سے مشرف باسلام ہونے کے لیے آتا، جن کو معلوم تھا کہ پیغمبرِ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم اُمی ہوں گے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: الذین یتبعون النبی الامی الذی یجدونہ مکتوباً عندھم فی التوراۃ والانجیل۔ اور وہ آپ کو کتابت کرتے دیکھتا یا کتبِ سماویہ کا مطالعہ کرتے دیکھتا، تو وہ کس طرح اُمی والی علامت آپ میں موجود ہونے کا یقین کرتا اور کتبِ سابقہ کی اقتدا و اتباع میں آپ پر کس طرح ایمان لاتا؟ لہٰذا آخر تک آپ کا وصف امیت پر رہنا ہی سراسر مصلحت اور عین حکمت تھا گو شیعی علماء اس کو سمجھنے سے قاصر ہی ہوں۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کیا سیدِ عالم و عالمیان صرف تہتّر زبانیں جانتے تھے؟

علامہ ڈھکو صاحب نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تہتر زبانیں جانتے تھے اور ان میں کلام فرما سکتے تھے، لیکن ہم کہتے ہیں صرف تہتر کیا تہتر ہزار زبانیں جاننا بھی بعید نہیں، کیونکہ آپ تمام جہانوں کے لیے رحمتِ مجسّم بنا کر بھیجے گئے، لہٰذا جتنی اجناس و اصناف اور انواع و اقسام امم و اقوام کی ہیں، حیوانات ہوں یا جن و انسان ان سب کی بولیاں آپ کو معلوم تھیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ، وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ۔ یعنی ہم نے ہر نبی و رسول کو اس کی قوم کی زبان کے ساتھ مبعوث فرمایا تاکہ وہ انہیں اپنا مدعا و مقصود سمجھا سکے اور ان کی بات بھی سمجھ سکے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب انسانوں، جنوں اور ملائکہ نیز جملہ حیوانات کے لیے بھی رسولِ رحمت ہیں کما قال اللہ تعالیٰ، وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ لہٰذا ان تمام کی زبانیں آپ کو معلوم ہونی چاہئیں، لیکن باوجود اس قدر علم کے محلِ بحث امیت اسی طرح برقرار اور باقی و دائم رہے گی، کیونکہ یہ زبانیں عام طریقۂ تعلیم کے مطابق آپ نے حاصل نہیں کیں۔ اگر عربی النسل بچہ فصیح عربی بول لے لیکن بطورِ تعلیم و تعلم نہ ہو اور ہم اس معیار کی عربی نہ بول سکیں، مگر درسی تعلیم حاصل کی ہو تو پھر بھی وہ اُمّی رہے گا اور ہم اُمّی نہیں ہوں گے۔ نیز یہ وسعتِ علم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کسی غلط فہمی کی موجب نہیں ہو سکتی، بلکہ حقانیت کی دلیل ہو گی اور اگر لکھنا شروع فرما دیں اور مطالعہ شروع فرما لیں، تو مغالطہ پیدا ہو سکتا ہے۔ نیز تہتر زبانوں میں آپ کا لکھ سکنا بطورِ معجزہ محلِ بحث نہیں ہے، لیکن بطورِ عادتِ جاریہ ایک سطر لکھنا بھی ثابت نہیں کیا جا سکتا اور کلام اسی معمول میں ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ لکھنے کی پابندی میں اور علامہ موصوف کی توجہ کے لیے عرض کر دوں کہ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ اگر بطورِ اعجاز بھی لکھنا آپ کے حق میں محال سمجھتے تو وَلَا تَخُطُّهٗ کے اندر لاتے نہی کا احتمال ہی ذکر نہ فرماتے اور نہی والا معنی ہی نہ کرتے،

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کیونکہ جو شخص لکھنے سے بالکل عاجز و قاصر ہو اس کو لکھنے سے منع کرنا ہی غیر معقول ہوگا لہٰذا صاف ظاہر کہ آپ نے لکھنے کی قدرت تسلیم کی، لیکن اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کے تحت آپ سے فعلِ کتابت کا سرزد ہونا محال بالغیر قرار دے دیا اور، اس کلامِ صداقت نشان پر جرح و قدح کا کوئی جواز نہیں ہے۔

کتبِ اہل السنت اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھنے کا ثبوت

علامہ موصوف نے کتبِ اہل السنت سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھنے کا کوئی ثبوت تحریر نہیں کیا۔ حسبِ عادت صرف دعویٰ کر کے آگے چل دیتے ہیں اور مقامِ نزاع و خلاف میں محض دعویٰ کر دینا کافی نہیں ہوا کرتا، مگر ڈھکو صاحب نے مباحثہ و مناظرہ اور استدلال و استشہاد کا طریقہ ہی نیا ایجاد کیا ہوا ہے، لہٰذا جواب کی ذمہ داری ہم پر عائد نہیں ہوتی تھی، لیکن پھر بھی بطورِ تبرع جواب عرض کیے دیتے ہیں۔

علامہ موصوف کے اس دعویٰ کا دار و مدار غالباً صلح حدیبیہ کے موقعہ پر تحریر کیے گئے معاہدہ پر ہے، جس کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے معاہدہ لکھتے وقت آپ کے نامِ نامی کے ساتھ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) لکھ دیا۔ فریقِ مخالف نے اس پر اعتراض کیا کہ ہم آپ کو رسول اللہ مانتے تو جنگ کیوں کرتے اور راستہ کاٹ کیوں ڈالتے، لہٰذا اس کو مٹا دیجئے۔ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا، اس لفظ کو مٹا کر محمد بن عبد اللہ لکھ دو۔ انہوں نے عرض کیا میری مجال نہیں اور نہ ایمان و ایقان اس کی اجازت دیتا ہے کہ رسول اللہ کا لفظ مٹا دوں، تو آپ نے اپنے دستِ اقدس کے ساتھ اس لفظ پر لکیر کھینچ دی۔ اس کے بعد جمہور کا قول یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا اب ابنِ عبد اللہ لکھ دو اور بقولِ بعض آپ نے صرف ابنِ عبد اللہ کا لفظ خود تحریر فرمایا اور آپ اچھی طرح لکھتے نہیں تھے فکتب ولم یکن یحسن یکتب اس کے علاوہ لکھنے کا کوئی ثبوت نہیں اور ظاہر ہے کہ یہ جزوی اور محتمل امر ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انکار کے بعد ضرورت اور مجبوری کے تحت ہے اور وہ بھی بقولِ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جمہور صرف لکیر کھینچنے تک محدود ہے، لہذا اس سے علامہ صاحب محل نزاع میں کیا حاصل کر سکتے ہیں ماسوا غوغا آرائی کے، کیونکہ سبب آمر کی طرف فعل کا نسبت کیا جانا متعارف اور عام ہے۔ الغرض ڈھکو صاحب کی ساری تحریر اور گرج اور چمک صرف اپنی غلط فہمی بلکہ کج فہمی پر مبنی ہے جس کی ذمہ داری حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ پر نہیں ڈالی جا سکتی۔

شیعی علماء اعلام کے اقوال

آئیے اب اس مسئلہ پر شیعی علماء اعلام کے اقوال ملاحظہ کریں،

صاحب ناسخ التواریخ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیازی اور مختصہ احکام میں سے حرام امور کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہے۔ "ذکر محظورات و محرمات رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم (تا) پنجم خط نوشتن قال اللہ تعالیٰ، ولا تخطه بیمینك اذاً لارتاب المبطلون o (جلد اول از کتاب دوم صفحہ ۵۹۹)

آپ کے لیے مختصہ امور اور احکام میں سے پانچواں حرام اور ممنوع امر ہے خط لکھنا اور تحریر کرنا جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اور نہ لکھنا تم اس کو اپنے داہنے ہاتھ سے ورنہ باطل پرست لوگ شک و تردد میں پڑیں گے۔ کہیئے علامہ صاحب جملہ خبریہ اور لائے نافیہ کی صورت میں خط لکھنا حرام کیسے ہو گیا؟ لفظاً یا معنیً جملہ انشائیہ ماننا لازم ہے یا نہیں؟ اور جو معنی حضرت شیخ الاسلام نے کیا وہی آپ کے علماء سے ثابت ہے یا نہیں؟ کیا یہ ترجمہ حضرت پیر صاحب کا فی الواقع علمی شاہکار ہے یا نہیں ہے۔۔؟

۲۔ علامہ طبرسی نے سید مرتضیٰ علم الہدیٰ کے حوالے سے لکھا ہے،

ھٰذہ الایة تدل علیٰ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ماکان یحسن ان یکتب قبل النبوة فاما بعد النبوة فالذی نعتقدہ فی ذالك التجویز لکونه عالمًا بالقراۃ والکتابة والتجویز لکونه غیر عالم بھما من غیر قطع علیٰ احد الامرین

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

وظاہر الایة یقتضی ان النفی قد تعلق بما قبل النبوة دون ما بعدھا ولان التعلیل یقتضی اختصاص النفی بما قبل النبوة لان المبطلین انما یرتابون فی نبوتہ لوکان یحسن الکتابة قبل النبوة فاما بعد النبوة فلا تعلق لہ بالریبة والتہمة فیجوز ان یکون تعلمہا من جبرئیل علیہ السلام (تفسیر مجمع البیان ص ۲۸۷، ۲۸۸ ج ۸ ومنہج الصادقین ص ۱۶۸، ۱۶۹ ج ۷)

یہ آیتِ کریمہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اعلانِ نبوت سے پہلے درست طریقہ پر نہیں لکھ سکتے تھے۔ رہا اعلانِ نبوت کے بعد کا دور تو ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ممکن ہے آپ اس میں کتابت اور قرأت کا علم اور ملکہ رکھتے ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس دوران بھی آپ کو یہ ملکہ حاصل نہ ہو کسی ایک امر کا حتمی علم اور یقین نہیں ہے۔ ہاں آیتِ کریمہ سے بظاہر یہی پتہ چلتا ہے کہ نفی کا تعلق اعلانِ نبوت سے پہلی حالت کے ساتھ تھا نہ کہ اعلانِ نبوت کے بعد والے دور سے۔ نیز جو عِلت اس نفی کی بیان کی گئی ہے، وہ بھی اعلانِ نبوت سے پہلی حالت کے ساتھ نفیٔ کتابت کا اختصاص چاہتی ہے، کیونکہ باطل پرست اِسی صورت میں آپ کی نبوت میں شک و شبہ کر سکتے تھے، جبکہ آپ قبل از نبوت اچھی طرح لکھ سکتے ہوتے، لیکن اعلانِ نبوت کے بعد والے دور کو اس تہمت اور ریبت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے، لہٰذا ہو سکتا ہے کہ آپ نے جبرئیل علیہ السلام سے کتابت کا علم اور ملکہ حاصل کر لیا ہو۔

شیعہ کا مذہب مختار

مجمع البیان اور منہج الصادقین کی عبارات ہی ڈھکو صاحب کی تعلّی اور گرج چمک کی بنیاد تھیں اور بلا حوالہ یہی تقریر انہوں نے اپنے رسالہ میں درج کر دی لیکن ان عبارات سے صرف اتنا قدر ثابت ہوا کہ ممکن ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جبرئیل علیہ السلام سے فنِ کتابت کا علم حاصل کر لیا ہو، لیکن اس کا یقین اور اعتقاد جازم نہیں ہے، لیکن آیئے دیکھیں کہ اُن کا مذہب مختار اس باب میں کیا ہے؟ علامہ فتح اللہ کاشانی کے قول کے مطابق جو لوگ آپ کو آخر تک امی تسلیم کرتے ہیں، وہی صواب کے بہت قریب ہے اور شعرانی نے کہا۔ صحیح بھی یہی ہے۔

ا۔ و مذہب آنانکہ وے صلی اللہ علیہ وسلم را اُمّی دانند از اول عمر تا آخر عمر بصواب اقرب است۔ منہج الصادقین ج ۷ صـ ۱۶۹

یعنی جن لوگوں کا مذہب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اول عمر سے آخر عمر تک اُمّی تھے، وہ صواب اور درستگی کے بہت زیادہ قریب ہے۔

۲۔ صاحب تیسیر نے کہا تھا کہ آغازِ کار میں رسم الخط اور لکھا ہوا پڑھنے کا علم و ملکہ نہ ہونا فضیلت تھا، وچوں معجزہ ظاہر شد و در اُمیتِ اُو شک و شبہ نماند حق تعالیٰ در آخر عمر ایں فضیلت بوے ارزانی داشت تا معجزہ دیگر باشد

یعنی جب آپ کا معجزہ ظاہر ہو گیا اور آپ کے اُمّی ہونے میں شک و شبہ نہ رہا، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو آخری عمر میں یہ فضیلت عطا فرما دی۔

لیکن ابو الحسن شعرانی صاحب نے اپنے حاشیہ میں اس پر رد کرتے ہوئے لکھا کہ ان لوگوں کی گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے آپ کے لیے علمِ قرأت اور علم الخط از رُوئے حدس اور گمان ثابت کیا ہے نہ کہ نقل اور روایت کے ساتھ "و تاریخ را باید بنقل ثابت کرد نہ بحدس"۔ اور لکھنے وغیرہ کے قول کو نقل کے ساتھ ثابت کرنا چاہیے نہ کہ ظن و تخمین کے ساتھ اور جن لوگوں نے یہ قول کیا ہے ان کا منشا قول یہ ہے کہ لکھنا اور پڑھنا فضیلت ہے اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس اس فضیلت سے خالی نہیں ہونی چاہیے۔

"لیکن حق آنست کہ خط و کتابت و قرأت برائے تعلیم و تعلم است و خود فی حد ذاتہ فضیلت نیست و آنکہ بے واسطہ با عالم اعلیٰ رابطہ دارد چہ نیازش بخط و قرأت باشد۔" حاشیہ منہج الصادقین، ج ۷، صـ ۱۶۹

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

لیکن حق و حقیقت یہ ہے کہ علم الخط اور علمِ قرأت اور لکھا ہوا دیکھ کر پڑھ سکنا تعلیم و تعلّم کے لیے وسیلہ اور ذریعہ ہے، بذاتِ خود کوئی فضیلت نہیں ہے، لہٰذا وہ ہستی مقدس جو بلا واسطہ عالمِ بالا اور ربِّ اعلیٰ کے ساتھ رابطہ رکھتے ہوں، اُن کو رسم الخط اور لکھا ہوا پڑھ سکنے کی طرف محتاج نہیں ہو سکتی۔

ستر علوم پر دسترس اور اُن میں لکھنے کی حقیقت

علامہ ڈھکو صاحب نے اپنا عقیدہ و نظریہ بیان کیا تھا کہ آپ کو ستر علوم پر کامل دسترس بھی اور ان میں آپ لکھ پڑھ سکتے تھے، لیکن اس کا حوالہ نہیں دیا تھا۔ دراصل وہ روایت بصائر الدرجات کی ہے جو خود بھی ضعیف کتاب ہے اور اُس کی یہ روایت بھی ضعیف ہے جیسا کہ حاشیہ "منہج الصادقین" میں ہے:

"ودر بصائر الدرجات کہ خود کتابے ضعیف است بسندِ ضعیف روایت کردہ است کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بہفتاد زبان میخواندو می نوشت واین با مخالف بظاہر قرآن است۔ خواندن باعجاز و وحی و تعلیم جبریل در ہر جا کہ ثابت شود از محلِ کلام خارج است۔ منہج الصادقین جلد ۷، ص ۱۲۹

یعنی "بصائر الدرجات" میں جو کہ بذاتِ خود کتاب بھی ضعیف ہے، پھر اس میں ضعیف روایت کے ساتھ مروی و منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ستّر زبانوں میں پڑھتے اور لکھتے تھے، لیکن یہ روایت قرآن مجید کے ظاہری معنی و مفہوم کے خلاف ہے۔ بطورِ اعجاز پڑھ لینا یا وحی اور تعلیم جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ جہاں بھی ثابت ہو وہ محلِ بحث اور مقامِ نزاع سے خارج ہے۔

یہ تھی علامہ ڈھکو صاحب کی دلیل و بُرہان جس کو خود اس کے اہلِ مذہب نے رد کر دیا تھا اور بناء الفاسد علی الفاسد فی الضعیف قرار دیا تھا۔

اقول، علاوہ ازیں اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عمر شریف کے آخری حصہ میں فنِ کتابت اور قرأت میں مہارت حاصل کر چکے تھے، تو اب آپ کو اُمّی والے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

لقب سے موصوف کرنا غلط ہونا چاہیے، کیونکہ جو پہلے اُمّی ہو اور بعدازاں لکھ پڑھ لے اور علومِ مروجہ کی تکمیل کرلے، تو اُس کو اُمّی نہیں کہہ سکتے، لہٰذا سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو عمرِ شریف کے آخری حصہ میں اُمّی کہنا غلط ہونا چاہیے اور اگر یہ وصف ذکر کیا جائے، تو توہین و تحقیر کا ارتکاب لازم آنا چاہیے، کیونکہ پڑھے لکھے کو اُمّی کہنا اس کی تعلیم و تعلم اور اس فن میں دسترس کا انکار ہے، حالانکہ یہ لازم باطل ہے، لہٰذا ملزوم بھی باطل ہے اور علامہ فتح اللہ کاشانی کا یہ قول برحق ثابت ہوگیا کہ جو لوگ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اوّل عمر سے لے کر آخر عمر تک اُمّی تسلیم کرتے ہیں، صواب اور صحیح ترین قول انہیں کا ہے۔ ڈھکو صاحب اب کہیے! لعنت برین مذہب باد! تاکہ تمہارے ہی منہ پر لوٹ کر آئے، کیونکہ تمہارا اپنا مذہب مختار یہی ہے الحاصل جب آپ اُمّی ہیں اور آپ پر لکھنا حرام ہے، تو قول باری تعالیٰ، وَلَا تَخُطُّہٗ خبر ہو تو معنیٰ نہی والا ہی ہے، تو حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کا ترجمہ بالکل عینِ صواب اور حقیقت کے مطابق ہوگیا، لہٰذا اس پر ڈھکو صاحب کی تنقید اپنی جہالت اور اپنے مذہب سے بیگانگی کا نتیجہ ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مختصہ احکام سے لاعلمی کا ثمرہ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمّی ہونے کا مطلب

یہ امر ذہن نشین رہے کہ ہمارے نزدیک اُمّی ہونے کا آپ کے حق میں یہ مطلب نہیں کہ آپ بے علم تھے نعوذ باللہ بلکہ آپ کے اُمّی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مخلوق کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہ کرنے والے اور تعلیم و تربیت میں مخلوق کا بارِ احسان نہ اٹھانے والے بلکہ براہِ راست اللہ تعالیٰ سے سب کچھ سیکھنے اور حاصل کرنے والے اور تعلیم و تربیت پانے والے کما قال اللہ تعالیٰ، وانزل اللہ علیک الکتاب والحکمۃ وعلمک مالم تکن تعلم (الآیہ)، نیز فرمایا، ثم ان علینا بیانہ اور فرمایا سنقرئک فلا تنسٰی (الآیہ)، اسی لیے امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

فرماتے ہیں ؎ کفاک بالعلم فی الامی معجزۃ
فی الجاھلیۃ والتادیب فی الیتم

یعنی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ جاہلیت میں موجود ہونے اور اُمّی ہونے کے باوجود صاحب علم ہونا اور یتیمی کے باوجود حسن ادب اور اخلاق عالیہ سے متصف ہونا صداقتِ نبوت پر معجزانہ دلیل ہے اور اسی حقیقت کو امامِ اہل سُنّت اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ نے یوں ادا فرمایا ہے ؎

ایسا اُمّی کس لیے منت کشِ اُستاد ہو
کیا کفایت اُس کو اقرأ ربک الاکرم نہیں

بلکہ یہ وہ اُمّی ہیں، جن پر سلسلہ تعلیم کی انتہا ہوگئی اور پھر کسی معلمِ کائنات اور نبی و رسول کے مبعوث فرمانے کی ضرورت نہ رہی اور پہلی شریعتیں ان کی شریعت سے منسوخ ہوگئیں اور پہلی کتابیں ان کی کتاب سے۔ ولنعم ما قیل! ؎

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست کتب خانہ چند ملت بشست

حدیثِ قرطاس کی دُوسری توجیہ اور جناب علامہ ڈھکو صاحب کی جواب میں فریبکاری!

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کے الفاظ پہلے ملاحظہ فرمالیں۔ آپ فرماتے ہیں بفرضِ تسلیم اس روایت میں خلافت کا ذکر تک نہیں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اور وہ بھی بلا فصل اس سے کیسے ثابت ہوگئی۔ صـ۹۷ اس کے جوابات میں ڈھکو صاحب نے جو مبسوط تحریر سپرد قرطاس فرمائی، بتلاؤ اسے کوئی مناسبت حضرت شیخ الاسلام کے فرمان سے ہے۔ آپ فرماتے ہیں اس روایت میں قطعاً خلافت کا ذکر ہی نہیں چہ جائیکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اور وہ بھی بلا فصل مذکور ہو۔ ڈھکو صاحب نے کس حیلہ سے اس جواب کو توڑا ہے۔ کتب اہل السنت کا حوالہ دیا ہے تو ان میں بھی بطورِ احتمال اس امر کا ذکر کیا گیا ہے اور وہ بھی خلافتِ بلا فصل حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی تو مراد

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نہیں، مگر اس سے روایت میں تصریح خلافت کیسے ثابت ہو گئی اور عقلی طور جو جواب دیا ہے کہ زندگی بھر مختلف اسالیب وعناوین سے جس کا ذکر کیا تھا، اب وہی لکھنی تھی اور کیا لکھنا تھا؟ یہ جواب بھی غلط ہے کیونکہ از روئے عقل کیا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جس کو زندگی بھر بیان فرماتے رہے اور اس کا اعلان کرتے رہے، اس کا ذکر اب تکرار محض کی وجہ سے اتنا اہم نہیں تھا، جتنا قدر کہ دوسرے اہم دینی امور لہٰذا جو ابھی بتکرار بیان نہیں ہو سکے تھے ان کے لیے لکھنے کا اہتمام مقصود تھا تو اس عقلی وجہ کو کیوں نظرانداز کیا جائے اور جو ڈھکو صاحب کے عقل نے اختراع کی ہے، اس کا کیوں التزام کیا جائے، لہٰذا نہ از روئے نقل یہ جواب صحیح ہوا اور نہ ہی از روئے عقل۔

امام غزالی علیہ الرحمہ پر بہتان

علامہ صاحب نے حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ کی طرف ایک عبارت کی نسبت کر دی، لیکن ان کی کسی کتاب کا حوالہ ہی نہیں دیا۔ کیا اس طرح کے دعوے اور دلائل کی مثال و نظیر کسی نے دیکھی ہے؟ غالباً آپ سر العالمین کا حوالہ دینا چاہتے تھے، لیکن طبعی تقاضا کے برعکس شرم آگئی کہ اپنی لکھی ہوئی کتاب کی نسبت اہل السنت کے عالم کی طرف کر کے جگ ہنسائی اور رسوائی کیوں مول لیں، لیکن پوری طرح شرم نہیں آئی، ورنہ یہ موضوع اور من گھڑت عبارت ذکر ہی نہ کرتے نہیں نہیں، بلکہ بہت بڑی فریب کاری کا مظاہرہ کیا ہے تاکہ لوگ سمجھیں کہ یہ احیاء العلوم جیسی معروف زمانہ کتابوں میں مذکور عبارت کا حوالہ ہے، حاشا وکلا، یہ ان کی کسی معروف کتاب میں نہیں، بلکہ ان سب میں اس کے منافی و مخالف عقیدہ کا اثبات ہے۔

قاضی نور اللہ شوستری نے اس کتاب کے اور امام غزالی علیہ الرحمہ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، وہ ملاحظہ ہو۔

مجمل عقیدہ اُو این است کہ درمبادی حال بواسطہ مصاحبت روسائے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اہلِ ضلال از نورِ ایمان خالی بودہ و آخر مومن موالی بلکہ شیعہ اعالی گردیدہ ۔۔۔
(مجالس المومنین صـ۱۹۲)

یعنی اجمالی طور پر غزالی علیہ الرحمہ کے عقیدے کا بیان یہ ہے کہ ابتدا میں وسا اہلِ ضلال کی صحبت کی وجہ سے نورِ ایمان سے خالی تھے اور آخر میں مومن موالی ہو گئے اور عالی مرتبت شیعہ ۔

درکتاب سرّالعالمین کہ آں را سرِّ مکنون نیز گویند و آں از جملہ کتبے است کہ غزالی آں را در آخر نوشتہ و افشار سرِّ خود نمودہ و تصریح بارتدادِ خلفاء ثلاثہ و تابعان ایشاں فرمودہ ۔ یعنی کتاب سرّالعالمین جس کو سرِّ مکنون بھی کہا جاتا ہے اور یہ منجملہ ان کتابوں کے ہے، جن کو امام غزالی علیہ الرحمہ نے عمر کے آخری حصّہ میں لکھا اور اپنے راز کا افشار کیا اور خلفاء ثلاثہ اور ان کے متبعین کے مُرتد ہوتے اور دینِ حق سے برگشتہ ہونے کا قول کیا ۔
(مجالس المومنین جلد دوم، صـ۱۹۶)

جب قاضی شوستری یہ راز بیان کر چکا تو ایک سوال سُوجھا، لہٰذا اس کا جواب دینا بھی ضروری سمجھتے ہوئے سوال و جواب کو کتاب میں درج کیا، آپ بھی ذرا اس سوال و جواب کا مطالعہ فرما کر محظوظ ہوں اور علامہ ڈھکو صاحب کی ڈھٹائی نہیں اس کی مجبوری و معذوری کو محسوس کریں، کیونکہ اخلاف اپنے اسلاف کی راہ کیونکر چھوڑ سکتے ہیں اور تلبیس و تدلیس کا یہ طریقہ انہیں اسلاف سے ہی ورثہ میں ملا ہے، لہٰذا وہ اس معاملہ میں مجبور محض ہیں ۔

سوال ، کسے نگوید کہ چوں حکم بتشیع غزالی و امثال اُو کہ بمذہبِ اہل السنت اشتہار دارند نمودید پس باید کہ سخن ایشاں راکہ در کتب کلامیہ و غیر آں مسطور است براہل سنت حجت نسازید ۔ **جواب** ، زیرا کہ ما میگوئیم کہ حکم ما بتشیعِ غزالی و امثال او نظر بباطنِ حال ایشاں است و شک نیست کہ ظاہرِ حال ایشاں موافق اہل السنت بُود و تصانیف ایشاں برطبق عقائد آں جماعت واقع شدہ ۔ و ہمگی مطالعہ آں تصانیف کردہ اند و آنچہ در آنجا مسطور است بقبول تلقی نمودہ اند و آں را مخالف روایات و

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

درایات خود ندانستہ اند پس فی الحقیقت احتجاج ما آنچہ در تصانیف امثال غزالی است احتجاج است بتصانیفیکہ اہل السنت آں را اعتبار کردہ اند بلکہ افتخار بآں نمودہ اند ہر چند مصنف آں شیعی باشد باطناً یا ظاہراً۔ (مجالس جلد دوم صفحہ ۱۹۸)

سوال یعنی کوئی شخص یہ نہ کہے کہ جب تم غزالی علیہ الرحمہ وغیرہ کے شیعہ ہونے کے قائل ہو تو پھر اُن کی وہ عبارات جو کتب کلامیہ وغیرہ میں مسطور ہیں اور مسلکِ اہل سنت کے خلاف ہیں، وہ اُن کے خلاف بطورِ حجت و سند پیش نہ کرو (کیونکہ یہ تو شیعہ کی عبارت کو اہل سنت کے خلاف حجت قرار دینے کے مترادف ہوا)

جواب کیونکہ ہم جواب میں کہتے ہیں کہ ہمارا غزالی اور اس قسم کے لوگوں کو اہلِ تشیع میں شمار کرنا ان کے باطنی حال کے پیشِ نظر ہے اور اس میں شک نہیں ہے کہ ان کا ظاہری حال اہلِ سنت کے موافق ہے اور اُن کی تصانیف بھی اہل سنت کے مطابق پائی گئی ہیں اور تمام اہل السنت نے ان کا مطالعہ کیا اور اُن کو اپنے ہاں قابلِ قبول ٹھہرایا اور اُن کو اپنی روایات و درایات کے مخالف نہیں سمجھا، لہٰذا درحقیقت ہمارے استدلال کا دارومدار ان تصانیف پر ہے جن کو اہل السنت نے معتبر سمجھا ہے، بلکہ ان پر فخر کا اظہار کیا ہے، خواہ اُن کا مصنف باطن میں شیعہ ہو یا ظاہر میں۔

کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

اہل السنت امام غزالی علیہ الرحمہ وغیرہ کی جن کتابوں پر اعتبار و اعتماد کرتے ہیں اور اُن پر اظہارِ فخر کرتے ہیں، اُن میں ایسی عبارات نہیں ہیں جو شوستری صاحب نے نقل کی ہیں اور جن میں ایسی عبارات ہیں، وہ سربستہ راز ہیں، جن سے صرف شیعہ حضرات آگاہ ہوئے اور وہ اہل السنت کے نزدیک نہ قابلِ قبول اور نہ امام غزالی علیہ الرحمہ وغیرہ کی تصنیفات ہی ہیں، لہٰذا جو معتبر اور مقبول ہیں، ان میں عقیدۂ اہل السنت کی صحیح اور مکمل ترجمانی ہے، ان کو اہل السنت کے خلاف کون احمق پیش کر سکتا ہے؟ اور جن کو پیش کیا جاتا ہے، وہ اہل سنت کے نزدیک صحیح النسبت ہی نہیں، لہٰذا ان کو اہل سنت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے خلاف پیش کرنا بھی سراسر تحکم اور سینہ زوری ہے۔ الغرض اس سوال کا دوبارہ سہ بارہ مطالعہ کرو اور جواب کی مطابقت بھی مشاہدہ کرو تو یقیناً یہی کہنا پڑے گا

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی (غالب)

جب امام غزالی علیہ الرحمہ بقول قاضی شوستری شیعہ ہو گئے تھے اور تشیع کے بعد انہوں نے کوئی کتاب لکھی جس میں خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے متعلق نعوذ باللہ مرتد ہونے کا قول کیا وغیرہ وغیرہ، تو ایسی کتاب نصیر الدین طوسی کی ہو یا امام غزالی کی اس سے اہل سنت کو الزام دینے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟

کتاب سر العالمین حضرت شاہ عبدالعزیز کی نظر میں

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۳۷ پر شیعہ کے اکیسویں مکر و کید کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ کبھی اپنے طور پر کتاب لکھ کر اس میں صحابہ کرام علیہم الرضوان پر طعن و تشنیع اور اہل سنت کے مذہب کو باطل کرنے والی عبارات درج کر کے اہل السنت والجماعت کے اکابر علماء میں سے کسی کی طرف منسوب کر دیتے ہیں اور اس کتاب کے آغاز میں خطبہ لکھ دیتے ہیں، جس میں کتمانِ اسرار اور حفظِ امانت کی وصیت درج کر دیتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ جو کچھ اس کتاب میں ہے، وہ ہمارا خفیہ عقیدہ ہے اور جو کچھ دوسری کتابوں میں لکھا ہے، وہ محض پردہ داری اور زمانہ سازی کے طور پر لکھا ہے۔

مثل کتاب سر العالمین کہ آں را بامام غزالی نسبت کنند و علیٰ ہذا القیاس کتب بسیار تصنیف کردہ اند و بہر یک از معتبرین اہل السنت نسبت نمودہ اند کسی کہ بکلام آں بزرگ آشنا باشد و مذاقِ سخن جیز او امتیاز و تفرقہ نماید کمیاب می باشد، ناچار عوام طلبہ دریں مغلطہ خورند و خیلے سراسیمہ و حیراں شوند۔ (تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۳۷)

مثل کتاب "سر العالمین" کے جس کو امام غزالی کی طرف نسبت کرتے ہیں اور علیٰ ہذا القیاس بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں اور اہل السنت کے معتبر علماء کرام میں

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

سے ہر ایک کی طرف ایسی اختراعی کتابوں کی نسبت کی ہے اور چونکہ ہر شخص اس بزرگ کے کلام سے آشنا نہیں ہوتا اور اس کے مذاق سخن کو دوسرے لوگوں کے مذاق سخن سے جُدا اور ممتاز نہیں کرسکتا، لہذا ناچار، عام طلبہ اس مکر میں غوطے لگانے لگ جاتے ہیں۔ اور بہت زیادہ حیران و سرگردان ہوتے ہیں۔

اقول، یہ طریقۂ واردات صرف علماء اکابر کے ساتھ نہیں بلکہ ائمہ کرام کے ساتھ بھی یہی طریقہ اختیار کیا گیا۔ جو کچھ وہ مجمع عام میں اور خطبات میں فرماتے اس کو زمانہ سازی اور پردہ داری اور عوام کی ہمدردیاں حاصل کرنے کا بہانہ قرار دیتے ہیں اور اپنی طرف سے روایات گھڑ کر ائمہ کی طرف منسوب کر کے اسے ان کا اصلی اور باطنی عقیدہ قرار دیتے ہیں اور اسی غرض سے مستقل چور دروازہ تقیہ والا ایجاد کیا ہے۔ اللّٰھمّ انا نجعلك فی نحورھم و نعوذ بك من شرورھم۔

امام غزالی سید نعمۃ اللہ الموسوی الجزائری کی نظر میں

اگر علامہ ڈھکو صاحب نے اپنے علماء مذہب کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہوتا تو پھر کبھی ایسی جرأت نہ کرتے اور "سر العالمین" جیسی کتاب سے استدلال نہ کرتے۔ شیعی فاضل سید نعمت اللہ الجزائری نے صوفیاء کرام پر جرح و قدح کرتے ہوئے حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ کے متعلق اپنے غیظ و غضب اور بغض و عناد کا خوب اظہار کیا اور ان کی تالیفات معروفہ کے حوالہ جات سے شیعہ کے خلاف اُن کے تاثرات کو مفصل طریقہ پر بیان کیا۔ چنانچہ جزائری صاحب نے کہا،

۱۔ احیاء العلوم میں امام غزالی نے لکھا ہے، قد انکشف لہٗ فضل ابی بکر علی امیر المومنین علی علیہ السلام کر ان کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے افضل ہونے کا کشف ہوا یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حقیقت اُن پر منکشف کی گئی۔

۲۔ اپنی کتاب "المنقذ من الضلال" جو کہ انہوں نے درس و تدریس کے ترک

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کرتے اور مجاہدات و ریاضات میں بیس سال تک مشغول رہنے کے بعد تالیف کی' اس میں انہوں نے شیعہ کا رد کیا اور ان کے عقیدہ عصمتِ ائمہ کو باطل قرار دیا اور اس میں مذہبِ امامیہ کے بطلان کا کشف ہونے کی تصریح کی ہے۔ عبارت ملاحظہ ہو،

وانكشف له بطلان مذهب الامامية بعد أن ترك التدريس وانقطع فی دمشق ومكة المكرمة نحواً عن عشرين سنة ملازماً للخلوة فی آخر عمره وصنف كتاباً باسماء المنقذ من الضلال يتضمن الرد علی من يدعی العصمة والابطال لمذهبهم۔

۳۔ امام غزالی علیہ الرحمہ نے بار بار احیاء العلوم وغیرہ میں روافض کا ذکر آنے پر لکھا: قالت الروافض خذلهم الله تعالیٰ۔ رافضیوں نے اس طرح کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل و رسوا کرے۔

۴۔ احیاء العلوم میں ہی انہوں نے لکھا کہ اگر کوئی رافضی ہمارے پاس آئے' اور کسی شخص پر قتل کا الزام عائد کرے اور اپنے لیے بدلہ لینے کا استحقاق ثابت کرے تو ہم کہیں گے کہ تیرا اپنا قتل کیا جانا حلال ہے' تو دوسرے سے قصاص کا طلبگار کیونکر ہو سکتا ہے؟ قال فيه انه لو جاء الينا رافضی وادعی انه لطلب دم عند احد قلنا ان دمك هدر۔ (انوارِ نعمانیہ جلد ثانی ص ۲۸۵، ۲۸۶)

کتاب سر العالمین علامہ جزائری کی نظر میں

حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ کے متعلق شیعہ کے عظیم محدث کا نقطہ نظر معلوم کر لینے کے بعد اب اس کتاب کے متعلق اس کی رائے معلوم کریں،

نعم ربما نسب اليه كتاب يسمی سر العالمين فيه مقالة يظهر منها ميله الی الحق ونطقه به ليكون حجة عليه وبعضهم انكر كون الكتاب له او ان المقالة ملحقة بالكتاب۔

(انوارِ نعمانیہ جلد ثانی ص ۲۸۶)

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہاں بعض دفعہ اُن کی طرف ایک کتاب کی نسبت کی جاتی ہے جو کہ سر العالمین کے نام سے موسوم ہے، اس میں ایک مقالہ ہے، جس میں ان کا حق کی طرف یعنی مذہب شیعہ کی طرف میلان اور اس کے ساتھ تعلق ظاہر ہوتا ہے تاکہ اس پر حجت و برہان بنے اور بعض علماء نے اس کتاب کا غزالی کی تصنیف ہونے کا انکار کیا ہے اور یا یہ کہ یہ مقالہ الحاقی ہے، یعنی اسے روافض نے اپنی طرف سے لکھ کر کتاب میں درج کر دیا ہے جزائری صاحب کا انتقال ۱۱۱۲ھ میں ہوا ہے اور انہوں نے اس کتاب کی نسبت کا مشکوک ہونا اپنے قول ،، بما نسب الیہ کتاب . . . . . سے ظاہر کر دیا، کیونکہ فعل مجہول کے ساتھ نسبت کی تعبیر اس نسبت کے ضعیف اور ناقابل اعتماد و اعتبار ہونے کی دلیل ہے اور متداول کتب اور معروف و متواتر مؤلفات و مصنفات سے روافض کا رد اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل ہونے کا عقیدہ نقل کر کے بتلا دیا کہ ان کا حقیقی اور واقعی مذہب جو ان متداول و معروف کتابوں میں ہے وہ رفض و تشیع کے رد و ابطال پر مبنی ہے اور جس کتاب میں روافض اور اہلِ تشیع کے موافق عبارت موجود ہے۔ وہ ساری کتاب یا اس کا وہ مقالہ من گھڑت ہے اور ناقابلِ انتساب اور وہ لائقِ اعتماد و اعتبار نہیں ہے۔ ایسی صورت میں آپ ڈھکو صاحب کو داد دیں، جو پندرھویں صدی میں پھر اسی رسوائے زمانہ غیر معتبر اور ناقابلِ قبول کتاب سے استدلال پیش کر رہے ہیں اور بالکل خوفِ خدا اور شرمِ خلق سے بے نیاز ہو کر۔

الغرض ڈھکو صاحب کا امام غزالی علیہ الرحمہ پر یہ بہتانِ عظیم ہے اور اس کو حقیقت اور واقعہ سے دُور کا بھی تعلق نہیں ہے اور نہ ان کی متواتر و معروف کتابیں اس کی تائید کرتی ہیں بلکہ جس طرح سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول شاذ اور مشہور حدیث میں تعارض ہو تو اعتبار مشہور کلام ہو گا نہ کہ شاذ کا۔ اسی طرح امام غزالی علیہ الرحمہ کی طرف منسوب ان شاذ بلکہ موضوع و من گھڑت عبارت کا ان مشہور و متداول کتب کے اندر بصراحت مذکور عقائد و نظریات کے مقابل کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ڈھکو صاحب کی بے اصولی

تفسیر حسن عسکری کے حوالہ کا جواب دیتے ہوئے ڈھکو صاحب نے کہا تھا کہ اس کتاب کی نسبت حضرت امام حسن عسکری رضی اللہ عنہ کی طرف مشکوک ہے، لہذا جب تک اس کے مندرجات کی تائید و تصدیق دوسری صحیح اور مستند روایات سے نہ ہو جائے اس وقت تک اس کے مندرجات سے استدلال و استشہاد درست نہیں ہے، لیکن جو قاعدہ اور ضابطہ اپنے لیے وضع کرتے ہیں اور اسے اصولِ مناظرہ قرار دیتے ہیں اہل سنت کے خلاف جوابی کارروائی میں اس کو بھول جاتے ہیں بلکہ دیدہ دانستہ نظر انداز کر جاتے ہیں، حالانکہ ع — "ہرچہ برائے خود نہ پسندی برائے دیگراں مپسند" مسلّم قانون ہے۔ لیکن علامہ موصوف صرف چند ورق سیاہ کرنے کو ہی اپنا منتہائے مقصود قرار دیئے ہوئے ہیں، ہر چند سراسر بے اصولی پر ہی مشتمل کیوں نہ ہوں۔

حدیثِ قرطاس کی تیسری توجیہ کے جواب میں علامہ ڈھکو صاحب کی کیا دی و مکاری

تیسری توجیہ حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے شیعی استدلال کے ابطال میں یہ ذکر فرمائی تھی کہ حدیث قرطاس میں اِیْتُوْنِیْ جمع کا صیغہ ہے جس میں گھر کے اندر موجود تمام افراد کو مخاطب ٹھہرایا گیا ہے۔ اس میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔ چلو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرما بھی دیا: حسبنا کتاب اللہ یعنی ہمیں اللہ تعالیٰ کی کتاب کافی ہے اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر درد کا غلبہ ہے، لہذا اس دوران آپ کو آپ کو تکلیف نہ دو۔ تو سوال یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کہنے پر عمل کرنا تھا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر؟ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کس کے کہنے پر عمل کرتے ہوئے کاغذ اور قلم اور دوات پیش نہ کیے؟ اتنی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اب علامہ ڈھکو صاحب کے جوابات اور اُن کا رد ملاحظہ فرمائیں،

شق اوّل: اس کا پہلا جواب علامہ صاحب یہ دیتے ہیں کہ صیغہ "ائتونی" ضرور جمع مذکر کا ہے، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ اس میں داخل نہیں، بلکہ یہ خطاب ان کے لیے ہے جن کے گمراہ ہونے کا خدشہ تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ چونکہ ہادی و مہدی تھے اور کائنات کو صراطِ مستقیم پر چلانے والے تھے، لہٰذا ان کو یہ تحریر لکھوانے کی کیا ضرورت تھی؟ سبحان اللہ! کیا خوب جواب ہے۔ اس کو پڑھ کر ارسطو، افلاطون اور بوعلی سینا بھی دم بخود رہ جائیں۔ اقول وباللہ التوفیق:

۱۔ جس طرح حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تحریر لکھوانا چاہتے تھے، مگر اپنے فائدہ کے لئے نہیں، بلکہ لوگوں کی ہدایت اور بھلائی کے لیے، اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی لوگوں کی ہدایت اور بھلائی کے لیے اس کو لکھوا لیتے۔ آخر دوسری کتابیں بھی تو لکھی ہوئی تسلیم کی جاتی ہیں جن میں ستر ستر ہاتھ لمبائی والے صحیفے بھی ہیں، تو وہ کس لیے ہیں؟ ہدایتِ خلق کے لیے، یا گمراہی کے لیے؟

۲۔ اس ہادیٔ خلائق نے قرآن مجید کیوں لکھا تھا؟ اپنی ہدایت کے لیے یا لوگوں کی ہدایت کے لئے؟ جو مصلحت قرآن مجید کے لکھنے میں تھی، کیا وہی مصلحت یہاں موجود نہیں تھی؟ آپ خود تو بقولِ شیعہ ازلی مومن اور عارف تھے۔

۳۔ پھر سوال یہ نہ تھا کہ کس کی ہدایت مطلوب تھی؟ سوال یہ ہے کہ حکم کس کا تھا اور تعمیل کس نے نہیں کی، لیکن ثابت ہو گیا کہ کاغذ، قلم و دوات پیش نہ کرنے اور تعمیلِ ارشاد نہ کرنے میں سبھی برابر رہے ہے ع این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند۔

۴۔ اگر اس عقیدہ و نظریہ کے تحت عملی طور پر تعمیلِ حکم نہ کرنا جائز تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی وہی کچھ کیا جو اس عقیدہ اور نظریہ کے تحت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کیا۔ آپ نے ذرا اس عقیدہ و نظریہ کو ظاہر کر دیا اور حسبنا کتاب اللہ کہہ دیا۔ یعنی ہمیں ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ کی کتاب کافی ہے، لہٰذا ان کو بھی ضرورت نہیں تھی اور جن کو اللہ تعالیٰ نے الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

الاسلام دینا۔ کا مژدہ سنایا، یعنی میں نے آج کے دن (نو ذوالحجہ کے دن) تم پر اپنی نعمت کامل و مکمل کر دی اور تمہارے لیے دینِ اسلام کو بطورِ دین پسند کیا، لہٰذا وہ تمام صحابہ کرام مستثنیٰ ہو جانے چاہئیں، تو پھر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان اور حکم کا مخاطب کس کو ٹھہرایا جائے گا، کیونکہ جن کی مغفرت و بخشش اور اُن کے اللہ تعالیٰ سے راضی ہونے اور اللہ تعالیٰ کے اِن سے راضی ہونے کا قرآن کریم گواہ ہے۔ وہ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرح مستثنیٰ ہی ٹھہریں گے۔

۵۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت توحید و رسالت پر لبیک کہنے کی بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کیا ضرورت تھی؟ نعوذ باللہ اور کفار کے ساتھ حرب و قتال کی نیز ہجرت وغیرہ کی، کیونکہ آپ تو پہلے سے مومن تھے اور بقولِ شیعہ حضرات پنجتن پاک عالمِ ارواح دلو رانیت میں اور روزِ اوّل سے ایمان و اخلاص میں بھی برابر کے شریک تھے، لہٰذا یہ دعوت بھی دوسروں کے لیے تھی اور اس کی تعمیل بھی دوسروں کو کرنی چاہیے تھی۔ خدارا سوچیے اتنا لغو اور بیہودہ جواب دینے کی کوئی ہوشمند آدمی جرأت کر سکتا ہے ؎

خرد کا نام جنوں رکھ دیا، جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

شقِ دوم: علامہ ڈھکو صاحب نے کہا جب بڑے پروانۂ رسالت نے آپ پر ہذیان کی تہمت لگا دی اور اکثریت نے ان کی ہاں میں ہاں ملا دی، تو اس تحریر کا فائدہ کیا ہو سکتا تھا؟ جواب کی یہ شق بھی کئی وجوہ سے لغو و باطل ہے اور سراسر کیا دی و مکاری۔

ا۔ کیونکہ سوال یہ نہیں کہ اس کا فائدہ ہوتا یا نہ ہوتا۔ سوال صرف یہ ہے کہ ارشادِ نبوی کی تعمیل ضروری تھی اور وہ بمعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کسی کی طرف سے بھی نہ پائی گئی۔ رہا فائدہ ہونے کا معاملہ تو وہ قرآن مجید سے بھی ہر ایک نے نہیں اٹھایا خود اہلِ اسلام میں ایسے فرقے ہیں جو قول باری تعالیٰ یُضِلُّ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ کے مطابق اس کی وجہ سے گمراہ بھی ہوتے ہیں، جس کو ڈھکو صاحب چاہیں، تو اپنی افتادِ طبع کے مطابق قرآن مجید کے نقصانات میں بھی شمار کر سکتے ہیں، مگر اس کا نازل کرنا سراسر حکمت اور یاد کرنا اور کرانا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اور جمع کرانا سب ہی اہم عبادات ہیں۔ لہٰذا زیادہ کے لیے نہ سہی، تھوڑوں کے لیے ہی کچھ تو اس سے فائدہ اٹھاتے وقلیل من عبادی الشکور کے مطابق اہل حق کی تعداد کفار ومشرکین کے مقابل ہمیشہ تھوڑی رہی ہے، لہٰذا یہ کوئی صحیح توجیہ و تاویل عدم تعمیل کی نہیں ہو سکتی۔

حضرت نوح علیہ السلام کے تبلیغی زمانہ کو دیکھو اور ان کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہونے والوں کی تعداد کو بھی دیکھو تو پھر کہہ دینا چاہیے کہ اتنی قلیل تعداد کے لیے اس قدر اور اتنا عرصہ تکلیف برداشت کرنے اور کرانے کی کیا ضرورت تھی۔ علاوہ ازیں جس طرح کفار کے "انک لمجنون" اے نبی کہلانے والو! بے شک تم تو مجنون ہو، کہنے کے باوجود آپ کے قرآن مجید اور کتاب حکمت نے آپ کی حکمت و دانائی کے سکے بٹھا دیے اسی طرح وہ تحریر مقدس اور اس کے فیوض و برکات، آپ کی حکمت اور دانائی کا نقش اہل عالم کے قلوب و اذہان پر مزید گہرا کر دیتی۔ کیا اس تحریر پر مترتب اس فائدہ اور انجام کار ہاتھ آنے والی برکات کو نظر انداز کرنے کی کوئی وجہ جواز ہو سکتی تھی؟ قطعاً نہیں کیونکہ نبی علیہ السلام کا کام تھا تعمیر ملت کی بنیاد رکھنا اور بعد ازاں وہ عمارت ان کے غلاموں کے ہاتھوں رشک ثریا ہو جاتی، لہٰذا فوری مصلحت کو دیکھنا اور انجام و عواقب کو نہ دیکھنا منصب نبوت و امامت کے سراسر خلاف ہے۔

۲۔ وہ تحریر بھی لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے پاس رکھ لیتے اور دوسرے رازہائے درون پردہ کی طرح اس کو بھی شیعہ حضرات پر منکشف کر دیا جاتا اور ان کے ایمان کو لوہے کی کنٹھ کی طرح مضبوط کر دیا جاتا اور ان کو مومنین در مومنین بنا دیا جاتا۔ جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریری سند خلافت بلا فصل پر صریح اور غیر مبہم الفاظ میں ان کے پاس موجود ہوتی، تو اہل السنت کی روایات کا سہارا لینے کی ضرورت ہی نہ رہ جاتی اور کھینچ تان کر ان سے مطلب برآری کی تکلیف سے نجات حاصل ہو جاتی۔

۳۔ سارے مہاجرین وانصار نہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت کدہ پر موجود تھے اور نہ ہی مسجد شریف میں، لہٰذا جب وہ تحریر انصار کو دکھلا دی جاتی تو یقیناً

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

سقیفائی اور شورائی خلافت کا تیا پانچہ کیا جا سکتا تھا، کیونکہ جب وہ خود خلافت نہیں لے رہے تھے، تو حکمِ نبوی کی مخالفت کر کے اپنی دُنیا و آخرت کیونکر خراب کر سکتے تھے اور یہی وہ حضرات تھے جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چوتھا خلیفہ مانا اور آپ کی خاطر بدری صحابہ طلحہ و زبیر اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ بھی جنگ کرنے سے گریز نہ کیا، جبکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم پاس ہوتا، تو روزِ اول میں ہی جنگِ جمل والا منظر پیش آسکتا تھا، لیکن افسوس ہزار افسوس مدعی ہی سُست نکلا یہ گواہ بیچارے سوائے مکاری اور ہیرا پھیری کے کیا کر سکتے ہیں۔

۴۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نعوذ باللہ من ہذا البہتان حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہذیان کا الزام عائد کیا تھا، تو اب وہ حکیمانہ تحریر وصول کرنا اور سراسر مصلحت و منفعت پر مشتمل وہ وثیقہ حاصل کرنا مزید ضروری ہو گیا تھا تاکہ معترضین کا ناطقہ بند کیا جا سکتا اور اُس دَور کے لوگوں پر اور بعد میں آنے والی نسلوں پر ایسے لوگوں کے قلبی احوال کی نشان دہی کا ایک بیّن ثبوت ہوتا اور ان کے مقامِ نبوی سے بے خبر بلکہ اس کے مخالف ہونے کی قوی سند ہوتی، لیکن عملی طور پر ان کے ساتھ اتفاق کر کے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہی ان کے اس زعم کی تصدیق کر دی نعوذ باللہ یا کم از کم یہ امکان اور احتمال لوگوں کے دلوں میں راسخ کر دیا کہ ذاتِ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہذیان طاری ہو سکتا ہے اور ان کا ہر حکم ماننا ضروری نہیں ہوتا، بلکہ بعض دفعہ اس کی مخالفت ضروری ہو جاتی ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ!

دعویٰ ہذیان درحقیقت ہذیان ہی ہے

یاد رہے کہ اہل السنّت کی کسی کتاب میں قطعاً یہ مذکور نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کی طرف ہذیان کی نسبت کی تھی۔ آپ نے صرف خالص ہمدردی کی بنا پر مشورہ دیا، قد غلبہ الوجع وعندکم کتاب اللہ۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درد کا غلبہ ہے اور تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب موجود ہے، لہٰذا اس وقت آپ کو

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

یہ تکلیف نہ دی جائے، مگر مطابق قولِ سعدی علیہ الرحمہ ؎

چشمِ بد بین کہ برکندہ باد عیب نماید ہنرش در نظر

ڈھکو صاحب اور جملہ شیعہ برادری کو سراسر خلوص و محبت پر مبنی یہ مشورہ اعتراض وانکار ہی معلوم ہوا اور جن لوگوں نے أھجر کا لفظ استعمال کیا ہے، وہ استفہامِ انکاری کے طریقہ پر ہے "أھجر استفھموہ" کیا آپ بلا مقصد یہ کلام فرمارہے ہیں۔؟ اچھی طرح آپ سے سمجھ لو۔ اس عبارت سے اس توہم کا شدت اور سختی سے انکار کرنا مقصود ہے کہ آپ کی زبانِ اقدس پر بے مقصد کلام جاری ہوگیا ہو اور اس طرح کے استفہامِ انکاری کلام مجید میں بھی وارد ہیں، جیسے أليس منكم رجل رشيد تو اس میں صحیح الفکر اور صاحب الرائے شخص کے وجود کا انکار مقصود ہے اور قول باری تعالیٰ، هل من شركاء كم من يفعل ذالك۔ تو اس میں بھی اس امر کا انکار مقصود ہے یعنی تمہارے مفروضہ معبودات میں کوئی بھی ایسے کام کرنے والا نہیں ہے علاوہ ازیں اگر کسی جگہ کسی روایت میں استفہامی کلمہ بطریقِ صراحت مذکور نہیں تو مقدر ہے جیسے کہ قولِ ابراہیم علیہ السلام قرآن مجید میں منقول ہے کہ آپ نے ستارے کو دیکھا تو فرمایا هٰذا ربی" پھر چاند کو دیکھا تو فرمایا "هٰذا ربی" بعد ازاں سورج کو دیکھا تو فرمایا هٰذا ربی هٰذا اکبر۔ حالانکہ ظاہری طور پر اس کلام سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ان اقوال کے دوران مشرک ہونا لازم آتا ہے اور اس پر اجماع و اتفاق ہے کہ پیغمبر کی ذات ابتدائے ولادت سے دعوائے نبوت تک کفر و شرک سے منزہ و مبرا ہوتی ہے، لہٰذا یہاں کلمۂ استفہام مقدر ماننا لازمی اور ضروری ہے۔ یعنی أهٰذا ربی۔ کیا یہ مرا رب ہے اور مقصد اس کی ربوبیت کا انکار ہے اور قرآن مجید محاوراتِ عرب کے مطابق نازل ہوا ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ استفہامِ انکاری میں بھی حرفِ استفہام کا مقدر ہونا معروف اور شائع و ذائع تھا، لہٰذا کسی صحابی پر بھی یہ اعتراض کرنا بالکل غلط ہے اور بہتان محض ہے۔ یہی تحقیق محققینِ علماء اسلام نے بیان فرمائی ہے جیسے شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات جلد چہارم صفحہ ۶۲۴ پر فرمایا: "ایں کلام محمول برا استفہامِ انکاری

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

است واگر در بعضے روایات حرفِ استفہام مذکور نباشد مقدر است۔ یعنی یہ کلام استفہامِ انکاری کے معنی میں ہے اور اگر بعض روایات میں حرفِ استفہام مذکور نہیں ہے، تو صرف لفظ کے لحاظ سے محذوف ہے۔ نیت و ارادہ میں ہے اور ہر صورت میں معنی یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بے مقصد کلام نہیں فرما رہے، بلکہ اس کی تعمیل ضروری ہے اور یہ کلام بھی ان حضرات کی طرف سے بطورِ دلیل پیش کیا گیا جو اس وقت کاغذ اور قلم و دوات پیش کر کے تحریر حاصل کرنا چاہتے تھے تو وہ کس طرح ہذیان کی نسبت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کر سکتے تھے اور دوسرا فریق محض ہمدردی اور اخلاص کی بناء پر اس شدید درد کی حالت میں آپ کو تکلیف دینے سے گریز کر رہا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت کر رہا تھا۔ ان کا قول تو صرف یہ تھا، قد غلبہ الوجع وعندکم کتاب اللہ۔ اس کے یہ معنی کس لغت میں ہیں کہ آپ ہذیانی کیفیت میں مبتلا ہیں۔ العیاذ باللہ! بلکہ اس کا تو صرف اور صرف یہ معنی ہے کہ آپ پر درد کا غلبہ ہے اور تمہارے پاس اللہ کی کتابِ ہدایت موجود ہے جس کی تفسیر و تشریح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرصہ مدید اور زمانہ بعید سے پڑھتے آ رہے ہو۔

نیز ان کے لیے اس اعتقادِ جازم اور یقینِ کامل کی کوئی صورت ہی نہ تھی کہ حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اسی مرض اور تکلیف کے دوران وصال فرما جائیں گے بلکہ ان کی امیدیں اور آرزوئیں یہی تھیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحتِ کاملہ عاجلہ عطا فرمائے گا اور حسبِ سابق آپ سے تعلیم حاصل کر لیں گے اور وہ ضروری اور اہم امور معلوم کر لیں گے اور اگر لکھوانے ضروری ہیں، تو بعد میں لکھوا لیں گے۔

سوال: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرماتے، وہ وحیِ الٰہی سے ہوتا تھا، کما قال اللہ تعالیٰ، وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوحٰى ۝ لہٰذا یہ حکم فوری اہمیت کا حامل نہ ہوتا، تو آپ اس دوران دردو الم میں اس کو زبانِ اقدس پر کیوں لاتے؟

جواب: اگر آپ کا بولنا وحیِ الٰہی کے تابع ہے، تو آپ کا سکوت و اعراض

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بھی اس کے مطابق ہے، وہ اس کے خلاف کیسے سمجھا جا سکتا ہے۔ نیز احکام صرف فرائض و واجبات میں ہی منحصر نہیں ہوتے مستحب اور اولیٰ و انسب بھی ہوتے ہیں اور ان کی نوعیت معلوم کرنے کے لیے سوال کر لینا محلِ اعتراض نہیں ہو سکتا اور اگر حتمی اور لازمی امر ہوتا تو آپ اس پر اصرار فرماتے، لیکن آپ نے ان کے استفسار پر فرمایا: مجھے اپنے حال پر چھوڑ دو۔ میں جس حال میں ہوں، وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو، حالانکہ تحریر لازمی ہونے کی صورت میں آپ کی طرف سے یہ جواب نہیں ہو سکتا تھا، بلکہ اس صورت میں یہ تحریر فرائضِ رسالت میں داخل ہوتی اور اس فریضہ کی ادائیگی میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی جاتی۔

چوتھی توجیہ کے جواب میں ڈھکو صاحب کی حقائق پر پردہ پوشی

- حدیثِ قرطاس سے شیعی استدلال کے ابطال میں چوتھی وجہ حضرت شیخ الاسلام نے یہ بیان فرمائی تھی کہ فرض کر لیتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خلافت ہی لکھنا چاہتے تھے۔ گو اس کا ذکر روایت میں نہیں ہے، مگر جب آپ فرما رہے ہیں کہ میرے بعد خلیفہ بلافصل ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) ہوگا اور ان کے بعد حضرت عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) دیکھو تفسیر صافی، تفسیر قمی، تفسیر حسن عسکری اور دیگر تمام معتبر تفاسیر۔ تو کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ کے حکم اور فرمان کے خلاف اور اپنے ارشادات کے خلاف کوئی دوسری خلافت بھی لکھ سکتے تھے۔

شِق دوم، اس کے جواب میں ڈھکو صاحب فرماتے ہیں کہ ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) کے متعلق خلافتِ حقّہ کا اظہار آپ نے نہیں فرمایا تھا بلکہ خود بخود ان کے خلافت و حکومت پر قابض ہو جانے کی خبر دینا مقصود تھا جیسے کہ خروجِ دجال کی خبر دی۔ نہ اس کو خلافت کہہ سکتے ہیں اور نہ ہی اس سے ان کی خلافت کا برحق ہونا ثابت ہو سکتا ہے۔

الجواب، وعلی اللہ الاعتماد۔ علامہ ڈھکو حضرت صدیق و فاروق

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

(رضی اللہ عنہا) کے اعلانِ خلافت کو دجال کے خروج کے اظہار و اعلام کے مماثل قرار دے رہے ہیں، جو سراسر جھوٹ اور کذب بیانی ہے اور حقائق کو پردہ پوشی۔ ہم پہلے وہ آیتِ کریمہ پیش کرتے ہیں۔ پھر شیعی مفسرین کے اقوال پیش کر کے قارئین کے عدل و انصاف پر یہ فیصلہ چھوڑ دیں گے کہ آیا ان کی دیانت و امانت اور عدالت و انصاف یہی کہتے ہیں کہ یہ خلافت اسی قسم کی پیشگوئی تھی، جیسے خروجِ دجال کی خبر یا برحق خلافت کا اظہار و اعلام تھا۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے ارشاد فرمایا، واذ اسر النبی الی بعض ازواجہ حدیثاً فلما نبأت بہ واظہرہ اللہ علیہ عرف بعضہ و اعرض عن بعض قالت من انباءک ھذا قال نبأنی العلیم الخبیر۔ اور اس وقت کو یاد کرو، جبکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواج میں سے بعض کو راز کی بات بتلائی، تو جب انہوں نے وہ آگے بتلا دی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس پر مطلع فرما دیا، تو آپ نے اس میں سے بعض کے افشا کے متعلق انہیں جتلایا اور بعض کے جتلانے سے گریز کیا۔ اُس نے دریافت کیا کہ آپ کو کس نے بتلایا؟ تو آپ نے فرمایا، مجھے ظاہر و باطن کا علم اور خبر رکھنے والے نے بتلایا ہے۔

اور قرآن مجید نے اس راز کے افشا کرنے اور زوجہ محترمہ کو وہ راز بتلانے کی وجہ بھی بتلا دی کہ آپ اِس بیوی کو خوش کرنا چاہتے تھے اور اسے رضامند کرنا چاہتے تھے۔ کما قال اللہ تعالیٰ، یاایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک تبتغی مرضاۃ ازواجک۔ یعنی اے نبی! آپ اس چیز کو اپنے اوپر کیوں حرام ٹھہراتے ہو؟ اور اس سے باز رہنے کی کیوں قسم کھاتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال ٹھہرائی ہے۔ تم اس تحریم کے ذریعے اپنی بیویوں کو خوش کرنا چاہتے ہو اور اُن کی رضامندی کے طلب گار ہو۔

اور اس روایت کے نقل کرنے میں تمام شیعی تفاسیر اور مفسرین متفق ہیں کہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے آپ پر حرام ٹھہرالیا تھا تاکہ حضرت حفصہ بنتِ عمر رضی اللہ عنہما راضی ہوجائیں، کیونکہ اُن کے گھر میں اور اُن کی باری میں حضور سرورِ عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماریہ قبطیہ کے ساتھ مباشرت فرمائی تھی، جس سے وہ غمزدہ ہوگئیں اور اس فعل کو اپنے حق اور احترام کے منافی سمجھا، لہٰذا آپ نے اُن کو خوش وخرّم کرنے کے لیے حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو حرام ٹھہرایا اور ساتھ ہی اُنہیں یہ بھی بتلا دیا: ان ابابکر یلی الخلافۃ من بعدی ثم ابوک۔ تفسیر قمی ص۳۵۴ تفسیر صافی ص۲۲۴ ج۲ تفسیر منہج الصادقین ص۳۳۲ ج۹ تفسیر مجمع البیان ص۳۱۴ ج۵ وغیر ذالک۔ یعنی میرے بعد خلیفہ بلا فصل ابوبکر صدیق اور پھر تمہارے باپ عمر فاروق رضی اللہ عنہما۔

اس پس منظر میں اس روایت کا صاف اور واضح مطلب ومفہوم یہی ہے کہ یہ امارت وخلافت اور حکومت وسلطنت اللہ تعالیٰ کی مرضی ومنشار کے عین مطابق ہے نہ کہ اس کے منافی ومخالف اور غاصبانہ وظالمانہ ورنہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے لیے اس میں خوشخبری کونسی ہوسکتی تھی اور ان کی دِل جوئی اور رضامندی کے لیے بطورِ مژدہ اس راز کا انکشاف ان پر کیوں کیا جاتا، جس طرح دجال کا خروج و ظہور، ڈھکو صاحب اور اس کے ہم مشرب لوگوں کے لیے مژدہ وخوشخبری نہیں، حالانکہ غیبی خبر ضرور ہے۔ اسی طرح ظالمانہ اور غاصبانہ خلافت وامارت غیبی خبر تو ہوسکتی تھی، لیکن اس کو بطورِ مژدہ وخوشخبری سنانا اور اس کے ذریعے پریشان اور غمزدہ ام المومنین کو خوش کرنے کی سعی اور کوشش فرمانا، کسی بھی معقول انسان کے نزدیک درست نہیں ہوسکتا۔

الغرض کلامِ مجید اور احادیث رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سیاق وسباق اور پیش منظر اور پس منظر میں بہرحال شیخین بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بھی (بقول بعض شیعی مفسرین کے) خلافتِ حقہ اور امارت وسلطنتِ مطلقہ کی خبر دے رہے ہیں۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

علی الخصوص جب یہ حقیقت ذہن نشین رکھی جائے کہ جس طرح آج کے قرآن خوان کو یہ تجسس اور جستجو ہوتی ہے کہ وہ راز کیا تھا اور اس کا انکشاف حضور نبی اکرم سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس پر کیا اور اس نے کس کو بتلایا۔ پھر جس قدر حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے افشائے راز سے متعلق جتلایا' وہ کیا ہے؟ اور جس حصہ سے اعراض اور رُوگردانی فرمائی' وہ کیا ہے؟ تو لامحالہ اس دور میں ہر قرآن خوان کو یہ جستجو اور تجسس پیدا ہونا لازم تھا اور اس کے متعلقہ امور سے باخبر ہونے کی خواہش اور طلب ہر دل میں ضرور پیدا ہوتی ہوگی اور کونسا عقلمند انسان ہے جو یہ باور کر سکے کہ خواص اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مفسرینِ صحابہ اور علی الخصوص حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جیسی ہستیاں بھی اس سے بے خبر ہوں، بلکہ حتمی اور قطعی طور پر ان کو یہ تمام تفصیل معلوم ہونا لازم اور ضروری ہیں، بلکہ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت امیر رضی اللہ عنہ سے بیعتِ خلافت کے لیے ہاتھ بڑھانے اور یہ منصب بذاتِ خود سنبھالنے کے لیے عرض کیا گیا، تو آپ نے فرمایا میرا اس وقت بیعت لینا کچے پھل کو توڑنے اور غیر کی زمین میں کھیتی باڑی کرنے کے مترادف ہے اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس عہد کا پابند کیا گیا ہوں کہ میں ان خلفاء کی اطاعت کروں ———— لہٰذا ڈھکو صاحب کا یہ دعویٰ کہ خلافتِ شیخین کا اعلان و اظہار محض دجال کے خروج جیسی پیشین گوئی ہے۔ اسی صورت میں صحیح ہو سکتا ہے، جب خروجِ دجال کی پیشین گوئی اور غیبی خبر سے اُن کو بھی فرحت و شادمانی حاصل ہو سکے اور یہ خبر سُن کر اُن کے سارے غم و آلام دُور ہو جائیں، لیکن ایسی خبر اگر کسی کے لیے سوہانِ روح ہو اور وہ اسے سُن کر لرز اٹھے تو اس کی مسرت و شادمانی اور دل جوئی و رضامندی کے لیے اسے یہ خبر نہیں سنائی جا سکتی۔ بعینہٖ اسی طرح ظالمانہ اور غاصبانہ حکومت و خلافت جو ظالم و غاصب کے لیے عذابِ الیم کی موجب ہوا کرتی ہے۔ اس کے ذریعے ظالم و غاصب کے عزیز و اقارب کو خوش نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی ان کو کوئی خوشی اور مسرت حاصل ہو سکتی ہے، لہٰذا صاف ظاہر ہے کہ کم از کم حضور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

سرورِ عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خلافت و امارت کو غاصبانہ اور ظالمانہ نہیں سمجھا تھا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے ان کو بتلایا کہ وہ ظالمانہ حکومت ہوگی اور نہ آپ نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس لیے بتلایا تھا کہ وہ اس حکومت و خلافت کو ظالمانہ سمجھیں۔ ہاں شیعہ حضرات کو بالعموم اور ڈھکو صاحب کو بالخصوص کہیں دوسری جگہ سے الہام ہوگیا ہو اور یہ مخفی راز ان پر منکشف ہوگیا ہو تو ہم اس کا انکار نہیں کرسکتے، کیونکہ علم و آگہی کا دوسرا ذریعہ بھی موجود ہے۔ کما قال تعالیٰ ان الشیاطین لیوحون الیٰ اولیاء ھم۔ بے شک شیاطین اپنے دوستوں اور احباء و اولیاء کی طرف وحی کرتے ہیں۔ لہٰذا اس امر کا یقین رکھنا ضروری ہے کہ ان حضرات کی طرف سے یہ دعویٰ سراسر الہامی ہے۔ اگرچہ ذریعہ اس کا سراسر شیطانی ہے، کیونکہ شیاطین کا اس خلافت کے خلاف سرگرم عمل ہونا ان کا فطرتی تقاضا تھا اور ان خلفاء راشدین نے اسلام کی ترویج و اشاعت اور تائید و تقویت کا اہتمام کرکے فارس کے آتش کدے ٹھنڈے کرکے اور صلیب کی پرستش ختم کرکے انہیں بہت دُکھ پہنچایا تھا اور رسولِ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل بنائے ہوئے جھوٹے نبیوں کا صفایا کرکے ان کی ساری تدبیریں خاک میں ملا دی تھیں، لہٰذا وہ کس طرح اس خلافت کو بنظرِ تحسین دیکھ سکتے تھے اور ان کے لیے یہ حکومتِ الٰہیہ کیونکر قابلِ قبول اور قابلِ برداشت ہو سکتی تھی، لہٰذا انہوں نے انسانوں میں سے اپنے بھائی، دوست بلکہ محبوب و مطلوب تلاش کیے، اور اس خلافت کے متعلق اپنی بے چینی اور قلق و اضطراب سے انہیں آگاہ کرکے ان سے اپنے زخمی دلوں کی مرہم پٹی اپنے درد کا درماں طلب کیا اور ان حضرات نے دوستی اور قلبی تعلق کا حق ادا کرتے ہوئے وہ کارنامے سرانجام دیئے کہ خود شیاطین بھی سر پیٹ کر رہ گئے ہوں گے۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا ۔۔۔ کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

تنبیہ: ہماری اس گزارش سے علامہ ڈھکو صاحب کے ایک اور دعوے یعنی شق اول کا کھوکھلا پن اور اس کی لغویت بھی واضح ہوگئی۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کہ حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا کہ اگر سیدِ عرب و عجم صلی اللہ علیہ وسلم خلافت ہی لکھنا چاہتے تھے، تو وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت تھی۔ کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے اعلام و اطلاع سے جان چکے تھے کہ میرے بعد خلیفہ بلا فصل ابو بکر صدیق ہوں گے پھر حضرت عمر اور آپ بطورِ مژدہ و خوشخبری حضرتِ حفصہ رضی اللہ عنہا پر اس کا انکشاف بھی کر چکے تھے، تو اپنے اعلان و اظہار اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کے برعکس آپ کوئی دوسری خلافت کیسے لکھ سکتے تھے۔ علامہ ڈھکو صاحب نے کہا پیر صاحب کا یہ قول، کلمۃ حق اریدبھا الباطل کے ضمن میں آتا ہے اور قیامت تک آپ کا یہ مقصد ثابت نہیں ہو سکتا کہ شیخین کی خلافت منشاء ایزدی کے مطابق ہے، حالانکہ آیت مبارکہ کے سیاق و سباق قسم کھانے کے پس منظر سے اور اس کے بعد اپنی زوجہ محترمہ کی دلجوئی اور تسلی و اطمینان کے لیے خلافتِ فاروقیہ کا مژدہ سنانے سے تو لازمی طور پر یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ خلافت منشاء ایزدی کے عین مطابق تھی اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی منشاء و مرضی کے بالکل مطابق، کیونکہ اسی پر دینِ اسلام کا راسخ اور مستحکم ہونا موقوف تھا اور تدریج و ترقی پانا اور اطراف و اکناف عالم میں پھیلنا وغیرہ۔

اور یہی وجہ ہے کہ ابن ابی الحدید معتزلی شیعی کو اعتراف کرنا پڑا کہ اللہ تعالیٰ کا اسلام اور اہلِ اسلام پر خصوصی کرم اور لطف تھا کہ صحابہ کرام کو خلافت کی اس ترتیب کا الہام کیا، ورنہ اسلام کبھی پھل پھول نہ سکتا اور قبل ازیں اس خلافت کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ عندیہ اور نظریہ بیان کیا جا چکا ہے کہ یہ خلافت وہی خلافت ہے، جس کا اللہ تعالیٰ نے وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض۔ الآیہ میں وعدہ فرمایا ہے لہٰذا اس پس منظر میں اس کا منشاء ایزدی اور مرضیٔ رسول کے مطابق ہونا روز روشن کی طرح واضح اور عیاں ہے اور حضرت قبلہ پیر صاحب کا یہ فرمان حقیقتِ واقعیہ کا بیانِ صداقت نشان ہے اور کیوں نہ ہو آپ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اولاد و امجاد سے ہیں۔ لہٰذا آپ ان کے نظریہ و عقیدہ سے کیونکر منحرف ہو سکتے ہیں بلکہ الولد سر لابیہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے تحت آپ عقائد و نظریات کے لحاظ سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے عقائد و نظریات کے امین تھے اور انہیں کو آپ نے بڑے مدلل انداز میں بیان فرمایا۔ والحمد للہ علیٰ ذالک۔

شقِ سوم: علامہ ڈھکو صاحب کے جواب کی تیسری شق یہ تھی کہ پھر اہل سنت اس خلافت کو اجماعی اور شورائی کیوں قرار دیتے ہیں، نصی کیوں قرار نہیں دیتے؟ اگر وہ سمجھتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کو پہلے ابوبکر اور ان کے بعد حضرت عمر (رضی اللہ عنہم) کے خلیفہ بننے کی خبر دے دی تھی، لیکن جواب کی یہ شق بھی بوجوہ لغو اور باطل ہے اور بغض و عناد اگر کسی کو اندھا اور بہرہ کر دے، تو پھر اس کا کیا علاج ہے؟

ا۔ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ سرورِ انبیاء نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بر سر منبر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی خلافت کا اعلان کر دیا تھا تاکہ اس کو نصی خلافت قرار دیا جاتا، لیکن اس طرح کا اعلان عام نہ کرنے کے باوجود یہ تسلیم کیے بغیر بھی چارہ نہیں کہ آپ نے بطور راز داری جو کچھ بیان فرمایا، وہ بھی صرف آپ کا نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کا بھی ارشاد ہی تھا، کما قال تعالیٰ، وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی۔ اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی کیونکہ آپ اپنی مرضی اور خواہشِ نفس سے نہیں بولتے، بلکہ آپ کی زبان پر وحیِ الٰہی اور کلامِ خداوند تعالیٰ جاری ہوتا ہے۔ علامہ صاحب ہی بتلائیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اعلان عام کیے بغیر صرف دو تین خدام اور حاضرینِ مجلس کو جو کچھ بتلائیں اس کا اعتبار نہیں ہے اور اسے آپ کا ارشاد اور فرمان کہنا غلط ہے؟ اور وہ فرمان وحی الٰہی اور کلامِ خدا کہلانے کا حقدار نہیں ہے؟ ہاں اس کو نصی خلافت اس لیے نہیں کہتے کہ اس کی صورت یہ ہوتی کہ آپ عام اہلِ اسلام کے سامنے کسی صحابی کے خلیفہ ہونے کا اعلان کرتے اور انہیں اس خلیفہ کی اطاعت اور اتباع کا پابند اور مکلف ٹھہراتے لہذا بایں معنیٰ نصی بھی نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی منشا اور مرضی کے مطابق بھی ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

۲۔ نیز ہم اس خلافت و امامت کو اجماعی اور شورائی قرار دیتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور پسندیدگی کو دخل نہیں، بلکہ رضائے خلق، رضائے خالق کا مظہر اور عنوان ہوا کرتی ہے، لہٰذا اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اجماع و اتفاق اور ان کی اس خلافت پر رضامندی بھی اللہ تعالیٰ کی منشاء اور مرضی کی مظہر ہے اور یہی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے، جس کا جواب دینے کی علامہ صاحب کو ہمت نہ ہوئی۔ آپ فرماتے ہیں،

انما الشوریٰ للمهاجرين والانصار فان اجتمعوا على رجل وسموه اماما كان ذالك لله رضىً ۔ نہج البلاغه

یعنی شوریٰ اور انتخابِ خلیفہ کا حق مہاجرین اور انصار کے لیے ہے اور وہ جس شخص کو بھی باہمی رضامندی اور اتفاق و اتحاد سے خلیفہ نامزد کر دیں، تو وہی اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ امام اور خلیفہ ہوگا، لہٰذا یہ خلافت شورائی اور اجماعی ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے مطابق ہے اور اعلانِ عام نہ فرمائے جانے کی وجہ سے نصی نہ کہلائے گی، مگر بطور مژدہ اور خوشخبری اس ترتیبِ خلافت کا حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا پر اظہار ان حضرات کی خلافتِ الٰہیہ موعودہ اور خلافتِ حقّہ کی دلیل بھی ہے۔ اس کے نص خلافت نہ ہونے سے اس کا بطلان اور خلافِ واقع ہونا کس طرح لازم آگیا یا ظالمانہ خلافت والا مفہوم کیسے اور کس طرح یہاں سے اخذ کیا جاسکتا ہے۔

شق چہارم: ڈھکو صاحب نے فرمایا کہ اعلانِ خلافت تو اتنا اہم تھا کہ اس کے بغیر تمام کارِ نبوت اکارت ہونے کا اندیشہ تھا، کما قال اللہ تعالیٰ؛ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ۔ اور یہاں افشائے راز پر دل ٹیڑھے ہو رہے ہیں، لیکن یہ شق بھی سراسر دھوکہ بازی اور فریب کاری پر مبنی ہے اور بے بنیاد اور خلافِ حقیقت دعویٰ ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ا۔ یہ دعوٰی کہ اعلانِ خلافت کے ضمن میں یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی ہے شیعہ و روافض کا خود تراشیدہ نظریہ ہے، جس کو حقائق اور واقعات سے دُور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ خلافتِ مطلقہ اور ریاستِ عامہ کے مالک اور متولی کے طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق اعلان تو دور کی بات ہے۔ مساجدِ مدینہ میں سے صرف ایک مسجدِ نبوی کے امام بلکہ نائب امام کے طور پر بھی ان کا اعلان شیعہ ثابت نہیں کر سکتے۔ اس لیے بقولِ شیعہ امامت نماز کا معاملہ محلِ شک و تردد رہا اور صحابہ کرام ایک دوسرے پر ٹالتے رہے۔ اور جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور ان کی آواز حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنی، تو باوجود شدید تکلیف کے خود تشریف لائے اور ان کو مصلے سے ہٹا دیا اور خود مصلّائے امامت پر تشریف فرما ہو گئے، مگر اسی قول سے امر مانا لازم ہو گیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہ اس وقت اپنے مصلّٰی پر کھڑا کیا اور نہ دوسرے کسی وقت میں ان کو نماز کی امامت کے لیے مامور فرمایا۔

جب اس محدود امامت اور امامتِ صغرٰی کے لیے نامزدگی ثابت نہیں ہو سکتی، تو امامتِ کبرٰی کے لیے کیسے آپ کی تنصیص اور نامزدگی ثابت کی جا سکتی ہے، بلکہ جب اس طرح کا اعلانِ خلافت آپ کے لیے ہو چکا ہوتا تو نماز میں امامت خود بخود ان کے لیے ثابت ہو چکی تھی۔ پھر انہوں نے اپنا حق کیوں استعمال نہ فرمایا اور مصلّٰی کو خالی کیوں چھوڑا کہ خود حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر تکلیف برداشت کرنا پڑی اور بمشکل تمام مصلّٰی خالی کرانا پڑا۔

الغرض اس آیتِ کریمہ کے متعلق مفصل بحث تو حدیثِ غدیرِ خم میں ذکر کی جائے گی، وہاں ملاحظہ فرماویں۔ اجمالاً اتنا قدر یاد رہے کہ امامتِ عظمٰی اور خلافتِ کبرٰی تو کجا آپ کی امامتِ صغرٰی کا اعلان بھی نہیں پایا گیا تھا تاکہ اس سے ہی امامتِ کبرٰی کا اشارہ سمجھ لیا جاتا جیسے کہ اہلِ سنت نے حضرت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامتِ نماز سے یہ اشارہ سمجھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہی وجہ تقدیم بیان کر کے انصار کو خلافتِ صدیق رضی اللہ عنہ پر متفق کر لیا اور وہ منا امیر و منکم امیر کے دعوے سے دستبردار ہو گئے

۲۔ رہا ڈھکو صاحب کا یہ دعویٰ کہ یہاں اس خلافت کے اظہار پر دل پیٹرھے ہو رہے ہیں، سراسر خلافِ واقع اور مضحکہ خیز ہے، کیونکہ خود ان کے مسلک کی کتابوں میں یہ وضاحت و صراحت موجود ہے کہ جس امر کے افشاء پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو سرزنش فرمائی۔ وہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے آپ پر حرام ٹھہرانے والا امر ہے نہ کہ حضرات شیخین اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت و امامت کا انکشاف و افشاءِ راز چنانچہ قرآن مجید نے بھی خود اس راز کے بعض حصہ پر افشاء کے متعلق خبر دینے اور بعض حصہ سے اعراض اور روگردانی کرنے کی تصریح فرمائی ہے۔

قال اللہ تعالیٰ، فلما نبأت بہ واظہرہ اللہ عرف بعضہ واعرض عن بعض۔ اور اس کی تفسیر میں علماءِ شیعہ نے کہا،

الف، عن الزجاج ولما حرم مارية القبطية اخبر حفصة انه يملك من بعده ابوبكر ثم عمر فعرفها بعض ما افشت من الخبر واعرض عن بعض ان ابا بكر وعمر يملكان بعدى۔ (مجمع البیان ج ۹۔ ص۳۱۴)

یعنی زجاج سے مروی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے اوپر حرام فرمایا، تو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو یہ خبر بھی دی کہ میرے بعد ابوبکر والیٔ ملک و سلطنت ہوں گے اور ان کے بعد عمر۔" پھر ان کے افشاء کرنے پر اس امر میں سے بعض جتلایا۔ یعنی عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کو بتلانا اور یہ خبر دینا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام ٹھہرا دیا ہے اور بعض سے اعراض فرمایا، یعنی اس سے کہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) میرے بعد امورِ سلطنت کے مالک ہوں گے۔
(وکذا فی التفسیر الصافی نقلاً عن مجمع البیان۔ جلد ثانی ص ۲۳۴)

ب: قوله تعالی، واذا اسر النبی الی بعض ازواجه
حدیثا سخنے را کہ تحریم ماریہ است و حکومت ابوبکر و عمر بعد از وے عرف بعضه واعرض عن بعض شناسا گردانید پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام برخے ازاں حدیث را بحفصہ و خبر داد اورا از افشار بعض آنکہ آں تحریم ماریہ است یعنی باو گفت کہ قصۂ تحریم ماریہ کہ باسرار آں امر نمودہ بودم، تو افشار آں نمودی و اعراض کرد رسول از بعض دیگر یعنی حکومت ابوبکر و عمر بن خطاب و تعریف افشار آں نکرد۔ (منہج الصادقین جلد ۹ ص ۳۲۶)

اس عبارت کا بھی معنی و مفہوم وہی ہے، جو مجمع البیان والی عبارت کا ہے اور ذکر کیا جا چکا ہے۔

الغرض اگر ان حضرات کی حکومت و امارت اور خلافت و امامت کے انکشاف پر قول باری تعالیٰ، فقد صغت قلوبکما میں ناراضگی کا اظہار کیا گیا ہوتا، تو اس کو ذکر کیا جاتا اور علی الخصوص شیعی مفسرین تو لازماً اس کو درمیان میں لانے کی سعی کرتے۔ جب قرآن مجید اور احادیث نبویہ کی شہادت سے یہ ثابت ہوگیا کہ اس انکشاف و اظہار کو کلیۃً نظر انداز کر دیا گیا اور اس پر کسی قسم کی سرزنش تو کیا گلہ ہی نہیں دیا گیا، تو ڈھکو صاحب کو یہ انکشاف کہاں سے ہوگیا کہ اس خلافت کے انکشاف پر بِل پڑھے ہونے لگے ہیں؟ کیا وہی ذریعہ الہام ہے جو قول باری تعالیٰ: اِنَّ الشیاطین لیوحون الی اولیاءھم میں بیان کیا گیا ہے؟ یقیناً صرف اور صرف وہی ذریعہ انکشاف ہے۔

۳۔ بلکہ حقیقتِ حال یہ تھی کہ سوال یہ نہیں تھا کہ کیا بیان کیا اور کیا بیان نہیں کیا؟ تھوڑا کیا یا زیادہ بیان کیا۔ سوال صرف یہ تھا کہ تم نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہو اور امہات المومنین تمہارا لقب امتیاز اور طرۂ امتیاز ہے، لہٰذا تمہارا عمل و کردار

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بھی اسی طرح اعلیٰ وارفع ہونا چاہیئے اور جن کے صدقے تمہیں عزت وکرامت نصیب ہوئی ہے۔ ان کے احکام کی مکمل تعمیل ہونی چاہیئے۔ لہٰذا افشار راز کرنا اور راز کو راز نہ رکھنا تمہارے جیسے مقام ومرتبہ کی مالک عورتوں کو زیب نہیں دیتا۔

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کی تعلیم وتربیت تھی، اوران کے اخلاق واعمال کی تہذیب وتزیین، نہ کہ ان کی مذمت۔ لیکن یہ صرف شیعی ذہن کا فتور تھا کہ اس تعلیم وتربیت اور تادیب وتہذیب کو خلافت میں تنقیص وتنقید کا سبب بنالیا اور اس کو غاصبانہ اور ظالمانہ خلافت فرض کرلیا اور یہ صرف سبائی ذہنیت کی ہی کارستانی ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ افشار راز خواہ وہ جیسا بھی ہو، مناسب نہیں ہوتا۔ نہ یہ کہ واقعہ کے مطابق اور برحق ہو تو اس کا افشار درست ہوگا اور خلاف واقعہ اور ناحق ہو تو اس کا افشار ممنوع ہوتا ہے۔ لہٰذا ان غیر معقول سوالات کے بحمداللہ معقول جواب آچکے ــــ فھل من مدکر۔

۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ فرمایا تھا، ان ابا بکر یلی الخلافۃ من بعدی ثم ابوک۔ اس کا ترجمہ یوں کرنا کہ وہ خود بخود قابض ہوجائیں گے، اور خلافت کو غصب کرلیں گے، یہ کس لغت اور کس محاورہ کے لحاظ سے ہے اور برحق خلیفہ بننے کی خبر دینا ہو تو اس کے لیے کونسی تعبیر متعین ہے؟ کسی جملہ سے قائل کی مراد متعین کرنے کی صورت یہی ہوتی ہے کہ اس کے ظاہری اور متبادر الی الفہم معنی کو دیکھا جائے اور ظاہر ومتبادر بالکل وہی ہے، جو ہم نے بیان کیا اور حضرت شیخ الاسلام نے بیان فرمایا اور شیعی معنی نہ اس جملہ سے متبادر الی الفہم اور نہ اس پر کوئی قرینہ قائم ہوا، لہٰذا وہ سراسر تحریف ہے۔

۵۔ اگر امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم مرضِ وصال میں انتقالِ اقتدار فرمادیتے تو ان خلفار کے لیے یہ موقعہ فراہم نہیں ہوسکتا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل میں کوئی مزاحم نہیں ہوسکتا تھا۔ آپ نے عملی طور پر اقتدار منتقل کرکے خلافت مرتضویہ کا تحفظ کیوں نہ کیا اور اس میں آپ نے اللہ تعالیٰ کی مرضی ومنشار کے مطابق

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

عمل فرمایا یا ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) کی مرضی اور منشاء کے مطابق ؟ اور آپ نے اپنا فریضہ یعنی حقدار کو اس کا حق مہیا کرنے کا کیوں نہ ادا فرمایا اور اس موقعہ پران کی جانشینی کا اعلان کیوں نہ فرمایا ؟

۶۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس کوئی فوج و سپاہ نہیں تھی اور نہ ہی وہ ایسے عظیم قبیلہ کے فرد تھے، جو امرِ خلافت میں ان کی امداد و اعانت کا حق ادا کرتے جس سے انہوں نے خود بخود خلافت و حکومت پر قابض ہونا تھا، بلکہ ان کی خلافت و امامت کا دار و مدار اہلِ حل و عقد کی بیعت پر تھا اور وہ مہاجرین و انصار تھے۔ اگر وہ حضرات ان کی بیعت نہ کرتے، تو یہ خلیفہ اور امام نہیں بن سکتے تھے، اس لیے ماننا پڑے گا کہ ان کو تو والی اور حاکم بنایا گیا تھا نہ کہ خود بخود بنے تھے، لہٰذا اگر یہ معنیٰ کیا جائے، جو ڈھکو صاحب نے کیا ہے، تو حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب لازم آتی ہے۔

علاوہ ازیں خلافت و امامت کا بذریعہ شوریٰ انعقاد پذیر ہونا درست ہے، تو ان حضرات کی خلافت برحق ثابت ہو گئی اور نہیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی باطل ہو گئی، کیونکہ وہ بھی نص سے نہیں، بلکہ اسی شوریٰ اور مہاجرین و انصار کے انتخاب سے منعقد ہوتی تھی۔ بیعت کرنے والے نہ پہلے کسی نص کو جانتے تھے اور نہ بعد میں ________________ انہوں نے کسی نص کے ذریعے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافتِ حقّہ کو تسلیم کیا، بلکہ محض شوراتی و اجماعی ہونے کی وجہ سے ہی اس کو برحق تسلیم کیا۔ لہٰذا یا تو چاروں خلافتیں برحق تسلیم کرنی پڑیں گی یا چاروں باطل، پھر اس تفریق کی وجہ جواز کوئی نہیں ہو سکتی۔

۷۔ جن لوگوں نے پہلے غصب کرانے میں خلفاء ثلاثہ کا مکمل تعاون کیا اور بعد ازاں بھی اسی نظریہ پر قائم رہے کہ ان کی خلافتِ برحق تھی اور اس کا از رُوئے شوریٰ و انتخاب انعقاد پذیر ہونا بالکل درست تھا، وہ مومن رہے یا مرتد ہو گئے اگر مومن رہے، تو خلافتِ بلا فصل کا عقیدہ رکنِ اسلام نہ رہا۔ اندریں صورت اس

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

پر کارِ نبوت کا توقف اور دار و مدار کیونکر ہو سکتا ہے اور خلافتِ مرتضوی کا اعلان نہ کرنے سے سب کارِ نبوت اکارت کس طرح ہو سکتا ہے؟ اور اگر مرتد ہو گئے تھے العیاذ باللہ! تو ان سے تعاون اور استمداد کا کیا جواز؟ نیز ان کو خوش کرنے کے لیے شیخین کی تعریف و توصیف بھی کرتے رہنے کا کیا جواز ہو گا، حالانکہ قبل ازیں متعدد حوالہ جات سے یہ حقیقت ثابت کی جا چکی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ علی الاعلان برسرِ منبر حضراتِ شیخین کو ساری امت سے افضل قرار دیتے تھے۔ وغیر ذالک۔

۸۔ علامہ ڈھکو صاحب کے بقولِ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں کہ وہ از رہِ ظلم و تعدی خلافت پر قابض ہو جائیں گے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرمائیں وہ خلافت، خلافتِ موعودہ ہے اور خلافتِ الٰہیہ، تو اس صورت میں رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ میں سے کس پر فتویٰ لگایا جائے گا؟ اور شیعہ حضرات ان میں سے کس کو صادق اور کس کو کاذب کہیں گے؟ نعوذ باللہ من ذالک کیا منصبِ امامت پر فائز شخص تصدیقِ رسول کا پابند نہیں ہے، بلکہ اس کے لیے نبی کی تکذیب کرنا جائز ہے؟ العیاذ باللہ!

کیا ہیں ان معقول سوالات کے معقول جوابات کسی معقول شیعہ کے پاس؟ قطعاً نہیں، بالکل نہیں۔ انفرادی طور پر کجا، اجتماعی طور پر بھی ممکن نہیں ہیں۔

علماءِ شیعہ کی عداوتِ شیخین میں ہوش و خرد سے بیگانگی

شیعی مفسر قمی اور محسن کاشانی رقمطراز ہیں کہ جب خلافت کے متعلق یہ راز فاش ہو گیا اور ابوبکر صدیق اور عمر فاروق (رضی اللہ عنہما) کو معلوم ہو گیا کہ واقعی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "ان ابا بکر یلی الخلافۃ من بعدی ثم ابوک۔" تو انہوں نے دو آدمی دوسرے ساتھ ملا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر کھلانے اور شہید کرنے کا پروگرام بنایا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

فاجتمعوا اربعة على ان یسموا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنزل جبرئیل علیہ السلام بهذہ السورۃ (الی) عرف بعضه ای اخبرها وقال اخبرت بما اخبرتک واعرض عن بعض لم یخبرهم بما علم مما هموا به من قتله۔ (تفسیر قمی مع تفسیر حسن عسکری۔ ص۳۵۴)

یعنی جب چار آدمیوں نے آپ کو زہر دے کر شہید کرنے کا پروگرام بنایا تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی (تا) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض حصہ کے متعلق حضرت حفصہ (رضی اللہ عنہا) کو جتلایا اور باز پرس کی کہ تو نے آگے کیوں بتلایا، جو میں نے تجھے بتلایا تھا اور بعض سے چشم پوشی فرمائی یعنی یہ جان کر بھی کہ انہوں نے میرے قتل کا ارادہ کیا تھا، انہیں اپنے جان لینے اور اللہ تعالیٰ کے جتلانے کا ذکر نہ کیا۔ (تفسیر صافی جلد دوم ص۲۳۴)

اقول: اس اضافہ میں کئی وجہ سے سقم ہے جو اس کے سراسر افتراء اور بہتان ہونے کی بین دلیل ہے۔

۱۔ جب انہیں معلوم ہو چکا کہ خلافت مل جائے گی، تو پھر آپ کو زہر کھلانے اور شہید کرنے کا پروگرام بنانے کی کیا ضرورت تھی۔ ہاں یہ معلوم نہ ہوتا، تو ہاتھ پاؤں مارتے اور حیلوں وتدبیروں سے کام لینے کی ضرورت پڑتی علی الخصوص جبکہ ڈھکو صاحب کے نزدیک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ راہب کی اس پیشگوئی کی وجہ سے ہی اسلام لاتے تھے کہ تم اس رسول کے خلیفہ ہو گے، تو اس علم کے مطابق پروگرام بنالیتے۔ اب اس تاخیر سے اور آپ کے اطلاع دینے کے بعد یہ پروگرام بنانے کی کیا وجہ ہو سکتی تھی۔

۲۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل اور زہر خورانی کا منصوبہ اللہ تعالیٰ اور رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک کیا اتنا معمولی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بھی ان لوگوں کو توبہ کرنے کا حکم نہ دیا اور صرف حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ کو

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حضرت ماریہ قبطیہ (رضی اللہ عنہن) کی تحریم کی خبر دینے پر توبہ کا حکم دیا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نہ ان کو گلہ دیا اور نہ دوسرے مخلص صحابہ کو اس غلط اقدام کی اطلاع دی اور نہ ہی ایسے لوگوں سے تعلقات توڑے، نہ ان کی بچیوں کو طلاق دے کر فارغ کیا تاکہ لوگوں کو ان کے تعلقات اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تقرب کی وجہ سے مغالطہ نہ لگے، تو کیا کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو محبت ہے، اس کے تحت اس امر کو نظر انداز کیے جانے کے قابل سمجھ سکتا ہے؟ اور خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے بھیانک جرم کو جس کا تعلق نبی و رسول کی شہادت و قتل سے تھا، قابلِ عفو و درگزر سمجھ سکتے تھے؟

۳۔ نیز جب خلافت کے خواہشمندوں کے عزائم آپ کو معلوم ہو چکے اور ان کے ایسے مکروہ ارادے آپ پر واضح ہو چکے تھے، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عملی طور پر خلافت سونپنا اور اپنی ظاہری زندگی میں اقتدار کو منتقل فرما دینا زیادہ ضروری اور لازم ہو چکا تھا، لیکن آپ نے اس سے اعراض اور روگردانی کر کے گویا عملی طور پر خلافتِ مرتضوی کا راستہ مسدود کر دیا، لہٰذا صاف ظاہر ہے کہ شیعہ حضرات عداوتِ شیخین میں ہوش و خرد اور عقل و فہم سے بالکل بیگانے ہو چکے ہیں اور ان کی سوچ اور فکر کی صلاحیتیں ہی ختم ہو کر رہ گئی ہیں، ورنہ بقائمی ہوش و حواس اس قسم کی روایات کیونکر گھڑی جا سکتی ہیں۔

اُمّ المومنین حضرت حفصہ کی عداوت میں بے حیائی کی انتہا

(ب) قمی صاحب اور محسن کاشانی صاحب لکھتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے حرام ٹھہرانے کے بعد فرمایا: انا افضی الیک سرًّا فان انت اخبرت به فعلیك لعنة الله والملائكة والناس اجمعين فقالت نعم ما هو؟ قال ان ابابكر یلی الخلافة من بعدی ثم من بعده ابوك قالت من انباءك هٰذا قال نبأنی العلیم الخبیر (تفسیر قمی مع العسکری ص۳۵۶/ تفسیر صافی جلد دوم ص۷۲۳)

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

یعنی میں ایک راز تیرے تک پہنچانے لگا ہوں اور اس کا افشا کرنے والا ہوئی
پس اگر تو نے اس کی کسی کو خبر دی، تو تجھ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوگی۔ اس کے تمام
فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی۔ تو انہوں نے کہا ہاں ٹھیک ہے! فرمایئے وہ راز کیا
ہے؟ تو آپ نے فرمایا، بے شک میرے بعد ابوبکر والیٔ خلافت ہوں گے اور اس کے
بعد عمر۔ تو انہوں نے دریافت فرمایا آپ کو اس کی اطلاع کس نے دی؟ تو فرمایا
مجھے اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے، جو ظاہر و باطن کا جاننے والا ہے۔

اقول، اس روایت میں بھی کئی وجوہ سے افتراء اور بہتان واضح ہوتا ہے۔

۱۔ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا شرعی احکام سے ہٹ کر ان کو ایسے
راز کے تحفظ کا مکلف ٹھہرانا، جس کے افشاء و اظہار پر ان کو اس قدر شدید لعنت کا
حقدار بننا پڑے، کونسی رحمت کا مظاہرہ ہے؟ اور ان کے لیے کونسی خوشخبری کا موجب
ہو سکتا ہے، جبکہ عورتوں کے طبعی ضعف اور صبر و تحمل کی قلت کا سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم
جیسے حکیم اور معلمِ حکمت سے بڑھ کر کس کو اندازہ ہو سکتا ہے؟

۲۔ راز افشاء کرنے کے باوجود اور ایسی شدید و مغلظ لعنت کے حقدار ہونے
کے باوجود ان کو امہات المومنین میں شامل رکھنا اور زوجہ بنا کر رکھنا خود حضور نبی اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کتنا شدید اور غلط تاثر پیدا کر سکتا ہے؟ اور لوگوں کی نظروں میں
آپ کا مقام کیا چھوڑے گا؟ کیا فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ تعالیٰ نے
ایسی بیویوں کا انتخاب کر رکھا تھا؟ العیاذ باللہ

۳۔ یہ خبر دینے پر کہ میرے بعد ابوبکر صدیق خلیفہ ہوگا اور پھر عمر فاروق،
یہ سوال کرنا کہ تمہیں کس نے اطلاع دی ہے، اس کا کیا موقعہ محل ہو سکتا ہے؟
کیا ایسی غیبی خبروں کی اطلاع دینے والا اللہ تعالیٰ کے علاوہ بھی کوئی ہو سکتا تھا؟
اور امہات المومنین رضی اللہ عنہن اس سے بے خبر ہو سکتی تھیں۔ لہٰذا اس صورت میں
اس سوال کا کیا مطلب ہو سکتا تھا؟ الغرض ہر طرح تحریف ہی تحریف مطمحِ نظر
معلوم ہوتی ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

۴۔ من انباءك هذا اور نبأني العليم الخبير کو ابوبکر صدیق اور عمرِ فاروق رضی اللہ عنہما کی خلافت کی اطلاع کے ساتھ چسپاں کر دیا گیا ہے، حالانکہ قرآن مجید اس راز کو فاش کرنے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہار پران کا یہ سوال نقل کر رہا ہے، کیونکہ اس وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے بھی آپ کو اطلاع دیئے جانے کا امکان تھا، جنہیں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے یہ راز بتلا دیا تھا، لہذا آپ کا اس موقعہ پر یہ سوال برمحل تھا اور معقول بھی مگر آپ نے تسلی کرا دی کہ مجھے عائشہ صدیقہ نے نہیں بتایا، بلکہ اللہ علیم و خبیر نے بتلایا ہے، لیکن شیعی مفسر نے بالکل بے موقعہ و بے محل تفسیر کر کے تحریفِ معنوی کا ارتکاب کیا ہے اور اہلِ تورات کی یاد تازہ کر دی ہے۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ شیعہ حضرات نے روایات میں کس قدر تحریف اور تغییر و تبدیل سے کام لیا ہے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرب ترین صحابہ کو اور امہات المومنین کو کس قدر اپنی بدباطنی اور بغض و عناد کا نشانہ بنایا ہوا ہے اور اس بغض و عناد میں کس قدر اندھے ہوتے جا رہے ہیں اور لازم آنے والے مفاسد سے کس طرح آنکھیں بند کر لیتے ہیں، البتہ جو خاندانی ہیں یا قدرے شعور کے مالک، وہ ایسی روایات نقل کرنے سے بھی گریز کرتے ہیں، جیسے طبرسی صاحبِ مجمع البیان۔

ڈھکو صاحب کی جاہلانہ اور بے محل تنقید

جو کتاب یا رسالہ شائع ہوتا ہے، اس کی کتابت مصنفین نہیں کرتے بلکہ انہیں کاتب حضرات لکھتے ہیں اور وہ بعض اوقات کچھ کا کچھ لکھ جاتے ہیں، بالخصوص عربی کو۔ کیونکہ عربی سے ان کو واقفیت بہت کم ہوا کرتی ہے اور خود ڈھکو صاحب کے رسالہ میں اس طرح کی شدید غلطیاں موجود ہیں، مثلاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو باعیانِ شریعت لکھ دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۳۰) لہذا ڈھکو صاحب کا رسالہ "مذہبِ شیعہ" میں کاتب کی غلطی سے وَلَا تَخُطُّهٗ کی جگہ ولا تخطوہ لکھے جانے کو حضرت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

شیخ الاسلام قدس سرہ کی طرف نسبت کرنا اور کہنا کہ اس سے ان کی قرآن دانی، پر تیز روشنی پڑتی ہے، انتہائی جاہلانہ اور سوقیانہ انداز اور سراسر غلط اور بیجا اعتراض ہے آپ بحمد اللہ حافظِ قرآن بھی تھے اور عربی لکھنے اور بولنے میں کامل دسترس کے مالک، جس کو صرف موافق ہی نہیں، بلکہ مخالف بھی تسلیم کرتے ہیں، لہٰذا صاحب علم اور شریف لوگوں کو اس قسم کے اعتراض زیب نہیں دیتے، گو علامہ ڈھکو صاحب ایسے اعتراضات سے باز نہ ہی رہیں گے اور نہ ہی رہ سکتے ہیں، کیونکہ یہ اُن کی افتادِ طبع اور مجبوری ہے۔

رسالہ مذہب شیعہ — از شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز

حدیث غدیر اور شیعی استدلال کا ابطال

اسی طرح یہ بھی ابلہ فریبی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل کی دلیل کے طور پر غدیر خم کی روایت پیش کی جائے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا: من کنت مولاہ فعلی مولاہ یعنی جس کا میں دوست ہوں، حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اس کے دوست ہیں۔ ظاہر ہے قرآنِ حکیم میں مولیٰ بمعنی دوست وارد ہے۔ دیکھو آیتِ کریمہ، فان اللہ ھو مولاہ وجبریل وصالح المؤمنین "یعنی اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا دوست خود اللہ تعالیٰ شانہٗ ہے اور حضرت جبریل اور نیک بندے" والملائکۃ بعد ذالک ظھیر ان کے بعد فرشتے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے امداد کنندہ ہیں۔

اب مولیٰ کا معنیٰ حاکم یا امام یا امیر کرنا صراحۃً قرآن مجید کی مخالفت ہے، اور تفسیر بالرائے اور کونسا مسلمان نہیں مانتا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوستوں کے دوست ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ کے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

رسول نے گھر میں، ہجرت میں، نماز میں، سفر میں حتیٰ کہ قبر میں اپنا ساتھی اور رفیق منتخب فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ یقیناً ان کے دوست ہیں۔ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا صاف صاف اور واضح ترین ارشاد گرامی نہ بھولیے جو کہ آپ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حق میں فرماتے ہیں؟ یعنی هما حبیبای۔ وہ دونوں میرے محبوب ہیں اور دوست یہ حوالہ گزر چکا ہے۔ (رسالہ مذہب شیعہ ص۸۰)

تحفۂ حسینیہ — ازابوالحسنات محمد اشرف السیالوی

تتمۂ مبحث حدیث غدیر

سب سے پہلے مفصل روایت ملاحظہ فرمائیں، پھر اس کے بعد متنازعہ خلافت کے پس منظر میں اس استدلال کے ضعف اور سقم کو ملاحظہ فرمائیں،

عن البراء بن عازب وزید بن ارقم رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نزل بغدیر خم واخذ بید علی فقال ألستم تعلمون انی اولیٰ بکل مومن من نفسہ قالوا بلیٰ فقال اللھم من کنت مولاہ فعلی مولاہ، اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ وادر الحق معہ حیث دار فلقیہ عمر بعد ذالک فقال ھنیئاً یا ابن ابی طالب اصبحت وامسیت مولیٰ کل مومن ومومنۃ رواہ احمد۔ مشکوٰۃ باب مناقب علی رضی اللہ عنہ)

حضرت براء اور حضرت زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ غدیر خم پر اترے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا، تو فرمایا کیا تم جانتے نہیں ہو کہ میں سب مومنین سے ان کے ارواح ونفوس سے بھی زیادہ قریب ہوں۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

انہوں نے کہا: جی ہاں ۔ تو آپ نے فرمایا، اے اللہ! جس کا میں مولیٰ ہوں، علی اس کے مولیٰ ہیں ۔ اے اللہ! اس کو دوست بنا، جو علی کو دوست بنالے اور اس کو اپنا دشمن قرار دے، جو علی کو اپنا دشمن سمجھے ۔ اس کی مدد کر جو علی کی مدد کرے اور اس کو محروم التفات فرما جو علی کو چھوڑ دے اور محروم اعانت رکھ اور حق کو ادھر ہی پھیر جدھر کہ علی پھرے ۔ تو اس کے بعد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ملے اور کہا اے علی بن ابی طالب! تمہارے لیے مبارک باد اور خوشخبری ہے ۔ اس اعزاز پر کہ آپ مومن مردوں اور عورتوں کے ہمیشہ کے لیے محبوب بن گئے ۔

محلِ نزاع: اس میں کلام نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق ہیں اور امام المسلمین، لیکن اہلِ تشیع اور روافض آپ کی خلافت بلا فصل کے عقیدہ کو جزوِ ایمان بلکہ عینِ ایمان سمجھتے ہیں اور اس وجہ سے ہی انہوں نے تمام صحابہ کرام مہاجرین و انصار اور ان کے کامل متبعین کو صرف اور صرف اس جرم میں کافر اور مرتد قرار دے دیا کہ انہوں نے آپ کو خلیفہ بلا فصل تسلیم نہ کیا اور "ارتد الناس الا ثلاثہ" کا قول کیا، یعنی سوائے حضرت ابوذر، حضرت سلمان اور حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے تمام صحابہ مرتد ہو گئے تھے ۔ (روضہ کافی، رجال کشی اور انوارِ نعمانیہ وغیرہ) حالانکہ کلام مجید کی بیسیوں آیات ان کے اخلاص اور قلبی صفائی، صدق اور سچائی، نجات و فلاح اور اللہ تعالیٰ کی رضا و رضوان سے مشرف اور بہرہ ور ہونے کی بین برہان اور صادق تبیان ہیں جیسے کہ قدرے مفصل بیان ان کا گزر چکا ۔

اس کے برعکس اہل السنت کا مذہب یہ ہے کہ آپ چوتھے خلیفے ہیں اور خلیفہ کا مقرر کرنا صحابہ کرام کا اپنا معاملہ تھا کہ اپنے امورِ سلطنت کی بہتری اور اس کے انتظامات کی درستی کے لیے جس کو چاہیں خلیفہ و امام نامزد کریں ۔ وہ اللہ تعالیٰ اور رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کسی خاص شخص کو امام

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اور خلیفہ بنانے کے پابند اور مکلف نہیں ٹھہرائے گئے تھے، لہذا انہوں نے اپنی صواب دید سے امرِ خلافت میں جو فیصلہ کیا، وہ بالکل صحیح اور درست تھا اور انہیں کا عمل و کردار ہمارے اس نظریہ وعندیہ کا دارومدار ہے کہ خلیفہ کا تقرر اہل اسلام کے اپنے فرائض میں سے ہے صحیح انتخاب کرلیا تو ماجور اور مستحق ثواب ورنہ مجرم اور مستحقِ عذاب وعتاب اور اسے اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری قرار دینا یا محتاجِ نص کہنا غلط ہے۔

شیعی استدلال کی مدارِ صحت

ہماری سابقہ گزارش سے یہ حقیقت بالکل واضح ہوگئی ہوگی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافتِ بلا فصل کے عقیدہ کو جزوِ ایمان بلکہ عینِ ایمان قرار دینا اسی صورت میں درست ہوسکتا ہے، جب کوئی قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت آیت یا حدیث اس پر دلالت کرے اور ظاہر ہے کہ حدیث متواتر ہی قطعی الثبوت ہوتی ہے نہ کہ مشہور یا خبر واحد، لہذا اس حدیث سے استدلال کا دارومدار اس پر ہے کہ اس کا متواتر اور قطعی الثبوت ہونا ثابت ہو۔ نیز لفظ مولیٰ کا معنی صرف اور صرف خلیفہ بلا فصل ہو۔ اس کے علاوہ دوسرے معنی میں از روئے لغت یا محاورات اس کا استعمال نہ پایا جائے۔۔ اور اگر دوسرے معانی میں بھی استعمال ہوتا ہو تو پھر اس استدلال کا دارومدار ایسے قطعی قرائن اور حتمی شواہد پر ہوگا جو اس مقام پر صرف مولیٰ بمعنی خلافت بلا فصل کا معنی متعین کردیں اور کسی دوسرے معنی کا امکان اور احتمال باقی نہ چھوڑیں، ورنہ اگر ایسے قرائن اور شواہد موجود بھی ہوں، جو صرف اس معنی کے اولیٰ اور انسب ہونے پر دلالت کریں اور اس کے زیادہ موزوں اور قرینِ قیاس ہونے پر دلالت کریں، تو پھر استدلال صرف مفید ظن ہوگا اور اس کے معارضہ میں اگر اسی قوت کا قرینہ موجود ہوگا تو استدلال ساقط ہوجائے گا اور اگر اس لفظ کا معنی بھی خلیفہ بلا فصل میں منحصر نہ ہو اور ترجیح کا فائدہ دینے والے بھی قرائن بھی موجود نہ ہوتے، تو یہ استدلال

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

سرے سے لغو اور باطل ٹھہرے گا۔ گویا دو امر کا اثبات شیعہ کے ذمے ہے
اوّل، حدیث کا تواتر، کیونکہ صرف وہی قطعی الثبوت ہوتی ہے اور خبر واحد ظنی ہوتی ہے جو عقائد کے اثبات میں کافی نہیں ہوتی، بلکہ اکابرین شیعہ اس کو وجوب اعمال میں بھی حجت و دلیل تسلیم نہیں کرتے۔ چنانچہ ابو جعفر طوسی تلخیص الشافی صلا۲۲۶ میں تصریح کرتا ہے
اخبار آحاد لا توجب علماً عندنا وعند خصومنا وعندنا خاصۃ لا توجب عملاً۔ یعنی اخبار احاد ہمارے نزدیک بھی اور ہمارے مخالفین کے نزدیک بھی علم اور یقین کا فائدہ نہیں دیتیں اور بالخصوص ہمارے نزدیک وجوب عمل بھی ثابت نہیں کر سکتیں۔ دوم، اس میں وارد لفظ مولیٰ کا خلیفہ بلافصل میں منحصر ہونا اور اس معنی کے ساتھ مختص ہونا اور ہم بلا خوف تردید اور بغیر کسی توقف و تردد کے یہ کہتے ہیں اور بالکل بجا کہتے ہیں کہ صرف ڈھکو صاحب نہیں، بلکہ کوئی شیعی فاضل قیامت تک یہ دونوں امر ثابت نہیں کر سکتا۔

امر اوّل کی تحقیق

حدیث غدیر قطعاً متواتر اور قطعی الثبوت نہیں ہے، کیونکہ امام بخاری اور امام مسلم اور واقدی جیسے محدث جنہوں نے دور دراز کے سفر کر کے احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جمع فرمایا۔ انہوں نے اس کو سرے سے نقل ہی نہیں کیا بلکہ ابوداؤد سجستانی اور ابو حاتم رازی اور دیگر بعض عادل اور مرجع انام قسم کے لوگوں نے اس کو مطعون ٹھہرایا ہے۔ اندریں صورت اس کے تواتر کا دعویٰ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم اس کو خبر واحد اور صحیح تسلیم کرتے ہیں اور ہمارے نزدیک قول مختار یہی ہے، لیکن خبر واحد اور صحیح ہمارے نزدیک صرف اعمال میں حجت و سند ہے نہ کہ عقائد قطعیہ میں اور اکابرین شیعہ کے نزدیک وجوب عمل کا فائدہ بھی نہیں دیتی، لہٰذا اس قطعی عقیدہ کے اثبات کے لیے اس کو پیش کرنا صحیح نہیں ہے، خواہ واقع میں یہ حدیث صحیح

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہی کیوں نہ ہو اور ہمارا کلام اس مقام میں اس روایت کے تواتر کے رد و انکار میں ہے نہ کہ اس کی صحت کے انکار میں۔ کذا حققہ الدہلوی فی اشعۃ اللمعات والہیتمی فی الصواعق۔

تنبیہ: یہ حقیقت بھی ذہن نشین رہے کہ خبر کے متواتر ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اہل السنت کی دو تین کتابوں میں منقول ہو یا شیعہ اور سنی دونوں فریق کی کتابوں میں اس کا ذکر ہو بلکہ تواتر کا دار و مدار اس پر ہے کہ سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر آخری ناقل محدث تک ہر دور میں اس کے راوی اس قدر کثیر التعداد ہوں کہ از روئے عقل و درایت ان کا جھوٹ اور کذب پر اتفاق محال اور ناممکن ہو۔

نیز ایک دو راوی کہہ دیں کہ جس مقام پر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا، وہاں اتنے ہزار صحابہ کرام موجود تھے۔ اس سے بھی روایت کا تواتر ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ناقلین کی تعداد تو اس طرح ہزاروں تک نہیں پہنچ جاتی۔ ناقل تو صرف دو تین ہی ثابت ہوئے، لہٰذا یہ کہنا کہ چونکہ غدیر خم میں موجود صحابہ کرام سینکڑوں یا ہزاروں کی تعداد میں تھے، لہٰذا یہ روایت متواتر ہو گئی۔ خود فریبی بھی ہے اور دوسروں کو بھی مغالطہ دینے کی ناکام کوشش، کیونکہ اس حدیث و روایت کے نقل کرنے والوں کی تعداد کا لحاظ ضروری ہے نہ کہ راوی اور ناقل خواہ ایک ہی ہو مگر موقع پر بہت سے لوگ موجود ہوں تو اس روایت کو متواتر کہہ دیا جائے گا۔

امرِ ثانی کی تحقیق

دوسرا امر جس پر شیعی استدلال کا دار و مدار ہے، وہ یہ ہے کہ یہ روایت اس معنیٰ میں قطعی الدلالت ہے کہ مولیٰ کا لفظ صرف خلیفہ بلا فصل ہی کے معنیٰ میں مستعمل ہوتا ہے، جبکہ یہ بھی قطعاً غلط ہے۔ خود شیعی اقرار و اعتراف کے مطابق مولیٰ کے معانی کی تعداد چوبیس تک پہنچتی ہے اور ظاہر ہے کہ لفظ مشترک کے اس قدر کثیر التعداد معانی میں سے کسی ایک کی تعیین محتاجِ قرائن ہے اور یہیں سے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اس کی از روئے دلالت ظنیت واضح ہو جاتی ہے۔ جب یہ روایت متواتر بھی نہ ہوئی، اور اس کا معنیٰ خلیفہ بلا فصل والا قطعی اور حتمی طریقہ پر بھی ثابت نہ ہوا تو محلِ نزاع میں اس سے استدلال محلِ نظر ہو گیا، کیونکہ شیعی کتابِ لغت میں بھی مولیٰ کا معنی خلیفہ بلا فصل موجود نہیں ہے، چہ جائیکہ عام کتبِ لغت میں۔

قرائن کی حیثیت

اب رہ گیا معاملہ قرائن کے ذریعے مولیٰ کے کثیر التعداد معانی میں سے اس مطلوبہ معنی یعنی خلافت و امامت متعین کرنے کا تو یہاں دو صورتیں ہی ہو سکتی ہیں۔

اوّل یہ ہے کہ ایسے قرائن کے ذریعے اس کا معنیٰ متعین کیا جائے جو قطعیت کا فائدہ دیں اور ان قرائن کے ہوتے ہوئے دوسرے معانی کا مراد ہونا باطل اور ناجائز ہو تو ایسے قرائن بھی بالکل موجود نہیں ہیں اور علامہ ڈھکو صاحب نے جو قرائن پیش کرکے ان کے قطعی ہونے کا دعویٰ کیا ہے، ان پر بحث عنقریب ہدیۂ ناظرین ہو گی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایسے قرائن موجود ہوں، جو اس مطلوبہ معنیٰ کی صرف ترجیح اور اولیت کا فائدہ دیں اور بطورِ ظنِ غالب مولیٰ بمعنیٰ خلیفہ کا ارادہ ذہنی اور راجح قرار دیں، ایسے قرائن پیش کیے جا سکتے ہیں، مگر ان کے معارض قرائن ایسے ہیں، جو ان سے بھی اقویٰ ہیں، لہٰذا ان کے موجود ہونے کی وجہ سے شیعی قرائن کی دلالت محلِ نزاع میں قابلِ اعتماد و لائقِ التفات نہ رہے گی اور ہمارے نزدیک ایسے ہی قسم کے چند وہ قرائن ہیں جو شیعہ حضرات نے اس مقام پر پیش کیے ہیں، لہٰذا ان کے بیان کرنے پر ان کے معارض اور مناقض قرائن بلکہ دلائل و براہین کو بیان کر دیا جائے گا۔ جن سے ناظرینِ کرام خود ہی یہ فیصلہ کر لیں گے کہ شیعی استدلال اور ان کی طرف سے پیش کردہ قرائن میں کوئی وزن نہیں ہے۔

نوٹ: اہلِ تشیع کو اس امر کا اعتراف ہے کہ حدیثِ غدیر اور حدیثِ منزلت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی تصریح نہیں ہے، بلکہ ان میں صرف

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اس پر تعریض ہے اور اس کی طرف صرف اشارہ ہے۔ علامہ طبرسی نے الاحتجاج صد ۲۵۵ پر ذکر کیا ہے۔ واثبت حجۃ اللہ تعریضًا لا تصریحًا بقولہ فی وصیہ من کنت مولاہ فھذا مولاہ وبقولہ ھذا منی بمنزلۃ ھارون من موسٰی ولو قال لھم لا تقلدوا الامامۃ الا لفلان بعینہ والانزل بکم العذاب لاتاھم العذاب وزال باب الانظار والامھال۔

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حجت بطور اشارہ وکنایہ بیان فرمائی اور اس کی تصریح نہیں فرمائی۔ ان دونوں حدیثوں میں یعنی من کنت مولاہ فھذا مولاہ ہو خواہ انت منی بمنزلۃ ھارون من موسٰی ہو۔ وصی رسول حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وصایت اور خلافت کی تصریح نہیں فرمائی اور اگر آپ تصریح فرماتے کہ منصبِ امامت صرف فلاں معین شخص کو ہی سونپنا ورنہ تم پر عذاب نازل ہو جائے گا، تو یقینًا ان پر اس حکم کی خلاف ورزی کی صورت میں عذاب نازل ہو جاتا اور مہلت کا دروازہ بند ہو جاتا۔

لہذا کسی بھی شیعہ عالم کو ان دونوں روایات کو قطعی دلیل اور خلافتِ علی کی نص صریح قرار دینے کا کوئی حق نہیں پہنچتا، بلکہ وہ آپ کی خلافت و امامت کی طرف بقول طبرسی کے صرف تعریض اور اشارات ہیں، حالانکہ قطعی عقیدہ کے لیے قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت دلیل درکار تھی اور یہاں نہ ثبوت قطعی اور نہ ہی دلالت قطعی، تو اس سے وہ قطعی عقیدہ کیسے ثابت ہو سکتا ہے، جس کی بنا پر ایک لاکھ چوبیس ہزار اصحابِ رسول کو العیاذ باللہ مرتد قرار دے دیا گیا ہے اور ان خدامِ رسول اور محسنینِ اسلام پر ہر قسم کے سب وشتم اور طعن وتشنیع کو صرف جائز ہی نہ رکھا گیا، بلکہ اسے جزوِ ایمان بنا لیا گیا اور جس طرح نماز وغیرہ فرض ہے، اسی طرح تبرا کو بھی فرائضِ اسلام میں شمار کر لیا گیا۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

رسالہ تنزیہ الامامیہ از محمد حسین ڈھکو صاحب

۱۔ پیر صاحب کا حدیث غدیر کی دلالت میں خدشہ ظاہر کرنا اس بات کی روشن دلیل ہے کہ اس حدیث کی صحت وصداقت مُسلّم ہے اور اس کے متواتر ہونے کی دلیل۔

۲۔ پیر صاحب نے مولیٰ کا معنیٰ دوست کیا ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک مولیٰ کا صرف ایک یہی معنیٰ ہے جو مدعی کے علوم عربیہ سے نابلد ہونے کی بین دلیل ہے۔ بلکہ عربی زبان میں یہ لفظ پورے چوبیس معانی میں مستعمل ہے۔

۳۔ ان کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ قرآن مجید میں مولیٰ بمعنی دوست استعمال ہوا ہے، بلکہ بمعنی اَولیٰ، سید و سردار اور ناصر و مددگار بھی استعمال ہوا ہے۔

۴۔ یہ بھی غلط ہے کہ مؤلف کی پیش کردہ آیت میں مولیٰ بمعنی دوست استعمال ہوا ہے، بلکہ یہاں بمعنی ناصر و مددگار ہے۔

۵۔ مولیٰ کے معانی اگرچہ چوبیس ہیں، مگر مشہور ان میں سے تین ہیں؛ اولیٰ بالتصرف، ناصر و مددگار اور دوست اور قاعدہ یہ ہے کہ لفظ مشترک کے متعدد معانی میں سے موقعہ و محل کی مناسبت سے داخلی اور خارجی قرائن کے ساتھ ایک معنیٰ کو متعین کیا جاتا ہے اور ہم بلا خوفِ رد علی الاعلان یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حدیث غدیر میں مولیٰ کا معنیٰ سوائے اولیٰ بالتصرف اور حاکم و سردار کے دوسرا کوئی معنیٰ مراد نہیں ہو سکتا اور اس پر دس ۱۰ قرائن اور شواہد قطعیہ پیش کیے جاتے ہیں تاکہ جناب امیر علیہ السلام کی خلافت بلا فصل بالکل بے غبار۔ واضح اور آشکار ہو جائے۔

ملخص رسالہ تنزیہ الامامیہ ص ۱۴۹/۱۵۰

تحفہ حسینیہ از ابو الحسنات محمد اشرف السیالوی

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ نے حدیث غدیر سے شیعی استدلال کے ابطال میں جو چند فرمایا تھا، اس پر ڈھکو صاحب کی طرف سے اعتراضات کی فہرست اور تفصیل

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ملاحظہ فرما چکے، اب ان کے جوابات کا مطالعہ فرمائیں اور خود ہی حق و باطل اور صحیح و غلط کا فیصلہ کریں۔

جواب الاول: حدیثِ غدیر کی صحت قول مختار کے مطابق مسلّم ہے لیکن تواتر محلِ اختلاف ہے، ہمارے نزدیک یہ حدیث اخبار آحاد کے قبیل سے ہے، لہٰذا تواتر کا درمیان میں اضافہ کر لینا اس تحریف اور تغییر و تبدیل کا مظہر ہے جو ڈھکو صاحب کو اپنے اسلاف سے ورثہ میں ملی ہے۔ ہر روایت کی صحت اس کے متواتر ہونے کو مستلزم نہیں ہوتی، لہٰذا یہاں عیاری سے کام لیا گیا ہے۔ اگر متواتر ہوتی تو قطعی الثبوت ہوتی، اور اس کو عقیدہ قطعی کے اثبات میں پیش کیا جانا ممکن ہوتا، بشرطیکہ اس کی دلالت مطلوبہ معنی پر بھی قطعی ہوتی۔ جب تواتر ہی ثابت نہ ہوا، تو اس کے ساتھ کسی عقیدۂ قطعی بلکہ ظنی کا اثبات بھی ممکن نہ رہا، بلکہ وجوبِ عمل ثابت کرنا بھی ممکن نہ رہا جیسے کہ ڈھکو صاحب کے اکابر نے تصریح کی ہے، جیسے کہ حوالہ دیا جا چکا ہے۔

جواب الثانی: پیر صاحب نے مولیٰ کے معانی کا دوست کے معنی میں انحصار ثابت نہیں کیا، بلکہ بطورِ احتمال ایک معنی ذکر کر دیا ہے اور چونکہ وہ مقامِ منع میں ہیں، اور مستدل شیعہ ہیں اور مانع کے لیے محض بیانِ احتمال کافی ہوتا ہے، تو آپ نے بھی اپنا وہی حق استعمال کیا ہے اور مشہور عقلائی قاعدہ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال کے مطابق مقامِ منع میں اتنا قدر ہی کافی ہے۔

نیز لفظ مشترک کے جب متعدد معانی ہوں اور ان میں سے بعض پر فریقین کا اتفاق ہو تو وہ متعین ہو جائیں گے اور مولیٰ بمعنی دوست بھی مسلّم بین الفریقین ہے، لہٰذا اسی کو متعین ہونا چاہیے کیونکہ عمومِ مشترک تو ہو نہیں سکتا، ورنہ علامہ صاحب کو قرائن بیان کر کے مشترک کے ایک معنی کو معین کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی اور اور جب ایک ہی معنی ایک جگہ مراد ہو سکتا ہے تو جو متفق علیہ ہے، وہی متعین ہو جائے گا، لیکن ڈھکو صاحب نے دونوں مسلّم قاعدوں کو نظر انداز کیا ہے اور ساتھ ہی بلا وجہ بچھو کا کردار بھی ادا کیا ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جواب الثالث: حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے مولیٰ کے معانی کا صرف اس ایک معنی میں منحصر ہونے کا کبھی دعویٰ نہیں فرمایا اور نہ ان کے کلام میں حصر پر دلالت کرنے والا کوئی لفظ موجود ہے، بلکہ حقیقی وجہ بیانِ احتمال ہے اور معنی مسلّم بین الفریقین کا متعین ہونا، لہٰذا یہ اعتراض محض تعداد بڑھانے کی بے سود کوشش ہے، اس میں کوئی نئی بات نہیں ہے، بلکہ دونوں اعتراض اپنے مفروضہ دعویٰ حصر پر مبنی

جواب الرابع: اللہ تعالیٰ کے دوست اور اس کے معاون و مددگار ہونے میں تلازم ہے اور ان کا ایک دوسرے سے جدا ہونا ناممکن ہے، جبکہ دوسری جگہ کبھی دوستی ہوتی ہے، لیکن نصرت و اعانت بوجہ ضعف و ناتوانی نہیں پائی جاتی اور کبھی امداد و اعانت ہوتی ہے، مگر دوستی والا معنیٰ موجود و متحقق نہیں ہوتا جیسے کہ اجنبی آدمی موقعہ پر پہنچ جائے اور ظالم کے ظلم و استبداد سے بچالے، لہٰذا حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ کا مقصد یہاں پر یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ دوست ہے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اور اس کی اعانت و نصرت اس کی دوستی کی فرع ہے، لہٰذا اصل اور مدارِ اعانت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا بعض دوسرے حضرات نے اگر فرع کو بیان کر دیا اور مترتب نتیجہ کو تو وہ بھی صحیح ہے، جبکہ آپ نے اصل اور مدار کو بیان کر دیا، لہٰذا اس اعتراض کا کوئی موقعہ و محل نہیں ہے یا ان حضرات نے مطلق مفہومی تفا سیر کو سامنے رکھا اور آپ نے مخصوص مقام اور مادۂ خاص میں نظر مرکوز رکھی۔ علاوہ ازیں مولیٰ بمعنی دوست مسلّم عند الخصم ہے، لہٰذا مثال میں بحث دآب المحصلین سے خارج ہے اور اہل علم کے شایانِ شان نہیں ہے کما ھو المقرر عند العقلاء من ارباب الفنون۔

جواب الخامس: ڈھکو صاحب فرماتے ہیں مولیٰ کے مشہور معانی تین ہیں، اولیٰ بالتصرف، ناصر و مددگار اور دوست، اور یہاں بقول ان کے پہلا معنی متعین ہے۔ ان قرائن کی رو سے جو وہ بیان کریں گے، لیکن اولیٰ بالتصرف بطورِ خلافت بلا فصل کے ہی ہو، کلام صرف اس میں ہے نہ کہ مطلق خلافت اور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تصرف میں کیونکہ اہل السنت کے نزدیک آپ خلیفہ برحق ہیں، مگر چوتھے ہیں۔ لہذا پہلے از روئے لغت یہ معنی ثابت کرنا چاہیے، اس کے بعد قرائن پیش کرنے کی نوبت آئے گی، کیونکہ قرائن کے ذریعے مشترک کے متعدد موضوع لہ معانی میں سے ایک کا تعین کیا جاتا ہے نہ کہ قرائن کے تحت مشترک لفظ کا معنی از سر نو وضع کیا جاتا ہے، اور علامہ ڈھکو صاحب اور تمام شیعی علماء اپنے پیش کردہ قرائن کے تحت اس مشترک کا معنی وضع کرتے ہیں جو بالکل غلط طرز فکر اور سراسر باطل طریقہ ہے۔

۲۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت غدیر خم میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے یہ لفظ "فعلی مولاہ" استعمال فرمایا، اسی وقت آپ کے لیے خلافت و حکومت ثابت ہو گئی یا نہ اور بر تقدیر اول دریافت طلب امر یہ ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت اپنا اقتدار اعلیٰ بھی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو منتقل فرما دیا یا نہ؟ دوسری صورت میں بیک وقت دو حاکم اور متصرف عملی طور پر موجود ہو گئے اور خود مخالفین بھی اس کے قائل نہیں ہو سکتے اور پہلی صورت میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا غدیر خم کے بعد سے وصال تک حکومت و اقتدار سے علیحدہ ہونا اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا اقتدار پر قابض ہونا اور ملک عرب میں متصرف ہونا لازم آئے گا، حالانکہ یہ بھی حقائق اور واقعات کے خلاف ہے اور مسلمات خصم کے بھی خلاف ہے، لہذا ماننا پڑے گا کہ فوری طور پر تو اس تصرف و تسلط اور اختیار و اقتدار کو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے ثابت نہیں کیا جا سکتا اور مستقبل میں اس معنی کے مراد ہونے کی صورت میں اقتدار و اختیار اور تصرف و تسلط ثابت ہو سکتا ہے لیکن مستقبل میں تو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں۔ نزاع و اختلاف صرف بلا فصل تصرف کا مالک ہونے میں ہے اور لفظ مولیٰ باعتبار وضع اس پر دلالت ہی نہیں کرتا۔ اگر دلالت کرتا ہے، تو مطلق حکومت اور تصرف پر کرتا ہے۔ اس میں نزاع نہیں ہے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

لہٰذا علماء شیعہ کا مدعا اس سے قطعاً ثابت نہیں ہوتا اور نہ ہی اہل السنت کے مذہب و مسلک پر اس سے اعتراض ہو سکتا ہے۔

۳۔ اگر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد قطعی طور پر خلافت بلافصل ہی تھی تو آخر شیعہ صاحبان کو تو یہ عربی آ گئی "وخلیفتہ بلافصل" کیا سرورِ عالم رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر عربی (نعوذ باللہ) نہیں آتی تھی؟ یا دیدہ دانستہ امت کو الجھن میں ڈالنا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بلافصل خلافت کو چیستان بنانا مقصود تھا؟ نعوذ باللہ، جو کہ مکارمِ اخلاق کی تعلیم اور شرائع اسلام کی تکمیل فرمانے والے رحمتِ عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نبی کی شان سے بعید تر ہے۔

۴۔ ظاہر ہے جس بادشاہ نے اپنے بعد کسی کو بھی ولی عہد بنایا، اس کی ولی عہدی میں کوئی اختلاف رونما نہ ہوا۔ دوسری حکومتوں کے معاملات کو چھوڑ و تاریخِ اسلام کے دورِ اول میں حضرتِ صدیق رضی اللہ عنہ کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ولی عہد بنانا ہر ایک کو معلوم ہے۔ یہاں خلیفہ اور ولی عہد ہونے میں کسی کو اختلاف نہ ہوا۔ آخر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی العیاذ باللہ خلیفہ بنانے اور ولی عہد مقرر کرنے کا سلیقہ نہ آیا یا بالعموم صحابہ کرام مہاجرین و انصار کو حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے اتنا تعلق بھی نہیں تھا جتنا کہ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے تھا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں سبھی نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بقول شیعہ مخالفت کی، مگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ولی عہد بنایا، تو کسی نے بھی اختلاف نہ کیا۔ زمانہ اپنے تمام ادوار میں کتب تواریخ اپنے تمام ہزار اوراق میں اس قسم کی کوئی مثال دکھلا سکتی ہے، جب نہیں اور یقیناً نہیں دکھلا سکتی تو معلوم ہوا کہ یار لوگوں نے اس حدیث غدیر کا معنی ہی غلط سمجھا ہے اور مقصد نبوی بیان کرنے کی بجائے اپنی طرف سے گھڑنت کی ہے اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں معنوی تحریف کر کے اپنے اسلاف کی تقلید کا حق ادا کیا ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

علامہ ڈھکو صاحب کے بیان کردہ قرائن اور ان کا ردِّ بلیغ

علامہ موصوف نے اپنی کسی دوسری کتاب سے یہ عبارت نقل کر دی ہے، اس لیے ایسے حوالہ جات کی طرف اشارات اور بعض جگہ تصریح آگئی ہے، جن کا پوری کتاب میں کہیں نام و نشان ہی نہیں۔ بہر حال ہم بالترتیب قرائن کا ذکر کر کے ہر ایک کے متعلق واضح کرتے جائیں گے کہ اس سے وہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا، جو شیعی علماء حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

پہلا قرینہ: اس حدیث کی ابتداء میں یہ جملہ الستُ اولیٰ بکم من انفسکم وارد ہے، جو اس بات کا قطعی قرینہ ہے کہ آنے والے لفظ مولیٰ سے یہی اولیٰ والا معنی مراد ہے اور یہ جملہ آیتِ قرآنی النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم سے مقتبس ہے، جس کے متعلق مفسرین نے لکھا ہے، اے فی الامور کلھا (تفسیر بیضاوی جلد دوم ص۲۵۶ طبع مصر) لہٰذا جن معنوں میں نبی مولیٰ ہے، انہیں معنوں میں علی بھی مولیٰ ہیں۔ (رسالہ تنزیہ الامامیہ ص۱۵۱)

الجواب بفضل اللہ الوھاب: علامہ ڈھکو صاحب بھی عجب آدمی ہیں۔ دعویٰ یہ کیا تھا کہ حدیثِ غدیر میں لفظ مولاہ کا معنی ہے اولیٰ بالتصرف اور حاکم یعنی خلیفہ بلا فصل اور قرینہ بیان کرتے وقت یہ کہہ کر اپنے فرض یعنی مشترک لفظ مولیٰ کے تین بیستوں معانی میں سے اس ایک معنی کی تعیین سے سبکدوش ہو گئے کہ مولیٰ کا یہاں وہی معنی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مولیٰ کا معنی ہے مگر اس میں تو اختلاف ہی نہیں ہے کہ دونوں جگہ متناسب معنی مراد ہونا چاہیے۔ ہر دو جگہ محبوب والا معنی ہوگا یا محب والا یا ناصر و مددگار والا یا اولیٰ بالتصرف والا۔ لہٰذا یہاں ڈھکو صاحب کو یہ ثابت کرنا لازم تھا کہ النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم میں اولیٰ بالتصرف اور خلیفہ بلا فصل والا معنی ہی مراد ہے اور اس کے علاوہ دوسرا کوئی معنی مراد نہیں ہو سکتا۔ جب یہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ثابت نہ کیا اور نہ کر سکتے ہیں، تو اس قرینہ کا ذکر ہی ٹھیک نہ ہوا۔
لیجیے اب آپ ہمارے پیش کردہ اسی ایک قرینہ آیت میں حقیقت کو سمجھنے کی کوشش فرمائیں کہ یہاں کونسا معنیٰ مراد ہے۔ النبی اولیٰ بالمومنین کا صحیح مفہوم

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مومنین کے ساتھ ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہیں کا معنیٰ یہ نہیں کہ اس جملہ میں آپ کی خلافت و امارت بیان کی جارہی ہے بلکہ امت پر آپ کی شفقت اور محبت اور پیار بیان کیا جارہا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے النبی اولی بالمومنین من انفسھم فرما کر ساتھ ہی فرمایا وازواجہ امھاتھم کہ میرے نبی کی مقدس بیویاں مومنین کی مائیں ہیں اور بعض قرأت میں وھو اب لھم بھی وارد ہے، یعنی نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم مومنین کے باپ ہیں اور یہ جملہ نہ بھی ہو تو ازواجِ رسول کا امہات المومنین ہونا ہی آپ کے امت کے لیے باپ ہونے کو مستلزم ہے اور امت کے لیے مثل آباء بلکہ اس سے بھی زیادہ مشفق اور مہربان ہونے کی دلیل ہے، اسی لیے آیت کریمہ کے نزول کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا من ترک مالا فلورثتہ ومن ترک دینا او ضیاعا فعلی والی۔

(تفسیر صافی جلد ثانی ص۱۰۳ و معانی الاخبار ص۲۰)

یعنی جس نے اپنے ورثہ میں مال چھوڑا، تو اس کے وارثوں کے لیے ہے اور جس نے قرض چھوڑا یا یتیم بچے اور بیوگان وغیرہ تو اس قرض کی ادائیگی مجھ پر لازم ہے اور وہ یتیم بچے اور بیوگان وغیرہ بھی میرے ذمے۔"

صاحب تفسیر صافی ملا محسن کاشانی نے اس کی تصریح کرتے ہوئے کہا۔
فالزم اللہ نبیہ للمومنین مایلزم الوالد والزم المومنین من الطاعۃ لہ مایلزم الولد للوالد" پس اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ حقوق لازم کیے جو والد پر اولاد کے لیے لازم ہوتے ہیں اور مومنین پر وہ امور لازم کیے جو اولاد پر والد کے حق میں لازم اور ضروری ہوتے ہیں۔"

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

۲۔ تفسیر صافی میں بھی اس آیتِ کریمہ کا معنی بیان کرتے ہوئے کہا۔ یعنی:
اولیٰ بھم فی الامور کلھا فانہ لا یامرھم ولا یرضیٰ منھم
الا بما فیہ صلاحھم ونجاحھم بخلاف النفس فلذا اطلق
فیجب ان یکون احب الیھم من انفسھم وامرہ انفذ علیھم
من امرھا وشفقتھم علیہ اتم من شفقتھم علیھا (ص ۱۰۲ ج ۲)
یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام امور میں مومنین کے لیے اولیٰ ہیں، کیونکہ آپ ان کو اس امر کا حکم دیتے ہیں اور وہی ان سے پسند کرتے ہیں، جس میں ان کی بہتری ہو کامیابی ہو بخلاف نفس کے کہ وہ ایسے امور کا حکم دیتا ہے اور ایسے امور کا ان سے سرزد ہونا پسند کرتا ہے جو ان کی تباہی و بربادی کے موجب ہوتے ہیں، اسی لیے مطلقاً النبی اولیٰ بالمومنین فرمایا اور کسی خاص امر کے ساتھ اس کو مخصوص اور مقید نہ ٹھہرایا، لہٰذا ضروری اور لازم ہے کہ آپ مومنین کو اپنے نفوس سے زیادہ محبوب ہوں اور آپ کا حکم ان پر ان کے نفوس کی نسبت زیادہ نافذ ہو اور ان کی شفقت نبی معظم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس سے زیادہ اتم و اکمل ہو جتنی کہ انہیں اپنے نفسوں پر ہے۔

فائدہ: اور یہی معنی اس آیتِ کریمہ کا تفسیر منہج الصادقین جلد ہفتم ص ۲۸۳ اور تفسیر مجمع البیان ص ۳۳۸ جلد رابع ص ۳۳۸ پر مرقوم ہے۔

۳۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک کے لیے روانہ ہونے لگے، تو بعض صحابہ نے عرض کیا: نستأذن آباءنا وامھاتنا (صافی جلد ثانی ص ۱۰۳ و مجمع البیان، جلد رابع ص ۳۳۸) یعنی ہم اپنے آباء اور امہات سے اجازت لے لیں" (پھر آپ کے ساتھ اس غزوہ میں شریک ہوں گے)، تو اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی، یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مومنین کے لیے ان کے آباء و اجداد اور امہات و جدات کی نسبت اطاعت اور فرمانبرداری کے زیادہ حقدار ہیں۔

۴۔ تفسیر منہج الصادقین میں یہی معنی بیان کرنے کے بعد (جو ابتداء میں صافی، منہج اور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مجمع کے حوالہ سے ذکر کیا گیا ہے) علامہ کاشانی نے ذکر کیا ، در حدیث صحیح آمده است ما من مومن الا انا اولی بہ فی الدنیا والآخرة ونیز در روایتِ صحیحہ ثابت شده کہ مسلمان نگردد ، ہیچ یک از شما دمومن نباشد تا نباشم دوست تر باداز پدر و مادر و فرزند و ہمہ مردمانِ او ۔ پس باید کہ فرمانِ اُو از فرمان ہا لازم تر باشد و لہذا صاحب عین المعانی گفتہ کہ محبتِ با و سزاوار تر است از خود وغیر خود از اقارب و اجانب و از مجاہد منقول است کہ ہر پیغمبرے پدرِ امت خود است و لہذا ہمہ مومنان برادرانِ یک دیگر اند چہ پیغمبر پدرِ ایشان است در دین ۔

ترجمہ : حدیثِ صحیح میں وارد ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں کوئی مومن مگر میں زیادہ محبوب ہوں اس کے لیے دُنیا و آخرت میں ۔ نیز صحیح روایت میں وارد ہے کہ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا ، جب تک کہ میں اس کو باپ ، ماں اور تمام خویش واقربا سے زیادہ محبوب نہ ہوں ۔ پس چاہیے کہ آپ کا فرمان دوسرے تمام فرمانوں کی نسبت زیادہ لازم اور واجب القبول ہو ۔ اسی لیے صاحب عین المعانی نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت زیادہ لائق اور مناسب ہے ۔ اپنی ذات سے بھی اور اپنے غیر سے بھی اقربا ہوں یا اجانب اور بیگانے اور حضرت مجاہد سے منقول ہے کہ ہر پیغمبر اپنی امت کے لیے والد کی مانند ہوتا ہے اور اس لیے تمام مومنین آپس میں بھائی ہیں ، کیونکہ پیغمبرِ اسلام ازروئے دین و ایمان کے والد ہیں ۔"

الحاصل ان تفسیری اقوال سے واضح ہو گیا کہ قول باری تعالیٰ "النبی اولی بالمومنین من انفسھم" میں سرورِ عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے سے زیادہ محبوب ہونا اور اپنے خویش واقربا اور آباء و امہات سے زیادہ محبوب اور شفقت کا زیادہ سزاوار اور حقدار ہونا مراد ہے ، کیونکہ نفوسِ انسانی گمراہی اور ہلاکت کی طرف لے جاتے ہیں ، جبکہ آپ ہدایت فرماتے ہیں اور راہِ اخلاص و نجات پر چلاتے ہیں اور خویش واقربا ، صرف جسمانی تربیت اور دنیوی امداد و اعانت کر سکتے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہیں، جبکہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم روحانی تربیت فرماتے ہیں اور حیاتِ ابدی عطا فرماتے ہیں اور دنیا میں شرِ شیطان و شرِ نفس سے بچانے میں معاون و مددگار ہیں اور آخرت میں عذابِ دوزخ اور قہرِ خداوندی سے بچاتے ہیں، لہٰذا آپ محبت ومودت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔ الغرض خود شیعہ حضرات کی تفاسیر سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ اس جگہ خلافت وحکومت والا معنیٰ مراد نہیں ہے چہ جائیکہ خلافت بلا فصل والا معنیٰ بالخصوص، جبکہ حکومت وخلافت پہلے سے ثابت تھی اور یہ آیت غزوہ تبوک کے اس موقعہ پر نازل ہوئی، جبکہ بعض صحابہ نے آبا واجداد وامہات سے اجازت لینے کا اذن طلب کیا، لہٰذا اس کو سب سے اولیٰ بالتصرف والے معنیٰ کا قرینہ بنانا ہی درست نہ ہوا، چہ جائیکہ اس کو قطعی قرینہ خلافت بلا فصل کا قرار دیا جائے، بلکہ یہ جملہ تو اس امر کی دلیل صریح اور برہان بین ہوا کہ یہاں مولیٰ بمعنیٰ محبوب ہے، جیسے کہ یہاں حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ نے ذکر فرمایا۔

مولیٰ بمعنیٰ محبوب پر قرائن کا بیان

۱۔ پچھلی ساری عبارات سے یہ مدعا واضح ہو چکا ہے، دوبارہ ان پر غور فرمالیں تاکہ شیعہ اکابرین کی زبانی اس امر کی تصریح روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے کہ یہاں مولیٰ بمعنیٰ دوست ہے۔

۲۔ قول باری تعالیٰ: وازواجه امهاتهم میں ہم بھی داخل ہیں یا نہیں؟ دوسری شق کا بطلان اظہر من الشمس ہے، لہٰذا پہلی شق ہی متعین ہوگئی کہ قیامت تک پیدا ہونے والی امت کے لیے ازواجِ نبی امہات ہیں تو لامحالہ انفسہم کے مرجع سے بھی یعنی المؤمنین سے بھی قیامت تک پیدا ہونے والے مومنین مراد ہیں اور ان سب کے لیے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اولیٰ ہیں، تو اب کون عقلمند انسان ہے جو یہ کہے کہ اب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ظاہری طور پر حاکم ہیں اور ملک وسلطنتِ ظاہری پر آپ قابض ومتصرف ہیں، لہٰذا روزِ روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تب بھی محبوب تھے اور اب بھی محبوب ہیں۔ اس وقت بھی سب پر آپ کو جان و مال اور خویش و اقربا سے عزیز سمجھنا فرض تھا اور اب بھی اسی طرح فرض ہے۔

۳۔ وہ حدیث جس کو علامہ کاشانی نے ذکر بھی کیا اور اسے صحیح بھی کہا۔

ما من مومن الا وانا اولی به فی الدنیا والآخرة میں یہی اولی کا لفظ موجود ہے اور اس میں مومن نکرہ ہے جو کہ نفی کے تحت داخل ہے جو مفید عموم و استغراق ہے۔ نیز دنیا و آخرت کی تعمیم بھی مذکور ہے، جبکہ آخرت محلِ حکومت اور مقامِ امارت و سلطنت ہی نہیں ہے، لہذا آخرت میں آپ کے مومنین کے ساتھ اولیٰ ہونے کا معنیٰ محبت و شفقت والا ہی متعین ہے تو دنیا کے لحاظ سے بھی یہی معنی متعین ہوگیا، لہذا آیت اور حدیثِ صحیح کی شہادت سے واضح ہوگیا کہ یہاں محبوبیت والا معنیٰ مراد ہے نہ کہ اولی بالتصرف اور خلیفہ بلافصل والا گویا جس جملہ کو ڈھکو صاحب نے خلافت بلافصل کا قطعی قرینہ بنایا تھا، وہ درحقیقت محبوبیت اور احبیت کا قرینہ ہے اور اس کی مذہبی کتب کی رُو سے یہ حقیقت آشکارا ہو چکی۔

تنبیہ، اولیٰ کو اسمِ تفضیل کا صیغہ اگر وَلی بمعنی قرب و استحقاق سے بنائیں تو پھر بھی قولِ باری تعالیٰ، النبی اولی بالمومنین من انفسھم اور قولِ نبوی، الست اولی بالمومنین من انفسھم ہماری دلیل ہے اور ہمارے مدعا کا واضح قرینہ اور اگر اس کو ولایت بمعنی محبت سے مشتق قرار دیں تو بھی ہمارا مدعا ثابت ہے اور یہ دوسرا معنی پہلے کی نسبت اولیٰ ہے، کیونکہ اس صورت میں جہت اولویت کو خارج سے اعتبار نہیں کرنا پڑتا، جبکہ پہلی صورت میں جہت اولویت کو محذوف ماننا پڑتا ہے یعنی احق بالتصرف جبکہ حذف خلافِ اصل ہے، لہذا اب صریح مفہوم اس آیت و حدیث کا یہی ہوگیا کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم مومنین کے لیے اپنے نفوس سے زیادہ محبوب تر ہیں۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

۴۔ حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں الست اولیٰ بالمومنین من انفسھم کے بعد وارد ہے، فمن کنت مولاہ یعنی جس کا میں مولیٰ تھا، خواہ اس کانَ کے لفظ کو استمرار کے معنی میں ہی لے لو، تب بھی ماضی کو شامل ہونا اس کا لازمی اور ضروری ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ نبیِ اکرم سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت سے قبل مومنین کے لیے مولیٰ تھے یا نہیں؟ اگر تھے اور یقیناً مولائے مومنین تھے تو نہ اس وقت مولیٰ کا معنی حکمران اور صاحبِ سلطنت تھا، نہ اب یہ معنی مراد ہوا۔ اس وقت بھی آپ مولیٰ بمعنی محبوب تھے اور اب بھی اسی معنی سے مولیٰ ہوں گے، کیونکہ حکومت و سلطنت تو بہت بعد میں قائم ہوئی۔

۵۔ اس حدیث و روایت میں مولیٰ اور اولیٰ کی مومنین کے ساتھ تخصیص فرمائی گئی ہے۔ قرآن مجید میں بھی اور حدیث شریف میں بھی حالانکہ آپ کی حکومت و سلطنت تو مومنین کے ساتھ خاص نہیں تھی، بلکہ یہودِ خیبر اور نصارائے نجران بھی آپ کے زیرِ فرمان تھے اور آپ کی رعایا تھے، لہٰذا اگر یہاں حکومت و سلطنت والا معنی مراد ہوتا تو مومنین کے ساتھ تخصیص کا کوئی مطلب نہیں ہو سکتا تھا، جس سے واضح ہو گیا کہ یہ آیتِ کریمہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق ہے، ذالک بان اللہ مولی الذین آمنوا و ان الکافرین لا مولیٰ لھم۔ "یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا مولیٰ ہے اور کافرین کے لیے کوئی مولیٰ نہیں ہے۔" حالانکہ کفار و مشرکین اللہ تعالیٰ کی حکومت سے باہر تو نہیں تھے۔ اگر انہیں نصیب نہیں تو اللہ تعالیٰ کی محبت اور مومنین کو جو چیز کفار سے ممتاز کرتی ہے، وہ بھی صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق اور ان کی اللہ تعالیٰ سے محبت اور اللہ تعالیٰ کی ان سے محبت ہی ہے کما قال اللہ تعالیٰ، اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ وقال اللہ تعالیٰ، اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ وقال اللہ تعالیٰ، یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ۔ لہٰذا اس تخصیص نے بھی واضح

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہو گیا کہ یہاں مخصوص محبت اور خصوصی تعلق کا بیان ہے اور حکومت و سلطنت کا بیان مقصود نہیں ہے۔ تو جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اولیٰ بالمومنین اور مولی المومنین ہونے کا مطلب واضح ہو گیا تو ؎

چہ ادر معنیٰ من کنت مولاہ بجو — علی مولا باں معنیٰ کہ پیغمبر بُود مولیٰ

کا مطلب واضح ہو گیا۔

شیعی علماء کا منشاء غلط

ا۔ شیعی علماء کو مغالطہ یہاں سے لگتا ہے کہ فی الواقع چونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حاکم اور صاحبِ سلطنت اور تنفیذِ احکام پر متعدد رہتے، لہٰذا اس لفظ سے بھی یہی معنیٰ مراد ہوگا، حالانکہ واقع میں ایک صفت اور معنیٰ سے موصوف ہونا الگ چیز ہے اور اطلاق کیے گئے لفظ سے بھی اس معنیٰ کا مراد ہونا الگ چیز ہے مثلاً اللہ تعالیٰ ہر ہر ذرہ کائنات کا مالک بھی ہے اور حاکم و متصرف بھی اور ملکِ سماوات والارض بلا شرکت غیرے حاکم، اور عرش و تختِ کائنات پر متعدد اور غالب لیکن باوجود اس کے اس نے اپنے آپ کو مولی الذین آمنوا کہا ہے اور کافروں سے مطلقاً اپنے مولیٰ ہونے کی نفی کر دی ہے اور فرمایا: وان الکافرین لا مولیٰ لھم۔ لہٰذا واضح ہو گیا کہ واقعہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصفِ حکومت سے موصوف ہونا اس امر کو مستلزم نہیں ہے کہ جب بھی آپ پر لفظِ مولیٰ اطلاق کیا جائے، تو اس سے بھی وہی حکومت و سلطنت والا معنیٰ مراد ہو بلکہ موقعہ و محل کے مطابق دوسرے معانی بھی مراد لیے جا سکتے ہیں۔

۲۔ ڈھکو صاحب نے قاضی بیضاوی کی عبارت فی الامور کلہا دیکھ کر سمجھ لیا کہ جب تمام امور میں آپ سب مومنین سے اولیٰ ہیں اور ان امور میں حکومت و سلطنت بھی داخل ہے، لہٰذا آپ کا اولیٰ بالحکومت والامارت ہونا ثابت ہو گیا، حالانکہ یہ کوتاہ اندیشی اور تغافل شعاری کا بدترین نمونہ ہے، کیونکہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تفسیر صافی اور منہج الصادقین میں بھی بالکل وہی کلمات ذکر کیے گئے ہیں یعنی اولی بھم فی الامور کلھا (صافی ج ۲ ص ۱۰۲) اور منہج الصادقین میں ہے: یعنی در ہمہ کارہا تے دین و دنیا (ص ۲۸۲) لیکن باوجود اس کے معنی محبوبیت والا مراد ہے، کیونکہ آپ کا نفوس کی نسبت دین و دنیا کے امور میں اولی ہونا مراد ہے، کیونکہ نفس انسانی ہلاکت اور بغاوت کی طرف لے جاتا ہے جبکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم خیر اور بھلائی، نجات و فلاح کی طرف بلاتے ہیں، لہذا نفوس انسانی انکے دشمن اور مبغوض ٹھہرے کما فی الحدیث: اعدی اعداءک نفسک التی بین جنبیک یعنی سب دشمنوں سے تیرا بڑا دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے۔" اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم موجب فوز و فلاح ہونے کی وجہ سے محبوب تر ہو گئے۔ لہذا اس تفسیری عبارت کو اپنی دلیل بنانے میں بہت بڑی جہالت کا مظاہرہ ہے یا تجاہل کا۔ اعاذنا اللہ من ذالک۔

دوسرا اور تیسرا قرینہ مولی بمعنی اولی بالتصرف پر

(تلخیص الامامیہ ص ۱۵۱)

اس حدیث اور اس اہتمام سے واضح ہے کہ جناب امیر کی وہ خصوصیت بیان ہو رہی ہے، جس میں اور کوئی صحابی رسول آپ کا شریک نہیں اور وہ نہیں مگر یہی اولی بالتصرف۔ ارشاد ربانی ہے: المومنون بعضھم اولیاء بعض۔ "یعنی بعض مومن دوسرے بعض مومنین کے محب ہیں۔" یہی معانی اگر یہاں بھی مراد ہوتے تو اس قدر اہتمام و انتظام کی کیا ضرورت تھی؟ جو کہ تحصیل حاصل کو مستلزم ہے اور وہ محال ہے۔ علی الخصوص جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت کو عین ایمان اور آپ کے ساتھ بغض کو نفاق اور کفر قرار دیا جا چکا تھا، لہذا یہ صرف اور صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عملی خلافت کا اعلان تھا؟ جس کے بغیر کار و بار رسالت الکارت ہو رہا تھا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

الجواب وھو الملھم للصدق والسداد

غدیر خم میں صحابہ کرام کو جمع فرمانا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمانا، من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔ ڈھکو صاحب کے نزدیک قطعی قرینہ بن گیا کہ یہاں صرف اور صرف اولیٰ بالتصرف اور خلیفہ بلا فصل والا معنی ہی مراد ہے۔ محبت والا معنی تو تمام مومنین میں باہم پایا ہی جاتا ہے۔ اگر وہی بیان کرنا مقصود ہوتا، تو اس میں تکرار محض ہوتا، لیکن اس قرینہ اور اس کی دلالت میں چند وجوہ سے سقم اور ضعف ہے۔ اس لیے ڈھکو صاحب اور شیعی علماء کے لیے مفید مدعا نہیں ہو سکتا۔

۱۔ از روئے ایمان کے باہم محبت اور الفت کا پایا جانا ضروری ہے، لیکن محبت کے درجات مختلف ہوتے ہیں۔ عمومی وجہ محبت کی پائی جائے، تو اس کے بعد خصوصی وجہ سے محبت کا وجوب ولزوم بیان کرنا تکرارِ بے فائدہ کا موجب نہیں ہے۔ عمومی محبت میں خود حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں، کیونکہ آپ مومن بھی ہیں اور مومن گر بھی، لیکن بحیثیتِ نبی و رسول ہونے کے اور سب کا ہمدرد اور خیر خواہ ہونے کے اور دنیا و آخرت میں منبع انعام واحسان ہونے کے سبب مومنین پر آپ کے ساتھ خصوصی محبت فرض ہے۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدماتِ اسلام اور جہاد کفار نیز روحانی فیوض وبرکات کا منبع اور سرچشمہ ہونے کے لحاظ سے آپ کے ساتھ بھی مومنین پر خصوصی محبت ضروری اور لازم ہے اور انہیں وجوہات واسبابِ محبت کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ نے مختلف مواقع پر مختلف حضرات کے متعلق خصوصی اہتمام کے ساتھ یہ حکم بیان فرمایا۔ چنانچہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے متعلق فرمایا، فمن احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم۔ جس نے ان سے محبت کی، پس میری محبت کی وجہ سے محبت کی اور جس نے بغض رکھا پس اس نے میرے بغض کی وجہ سے ان کے ساتھ بغض رکھا۔" اہل بیت کرام کے متعلق بالعموم بھی اور حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کے بارے میں بالخصوص یہ ارشاد فرمایا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اللھم انی احبھما فاحبھما واحب من یحبھما۔

اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں، لہذا تو بھی ان کو اپنا محبوب بنا اور ان سے محبت رکھنے والوں کو بھی اپنا محبوب بنا۔"

الغرض بالعموم محبت کا وجوب و لزوم بیان کرنے کے بعد بالخصوص محبت کے وجوب و لزوم کا بیان کرنا لغو، تکرار اور تحصیل حاصل کے ضمن میں نہیں آتا، جبکہ اس اہتمام کے ساتھ قبل ازیں کسی کے حق میں محبت کے وجوب و لزوم کو بیان نہیں کیا گیا تھا، لہذا اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خصوصیت ظاہر و واضح ہو گئی کہ آپ کی محبت کو محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مماثل قرار دیا گیا۔ اس کی مثال یوں سمجھیے سب بڑوں کی عزت کرو اور بالخصوص والدین کی عزت کرو تو کون عقل و دانش کا دشمن اس کو بے فائدہ تکرار تصور کرے گا کہ والدین بھی بڑے ہوتے ہیں اور سب بڑوں کی عزت و توقیر کے حکم میں ان کے متعلق بھی حکم پایا گیا' لہذا یہ تکرار محض ہے۔

۲۔ نیز اس اہتمام و انتظام کی خصوصی وجوہات بھی تھیں' جن میں ایک ایک وجہ تو یہ آنے والے حالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے آپ کی عظمت کا اظہار' کیونکہ آپ کے علم میں تھا کہ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دشمنی رکھیں گے اور آپ کو کافر و مشرک تک کہیں گے نعوذ باللہ! جیسے خوارج، لہذا آپ کی عظمتِ شان بیان فرمائی اور آپ کے ساتھ محبت و مودت کے وجوب و لزوم کو واضح فرمایا' تاکہ ہمدردی اور خیر خواہی کا حق ادا ہو جائے اور کسی کو کوئی غلط فہمی اس بارے میں نہ رہے جس طرح کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے متعلق اس گروہ کا علم ہونے کی وجہ سے جو کہ ان پر سب و شتم کریں گے۔ فرمایا: اذا لقیتم الذین یسبون اصحابی فقولوا لعنۃ اللہ علی شرکم

"جب ان لوگوں سے ملو جو میرے صحابہ کو گالیاں دیتے ہیں' تو کہو لعنت ہو تمہارے شر و فساد پر" اور فرمایا: اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوھم غرضا من بعدی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

میرے صحابہ کے معاملے میں خدا سے ڈرنا، خدا سے ڈرنا۔ ان کو اپنے اعتراضات کا نشانہ نہ بنا لینا، لیکن بالعموم صحابہ کرام کے ساتھ اس قدر بغض و عناد رکھنے والے نہ تھے، جتنا قدر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بغض و عناد رکھنے والے تھے جو کہ صاحب قوت و شوکت بھی تھے اور مقابلہ میں آکر لڑنے اور جنگ کرنے والے اور آپ کے روبرو آپ پر کفر و شرک کے فتوے لگانے والے اس لیے آپ کی خاطر زیادہ اہتمام فرمایا۔ بخلاف خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے کہ ہر دور میں ان کے مداح اور ان کی عظمت کے معترف ہی غالب و کامران اور برسر اقتدار رہے خواہ بنو امیہ کا دور تھا یا بنو عباس کا یا بعد والے ادوار ما سوائے چند جزوی علاقوں اور اقوام کے اور وہ بھی چھ سات صدیوں کے بعد۔ لہٰذا یہ امر اس اہتمام و انتظام کا داعی اور موجب تھا۔

دوسری وجہ اس اہتمام و انتظام کی یہ تھی کہ سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یمن میں امیرِ لشکر بنا کر بھیجا تھا اور یمن سے ہی آپ وافر مقدار میں قربانیاں لے کر مکہ مکرمہ میں حج کے لیے پہنچے اور آپ کے بعض رفقائے کار کو آپ کے خلاف شکایات پیدا ہوئیں اور انہوں نے حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آپ کی شکایت کی، تو اس وقت آپ نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق بڑے اہتمام کے ساتھ محبت و مودت کے لزوم کو بیان فرمایا اور ان کو بدگوئی و تشنیع بنانے سے منع کیا۔ عن بریدۃ الاسلمی قال غزوت مع علی الیمن فرءیت منه جفوۃ فلما قدمت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذکرت علیاً کرم اللہ وجهه فرءیت وجه رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد تغیر فقال یا بریدۃ الست اولی بالمؤمنین من انفسهم قلت بلی یا رسول اللہ قال من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔ رواہ احمد ورواہ النسائی باسناد قوی جید رجاله کلهم ثقات۔ روح المعانی جلد ۶ ص ۱۹۴

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حضرت بردہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معیت میں یمن میں جہاد کیا، تو میں نے ان سے جفا کاری اور شدت و سختی کا مشاہدہ کیا۔ جب بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوا، تو آپ کی خدمت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا، تو میں نے دیکھا کہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ اقدس غصہ سے سُرخ ہو گیا اور آپ نے فرمایا، اے بریدہ! کیا میں مومنین سے ان کے نفوس سے بھی زیادہ محبوب نہیں ہوں؟ تو میں نے عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ! تو آپ نے فرمایا،

من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔

نیز محمد بن اسحاق نے یحییٰ بن عبد اللہ کے واسطہ سے یزید بن طلحہ سے نقل کیا ہے:

اقبل علی من الیمن لیلقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بمکۃ فعجل الیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واستخلف علیٰ جندہ الذین معہ رجلا من اصحابہ فعمد ذالک الرجل فکسا کل رجل حلۃ من البز الذی کان مع علی کرم اللہ وجہہ فلما دنا جیشہ خرج لیلقاھم فاذا علیھم الحلل قال ویلک ما ھٰذا قال کسوت القوم لیتجملوا بہٖ اذا قدموا فی الناس قال ویلک انتزع قبل ان تنتھی الیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فانتزع الحلل من الناس فردھا فی البز واظھر الجیش شکواہ لما صنع بھم۔ (روح المعانی ج ۶ ص۱۹۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے مکہ شریف کی طرف آئے تاکہ حضور نبی اکرم کے ساتھ ملاقات کریں۔ آپ جلدی مکہ شریف کی طرف روانہ ہوئے اور لشکر میں اپنے ساتھیوں میں سے ایک ساتھی کو خلیفہ اور نائب بنایا، تو اس خلیفہ نے اس بزاز سے جو آپ کے پاس تھی، ایک ایک جوڑا ہر سپاہی اور لشکری کو دے دیا۔ جب آپ واپس لشکر کے پاس پہنچے، تو وہ لشکری آپ کی ملاقات کے لیے نکلے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک نیا جوڑا پہنے ہوئے ہے، تو آپ نے اپنے نائب کو بلایا اور فرمایا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تجھ پر ہلاکت ہو، یہ کیا ہے؟ اُس نے کہا، میں نے انہیں یہ پوشاکیں پہنائی ہیں تاکہ جب لوگوں میں آئیں، تو جمال و زینت اور زیبائش و آرائش کے ساتھ آئیں، تو آپ نے فرمایا، ان سے واپس لے لو، قبل اس کے کہ ہم رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچیں، چنانچہ اُس نے وہ جوڑے واپس لے لیے اور اس بزازی میں شامل کر دیئے جو حضرت امیر علیہ السلام کے ساتھ تھی۔ لشکر نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کے اس فعل کی وجہ سے آپ کی شکایت کی۔

یہی مفصل روایت شیعی مفسر علامہ فتح اللہ کاشانی نے تفسیر منہج الصادقین میں ذکر کی ہے، جس کا آغاز یوں ہے۔ "چوں امیر المومنین بنزدیک مکہ رسید خلیفہ بر قوم خود تعیین فرمود (تا) ایشاں اظہارِ شکایتِ امیر کردند۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمود کہ علی بن ابی طالب ایں امر را بر وجہ صواب کرد ایشاں منزجر نشدہ بر شکایت اداصرار کردند۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بر منبر آمد و خطبہ فرمود و گفت

ایھا الناس ارفعوا السنتکم عن علی بن ابی طالب فانہ خشن فی ذات اللہ وغیر مداھن فی دینہ۔ چوں خشم و مبالغہ رسول را دیدند زبان کوتاہ کردند۔ تفسیر منہج الصادقین جلد سوم ص۲۷۷

ترجمہ: یعنی جب حضرت علی رضی اللہ عنہ مع لشکر مکہ شریف کے قریب پہنچے تو آپ نے قوم پر ایک شخص کو اپنا نائب اور خلیفہ بنایا اور خود مکہ شریف میں بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے ( ) اور جب واپس ہوئے اور لشکر کو نئے جوڑے زیبِ تن کیے دیکھا اور اپنے نائب کو اتروانے کا حکم دیا اور اُس نے واپس لے لیے۔ تو ان لشکریوں نے آپ کی شکایت بارگاہِ رسالت پناہ علیہ التحیۃ والثناء میں کی۔ آپ نے فرمایا، علی بن ابی طالب نے صحیح اقدام کیا اور اُن کا یہ فعل بالکل درست اور صواب ہے، مگر وہ باز نہ آئے اور اسی شکایت پر اصرار کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوتے اور خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا،

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اے لوگو! اپنی زبانیں علی بن ابی طالب کی شکایت سے روک لو، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں سخت ہیں اور اس کے دین میں مداہنت سے کام لیتے ہوئے مخلوق کی رو رعایت اور ان کے پاس و لحاظ کو احکامِ خداوندی پر مقدم ٹھہرانے والے نہیں ہیں۔ جب ان لشکریوں نے رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی اور غصہ کا مشاہدہ کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت اور آپ کی طرف سے دفاع کی سعی اور مبالغہ کو دیکھا، تو اپنی زبانیں بند کر لیں اور اس شکوہ و شکایت سے باز آگئے۔

وجہ اہتمام: شیعہ و سُنّی ہر دو کے نزدیک ثابت و محقق اور ہر دو کی معتبر اور مستند کتب میں مروی اور منقول اس روایت سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حق میں محبت و مودت کے وجوب و لزوم کے اس عظیم اہتمام کی وجہ اب واضح ہو گئی، کیونکہ آپ کے زیر کمان لشکریوں کو آپ کے خلاف شکایت پیدا ہو گئی تھی اور حجاج کرام میں پھیل چکی تھی اور مشہور و معروف ہو چکی تھی، اس لیے اس کا ازالہ از حد ضروری تھا اور جب تک اس قسم کا اہتمام نہ ہوتا، نہ سب لوگ آپ کی محبت کے وجوب و لزوم اور اس کی اہمیت و ضرورت کو سمجھنے اور نہ ہی ان کے قلوب و اذہان سے یہ وساوس اور خدشات دور ہو سکتے تھے، اس لیے اس قدر اہتمام و انتظام بھی فرمایا اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنی جانوں کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ عزیز اور پیارا سمجھنے کی تلقین فرمائی اور انہیں روایات سے آغازِ خطاب میں اپنے متعلق اس استفسار کی حکمت بھی واضح ہو گئی۔

السْتُ اولیٰ بالمومنین من انفسھم۔ کیا میں مومنین کے لیے ان کے ارواح و نفوس سے بھی زیادہ محبوب نہیں ہوں۔ یعنی جب میں تمہارے لیے مثل والد کے شفیق ہوں اور تمہارے ساتھ اولاد کی طرح محبت رکھنے والا ہوں اور تمہارے نفسانی تقاضوں کے برعکس سراسر تمہاری فلاح و نجات اور اچھائی اور بھلائی میں کوشاں ہوں، تو جو کچھ اب فرما رہا ہوں، یہ بھی تمہاری بہتری

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اور خیر خواہی والی صورت ہے، لہذا میرے اس حکم کو عین فلاح و نجات اور سرخروئی اور آبرو مندی کا موجب سمجھتے ہوئے اس کی بھی پابندی کرو اور یہی وجہ ہے کہ آخر میں فرمایا "اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ"۔ اے اللہ! جو علی سے دوستی رکھے اس کو تو بھی اپنا دوست بنا اور جو علی سے دشمنی رکھے، تو بھی اس کو اپنا دشمن بنا۔" تاکہ محبتِ مرتضیٰ کا موجب فلاح ہونا واضح ہو جائے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عداوت کا موجب خسران ہونا اور اللہ تعالیٰ کی عداوت کا موجب ہونا معلوم ہو جائے تو اب اس حدیث کے اول و آخر اور سیاق و سباق نے واضح کر دیا کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ محبت و مودت اور الفت و عقیدت کی تاکید اکید ہے اور اس سے خلافت بلا فصل کا اثبات سراسر بے موقعہ اور بے محل ہے۔ اور اس جملے یعنی فعلی مولاہ کو ماقبل اور مابعد سے بالکل بے تعلق اور بے جوڑ ثابت کرنے کی، ناکام کوشش کی ہے۔

۳۔ نیز عقلی اور درایتی طور پر بھی اس اہتمام و انتظام کی وجہ واضح ہے کیونکہ حروب و قتال میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قریش کے بہت سے آدمی قتل ہو گئے تھے بہ نسبت دوسرے صحابہ کرام علیہم الرضوان کے کہ ان کے ہاتھوں اس قدر افراد قتل نہیں ہوئے تھے، تو اس امر کا امکان تھا کہ مقتولین کے رشتہ دار و اقربا اور ان کی اولاد اپنے دلوں میں آپ کے متعلق کسی طرح کی کدورت اور رنجش رکھیں، لہذا آپ نے اعلان فرمایا اور بڑے اہتمام کے ساتھ بیان فرمایا کہ علی مرتضیٰ میرے قریبی ہیں اور بھائی اور انہوں نے جو کچھ کیا وہ میرے حکم سے کیا اور میں نے جو کچھ کیا اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا۔ لہذا جس طرح تم پر میرے ساتھ محبت لازم ہے اور بغض و کدورت حرام ہے۔ اسی طرح علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے بھی محبت و الفت تم پر لازم ہے اور ان کے ساتھ بغض و عناد رکھنا ممنوع اور چونکہ زمانہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں جنگ و جدال اور حرب و قتال کا سلسلہ اب ختم ہو چکا تھا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اس لیے یہ آخری وصیت اور تاکید اکید فرمائی۔

تکرار اور تحصیل حاصل کے لزوم سے مغالطہ دینے کی سعیٔ مذموم!

علامہ ڈھکو صاحب فرماتے ہیں کہ حدیث غدیر میں علی مولاہ سے محبوبیت والا معنیٰ مراد ہو تو یہ تکرار محض ہونے کی وجہ سے بے فائدہ اعلان ہوگا اور تحصیل حاصل ہونے کی وجہ سے محال اور ناممکن، کیونکہ اس اعلان سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا آپ کی محبت کے وجوب اور لزوم کو بیان کر دیا تھا۔

اقول: علامہ ڈھکو صاحب قطعی قرائن بیان کرنے لگے تھے، جن کی وجہ سے علی مولاہ کا اولیٰ بالتصرف، حاکم اور خلیفہ بلافصل کے علاوہ دوسرا کوئی معنیٰ ممکن ہی نہ ہو، لیکن ذکر ایسے قرائن کر رہے ہیں جو اس معنیٰ کی ترجیح اور غلبۂ ظن کا فائدہ بھی نہیں دیتے۔ شاید انہوں نے صرف قطعی کا لفظ سن رکھا ہے، اور اس کے معنیٰ و مفہوم پر غور کرنے کا موقعہ ہی نصیب نہیں ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک اہم حکم تکرار کے ساتھ ذکر کرنا نہ بے فائدہ ہوتا ہے اور نہ وہ تحصیل حاصل جو کہ محال ہے۔ توجہ کے لیے چند امور سپرد قرطاس کیے جاتے ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے کلام مجید میں بیسیوں جگہ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ فرمایا ہے۔ امم سابقہ اور انبیاء کرام علیہم السلام کا متعدد مواقع پر ایک ہی قصہ اور واقعہ مختلف اسالیب اور متنوع انداز میں دہرایا ہے اور سورۂ رحمٰن میں کتنی دفعہ فَبِاَیِّ اٰلَاۗءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ o کا تکرار ہے تو بقولِ علامہ ڈھکو صاحب قرآن مجید ہی تکرارِ بے فائدہ اور تحصیلِ حاصل محال کا مجموعہ بن جائے گا۔

۲۔ حدیثِ قرطاس پر بحث کرتے ہوئے ڈھکو صاحب نے کہا کہ حضور نبی اکرم

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

صلی اللہ علیہ وسلم بار بار اور مختلف اسالیب وعناوین سے جس خلافتِ مرتضوی کا ذکر کرتے رہے تھے۔ اب بھی وہی خلافت لکھنی تھی اور کیا لکھنا تھا، یعنی وہاں خلافت کا بار بار ذکر اور تکرار اس آخری موقعہ پر بھی اسی کے مراد و مقصود ہونے کی دلیل ہو گیا، لیکن محبت کا وجوب ولزوم بار بار بیان ہو چکا، تو اب اس کا ذکر بے فائدہ تکرار بھی ہو گیا اور تحصیل حاصل ہونے کی وجہ سے محال بھی ؎

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

علامہ صاحب سے کون پوچھے کہ وہ تکرار کیوں بے فائدہ نہ ہوا اور تحصیل حاصل کا موجب ہونے کی وجہ سے محال کیوں نہ ہوا اور یہ تکرار کیوں بے فائدہ اور مستلزم محال ہو گیا اور کہیں وہ اپنی حالت ہی تو اس شعر میں بیان نہیں کرتے رہے ؎

کبھی گرتا ہوں ساغر پر کبھی گرتا ہوں مینا پر
میری بے ہوشیوں سے ہوش ساقی کے بکھرتے ہیں

۲۔ علامہ ڈھکو صاحب کے بیان کردہ اس قرینہ نے ان کی دلیل کو وزنی کرنے کی بجائے ان کے بہت سے دلائل کا صفایا کر دیا، بلکہ خود اسی دلیل کو ہی ختم کر کے رکھ دیا۔ مثلاً غزوہ تبوک کے موقعہ پر ہزاروں افراد کی موجودگی میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا، انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ۔ کیا اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل کا اعلان ہوا تھا یا نہیں؟ دوسری صورت میں اس کو دلائلِ خلافت کے طور پہ پیش کرنا لغو ہو گیا اور پہلی صورت میں جب ہزاروں افراد اور مہاجرین وانصار کے سامنے آپ کی خلافت وامامت کا اعلان ہو چکا تھا، تو اب مَن کُنتُ مولاہ فعلی مولاہ کہہ کر اس کا اعلان کرنا بے فائدہ تکرار بن گیا اور تحصیلِ حاصل جو کہ محال ہے۔

نیز قولِ باری تعالیٰ: انما ولیکم اللہ ورسولہٗ والذین اٰمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون ہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اہلِ تشیع کے نزدیک حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی امامت و خلافت بلافصل کی نصِ قطعی ہے، کیونکہ حالتِ رکوع میں صرف آپ نے ہی زکوٰۃ اور صدقہ دیا تھا اور اس آیتِ مبارکہ کی بار بار تلاوت بھی ہوتی رہی اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا فریضہ رسالت ادا کرتے ہوئے صحابہ کرام کو اس آیت کے معنیٰ و مفہوم کی تعلیم بھی دی ہوگی۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ویعلمھم الکتاب والحکمۃ اور وہ آیت مبارکہ غدیر خم کے اس واقعہ سے بہت پہلے نازل ہو چکی تھی، لہٰذا اب غدیر خم میں امامت یعنی ادر ان کی خلافت بلافصل کا اعلانِ تکرار محض اور تحصیل حاصل ہونے کی وجہ سے ممکن ہی نہ رہا۔

الغرض ڈھکو صاحب کے بیان کردہ اس قرینہ سے انہیں اپنے کئی دلائل سے ہاتھ دھونا پڑے گا اور لینے کے دینے پڑ جائیں گے، لہٰذا اس کو قرینہ کہنا ہی غلط ہے، چہ جائیکہ قطعی قرینہ کہا جائے۔

کیا اعلانِ خلافت کے بغیر کارِ نبوت اکارت ہو رہا تھا؟

قول باری تعالیٰ یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک کی تحقیق

ڈھکو صاحب فرماتے ہیں کہ غدیر خم کے موقع پر صرف اور صرفاً اعلانِ خلافت کرانا تھا، کیونکہ اس کے بغیر کارِ رسالت اکارت ہو رہا تھا اور اس جملہ میں جناب کا اشارہ اس آیہ کریمہ کی طرف ہے: یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس ان اللہ لا یھدی القوم الکافرین ○ اور قبل ازیں اس کی تصریح بھی ان کی طرف سے گزر چکی ہے۔ یعنی اے رسولِ معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو کچھ آپ کی طرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، اس کو لوگوں تک پہنچاؤ۔ پس اگر آپ نے ایسا نہ کیا، تو آپ نے فریضہ رسالت ادا نہ کیا اور اللہ تعالیٰ آپ کو ان لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ قومِ کفار کو ہدایت نہیں دیتا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اقول : ۱- اس طرزِ استدلال اور قرینہ میں بھی وہی سابقہ خرابی اور فساد لازم آئے گا اور یہ سودا مہنگا پڑے گا، کیونکہ جب آیاتِ امامت کی تبلیغ ہو چکی تھی اور فرمانِ رسالت انت منی بمنزلۃ ھارون من موسٰی بھی جاری ہو چکا تھا وغیرہ وغیرہ، تو اب یہ اعلان درست ہی نہیں تھا اور تکرار محض کی وجہ سے اس میں تحصیل حاصل تھی اور وہ علماء شیعہ کے نزدیک محال ہے، لہٰذا اب اس اعلان پر کاروبارِ رسالت کیونکر موقوف ہو سکتا تھا اور اس کے بغیر وہ اکارت کیوں ہو رہا تھا؟

۲- اس آیتِ کریمہ میں خلافت کی تصریح موجود نہیں ہے اور جب اس اعلان کے بغیر کاروبارِ رسالت اکارت جا رہا تھا، تو معلوم ہوا ابھی قرآن و سنت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق خلافت و ولایت کا اعلان اس سے قبل نہیں کیا گیا تھا۔ لہٰذا وہ سارے دلائل جو اس واقعہ سے قبل نازل شدہ آیات سے پیش کیے جاتے ہیں یا سیدِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس واقعہ غدیر سے قبل صادر ہونے والی احادیث سے پیش کیے جاتے ہیں، وہ لغو اور باطل ہو گئے کیونکہ اگر اعلانِ خلافت پہلے ہو چکا ہوتا اور وہ بھی تکرار کے ساتھ تو اب اس پر کارِ رسالت کے موقوف ہونے کا کوئی معنی نہیں تھا اور بقول علماء شیعہ کارِ رسالت تو اسی اعلان پر موقوف تھا، تو یقیناً پہلے سے کوئی اعلانِ خلافت نہیں کیا گیا ہو گا، لہٰذا وہ سارے دلائل غلط ہو کر رہ گئے اور ان کا پیش کرنا لغو اور باطل ٹھہرا۔

۳ کیا خلافتِ امیر کا صرف اعلان کر دینا زیادہ اہم تھا؟ یا عملی طور پر ان کو خلافت دینا اور اقتدار ان کے حوالے کرنا اور ظاہر ہے کہ محض اعلان کی بجائے عملی طور پر اقتدار ان کے حوالے کرنا اور خلافت انہیں سونپنا زیادہ مؤثر اور مؤکد امر تھا اور اس سے اس راہ کی ساری مشکلات دور ہو سکتی تھیں، لیکن نہ نبی مکرم رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اقتدار سونپا اور نہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا اور خلافت و امامت کبریٰ کی مسند حوالے کرنا تو بہت اہم معاملہ تھا یہاں تو

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مسجدِ نبوی کا مصلیٰ بھی آپ کے حوالے نہیں کیا گیا تھا۔ الغرض جو چیز اہم اور مفید تھی اور جس میں سب مشکلات کا حل تھا، وہ دیتا کوئی نہیں اور جو اعلان بقول علماء شیعہ کیا گیا، اس کا حضرت امیر المومنین کرم اللہ وجہہ الکریم کو کوئی فائدہ نہ پہنچا کیونکہ سب صحابہ کرام نے متفقہ طور پر وہ خلافت اور اقتدار حضرت صدیق اور فاروق و عثمان رضی اللہ عنہم کے یکے بعد دیگرے حوالے کر دیا، تو اس اعلان پر کارِ رسالت کو موقوف کرنے میں آخر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کیا آیا؟

۴۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بقولِ شیعہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ فرما کر حضرتِ امیر کی خلافت کا اعلان فرما رہے تھے اور اللہ تعالیٰ یہ اعلان کرا رہا تھا جبکہ مہاجرین و انصار نے بالاتفاق خلافت علی الترتیب حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کو دے دی۔ اب دو ہی صورتیں ہیں، یا تو صحابہ کرام کو حکم خداوندی کا مخالف اور حکمِ رسالت کا باغی سمجھا جائے اور دائرہ اسلام سے خارج نعوذ باللہ اور یا شیعہ حضرات کا یہ مفروضہ غلط اور باطل محض یقین کیا جائے۔

پہلی صورت قرآن مجید کی بیسیوں آیات سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہزاروں ارشادات اور حضرت علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ کے بے شمار ارشادات کے خلاف ہے، جن کا بطورِ نمونہ پہلے ذکر ہو چکا ہے اور علی الخصوص حضرتِ امیر کے اس ارشاد کے خلاف ہے: ماکان اللہ لیجمعکم علی ضلال ولا یضربھم عمی۔ (شرح ابن میثم بحرانی مع نہج البلاغہ جلد رابع صفحہ ۳۵۵) یعنی اللہ تعالیٰ کو یہ زیبا نہیں کہ انہیں (مہاجرین کو) گمراہی پر متفق کرے اور نہ یہ کہ انہیں حق سے اندھا اور ناشناسا رکھ کر مارے اور اسی طرح اس ارشاد کے بھی مخالف ہے: فان ابی قاتلوہ علی اتباعہ غیر سبیل المومنین۔ (نہج البلاغہ مصری ج ۲، ص ۷) پس اگر کوئی شخص مہاجرین و انصار کے منتخب امام کی بیعت سے ازراہِ طعن و تشنیع اور بدعت خروج

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کرتا ہے، تو اسے واپس لوٹانے کی کوشش کرو اور اگر انکار کرے، تو اس کے ساتھ جنگ کرو، بوجہ مومنین کی راہ سے ہٹ کر دوسری راہ پر چلنے کے۔ جس سے صاف ظاہر اور مہر نیمروز کی طرح روشن ہے کہ مہاجرین و انصار کا گمراہی اور ضلالت پر اجماع و اتفاق محال اور ناممکن ہے، جیسے کہ قرآن مجید کا اعلان ہے:

ویتبع غیر سبیل المومنین نوله ما تولی و نصله جهنم و ساءت مصیرا۔ "جو شخص مومنین کی راہ سے ہٹ کر نئی راہ اختیار کرے گا، وہ جدھر مڑے گا، ہم اس کو اُدھر ہی پھیر دیں گے، یعنی شترِ بے مہار کی مانند کر دیں گے اور جہنم میں اسے داخل کریں گے اور بُرا ٹھکانا ہے۔"

لہٰذا قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ مہاجرین و انصار، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر قطعاً اجماع و اتفاق نہیں کر سکتے تھے، تو لامحالہ ماننا پڑے گا کہ شیعہ حضرات کا مفروضہ اعلانِ خلافت ہی غلط ہے اور ارشادِ مصطفوی من کنت مولاہ فعلی مولاہ کا قطعاً یہ معنی نہیں ہے، بلکہ محبوبِ قلوب اور راحتِ ارواح و نفوس والا معنی مراد ہے۔

۵ - اگر اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل کا اعلان ہو چکا ہوتا، تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرضِ وصال میں امرِ خلافت کے متعلق دریافت کرنے کا حضرتِ امیر کو مشورہ نہ دیتے اور یہ نہ فرماتے کہ ہمارا حق ہے، تو ہمیں اس کی وضاحت فرما دیں، بلکہ ہمیں عنایت فرمائیں اور اگر ہمارا حق نہیں، تو پھر جس کا حق ہے اور جس کو ملنی ہے، اس کو ہمارے متعلق، وصیت فرمائیں؟ کیا یہ ممکن ہے کہ اٹھارہ ذوالحجہ کے اعلان کردہ دو ماہ بعد بھول چکے ہوں؟ نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ کیوں فرماتے کہ اگر آپ ہماری خلافت سے انکار فرمائیں، تو کبھی بھی لوگ ہمیں خلافت نہیں دیں گے۔ لہٰذا واضح ہو گیا کہ جملہ مہاجرین و انصار، بلکہ خود اہل بیت علی الخصوص حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بھی یہ معنیٰ نہیں سمجھا تھا، جو شیعہ لوگوں نے اختراع کر لیا ہے۔

۶۔ قبل ازیں اس مضمون کے حوالہ جات بکثرت ذکر ہو چکے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے حضور نبیّ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے عہد لے رکھا تھا کہ خلافت کے لیے نزاع اور اختلاف نہ کرنا نظرت فی امری فاذا طاعتی قد سبقت بیعتی واذا المیثاق فی عنقی لغیری، وغیرہ بلکہ دوسرے خلفاء کی اطاعت کرنا اور ان کی موافقت کرنا، تو اب شیعی علماء بتلائیں کہ اعلانِ خلافت تو اتنا اہم کہ اس کے بغیر کارِ رسالت ہی اکارت ہو رہا تھا اور عملی خلافت اتنی غیر اہم کہ آپ کو حکم دے دیا تھا کہ مل جائے تو بہتر اور نہ ملے تو اختلاف و نزاع سے گریز لازم اور دوسرے خلفاء کی اطاعت فرض۔ تو کیا یہ اعلانِ خلافت تھا یا ایک مزاح اور مذاق تھا، جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے متفقہ طور پر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ روا رکھا۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

۷۔ بقولِ شیعی علماء حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حکومت و سلطنت اس قدر اہم تھی کہ اس کے عملی اعلان کے بغیر کارِ رسالت اکارت ہو رہا تھا، لیکن یہی سلطنت حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی نظر میں سراب اور چھٹ جانے والے سحاب۔ بکری کے ناک کی ریزش سے حقیر، کھجور کی جالی کے بنے ہوئے شکستہ جوتے سے بھی کم قیمت بلکہ خنزیر کی اس ہڈی سے بھی حقیر جو جذامی کے ہاتھ میں ہو تو کیا اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک جو امرِ خلافت اس قدر اہم تھا، اس کو ان تشبیہات کے ذریعے انتہائی ذلیل و حقیر قرار دینا آپ کی طرف سے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین و تحقیر کا موجب نہیں ہوگا؟ یقیناً موجبِ توہین و تحقیر ہوگا، لہٰذا اس لفظ مولیٰ سے یہ ظاہری حکومت و سلطنت مراد لینا قطعاً غلط ہے تاکہ حضرت امیر کرم اللہ وجہہ الکریم کی طرف اس توہین و تحقیر کی نسبت لازم نہ آتے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کیا قولِ باری تعالیٰ یاایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک کا نزول غدیر خم پر ہوا؟

علامہ ڈھکو صاحب کے اس قرینہ اور طرزِ استدلال کا دارومدار اس مفروضہ پر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا نزول غدیرِ خم پر ہوا اور اس کی تعمیل میں سید رسل صلی اللہ علیہ وسلم نے باہتمامِ تام حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ اعلان فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ لیکن داخلی اور خارجی قرائن سے یہ دعویٰ پایۂ ثبوت تک نہیں پہنچ سکتا اور جب بنیاد و اساس ہی ختم ہو جائے، تو اس پر قائم عمارت کیونکر برقرار رہ سکتی ہے؟ بلکہ وہ دھڑام سے گر جائے گی، تو آیئے وہ قرائن و شواہد ملاحظہ فرمائیں۔

داخلی قرائن کا بیان

۱۔ پہلا قرینہ یہ ہے کہ قولِ باری تعالیٰ ما انزل الیک من ربک عام ہے اور عام کو اپنے عموم پر رکھنا لازم اور ضروری ہوتا ہے، جب تک کہ کوئی مخصص موجود نہ ہو اور یہاں قطعاً کوئی قطعی مخصص موجود نہیں ہے، بلکہ ہو سکتا بھی نہیں، کیونکہ احکامِ الٰہیہ میں سے کوئی بھی شئی اگر آپ اُمت تک نہ پہنچائیں، تو یقیناً فریضہ رسالت کی ادائیگی کما حقہ، نہیں پائی جائے گی، لہٰذا اس آیت کو حضرتِ امیر کی خلافت بلافصل کے اعلان کے ساتھ مخصوص کرنا اس عموم کو باطل ٹھہرانے کے مترادف ہے، جو بالکل قواعد و اصول کے خلاف ہے۔

۲۔ دوسرا قرینہ یہ ہے کہ قول باری تعالیٰ واللہ یعصمک من الناس میں تبلیغِ رسالت پر عصمت و حفاظت کی ضمانت اس وقت زیادہ ضروری تھی، جب آپ تنہا تھے یا صرف چند معدود آدمی حلقہ بگوشِ اسلام ہوتے تھے، نہ کہ جب آپ کی حکومت و سلطنت پورے عرب پر قائم تھی اور ہزاروں جان نثار

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

آپ کے ادنیٰ اشارہ پر کٹ مرنے کو تیار رہتے، لہذا اس آیت کا تعلق غدیر خم کے ساتھ قائم کرنا اور ابتدائی دورِ رسالت سے نہ کرنا کسی طرح بھی درست نہیں ہو سکتا۔

۳۔ تیسرا قرینہ یہ ہے کہ قولِ باری تعالیٰ: اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ مقامِ تعلیل میں واقع ہے اور جہاں بھی اِنَّ کے ساتھ جملہ کا آغاز کیا جاتا ہے اور آیت کا اتمام اس پر کیا جاتا ہے، وہ حکم سابق کی علت پر مشتمل ہوتا ہے۔ اگر علم کی بات ہوگی، تو اس کی علت یوں بیان کی جائے گی، اِنَّ اللّٰہَ علیم خبیر اور قدرتِ خداوندی سے متعلق امر کا تذکرہ ہوگا، تو اس کے آخر میں اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر ذکر کر دیا جائے گا، وعلیٰ ہذا القیاس لہذا یہاں بھی یہ جملہ مقامِ تعلیل میں ہے، تو مقصد یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کفار کو تمہارے لئے ضرر اور نقصان پہنچانے کی راہ پر نہیں چلنے نہیں دے گا اور یا یہ مقصد ہوگا کہ جو شخص کفر پر اصرار کرے، تو آپ اسے تبلیغِ رسالت میں تقصیر اور کوتاہی نہ سمجھیں، بلکہ اللہ تعالیٰ ان کو منزلِ مقصود تک نہیں پہنچاتا رہا، اس لیے وہ ہدایت حاصل نہیں کر رہے نہ کہ تمہاری تبلیغ میں کوئی کسر رہ گئی ہے، لیکن اگر شیعہ حضرات کا دعویٰ درست تسلیم کیا جائے، تو لازم آئے گا کہ حضور نبیٔ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کو ولایتِ علی کے اعلان میں صحابہ کرام مہاجرین و انصار سے ڈر اور خوف لاحق تھا، لہذا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حوصلہ دلایا اور دلیر کیا، حالانکہ اس کا بطلان اظہر من الشمس ہے، کیونکہ جب آپ اکیلے تھے اور کفار و مشرکین سے خوفزدہ نہ ہوتے، تو اب خدام و مخلصین کے بکثرت موجود ہونے کے باوجود کیونکر خوفزدہ ہو سکتے تھے؟ لیکن شیعہ حضرات نے حضور نبیٔ محترم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس اعلان سے خوفزدہ اور لرزہ براندام ماننے میں ذرا بھر جھجک اور تامل سے کام نہیں لیا۔ پہلے حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں، پھر اس توہم کا بطلان مشاہدہ کریں۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بقولِ شیعی علماء خلافتِ امیر کے اعلان میں رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کا پس و پیش

فلما وقف بالموقف اتاه جبرئیل علیہ السلام عن الله تعالیٰ فقال یا محمد ان الله یقرءک السلام ویقول لک قد دنیٰ اجلک ومدتک (الیٰ) فاقم (علی بن ابی طالب) للناس علما وجدد عهده ومیثاقه وبیعته (الیٰ) فخشی رسول الله صلی الله علیه وسلم قومه واهل النفاق والشقاق ان یتفرقوا ویرجعوا جاهلیة لما عرف من عداوتهم ولما ینطوی علیه انفسهم لعلیؑ من البغضة وسال جبرئیل علیہ السلام ان یسال ربه العصمة من الناس وانتظر ان یاتیه جبرائیل علیه السلام بالعصمة من الناس من الله فاخر ذالک الی ان بلغ مسجد الخیف فامره ان یعهد عهده ویقیم علیا للناس ولم یاته بالعصمة من الله الذی اراد حتی اتی کراع الغمیم بین المکة والمدینة فاتاه جبرئیل وامره بالذی اتاه من قبل الله تعالیٰ ولم یاته بالعصمة فقال یا جبرئیل انی اخشی قومی ان یکذبونی ولا یقبلوا قولی فی علیؑ فرحل فلما بلغ غدیر خم قبل الجحفة بثلاثة امیال اتاه جبرئیل (الیٰ) فقال یا محمد ان الله یقرءک السلام ویقول لک (یا ایها الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک فی علی وان لم تفعل فما بلغت رسالته والله یعصمک من الناس۔ (تفسیر صافی جلد اول ص ۱۶۶ تا ۱۶۷)

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ترجمہ: "جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موقف یعنی عرفہ میں ٹھہرے، تو جبرئیل امین آپ کی خدمت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ سلام فرماتا ہے اور یہ حکم دیتا ہے کہ آپ کا وقتِ وصال قریب آچکا ہے اور مدّتِ تبلیغ پوری ہونے والی ہے (تو) لہٰذا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو لوگوں کے لیے علمِ ہدایت قائم کیجیے اور ان کے عہد و میثاق اور بیعت کی تجدید کیجیے۔ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی قوم سے اور اہلِ نفاق و شقاق سے خطرہ لاحق ہوا کہ وہ جدا نہ ہوجائیں اور جاہلیت کی طرف نہ لوٹ جائیں بسبب اس کے کہ آپ ان کی عداوت کو جان چکے تھے اور بسبب اس کے کہ ان کے نفوس بغضِ علی کو چھپائے ہوئے تھے اور آپ نے جبرائیل علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ اللہ تعالیٰ سے میرے لیے لوگوں سے عصمت اور تحفظ کی ضمانت فراہم کرنے کا مطالبہ کریں اور آپ اس انتظار میں رہے کہ جبرئیل امین اللہ تعالیٰ کی طرف سے عصمت کا عہد لے کر نازل ہو تو ولایت کا میں اعلان کردوں، لہٰذا آپ نے اس اعلان کو مؤخر کردیا۔ یہاں تک کہ آپ مسجدِ خیف میں پہنچ گئے، تو پھر جبرائیل علیہ السلام نے اس عہد کا حکم دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لوگوں کا امام اور خلیفہ متعین کرنے کا حکم پہنچایا، لیکن اس دفعہ بھی وہ اس عہد و پیمان کے بغیر ہی نازل ہوئے، جس کا آپ نے مطالبہ کیا، حتیٰ کہ آپ کراع الغمیم تک پہنچ گئے جو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ہے، تو اس وقت جبرئیل السلام نازل ہوئے اور جو حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے تھے، اس کی تبلیغ کا حکم دیا۔ لیکن عصمت اور تحفظ کی ضمانت جس کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مطالبہ کیا تھا، وہ اب بھی نہ لائے، تو آپ نے فرمایا اے جبرئیل! مجھے اپنی قوم سے تکذیب کا اندیشہ ہے اور علی مرتضیٰ (کرم اللہ وجہہ الکریم) کے بارے میں میرے قول کے قبول نہ کرنے کا خوف ہے (لہٰذا میں بغیر عصمت کی ضمانت کے اعلان نہیں کرتا)، تو آپ نے وہاں سے (بغیر ولایتِ علی کا اعلان کیے اور حکم خداوندی پر عمل کیے) کوچ فرمایا، تو آپ جب غدیرِ خم پر پہنچے جو جحفہ سے تین میل پیچھے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہے، تو جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور سخت تاکیدی حکم بمع تہدید و توبیخ کے اور ضمانتِ عصمت کے لائے) اور کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک فی علی وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس۔

اے رسول! جو کچھ آپ کی طرف علی (رضی اللہ عنہ) کے متعلق نازل کیا گیا ہے، وہ لوگوں تک پہنچا دو اور اگر اس طرح نہیں کرو گے، تو تم نے فریضہ رسالت ادا نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ تمہیں لوگوں (کی ایذا اور تکلیف) سے محفوظ رکھے گا۔"

۲۔ فانزل اللہ ھذہ الایۃ تشجیعا لہ علی القیام بما امرہ اللہ تعالیٰ باداءہ الخ تفسیر مجمع البیان للطبرسی جلد ۲، صفحہ ۲۲۳

شیعی مفسر علامہ طبرسی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ولایت علی کے اعلان والے فریضہ کی ادائیگی پر دلیر کرنے اور حوصلہ دلانے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی۔

نبی الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اندیشہ ناک اور خوف زدہ ہونے والے توہم کا بطلان

اس عبارت میں آپ نے غور فرمایا کہ کس طرح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعلان میں تاخیر و التواء اور ٹال مٹول سے کام لیا اور نو ذوالحجہ میں نازل ہونے والے حکم کو غدیر میں پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی بجائے بار بار اصرار کے باوجود اٹھارہ ذوالحجہ کو مکہ مکرمہ سے بہت دور غدیر خم کے مقام پر پورا کیا اور وہ بھی اس وقت جب عصمت و حفاظت کی ضمانت بھی حاصل ہوئی اور تعمیلِ حکم نہ ہونے کی صورت میں رسالت بھی ہاتھ سے جاتی دیکھی، حالانکہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعتِ خداوندی اور خداداد جرأت و شجاعت کے پیشِ نظر یہ توہم سراسر باطل اور لغو ہے، کیونکہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

۱- جب ساری دُنیا پر کفر تھا اور بیت اللہ شریف میں تین سو ساٹھ بُتوں کی پوجا جاری تھی، اُس وقت اعلانِ توحید اور بُتوں کی الوہیت کی نفی اور انکار اور ان کی مذمت کرتے وقت تو عصمت اور تحفظ کی ضمانت حاصل کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی اور پہلی دفعہ حکم ملتے ہی تعمیل کر دی، مگر اب تمام انصار، بنو ہاشم اور بنو عبد مناف اور عرب کے اطراف و اکناف سے اہلِ اسلام کی امداد و اعانت حاصل ہونے کے باوجود اتنا خطرہ لاحق ہو گیا اور وہ بھی صرف آپ کی ذات کو، نہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات کو، جنہوں نے امام اور خلیفہ بننا تھا اور اقتدار کے خواہشمند حضرات کے اقتدار سے محروم ہونے کا سبب بننا تھا۔

۲- علاوہ ازیں اس اعلان سے اگر خطرہ لاحق ہوتا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خطرہ لاحق ہوتا تھا، کیونکہ ان کی طرف سے حضور نبیِّ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کر دینے سے تو اُلٹا اقتدار جلدی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مل جانا تھا اس میں اُن کو کیا فائدہ ہو سکتا تھا۔ اگر فائدہ کی کوئی ممکنہ صورت تھی تو یہی کہ حضرت علی کو شہید کر دیتے اور یہ امر ناممکنات میں سے بھی نہیں تھا، کیونکہ ابن ملجم اگر یہ اقدام کر سکتا تھا، جو جرأت و شجاعت میں قطعاً کوئی مقام نہیں رکھتا تھا، تو قریش کے لیے یہ کیونکر ناممکن اور محال تھا؟ الغرض جس ہستی کو ایسی ضمانت کی اشد ضرورت لاحق تھی، نہ انہوں نے ضمانت طلب کی اور نہ ہی اُن کے لیے نبیِّ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے مطالبہ کیا اور نہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اس ضمانت کا اعلان فرمایا اور جن کو اہلِ اسلام سے ضمانتِ عصمت حاصل کرنے کی چنداں ضرورت نہ تھی، وہ اس کے طلب میں بھی اس قدر اصرار سے کام لیتے رہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی صرف انہیں کے لیے عصمت کا وعدہ فرمایا، جس کی نگاہِ عقل و خرد میں اور تجربات و مشاہدات کی روشنی میں قطعاً کوئی ضرورت اور نہ موزونیت، لہٰذا روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گیا کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ اندیشہ ہائے دور دراز شیعہ حضرات کی افسانہ نگاری ہے اور سبائی ذہنیت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کا مظاہرہ ہے، جس میں خود دامن مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی آلودہ کرنے کی ناپاک سعی سے گریز نہیں کیا گیا اور عقلمندی کا مظاہرہ بھی نہیں کیا گیا۔

۳- نیز اس قدر تہدید و تشدید اور وعید و تغلیظ کے بعد بھی بقول علامہ طبرسی صاحب "الاحتجاج" سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطریق صراحت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اعلان نہ فرمایا، بلکہ صرف بطور تعریض اور اشارہ اس کا ذکر فرمایا۔ ملاحظہ ہو احتجاج طبرسی ص۲۵۵۔ قبل ازیں عبارت ذکر کی جا چکی ہے، تو آخر تعریض اور کنایہ میں کونسا ایسا خطرہ لاحق تھا جس کے لیے اللہ تعالیٰ کو اس قدر سخت حکم نازل کرنا پڑا، تب آپ نے اس حکم کی تعمیل فرمائی اور وہ بھی ناقص اور نا تمام طریقہ پر، جس سے کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔ اگر دھمکیاں دے کر اور تغلیظ و تشدید فرما کر اعلان کرانا تھا، تو صریح اعلان تو کرایا جاتا اور آپ کو اس منصب پر عملی طور پر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو فائز کرنے کا حکم دیا جاتا۔

۴- نیز لازم آئے گا کہ سب مہاجرین و انصار اور ان کے تابعین باِلاحسان قوم کفار میں سے ہوں، العیاذ باللہ! جیسے کہ ان اللہ لا یھدی القوم الکافرین کا تقاضا ہے، حالانکہ وہ تو غیظ کفار و مشرکین ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم (الیٰ) لیغیظ بھم الکفار ۔ یعنی اللہ تعالیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں اور صحابہ کرام کے ذریعے کفار کو غیظ و غضب کی آگ میں جلانا چاہتا ہے اور وہ خود بھی اور اس کے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی ان کو دیکھ کر باغ باغ ہوتے ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ یعجب الزراع جیسے کہ کھیتی بان اپنی کھیتی کو پھلتے پھولتے دیکھ کر خوش و خرم ہوتا ہے۔

الغرض یہ تو تھے داخلی قرائن، اب مفسرین کے نقل کردہ شانِ نزول کی روایات اور خارجی قرائن کے ذریعے، اس آیتِ کریمہ کے معنیٰ و مفہوم کا تعین کیا جاتا ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

قولِ باری تعالیٰ یا ایها الرسول بلّغ ما انزل الیک کا شانِ نزول اور خارجی قرائن

شیعی فاضل نے بار بار دعوی کیا اور بلند بانگ اعلان کیا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافتِ بلافصل کا اعلان کیے بغیر کارِ رسالت و نبوت اکارت اور برباد ہو رہا تھا اور اس دعویٰ کی صداقت کا دار و مدار اس پر تھا کہ یہ آیتِ کریمہ اس موقعہ پر نازل ہوئی ہوتی، جبکہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ولایت کا اعلان ہو رہا تھا، یعنی غدیرِ خم میں جیسے کہ تفسیر صافی میں یہ تاثر دیا گیا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس آیہ مبارکہ کے غدیرِ خم میں نازل ہونے پر نہ ہی علماءِ اسلام کا اجماع ہے اور نہ ہی جمہور اس کے قائل ہیں اور اگر اس کے قائل ہیں، تو صرف شیعہ حضرات تو ایسی صورت میں علامہ ڈھکو صاحب کا بیان کردہ قرینہ ہی یقینی طور پر موجود نہ ہوا، تو اس کے ذریعے مولیٰ کا معنی خلیفہ بلافصل کیسے قطعی طور پر ثابت ہو گیا۔ ع قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا

۱۔ علامہ طبرسی نے مجمع البیان میں کہا، قد اکثر المفسرون فیه الاقاویل فقیل ان الله بعث النبی صلی الله علیه وسلم برسالة ضاق بهاذرعا وکان یهاب قریشا فازال الله بهذه الایة تلک الهیبة عن الحسن۔ وقیل یرید ان الله التوهم من ان النبی صلی الله علیه وسلم کتم شیئا من الوحی للتقیة عن عائشة وقیل غیر ذالک۔ یعنی مفسرین نے اس آیت کے شانِ نزول میں بہت سے اقوال نقل کیے ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رسالت کے ساتھ مبعوث فرمایا، تو آپ تنگ دل ہوئے اور آپ قریش کی طرف سے خوفزدہ تھے، تو اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ کریمہ کے ذریعے وہ خوف اور ہیبت زائل فرما دی اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اس آیہ کریمہ سے اس توہم کا ازالہ کرنا مقصود ہے کہ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطورِ تقیہ اور خوف و اندیشہ کچھ وحی چھپالی تھی اور اس کا اظہار نہیں کیا تھا اور اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں ۔ مجمع البیان، جلد ثانی ، صت ۲۲۶)

۲۔ تفسیر منہج الصادقین میں علامہ فتح اللہ کاشانی صاحب نے بھی اس آیت کا یوم غدیر میں نزول صرف بعض علماء اہل سنت کے حوالہ سے نقل کیا ہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ مفسرین اور علماء کی اکثریت اس آیت کو غدیر خم اور قولِ مصطفوی من کنت مولاہ فعلی مولاہ سے متعلق نہیں سمجھتی ۔۔۔ ملاحظہ ہو، منہج الصادقین جلد سوم صت ۲۷۳ نزد بعضے از اعاظم اہل سُنّت و اجماعِ اہل بیت ایں آیت در غدیر خم نازل شدہ وازاں جملہ علی بن احمد الواحدی کہ یکے از افاضل و مشاہیرِ اہل سنت است الخ یعنی بعض اعاظمِ اہل سنت اور اجماعِ اہلِ بیت سے منقول ہے کہ یہ آیت غدیر خم میں نازل ہوئی تھی ۔۔ ان اہل سنت میں سے واحدی اور ثعلبی کا ذکر ہے، جن کا حال بعد میں ذکر کیا جائے گا اور اہل بیت کے اکابرین کو ہمیشہ شیعہ راویوں کے افتراء اور بہتان تراشی سے شکایات رہیں جیسے رجال کشی اور تنقیح المقال وغیرہ میں تصریح ہے، لہٰذا ان کے اجماع کا دعوٰی ان راویوں کی زبانی جن کو امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کذّاب، مفتری، یہودی اور مجوسی کہیں کس طرح قابلِ اعتبار ہو سکتا ہے ۔؟

۳۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے درِّ منثور میں نقل کیا ہے:

اخرج ابن مردویہ والضیاء فی المختارۃ عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنھما قال سئل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ای آیۃ انزلت علیک من السماء اشد علیک، فقال کنت بمنی ایام الموسم واجتمع مشرکوا العرب وافناء الناس فی الموسم فنزل علیّ جبرئیل فقال یا ایھا الرسول بلّغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلّغت رسالتہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

واللّٰہ یعصمك من النّاس قال فقمت عند العقبۃ فقلت ایھا النّاس من ینصرنی علیٰ ان ابلغ رسالۃ ربی ولکم الجنّۃ ایھاالناس قولوا لا الٰہ الا اللّٰہ وانا رسول اللّٰہ الیکم تنجحوا ولکم الجنۃ قال فما بقی رجل ولا امرءۃ ولا صبی الا یرمون علیّ بالتراب والحجارۃ ویبصقون فی وجھی ویقولون کذاب صابیٔ الخ درمنثور جلد ثانی، ص۲۹۸
وکذا فی روح المعانی جلد سادس ص۱۹۲

"یعنی ابنِ مردویہ نے نقل کیا ہے اور ضیاء نے مختارۃ الصحاح میں ذکر کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ آپ پر آسمان سے نازل ہونے والی آیات میں سے کون سی آیت زیادہ گراں بار اور سخت تھی، تو آپ نے فرمایا کہ میں ایام موسم میں منیٰ کے مقام پر موجود تھا اور سارے عرب کے مشرکین اور انواع واقسام کے لوگ جمع تھے، تو جبرئیل علیہ السلام یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیك الایۃ
تو میں پہاڑی کے ساتھ کھڑا ہو گیا اور بآوازِ بلند کہا، اے لوگو! تم میں سے کون ہے جو رسالت کے احکام کی تبلیغ میں میری امداد اور اعانت کر کے جنت کا حقدار بنے۔ اے لوگو! کہو لا الٰہ الا اللّٰہ اور میں تمہاری طرف اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، تم نجات پاؤ گے اور تمہارے لیے جنت ہوگی۔ آپ نے فرمایا: میرا یہ کہنا تھا کہ منیٰ میں موجود ہر مرد و عورت اور بچے نے مجھ پر مٹی پھینکنی شروع کر دی اور بعض پتھر مارنے لگے اور میرے منہ پر تھوکنے لگے اور کہتے تھے کہ یہ جھوٹے ہیں اور باپ دادے کے دین کو بدل ڈالنے والے۔

فائدہ ۱: اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ یہ آیۂ کریمہ حجۃ الوداع

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے موقع پر نازل نہیں ہوئی تھی، کیونکہ اس موقعہ پر منیٰ میں مشرکین وکفار کب تھے، بلکہ اس سے پہلے سال حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امیرِ حج ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھیج کر اعلان کرا دیا گیا تھا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک خواہ کسی علاقہ کا بسنے والا ہو، وہ حج نہیں کر سکتا۔ نیز مکہ مکرمہ آپ کی مملکت کا حصّہ تھا اور آپ پورے عرب کے حاکم اور بادشاہ بھی بن چکے تھے اور قریش و دیگر قبائل فتح مکہ کے بعد جوق در جوق حلقۂ اسلام میں داخل ہو چکے تھے یا دور دراز علاقوں کی طرف فرار ہو گئے تھے اور وہاں پناہ گزیں ہو چکے تھے، تو ان کے مردوں، عورتوں اور بچوں کی طرف سے اس قسم کے تشدد اور بے حرمتی کا آپ کو کیسے سامنا کرنا پڑ گیا، لہذا مہرِ نیمروز کی طرح روشن اور واضح ہو گیا کہ یہ واقعہ ہی ہجرت سے پہلے کا ہے اور عرب دورِ جاہلیت میں حج کیا کرتے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان قبائل کے پاس تشریف لے جا کر توحید و رسالت کا اعلان فرماتے اور انہیں دینِ اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دیتے تھے اور یہیں پر آپ نے اوس و خزرج کے قبائل کو بھی دو مرتبہ دعوتِ اسلام دی اور انہوں نے آپ کی دعوت قبول کرتے ہوئے آپ کا طوقِ غلامی اپنے گلے میں ڈالا اور بیعت کی، جس کو کتبِ سیرا در تواریخ میں عقبۂ اولیٰ اور عقبۂ ثانیہ کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے اور یہیں پر ان کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ منورہ جانے کی صورت میں ہر ممکن تعاون اور تحفظ فراہم کرنے کا معاہدہ ہوا تھا۔ الحاصل قبائلِ عرب اور قریش ہر سال جمع ہوتے تھے اور آپ ان کی قیام گاہوں پر جا کر ردّ سا کو علیحدگی میں دعوتِ اسلام دیتے تھے، مگر اس موقعہ پر کھل کر اسلام کی دعوت دینے کا حکم کیا گیا اور آپ نے ہر ممکن ردِ عمل اور تشدد کی پرواہ کیے بغیر وہ حکم پورا کیا اور تعمیلِ حکم میں کسی مصلحت اندیشی اور خطرہ کو دخل انداز نہ ہونے دیا۔

الغرض آیتِ مبارکہ کے الفاظ وکلمات اور یہ روایت بالکل باہم منطبق ہیں اور روایتی اور درایتی اور داخلی و خارجی قرائن بھی اسی کے مؤید ہیں، لہذا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

یہی روایت اور اس کے موافق و مطابق دیگر روایات جو اس آیت کے شانِ نزول کے ضمن میں درِ منثور اور رُوح المعانی وغیرہ میں نقل کی گئی ہیں، وہی راجح اور مختار ہیں اور لائق اعتداد و اعتبار اور جن روایات میں اس کا حجۃ الوداع کے موقعہ پر نزول تسلیم کیا گیا، وہ قطعاً قابلِ اعتبار اور لائقِ اعتداد نہیں ہیں، بلکہ راوی کی غلط فہمی پر مبنی ہیں۔

فائدہ ۲: نیز اس روایت سے مغالطہ کی وجہ بھی واضح ہوگئی کہ یہ آیتِ کریمہ منیٰ میں نازل ہوئی تھی اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دس ہجری میں حج ادا فرمایا تھا جو حجۃ الوداع کے نام سے معروف ہے۔ لہٰذا اس آیت کا نزول حجۃ الوداع کے موقعہ پر تسلیم کیا گیا اور یہ تمیز اور تفریق نہ کی گئی کہ ہجرت سے قبل بھی آپ نے حج فرمائے تھے، گو اس وقت حج فرض نہیں کیا گیا تھا اور اہلِ جاہلیت بھی اپنے نظریہ کے مطابق ان مقاماتِ مخصوصہ کی زیارت کے لیے جمع ہوتے تھے اور اس کو موسم یا ایام الموسم سے تعبیر کیا جاتا تھا، لہٰذا اس غلط فہمی کی وجہ سے ہجرت سے پہلے کے واقعہ کو حجۃ الوداع پر چسپاں کر دیا گیا اور اس موقعہ پر نازل ہونے والی آیت کو غدیر خم کے واقعہ پر کفار و مشرکین سے تحفظ اور عصمت کے وعدہ کو مہاجرین و انصار اور اہلِ اسلام سے حفاظت اور تحفظ پر منطبق کر دیا گیا اور توحید و رسالت اور دیگر احکامِ شرع اور فرائضِ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کو علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی مفروضہ خلافت بلافصل پر چسپاں کر دیا گیا، حالانکہ اس خلافتِ بلافصل اور عقیدۂ امامت کی فرضیت کا پہلا انکشاف عبداللہ بن سبا پر ۳۵ھ میں خلافتِ عثمانِ رضی اللہ عنہ کے دوران ہوا تھا اور لفظِ مولیٰ کے واضح اور معروف معنیٰ کو بھی چھوڑ کر نئے معنیٰ پر منطبق کر دیا گیا، حالانکہ نہ آیت کو اس موقع و محل سے کوئی تعلق تھا اور نہ لفظ مولیٰ کو اس مفروضہ معنیٰ کے ساتھ۔ روایات تفصیلاً ملاحظہ کرنی ہوں تو "درِ منثور" کا مطالعہ فرمائیں اور شیعی استدلال کا ابطال ملاحظہ کرنا ہو تو "رُوح المعانی" کا متعلقہ مقام مطالعہ فرمائیں۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

۳ - نیز یہ حقیقت بھی محتاجِ بیان نہیں کہ شانِ نزول کی روایات کا وہ درجہ نہیں ہوتا، جو کہ کتبِ صحاح میں مروی احادیث کا ہے، بلکہ ان میں بکثرت ضعیف، بلکہ موضوعات بھی موجود ہیں اور شیعی علماء بالعموم اور محمد حسین ڈھکو صاحب بالخصوص تصریح کرتے ہیں کہ ہم اپنی صحاح اربعہ میں بھی منقول ہر روایت کو صحیح تسلیم نہیں کرتے۔ رسالہ تنزیہہ الامامیہ ص۱۰۳ تو پھر اہل سنّت کو ایسی کتابوں کی روایات سے الزام کیونکر دے سکتے ہیں، جو ہر قسم کی ضعیف اور موضوعات پر مشتمل ہوں، جبکہ اہل السنّت کی صحیح ترین کتاب حدیث بخاری شریف میں قول باری تعالیٰ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینًا کا نزول عرفہ کے دن یعنی نو ذوالحجہ بروز جمعہ عرفات کے میدان میں مروی ومنقول ہے، لہٰذا اس کے خلاف جو روایت بھی ہوگی، وہ اس اصح الکتب کے معارض نہیں ہو سکے گی، بلکہ متروک اور ناقابلِ اعتقاد و عمل ہوگی اور جب اس آیت کا نزول عرفات میں نو ذوالحجہ کو تسلیم کیا جائے، تو حضراتِ شیعہ کی ساری نظریاتی عمارت زمین بوس ہو جاتی ہے، کیونکہ دین کی تکمیل اس دن ہو جائے، تو غدیر خم میں من کنت مولاہ فعلی مولاہ کے اعلان پر رسالت کا دارو مدار کیونکر ہو سکتا ہے اور اس کے بغیر کارِ رسالت اکارت کیونکر ہوگی، کیونکہ اس امر پر فریقین کا اتفاق ہے کہ یومِ عرفہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولایت کا اعلان نہیں کیا گیا تھا، بلکہ اس کے نو دن بعد وقوع پذیر امر کو موردِ اکمال اور محلِ اتمام کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟ اور یہ اعلان نہ کرنے پر رسالت کے اکارت ہونے کی دھمکی کیونکر دی جا سکتی تھی؟

الغرض صحیح وجہ غدیر خم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق من کنت مولاہ فعلی مولاہ کے اعلان کی وہی ہے جو قبل ازیں ذکر کی جا چکی ہے کہ لشکرِ یمن کو حضرتِ امیر علیہ السلام سے شکایت پیدا ہوئی تھی اور ان کے دلوں میں غم و غصہ پیدا ہو گیا کہ انہوں نے سرفروشانِ اسلام کے بدن پر سے کپڑے اتروا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

لیے ہیں اور ان کی سرفروشی اور جاں نثاری کی کوئی قدر نہیں کی، بلکہ بخل اور کنجوسی کا مظاہرہ کیا ہے العیاذ باللہ! تو اس شکایت کو دور کرنے اور اس غم و غصہ کو زائل کرنے کے لیے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح اہتمام فرما کر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بارگاہ رسالت میں قدر و منزلت ظاہر فرمائی اور اہلِ اسلام پر ان کی محبت و مودت کے وجوب و لزوم کو تاکیدی انداز میں بیان فرمایا: ھٰذا ھو الحق فماذا بعد الحق الا الضلال۔ نہ اس موقعہ پر یہ آیت: یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک (الآیہ) نازل ہوئی اور نہ ہی وہ مولیٰ بمعنی خلیفہ بلا فصل ہونے کا قطعی قرینہ بن سکتی ہے۔ مولیٰ بمعنی خلیفہ بلا فصل کے دعویٰ میں بھی شیعہ حضرات منفرد ہیں اور اس آیتِ کریمہ کا نزول غدیر خم کے مقام پر تسلیم کرنے میں بھی گویا ڈھکوسلے کا حاصل استدلال یہ ہوا کہ چونکہ ہمارا دعویٰ ہے کہ مولیٰ بمعنی خلیفہ بلا فصل ہے اور ہمارا دعویٰ ہے کہ اس اعلانِ ولایت کے بغیر کارِ رسالت اکارت ہو رہا تھا کیونکہ ہمارا دعویٰ ہے کہ یہ آیت غدیر خم کے مقام پر نازل ہوئی، لہٰذا اہل السنت کے نزدیک بھی خلافت بلا فصل حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ثابت ہو گئی ؎

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

تنبیہ: کسی بھی مدعا کے اثبات کے لیے برہانی مقدمات میسر ہوں، تو وہ قطعی نظریہ اور عقیدہ کہلائے گا اور مظنون مقدمات ہوں گے، تو وہ عقیدہ اور نظریہ بھی ظنی ہوگا۔ جب نظریۂ امامت کو اہلِ تشیع قطعی عقائد میں سے شمار کرتے ہیں، تو اس پر استدلال بھی قطعی اور یقینی مقدمات سے ہونا چاہیے، جو یہاں بالکل موجود نہیں اور جو کچھ پیش کیا جاتا ہے، وہ اُن کے اپنے مزعومات اور مفروضات ہیں جن کی تائید نہ واقعات و حقائق سے ہوتی ہے اور نہ ہی اہل سنت کے مسلمات سے لہٰذا یہ اندازِ استدلال نہ برہانی ہوا اور نہ ہی جدلی۔ اور یہ بھی ذہن نشین رہے کہ اہل السنت کی کسی کتاب میں کوئی روایت موجود ہونے سے یہ سمجھ لینا کہ یہ ان کے مسلمات سے ہے، سراسر غلط ہے اور خود فریبی کیونکہ فریقین کی کتب میں ہر قسم کی روایات موجود ہیں ما

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

صحیح و حسن ہیں، تو ضعیف اور موضوعات بھی ہیں، لہذا واضح ہو گیا کہ اس قرینہ کو قرینہ کہنا ہی صحیح نہ تھا، چہ جائیکہ اسے قطعی کہا جاتا اور اس کے ذریعے مولیٰ بمعنیٰ اولیٰ بالتصرف اور حاکم والا معنیٰ قطعی طور پر متعین ہو جاتا۔

تنزیہہ الامامیہ

چوتھا قرینہ کہ مولیٰ بمعنیٰ اولیٰ بالتصرف اور خلیفہ بلا فصل ہے!!

حارث ابنِ نعمان فہری کا واقعہ اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ حدیثِ غدیر میں مولیٰ بمعنیٰ اولیٰ بالتصرف یعنی حاکم و سردار ہے اور وہ اہل زبان سے تھا۔ اس نے اس لفظ سے وہی معنیٰ سمجھا اور اپنی شقاوت اور بدبختی کی وجہ سے اپنی ہلاکت منظور کر لی، مگر ولایتِ علوی اور خلافتِ مرتضوی کا اقرار نہ کیا (رسالہ ص ۱۵۱)

الجواب وھو الموفق للصدق والصواب

اس قرینہ کو ذکر کرتے وقت بھی شیعہ علماء نے حقائق سے آنکھیں بند کر لیں، ورنہ وہ کبھی بھی یہ استدلال پیش کرنے کی جرأت نہ کرتے۔ پہلے ان کی بیان کردہ مفصل روایت ملاحظہ ہو، جس کی طرف علامہ موصوف نے صرف اشارہ کر دیا ہے پھر اس کے وجوہ بطلان ملاحظہ فرمائیں۔ علامہ فتح اللہ کاشانی اپنی تفسیر میں رقمطراز ہیں۔ (منہج الصادقین، جلد سوم صفحہ ۲۷۵/۲۷۴)

ثعلبی آوردہ است کہ چوں حکایتِ نصب شاہِ اولیاء منتشر و ایں قصہ مشہور گشت حارث بن نعمان فہری بر ناقہ نشست و متوجہ مدینہ شد از برائے آنکہ مجادلہ نماید بحضرت رسالت پناہ و منا قشہ کند در نصب علی بن ابی طالب (تا) یعنی چوں آں ملعون ایں دعا کرد و عذابِ الیم از قہارِ عظیم درخواست سنگے از آسمان بیفتادہ د سرِ او خورد و از دبرش بیروں رفت و در ساعت ایں آیت نزول

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

یافت کہ سئال سائل بعذاب واقع للکافرین لیس لہٗ دافع من اللہ ذی المعارج ۔

یعنی جب شاہِ اولیاء کے منصبِ خلافت پر نصب کیے جانے کی حکایت مشہور ہو گئی اور یہ قصہ عوام میں معروف ہو گیا، تو حارث بن نعمان فہری اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر عازمِ مدینہ ہوا تاکہ بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہو کر مجادلہ و مناقشہ کرے کہ اس منصب پر اپنے چچازاد بھائی حضرت علی بن ابی طالب کو کیوں مقرر کیا ہے؟ اور کہا کہ آپ نے ہمیں توحید و رسالت کی گواہی کا حکم دیا۔ ہم نے وہ گواہی دے دی۔ آپ نے ہمیں نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا۔ ہم نے اس کو بھی قبول کر لیا۔ پھر تم اس پر بھی راضی نہ ہوئے، حتّٰی کہ اس بچے کو اس منصب پر فائز کر دیا، اور من کنت مولاہ فعلی مولاہ کا اعلان کر دیا۔

تو کیا یہ اعلان آپ نے اپنی طرف سے کیا ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: بخدا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو وہ واپس لوٹا۔ درآنحالیکہ کہہ رہا تھا، اللھم ان کان ھٰذا ھو الحق من عندک فامطر علینا حجارۃ من السماء او ائتنا بعذاب الیم۔ اے اللہ! اگر یہ حکم اور اعلان برحق ہے، جو تیری طرف سے نازل ہونے والا ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہمیں عذابِ الیم میں مبتلا کر تو اس دوران اس پر ایک پتھر آسمان سے گرا جو اس کے سر سے داخل ہو کر اس کی سرین سے باہر نکل گیا اور اسی وقت یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی، سئال سائل بعذاب واقع الایہ یعنی سوال کرنے والے نے سوال کیا اس عذاب کے متعلق جو کفار پر نازل ہونے والا ہے، جس کو اللہ بزرگ و برتر کے علاوہ کوئی دور کرنیوالا نہیں ہے

نیز یہی روایت علامہ طبرسی نے سورۃ المعارج کی اس آیت کے شانِ نزول میں مجمع البیان جلد خامس صہ ۳۵۲ پر ذکر کی ہے ۔ چونکہ بقول علامہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ڈھکو صاحب، یہ روایت حدیث غدیر میں مولیٰ بمعنی خلیفہ بلا فصل ہونے پر قطعی قرینہ ہے۔ اگر یہ ثابت، تو وہ بھی ثابت ہو جائے گی اور اگر ثابت نہ ہوئی تو اس معنیٰ کا تعین بھی دعویٰ بلا دلیل ہو کر رہ جائے گا، لہذا اس کے جملہ روایتی اور درایتی پہلوؤں پر غور فرماویں، تو آپ یہ فیصلہ دیئے بغیر نہیں رہ سکیں گے کہ یہ روایت محض شاعرانہ تخیل اور افسانہ نگاری پر مبنی ہے اور اس کو واقعہ و حقیقت سے دُور کا بھی واسطہ و تعلق نہیں ہے اور بوجوہ اس کا بطلان ثابت ہوتا ہے۔

۱۔ باتفاق مفسرین و ائمہ قرأت سورۃ معارج اور اس کی یہ آیت مکی ہے اور مکی آیات ہونے کا معروف اور مختار معنی یہ ہے کہ وہ ہجرت سے پہلے نازل ہوئی ہوں یا اس میں کفار مکہ کو مخاطب ٹھہرایا گیا ہو۔ کوئی معنی بھی لو، یہ روایت درست نہیں ہو سکتی، کیونکہ از روئے روایت یہ آیت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اعلانِ ولایت کے بعد، لہذا اس کو مکی سورت اور مکی آیت کے نزول سے کیا ربط و تعلق ہو سکتا ہے؟ علامہ آلوسی نے روح المعانی میں یہ قول نقل کر کے اس کو رد کرتے ہوئے فرمایا، وانت تعلم ان ذالك القول منه علیه الصلوٰة والسلام فی امیر المومنین علی رضی اللہ عنه کان فی غدیر خم وذالك فی اواخر سنی الھجرة فلا یکون ما نزل مکیا علی المشھور فی تفسیره وقد سمعت ما قیل فی مکیة ھذه السورة وھی مکیة بالاتفاق) جلد ۲۹، ص۵۵)

"یعنی یہ قول کہ یہ آیت حارث بن نعمان فہری کے حق میں ولایتِ علی کا انکار کرنے کی وجہ سے نازل ہوئی، بالکل غلط ہے۔ کیونکہ تمہیں معلوم ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں ولایت کا اعلان غدیر خم میں پایا گیا جو کہ ہجرتِ نبوی کا آخری سال ہے اور اس موقع پر یا اس کے بعد نازل ہونے والی آیت مشہور و معروف معنی کے لحاظ سے مکی نہیں ہو سکتی، حالانکہ یہ امر بھی گوش گزار ہو چکا ہے کہ اس کے مکی ہونے پر سب متفق ہیں۔"

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

۲۔ اس قرینہ کا دار و مدار اس پر ہے کہ یہ آیت حارث بن نعمان فہری کے حق میں نازل ہوئی، جبکہ اُس نے ولایت علی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا حالانکہ یہ بھی غلط ہے، کیونکہ اس پر بھی مفسرین متفق نہیں، بلکہ اس میں مختلف اقوال ہیں۔ علامہ طبرسی نے مجمع البیان میں اس پر بحث کرتے ہوئے متعدد روایات نقل کی ہیں، تو جب حتمی اور قطعی طور پر حارث کے حق میں نزول ہی ثابت نہ ہوا تو اس کا غیر قطعی قول مولیٰ کے معنیٰ کا قطعی تعین کیسے کرے گا؟

پہلی روایت: مجاہد سے منقول ہے کہ اس سائل سے مراد وہی شخص ہے جس نے کہا تھا، اللھم ان کان ھٰذا ھو الحق الآیہ اور وہ نضر بن حارث ہے۔

دوسری روایت: حسن سے منقول ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب مشرکین نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا، جس عذاب کا تم تذکرہ کرتے ہو، وہ کس کے لیے ہوگا؟ تو اس کے جواب میں فرمایا، وہ کفار کے لیے ہے، اور اسے اللہ بزرگ و برتر کے علاوہ کوئی دور کرنے والا نہیں ہے۔

تیسری روایت: جبائی سے منقول ہے کہ دعا اور سوال کرنے والے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں آپ کے ساتھ کفار پر عذاب نازل کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔

چوتھی روایت: ابنِ زید سے منقول ہے کہ سَال جہنم کی وادی ہے اور وہ کفار کے عذاب کے ساتھ دہک رہی ہے۔

علماء اہل السنت اور سال سائل کا مصداق

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے درمنثور میں اس کے متعلق مختلف روایات نقل کی ہیں:

(۱) فریابی۔ عبد بن حمید۔ نسائی۔ ابن ابی حاتم، ابنِ مردویہ اور حاکم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہ سائل نضر بن الحارث ہے اور اُس نے کہا تھا: اللھم ان کان ھٰذا ھو الحق مِن عِندِك الآیہ۔ اور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حاکم نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

(ب) ابن المنذر نے زید بن اسلم کے واسطہ سے بھی اس کا مصداق نضر بن الحارث بن کلدہ قرار دیا ہے۔

(ج) ابن ابی حاتم نے سدی کے واسطہ سے نقل کیا ہے کہ قول باری تعالیٰ سال سائل الآیہ مکہ مکرمہ میں نضر بن حارث کے متعلق نازل ہوا، جبکہ اس نے کہا تھا: ان کان ھذا ھو الحق الآیہ اور اس کو یہ عذاب جنگِ بدر میں دیا گیا۔ (تفسیر درِ منثور جلد ۶، صـ ۲۶۴)

(د) تفسیر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں بھی سال سائل کا مصداق نضر بن الحارث کو قرار دیتے ہوئے فرمایا: یعنی دعا داع و ھو النضر بن الحارث (الی) فقتل یوم بدر صبرًا۔ یعنی یہاں پر سوال بمعنی دُعا ہے اور وہ دعا کرنے والا النضر بن الحارث تھا اور وہ بدر کے دن قیدی بن جانے کے بعد قتل کر کے کیفر کردار کو پہنچایا گیا۔

(ھ) علامہ آلوسی نے "درِ منثور" میں منقول ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول کے متعلق فرمایا، جس میں اس سائل سے نضر بن الحارث مراد لیا گیا ہے کہ یہی قول سدی، ابن جریج اور جمہور سے منقول ہے اور اسی نضر بن الحارث نے انکارِ رسالت کرتے ہوئے اور منصبِ نبوت کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا، اے اللہ اگر یہ رسول تیری طرف سے ہے، تو ہم پر پتھر برسا یا عذابِ الیم نازل فرما۔ (روی ذالک عن بن جریج والسدی والجمھور الخ۔

(و) قیل ھو ابو جھل حیث قال "اسقط علینا کسفا من السماء" یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سائل سے مراد ابوجہل ہے، جبکہ اُس نے کہا تھا اس رسول کے برحق ہونے اور ہمارے منکر ہونے کی وجہ سے ہم پر آسمان کا ٹکڑا گرا دے۔

الغرض نہ آیت کا مدنی ہونا ثابت، اور نہ سائل کا حارث بن نعمان فہری ہونا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

قطعی طور پر ثابت ہوا بلکہ آیت مکی اور ہجرت سے پہلے نازل ہوئی اور مصداق اس کا بقولِ جمہور اور بقولِ مفسرِ صحابہ وحبرِ امت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نضر بن الحارث جو کہ بدر میں قتل بھی ہو گیا۔ تو اندریں صورت یہ قطعی قرینہ کیسا بن گیا مولیٰ بمعنی اولیٰ بالتصرف اور خلیفہ بلافصل کا بلکہ اس کو قرینہ کہنا ہی سرے سے غلط ہے علماء شیعہ پر تعجب ہے کہ جس روایت کی بنیاد و اساس ہی نہیں ہوتی، اسی کو قطعی دلیل کہہ دیتے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے صرف قطعی کا لفظ سنا ہوا ہے، مگر اس کا معنی معلوم نہیں یا صرف عوام شیعہ کو بیوقوف بنانے کے لیے ایسے وزنی لفظ استعمال کرتے ہیں اور یا خود ہی اپنے عقل و خرد سے بھی تقیہ کیے ہوتے ہیں اور خلافت بلافصل کی محبت میں بصارت اور بصیرت سے محروم ہوتے ہیں۔

تفسیر ثعلبی اور واحدی کی حیثیت

علامہ فتح اللہ کاشانی نے یہ روایت ثعلبی کے حوالے سے نقل کی اور قول باری تعالیٰ، یا ایھا الرسول بلغ الآیہ کو واحدی کے حوالے سے اہل السنت کی طرف منسوب کیا اور علامہ ڈھکو صاحب نے ان کو قطعی قرآن بنا کر پیش کر دیا لہٰذا ان کی حیثیت اور مرتبہ ومقام کا بیان کرنا ازحد ضروری ہے تاکہ ان کے مندرجات سے استدلال واستشہاد کی حیثیت واضح ہو جائے۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر "اتقان" میں طبقات المفسرین بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول تفاسیر کے اسنادوں میں سے ضعیف ترین اسناد یہ ہے، اوھیٰ طرقہ طریق الکلبی عن ابی صالح عن ابن عباس فان انضم الی ذالک روایة محمد بن مروان السدی الصغیر فھی سلسلة الکذب وکثیرا ما یخرج منہ الثعلبی والواحدی۔ تفسیر اتقان جلد ثانی ص۱۸۹

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول تفاسیر کی سندوں میں سے کمزور ترین سند اور طریق روایت وہ ہے جس میں کلبی ابوصالح کے واسطہ سے آپ کی تفاسیر نقل کرتا ہے اور اس کے ساتھ محمد بن مروان سدی صغیر شامل ہو جائے، تو یہ پورا سلسلہ ہی کذابوں اور جھوٹے راویوں کا ہے اور ثعلبی اور واحدی بسا اوقات اور عمومی طور پر اسی سند اور طریق روایت سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے اقوال نقل کرتے ہیں۔

امام سیوطی نے ہی ابن جریر طبری کے دور کے بعد والے مفسرین پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے روایات کے اسنادوں کو حذف کر دیا اور مسلسل اقوال نقل کرتے چلے گئے، تو اس طرح غلط اور بے بنیاد اقوال بھی تفاسیر میں داخل ہو گئے اور صحیح و علیل کا امتیاز ختم ہو گیا اور پیچھے بعد دیگرے آنے والے مفسرین نے ان سابقین کے اقوال کو بلا تفریق و تمیز نقل کرنا شروع کر دیا اور معتمد علیہ اور غیر معتمد کا فرق جو اسلاف کے پیش نظر رہتا تھا، وہ نظر انداز ہو گیا۔ بعد میں وہ حضرات آئے، جن کو کسی نہ کسی فن اور شعبہ میں دسترس حاصل تھی، تو اُس نے اپنی تفسیر کو اسی رنگ سے رنگ دیا۔ نحو کے ماہر بیان اعراب اور تفصیل تراکیب میں منہمک ہوتے، تو فلسفہ کے ماہرین نے تفسیر میں فلسفہ کو بھر دیا۔ والاخباری لیس له شغل الا القصص واستیفاؤها والاخبار عن السلف سواء کانت صحیحة او باطلة کالثعلبی (ص ۱۹۰، ج ۲)

اور جو اخبار و روایات پر عبور رکھتے تھے، ان کا مشغلہ صرف قصص کا بیان اور ان کی بھرمار رہ گیا اور انہوں نے اسلاف سے ہر قسم کی خبروں کا نقل کر دینا اپنا منتہائے مقصود قرار دے دیا، خواہ سچی ہوں یا جھوٹی اور باطل جیسے کہ ثعلبی نے بھی شغل اپنایا۔ انتہیٰ ملخصاً۔

ناظرین کرام پر یہ حقیقت اب پوری طرح واضح ہو گئی ہو گی کہ تفسیر ثعلبی میں مذکور عام اقوال کس سلسلۂ کذب سے تعلق رکھتے ہیں اور اس کا مطمح نظر

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اور بنیادی مقصد کیا ہے؟ لہذا اس قسم کی تفسیر سے ایک بے بنیاد قصہ اور حکایت نقل کر کے اس کو قطعی قرینہ اور دلیل بنا دینا' دیانت اور امانت اور علم و تحقیق کی دنیا میں درخور اعتنا اور لائق اعتبار نہیں اور محقق و مدقق، مجتہد العصر اور حجۃ الاسلام ہونے کے دعویدار کو قطعاً زیب نہیں دیتا بلکہ کوئی معمولی سوجھ بوجھ والا طالب علم بھی اس قسم کے دعوؤں کی جسارت نہیں کر سکتا کہ جس امر کا اپنا وجود ہی نہ ہو' اس کو قطعی کہہ دے اور اس کے ذریعے مولی بمعنی خلیفہ بلا فصل کو قطعی قرار دے دے۔

حیرت ہے کہ وہ نظریہ و عقیدہ جس کے تحت حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک لاکھ چودہ ہزار یا چوبیس ہزار صحابہ کرام مرتد قرار دیئے گئے اور ان کے سب کارنامے اور خدمات و قربانیاں برباد اور بے اعتبار قرار دے دی گئیں اس کا دارو مدار ان جھوٹی اور بے سروپا حکایات پر ہے۔ اگر انکار پر آئے تو بیسیوں آیات سے قطعی انداز میں ثابت ان کے فضائل و کمالات اور صدق و اخلاص اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور جنت کے مژدے بھی ناقابل اعتبار بنا ڈالے اور جو ماننے پہ آئے تو ایسی جھوٹی اور بے بنیادوں حکایات کو قطعی عقائد بنا ڈالا۔

ع ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

پانچواں قرینہ:

مولی بمعنی اولیٰ بالتصرف اور خلیفہ بلا فصل پر

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غدیر خم میں ولایت علی کا اعلان کیا تو تمام صحابہ کرام نے بالعموم اور عمر بن الخطاب نے بالخصوص حضرت امیر کو مبارکباد دی اور کہا، بخ بخ لک یا ابن ابی طالب لقد اصبحت مولای و مولیٰ کل مومن و مومنۃ۔ "مبارک ہو، مبارک ہو اے ابن ابی طالب! تم میرے اور تمام مومن مردوں اور عورتوں کے مولیٰ بن گئے ہو۔" یہ بھی اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ انہوں نے یہاں پر مولیٰ بمعنی اولیٰ سمجھا تھا، ورنہ صرف اخوت اور محبت مراد ہونے کی صورت میں مبارکباد کوئی معنے نہیں رکھتی۔ رسالہ تنزیہ الامامیہ صـ۱۵۲

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

الجواب بتوفیق الوہاب

علامہ صاحب نے حدیث غدیر میں وارد مولیٰ کے خلیفہ بلا فصل اور اولیٰ بالتصرف کے معنی میں ہونے پر پانچواں قطعی قرینہ یہ پیش کیا کہ چونکہ آپ کو مولیٰ بننے پر مبارکبادی دی گئی، لہذا قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ اس چوبیس معانی میں مشترک لفظ کا یہاں صرف اور صرف خلیفہ بلا فصل والا معنی ہی مراد ہے، مگر اس روایت کو قطعی قرینہ قرار دینا بھی بوجوہ باطل ہے۔

۱۔ پہلے تو یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ اس روایت کی حیثیت کیا ہے؟ اور خود ہی وہ منکر، ضعیف اور ناقابلِ اعتبار ہو، تو پھر اس کے بل بوتے پر مولیٰ بمعنی خلیفہ بلا فصل کی قطعیت کیسے ثابت ہو سکتی ہے؟ علامہ سید محمود آلوسی نے روح المعانی میں اس پر بحث کرتے ہوئے فرمایا، وھذا ضعیف فقد نصوا ان علی بن زید وابا ھارون وموسیٰ ضعفاء لا یعتمد علیٰ روایتھم وفی السند ایضاً ابو اسحٰق وھو شیعی مردود الروایۃ۔ روح المعانی ج ۶ ص ۱۹۴

یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ علماء جرح و تعدیل نے تصریح فرمائی ہے کہ اس کے راوی علی بن زید، ابو ہارون اور موسیٰ بن عثمان ہیں اور وہ سبھی ضعیف ہیں اور ان کی روایات پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ نیز اس روایت کی سند میں ابو اسحاق بھی ہے اور اس کی روایت مردود اور ناقابلِ قبول ہے، کیونکہ وہ شیعہ ہے ——— لیجئے حضرات جو روایت ہی مردود اور ناقابلِ قبول ہے، تو اس کو قطعی کہنا کیونکر درست ہوا اور اس کا سہارا لے کر مولیٰ کے کثیر التعداد معانی میں سے ایک کے متعین ہونے کی قطعیت کس طرح ثابت ہو گئی؟

۲۔ روایت کی ذاتی حیثیت یعنی ضعف و نکارت سے قطع نظر کر لیں اور اس کو صحیح تسلیم کر لیں، پھر بھی اس سے شیعی علماء کا دعویٰ ثابت نہیں

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہو سکتا، کیونکہ مولیٰ ہونا حاکم ہونے کو مستلزم ہی نہیں ہے۔ چہ جائیکہ بلا فصل خلافت و حکومت کو مستلزم ہو۔ اس ضمن میں احتجاج طبرسی کا ایک حوالہ پیش خدمت ہے: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انی لم اسئل اللہ اللیلۃ شیئاً الا اعطانیہ ولم اسئالہ لنفسی شیئاً الا سألت لک مثلہ وانی دعوت اللہ عز وجل ان یواخی بینی وبینک ففعل وسألتہ ان یجعلک ولی کل مومن ومومنۃ ففعل وسالتہ ان یجمع علیک امتی بعدی فابیٰ علیّ۔ احتجاج ص ۱۵۹ طبع جدید۔

یعنی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے آج رات اللہ تبارک و تعالیٰ سے جو کچھ طلب کیا اس نے مجھے عطا فرمایا اور میں نے اس سے اپنی ذات کے لیے جو کچھ طلب کیا، تمہارے لیے بھی اسی طرح کا مطالبہ کیا۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ میرے اور تیرے درمیان اخوت اور بھائی چارہ قائم فرمائے، تو اللہ تعالیٰ نے اسے شرفِ قبولیت بخشا۔ میں نے اس سے سوال کیا کہ تمہیں تمام مومنین مردوں اور عورتوں کا مولیٰ بنائے تو اس نے اس دعا کو بھی شرفِ قبولیت و اجابت بخشا اور تجھے سب کا مولیٰ بنا دیا اور میں نے یہ التجا کی کہ میری ساری امت کو میرے بعد تجھ پر متفق اور متحد کر دے، تو اس نے اسے شرفِ قبولیت بخشنے سے انکار فرما دیا (اور ساری امت کو میرے بعد تیری خلافت و امارت پر متفق و متحد نہ فرمایا)۔

شیعی فاضل کی زبانی اور مستند ترین کتاب کے حوالے سے فرمانِ نبوی کے ذریعے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ ولی اور مولیٰ ہونا علیحدہ امر ہے، اور خلیفہ و حاکم ہونا علیحدہ امر ہے، ورنہ دعائے ولایت قبول ہونے کے بعد اور تمام مومنین و مومنات کا مولیٰ بن جانے کے بعد پھر خلافت پر اتفاق کی دعا کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی اور نہ اللہ تعالیٰ کے انکار کی کوئی وجہ، بلکہ وہ فرماتا، میں تو قبول کر چکا ہوں

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

خلیفہ بنا چکا ہوں، ان سب کو متفق و متحد کرنے کا ضامن ہو چکا ہوں، تمہیں پھر دعا کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اور ان پر امت کو متحد اور متفق کرنے سے انکار فرمایا، تو ثابت ہو گیا کہ یہ دونوں امر الگ الگ ہیں، لہٰذا قطعی طور پر معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک مولیٰ ہونا حاکم اور خلیفہ ہونے کے معنیٰ میں نہیں تھا، بلکہ دو علیحدہ علیحدہ حقیقتیں اور حیثیتیں تھیں، مگر علامہ ڈھکو صاحب کو اس سے کیا غرض؟ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر نہیں مانتے کہ مولیٰ ہونا خلیفہ ہونے کو مستلزم ہے تو نہ مانیں، وہ مانیں گے اور ڈنکے کی چوٹ اور اس کے قطعی اور حتمی ہونے پر اعتقاد رکھیں گے اور منکرین کو کافر و مرتد اور منافق کہیں گے، خواہ کیسے باشد، کیونکہ ان کے پاس اس دعویٰ پر قطعی قرائن موجود ہیں اور وہ پورے دس قرائن ہیں۔ نعرۂ حیدری یا علی

نیز اس روایت سے یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ خلافت و حکومت نہ بھی حاصل ہو مگر مولی المومنین ہونا بہت بڑا اعزاز ہے، اسی لیے سیدِ عالم رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں اس اعزاز و امتیاز کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی اور جو مصلحت و حکمت دعائے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں تھی، وہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام کے مبارک باد دینے میں تھی۔ اگر اخوت و محبت مراد ہونے کی صورت میں مبارکباد کوئی معنی نہیں رکھتی تھی، تو پھر التجائے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی کوئی معنی نہیں رکھتی تھی اور اگر دعا و التجا اس لیے درست تھی کہ اس میں عام اخوت و محبت مراد نہیں تھی، بلکہ مخصوص اور اتم و اکمل اور سب مؤمنین و مومنات کی طرف سے الفت و محبت مراد تھی، تو مبارکبادی کا باعث و موجب بھی یہی مخصوص اور اتم و اکمل محبوبیت تھی۔ لہٰذا یہ مبارک بادی خلافت بلا فصل کا قطعی قرینہ کیسے بن گئی؟

علامہ موصوف کو کون سمجھائے کہ دنیوی اقتدار تو بقولِ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سراب ہے اور چھٹ جانے والا اسباب اور چند روزہ فانی متاع اور اصل اعزاز

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اور حقیقی انعام تو وہ محبوبیت ہے جو صرف ظاہری زندگی میں نہیں، بلکہ وفات و وصال کے بعد بھی قلوبِ خلق پر حاوی اور غالب اور حکمران و متصرف رہتی ہے، جیسے کہ ہر ایک کے مشاہدہ میں ہے کہ اربابِ سلاسل کس طرح آج بھی محبوبِ قلوب اور قبلہ ارواح بنے ہوئے ہیں۔

۲۔ ابن بابویہ قمی نے "معانی الاخبار" میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ سرورِ انبیاء، حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ ربی ولا امارۃ لی معہ وانا رسول ربی ولا امارۃ معی وعلی ولی من کنت ولیہ ولا امارۃ معہ۔ معانی الاخبار ۲۲

اللہ تعالیٰ میرا رب ہے اور میرے لیے امارت و حکومت اس کے ساتھ نہیں تھی اور میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، جبکہ بوقتِ بعثت میں امیر و حاکم نہیں تھا اور حضرت علی ہر اس شخص کے ولی ہیں، جس کا میں ولی تھا، جبکہ وہ (ہر اس شخص کے) امیر نہیں ہیں۔

سرکارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے بھی واضح ہو گیا کہ ولایتِ مرتضیٰ علیحدہ امر ہے اور ان کا امیر ہونا علیحدہ امر ہے اور ولایت امارت و حکومت کو مستلزم نہیں اور ساتھ ہی دلیل بھی آپ نے دے دی کہ میں جب سے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں ______ اس وقت سے مولیٰ ہوں، لیکن امیر و حاکم اس وقت سے نہیں ہوں اور جس کا میں مولیٰ تھا، علی بھی اس کے مولیٰ ہیں مگر نہ میں وقتِ بعثت سے امیر تھا اور نہ ہی یہ ابھی سے امیر ہوں گے۔ مجھے بھی امارت و حکومت بعد میں حاصل ہوئی اور انہیں بھی بعد میں حاصل ہو گی۔

الغرض نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ولایت کو امارت سے جدا مانتے ہیں اور مولیٰ کو خلیفہ بلا فصل سے مختلف مانتے ہیں اور ان میں نہ از روئے معنی و مفہوم اتحاد و توافق تسلیم فرماتے ہیں اور نہ وجودِ خارجی اور مصداق کے لحاظ سے اور یہی مذہب اہل سنت و جماعت کا ہے۔ اب ڈھکو صاحب کی مرضی کہ وہ راہِ نبوت و رسالت پر چلیں اور ہماری موافقت کریں یا ہماری ضد میں بلکہ خلفاءِ ثلاثہ کی عداوت میں باغیٔ نبوت بن جائیں اور راہِ نبی سے انحراف کریں۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مولیٰ بمعنیٰ اولیٰ سے کیا ثابت ہوا؟

(۴) ڈھکو صاحب فرماتے ہیں کہ مبارکبادی اس امر کی دلیل ہے کہ ان مبارکباد دینے والے صحابہ نے مولیٰ بمعنیٰ اولیٰ سمجھا، مگر علامہ صاحب فرمائیں کہ محض اولیٰ سمجھنے سے کیا خلافت بلافصل تسلیم کرلینا اور عملی طور پر اقتدار و اختیار کا مالک تسلیم کرنا ثابت ہوجاتا ہے؟ اولیٰ سمجھا تھا، تو اخوت و محبت کے لحاظ سے بھی آپ اولیٰ ہوسکتے تھے، تو محض تصرف و حکومت کے لحاظ سے اولیٰ سمجھنا کیسے لازم آگیا؟ اللہ تعالیٰ نے کلام مجید میں فرمایا، مَاْوٰکُمُ النَّارُ ھِیَ مَوْلٰکُمْ "تمہارا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ تمہارا مولیٰ ہے۔" یہاں مولیٰ بمعنیٰ اولیٰ ہے، تو کیا آگ کو خلیفہ بلافصل اور حاکم و سلطان تسلیم کیا جائے گا اور امر و نہی کے ساتھ تصرف کرنے والی — نیز کلام خداوندی میں ہے، واولوا الارحام بعضھم اولیٰ ببعض۔ یعنی ذوی الارحام میں سے بعض دوسرے بعض کے ساتھ اولیٰ ہیں تو کیا یہاں خلافت ثابت ہوگئی۔ قطعاً نہیں، بلکہ صرف یہ مطلب ہے کہ وہ جلانے کی زیادہ حقدار ہے اور ذوی الارحام وراثتِ مالی کے حقدار ہیں اور اگر مولیٰ بمعنیٰ اولیٰ ہو ہی سہی، تو اس سے شیعی علما کو کیا حاصل ہوسکتا ہے، جب تک اولیٰ بالحکومت والتصرف ثابت نہ ہو اور ان متعلقات کا نہ حدیث غدیر میں ذکر اور نہ مبارکباد دینے والوں کے کلام میں تو پھر خواہ اس معنیٰ کی تعیین کیسے ہوگئی؟

رہا یہ توہم کہ بالعموم محبت و ولایت اور اخوت و بھائی چارہ تو اسلام و ایمان کی وجہ سے ثابت تھا، والمومنون بعضھم اولیاء بعض۔ تو پھر اس پر مبارکبادی کا کیا معنیٰ؟ تو جواباً گزارش ہے ع

سخن شناس نۂ خطا ایں جاست

یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت کو محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم میں داخل

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کیا گیا تھا اور ابدی و غیر فانی اور ناقابلِ تغیر و تبدیل حکم تھا، یعنی جس طرح محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کسی وقت بھی ترک نہیں کی جا سکتی اور نہ کبھی اس کا وجوب و لزوم ختم ہو سکتا ہے۔ اس طرح حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی محبت بھی کبھی کسی وقت ترک کرنے کے قابل نہیں ہو سکتی۔ بخلاف عام مومنین کی محبت کے، لہٰذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرتِ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اس مخصوص محبت میں اپنے ساتھ شریک فرمانا ان کے لیے بہت بڑا اعزاز تھا اور آپ یقیناً اس پر مبارک باد کے مستحق تھے۔

اگر وہ صحابہ کرام جو غدیر خم میں موجود تھے، اس کو خلافتِ بلا فصل کا اعلان سمجھ رہے تھے، تو پھر انہوں نے عملی طور پر آپ کو وصالِ نبوی کے بعد کیوں خلیفہ تسلیم نہ کیا؟ انصار نے خود اپنے علاقہ پر تصرف حاصل کرنے کا پروگرام کیوں بنایا اور پھر اس پروگرام سے دستبردار ہو گئے، تو بھی حضرتِ علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بلا فصل تسلیم نہ کیا۔ آخر وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی دنیا کی خاطر اپنا دین و ایمان اور اپنی دنیوی شوکت و سلطنت دونوں ہی کیونکر قربان کر سکتے تھے؟ بلکہ وہ اپنے عزم و ارادہ سے باز صرف اس لیے آ گئے کہ انہوں نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زبانی حدیثِ رسول سُن لی تھی: (الائمۃ من قریش کہ امام و حاکم قریش ہی ہوں گے)، تو ان حضرات سے یہ توقع کیسے ہو سکتی تھی کہ براہِ راست نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سنیں تو تسلیم نہ کریں اور بواسطہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سنیں تو اسے فوراً تسلیم کر لیں۔ نیز بنو عبد المطلب، بنو ہاشم اور بنو عبد مناف ان سب کو کیا ہو گیا تھا کہ انہوں نے بھی اس حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل نہ کیا اور نہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ اقدس پر عمل کیا اور نہ ہی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حق قرابت کو ملحوظ رکھا۔ کچھ تو کہیے کہ ماجرا کیا ہے؟

چھٹا قرینہ
مولیٰ بمعنی اولیٰ بالتصرف اور خلیفہ بلا فصل پر

سابقہ سطور میں متعدد کتب کے حوالے سے لکھا جا چکا ہے کہ اس اعلان کے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو حکم دیا تھا کہ حضرت امیر کو امیر المومنین کہہ کر سلام کرو۔ یہ اس بات کا قطعی قرینہ ہے کہ مولیٰ سے مراد اولیٰ یعنی سردار ہے۔ تنزیہ الامامیہ صـ۱۵۲

الجواب ومنہ التوفیق والسداد

ڈھکو صاحب نے پانچویں اور چھٹے قرینہ کو بیان کرتے ہوئے سطورِ بالا اور سطورِ سابقہ کا لفظ استعمال کیا اور متعدد کتب کے حوالہ جات ذکر کرنے کا دعویٰ کیا ہے، حالانکہ آپ کے پورے رسالہ میں ان دونوں قرینوں کے متعلق کہیں بھی کسی کتاب کا حوالہ موجود نہیں ہے، مگر آپ ہیں کہ نشہ و مستی کے عالم میں بس یہی رٹ لگائے جا رہے ہیں کہ متعدد کتب کے حوالہ جات سے لکھا جا چکا ہے ۔

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

حالانکہ معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والا طالب علم بھی سمجھتا ہے کہ مولیٰ بمعنی خلیفہ بلا فصل شیعہ کا دعویٰ ہے اور اس کے اثبات کے لئے انہیں قطعی دلائل و شواہد پیش کرنے لازم ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک یہ نظریہ قطعی عقائد اور اصولِ اسلام میں شامل ہے، لیکن یہاں دلائل بھی محض دعویٰ کے طور پر ہیں نہ کتاب کا نام، نہ عبارت مکمل طور پر درج کرتے ہیں، بلکہ اکثر طور پر عبارتیں ہی غائب ہوتی ہیں، آخر یہ استدلال کا کونسا قسم ہے اور جوابی کارروائی کا کونسا انداز ہے؟ اگر محض دعویٰ کر دینا ہی مدعی کے لیے کافی ہو اور اس کی سچائی کی دلیل ہو، تو پھر اسلامی فرقوں میں سے کوئی بھی غلطی پر نہیں، بلکہ سبھی سچے ہیں۔ الغرض ہمارا نظریہ و عقیدہ صرف اور صرف یہ ہے کہ غدیر خم کے واقعات پر مشتمل روایات میں سے جو صحیح طور پر ثابت ہے، وہ ہے حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے متعلق من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ کا اعلان۔ اس کے علاوہ امیر المومنین ہونے کا اعلان یا امیر المومنین کے لقب سے سلام دینے کا حکم یا خلافت و امارت کی صراحت وغیرہ قطعاً پایۂ تکمیل و صحت اور ثبوت کو نہیں پہنچتیں اور نہ مستند اور معتبر کتابوں میں کوئی ایسی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

روایت موجود ہی ہے۔ اسی حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے علامہ آلوسی نے روح المعانی ج ۶ ص ۱۷۳ پر فرمایا: وانت تعلم ان اخبار الغدیر التی فیھا الامر بالاستخلاف غیر صحیحۃ عند اھل السنۃ ولا مسلمۃ لدیھم اصلاً۔ یعنی تمہیں معلوم ہے کہ غدیر خم کی وہ روایات و اخبار کہ جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے کا حکم ہے، وہ اہل السنت کے نزدیک صحیح نہیں ہیں اور نہ ہی ان کے نزدیک معتبر اور مقبول ہیں اور یہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ اس اعلان کا پس منظر کیا تھا اور باعث و موجب کونسا تھا؟ یعنی لشکریوں کی آپ کے خلاف شکایات اور آپ پر طعن و تشنیع اور آپ کی شان میں تنقیص و تفریط، جس کو علماء اہل السنت اور علماء شیعہ دونوں فریق نے ذکر بھی کیا ہے اور تسلیم بھی کرتے ہیں۔

رہا اس خاص روایت اور مخصوص مقصد پر مشتمل اخبار کے علاوہ دوسرے قسم کی روایات کا معاملہ جن کو بالعموم شیعہ علماء بطور استدلال پیش کرتے ہیں، تو وہ ایسی کتابوں سے لی جاتی ہیں، جن میں مؤلفین نے صحاح کو جمع کرنے کا التزام ہی نہیں کیا اور نہ وہ خود ان کے تمام مندرجات کی صحت کے قائل ہیں، بلکہ ان کے پیش نظر واقعہ غدیر کے متعلق ہر قسم کی روایات اور ان کے اسناد اور طرق روایت کو جمع کرنا تھا اور ان کی درجہ بندی اور ترجیح راجح وغیرہ کا معاملہ انہوں نے دوسرے حضرات پر چھوڑ دیا لہٰذا ان کتب کے مؤلف اگرچہ سنی ہوں، بلکہ اکابر اہل سنت سے ہوں، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ انہوں نے جو کچھ ذکر کیا ہے، وہ سب ان کے نزدیک صحیح ہے اور تمام اہل سنت پر بھی ان کو صحیح ماننا اور ان پر اعتقاد رکھنا لازم ہے۔ سید محمود آلوسی نے فرمایا:

وقد اعتنیٰ بحدیث غدیر خم ابو جعفر بن الجریر الطبری فجمع فیہ مجلدین اورد فیھما سائر طرقہ والفاظہ وساق الغث والسمین والصحیح والسقیم علی ما جرت بہ عادۃ کثیر من المحدثین فانھم یوردون ما وقع لھم فی الباب من غیر تمییز بین صحیح وضعیف وکذالک الحافظ الکبیر ابو القاسم ابن العساکر اورد احادیث

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

كثيرة فى هذه الخطبة والمعول عليه فيها ما اشرنا اليه ونحوه مما ليس فيه خبر الاستخلاف كما يزعمه الشيعة۔ روح المعانی ج ۶ ص ۱۹۵

"ابو جعفر بن جریر طبری نے حدیثِ غدیر کے بیان میں خاص دلچسپی کا اظہار کیا اور اس میں دو جلدیں مرتب کیں اور اس واقعہ میں وارد خطبہ کے تمام اسنادات اور طرق روایات جمع کیے اور ہر قسم کے منقولہ الفاظ و کلمات اور ہر قوی و ضعیف اور صحیح و سقیم کو ان میں جمع کر دیا ہے جیسے کہ بہت سے محدثین کی عادت معروفہ ہے کہ وہ کسی باب اور عنوان کے مناسب موصول اور دستیاب ہر روایت کو وہاں پر درج کر دیتے ہیں اور ان میں سے صحیح اور ضعیف میں تمیز و تفریق نہیں کرتے اور یہی حال حافظ کبیر ابو القاسم ابن عساکر کا ہے۔ انہوں نے بھی اس خطبہ کے ضمن میں بہت سی احادیث ذکر کی ہیں اور قابل وثوق اور لائق اعتماد صرف وہی ہیں، جن کی طرف ہم نے اشارہ کر دیا ہے یا اسی قسم کی وہ روایات، جن میں خلافتِ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ نہیں ہے جیسے کہ شیعہ کا زعم ہے"

تنبیہ: قبل ازیں بار بار اس طرف قارئین کی توجہ دلا چکا ہوں کہ شیعہ حضرات بھی اپنی کتابوں میں مذکور ہر روایت کو صحیح تسلیم نہیں کرتے، حتیٰ کہ صحاح اربعہ میں مذکور تمام روایات کو بھی صحیح اور حجت ماننے سے انکاری ہیں، حالانکہ ان کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ امام غائب حضرت مہدی نے "کافی" مؤلفہ محمد بن یعقوب کلینی کا مطالعہ فرمایا اور اس پر مہر تصدیق لگاتے ہوئے فرمایا: **هذا كاف لشيعتنا**۔ اور اسی طرح اہل السنت نے بھی کتب حدیث و روایت کی درجہ بندی کرتے ہوئے صحاح ستہ کو دوسری کتابوں پر ترجیح دی اور ان میں سے بخاری و مسلم کی متفق علیہ روایات کو۔ پھر "بخاری" کی انفرادی اور بعد ازاں "مسلم" کی انفرادی روایات کو راجح قرار دیا اور ان چھ کتابوں کو بھی صحیح اس معنی کے ساتھ نہیں مانتے کہ ان کی ہر روایت صحیح ہے بلکہ اکثر یت ان روایات کی درجہ صحت کو پہنچی ہوئی ہے، لہذا للاکثر حکم الکل کے تحت انہیں صحاح ستہ کہا گیا۔ کما حققہ المحدث الدہلوی فی اشعۃ اللمعات (مقدمہ جلد اول)
نیز یہ حقیقت بھی ملحوظ رہنی چاہیے کہ شیعہ مقام استدلال میں ہیں اور وہ خلافت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بلا فصل کے دعویٰ کو عقائدِ قطعیہ میں شمار کرتے ہیں، تو اس کے اثبات میں ایسا طرزِ استدلال اپنانا جو جدل بھی نہ کہلا سکے، قطعاً قابلِ التفات اور لائقِ اعتبار نہیں ہو سکتا، جبکہ جدلی قیاس مدعا کے ثبوت کا فائدہ بھی نہیں دیتا۔ صرف مخالف کے دفاع پر مشتمل ہوتا ہے۔ مدعائے قطعی کے اثبات کے لیے بہر حال بُرہانی قیاس کا ہی پیش کرنا لازمی ہوتا ہے اور جدلی قیاس کا بھی یہ مطلب نہیں ہوتا کہ فریقِ ثانی کی کسی کتاب کی کوئی روایت نقل کر دی، خواہ وہ اس کو ضعیف بلکہ موضوع اور من گھڑت ہی کیوں نہ تسلیم کرتے ہوں، بلکہ اپنی طرف سے دعویٰ کر دیا کہ یہ سُنّی ہے اور پھر بطورِ الزام اور جدل، اس کی روایات پیش کر دیں جیسے کہ خطیب خوارزم اور ابن ابی الحدید وغیرہ کے حق میں علماء شیعہ نے اسی کارستانی کا مظاہرہ کیا ہے۔ الحاصل ان معروضات کو ذہن نشین کر لینے کے بعد اب ڈھکو صاحب کے بیان کردہ ان قرائن کی حقیقت معلوم کریں۔

۱۔ ایسی کوئی روایت صحیح السند اور معتبر و مقبول کتب اہل سنت میں موجود نہیں، لہٰذا یہ دعویٰ، جب خود پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچ سکتا، تو اس کو قطعی قرینہ قرار دینا ایک مجنونانہ حرکت کے سوا کیا ہے؟ علامہ موصوف کے استدلال کا حاصل یہ ہوا کہ چونکہ اہلِ تشیع تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ کو صحابہ کرام نے بحکم حضور سید انام علیہ الصلوٰۃ والسلام، امیر المومنین کے لقب سے سلام کیا، لہٰذا اہل السنت کے نزدیک بھی قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ مولیٰ کا معنیٰ خلیفہ بلا فصل ہے ع

بریں عقل و دانش بباید گریست

۲۔ ابو نعیم نے حلیہ میں ذکر کیا ہے کہ لوگوں نے حضرت حسن مثنیٰ بن امام حسن بن حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم سے دریافت کیا کہ حدیثِ غدیر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافتِ بلا فصل پر تنصیص اور اس کی تصریح ہے یا نہیں؟ تو آپ نے فرمایا: لوکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اراد خلافتہ لقال ایھا الناس ھذا ولی امری والقائم علیکم بعدی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

فاسمعوا له واطیعوه ثم قال الحسن اقسم باللہ سبحانہ ان اللہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وسلم لو آثرا علیا لاجل ھٰذا الامر ولم یقدم علی کرم اللہ وجھہ علیہ لکان اعظم الناس خطأً۔ روح المعانی، ج ۶ ص ۱۷۵

"یعنی اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے کا ارادہ کیا ہوتا، تو آپ اس طرح فرماتے یہ میرا ولی الامر اور ولی عہد ہے اور میرے بعد تمہارے انتظام کا مالک اور قیم امر لہٰذا اس کے حکم کو قبول کرو اور اس کی اطاعت کرو۔ بعد ازاں حضرت حسن مثنّٰی نے قسم اٹھا کر فرمایا، اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے امرِ خلافت کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چن لیا تھا اور ان کی خلافت کا اعلان کر دیا تھا اور وہ وقت آنے پر خلافت کے لیے آمادہ نہ ہوتے اور امورِ سلطنت اپنے ہاتھ میں لینے کے لیے سعی اور جدوجہد نہ کی، تو یقیناً ان سے بڑا خطا کار اور گنہ گار کوئی نہیں ہو سکتا۔"

مقامِ غور ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی تہدید و تخویف اور رسالت کے سلب کرنے کی دھمکی دے کر اعلانِ خلافت کرانے کی کوشش کی گئی اور حضور نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے کارِ رسالت اکارت ہونے کے اندیشہ پر اعلان کیا تو کیا من کنت مولاہ فعلی مولاہ کہنے سے وہ مدعا پورا ہو گیا اور السلام علیک یا امیر المومنین کہلوانے سے وہ غرض پوری ہو گئی، جبکہ آلِ نبی اور آلِ علی رضی اللہ عنہم کے عظیم فرد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے داماد اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پوتے فرما رہے ہیں کہ خلافت کا اعلان کرنا ہوتا، تو اس کی صحیح صورت یہ تھی۔

۳۔ احتجاج طبرسی کے حوالے سے ذکر کر چکا ہوں کہ حدیثِ غدیر میں صرف خلافتِ مرتضوی کی طرف اشارہ اور کنایہ ہے، تصریح نہیں ہے اور تصریح نہ فرمانے کی وجہ یہ بیان کی کہ اگر تصریح فرماتے اور کہتے، لا تقلدوا الامامۃ الا ... بعینہ والا نزل بکم العذاب لاتاھم العذاب و

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نے الی باب الانتظار والامھال کرتم نے امامت وخلافت کی ذمہ داری صرف فلاں معین شخص کے ہی سپرد کرنی ہے، ورنہ تم پر عذاب نازل ہوگا، تو ضرور ان پر عذاب نازل ہو جاتا اور مہلت کا دروازہ بند ہو جاتا۔

مگر سوال یہ ہے کہ جس طرح رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم بطور اشارہ و کنایہ بھی کچھ کہنے کو تیار نہ تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے رسالت ختم کرنے کی دھمکی دے کر علی مولاہ کا اعلان کرالیا اور آپ بھی اعلان کر کے رسالت کے چھن جانے کے خطرے سے محفوظ ہو گئے، تو امت کو بھی اسی قسم کی دھمکی دے کر اقرارِ خلافت کرا لیا جاتا اور عذابِ الٰہی سے بھی بچا لیا جاتا۔ کیا رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کو دھمکی دینا جائز تھا؟ ۔ مگر امت کے لیے ایسی مشروط اور معلق دھمکی دینا روا نہیں تھا، نبی الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء کی کسرِ شان لازم نہ آئی اور امت کی کسرِ شان لازم آتی تھی؟ مالکم کیف تحکمون۔

نیز عذاب کی وعید نہ سنائی جاتی، خلافت کی تو تصریح کر دی جاتی اور کہا جاتا امرِ خلافت صرف فلاں معین شخص کے لیے ہے، اس میں تو تعریض اور اشارہ و کنایہ سے کام لے کر الجھن پیدا نہ کی جاتی۔ امت کو عذاب سے بچانا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت دلانے سے اگر زیادہ اہم ہی تھا، تو عذاب کی وعید سنائے بغیر بھی اعلانِ خلافت ہو سکتا تھا، کم از کم اس کی تصریح تو ہو جاتی اور غلط فہمیاں تو دور ہو جاتیں۔

الغرض خود اکابرینِ شیعہ جب تسلیم کرتے ہیں کہ یہاں صرف تعریض ہے اور انہیں مہلت دینے اور عذاب سے بچانے کے لیے اعلانِ صریح نہیں کیا گیا تھا، تو پھر السلام علیک یا امیر المومنین کہلانے کا مطلب کیا ہوا؟ کیا اس میں تعریض تھی اور تصریح نہیں تھی؟ گویا ڈھکو صاحب کا بیان کردہ یہ قرینہ نہ اہل السنت کے مسلمات سے ہے اور نہ ہی تمام شیعہ ہی اس کے قائل اور معترف ہیں، مگر نظر بدور ہے قطعی اور ناقابلِ ریب و شک۔

۴۔ اگر اعلانِ خلافت بھی ہو چکا تھا اور امارت پر مبارکبادیں بھی اور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

امیر المومنین کے لقب سے سلام کرنے کا حکم اور اس کی تعمیل بھی ہو چکی تھی، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کا کیا معنی ہے؟ سلمنا للہ امرہ ورضینا عن اللہ قضاءہ نظرت فی امری فاذا طاعتی قد سبقت بیعتی واذا المیثاق فی عنقی لغیری۔ نہج البلاغہ۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کے امر کو تسلیم کیا اور اس کی قضاء پر راضی ہوئے۔ میں نے اپنے معاملہ میں غور و فکر کیا، تو ناگاہ میری دوسرے خلفاء کے لیے اطاعت میرے اپنے بیعت لینے سے سبقت لے جا چکی تھی اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مجھے ان خلفاء کی تابعداری کا پابند کر دیا گیا تھا کیا اس سے بڑا استہزاء اور ٹھٹھا بھی کوئی ہو سکتا ہے کہ ایک طرف اعلان خلافت اور امیر المومنین کا لقب دے کر سلام کروائے جائیں اور دوسری طرف عہد و پیمان اطاعت لے کر ان کو دوسرے خلفاء کی پیروی اور فرمانبرداری کا پابند کر دیا جائے۔

۵۔ انصار نے جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زبانی حدیث رسول الائمۃ من قریش سنی، تو اس پر عمل کیا اور اپنے دعویٰ خلافت اور اپنے قول: منا امیر و منکم امیر سے دستبردار ہو گئے جو شیعہ اور اہل السنت دونوں کے نزدیک مسلم ہے اور ان کی کتب معتبرہ میں مروی و منقول ہے، تو آخر یہ اعلان خلافت اور سلام امارت اور اہتمام رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کیوں بھول گیا؟ مقام حیرت ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زبانی حدیث سنیں تو فوراً عمل کریں مگر زبان رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنیں اور اس اہتمام کے ساتھ سنیں پھر بھی اس کو نظر انداز کر دیں اور اس مبارکبادی وغیرہ کی بھی مطلق پرواہ نہ کریں۔ کیا ہے کوئی اہل تشیع میں جاگتے ضمیر والا جو اس اصل حقیقت اور ناقابل انکار و تردید واقعہ کو سامنے رکھ کر اس سبائی مفروضہ سے توبہ کرے اور حقیقت کا اعتراف و اقرار کرے۔

نیز اہل السنت کی معتبر ترین کتابوں یعنی بخاری وغیرہ میں منقول ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے مرض الوصال میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے امر خلافت کے متعلق دریافت کرنے کا مشورہ دیا لیکن آپ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اگر آپ ہمیں خلافت نہ دیں،

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تو پھر کبھی بھی خلافت لوگوں کی طرف سے ہمیں نہیں ملے گی' لہذا میں نہیں پوچھتا۔ اگر اعلانِ خلافت بھی ہو چکا اور مبارکبادیاں بھی دی جا چکی تھیں اور امیر المومنین کے لقب کے ساتھ علیک سلیک بھی ہو چکی تھی' تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اس مشورہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس جواب کا کوئی معنیٰ نہیں رہ جاتا۔ لہذا یہ قرینہ شیعہ وسُنی روایات بلکہ مسلمات کی رو سے انمل بے جوڑ، بے حقیقت، ناقابلِ اعتماد واعتبار اور سراسر لغو اور بیہودہ ہے اسے قرینہ کہنا بھی غلط ہے تا بہ قطعیت چہ رسد

تنزیہ الامامیہ
از علامہ ڈھکو صاحب

ساتواں قرینہ مَولیٰ بمعنیٰ اَولیٰ بالتصرف اور خلیفہ بلا فصل پر

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ جو کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درباری شاعر تھے۔ انہوں نے پورے واقعہ کو نظم کیا۔ اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے بھی اس حدیث سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اعلان ہی سمجھا تھا۔ آپ فرماتے ہیں ؎

فقال لہ قم یا علی فاننی رضیتک من بعدی اماما وھادیا

اے علی! اٹھو! میں نے تمہیں اپنے بعد لوگوں کا ہادی و رہنما منتخب کیا ہے۔

تحفہ حسینیہ
از ابوالحسنات محمد اشرف السیالوی

الجواب ومنہ الہام الصّواب

علامہ موصوف نے اپنے استدلال کا دارومدار اب حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب اشعار پر رکھا ہے' لیکن جب تک یہ ثابت نہ ہو کہ واقعی آپ کا کوئی دیوان ہے اور وہ تحریف وتبدیل اور زیادت ونقصان سے محفوظ ہے،

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اور اس میں الحاقی اور مصنوعی اشعار نہیں ہیں، اس وقت تک اس استدلال کی کوئی حیثیت نہیں ہو سکتی اور تعجب کی جا ہے کہ جن لوگوں کے نزدیک کلام اللہ کی صحت مشکوک ہے اور وہ اس کو تغییر و تبدیل سے محفوظ و مصئون تسلیم نہیں کرتے اور ہزاروں روایات ان کی معتبر ترین کتب مذہب میں ایسی موجود ہیں جو اس قرآن کو ناقابلِ وثوق قرار دیتی ہیں اور محرف و متغیر ٹھہراتی ہیں تو اسی اہلِ مذہب کے نزدیک دیوان حسان اور اُس کی نظمیں کیوں قابلِ وثوق ہو گئیں؟ لہٰذا جب تک اس نسبت کا درست ہونا اور اس کے مندرجات کا تغییر و تبدل سے محفوظ ہونا ثابت نہ کر دیا جائے، استدلال درست نہیں ہو سکتا۔

۲۔ اگر حضرت حسان رضی اللہ عنہ آپ کو بلا فصل خلیفہ اور امام و ہادی مان چکے تھے اور قصیدے بھی پڑھ چکے تھے، تو پھر ان کو مرتدین کے کھاتے میں کیوں ڈال دیا؟ اور ارتد الناس الا ثلاثۃ کی تیغ جفا سے اس قصیدہ خواں مرتضیٰ کی رگِ وفا کیوں کر کاٹ دی؟ اگر واقعی انہوں نے اسی معنیٰ میں آپ کو ہادی و رہنما سمجھا تھا جو شیعہ کا مدعا ہے، تو پھر ان پر فتوائے ارتداد کیوں؟ اور اگر یہ معنیٰ نہیں سمجھا تھا تو ان کے قول سے استدلال کیوں؟ اور اگر اپنے نظریہ سے منحرف ہو گئے تھے، تو دنیاوی منفعت اور مصلحت کونسی حاصل کی جس کے تحت دین کو قربان کر دیا یا ان کو خطرات کونسے درپیش تھے، جن کے تحت ڈر کر مارے جان کے خوف کے اپنے قصائد اور اظہارِ عقیدت کے برعکس ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ تسلیم کر لیا؟

۳۔ نیز اس قصیدہ میں اگر ثابت ہیں، تو امام اور ہادی کے الفاظ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے امام اور ہادی ہونے میں کسی کا فرکو نزاع و اختلاف ہے۔ اگر اختلاف ہے تو بلا فصل خلافت میں ہے اور امام و ہادی کے الفاظ اس پر دلالت ہی نہیں کرتے، چہ جائیکہ قطعی قرینہ بن سکیں کیونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس امت کے صلحاء کا فریضہ ہے اور عوام اہلِ اسلام پر اس کی تعمیل لازم ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام بھی ہادی اور امام بن کر تشریف لائے، مگر ان میں عظیم المرتبت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہستیاں ظاہری حکومت پر فائز نہیں تھیں اور بنی اسرائیل میں امام و ہادی رونما ہوئے مگر وہ حکمران اور خلفاء نہیں تھے۔ کما قال اللہ تعالیٰ وجعلنا هم أئمة يهدون بامرنا ہم نے ان کو امام بنایا جو ہمارے حکم سے لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے۔ الغرض انبیاء و رسل جو حکمران اور بادشاہ نہیں تھے اور دوسرے مذہبی رہنما جن کا تعلق بنی اسرائیل سے تھا، وہ سبھی امام اور ہادی تھے، لیکن ان کو خلیفہ اور وہ بھی بلافصل کہنا غلط ہے، تو پھر اس جگہ امام و ہادی کہنے سے قطعی قرینہ خلافت بلافصل کا کیسے ہاتھ لگ گیا؟

۴۔ نیز اسی موقعہ پر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث ثقلین بھی زبانِ اقدس سے بیان فرمائی کہ میں تمہارے اندر دو قیمتی چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ ایک قرآن اور دوسری اہل بیت اور جب تک ان کے ساتھ تمسک اور اقتداء کرتے رہو گے، ہرگز گمراہ نہیں ہوگے۔ تو اس حدیث میں آپ نے اس امر کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ جس طرح قرآن ہادی ہے، اسی طرح اہل بیت بھی ہادی ہیں، اور ہر حکمران جس طرح قرآن حکیم کے مطابق احکام نافذ کرنے کا پابند ہے، اسی طرح اہل بیت کرام اور بالخصوص حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مشوروں کے مطابق عمل کرنے کا پابند ہے۔ نیز کتبِ سماویہ ہادی بھی ہیں اور ان کو امام بھی کہا گیا ہے کما قال اللہ تعالیٰ، ومن قبله كتاب موسىٰ اماما ورحمة۔ وقال اللہ تعالیٰ ذالك الكتاب لاريب فيه هدًى للمتقين۔ حالانکہ ان کو خلیفہ کہنا بھی درست نہیں، چہ جائیکہ خلیفہ بلافصل۔

لہٰذا اس حدیث کی روشنی میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جو کچھ فرمایا، وہ اہل السنت کے مسلک کے عین مطابق ہے اور شیعی علماء کا اس کو اپنے مذہب پر قطعی دلیل بنانا تو دور کی بات ہے، اشارہ قرار دینا بھی درست نہیں ہو سکتا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرتِ علی رضی اللہ عنہ کو مشیرِ خاص بنانا، متعدد حوالہ جات سے واضح کیا جا چکا ہے، لہٰذا جو مقصد اس ارشادِ نبوی میں مضمر تھا، اس پر مکمل عمل درآمد کیا گیا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@ zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تنزیہ الامامیہ

آٹھواں قرینہ مولیٰ المعنیٰ اولیٰ بالتصرف اور خلیفہ بلا فصل ہے

اس اعلان کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جناب امیر کے دوستوں کے لیے دعائے خیر فرمانا اور مخالفین کے لیے بددعا کرنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ یہاں مولیٰ سے مراد اولیٰ بالتصرف ہی ہے جیسے کہ رسم ہے کہ اعلانِ ولی عہدی کے بعد اس قسم کی دعائیں کی جاتی ہیں، جن سے مقصد ولی عہد کی اطاعت کی ترغیب اور نافرمانی سے ترہیب ہوتی ہے۔ صـ ۱۵۳

تحفہ حسینیہ: الجواب وھو الملھم للصدق والصواب

علامہ ڈھکو صاحب قطعی قرآن اور شواہد بیان کرنے لگے تھے، لیکن اب ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کے مصداق تارہائے عنکبوت کا سہارا لینے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ چونکہ بعد میں یہ دعا ہے کہ اے اللہ! اس شخص کو دوست بنا جو علی کو دوست رکھتے اور ایسے دشمن رکھ جو علی سے دشمنی رکھے، لہٰذا اس سے ولی عہدی ثابت ہو گئی۔

۱۔ یہی دُعا تو اس ولی عہدی کے مخالف اور منافی قرینہ ہے، کیونکہ اگر ولیعہدی مقصود ہوتی، تو دعا یوں دی جاتی، اللھم وال من اطاعہ وعاد من عصاہ اے اللہ! جو ان کی اطاعت کرے، اُس کو محبوب بنا اور جو ان کے حکم کی خلاف ورزی کرے، اس کو اپنا دشمن بنا۔ جب محبت وعداوت کا ذکر کیا، تو معلوم ہوا کہ یہ ولی عہدی کا اعلان نہیں تھا بلکہ مخصوص محبت کے وجوب ولزوم کا اعلان تھا جو اصل قرینہ تھا بقول حضرت حسن مثنیٰ رضی اللہ عنہ کے وہ تھا فاسمعوا لہ واطیعوہ کہ یہ تمہارا مولیٰ اور ولی امر ہے اور قیّم امور، لہٰذا اس کی اطاعت کرنا اور اس کے احکام کو قبول کرنا، مگر اس کو تو یہاں ذکر نہ کیا گیا اور جو ذکر کیا گیا، وہ قرینہ ہی نہیں بن سکتا، تا بہ قطعیت چہ رسد۔

۲۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے من کنت مولاہ فعلی مولاہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے اعلان کے وقت ولایت ثابت ہو چکی، اسی لیے اس روایت میں من بعدی کا لفظ موجود نہیں ہے اور ولایت بمعنی التصرف تو اس وقت ہو ہی نہیں سکتی تھی ورنہ بیک وقت دو حکومتیں لازم آتیں، البتہ ولایت بمعنی محبت مخصوصہ ہو سکتی تھی اور یہ دونوں محبتیں جمع بھی ہو سکتی تھیں اور فعلی مولاہ کا جملہ اسمیہ ہونا جو دوام واستمرار کے لیے ہوتا ہے اور وہ بھی من کنت مولاہ کے استمرار و دوام کی طرح ولایت علی کے استمرار و دوام پر دلالت کرتا ہے، جو کہ اس امر کا قوی قرینہ ہے کہ یہاں ولایت بمعنی محبت ہے نہ کہ ولایت بمعنی خلافت جو کہ بعد از وصالِ نبوی حاصل ہونی تھی۔ کیا ہوش و حواس کے قائم ہوتے ہوئے اس دعا سے ولایت بمعنی خلافت بلا فصل پر ادنیٰ اشارہ بھی سمجھا جا سکتا ہے، چہ جائیکہ اس کو قطعی قرینہ تسلیم کر لیا جائے۔

نانواں قرینہ۔ مولیٰ المعنی اولیٰ بالتصرف و خلیفہ بلا فصل پر

اس آیت کے بعد تکمیل دین کا نزول جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے، اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ آج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت بڑے عظیم الشان فرض کی ادائیگی سے سبکدوش ہو رہے تھے، جس پر دینِ اسلام کی تکمیل کا دار و مدار تھا اور وہ امامت و خلافت علی ہی ہو سکتی ہے نہ اعلانِ محبت وغیرہ۔ صـ ۱۵۴

الجواب بفضل مفیض الخیر والسداد

ڈھکو صاحب کا یہ دعویٰ قطعاً غلط ہے کہ قول باری تعالیٰ، الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا کا نزول غدیر خم میں اعلانِ ولایت کے بعد ہوا، بلکہ عرفہ کے میدان میں نو ذوالحجہ بروز جمعہ اس کا نزول ہوا، لہٰذا اس پر خلافتِ مرتضوی کا اعلان مترتب کرنا قطعاً درست نہیں ہے اور اہل السنت کے کتبِ صحاح میں اس کی تصریح موجود ہے اور تمام مفسرین اور علماء اہل السنت کا اسی پر اتفاق ہے اور اگر شیعہ حضرات اس آیت کے غدیر خم پر

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نازل ہونے کے قائل ہیں تو ہمارے خلاف بطورِ الزام اور جدل ان کا یہ قول کیونکر پیش کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ نیز علماء شیعہ کا بھی اس پر اجماع و اتفاق ثابت نہیں۔ جیسے کہ تفسیر منہج اور مجمع میں منقول متعدد اقوال اس پر شاہد ہیں۔

۳۔ علامہ موصوف نے اعلانِ خلافت کو بہت ہی عظیم الشان فرض قرار دیا ہے۔ جب اعلان کی عظمت اتنی ہے، تو ظاہر ہے خلافت کی عظمت کیا ہو گی؟ حالانکہ شیعی نظریات اور مسلمات کے آئینہ میں دیکھیں اور شیعی مفروضات کو تسلیم کر لیں، تو امت کو اس خلافت سے ذرا بھر فائدہ نہیں پہنچا۔ پچیس سال کا عرصہ تو خلفاء ثلاثہ کی موافقت و متابعت اور ان کی خلافت کو خلافتِ الٰہیہ اور خلافتِ موعودہ قرار دیتے ہوئے گزر گیا اور اسی دوران بقول شیعہ قرآن بھی بدل دیا گیا اور شریعت کے دیگر احکام میں بھی ردو بدل ہوتا رہا، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ ٹس سے مس نہ ہوئے اور جب خلافت مل گئی، تو نہ اصلی قرآن دے سکے اور نہ خلفاء سابقین کی روش اور کردار کے خلاف کوئی اقدام کر سکے اور نہ ان کے جاری کردہ طور طریقوں کو بدل سکے، کیونکہ ہمیشہ یہی خطرہ و اندیشہ لاحق رہا کہ میرا لشکر مجھے چھوڑ نہ جائے اور میں تنہا نہ رہ جاؤں۔ دیگر احکام کو تبدیل کرنا تو دور کی بات ہے، تراویح چھڑوانا، جس میں سراسر بدنی راحت کا سامان موجود ہے، وہ بھی ممکن نہ ہوا، جیسے کہ علامہ ڈھکو صاحب اور اس کے طبیب روحانی نے خود تسلیم کیا ہے۔ رسالہ تنزیہ الامامیہ ص ۶۵ تا ۶۷ کا تفصیلی مطالعہ فرمائیں۔

لہٰذا اندریں حالات تمام اہلِ تشیع کے اعتراف کی رو سے جب خود خلافت مرتضوی اسلام اور امتِ مسلمہ کے لیے کسی فائدہ کا موجب نہ ہو سکی اور اسلامیانِ عالم کو اس سے ہدایت حاصل نہ ہو سکی، تو اس کے اعلان کو عظیم الشان فریضہ کی ادائیگی قرار دینا شیعی مسلمات کی رو سے کیونکر درست ہو سکتا ہے؟

پہلے انبیاء کرام علیہم السلام نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کے اعلان کے پابند تھے اور اس عظیم الشان فریضہ کو ہر ایک نے ادا کیا۔ پھر آپ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے ظہور پر واضح بھی ہو گیا کہ واقعی وہ رسول گرامی اسی اہتمام کے لائق تھے۔ لیکن شیعی روایات کو تسلیم کیا جائے، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں اسلام کی آبیاری کی بجائے اس کی جڑیں کھوکھلی ہوتی نظر آتی ہیں۔ جو لوگ اسلام کے خلاف تھے نعوذ باللہ وہ آپ کے امام تھے اور انہیں کے آپ وزیر و مشیر تھے، ان کو ہی رشتے دیے رہے تھے انہیں کی بیعت کو اپنی بیعت کی حقانیت اور درستگی کی دلیل بناتے رہے اور ان کو مقتدایانِ اسلام اور عظیم المرتبت مومن قرار دیتے رہے اور ان کو بے عیب، پاکدامن، راست رو اور سنت کا قائم کرنے والا وغیرہ قرار دیتے رہے، جس سے ان کی مکمل تائید اور موافقت پائی گئی اور علانیہ ایک جملہ بھی آپ ان کے خلاف نہ بول سکتے تھے اور نہ بولے۔ تو کیا شیعی مفروضات کے مطابق آپ کے ہاتھوں جب دینِ حق کی بنیادیں ہی کھوکھلی ہو گئی تھیں، تو اس خلافت کے اہتمام کا کیا مطلب؟ اور اس کے اعلان کے عظیم الشان فرض ہونے کا کیا مطلب ہو سکتا تھا۔

ہاں اہل السنّت اس خلافت مرتضویہ کو اپنے دور میں فی الجملہ عظیم الشان مانتے ہیں کیونکہ آپ نے ان کے نزدیک ذرہ بھر دین کی مخالفت برداشت نہیں کی اور اس کو منہاج النبوت کے مطابق چلایا اور اس میں کسی تعلق اور رشتہ داری کو حائل نہ ہونے دیا اور نہ ہی دین میں مداہنت اور بے جا رواداری کو برداشت کیا، خواہ اس کی کتنی ہی بھاری قیمت کیوں نہ ادا کرنا پڑی اور یہ خلافت امت کے حق میں نعمت بھی تھی اور قابلِ فخر بھی، لیکن وہ شورائی بھی اور چوتھے درجہ میں تھی اور اس میں خلفاء ثلاثہ اور بالخصوص شیخین کی روش و کردار کو برضا و رغبت اور بصد خلوص و محبت اپنایا گیا تھا، نہ اس میں تقیہ تھا اور نہ کتمانِ حق نہ مافی الضمیر کے مخالف و برعکس کا اظہار، لیکن شیعہ حضرات کے زعم و گمان کے مطابق، آپ بظاہر خلفاء سابقین کی مدح و ستائش کرتے اور ان کی سیرت و کردار کو اپناتے اور خواص میں ان کو مرتد اور دین کو تباہ کرنے والے قرار دیتے اور اس طرح آپ نے گویا دو اسلام جاری کیے ایک ظاہری اور علانیہ۔ دوسرا مخفی اور پوشیدہ جو خواص تک محدود رہا اور نعوذ باللہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

فرقہ بندی اور اختلاف و انتشار کے وہ بیج بوئے کہ قیامت تک ان سے پیچھا چھڑانے کی عالمیانِ اسلام میں ہمت نہیں ہو سکتی، لہٰذا اگر شیعی مفروضات درست ہیں تو وہ خلافت نہ امت و اسلام کے لیے رحمت اور نہ اس کا اعلان کوئی اہم فریضہ تھا اور اگر وہ رحمت تھی اور سراسر رشد و ہدایت کا موجب تھی، تو پھر شیعی مفروضات غلط ہیں اور اُن کا یہ پرچار حضرتِ امیر رضی اللہ عنہ کی تنقیص و توہین کا موجب ہے۔

نیز جس طرح اعلانِ ولایت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اہم فریضہ تھا اسی طرح خلافت بلا فصل کا دعویٰ اور اس کی خاطر ہر قسم کی تکالیف برداشت کرنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فریضہ تھا۔ بقول ڈھکو صاحب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو اس اعلان کے بعد عظیم الشان فرض کی ادائیگی سے سبکدوش ہو گئے، مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر جو بارِ گراں خلافت والا ڈالا گیا تھا، تو اس فرض سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کب سبکدوش ہوئے؟ خود ان کے پوتے نے فرمایا کہ اگر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمِ خداوندی سے آپ کی خلافت کا اعلان کیا تھا، تو اس کا دعویٰ نہ کرکے اور اس کے حصول کی خاطر کوئی اقدام نہ کرکے آپ بہت بڑے مجرم اور گناہ گار ٹھہرے۔ مگر علامہ صاحب کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گنا ہگاری کی پروا نہیں، صرف خلفاء ثلاثہ غاصب ثابت ہو جائیں، تو مدعا پورا ہو جائے گا، یعنی شیطان اور ابنِ سبا کی خوشنودی حاصل ہو جائے اور بس۔

قرآن مجید ایسے عظیم فریضہ اور مدارِ اسلام کے بیان سے خاموش کیوں ہے؟

۴۔ علامہ ڈھکو صاحب نے اعلانِ ولایت کو عظیم الشان فریضہ کی ادائیگی اور اس سے سبکدوشی قرار دیا، حالانکہ خلافت و امامت واقعی اگر فرائضِ اسلام میں سے اہم عقیدہ اور ایمان کے ارکانِ خمسہ توحید۔ عدل۔ نبوت۔ امامت اور قیامت میں سے چوتھا اہم رکن تھا، تو کہیں اس کی تصریح قرآن مجید میں بھی ہونی چاہیے تھی؛ کیونکہ اصل سرچشمۂ ہدایت وہی ہے اور اگر فریقین میں قدرِ مشترک کوئی ہو سکتا ہے تو وہ بھی قرآن مجید ہے اور شیعہ حضرات کے مہدی علیہ السلام کے ظہور تک تو لازماً اسی پر اعتماد کرنا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

پڑے گا اور اس میں متعدد جگہ اصولی عقائد اور فرائض اسلام کو بڑی صراحت اور وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، لیکن بارہ ائمہ کی خلافت کا اور بالخصوص حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اس میں کہیں تذکرہ نہیں ہے اور نہ اس عظیم الشان فریضہ کو صاف اور واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ ایک طرف اہمیت اس قدر ہو اور دوسری طرف اس کے بیان اور تصریح سے اجتناب کی کیفیت ہو تو یہ قابل فہم اور لائق تسلیم نہیں ہے۔

ا۔ متقین اور مخلصین کی وضاحت کرتے ہوئے قرآن مجید نے ایمان بالغیب، اقامت صلوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ، قرآن مجید اور کتب سابقہ کی تصدیق اور آخرت پر یقینِ کامل کی صفات گنوائی ہیں، مگر خلافت وولایت کا ذکر نہیں فرمایا۔

ب۔ ایمان رسول اور مومنین کے ایمان کے متعلقات بیان کرتے ہوئے فرمایا، کل آمن باللہ وملئکتہٖ وکتبہٖ ورسلہٖ۔ یہاں بھی توحید و رسالت اور کتب وملائکہ کا ذکر نہیں ہے۔

ج۔ مومنین کی فلاح ونجات پر مشتمل خصائل حمیدہ اور اخلاقِ عالیہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: قد افلح المومنون الآیہ اس میں بھی نماز میں خشوع۔ لغویات سے اعراض، ادائیگی زکوٰۃ، زنا اور بدکاری سے اجتناب، حفظِ امانت رعایتِ عہد اور محافظتِ صلوات کو ذکر فرمایا، لیکن خلافتِ علی اور ائمہ اثنا عشریہ کو یہاں بھی شرطِ فلاح ونجات نہ ٹھہرایا۔ وغیر ذالک من الآیات۔

د۔ اگر خلافت کا تذکرہ ہے، تو اس میں نہ بارہ ائمہ کا بالعموم تذکرہ اور نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بالخصوص ذکر ہے، بلکہ عام مومنین کے ساتھ وعدۂ استخلاف ہے۔

ھ۔ اگر اطاعت وفرمانبرداری میں اللہ تعالیٰ اور رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اولی الامر کا ذکر ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔ تو اس میں بھی نہ بارہ کا ذکر نہ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا، بلکہ منکم فرما کر اس تخصیص کو تقریباً ختم ہی کر دیا۔ کیونکہ حکمِ اطاعت جن کو ہے، انہی میں سے اُولی الامر کی اطاعت لازم کی گئی ہے نہ کہ اولی الامر من آل

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

الرسول یا من اہل البیت کی اطاعت لازم کی گئی ہے۔ نیز اگر امام خمینی صاحب اولی الامر میں داخل ہو سکتے ہیں تو خلفاء ثلاثہ کیوں داخل نہیں ہو سکتے؟

و۔ اگر ولایت کا ذکر کیا گیا ہے، تو وہ بھی عمومی انداز میں مثلاً انما ولیکم اللہ ورسولہٗ والذین آمنوا الآیہ اس میں نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تصریح اور نہ بارہ میں حصر کا نام ونشان، جبکہ والذین آمنوا کے عموم میں لاتعداد حضرات داخل ہو سکتے ہیں اور عام لفظ کو اپنے عموم پر رکھنا بھی لازم ہے۔

ز۔ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک الآیہ میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر ائمہ کی امامت وخلافت کی تصریح نہیں، بلکہ داخلی اور خارجی قرائن کی رو سے اس خلافت کے ساتھ اس کا قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے اور جب تک ضعیف بلکہ موضوع روایات کو اور شانِ نزول پر مشتمل اخبار و حکایات کو ساتھ شامل نہ کیا جائے۔ کسی آیت سے اس عظیم فریضہ کی طرف اشارہ بھی معلوم نہیں ہوتا ع۔ یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟ اگر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جان کا ڈر اور خوف تھا، نعوذ باللہ! تو اللہ تعالیٰ کو کس سے ڈر تھا اور کس کا خوف تھا؟ تو اس نے اپنے کلام میں اس کی صراحت کیوں نہ کر دی؟

۵۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت کے اعلان کو لازم فرمایا، تو آپ نے دنیائے کفر کی مخالفت ومخاصمت اور مدافعت کو خاطر میں لائے بغیر اس کا اعلان کیا جس میں کوئی التباس واشتباہ نہ ہا لیکن وہ فریضہ جو اس اعلانِ رسالت والے فریضہ کی روح اور جان تھا اور اس کا دارومدار تھا۔ اس کا اعلان ایسے انداز میں کیا گیا کہ اِدھر اُدھر سے قرائن ملا ملا کر اس کے ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، مگر پھر بھی بات نہیں بنتی اور وہ خلافت اس اعلان سے ثابت نہیں ہوتی اور شبیرِ شمشیر زن، خیبر شکن اور مظہرِ قوتِ پروردگار جن کی جرأت وشجاعت اور بسالت کے سامنے سیدِ کائنات بھی رشک کریں (مناقب ابن شہر آشوب)، وہ بھی خاموش ہیں۔ شیعہ کہتے ہیں آپ قتل اور موت سے ڈر گئے تھے اور وہ آپ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کہتے ہیں، میں اللہ تعالیٰ کے امر و قضا کے سامنے سرِ تسلیم خم کئے ہوئے ہوں ع

یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟

کیا ایسے فرائض جو جانِ فرائض اور مدارِ رسالت ہوں، ان کے ساتھ یہی سلوک ہونا چاہیے جو اللہ تعالیٰ، رسولِ خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کیا ہے؟ لہٰذا روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ نہ خلافتِ بلافصل ہی فرائضِ اسلام میں داخل تھی اور نہ اس کا اعلان کیا۔

دسواں قرینہ، مولیٰ بمعنیٰ بلا فصل پر

خود امیر المومنین کا مختلف مقامات پر اپنی خلافت و امارت کے اثبات میں اس حدیث شریف یعنی من کنت مولاہ فعلی مولاہ کو پیش کرنا اور اس کے ساتھ تمسک کرنا بھی اس بات کا قطعی قرینہ ہے کہ یہ حدیث آنحضرت کی خلافت بلافصل کی دلیل جمیل ہے۔ تنزیہ الامامیہ صـ۱۵۳

الجواب بتوفیق الملک الوہاب

علامہ صاحب نے شرح حدیدی وغیرہ کے حوالے سے حضرت امیر المومنین کا اس حدیث کے ساتھ استدلال کرنا ثابت کیا ہے، مگر دریافت طلب امر یہ ہے کہ آپ نے اس حدیث کو کس انداز میں پیش کیا تھا۔ اگر اس انداز میں کہ اس حدیث کی رُو سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری خلافت بلافصل کا اعلان فرما دیا تھا اور تم نے میری خلافت و امامت کا اقرار کر لیا تھا اور تم نے مجھے امیر المومنین بن جانے کی مبارکباد دی تھی، تو ڈھکو صاحب اس کو قطعی قرینہ بنانے میں حق بجانب ہوتے۔ بشرطیکہ کتابیں اہل السنت کی بھی ہوتیں اور ان کے ہاں قابلِ قبول بھی، مگر یہ سراسر جھوٹ اور کذب بیانی ہے، نہ اس انداز میں حضرتِ امیر نے اسکا تذکرہ کیا اور نہ ہی شرح حدیدی وغیرہ اہل السنت کی کتابیں ہیں اور اگر آپ نے اس انداز میں ذکر فرمایا تھا کہ تم میں کوئی شخص ایسا ہے جس کے متعلق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو: من کنت مولاہ فعلی مولاہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تو واقعی شرح حدیدی وغیرہ میں اس کا تذکرہ ہے لیکن اس صورت میں اس سے استدلال اور اس کو قطعی قرینہ بنانا بوجوہ باطل ہو جائے گا۔

اوّل: آپ نے اس کو تعداد فضائل کے طور پر ذکر کیا، اگر اس میں ہی آپ کی خلافت کا اعلان تھا اور اس کے ذریعے آپ کے امیر ہونے کا عہد و پیمان تو آپ بھی اس کو اثباتِ خلافت اور اعلانِ حکومت کے طور پر پیش کرتے۔ حالانکہ آپ نے محض بیانِ فضیلت کے لیے اس کا ذکر کیا ہے اور اس حدیث کا فضائلِ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں داخل ہونا محلِ بحث اور نزاع نہیں ہے۔

۲۔ علامہ موصوف اگر دیانت سے کام لیتے، تو انہیں یہ صراحت بھی کرنی چاہیے تھی کہ ان فضائل اور استحقاقِ خلافت کے وجوہ و اسباب کا آپ نے کس وقت ذکر کیا؟ حضرت صدیق اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہما کے دور میں قطعاً ان فضائل سے تمسک اور استدلال نہیں فرمایا۔ حالانکہ اگر اس حدیث میں خلافت بلافصل کا اعلان تھا، تو اس سے استحقاقِ خلافت پر استدلال بھی بلافصل ہونا چاہیے تھا نہ کہ اربابِ شوریٰ کے سامنے جنہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بمع حضرت امیر رضی اللہ عنہما کے نامزد کر دیا تھا۔ آخر اس تاخیر اور التوا کی وجہ کیا ہے؟

۳۔ اگر یہ استدلال شیخین کی خلافت کے مقابلہ میں ہوتا، تو آپ ان کو خلافت کا اہل اور مستحق تسلیم نہ فرماتے اور اپنے استحقاق اور اہلیت کی نفی نہ کرتے حالانکہ متعدد روایات اور اخبار آپ سے اس مضمون کی مروی اور منقول ہیں جو کہ اسی شرح حدیدی وغیرہ میں مذکور ہیں۔

۱۔ جب جناب ابوسفیان نے حضرتِ امیر رضی اللہ عنہ سے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھانے کو عرض کیا، تو آپ نے فرمایا:

انك تريد امرا لسنا من اصحابه وقد عهد الىّ رسول الله صلى الله عليه وسلم عهداً فانا عليه فتركه ابوسفيان وعدل الى العباس بن عبد المطلب فى منزله فقال يا ابا الفضل انت احق بميراث ابن اخيك امدد يدك

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

لا یایعک فلا یختلف علیک الناس بعد بیعتی ایاک فضحک العباس وقال یا ابا سفیان یدفعها علی ویطلبها العباس؟ فرجع ابو سفیان خائبا۔ شرح ابن ابی الحدید جلد ۶ ص ۱۸

"اے ابوسفیان! تو ایک ایسے امر کا ارادہ رکھتا ہے، جس کے ہم لائق اور مالک نہیں ہیں اور تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے عہد لیا تھا، میں اسی پر قائم ہوں۔ ابوسفیان آپ سے الگ ہوا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی طرف مائل ہوا اور ان کے گھر جا کر ان کو عرض کیا: اے ابوالفضل! تم اپنے بھتیجے کی وراثت کے زیادہ حقدار ہو، ہاتھ بڑھاؤ تاکہ میں تمہارے ہاتھ پر بیعت کروں، میری بیعت کے بعد لوگ آپ کے ساتھ بیعت کرنے میں اختلاف نہیں کریں گے۔ یہ سن کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہنس پڑے اور کہا اے ابوسفیان! اس بیعتِ خلافت کو علی بن ابی طالب ٹھکرا دیں اور عباس اس کو طلب کریں، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تو ابوسفیان ناکام اور بے نیلِ مرام واپس ہوتے۔"

ب۔ جناب ابوسفیان کے ایسے ہی ایک مطالبہ کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ملاحظہ ہو کتاب السقیفہ للجوہری شرح حدیدی۔

طالما غششت الاسلام واھلہ فما ضررتھم شیئا لاحاجۃ لنا الی خیلک ورجلک لولا انا رأینا ابا بکر لھا اھلا لما ترکناہ۔ اے ابوسفیان تو نے بہت دفعہ اسلام اور اہلِ اسلام کو دھوکہ دیا، لیکن انہیں ذرہ بھر نقصان نہ پہنچا سکا، ہمیں تیرے سواروں اور پیادوں کی امداد و اعانت کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ہم ابوبکر کو امارت و خلافت کے اہل اور لائق نہ سمجھتے، تو اسے کبھی اس منصب پر قائم نہ رہنے دیتے۔ جلد ثانی ص ۴۵

ج۔ قبل ازیں نہج البلاغہ کے حوالہ سے اسی مطالبے کے جواب میں آپ کا یہ فرمان گزر چکا کہ میرا ابھی خلافت کا وقت ہی نہیں ہے اور یہ دعویٰ کرنا کچا پھل توڑنے اور غیر کی زمین میں کھیتی باڑی کرنے کے مترادف ہے وغیر ذالک من الخطبات۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

الغرض آپ کا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت کی اہلیت اور حقداری تسلیم کرنا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ آپ نے اس دور میں اس قسم کا استدلال پیش نہیں کیا اور یہ دعویٰ خلافِ درایت بھی ہے اور خلافِ روایت بھی اور کسی لحاظ سے بھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو بھی آپ نے خلافتِ موعودہ اور اللہ تعالیٰ کی موہوبہ خلافت قرار دیا، لہٰذا اس دور میں ایسا استدلال نہ از روئے روایت درست، نہ از روئے درایت صحیح۔ رہی کبیدگی خاطر جو ابتدائی ایام میں حضرت امیر اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہما کے درمیان تھی، تو وہ امرِ خلافت میں نہ تھی بلکہ برادرانہ شکر رنجی تھی، جس کا باعث اور موجب یہ تھا کہ مجھے مشورہ میں کیوں شامل نہیں کیا گیا اور اس قدر غیر اہم کیوں سمجھ لیا گیا، جس کا عذر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے بیان کر دیا اور حضرت امیر نے قبول کر لیا اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے علی الاعلان بیعت کر کے سب غلط فہمیوں کی بنیاد ہی ختم کر دی۔ بخاری شریف اور مسلم شریف میں اس کی تفصیل مروی و منقول ہے اور بیان کی جا چکی ہے۔

لیکن اس جگہ شرح حدیدی کے حوالے سے عرض کرتا ہوں،

قال علی والزبیر ما غضبنا الا فی المشورۃ وانا لنری ابابکر احق الناس بھا انہ لصاحب الغار وانا لنعرف لہ سنہ ولقد امرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالصلوٰۃ بالناس وھو حی — جلد ثانی صفحہ ۵ شرح حدیدی بحوالہ کتاب السقیفہ لاحمد بن عبد العزیز الجوہری۔

حضرت علی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے کہا ہمیں صرف مشورہ میں شامل نہ کیے جانے پر ناراضگی تھی اور یقیناً ہم ابوبکر کو سب لوگوں سے زیادہ خلافت و امارت کا اہل اور حق دار سمجھتے ہیں۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یارِ غار ہیں۔ اور ہم ان کی عمر رسیدگی اور بزرگی کے معترف اور قائل ہیں اور بخدا ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ میں لوگوں کو نماز پڑھانے پر مامور فرمایا۔ الغرض واضح ہو گیا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو کبھی بھی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

پر خلافت کی اہلیت اور حقداری میں سبقت اور تقدم کا دعوٰی نہیں رہا اور آپ نے ان کے خلافت کے لائق اور اہل نہ ہونے کا کبھی دعوٰی نہیں کیا، لہذا ان کے مقابل ایسے استدلال پیش کرنے کا کوئی معنی نہیں ہو سکتا۔

۴۔ اگر از روئے روایات اس قسم کے استدلال کا ذکر ملتا ہے، تو مجلس شوریٰ میں جبکہ ان چھ ارکان میں سے کسی ایک کو خلافت کے منصب پر فائز کیا جانا تھا تو اس وقت آپ نے اپنے فضائل بیان کیے اور دوسرے حضرات پر اپنی سبقت اور موزونیت بیان فرمائی، لیکن وہ بھی اس حدیث کے نص خلافت ہونے کے لحاظ سے نہیں، ورنہ آپ کا پہلے خلفاء کی خلافت پر اعتراض لازم آتا اور آپکا شوریٰ میں شمولیت فرمانا ہی غلط ہو کر رہ جاتا اور آپ سراسر تضاد کا شکار ہو جاتے، کیونکہ اس حدیث میں آپ کی خلافت بلا فصل ثابت تھی، تو پہلے خلفاء خلفاء نہیں تھے اور نہ ان کی اطاعت ہی درست تھی۔ شوریٰ کا انعقاد بھی غلط تھا اور اس کا رکن بننا بھی اور اگر وہ سب صحیح تھا، تو اس حدیث کا معنی 'خلیفہ بلا فصل نہ ہونا مسلّم ہو گیا' پھر تیسرے نمبر پر اس کو دلیل بنانے کا کیا مطلب تھا؟ الغرض اس کا تذکرہ بطور تعداد فضائل کیا اور جب دوسرے حضرات نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلافت کے لیے منتخب کر لیا، تو آپ نے بھی ان کی خلافت کو تسلیم کر لیا' جیسے کہ نہج البلاغۃ میں ہے، واللہ لاسلمن ما سلمت امور المسلمین۔ بخدا میں اس خلافت کو تسلیم کروں گا اور کرتا رہوں گا، جب تک اہل اسلام کے معاملات صحیح طریقہ پر انجام پذیر ہوتے رہیں۔ جلد ۱، صفحہ ۱۴۶

لہذا اس وقت بھی آپ کا اکثریتی فیصلہ تسلیم کر لینا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لینا اس حقیقت کا واضح اعتراف ہے کہ اس حدیث غدیر کی رو سے آپ کی خلافت ہی ثابت نہیں ہوتی، چہ جائیکہ بلا فصل اور نہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ مقصد تھا، جو سبائی ذہنیت نے اختراع کیا، ورنہ بقول حضرت حسن مثنیٰ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے زیادہ خطا کار کوئی نہیں ہو سکتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو خلیفہ بنائیں اور آپ دوسروں کو امامت وخلافت کا اہل اور حقدار تسلیم کریں اور ان کی بیعت کرتے پھریں اور ان کی شوریٰ میں شامل ہو جائیں۔ پھر اس کے فیصلہ کو تسلیم کرلیں، حالانکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا بھی تھا کہ شوریٰ میں شامل نہ ہونا، مگر آپ کا جواب یہ تھا کہ میں اختلاف کو پسند نہیں کرتا تو جو ہستی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد بھی ان کے حکم کی تعمیل فرماتے اور اس کی مخالفت گوارا نہ کرے۔ کیا وہ ان کو غاصب و ظالم سمجھ سکتے تھے اور اس پس منظر میں کیا کوئی عقلمند یہ باور کر سکتا ہے کہ آپ کے نزدیک حدیثِ غدیر کا یہی معنی تھا جو ابن سبا اینڈ کمپنی نے تیار کیا ہے؟ ورنہ لازم آئے گا کہ آپ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت تو برداشت کر سکتے تھے، مگر صحابہ کی مخالفت برداشت نہیں کر سکتے تھے، تو اس سے بڑھ کر بھی کوئی گناہگاری ہو سکتی ہے؟

ابن ابی الحدید کا اثنا عشریہ پر ردّ و انکار

علامہ ڈھکو صاحب نے امیر المومنین کے لقب سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سلام کرائے جانے کا اور حدیثِ غدیر سے خلافت پر استدلال کی نسبت حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی طرف کرتے وقت شرح حدیدی جلد ۲ ص ۶۱ کا حوالہ دیا ہے، حالانکہ وہاں بالکل ایسی بحث موجود ہی نہیں ہے۔ البتہ اس سے چند صفحات پہلے اس مبحث کو اس انداز میں ذکر کیا ہے کہ اثنا عشری شیعہ کا حدیثِ منزلت اور حدیثِ غدیر سے خلافتِ امیر رضی اللہ عنہ پر استدلال غلط ہو جاتا ہے اور لوگوں سے آپ کے لیے بیعت لینے اور آپ کی ولایتِ عہد کا اقرار کرانے اور امیر المومنین کے لقب سے سلام کرانے کا حقیقت اور واقعہ سے کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکہ جو شخص بھی نبی محتشم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد امرِ خلافت میں صحابہ کرام کے نزاع و اختلاف کو دیکھے اور انصار کے مدعی خلافت بننے اور قریش و مہاجرین کے قرابتِ نبوی کے تحت استحقاقِ خلافت کا اپنے اندر منحصر کرنا ملحوظ رکھے۔ پھر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل یعنی سبقتِ اسلام۔ یارِ غار ہونے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اور امامِ نماز ہونے سے استدلال کو مدِ نظر رکھے، تو اثنا عشری شیعہ کے دعووں کی کوئی حقیقت معلوم نہیں ہوتی۔ لاریب ان المنصف لما سمع ماجری لھم بعد وفات رسول اللہ یحکم قطعا انہ لم یکن ھذا النص ج ۲۔ صفحہ ۵۹ ۔ یعنی اس میں شک و شبہ نہیں کہ کوئی بھی انصاف پسند شخص جب بھی وصالِ نبوی کے بعد صحابہ کرام کو پیش آنے والا باہمی معاملہ اور ان کا مباحثہ سنے تو وہ بالیقین اسی نتیجہ پر پہنچے گا کہ خلافتِ مرتضوی یا خلافتِ صدیقی کے بارے میں کوئی صریح اور واضح اور ناقابلِ شک واحتمال روایت موجود نہیں تھی۔

الغرض اس سے آپ ڈھکو صاحب کی دیانت داری کا بچشمِ خود مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ شرح حدیدی میں لکھا گیا ہے اور جنابِ والا اس کو پیش کس طرح کر رہے ہیں۔
الحاصل آپ نے یہاں تک ڈھکو صاحب کے پیش کردہ دس قرائن اور شواہد کا حال معلوم کر لیا، جن میں سوائے تحکم اور سینہ زوری یا صرف لفاظی اور شاعرانہ تخیل کے کچھ نہ تھا اور واقعات و حقائق سے انہیں دُور کا بھی تعلق نہیں تھا اور منصف و دیانت دار شخص ایسے امور کو قرائن اور اشارات کہنا بھی پسند نہیں کرتا، جن کو بزعمِ خویش مجتہد اور حجۃ الاسلام نے قطعی قرائن اور شواہد بنا کر پیش کیا ہے۔

معیارِ صحت برائے روایات

تنبیہ: علامہ ڈھکو صاحب نے ان دس عدد قرائن کو بیان کرتے وقت متعدد کتابوں کے نام ذکر کیے ہیں، جن میں اکثر تو ان کے اپنے مذہب کی تھیں، مثلاً شرح حدیدی مروج الذہب للمسعودی۔ ینابیع المودت۔ مناقب خطیب خوارزم اور سرِ مکتوم وغیرہ جو ازرہِ تقیہ اہلِ سنت کی ظاہر کر کے حوالے دے دیئے اور بعض ایسی ہیں جو غیر معروف اور غیر متداول قسم کی کتابیں ہیں، جن کا معیارِ صحت یہ ہے کہ مستند اور متداول کتب کے مطابق ہوں تو درست اور مخالف ہونے کی صورت میں غلط اور ناقابلِ اعتماد و اعتبار اور یہی حال ان معروف کتب کا ہے، جن کے مصنفین نے روایات کی صحت اور قوت کا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

التزام نہیں کیا، مثلاً تاریخ طبری، درمنثور وغیرہ بلکہ اس عنوان پر جس قسم کی روایات ملیں، ان کو درج کر دیا اور سند ساتھ ذکر کر دی یا ماخذ کا حوالہ دے دیا تاکہ اسانید کی رو سے صحت وسقم کا فیصلہ ناظرین خود کر لیں۔

لہٰذا ان میں بھی فیصلہ کن امر یہی ہے کہ جو روایات صحاح اور شیخین یعنی بخاری اور مسلم کی روایات کے خلاف نہ ہوں، وہ مقبول ہیں، ورنہ ناقابل قبول اور خود شیعی علماء کو اعتراف ہے کہ ان کی اپنی صحاح اربعہ میں منقول ومرقوم روایات بھی ساری صحیح نہیں ہیں، حالانکہ کافی کے متعلق بقول علماء شیعہ حضرت مہدی علیہ السلام کی مہر تصدیق بھی موجود ہے جیسے کہ کافی کے سرورق پر ان کا یہ دعویٰ مرقوم ہے، قال امام العصر وحجة الله المنتظر علیه سلام الله الملك الاكبر فی حقه هٰذا كاف لشيعتنا۔ اور اسی لیے انہوں نے بھی ہمارے ائمہ حدیث اور ارباب جرح وتعدیل کی تقلید کرتے ہوئے اپنی کتب احادیث کی درجہ بندی کی ہے اور ان میں مرقوم ومنقول احادیث وروایات کی بھی درجہ بندی کی ہے اور اسماء رجال میں کتابیں تالیف کی ہیں اور اپنے راویوں پر جرح وتعدیل کی ہے۔

الغرض جب شیعہ علماء کے نزدیک یہ امر مسلم ہے کہ ہر روایت جو شیعہ مذہب کی کتابوں میں مذکور ہو تو ضروری نہیں کہ وہ صحیح بھی ہو تو دوسروں کو اس طرح تمیز اور تحقیق صحت کا حق کیونکر نہیں دیا جاتا، جو اس فن میں امام اور مقتدا ہیں، اور ستم بالائے ستم یہ کہ اپنی کتابوں کی نسبت ہماری طرف کر کے ہمارے خلاف الزامی کارروائی کی جاتی ہے۔ کما سبق منا تحقیقہ مرارًا۔

تنقیح دعویٰ اور مولیٰ بمعنیٰ اولیٰ میں منشاء غلط

علامہ موصوف کے بیان کردہ قرائن اور پیش کردہ روایات کی حقیقت جب ہدیہ ناظرین ہو چکی، تو ہم اب ان کے اس دعویٰ کی حقیقت واضح کرنا چاہتے ہیں کہ حدیث غدیر میں مولیٰ بمعنیٰ اولیٰ بالتصرف ہی ہے تاکہ اس وہم کا ازالہ ہو جائے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کہ دلیل کے بطلان سے دعویٰ کا بطلان لازم نہیں آتا، بلکہ ممکن ہے کوئی دوسری دلیل موجود ہو جو اس کے اثبات کا فائدہ دے، کیونکہ جب ناظرین کرام یہ دیکھ لیں گے اور ان پر روزِ روشن کی طرح یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ مولیٰ بمعنیٰ اولیٰ ہی ثابت نہیں، تو پھر اس کے تعین پر اور مولیٰ کے دیگر معانی پر اس کی ترجیح کا دعویٰ کیونکر کیا جا سکتا ہے۔ حالانکہ شیعی فاضل نے اس کا چوبیس معانی میں اشتراک تسلیم کیا ہے۔

فائدہ عظیمہ: ا۔ علامہ ڈھکو صاحب نے مولیٰ بمعنیٰ اولیٰ بالتصرف پر کوئی لغوی شہادت پیش نہیں کی۔ ظاہر ہے کہ قول باری تعالیٰ وَمَاوٰکُمُ النَّارُ هِیَ مَوْلٰکُمْ کو ہی اس کی دلیل بنایا ہے کہ اس آیتِ کریمہ میں مولیٰ بمعنی دوست تو ہو نہیں سکتا اور خود اہل السنت کے مفسرین نے اس کا معنیٰ اَولیٰ بِکُمْ کیا ہے، لہٰذا مولیٰ بمعنی اَولیٰ ثابت ہو گیا اور جب اتنا قدر ثابت ہو گیا اور یہ خود واضح تھا کہ آگ جہنمیوں میں تصرف کریگی، لہٰذا ساتھ بالتصرف بھی ملا دیا اور اس طرح مولیٰ بمعنیٰ اولیٰ بالتصرف ثابت ہو گیا، لیکن علامہ صاحب نے اس میں لغت عربی میں لفظ کے موضوع لہ معنی اور بطورِ مجاز مستعمل فیہ معنیٰ میں فرق نہیں کیا، لہٰذا یہاں پہ ساری تقریر کو امرِ فاسد پر موقوف کر دیا گیا ہے۔ اگر لغتِ عرب میں مولیٰ بمعنیٰ اولیٰ ہو تو اولیت بیان کرتے وقت هٰذا اولی بذالك من فلان کی جگہ هٰذا مولی بذالك من فلان درست ہونا چاہیے، حالانکہ اہلِ لغت کے نزدیک بالاجماع اس طرح کہنا غلط اور باطل ہے اور ڈھکو صاحب اپنے رسالہ میں جب تسلیم کر چکے کہ لفظِ مولیٰ مشترک ہے، تو اس پر کتبِ لغت سے استدلال کرنا لازم تھا اس مقام پر حضرت علامہ سید محمود آلوسی بغدادی کی تحقیق ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہے تاکہ اس دلیل کا فسادِ مبنیٰ اور بطلانِ مدار واضح ہو جائے۔ لا یخفی ان اول الغلط فی هٰذا الاستدلال جعلهم المولیٰ بمعنی الاولیٰ وقد انکر ذالك اهل العربیة قاطبة بل قالوا المجیٔ مفعل بمعنی افعل اصلا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ولم یجوز ذالک الا ابو زید اللغوی متمسکاً بقول ابی عبید فی تفسیر قوله تعالیٰ "ھی مولٰکم" ای اولیٰ بکم ورد بانه یلزم علیه صحة فلان مولیٰ من فلان کما یصح فلان اولیٰ من فلان و اللازم باطل اجماعاً فالملزوم مثله وتفسیر ابی عبید بیان لحاصل المعنی یعنی النار مقرکم ومصیرکم والموضع اللائق بکم ولیس نصاً فی ان لفظ المولی ثمه بمعنی الاولی (روح المعانی ج ۶ ص ۱۹۴)

"یعنی اس استدلال میں پہلی غلطی شیعی علماء کی یہ ہے کہ مَولیٰ کو اولیٰ کے معنی میں کیا جائے، حالانکہ تمام اہلِ عربیت نے اس کا انکار کیا ہے، بلکہ انہوں نے کہا کہ سرے سے مَفْعَل کا وزن کبھی اَفْعَل کا معنی ادا نہیں کرتا اور مولیٰ مَفْعَل کے وزن پر ہے اور اولیٰ اَفْعَل کے وزن پر ہے اور سوائے ابو زید لغوی کے کسی نے بھی اس کو جائز نہیں رکھا۔ اُس نے قولِ باری تعالیٰ ھِیَ مولٰکم کی تفسیر میں ابو عبید کے قول اَولیٰ بِکُمْ سے استدلال کرتے ہوئے اس کو جائز رکھا، لیکن یہ قول مردود ہے، کیونکہ اگر یہ صحیح ہو تو پھر فلان اولیٰ من فلاں کی جگہ فلان مَولیٰ من فلاں درست ہونا چاہیے، کیونکہ جب مولیٰ کا معنی موضوع لہ یہی ہے، تو پہلے جملہ کا درست ہونا دوسرے جملہ کی صحت اور درستگی کو مستلزم ہوگا، حالانکہ لازم بالاجماع باطل ہے، یعنی فلاں مولیٰ مِن فلاں کہنا قطعاً درست نہیں ہے، لہذا ملزوم بھی باطل ہے، یعنی لفظ مولیٰ کا اَولیٰ کے لیے موضوع ہونا بھی باطل ہے اور جب سرے سے اس معنیٰ کے لیے موضوع ہی نہیں تو دعوائے اشتراک بھی لغو ٹھہرا۔

رہا ابو زید کے قول کا سہارا اور دارومدار یعنی ابو عبید کا قول تو اس میں حاصل معنی اور معنی موضوع لہٗ کے لازم کا بیان ہے، یعنی آگ تمہارا ٹھکانا اور جائے بازگشت ہے اور تمہارے لائق وہی جگہ ہے اور اس قول میں اس پر تنصیص نہیں ہے کہ وہاں مولیٰ کا لفظ اَولیٰ کے معنیٰ میں ہے اور اس کے لیے وضع کیا گیا ہے تاکہ اس قول کو سند بنا کر اشتراک کا دعویٰ کر دیا جائے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com

شیخ الحدیث

محمد اشرف سیالوی مدظلہ

کی قابل قدر تصانیف

تنویر الابصار بنور النبی المختار

دی ہولی بائبل اور شان انبیاء میں گستاخیاں

اہل السنہ پبلی کیشنز دینہ ضلع جہلم

Click For More Books
https://archive.org/details/@ zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ

جن لوگوں نے دین میں تفرقہ ڈالا اور ہو گئے مختلف گروہ، آپ کا ان سے ذرہ بھی تعلق نہیں ہے۔

مذہبِ شیعہ

از

حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین صاحب قدس سرہ

مع

تحفہ حسینیہ

حصہ سوم

علامہ ابو الحسنات محمد اشرف السیالوی

اہل السنۃ پبلی کیشنز

دینہ ضلع جہلم

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَكَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ ؕ

جن لوگوں نے دین میں تفرقہ پیدا کیا اور ہو گئے مختلف گروہ۔ آپ کا ان سے ذرہ بھی تعلق نہیں ہے

مذہب شیعہ

از
حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین صاحب قدس سرہ العزیز

مع

تحفہ حسینیہ

حصہ سوم

علامہ ابوالحسنات محمد اشرف السیالوی

اہل السنۃ پبلی کیشنز دینہ ضلع جہلم

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	تحفہ حسینیہ (جلد سوم)
مصنف	شیخ الحدیث علامہ محمد اشرف سیالوی
تزئین واہتمام	محمد ناصر الہاشمی
اشاعت	نومبر 2007ء
تعداد	1100
قیمت	[illegible] روپے
ناشر	اہل السنہ پبلی کیشنز دینہ (جہلم)

ملنے کے پتے

جامعہ غوثیہ مہریہ منیر الاسلام کالج روڈ سرگودھا فون نمبر: 0451-724695

مکتبہ نوریہ رضویہ گلبرک اے فیصل آباد فون نمبر: 041-626046

فرید بک سٹال 38 اردو بازار لاہور فون نمبر: 042-7312173

مکتبہ جمال کرم دربار مارکیٹ لاہور فون: 042-7324948

احمد بک کارپوریشن راولپنڈی فون نمبر: 051-5558320

مکتبۃ المجاہد بھیرہ شریف فون نمبر: 048-6691763

شبیر برادرز زبیدہ سنٹر اردو بازار لاہور فون نمبر: 042-7246006

نوریہ رضویہ پبلی کیشنز 11 گنج بخش روڈ لاہور فون نمبر: 042-7313885

Click For More Books
https://archive.org/details/@ zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

بندہ نے حضرت شیخ الاسلام والمسلمین حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی قدس سرہ العزیز کے رسالہ "مذہب شیعہ" کے جواب میں علامہ محمد حسین ڈھکو صاحب کے رسالہ "تنزیہ الامامیہ" کا مطالعہ کیا تو بہت دُکھ ہوا کہ حضور شیخ الاسلام قدس سرہ کی سنجیدہ و متین تحریر اور دل کش و دلربا اندازِ بیان اور سراسر خیر خواہی اور بھلائی پر مبنی رسالہ کا جواب بہت غلیظ اور غیر سنجیدہ اندازِ بیان کے ساتھ دیا گیا اور اُن کی ذات بابرکات کو بھی اور اکابرینِ اُمت کو بدکلامی اور بدزبانی کا نشانہ بنایا گیا تو مذہبی اور دینی غیرت اور اپنے پیرِ طریقت اور محسن اسلامیان و عالمیان کی عزت و حرمت اور ان کے ممدوحین و مخدومین اور مخادیم و ممادیح عالمِ اسلام مہاجرین و انصار بالعموم اور خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم بالخصوص کی عزت و حرمت اور رفعت و عظمت اور شان و مقام کے تحفظ کے لیے کمر ہمت باندھی اور اپنے ان محسنین اور کرم فرماؤں کی رُوحانی توجہ سے صرف دو ماہ سترہ دن کے قلیل عرصہ میں اس قدر ضخیم کتاب لکھ دی، جو تین حصوں میں چھاپنا پڑی، لیکن کُلُّ شَیْءٍ مَرْھُوْنٌ بِاَوْقَاتِہٖ کے تحت تصنیف کتاب کا وقت معین تھا، تو اشاعت کا بھی —— اس لیے تصنیف میں اس قدر جلدی اور سرعت کے باوجود اشاعتِ کتاب بوجوہ بسرعت تمام نہ ہو سکی۔

تاہم حصہ اوّل چار سال بعد چھپ گیا اور اب دوسرا اور تیسرا حصہ پانچ سال بعد منازلِ اشاعت طے کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ خیر و خوبی کے ساتھ ان کی اشاعت

Click For More Books
https://archive.org/details/@ zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بایۂ تکمیل تک پہنچائے اور ان تمام حصص سے اہل السنت کو بالخصوص اور تمام اہلِ اسلام کو بالعموم بیش از بیش استفادہ و استفاضہ کی توفیق عطا فرمائے اور شائع کرنے والوں کو اجرِ جمیل اور جزائے جزیل عطا فرمائے اور اس احقر الخلائق کے لیے ذریعہ نجات و خلاص بنائے اور وسیلۂ جلیلہ سُرخروئی و سرفرازی بھی اور ان مقربینِ بارگاہِ ناز کی خدمت میں اس کو شرف قبولیت اور پذیرائی سے مشرف فرمائے اور بندہ کو ان کے عنایات و الطاف سے بیش از بیش مُستفیض و مستفید فرمائے آمین ثم آمین!

اظہارِ تشکر

مجلس الدعوۃ الاسلامیہ (پاکستان) کے معزز اراکین اور سرپرست و صدرِ گرامی حضرت خواجہ الحاج الحافظ محمد حمید الدین سیالوی مدظلہ سجادہ نشین آستانہ عالیہ سیال شریف کا شکر گزار ہوں، جنہوں نے "تحفہ حسینیہ" کے دوسرے اور تیسرے حصہ کے تاخیرِ اشاعت کو تشویش و اضطراب کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے اس کارِ خیر کی جلد از جلد تکمیل کے لیے مجلس کی طرف سے حصہ دوم اور سوم کے تمام اخراجات برداشت کرنے کا مستحسن فیصلہ فرمایا اور اس اہم دینی اور ملی فریضہ کی ترویج و تکمیل میں بھرپور تعاون فرمایا۔ اللہ کریم بجاہِ نبی کریم رؤوف رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم معزز اراکین اور سرپرستِ اعلیٰ کو جزائے جزیل اور اجر جمیل سے نوازے۔ آمین ثم آمین یا اِلٰہ العالمین

احقر الانام خادم العلماء الکرام والمشائخ العظام

سمی حبیب اللہ محمد اشرف الانام

علیہ افضل الصلوات والسلام

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نذرانۂ عقیدت

بارگاہِ خلفاء اربعہ و آلِ رسول صلی اللہ علیہ وعلیہم وسلم

شاھنامہ فردوسی

بگفتا پیغمبرے راہ جوئے ۔ دل از تیرگیہا بدیں آب شوئے

چہ گفت آں خداوند تنزیل وحی ۔ خداوند امر و خداوند نہی

کہ خورشید بعد از رسولان مہ ۔ تابید بر کس زبوبکر بہ

عمر کرد اسلام را آشکار ۔ بیاراست گیتی چوں باغ و بہار

پس از ہر دو آں بود عثماں گزیں ۔ خداوند شرم و خداوند دیں

چہارم علی بود زوجِ بتول ۔ کہ اورا بخوبی ستاید رسول

بوستان ۔ حضرت سعدی شیرازی

درودِ ملک بر روانِ تو باد ۔ بر اصحاب و بر پیروانِ تو باد

نخستیں ابوبکر پیرِ مرید ۔ عمر پنجہ برپیچ دیو مرید

خردمندِ عثمان شب زندہ دار ۔ چہارم علی شاہ دلدل سوار

خدایا بحقِ بنی فاطمہ ۔ کہ بر ایماں کنی خاتمہ

اگر دعوتم رد کنی ور قبول ۔ من و دست و دامانِ آلِ رسول

نوٹ: مذکورہ بالا نذرانہ عقیدت سے ایران کے پرانے مذہب و عقیدہ کا موجودہ مذہب و عقیدہ سے فرق واضح ہوجاتا ہے جو اہل سنت کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

فہرست مضامین تحفہ حسینیہ حصہ سوم

حدیثِ منزلت اور شیعی استدلال کا ابطال (رسالہ مذہب شیعہ) ۱۳

تتمہ مبحث حدیثِ منزلت (تحفہ حسینیہ) ۱۶

حدیثِ منزلت پر ایراد اور اس کا جواب (محمد حسین ڈھکو) ۲۳

حدیثِ منزلت میں شیعی تاویلات و تسویلات کا ردِ بلیغ ۲۶

توجیہ اول، اور اس کے جوابات ۲۳

توجیہ ثانی، اور اس کے جوابات ۳۴

توجیہ ثالث، اور اس کا جواب ۳۴

توجیہ رابع، اور اس کے جوابات ۳۵

توجیہ خامس، اور اس کے جوابات ۳۶

شیعہ کے قول و عمل کا تضاد ۳۷

قاعدہ و ضابطہ سے تمسک کی حقیقت ۳۸

ضابطہ و قاعدہ کے بیان میں دھوکہ اور فریب کاری ۳۹

مترتب ثمرہ و نتیجہ کا حال ۴۰

کیا ہر جگہ استثناء دلیل عموم ہوتا ہے؟ ۴۲

توجیہ سادس، اور اس کے جوابات ۴۲

توجیہ سابع، اور اس کے جوابات ۴۷

شیعی علماء کا کتب مذہب کے حوالہ جات کے جواب سے عجز ۵۰

شیعہ کے فرقہ کاملیہ کی طرف سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ کی تکفیر ۵۱

توجیہ ثامن، اور اس کے جوابات ۵۴

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

عقیدۂ خلافتِ بلا فصل کے مفاسدِ لازمہ ۵۵

حدیثِ منزلت سے خلافتِ بلا فصل پر استدلال کرنے والا پہلا شخص کون تھا؟ ۵۶

مناظرۂ جھوک دایہ کا اجمالی تذکرہ اور خلافتِ بلا فصل کی انوکھی دلیل ۶۲

شیعہ کے عجیب و غریب تفسیری اقوال اور ان کا ردِّ بلیغ ۶۷

علامہ ڈھکو صاحب کی خاموشی ۷۰

تکمیلِ مبحث: فضائلِ صحابہ و ردِّ تقیہ ۷۰

تتمۂ مبحث فضائلِ صحابہ کرام علیہم الرضوان ۷۲

انصار کا افتخار مصطفوی ارشادات کے ساتھ ۷۷

انصار و مہاجرین کے فضائل پر مرتضوی تصدیق ۷۹

محاربینِ جمل و صفین کے متعلق مرتضوی نظریہ ۸۳

صحابہ کرام علیہم الرضوان کے خلاف غم و غصہ کا اظہار کیوں؟ ۸۵

عبداللہ بن سبا یہودی اور مذہبِ شیعہ کی ابتداء ۸۸

ذکر پدید آمدن مذہبِ رجعت در سال سی و پنجم ہجری ۸۹

عبداللہ بن سبا، اکابرینِ اہل بیت کی نظر میں (رجال کشی) ۹۱

کیا مذہبِ شیعہ عبداللہ بن سبا یہودی کی ایجاد ہے؟ (علامہ ڈھکو کی تحقیق) ۹۶

حقائق و واقعات کا آفتاب آنکھیں بند کر لینے سے غروب نہیں ہو سکتا۔ ۹۷

یہودی سازش کا مرحلہ وار پروگرام ۱۰۰

کیا عبداللہ بن سبا افسانوی شخصیت ہے؟ ۱۰۱

آخر غالی شیعوں کا امام کون ہے؟ ۱۰۳

مجوسی سازش اور فرقہ اسماعیلیہ کی ابتداء ۱۰۷

عبداللہ بن سبا یہودی اور صاحبِ ناسخ التواریخ ۱۱۰

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

عبداللہ بن سبا یہودی اور عبداللہ مامقانی صاحب تنقیح المقال ۱۱۵
عقیدۂ رجعت کا بانی کون تھا؟ ۱۱۵
کس نظریہ پر اس کے قائلین عقلی و نقلی دلائل قائم نہیں کرتے؟ ۱۱۷
کس کی رجعت کا عقیدہ رکھا جاتا ہے؟ ۱۱۸
یوم الدین اور یوم الجزاء کونسا ہے؟ ۱۱۹
علامہ ڈھکو صاحب کی انوکھی منطق ۱۲۰
کیا مذہب شیعہ کے بانی سید انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں؟ ۱۲۳
مذمت شیعہ بزبان ائمہ کرام علیہم الرضوان ۱۲۵
مذمت شیعہ میں وارد روایات کا جواب (علامہ ڈھکو) ۱۳۰
شیعی تاویلات کا ابطال ۱۳۱
جھوٹے راویوں کا مقصدِ اصلی کیا تھا؟ ۱۳۳
مثالی شیعہ محدثین کی حالتِ زار ۱۳۵
شیعی محدثین پر ائمہ کرام کے لعن طعن کی حکمت، بزبان شیعہ ۱۳۶
محدثین شیعہ کا اثر حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی ذاتِ اقدس پر ۱۳۸
قاتلانِ حسین کون تھے؟ رسالہ مذہب شیعہ ۱۴۳
کیا قاتلانِ حسین شیعہ تھے؟ (علامہ ڈھکو) ۱۴۵
قاتلانِ حسین وہی تھے، جنہوں نے بلا کر امداد دینے سے انکار کیا۔ ۱۴۶
حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کا دین کیا تھا؟ ۱۴۷
کوفہ میں شیعہ کی تعداد کتنی تھی؟ نفیس بحث ۱۵۰
واقعۂ کربلا کے بعد شیعہ کی کثرتِ تعداد ۱۵۸
کیا امام حسین رضی اللہ عنہ سنی تھے یا شیعہ؟ ۱۶۱

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مسندِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کس نے دی؟ ۱۶۶
یزید اور امام حسین رضی اللہ عنہ کا باہمی معاملہ از روئے کتبِ شیعہ ۱۷۰
ائمہ اہلِ بیت کی شیعہ سے بیزاری اور برأت کا اظہار۔ رسالہ مذہب شیعہ ۱۷۶
مؤلف کی خیانت مجرمانہ (ڈھکو صاحب کا الزام) ۱۷۸
علامہ ڈھکو کی سینہ زوری اور غلط بیانی ۱۷۸
ائمہ کرام کی دُنیا میں ہی شیعہ سے بیزاری ۱۸۲
اہلِ تشیع دورِ مرتضےٰ رضی اللہ عنہ میں کہاں تھے؟ ۱۸۴
کیا ائمہ کرام کے خلاف کوئی کافر بھی لب کشائی نہیں کر سکتا؟ ۱۸۵
مسئلہ فدک کی تحقیق ۔ رسالہ مذہبِ شیعہ ۱۸۷
فدک کے متعلق قابلِ تنقیح امر کا بیان اور مقبوضاتِ زہرا رضی اللہ عنہا ۱۹۱
صدقاتِ زہرا رضی اللہ عنہا کے مصارف ۱۹۳
بطورِ منتظم زیادہ موزوں کون تھا؟ ۱۹۴
کیا ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن مصرف نہیں؟ ۱۹۵
یہودی سازش اور حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی کمال دیانت ۱۹۶
محاصلِ فدک سے اہل بیت رضی اللہ عنہم کی کفالت کا بیان ۱۹۸
کیا فدک و دیگر اموال فیَ ذاتی ملکیت ہو سکتے ہیں؟ ۲۰۱
کیا وراثتِ انبیاء علیہم السلام کا شرعی حکم حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو معلوم نہیں تھا؟ ۲۰۲
مروت کا تقاضا کیا تھا؟ ابن ابی الحدید کا سوال ۲۰۵
حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی مروت اور اخلاص کا بیان اور عمل زہرا اور عملِ مرتضےٰ رضی اللہ عنہما سے اس کی تصدیق و تائید ۲۰۷
فدک کے ساتھ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کی سخاوت ۲۱۳

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

شیعی روایات و اقوال میں تعارض ہی تعارض ۲۱۷

کیا ابن ابی الحدید کا سوال لاجواب تھا؟ اور مزید تائیدات ۲۱۸

از حضرت زید بن زین العابدین و امام محمد باقر رضی اللہ عنہما ۲۱۹

مسئلہ فدک کا اجمالی بیان (علامہ ڈھکو صاحب) ۲۲۱

شیعی جوابات کا رد (تحفہ حسینیہ) ۲۲۳

کیا فدک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے حضرت زہرا کو ہبہ کیا گیا تھا؟ ۲۲۷

شیعہ کے دعوائے ہبہ کا ردِ بلیغ ۲۳۰

فدک کس کے سامنے ہبہ کیا گیا تھا؟ ۲۳۳

ہبۂ فدک کی شیعی دلیل اور اس کی حقیقت ۲۳۶

فدک پر عرصہ سے قابض ہونے کے باوجود نصابِ شہادت پورا کیوں نہ ہوا؟ ۲۴۴

کیا حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے ہبہ سے عدول کر کے وراثت کا دعویٰ کیا؟ ۲۵۱

ملکیتِ فدک وغیرہ کی حقیقت کا بیان اور غلط فہمی کی بنیاد کا ازالہ ۲۵۲

عدمِ توریث والی حدیث پر اجماع کا بیان ۲۶۳

حضرت علی کی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما سے معاملہ فدک میں موافقت اور علماء شیعہ کا اضطراب ۲۶۸

ابن بابویہ قمی کی تاویل اور اس کی لغویت ۲۶۸

سید مرتضیٰ کی توجیہ اور اس کی لغویت ۲۷۰

قاضی نور اللہ شوستری کی توجیہ اول اور اس کی لغویت ۲۷۲

〃 〃 〃 کی توجیہ دوم اور اس کی لغویت ۲۷۳

〃 〃 〃 کی توجیہ سوم اور اس کی لغویت ۲۷۴

〃 〃 〃 کی توجیہ چہارم اور اس کی لغویت ۲۷۵

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہبہ اور وراثت کے دعاوی میں سے مقدم کونسا تھا؟ ۲۷۶

ہبۂ فدک کا بطلان تعلیماتِ نبویہ اور اسوۂ مصطفویہ کی رُو سے ۲۷۹

علامہ ڈھکو صاحب کا چھٹا جواب اور اُس کا رَد ۲۸۲

کیا حضرت ابوبکر نے حضرت زہراء (رضی اللہ عنہا) کو ناراض کیا۔ ساتویں جواب کا ردِ بلیغ ۲۸۲

حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کی رضامندی کے لیے شیخین کی مساعیٔ جمیلہ ۲۸۷

حضرت سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا کی رضامندی ۲۹۰

حضرت زہراء کی حضرت علی مرتضیٰ (رضی اللہ عنہما) پر ناراضگی ۲۹۶

علماء شیعہ کا حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو موردِ الزام ٹھہرانا ۳۰۰

حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی شکایت کا عنداللہ وعندالرسول قابلِ اعتبار قرار پانا ۳۰۴

صاحب ناسخ التواریخ کا اضطراب اور روایت کے رد و قبول سے عجز ۳۰۶

حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کی ناراضگی کے مزید حوالہ جات ۳۰۹

حضرت سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا کی نمازِ جنازہ ۳۱۴

علامہ ڈھکو صاحب کی خیانت ۳۱۹

حضرت صدیق کا حضرت زہرا (رضی اللہ عنہا) کا نمازِ جنازہ پڑھانا ۳۲۲

ادائیگیٔ نمازِ جنازہ کے وجوہ ترجیح ۳۲۴

ابن شہاب زہری کی روایات کی حیثیت۔ رسالہ مذہبِ شیعہ ۳۳۱

زہری کو شیعہ ثابت کرکے گلوخلاصی ممکن نہیں (علامہ ڈھکو) ۳۳۵

معاملہ ابن شہاب زہری کا انروئے رد و قبول ۳۳۶

سوالات علامہ ڈھکو صاحب کے اور جوابات ہمارے ۳۳۸

مضحکہ خیز بات (شیخ الاسلام کی یا علامہ ڈھکو صاحب کی) ۳۴۶

زہری کا عقیدہ از رُوئے روایاتِ اہلِ تشیع ۳۴۹

Click For More Books
https://archive.org/details/@ zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نمازِ جنازہ کی چار تکبیرات کا ثبوت (رسالہ مذہب شیعہ) ۳۵۱
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منافقین پر چار تکبیریں کہتے تھے (علامہ ڈھکو) ۳۵۳
علامہ ڈھکو کا اپنے مذہب کے دفاع سے عجز کامل ۳۵۴
عند الشیعہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت بحکم باری تعالیٰ ۳۵۶
حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا منافقین پر نمازِ جنازہ نہ پڑھنے کا ثبوت ۳۵۷
علامہ ڈھکو صاحب کی مخالفتِ اجماع ۳۵۹
اہل بیت کرام پر بہتانِ عظیم ۳۶۰
چار تکبیرات والی روایت کی صحیح توجیہ و تاویل ۳۶۲
حضرتِ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے چار تکبیرات کو نافذ کرنے کا مطلب ۳۶۲
تکبیراتِ جنازہ میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور دیگر ائمہ کرام کا طرزِ عمل کیا تھا؟ ۳۶۴
ائمہ اہل بیت کا اولاد امجاد کے نام خلفاء راشدین کے مقدس ناموں پر رکھنا رسالہ مذہب شیعہ ۳۶۶
ملقبین کے اسماء سے موسوم لوگوں کے ساتھ شیعہ کا سلوک ۳۶۸
بعض ناموں کی بحث۔ علامہ ڈھکو کی جوابی کارروائی ۳۷۰
علامہ ڈھکو صاحب کی ائمہ اہل بیت کے حق میں دریدہ دہنی ۳۷۰
مؤلف رسالہ مذہبِ شیعہ کا لطیفہ یا کثیفہ (علامہ ڈھکو) ۳۷۷
عادتِ معروفہ کا انکار، صرف تقیہ کے پردہ میں ہی ہو سکتا ہے ۳۷۸
ناموں میں کچھ رکھا ہے یا نہیں؟ حقائق و واقعات کیا ہیں؟ ۳۸۱
ابو لؤلؤ مجوسی کا عرس اور حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی توہین ۳۸۲
اہل تشیع کے سادات کرام کے ساتھ ادب و نیاز کا نمونہ
انہیں کتوں سے بدتر اور غیر ثابت النسب قرار دینا ۳۸۶
اہل السنۃ سادات کرام کو اولادِ ابلیس قرار دینا (العیاذ باللہ) ۳۸۹
فسقِ سادات کا اقرار در آیتِ تطہیر میں داخل کرنے سے انکار ۳۹۶

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

رسالہ مذہب شیعہ — از حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز

حدیث منزلت اور شیعی استدلال کا ابطال

علیٰ ہذا القیاس حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت بلا فصل پر غزوۂ تبوک کی روایت پیش کرنا سخت ناواقفی اور بے خبری کی دلیل ہے یعنی غزوۂ تبوک کے موقعہ پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمانا

اما ترضیٰ ان تکون منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ

یعنی اے علی! آپ اس بات پر راضی نہیں کہ جو نسبت حضرت ہارون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تھی، وہی منزلت آپ کو مجھ سے ہوتی۔

اب اس روایت سے ثابت کرنا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفۂ بلا فصل فرما رہے ہیں، کس قدر بے محل ہے۔ اولاً اس لیے کہ حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں ہی فوت ہو گئے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفے نہ بلا فصل بنے اور نہ بالفصل۔ دیکھو شیعوں کے مجتہد اعظم ملا باقر مجلسی کی کتاب حیات القلوب صفحہ ۳۶۸ اور ناسخ التواریخ اور اولڈ ٹسٹامنٹ (بائیبل) وغیرہ، جہاں صراحۃً موجود ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عین حیات میں فوت ہوئے اور یہود نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہ اتہام لگایا کہ انہوں نے حضرت ہارون علیہ السلام کو قتل کیا ہے، جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برأت نازل فرمائی، جس کا ذکر قرآن کریم میں ان کلمات طیبات کے ساتھ کیا گیا ہے:

فبرّأہ اللہ مما قالوا وکان عند اللہ وجیہاً

پس اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اس اتہام سے بری فرمایا جو کہ یہود نے ان کے متعلق باندھا تھا اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز اور محترم تھے اور تفسیر صافی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

میں جو اہلِ تشیع کی معتبر ترین کتاب ہے بحوالہ تفسیر مجمع البیان جو شیعوں کے مجتہدِ اعظم کی تصنیف ہے، حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے روایت تصدیق کے لیے ملاحظہ فرمادیں۔

عن علی علیہ السلام ان موسٰی وھارون صعدا علی الجبل فمات ھارون فقالت بنوا سرائیل انت قتلتہ۔

یعنی حضرت موسٰی اور حضرت ہارون (علیہما السلام) ایک پہاڑ پر چڑھے، پس حضرت ہارون علیہ السلام فوت ہوگئے، تو بنی اسرائیل نے کہا کہ اے موسٰی! تم نے ان کو قتل کیا ہے۔ حیات القلوب میں یہ واقعہ مفصل موجود ہے۔

تو یہ مشابہت خلافت کے ساتھ قرار دینا کہ جیسے حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسٰی علیہ السلام کے خلیفہ تھے، ویسے ہی حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ تھے، انتہا درجہ تعجب انگیز ہے۔ دلیل تو خلافتِ بلافصل پر اس مشابہت کے ذریعے سے لائی گئی مگر اس مشابہت کی وجہ سے مطلقاً خلافت نہ بلافصل اور نہ بالفصل ثابت ہوسکی۔ خدا کا شکر ہے کہ کسی خارجی منحوس کے کانوں تک اہلِ تشیع کی خلافت بلافصل کے متعلق یہ دلیل نہیں پہنچی، ورنہ اہلِ تشیع حضرات کو لینے کے دینے پڑ جاتے۔ ہٹ دھرمی کی بھی انتہا ہے، جب حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافتِ راشدہ کے متعلق ائمہ طاہرین کی سند کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح اور غیر مبہم ارشاد خود اہلِ تشیع کی معتبر ترین کتابوں سے دکھایا جائے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان ابابکر یلی الخلافۃ من بعدی۔ یعنی میرے بعد ابوبکر خلیفہ ہیں۔ اور اہلِ تشیع کی معتبر ترین کتاب تفسیر امام حسن عسکری رضی اللہ عنہ اور تفسیر صافی وغیرہ کی تصریحات پیش کی جائیں گی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد خلیفہ ابوبکر ہیں اور ان کے بعد عمر۔ اور اہلِ تشیع کی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

معتبر ترین کتاب "نہج البلاغہ" سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ان کی خلافت کو تسلیم فرمانا، ان کے ہاتھ پر بیعت کرنا، ان کے ساتھ مشوروں میں شریک ہونا ثابت کیا جائے اور شیعوں کی معتبر ترین کتاب شافی اور تلخیص الشافی سے ائمہ طاہرین کی روایات کے ساتھ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا یہ ارشادِ گرامی موجود ہو کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما میرے پیارے ہیں، امام الہدیٰ ہیں۔ پیشوائے وقت ہیں، ہدایت کے امام ہیں، شیخ الاسلام ہیں اور مولیٰ علی کا یہ ارشاد خود ائمہ طاہرین کی سند کے ساتھ پیش کیا جائے کہ حضور کی تمام اُمت سے افضل ابوبکر ہیں اور کتاب کافی سے یہ تصریح پیش کی جائے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مرتبہ صحابہ سے افضل ہے اور اہلِ تشیع کی معتبر ترین کتاب تفسیر حسن عسکری اور معانی الاخبار وغیرہ میں یہ تصریحات موجود ہوں کہ ابوبکر بمنزلہ میری آنکھ کے ہیں اور عمر بمنزلہ میرے گوشِ مبارک کے ہیں اور عثمان بمنزلہ میرے دل کے ہیں۔

تو ان روایات کو دیکھ کر اہلِ تشیع کو خلافت کا یقین نہیں ہوتا۔ نہ ہی ائمہ طاہرین کی روایات پر ایمان لاتے نظر آتے ہیں اور حضرت ہارون علیہ السلام کی مشابہت سے خلافت ثابت کرنے کی بڑی دُور کی سوجھتی ہے۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت ثابت کرنے کا اس قدر شوق ہے، تو پہلے ان کو سچا بھی مانیں، ان کے ارشادات پر ایمان بھی لاویں اور ان کی حدیثوں کو صحیح تسلیم کر لیں۔ ان معصومین کو جھوٹ، مکر و فریب سے پاک اور منزہ یقین کر لیں تو ہم جانیں کہ اہلِ تشیع کو ائمہ طاہرین معصومین کے ساتھ دلی الفت و محبت ہے۔

حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ مشابہت ایک وقتی طور پر بہت مناسبت ہے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام کو طورِ سینا پر جاتے وقت اپنے گھر چھوڑ گئے تھے۔ اسی طرح حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک میں تشریف لے جاتے وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مدینہ شریف کی حفاظت کے لیے افسر مقرر فرما گئے تھے، مگر حسب روایت باقر مجلسی کے جیسے کہ حیات القلوب میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مدینہ شریف میں رہنا پسند نہ فرمایا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانا اختیار کیا اور شاملِ سفر باظفر ہوتے۔

مگر سوال یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مشابہت حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد خلافت کے متعلق موجود ہے یا نہیں ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ چونکہ حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد خلیفہ نہ بنے فذالك كذالك۔ یعنی ایسے ہی حضرت علی بھی آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد خلیفہ بلافصل نہیں ہوسکتے۔

البتہ ہم اہل السنت کے اصول کے مطابق حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چوتھے خلیفہ ہیں اور شیعہ کے دعوائے خلافت بلافصل کا نمونہ آپ دیکھ چکے جو کہ صرف اور صرف تصریحات کے انکار، من گھڑت اور غلط توجیہات پر اصرار کا مجموعہ ہیں جو خلافتِ بلافصل کے اثبات سے قاصر ہیں اور چوتھی جگہ بھی خلافت تسلیم کرنے کے منافی گویا کلیۃً خلافتِ مرتضویہ کو ختم کرنے کے مترادف اور اسی قسم کے دوستوں اور محبتوں کے حق میں ہی کہا گیا ہے ؏

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

تحفۂ حسینیہ؛ از ابوالحسنات محمد اشرف السیالوی

تتمہ مبحث حدیثِ منزلت

اقول وعلی توفیقہ اعول۔ سب سے پہلے مفصل حدیث ملاحظہ فرمائیں، عن مصعب بن سعد عن ابیہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج الی تبوك فاستخلف علیا فقال۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

أتخلفني في النساء والصبيان قال الا ترضى ان تكون مني بمنزلة هارون من موسى الا انه لانبي بعدی (بخاری ج ۲ ص۶۳۳)

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ اپنے والدِ گرامی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کی طرف جہاد کے لیے نکلے، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو (مدینہ منورہ میں) خلیفہ بنایا۔ انہوں نے عرض کیا، کیا آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جا رہے ہو؟ آپ نے فرمایا: کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ تم مجھ سے اسی مرتبہ پر فائز ہو، جس مرتبہ پر حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فائز تھے، مگر یہ کہ میرے بعد نبی نہیں ہے۔

قابلِ غور امور: حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے سامنے ہے، اس میں بار بار غور فرمائیں اور دیکھیں کہ آیا اس میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد خلافتِ بلا فصل کا کوئی قرینہ اور اشارہ موجود ہے؟ اور وجوہِ استدلال یعنی عبارت النص، اشارت النص، دلالت النص اور اقتضاء النص میں سے کوئی صورت یہاں بن سکتی ہے؟ یہ صرف اور صرف وقتی اور عارضی خلافت و نیابت تھی اور یہ پہلا موقعہ نہیں تھا کہ ایسی خلافت پر کسی کو مامور کیا گیا ہو، بلکہ جب بھی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مرکز سے کسی اہم مشن پر روانہ ہوتے، تو مرکز کے انتظام و انصرام صلواتِ خمسہ اور جمعہ وغیرہ کے لیے نائب اور خلیفہ کا ہر حال میں تقرر کیا جاتا۔ نیز خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کے دورِ حکومت اور ہر مملکت میں یہ رواج رہا ہے اور رہے گا اور جب بھی اصلی حاکم اور صاحبِ اقتدار و اختیار واپس لوٹتا ہے، تو وہ نیابت و خلافت خود بخود ختم ہو جاتی ہے، لہذا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا اس موقعہ پر انتخاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، اس کو محلِ نزاع اور مقامِ اختلاف، یعنی بعد از وصالِ مصطفوی حضرتِ علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بلا فصل ہونے سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔

۲۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اگر خلیفہ اور نائب بننے وقت اس نیابت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کو اہم سمجھا ہوتا اور اس کے مقابلہ میں غزوۂ تبوک میں شمولیت اور جہاد کے لیے روانگی کو غیر اہم سمجھا ہوتا، تو یہ شکوہ کرنے کا قطعاً کوئی مطلب نہیں ہو سکتا تھا کہ آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جا رہے ہیں۔ کیونکہ صورت حال واقعی یہی تھی کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے معمول کے برعکس بغیر کسی اخفاء اور پردہ داری کے صاف لفظوں میں قیصرِ روم کے خلاف جنگ کی تیاری کا اعلان فرمایا تھا اور ہر ایک صحابی کو اس غزوہ میں شامل ہونے کی ترغیب دی تھی اور اس غزوہ میں جو شریک نہ ہوئے تھے، وہ معذور لوگ تھے یا نفاق کے ساتھ متہم اور یا وہ تین صحابی، جن کا تذکرہ قول باری تعالیٰ، وعلی الثلاثۃ الذین خلفوا الآیۃ میں کیا گیا ہے جیسے کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو کہ ان تین حضرات میں سے ایک ہیں، فکنت اذا خرجت فی الناس بعد خروج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فطفت فیھم احزننی انی لا اری الا رجلا مغموصا علیہ بالنفاق او رجلا ممن عذر اللہ من الضعفاء۔ (بخاری ج ۲، ص۶۳۴)

یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوہ کے لیے نکلنے کے بعد جب میں گھر سے نکلتا اور لوگوں میں پھرتا تو مجھے یہ بات بہت غمزدہ کرتی تھی کہ میں صرف ان لوگوں کو دیکھتا جو نفاق کے ساتھ متہم تھے یا ان ضعفاء اور معذور لوگوں میں سے کسی کو دیکھتا، جن کو اللہ تعالیٰ نے معذور اور مستثنیٰ قرار دیا تھا۔

لہٰذا صاف ظاہر ہے کہ کسی قابلِ ذکر مجاہد کو حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں نہیں چھوڑا تھا۔ ان حالات میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جیسے بہادر و شجاع، مجاہدِ اسلام اور جاں نثارِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ میں اکیلے رہنا اور اتنے اہم غزوہ میں شریک نہ ہونا گوارا نہ ہوا، اس لیے عرض کیا کہ آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑ کر جا رہے ہو، گویا میں بھی ان کی طرح سمجھا جاؤں گا۔ جو میرے لیے اجر و ثواب سے محرومی کے علاوہ میری جرأت و شجاعت اور شانِ حیدری

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

میں بھی تنقیص و تنقید کا موجب ہے۔ اگر یہ منصب نیابت و خلافت نگاہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں اس قدر اہم تھا جتنا کہ اب اس کو بنا دیا گیا ہے، تو اس شکایت کا کوئی جواز نہیں تھا، اور جب صاحب خلافت کو وہ معنیٰ و مقصد سمجھ میں نہیں آیا تھا تو روافض کو کہاں سے اس کا الہام ہو گیا ہے۔

۳۔ حقیقتِ حال یہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قدر طویل المسافت اور اہم غزوہ میں مصروف ہونے اور مدینہ منورہ کے مجاہدین اسلام اور شجاعانِ صف شکن سے خالی ہونے کی صورت میں گھروں کی حفاظت علی الخصوص ازواجِ مطہرات اور سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اور دیگر اہل بیت کے گھرانوں کی حفاظت نیز جملہ ضروریات کے مہیا کرنے کے لیے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جیسے ہمہ گیر ہمہ پہلو معتمد علیہ ہستی کے علاوہ کوئی ایسا موزوں شخص نہیں ہو سکتا تھا لہٰذا انتہائی قریبی اور انتہائی دلیر و شجاع شخصیت کا مرکز میں موجود رہنا ضروری تھا اور آپ کے علاوہ کوئی ایسا موزوں شخص نہیں تھا، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ انتخاب آپ پر پڑی اور یہی وجہ ہے کہ آپ نے اس دوران بھی نماز وغیرہ کی ذمہ داری حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ جیسے نابینا اور معذور صحابی کو سونپی تھی، جو اس امر کی واضح دلیل ہے کہ آپ کے تقرر کا بنیادی مقصد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت کے گھروں کی نگرانی اور ان کے جملہ ضروریات کا مہیا کرنا تھا نہ کہ خلافتِ مطلقہ کا عطا کرنا۔

۴۔ صورتِ حال واقعی واضح ہونے کے بعد اس کے پس منظر میں یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ آپ کا ارشادِ گرامی اَلَا ترضیٰ ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دلجوئی کے لیے تھا اور اس توہم کے منشا اور بنیاد کو کالعدم کرنے کے لیے تھا کہ آپ کو غیر اہم سمجھ کر عورتوں اور بچوں میں چھوڑا جا رہا ہے نہ کہ تمام امور میں آپ کو حضرت ہارون علیہ السلام کے مماثل اور مشابہ قرار دینا مقصود

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تھا اور صرف نبوت کا امتیاز برقرار رکھنا تھا، کیونکہ حضرت ہارون علیہ السلام کے پاس پوری قوم بنی اسرائیل کی موجود تھی، جن کے آپ نبی بھی تھے اور موسیٰ علیہ السلام کے نائب کی حیثیت سے شرعی حکمران بھی، جبکہ یہاں محدود اور معدودے چند افراد موجود تھے، جن میں اکثریت عورتوں اور بچوں کی تھی اور چند معذور مرد تھے یا پھر نفاق کے ساتھ متہم لوگ اور صرف تین ایسے حضرات جو آجکل کرتے کرتے غزوہ سے رہ گئے اور سستی و غفلت نے ان کے لیے اس سعادت کے حصول میں رکاوٹ ڈالی۔

لہٰذا صاف ظاہر ہے کہ صرف دل جوئی اور تسکین دلانے کے لیے آپ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا اور غیر نبی کے نبی ہونے کا توہم بھی قابلِ برداشت نہیں تھا اس لیے استثناء کو ضروری خیال فرماتے ہوئے الا انہ لا نبی بعدی فرمایا اور اس میں خلافت مطلقہ کا بیان مقصود ہی نہیں تھا۔

۵ - حضرت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی پر حضرت ہارون علیہ السلام خلیفہ رہے یا وہ خلافت ہی ختم ہوگئی؟ جب وہ خلافت و نیابت ختم ہوگئی اور صرف وزارت اور نبوت کا منصب رہ گیا، تو اس منسوخ خلافت کے ساتھ تمثیل و تشبیہ سے بھی اور حالات و واقعات سے بھی یہی ثابت ہوا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت و نیابت بھی حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف لانے پر ختم ہوگئی جیسے کہ جملہ اہلِ جہان پر نائب اور قائم مقام کی یہ حیثیت واضح اور آشکارا ہے۔

۶ - علاوہ ازیں اس تشبیہ و تمثیل سے خلافتِ حکومت اس وقت ثابت ہو سکتی تھی، جبکہ اس وقت موسیٰ علیہ السلام کی حکومت و سلطنت قائم ہو چکی ہوتی اور آپ کو اقتدار و اختیار اور قدرتِ تصرف کسی ملک اور علاقہ میں تفویض ہو چکے ہوتے اور جب یہ امر ثابت نہ ہو تو اس تشبیہ و تمثیل سے محل نزاع خلافت یعنی خلافتِ حکومت پر استدلال کیونکر درست ہو سکتا ہے؟ بلکہ اگر ثابت ہوتی ہے،

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تورشد و ہدایت اور تعلیم و تربیت میں نیابت اور امر و نہی اور وعظ و نصیحت والے امور ہیں خلافت ہی ثابت ہوتی ہے، جس کا محلِ نزاع سے کوئی تعلق نہیں، جبکہ حقیقتِ حال یہ ہے کہ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصال کے وقت بھی صحرائے سینائی میں حیرانی و سرگردانی میں مبتلا تھے۔ نہ ان کا کوئی مسکن تھا اور نہ ہی کوئی مستقل ٹھکانا۔ کما قال اللہ تعالیٰ، انہا محرمۃ علیہم اربعین سنۃ یتیہون فی الارض۔ یعنی وہ انعاماتِ باری تعالیٰ کی ناسپاسی اور ناشکرگزاری کی پاداش میں چالیس سال تک بھٹکتے پھریں گے۔ لہٰذا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حکومت و سلطنت ثابت نہیں کی جا سکتی، تو حضرت ہارون علیہ السلام کے لیے بھی خلافتِ حکومت ثابت نہیں ہو سکتی اور نہ ان کے ساتھ تشبیہ کی وجہ سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافتِ حکومت ہی ثابت ہو سکتی ہے۔

۷۔ وہ ہزاروں صحابہ کرام، جن کی تعداد بقول بعض مؤرخین بیس ہزار تھی اور بقول بعض ستر ہزار اور بقولِ بعض ایک لاکھ تھی، وہ سبھی سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے امر و حکم کے پابند تھے یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے امر و حکم کے؟ صاف ظاہر ہے اور روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ وہ سب حضرات صرف حکم نبوی کے پابند تھے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حکم سے باہر تھے، جس طرح خود رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حکم سے باہر تھے۔ لہٰذا جب وہ سب مجاہدینِ اسلام اس خلافت کے زیرِ نگیں نہیں تھے، تو وصالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت علی اللہ عنہ کی حکومت اس حدیث شریف کی رو سے کیسے ثابت ہو گئی؟ لہٰذا اس حدیث کی رُو سے اہلِ تشیع کا خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کو فاسد اور باطل قرار دینا لغو و باطل ہو گیا، کیونکہ وہ نہ آپ کی خلافت میں داخل تھے نہ آپ کا ان پر امر و حکم جاری و ساری تھا۔ بلکہ وہ تو اس وقت بھی صرف اور صرف رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیرِ فرمان تھے اور حضرت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حلقۂ اثر اور دائرہ خلافت سے باہر تھے۔

۸۔ نیز دریافت طلب امر یہ ہے کہ مکہ مکرمہ اور دیگر اطراف واکناف میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حکومت قائم ہو گئی تھی اور مملکتِ اسلامیہ کے تمام افراد آپ سے ہدایات اور احکامات حاصل کرنے کے پابند کیے گئے تھے یا نہیں؟ یقیناً ان کو اس امر کا پابند نہیں ٹھہرایا گیا تھا، تو اس نیابتِ مخصوصہ اور خلافتِ محدودہ سے عالمِ اسلام کی خلافتِ مطلقہ پر استدلال کیونکر درست ہو سکتا ہے؟ کیونکہ مدینہ منورہ سے باہر تو اس کا حلقۂ اثر نہیں تھا۔

۹۔ نیز حدیث منزلت سے خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کے ابطال کی بجائے اس کی حقانیت واضح ہوتی ہے، کیونکہ جس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو الا ترضیٰ ان تکون مِنی بمنزلة هارون من موسیٰ کے اعزاز سے نوازا جا رہا تھا۔ اس وقت سفرِ تبوک میں تینوں حضرات یعنی سیدنا ابوبکر صدیق، فاروقِ اعظم اور حضرتِ عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، لہٰذا اگر اس حدیث شریف میں خلافتِ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ بھی تسلیم کیا جائے، تو صرف اس وقت خلافت آپ کا حق بنے گی، جب سفرِ آخرت میں وہ تینوں بارگاہِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچ جائیں اور ہوا بھی اسی طرح کہ جب یہ تینوں حضرات اپنا دورِ خلافت پورا کر کے عالمِ جاودانی کو سدھارے اور بارگاہِ نبوی کی حاضری سے بہرہ ور ہو گئے تو اُس وقت خلافت حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو مل گئی، لہٰذا یہ حدیث مذہبِ اہل السنّت کی اور خلفاء اربعہ کی خلافت کی دلیل ہوئی نہ کہ مذہب اہل تشیع کی — لہٰذا اس حدیث سے انہیں اپنے مذہب پر استدلال کرنا کسی طرح بھی روا نہیں ہے۔

۱۰۔ نیز فرمانِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام، انت منی بمنزلة هارون من موسیٰ سے خلافتِ مرتضویہ پر استدلال اس صورت میں

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

درست ہوتا، جب اس جملہ سے ان کو خلیفہ بنایا جاتا، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ پہلے بنایا گیا تھا اور جب آپ نے شکایت کا اظہار کیا کہ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جا رہے ہو تو اس کے جواب میں دل جوئی اور تسکین کے لیے آپ نے یہ جملہ زبانِ اقدس پر جاری فرمایا اگر آپ کی طرف سے وہ شکوہ سرزد نہ ہوتا، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ جواب بھی صادر نہ ہوتا تو جو خلافت اس جملہ سے قبل پائی گئی تھی، اس پر اس سے استدلال کیونکر درست ہو سکتا ہے اور اس پر وہ نتیجہ کیونکر مترتب ہو سکتا ہے، جو اہلِ تشیع مترتب کرنا چاہتے ہیں۔

رسالہ تنزیہ الامامیہ ازعلامہ محمد حسین ڈھکو صاحب

حدیث منزلت پر ایراد اور اس کا جواب

پیر صاحب کا یہ کہنا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل پر غزوۂ تبوک والی روایت کو پیش کرنا سخت ناواقفی اور بیخبری ہے۔ پیر صاحب کی دیدہ دلیری ہے۔

۱۔ شاید پیر صاحب کو یہ معلوم نہیں کہ ان کے فتوے کی زد صرف شیعانِ علی پر ہی نہیں پڑتی، بلکہ جنابِ امیر کی ذات بابرکات بھی اس کی لپیٹ میں آجاتی ہے، کیونکہ کتبِ سیر و تواریخ سے ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دربارِ خلافت میں اپنی خلافتِ حقہ کے ثبوت میں اس حدیثِ منزلت کو بھی پیش فرمایا۔ ینابیع المودت اور الدر المنظم۔

۲۔ حاضرینِ دربار کا اس کی صحت اور دلالت میں خدشہ نہ کرنا جہاں اس کی صحت کی قطعی دلیل ہے، وہاں اس حدیث کے دلیلِ امامت و خلافت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہونے کا ناقابلِ انکار ثبوت ہے اور پیر صاحب کے خدشہ کے بے بنیاد ہونے کا روشن برہان بھی ہے۔

۳۔ جہاں تک اس کی صحت و صداقت کا تعلق ہے، اس پر تمام ائمہ حدیث کا اتفاق ہے علامہ ابن عبدالبر "استیعاب" جلد ثانی ص۴۵۹ پر فرماتے ہیں کہ اس کو صحابۂ کرام کی ایک جماعت نے نقل کیا ہے اور یہ ثابت ترین اور صحیح ترین اخبار و آثار سے ہے۔

۴۔ جہاں تک اس حدیث کی جناب امیر علیہ السلام کی خلافتِ مطلقہ پر دلالت کا تعلق ہے، وہ بھی روزِ روشن کی طرح واضح و آشکار ہے اور شکوک و شبہات سے بے غبار ہے۔

۵۔ اس مقصد کی مزید توضیح کے لیے یہ چیز ذہن نشین رہے؛

(أ) عقلائی قاعدہ ہے کہ کسی مطلب کی عمومیت اور خصوصیت کے لیے ہمیشہ عموم الفاظ اور ان کے خصوص پر نظر کی جاتی ہے۔ نفسِ واقعہ کو مدِ نظر نہیں رکھا جاتا۔ کما قیل، العبرۃ لعموم الالفاظ لا لخصوص المورد۔ لہٰذا یہیں دیکھا جائے گا کہ یہ ارشاد غزوۂ تبوک کے موقعہ پر فرمایا یا کسی اور موقعہ پر بلکہ یہ دیکھا جائے گا کہ اس میں عموم ہے یا نہیں ہے؟

(ب) علمائے عربیت نے تصریح کی ہے کہ اسم جنس مضاف ہو یا معرف باللام ہو تو وہ جمع مضاف کی طرح عمومیت اور استغراق کا فائدہ دیتی ہے اور لفظ منزلت بھی اسم جنس ہے، جو مضاف واقع ہوا ہے، لہٰذا مفید عموم ہوگا، یعنی سوائے نبوت اور اس کے خصائص کے دیگر تمام منازل و مراتب میں تجھ کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام سے تھی۔

(ج) علماء کرام نے اس عموم کی صحت کا معیار استثناء کو قرار دیا ہے، یعنی جہاں کلام میں استثناء کرنا صحیح ہوگا، وہاں عموم ہوگا اور یہاں استثناء موجود ہے اور حضرت ہارون علیہ السلام بنصِ قرآن، "قال لاخیہ ھارون اخلفنی فی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

قومی" خلیفہ اور نائب موسیٰ علیہ السلام تھے۔ لہذا حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی خلیفہ اور نائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

۶۔ یہ کہنا کہ حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں وفات پاگئے اور انہیں مسندِ موسوی پر بیٹھنے کا اتفاق نہیں ہوا، لہذا حضرت امیر کو بھی نہیں ہونا چاہیئے۔ ایسے ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ حضرت ہارون (علیہ السلام) بڑے تھے، لہٰذا حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کو بھی بڑے ہونا چاہیئے۔ یہاں ذاتی تشخصات اور شخصی کیفیات میں کلام نہیں ہے، بلکہ منازل اور مراتب میں کلام ہے، لہذا دیکھنا صرف یہ ہے کہ اگر موسیٰ علیہ السلام کے وصال کے وقت حضرت ہارون علیہ السلام موجود ہوتے، تو آپ کے جانشین وہی ہوتے یا کوئی اور؟ ظاہر ہے کہ ہر صاحبِ عقل و انصاف یہی جواب دے گا کہ جناب ہارون (علیہ السلام) کی موجودگی میں کسی اور شخص کی خلافت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

۷۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے وقت حضرت امیر زندہ اور موجود تھے، لہذا ان کی موجودگی میں کسی اور شخص کی خلافت کا تصور کس طرح کیا جا سکتا ہے؟

۸۔ مؤلفِ رسالہ نے ان دو نصوصِ صریحہ و صحیحہ پر غلط سلط طور پر تنقید و تبصرہ کرنے کے بعد لکھا ہے کہ جناب امیر کی خلافت پر اور کوئی نص موجود نہیں ہے۔
(رسالہ تنزیہہ الامامیہ ص ۱۵۳ تا ۱۵۸)

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تحفۂ حسینیہ　　　　از ابوالحسنات محمد اشرف السیالوی

حدیثِ منزلت میں شیعی تاویلات وتسویلات کا ردِّ بلیغ

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز کے ارشادات کے جواب میں علامہ ڈھکو صاحب کی تاویلات وتسویلات آپ نے ملاحظہ فرمالیں، اب ان کے جوابات اور وجوہ بطلان ملاحظہ فرمائیں اور خود ہی انصاف کریں کہ آیا اس شیعی استدلال کی کوئی وجہ صحت موجود ہے؟

جواب الاوّل: علامہ صاحب نے فرمایا کہ پیر صاحب کا اس حدیث سے خلافتِ بلافصل پر استدلال کو بے خبری قرار دینا خود حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ ڈھکو صاحب خوابوں کی دُنیا میں بسنے والے ہیں اور خواب وخیال کے سہارے ہی سب کچھ اُگلتے چلے جاتے ہیں۔ جب اہل السنّت کی کسی معتبر کتاب میں موجود ہی نہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے مقابل اپنی خلافت بلافصل کی دلیل کے طور پر اس حدیث کو یا کسی دوسری ایسے مضمون کی حدیث کو پیش کیا تو آپ بےخبری والے قول کی لپیٹ میں کیونکر آسکتے ہیں۔ علامہ صاحب اگر ہمارے نزدیک کوئی ایسی صحیح حدیث موجود ہوتی تو قطعًا اس کے خلاف عقیدہ نہ رکھتے۔ اگر تم ڈھکو فیل کے فرد ہو کر حضرت امیر کے ساتھ محبت کے دعویدار ہو سکتے ہو تو ہم حقیقی ثبوت اس محبت کا اپنے عمل اور عقیدہ سے پیش کرتے، کیونکہ بحمد اللہ تعالیٰ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی مقدس طینت اور خمیر سے پیدا ہونے والے ہیں، مگر برصغیر کی صدیوں پر محیط اسلامی تاریخ بتلاتی ہے کہ آپ کی ساری اولاد امجاد سادات ہوں یا اعوان اور کھوکھر وغیرہ وہ سبھی سُنّی مذہب پر قائم رہے اور اسی کے مبلغ اور داعی رہے ہے، جس سے صاف

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ظاہر ہے کہ حضرت امیر کا اپنا مذہب اور اُن کی تعلیم و تربیت اور ان کے ارشاد و فرمان کے مطابق و موافق صرف مذہب اہل السنت ہی تھا، جیسے کہ حضرت زید بن زین العابدین رضی اللہ عنہما نے تلواروں کی چھاؤں، تیروں کی بارش اور نیزوں کی نوکوں کے سامنے اسی حقیقت اور عقیدہ کا برملا اعلان کیا اور ہر خوف و خطر سے بے نیاز ہو کر اہل بیت کا مذہب اور نظریہ علانیہ بیان کیا اور آپ نے ان ہزار ہا روافض کی ہمنوائی حاصل کرنے اور اُن کی امداد و اعانت کے حصول کی خاطر کسی وقتی اور عارضی مصلحت کو بھی اعلانِ حق میں حائل نہ ہونے دیا اور روافض و اہلِ تشیع اسی حق گوئی اور صداقت کی سزا دینے کے لیے ان سے الگ ہو گئے اور انہیں دشمنوں کے حوالے کر گئے اور اس فرزندِ مصطفےٰ اور لختِ جگرِ مرتضےٰ اور نورِ نظر فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہم کو سولی پر لٹکوا دیا، لیکن حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے غیور خمیر سے پیدا ہونے والے اس غیرت مند جوان نے سولی پر چڑھنا منظور کر لیا مگر اپنے اور اہل بیت کے مسلک و مذہب میں کسی قسم کا ابہام اور اخفاء برداشت نہ کیا۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ اس قسم کے دلائل پیش کر کے اپنی خلافت بلا فصل ثابت کرتے رہے تھے، تو حضرت زید رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی برأت بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی اور چالیس ہزار معاونین میں سے ساڑھے انتالیس ہزار کی امداد و اعانت سے اپنے آپ کو محروم کرنے کی کیا ضرورت تھی؛ جو صرف اس وجہ سے ان کا ساتھ چھوڑ گئے کہ انہوں نے ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو کتاب خدا اور سنت رسول پر عمل کرنے والے اور ظلم و غضب سے منزہ و مبرا کیوں قرار دیا اور ان کے حق میں کلمات مدح و ثنا کیوں کہے ہیں؟
الغرض اہل بیت کرام اور اولادِ مرتضےٰ رضی اللہ عنہم کا عقیدہ و عمل اور ان کی روش و کردار اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ اس مقدس خانوادہ کے مورثِ اعلیٰ کا مذہب و مسلک اور عقیدہ و نظریہ بھی یہی تھا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

۲۔ ابن ابی الحدید شیعی معتزلی نے احمد بن عبد العزیز الجوہری کی کتاب السقیفہ سے بیعتِ ابی بکر کے موقعہ پر سقیفہ بنو ساعدہ میں رونما ہونے والے مکالمات و مباحثات کو مفصل طور پر بیان کرنے کے بعد کہا:

قلت ھذا الحدیث یدل علی بطلان ما یدعی من النص علی امیر المومنین وغیرہ لانہ لو کان ھناک نص صریح لاحتج بہ ولم یجر للنص ذکر وانما کان الاحتجاج منہ ومن غیرہ من ابی بکر ومن الانصار بالسوابق والفضائل والقرب فلو کان ھناک نص علی امیر المومنین او علی ابی بکر لاحتج بہ ابو بکر علی الانصار ولاحتج بہ امیر المومنین علی ابی بکر (شرح حدیدی ج ۶ ص ۱۲)

میں کہتا ہوں کہ سقیفہ کی یہ حدیث حضرت علی یا حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہما) کی خلافت پر تنصیص کے دعویٰ کے بطلان پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ اگر ایسی صریح نص موجود ہوتی، تو اس کو بطورِ حجت و دلیل پیش کیا جاتا، حالانکہ یہاں سرے سے کسی نص کا ذکر ہی نہیں پایا گیا اور جس کی طرف سے بھی خلافت کے لیے استحقاق اور موزونیت پر استدلال پیش کیا گیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہوں یا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ یا انصار ان سب نے ایمان و اسلام میں سبقت فضائل اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی قربت کو ہی بطورِ حجت و دلیل پیش کیا ہے۔ اگر کوئی نصِ صریح حضرت علی یا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما کے حق میں موجود ہوتی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے حق میں وارد نص کو انصار کے سامنے پیش کرتے۔ (اور اس کے ذریعے انہیں اپنی امارت کے دعوے سے باز رکھتے) اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے حق میں وارد نص کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کر کے انہیں اس منصب اور مسند پر متمکن ہونے سے باز رکھتے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ابن ابی الحدید کا تشیع اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں افضلیت کا عقیدہ اور اصحابِ جمل اور اہلِ صفین کے حق میں اس کی جسارت اور بے باکی "شرح حدیدی" کے متعدد مقامات پر مشاہدہ کی جا سکتی ہے اور ہم نے دوسرے مقام پر اس کو بیان بھی کیا ہے، لیکن اس مقام پر اس کی یہ تصریح اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل پر نہ کوئی نص موجود تھی اور نہ ہی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے سقیفہ اور دیگر کسی مقام پر اس کو پیش کیا گیا ہے، تو حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کے اس فرمان کی لپیٹ میں حضرتِ امیر رضی اللہ عنہ کیسے آ سکتے ہیں؟ اور آپ کا یہ فتویٰ ان پر کیسے لاگو ہو سکتا ہے؟

۳- اگر ابن ابی الحدید وغیرہ کے حوالہ جات سے اس قسم کا کوئی استدلال حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبانی ثابت ہوتا ہے، تو وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قائم کردہ مجلسِ شوریٰ کے سامنے البتہ ثابت کیا جا سکتا ہے۔ اس وقت آپ نے "من کنت مولاہ فعلیّ مولاہ"، "الا ترضیٰ ان تکون منّی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ" اور سورۃ برأت کی ابتدائی آیات کا اہلِ مکہ کے سامنے تلاوت کر کے معاہدہ کو کالعدم قرار دینے کے لیے بھیجے جانے کا تذکرہ ضرور فرمایا، لیکن وہ بھی خلافتِ بلافصل یا مطلق خلافت کی نصوص کے طور پر نہیں، بلکہ اپنے فضائل اور امتیازی خصوصیات گنوانے کے لیے ان کو ذکر کیا اور دوسرے حضرات پر اپنی ترجیح ثابت کرنے کے لیے۔ لہٰذا جب حضرت علی رضی اللہ عنہ خود اس کو نصِ خلافت تسلیم نہیں کرتے اور نہ خلافت بلافصل کی دلیل کے طور پر اس کو پیش فرماتے ہیں، تو شیعہ حضرات کو اسے نصِ خلافت قرار دینے کا کیا حق پہنچتا ہے اور حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ پر اعتراض کا کیا جواز باقی رہ جاتا ہے؟ پھر جن کتابوں میں اس قسم کی روایات موجود ہیں، وہ بھی شیعہ کے ہی کسی نہ کسی فرقہ اور گروہ سے متعلق حضرات کی ہیں اور غیر معتبر اور غیر مستند، لہٰذا ان کو ہمارے مقابل پیش کرنے کا کیا جواز ہے؟

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جواب الثانی : دوسری توجیہ و تاویل ڈھکو صاحب نے فرمایا کہ حاضرین دربار کا اس استدلال میں خدشہ پیش نہ کرنا صحتِ حدیث کی دلیل بھی ہے اور اس کے نصِ امامت و خلافت ہونے کی بھی۔ سبحان اللہ العظیم علامہ موصوف کے نزدیک خدشہ پیش نہ کرنے کا پتہ نہیں معنیٰ و مفہوم کیا ہے؟ جب بقول ان کے حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے یہ استدلال پیش کیا تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس کو قبول کر لیا گیا اور اس کے مطابق عمل کرتے ہوئے آپ کی بیعت کر لی گئی اور اگر اس استدلال کو نہ قبول کیا گیا ہو اور نہ اس کے مطابق عمل ہی کیا ہو اور صرف انصار اور عام مہاجرین کی طرف سے ہی نہیں، بلکہ قریب ترین برادری بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کی طرف سے بھی اس کو شرفِ پذیرائی نہ حاصل ہو سکا ہو تو مزید خدشہ پیش کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ محض آنکھیں بند کر کے کہہ دینا کہ خدشہ پیش نہیں کیا گیا، لہٰذا یہ نصِ خلافت ہو گئی، جہانِ عقل و خرد میں کوئی وزن نہیں رکھتا، اگر انکا زبانی خدشہ قابلِ اعتبار تھا، تو اجماعی عملی والا خدشہ کیوں لائقِ اعتبار نہیں ہے؟

علاوہ ازیں یہ جواب اس مفروضہ پر مبنی ہے کہ آپ نے اس کو نصِ خلافت کے طور پر پیش کیا تھا، حالانکہ یہ بھی خلافِ واقعہ ہے اور اس کا کوئی ثبوت ہی نہیں ہے اور جب بنیاد ہی درست نہیں ہے، تو اس پر تعمیر شدہ محل کس طرح قائم اور برقرار رہ سکتا ہے۔ لہٰذا پیر صاحب قدس سرہ العزیز کا اس حدیث کے خلافتِ بلافصل کی نص ہونے میں خدشہ بالکل بجا اور برمحل ہے۔

جواب الثالث : علامہ صاحب نے فرمایا جہاں تک اس حدیث کی صحت کا تعلق ہے، تو اس پر تمام محدثین کا اجماع ہے۔ دوسری اور تیسری توجیہ میں صحتِ حدیث پر زور دیا گیا ہے، جبکہ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے اس کی صحت میں کلام ہی نہیں کیا، لہٰذا سوائے بے فائدہ اور بے مقصد طوالت کے اس اس سے کیا حاصل ہوا؟ ہمارے نزدیک صحیح حدیث ہونے کے باوجود سرورِ عالم

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت بلا فصل کی نص نہیں ہے۔ اگر کوئی پہلو دلالت کا اس میں موجود تھا، تو اس کا ذکر کرنا کافی تھا، خواہ مخواہ طوالت بیان کی کیا ضرورت تھی؟

جواب الرابع شیعی فاضل نے کہا: اس حدیث کا حضرت امیر کی خلافتِ مطلقہ پر دلیل ہونا روزِ روشن کی طرح آشکارا اور بے غبار ہے۔ ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ علامہ موصوف اس کھلی حقیقت سے بھی بے خبر ہیں کہ محلِ نزاع اور مختلف فیہ امور میں بداہت کا دعویٰ قابلِ شنوائی اور لائق پذیرائی نہیں ہوتا، بلکہ مدعی کی عاجزی اور بے بسی کی دلیل ہوا کرتا ہے۔ ایک حدیث کی متنازع اور اختلافی امر پر دلالت میں چودہ صدیوں سے اختلاف چلا آرہا ہے، مگر پندرھویں صدی میں اس کی دلالت کو واضح و آشکارا اور بالکل بے غبار قرار دے دینا صرف اسی شخص کو زیب دیتا ہے، جس میں ہوش و خرد نام کی کوئی شئی نہ ہو اور ابن سبا کی جنت میں بستا ہو۔

حضرات اہل السنت ہوں یا معتزلہ اور غیر امامی شیعہ ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات والا صفات سے جو محبت اور قلبی لگاؤ ہے، وہ ان کی کتب حدیث و سیر اور تفاسیر وغیرہ سے ظاہر ہے اور انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کرام علیہم الرضوان کے مناقب و فضائل میں روایات و احادیث کے دفاتر نقل کیے ہیں، لیکن اس کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل کے قائل نہیں یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافتِ بلا فصل نہ دینے پر صحابہ کرام علیہم الرضوان کو بالعموم اور خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو بالخصوص مُرتد اور ظالم و غاصب وغیرہ قرار نہیں دیتے، تو اس کی صرف اور صرف یہی وجہ ہے کہ ان کے نزدیک ایسی کوئی نص صریح اور دلیلِ قطعی موجود نہیں ہے، جس سے آپ کی خلافت بلا فصل ثابت ہو سکے اور نہ ہی ان کے نزدیک یہ ثابت ہے کہ آپ نے خلافتِ بلا فصل کے حصول کے لیے نصوص پیش فرمائے جو اسی مقصد کے لیے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

وارد ہوئے ہوں اور اس کے حصول کے لیے جدوجہد فرمائی ہو۔ الغرض جب ہر دور کی اہلِ اسلام کی عظیم اکثریت اور سوادِ اعظم یعنی اہل السنت اور بالخصوص اصحابِ رسول، تابعین و تبع تابعین علیہم الرضوان کے ادوار میں جو امر واضح اور آشکار نہیں تھا، وہ ڈھکو صاحب کے نزدیک پندرھویں صدی میں اس قدر واضح و آشکار کیسے ہوگیا اور امامیہ اثنا عشریہ اور معدودے چند شیعہ کے علاوہ سب اسلامی فرقوں کے علماء و محدثین اور اصولیین اور متکلمین کو واضح اور آشکار امر سے بے خبر قرار دینا بہت بڑی زیادتی ہے۔

نہ صرف ان حضرات پر بلکہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بھی یہ الزام ہے کہ وہ اس قدر واضح اور روشن دلیل کو پیش کر کے اور آشکارا اور بے غبار نص پیش کر کے اپنے خصوم اور مدِ مقابل حضرات کو لاجواب نہ کر سکے اور تمام بنو ہاشم اور بنو عبد مناف پر بھی بلکہ تمام انصار پر بھی اعتراض ہے کہ وہ اس مہرِ نیمروز کی طرح روشن دلیل کو اور بے غبار نص کو نہ سمجھ سکے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جو روایت "الائمۃ من قریش" سنی، اس پر تو ایمان لے آئے اور اپنے دعویٰ خلافت سے دستبردار ہو گئے، لیکن حدیث منزلت، حدیث غدیر اور اس قسم کی دیگر صحیح اور روزِ روشن کی طرح واضح احادیث پر ایمان نہ لائے۔ نعوذ باللہ منہ — ہے کوئی مسلمان جو ان حضرات کو ایسے روشن اور مہرِ نیمروز کی طرح بے غبار دلیل سے بے خبر اور لاعلم مان سکے؟ یہ صرف اور صرف عبداللہ بن سبا کی پارٹی اور اس کے متبعین کا ہی دل گردہ ہے۔ والعیاذ باللہ منہ

جواب الخامس:

اس توجیہ میں علامہ صاحب کا سارا زور اس امر پر ہے کہ حدیثِ منزلت میں عموم ہے، لہٰذا صرف غزوۂ تبوک کے عرصہ میں نہیں، بلکہ ہمیشہ کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اعلان پایا گیا اور چونکہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اعتبار عمومِ الفاظ کا ہوتا ہے، خصوصیتِ محل اور مورد کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا لہٰذا یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ یہ اعلان چونکہ غزوۂ تبوک کے موقعہ پر پایا گیا، لہٰذا خلافت بھی صرف اسی عرصہ کے لیے ہوگی اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی پر ختم ہو جائے گی۔

علامہ موصوف الزام تو دوسروں کو دیتے ہیں کہ تعصب اور عناد نے ان کی سوچ اور عقل و فکر کو ماؤف کر دیا ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس قول میں وہ دراصل اپنی حقیقتِ حال کی ترجمانی کر رہے ہوتے ہیں۔ ذرا اسی اندازِ استدلال اور طرزِ فکر کو دیکھیں کہ تعصب اور عناد نے کس طرح ان کی مت مار رکھی ہے، اور دعویٰ عموم میں موجود واضح اور آشکارا خرابیاں ان کی نظروں سے کس طرح اوجھل اور پوشیدہ ہو گئیں۔

اوّل: جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے تو جو اقتدار و اختیار حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو سونپ گئے تھے، وہ خود سنبھال لیا یا نہ؟ دوسری صورت کا بطلان واضح ہے، کیونکہ اگر اقتدار صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس رہا، تو حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا محرومِ اقتدار ہونا لازم آیا اور غزوۂ تبوک کے وقت سے وصال تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ماتحت ہونا لازم آ گیا، جس کا کوئی مسلمان تو کجا کوئی عقلمند کافر بھی قول نہیں کر سکتا اور اگر دونوں حضرات متصرف اور مقتدر رہے، تو بیک وقت دو بادشاہ اور حاکم تسلیم کرنے لازم ٹھہرے، اس کا بطلان بھی ظاہر اور واضح ہے۔

لہٰذا پہلی صورت متعین ہو گئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لائے، تو تفویض کیا ہوا اقتدار و اختیار آپ نے خود سنبھال لیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دوسرے صحابہ کرام علیہم الرضوان کی طرح اور حسبِ سابق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی رعیت اور تابع فرمان بن گئے، اور حس و مشاہدہ نے اس عموم کو ختم کر دیا بلکہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اسے سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے رجوع تک کے ساتھ مخصوص اور مقید کر دیا لہٰذا حِس اور مشاہدہ کی دلالت کو نظر انداز کر کے محض عموم لفظ پر نظر رکھنے کا قطعاً کوئی جواز نہیں ہو سکتا۔

دوم۔ عموم الفاظ وغیرہ کا سہارا لینے کی گنجائش اس وقت ہو سکتی تھی، جب عرفِ عام میں ایسے مواقع پر کسی کو قائم مقام بناتے وقت کبھی کسی نے عموم کا ارادہ کیا ہوتا، جب ہمیشہ معمول ہی یہی ہے اور معروف طریق کار بھی یہی ہے کہ ایسی نیابت و خلافت وقتی اور عارضی ہوا کرتی ہے اور اس کا زمانہ تصرّفِ اصلی حاکم اور صاحبِ منصب کی مراجعت تک ہی ممتد ہوتا ہے، تو معروف قاعدہ "المعروف عادۃً کالمشروط شرطاً" کے مطابق اصل کی واپسی پر نائب کی نیابت خود بخود ختم ہو جاتی ہے، لہٰذا عرف و عادت اور معمول و مروج طریقہ کو نظر انداز کرنے اور محض لفظ کے عموم پر نظر کو مرکوز رکھنے کا کوئی جواز نہیں ہے، بلکہ یہ حقیقت ناقابلِ تردید ہو گئی کہ آپ کی یہ خلافت وقتی اور عارضی تھی اور اس میں قطعاً عموم نہیں تھا۔

سوم، عموم لفظ کا سہارا لینے کی گنجائش اس وقت ہوتی، جب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا اعلانِ خلافت ان الفاظ کے ساتھ کیا جاتا جب آپ کی نیابت و خلافت پہلے پائی گئی اور آپ نے اس پر شکوہ کیا کہ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جا رہے ہو، مجھے بھی دوسرے مجاہدینِ اسلام میں شامل فرماتے تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تسکین اور دل جوئی کے لیے فرمایا: "الا ترضیٰ ان تکون منّی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ"۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام طور کی طرف جاتے ہوئے حضرت ہارون علیہ السلام کو قائم مقام بنا گئے تھے اور میں تبوک کی طرف جاتے ہوئے تمہیں خلیفہ بنا رہا ہوں، لہٰذا یہ نہ دیکھو کہ کن لوگوں پر تمہیں خلیفہ بنا رہا ہوں، بلکہ یہ دیکھو کہ کس ہستی کا خلیفہ بن رہا ہوں۔ لہٰذا جب اعلانِ خلافت اس جملہ سے ثابت ہی نہیں ہے، بلکہ اس خلافت کی تعبیر

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تو اس جملہ سے کی گئی ہے (فاستخلف علیاً) تو آپ نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا۔ اس میں کوتسا عام لفظ موجود ہے، لہٰذا اس جواب میں سراسر مغالطہ دہی سے کام لیا گیا ہے، کیونکہ جو خلافت پہلے مل چکی تھی، نہ وہ خلافتِ مطلقہ عامہ تھی اور نہ ہی اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خلافتِ مطلقہ سمجھا، بلکہ عورتوں اور بچوں تک محدود سمجھا اور واپسی تک کے لیے، ورنہ اگر مجاہدین کے واپس آنے پر بھی آپ ہی خلیفہ تھے، تو پھر عورتوں اور بچوں میں چھوڑنے کی شکایت بے جا تھی اور حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ تمثیل اس شکایت کے ازالہ اور دل جوئی کے لیے دی گئی تھی نہ کہ پہلی خلافت میں عموم پیدا کرنے کے لیے۔

چہارم: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس خلافت میں زمانہ کے لحاظ سے عموم ثابت کرنا تو دُور کی بات ہے، حلقۂ اثر اور دائرۂ اختیار کے لحاظ سے اس محدود وقت میں عموم ثابت کرنا بھی ممکن نہیں ہے، کیونکہ مدینہ منورہ کے علاوہ دیگر مواضعات اور امصار و بلاد کے عمال اور گورنر آپ کے ماتحت نہیں تھے اور نہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہزاروں کی تعداد میں شریکِ غزوہ مجاہدینِ اسلام ہی آپ کے ماتحت تھے، بلکہ جس طرح دیگر بلاد و امصار میں گورنر اور عمال موجود تھے، اب مدینہ منورہ میں بھی عامل اور گورنر کا تقرر کر دیا گیا، جس کی پہلے ضرورت نہیں تھی، کیونکہ سیدِ عرب و عجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اس میں تشریف فرما تھے، لہٰذا جب اس محدود وقت میں اس کا عموم ثابت کرنا ممکن نہیں ہے، تو بعد والے ادوار کو اس عموم میں داخل کرنے کا کیا امکان ہے؟ الغرض نہ یہاں عموم پر دلالت ہے اور نہ خلافتِ مطلقہ پر اس سے استدلال درست ہونے کی کوئی صورت ہی ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

پنجم: شیعی کتب میں اس امر کی صراحت موجود ہے کہ یہ خلافت مدینہ منورہ تک محدود تھی، بلکہ اہل بیت کے گھرانوں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں کی حفاظت اور دیکھ بھال تک۔ احتجاج طبرسی میں ہے کہ غزوۂ تبوک پر سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کے موقعہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، لم تخلفنی؟ فقال ان المدینة لا تصلح الا بی او بك ص۱۴۹ مطبع جدید۔ "تم مجھے کیوں پیچھے چھوڑے جارہے ہو؟ تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ مدینہ منورہ کی اصلاح اور درستگی میری موجودگی سے ہوگی یا تمہاری موجودگی سے۔"

اور اسی "احتجاج" میں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، لا تخلفنی فانی لم اتخلف عنك فی غزوة قط۔ "آپ مجھے پیچھے نہ چھوڑیں، کیونکہ میں کسی بھی غزوہ میں آپ سے کبھی نہیں بیٹھا۔" تو آپ نے فرمایا: انت وصیتی وخلیفتی فی اهلی بمنزلة هارون من موسٰی۔ ص۲۷۳ "تم میرے اہل میں میرے وصی اور خلیفہ ہو بمنزلہ حضرت ہارون علیہ السلام کے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے"

ان دونوں روایتوں سے صاف ظاہر ہے کہ یہ خلافت اور نیابت مدینہ منورہ تک محدود تھی اور بالخصوص اہل بیت کی خبر گیری کے لیے اور ان کی دیکھ بھال کے لیے تھی، لہٰذا اس میں نہ زمانہ کے لحاظ سے عموم ثابت ہوتا ہے اور نہ حلقۂ اثر اور دائرۂ اختیار کے لحاظ سے۔

ششم: ہماری روایات میں بھی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ گزارش منقول ہے۔ لم تخلفنی فی النساء والصبیان اور شیعی کتب میں بھی لم تخلفنی اور لا تخلفنی کے الفاظ موجود ہیں، جن کا مطلب و مفہوم یہی ہے کہ مجھے عورتوں اور بچوں میں کیوں چھوڑ رہے ہو؟ مجھے پیچھے نہ چھوڑیے، کیونکہ میں پہلے آپ کے بغیر گھر پر کبھی نہیں رہا، تو اس طرح میرے سے کسی حکومت و سلطنت اور امارت و

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

خلافت کے حصول کی ہی نفی ہو جاتی ہے، کیونکہ کوئی بھی عربی لغت سے واقف شخص ان جملوں کا ترجمہ یہ نہیں کر سکتا کہ تم مجھے خلیفہ اور حاکم کیوں بنا رہے ہو؟ ایسے نہ کیجیے لہٰذا اس سے اگر کوئی امر ثابت ہوا تو یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ اور اہل بیت کی حفاظت و نگرانی سونپی گئی اور دشمنوں اور بدخواہوں سے تحفظ اور نگہبانی جیسے کہ افواج اور سپاہ کی ذمہ داری ہوا کرتی ہے، اسی لیے اس دوران امامت نماز کے منصب پر حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ فائز رہے، ورنہ حاکم ہونے کی صورت میں امامت نماز بھی آپ کی ذمہ داری تھی۔ جب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور آپ کے فرزند ارجمند حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو یہاں سرے سے حکومت و سلطنت اور امارت نظر ہی نہ آئی اور اس کا تصور و تخیل بھی پیدا نہ ہوا، تو علامہ ڈھکو صاحب ان سے بڑھ کر کس طرح اس دلالت کو سمجھ گئے اور جو حقیقت ان پر آشکار نہیں ہوئی وہ ان پر کیسے آشکار ہو گئی؟ لاحول ولا قوۃ الا باللہ!

قول و عمل کا تضاد

علامہ ڈھکو صاحب کا دعویٰ اور قول تو یہ ہے کہ عموم الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے اور خصوصیتِ مقام اور مورد کا لحاظ نہیں ہوتا، مگر آپ کا عمل اس کے بالکل منافی و مخالف ہے۔ بلکہ یہ قاعدہ صرف اس وقت ملحوظ ہوگا جب خلفاء ثلاثہ کو ظالم اور غاصب ثابت کرنا ہوگا اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کو مرتد اور خارج از اسلام قرار دینا ہوگا۔ لیکن خلافتِ بلا فصل کے مزعومہ عقیدہ و نظریہ کو ثابت کرنا ہو تو پھر نہ عقل سے غرض رہتی ہے اور نہ عقلائی قاعدہ سے۔ ذرا اسی قاعدہ کو مدِ نظر رکھ کر قول باری تعالیٰ، انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین اٰمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون ۰ کی تلاوت کریں اور بتلائیں کہ اس میں الذین آمنوا عام ہے یا نہیں؟ الذین یقیمون الصلوٰۃ عام ہے یا نہیں یؤتون

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

الزکوٰۃ عام ہے یا خاص اور ھم راکعون میں عموم ہے یا خصوص؟ پھر اس کو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ذاتِ اقدس سے کیوں خاص کر دیا گیا اور خصوصِ مورد اور خصوصیتِ واقعہ کو ملحوظ رکھ کر آیتِ کریمہ کے عمومِ الفاظ کو کیوں نظر انداز کر دیا گیا۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز کے رکوع میں ایک انگوٹھی صدقہ کی تھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چالیس انگوٹھیاں صدقہ کی تھیں جیسے کہ تفسیر صافی ج ۱، ص۱۶۴ پر مذکور و منقول ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کیوں ان عمومات میں داخل نہ ہو سکے اور ان کا ولی المومنین ہونا کیوں کر ثابت نہ ہو سکا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ارشادِ گرامی، وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض الآیہ کے عموم کو نظر انداز کر کے اسے صرف حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ یا صرف حضرت مہدی علیہ السلام کے ساتھ کیوں خاص کر دیا جاتا ہے اور دوسرے خلفاء راشدین جن کے دور میں اسلام کو تمکن اور پائیداری حاصل ہوئی اور قیصر و کسریٰ کے تہ و بالا ہونے کے بعد مکمل امن و سکون حاصل ہو گیا اور دشمنانِ اسلام کا خوف و خطر بالکل دور ہو گیا، انہیں اس آیتِ مبارکہ کے عموم سے کیوں خارج کر دیا گیا؟

الغرض واضح ہو گیا کہ ان قواعد و ضوابط اور اصول کے استعمال میں شیعہ حضرات کے پیمانے بالکل مختلف ہیں اور وہ سراسر تضاد کا شکار ہیں اور وہ ان کے تسلیم کرنے کا صرف اہل السنت کو ہی مکلف سمجھتے ہیں اور اپنے آپ کو اس سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔

قاعدہ وضابطہ سے تمسک کی حقیقت

علامہ موصوف نے فرمایا "عقلائی قاعدہ ہے کہ ہمیشہ الفاظ کے عموم و خصوص پر ہی مطالب و مقاصد کے عموم و خصوص کا دارومدار ہوا کرتا ہے" الخ

۱۔ قاعدہ اپنی جگہ مسلّم ہے، مگر اس کا معنیٰ سمجھنے کی تکلیف نہیں کی گئی اور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

یادیدہ دانستہ مغالطہ دینے کی کوشش کی گئی ہے، کیونکہ قاعدہ اس وقت کے لیے ہے، جب الفاظ میں عموم ہو اور موقعہ ومحل اور شانِ نزول وغیرہ سے اس میں تخصیص کی کوشش کی جائے۔ جب عبارت میں ہی عموم پر دلالت موجود نہ ہو تو پھر اس قاعدہ کو درمیان میں لانے کا موقعہ ومحل کیا رہ جاتا ہے۔

حدیث شریف میں وارد جملہ "فاستخلف علیا" حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نیابت پر دلالت کرتا ہے، تو اس میں عموم کیسے ثابت ہوگیا؟ ڈھکو صاحب اس کا ترجمہ یہ کریں گے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے آپ پر بھی اپنے لشکر پر بھی خلیفہ بنایا یا صرف مدینہ منورہ میں ——— باقی رہ جانے والوں پر خلیفہ بنایا؟ نیز حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اظہارِ شکایت میں جمع معرف باللام استعمال کرتے ہوئے النساء والصبیان کا ذکر فرمایا ہے، تو ان الفاظِ عموم کا ترجمہ یہی کریں گے کہ سارے جہان کی عورتوں اور بچوں پر خلیفہ بنا لے ہو؟ حالانکہ یہاں پر سارے عرب کی عورتوں اور بچوں والا معنیٰ بھی مراد نہیں ہے، بلکہ صرف مدینہ منورہ کی عورتوں اور بچوں والا معنیٰ مراد ہے، تو روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگیا کہ یہاں کلام میں قطعاً عموم نہیں ہے، بلکہ کلام ہی مخصوص حالت میں ہے اور اول تا آخر اسی کا بیان ہے، تو اس کو مقصد متکلم اور سیاق وسباق سے الگ کر کے عموم پر کس طرح محمول کیا جا سکتا ہے؟

ضابطہ وقاعدہ کے بیان میں دھوکہ اور فریب کاری

علامہ صاحب نے کہا، علماءِ عربیت نے تصریح کی ہے کہ اسم جنس معرف باللام ہو تو جمع کی طرح عموم کا فائدہ دیتا ہے اور منزلت بھی اسم جنس مضاف ہے الخ لیکن علامہ صاحب نے اس قاعدہ کو بیان کرتے ہوئے بھی ڈنڈی ماری ہے اور اسے غلط انداز میں بیان کیا ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تعریف باللام یا اضافت وغیرہ میں اصل عہدیت ہے اور بعض افراد کا ارادہ۔ ہاں اس عہدیت اور بعض افراد کے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ارادہ پر کوئی دلالت اور قرینہ نہ ہو تو پھر استغراق والا معنی مراد ہو گا، مثلاً اسی حدیث پاک میں "تخلفنی فی النساء والصبیان" کے الفاظ موجود ہیں اور دونوں جمع بھی ہیں اور معرف باللام بھی، مگر اس میں عموم نہیں ہے کہ سارے عرب کے بچے اور عورتیں مراد لیے جائیں یا سارے جہان کے بلکہ صرف اور صرف مدینہ منورہ کے بچے اور عورتیں مراد ہیں، لہٰذا اس قاعدہ کو غلط انداز میں پیش کرنا فریب کاری اور مکاری ہے یا بدترین جہالت۔ اگر ایک شخص کے اپنے اقرار سے یا شہادت سے ارتکاب زنا ثابت ہو جائے اور حاکم وقت جلاد کو کہے، "اَقِمْ عَلَیْهِ الْحَدَّ" یا "اَقِمْ عَلَیْهِ حَدَّهٗ"۔ تو اب کا ترجمہ یہ ہو گا کہ اس پر زنا کی حد قائم کرے نہ کہ تمام حدود خواہ زنا سے متعلق ہوں یا چوری اور شراب خوری وغیرہ سے اور محصن کی ہو یا غیر محصن کی، سبھی اس پر نافذ کر دے۔

ثمرہ و نتیجہ کا حال

جب ڈھکو صاحب کی بنیاد و اساس اور مبنیٰ و مدار کا حال معلوم ہو گیا تو اب اس پر متفرع نتیجہ اور مترتب ثمرہ کا حال معلوم کریں۔ علامہ صاحب نے فرمایا کہ منزلت بھی مضاف ہے، لہٰذا اس میں عموم تسلیم کرنا ضروری ہے لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں نبوت اور اس کے خصائص کے علاوہ جملہ امور میں اشتراک ثابت ہو گیا، جیسے کہ حضرت ہارون اور حضرت موسیٰ علیہما السلام میں اشتراک تھا، لیکن ادھر استثناء موجود نہیں اور ادھر نبوت کا استثناء کیا گیا ہے۔

لیکن یہاں بھی سراسر دھوکہ دہی اور فریب کاری سے کام لیا گیا ہے، کیونکہ جاہل سے جاہل آدمی پر بھی یہ بات مخفی نہیں رہ سکتی کہ حضرت ہارون اور حضرت موسیٰ علیہما السلام جملہ کمالات میں شریک نہیں تھے اور نہ مراتب و کمالات میں برابر، بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اصل نبی تھے اور حضرت ہارون

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

علیہ السلام تابع، وہ حقیقی حاکم تھے اور صاحبِ اختیار و تصرف اور حضرت ہارون علیہ السلام اُن کے وزیر۔ وہ کلیم اللہ کے منصب پر فائز تھے اور یہ اس منصب پر فائز نہ تھے، لہٰذا جب مقیس علیہ میں ہی تمام مراتب و منازل میں اشتراک اور مساوات ثابت نہ ہوئی، تو مقیس میں یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں کس طرح برابری اور اشتراک ثابت ہو سکتا ہے؟

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ قولِ مصطفوی: "بمنزلۃ ھارون من موسیٰ" تو حکایت ہے اس منزلت کی جو قولِ موسیٰ علیہ السلام: اخلفنی فی قومی سے ثابت ہو رہی تھی، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس قول سے اپنے کمالات اور منازل و مراتب میں حضرت ہارون علیہ السلام کی شرکت اور مساوات بیان فرمانا چاہتے تھے یا آپ اپنی طور پر سے واپسی تک ان کو قوم کی دیکھ بھال اور نگرانی و نگہبانی سونپ رہے تھے۔ کوئی معمولی عقل و دانش کا مالک بھی یہ تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا اس قول سے انہیں عارضی طور پر اور محدود وقت کے لیے قائم مقام بنانا مقصود تھا نہ کہ نبوت اور دیگر منازل و مراتب میں ان کی مساوات بیان کرنا تو جب نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے "بمنزلۃ ھارون من موسیٰ" فرمایا تو لامحالہ اس میں بھی وہی عارضی اور محدود نیابت اور قائم مقامی مُراد ہوگی۔ ورنہ توجیہ الکلام بما لا یرضی بہ القائل لازم آئے گی، جبکہ کلامِ قائل کو اس کی مرضی کے برعکس معنی پر محمول کرنا اور اپنی مرضی سے اس میں تصرف کر دینا عام آدمی کو زیب نہیں دیتا، چہ جائیکہ خاتم الانبیاء والمرسلین اور امینِ خدا اور امینِ خلق کو زیب دے۔ لہٰذا جب ثابت ہو گیا کہ منزلت وہاں پر عام نہیں ہے تو یہاں بھی عام نہیں ہو گی، بلکہ صرف تبوک سے واپسی تک کے لیے عارضی نیابت اور نگرانی و نگہبانی میں قائم مقام ہونے کے معنی میں ہو گی، جس کا وصالِ مصطفوی کے بعد والی خلافت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کیا ہر جگہ استثناء دلیل عموم ہوتا ہے

علامہ موصوف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ کمالات ثابت کرنے کے لیے الا انہ لا نبی بعدی کے استثناء کا سہارا لیا ہے کہ استثناء دلیل عموم ہوا کرتا ہے، لہذا نبوت اور اس کے خصائص کے علاوہ تمام مراتب و منازل میں اشتراک اور مشارکت ثابت ہوگئی، لیکن یہاں بھی موصوف نے دھوکہ دہی سے کام لیا ہے، کیونکہ ہر جگہ استثناء کو عموم کی دلیل نہیں بنایا جا سکتا، بلکہ جہاں مستثنیٰ منہ میں عموم کی صلاحیت موجود ہو، صرف وہاں استثناء کو دلیل عموم سمجھیں گے۔ مثلاً کوئی شخص کہے، لہ علی مائۃ درھم الا عشرۃ۔ یہاں استثناء تو موجود ہے، لیکن مائۃ درہم کو عام نہیں کہیں گے، کیونکہ اعداد اپنے تمام تر مراتب میں الفاظ خصوص ہوتے ہیں، ان کا تعلق دہائیوں سے ہو یا سینکڑوں ہزاروں اور لاکھوں سے نہ کہ الفاظ عموم۔ ہاں البتہ قول باری تعالیٰ ان الانسان لفی خسر الا الذین آمنوا۔ الآیہ میں الانسان میں احتمال خصوص اور عہدیت کا بھی تھا اور عموم کا بھی تو استثناء سے عموم ثابت ہو گیا اور عہدیت یعنی بعض معین انسان مراد ہونے کا احتمال ختم ہو گیا۔ لیکن جب مستثنیٰ منہ کا لفظ پہلے ہی متعین اور مخصوص معنی میں ہو تو پھر استثناء دلیل عموم نہیں ہوگا اور ہم ثابت کر چکے کہ منزلت کے لفظ میں عموم نہیں ہے۔ نہ مقیس علیہ میں اور نہ ہی مقیس میں۔ لہذا یہ خود فریبی کا مظاہرہ بھی ہے اور عوام فریبی کا بھی اور حقائق و واقعات سے آنکھیں بند کر کے ہی علامہ موصوف نے یہ سب کچھ سپرد قرطاس کیا ہے اور اس کو کہتے ہیں تعصب اور عناد جو انسان کو اندھا اور بہرہ کر دیتا ہے۔

جواب السادس چھٹی توجیہ حدیث منزلت کی علامہ صاحب نے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

یہ ذکر کی تھی کہ یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ کون پہلے فوت ہوا اور کون بعد میں؟ بلکہ صرف یہ دیکھا جاتے گا کہ اگر حضرت ہارون علیہ السلام زندہ ہوتے، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وصال ہوا تھا، تو آپ کا خلیفہ کون ہوتا؟ پہلے وفات پانا یا بعد میں اور چھوٹا ہونا یا بڑا ہونا تشخصات اور شخصی کیفیات میں داخل ہے اور محلِ کلام سے خارج۔

علامہ صاحب کی یہ توجیہ بھی خیالی دُنیا میں بسنے والوں کے تخیلِ فاسد اور توہم باطل کی طرح ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کی وفات پہلے نہ ہوتی، تو وہ خلیفہ ہوتے، لیکن حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ تو موجود تھے، لہٰذا وہ خلیفہ بن گئے۔ بحث اس میں نہیں تھی کہ حضرت ہارون علیہ السلام اگر پہلے فوت نہ ہوتے تو حضرت موسیٰ کلیم علیہ السلام کے خلیفے ہوتے یا نہ؟ بلکہ اس میں بحث اور کلام ہے کہ انہیں حضرت کلیم اللہ علیہ السلام نے "اخلفنی فی قومی" کہہ کر اپنے وصال کے بعد منصبِ خلافت تفویض فرمایا یا صرف طور سے واپسی تک کے لیے یہ ذمہ داری سونپی تھی اور اگر آپ ان کو "اخلفنی فی قومی" نہ فرماتے، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصال کے بعد زندہ ہونے کی صورت میں وہی خلیفہ ہوتے یا کوئی دوسرا شخص؟ لہٰذا اس اگر اور بالفرض زندہ ہونے اور خلیفہ بن جانے میں بحث نہیں۔ بحث ہے اس جملہ کی دلالت میں کہ اس میں کس دور کی خلافت مراد ہو سکتی ہے اور ہمارا یہی دعویٰ ہے کہ اس جملہ کو بعد از وصال خلافت سے کوئی تعلق نہیں ہے جس کی وجوہ ذیل میں درج کی جاتی ہیں،

۱۔ حضرت ہارون علیہ السلام شیعی تصریحات کے مطابق پہلے وصال فرما گئے جیسے کہ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ اور دیگر اکابر نے تصریح کی ہے اور اگر ان کے متعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے وصال کے بعد خلیفہ ہونے کا اعلان فرمایا تھا اور ظاہر ہے کہ پیغمبرِ وقت کا ایسا اعلان اذنِ خداوند تعالیٰ کے بغیر نہیں ہو سکتا، تو ایسی صورت میں اس اعلان کا عبث اور بے فائدہ ہونا لازم آئے گا اور یا اللہ تعالیٰ اور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کا بے علم اور بے خبر ہونا نعوذ باللہ! کیونکہ یہ علم تھا کہ وہ پہلے وفات پا جائیں گے، تو یہ اعلان بے فائدہ اور بے مقصد ہو گیا اور علم نہیں تھا، تو جہالت لازم آگئی اور یہ دونوں لازم باطل ہیں، لہٰذا اس جملہ میں بعد از وصال خلافت کا اعلان مراد ہونا بھی باطل ہو گیا بلکہ صرف اور صرف وقتی اور عارضی نیابت اور خلافت ثابت ہوئی اور جب مقیس علیہ میں بعد از وصال خلافت مراد نہیں، تو مقیس یعنی منزلتِ علی میں یہی عارضی اور وقتی خلافت ہی مراد ہو گی، اس کو بھی وصالِ مصطفوی والی خلافت سے کوئی تعلق نہیں ہو گا۔

۲۔ حضرت کلیم اللہ علیہ السلام نے "اُخلفنی فی قومی" فرما کر مکمل اختیارات سونپ دیئے اور خود ہمیشہ کے لیے ان سے دستبردار ہو گئے یا اپنی موت کے بعد اختیارات سنبھالنے کا حکم دیا تھا۔ دوسری صورت میں وہ گوسالہ پرستی وغیرہ کے معاملات کے جواب دہ نہ تھے، پھر ان کو سرزنش کرنا اور ان کے سر اور ڈاڑھی مبارک کے بال پکڑ کر گھسیٹنے کا کیا مطلب؟ کیونکہ ابھی تو ان کو یہ ذمہ داری نبھی ہی نہیں گئی تھی۔ اور پہلی صورت میں اگر حضرت کلیم اللہ علیہ السلام دستبردار ہو چکے تھے، تو وہ حضرت ہارون علیہ السلام کی رعایا تھے اور زیرِ فرمان، پھر اُن کا اپنے حاکم اور فرماں روا کے ساتھ یہ سلوک کرنا کیسے روا تھا اور اگر یہ روا تھا، تو لامحالہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اصلی اقتدار و اختیار اب بھی اُن کے پاس تھا اور جب وہ طور سے واپس آئے تو انہوں نے اپنے اصلی اور بنیادی اختیارات خود سنبھال لیے اور حضرت کلیم علیہ السلام کے نظریہ کے مطابق قائم مقامی کا حق ادا نہ کرنے پر حضرت ہارون علیہ السلام ان کے عتاب کے مستحق ٹھہرے۔ لہٰذا واضح ہو گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو بعد از وصال خلافت کا منصب نہیں دیا، بلکہ اپنی زندگی کے ان ایام میں، جن میں وہ قوم کے اندر موجود نہیں رہتے تھے،

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اور یہی صورت حال حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں بھی ملحوظ اور مقصود تھی اور یہی معنی و مفہوم صحابہ کرام اور مہاجرین و انصار نے سمجھا اور اس کے مطابق عمل فرمایا۔

۳۔ حضرت ہارون اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے مراتب و منازل میں مکمل مماثلت اور مساوات تھی، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ سلوک ان کے ساتھ کیوں کیا؟ اور حضرت ہارون علیہ السلام ان کے سامنے جواب دہ کیونکر ہو گئے اور وہ مؤاخذہ و عتاب کے حقدار کیسے بن گئے؟ اور اگر استثنائی صورت موجود نہ ہونے کے باوجود فرق مراتب موجود تھا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی جملہ مراتب و کمالات اور مقامات و منازل میں رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کیسے ہو گئے کہ حکومت علی الاطلاق کا مرتبہ و مقام بھی ان کے لیے مسلّم ہو جائے۔

۴۔ شیعہ علماء کا خیال ہے کہ اگر موت واقع نہ ہوتی، تو چونکہ حضرت ہارون علیہ السلام ہی خلیفہ ہوتے۔ لہذا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ موجود ہونے کی وجہ سے خلافت کے لیے متعین ہو گئے، کیونکہ دونوں کی منزلت ایک جیسی تھی، مگر جیسے قبل ازیں بھی بتا چکا ہوں کہ واقعہ میں کس نے خلیفہ بننا تھا' اس میں کلام ہی نہیں، کیونکہ حضرت کلیم علیہ السلام یہ نہ بھی فرماتے کہ تم میری قوم میں میرے قائم مقام ہو، پھر بھی حضرت کلیم علیہ السلام کی وفات کے وقت حضرت ہارون علیہ السلام موجود ہوتے، تو وہ خلیفہ بن جاتے، لہذا اس خلافت کا دارومدار اس حکم پر نہیں ہے' بلکہ اس حکم سے اگر خلافت ثابت ہوئی تو وہی جو طور پر جانے کے بعد شروع ہوئی' اور واپسی پر ختم ہو گئی اور حسب سابق حضرت کلیم علیہ السلام کے وزیر اور مشیر بن گئے اور ہر دور میں حکام و سلاطین اور امراء و خلفاء اس طرح کے نائب اور قائم مقام بناتے رہے ہیں اور اس کی حقیقت و حیثیت ہر خاص و عام کو معلوم ہے اور یہی کچھ صحابہ کرام نے سمجھا اور اسی کے مطابق عمل کیا' لہذا ہم بھی اس خلافت کو اسی معنیٰ و مفہوم میں منحصر اور محدود ماننے کے پابند ہیں اور دلالت حس اور عرف و عادت کے برعکس کسی معنی پر اس کا محمول کرنا قطعاً درست نہیں ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

۵۔ علامہ صاحب نے کہا پہلے فوت ہونا یا بعد میں، اور بڑا ہونا یا چھوٹا محلِ کلام سے خارج ہے، کیونکہ یہ تشخصات اور شخصی کیفیات ہیں اور ان میں کلام نہیں ہے۔ یہ بات سراسر غلط ہے، کیونکہ پہلے فوت ہونے سے اس خلافت کا وقت اور اس کی جہت متعین ہوگئی اور واضح ہوگیا کہ آپ کا مقصد مشروط اعلان نہیں تھا کہ اگر میرے فوت ہونے کے بعد تم زندہ رہے تو میرے خلیفہ بن جانا، بلکہ اب میری عدم موجودگی میں تم میرے خلیفہ ہو اور طور سے واپسی تک میری ذمہ داریوں کو سنبھال لو۔ لہٰذا اس کھلی اور روشن حقیقت کو تشخص اور شخصی کیفیت کہہ کر محلِ کلام سے خارج قرار دینا لغو اور باطل ہے۔

۶۔ علاوہ ازیں یہ دعویٰ بھی محلِ نظر ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت ہارون علیہ السلام میں جو ایک جیسی منزلت ثابت کی گئی ہے، اس میں تشخصات اور شخصی کیفیات بالکل ملحوظ نہیں ہیں۔ معانی الاخبار میں منقول ہے کہ حضراتِ حسنینِ کریمین رضی اللہ عنہما کے تولد پر اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ علی چونکہ بمنزلہ ہارون ہیں، لہٰذا ان کے بیٹوں کے نام بھی ان کے ناموں پر ہونے چاہئیں۔ آپ نے دریافت کیا کہ ان کے نام کیا تھے، تو حضرت جبرئیل نے عرض کیا، شبر اور شبیر۔ آپ نے فرمایا، میری زبان تو عربی ہے اور یہ نام عربی نہیں ہیں، تو انہوں نے عرض کیا، عربی میں ان کا ترجمہ و تعبیر حسن اور حسین ہے، لہٰذا یہ نام رکھ دیں۔ (معانی الاخبار ص۲۱)

کیا اولاد کے اسماء میں یکسانیت شخصی کیفیات سے نہیں تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو محلِ کلام سے خارج کیوں نہ قرار دیا اور کیوں نہ اسے نظر انداز فرمایا اور جب یہ تشخصات اور شخصی کیفیات اللہ تعالیٰ نے اس تشبیہ و تمثیل سے خارج نہیں فرمائے اور نظر انداز نہیں کیے ہیں، تو ڈھکو صاحب کو کیا حق حاصل ہے کہ وہ ان سب کیفیاتِ مشخصہ کو نظر انداز کریں اور علی الخصوص خلافتِ عامہ کے زعم اور مفروضہ میں آپ کی وفات جیسے فیصلہ کن امر کو نظر انداز کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے جیسے کہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اصحابِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مہاجرین و انصار علیہم الرضوان نے اس کو محلِ کلام سے خارج اور غرضِ مصطفوی سے بے تعلق نہیں گردانا اور نہ ہی اہل بیت کرام نے اور مرتضوی اقربا نے اسے خارج تسلیم کیا، بلکہ حضرت ہارون علیہ السلام کی وفات کو ملحوظ رکھ کر یہی نتیجہ اخذ کیا کہ ان کی خلافت صرف حضرت کلیم علیہ السلام کی واپسی تک تھی۔

جواب السابع: علامہ ڈھکو صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت ہارون علیہ السلام کا تو پہلے وصال ہو گیا تھا، لہٰذا خلیفہ نہ بن سکے، مگر حضرت امیر علیہ السلام تو زندہ موجود تھے، لہٰذا ان کی موجودگی میں کسی دوسرے شخص کی خلافت کا تصور کس طرح کیا جا سکتا تھا؟

مقامِ حیرت ہے کہ ڈھکو صاحب کو پندرھویں صدی میں جو چیز ناقابلِ تصور معلوم ہو رہی ہے، وہی چیز یعنی دوسرے حضرات کی خلافت، مہاجرین و انصار، بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب اور بنو عبد مناف، بلکہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اتفاق اور اجماع کے ساتھ موجود اور متحقق ہو گئی، لہٰذا انہیں اپنی چشم تصور سے بغض و عناد کا سیاہ موتیا اتار کر اس حقیقت کا بغور جائزہ لینا چاہیے کہ ان سب صحابہ اور قرابتداران رسولِ معظم نے حدیثِ منزلت کا جو معنیٰ و مفہوم سمجھا تھا، ہم بھی وہی معنیٰ و مفہوم کیوں نہ درست تسلیم کر لیں اور اپنے خود ساختہ معنی کو ہی کیوں نہ ترک کر دیں۔

۲۔ نیز یہ حقیقت محتاجِ بیان نہیں ہے کہ جن حضرات کے سامنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں رہنے کا حکم دیا اور اُن کی شکایت پر فرمایا: "الا ترضی ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسٰی"۔ انہوں نے حالات و واقعات، پیش منظر اور پس منظر اور اس کے مالہ اور ماعلیہ کو مدنظر رکھتے ہوئے یہی معنی سمجھا تھا کہ یہ خلافت اور نیابت عارضی ہے اور یہ جملہ شیرِ خدا رضی اللہ عنہ کی دلجوئی اور تسکین قلب کے لیے ہے اور وقتی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اور محدود وقت کی نیابت کے لیے نہ کہ دائمی یا بعد از وصال خلیفہ بنانے کے لیے ہے۔
قبل ازیں متعدد دفعہ اس امر کی طرف متوجہ کر چکا ہوں کہ سب سے پہلے خلافت کا معاملہ انصار نے چھیڑا تھا اور مدینہ منورہ میں اپنی حکومت و سلطنت قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اور جب انہیں اس سے روکا گیا، تو انہوں نے کہا تم ہمارے ہاں پناہ حاصل کرنے کے لیے آئے تھے۔ اب ہمارا حقِ امارت و حکومت بھی غصب کرتے ہو جیسے کہ ابن ابی الحدید شارح "نہج البلاغۃ" نے خطیب انصار کا خطبہ نقل کیا ہے: اما بعد فنحن الانصار وکتیبۃ الاسلام وانتم رھط نبینا دفت الینا دافۃ من قومکم فاذا انتم تریدون ان تغصبونا الامر۔ شرح حدیدی جلد ۲ صفحہ ۲۴

بعد حمد و ثنا کے واضح ہو کہ ہم انصار ہیں اور لشکرِ اسلام اور تم ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت ہو، تمہاری قوم میں سے ایک جماعت حالات سے مجبور اور تنگ آ کر ہمارے پاس پناہ حاصل کرنے آئی اور اب تم یہ ارادہ بھی رکھتے ہو کہ ہم سے امرِ حکومت سلب کر لو۔

لیکن جب انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زبانی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سنا کہ ائمہ اور فرماں روایانِ اسلام قریش سے ہی ہوں گے، تو انہوں نے اس کو تسلیم کیا اور اپنے سابقہ نظریہ کو ترک کر دیا، اور اپنے دعوے سے دستبردار ہو گئے، تو یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ براہِ راست حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثِ منزلت اور حدیثِ غدیر کو سنیں مگر اس کو نظر انداز کر دیں، جبکہ قرآن مجید نے ان کی شان ہی یہ بیان کی ہے: یؤثرون علی انفسھم کہ وہ مہاجرین کو اپنوں پر ترجیح دیتے ہیں اور انہیں سبھی مہاجرین محبوب اور پیارے لگتے ہیں: یحبون من ھاجر الیھم تو مہاجرین کے اہم ترین فرد اخ الرسول، زوج البتول، منزلت ہارونی کے مالک اور من کنت مولاہ فعلی مولاہ کی شان والے کے لیے یہ ایثار نہ کریں

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اور مسندِ رسول علیہ السلام پر ان کے حقیقی وارث کو بٹھانے کی بجائے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بٹھا دیں اور اپنے دین کو اور دنیاوی مقام کو بھی تباہ کر دیں نعوذ باللہ! قطعاً یہ امر ممکن نہیں ہے۔

۳۔ شیعی کتب اور اہل السنت کی روایات سے ثابت ہے کہ انصار کا راستہ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سب سے زیادہ پسندیدہ، جیسے کہ احتجاج طبرسی میں اس کی تصریح موجود ہے تفصیل اس کی یوں ہے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں مسجدِ نبوی میں دو سو سے زائد مہاجرین وانصار بیٹھے ہوئے تھے، جن میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ اس مجلس میں قریش نے اپنے فضائل و مناقب بیان کیے اور انصار نے اپنے حق میں وارد ارشاداتِ نبوی بیان کیے جن میں سے انصار کی شان میں وارد سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی تھا، لو سلک الناس شعبا لسلکت شعب الانصار۔ یعنی اگر لوگ ایک گھاٹی اور پہاڑی راستہ پر چلیں (اور انصار دوسری گھاٹی اور پہاڑی راستہ پر چلیں) تو میں انصار والے راستہ پر چلوں گا۔ پھر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے مناقب بیان کرنے سے قبل مہاجرین وانصار کے بیان کردہ فضائل اور مناقب کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا: ما من الحیین احد الا وقد ذکر فضلا وقال حقا ان دونوں جماعتوں اور قبیلوں میں سے ہر ایک نے اپنی اپنی فضیلت بیان کی اور جو کہا حق اور سچ کہا۔

تو اس طرح اہل السنت اور اہلِ تشیع کے نزدیک یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ انصار کی راہ، راہِ نبوت ہے اور یہی راہِ نجات اور صراطِ فوز و فلاح ہے اور انہوں نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بجائے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو رسولِ معظم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسندِ خلافت دے دی، تو واضح ہو گیا کہ یہی روش اور طریقہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ روش اور طریقہ ہے اور جو عمل و کردار ان

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کا اہلِ اسلام کے سامنے آیا، اس میں دُنیاوی اغراض کو اور ذاتی مصالح و منافع کو قطعاً کوئی دخل نہیں تھا، بلکہ اپنی دنیا تو قربان کر دی، لہٰذا یہ عمل سراسر اخلاص اور نیک نیتی پر مبنی تھا اور انصار کو قرآنِ مجید نے فاولئك هم المفلحون کی سند فوز و فلاح عطا کی ہے، لہٰذا ہماری فلاح و نجات بھی اسی میں ہے کہ ان کی اتباع کریں اور جو کچھ انہوں نے حدیثِ منزلت اور حدیثِ غدیر کے معانی سمجھے، ہم بھی انہیں معانی کو مرادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم قرار دیں اور اپنے توہم و تخیل کے مطابق نئے معانی گھڑ کر ان مقدس ہستیوں کو اس کا پابند نہ ٹھہرائیں اور مخالفت کی وجہ سے ان پر ارتداد وغیرہ کے فتوے نہ لگائیں، بلکہ اپنی اصلاح کریں۔ الغرض واضح ہو گیا کہ حدیثِ منزلت کا وہ مفہوم نہیں، جو ابن سبا اینڈ کمپنی نے تیار کیا تھا۔

۴۔ نیز حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے شیعی کتب کے حوالہ سے ثابت کیا تھا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ مدینہ میں ٹھہرے نہیں تھے، بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے تھے اور غزوہ تبوک میں شامل ہو گئے تھے، لہٰذا یہ مماثلت تو اس وقت ہوتی جب آپ قیام مدینہ پر رضامند ہوتے اور حضرت ہارون کی طرح ٹھہرے رہتے، لیکن آپ نے مدینہ منورہ میں قیام نہ کر کے اور بنفسِ نفیس غزوہ میں شریک ہو کر وہ منزلت قبول نہ کی، جس کے متعلق حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ کیا تم اس پر راضی نہیں کہ میری نسبت سے وہ منزلت تمہارے لیے ثابت ہو جو حضرت ہارون کو حضرتِ موسیٰ علیہما السلام سے حاصل تھی، جس طرح وہ قوم بنی اسرائیل میں رہے، تم مدینہ میں رہو۔ مگر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جب نہ رہے، تو ثابت ہو گیا کہ آپ نے غزوہ میں شامل ہونے کو اس منزلت پر ترجیح دی۔ تو اگر آپ اس کو دائمی اور علی الاطلاق خلافت سمجھتے اور نبوت کی مانند امتیازی مرتبہ و مقام تو پھر اس سے اعراض کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی تھی، لہٰذا ڈھکو صاحب نے اس حدیث کا گویا وہ معنیٰ گھڑا ہے، جو باب مدینۃ العلم کے بھی وہم و گمان میں نہیں تھا۔

نوٹ: ملا باقر مجلسی کی "حیات القلوب" کے اس حوالے سے شیعہ مذہب کا سارا تانا بانا ادھڑ جاتا تھا، اس لیے علامہ صاحب یہاں سے یوں خاموشی کے ساتھ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نکل گئے گویا کہ یہ حوالہ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے ذکر ہی نہیں کیا تھا اور موصوف کا ہر اُس حوالے کے متعلق یہی معمول ہے جس کا جواب نہ بن سکتا ہو۔

۵۔ علامہ موصوف نے فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں دوسرے کسی شخص کی خلافت کا تصور بھی کیسے کیا جا سکتا تھا۔ لیکن حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے تاثر یہ دیا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہوتے ہوتے دوسرے کسی بھی شخص کی خلافت کا تصور نہیں کیا جا سکتا، اسی لیے جناب ابوسفیان کی افواج وسپاہ مہیا کرنے کی پیش کشوں اور حضرت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے بار بار مشوروں کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس خلافت کے خلاف کوئی اقدام نہ کیا، بلکہ اس خلافت کے خلاف کارروائی کو منافرتِ جاہلیہ اور تعصب بے جا سے تعبیر کیا، اور کچے پھل توڑنے اور غیر کی زمین میں کھیتی باڑی کرنے کے مماثل قرار دیا۔ اور آپ نے حضرت ابوبکر، پھر حضرت عمر اور بعدازاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہم سے مکمل موافقت فرمائی اور مقدور بھر معاونت بھی کی۔

اس پس منظر میں دو ہی راستے رہ جاتے ہیں کہ حدیث منزلت وغیرہ کے وہ معانی تسلیم نہ کیے جائیں، جو روافض اور اہلِ تشیع نے بیان کیے ہیں یا پھر تمام صحابہ کرام کو بمع حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مجرم اور گناہ گار اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف اور باغی تسلیم کیا جائے۔ حضرات صحابہ اس لیے مجرم ہو گئے کہ انہوں نے حقدارِ خلافت کو اس کا حق نہ دیا اور فرمان نبوی کی مخالفت کی اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس لیے مجرم ٹھہریں گے کہ انہوں نے اپنا حق حاصل کرنے کے لیے کوئی سعی اور جدوجہد نہ کی اور ابوسفیان کی پیشکش کے ساتھ ساتھ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مشورے اور تعاون کو بھی ٹھکرا دیا اور یہی وجہ ہے کہ شیعہ فرقوں میں سے کاملیہ فرقہ نے سب مہاجرین و انصار کو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی کافر قرار دے دیا۔ ولہٰذا اکفرت الکاملیۃ واکفرت الصحابۃ لترکھم بیعتہ وکفر ھو بترک

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

المنار عتلقہ سر۔ شرح حدیدی ص۲۵۴، جلد ۱۰

یعنی انہوں نے اس تکفیرِ صحابہ کا سبب یہ بیان کیا کہ انہوں نے بیعتِ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ترک کیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے کفر کا سبب یہ بیان کیا کہ آپ نے صحابہ کرام کے ساتھ نزاع و خلاف کو ترک کر دیا (حالانکہ آپ کو بنو ہاشم بنو عبد المطلب اور بنو عبد مناف کی امداد و اعانت بھی حاصل تھی)

گویا کاملیہ فرقہ نے اس ظلم میں تفریق اور امتیازی سلوک روا نہ رکھا بلکہ دونوں فریق کو ایک ہی فتوے سے نوازا اور حبِ علی کا بھی اور حق گوئی کا بھی حق ادا کر دیا، لیکن امامیہ نے اس ظلم کے ساتھ ساتھ دوسرا ظلم یہ بھی کر دیا کہ اس فتوائے کفر و ارتداد میں تفریق اور امتیاز کو روا رکھا اور عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑتے ہوئے مہاجرین سابقین اور انصار اولین اور تمام صحابہ کرام پر فتوی لگا یا، لیکن حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو مستثنیٰ کر دیا، حالانکہ جب نبی و رسول کے لیے دعوائے نبوت و رسالت لازم ہے، تو امامت جو اس کی مانند ہے، اس میں بھی دعویٰ ضروری ہو گا۔

لیکن دوسرا راستہ اختیار کرنے میں قرآن مجید کی بیسیوں آیات اور حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی و منقول سینکڑوں احادیث کی خلاف ورزی ہے۔ جن میں صحابہ کرام مہاجرین و انصار، تابعین بالاحسان اور فتحِ مکہ کے بعد حلقۂ اسلام میں داخل ہونے والوں کے جنتی ہونے کی تصریح ہے، لہٰذا صرف پہلا راستہ ہی رہ گیا کہ درحقیقت حدیثِ منزلت وغیرہ کا معنی و مفہوم ہی وہ نہیں ہے، جو تراشا گیا ہے۔

۶۔ یہاں پر پھر یاد دہانی کرا دوں کہ اس حدیث سے بعد از وصال خلافت کا اعلان مقصود ہو تو حدیثِ غدیر میں اس خلافت کے اعلان سے تکرار لازم آئے گا اور بقول ڈھکو صاحب یہ تحصیل حاصل ہے اور محال۔ لہٰذا وہ جواب صحیح ہے، تو یہ استدلال غلط ہے اور یہ استدلال صحیح ہے، تو پھر وہ جواب غلط ہے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کہ محبتِ مرتضوی کے وجوب ولازم کا تو پہلے اعلان ہو چکا تھا۔ غدیر خم میں بھی وہی اعلان کیا جانا، تکرار محض ہے اور تحصیل حاصل اور محال سے

عجب مشکل میں ہے سینے والا جیب و داماں کا !
ادھر ٹانکا ادھر ادھڑا، اُدھر ٹانکا اِدھر ادھڑا

۷۔ علاوہ ازیں یہ حقیقت بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ حدیثِ منزلت میں منزلتِ علویہ کو منزلتِ ہارونیہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور عقلائی قاعدہ یہ ہے کہ تشبیہ کے لیے مشبہ اور مشبہ بہ میں تمام وجوہ میں اشتراک اور مماثلت ضروری نہیں ہوتی، بلکہ کسی ایک وجہ میں بھی مشارکت پائی جائے، تو تشبیہ درست ہو جائے گی۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اسد اللہ اور شیرِ خدا کہا جاتا ہے اور یہاں صرف شجاعت و بسالت اور جرأت و دلیری کی صفت میں تشبیہ دینا مقصود ہے نہ کہ تمام اوصاف میں، لہٰذا حضرت ہارون علیہ السلام اگر زندہ ہوتے اور وہ خلیفہ ہو بھی جاتے، تو اس سے یہ کیسے لازم آتا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی خلیفہ ہوتے، کیونکہ مرکز سے لفظاً ہر غیر حاضری اور عدم موجودگی کی صورت میں نیابت اور قائم مقامی میں جب اشتراک پایا گیا تو تشبیہ و تمثیل درست ہو گئی۔ علاوہ ازیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے حضرت ہارون علیہ السلام سے قریب تر کوئی نہیں تھا اور نہ کوئی قربت میں ان کے برابر جبکہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی نسبت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ قریب حضرت عباس رضی اللہ عنہ تھے اور اسی اقربیت کی وجہ سے بعض لوگ ان کی خلافت کے قائل ہو گئے کما صرح بہ ابو جعفر الطوسی فی التلخیص اور آپ کے بھائی عقیل اور دیگر مطلبی حضرات چچا زاد ہونے میں برابر تھے۔ لہٰذا حضرت ہارون علیہ السلام خلیفہ بن جاتے تو بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں اس حدیثِ منزلت سے آپ کی خلافت بلا فصل پر استدلال مفید یقین نہیں ہو سکتا تھا، چہ جائیکہ جب وہ خلافت حضرت ہارون علیہ السلام کے حق میں ثابت ہی نہ ہو۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نیز یہ حقیقت تسلیم کیے بغیر بھی چارہ نہیں کہ وجہ شبہ دونوں جگہ متحقق ہونی چاہیے۔ علی الخصوص کلام انبیاء کرام علیہم السلام میں جو اپنے ارشادات کو فرض اور تخیل پر موقوف نہیں ٹھہراتے اور بالخصوص ایسے واقعہ میں جو گزر چکا ہو اور اس کی صورتِ واقعیہ سے سبھی واقف ہوں اور یہاں پر حضرت ہارون علیہ السلام میں جب خلافت بلا فصل نہ موجود و متحقق ہوئی اور نہ اس کے فرضی و تقدیری وجود پر اس تشبیہ و تمثیل کے موقوف ہونے پر کوئی قرینہ اور اشارہ ہے تو بغیر دلیل و قرینہ کے متحقق وجہ شبہ میں تشبیہ کی بجائے غیر متحقق وجہ شبہ میں تشبیہ اعتبار کرنا خلافِ قاعدہ اور خلافِ اصل ہونے کے علاوہ خلافِ عرف و عادت بھی ہے۔ لہٰذا اس کا قطعاً اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ علی الخصوص جبکہ از روئے قرآن، جنت اور رضوان باری تعالیٰ کی بشارات سے مشرف اور بہرہ ور حضراتِ صحابہ اس فرضی تشبیہ کا اعتبار نہ کریں، جو براہِ راست اس فرمانِ مصطفوی کے سننے والے بھی تھے اور مقاصدِ نبویہ کو سمجھنے والے بھی۔

جواب الثامن: علامہ ڈھکو صاحب نے کہا کہ پیر صاحب سیالوی نے ان دو حدیثوں پر غلط سلط تنقید و تبصرہ کرنے کے بعد لکھا کہ ان کے علاوہ اور کوئی دلیل اور نص خلافتِ امیر پر موجود نہیں۔ پھر انہوں نے بیسیوں آیات اور سینکڑوں احادیث مفید مدعا کے موجود ہونے کا دعویٰ کیا ہے علامہ موصوف کے اس تبصرہ پر ہم آیتِ معلومہ پڑھنے کا حق محفوظ رکھتے ہیں، مگر بہ ... ت اسے استعمال نہیں کرتے۔ البتہ اصل عبارت قارئین کرام کی خدمت میں پیش کر کے طالب انصاف ہیں۔ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے فرمایا: "اہل تشیع کے دلائلِ خلافتِ بلا فصل کا نمونہ تو آپ دیکھ چکے جو نصِ صریح کا انکار۔ من گھڑت اور غلط توجیہات پر اصرار کا مجموعہ ہوتی ہیں۔" صـ ۸۳

اب فرمائیں کہ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے شیعہ کے مفروضہ اور مزعومہ دلائل کا ان دو حدیثوں میں حصر کیا ہے یا ان دو کو ان کا نمونہ قرار دیا ہے۔ ڈھکو صاحب نے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

شاید مشہور محاورہ "مشتے نمونہ از خروارے" نہیں سُنا ہوا۔ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز نے علمائے شیعہ کے اسی خروار سے یہ نمونہ اہلِ اسلام کو دکھلا دیا ہے کہ جب ان کے نزدیک امامت مرتضوی اور خلافت بلافصل کی انتہائی وزنی اور بزعم خویش قطعی دلائل کا حال یہ ہے تو دوسرے دلائل کا حال انہیں سے معلوم کرلیں۔ آپ نے قطعاً حصر کا دعوٰی نہیں کیا۔ افسوس ہے کہ جس شخص کو اُردو عبارت بھی پوری طرح سمجھ میں نہیں آسکتی، وہ قرآن وسنت کے عرفان کا مدّعی بن بیٹھا ہے اور اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دانش وحکمت پر اعتراض کرنے پر تلا ہوا ہے اور یہ تو مقتدایانِ قوم کا حال ہے، تو اس کے آئینہ میں ہی مقتدیوں کا حال معلوم کریں۔ ؎ قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا

عقیدۂ خلافت بلافصل کے مفاسدِ لازمہ

علامہ موصوف نے بیسیوں آیات اور احادیث کے بے پایاں دفاتر کی طرف اشارہ کیا، جو حضرتِ علی رضی اللہ عنہ کی خلافتِ بلافصل کی دلیل ہیں۔ ان کی مجموعی تعداد کتنی ہے یا کتنی نہیں ہیں؟ ہمیں اس سے غرض نہیں، بلکہ ہمیں یہ بتلایا جائے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم تھا کہ عملی طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ نہیں بنیں گے یا معلوم نہیں تھا؟ دوسری شق کا بطلان تو واضح اور آشکارا ہے اور پہلی شق مراد ہونے کی صورت میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان سب آیات اور احادیث کا مقصد یہ ہے کہ اُمت پر فرض ہے کہ وہ آپ کو خلیفہ بلافصل تسلیم کریں اور انہیں خلیفہ بنائیں۔ خواہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس سے نفرت وکراہت کا اظہار کریں یا ان سے مقصود یہ ہے کہ ان کے دعوائے امامت کی صورت میں ان کا ساتھ دیں اور ان کی اقتداء واتباع کریں۔ صاف ظاہر ہے کہ اُمت پر یہ فریضہ اسی صورت میں واجب الاداء ہوگا، جب آپ بھی اس کا دعوٰی کریں اور اس کے لیے عملی اقدام فرمائیں نہ کہ جب آپ اس سے نفرت و

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کراہت کا اظہار کریں اور اسے سراب اور چھٹ جانے والا سحاب کہیں۔ ہجری کے ناک کی ریزش سے بھی حقیر۔ اپنے پرانے پیوند لگے جوتے سے بھی حقیر اور خنزیر کی اس ہڈی سے بھی حقیر قرار دیں، جو جذامی کے ہاتھ میں ہو، جبکہ یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح آشکارا ہے کہ آپ نے قطعاً امامت کا دعویٰ نہیں کیا، تو پھر اہلِ اسلام پر آپ کو خلیفہ بنانے کی ذمہ داری کیونکر عائد کی جا سکتی ہے؟ اور ان آیات و احادیث کا مقصد کیا ہو سکتا ہے؟ نیز اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو خلیفہ بنائیں اور آپ اس میں کوئی دلچسپی نہ لیں اور عملی اقدام نہ کریں تو اس کے تین وجوہ اور اسباب ہو سکتے ہیں۔ بزدلی اور کمزوری کی وجہ سے دعویٰ نہ کیا ہو یا لوگوں کے طعن و تشنیع سے خوفزدہ ہو کر یا تقیہ کی وجہ سے اور یہ تینوں وجوہ باطل اور ناقابلِ اعتبار ہیں۔ اول اس لیے کہ آپ کا اعلان ہے، واللّٰہ لو کنت واحدا وھم طلاع الارض کلھا ما بالیت ولا استوحشت۔ "بخدا میں اکیلا ہوں اور میرے مخالف پورے روئے زمین پر پھیلے ہوئے ہوں، تو میں قطعاً ان کی پرواہ نہیں کروں گا اور ذرہ بھر گھبراہٹ محسوس نہیں کروں گا۔" وغیر ذالک من الخطبات۔ اور دوسری شق اس لیے باطل ہے کہ مقبولانِ بارگاہِ خداوندی اور اس کے عبادِ مخلصین کی شان ہی یہ ہے؛ ولا یخافون لومۃ لائم۔ کہ وہ راہِ خدا میں کسی ملامت کرنے والے اور طعن و تشنیع کرنے والے کی ملامت اور طعن و تشنیع کو خاطر میں نہیں لاتے، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے شخص ملامتِ خلق کے ڈر سے اعلانِ حق سے کیسے گریز کر سکتے تھے؟۔ اور تیسری شق اس لیے باطل ہے کہ جہاں آدمی اپنے ایمان کا اظہار نہ کر سکے اور علانیہ شریعت پر عمل نہ کر سکے، وہاں سے ہجرت کر جانا فرض ہوتا ہے جیسے کہ تقیہ کی بحث میں بیان کر چکا ہوں۔ حالانکہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے نہ صرف یہ کہ ہجرت نہیں فرمائی، بلکہ خلفاء وقت کی اطاعت کرتے رہے اور ان کے ساتھ معاونت کا حق ادا کرتے رہے اور ان کی پاک دامنی اور نزاہت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بیان کرتے رہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ سے کما حقہ ڈرنے والے اور اُس کی اطاعت کا حق ادا کرنے والے قرار دیتے رہے اور اُن کی خلافت کو خلافتِ الٰہیہ موعودہ کہتے رہے وغیرہ ذالک اور یہ دین میں کھلی مداہنت ہے جو موجبِ عذاب و عتاب خداوند تبارک و تعالیٰ ہے۔

سید نعمت اللہ الجزائری انوارِ نعمانیہ میں رقمطراز ہیں: ان غیر الجائر من الرعیة والملوك ان قدر و اعلیٰ ان التزعن الملك و سکتوا عنه مداهنة فالذی یصیبهم من قصر الاعمار والملك انما هو بسبب المداهنة وقد عذب الله فی الامم السابقة من اذنب ومن داهن وجعلهم فی العذاب سواءً۔ ومن لم یقدر علیٰ ان التزعن الملك فکان ینبغی له ان یفر عن بلاده ویطلب بلاد الله العریضة لان السکنیٰ مع الظالمین ذنب حتیٰ انه ورد فی الحدیث لو ان الجعل یبنی بیتاً فی محلة الظالمین لعذبه الله بعذابهم۔

(انوارِ نعمانیہ جلد ثالث ص۳۱۸)

"رعیت اور ملوک میں سے جو جور پیشہ نہیں ہیں۔ اگر وہ ظلم اور جور کے زائل کرنے پر قادر ہوں، لیکن وہ اس پر از روئے مداہنت اور زمانہ سازی خاموشی اختیار کریں، تو انہیں عمر میں کمی اور سلطنت و حکومت میں کمی اور کوتاہی کا سامنا اسی مداہنت کی وجہ سے کرنا پڑے گا اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے پہلی امم و اقوام میں جہاں انہیں عذاب سے دوچار کیا، جو گناہگار تھے، وہیں مداہنت اور زمانہ سازی سے کام لینے والوں کو بھی عذاب دیا اور دونوں کو عذاب میں برابر کر دیا اور جو جور و استبداد کو ملک سے زائل کرنے پر قادر نہ ہو تو اُس کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ اپنے علاقہ سے بھاگ جائے اور اللہ تعالیٰ کے وسیع ملک اور بلاد میں ٹھکانہ بنائے کیونکہ ظالموں کے ساتھ رہنا بھی گناہ اور جرم ہے، حتیٰ کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ اگر گبروندا اور غلاظت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کا کیڑا بھی اپنی بل اور سوراخ ظالمین کے محلہ اور اقامت گاہ میں بنا لے گا، تو اللہ تعالیٰ اسے بھی ان کے ساتھ عذاب میں مبتلا کرے گا۔

مقام غور ہے کہ وہ کیڑے مکوڑے اور حشرات الارض جو مکلف بھی نہیں ہیں، جب ان کا حال یہ ہے تو پھر انسانوں کا کیا حال ہوگا اور بالخصوص علماء اعلام اور ائمہ کرام جو کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مکلف ہیں۔ علی الخصوص حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جیسے سرچشمہ علم اور ابوالائمہ جو مقتدائے اہلِ اسلام اور پیشوائے انام ہیں۔ ان پر تو ہجرت اہم فریضہ بن چکی تھی، کیونکہ اگر دین میں تغییر و تبدیل ہو رہا تھا، اور حضرت امیر علیہ السلام خاموش رہے، تو عوام اہلِ اسلام اس وجہ سے غلط فہمی کا شکار ہو گئے اور انہوں نے اس کو برحق سمجھ لیا، تو ان کی گمراہی اور بے راہروی کا سارا بوجھ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر آپڑے گا۔ اسی لیے سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اذا ظهرت البدع فی امتی فلیظهر العالم علمه ومن لم یفعل فعلیه لعنة الله۔ (انوار نعمانیہ جلد ۳، ص ۳۴۹)

"جب میری امت میں بدعات اور غیر شرعی امور ظاہر ہوں تو عالم پر لازم ہے کہ وہ اپنا علم ظاہر کرے اور ان بدعات کی مخالفت کرے اور جو ایسا نہیں کرے گا تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوگی۔

لیکن یہ ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہ ہجرت فرمائی نہ خلفاء سابقین کو روکا اور نہ ان کے افعال و اعمال پر تنقید فرمائی، بلکہ اپنے دورِ خلافت میں بھی انہیں کی راہ و روش پر قائم رہے اور جس طرح ان کے دورِ خلافت میں ان کی تعریف و توصیف فرماتے تھے، اپنے دورِ خلافت میں بھی ان کی مدح و ثنا فرماتے رہے، جبکہ امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنا تن مَن دھن اور خویش و اقربا تک کو قربان کر دیا، مگر زمانہ سازی اور مداہنت سے کام نہ لیا جس سے خود حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ذات ہی موردِ الزام بن جائے گی اور آپ کے حق میں کفر یا فسق لازم آئے گا نعوذ باللہ من ذالک اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ مقبول

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

صلی اللہ علیہ وسلم کا انہیں خلیفہ بنانے اور اس منصب کے لیے مقرر کرنے والا فعل بھی عبث اور بے فائدہ ہو کر رہ جائے گا اور جب یہ بھی باطل اور وہ بھی باطل تو جس عقیدہ کو یہ مفاسد لازم ہیں وہ بھی لامحالہ باطل ہو گا۔ لان الملزوم فی حکم اللازم کما ھو المقرر عند العقلاء۔

حدیثِ منزلت سے استدلال کرنے والا پہلا شخص کون ہے؟

جب خلافتِ بلافصل کا عقیدہ متعدد مفاسد کو مستلزم ہے۔ تو پھر یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ دینِ اسلام میں اس کا کوئی تصور نہیں تھا اور یہ سراسر اختراعی اور افترائی نظریہ ہے اور اس کو بعد میں عقائدِ اسلام کا جزو بنایا گیا اور یہود و دیگر دشمنانِ اسلام نے اہلِ اسلام کے ساتھ عداوت اور دشمنی کی وجہ سے اس کو وضع کیا اور اسے رُکنِ اسلام بنا کر اس کے ذریعے دینِ اسلام کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے کی ناپاک کوشش کی۔ چنانچہ عبداللہ بن سبا یہودی نے ازراہِ نفاق اسلام کا لبادہ اوڑھا اور اپنے خاص چیلے اور شاگرد تیار کیے اور انہیں اس قسم کی تعلیم دے کر لوگوں میں اس کی اشاعت اور ترویج کا حکم دیا اور اس قسم کی احادیث جو فضائلِ مرتضویہ میں وارد تھیں' ان سے اس نظریہ و عقیدہ کا استنباط اور استخراج کیا۔ چنانچہ صاحبِ ناسخ التواریخ رقمطراز ہے کہ اس عبداللہ بن سبا نے اپنے خدامِ خاص اور شاگردانِ با اخلاص سے کہا، خداوند صد و بست و چہار ہزار پیغمبر بدیں زمین فرو فرستاد و ہر پیغمبرے را وزیرے و خلیفتے بود۔ چگونہ میشود کہ پیغمبرے از جہاں بیرون خاصہ وقتیکہ صاحبِ شریعت باشد و نائب و خلیفتے بخلق نگمارد و کار امت را مہمل بگزارد ہمانا محمد را علی علیہ السلام وصی و خلیفہ بود، چنانچہ خود فرمود "انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ" ازیں می تواں دانست کہ علی خلیفہ محمد است و عثمان ایں منصب غصب کردہ الخ (جلد دوم کتاب دوم صفحہ ۴۲)

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

"یعنی اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اس زمین کی طرف مبعوث فرمائے جن میں سے ہر ایک کے لیے وزیر اور خلیفہ تھا۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اس جہان سے کوچ فرمائیں علی الخصوص جبکہ وہ مستقل شریعت اور مستقل دین کے مالک ہوں، لیکن وہ مخلوق میں اپنا نائب اور خلیفہ مقرر نہ کریں اور امت کے معاملات کو مہمل چھوڑ دیں اور ان کی سیاست اور نگرانی و نگہبانی کا بندوبست نہ کریں۔ لہٰذا یہ امر یقینی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی وصی اور خلیفہ ہے۔ چنانچہ آپ نے خود ارشاد فرمایا اے علی! تم مجھ سے اسی مقام پر فائز ہو جس پر حضرت ہارون علیہ السلام بنسبت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فائز تھے۔ اسی فرمان سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ تھے اور حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) نے منصبِ خلافت غصب کیا ہوا تھا۔"

یہ ہے پہلا استنباط اور اجتہاد اس خلافتِ بلا فصل کے متعلق اور پہلی تقریر اس نظریہ و عقیدہ کے وجوب و لزوم کی اور حقیقی معنی حدیثِ منزلت کا جو صرف ایک مسلم نما یہودی کو ۳۵ھ میں بیان کرنے کا پہلی دفعہ موقعہ ملا اور اس کے ارشد تلامذہ نے اپنے نہاد گرو سے یہ سبق حاصل کر کے دیگر اہلِ اسلام میں اس کا پرچار شروع کیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کو غاصبانہ قرار دینے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قائم کردہ مجلسِ شوریٰ پر انکار و اعتراض کی گنجائش نکال لی۔ پھر آہستہ آہستہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت نشانہ بن گئی اور بالآخر خلافتِ صدیق رضی اللہ عنہ پر بھی ظالمانہ اور غاصبانہ ہونے کا فتویٰ لگا دیا، لیکن یہ سب کارروائی بڑے طویل المیعاد منصوبہ کے تحت رُو بہ عمل لائی گئی، کیونکہ حضرت صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی خلافت پر اعتراض و انکار نہ صحابہ کے دور میں ممکن تھا اور نہ تابعین اور تبع تابعین کے دور میں، لہٰذا تقیہ کی آڑ لے کر اس بدعقیدگی اور گمراہی کو آہستہ آہستہ اخص الخواص تک پہنچایا جاتا رہا اور عرصہ دراز کے بعد اس یہودی سازش نے باقاعدہ مذہب کی صورت اختیار کر لی اور اہلِ اسلام

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کو افتراق وانتشار سے دوچار کر دیا اور یہ نزاع واختلاف ختم ہونے کی بجائے روز بروز پھیلتا جا رہا ہے اور علامہ ڈھکو صاحب جیسے مجتہدین کی ساری اجتہادی قوتیں اسی خلیج کو مزید وسیع کرنے میں ہی صرف ہو رہی ہیں، حالانکہ اگر واقعی حدیث منزلت یا حدیث غدیر وغیرہ کے وہ معانی تھے، جو اب لیے جا رہے ہیں، تو سب سے پہلے اس کا علم اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوتا اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنی مسند سونپ کر جاودانی عالم کی طرف رخت سفر باندھتے اور مہاجرین وانصار سے عملی طور پر ان کی اطاعت واتباع کراتے، جس طرح ابوبکر صدیق نے حضرت عمر فاروق (رضی اللہ عنہما) کے لیے کرا دی اور کسی قسم کے نزاع واختلاف کا امکان باقی نہ رہا، لیکن اگر ان احادیث کے صحیح معانی سمجھ سکا تو ایک یہودی شخص اور وہ بھی سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے پچیس سال بعد۔ یا للعجب دیگر کسی مہاجر یا انصاری کو اور ہاشمی یا مطلبی کو یہ معانی سمجھ نہ آئے اور نہ کسی نے ان کا اظہار کیا اور شیعی علماء خود اپنی کتابوں میں اس قسم کی تصریحات ذکر کرنے کے باوجود اس طرف توجہ دینے کے لیے بھی تیار نہیں کہ ہم کس کی اتباع کر رہے ہیں اور جس نظریہ کو ہم جان اسلام اور روح ایمان بناتے ہوتے ہیں اس کا موجد کون ہے؟ اور نہیں تو کم از کم یہی سوچ لیا جاتا کہ سب صحابہ کرام بارگاہ خداوندی میں پہنچ چکے ہیں۔ اگر ان میں اختلاف ونزاع تھا اور کسی کے حق کو دوسروں نے غصب کر لیا تھا، تو اُس کا فیصلہ خود اللہ تعالیٰ کر دے گا۔ ہمیں صرف اس فرمان خداوندی پر عمل پیرا ہونا چاہیے تھا تلك أُمة قد خلت لها ما كسبت ولكم ما كسبتم ولا تسئلون عما كانوا يعملون۔ وہ اُمت گزر چکی، ان کے لیے کارآمد اور مفید وہ اعمال ہیں جو انہوں نے کیے اور تمہارے لیے وہ اعمال صالحہ کارآمد ہیں جو تم نے کیے اور تم سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ پہلے لوگ کیا کرتے تھے، بلکہ یہ پوچھا جائے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو؟ لیکن یہود ومجوس اور دشمنان اسلام کی سازش اس قدر کامیاب رہی کہ صدیوں کے بعد بھی اہل اسلام میں اتحاد واتفاق پیدا نہیں ہونے دیتی، اور مسلمان ہیں کہ اس خسران مبین کا سبب معلوم کرنے کا تکلف بھی گوارا نہیں کرتے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مُناظرہ جھوک دایہ کا اجمالی تذکرہ اور خلافت بلافصل کی انوکھی دلیل

ایک دفعہ اہل السنت والجماعت اور اہلِ تشیع کے درمیان مناظرہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اہل تشیع کے مناظر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافتِ بلافصل ثابت کرنے کے لیے کہا کہ میں قرآن مجید سے ثابت کرتا ہوں۔ میں حیران ہو کر دیکھنے لگا کہ یا اللہ! یہ نیری کس آیت سے سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل ثابت کرے گا، تو اس نے سورۃ زخرف کی تیسری آیت وانّہٗ فی امّ الکتاب لدینا لعلیّ حکیم خاص انداز میں پڑھی کہ علی لوحِ محفوظ میں حکیم لکھے ہوتے ہیں۔ بس پھر نعرۂ حیدری بولتے ہوئے سٹیج سے کودا اور بھاگا۔ مناظرِ اہل سنت بیچارہ منہ تکتا رہا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ بیچارے بے خبر اور جاہلوں کو اسی طرح خلافت بلافصل کے دلائل پیش کر کے پھسلایا جاتا ہوگا۔ میں اس مناظرہ میں بحیثیت حَکَم بیٹھا ہوا تھا، مگر فیصلہ سنانے کا موقعہ ہی نہ ملا۔ علماء کا طبقہ تو شانِ استدلال اور طرزِ قلابازی دیکھ کر دم بخود رہ گیا۔ اب وہاں کون تھا جس کو جواب دیا جاتا اور اس دلیل کے متعلق نظر وفکر کا تجزیہ کیا جاتا۔

برادرانِ وطن! اس سخت جاہل نے جس سورۃ زخرف سے حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی خلافتِ بلافصل ثابت کرنے کا دعویٰ کیا تھا۔ اس کی آیات خود تلاوت فرمائیں، حٰمٓ والکتاب المبین ۝ انا جعلنا ہ قرآنا عربیا لعلکم تعقلون ۝ وانّہٗ فی ام الکتاب لدینا لعلی حکیم ۝ اس کا ترجمہ خود شیعہ کے مقبول ترین مترجم مقبول احمد دہلوی کی تحریر سے دیکھئے،

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

"قسم ہے واضح کتاب کی، بے شک ہم نے اس کو عربی قرآن مقرر کیا تاکہ تم سمجھو اور بیشک وہ ہمارے پاس ام الکتاب میں ضرور عالی شان اور حکمت والا ہے۔"

یہ تو شروع سے لے کر آخر تک صرف قرآن حکیم کی تعریف ہے، مگر اس سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ذات مراد لینے اور پھر اپنے ذہن سے خلافت نکال کر اس کے ساتھ جوڑنے اور جب خلافت کا حلقہ جڑ گیا، تو پھر بلافصل کا لفظ جوڑنے میں کیا تکلیف ہو سکتی ہے؟ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کی خلافت اور وہ بھی بلافصل قرآن مجید سے ثابت ہو گئی (نعرہ حیدری، یا علی)

ایک طرف یہ استدلال اور طرز استدلال تو بھلا اس کے مقابل میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا صاف و واضح ارشاد کہ میرے بعد ابوبکر خلیفہ ہوں گے اور پھر عمر فاروق ہوں گے۔ نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت ابوبکر اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہما) کو امام الہدیٰ اور مقتدائے امت فرمانا بھی کوئی خلافت کی دلیل ہو سکتی ہے؟ فما لھٰؤلاء القوم لا یکادون یفقھون حدیثا۔ امام حسن عسکری کی تفسیر نیز تفسیر قمی اور تفسیر صافی جیسی اہل تشیع کی معتبر کتابیں جن میں محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کا صاف صاف ارشاد کہ میرے بعد خلیفہ ابوبکر ہوں گے اور ان کے بعد عمر ہوں گے اور یہ کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ تسلیم نہ کرنا تعجب انگیز دعوائے تولّٰی ہے

خداوند تعالیٰ کے فرمان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صاف صاف ارشاد اور حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور تمام ائمہ معصومین کی واضح اور غیر مبہم تصریحات کے بالمقابل اہل تشیع من گھڑت تخمینے اور ڈھکوسلے خلافت بلافصل کے لگائیں ـــ اللہ تعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام ائمہ معصومین کو جھٹلائیں اور ان کے ہر قول اور فعل کو جو ان کے من گھڑت مذہب کے مخالف ہو اس کو تقیہ اور فریب کاری پر محمول کریں اور پھر محب بھی بنے رہیں، کس قدر تعجب کی بات ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تحفہ حسینیہ

از ابوالحسنات محمد اشرف السیالوی عفی عنہ

یہ مناظرہ جھوک دایہ کے مقام پر غالباً سنہ ۱۹۵۶ءمیں ہوا تھا اور بندہ بھی، اس میں حاضر تھا، جبکہ درسِ نظامی کی ابتدائی کتب کا متعلم تھا اور دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام، سیال شریف میں ہی زیرِتعلیم تھا۔ خلافتِ بلافصل کے موضوع پر مناظرہ شروع ہوا، جس میں اہلِ تشیع مُدعی تھے، تو اہل السنت کے مناظر نے بار بار مطالبہ کیا کہ خلافت بلافصل تمہارا اہم اور بنیادی عقیدہ ہے اور قطعی عقیدہ ہے۔ نیز تمہارے نزدیک خلیفہ اور امام مقرر کرنا اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری ہے، لہٰذا اس موضوع پر لمبی چوڑی بحث کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ اس امر کا ابھی دو منٹ میں فیصلہ ہو سکتا ہے۔

بس تم قرآن مجید سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام دکھلا دو اور اس کے ساتھ خلافتِ بلافصل کا لفظ دکھلا دو۔ کیونکہ دوسرے جتنے قطعی عقائد ہیں، مثلاً توحید و رسالت اور قیامت۔ تو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ان کا بڑی صراحت اور وضاحت سے ذکر کیا ہے، جبکہ تمہارا خلافت بلافصل کا عقیدہ سب عقائد کی رُوح اور جان ہے۔ اس کا قرآن مجید میں کہیں ذکر بھی نہ ہو یہ کیسے ممکن ہے؟ لہٰذا قرآن مجید سے علی مرتضیٰ خلیفۃ اللہ بلافصل یا اس مضمون کی کوئی آیت دکھلاؤ؟

شیعی مناظر مولوی محمد اسماعیل گوجروی صاحب پہلے ٹال مٹول کرتے رہے، بالآخر یہ آیت پڑھی جو حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے بیان فرمائی ہے جس پر عوام اہلِ تشیع کی طرف سے نعرہ ہائے حیدریہ کا وہ تسلسل قائم ہو گیا کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ بالآخر گہنہ خان گاڈی بلوچ جس کے ڈیرے پر اور جس کے زیرِ انتظام یہ مناظرہ تھا، اُس کو مناظر اہلِ سنت مولانا دوست محمد قریشی صاحب نے شیعی ترجمہ مقبول دہلوی دے کر شیعی مناظر کے پاس بھیجا کہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

یا تو اپنے اس ترجمہ کو غلط کہو اور اپنی طرف سے کوئی دوسرا ترجمہ دکھلاؤ اور یا اپنے عوام کو سمجھاؤ اور بتلاؤ کہ یہاں علی بمعنیٰ عالی شان ہے اور اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات مراد نہیں ہے تاکہ یہ نعرہ بازی بند ہو اور مناظرہ جاری رہ سکے، لیکن اس دوران شیعی علماء کتابیں باندھ کر اور لنگوٹ کس کر بھاگنے کے لیے تیار ہو چکے تھے۔ لہٰذا گاڈی صاحب کو خود ہی یہ اعلان کرنا پڑا کہ شیعی ترجمہ مقبول میں بھی علی بمعنی عالی شان ہے اور اس سے قرآنِ کریم کی توصیف مقصود ہے۔ شیعہ مولوی نے صرف دھوکہ دہی سے کام لیا ہے۔

لیکن ذرا شیعی تفاسیر پر بھی نظر ڈالتے چلیں، کیونکہ گوجروی صاحب نے یہ آیت پڑھی، جس میں نہ خلافتِ بلافصل کا ذکر نہ پہلے اور نہ پیچھے نہ کہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تذکرہ تو آخر اس کی کوئی خاص وجہ تو ہوگی۔ اگر شیعہ کے اسلاف نے اس سے استدلال نہ کیا ہوتا، تو شیعی مناظر اس کی تلاوت کا تکلف کیوں کرتا؟ لازمی طور پر یہ انوکھی طرزِ استدلال اسلاف کی تقلید میں ہی اختیار کی ہوگی چنانچہ ہم نے شیعی تفاسیر کا مطالعہ کیا، تو اسماعیل گوجروی صاحب کی مجبوری اور معذوری سمجھ آئی۔

(۱) انه فی ام الکتاب لدینا لعلی حکیم یعنی امیر المؤمنین علیه السلام مکتوب فی الحمد فی قوله تعالیٰ: اهدنا الصراط المستقیم قال ابو عبد الله هو امیر المومنین (تفسیر قمی جلد ثانی صفحہ ۲۶)

یعنی بے شک حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ام الکتاب یعنی سورۂ فاتحہ کی آیت اهدنا الصراط المستقیم میں علی حکیم ہیں۔ حضرت امام ابو عبد اللہ جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ (ذات جس کا شان علی حکیم سے بیان کیا جا رہا ہے) امیر المومنین ہیں۔

(۲) وفی المعانی عن الصادق هو امیر المومنین فی ام الکتاب یعنی الفاتحة فانه مکتوب فیها فی قوله "اهدنا الصراط المستقیم

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

قال الصراط المستقیم هو امیرالمومنین ومعرفتہ والقمی مافی معناہ۔ (تفسیر صافی، ج ۲، ص۱۲۴)

اور معانی (معانی الاخبار) میں حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ قول باری تعالیٰ انہٗ سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں اور فی امّ الکتاب سے مراد سورۃ فاتحہ ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کی آیت اھدنا الصراط المستقیم میں لکھے ہوئے ہیں، کیونکہ صراطِ مستقیم سے مراد امیرالمومنین کی ذات ہے اور آپ کی معرفت اور تفسیر قمی میں بھی یہی معنیٰ اور مفہوم بیان کیا گیا ہے۔

فائدہ ۱: یہی دو مفسر ہیں، جن کا دعویٰ ہے کہ صرف ہماری تفسیریں صحیح ہیں اور دیگر علما شیعہ کی تفاسیر صحیح نہیں ہیں، کیونکہ ہم نے ہی ائمہ کرام اور اہل بیت عظام کے اقوال کے ساتھ تفسیر کی ہے اور دوسرے شیعی مفسرین نے عامہ یعنی اہل السنت کی روایات اور تفسیری اقوال اپنی تفاسیر میں درج کر دیئے ہیں، لہٰذا ان کا اعتبار نہیں ہے۔

فائدہ ۲: پہلے تو تمہیں اس امر پر تعجب ہوگا کہ اس آیت کے ماقبل اور مابعد میں قرآن حکیم کا ذکر ہے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا کہیں ذکر ہی نہیں ہے، تو اِنّہٗ کی ضمیر غائب ان کی طرف کیسے لوٹ گئی، حالانکہ اضمار قبل الذکر بھی ممنوع ہوتا ہے اور یہاں سرے سے اس مرجع کا ذکر نہیں ہے قبل اور بعد کا تو سوال ہی کیا؟ مگر اب یک نہ شُد دو شُد والا معاملہ ہو گیا کہ صراطِ مستقیم سے بھی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ذاتِ اقدس مراد ہے اور حضور نبی اکرم سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بمعہ جملہ اہل بیت کرام اور خود حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور تمام مہاجرین والانصار اور قیام قیامت تک کی ساری امت اس صراطِ مستقیم کی طرف اللہ تعالیٰ سے ہدایت طلب کرتے رہتے

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

عجائبات تفسیر

۱۔ اگر لفظِ علی سے حضرت علی رضی اللہ عنہ مراد ہیں، تو یہ سراسر دھاندلی ہے، کیونکہ خبر ہمیشہ صفت اور مفہوم کلی ہوا کرتی ہے۔ اگر یقینی طور پر علم ہونا ثابت بھی ہو تو از روئے قاعدہ نحویہ اس کو مسمی بفلاں کی تاویل میں کرنا پڑتا ہے، مثلاً انا زید کو انا مسمّٰی بزید کی تاویل میں کیا جائے گا اور اس سے مراد وہ ذات لی جائے گی، جو اس مفہوم عام یعنی موسوم باسم زید سے موصوف ہو، لیکن محل بحث میں اس تاویل کی گنجائش اس وقت ہو سکتی تھی، جبکہ انّہٗ کی ضمیر غائب کا مرجع اور مصداق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات ہوتی، حالانکہ اس سے قبل کتاب مبین کا ذکر ہے۔ پھر اسی کو ضمیر غائب سے تعبیر کر کے اسے قرآن عربی بنانے کا تذکرہ ہے اور پھر شیعی ترجمہ میں بھی اسی کتابِ مبین اور قرآنِ عربی کو عالی شان اور حکمت والا قرار دیا گیا ہے تو فرمائیے کہ اس ضمیر غائب کو ماقبل سے قطع کر کے اور مرجع مذکور ہوتے بغیر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات پر کیسے منطبق کیا جا سکتا ہے؟ اگر اس قسم کی تفسیر روا رکھی جائے، تو قرآن کریم بازیچۂ اطفال بن کر رہ جائے گا۔

۲۔ ام الکتاب قرآن مجید میں لوحِ محفوظ پر اطلاق کیا گیا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ یمحو اللہ مایشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب اور اس میں آسمانی کتب مذکور و مرقوم بھی ہیں۔ اندریں صورت سیاق و سباق سے ارتباط بھی واضح ہے اور اس میں قرآن مجید کا لوحِ محفوظ میں ہونا بھی واضح اور اس آیت کا دوسری آیت سے تطابق بھی روزِ روشن کی طرح عیاں "بل ھو قرآن مجید فی لوح محفوظ" جس میں قرآن مجید کے لوحِ محفوظ میں موجود اور محفوظ ہونے کا اعلان اور واضح بیان ہے۔ لیکن شیعی تفسیر کے مطابق اس آیت کا نہ ماقبل سے کوئی ربط و تعلق رہ جاتا ہے اور نہ دوسری آیات سے توافق ہی ثابت ہوتا ہے اور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سورۂ فاتحہ میں مکتوب ہونے پر لَعَلِیٌّ حَکِیْمٌ سے حضرت ابن ابی طالب کا علی اور حکیم والے ناموں سے موسوم ہونا ثابت ہوتا ہے اور نہ اس کی کوئی موزونیت ہی کسی صاحب بصر اور بصیرت کو سمجھ آسکتی ہے

۳۔ علاوہ ازیں اگر صراطِ مستقیم حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں جیسے کہ آپ نے شیعی تفسیر میں ملاحظہ فرمایا، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ الذین انعمت علیھم سے کون مراد ہیں، کیونکہ المستقیم کی جگہ بطور بیان اور تفسیر اس کو ذکر کیا گیا ہے۔ اگر صراط بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور الذین انعمت علیھم بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں، تو دو خرابیاں لازم آتی ہیں، اول مضاف اور مضاف الیہ کا اتحاد، حالانکہ ان میں تغایر لازم ہے، کیونکہ راستہ راہ چلنے والوں کا عین نہیں ہو سکتا۔ دوم، قرآن مجید کی مخالفت، کیونکہ قرآن کریم نے الذین انعمت علیھم کی تفسیر اور تشریح اس طرح فرمائی ہے۔ الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین۔ یعنی ان میں سب انبیاء، صدیقین اور شہداء اور صالحین داخل ہیں، تو اس کے برعکس صرف حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی تخصیص کا کیا جواز ہے؟ جبکہ سب کے لیے اصل سرچشمہ ہدایت ذاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے، تو پھر وہ کیوں نہ مراد لیے جائیں اور ان کو بھی جب یہ دُعا کرتے دکھایا گیا کہ ہمیں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف ہدایت دے اور اُن کی معرفت عطا فرما تو آپ کی ذاتِ اقدس پر بھی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی افضلیت لازم آئے گی۔ حالانکہ بظاہر اہلِ تشیع اس سے انکاری ہیں، اگرچہ دوسرے تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے قائل ہیں اور اگر صراط سے مراد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہوں اور الذین انعمت علیھم سے انبیاء وصدیقین اور شہداء وصالحین تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان کا صراط اور راستہ کیسے ہوگئے؟ کیا وہ سارے حضرات انبیاء حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تابع

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تھے۔؟ اور امم سابقہ کے صدیقین اور شہدار وصالحین بھی آپ کے تابع تھے۔؟
اور آپ کے نقشِ قدم پر چلنے والے تھے ؎

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

بہرحال ہم نے شیعہ کے مبلغِ اعظم کا منشار استدلال عرض کرنا تھا جو کہ صافی اور قمی میں مذکور ہے اور مقبول ترجمہ کے حاشیہ پر بھی منقول ہے اور اس طرف توجہ دلانا مقصود تھی کہ شیعہ کے صرف اخلاف نے ہی نہیں، بلکہ اسلاف نے بھی قرآن مجید کی آیات کو کھلونا بنائے رکھا اور ان سب نے آیاتِ مبارکہ کے باہمی ربط و تعلق، سیاق و سباق اور موزونیت و مناسبت کا لحاظ کیے بغیر جو جی میں آیا، وہی معنیٰ گھڑ لیا اور ستم بالائے ستم یہ کہ اس من گھڑت تفسیر کو ائمہ کرام کے ذمہ لگا دیا اور دروغ بافی اور کذب بیانی کی انتہا کر دی۔

الغرض مبلغِ اعظم کے استدلال میں کسر صرف اتنی رہ گئی تھی کہ کہیں خلافت بلافصل کا لفظ بھی مل جاتا۔ بس دلیل مکمل تھی اور لاجواب، مگر اس کا ملنا ناممکنات سے تھا، کیونکہ اصلی قرآن مجید حضرت علی رضی اللہ عنہ نے غائب کر دیا اور جو وقتی مصلحت کے تحت شیعہ حضرات سینے سے لگائے ہوتے ہیں، اس میں یہ لفظ موجود ہی نہیں، اس لیے مناظرِ اعظم نے اہلِ تشیع کی نعرہ بازی دیکھی، تو موقعہ غنیمت جانا اور بھاگنے میں عافیت دیکھی اور شیعی عوام نے مبلغِ اعظم کی اس مشکل کو حل کر دیا، اور خود ضرورت ہی محسوس نہ کی کہ اپنے مناظر کو ترجمہ کرنے دیں یا دوسرے مناظر نے جو مطالبہ کیا ہے دیکھیں ہمارا مناظر اس کو پورا کرتا ہے یا نہیں؟ بس انہیں صرف لفظِ علی بہترا تھا، خواہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہو یا قرآن مجید کی، انہیں اس سے غرض نہیں تھی، کیونکہ ان کا اپنا دل گواہی دیتا تھا کہ بس اس سے مراد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں اور اگر ماقبل یا مابعد کے ساتھ اس کی مناسبت نہیں تو یہ قصور اہل السنّت کا ہے اور ان کے اکابر کا جنہوں نے قرآن کریم جمع کیا۔ بس انہوں نے کوئی گڑبڑ کی ہے اور الفاظ و کلمات کو اِدھر اُدھر کر دیا ہے، ورنہ کیسے ہو سکتا ہے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کہ لفظِ علی قرآن میں ہو اور اس سے مراد امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نہ ہوں اور کیوں نہ ہو، جب خواص کی جہالت یا تجاہل یا ہٹ دھرمی کا حال یہ ہو تو عوام کالانعام کا کیا کہنا؟ ع قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا

علامہ ڈھکو صاحب کی خاموشی

علامہ موصوف نے اس مقام پر مکمل خاموشی میں ہی عافیت سمجھی ورنہ مبلغِ اعظم کی طرفداری نہیں کرنی تھی، تو کم از کم اپنے مفسرین کا دفاع تو کرتے اور انہوں نے بھی ائمہ کرام کی زبانی یہ تفسیر نقل کی تھی، لہٰذا اس کی وجہِ صحت بیان کرتے اور بتلاتے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سورہ زخرف کی اس آیت سے کس طرح مراد لیے جا سکتے ہیں اور آپ کی ذات والا صفات مراد لینے کا باعث اور موجب کیا ہے، جبکہ یہ عقلاًی قاعدے اور تفسیری کلیات کے سراسر منافی ہے۔ نیز حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ لوحِ محفوظ یا سورۃ فاتحہ میں کیسے داخل ہیں، مگر آپ بھی زیادہ تکلیف اور مشقت گوارا نہیں فرماتے۔ بس جس روایت کا جواب کسی حد تک ممکن ہو، صرف اس کو چھیڑتے ہیں، ورنہ دوسرے مقامات پر بڑی خاموشی سے گزر جاتے ہیں اور بڑے شریفانہ انداز میں ؎

این کار از تو می آید و مرداں چنیں کنند

رسالہ مذہب شیعہ از حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز

تکمیل مبحث فضائلِ صحابہ و ردِ تقیہ

اہلِ تشیع نے خود ساختہ مذہب کو محفوظ رکھنے کے لیے سوچا خوب ہے کہ جو حدیث اور روایت ہو، خواہ خود اہلِ تشیع کے مصنفین نے ہی اس کو ائمہ معصومین سے سنا ہو اور ان کتابوں میں لکھا ہوا اور بانیانِ مذہب نے کسی ایسی کڑی کو اپنے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مذہب کے ساتھ منسلک کرنا ضروری خیال کیا ہو جو اس روایت اور حدیث کے مخالف ہو تو پھر اس تقیہ کو کام میں لایا جا سکے کہ ائمہ معصومین نے ہماری اس خود ساختہ و پرداختہ کرٹی کے خلاف جو فرمایا ہے، اگرچہ وہ روایات ہماری کتابوں میں موجود ہیں، مگر بطورِ تقیہ ان ائمہ معصومین سے سرزد ہوئی ہیں۔

پس جتنی روایات اور احادیث اس مذہب کے خلاف کوئی پیش کرتا جائے گا۔ اہلِ تشیع میاں مٹھو کی طرح ایک لفظ تقیہ بولتے چلے جائیں گے تو گویا تمام احادیث و روایات پیش کرنے والے کے مقابل اہلِ تشیع کا صرف ایک طوطا جس کو صرف تقیہ کا لفظ زبان پر چڑھا دیا گیا ہو، بطورِ مناظر پیش کر سکتے ہیں۔ یہ تقیہ امورِ عامہ سے بھی عام مانا گیا ہے۔ اب اس کے بعد جو چاہیں ائمہ صادقین کی طرف منسوب مذہب کو وسعت دیتے چلے جائیں، مگر اتنا تو فرمائیں کہ جب ائمہ صادقین اپنے شیعوں کو کوئی سچی بات بتلانا ہمیشہ کفر اور بے دینی یقین فرماتے تھے (نعوذ باللہ) جیسے کہ مفصل بیان ہو چکا ہے اور تقیہ کو ایک لمحے کے لیے بھی ترک فرمانا جائز نہیں سمجھتے تھے، تو پھر یہ تقیہ کے متعلق روایات بھی انہیں ائمہ کی طرف منسوب ہیں، تو پھر ان پر ایمان لانے سے پہلے بھی تقیہ کو ذہن سے خارج نہیں کرنا چاہیے اور یا تسلسل فی التقیہ پر ایمان رکھنا چاہیے۔ کم از کم اپنے مذہب کو بچانے کے لیے اتنا تو کہتے کہ ائمہ معصومین نے جو روایتیں اپنے شیعوں کے سامنے بیان کی ہیں، وہ سچی تھیں اور صرف اہل السنت کے سامنے تقیہ فرماتے تھے مگر اس صورت میں بھی مذہب تشیع کی بنیاد کھوکھلی معلوم ہوتی ہے کیونکہ جتنے حوالہ جات میں نے اس رسالے میں پیش کیے ہیں، وہ تمام تر اہلِ تشیع کے مذہب کی معتبر کتابوں سے دیئے ہیں، وہ کتابیں بجز کافی کلینی کے تمام تر ایران یا نجفِ اشرف کی چھپی ہوئی ہیں اور کافی مطبوعہ ایران بھی مل گئی ہے۔

اس میں سے بھی کافی مطبوعہ نول کشور والے حوالے دکھانے کا ذمہ دار ہوں اور جتنے حوالے دیئے ہیں، وہ ائمہ معصومین طاہرین کی روایت سے ہیں تو پھر

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی خلافت کا انکار اور ان کی صداقت کا انکار کیوں؟ مولا علی رضی اللہ عنہ کی ان کے ساتھ بیعت تسلیم کرنے سے انکار کیوں؟ ان کو امام الہدیٰ، مقتداء و پیشوا تسلیم فرمانے، ان کے حق میں سب بکنے والوں کو سزا دینے اور امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا رشتہ دینے کا انکار کیوں؟ ان کی اطاعت کرنے اور ان کے مشیروں میں شامل ہونے کا انکار کیوں؟

امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کے اس صریح ارشاد کا انکار کیوں؟ جو آپ نے ایک غالی شیعہ کے سامنے پانچ مرتبہ فرمایا کہ ابو بکر صدیق ہیں اور جو ابو بکر کو صدیق نہیں کہتا، اللہ تعالیٰ اس کو دونوں جہان میں جھوٹا کرے۔ اور حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کا خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حق میں سب بکنے والوں کو بے ایمان فرمانا اور ان کو اپنی مجلس سے نکال دینا اور یہ فرمانا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ تمہیں ہلاک کرے، اس کا انکار کیوں؟

تمام حوالے عرض کر چکا ہوں، فرمائیے کوئی ایک روایت بھی کسی اہل السنت کی کتاب سے پیش کی ہے؟ کتابیں بھی اہل تشیع کی اور راوی بھی ائمہ معصومین، پھر ان کی روایات پر وہ لوگ ایمان نہ لے آئیں۔ جو دعویٰ تشیع کا کرتے ہیں، تو اس کا صاف اور واضح مطلب یہی ہے کہ اہلِ تشیع کے مذہب اور ائمہ طاہرین کے مذہب میں بڑا فرق ہے، بلکہ دونوں میں تخالف اور تناقض ہے۔

رسالہ مذہب شیعہ از شیخ الاسلام قدس سرہ
(ص ۸۵/۸۶)

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تحفۂ حسینیہ : از ابو الحسنات محمد اشرف السیالوی عفی عنہ

تتمہ مبحث فضائل

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز نے سابقاً ذکر کیے ہوئے فضائلِ صحابہ کرام پر مشتمل روایات کی طرف اشارہ فرمادیا ہے اور ہم نے بھی وہاں پر مزید حوالہ جات کا اضافہ کیا ہے اور یہاں پر بھی بطورِ تتمہ چند حوالہ جات درج کیے جاتے ہیں۔

ا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف لکھے ہوئے ایک خط میں اپنے لشکر کی شان بیان کرتے ہوئے فرمایا:

انا مرقل نحوك فی جحفل من المهاجرین والانصار والتابعین لهم بالاحسان، شدید زحامهم، ساطع قتامهم، متسربلین سربال الموت، احب اللقاء الیهم لقاء ربهم قد صحبتهم ذریة بدریة وسیوف هاشمیة۔ الخ

(نہج البلاغہ مصری جلد ثانی ص۴۵)

میں تیری طرف بڑی سرعت کے ساتھ ایک عظیم لشکر ہمراہ لے کر آرہا ہوں، جو کہ مہاجرین و انصار اور ان کے صحیح تابعداروں اور کامل متبعین پر مشتمل ہے ان کا اژدحام شدید ہے اور ان کی گرد فضا میں بلند ہونے والی ہے۔ وہ موت کی قمیص پہنے ہوئے ہیں اور ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی ملاقات سب سے زیادہ محبوب ہے تو نے ان کا شرف صحبت حاصل کیا ہے اور انہیں قریب سے دیکھا ہے۔ وہ غازیانِ بدر کی اولاد ہیں اور ہاشمی تلواریں ہیں۔

تبصرہ: (ا) شیعہ حضرات کا تو دعویٰ یہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد سب صحابہ مرتد ہوگئے تھے (العیاذ باللہ)

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ماسوائے تین حضرات کے، لیکن حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں مہاجرین وانصار کی کثیر تعداد پر مشتمل لشکر کا ذکر فرما کر اہلِ تشیع کے اس زعمِ فاسد اور دعوٰی باطل کا فساد و بطلان واضح کر دیا ہے۔

(ب) مہاجرین وانصار کے بعد ان کے صحیح تابعداروں اور کامل متبعین کا ذکر فرمایا ہے۔ اگر نگاہِ مرتضوی میں خود مہاجرین وانصار ہی قابلِ تنقیص اور لائقِ تنقید ہوتے تو ان کی اتباع و تقلید کرنے والے کس طرح مدح وثنا کے حقدار ہو سکتے تھے، لہٰذا مہرِ نیمروز کی طرح واضح ہو گیا کہ مہاجرین وانصار حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کے نزدیک خصائلِ حمیدہ اور اخلاقِ عالیہ کے مالک تھے اور ان کے مقلد اور متبع بھی لائقِ صد تحسین و توصیف تھے۔

(ج) حضرت امیر کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ میرے لشکریوں کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب امر اللہ تعالیٰ کی لقاء اور اس کی بارگاہ کی حاضری ہے اور یہ ارشاد ان حضرات کے عظیم اخلاص اور ایمانِ کامل کی دلیل ہے، جبکہ وہ لشکر مہاجرین وانصار اور ان کے صحیح پیروکاروں پر مشتمل تھا، لہٰذا ان سب حضرات کا ایمان و ایقان میں ارفع و اعلیٰ مقام پر فائز ہونا واضح ہو گیا۔

(د) لشکر کے نوخیز اور نوجوان سپاہیوں کو "ذُرِّيَّةٌ بَدْرِيَّةٌ" سے تعبیر فرمایا کہ وہ اصحابِ بدر کی نسل اور اولاد ہیں اور ان کی رگوں میں ان اصیل اور وفا شعار غلامانِ مصطفٰے علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خون گردش کر رہا ہے اور اصل کی طہارت و نزاہت اور اس جوہر و عنصر کی خوبی کی وجہ سے نسل و اولاد کے اندر فضیلت اور امتیازی خصوصیات ثابت کرنے مقصود تھے، لہٰذا اس سے تمام مجاہدینِ بدر کی افضلیت، اخلاص وللّٰہیت اور پاکیزگی طینت واضح ہو گئی، جن میں خلفاءِ ثلاثہ رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما حقیقت کے لحاظ سے اور حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ اجر و ثواب کے لحاظ سے کیونکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان کی اہلیہ حضرت رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وصحبہٖ وسلم

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کی تیمارداری کرنے کا حکم دیا تھا اور اہلِ بدر کے ثواب اور ان کے ہاتھ آنے والے مالِ غنیمت میں حصہ داری کا وعدہ فرمایا تھا۔

۲۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو جو آخری وصیت فرمائی تھی، اس میں یہ بھی فرمایا تھا:

اللہ اللہ فی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانہ اوصٰی بہم۔ (کشف الغمہ جلد اول ص۴۳۲)

"یعنی اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے متعلق یہ وصیت فرمائی تھی (لہٰذا ان کے حق میں تقصیر و تفریط سے کام نہ لینا)"

اور یہ حقیقت محتاجِ وضاحت نہیں ہے کہ اس وقت حضرت سلمان، حضرت ابوذر، حضرت مقداد اور حضرت عمار رضی اللہ عنہم میں سے کوئی بھی موجود نہیں تھا، تو اس سے صاف ظاہر ہے، کہ چالیس ہجری کے وقت جو صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے، وہ سبھی لائق عزت اور مستحق تکریم تھے اور ایمان و اخلاص نہ ہونے کی صورت میں کوئی بھی مستحقِ توقیر و تعظیم نہیں ہو سکتا۔

۳۔ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

دعوا لی اصحابی۔ (انوار نعمانیہ جلد اول ص۱۰)

"یعنی میری خاطر میرے صحابہ کو معاف رکھنا اور ان پر طعن و تشنیع سے گریز کرنا"

فائدہ: حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان میں جو واسطہ اور وسیلہ ذکر کر کے یہ حکم دیا گیا کتنا عظیم ہے، یعنی میری خاطر میرے صحابہ کو معاف رکھو۔ اگر تمہیں مجھ سے کوئی تعلق اور نسبت ہے اور کسی طرح محبت و عقیدت ہے، تو اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے میرے صحابہ پر جرح و قدح، طعن و تشنیع اور سب و شتم سے گریز کرو۔ کیا امتی کہلانے والوں کے لیے اس سے بڑا واسطہ و وسیلہ بھی کوئی ہو سکتا ہے اور اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص ان مقدس ہستیوں پر طعن و تشنیع

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

سے باز نہیں آتا، تو وہ امتی کہلانے کا قطعاً حقدار نہیں ہو سکتا۔ نیز حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اس وصیت کو ملا کر دیکھو، جو ابھی ذکر کی ہے، تو روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے گا کہ راہِ نبوت و رسالت اور طریقِ ولایت و امامت پر گامزن ہونے کی سعادت صرف اس کو حاصل ہو سکتی ہے، جو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں تنقیص و تفریط اور بحث و تمحیص سے گریز کرے۔

۲۔ حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم (انوار نعمانیہ ج ا ص ۱)

"میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، ان میں سے جس کی اقتدا کرو گے، نورِ ہدایت سے بہرہ ور ہو جاؤ گے۔"

اور یہ امر محتاجِ وضاحت نہیں کہ اصحاب کا اطلاق اہل بیت اور عترتِ رسول کے ساتھ مختص نہیں، بلکہ ہر اس شخص پر صحابی کا اطلاق کیا جاتا ہے جس نے ایمان و اخلاص کے ساتھ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا شرفِ صحبت حاصل کیا ہو، خواہ ایک ساعت کے لیے اور اسی حالتِ ایمان و اخلاص پر اس کا وصال ہوا ہو۔ لہذا لفظِ اصحاب کو اس معروف معنیٰ کے علاوہ کسی دوسرے معنیٰ میں استعمال کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

نیز عقلائی قاعدہ ہے کہ الفاظ کے عموم کا لحاظ کیا جاتا ہے اور خصوص مورد کا لحاظ نہیں رکھا جاتا، جبکہ یہاں نہ مورد اور محل بیان میں کوئی تخصیص ہے اور نہ ہی کوئی دوسرا قرینہ تخصیص کا موجود ہے اور لفظ بھی عام ہے، لہذا اس میں تمام مہاجرین و انصار اور ان کے کامل متبعین داخل ہوں گے اور ان سب کا ستاروں کی مانند ہونا اور موجبِ ہدایت اور باعثِ رُشد ہونا واضح طور پر ثابت ہو گیا اور اس لفظ کو اہل بیت کے ساتھ خاص کرنا عقلائی قاعدہ کے بھی خلاف ہے۔ عرفِ عام کے بھی خلاف ہے اور عرفِ خاص شرعی کے بھی خلاف ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

۵۔ علامہ طبرسی نے "الاحتجاج" میں سلیم بن قیس ہلالی کے واسطہ سے حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں مہاجرین قریش اور انصار کا باہمی مکالمہ نقل کیا ہے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے فریقین کے بیان کردہ مفاخر اور فضائل و فواضل کی تصدیق و تائید نقل کی ہے، جس سے ان حضرات کی عظمتِ شان اور رفعتِ مقام بزبانِ رسالت اور بلسانِ ولایت ثابت ہوتی ہے۔ مفصل روایت ملاحظہ کریں اور مذہبِ اہل السنّت کی صداقت وحقانیت کتبِ اغیار سے مشاہدہ کریں۔

قریش اور مہاجرین نے اپنے مفاخر اور فضائل میں یہ ارشاداتِ مصطفوی پیش کیے، (۱) الائمۃ من قریش، سب امام اور حکمران قریش سے ہوں گے۔

(۲) الناس تبع لقریش وقریش ائمۃ العرب۔ سب لوگ قریش کے تابع ہیں اور قریش عربوں کے امام اور مقتدا ہیں۔

(۳) لا تسبقوا قریشا۔ قریش سے آگے نہ بڑھو۔

(۴) ان للقریشی مثل قوۃ رجلین من غیرھم۔ قریشی کو دوسرے لوگوں کی نسبت دوگنی قوت حاصل ہے۔

(۵) قال علیہ السلام من ابغض قریشا ابغضہ اللہ۔ جو قریش کے ساتھ بغض رکھے گا، اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ بغض رکھے گا۔

(۶) قال علیہ السلام من اراد ھوان قریش اھانہ اللہ۔ جس نے قریش کی تذلیل کا قصد اور ارادہ کیا، اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل وخوار کرے گا۔

(احتجاج طبرسی، مطبع جدید ص ۱۴۵)

انصار کا افتخار مصطفوی ارشادات کے ساتھ

پھر انصار نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان حق ترجمان سے صادر ہونے والے فضائل اور مناقب ذکر فرمائے:

(۱) قولہ علیہ السلام الانصار کرشی وعیبتی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

یعنی انصار میرے خواص اور میرے محلِ اسرار ہیں۔

(۲) قولہ علیہ السلام من احب الانصار احبہ اللہ تعالیٰ ومن ابغض الانصار ابغضہ اللہ تعالیٰ۔ جو انصار سے محبت رکھے گا، اللہ تعالیٰ اس کو اپنا محبوب بنالے گا اور جو ان سے بُغض رکھے گا، اللہ تعالیٰ اس سے بُغض رکھے گا۔

(۳) قولہ علیہ السلام: لا یبغض الانصار رجل یؤمن باللہ ورسولہ۔ انصار کے ساتھ کوئی ایسا شخص بغض نہیں رکھے گا، جس کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان ہوگا۔

(۴) قولہٗ علیہ السلام: لو سلک الناس شعبا سلکت شعب الانصار۔ اگر لوگ ایک راہ پر چلیں (اور انصار دوسرے راستہ پر چلیں) تو میں انصار والے راستہ پر چلوں گا۔

ان عمومی فضائل ومناقب کے ساتھ ساتھ خصوصی اور شخصی امتیازات کا تذکرہ بھی کیا گیا، چنانچہ انصار نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے جنازہ کے متعلق جو کچھ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اسے ذکر فرمایا اور آپ کا یہ ارشاد بھی بیان کیا: ان العرش اھتز لموتہ کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی موت پر عرش لرز گیا ہے، یا یہ کہ ان کی رُوح کی آمد پر جھوم اُٹھا ہے۔

نیز جب بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں یمن کی طرف سے رومال لائے گئے اور انصار نے جب ان پر تعجب کا اظہار کیا تو حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے جنتی رُومالوں کے متعلق جو کچھ فرمایا تھا، اس کا تذکرہ بھی کیا: لمنادیل سعد فی الجنۃ احسن منھا۔ البتہ جنت میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے رومال ان سے بہتر اور خوبصورت ہیں اور اسی ضمن میں حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کا ذکر بھی کیا گیا، جن کو ملائکہ نے شہید ہونے کے بعد غسل دیا تھا اور حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کا بھی، جنہیں شہید ہو جانے کے بعد

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

زنبوروں نے دشمنوں کی طرف سے اعضا کاٹنے اور بے حرمتی کرنے سے محفوظ رکھا۔

جس کے مقابل قریش نے کہا اللہ تعالیٰ کے رسول ہم میں سے ہیں اور حضرت حمزہ، حضرت جعفر، حضرت عبیدہ بن حارث، حضرت زید بن حارثہ (رضی اللہ عنہم) ہم میں سے ہیں اور کہا، ومنا ابوبکر وعمر اور ہم میں سے ہی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہما) ہیں اور حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح، حضرت سالم اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف (رضی اللہ عنہم) بھی ہم سے ہیں، فلم یدعوا من الحیین احدًا من السابقۃ الاسوہ۔ چنانچہ انصار و مہاجرین نے اپنے کسی ایسے فرد کو جس میں کوئی وجہ سبقت اور سبب فضیلت تھا، ذکر کیے بغیر نہ چھوڑا اور اس حلقہ میں دو سو سے زائد افراد موجود تھے، جن میں حضرت علی مرتضیٰ اور حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کے علاوہ اکابر مہاجرین و انصار موجود تھے (جن کا تفصیلی ذکر بخوف طوالت نہیں کیا جا سکتا) اور صبح سے دن ڈھلنے تک یہ بحث و تمحیص جاری رہی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جو اس وقت خلیفۃ المسلمین تھے، وہ اپنے مکان پر تھے، انہیں اس مباحثے کا کوئی علم نہیں تھا اور اس دوران حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل بیت میں سے کسی آدمی نے کلام نہیں کیا تھا، تو حاضرین مجلس حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور عرض کیا: اے ابوالحسن! آپ کیوں نہیں بولتے، آپ کے لیے اس ضمن میں کونسی رکاوٹ ہے۔

مرتضوی تصدیق

فقال (علی) لہم ما من الحیین احد الا وقد ذکر فضلا وقال حقًا۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، انصار اور قریش

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

میں سے ہر قبیلہ نے اپنی اپنی فضیلت اور امتیازی شان بیان کی (بالعموم بھی اور بالخصوص مختلف افراد کے لحاظ سے بھی) اور ہر ایک نے بجا کہا، اور ہر ایک نے بجا کہا اور بالکل برحق کہا۔

الغرض جب قریش و انصار کے یہ فضائل و مناقب حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان حقیقت ترجمان سے ثابت ہوں اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان کو برحق تسلیم کریں اور مختلف شخصیات کو ہر فریق اپنے اپنے قبیلہ کے لیے سرمایۂ فخر قرار دے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس معاملہ میں بھی ان کی تصدیق و تائید فرمائیں تو پھر مومن کے لیے ان حضرات کے ساتھ محبت و عقیدت رکھے بغیر چارہ نہیں اور نہ ہی ان حضرات کے ساتھ بغض و عداوت رکھنے کی قطعاً کوئی گنجائش ہے اور علی الخصوص خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم جب ان سب کے محبوب اور مقتدا و پیشوا ہیں، تو اُن کی محبت و عقیدت کا سب مومنین کے لیے جانِ ایمان اور رُوحِ ایقان ہونا واضح ہوگیا اور ان کے ساتھ بغض و عداوت کا ایمان و ایقان کے سراسر مخالف ہونا روزِ روشن کی طرح ظاہر اور واضح ہوگیا۔ والحمد للہ!

۶۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اہلِ شام اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے معاونین کی بقول علامہ رضی مؤلف "نہج البلاغہ" مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

لَیسُوا من المہاجرین ولا من الذین تبوّؤا الدار والایمان)

یعنی یہ لوگ نہ مہاجرین سے ہیں اور نہ ہی انصار سے، جنہوں نے دارالسلام میں سکونت اختیار کی، یعنی اسلام کو اپنے ہاں جگہ دی اور ایمان کو اپنی منزل بنایا۔

علامہ ابن میثم بحرانی نے اس قولِ مرتضوی کی شرح میں کہا:

ذکر کونہم لیسوا من المہاجرین والانصار فی معرض الذم لہم لکون ذالک نقصانا لہم من تلک الجہۃ بالنسبۃ الی المہاجرین والانصار وکذالک نفی کونہم من الذین تبوءو الدار وارادہ بالدار مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

والذین تبوءوها هم الانصار من اهلها الذین اسلموا بها قبل ھجرۃ الرسول الیھم بسنتین وابتنوا بھا المساجد والیھم اشار بقولہ تعالیٰ فی کتابہ العزیز واثنیٰ علیھم فقال "والذین تبوّؤ الدار والایمان من قبلھم یحبون من ھاجر الیھم (الیٰ) فاولئک ھم المفلحون۔ وفی نسخۃ الرضی تبوّؤا الدار فقط وفی سائرالنسخ والایمان و وصف الایمان بکونہٖ متبوءً لھم مستعار ملاحظۃ بشبھۃ بالمنزل باعتبار انھم ثبتوا علیہ واطمأنت قلوبھم بہ۔

(نھج البلاغۃ مع ابن میثم ج صـ۳۳)

ترجمہ ومفہوم: یعنی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اہلِ شام کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ مہاجرین اور انصار میں سے نہیں ہیں، تو آپ کا یہ فرمانا ان کی مذمت اور تحقیرِ شان کے لیے ہے، کیونکہ یہ امر ان کے لیے مہاجرین و انصار کی نسبت، مقام و مرتبہ میں نقص اور کمی اور تنزل کا موجب اور باعث ہے۔ نیز آپ کا ان کے متعلق یہ فرمانا کہ اہلِ شام اور اصحابِ صفین ان لوگوں سے نہیں ہیں، جنہوں نے دارِ اسلام کو اپنا مسکن بنایا یعنی مدینۃ الرسول کو اپنا مسکن بنایا اور ایمان کو اپنی منزل ٹھہرایا۔ درآں حالیکہ وہ ان لوگوں سے محبت رکھتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کی طرف آتے ہیں اور وہ اپنے صدور و قلوب میں اس چیز کی حاجت اور ضرورت نہیں پاتے جو انہیں دیا گیا ہے اور مہاجرین کو اپنے نفوس اور اقربا پر ترجیح دیتے ہیں۔ اگرچہ خود محتاج اور فقیر کیوں نہ ہوں اور جو لوگ اپنے نفوس کے بخل سے بچا لیے جائیں، وہی فلاح پانے والے ہیں۔

اور ایمان کو ان انصار کے لیے منزل اور ٹھکانا قرار دینا مثل دار اور شہر مدینہ کے (حالانکہ ایمان اس طرح منزل اور ٹھکانا بن نہیں سکتا) تو وہ اس مناسبت و مشابہت کے پیشِ نظر ہے کہ وہ ایمان و ایقان میں ثابت قدم اور راسخ ہیں اور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ان کے قلوب اس پر اس قدر مطمئن ہیں کہ گویا ایمان ان کی منزل اور قیام گاہ ہے اور اس کو انہوں نے مسکن بنالیا ہے۔

فائدہ: رضی کے نسخہ میں صرف دار کا ذکر کیا گیا ہے جبکہ دوسرے تمام نسخوں میں "تبوؤا الدار والایمان" وارد ہے اور قرآن مجید کے مطابق بھی وہی نسخے ہیں، کیونکہ قرآن مجید میں بھی انصار کے مدینۃ الرسول اور ایمان کو مسکن بنانے کا ذکر کیا گیا ہے۔

الغرض حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اس فرمان اور قرآن مجید کے اقتباس سے جہاں یہ ثابت ہوا کہ مہاجرین وانصار میں سے ہونا عظمت مرتبت اور رفعت مقام کی دلیل ہے اور مہاجرین وانصار کے اس دور میں ہوتے ہوئے یہ صفات اور کمالات حاصل نہ کر سکنا نقص اور تنزل کی دلیل ہے وہاں پر یہ بھی ثابت ہوگیا کہ قرآن مجید اور اہل بیت اور ثقلین (جن کی اتباع و اقتداء کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی) دونوں مہاجرین اور انصار کی منقبت اور مدح وثناء میں متفق اور متحد ہیں۔ نیز انصار کا راسخ الایمان اور ثابت قدم ہونا بھی واضح ہوگیا اور خلافت مرتضوی کے دور میں بھی ان حضرات کا اسی وصف کامل کے ساتھ موصوف ہونا اور اسی امتیاز کے ساتھ ممتاز ہونا واضح ہوگیا۔

حالانکہ اہل تشیع نے تین حضرات کے علاوہ سب مہاجرین وانصار کے وصال مصطفوی کے بعد مرتد ہونے کا قول کیا ہے اور اپنی کتب قدیمہ وجدیدہ میں تصریح کی ہے ارتد الناس الا ثلاثہ جیسے کہ رجال کشی، روضہ کافی مجالس المومنین اور انوار نعمانیہ وغیرہ میں ہے۔ اگر امر واقعہ اور حقیقت حال یہ ہوتی تو نہ مہاجرین وانصار میں سے ہونا وجہ امتیاز اور سرمایہ فخر وناز ہو سکتا تھا اور نہ ہی ان سے خارج ہونا نقص وحقارت اور تنزل مقام کا موجب اور سبب ہو سکتا تھا۔ نیز قبل ازیں حضرت امیر کرم اللہ وجہہ الکریم کے ارشاد سے ثابت کیا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جا چکا ہے کہ ان مہاجرین و انصار کی صحیح معنوں میں اتباع و اقتدا بھی باعث صد افتخار ہے، تو جب اتباع و اقتدار عظمتِ شان کا موجب ہے تو ان متبوعین اور مقتدا حضرات کی شانِ والا اور رفعتِ مقام کا کیا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔؟ لہٰذا شیعہ کا یہ قول سراسر بہتان اور افترائے عظیم اور رفکِ مبین ہے اور صرف اور صرف سبائی ذہنیت اور سوچ و فکر کا مظاہرہ ہے۔ اعاذنا اللہ من ذالک

محاربین جمل و صفین کے متعلق مرتضوی نظریہ

تمام مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم کے متعلق مرتد اور کافر یا منافق ہونے کا عقیدہ رکھنا تو دور کی بات ہے۔ حضرت علی مرتضٰے رضی اللہ عنہ نے تو ان حضرات کے متعلق بھی یہ نظریہ نہ اپنایا جو آپ کے ساتھ حرب و قتال اور جنگ و جدال کے مرتکب ہوئے بلکہ فرماتے ہیں وہ ہمارے بھائی ہیں، جو اپنے خیال میں حق پر ہیں اور اس وجہ سے ہمارے خلاف برسرِ پیکار ہیں جیسے کہ حضرت امام حسن عسکری رضی اللہ عنہ کا صحابی اور خادم خاص ابوالعباس عبداللہ بن جعفر الحمیری القمی اپنی کتاب قرب الاسناد صـ۴۵ پر رقمطراز ہے:

۱۔ عن جعفر عن ابیہ ان علیا علیہ السلام کان یقول لاھل حربہ انا لم نقاتلھم علی التکفیر لھم ولم نقاتلھم علی التکفیر لنا ولکنا رءینا انا علی حق ورأوا انھم علی حق۔

یعنی امام جعفر صادق، حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ اپنے ساتھ جنگ کرنے والوں کے متعلق فرماتے تھے کہ ہم نے ان سے اس وجہ سے جنگ نہیں کی کہ ہم انہیں کافر سمجھتے ہیں اور نہ ہم نے ان سے اس وجہ سے قتال کیا کہ وہ ہمیں کافر سمجھتے ہیں، لیکن اس حرب و قتال کا موجب یہ ہے کہ ہم سمجھتے ہیں کہ ہم حق پر ہیں اور ان کا عقیدہ و نظریہ یہ ہے کہ وہ حق پر ہیں۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

۲۔ جعفر عن ابیہ ان علیاً علیہ السلام لم یکن ینسب احدا من اھل حربہ الی الشرک ولا الی النفاق ولکن یقول ھم اخواننا بغوا علینا۔ (قرب الاسناد ص۴۵)

یعنی حضرت امام جعفر صادق اپنے والدِ گرامی حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہما سے روایت فرماتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے ساتھ جنگ کرنے والوں میں سے کسی کو بھی شرک یا منافقت کی طرف منسوب نہیں کرتے تھے، بلکہ فرماتے کہ وہ ہمارے بھائی ہیں، جنہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے۔

اور اس بغاوت کا منشا بھی بتا دیا کہ انہوں نے اپنے آپ کو حق پر سمجھا اور ہمیں خطا کا مرتکب، جبکہ ہم اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہیں اور اسی مضمون کو نہج البلاغہ میں مندرج خطبہ کے اندر اس طرح بیان فرمایا:

وکان بدء امرنا انا التقینا والقوم من اھل الشام والظاھر ان ربنا واحد ونبینا واحد ودعوتنا فی الاسلام واحدۃ ولا نستزیدھم فی الایمان باللہ والتصدیق برسولہ ولا یستزیدوننا الامر واحد الا ما اختلفنا فیہ من دم عثمان ونحن منہ براء۔ (نہج البلاغہ مصری، جلد ثانی۔ ص۱۵۱)

ہمارے امر کی ابتدا یہ تھی کہ ہم اور اہلِ شام کی ایک قوم باہم ملاقی ہوتے اور صف آرا، اور یقینی بات ہے کہ ہمارا رب ایک ہے، ہمارا نبی ایک ہے اور اسلام میں ہمارا دعوٰی ایک جیسا ہے، نہ ہم ان پر اپنے آپ کو زائد سمجھتے ہیں ایمان باللہ اور تصدیق بالرسول میں اور نہ ہی وہ اپنے آپ کو ہم سے ایمان و تصدیق میں زائد اور بلند مرتبت سمجھتے ہیں۔ ہمارا معاملہ بالکل ایک ہے اور جملہ امور میں متحد و متفق ہیں، ماسوائے خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کے جس میں ہم باہم مختلف ہو گئے ہیں اور حقیقتِ حال یہ ہے کہ ہم اُن کے خون سے بری الذمہ ہیں۔

الغرض حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جب محاربین کو اپنے جیسا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مومن سمجھتے اور ایمان و تصدیق میں اپنے ہم پلہ۔ نہ مشرک و کافر سمجھتے تھے اور نہ منافق، بلکہ صرف اور صرف خطا ئے اجتہادی کے مرتکب سمجھتے جو اپنے زعم اور خیال میں حق پر تھے، لیکن واقع و نفس الامر میں خطا پر اور یہ حقیقتِ مسلمہ ہے کہ خطاءِ اجتہادی کی بناء پر مواخذہ نہیں ہوتا، تو ان ائمہ کرام کے نزدیک جب ان حرب و قتال کے مرتکب حضرات کا مقام یہ ہے تو دوسرے حضرات مہاجرین و انصار اور تابعین بالاحسان کا شان کس قدر بلند و بالا ہو گا اور ان کا ایمان اور ایقان اور اخلاص و وفا کیونکر محلِ شک و شبہ اور موردِ طعن و تشنیع ہو گا، لہٰذا شیعہ حضرات کا تین صحابیوں کے علاوہ سب مہاجرین و انصار کو مرتد قرار دے دینا سراسر لغو اور باطل ہے اور آیات قرآن مجید، احادیثِ رسول علیہ السلام اور ارشاداتِ عالیہ ائمہ کرام علیہم الرضوان کی تکذیب ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ! جو کسی بھی ایمان و اسلام کے دعویدار کے شایانِ شان نہیں ہے۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان کے خلاف غم و غصہ کیوں؟

سابقہ صفحات میں بڑی تفصیل سے آپ کو صحابہ کرام علیہم الرضوان کے فضائل و کمالات قرآن مجید اور ائمہ کرام کے ارشاداتِ عالیہ کی روشنی میں دکھلائے اور پیش کئے جا چکے ہیں اور اہل تشیع کے اعتراضات کے جوابات بھی آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں، لیکن یہ خلش باقی رہ گئی ہو گی کہ آخر اسلام کے ان محسنین اور اسلام میں نئی رُوح پھونکنے والوں اور اس کو قیصر و کسریٰ کے مقبوضات میں پھیلانے والوں اور مذاہبِ عالم پر غلبہ اور فتحیابی سے ہمکنار کرنے والوں کے خلاف خود اہلِ اسلام میں ایسے لوگ کیوں پیدا ہو گئے ہیں جو ان بزرگ شخصیات کو ظالم و غاصب اور منافق و مرتد کہنے لگے ہیں اور ان کے سب و شتم کو سب سے اہم عبادت قرار دینے لگے ہیں۔

ابوجہل، ابولہب اور عتبہ و شیبہ، جیسے رؤسائے مشرکین کو اور عبداللہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بن ابی جیسے رئیس المنافقین کو تو نظر انداز کر دیا گیا اور دیگر سلاطین اور شخصی حکومتوں کے ظالم و جابر حکمرانوں کو بھی نظر انداز کر دیا گیا، مگر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے انتہائی مقرب یارانِ باوفا پر بحث مباحثے اور مجادلے و مناظرے جاری ہیں، تو آخر اس کی وجہ کیا ہے۔

جن کفار و مشرکین نے حضور سیدِ عالم اور مہاجرین حضرات کو ہجرت پر مجبور کر دیا، وہ قابلِ معافی مگر جس مجسمۂ وفا نے جان ہتھیلی پر رکھ کر اور بال بچوں کی عزت و آبرو اور جان و مال کی پرواہ نہ کرتے ہوئے رفاقت اختیار کی وہ مجرم جو لوگ اہلِ اسلام اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھروں میں آرام و سکون سے نہیں رہنے دیتے تھے، ان کے حق میں کوئی سختی اور تغلیظ و تشدید نہیں، لیکن جو لوگ اپنا دین و ایمان بچانے کے لیے کبھی حبشہ کی طرف ہجرت کر کے عیسائی بادشاہ کا سہارا ڈھونڈتے ہیں اور کبھی گھر بار، مال و متاع اور خویش و اقرباء چھوڑ کر غریب الوطن اور فقیر و درویش بن کر مدینہ منورہ میں جا کر ڈیرے لگاتے ہیں، اور اقامت گزیں ہوتے ہیں، ان پر ہر لمحہ غم و غصے کا اظہار رہے۔ آخر ایسا کیوں ہے؟

وہ انصار جو اپنے گھر اور اموال ان ... ین پر نثار کرتے ہیں، وہ موردِ الزام اور محلِ طعن و تشنیع اور جو کافر کبھی بدر میں اور کبھی ... مدو خندق کے میدان میں پرچمِ اسلام کو سرنگوں کرنے اور شمعِ اسلام کو گل کرنے کی ناپاک کوششوں میں مصروف رہے ان کے خلاف کوئی جملہ بھی زبان پر لانے کی ضرورت نہیں ہے اور جو شخص جتنا رسولِ خدا علیہ التحیۃ والثناء کا قریبی ہے اور جس کی جانی اور مالی قربانیاں جتنی زیادہ ہیں، اتنا ہی وہ قابلِ نفرت اور حقارت ہے۔ کبھی رسولِ خدا، محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے خسر نشانہ ہیں اور کبھی ان کے دوہرے داماد اور کبھی مسندِ خلافت کے اولین وارث اور جانشین ہی ہدف ہیں۔ آخر اس کا باعث و موجب کیا ہے؟ لازماً اس کی کچھ وجوہات تو ضرور ہوں گی۔ بلا وجہ کون کسی کا دشمن بنتا ہے اور اتنا سخت دشمن کہ باقی دشمنوں کو بھول ہی جائے، اور صرف ایک ہی ہدف اور نشانہ اس کے سامنے رہ جاتے تو آئیے اس توہم اور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مغالطہ کا اور اس خدشہ اور شعبہ کا حل تلاش کریں اور اسباب و علل کی جستجو کریں اور ان محرکات و موجبات کا جائزہ لیں، جس نے ایک مدعیٔ اسلام فرقہ کو ان غازیانِ اسلام اور محسنانِ ملت کے خلاف اس قدر برافروختہ کر دیا ہے اور غیظ و غضب سے بھر رکھا ہے۔

تو اس کے لیے آپ کو ذرا یہ سوچنے کی تکلیف کرنی پڑے گی کہ ان حضرات کی مساعیٔ جمیلہ اور شبانہ روز مجاہدات سے کس کس فریق کو نقصان پہنچا اور کسے اذیت اٹھانی پڑی اور ناقابلِ برداشت ذلت و رسوائی سے دوچار ہونا پڑا۔ سب سے پہلے مدینہ طیبہ کا حال دیکھیے بنو قریظہ اور بنو نضیر کے دونوں قبائل صدیوں سے مدینہ منورہ میں آباد تھے، مگر کس رسوائی کے ساتھ ان کے وجود نامسعود سے مدینہ منورہ کا خطہ پاک ہو گیا۔ خیبر میں بھی یہودیوں کی حکومت و سلطنت تھی اور متعدد قلعے اور ربواڑے موجود تھے، لیکن وہ بھی ان کی ملکیت سے نکلے، بلکہ خود ان کو بھی وہاں سے نکلنا پڑا۔ بیت المقدس اور اریحا کے علاقوں میں ان کی پشت در پشت حکومت اور سلطنت چلی آ رہی تھی، چنانچہ وہ بھی ہاتھ سے نکل گئے۔ ادھر مجوسیوں کے ہاتھوں فارس کی سلطنت نکل گئی۔ لہٰذا مجوسیوں اور یہودیوں اور رومیوں نے جب میدانِ کارزار میں اہلِ اسلام کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے تو ایک نئے محاذ پر ان کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنے کی ٹھان لی، جس میں پہلے پہل خلیفہ رسول حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا شہید کرنا سرِ فہرست تھا، کیونکہ ان دشمنانِ اسلام کے خیال میں اسلام کی ساری قوت و طاقت کا منبع اور سرچشمہ صرف آپ کی ذات والا صفات تھی اور ان لوگوں کا گمان تھا کہ یہ خلیفہ اگر شہید ہو گئے تو اسلام کا نہ تھمنے والا یہ سیلاب خود بخود رک جائے گا، لیکن جب ان کی شہادت کے باوجود اہلِ اسلام کا اتحاد و اتفاق قائم رہا اور فتوحات کا تسلسل جوں کا توں رہا، تو اس سازش نے دوسرا رنگ اختیار کیا۔ ایک باہمی خلفشار اور نزاع و اختلاف برپا کرنے کا اور دوسرا نظریاتی وحدت کو پارہ کرنے کا، چنانچہ پہلے محاذ پر تو ہاتھ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اور بنو امیہ کی آویزش اور محاذ آرائی برپا کرنے میں کامیابی حاصل ہو گئی اور دوسرے محاذ پر اس آویزش اور محاذ آرائی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خلافت مرتضوی اور پھر فدک وغیرہ کے معاملے کو وہ رنگ دیا کہ الامان والحفیظ اور اہلِ اسلام کو صرف دو گروہوں میں نہیں، بلکہ گروہ در گروہ تقسیم کر کے رکھ دیا۔

پہلی قربانی مجوسیوں نے دی اور ابو لولو مجوسی نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا، جس کی سزا کے طور پر وہ خود بھی قتل کر دیا گیا، لیکن یاد رہے کہ اس کے قتل ہونے کے بعد اس مجوسی کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کیلئے شیعہ نے بابا شجاع الدین کے نام سے اس کا عرس اور میلہ منانا شروع کیا۔ (ملاحظہ ہو مجالس المومنین ج ۱ صفحہ)

اس کے بعد دوسری قربانی یہود نے پیش کی اور عبداللہ بن سبا کو اسلام کا لبادہ اوڑھا کر اسلام کو خاکم بدہن تباہ کرنے کا منصوبہ سونپا۔ جس طرح پولس یہودی نے عیسائیت کا لبادہ اوڑھ کر عیسائیت کو ختم کر دیا۔ چنانچہ اس ابن سبا نے بھی اس طرزِ عمل کو اپناتے ہوئے اسلام پر کاری ضرب لگانے کی سکیم تیار کی۔ اگر اس اجمال کی تفصیل درکار ہو تو حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز کے قلم حقیقت رقم سے ان تاریخی حقائق کا مشاہدہ کریں۔ جن کو اس کے دامِ تزویر اور گمراہی کے جال میں پھنسے ہوئے لوگوں نے خود بیان کیا ہے۔ آیئے رسالہ "مذہب شیعہ" کا مطالعہ کریں اور یہودی سازش اور دسیسہ کاری کا نمونہ دیکھیں اور اس فکری انتشار کی ابتداء اور بنیاد کا صحیح وقت اور طریقہ کار ملاحظہ کریں۔

رسالہ مذہب شیعہ — از حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز

عبداللہ بن سبا یہودی اور مذہب شیعہ کی ابتداء

اسی صورتِ حال کا کھوج بھی ملتا ہے اور اربابِ عقل و شعور تو چور کو پکڑ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بھی سکتے ہیں۔ اس ضمن میں سب سے پہلے اہلِ تشیع کی معتبر کتاب ناسخ التواریخ جلد دوم کتاب دوم صفحہ ۵۲۴ سطر ۶ مطبوعہ ایران (اصفہان) سنہ ۱۳۰۵ھ کے مطالعہ کی سفارش کرتا ہوں تاکہ آپ کو حق الیقین ہو جائے کہ میں جو کچھ عرض کر رہا ہوں، وہ تعصبِ مذہبی کی بنیاد پر نہیں، بلکہ واقعات کی روشنی میں اور حق و صداقت پر مبنی معروضات ہیں کہ سب سے پہلے جس شخص نے خلفاء راشدین کے متعلق غصبِ خلافت کا قول کیا اور حضرتِ علی رضی اللہ عنہ کو خلیفۂ بلا فصل ثابت کرنے کی کوشش کی، وہ ایک یہودی تھا جس کا نام عبداللہ بن سبا تھا، جو امیر المؤمنین سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں تقیہ کر کے مدینہ منورہ آیا تھا اور اسلام ظاہر کیا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور بالخصوص خلفاء راشدین سابقین کے خلاف خفیہ طور پر سب بکنا شروع کیا۔ پھر جب مدینہ منورہ سے نکالا گیا تو مصر میں جا کر ایک گروہ اپنا ہمنوا بنا لیا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف لوگوں کو بھڑکایا اور بالآخر ایسا فتنہ برپا کیا کہ جس میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ اصل عبارت ملاحظہ فرمائیں:

ذکر پدید آمدن مذہب رجعت در سال سی و پنجم ہجری

عبداللہ بن سبا مردے جہود بود در عہدِ عثمان بن عفان مسلمانی گرفت و از کتب پیشین و مصاحف سابقین نیک دانا بود چوں مسلمان شد، خلافتِ عثمان در نظر او پسندہ نیفتاد پس در مجالس و محافل اصحاب بنشستے و قبائح اعمال و مثالبِ عثمان را ہر چہ توانستے باز گفتے۔ ایں خبر بعثمان بردند گفت بارے ایں جہودی کیست و فرمان کرد تا او را از مدینہ اخراج نمودند عبداللہ بمصر آمد و چوں مرد عالم و دانا بود مردم بروے گرد آمدند و کلمات او را باور داشتند۔

گفت ہاں اے مردم مگر نشنیدہ اید کہ نصاریٰ گویند کہ عیسیٰ علیہ السلام بدیں جہاں رجعت کند و باز آید۔ چنانکہ در شریعتِ ما نیز ایں امر استوار است۔ چوں عیسیٰ رجعت تواند کرد محمد کہ بے گمان فاضلتر از وست چگونہ رجعت نکند۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

وخداوند نیز در قرآن کریم میفرماید اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ۔ چوں این سخن را در خاطرها جائے گیر ساخت گفت۔ خداوند صد و بست و چہار ہزار پیغمبر بدین زمین فرو فرستاد و ہر پیغمبرے را وزیرے و خلیفتے بود چگونہ میشود پیغمبرے از جہاں برود خاصہ وقتیکہ صاحبِ شریعت ہا شد و نائبے و خلیفتے بخلق نگمارد و کار اُمت را مہمل بگزارد۔ ہمانا محمد را علی علیہ السلام وصی و خلیفہ بود چنانکہ خود فرمود: انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ" ازیں میتواں دانست کہ علی خلیفہ محمد است و عثمان ایں منصب را غصب کردہ و با خود بستہ عمر نیز ایں کار بناحق بشوری افگندہ عبدالرحمٰن بن عوف بہوائے نفس دست بر دست عثمان زد و دستِ علی را کہ گرفتہ بود کہ با و بیعت کند رہا داد۔

اکنوں بر ما کہ در شریعت محمدیم واجب میکند کہ از امر بمعروف و نہی از منکر خویشتن داری نکنیم، چنانکہ خدائے فرماید: "کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر" پس با مردم خویش گفت ما را ہنوز آں نیرو نیست کہ بتوانیم عثمان را دفع داد۔ واجب میکند کہ چنداں کہ بتوانیم عمالِ عثمان را کہ آتشِ جور و ستم را دامن ہمی زنند ضعیف داریم و قبائح اعمال ایشان را بر عالمیان روشن سازیم و دل ہائے مردم را از عثمان و عمال او بگرداینم۔

پس نامہا نوشتند و از عبداللہ بن ابی سرح کہ امارتِ مصر داشت باطراف جہاں شکایت فرستادند و مردم را یک دل و یکجہت گردانیدند کہ در مدینہ گرد آیند و بر عثمان امر بمعروف کنند و اورا از خلیفتی خلع فرمایند۔ عثمان این معنیٰ را تفرس ہمی کرد و مروان ابن الحکم جاسوسانِ بشہرہا فرستاد تا خبر باز آوردند کہ بزرگانِ بہر بلد در خلعِ عثمان ہمدستانند۔ لاجرم عثمان ضعیف شدہ در کار خود فرو ماند۔"

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ترجمہ: ۳۵ھ میں مذہبِ رجعت کے پیدا ہونے کا بیان

عبداللہ بن سبا یہودی آدمی تھا، جس نے حضرت امیر عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں اسلام ظاہر کیا اور پہلی کتابوں اور صحیفوں کا اچھا عالم تھا۔ جب مسلمان ہوا تو امیر عثمان (رضی اللہ عنہ) کی خلافت اس کے دل کو پسند نہ آئی، لہٰذا اس نے مجالس اور محافل میں بیٹھ کر حضرت امیر عثمان (رضی اللہ عنہ) کے متعلق بدگوئیاں اور شکوہ و شکایات شروع کر دیں اور بُرے اعمال و اخلاق جو کچھ بھی اس کے بس میں تھا حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرنے لگا۔

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں یہ بات پہنچائی گئی، تو آپ نے فرمایا: یہ یہودی ہے کون؟ اور آپ نے حکم دیا کہ اسے مدینہ منورہ سے نکال دیں؛ چنانچہ عبداللہ بن سبا مصر میں پہنچ گیا اور چونکہ آدمی عالم اور دانا تھا، لہٰذا لوگوں کا اس پر جمگھٹا ہونے لگا اور لوگوں نے اس کی تقریروں پر یقین کرنا شروع کر دیا تو ایک دن اس نے کہا، ہاں اے لوگو! تم نے شاید سن رکھا ہو گا کہ عیسائی لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس جہان میں دوبارہ آئیں گے جیسا کہ ہماری شریعت میں بھی یہ بات متحقق ہے، تو جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ آسکتے ہیں، تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو ان سے مرتبہ میں بہت زیادہ ہیں کس طرح دوبارہ تشریف نہ لائیں گے اور اللہ تعالیٰ بھی قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ جس ذات نے آپ پر قرآن نازل کیا ہے، وہ یقیناً آپ کو آپکے اصلی وطن کی طرف لوٹائے گی۔

جب اس عقیدہ کو لوگوں کے دلوں میں راسخ اور پختہ کر چکا تو کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اس دنیا میں بھیجے ہیں اور ہر ایک پیغمبر کا ایک وزیر اور خلیفہ تھا، تو یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ پیغمبر علیہ السلام دنیا سے تشریف لے جائیں۔ علی الخصوص جبکہ وہ صاحب

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

شریعت ہوں اور اپنا نائب اور خلیفہ مقرر نہ فرمائیں اور امت کا معاملہ یوں ہی چھوڑ دیں۔

لہذا یقیناً محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی اور خلیفہ علی علیہ السلام ہیں۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے: انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ۔ یعنی تو میرے نزدیک ایسا ہے جیسے حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک تھے، اس سے سمجھا جا سکتا ہے کہ حضرت علی حضور محمد کریم علیہ السلام کے خلیفہ ہیں اور عثمان نے اس منصب کو غصب کر لیا ہے اور اپنی ذات کے ساتھ مخصوص ٹھہرا لیا ہے اور (حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ) عمر بن خطاب نے بھی ناحق منصبِ خلافت کو مجلس شوریٰ کے سپرد کر دیا۔"

یہ عبارت نقل کرنے سے چند گزارشات کرنا مقصود ہیں:

(۱) رجعی مذہب سب سے پہلے جس شخص نے دنیا میں پیدا کیا، وہ عبداللہ بن سبا یہودی ہے۔

(۲) خلفاء راشدین کے متعلق غاصب کہنا اور اُن کی خلافت کو ناحق قرار دینے کی ابتدا عبداللہ بن سبا سے ہوئی۔

(۳) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل کا سب سے پہلا علمبردار بھی یہی عبداللہ بن سبا ہے۔

عبداللہ بن سبا کے متعلق ائمہ ہدیٰ کی تصریحات کے ساتھ آئندہ سطور میں کسی قدر تبصرہ ہوگا، سر دست اتنا عرض کرنا ہے کہ شیعوں کے مذہب کی بنیاد اسی عبداللہ بن سبا نے رکھی۔ شیعہ کے مجتہدِ اعظم مُلا باقر مجلسی نے اپنی کتاب "حق الیقین" صـ۱۵ مطبوعہ ایران میں مقصد نہم اسی عقیدۂ رجعت کے ثبوت میں انتہائی زور و شور کے ساتھ لکھا ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے:

"بداں کہ از جملہ اجماعیاتِ شیعہ بلکہ ضروریاتِ مذہبِ حق فرقۂ محقہ حقیت رجعت است۔"

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

یعنی جاننا چاہیے کہ منجملہ ان اعتقادیات کے کہ جن پر تمام شیعوں کا اجماع ہے، بلکہ ان کے مذہب کے ضروریات میں سے ہے، وہ عقیدہ رجعت کی حقانیت کا اعتراف و اقرار ہے۔

اب اہلِ دانش و بینش کے نزدیک یہ بات روزِ روشن سے بھی زیادہ واضح ہو گئی کہ مسئلہ رجعت کا ظاہر کرنے والا، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو بلافصل کہنے والا اور خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق ظلم اور غصب کی نسبت کرنے والا سب سے پہلا شخص عبداللہ بن سبا یہودی ہے اور باقر مجلسی کی تصریح سے یہ ثابت ہوا کہ اسی عبداللہ بن سبا کے عقیدے شیعوں کے ضروریاتِ دین میں سے ہیں اور شیعوں کے مجمع علیہ عقائد میں سے ہیں جیسے کہ من لا یحضرہ الفقیہ میں شیعہ کے شیخ صدوق نے کہا (اور ملا باقر مجلسی نے اس کا ترجمہ نقل کرتے ہوئے کہا)

"ہر کہ ایماں برجعت ندارد از ما نیست"

جس شخص کا عقیدۂ رجعت پر ایمان نہیں ہے، وہ ہم (شیعہ) سے نہیں ہے۔

اب ذرا عبداللہ بن سبا کا حال سنیں، اہلِ تشیع کی معتبر ترین کتاب "رجال کشی" ص۹۹ تا ۱۰۱ پر بھی عبداللہ بن سبا کا بیان موجود ہے۔ چونکہ اس کے متعلق یہ روایات ائمہ کرام امام زین العابدین اور امام ابوعبداللہ جعفر صادق رضی اللہ عنہما سے مروی و منقول ہیں، لہٰذا انہیں لفظ بلفظ مطالعہ کے لیے پیش کرتا ہوں:

(۱) عن ابان بن عثمان قال سمعت اباعبد اللہ علیہ السلام یقول لعن اللہ عبداللہ بن سبا انہ ادعی الربوبیۃ فی امیر المومنین وکان واللہ امیرالمومنین عبداللہ طائعا الویل لمن کذب علینا وان قوما یقولون فینا ما لانقول فی انفسنا نبرء الی اللہ منہم۔

ترجمہ: ابان بن عثمان سے مروی ہے کہ میں نے ابوعبداللہ جعفر صادق علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ عبداللہ بن سبا پر لعنت فرمائے، اس نے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حضرت امیرالمومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حق میں رب ہونے کا دعویٰ کیا اور بخدا امیرالمومنین کرم اللہ وجہہ الکریم اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار بندے تھے۔ اس شخص کے لیے جہنم ہے، جس نے ہم پر جھوٹے بہتان باندھے اور ایک قوم ہمارے متعلق ایسی ایسی باتیں گھڑتی ہے جو ہم قطعاً اپنے متعلق نہیں کہتے۔ ہم ان سے اللہ تبارکؔ تعالیٰ کی طرف برأت کا اظہار کرتے ہیں۔

(۲) عن ابی حمزۃ الثمالی قال علی بن الحسین علیہ السلام لعن اللہ من کذب علینا انی ذکرت عبد اللہ بن سبا فقامت کل شعرۃ فی جسدی لقد ادعیٰ امرًا عظیمًا ما لہ لعنہ اللہ کان علی واللہ عبدًا للہ صالحًا اخا رسول اللہ وما نال الکرامۃ من اللہ الا بطاعتہ للہ ولرسولہ وما نال رسول اللہ الکرامۃ الا بطاعتہ للہ۔

ترجمہ: ابوحمزہ ثمالی سے مروی ہے کہ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت بھیجے، جس نے ہم پر جھوٹ بولا۔ میں نے میں نے عبداللہ بن سبا کو یاد کیا، تو میرے بدن کا ہر رونگٹا کھڑا ہو گیا۔ البتہ تحقیق اس نے امرِ عظیم کا دعویٰ کیا ہے۔ اسے کیا ہے؟ اللہ اس پر لعنت کرے، بخدا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی۔ انہوں نے بارگاہِ خداوندی سے جو عزت اور کرامت پائی ہے تو وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے ہی پائی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عزت وکرامت حاصل کی ہے، تو وہ بھی صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے ہی حاصل کی ہے۔

(۳) قال ابوعبداللہ علیہ السلام انا اھل بیت صدیقون لانخلو من کذاب یکذب علینا ویسقط صدقنا بکذبہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

علینا عند الناس کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصدق الناس لھجۃ واصدق البریۃ کلھا وکان مسیلمۃ یکذب علیہ وکان امیر المومنین اصدق من برء اللہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان الذی یکذب علیہ ویعمل فی تکذیب صدقہ ویفتری علی اللہ الکذب عبد اللہ بن سبا لعنہ اللہ (رجال کشی ص۱۰۸ و تنقیح المقال مامقانی جلد ثانی ص۱۸۴)

ترجمہ: امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہم اہل بیت بہت ہی سچے ہیں مگر ہم ایسے کذابوں سے محفوظ نہیں ہیں، جو ہم پر جھوٹ باندھتے ہیں اور ہمارے صدق کو اپنے جھوٹ اور بہتان کے ذریعے ناقابل اعتبار ٹھہراتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے بلکہ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق سے زیادہ سچے تھے اور مسیلمہ کذاب ان پر بہتان باندھا کرتا تھا اور امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سچے تھے اور جو شخص ان پر جھوٹ باندھتا تھا اور ان کے صدق کو کذب سے بدلنے کی سعی اور جدو جہد کرتا تھا اور اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھتا تھا وہ عبد اللہ بن سبا ملعون تھا۔

(۴) (قال الکشی) ذکر بعض اھل العلم ان عبد اللہ بن سبا کان یھودیا فاسلم ووالی علیا علیہ السلام وکان یقول وھو علی یھودیتہ فی یوشع بن نون وصی موسیٰ بالغلو فقال فی اسلامہ بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی علی مثل ذالک وکان اول من اشھر القول بفرض امامۃ علی واظھر البرأۃ من اعدائہ وکاشف مخالفیہ وکفرھم فمن ھھنا قال من خالف الشیعۃ ان اصل التشیع والرفض ماخوذ من الیھودیۃ۔

ترجمہ: علامہ کشی نے کہا کہ بعض اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ تحقیق عبد اللہ بن سبا یہودی تھا۔ بعد ازاں مسلمان ہو گیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تولّی اور آپ کی محبت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کا دم بھرنے لگا اور وہ جب یہودی تھا تو یوشع بن نون علیہ السلام کے متعلق غلو کرتے ہوئے وصی موسیٰ کہا کرتا تھا اور اسلام کا اظہار کرنے کے بعد کہتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ وصی اور خلیفہ بلافصل ہیں اور وہ پہلا شخص تھا جس نے امامتِ علی کی فرضیت کے قول اور عقیدہ و نظریہ کو مشہور کیا اور ان کے اعداء اور مخالفین سے برأت کا اظہار کیا اور آپ کے مخالفین پر زبانِ طعن دراز کی اور ان کی تکفیر کی، لہٰذا اسی وجہ سے شیعہ کے مخالفین نے کہا کہ تشیع اور رافضیت کی جڑ اور اصل و اساس یہودیت ہے۔

(رسالہ مذہبِ شیعہ از صفحہ ۹۰ تا صفحہ ۹۶)

رسالہ تنزیہ الامامیہ از علامہ محمد حسین ڈھکو صاحب

کیا مذہب شیعہ عبداللہ بن سبا یہودی کی ایجاد ہے؟

پیر صاحب آف سیال شریف نے دیگر ہم مسلک تعصب نواز اہل السنت کی طرح یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ مذہب شیعہ عبداللہ بن سبا یہودی کی پیداوار ہے (تا) لیکن اربابِ بصیرت پر یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ یہ نسبت محض کذب و افترا ہے، جس کا واقعات سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔

اولاً، تو عبداللہ بن سبا کے اصل وجود میں ہی اختلاف ہے اور بعض سنی و شیعہ مؤرخین کے نزدیک وہ ایک افسانوی شخصیت اور فرضی فرد کا نام ہے جس کا عالمِ حقیقت میں کوئی وجود نہیں ہے۔

ثانیاً، ہر مذہب والے اپنے بانیانِ مذہب کی تعریف کرتے ہیں اور اُن کا تذکرہ بڑی آب و تاب اور شان و شوکت سے کرتے ہیں، مگر پورا شیعی رجال کا لٹریچر پڑھ جایئے، کسی جگہ ایک جملہ بھی ابن سبا کی مدح میں نہیں ملے گا۔ صفحہ ۱۵۶ / صفحہ ۱۶۰

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ثالثاً، پیر صاحب نے ہمارے عقیدہ رجعت کی رد کرنا چاہی ہے اور اس کے ایجاد کا سہرا بھی ابن سبا کے سر باندھنے کی ناکام کوشش کی ہے۔
ہم نے نہ صرف محولہ بالا مقام بلکہ وہ تمام مقامات و صفحات چھان مارے جہاں اس عبارت کے ملنے کا امکان تھا، مگر اس عبارت کا کہیں نام و نشان نہ ملا۔ صفحہ ۱۲۳ تنزیہ الامامیہ

تحفہ حسینیہ

از ابو الحسنات محمد اشرف السیالوی

حقائق و واقعات کا آفتاب اپنی آنکھیں بند کر لینے سے غروب نہیں ہو سکتا

علامہ ڈھکو صاحب نے فرمایا کہ عبداللہ بن سبا کو مذہب شیعہ کا بانی قرار دینا کذب و افترا ہے اور اس کا واقعات سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے، حالانکہ یہ جواب سراسر عجز اور بے لبسی کا منہ بولتا ثبوت ہے، کیونکہ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے محض دعوی پر اکتفا نہیں فرمایا، بلکہ شیعی کتب سے عبارات نقل کر کے اسے ثابت کیا اور حوالہ جات درج فرمائے تھے اور پورے پانچ صفحات پر پھیلی ہوئی ان عبارات کا جواب صرف کذب اور افترا کا لفظ بول دینے سے تو نہیں آسکتا۔ نیز یہ جھوٹ اور غلط بیانی اور کذب و دروغ بافی کرنے والا ہے کون؟ کیونکہ حضرت شیخ الاسلام نے تو شیعی مستند کتب کے حوالے سے یہ حقیقت بیان فرمائی ہے اور شیعی علماء نے اپنے مذہب و مسلک کے متعلق اور اس کے بانی اور موجد کے متعلق جھوٹ کیوں بولنا تھا؟ اور افترا پردازی سے کام کیونکر لینا تھا؟ لہٰذا علامہ ڈھکو صاحب کا یہ قول جواب نہیں ہے، بلکہ جواب سے فرار کی ناکام کوشش ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

علامہ کشی نے اپنے رجال میں یہ حقیقت تسلیم کر لی ہے کہ واقعی مذہب تشیع کا بانی اور معمارِ اوّل عبداللہ بن سبا یہودی ہی ہے۔ ان کی عبارت ملاحظہ فرمائیں اور حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کے دعویٰ کی تصدیق فرمائیں۔

۱۔ کان اوّل من اشھر القول بفرض امامۃ علی۔
وہی پہلا شخص تھا، جس نے امامتِ علی کے عقیدہ کی فرضیت و لزوم کو مشہور کیا۔

۲۔ کان یقول وھو علی یھودیتہ فی یوشع بن نون وصی موسیٰ بالغلو فقال فی اسلامہ بعد وفاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی علی علیہ السلام مثل ذالک

عبداللہ بن سبا جس وقت یہودی مذہب پر تھا، تو غلو سے کام لیتے ہوئے حضرت یوشع بن نون کو وصیِ موسیٰ کہا کرتا تھا، تو جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اسلام کا اظہار کیا، تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حق میں اسی طرح کہا، یعنی غلو سے کام لے کر انہیں وصیِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا۔

۳۔ واظھر البراءۃ من اعدائہ وکاشف مخالفیہ و کفرھم۔ یہی عبداللہ بن سبا پہلا شخص ہے جس نے حضرتِ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مخالفین سے برأت کا اظہار کیا اور ان پر طعن و تشنیع سے کام لیا، بلکہ ان کی تکفیر کی۔

اور یہی تین امور عقیدۂ امامت کی فرضیت، وصیِ رسول ہونے کا عقیدہ اور تبرا ابھی اہلِ تشیع کے بنیادی عقیدہ ہیں۔

علاوہ ازیں بقول صاحبِ ناسخ التواریخ اس نے خلافتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اسلام قبول کیا، مگر محبت اور تولیٰ کا دم بھرا تو صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ۔ نہ خلیفۂ وقت سے محبت ضروری سمجھی اور نہ خلفائے سابقین سے، بلکہ امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف تو شکوہ و شکایات کا سلسلہ شروع کر لیا تھا اور تولیٰ بھی شیعہ مذہب کا اہم رُکن ہے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اور اس کا بانی بھی یہی تھا اور جب ان اصولِ اربعہ کا موجد اور بانی عبداللہ بن سبا ہی تھا، تو پھر اہلِ علم کا یہ دعویٰ مبنی برحقیقت ہونا روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گیا جو کہ علامہ کشی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

ذکر بعض اھل العلم ان عبد اللہ بن سبا کان یھودیا فاسلم ووالی علیاً علیہ السلام (الی) ومن ھٰھنا قال من خالف الشیعۃ ان اصل التشیع والرفض ماخوذ من الیھودیۃ۔ (رجال الکشی ص۱۰۱)

یعنی بعض اہلِ علم نے کہا کہ عبداللہ بن سبا پہلے یہودی تھا، پھر اسلام لایا اور حضرت علی علیہ السلام سے محبت و تولّی کا اظہار کیا (تا) اور اسی وجہ سے شیعہ کے مخالفین نے کہا کہ تشیع اور رافضیت کی اساس اور بنیاد یہودیت سے ماخوذ ہے۔

علامہ صاحب! "رجال کشی" ہماری کتاب نہیں، جناب کے مذہب کی مستند اور معتبر ترین کتاب ہے، جس کی کانٹ چھانٹ اور جانچ پرکھ کے بعد، اور ضعیف و موضوع روایات کو حذف کرنے کے بعد طوسی صاحب نے اس کو دوبارہ شائع کرایا اور اس معتبر اور مستند روایات و اقوال پر مشتمل کتاب میں خود اکابرین شیعہ نے اس حقیقت کو درج بھی کیا اور اس کی صحت و واقعیت کا اعتراف بھی کیا ہے اور ظاہر ہے کہ علامہ کشی و طوسی جیسے اہم علماءِ شیعہ جن کو اہلِ علم سمجھ کر ان کا قول نقل کریں، تو ان کے سند اور حجت ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔ لہٰذا یہ اہل السنت کا بہتان و افتراء نہیں ہے اور نہ دروغ بافی اور غلط بیانی، بلکہ تمہارے اپنے اہلِ مذہب اکابر کی حقیقت بیانی اور صداقت ترجمانی ہے، اسے بہتان و افتراء کہہ دینا سراسر غلط ہے اور محض بےبسی اور لاچاری کا اظہار ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

یہودی سازش کا مرحلہ وار پروگرام

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کی پیش کردہ عبارات اور روایات سے عبداللہ بن سبا کی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ موالات، آپ کی خلافت بلا فصل کے عقیدہ کی فرضیت اور وصی رسول ہونے کا دعویٰ، آپ کے مخالفین سے اظہارِ برأت اور اُن کی تکفیر کا قول اور غلو اور اسلام کا اظہار کرتے ہوئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف محاذ آرائی اور ان پر طعن و تشنیع اور غصب خلافت کے الزام اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی قائم کردہ مجلس شوریٰ پر اعتراض کرنے سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ یہودیوں نے انتہائی گھناؤنی سازش کے تحت دو طرف سے اہلِ اسلام اور اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کیا۔ ایک طرف نظریاتی وحدت پارہ پارہ کرنے کی ٹھانی اور دوسری طرف قبائلی تعصب کو ابھارنے اور باہمی آویزش اور ٹکراؤ پیدا کرنے کی جدوجہد کی۔

بدقسمتی سے اس خبیث الاصل کو صرف جلاوطن کرنے پر اکتفا کیا گیا تو اس کو مصر اور بصرہ و کوفہ کے علاقوں میں جو نئے نئے اسلام کے زیرِ اثر آئے تھے اور وہاں پر غیر مسلموں کی کثیر تعداد موجود تھی یا نو مسلم حضرات کی جو حقائق و واقعات کا صحیح علم اور ادراک نہیں رکھتے تھے، تو اسے ان علاقوں میں مزید کھل کھیلنے کا موقعہ مل گیا اور سادہ لوح اہلِ اسلام کو جو ابھی ابھی اس سعادت سے بہرہ ور ہوئے تھے، انہیں ورغلانے کا موقعہ ہاتھ لگ گیا، لہٰذا یہ یہودی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اپنی سازش کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں کامیاب ہوگیا اور اس کے بعد دنیائے کفر نے گھی کے چراغ جلائے، کیونکہ عساکرِ اسلام باہمی حرب و قتال میں اُلجھ کر رہ گئے اور عرصہ دراز تک اسلامی فتوحات کا سلسلہ مسدود ہو کر رہ گیا اور اسی باہمی حرب و قتال کے ذریعے اس یہودی کے اختراعی نظریات کی ترویج و اشاعت کے لیے راہ ہموار ہوگئی اور فضا سازگار ہوگئی کیونکہ جب نزاع و اختلاف اور جنگ و جدال تک نوبت پہنچ جائے تو مخالفین کے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

عیوب و نقائص بیان کرنے سے کون ہچکچاتا ہے اور کم از کم سننے سے لاتعلق رہنا اور بیزار ہونا تو ممکن نہیں رہتا، لہٰذا اس حوالے سے مخالفین کے حق میں طعن و تشنیع اور ان کی مذمت و ملامت شروع کر لی گئی اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے فضائل و کمالات کے بیان میں مبالغہ آرائی اور تجاوز و افراط سے کام لیا جانے لگا۔

پھر بس یہیں پر بس نہ کی گئی، بلکہ خلفاء سابقین پر بھی تشنیع اور تنقید و تنقیص کے لیے راہ ہموار کر لی گئی کہ اگر یہ خلافت فاروق شوریٰ پر نہ چھوڑتے، بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نامزد فرما دیتے، تو نہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنتے نہ ان کے خلاف شکایات پیدا ہوتیں اور نہ نوبت اس جنگ و جدال تک پہنچتی، لہٰذا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شوریٰ سے ہی یہ سب خرابیاں پیدا ہوئیں۔ پھر اس سے ترقی کرتے ہوئے خود خلافت فاروقی کو نشانہ بنا لیا اور اس کو محلِ تنقید و تنقیص بنا کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خلاف طعن و تشنیع کا راستہ ہموار کر لیا کہ انہیں ہی خلیفہ نہیں ہونا چاہیے تھا، نہ وہ خلیفہ ہوتے نہ فاروقِ اعظم (رضی اللہ عنہ) خلیفہ بن سکتے، نہ شوریٰ قائم ہوتی، نہ امیر عثمان (رضی اللہ عنہ) منصبِ خلافت تک پہنچتے اور نہ یہ حالات رونما ہوتے تو گویا ساری خرابی کی جڑ سقیفہ بنو ساعدہ کا اجتماع ٹھہرا، لہٰذا سب سب مہاجرین بھی مجرم اور سب انصار بھی۔ العیاذ باللہ!

الغرض اس طرح مرحلہ وار یہودی سازش نے ان محسنین اسلام کے خلاف اذہان کو مسموم کرنے اور ان میں بغض و عناد کا زہر بھرنے کی مذموم و قبیح کوشش کی اور باقاعدہ ایک نیا مذہب تیار ہو گیا، جس پر موالاتِ مرتضیٰ کی بظاہر چھاپ ضرور ہے، مگر حقیقت ساری وہی ہے جو عبداللہ بن سبا یہودی کی اختراع ہے اور اسلام اور اہلِ اسلام کے خلاف سازش و مکروہ چال۔

کیا عبداللہ بن سبا افسانوی شخصیت ہے؟

علامہ ڈھکو صاحب نے محض اس میں اختلاف بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے اور کوئی حتمی فیصلہ اور قطعی نتیجہ ذکر نہیں کیا، جس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کا ضمیر اس

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جواب کی صحت اور درستگی کو تسلیم نہیں کرتا، ورنہ اس سے بہتر صورت گلو خلاصی کی اور کیا ہو سکتی تھی۔ اس ضمن میں جن مؤرخین کے نام گنوائے ہیں، وہ سبھی شیعہ ہیں، جبکہ جواب میں بعض سنی اور شیعہ مؤرخ کا دعویٰ کیا تھا۔ عین ممکن ہے طٰہٰ حسین کو سُنّی قرار دے دیا ہو، لیکن کون نہیں جانتا کہ وہ اسلام کے تہتر فرقوں میں سے کسی فرقہ کے تو کجا خود اسلام کے ہمہ وقت پابند نہیں تھے، اس لیے اپنے مذہب کی مستند اور معتبر کتب میں مندرج ائمہ کرام کی روایات کے مقابل ایسے مؤرخین کی ذاتی رائے کو پیش کرنا ظلم عظیم ہے، لہٰذا اس کا قول ہمارے خلاف نہ حجت نہ الزام اور یہ جواب نہ بُرہانی ہوا اور نہ ہی جدلی۔

رہے شیعہ علماء، تو متقدمین سبھی اس کو واقعی اور نفس الامری شخصیت تسلیم کرتے ہیں، البتہ بعض متاخرین شیعہ علماء نے اس کو افسانوی شخصیت قرار دیا ہے اور اس افسانے کا اختراع کرنے والا سیف بن عمر بتلایا ہے اور اس کو نقل کرنے اور اس کی تشہیر کرنے کا ذمہ دار ابو جعفر طبری کو ٹھہرایا ہے، لیکن یہ سراسر غلط ہے، کیونکہ شیعی کتب میں امام زین العابدین، امام محمد باقر اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہم سے اس کے متعلق لعن و طعن اور اس سے برأت اور بیزاری منقول ہے اور اس کے نظریات و عقائد سے نفرت اور برأت کا اظہار مروی ہے (ملاحظہ ہوں رجال کشی ص۹۹ و ص۱۰۰ و ص۱۰۱ کی روایات، اور تنقیح المقال جلد دوم ص۱۸۳ و ص۱۸۴)

تو اس کے باوجود بھی اگر اس کو افسانوی شخصیت قرار دیا جاتا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اہلِ تشیع نے ائمہ کرام کے نام پر جتنی روایات بیان کی ہیں، وہ سب افسانے ہیں۔ ہم تو بڑی فراخ دلی کے ساتھ پورے شیعی لٹریچر کو افسانہ ماننے کے لیے تیار ہیں، بلکہ مانتے ہی اسی طرح ہیں، لیکن خود شیعہ مذہب کے علماء ذرا سوچیں کہ وہ اس مذہب کا پرچار کس منہ سے کرتے ہیں؟

حضرت امام زین العابدین اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا اس کے متعلق ارشاد آپ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کے قلم حقیقت رقم سے ملاحظہ فرما چکے اور عبداللہ بن سنان نے حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن سبا اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کرتا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خداوند تعالیٰ ہونے کا دعویٰ کرتا تھا۔ ملاحظہ ہو رجال کشی ص ۹۹

۱۔ علامہ کشی کا بعض اہلِ علم کے حوالے سے عبداللہ بن سبا کو واقعی شخصیت تسلیم کرنا اور اس کا سابق یہودی ہونا بھی رسالہ "مذہبِ شیعہ" کی عبارت میں ملاحظہ کر چکے۔

۲۔ علامہ طوسی نے اس کو اپنے رجال میں واقعی شخصیت تسلیم کیا، لیکن ساتھ ہی کہا، "رجع الی الکفر واظہر الغلو" اُس نے کفر کی طرف رجوع کیا اور غلو کا اظہار کیا۔

۳۔ صاحبِ خلاصہ نے بھی اس کے واقعی شخصیت ہونے کا اعتراف کیا اور کہا غال ملعون حرقہ امیرالمومنین کان یزعم ان علیاً اللہ وانہ نبی لعنہ اللہ۔ وہ غالی شیعہ اور ملعون ہے، اس کو امیرالمومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جلا دیا تھا۔ وہ یہ زعم اور عقیدہ فاسدہ رکھتا تھا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ خدا ہیں اور وہ خود نبی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے۔ ملاحظہ ہو تنقیح المقال ص ۱۸۳ و ص ۱۸۴ جلد ثانی اور رجال کشی مع حاشیہ ص ۹۹ تا ص ۱۰۱ جس میں ائمہ کرام اور اکابرین علماء شیعہ کی زبانی اس کو واقعی شخصیت تسلیم کیا گیا اور اس کے عقائد و نظریات حتیٰ کہ اس کا انجام بھی بصراحت ذکر کیا گیا ہے، لہٰذا اس کو افسانوی شخصیت قرار دینا سراسر عجز اور بے بسی کا منہ بولتا ثبوت ہے اور ائمہ کرام کی طرف منسوب روایات کے ناقابلِ اعتبار ہونے کی بین دلیل، جو شیعہ مذہب کے اس دعویٰ کو بیخ و بن سے اکھیڑ کر پھینک دے گی کہ ہمارا مذہب اہل بیت کرام سے منقول ہے۔

آخر غالی شیعوں کا امام کون ہے؟

جب ائمہ کرام اور اکابر شیعہ کے اقوال سے عبداللہ بن سبا کا واقعی شخصیت ہونا واضح ہو گیا اور اسے افسانوی شخصیت قرار دینے کی لغویت واضح ہو گئی تو اب

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ایک اور پہلو سے بھی علامہ موصوف کے اس جواب کی لغویت ملاحظہ فرمائیں۔ وہ پہلو یہ ہے کہ حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آپ سے اس کو روایت کرتے ہوئے فرمایا، سَیَهلک فیّ صنفان محب مفرط یذهب به الحب الی غیر الحق و مبغض مفرّط یذهب به البغض الی غیر الحق۔ یعنی عنقریب میری وجہ سے دو گروہ ہلاک ہوں گے۔ ایک محبت میں حد سے تجاوز کرنے والا جس کو محبت غلو اور افراط راہِ راست سے دُور لے جائے گا اور دوسرا بغض اور عداوت کی وجہ میری شان میں تحقیر و تنقیص کرنے والا جس کو یہ بغض و عناد اور تقصیر و تفریط غلط اور ناصواب راہ پر ڈال دے گی۔ وخیر الناس فیّ حالاً النمط الاوسط اور میرے متعلق سب سے بہتر حالت اور صحیح راہ پر گامزن وہ ہوگا جو میانہ روی اور اعتدال سے کام لینے والا ہوگا اور افراط و تفریط سے محفوظ ہوگا۔ (نہج البلاغہ ج ۲ ص ۲۹۸)

لہٰذا اس فرمان واجب الاذعان کے تحت غالی جماعت کا پیدا ہونا تو لازمی امر ہے اور یہ خبر صادق قطعاً غلط اور خلافِ واقع نہیں ہو سکتی اور خود اثنا عشری شیعہ کو بھی غالی شیعہ کی موجودگی کا اعتراف ہے جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور دیگر ائمہ کرام کو الٰہ اور معبود برحق تسلیم کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ تو اگر اس گروہ اور جماعت کا بانی اور مقتدا و پیشوا عبداللہ بن سبا نہیں، تو پھر اس کے ہیرو اور بانی و موجد کی نشان دہی کی جائے کہ وہ کون تھا اور اس کا طریقہ واردات کیا تھا؟ تو اس کا جواب بھی شیعی کتب سے ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ علامہ سید نعمت اللہ الجزائری الموسوی المتوفی ۱۱۱۲ھ نے اپنی معروف زمانہ کتاب "انوارِ نعمانیہ" میں سبائیہ شیعہ کا ذکر کرتے ہوئے عبداللہ بن سبا یہودی کو اس فرقہ کا مقتدا و پیشوا قرار دیا ہے اور اس کے وہی عقائد و نظریات بیان کیے ہیں جو رجال کشی کے حوالے سے ذکر کیے جا چکے ہیں۔

قال عبد اللہ بن سبا لعلیّ علیہ السلام انت الالٰہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حقاً فنفاه علی الی المدائن وقیل انه کان یهودیاً فاسلم وکان فی الیهودیة یقول فی یوشع بن نون وفی موسیٰ مثل ماقال فی علی وقیل انه اول من اظهر القول بوجوب امامة علیؑ ومنه تشعبت اصناف الغلاة۔

(انوارِ نعمانیہ جلد ثانی ص۲۳۴)

یعنی عبداللہ بن سبا نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم ہی حقیقت میں اللہ اور معبودِ برحق ہو، تو آپ نے اس کو مدائن کی طرف جلاوطن کر دیا اور کہا گیا ہے کہ وہ یہودی تھا، بعدازاں اسلام لایا اور یہودی ہوتے ہوئے اُس نے حضرت یوشع بن نون اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے متعلق جو کچھ کہا، وہی اُس نے اسلام لانے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں کہا اور کہا گیا ہے کہ وہی پہلا شخص ہے جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کے وجوب ولزوم کا قول کیا اور اسی سے ہی غالی شیعہ کے جملہ اصناف واقسام پیدا ہوئے ہیں۔

وقال عبد اللہ بن سبا ان علیاً علیہ السلام لم یمت ولم یقتل وانما قتل ابن مُلجم شیطانا تصور بصورة علیّ وعلیٌّ علیہ السلام فی السحاب والرعد صوتہ و البرق ضوءہ وانہ ینزل بعد ھٰذا الی الارض یملاءھا عدلا وھٰؤلاء یقولون عند سماع الرعد علیک السلام یا امیر المؤمنین۔ (انوارِ نعمانیہ جلد ثانی ص۲۳۴)

اور عبداللہ بن سبا نے کہا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فوت نہیں ہوئے اور نہ ہی قتل کیے گئے ہیں اور ابنِ ملجم نے ایک شیطان کو قتل کیا تھا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صورت وشکل میں نمودار ہوا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بادلوں میں ہیں اور بادلوں کی گرج دراصل انہی کی آواز ہے اور برق دراصل انہی کی چمک ہے اور وہ ایک زمانہ میں زمین کی طرف اتریں گے اور اسے عدل اور انصاف سے بھر دیں گے اور سبائی لوگ بادل کی گرج کے وقت علیک السلام

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

یا امیر المومنین کہتے ہیں۔

الغرض نعمت اللہ الموسوی المتوفی ۱۱۲ھ نے ابن سبا کے وجود کو بھی تسلیم کیا اور اس کے عقائدِ فاسدہ کو بھی، جن میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی الوہیت کا عقیدہ بھی شامل ہے اور ان کی امامت کی فرضیت کا اور ان کے دوبارہ دنیا پر تشریف لانے کا، جسے رجعت کہا جاتا ہے اور اس کا جملہ اقسام اصنافِ غلاۃ کا مقتداء و پیشوا ہونا بھی تسلیم کیا ہے۔

۲۔ علامہ ابن ابی الحدید شیعی معتزلی نے شرح نہج البلاغہ میں اس گروہ کے متعلق ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے جو کچھ تحریر کیا وہ بھی ملاحظہ کیجئے چلیں:

سوال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے بہت زیادہ معجزات دیکھے، لیکن آپ کے حق میں الوہیت و ربوبیت کا قول نہ کیا، مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے چند کرامات دیکھ کر آپ کی الوہیت کا قول کر ڈالا، آخر اس کا سبب کیا ہے؟

جواب ۱: صحابہ کرام علیہم الرضوان جنہوں نے آپ سے معجزات کا مشاہدہ کیا، وہ پختہ ارادے والے تھے اور عظیم عقول و اذہان کے مالک تھے۔ لیکن ان کے برعکس یہ جماعت ضعیف رائے اور سخیف عقل کی مالک تھی اور اس جماعت نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا صرف آخری دور دیکھا تھا، مثل عبداللہ بن سبا کے اور ان کے رفقاء اور ہمنواؤں کے، جن کی بصیرت و فراست کی رکاکت و سخافت اور ضعف و کمزوری کا حال معروف اور مشہور تھا، لہٰذا ان کے متعلق کوئی تعجب نہیں کہ آپ سے سرزد ہونے والے چند کرامات اور خوارقِ عادات دیکھ کر انہوں نے از روئے سخافتِ عقل یہ سمجھ لیا ہو کہ آپ میں جوہرِ الوہیت نے حلول کیا ہوا ہے، کیونکہ ان کے خیال میں جوہرِ الوہیت کے حلول کے بغیر کسی بشر سے ایسے خوارقِ عادات کا صادر ہونا ممکن ہی نہیں تھا۔

جواب ۲: وقد قیل ان جماعۃً من ھؤلاء کانوا من نسل النصاریٰ والیھود وقد کانوا سمعوا من آباءھم و

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اسلافھم القول بالحلول فی انبیاءھم و رؤسائھم فاعتقدوا فیہ علیہ السلام ذالک - اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان غالی شیعوں کی ایک جماعت نصاریٰ اور یہود کی نسل سے تعلق رکھتی تھی اور انہوں نے اپنے آباؤ اجداد اور اسلاف سے اپنے انبیاء کرام اور رؤسا کے حق میں جوہرِ الوہیت کے حلول کا قول سُن رکھا تھا، لہذا انہوں نے آپ کے متعلق بھی وہی قول کر دیا اور اسلاف کا عقیدہ آپ کے حق میں بھی اپنا لیا۔

جواب ۳: ویجوز ان یکون اصل ھذہ المقالۃ من قوم ملحدین ارادوا ادخال الالحاد فی دین الاسلام فذھبوا الیٰ ذالک (شرح حدیدی جلد سابع ص۵)

اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ یہ نظریہ وعقیدہ دراصل ملحد اور بے دین لوگوں کی طرف سے (اسلام کے خلاف سازش) ہو، جنہوں نے دینِ اسلام میں الحاد اور بے دینی کو داخل کرنے کی سازش کی، لہذا وہ اس راہ پر چل پڑے۔

الغرض ابن ابی الحدید کے اس کلام سے واضح ہو گیا کہ صرف ایک عبداللہ بن سبا ہی نہیں، بلکہ ایک پارٹی نے اسلام پر کاری ضرب لگانے کے لیے آباء و اجداد کی راہ و روش پر چل کر درجہ بدرجہ اس الحاد اور بے دینی کو اہلِ اسلام تک پہنچا دیا اور بہت سے مدعیانِ اسلام ان کے دامِ تزویر میں پھنس گئے اور اس الحاد و بے دینی اور گمراہی و ضلالت کو حقیقی اسلام اور رُوحِ ایمان سمجھ بیٹھے، حالانکہ ان یہود و نصاریٰ کا صرف اور صرف یہ مقصد تھا کہ مسلمانی کا رُوپ اختیار کر کے اہلِ اسلام میں گھس جاؤ اور ان میں ایسے عقائد اور نظریات کو جاری کرو اور انہیں رواج دو کہ بظاہر مسلمانی کا دم بھرنے کے باوجود حقیقت میں صرف اور صرف یہودی ہوں یا نصرانی یا ان سے بھی بدتر۔

مجوسی سازش اور فرقہ اسماعیلیہ کی ابتدا

اسلام اور اہلِ اسلام کے خلاف دشمنانِ اسلام کی ایسی ہی تدابیر اور دسیسہ کاریوں کا اثنا عشری شیعہ بھی اقرار اور اعتراف کرتے ہیں، چنانچہ سید نعمت اللہ الجزائری

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

الموسوی نے شیعہ کے معروف فرقہ اسماعیلیہ کے عقائد و نظریات پر بحث کرتے ہوئے کہا

واصل دعوائهم الى ابطال الشرائع ان العبادية وهم طائفة من المجوس راموا عند قوة الاسلام تاويل الشرائع على وجوه تعود الى قواعد اسلافهم وذالك انهم اجتمعوا وتذاكروا ما كان عليهم اسلافهم من الملك وقالوا لا سبيل لنا الى دفع المسلمين بالسيف لغلبتهم على الممالك لكن نحتال بتاويل شرائعهم الى ما يعود الى قواعدنا و نستدرج به الضعفاء منهم فان ذالك يوجب اختلافهم و اضطراب كلمتهم ورأسهم فی ذالك حمدان قرمط (انوار نعمانیہ ص ۲۴۳ ج ۲)

ان کا اصل مدعا و مقصود شرعی عقائد و احکام کو باطل ٹھہرانا ہے۔ عبادیہ جو مجوسیوں اور ایرانی آتش پرستوں کی جماعت تھی، انہوں نے اسلام کے غلبہ اور قوت حاصل کر لینے کے بعد شریعت کی ایسی تعبیر اور تشریح کا عزم مصمم کیا، جس کے ذریعے وہ اسلام کے عقائد و نظریات اور احکام و اعمال کو اپنے اسلاف کے اصول و قواعد پر منطبق کر دیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ یہ لوگ ایک جگہ اکٹھے ہوتے۔ اور مجلس مذاکرہ منعقد کی اور اپنے اسلاف کی حکومت و سلطنت اور عظمت و رفعت کا ذکر کیا۔ (اور موجودہ پستی اور غلامی کا) اور کہا کہ ہمارے لیے بزور شمشیر اہل اسلام کو اس علاقہ سے باہر نکالنے کی قدرت و طاقت نہیں، کیونکہ وہ بہت سے ممالک پر غالب آچکے ہیں (اور عظیم قوت اور ناقابل تسخیر طاقت بن چکے ہیں) لیکن اگر کوئی حیلہ گری اور چارہ سازی ہے، تو صرف یہ ہے کہ ان کی شریعت کی تعبیر و تشریح ایسی [illegible] ہمارے اصول و قواعد کی طرف لوٹا دے اور ان پر منطبق کر دے اور اس طرح [illegible] ضعیف العقل و ضعیف العقیدہ لوگوں کو اسلام کی صحیح راہ [illegible] کامیاب [illegible] اور ہماری اس چال اور حیلہ گری سے ان میں لازمی طور پر ان میں اختلاف پیدا ہو جائے گا اور ان کی وحدت پارہ پارہ ہو کر رہ جائے گی اور اس کا اصل بانی اور اس جماعت کا سرغنہ حمدان قرمط تھا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

(نوٹ) علامہ جزائری صاحب نے عبادیہ مجوسیوں کے متعلق اسلام کے خلاف حیلہ گری اور سازش کا تذکرہ کیا اور ان کی منصوبہ بندی بیان کی ہے لیکن مقامِ غور ہے کہ جس طرح مجوسیوں کے دلوں میں اسلام کی ترقی اور اہلِ اسلام کی فتوحات سے آگ لگی ہوئی تھی۔ کیا یہود و نصاریٰ کے دلوں میں یہ آگ نہیں بھڑکی ہوگی اور انہوں نے اپنی حکومت و سلطنت کے ختم ہو جانے اور عظمت و رفعت کے خاک میں مل جانے کو ٹھنڈے دل سے قبول کر لیا ہوگا اور اسلام کے آفتاب کے نصف النہار پر چمکنے کو حسد و بغض کی نظروں سے نہیں دیکھا ہوگا؟ یقیناً یہ آگ سب دشمنانِ اسلام کے قلوب میں برابر لگی ہوئی تھی اور ایران و فارس میں اگر مجوسی لوگ سازشوں میں مصروف تھے، تو عراق و شام اور فلسطین و مصر میں یہود و نصاریٰ سرگرم عمل تھے اور اسلام کو مٹانے میں تب بھی متفق تھے اور اب تک بھی اسی راہ پر گامزن ہیں اور ملتِ واحدہ کا کردار ادا کرتے ہیں۔ ایک طرف عبداللہ بن سبا یہودی اینڈ کمپنی اسلامی نظریات پر حملہ آور تھی اور دوسری طرف عبادیہ مجوسی۔

اور اگر شیعی عقائد و نظریات پر ایک نظر ڈالی جائے تو وہ سراسر یہودیت اور مجوسیت وغیرہ کا ہی ملغوبہ نظر آتے ہیں اور اہلِ اسلام کی فریب دہی کے لیے ان میں تھوڑی تبدیلی کر لی گئی ہے اور انہیں اسلام سے دُور کرتے ہوئے عقیدۂ امامت سے عقیدۂ اُلوہیت تک پہنچا دیا اور نفس تحریر کے تکلف کے بعد محارم یعنی ماں، بہن اور بیٹی تک کو حلال ٹھہرا دیا اور لواطت بھی حلال کر دی۔ بعض نے صرف بیویوں کے ساتھ اور بعض نے بلا تخصیص اور زنا کو بھی حلال قرار دے دیا، مگر متعہ کا نام استعمال کر کے اور اس میں تعداد اور گواہوں کی پابندی ختم کر کے۔

الغرض بنظرِ انصاف دیکھا جائے، تو یہ فرقہ اسلامی فرقہ نہیں، بلکہ مذہب کی آڑ میں اسلام سے سیاسی انتقام کی بھیانک سازش ہے اور اسلام و اہلِ اسلام کو نیست و نابود کرنے کا ناپاک منصوبہ جس کو نہ اہل بیت کرام سے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تعلق اور نہ اُن کی سیادت و قیادت سے، بلکہ محض اپنے قلبی غیظ و غضب کو سامانِ تسکین مہیا کرنے سے غرض ہے اور صرف زبانی اسلام کا نام لینے والے یہودی اور مجوسی تیار کرنے سے غرض ہے، جس میں بدقسمتی سے وہ کافی حد تک کامیاب ہو گئے اور اسلام کی قوت و طاقت کو اہلِ اسلام میں باہمی آویزش اور اختلافات کے ذریعے ضعیف و ناتواں کر دیا اور وحدتِ ملی کو پارہ پارہ کر کے اس کی روز افزوں ترقی کو روکنے میں اور اپنے قلوب کو سامانِ تسکین و راحت پہنچانے میں فائز المرام ہو گئے۔ اِنّا للہ و اِنّا الیہِ راجعون۔

اے کاش! علماءِ شیعہ یہود و مجوس کی اس سازش کا خود تذکرہ کرنے کے بعد اس سے عبرت بھی حاصل کرتے اور اس دامِ تزویر کو تار تار کر کے اس سے باہر آ جاتے اور حقیقت کے اعتراف میں فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے اور تلافیٔ مافات کرتے ع مگر ایں کار نیست کہ موقوفِ ہدایت باشد

عبداللہ بن سبا یہودی اور صاحبِ ناسخ التواریخ

قبل ازیں حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز کے قلم حقیقت رقم سے ناسخ التواریخ جلد دوم، کتاب دوم ص ۵۲۴ کی عبارت ملاحظہ فرما چکے اور اس کی طرف سے مذہبِ رجعت، عقیدۂ خلافتِ بلا فصل اور وصیٔ رسول اللہ کا عقیدہ رائج کرنے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف سازش کی تفصیل ملاحظہ کر چکے۔ اب اس کے اور اس کی جماعت کے عقائد کی مزید تفصیل ملاحظہ فرمائیں اور ان کو اہلِ تشیع کے مذہب پر منطبق کر کے دیکھیں اور فیصلہ کریں کہ آیا اس مذہب کا بانی اور موجد یہی عبداللہ بن سبا ہے یا نہیں ہے؟

۱۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا گزر ایک ایسی جماعت پر ہوا جو رمضان المبارک میں دن کو کھا پی رہے تھے، تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تم بیمار ہو یا مسافر؟ تو انہوں نے کہا بالکل نہیں۔ آپ نے فرمایا تم اہلِ کتاب میں سے ہو؟ اور ذمی ہو؟

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تو انہوں نے کہا نہیں۔ تو آپ نے فرمایا، پھر رمضان المبارک میں کھانے پینے کا تمہارے لیے کیا جواز ہے؟ تو اس جماعت کے رہنما نے کہا،

عبداللہ بن سبا کہ از مرم غالی اول کس است گفت انت انت وازیں سخن قصد کرد کہ توئی خداوند یزداں و آفرینندۂ انس و جان۔

یعنی عبداللہ بن سبا جو غالی شیعوں کا مقتدا اور پیشوا تھا، اُس نے کہا تو تو ہے، یعنی تو خداوند مہربان ہے اور خالقِ انس و جان ہے۔

آپ نے اس کا مقصد سمجھ لیا، تو فوراً گھوڑے سے چھلانگ لگا کر زمین پر اللہ تعالیٰ کے حضور سر بسجود ہو گئے اور پھر سر مبارک کو اُٹھا کر فرمایا، تمہارے لیے ہلاکت ہو، میں تو اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک عام بندہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اسلام کی طرف واپس آؤ۔

الغرض آپ نے ان کو اپنے ہمراہ لے جا کر اسلام میں داخل ہونے اور ان کفریہ عقائد سے توبہ کرنے کی بہت تلقین کی، لیکن انہوں نے ذرہ بھر اثر قبول نہ کیا، پھر آپ نے مجبور ہو کر انہیں آگ میں جھونک دینے کا حکم دیا، مگر اس جماعت نے آگ کے تنوروں میں جھونکے جانے پر بھی اور آگ کے شعلوں کی لپیٹ میں آکر بھی یہی نعرہ بلند کیا۔ الآن ظھر لنا ظھورا بینا انک انت الالہ۔ اب ہمیں پہلے سے بھی زیادہ وثوق اور یقین کامل حاصل ہو گیا ہے کہ واقعی تم اللہ اور معبود برحق ہو کیونکہ آپ کے چچا زاد بھائی جنہیں آپ نے رسول بنا کر بھیجا تھا ہمیں بتایا تھا، لا یعذب بالنار الا رب النار کہ آگ کے ساتھ عذاب دینا صرف آگ کے مالک اور خالق کا ہی کام ہے اور تم نے ہمیں آگ کے ساتھ عذاب دیا ہے لہٰذا تمہارا خالق و مالک اور الٰہ برحق ہونا ہم پر پوری طرح واضح ہو گیا ہے، چنانچہ جل کر خاکستر ہو گئے، مگر اس عقیدہ پر ثابت قدم اور مستحکم رہے، انہیں دو گڑھوں میں جل مرنے کی حسرت میں شیعی شاعر نے کہا ہے ؎

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

لترم بی المنیۃ حیث شاءت　　اذا الم ترم بی فی الحفرتین

اذا ما حشتا حطبا لنار　　فذاک الموت نقدا غیر دین

اب موت مجھے جدھر چاہے پھینکے، جبکہ اس نے مجھے ان دو گڑھوں میں نہیں پھینکا جبکہ وہ جلتی اور بھڑکتی لکڑیوں کے ساتھ بھرے جا چکے تھے، تو وہ موت نقد تھی نہ کہ ادھار

۲۔ وہ جماعت جل گئی (جس کی تعداد بقول علامہ کشی وغیرہ ستر تھی) مگر ان کے پیر و مرشد عبداللہ بن سبا نے جب مقصود و مدعا پر پانی پھرتا دیکھا اور سازش و حیلہ گری کو ختم ہوتے دیکھا، تو توبہ کا اظہار کر کے جان بچانے کی ٹھانی اور حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دیگر مقربانِ خاص کو اپنا سفارشی بنا لیا۔ چنانچہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے اس شرط پر اس کی توبہ قبول کی اور اسے رہا کرنا منظور فرمایا کہ وہ ان کے ساتھ کوفہ شہر میں رہائش پذیر نہیں ہو گا، بلکہ مدائن کی طرف چلا جائے گا، چنانچہ وہ کوفہ سے مدائن کی طرف منتقل ہو گیا اور جب حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو عبداللہ بن سبا نے پھر سابقہ عقائد کا پرچار شروع کر دیا اور کافی لوگوں کو اپنے ارد گرد جمع کر لیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق نیا عقیدہ یہ ظاہر کیا کہ اگر ان کا دماغ ستر تھیلیوں میں میرے سامنے حاضر کر دو، تو پھر بھی میں قطعاً ان کی وفات کا یقین نہیں کروں گا: لعلمنا انہ لم یمت ولا یموت حتیٰ یسوق العرب بعصاہ۔ کیونکہ ہمیں یقین ہے کہ وہ نہ فوت ہوئے ہیں اور وہ نہ فوت ہوں گے، حتیٰ کہ تمام اہلِ عرب کو اپنے زیرِ فرمان لائیں گے، اور ان پر حکمرانی فرمائیں گے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ عبداللہ بن صبرہ ہمدانی، عبداللہ بن عمرو بن حرب الکندی اور اس قسم کے بڑے بزرگ لوگ اس کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے، وسخن ایشاں در بلاد و امصار رفت و مردمانِ در شک و شبہ افتادند۔ ان لوگوں کے اقوال اور وسوسے دور دراز شہروں اور علاقوں تک جا پہنچے اور لوگ شکوک و شبہات میں مبتلا ہو گئے۔

بعض نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی غیبی خبروں کو سن کر اور واقعیت کا مشاہدہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کرکے اور بعض نے خیبر کا دروازہ اکھیڑنے اور اس کا یہ سبب بیان کرنے سے
ماقلعت باب خیبر بقوۃ جسدانیۃ بل بقوۃ الھیۃ۔
کہ میں نے باب خیبر کو جسمانی قوت سے نہیں، بلکہ قوتِ الٰہیہ سے اکھیڑا ہے۔ یہ عقیدہ اپنا لیا کہ آپ کے اندر اللہ تعالیٰ نے حلول کیا ہوا ہے اور بعض نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد سے آپ کی الوہیت کی طرف اشارہ سمجھ لیا، وحدہٗ
صدق وعدہ، نصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ۔ وہ اکیلا ہے، اس نے اپنا وعدہ سچا کر دیا۔ اپنے عبدِ خاص کی امداد و نصرت فرمائی اور اکیلے عساکرِ کفار کو شکست دی، کیونکہ غزوۂ خندق میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہی عمرو بن عبدوُد کو قتل کیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس طرح امداد فرمائی، لہٰذا ان کلمات طیبات کا مقصد و مطلب اپنی کج فہمی اور کور مغزی سے یہی سمجھ کر ان کا مصداق حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بنا ڈالا الغرض الوہیت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر اس طرح کے دلائل قائم کر لیے گئے اور ان عقائد کا پرچار خفیہ انداز میں جاری رہا اور اس طرح ایک جماعت تیار ہو گئی، جن کو سبائیہ کہتے ہیں، جن کا عقیدہ یہ ہے کہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا وصال نہیں ہوا، بلکہ وہ آسمانوں کی طرف تشریف لے گئے ہیں اور یہ گرج و چمک انہیں کی آواز ہے اور یہ گروہ جب گرج کی آواز سنتے ہیں تو کہتے ہیں، السلام علیک یا امیر المومنین

۳۔ اس سبائی جماعت نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بہتان بھی باندھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ وحی نازل فرمائی تھی، اس میں سے صرف دسواں حصہ آپ نے ظاہر فرمایا اور نو حصے اپنی صواب دید کے مطابق چھپا لیے تھے۔

گفتند آنچہ خداوند بدو وحی فرستاد از دہ یکے را ظاہر ساخت
ونہہ دیگر را بصلاح دید خویش پوشیدہ داشت۔

(نوٹ) سبائی غالیوں کے اس نظریہ کو اثنا عشریہ کے اس عقیدہ کے ساتھ ملا کر دیکھیں، تسعۃ اعشار الدین فی التقیۃ۔ دین کا نوے فیصد حصہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تقیہ میں ہے تو روزِ روشن کی طرح یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ ابن سبا کے اس نظریہ کو تمام شیعہ فرقوں نے دل و جان سے قبول کر رکھا ہے۔ اُصولِ کافی میں شیعہ کے محدث کبیر کلینی نے دین کے نوّے فیصد حصّہ کو تقیہ میں منحصر مان کر اس سبائی نظریہ کو اہلِ تشیع کا اجماعی عقیدہ بنا ڈالا ہے اور اسے صرف اُمّت تک محدود نہیں رکھا، بلکہ نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس میں شامل کر لیا گیا۔

۴۔ غالی شیعوں اور سبائی نظریات کے حاملین نے مزید قدم آگے بڑھاتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ تمام اولادِ علی میں اللہ تعالیٰ نے حلول کیا ہوا ہے۔ العیاذ باللہ۔

۵۔ بعض نے تناسخ کا نظریہ اپنا لیا اور حشر و نشر اور جنّت و دوزخ کا ہی انکار کر دیا۔

۶۔ انہیں میں سے اسحاق بن زید بن حارث تھا، جس نے نظریۂ اباحت کو جاری کیا اور تکالیفِ شرعیہ یعنی فرائض و واجبات کی پابندی اور محرماتِ شرع یعنی زنا و لواطت وغیرہ سے اجتناب کی پابندی ختم کر دی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منصبِ رسالت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک اور حصّہ دار تسلیم کرتا تھا۔

۷۔ صاحبِ ناسخ کہتا ہے کہ انہیں غالیوں میں سے اب بھی ایران کے اکثر مقامات پر موجود ہیں، جو آگ پر چلتے ہیں اور رقص کرتے ہیں۔

(ملاحظہ ہو ناسخ التواریخ جلد سوم از کتاب دوم صفحہ ۴۲ تا صفحہ ۷۶)

الغرض رجعت، تقیہ، خلافتِ بلا فصل، وصی رسول ہونا، تولّٰی و تبرّیٰ کے عقائد و نظریات، نیز حلول و اتحاد کا عقیدہ۔ نماز روزہ وغیرہ کی فرضیت کا انکار اور زنا و لواطت وغیرہ کی حرمت والی پابندیوں سے خلاصی و آزادی کا موجد اور بانی عبداللہ بن سبا ہے اور اس کے چیلے اور پیروکار۔ اور یہی عقائد و نظریات مذہبِ شیعہ کی رُوح ہیں اور ہر شیعی فرد کسی نہ کسی رنگ میں ابن سبا کے دامِ تلبیس

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تزویر میں گرفتار ہے۔

لہٰذا اب اس کو افسانوی شخصیت قرار دے کر اس الزام سے بچنے کی ناکام کوشش کرنا کہ مذہب رفض اور تشیع دراصل یہود کی پیداوار اور ایجاد و اختراع ہے" کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے اور نہ ہی یہ عذر قابلِ قبول ہے، بلکہ یہ اہل حقیقت ہے اور علامہ ڈھکو کے اسلاف نے ہی اس کی راہِ فرار مسدود کر دی ہے" لہٰذا اس کی یہ سعی قطعاً کارآمد ثابت نہیں ہو سکتی۔

عبداللہ مامقانی اور ابن سبا

اہلِ تشیع کے چودھویں صدی کے عظیم محقق اور مصنف شیخ عبداللہ مامقانی نے تنقیح المقال ص ۱۸۳ و ۱۸۴ ج ۲ میں اکابرینِ علماء شیعہ کی تصریحات نقل کر کے اس کے حسب و نسب اور اصل و نسل کو بھی تسلیم کیا اور علامہ کشی کے حوالہ سے ائمہ کرام سے اس کے متعلق منقول روایات کو نقل کیا اور اس کے نظریاتِ فاسدہ اور عقائدِ باطلہ کو بیان کیا اور ایک جملہ بھی ایسا ذکر نہیں کیا، جس سے ابن سبا کے افسانوی شخص ہونے کا اشارہ بھی ملتا ہو، تو آخر علامہ ڈھکو صاحب کا کیا خیال ہے کہ یہ سبھی شیعی مصنفین جاہل، بدھو، کورے، کودن اور احمق ہیں اور انہیں تحقیق و تدقیق سے کوئی نسبت اور تعلق نہیں ہے، صرف علامہ ڈھکو صاحب اور طٰہٰ حسین وغیرہ ہی محقق اور مدقق ہیں ۔ یا للعجب

عقیدۂ رجعت کا بانی کون تھا؟

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز نے ناسخ التواریخ جلد دوم کتاب دوم ص ۵۲۴ سے طویل ترین عبارت نقل کر کے یہ ثابت کیا تھا کہ وصی رسول اللہ اور خلیفہ بلا فصل اور رجعت وغیرہ کے شیعی عقائد کا موجد اور اس مذہب کا عبداللہ بن سبا یہودی ہے، جس کے جواب میں علامہ موصوف نے صرف یہ کہہ کر

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

گلوخلاصی کی کوشش فرمائی کہ ہمیں متعلقہ مقامات میں کہیں اس عبارت کا سراغ ہی نہیں ملا۔ ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ موصوف کو اپنی مسلکی اور مذہبی کتابوں کا مطالعہ ہی نہیں اور نہ کسی کتاب کے حوالے تلاش کرنے کی اہلیت ہی ہے ورنہ جو کتاب تاریخ ہر ہر سال کے سلسلہ وار واقعات پر مشتمل ہو اس میں سے ۳۵ھ کے واقعات کی تلاش کیونکر دشوار ہو سکتی تھی اور یہ عبارت نظروں سے اوجھل کیسے رہ سکتی ہے؟ مقام حیرت ہے کہ علامۃ العصر اور محقق دوراں اور مجتہد وقت ہونے کا مدعی اور حجۃ الاسلام کا لقب اپنے لئے مخصوص ٹھہرانے والا اتنی لیاقت بھی نہیں رکھتا کہ ۳۵ھ کے واقعات اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف سازش اور ان کی شہادت کے علل و اسباب کو اپنے مذہب کی تاریخی کتاب سے تلاش کر سکتا ؎ بریں عقل و دانش بباید گریست

الاصل کتاب ناسخ التواریخ جلد دوم، کتاب دوم ص۵۲۴ "ذکر پدید آمدن مذہب رجعت در سال سی و پنجم ہجری" کا عنوان قائم کر کے ابن سبا کے کردار کو واضح کیا گیا ہے اور مزید تفصیلات جلد سوم، کتاب دوم ص۲۴۲ تا ۲۶۹ پر موجود ہیں۔ صاحب ناسخ نے (پدید آمدن) کا لفظ استعمال کر کے واضح کر دیا کہ عقیدۂ رجعت پینتیس ہجری سے قبل ظاہر اور نمایاں نہیں تھا۔ اگر قرآن مجید اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بیان کیا ہوتا اور اس کو ارکان اسلام و ایمان میں داخل فرمایا ہوتا تو دور نبوت و رسالت میں ہی اس کا ظہور ہو چکا ہوتا اور آپ کے وصال شریف کے پچیس سال بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول پر قیاس کر کے اس نظریہ کے اختراع و ایجاد کی ضرورت نہ پڑتی، لہٰذا صاف ظاہر کہ اس عقیدہ کا موجد اور مخترع عبداللہ بن سبا یہودی ہی تھا اور بعد ازاں اس کے متبعین نے اس کو نہ صرف بالاجماع اور بالاتفاق قبول کر لیا، بلکہ اسے شیعہ مذہب کی روح اور جان تسلیم کر لیا اور اس کے منکر کو دین تشیع سے خارج قرار دے دیا۔

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز کا مقصد اس طویل اقتباس سے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

صرف اس قدر تھا کہ مذہب شیعہ کا بانی کون ہے؟ اور اس کے بنیادی عقائد کس نے ایجاد کیے؟ اور کس وقت ان کا اختراع شروع ہوا اور آپ نے شیعی کتب رجال کشی اور ناسخ التواریخ کے حوالہ جات سے یہ پتہ بتلا دیا اور کھوج لگا دیا اور ہر شخص بخوبی اور بآسانی یہ حقیقت سمجھ سکتا ہے کہ اگر یہ عقیدہ و نظریہ بانی اسلام اور قرآن نے جاری کیا ہوتا تو ہجرت کے پینتیس سال تک اس کا پردہ خفا میں رہنا ناممکن تھا اور ایک یہودی نژاد مسلم نما کو اس کی اشاعت پر نہ لگانا پڑتا، جب بانی کا اتا پتہ اور اس کا اصل معلوم ہوگیا، تو بناء کا حال خود واضح ہوگیا

ع قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا

لہٰذا ڈھکو صاحب کو عبارت تلاش کرنی چاہیے تھی اور اگر نہیں مل رہی تھی، تو جیسے حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے فرمایا تھا اگر حوالہ جات نہ مل سکیں تو سیال شریف آئیں، ہم حوالے دکھلانے کے ذمہ دار ہیں، آپ سے رابطہ پیدا کر لیا جاتا اور یہ عذر بارد اور کھوکھلا بہانہ کر کے اپنے لیے رسوائی کا سامان نہ کیا جاتا؟

کس نظریہ پر اس کے قائلین عقلی و نقلی دلائل قائم نہیں کرتے؟

علامہ موصوف نے جوابات کی تیسری شق میں کہا کہ پیر صاحب آف سیال شریف نے ہمارے عقیدہ رجعت کی رد کرنا چاہی ہے، حالانکہ یہ عقیدہ عقلی و نقلی دلائل سے ثابت ہے، حالانکہ حضرت قبلہ پیر صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کے فساد و بطلان پر نہ دلائل دیئے، نہ ان کا یہ مقصد تھا۔ آپکا مقصد تھا اس کے موجد و بانی کی حقیقت بتلانا، مگر علامہ موصوف اس طرف سے تو عاجز و قاصر ہوگئے اور نیا رُخ اختیار کر لیا کہ یہ عقیدہ بے شمار دلائلِ عقلیہ و نقلیہ سے ثابت ہے۔ آخر دنیا میں کونسا ایسا باطل سے باطل نظریہ جاری ہوا، جس کے بانیوں نے اس پر عقلی اور نقلی دلائل قائم نہ کیے جو حضرات مذہبِ شیعہ کو باطل سمجھتے ہیں، انہوں نے بھی عقلی اور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نقلی دلائل کے انبار لگا دیئے ہیں اور حق سمجھتے ہیں، انہوں نے بھی اتنی ضخیم کتابیں لکھ ماری ہیں کہ مجتہد العصر کے مدعی ہونے کے باوجود حوالہ بھی تلاش نہیں کر سکتے، لہٰذا محض عقلی و نقلی دلائل موجود ہونے کا دعویٰ کوئی وزن نہیں رکھتا۔

جو شخص بھی ایک نظریہ قائم کرتا ہے، اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی علت موجبہ اور سبب باعث ہوتا ہی ہے جیسے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ارشادِ گرامی ہے، "لِکُلِّ ضَلَالَۃٍ عِلَّۃٌ" "ہر گمراہی کی کوئی نہ کوئی علت ہوا کرتی ہے" اور عبداللہ بن سبا بھی معمولی آدمی نہیں تھا، وہ کتب سابقہ کا ماہر بھی تھا اور قرآن مجید کا بھی۔ اسی لیے اس نے آیتِ کریمہ کو بطورِ دلیل پیش کر کے یہ عقیدہ جاری کیا اور خدا لگتی بات یہ ہے کہ علامہ ڈھکو صاحب کے دلائل کی نسبت اس کی دلیل زیادہ واضح اور وقیع نظر آتی ہے۔ علامہ ڈھکو کا اسے اپنے دلائل میں جگہ نہ دینا سراسر ناانصافی اور احسان ناشناسی ہے۔ ہاں البتہ اسے ذکر نہ کرنے کا موجب یہ ہو سکتا ہے کہ ہم صرف ابن سبا کی تقلید پر اکتفا نہیں کرتے، بلکہ اس کی نگاہِ کرم سے خود مجتہد بن چکے ہیں اور نئے نئے دلائل پیش کر سکتے ہیں، جہاں تک ابنِ سبا کا ذہن رسا بھی نہیں پہنچا تھا ؎ پدر نتواند پسر تمام خواہد کرد

کس کی رجعت کا اعتقاد رکھا جائے

ناسخ التواریخ سے خود سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دوبارہ تشریف لانا آپ ملاحظہ فرما چکے اور ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف زیارت کرانے نہیں آئیں گے، بلکہ امام کے مبلغ اور خلیفہ اسلام میں سے ایک خلیفہ کی حیثیت سے تشریف لائیں گے تو جب ان پر قیاس کرتے ہوئے سیدِ عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم کی دوبارہ تشریف آوری کا عقیدہ اپنایا گیا ہے، تو حکومت و سلطنت اور حدود و قصاص کا معاملہ آپ کے ہاتھ میں تسلیم کرنا بھی ضروری ہے۔

لیکن "انوارِ نعمانیہ" میں نعمت اللہ الجزائری کہتے ہیں کہ سبائیہ نے یہ عقیدہ اپنا رکھا ہے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کوحضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بادلوں سے نزول فرمادیں گے اور ساری دنیا کو عدل وانصاف سے بھردیں گے۔ "وانه ینزل بعد هذا الی الارض و یملاء ها عدلا۔ تو اس طرح دونوں حضرات کی رجعت بھی اور ان کا حکمران اور متصرف ہونا ثابت ہوگیا۔

علاوہ ازیں حضرت محمد بن حنفیہ، حضرت جعفر صادق اور حضرت موسیٰ کاظم وغیرہم رضی اللہ عنہم کی دوبارہ تشریف آوری اور حکمرانی کا قول بھی ثابت ہے اور یہ بھی دعویٰ ہے کہ اصل حکومت تو حضرت مہدی کی ہوگی۔ یہ حضرات صرف ان کے ہاتھوں میں مظلومانِ اہلِ بیت کی دادرسی اور ظالموں کے خلاف انتقامی کارروائی دیکھنے کے لیے تشریف لائیں گے، تو آخر اس کا فیصلہ کون کرے گا کہ کس کی رجعت کا عقیدہ رکھا جائے اور کس حیثیت میں وہ رجعت تسلیم کی جائے۔

ع شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیر ما

یوم الدین اور یوم الجزاء کون سا ہے؟

قرآن مجید کی آیاتِ مبارکہ سے ایک ہی قیامت ثابت ہوتی ہے اور جمہور اہلِ اسلام بھی ایک ہی قیامت کے قائل ہیں اور ۳۵ھ تک سب اہلِ اسلام کا یہی عقیدہ و نظریہ رہا۔ اہلِ اسلام اس کو یوم الدین، یوم الجزاء، یوم الحساب اور الساعۃ وغیرہ سے تعبیر کرتے تھے اور کفار و مشرکین اس کا شدومد سے انکار کرتے تھے، مگر قرآن مجید نے کفار و مشرکین کے بار بار رد و قدح کے باوجود کہیں بھی صراحت کے ساتھ اس دوسری قیامت اور دوسرے یومِ جزا کا ذکر نہیں کیا لٰہذا تمام اہلِ اسلام کے اجماع و اتفاق کے برعکس اور قرآن مجید کے ایک یوم الدین اور یوم الحساب کے اعلان کے برخلاف ایک یہودی کی تقلید و اتباع میں اس عقیدۂ رجعت کا اقرار و اعتراف کسی مدعیٔ اسلام کو زیب نہیں دیتا۔

الحاصل فی الحال ہمارا مدعا و مقصود اس قدر تھا کہ حضرت شیخ الاسلام

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نے شیعہ مذہب کے بانی کی نشان دہی میں جو کچھ فرمایا' وہ بالکل برحق تھا اور واقع کے مطابق اور اسی کتاب کے انہیں صفحات پر موجود تھا جن کا حوالہ رسالہ مذہب شیعہ میں دیا گیا تھا اور اس نے کسی سنی عالم کا یہ قول بھی نقل نہیں کیا' بلکہ اپنی تحقیق و تدقیق بیان کی ہے اور مذہب رجعت کے ظہور پذیر ہونے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف سازش اور مکر و فریب نیز خلافت بلافصل اور وصی وغیرہ کے عقائد کی ایجاد و اختراع میں عبداللہ بن سبا کی مساعی ذمیمہ بیان کی ہیں اور جب بانی کی حقیقت اور حیثیت معلوم ہو گئی' تو اس کے تیار کردہ نظریات کا حال بھی واضح اور عیاں ہو گیا' اس پر مزید رد و قدح کی ضرورت نہیں ہے۔

ہماری رائے یہی ہے کہ علامہ ڈھکو صاحب اتنے بے خبر اور نا اہل نہیں ہو سکتے کہ اپنے مذہب کی اہم کتاب میں سے اتنا واضح اور آسان حوالہ بھی معلوم نہ کر سکیں بلکہ آپ نے تقیہ سے کام لیا اور جھوٹ بول کر ثواب بھی کمایا اور جواب دہی کی تکلیف سے سہل انداز میں دامن بچایا۔ اگر تسلیم کر لیتے کہ واقعی ہماری کتابوں میں ہمارے اکابر نے تصریح کر دی ہے کہ عبداللہ بن سبا ہی اس نظریہ کو رواج دینے والا ہے جس پر مذہب شیعہ کا دار و مدار ہے' تو پھر سارے مذہب کا ستیاناس ہو جاتا تھا' تو اگر ایسے مشکل مقامات پر تقیہ کام نہ آئے تو اسے جاری کرنے کا فائدہ ہی کیا؟

علامہ ڈھکو صاحب کی انوکھی منطق

علامہ موصوف نے عبداللہ بن سبا کے مذہب شیعہ کا بانی ہونے کی نفی میں یہ انوکھی منطق استعمال فرمائی کہ ہر مذہب والے اپنے مقتدا و پیشوا کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں' جبکہ ہماری کتب رجال میں ہر جگہ اس کو کافر بے دین اور ملحد و زندیق قرار دیا گیا ہے' لہٰذا وہ ہمارا مقتدا کیونکر ہو سکتا ہے؟ مگر یہ جواب سراسر غلط اور ناقابل اعتبار و التفات ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

۱۔ ہم نے شیعی کتب کے حوالہ جات سے اس کو مذہبِ شیعہ کا بانی ثابت کیا ہے نہ کہ محض اثنا عشریہ کے نظریات کا لہٰذا اگر شیعہ کے بائیس فرقوں میں سے ایک فرقہ اس کی مذمت کرتا ہے، تو اس سے یہ کیسے لازم آسکتا ہے کہ سب شیعہ فرقے اس کی مذمت کرتے ہیں اور اس کی تعظیم و تکریم نہیں کرتے۔ ابھی ناسخ التواریخ کے حوالے سے عرض کیا جا چکا ہے کہ غالی شیعوں کے نزدیک اُن دو گڑھوں کی اور ان میں جل مرنے کی کیا اہمیت ہے اور انہیں اس سعادت کے حصول کی کس قدر حسرت ہے، جن میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن سبا کے ساتھیوں کو جلا دیا تھا۔ جب گڑھے اس قدر عزیز ہیں، تو وہ لوگ ان کی نظروں میں کتنے عظیم ہوں گے اور پھر اُن کا امام و پیشوا اور رہنما کس قدر معزز اور مکرم ہوگا اور ایک گروہ اسی کے نام کی مناسبت سے کہلاتا ہی سبائیہ ہے، لہٰذا ابن سبا کے مذہبِ شیعہ کا بانی ہونے کی نفی اس بودے اور بیہودہ جواب سے نہیں ہو سکتی۔

۲۔ علاوہ ازیں ہو سکتا ہے کہ آپ اس کا نام بدل کر دوسرے نام سے اس کی تعظیم و تکریم کرتے ہوں تاکہ حقِ نعمت بھی ادا ہو جائے اور اہل السنّت کے طعن و تشنیع سے بھی کسی قدر تحفظ حاصل ہو جائے، جس طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے والے مجوسی ابولؤلؤ کا نام بدل کر بابا شجاع الدین کہہ کر اس کا عرس اور میلہ منانا شروع کر دیا گیا اور اس کے حضور ہدیہ تشکر اور گلہائے عقیدت پیش کئے جانے لگے اور آپ کے اہل مذہب کے لئے یہ ادنیٰ کرشمہ ہے۔

۳۔ نیز یہ عذر وہ شخص کر سکتا ہے جو اصول و قواعد کا پابند ہو اور شیعہ مذہب میں افراط و تفریط اور نشیب و فراز کا سلسلہ ہی ایسا ہے کہ محسن اور غیر محسن میں امتیاز روا ہی نہیں رکھا جاتا۔ جی چاہے تو مجوسی کو بابا شجاع الدین بنا لیں اور اس کے عرس اور جشن منائیں اور جی میں آجائے، تو آگ کی پرستش سے بچانے والے اور خدائے بزرگ و برتر کے حضور سجدہ ریز کرنے والے، زرتشت کی جگہ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں لانے والے اور زرتشتی ویدوں کی بجائے کلام اللہ شریف کی تلاوت کا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

شرف بخشنے والے حضرت عمر و عثمان رضی اللہ عنہما کو دین سے خارج قرار دے دیں اور گالی گلوچ اور سب و شتم کے بغیر ان کا نام لینا بھی گوارا نہ کریں ؎

یاں اُلٹی گنگا بہتی ہے، ہر چیز یہاں کی اُلٹی ہے

۴۔ نیز تقیہ بھی ایسے ہی مواقع کے لیے ایجاد کیا گیا تھا۔ جب دیکھا کہ اس قائد اور ہیرو کی قیادت و سیادت کا بر ملا اعتراف کرتے ہیں، تو مذہب کا سارا کھیل ہی بگڑتا ہے، کیونکہ اس کی اصل اور نسل یہود سے جا ملتی ہے، لہٰذا اس کا تذکرہ چھوڑ دینے میں ہی عافیت سمجھی، بلکہ زبانی زبانی اس کی مذمت کر دی، خواہ دل اس کی یاد اور محبت و اُلفت سے معمور ہی کیوں نہ ہو۔

پچھلے اوراق میں متعدد حوالہ جات آپ نے ملاحظہ فرمائے ہیں، جہاں ائمہ کرام نے خلفاء راشدین کی تعریف کی ہے، مگر وہاں شیعہ علماء ان مدحین کی مدح و ثناء کو تقیہ پر محمول کرتے ہیں اور شیعہ راویوں کے حق میں یہودی، نصرانی، مجوسی اور تثلیث کے قائلین سے بدتر وغیرہ کے الفاظ ائمہ کرام کی زبانی منقول ہیں، مگر ان کو اس مذہب کا ہیرو اور بانی قرار دیا جاتا ہے، اس لیے نہ تمہاری مدح، مقتدا ہونے کی دلیل ہو سکتی ہے اور نہ تمہاری مذمت، مقتدا ہونے کی نفی کر سکتی ہے۔ یہ صرف وہاں کا پیمانہ اور معیار ہو سکتا ہے جہاں پر زبان اور ضمیر میں یکسانیت ہو اور قول و عقیدہ میں وحدت ہو، مگر بدقسمتی سے شیعہ مذہب اور اس کے پیروکار اس خوبی اور صفتِ کمالی سے کوسوں دُور ہیں۔

۵۔ نیز ابن سبا نے خلافتِ بلافصل اور وصیِ رسول اور رجعت کے عقیدہ سے آغاز کیا تھا اور اس کی آخری منزل حلول و اتحاد تھا اور وہ درجہ بدرجہ یہودیت اور نصرانیت کی طرف لے جا رہا تھا۔ اثنا عشریہ اس کا مکمل ساتھ نہ دے سکے اور جس بلند مرتبہ اور اعلیٰ مقام پر وہ لے جانا چاہتا تھا، اس کے اہل نہ نکلے اور اس کے دشمن بن گئے، مگر ابتدائی تعلیمات سے فیضیاب ہونے کا انکار تو نہیں کیا جا سکتا، بس صرف اتنا قدر ثابت ہوا کہ آپ اس کے مرید کامل اور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تلمیذ ارشد نہ بن سکے۔ اسی لیے آپ کے اکابرین نے اس کے متعلق کہا۔

عبد اللّٰہ بن سبا الذی رجع الی الکفر و اظہر الغلو (تنقیح المقال، ص ۱۸۳ و ۱۸۴ ج ۲) "عبد اللّٰہ بن سبا (امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللّٰہ عنہ کے اصحاب میں سے تھا) بعد ازاں کفر کی طرف لوٹ گیا اور غلو کا اظہار کیا" ۔۔۔ لہٰذا صاف ظاہر ہے کہ جب تک حلول و اتحاد کا قول ائمہ کے حق میں نہیں کیا تھا اور اپنے نبی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا تھا، تمام فرقے اہل تشیع کے اس کو پیرو اور قائد مانتے تھے، جب یہ عقائد ظاہر کیے، تو بعض نے نفرت کا اظہار کیا اور بعض نے مکمل وفاداری کا مظاہرہ کیا، مگر اس طرح بھی اس کی قیادت سے کلیتہً برأت اور بیزاری ظاہر نہیں ہوتی بلکہ جو کچھ شیعہ کے دامن میں خیرات ہے، یہ سب اسی کا صدقہ اور فیضان ہے۔

کیا مذہب شیعہ کے بانی سید الانبیا صلی اللّٰہ علیہ وسلم ہیں؟

علامہ ڈھکو صاحب فرماتے ہیں، کہ مذہب شیعہ کا بانی عبد اللّٰہ بن سبا یہودی نہیں، بلکہ اس کے بانی خود باغبانِ شریعت ہیں۔ ہم علامہ موصوف کے اس دعویٰ کی حقیقت، دوسرے مقام پر پوری طرح واضح کر چکے ہیں، یہاں ان تفصیلات کے اعادہ کی نہ ضرورت ہے اور نہ ہی گنجائش۔ البتہ ایک مغالطہ دہی پر تنبیہ کیے دیتا ہوں کہ کتاب وسنت میں شیعہ کا لفظ جہاں بھی وارد ہوتا ہے، علامہ موصوف اس سے مخصوص فرقہ اور خاص نظریہ کی حامل جماعت مراد لے کر خوش ہو جاتے ہیں کہ ہماری حقانیت ثابت ہو گئی اور ہمارا تذکرہ قرآن کریم میں ہے، احادیثِ رسول میں ہے، لہٰذا ہمارے بانی مذہب اللّٰہ تعالیٰ ہے اور رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم!

حالانکہ خود انہیں بھی تسلیم ہے کہ لفظ شیعہ مطلق جماعت اور گروہ کے معنی میں آتا ہے اور وہ اچھا بھی ہو سکتا ہے اور برا بھی اور قرآن مجید میں کفار اور جہنمیوں کو بھی اس لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، لہٰذا محض شیعہ کا لفظ دیکھ کر استدلال کر لینا درست نہیں، جب تک وہ مخصوص نظریات و عقائد ثابت نہ ہو جائیں، جن کا علامہ کشی اور صاحب ناسخ کے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اقرار و اعتراف کے مطابق عبداللہ بن سبا مُوجد ہے، لہٰذا معروف معنوں میں شیعہ صرف وہی ہوگا جو ان عقائد کا معترف اور معتقد ہوگا۔ قرآن کریم میں موسیٰ علیہ السلام کے قومی بھائی اور برادری کے آدمی کو "ھٰذَا مِنْ شِیْعَتِہٖ" سے تعبیر کیا گیا ہے لیکن اس سے موجودہ شیعوں کے عقائد پر ہونا کیسے ثابت ہو سکتا ہے، وہ تو ابھی تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور ان کے دین کا بھی قائل نہیں تھا اور پورا یہودی بھی نہیں بن پایا تھا، شیعہ کیسے بن گیا تھا؟ اور پھر اسی کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اِنَّکَ لَغَوِیٌّ مُّبِیْنٌ ۔ "بے شک تو کھلا گمراہ ہے" بھی فرما دیا تھا، لہٰذا اگر کہیں مقام مدح میں یہ لفظ وارد ہو تو اس سے استدلال کا دارو مدار صرف اور صرف اس امر ہوگا کہ وہاں پر تحریفِ قرآن، رجعت، خلافتِ بلا فصل، وصایت اور تولّی و تبرّی وغیرہ نظریات کا تحقق اور ثبوت بھی فراہم کیا جائے، حالانکہ قطعاً اس امر کو ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ علامہ موصوف کا حال اس استدلال میں ویسے ہی ہے جیسے کہ بھوکا آدمی سورج کو لٹکتی ہوئی روٹی سمجھ لے۔

اس تمہیدی گزارش کو ذہن میں رکھ کر اب علامہ صاحب کی بیان کردہ روایت اور اس سے استدلال کی حقیقت معلوم کر لیں۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یا علی انت وشیعتك هم الفائزون یوم القیامة۔ (دُرِّ منثور، نور الابصار، صواعق محرقہ

"اے علی! تم اور تمہاری جماعت قیامت کے دن کامیاب اور فلاح پانے وال ہوگی، لیکن یہ ارشاد کیا ان مخصوص نظریات کے حاملین کے لیے ہے یا اس سوادِ اعظم اور عظیم اکثریت اور جمہور اہلِ اسلام کے حق میں ہے جو حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے معاون و مددگار تھے اور ان کی دل جوئی اور ہمنوائی میں آپ برسرِ منبر شیخین رضی اللہ ع کے فضائل و مناقب بیان فرماتے رہتے تھے اور انہی کے عمل و کردار میں موافقت فرماتے تھے اور ان کے جاری کردہ سنن اور طریقوں میں سرمو تغییر و تبدیل کے روا نہیں تھے، اس لیے علامہ ابن حجر اور شاہ عبدالعزیز نے بالکل بجا فرمایا کہ اس

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مصداق ہم ہیں۔ اگر ہم اہل السنت کہلانے والے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہیں تھے، پھر تو استدلال کی کوئی وجہ ہو سکتی تھی اور اگر سارے لشکری یا ان میں سے سوادِ اعظم یہی اہل السنت کہلانے والے، تو اس روایت سے استدلال قطعاً درست نہیں ہو سکتا، لہٰذا یہ سراسر دھوکہ دہی اور فریب کاری ہے۔

آیئے اب حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کے قلم حقیقت رقم سے لفظ شیعہ کی آڑ میں فوز و فلاح کا سہرا اپنے سر باندھنے والوں کا حال مشاہدہ کریں اور ائمہ کرام کے ارشاداتِ عالیہ سے ان مخصوص نظریات کے حامل شیعہ معروفہ مصطلحہ کا حکم اور ان کی حیثیت ملاحظہ کریں۔

رسالہ مذہب شیعہ: از حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز

مذمتِ شیعہ بزبانِ ائمہ کرام علیہم الرضوان

چونکہ اس تحریر سے میرا مقصد صرف مخلصانہ مشورہ ہے اور اہلِ بصیرت حضرات کی خدمت میں غور و فکر کرنے کی درخواست کرنا ہے۔ اگر اہلِ تشیع بُرا نہ منائیں تو اُن کو ائمہ معصومین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے چند ملفوظات اور بھی سُنا دوں اور یہ مشورہ دوں کہ ائمہ معصومین چونکہ کذب اور جھوٹ سے مبرا اور منزہ ہیں، اس لیے ان کے کلام کو سچا جان کر ان پر ایمان لے آئیں۔ رجال کشی صفحہ ۲۵۴ پر مرقوم ہے،

۱۔ قال ابوالحسن علیہ السلام ما انزل اللہ سبحانہ آیۃ فی المنافقین الا وھی فیمن ینتحل الشیعۃ۔ یعنی حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو آیات بھی منافقین کے بارے میں نازل فرمائیں، تو ان منافقین سے مراد صرف وہی لوگ ہیں جو اپنے آپ کو شیعہ بتلاتے ہیں اور درحقیقت تقیہ سے زیادہ وجہ نفاق کیا ہو سکتی ہے؟

۲۔ اسی طرح کتاب الروضہ من الکافی صفحہ ۱۰۷ میں ہے کہ امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اگر میں اپنے شیعوں کو باقی لوگوں سے جُدا کروں، تو سرف زبانی وصف کرنے والے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہی پاؤں گا اور اگر میں ان کے ایمان کا امتحان لوں، تو تمام کے تمام مُرتد دیکھوں گا، اور اگر میں اچھّی طرح چھان بین کروں، تو ہزار میں سے ایک بھی نہیں ملے گا۔ اس کے بعد فرمایا: یہ لوگ کہتے ہیں ہم علی کے شیعہ ہیں حقیقتاً علی کا شیعہ وہی ہے جو اُن کے قول و فعل کو سچّا جانتا ہے۔ اصل عبارت ملاحظہ ہو:

حدثنی موسیٰ بن بکر الواسطی قال لی ابو الحسن علیہ السلام لو میزت شیعتی ما وجدتھم الا واصفۃ ولو امتحنتھم لما وجدت الا مرتدین ولو تمحضتھم لما خلص من الالف الا واحد ولو غربلتھم غربلۃ لم یبق منھم الا ما کان لی انھم طالما اتکئوا علی الارائک فقالوا نحن شیعۃ علی انما شیعۃ علی من صدق قولہ فعلہ (کتاب الروضۃ ۲۲۸ مطبع نولکشور)

۳۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ ایسی قوم ہے جو گمان کرتی ہے کہ میں ان کا امام ہوں، خدا کی قسم میں بالکل ان کا امام نہیں ہوں، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ملعون ہیں، جتنی دفعہ بھی میں نے عزت کا سامان مہیا کیا، تو ان لوگوں نے اس کو خراب کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی عزت کو خراب کرے۔ میں کچھ کہتا ہوں اور یہ لوگوں سے کہتے ہیں کہ میری مراد ظاہری الفاظ کے خلاف ہے۔ میں صرف انہیں لوگوں کا امام ہوں، جن لوگوں نے صحیح معنوں میں میری تابعداری کی ہے۔

اب عربی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

عن قاسم الصیرفی قال سمعت ابا عبد اللہ علیہ السلام یقول قوم یزعمون انی لھم امام واللہ ما انا لھم بامام مالھم لعنھم اللہ کلما سترت سترا ھتکوہ ھتک اللہ ستورھم اقول کذا یقولون انما یعنی کذا انا امام من اطاعنی۔ (رجال کشی صہ ۲۵۵)

۴۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ ہی فرماتے ہیں کہ میں جب رات کو

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

سوچتا ہوں، تو سب سے زیادہ دشمن انہیں کو پاتا ہوں، جو ہماری محبت اور تولّی کا دم بھرتے ہیں۔ (عربی ملاحظہ ہو)

قال ابو عبد اللہ علیہ السلام لقد امسینا وما احد اعدیٰ لنا ممن ینتحل مودتنا۔ (رجال کشی ص ۲۵۹)

(رسالہ مذہب شیعہ ص ۹۶/۹۷)

تحفہ حسینیہ

ازابوالحسنات محمد اشرف السیالوی

تتمۂ مبحث مذکور: تیسری روایت میں آپ نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ملاحظہ فرمالیا: اقول کذا یقولون انما یعنی کذا — میں کچھ کہتا ہوں اور یہ لوگوں کو کہتے ہیں کہ ان کی مراد یہ تھی اور اپنی من مانی اور مرضی کی تعبیرات کے ذریعے لوگوں کو غلط راہ پر ڈالنا ان کا مشن تھا اور اس رذیل مشن پر بہت سے لوگ کام کر رہے تھے، جن میں سے بعض کی تو حضرات ائمہ نے نشان دہی فرمادی، مگر بعض پھر بھی پردۂ خفا میں رہے، جنہوں نے ابن سبا کی تقلید میں دین اسلام کو اپنی تخریب کاری اور فکری انتشار کا شکار بنائے رکھا، اسی رنج والم اور دکھ درد کا اظہار کرتے ہوئے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

۵- عن ابن سنان قال ابو عبد اللہ علیہ السلام انا اهل بیت صادقون لا نخلو من کذاب یکذب علینا فیسقط صدقنا بکذبہ علینا عند الناس کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصدق البریۃ لھجۃ وکان مسیلمۃ یکذب علیہ وکان امیرالمومنین علیہ السلام اصدق من برء اللہ من بعد رسول اللہ وکان الذی یکذب علیہ من الکذب عبد اللہ بن سبا لعنہ اللہ وکان ابو عبد اللہ الحسین بن علی علیہ السلام قد

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ابتلی بالمختار ثم ذکر ابو عبد اللہ الحارث و بنانا فقال کانا یکذبان علی علی بن الحسین علیہ السلام ثم ذکر ابو عبد اللہ المغیرۃ بن سعید و بزیغا والسری وابا الخطاب ومعمرا و بشار الاشعری و حمزۃ الزیدی وصائد النہدی فقال لعنھم اللہ انا لا نخلو من کذاب یکذب علینا او عاجز الرأی کفانا اللہ مؤنۃ کل کذاب واذاقھم اللہ حر الحدید۔
(رجال کشی ص ۲۵۸)

یعنی ابن سنان سے مروی ہے کہ امام ابو عبد اللہ جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ہم اہل بیت سچے ہیں، لیکن کذابوں کے افترا و بہتان سے محفوظ نہیں ہیں جو ہم پر بہتان باندھتے ہیں اور ہمارے صدق کو اپنے جھوٹ سے ساقط کرنے اور ناقابلِ قبول ٹھہرانے کی کوشش کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوق سے زیادہ سچے تھے اور مسیلمہ کذاب آپ پر جھوٹ باندھتا تھا اور آپ کے بعد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق سے زیادہ سچے تھے، لیکن عبد اللہ بن سبا آپ پر جھوٹ باندھتا، اور افترا کرتا تھا۔ حضرت ابو عبد اللہ امام حسین رضی اللہ عنہ مختار ثقفی کے کذب و افترا سے دوچار تھے۔ پھر امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے حارث شامی اور بنان کا ذکر کر کے فرمایا، وہ دونوں حضرت امام زین العابدین علی بن الحسین رضی اللہ عنہم پر افترا اور بہتان تراشی کیا کرتے تھے۔ بعد ازاں آپ نے مغیرہ بن سعید، بزیغ، سری، ابو الخطاب، معمر، بشار اشعری، حمزہ زیدی اور صائد نہدی کا ذکر کیا اور فرمایا، اللہ تعالیٰ ان پر لعنت کرے، ہم جھوٹوں اور مفتریوں کے جھوٹ اور افترا سے محفوظ نہیں ہیں یا رائے اور فکر سے عاجزوں سے (جو مقصدِ کلام کو نہیں سمجھتے) اللہ تعالیٰ ہمیں ہر جھوٹے کے کذب سے کفایت فرمائے اور انہیں لوہے کی (ہتھکڑیوں اور بیڑیوں کی) حرارت کا مزہ چکھائے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

۶۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے ہی اس مفتری پارٹی کے متعلق مروی منقول ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مصداق بیان کرتے ہوئے فرمایا:
هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَن تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ۝ (پ، ع، آیت) (کیا میں تمہاری رہنمائی کروں ان لوگوں کے متعلق، جن پر شیاطین نازل ہوتے ہیں، وہ نازل ہوتے ہیں ہر بہتان باندھنے والے اور جرائم پیشہ پر) فرمایا کہ وہ سات آدمی ہیں مغیرہ بن سعید، نبان، صائد نہدی، حمزہ بن عمارہ زیدی، حارث شامی، عبداللہ بن عمرو بن الحارث اور ابوالخطاب۔ (رجال کشی صـ ۲۵۶)

الغرض شیعی اسماء رجال میں جگہ جگہ ایسے لوگوں کی نشاندہی حضرات ائمہ کی زبانی موجود ہے جس سے یہ حقیقت پوری طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ بہت بڑی جماعت اس مشن پر کام کر رہی تھی اور انہوں نے جی بھر کر افترا اور کذب بیانی سے کام لیا اور اپنے افترائی اقوال کی ان مقدس ہستیوں کی طرف نسبت کر کے ایک نئے مذہب اور دین کی بنیاد رکھی اور المیہ یہ تھا کہ ائمہ کرام بالعموم مدینہ منورہ میں رہائش پذیر تھے اور ان کے نام پر یہ مذہب عراق اور بصرہ و کوفہ میں چلایا جا رہا تھا اور اوپر تقیہ کی دبیز تہیں تھیں جو انکشاف حقیقت سے مانع تھیں اور بڑی رازداری سے اس کو سینہ بسینہ پہنچایا جاتا اور کبھی اس کا افشاء ہو جاتا اور ائمہ کرام کی طرف اس بارے میں رجوع کیا جاتا اور وہ فرماتے کہ یہ ہم پر بہتان و افترا ہے اور دروغ بے فروغ ہے تو یہ شاطر لوگ کہتے کہ عامہ یعنی اہل سنت سے تقیہ کر کے ائمہ نے اس طرح فرما دیا ہے، ورنہ حقیقی مذہب تو اُن کا وہی ہے جو ہم نے بتلا دیا ہے اور اس طرح یہود اور دیگر دشمنانِ اسلام کی طرف سے ایک لاعلاج بیماری کے طور پر یہ مرض اسلام اور اہل اسلام کو لاحق کر دیا گیا اور اندر ہی اندر ائمہ کرام کے حق میں حلول و اتحاد نبوت و رسالت کے عقیدے اور رجعت، وصایت اور تولّی و تبرّی کے عقائد پروان چڑھتے رہے۔ العیاذ باللہ!

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

۷- قال ابو جعفر علیہ السلام لو کان الناس کلھم لنا شیعة لکان ثلاثة ارباعھم لنا شکاکا والربع الاخر احمق۔

(رجال کشی ص۱۷۹)

"حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر سب انسان ہمارے شیعہ بن جائیں، تو ان میں سے چوتھائی ہمارے حق میں شکوک و شبہات کا شکار ہوں گے، اور بقیہ ایک چوتھائی احمق ہوں گے۔"

الحاصل اس طرح کی بہت سی روایات اسماء رجال کی کتابوں میں مرقوم ہیں، جو شیعہ کی شدید مذمت پر دلالت کرتی ہیں۔ بالعموم بھی اور بالخصوص نام بنام بھی، جن کے بیان کے لیے طویل دفتر درکار ہے، خدا تعالیٰ توفیق دے تو خود مطالعہ فرمائیں۔

تنزیہہ الامامیہ — از علامہ محمد حسین ڈھکو صاحب

مذمت شیعہ میں وارد روایات کا جواب

بعض نام نہاد شیعہ کی مذمت میں وارد شدہ بعض اخبار سے پیر صاحب نے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے لکھا الخ

الجواب واللہ الموفق لنیل الصواب، یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر قوم اور مذہب میں کچھ ایسے افراد ضرور پائے جاتے ہیں، جو "بدنام کنندہ نکو نامے چند" کے مصداق ہوتے ہیں، وہ صرف گفتار کے غازی ہوتے ہیں اور کردار کی منزل سے کوسوں دور ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ شیعہ مذہب بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے، وہ لوگ جو زبان سے تو دعوائے تشیع کرتے ہیں، مگر اپنے عمل و کردار سے دشمنانِ آلِ رسول کا کردار ادا کرتے ہیں، ایسی دوغلی روش و رفتار رکھنے والوں کی ائمہ اطہار نے بیشک مذمت فرمائی ہے، وہ درتین روایات جو مؤلفِ رسالہ نے نقل کی ہیں، وہ اسی سلسلہ کی کڑی ہیں اور اس بات کے قطعی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

قرینے بھی موجود ہیں۔

اول یہ کہ یہ روایات ابوالخطاب غالی کے حالات کے ضمن میں مذکور ہیں۔ دوم ان میں من ینتحل التشیع کا لفظ موجود ہے، یعنی جو لوگ شیعہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اپنے آپ کو شیعوں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ مذمت شیعوں کی نہیں، بلکہ ان کی ہے جو اپنے شیعہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، مگر حقیقت میں شیعہ نہیں ہیں، ورنہ حقیقی شیعوں کی تو کلام ائمہ میں بہت تعریف موجود ہے۔ (رسالہ تنزیہہ الامامیہ ص ۱۶۱ و ۱۶۲)

تحفہ حسینیہ

از ابوالحسنات محمد اشرف السیالوی

علامہ ڈھکو صاحب نے اس[ت]سلیم کر لیا کہ واقعی مذہب شیعہ میں چند بدنام کنندہ اور رسوائے زمانہ افراد موجود ہیں، لیکن اس طرف توجہ نہیں فرمائی کہ ان بدنام و رسوا اور رذیل و ذلیل لوگوں کی ائمہ کرام نے نشانی اور علامت مشخصہ بھی بیان فرما دی ہے، یعنی ہم کچھ کہتے ہیں اور وہ ہماری مرضی و مراد کے برعکس ہمارے قول کی لوگوں کے سامنے تشریح کر کے لوگوں کو غلط فہمیوں کا شکار کرتے ہیں اور ہم پر بہتان باندھتے ہیں۔ اب وہ لوگ جن میں یہ نشانی پائی جاتی ہے، کون کون سے ہیں اور کتنی تعداد میں ہیں؟ تو علامہ ڈھکو صاحب نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ وہ ابوالخطاب غالی ہے یا وہ لوگ جو صرف دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم شیعہ ہیں، مگر ان کا عمل و کردار اس دعویٰ کی تصدیق نہیں کرتا، لیکن اس میں بھی حقیقت پر پردہ ڈالنے کی ناکام کوشش کی گئی ہے۔ ان روایات میں یا اس مضمون کی دیگر روایات اور ارشاداتِ ائمہ میں صرف ابوالخطاب کی مذمت نہیں کی گئی، بلکہ ایسے راویوں اور معبرین و مفسرین کی مذمت ہے کہ جو مذہبِ شیعہ کے بانی و موسس ہیں، جن کی روایات الگ کر لیں تو مذہبِ شیعہ ہی ختم ہو کر رہ جاتے، جس کے قرائن و شواہد یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

۱۔ تیسری روایت پر غور فرمائیں، اس میں آپ نے ایک قوم کے متعلق فرمایا:
قوم یزعمون انی لھم امام (الی) اقول کذا یقولون انما
یعنی کذا۔ یعنی ان کا طریق کار یہ ہے کہ امام جو کچھ فرماتے، وہ اس کو غلط معانی پہناتے اور اُلٹی تعبیر و تفسیر کر کے لوگوں کو گمراہ کرتے، لہٰذا دوپہر کے اجالے کی طرح واضح ہے کہ یہ بیچارے بدعمل عوام شیعہ کی بات نہیں ہے، بلکہ ان خواص کی ہے جو ائمہ کرام کے کلام کے مفسر ہیں اور ان کی روایات کے مغز اور روح کو سمجھ کر ان کی تشریحات کرنے والے۔

۲۔ دوسری روایت میں بالعموم شیعہ حضرات کو الگ کرتے پر ان کو صرف زبانی جمع و خرچ کرنے والے، مرتدین، بوقتِ امتحان یک فی ہزار کے حساب سے بھی مخلص نہ ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے۔

۳۔ چوتھی روایت میں سب سے بدترین دشمن انہیں کو قرار دیا ہے۔

۴۔ پہلی روایت میں ان شیعوں کو آیاتِ منافقین کا صحیح اور برحق مصداق قرار دیا گیا ہے۔

۵۔ پانچویں روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ تک کے دور میں پوری پارٹی کی نشان دہی کی گئی ہے جو دورِ رسالت سے لے کر امام موصوف تک ہر دور میں ان مقدس ہستیوں پر افترا کرتے رہے۔

۶۔ چھٹی روایت میں ایک جماعت کو شیطانوں کے چیلے اور ان کے تلمیذ اور ان سے کسبِ فیض کرنے والے کہا گیا ہے۔

۷۔ ساتویں روایت میں شیعہ کے تمام ممکنہ افراد کی تین چوتھائی کو شکوک و شبہات کا شکار کیا گیا ہے اور بقیہ ایک چوتھائی کو احمق قرار دیا گیا ہے۔

لہٰذا ان عمومات اور خصوصی ارشادات کے بعد اس توجیہ کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے اور بالخصوص عقلائی قواعد و ضوابط سامنے رکھتے ہوئے جو ماشاء اللہ ڈھکو صاحب کو بہت ہی یاد ہیں جن میں سے ایک قاعدہ یہ ہے جس کو وہ خود ذکر بھی کر چکے ہیں کہ،

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

"اعتبار عموم الفاظ کا ہوا کرتا ہے نہ کہ خصوص مورد کا اور صرف الفاظ کے عموم و خصوص سے ہی معانی کا عموم و خصوص سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ کونسے الفاظ کس موقعہ و محل میں اور کن حالات میں استعمال کئے گئے" لہذا اب انہیں ان اصول و قواعد سے عدول اور فرار کی ناکام کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔

رہا علامہ موصوف کا یہ خدشہ کہ یہ صرف زبانی دعوائے تشیع کرنے والوں کے متعلق ہیں، جن کی روش و رفتار ان کے دعویٰ کی تائید و تصدیق نہیں کرتی تھی، تو یہ بھی سراسر غلط اور بے بنیاد ہے، کیونکہ آپ فرماتے ہیں۔ اگر سب انسان ہمارے شیعہ ہو جائیں، تو بھی ان کا حال یہی ہوگا، گویا حضرت امام نے شیعہ کے متعلق کلیہ بیان فرما دیا ہے اور استثناء کا احتمال ہی ختم کر دیا۔

نیز جو بھی شیعہ ہوگا اس کے اقرار و اعتراف سے ہی اس کے شیعہ ہونے کا پتہ چلے گا اور جو اس قسم کے اقرار و اعتراف کرنے والے تھے، وہ سب ائمہ کرام کے تجربہ اور آزمائش کے مطابق ایسے ہی تھے، کیونکہ سُنّی تو تقیہ کو روا رکھتے نہیں تھے اور نہ ہی انہیں کوئی مجبوری تھی کہ وہ صرف زبانی دعوے کرتے اور عملی اور اعتقادی طور پر شیعہ نہ ہوتے، بلکہ ان کے سامنے ائمہ کرام بھی اہل السنت کے عقائد اور اعمال اپنائے ہوئے بیٹھے تھے، لہذا روشن کی طرح عیاں ہے کہ جو لوگ یہ اعلان و اظہار کرتے تھے اور سچی بات تو یہ ہے کہ بنو امیہ اور بنو عباس کے دور میں زبانی شیعہ کہلانا بھی معمولی قربانی نہیں تھی۔ لیکن ان تولی اور محبت و مودت کے دعویداروں کا تلخ تجربہ ائمہ کرام کو دہی تھا جو ادپر والی روایات سے عیاں ہے۔

جھوٹے راویوں کا مقصد اصلی کیا تھا

آیئے ذرا یہ بھی معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ وہ بہتان تراش اور کذاب و مفتری اس کذب و افتراء سے کیا حاصل کرنا چاہتے تھے؟

فقال ابو عبداللہ علیہ السلام اجل ھو کما ذکرت یا فیض

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ان الناس اولعوا بالکذب علینا' ان اللہ افترض علیھم لا یرید منھم غیرہ وانی احدث احدھم بالحدیث فلا یخرج من عندی حتی یتاولہ علی غیر تاویلہ وذالک انھم لا یطلبون بحدیثنا وبحبنا ما عنداللہ وانما یطلبون بہ الدنیا وکل یحب ان یدعی راسًا (الی) فاذا اردت حدیثا فعلیک بھذا الجالس واوماء الی رجل جالس من اصحابہ (زرارۃ بن اعین) (رجال کشی صـ ۱۲۴)

"امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے فیض لوگ ہم پر جھوٹ باندھنے کے عاشق وشیدا ہیں اور انہوں نے یُوں سمجھ رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر یہی چیز فرض کی ہے اور اس کے علاوہ دوسری کسی شے کا وہ ان سے ارادہ نہیں رکھتا، میں ان میں سے ایک شخص کو ایک بات بتاتا ہوں اور حدیث نقل کرتا ہوں، تو وہ ابھی میرے پاس سے نکل نہیں پاتا کہ اس کو دوسرے معانی میں ڈھال لیتا ہے اور الٹی تعبیر و تشریح کر لیتا ہے۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ ہماری احادیث کی روایت سے اور ہماری محبت کے دعوٰوں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر و ثواب کے طلب گار نہیں ہیں، بلکہ اس حیلہ سے دنیا کمانے کے درپے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کی خواہش یہ ہے کہ وہ (محدثین اور محبین کا) رئیس اور سردار کہلائے۔ پھر آپ نے حاضرینِ مجلس میں سے ایک شخص کی طرف اشارہ کر کے فرمایا، اگر تجھے حدیث مطلوب ہو تو اس (محدث اور خاص الخاص شیعہ) کی طرف رجوع کرنا' یعنی زرارہ بن اعین کی طرف۔"

اس روایت سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے محض عوام کالانعام کی شکایت نہیں فرمائی، بلکہ رئیس المحدثین اور ثقۃ الاسلام قسم کے شیعہ کے متعلق حالِ دل بیان فرمایا اور دل کے پھپھولے دکھلاتے اور ان کے تولّی اور دعوائے محبت اور حفظِ احادیث کا مقصدِ اعلیٰ بھی بتلا دیا یعنی طامِ دنیا کا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حصول اور رئیس و قائد کہلانے کی خواہش۔

مثالی شیعہ محدثین کی حالت زار

ابھی ابھی آپ نے زرارہ بن اعین کا ذکر خیر سنا اور پڑھا اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا اس کو شیعہ خیر البریہ کا مرجع علوم واحادیث قرار دینا ملاحظہ فرمایا، مگر اسی تصویر کا دوسرا رخ بھی ملاحظہ فرمائیں تاکہ پتہ چل جائے کہ ایسے مثالی شیعہ محدثین اور مرجع انام علماء کی حقیقت کھلی تو امام موصوف نے پھر کیا ارشاد فرمایا:

۱- عن عمران الزعفرانی قال سمعت ابا عبد اللہ علیہ السلام یقول لابی بصیر یا ابا بصیر وکنا اثنی عشر رجلا ما احدث فی الاسلام احد ما احدث زرارۃ من البدع علیہ لعنۃ اللہ ھذا قول ابی عبد اللہ - (رجال کشی ص۱۳۴)

عمران زعفرانی سے مروی ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو ابو بصیر سے فرماتے ہوئے سنا۔ اے ابو بصیر! اسلام میں اتنی بدعات کسی نے بھی داخل نہیں کیں، جتنی کہ زرارہ نے داخل کی ہیں' اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اور یہ آپ نے ہم بارہ آدمیوں کی موجودگی میں فرمایا۔

۲- علی بن الحکم کی روایت میں ہے۔ قال (ابو عبد اللہ) زرارۃ شر من الیھود والنصاریٰ ومن قال ان اللہ ثالث ثلاثۃ (ص۱۴۰)

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ زرارہ تو یہود و نصاریٰ اور ان تمام لوگوں سے بدتر ہے، جنہوں نے دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ تین خداؤں میں سے ایک ہے (نعوذ باللہ منہ)

نوٹ: صرف زرارہ نہیں بلکہ ابو بصیر اور دیگر مقربان بارگاہ امام کا حال یہی ہے جیسے کہ کتب رجال میں تصریحات موجود ہیں۔ بوجہ طوالت ان تفصیلات کے درج

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کرنے سے قاصر ہوں، لیکن اس قسم کی مذمت کی دلچسپ اور عجیب و غریب توجیہ کا ذکر کرنا ضروری ہے، وہ ملاحظہ فرمائیں اور اس مذہب کے بانیوں کی چالاکیاں، عیاریاں اور فریب کاریاں دیکھیں۔

شیعہ محدثین پر لعن و طعن کی حکمت

بجائے اس کے کہ حضرت جعفر صادق علیہ السلام کی زبانی ایسے سخت الفاظ استعمال کئے جانے کے بعد زرارہ اور ابو بصیر وغیرہ محدثین شیعہ کو نظر انداز کیا جاتا بلکہ انہیں قابلِ نفرت سمجھا جاتا۔ اہلِ تشیع نے حضرت صادق علیہ السلام کے ان ارشادات کی توجیہ و تاویل کر کے اپنے ان محدثین کا دفاع کیا۔ چنانچہ رجال کشی کا محشی السید احمد الحسینی رقمطراز ہے کہ ابو عمرو محمد بن عمرو الکشی نے اس باب میں دو قسم کی روایات درج کی ہیں۔ ایک قسم کی روایات وہ ہیں، جن میں زرارہ کی مدح و ثناء، اس کی منزلتِ عظیمہ اور مرتبۂ عالیہ کا بیان ہے اور حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے تمام اصحاب پر اس کو علم و معرفت اور اہل بیت کی احادیث کے حفظ و ضبط میں مقدام اور سرخیل قرار دیا گیا ہے اور علوم اہل بیت کو ضائع ہونے سے بچانے والا تسلیم کیا گیا ہے اور دوسرے قسم کی وہ روایات ہیں، جو بالکل اس کے برعکس ہیں جن میں اس کو، کذاب، روایات کا وضع کرنے والا، ریاکار، احادیثِ ائمہ میں اپنی طرف سے کلمات و عبارات داخل کر دینے والا وغیرہ وغیرہ کہا گیا ہے۔

لیکن اس کی وجہ یہ نہیں کہ واقعی زرارہ ان صفاتِ ذمیمہ اور خصائلِ رذیلہ سے موصوف و متصف تھا، بلکہ ان مقربانِ بارگاہِ امامت پر اعداء اور جبار و سرکش سلاطینِ زمان کی طرف سے مظالم کا نشانہ بننے اور قتل کئے جانے کا خطرہ تھا۔ اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ ائمہ کرام ان کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ لہٰذا ان مخلصین کی جانوں پر رحم کھاتے ہوئے ائمہ کرام از رہِ تقیہ ان کو ایسے القابات سے نوازتے تھے تاکہ سلاطین و حکام کے متوقع انتقام سے ان کو محفوظ کر سکیں۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

وکان من الطبعی ان یتخذ الائمة الهداة علیهم السلام التقیة وسیلة لحفظ اصحابهم وشیعتهم وحقن دماء هم البریئة فکانوا یقولون فی حق اصحابهم ما یرونه صالحا لوقایتهم عن التهم والشبہات۔ (حاشیہ رجال کشی، ص ۱۴۳)

اور ائمہ کرام کے طبعی میلان کا تقاضا تھا کہ وہ ائمہ ہدیٰ تقیہ کو وسیلہ بناتے اپنے اصحاب اور شیعہ کی حفاظت اور ان کے بے گناہ خون کی حفاظت کے لیے، لہذا وہ اپنے اصحاب کے حق میں جو مناسب سمجھتے انہیں تہمتوں اور شبہات سے بچانے کے لیے فرماتے رہتے۔

اب ذرا سوچ کر بتائیں کہ جس محدث اور رئیس الشیعہ کو حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کافر و مشرک اور یہود و نصاریٰ سے بدتر کہیں، تو آپ کی اس مذمت اور تغلیظ و تشدید پر کان بھی نہ دھرا جائے، بلکہ یہ کہہ کر دل کو اطمینان دے لیا جائے کہ یہ سب کچھ اس گوہر نایاب کی سلامتی اور بقاء کے لیے کہا گیا ہے، تو پھر صادق و کاذب کے درمیان امتیاز کس طرح ہو سکتا ہے اور جھوٹے اور مکار لوگوں سے دین کا تحفظ کیونکر ممکن ہوگا، لہذا ہر مسلمان اور دیانت دار شخص اور صاحب عقل و خرد بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ ائمہ اہل بیت کے ارشادات عالیہ کے قطعاً وہ مقاصد نہیں ہو سکتے جو بیان کیے گئے ہیں اور یہی گروہ ہے جس کی نشان دہی کرتے ہوئے آپ نے فرمایا: میں کچھ کہتا ہوں اور وہ اس کی میری مراد اور مقصد کے برعکس تعبیر و تاویل کر دیتے ہیں، بلکہ یہ صرف اور صرف یہودیوں اور مجوسیوں وغیرہ کی سازش ہے اور اسلام دشمنی کے لیے انہوں نے ائمہ کرام کی مقدس شخصیات کا اپنے آپ کو مخلص اور نیازمند ظاہر کیا اور اپنے کرتوتوں اور تباہ کاریوں پر پردہ ڈالنے کے لیے ان حضرات کو تقیہ باز ثابت کر دیا اور ان کے ارشادات کو یہ کہہ کر بے اعتبار ثابت کرنے کی کوشش کی کہ یہ گالیاں اور تکفیر وغیرہ ہماری حفاظت کے لیے سپر اور ڈھال حرزِ جان اور تیغ بند تعویذ ہیں اور ان سے دراصل ہماری اہل السنت سے جان بچا:

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مقصود ہے، ورنہ ہم تو اصلی مومن اور حقیقی شیعہ ہیں اور سچے لوگوں کے سردار و رئیس۔
مگر یہ سوال، اب بھی اپنی جگہ قائم ہے اور تشنۂ جواب ہے کہ بطور تقیہ ان اکابرین محدثین کی مذمت اپنے شیعوں کے سامنے کیوں فرمائی؟ کیا تقیہ اپنے لوگوں سے ہوا کرتا ہے یا غیروں سے؟ اور ان ثقۃ الاسلام اور شریعت مدار محدثینِ شیعہ کو اپنے شیعوں سے خطرہ تھا یا دوسرے لوگوں سے؟ لہٰذا صاف ظاہر ہے کہ یہ توجیہ تاویل قطعاً قابلِ قبول نہیں ہے۔ غالباً علامہ ڈھکو صاحب نے اسی لیے اس توجیہ و تاویل سے گریز کیا اور دوسری صورت دھوکہ دہی کی نکالی کہ یہ عامی قسم کے شیعوں کے حق میں ائمہ کے ارشادہیں، خواص اور اصلی شیعوں کے حق میں نہیں، لیکن یہ بھی سراسر غلط اور خلاف واقع توجیہ ہے جیسے کہ سطور بالا سے ظاہر ہو چکا ہے۔

محدثینِ شیعہ کا اثر ذاتِ امام پر

زرارہ بن اعین اور اس قسم کے دوسرے پر اسرار راویان حدیث اور اقوال ائمہ کی تعبیر و تاویل کرنے والوں کی، حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے پاس آمد و رفت اور ان کی بیان کردہ احادیث کی غلط تعبیرات اور ان میں تلبیس و تدلیس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خود امام صاحب کو روایت حدیث کے معاملہ میں شک و شبہ کی نظر سے دیکھا جانے لگا اور یہ سوال عام لوگوں کی زبان پر آگیا کہ آیا نقلِ احادیث میں ان کی شخصیت قابلِ اعتبار ہے بھی یا نہیں؛ چنانچہ ایسا ہی ایک سوال و جواب رجال کشی سے پیشِ خدمت ہے۔

ابو عمرو کشی لکھتے ہیں کہ یحییٰ بن عبد الحمید الحمانی نے اپنی اس کتاب میں لکھا ہے، جو اس نے امامت کے موضوع پر تالیف کی ہے کہ میں نے شریک سے دریافت کیا کہ کئی اقوام کا خیال ہے کہ جعفر بن محمد ضعیف الحدیث ہیں تو اس نے کہا میں تمہیں حقیقتِ حال سے آگاہ کرتا ہوں۔ آپ نیک اور پاکباز مرد تھے، لیکن جاہل قوم ان کے اردگرد جمع ہو گئی، وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ان کے پاس سے باہر آتے اور کہتے ہمیں

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حضرت جعفر بن محمد نے یہ احادیث بیان کی ہیں:

ویحدثون باحادیث کلھا منکرات کذب موضوعة علی جعفر لیستاکلوا الناس بذالك ویاخذون منھم الدراھم فکانوا یاتون من ذالك بکل منکر وسمعت العوام بذالك متھم فمنھم من ھلك ومنھم من انکروھؤلاء مثل المفضل بن عمر وبنان وعمرو النبطی وغیرھم ذکروا ان جعفر احدثھم ان معرفة الامام تکفی من الصوم والصلوٰة ان علیا علیہ السلام فی السحاب یطیر مع الریح وانہ کان تیکلم بعد الموت وانہ کان یتحرك علی المغتسل وان الہ السماء والارض ھوالامام فجعلوا اللہ شریکا، جھال ضلال واللہ ما قال جعفر شیئا من ھذا قط، کان جعفر اتقی للہ واورع من ذالك فسمع الناس بذالك فضعفوہ ولو رأیت جعفرا لعلمت انہ واحد الناس

(رجال کشی ص ۲۷۵)

اور ایسی احادیث بیان کرتے، جو سب منکر، موضوع اور سراسر بہتان وافترا ہوتیں جس سے ان کا مقصود لوگوں سے کھانا اور دراہم وصول کرنا ہوتا تھا زادہ جیب تک یہ لوگوں پہ بارگاہِ امام میں اپنا تقرب ظاہر کرتے اور ان کے علوم واحادیث کے امین ہونے کا دعویٰ کرتے، یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ لہٰذا منکر اور جھوٹی روایت ان کی طرف منسوب کر کے بیان کر دیتے۔ چنانچہ جب عوام نے ان کی زبانی یہ روایات سنیں تو بعض ان کے مطابق عقیدہ اپنا کر ہلاکت میں گر گئے اور اپنی عاقبت برباد کر بیٹھے اور بعض نے ان روایات کا انکار کر دیا اور ایسے مفتری اور کذاب مفضل بن عمرو بنان اور عمرو نبطی وغیرہم تھے۔ انہوں نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ احادیث نقل کیں:

۱۔ امام کی معرفت حاصل ہو جائے، تو نماز اور روزہ کی ضرورت نہیں رہتی۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

۲۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بادلوں میں ہیں اور آندھیوں کے ساتھ اڑتے رہتے ہیں۔ ۳۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ شہادت کے بعد کلام فرماتے تھے۔ ۴۔ اپنے تختۂ غسل پر خود بخود جنبش فرماتے تھے۔ ۵۔ زمین اور آسمان کا اللہ (معبود) امام ہی ہے۔

اور اس طرح انہوں نے امام کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا دیا۔ یہ سبھی جاہل تھے اور گمراہ و بے دین بھی۔ بخدا حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے کبھی کوئی ایسی بات نہیں کی۔ آپ بہت زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے تھے اور محتاط و متورع تھے۔ لوگوں نے اس قسم کی احادیث سنیں تو آپ کو نقلِ حدیث اور اس کی روایت میں ضعیف قرار دے دیا۔ حالانکہ اگر تم آپ کو دیکھتے، تو تمہیں معلوم ہو جاتا کہ وہ یکتائے روزگار ہیں۔

فوائد و نتائج: الغرض ساری تفصیلات عرض کروں، تو صرف اس موضوع پر ضخیم کتاب تیار ہو جائے گی۔ میں نے صرف یہ دکھلانا تھا کہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے یہ ارشادات عوام شیعہ کے متعلق نہیں تھے، بلکہ ثقۃ الاسلام، شریعت مدار، اور علوم و احادیثِ ائمہ کے امین ہونے کے مدعی لوگوں کے متعلق ہیں اور جب خواص، بلکہ اخص الخواص کا یہ حال ہے تو

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

الغرض اب تک کی گزارشات سے چند فوائد حاصل ہوئے، جن پر تنبیہ ضروری ہے۔

۱۔ اہل السنّت پر شیعی علماء اعتراض کرتے ہیں کہ اگر ان کو اہل بیت کرام سے تعلق و ارتباط ہوتا، تو ان کی کتابوں میں اہل بیت کی روایات اس کثرت سے کیوں نہ ہوتیں، جس طرح اہلِ تشیع کے ہاں ہیں، تو اس کی وجہ واضح ہو گئی کہ ان مقدس شخصیات کے گرد سبائی ٹیموں نے خاص مقصد اور مشن کے تحت گھیرا تنگ کر رکھا تھا اور کذب و افتراء اور دروغ بافی کا طوفان برپا کر رکھا تھا اور بظاہر وہ مخلص اور نیاز مند تھے اور درحقیقت دشمن اور بدخواہ تھے، ان کے بھی اور اسلام کے بھی اور تقیہ بازی سے کام لیتے تھے اور فی الواقع ان حضرات سے صحیح طریقہ پر ثابت احادیث بہت کم دستیاب ہوتی تھیں، اس لیے اہل السنّت کے ہاں ان سے مروی احادیث کم ہیں۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

۲- نیز اس سوال کا جواب بھی آگیا کہ جعفری کہلانے کی بجائے حنفی، شافعی اور مالکی وغیرہ کیوں کہلاتے ہیں، کیونکہ اہل بیت کرام کا صحیح مذہب اور حقیقی نظریہ صرف ان حضرات کو معلوم تھا اور انہیں کو ان کی صحیح احادیث و روایات معلوم تھیں نہ کہ ہر راوی اور شاگرد ہونے کے دعوے دار کو بلکہ ان کی طرف نسبت کے اکثر دعویدار ان ائمہ کرام کے ارشادات کے مطابق کافر و مشرک تھے اور یہود و نصاریٰ اور ارباب تثلیث سے بدتر، لہٰذا ان سے امتیاز حاصل کرنے کے لیے ان سچے اور راستباز تلامذہ کی طرف اپنے مسلک کی نسبت کی۔

جعفری مذہب کی حقیقت

۳- نیز ان حقائق کی روشنی میں جعفری مذہب کی حقیقت و اصلیت بھی واضح ہو گئی کہ وہ دراصل امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا مذہب نہیں بلکہ ان جھوٹے مکار اور فراڈی جالب زر اور لقمہ اندوز اور جہال و ضلال اور کفار و مشرکین اور ملحد و بے دین لوگوں کا تیار کردہ مذہب ہے اور ان راویوں نے اپنی مرضی کے مطابق ان کے ارشادات کو ڈھال کر یہ مذہب تیار کیا، لہٰذا اس کو ان ائمہ کرام کا مذہب کہنا غلط ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان اکابرین اہل بیت کا مذہب صرف اور صرف وہی ہے جس پر سواد اعظم اہل السنت والجماعت ابتداء سے لے کر آج تک قائم ہیں اور جن کے اصول و قواعد اور بنیادی عقائد ہمیشہ سے متحد اور متفق علیہ ہیں اور اگر اختلاف ہے تو صرف فروعی اور اجتہادی مسائل میں جبکہ اہل تشیع کے ان شریعت مدارا اور رؤسائے مذہب نے اپنی صوابدید اور پسند کے مطابق عقائد اختراع کر کے اہل تشیع کو متعدد مذاہب میں تقسیم کر دیا، جن میں باہم کفر و اسلام کا اختلاف موجود ہے اور ہر ایک کا دعویٰ ہے کہ ہم اہل بیت کے مذہب پر ہیں، حالانکہ خود شیعی علماء کو اعتراف ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں بھی خلفاء ثلاثہ کے عمل و کردار اور روش و رفتار کے مطابق عمل پیرا رہے اور دوسرے ائمہ کرام بھی ظاہر میں سواد اعظم اہل السنت کے ہی موافق تھے، البتہ ان کے نزدیک باطنی اور حقیقی مذہب و نظریہ ان کا یہ نہیں تھا بلکہ بطور تقیہ اور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

خوف وخشیت کے عام اہل اسلام پر سنی مذہب ظاہر کرتے تھے اور حقیقی مذہب وہ تھا، جو صرف چند خواص کے سامنے ظاہر کیا کرتے تھے، جن کا حال ائمہ کرام کی زبانی سُن چکے۔ لہٰذا جعفری مذہب قطعًا وہ نہیں، جو ان لوگوں نے بیان کیا ہے بلکہ یہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ پر سراسر افترا ہے

۴۔ نیز یہ بھی واضح ہو گیا کہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے مقامِ مذمت میں فیمن ینتحل التشیع اور یزعمون انی لھم امام کے الفاظ کیوں ذکر فرمائے، کیونکہ اہل بیت کرام کا مذہب اہل السنت والا تھا اور یہ لوگ بھی بظاہر اسی پر کاربند تھے اور خفیہ طور پر دوسرے مذاہب رائج کرنے کے درپے تھے جو ائمہ کرام کے ظاہر و باہر اور متواتر و مستفیض مذہب و مسلک کے سراسر خلاف تھے اس لیے فرمایا کہ یہ صرف ہمارے مخلص اور نیازمند ہونے کے دعوے دار ہیں اور در حقیقت یہود و نصاریٰ سے بدتر ہیں اور اہل السنت کو تو دعوے کی ضرورت ہی نہیں تھی کیونکہ ان کا عمل و کردار ظاہر میں تھا، وہی عقیدہ و نظریہ واقعہ و حقیقت میں بھی تھا اور نہ ائمہ کرام کے اقوال کو ظاہری معانی سے تبدیل کرنے کی ان کو ضرورت تھی، اس لیے ان کے متعلق اس قسم کے تاثر اور ردِ عمل کا اظہار ائمہ کرام کی طرف سے ممکن ہی نہیں تھا اور یہیں سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ جن نیازمندوں اور متبعین و معتقدین کے متعلق تعریفی کلمات ائمہ کرام یا سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے وارد ہیں، وہ کون ہیں؟ وہ صرف اور صرف اہل السنت ہیں، جن کی موافقت و متابعت کا حکم دیتے ہوئے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خیر الناس فی حالا النمط الاوسط فالزموہ والزموا السواد الاعظم الخ کہ افراط و تفریط سے منزہ جماعت ہی ہلاکت سے محفوظ ہے (نہ محبت میں حد سے متجاوز اور نہ بغض سے کام لینے والے) لہٰذا اسی درمیانی جماعت کی اتباع و موافقت کرو اور اسی سوادِ اعظم کو لازم پکڑو، ان سے الگ ہونے والا اسی طرح شیطان کے تصرف میں جانے والا ہے، جس طرح ریوڑ سے الگ ہونے والی بھیڑ بکری بھیڑیے کا لقمہ بنتی ہے۔ اس پر تفصیلی گفتگو دوسرے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مقام پر ہو چکی ہے، وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ الغرض علامہ موصوف کا ان تعریفی کلمات کو ان مخصوص نظریات کے حاملینِ شیعہ پر منطبق کرنا اور مسرت و شادمانی کا اظہار کرنا قطعاً درست نہیں ہے۔

رسالہ مذہب شیعہ   از حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز

قاتلانِ امامِ حسین رضی اللہ عنہ کون تھے؟

اب تھوڑا سا غور اس بات پر بھی کر لیں کہ امام عالی مقام سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما کو کن لوگوں نے شہید کیا اور وہ کون لوگ تھے جنہوں نے مکر و فریب کے ساتھ لاتعداد دعوت نامے لکھے تھے؟ احتجاج طبرسی ص ۱۵۷ پر مرقوم ہے کہ سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کوفیوں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ تم نہیں جانتے کہ تم ہی لوگوں نے میرے والد ماجد کی طرف خط لکھے اور تم نے ہی ان سے دھوکہ کیا اور تم ہی لوگوں نے اپنی طرف سے عہد و پیمان باندھے، بیعت کی اور پھر تم ہی لوگوں نے ان کو شہید کیا اور ان کو تکلیفیں دیں، پس جو ظلم و ستم تم نے کمائے، ان کی وجہ سے ہلاکت ہے تمہارے لیے اور تمہارے برے ارادوں کے لئے تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کس آنکھ سے دیکھو گے؟ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیں گے، تم نے میری آل کو قتل کیا اور میرے خاندان کو تکلیفیں دیں، پس تم میری امت میں سے نہیں ہو۔

اور کتاب کشف الغمہ ص ۱۸۷ پر اہلِ کوفہ کے دعوت ناموں کی بعینہٖ عبارت کی نقل موجود ہے۔ ملاحظہ فرما دیں،

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ للحسین بن علی امیر المومنین من شیعتہ و شیعۃ ابیہ امیر المومنین۔ سلام اللہ علیک۔ اما بعد، فان الناس منتظروک ولا رأی لھم فی غیرک فالعجل فالعجل یا ابن رسول اللہ والسلام علیک۔ یعنی حضرت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حسین بن علی (رضی اللہ عنہما) کی طرف اُن کے شیعوں کی جانب سے یہ دعوت نامے ہیں۔ آپ پر اللہ تعالیٰ کا سلام ہو۔ اس کے بعد گزارش ہے کہ سب لوگ آپ کے انتظار میں ہیں اور آپ کے بغیر ان کی نگاہ کسی پر نہیں پڑ رہی۔ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند جلد از جلد تشریف لائیے (تاکہ یہ انتظار بھی ختم ہو)

کتاب مجالس المومنین کی عبارت بھی ملاحظہ ہو کہ کوفہ میں کون لوگ تھے، جنہوں نے دعوت نامے بھیجے تھے۔ مجالس المومنین ص ۲۵:

وبالجملہ تشیع اہل کوفہ حاجت باقامت دلیل ندارد و سُنی بودن کوفی الاصل خلافِ اصل و محتاجِ دلیل است ــــــ یعنی خلاصہ مرام یہ ہے کہ اہلِ کوفہ کا شیعہ ہونا محتاجِ دلیل نہیں ہے، بلکہ بدیہی امر ہے اور اہلِ کوفہ کا سنی ہونا خلافِ اصل ہے اور محتاجِ دلیل ہے۔

اب ذرا ان کوفیوں کے متعلق اور محبت و تولّٰی کے علمبرداروں کے متعلق امام عالی مقام سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کا دوسرا ارشاد بھی سُن لیں:

(کتاب مناقب المعصومین ص ۵۲ مطبوعہ ایران) اے شیعانِ! اے محبان! لعنتِ خدا و لعنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بر تمامی اہلِ کوفہ و شام باد۔

یعنی اے شیعو! اے محبو! اللہ تعالیٰ کی لعنت اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت ہو تم تمام اہلِ کوفہ اور اہلِ شام پر۔

غالباً ائمہ کرام کی جن روایات کا ظاہر کرنا ذلت کا موجب تھا اور جن کے چھپانے کے متعلق بانیان مذہب شیعہ نے تاکیدیں کی تھیں اور اس بارے میں روایتیں گھڑی تھیں، وہ ائمہ کرام کی یہی حدیثیں تھیں جن کا نمونہ پیش کر چکا ہوں۔ واقعی اگر ائمہ کرام کے یہ ارشادات لوگوں کو سنائے جائیں، تو کون بیوقوف شیعہ مذہب اختیار کرے گا۔

(رسالہ مذہبِ شیعہ ص ۹۷ و ۹۸)

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تنزیہ الامامیہ از علامہ محمد حسین ڈھکو صاحب

کیا قاتلانِ حسین شیعہ تھے؟

۱۔ پیر صاحب سیالوی نے اپنے دوسرے متعصب ہم مذہبوں کی طرح شہادت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کا بے بنیاد الزام بھی بیچارے شیعوں کے سر تھوپنے کی مذموم کوشش کی ہے۔ ان لوگوں کی حالت قابلِ تعجب ہے جو بجائے اس کے کہ جو اہلِ حق کی طرف سے لکھا جا چکا ہے، اسے صحیح تسلیم کریں اور خاموشی اختیار کریں یا پھر مدلل طریقہ پر جواب الجواب دیں، مگر یہ ہیں کہ نہ یہ کرتے ہیں نہ وہ کرتے ہیں۔

۲۔ درحقیقت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قاتل وہ لوگ تھے، جن کا نعرہ میدان کربلا میں یہ تھا، انا علی دین عثمان اور انصار حسینی کا جواب میدانِ کربلا میں یہ تھا، بل انت علی دین الشیطان۔

۳۔ جس کوفہ میں حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کی شہادت کے بعد پورے بیس سال معاویہ کی حکومت رہی ہو اور زیاد بن ابیہ گورنر رہا ہو اور جس نے ہر شجر و مدر کے نیچے چھپے ہوئے شیعہ کو تہ تیغ کر دیا تھا، اس کوفہ میں ہزاروں کی تعداد میں شیعہ کہاں سے آ گئے؟

۴۔ جہاں شیعہ کا لفظ موجود ہے تو اس سے مذہب شیعہ پر کاربند لوگ مراد نہیں، بلکہ ان پر یہ لفظ بایں معنیٰ استعمال کیا گیا ہے کہ معاویہ کے مقابلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، ورنہ اُن کی اکثریت تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چوتھا خلیفہ ماننے والی تھی نہ کہ خلیفہ بلا فصل۔ اگر ایک ہی ایسا فرد ثابت کر دیا جائے جو یزیدی افواج کی طرف سے لڑ رہا تھا اور خلافتِ بلا فصل کا بھی قائل تھا تو منہ مانگا انعام دیا جائے گا۔

۵۔ قاتلانِ حسین وہی لوگ تھے، جو یزید کو چھٹا خلیفہ اور اس کے باپ معاویہ کو مسندِ رسول کا پانچواں خلیفہ تسلیم کرتے تھے، بلکہ قتل الحسین یوم السقیفۃ حسین تو سقیفہ کے دن شہید کر دیئے گئے تھے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

۶- یہ بحث ہی فضول ہے، قتل کرنے کے بعد وہ کافر و مرتد تھے اور قتل سے پہلے اُن کا مذہب وہی تھا جو اس شخص کا مذہب تھا، جس کی حکومت کے تحفظ کے لئے اور جس کی اطاعت گزاری کے لیے یہ لوگ جنگ لڑ رہے تھے اور یہ معلوم کرنا کہ وہ کس مذہب کا چھٹا خلیفہ ہے، چنداں مشکل نہیں ہے۔

(رسالہ تنزیہ الامامیہ صفحہ ۱۶۵/۱۶۶)

تحفۂ حسینیہ — از ابوالحسنات محمد اشرف السیالوی

قاتلانِ امام حسین وہی تھے جنہوں نے بُلا کر امداد دینے سے انکار کر دیا تھا

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کی مدلل اور باحوالہ تحریر کے جواب میں علامہ ڈھکو صاحب نے جو کچھ فرمایا، وہ سب صدری نسخہ ہے جس کا حوالہ جات اور کتب مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ صرف خیالی گفتگو ہے اور محض احتمالات و امکانات کو قطعی حقائق کا نام دے کر دو اڑھائی صفحے سیاہ کر ڈالے ہیں۔ سب سے پہلے یہ حقیقت واضح کرنے کی اشد ضرورت تھی کہ بلانے والے کون تھے؟ اور ان پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اعتماد کیوں کیا تھا؟ اور جو لشکر میدانِ کربلا میں تھا، یہ کوفہ کے ہی لوگ تھے یا باہر سے منگوائے گئے تھے؟ اگر کوفہ میں خلافتِ بلافصل کا عقیدہ رکھنے والے اور حقیقی شیعہ اور اسمِ بامسمّٰی قسم کے شیعہ موجود نہیں تھے یا ان کی اتنی تعداد نہیں تھی جو آپ کے ساتھ مل کر یزیدی قوت اور اس کے لشکروں کا مقابلہ کر سکتے، تو آپ کا اس دعوت کو قبول کرنا اور کوفہ کی طرف عازمِ سفر ہونا بے جواز ہو جاتا ہے۔ اگر وہاں کے سبھی لوگ یا جمہور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو چوتھا خلیفہ، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو پانچواں اور یزید کو چھٹا خلیفہ تسلیم کرنے والے تھے اور دیگر علاقوں میں بھی صورتِ حال یہی تھی اور آپ کے قریبی برادری کے لوگ یعنی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بنو ہاشم، بنو عبد المطلب اور بنو عبد مناف بھی ساتھ نہیں تھے اور بالخصوص حضرت محمد بن حنفیہ جیسے بھائی اور حضرت عبد اللہ بن عباس جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی اور ان کے دستِ راست اور ان کی اولاد بھی ساتھ نہیں تھے تو عازمِ کوفہ ہونے کا جواز کیا رہ جاتا ہے۔ پھر کوفہ میں آپ رہائش پذیر رہے، وہاں کی سابقہ حالت اور موجودہ حالت سے بھی پوری طرح باخبر تھے اور اس کے باسیوں سے پوری طرح آگاہ تھے اور یہ بھی یقیناً آپ کے علم میں ہو گا کہ امیر معاویہ کے دورِ حکومت اور زیاد کی گورنری کے دوران ان پر کیا قیامت ٹوٹی اور اس میں اب کتنے آدمی ہمارے شیعہ میں سے ہیں تو اگر ان میں یزید کے ساتھ ٹکر لینے کی ہمت و طاقت نہیں سمجھتے تھے، تو پھر اس سفر کا اور ان کی دعوت کو قبول کرنے کا جواز ثابت کریں اور قوت و طاقت نہ ہونے کے باوجود ترکِ تقیہ کی توجیہ پیش کریں اور اگر خواہ مخواہ جان ہی دینی تھی، تو مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ اور مصر و بصرہ وغیرہ میں بھی یزید کے عامل موجود تھے۔ ادھر رُخ کیوں نہ فرمایا اور حصولِ شہادت کی سعی کیوں نہ فرمائی اور خطوط موصول ہونے اور دعوت نامے پہنچنے سے پہلے یہ پروگرام کیوں نہ بنا لیا اور جنہوں نے خطوط لکھے تھے، ان کے عقیدہ و نظریہ کو کیوں نہ پوری طرح جانچ پرکھ لیا؟

لہٰذا جب تک اس سوال کا اور اس کی جملہ شقوق کا جواب نہیں مل جاتا، یہ تقریر و تحریر پرکاہ کی حیثیت نہیں رکھتی، خواہ علامہ ڈھکو صاحب اسے دہرائیں یا ان کے اسلاف اسے بیان کریں اور نہ اس کو دیکھ سُن اور پڑھ کر کوئی عقلمند مطمئن ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اس کو صحیح تسلیم کرنے کا تو سوال ہی کیا۔ رہا علامہ صاحب کی طرف سے مدلل جواب کا مطالبہ تو وہ ہمارے اکابرین نے پہلے بھی پورا کیا، اور اب ہم بھی پورا کریں گے۔

دینِ عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کیا تھا؟

۲۔ علامہ موصوف نے فرمایا: قاتلانِ حسین وہ تھے، جن کا نعرہ میدانِ کربلا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

یہ تھا کہ ہم دینِ عثمان پر ہیں جس کے جواب میں انصارِ حسینی کہا کرتے تھے بلکہ تو دین شیطان پر ہے۔ پہلے تو یہ عرض کردوں کہ ڈھکو صاحب کو اس عبارت کا معنیٰ و مفہوم ہی سمجھ میں نہیں آیا یا آپ نے دیدہ دانستہ مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دین و مذہب معلوم کریں اور پھر اس جملہ کا معنیٰ و مفہوم سمجھیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دین اور مذہب نعوذ باللہ شیطانی والا تھا، تو ان کے محاصرہ کے دوران حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ ان کے پہرے دار کیوں بنے رہے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان کی طرف سے دفاع کیوں کرتے رہے اور ان باغیوں کے خلاف جہاد کا اذن کیوں طلب کیا، پھر ان شہید کرنے والوں کے خلاف کارروائی کرنے اور ان کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کا عزم کیوں ظاہر فرمایا جبکہ آپ سے بیعت کرنے والے مہاجرین و انصار نے عرض کیا تھا، لو عاقبت قومًا ممن اجلب علی عثمان۔ کاش کہ آپ ان لوگوں کو سزا دیتے جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف محاصرہ کیا اور قتل کرنے کا ارتکاب کیا۔ پوری تفصیلات حضرت امیر اور امام حسن رضی اللہ عنہما کے دفاع کی، اور عزم انتقام کی معلوم کرنی ہوں تو نہج البلاغہ جلد اول صفحہ ۳۹، شرح ابن ابی الحدید جلد ثانی صفحہ ۱۴۲، ۱۵۳، ۱۵۱ ناسخ التواریخ جلد دوم کتاب دوم صفحہ ۵۳۶ و صفحہ ۵۳۵ پر ملاحظہ فرمائیں اور تحفہ حسینیہ حصہ اول صفحہ ۴۶۷ پر مطالعہ فرمائیں اور ان کے علاوہ دیگر دلائل اور شواہد ان کی فضیلت و منقبت کے ملاحظہ فرما کر تسلی کرلیں کہ ان کا مذہب کیا تھا۔ اور بارگاہِ نبوت و رسالت اور نگاہِ امامت و ولایت میں ان کا مقام کیا تھا۔ الغرض حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا مذہب وہی تھا جو حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما کا تھا اور جملہ مہاجرین و انصار کا تھا جس کی بنیاد رسولِ معظم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی تھی۔

اب یہ سمجھ لیجئے کہ اس جواب کا مطلب و مفہوم کیا تھا: چونکہ اس قائل نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دین و مذہب حضرات اہل بیت کرام سے الگ سمجھا تھا، تو اس کا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

رد کرتے ہوئے اور تکذیب کرتے ہوئے کہا تو حضرت ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے دین پر نہیں بلکہ شیطان کے دین پر ہے کیونکہ ان کا دین و مذہب تو وہی تھا جو ان حضرات کا تھا اور ہے علامہ ڈھکو صاحب کو کوئی ابتدائی کتابوں میں درج شدہ قواعد ہی معلوم نہ ہوں، یا دیدہ دانستہ ان سے آنکھیں بند کر لیں، تو اس کا کیا علاج ہے۔ بَل کا کلمہ اضراب کے لیے ہوتا ہے۔ ایک حکم کی نفی کر کے دوسرا ثابت کرنا ہو، تب اسے استعمال کرتے ہیں۔
مَا جَآءَ نِیْ زَیْدٌ بَلْ عَمْرٌو کا ترجمہ نحویوں کے نزدیک یہ ہے کہ زید نہیں آیا، بلکہ عمرو آیا ہے جبکہ علامہ صاحب کے نزدیک ان کے قول کے مطابق یہ ترجمہ بنے گا کہ نہ زید آیا نہ عمرو بلکہ زید اور عمرو ایک شے ہے ع برین عقل و دانش بباید گریست ________ اور حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے دین و مذہب کو ائمہ کرام کے مذہب سے مختلف کیسے کہا جا سکتا ہے، جبکہ حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ و جدال اور حرب و قتال کے باوجود فرماتے ہیں:

الظاهر ان ربنا واحد ونبينا واحد ودعوتنا في الاسلام واحدة، لا نستزيدهم في الايمان بالله والتصديق برسوله ولا يستزيدوننا، الامر واحد الا ما اختلفنا فيه من دم عثمان ونحن منه براء۔ (نہج البلاغۃ مصری جلد ثانی ص۱۵۲)

یعنی یقیناً ہمارا رب ایک ہے، نبی ایک ہے اور اسلام میں دعوت ایک ہے نہ ہم ان پر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان اور رسول گرامی کی تصدیق میں زائد اور افضل ہونے کے دعوے دار ہیں اور نہ ہی وہ ہم پر اس ایمان و تصدیق میں فوقیت کے مدعی ہیں۔ ہم دونوں فریق کا معاملہ دین اور مذہب کے لحاظ سے ایک ہے ماسوائے اس کے کہ خونِ عثمان میں ہمارا باہم اختلاف ہو گیا ہے اور ہم اس سے بری اور پاک دامن ہیں

جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ ہونے کے باوجود دین و مذہب میں ان کے ساتھ اختلاف نہیں، تو جن کی خاطر حضرت علی رضی اللہ عنہ خود اُن

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے مخالفین سے جنگ کرنے کو تیار ہوں اور اپنے لختِ جگر، حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے نورِ نظر اور نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے جنتی پھول یعنی حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہرے دار مقرر کریں اور اُن کا سپاہی بنا دیں، ان کے ساتھ دین و مذہب میں کیونکر اختلاف ہو سکتا تھا اور ان کے مذہب کو شیطان کا دین و مذہب کون قرار دے سکتا ہے، سوائے شیطان صفت انسان کے؟

الغرض اس جملہ سے اس شیطان کا رد کرنا مقصود تھا، جس نے دین میں اختلاف سمجھا تھا اور خود اس کی حقیقت بیان کی جا رہی تھی نہ کہ دینِ عثمان رضی اللہ عنہ کو دینِ شیطان قرار دیا جا رہا تھا، ورنہ ائمہ کرام کا بھی العیاذ باللہ اسی مذہب پر ہونا لازم آئے گا۔

کوفہ میں شیعہ کی تعداد کتنی تھی؟

۳۔ علامہ موصوف نے فرمایا کہ امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے بیس سالہ دورِ حکومت میں کوفہ کے سب شیعہ تہ تیغ کر دیئے گئے تھے، لہٰذا اب وہاں ہزاروں کی تعداد میں شیعہ تھے کہاں؟ یہ جواب علامہ طبرسی کی احتجاج میں اور قاضی نور اللہ شوستری کی مجالس المومنین میں ذکر کیا گیا ہے۔ قاضی صاحب کے الفاظ یہ ہیں، تا چناں کرد کہ کسے از شیعہ در آں جا نماند (مجالس المومنین جلد ۱ ص ۵۶) یعنی کچھ قتل ہوئے، کچھ سولی پر لٹکا دیئے گئے اور بعض کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے تھے۔ مگر یہ سوال اپنی جگہ قائم ہے اور قائم رہے گا کہ یہ صورتِ حال حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو معلوم نہیں تھی؟ جب معلوم تھی اور یقیناً معلوم تھی تو آپ نے کوفہ کا رُخ کیوں کیا؟ کیا جن لوگوں نے خطوط لکھے تھے، اُن کو آپ جانتے نہیں تھے؟ اور اُن کا مذہب و مسلک آپ کو معلوم نہیں تھا؟ جب جانتے پہچانتے بھی تھے، اور اُن کا مذہب و مسلک آپ کو معلوم تھا، تو مذہبی مخالفت کے باوجود ان پر اعتماد کیسے کر لیا اور اپنی امامت و خلافت کے لیے ان کی امداد و اعانت پر اعتماد اور بھروسہ کیسے کر لیا؟

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

لٰہذا یہ حقیقت تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ آپ کو اپنے ہم عقیدہ بلکہ مخلصین اور نیازمندوں کی اتنی کثیر تعداد معلوم و محسوس ہوئی تھی جو یزیدی عساکر و افواج کے مقابلے کی تاب و توانائی رکھتے تھے تبھی آپ نے اس دعوت کو قبول کر لیا اور کوفہ کی طرف تشریف لے جانے کا عزم مصمم کیا۔ اب اس اجمال کی تفصیل عرض کرتا ہوں اور شیعی کتابوں سے یہ حقیقت واضح کرتا ہوں، کیونکہ علامہ موصوف کو تو اپنی مذہبی دیکھنے کا موقعہ نہیں ملتا اور یا انہیں جھوٹ بولنے کی ایسی عادت پڑ گئی ہے کہ ہر وقت، ہر جگہ اور ہر معاملہ میں، جھوٹ پر جھوٹ بولنا ہی لازم اور ضروری سمجھتے ہیں۔

الشیخ مفید، سید بن طاؤس، ابن شہر آشوب و دیگراں روایت کردہ اند کہ چوں امام حسن علیہ السلام بریاضِ جنت ارتحال فرمود شیعیاں در عراق بحرکت درآمدہ عریضہ بامام حسین نوشتند کہ ما معاویہ را از خلافت خلع کردہ با شما بیعت میکنیم حضرت در آں وقت صلاح دراں امر ندانستہ ایشاں را مجاب نمود و بصبر امر کرد۔ جلاء العیون ص ۳۴۸) یعنی جب امام حسن رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تو شیعان عراق حرکت میں آ گئے اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ ہم معاویہ کو خلافت سے معزول کر کے تمہارے ساتھ بیعت کرتے ہیں۔ آپ نے اس وقت یہ اقدام مصلحت کے خلاف سمجھا، لہٰذا ان کی استدعا قبول نہ کی اور انہیں صبر کرنے کا حکم دیا۔

اگر امام حسن رضی اللہ عنہ کے وصال تک دس سالہ دورِ خلافت و امارت میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اور ان کے گورنروں نے ان کو تہ تیغ کر دیا تھا اور وہاں کوئی شیعہ نہیں بچا تھا، تو یہ حرکت میں آنے والے کہاں سے پیدا ہو گئے اور انہوں نے اپنے اندر اتنی قوت کیسے سمجھ لی کہ عالمِ اسلام کے حاکم کو معزول کر دیں۔
نیز علامہ ڈھکو صاحب یہ بھی بتلائیں کہ یہ لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو پانچواں خلیفہ تسلیم کرتے تھے یا اُن کی خلافت کے مخالف تھے اور خالص شیعانِ حسین رضی اللہ عنہ تھے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

۲۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد پھر اہل عراق حرکت میں آگئے اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی جناب میں خطوط، قاصد اور ایلچی دوڑانے کا سلسلہ شروع ہو گیا اور دعوے یہ کیے گئے کہ ہمارا کوئی امام نہیں۔ ہم صرف آپ کی راہ میں آنکھوں کا فرش بچھائے ہوئے ہیں۔ بس تمہارے پہنچنے کی دیر ہے کہ کوفہ کے گورنر نعمان بن بشیر کو نکال باہر کریں گے ——— اگر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات سے قبل کے اس عرصہ میں ہی اہل کوفہ قتل و مصلوب ہو چکے ہوتے، تو یزید کے گورنر کو نکالنے اور اس کی افواج و سپاہ کی مطلق پرواہ نہ کرتے ہوئے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی خلافت و حکومت قائم کرنے کے دعوے دار کون تھے؟ کیا یہ لوگ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو پانچواں اور یزید کو چھٹا خلیفہ ماننے والے تھے یا خالص شیعان حسین رضی اللہ عنہ تھے؟

اب شیعی کتب کی عبارات کے آئینہ میں اس حقیقت کا بچشم خود مشاہدہ کریں،

۱۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ایں نامہ ایست بسوئے حسین بن علی از جانب سلیمان بن صرد خزاعی، مسیب بن نجبہ، رفاعہ بن شداد بجلی، حبیب بن مظاہر و سائر شیعان او از مومنان و مسلمانان اہل کوفہ۔ سلام خدا بر تو باد و حمد میکنیم خدا را بر نعمت ہائے کاملہ او بر ما و شکر میکنیم او را کہ برآنکہ ہلاک کرد دشمن جبار معاند ترا کہ بے رضائے امت بر ایشاں والی شدہ (تا) پس خدا او را لعنت کند چنانچہ قوم ثمود را لعنت کرد۔ بداں کہ ما دریں وقت امام و پیشوائے نداریم بسوئے ما توجہ نما د بشہر ما قدم رنجہ فرما کہ ما ہمگی مطیع توئیم (تا) نعمان بن بشیر حاکم کوفہ در قصر الامارت نشستہ است در نہایت مذلت و بجمعہ او حاضر نمی شویم و در عید با او بیروں نمے رویم چوں خبر برسد کہ شما متوجہ ایں صوب شدہ ایداو را از کوفہ بیروں کنیم تا با اہل شام ملحق گردد والسلام (جلاء العیون صفحہ ۳۵۶)

ترجمہ: "یہ خط ہے حسین بن علی (رضی اللہ عنہما) کی طرف، سلیمان بن صرد خزاعی، مسیب بن نجبہ، رفاعہ بن شداد بجلی، حبیب بن مظاہر اور دیگر شیعان حسین،

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مومنین و مسلمین اہلِ کوفہ کی طرف سے۔ آپ پر اللہ تعالیٰ کا سلام ہو، ہم اللہ کریم کی حمد بجا لاتے ہیں، اس کی کامل نعمتوں پر اور اس کا شکر ادا کرتے ہیں اس احسان پر کہ اُس نے تمہارے جابر و سرکش اور معاند دشمن کو ہلاک کر دیا ہے جو اُمت کی رضامندی کے بغیر ان کا والی بن گیا تھا (تا)، پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر لعنت ہو، (العیاذ باللہ) جیسے کہ اُس نے قوم ثمود پر لعنت کی۔

یقین کیجیے۔ اس وقت ہمارا کوئی امام اور پیشوا نہیں ہے، لہٰذا ہماری طرف متوجہ ہوں اور ہمارے شہر میں قدم رنجہ فرمائیں، کیونکہ ہم تمام ہی آپ کے مطیع و فرمانبردار ہیں (تا)، نعمان بن بشیر حاکمِ کوفہ انتہائی ذلت کے ساتھ کوفہ کے قصرِ امارت کے اندر بیٹھا ہوا ہے نہ اُس کے ساتھ ہم جمعہ پڑھتے ہیں اور نہ عید میں اس کے ساتھ باہر نکلتے ہیں۔ جب ہمیں یہ خبر فرحت اثر ملے گی کہ آنجناب اس طرف متوجہ ہو چکے ہیں تو ہم اس کو کوفہ سے باہر نکال دیں گے تاکہ وہ اہلِ شام کے ساتھ جا ملے۔ والسلام!"

یہ خط حضرت امام عالی مقام علیہ السلام کے پاس پہنچانے والے قاصد عبداللہ بن مسمع ہمدانی اور عبداللہ بن وال تھے۔

علامہ ڈھکو صاحب! ذرا اپنے باقر مجلسی صاحب کی اس تحریر کو غور سے پڑھیں اور اہلِ کوفہ کے اکابرین کے اس خط کو بغور پڑھیں۔ پھر اپنے دھرم سے بتلائیں، واقعی یہ لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو پانچواں اور یزید کو چھٹا خلیفہ تسلیم کرتے تھے یا مخلص ترین شیعہ تھے جو ان کے ایمان و اسلام پر بھی اعتماد نہیں رکھتے تھے، بلکہ انہیں قومِ عاد کی طرح لعنت کا مستحق سمجھتے تھے، کیا آپ کو وہ جواب دیتے وقت شرم نہ آئی — ؟

ب۔ مندرجہ بالا خط ارسال کرنے کے دو دن بعد ڈیڑھ صد خطوط لکھے گئے، جن کو کوفہ کے علماء و روساء نے تحریر کیا اور ایک ایک، دو دو، تین تین، چار چار، بلکہ اس سے بھی زیادہ نے مل کر ایک ایک خط لکھا تھا اور ان خطوط کو

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بارگاہ امام عالی مقام میں لے جانے والے قاصد تھے: قیس مصہر۔ عبداللہ بن شداد اور عمارہ بن عبداللہ۔ ملاحظہ ہو جلاء العیون۔ ص ۳۵۶)

جب عظماء رؤسا اتنی تعداد میں تھے، تو ان کے ماتحت اور تابع و فرمانبردار کتنے ہوں گے، ان کا خود ہی اندازہ کر لیں۔

ج: ان ڈیڑھ صد خطوط کی روانگی کے دو دن بعد ہانی بن ہانی سبیعی اور سعید بن عبداللہ حنفی کے ہاتھ یہ خط روانہ کیا گیا، جس میں پہلے خط کی طرح پورے شہر کوفہ بلکہ تمام علاقہ اور ولایتِ عراق کے لوگوں کو چشم براہ ظاہر کیا گیا، اور کسی دوسرے شخص کی امامت و خلافت تسلیم کرنے کا امکان بھی مسترد کرتے ہوئے جلد از جلد کوفہ پہنچنے کی درخواست کرتے ہوئے لکھا،

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ایں عریضہ ایست بخدمت حسین بن علی از شیعان، فدویان و مخلصانِ آنحضرت امابعد بزودی خود را بدوستان و ہوا خواہان خود برساں کہ ہمہ مردم ایں ولایت منتظر قدوم مسرت لزدم تواند و بسوئے غیر تو رغبت نماید۔ البتہ البتہ بتعجیل تمام خود را بایں مشتاقان مُشتہام برساں والسلام خیر ختام۔

د: اس کے بعد شبث بن ربعی۔ حجار بن ابجر۔ یزید بن الحارث۔ عروہ بن قیس۔ عمرو بن الحجاج اور محمد بن عمرو نے آپ کی امداد و اعانت کے لیے تیار کھڑے عساکر و افواج کی اطلاع دیتے ہوئے یہ عریضہ لکھا،

اما بعد۔ صحراہا سبز شدہ و میوہا رسیدہ، اگر بایں صوب تشریف آوری لشکرہائے تو مہیا و حاضر اند و شب و روز انتظار مقدم شریف تو میبرند (جلاء العیون ص ۳۵۷)

یہی تیار لشکروں اور منتظر عساکر کا مژدہ سُناتے والے میدانِ کربلا میں امام عالی مقام کے مقابل کھڑے تھے۔ جب امام عالی مقام نے ان کو پکار کر فرمایا: اے شبث، اے حجار، اے یزید! کیا تم نے یہ خط نہیں لکھا تھا جیسے کہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ارشادِ مفید کے حوالے سے اس کا تذکرہ کیا جائے گا۔ امام عالی مقام نے ان کے خطوط پر کیوں اعتبار کیا؟ اور میدانِ کربلا میں لشکرِ اعداء کی طرف کھڑے دیکھ کر انہیں کیوں شرم دلائی، جبکہ وہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو پانچواں اور یزید کو چھٹا خلیفہ ماننے والے تھے۔ کیا انہوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف لشکر تیار کرنے کی اطلاع دی تھی یا اُن کی امداد و اعانت کے لیے اور ایسے لشکر تیار کرنے والے مخلص شیعانِ حسین تھے یا نہیں تھے؟

۵: اس کے بعد ایک ہی دن میں چھ سو خطوط اہلِ کوفہ کی طرف سے موصول ہوئے اور یہ سلسلہ برابر قائم رہا، حتیٰ کہ بارہ ہزار خطوط حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں پہنچ گئے "تا آنکہ در یک روز شش صد نامہ از آں غداراں بآنحضرت رسید چوں مبالغۂ ایشاں از حد گزشت و رسولاں بسیار نزد آنحضرت آمدند جمع شدند دوازدہ ہزار نامہ ازاں ناحیت بآنجناب رسید (جلاء العیون ص ۳۵۰)"

اگر بارہ ہزار خطوط میں بھی ایک ایک سے چھ چھ تک لکھنے والے شمار کریں تو اوسطاً چھتیس ہزار کے قریب تو یہ بن جاتے ہیں جنہوں نے خطوط ارسال کیے، اور یہ بھی کہنا ممکن نہیں کہ ہر ہر شیعہ نے خط لکھا تھا کیونکہ یہ عرف و عادت کے بھی خلاف ہے اور اکثریت ایسے لوگوں کی بھی ہو گی جو لکھ ہی نہیں سکتے ہوں گے، تو اس طرح بارہ ہزار خطوط کے پس منظر میں یہ تعداد لاکھوں تک پہنچنی چاہیے جبکہ یہ دعویٰ بھی کیا گیا تھا کہ نہ صرف پورا شہر کوفہ بلکہ پورا عراق صرف اور صرف جناب کی امامت و خلافت کا خواہشمند ہے اور آپ کے لیے چشم براہ۔

۶۔ چنانچہ امام مظلوم نے ان رسل و رسائل اور قاصدوں اور پیاموں پر اعتماد کر کے اس دعوت کو قبول کرنے کا ارادہ فرما لیا اور حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو یہ پیغام دے کر کوفہ روانہ کیا: "اینک میفرستم بسوئے شما برادر و پسر عم و محل اعتماد خود پسر عقیل را پس اگر او بنویسد بسوئے من کہ مجتمع شدہ است رائے خلق و دانایان و اشراف و بزرگانِ شما بر آنچہ در نامہا درج کردہ بودید انشاء اللہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بزدی بسوئے شما آیم۔ (جلاء العیون ص ۳۵۷)

میں ابھی تمہاری طرف اپنے چچیرے بھائی ابن عقیل کو بھیج رہا ہوں۔ اگر وہ میری طرف لکھیں گے کہ واقعی تمہارے عقلاء اور دانا اور اشراف و بزرگ اس رائے پر متفق ہیں جو کچھ تم نے خطوط میں لکھا ہے، تو میں ان شاء اللہ جلد ہی تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔

حضرت امام عالی مقام کی اس جانچ پرکھ اور حقیقتِ حال سے مکمل آگاہی کی سعی و کوشش کے باوجود اور تمام تر حزم و احتیاط کے باوصف ان عقلاء و شرفاء اور عظماء و رؤسا نے ذرہ بھر ضعف و ناتوانی اور بزدلی و بدحواسی کا شائبہ بھی نہ ہونے دیا اور اتنی کثیر تعداد نے امام حسین رضی اللہ عنہ کے لیے ان کے نمائندے حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی کہ وہ مکمل طور پر مطمئن ہوگئے اور انہوں نے امام عالی مقام کو خط لکھ کر اپنے وثوق و اعتماد اور اطمینان سے آگاہ کر دیا۔

(۱) چوں (مسلم بن عقیل) داخل شہر کوفہ شدند در خانۂ مختار بن ابی عبید ثقفی نزول اجلال فرمود و مردم کوفہ از استماع قدوم مسلم اظہار سرور بسیار نمودند و فوج در فوج بخدمتِ اُو می آمدند و نامۂ امام حسین را برایشاں میخواند از استماع آں نامہ گریاں گردیدند و بیعت میکردند تا آنکہ بردستِ مسلم ہژدہ ہزار نفر از اہلِ کوفہ بشرفِ بیعت آنحضرت سرفراز گردیدند پس مسلم عریضہ بخدمتِ آنحضرت نوشت (تا) اگر متوجہ ایں صوب گردید مناسب است (ص ۳۵۸)

خلاصۃ المرام یہ کہ اٹھارہ ہزار آدمی نے شہر کوفہ سے ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے انہیں مطمئن کر دیا اور انہوں نے ان کا اخلاص دیکھا اور نیاز و انکسار مشاہدہ میں آیا اور آپ کے خط پر آنسو بہاتے دیکھا، تو کسی طرح کا تردد اور شک و شبہ باقی نہ رہا اور ظاہر ہے کہ جب حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر صرف شہر سے اٹھارہ ہزار نے بیعت کر لی تھی، تو آپ کے پہنچنے پر پورے علاقے کے کتنے لوگ حلقۂ بیعت میں داخل ہو جاتے۔ جبکہ اگلی روایت میں یہ تعداد پچیس ہزار تک پہنچ جاتی ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اس کی اصل عبارت ملاحظہ فرمائیں:

(ب) ابن شہر آشوب و دیگراں روایت کردہ اند چوں مُسلم بن عقیل وارد کوفہ شد درخانہ سالم بن مسیّب نزول کرد و دوازدہ ہزار کس با وبیعت کردند، چوں ابن زیاد داخل شد درمیان شب بخانہ ہانی انتقال نمود و درپنہاں از مردم بیعت می گرفت تا آنکہ بست و پنج ہزار نفر با وبیعت کردند۔ (ص ۳۶۱)

الحاصل ان روایات میں مذکور کوفیوں کی ہزاروں کی نفری اور اُن کی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے لیے حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا جبکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ خلیفہ وامیر یزید کا گورنر اور عامل بھی کوفہ میں موجود ہو تو کیا یہ اس حقیقت کی قطعی دلیل نہیں ہے کہ یہ لوگ نہ امیر معاویہ کو پانچواں خلیفہ مانتے تھے اور نہ یزید کو چھٹا خلیفہ، بلکہ وہ ان دونوں باپ بیٹے کے ساتھ سخت نفرت اور بیزاری کا اظہار کرنے والے تھے، لہٰذا ان حقائق کے مطالعہ کے باوجود ان کوفیوں کو شیعہ خیر البریہ تسلیم نہ کرنا کسی بھی دیانت دار اور ایماندار شخص کے نزدیک درست نہیں ہو سکتا۔

جو لوگ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو چوتھا خلیفہ تسلیم کرتے تھے وہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کو بھی درست تسلیم کرتے تھے اور جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو انہوں نے امارت و خلافت سونپ دی تھی، ان کی توہین و تحقیر کو بھی قطعاً روا نہیں رکھتے تھے، بلکہ اس کو ایمان کے منافی سمجھتے تھے۔ لہٰذا مہر نیمروز کی طرح روشن ہو گیا کہ یہی شیعہ تھے اور اہل بیت کرام کے موالی اور محب ہونے کے مدعی، مگر نہ حضرت امام مسلم رضی اللہ عنہ کو زیاد کے مقابلہ پر کوفہ میں کام آئے اور نہ ہی امام حسین رضی اللہ عنہ کو میدان کربلا میں کام آئے۔ اب علامہ صاحب ہی بتلائیں کہ بیعت کے بعد اُن کو زمین نگل گئی تھی یا ملائکہ نے آسمان پر اُٹھا لیا تھا؟ رضوان جنت اُن کو لے گیا تھا یا مالک خازنِ نار۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

واقعۂ کربلا کے بعد شیعی تعداد اور کثرت

قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس المومنین جلد دوم میں شیعہ خیر البریہ کے ملوک نامدار اور سلاطین کامگار کا عنوان قائم کر کے سلیمان بن صرد خزاعی اور مختار ثقفی کی زیر قیادت اہلِ کوفہ کا بنو امیہ سے بدلہ لینے کا عزم اور سابقہ کوتاہی کی تلافی کی جدوجہد بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

(۱) سلیمان بن صرد کے ہاتھ پر ایک لاکھ آدمی نے اس مقصد کے لیے بیعت کی تھی، جب ۶۵ھ میں اس نے خروج کا ارادہ کیا اور اعلانِ جہاد کرایا تو صرف دس ہزار آدمی اس کے جھنڈے تلے جمع ہوئے۔

از صد ہزار کس کہ با وبیعت کردہ بودند دہ ہزار کس بیشتر نیافت۔

(مجالس المومنین، جلد دوم، ص ۲۴۳)

(۲) اس لشکر نے شام کی طرف کوچ کیا، تو ابن زیاد نے حصین بن نمیر وغیرہ کو ان کے مقابلے کے لیے بھیجا۔ میدان کارزار میں سلیمان بن صرد، مسیب بن نجبہ فزاری، عبد اللہ بن سعد اور عبد اللہ بن وال یکے بعد دیگرے قتل ہو گئے تو رفاعہ بن شداد نے کوفی لشکر کی کمان سنبھال لی۔ جب شام ہو گئی، تو اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا ہمارے بہت سے آدمی مارے جا چکے ہیں۔ اگر ہم میدانِ کارزار میں ثابت قدمی کا مظاہرہ کریں، تو ہم بھی قتل ہو جائیں گے اور ہمارا مذہب جہان سے بالکل معدوم ہو جائے گا۔ لہٰذا ہمیں اپنے گھروں کو واپس لوٹ جانا چاہیئے۔ چنانچہ عبد اللہ بن عوف کے مشورہ پر رات کی تاریکی میں میدانِ کارزار سے بھاگ کر کوفہ پہنچ گئے اور اس مذہب کے نئے پرچارک اور فدائی پیدا کرنے میں مشغول ہو گئے۔

"رفاعہ قدمے چند باز پس نہادہ بایاراں گفت مردم ما اکثر کشتہ شدہ اند واگر ما دریں معرکہ ثبات نمائیم آنچہ ماندہ اند بقتل رسند وایں مذہب از جہاں برافتد ما راہ کوفہ پیش باید گرفت الخ (مجالس المومنین، ج ۲، ص ۲۴۴)

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

علامہ ڈھکو صاحب خدا لگتی کہیے یہ کس مذہب کے پیروکار تھے اور ان کے میدانِ جنگ میں کام آنے سے کون سے مذہب کے جہان سے نیست و نابود ہونے کا خطرہ تھا۔ امیر معاویہ اور یزید کو پانچویں اور چھٹے خلیفے ماننے والوں کا یا خلافت بلا فصل اور امامت کے اہل بیت میں منحصر اور مختص ماننے والوں کا؟

۳۔ اس لشکر کی شکست کے بعد مختار ثقفی نے اہل کوفہ کی قیادت سنبھالی اور آخر کار ابن زیاد اور اس کے لشکریوں پر غلبہ حاصل کر لیا اور ظاہر ہے کہ یہ سبھی لشکری بھی امیر معاویہ اور یزید کے معتقد نہیں تھے، بلکہ شیعہ موالی تھے، جیسے کہ شوستری نے کہا: (مجالس المومنین جلد دوم ص ۲۴۹ میں ہے)

"کافہ کوفیاں بخدمت مختار مبادرت نمودند و بکتاب خدا و سنت رسولِ خدا واطاعتِ مہدی یعنی محمد بن حنفیہ در طلب خونِ امام حسین با وے بیعت می کردند:

حالانکہ حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ کی امامت کا عقیدہ رکھنے والے بھی شیعہ ہیں اور بعض نے بظاہر ان کو امام تسلیم کیا، لیکن حقیقت میں ان کو حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کا نمائندہ سمجھ کر ان کے لیے اطاعت کی بیعت کی۔"

بہرکیف ان کو شیعہ موالی تسلیم کرنا لازم ہے اور یہ بھی ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ مقامِ تعجب ہے کہ ۶۱ھ میں اگر کوفہ میں شیعہ تھے ہی نہیں تو ۶۵ھ تک صرف چار سال کے عرصہ میں اتنی کثیر تعداد کہاں سے پیدا ہو گئی؟ کیا جو لوگ رفاعہ بن شداد کے کہنے پر واپس ہوئے تھے کہ ہم قتل ہو گئے، تو یہ مذہب ختم ہو جائے گا۔ کیا انہوں نے چند مہینوں میں اس قدر نئی فوج کو جنم دے لیا تھا؟

۴۔ حضرت زید بن زین العابدین رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر چالیس ہزار نے بیعت کی تھی اور میدان کارزار میں پہنچنے سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے برأت و بیزاری ظاہر کرنے کا مطالبہ کر دیا اور ان کے انکار پر ساڑھے انتالیس ہزار نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا اور صرف پانچ صد رہ گئے تھے ان میں بھی شیعہ موجود تھے (مجالس المومنین ص ۲۵۴) تفصیل پہلے حصہ میں ذکر ہو چکی ہے ملاحظہ ہو ص ۳۵۷ تا ۳۶۴)

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

توجب کوفہ میں شیعہ رہ ہی نہیں گئے تھے، تو چند سالوں میں ہزاروں کی یہ تعداد کہاں سے پیدا ہو گئی، جو لڑنے کے قابل بھی ہو گئے تھے اور ظاہر ہے کہ سارے موالی صرف اتنے ہی تو نہیں تھے جو پیچھے رہ گئے ہوں گے، وہ ان سے بھی زیادہ ہوں گے اور یہ بھی ذہن میں رہے کہ جو لوگ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے برأت ظاہر کرنے کا مطالبہ کر رہے تھے، وہ کس طرح حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو چوتھا خلیفہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو پانچواں خلیفہ ماننے والے ہو سکتے تھے؟ اور یہ ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں شیعہ ہر دور میں کہاں سے آجاتے تھے؟

الغرض واضح ہو گیا کہ علامہ ڈھکو صاحب اور اس کے اسلاف نے کوفی شیعوں کی تعداد بیان کرنے میں سراسر غلط بیانی اور دروغ گوئی سے کام لیا ہے اور اس جوابِ ناصواب سے امام حسین رضی اللہ عنہ کے ناحق قتل سے شیعہ کی برأت قطعاً ثابت نہیں ہو سکتی۔

۴۔ علامہ صاحب نے فرمایا کہ شیعہ کا لفظ جن روایات میں آیا ہے، وہ امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے مقابلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دینے والوں پر اطلاق کیا گیا ہے نہ کہ حقیقی شیعوں پر، جو خلافت بلا فصل کے قائل تھے، بلکہ وہ تو ان کو چوتھا خلیفہ ماننے والے تھے الخ۔ سچ ہے دروغ گو را حافظ نباشد، علامہ موصوف نے رسالہ کے ص۳۱ پر تصریح کی ہے کہ سُنّی اور اہل السنت والجماعت بنا ہے: سَنَۃُ الْجَمَاعَۃِ سے جس کا مطلب ہے امیر معاویہ اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہما کی مصالحت اور اہل اسلام کے باہمی اجتماع و اتفاق کا سال، بس وہاں سے سُنّی اور اہل السنت بن گئے، لہٰذا مصالحت کے بعد بیس سال سے شیعہ اور سُنّی الگ الگ ہو چکے تھے۔ نہ مذہب میں اتحاد و اشتراک تھا اور نہ ہی نام میں اشتراک رہ گیا تھا تو پھر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھتے وقت مِنْ شِیْعَتِکَ وغیرہ لکھنے کا کیا مطلب ہو سکتا تھا۔

تیز جو سُنّی تھے، وہ تو اس مصالحت کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ متفق

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

سوگئے اور ان کی حکومت و امارت کے معتقد ہو چکے تھے، تو وہ ان کی ذات پر لعن و طعن کیسے کر سکتے تھے، حالانکہ ہم خطوط میں ان کوفیوں کے نبیث کلمات ذکر کر چکے ہیں، لہٰذا اب اس معنی کے لحاظ سے ان کو شیعہ کہنے کی توجیہ نہیں کی جا سکتی اور نہ اس کا کوئی جواز ہو سکتا ہے۔

کیا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سُنّی المذہب تھے یا شیعہ؟

یہ حقیقت تو روزِ روشن کی طرح عیاں ہو چکی کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ بار بار بلانے پر کوفہ کی طرف روانہ ہوئے تھے نہ کہ اپنے طور پر اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ جو لوگ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو پانچواں وارثِ مسندِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سمجھتے تھے اور یزید کو چھٹا، تو وہ ان کی حکومت و سلطنت کو متزلزل کرنے کے لیے امام حسین رضی اللہ عنہ کو دعوت کیسے دے سکتے تھے؟ نیز حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ صرف اس عقیدہ والوں کی دعوت پر کوفہ جانے کا پروگرام کیسے بنا سکتے تھے؟ جو مذہب و عقیدہ میں بھی مخالف اور سیاسی وابستگیوں اور وفاداریوں کے لحاظ سے بھی مخالف تھے، لہٰذا یقیناً اگر قابلِ اعتماد اور لائقِ اعتبار شیعہ نہیں تھے، تو اس اقدام کا قطعاً تصور آپ کی طرف سے نہیں کیا جا سکتا تھا اور اگر وہاں پر شیعہ حقیقی نہ ہونے کے باوجود صرف اہل السنت اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ رابع ماننے والوں کی دعوت پر آپ تشریف لے گئے تھے اور حضرت امام مسلم رضی اللہ عنہ نے بھی انہیں پر اعتماد کر کے آپ کو خط لکھ دیا تھا، تو پھر یہ حقیقت بھی تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں رہے گا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ بھی سُنّی مذہب پر کاربند تھے، ورنہ سُنیوں کی دعوت پر امامت و امارت سنبھالنے کے لیے آپ کے تشریف لے جانے کا تصور کس طرح کیا جا سکتا تھا، تو اس طرح شیعہ مذہب کا صفایا ہو جائے گا اور ائمہ کی طرف اس مذہب کی نسبت محض افترا اور بہتان سے زیادہ کیا حیثیت رکھے گی؟ کوفیوں کی بے وفائی اور عہد شکنی اپنی جگہ لائقِ ہزار نفرین ہے، لیکن مذہبِ امام میں شک و شبہ کی گنجائش

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نہیں رہے گی اور شیعہ حضرات کے لیے یہ جواب بڑا ہی مہنگا ثابت ہو گیا کہ وہاں پر شیعہ تھے کہاں؟ چہ جائیکہ ہزاروں کی تعداد میں ہوتے، کیونکہ اس طرح انہیں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو سُنی المذہب ماننے بغیر چارہ نہیں رہے گا اور یہ بھی انہیں تسلیم ہے کہ تمام ائمہ کا مذہب و مسلک ایک ہے تو پھر تمام کو سُنی ماننا لازم ٹھہرے گا

ب: علامہ صاحب نے فرمایا اگر ایک بھی ایسا فرد ثابت کر دیا جائے جو خلافتِ بلا فصل کا قائل تھا اور یزیدیوں کی طرف سے لڑ رہا تھا تو منہ مانگا انعام دیا جائے گا۔ ہمیں ڈھکو صاحب کا انعام نہیں ایمان درکار ہے، اس لیے ان کا مطالبہ پورا کرنا ہمارا کام ہے، ایمان لانا اُن کا کام اور توفیق دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ ہاں تو اس ضمن میں درج ذیل امور پر غور فرمائیں:

ا۔ عبید اللہ بن زیاد کی طرف سے جتنا لشکر میدانِ کربلا میں بھیجا گیا تھا، وہ نہ شام سے آیا تھا اور نہ ہی بصرہ سے ابن زیاد اپنے ساتھ لایا تھا، بلکہ وہ صرف اور صرف کوفہ شہر کا ہی لشکر تھا، تو اگر حقیقی شیعے ان میں نہیں تھے، تو وہ کدھر تھے؟ اور وہ کیا کر رہے تھے؟ کیا وہ صرف نئے شیعوں کو جنم دینے میں مصروف تھے؟ وہ ہزاروں افراد جنہوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے لیے حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، کیا ان میں بھی کوئی حقیقی شیعہ تھا یا نہیں؟ حضرتِ مسلم رضی اللہ عنہ کے ساتھ انہوں نے کتنی وفاداری کی اور ایفائے عہد کیا؟ اور کیا وہ اس حقیقت سے بے خبر تھے کہ حضرت امام کو کوفہ تشریف لانے کے لئے حضرت مسلم رضی اللہ عنہ نے لکھ دیا ہے اور ان بدلے ہوئے حالات میں تشریف لائیں، تو انہیں شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا، لہٰذا کتنے مخلص شیعہ نے حضرت امام کو روکنے کی کوشش کی یا ان کے تعاون کے لیے کوفہ سے باہر نکلے تھے؟ اور ہزاروں کی تعداد میں خطوط بھیج کر اور بیسیوں قاصد روانہ کر کے بلائے ہوئے اس مہمانِ عزیز کی کیا امداد و اعانت کی؟ علامہ صاحب ذرا آپ بھی تو دکھلائیں کہ پچیس ہزار اشخاص جنہوں نے امام حسین رضی اللہ عنہ کی امامت و خلافت تسلیم کر لی تھی اور یزید کی امارت و حکومت کو ٹھکرا دیا تھا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ان میں کتنے حضرتِ امامِ مظلوم کی طرف سے لڑے تھے؟ اور کیا جن لوگوں نے امیر معاویہ کو قومِ ثمود کے ساتھ ملا دیا تھا، وہ مخلص اور حقیقی شیعہ تھے یا نہیں؟ اور اس مشکل وقت میں انہیں زمین نگل گئی تھی یا آسمان نے انہیں اُچک لیا تھا؟

۲۔ حضرتِ امام حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ کے راستے میں فرزدق شاعر ملا جب آپ نے اہل کوفہ کا حال دریافت کیا، تو اس نے جواب دیا۔

دلہائے ایشاں با تست وشمشیرہائے ایشاں بابنو امیہ آنچہ خدا خواہد آں کند و از قضائے حق چارہ نیست، فرمود کہ راست گفتی (جلاء العیون ص ۳۷۱)

اُن کے دل تو تمہارے ساتھ ہیں، مگر تلواریں اُن کی بنو امیہ کے ساتھ ہیں جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے، وہی کرتا ہے، اُس کی قضا کے سامنے کوئی چارہ نہیں (سوائے تسلیم و رضا کے) تو آپ نے فرمایا تو نے سچ کہا ہے۔

کیا یزید کو چھٹا خلیفہ ماننے والوں کے دل آپ کے ساتھ ہو سکتے تھے، وہ تو آپ کو باغی سمجھتے، لہٰذا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یزید کو چھٹا خلیفۂ برحق تسلیم کرنے کا اہل السنت پر افترا اور بہتان ہے اور یا فرزدق کے اس بیان اور حضرتِ امام کی تصدیق کے بعد یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اہل کوفہ شیعہ تھے اور دل و جان سے محبِ اہلِ بیت تھے، مگر از رُوئے تقیہ اُوپر سے یزیدیوں کے ساتھ تھے اور ان مظلوموں کے خونِ ناحق سے ہاتھ رنگ رہے تھے اور دل ادھر راغب تھے اور ابطان ایمان و اظہار خلاف ایمان کا پیکرِ مجسم تھے۔

۳۔ حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر سن کر حضرت امام نے فرمایا کہ ہمیں اطلاع ملی ہے کہ مسلم بن عقیل، ہانی اور عبداللہ شہید کر دیئے گئے ہیں، (شیعیان ما دست از یاری ما برداشتہ اند (جلاء العیون ص ۳۷۵) اور ہمارے شیعوں نے ہماری امداد و اعانت سے ہاتھ اُٹھا لئے ہیں۔ کیوں علامہ صاحب یہاں شیعیان ما کا لفظ عام نہیں ہے اور عقلائی قاعدہ یاد ہو گا کہ اعتبار عموم الفاظ کا ہوا کرتا ہے نہ کہ خصوصیتِ مقام کا۔ تو اب اس عام میں شیعہ امامیہ اثنا عشریہ کو کیوں داخل نہیں

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کرتے ہیں جن کو امامِ مظلوم بے وفا قرار دے رہے ہیں۔ یہ یزید کو ماننے والے تھے یا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو؟ کبھی دیانت داری کا مظاہرہ بھی تو کر دیا کرو۔ کیا تمہیں معلوم نہیں ابلیس لعین بھی کبھی سچ کہہ دیتا ہے اور آپ تو ماشاء اللہ مومن موالی ہونے کے مدعی ہیں۔

۴۔ امامِ مظلوم نے میدانِ کربلا میں لشکرِ اعداء کے سامنے جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا اس کے چند جملے ملاحظہ فرما کر یہ فیصلہ دیں کہ وہ یزید کو امام ماننے والے تھے یا کہ خلافتِ بلا فصل کا عقیدہ رکھنے والے تھے۔

اے بیوفایانِ جفا کار غدار، ما را در ہنگامِ اضطرار بمدد و یاری خود طلبیدید چوں اجابت شما کردیم و بہدایت و نصرت شما آمدیم شمشیر کینہ بر روئے ما کشیدید دشمنانِ خود را بر ما یاری کردید (جلاء العیون، مؤلفہ ملا باقر مجلسی صفحہ ۳۹۱)

یعنی اے بے وفا، جفا کار اور غدار اہل کوفہ! تم نے اپنی مجبوری کے وقت مدد و اعانت کے لیے ہمیں بلایا، جب ہم نے تمہاری دعوت قبول کر لی اور تمہاری ہدایت اور امداد و اعانت کے لئے پہنچ گئے، تو تم نے بغض و کینہ کی تلوار ہمارے سامنے سونت لی اور ہمارے خلاف اپنے ہی اعداء کی امداد و اعانت شروع کر دی۔

حضرت امام نے خطوط پڑھے تھے اور لکھنے والوں کو خوب پہچانتے تھے اور وہ فرماتے ہیں کہ یہ لشکری غدار، عہد شکن اور بیوفا ہیں اور دھوکہ باز بلا کر امداد سے ہاتھ کھینچ لیا اور اپنے ہی دشمنوں کے امدادی بن گئے۔ کیا اہلِ کوفہ میں سے کوئی بھی خلافتِ بلا فصل کا قائل نہیں تھا اور نہ ہی اس کے قائل شریک عہد و پیمان تھے؟ ہماری سابقہ گزارشات کو پھر غور سے پڑھو، تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ کوفہ میں اس عقیدہ والے موجود تھے اور وہ شریکِ عہد بھی تھے اور اب امامِ مظلوم انہیں جانے پہچانے لوگوں کو جفا کار بیوفا اور غدار قرار دے رہے ہیں اور امام بہر حال سچے ہیں، تو پھر ڈھکو صاحب کے مکر نے اور چھپنے سے کیا حاصل ہو سکتا ہے۔ علامہ صاحب! ادھر یزیدیوں سے تقیہ اور ادھر ہم سے بھی تقیہ؟ کبھی تو دل کی بات زبان پر لایا بھی کرو۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بلانے والوں میں خلافتِ بلا فصل کے قائل۔ عہد توڑنے والوں میں بھی خلافتِ بلا فصل کے قائل اور وہی اب تیغِ جفا سونت کر امامِ مظلوم کے مقابل بھی کھڑے ہیں؛ تو یہ سوال ہم سے کیوں کرتے ہو کہ کوئی ایک ہم میں سے وہاں پر موجود ثابت کرو۔ یہ سوال حضرتِ امام سے پوچھو کہ عہد کرنے والے خلافتِ بلا فصل کے قائل تو کوفہ میں بیٹھے۔ تمہاری امت بڑھانے اور مخلص شیعہ پیدا کرنے میں مصروف تھے، تم لشکرِ یزید کو عہد شکنی عہد شکنی اور غداری و بے وفائی کے طعنے کیوں دے رہے ہو۔ انہوں نے عہد کیا کب تھا؟

حضرتِ امام زین العابدین کا خطبہ، حضرت زینب کا خطبہ، حضرت ام کلثوم کا خطبہ۔ احتجاج طبرسی اور جلاء العیون میں مطالعہ کرو جو خطبات ان مظلومانِ دشتِ کرب و بلا نے کوفہ کے گلی کوچوں میں برسرِ عام فرمائے تھے، ان سب میں یہی عہد شکنی، بدعہدی، وعدہ خلافی، بے وفائی اور غداری کے الزامات ہیں اور حضرتِ شیخ الاسلام قدس سرہٗ کے نقل کردہ خطبات میں بھی اور ان کے علاوہ دوسرے خطبات میں بھی شیعہ اور محبین ہی مخاطب ہیں۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ شیعہ بے چارے نہ عہد میں شامل، نہ عہد شکنی میں اور نہ غداری میں حصہ دار، تو خواہ مخواہ ان کو الزام کیوں دیئے گئے؟

اور پہلے ہی عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت امام علیہ السلام نے خط لکھنے والوں کو نامزد کر کے فرمایا، اے لوگو! تم نے یہ خطوط نہیں لکھے تھے؟ تو کیا ان کو اپنا مخلص شیعہ سمجھ کر اُن کی دعوت قبول کی تھی یا یزید کا معتقد سمجھ کر۔ الغرض ڈھکو صاحب اگر سچے ہیں؛ تو جملہ اہل بیت کرام بمع امام حسین رضی اللہ عنہ کے اپنے اس اقدام کا اور پھر الزام اور طعن و تشنیع کا کوئی جواز پیش نہیں کر سکتے اور اگر ان کا کوفہ تشریف لے جانے کا اقدام صحیح تھا اور اہلِ کوفہ پر لعن و طعن صحیح تھا، تو پھر ڈھکو صاحب کا دعوی سراسر غلط ہے اور یہ مطالبہ بالکل بے جا اور ناروا۔ اور یہ حقیقت بالکل بے غبار ہو چکی کہ جن شیعانِ علی و شیعانِ حسین نے آپ کو بلایا تھا، انہوں نے ہی یزیدی لشکر میں شامل ہو کر یہ ظلم کیا اور انہوں نے ہی امام مسلم کو بے یار و مددگار چھوڑا اور انہوں نے ہی امامِ مظلوم رضی اللہ عنہ کے خونِ ناحق سے اپنے ہاتھ رنگے اور پردہ دارانِ عصمت مآب اور نونہالانِ گلستانِ مصطفوی کو خراں رسیدہ کیا اور دشتِ کرب و بلا میں خون کے آنسو رلایا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

امیرِ معاویہ رضی اللہ عنہ کو مسندِ رسول کس نے دی؟

۵۔ علامہ ڈھکو صاحب نے کہا قاتلانِ حسین وہ تھے جنہوں نے یزید کو چھٹا خلیفہ بنایا اور اس کے باپ کو مسندِ رسول کا پانچواں خلیفہ تسلیم کیا، بلکہ حسین رضی اللہ عنہ تو سقیفہ کے دن ہی قتل ہو گئے تھے۔ آئیے واقعات اور حقائق کے آئینہ میں دیکھیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مسندِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کس نے دی؟ حقیقت یہ ہے کہ انہیں یہ مسندِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند، حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے جگر گوشہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نورِ نظر حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے سونپی تھی اور شیعانِ کوفہ کے حالات اور عادات و کردار دیکھ کر یعنی فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے اور اسلام کو بیخ و بن سے اکھیڑنے کی سازشوں کو دیکھا اور سبائی شیطنت کو خونِ مسلم کی ارزانی پر تالیاں بجاتے اور گھی کے چراغ جلاتے دیکھا تو صلح کر لی اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غیبی فرمان کو سچ ثابت کر دکھایا، ان ابنی ھٰذا سید لعل اللہ ان یصلح بہٖ بین فئتین من المسلمین عظیمتین۔ میرا یہ بیٹا سردار اور عالی ہمت ہے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی بدولت اہلِ اسلام کے دو گروہوں میں صلح کرا دے گا۔ نیز اپنے تجربات اور مشاہدات کے تحت بھی یہ قدم اٹھایا۔ اسی لیے فرمایا: اری واللہ ان معاویۃ خیر لی من ھٰؤلاء یزعمون انھم لی شیعۃ ابتغوا قتلی وانتھبوا ثقلی واخذوا مالی۔ (کتاب الاحتجاج، مطبع حیدید صفحہ ۲۹۰)

بخدا میں دیکھتا ہوں کہ معاویہ میرے لئے ان لوگوں سے بہتر ہے جو دعویٰ کرتے ہیں میرے شیعہ ہونے کا۔ انہوں نے میرے قتل کرنے کا ارادہ کر رکھا ہے اور میرا سارا قیمتی سامان لوٹ لیا ہے۔ —— اسی احتجاج طبرسی صفحہ ۲۹۱ پر مرقوم ہے کہ آپ نے فرمایا

انھم لا وفاء لھم ولا ذمۃ فی قول ولا فعل، یقولون ان قلوبھم معنا وان سیوفھم لمشھورۃ علینا۔ ان اہلِ کوفہ میں نہ وفا ہے اور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نہ عہد کا پاس، نہ قول میں نہ عمل میں۔ وہ زبانی دعوے کرتے ہیں کہ ان کے دل ہمارے ساتھ ہیں، حالانکہ ان کی تلواریں ہمارے خلاف اور ہم پر سونتی ہوئی ہیں۔ علامہ صاحب ہی بتلائیں کہ اس وقت بھی کوفہ میں کوئی خالص شیعہ تھا یا نہیں؟ اور عقیدۂ خلافت کا پابند کوئی فرد تھا یا نہیں؟ کیونکہ یہ تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بیس سالہ دورِ حکومت اور شیعہ کے تہ تیغ ہو جانے کے بعد کا دور نہیں تھا، یہ تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد متصل دور کا معاملہ ہے۔

الغرض امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت سونپی، تو رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرزند ارجمند نے، اور سونپنے پر مجبور کرنے والے تو تھے جو محب و موالی تھے، تو کیسے قاتلانِ حسین کون ہوتے؟

ب: رہا یزید کو چھٹا خلیفہ ماننے والا معاملہ۔ تو عملاً سب اہلِ کوفہ نے اس کو خلیفہ مانا ہوا تھا اور دل سے بھی نہیں مانتے تھے، تو بھی تلواریں اُن کی، اسی کی امارت وخلافت کو مستحکم کرنے کے لئے اہل بیت کرام کا خون پی رہی تھیں۔ رہے اہلِ مدینہ اور اہلِ مکہ تو جب تک اس کی اصلی کیفیت وحالت سامنے نہیں آئی تھی، خاموش تھے اور جب حقیقت منکشف ہو گئی، تو پھر جان ومال، عزت وآبرو قربان کر دی، مگر اس کی اطاعت قبول نہ کی اور اس سکوت میں جملہ بنو ہاشم، بنو عبد المطلب اور بنو عبد مناف سب ہی برابر کے شریک تھے، حتیٰ کہ حضرت محمد بن حنفیہ اور حضرت عبد اللہ بن عباس بھی حضرت امام علیہ السلام کو اہلِ کوفہ کی بیوفائی اور غداری کے تحت منع کرتے رہے۔ الغرض اہلِ مدینہ کی بغاوت اور اہلِ مکہ کے عمل وکردار کے معلوم ہونے کے باوجود حضرات اہلِ سنت کو الزام دینا انصاف سے بہت بعید ہے، بلکہ سراسر ظلم ہے اور ابھی شیعہ کتب کی رو سے یزید اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا باہمی معاملہ بھی عرض کیا جائے گا، جس سے مہرِ نیمروز کی طرح واضح ہو جائے گا کہ نگاہِ حسین علیہ السلام میں یزید اسی طرح اہلِ کوفہ سے بہتر تھا، جس طرح نگاہِ حسن علیہ السلام میں امیر معاویہ ان سے بہتر تھے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ج ۔ نیز علامہ صاحب کا یہ کہنا کہ حسین (رضی اللہ عنہ) تو سقیفہ کے دن قتل ہو گئے تھے، کسی اچھی قابلیت کا مظاہرہ نہیں ہے، بلکہ صحیح دعویٰ تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ جس دن رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے رسالت کا دعویٰ کیا تھا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور دیگر اکابرینِ اہلِ بیت بس اسی روز شہید ہو گئے تھے، نعوذ باللہ من ذالک۔

۲ ۔ اگر سبب بعید دیکھیں، تو دعوائے رسالت ہے، اور اگر سبب قریب دیکھیں، تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی دستبرداری ہے اور خلافت کو امیر معاویہ کے سپرد کرنا تو یہ کہاں کا انصاف ہو گا کہ اول و آخر کو چھوڑ کر درمیان والوں پر یہ ذمہ داری ڈال دی جائے۔

۳ ۔ سقیفہ والوں نے تو محدود سلطنت لی، جس میں وصالِ مصطفوی سے سے تزلزل آچکا تھا اور ڈانواں ڈول ہو چکی تھی، پھر اس کو مضبوط و مستحکم کیا اور وسیع و عریض ملک بنایا، پھر اہل بیت کے حوالے کر دیا، وہ قاتل کیسے ہو گئے؟ یہ تو امام حسن رضی اللہ عنہ کی ذمہ داری تھی کہ اسے اپنے بھائی کے حوالے کرتے، اور امیر معاویہ کو اس مسندِ رسول اور مسندِ مرتضیٰ کے قریب نہ پھٹکنے دیتے اور نہ ہی پھر یزید اس پر قابض ہو سکتا۔

۴ ۔ علاوہ ازیں اس کی ضمانت کیا ہے کہ اگر خلافتِ بلافصل حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو مل جاتی، تو پھر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ شہید نہ ہوتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسا رعب و دبدبہ اور جاہ و جلال والا خلیفہ، دورانِ خلافت شہید کر دیا گیا۔ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کو کس طرح بے دردی کے ساتھ دورانِ خلافت شہید کر دیا گیا۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھی دورانِ خلافت ہی شہید کر دیا گیا، اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے اس کو ترک کرنے میں عافیت سمجھی، لہٰذا خلافت کو جان بچانے کا حصن حصین سمجھ لینا کسی عقلمندی اور دانائی کا مظاہرہ نہیں ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

۵۔ علامہ صاحب فرماتے ہیں یہ بحث ہی فضول ہے۔ امام مظلوم کو شہید کرنے کے بعد وہ کافر ہو گئے تھے اور قبل ازیں اسی کے دین پر تھے جس کی حکومت کو محفوظ کر رہے تھے، حالانکہ یہ بحث فضول نہیں، بلکہ بڑی اہم بحث ہے اور دُور رس نتائج و عواقب کی حامل ہے، کیونکہ امام حسین رضی اللہ عنہ کو دعوت دینے والے اہلِ کوفہ ہی تھے اور لکھتے بھی یہی تھے کہ ہم آپ کے شیعہ اور آپ کے والدِ گرامی کے شیعہ ہیں اور بلائے ہوئے مہمان کی تواضع کبھی تیروں، نیزوں اور تلواروں کے ساتھ کرتے ہیں اور امام عالی مقام فرزدق کے قول کی بھی تصدیق فرماتے ہیں کہ دل ان کے ہمارے ساتھ ہیں، اگرچہ تلواریں ان کی ہمارے خلاف ہیں اور یہ لشکری دوسرے علاقہ سے بھی نہیں بلائے گئے تھے اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ انہیں بالعموم بھی اور بالخصوص بھی عہد و پیمان یاد دلا رہے تھے، تو یہ کیسے باور کر لیا جائے کہ وہ پہلے یزید کے مذہب پر تھے۔ اگر وہاں شیعے نہیں تھے تو امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزیدیوں کی دعوت کیسے قبول کر لی؟ کیا وہ اسی کوفہ میں والدِ گرامی کے ساتھ نہیں رہتے تھے، وہاں کے لوگوں سے واقف نہیں تھے؟ اور جب سلیمان بن صرد اور مختار ثقفی نے کربلا کے ظلم و استبداد کا بدلہ لینے کی ٹھانی، تو پھر ہزاروں شیعے کہاں سے نکل آئے؟ لہٰذا یہ تو تسلیم کرنا لازم ہے کہ وہاں شیعے تھے اور انہوں نے یزید کی نہیں، امام حسین رضی اللہ عنہ کے لیے حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت بھی کر لی تھی، لیکن جب اس خلافت و امامت کی حفاظت کا وقت آیا اور حسبِ وعدہ یزید کے عامل کو کان پکڑ کر کوفے سے نکال لینے کا تو پھر اُن کا اتا پتہ ہی نہیں چلا، تو آخر اس شدید ضرورت کے وقت وہ خاموش کیوں ہو گئے بلکہ دشمن کے ساتھ کیوں مل گئے؟ ان کا آپ کو بلانے کا مقصد کیا تھا؟ اور پھر غداری اور بدعہدی کا باعث کیا تھا؟ جب اِن امور پر صحیح معنوں میں غور و فکر کیا جائے گا۔ تبھی یہ حقیقت سامنے آئے گی کہ یہاں پر دراصل سبائی ذہن اور یہودی و مجوسی سازشیں کارفرما تھیں کہ عالمِ اسلام میں امن و سکون نہیں ہونا چاہیے اور انہیں باہم دست و گریباں کیا جائے اور الجھائے رکھو تاکہ فتوحات کا سیلاب رُکا رہے اور عالم کفر و شرک

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اور یہودیت و نصرانیت سُکھ کا سانس لے سکے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کروا کر جنگ جمل و صفین کے لئے فضا ساز گار کر دی اور ہزاروں صحابہ کرام شہید ہو گئے اور اب اہل بیت کرام سے بدلہ لینے کے لئے محب و موالی بن کر اور شیعہ خیر البریہ بن کر بلایا اور پھر بے یار و مددگار چھوڑ کر ان پر قیامتِ صغریٰ قائم کرا دی تا کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب اور اہل بیت میں سے کوئی بھی انتقامی کارروائی سے نہ بچ سکے اور قیصر و کسریٰ اور خیبر و فلسطین کے فتح کرنے والوں سے اس طرح بدلہ لے لیا جائے۔ اللھم انا نجعلک فی نحورھم و نعوذ بک من شرورھم۔ اس گہری سازش کو سمجھنے کے لئے عبداللہ بن سبا کی سازش اور خفیہ تدابیر پر غور کرو، تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو سکتی ہے۔

یزید اور امام حسین رضی اللہ عنہ کا باہمی معاملہ از روئے کتب شیعہ

علامہ ڈھکو صاحب بار بار چھٹے خلیفہ کا راگ الاپ رہے ہیں تو ہم ان کی مذہبی معتبر کتب کے آئینہ میں انہیں یزید کا اصل چہرہ بھی دکھلا دیتے ہیں اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا اس کے متعلق حسنِ ظن اور مظلومان کوفہ و کربلا کے ساتھ اس کا سلوک، تا کہ علامہ موصوف کا بخار اُتر جائے یا اعتدال پر آ جائے۔ شیخ مفید نے کتاب الارشاد میں ذکر کیا ہے کہ عمر بن سعد کے ساتھ آپ کا یہ معاہدہ ہوا تھا:

۱۔ اما بعد فان اللہ قد اطفأ النائرۃ و جمع الکلمۃ و اصلح امر الامۃ ھذا حسین قد اعطانی عھدا ان یرجع الی المکان الذی ھو منہ اتی او یسیر الی ثغر من الثغور فیکون رجلا من المسلمین لہ ما لھم و علیہ ما علیھم او یاتی امیر المومنین فیضع یدہ فی یدہ فیری فیما بینہ و بینہ و فی ھذا لک رضیٰ و للامۃ صلاح۔ (ارشاد مفید مع ترجمہ فارسی صفحہ ۲۲۹ ج ۲)

بے شک اللہ تعالیٰ نے جنگ کی آگ بجھا دی ہے اور اہلِ اسلام میں اجتماع و اتفاق

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

قائم کر دیا ہے۔ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے میرے ساتھ عہد کیا ہے کہ وہ یا تو اس مکان کی طرف چلے جاتے ہیں جہاں سے تشریف لائے ہیں یا ملک اسلام کی سرحدات کی طرف چلے جاتے ہیں، اور غازیانِ اسلام میں سے ایک غازی کی طرح ہوں گے جو منفعت کسی غازی کو حاصل ہوگی ان کو بھی حاصل ہوگی اور جو فریضہ اور ذمہ داری اُن پر عائد ہوگی وہی اُن پر عائد ہوگی یا امیر المومنین یزید کے پاس جا کر اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیں گے اور وہ اپنی رائے کے مطابق اس باہمی معاملہ میں فیصلہ کرے گا اس میں تمہاری رضامندی کی صورت ہے اور اُمت کی بھلائی اور بہتری بھی ہے۔

لیکن ابن زیاد کی ہٹ دھرمی سے یہ معاہدہ اپنے مطلوبہ نتائج مہیا نہ کر سکا۔

۲۔ شیخ مفید جیسے شیعہ کے عظیم عالم اور محدث و متکلم کے بعد اب شیخ الطائفہ اور عظیم محدث و متکلم ابو جعفر طوسی کی بھی سنیں۔

قد روی انه علیه السلام قال لعمر بن سعد اختر ود منی اما الرجوع الی المکان الذی اقبلت منه او ان اضع یدی علی ید یزید فهو ابن عمی لیری فی رأیه واما ان تسیروا بی الی ثغر من ثغور المسلمین فاکون رجلا من اهله ولی ماله وعلی ما علیه وان عمر کتب الی ابن زیاد بما سأل فابی علیه (تلخیص الشافی ص۱۷۲) ترجمہ وہی ہے جو پہلے ذکر ہو چکا، البتہ یہ جملہ اس میں زائد بھی ہے اور خصوصی توجہ کا طالب بھی کہ یزید میرا چچا زاد بھائی ہے میں اس کے ہاتھ میں ہاتھ دیتا ہوں اور وہ میرے متعلق جو فیصلہ کرے اسے حق ہوگا۔ طوسی صاحب نے اس کی توجیہ کرتے ہوئے کہا: لعلمه علیه السلام بانه علی ما یداف به من ابن زیاد واصحابه۔ کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ وہ جس حال میں ہے اس کے باوجود وہ ابن زیاد اور اس کے ساتھیوں کی نسبت زیادہ رافت و رحمت سے پیش آئے گا اور بعینہ یہی عبارت اور مضمون شیعہ کے عظیم تر محدث سید مرتضیٰ علم الہدیٰ نے تنزیہ الانبیاء میں ص۱۷۷ پر ذکر کیا ہے اور اس میں بھی او ان اضع

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

یدی فی ید یزید فھو ابن عمی لیریٰ فی رأیہ موجود ہے اور یہ تسریح بھی موجود ہے: ولما رأی ان لاسبیل لہٗ الی العود ولا الیٰ دخول کوفۃ فسلک طریق الشام سائرًا نحو یزید بن معاویۃ اللعین لعلمہٖ علیہ السلام بانہ علیٰ ما بہ ارءف من ابن زیاد لعنہ اللہ و اصحابہٖ الخ صکا)

یعنی جب آپ نے دیکھ لیا کہ نہ واپسی کی کوئی صورت ہے اور نہ کوفہ میں داخل ہونے کی تو آپ شام کے راستہ پر یزید بن معاویہ کی طرف چل پڑے، کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ وہ جیسا بھی ہے ابن زیاد اور اس کے ساتھیوں کی نسبت میرے ساتھ بہت نرمی اور ہمدردی سے پیش آئے گا، لیکن کوئی لشکر مانع آگیا اور جو ہونا تھا وہ ہوکر رہا۔

اقول: اور اس رکاوٹ میں بڑا حصہ ان لوگوں کا معلوم ہوتا ہے جن کے ناموں کا آپ نے برسرِ میدان اعلان فرما دیا تھا۔ آپ نے فرمایا: اے شیث بن ربعی، اے حجار بن ابجر، اے قیس بن الاشعث، اے یزید بن الحارث! کیا تم نے خط نہیں لکھا تھا کہ آپ آ وگے، تو اپنے معاون و مددگار اور سرفروش اور جاں نثار لشکر کو موجود پاؤ گے۔ الم تکتبوا الیّ (الیٰ) وانما تقدم علیٰ جند لک مجندۃ (ارشاد مفید ص۱۰۱)

سید مرتضیٰ نے کوفہ کی طرف امام حسین رضی اللہ عنہ کی روانگی اور ان کی دعوت کی قبولیت کا جواز پیش کرتے ہوئے اور اپنی جان کو اور اپنے عزیزوں کی جان کو ہلاکت میں ڈالنے کے توہم کا ازالہ کرتے ہوئے کہا:

سیدنا ابو عبد اللہ علیہ السلام لم یسر طالبا لکوفۃ الا بعد توثق من القوم وعہود وعقود بعد ان کاتبوہ علیہ السلام طائعین غیر مکرھین ومبتدئین غیر مجیبین وقد کانت المکاتبۃ من وجوہ اھل الکوفۃ واشرافہا وقرائہا تقدمت الیہ فی ایام معاویۃ وبعد الصلح الواقع بینہ وبین الحسن علیہ السلام فدفعھم وقال فی الجواب ما وجب ثم کاتبوہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بعد وفات الحسن علیہ السلام ومعاویۃ باقٍ فوعدہم ومناہم وکانت ایاما صعبۃ لایستطیع فی مثلہا فلما مضیٰ معاویۃ اعادوا المکاتبۃ وبذلوا الطاعۃ وکرروا الطلب والرغبۃ ورأی من قوتہم علیٰ من کان یلیہم فی الحال من قبل یزید اللعین وتشحنہم علیہ وضعفہ عنہم ما قوی فی ظنہ ان المسیر ہو الواجب تعین علیہ ما فعلہ من الاجتہاد والتسبب ولم یکن فی حسبانہ ان القوم یغدر ویضعف اہل الحق عن نصرتہ الیٰ ولو کان فعل مسلم بن عقیل بابن زیاد ما تمکن منہ ووافقہ شریک علیہ لبطل الامر ودخل الحسین علیہ السلام الکوفۃ غیر مدافع عنہا وحسر کل احد قناعہ فی نصرتہ واجتمع لہ من کان فی قلبہ نصرتہ وظاہرہ مع اعدائہ۔

(تنزیہ الانبیاء ص ۱۷۵، ۱۷۶)

خلاصہ مفہوم یہ کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے جب تک عہد و پیمان کے ذریعے وثوق حاصل نہ کر لیا اور جب تک انہوں نے اپنے طور پر اپنی خوشی و رضا سے خط و کتابت کا آغاز نہ کیا۔ آپ نے کوفہ کی طرف روانگی اختیار نہ فرمائی اور کوفہ کے رؤسا اور اشراف اور علماء و قراء کی طرف سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ امارت میں بھی خط و کتابت کی گئی تھی، جبکہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی صلح ہو گئی تھی، لیکن آپ نے ان کو ٹال دیا تھا، پھر جب امام حسن رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا، تب بھی انہوں نے دوبارہ خط و کتابت کا سلسلہ شروع کیا، تو آپ نے ان سے وعدہ کیا اور انہیں امید دلائی، لیکن وہ دن ایسی کارروائی کے لیے ساز گار نہ تھے۔ جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا، تو تیسری مرتبہ پھر اہل کوفہ نے خط و کتابت کی اور اپنی رغبت و خواہش کا اظہار کیا اور طاعت و فرمانبرداری کا عہد کیا اور آپ نے بھی ان میں یزید کے اس وقت کے عامل کی مخالفت اور بر طرفی پر قدرت اور اس کے جوابی کارروائی سے عجز اور بے بسی کا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اندازہ لگا لیا تو سمجھ لیا کہ اب کوفہ کی طرف جانا لازم ہے، چنانچہ آپ نے اس معاملہ میں ضروری سعی اور کوشش فرمائی اور آپ کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ کوفی قوم میں سے بعض بدعہدی کریں گے اور اہل حق ان کی امداد و نصرت سے عاجز و قاصر رہیں گے اور ایسے واقعات ہائلہ پیش آ جائیں گے ۔ کیونکہ جب مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کوفہ میں داخل ہوئے تھے: اخذ البیعۃ علی اکثر اھلھا۔ تو انہوں نے اہل کوفہ کی اکثریت سے بیعت لے لی تھی (اور ایک وقت ایسا بھی میسر آیا تھا کہ ابن زیاد کو حضرت مسلم ٹھکانے بھی لگا سکتے تھے، جبکہ وہ شریک بن الاعور کی عیادت کے لئے ہانی بن عروہ کے گھر آیا تھا، جس میں شریک موجود تھا اور وہ مسلم بن عقیل کے ساتھ اس کے قتل میں متفق بھی تھا، لیکن آپ نے ایسا نہ کیا اور موقعہ ہاتھ سے نکل گیا' ورنہ ابن زیاد کے ختم ہو جانے پر یزیدی تسلط کوفہ پر سے ختم ہو جاتا اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ بغیر کسی مدافعت کے کوفہ میں داخل ہو جاتے اور ہر ایک آپ کی امداد و نصرت کے لئے اپنے اوپر سے (تقیہ) کے پردے ہٹا دیتا اور وہ سبھی لوگ آپ کے گرد جمع ہو جاتے، جن کے دل میں آپ کی امداد و اعانت کا جذبہ موجود تھا اور بظاہر اعداء کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔

الغرض اہل تشیع کے اس عظیم عالم کے اس قول سے یہ واضح ہو گیا کہ اہل کوفہ میں اہل حق موجود تھے، جو امام مظلوم کی امداد و اعانت سے عاجز رہے اور اگر ابن زیاد قتل ہو جاتا، تو پھر وہ تقیہ کے پردے سے باہر آتے اور قلبی جذبات نصرت کا عملی مظاہرہ کرتے اور ارشاد مفید کی عبارت سے ان اہل حق کا لشکر اعداء میں موجود ہونا ثابت ہو چکا اور جب امام مظلوم نے ان کے راز درون پردہ کو برسر محفل فاش کر دیا اور ان کی اصلیت ظاہر کر دی، تو وہ امام کو کیسے معاف کر سکتے، لہذا پہلے امام سے محبت کا مظاہرہ کر لیا اور اب انا معکم انما نحن مستھزءون کا مظاہرہ کرتے ہوئے یزیدیوں کو خوش کرنے میں مقدور بھر سعی نامشکور فرمائی اور ان معصوموں کے خون ناحق سے ہولی کھیلی۔

فائدہ: علامہ ڈھکو صاحب ذرا بتلانا یہ اہل حق کون تھے اہل السنۃ یا خالص

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

شیعانِ علی و شیعانِ حسین اور تقیہ کے پردوں میں چھپے ہوئے لوگ کون تھے اہل السنت یا اہلِ تشیع۔ کوئی خلافتِ بلا فصل کا قائل لشکرِ اعداء میں نظر آیا یا نہیں آیا۔ مزید نام معلوم کرنے ہوں تو مجالس المومنین جلد دوم اور ص۲۴۱ کا مطالعہ کریں۔

ہاں تو امام مظلوم نے حالات کا رُخ بدلا دیکھ تو یزید کے پاس جا کر بیعت کر لینے کا ارادہ فرمایا اور اس طرف چل بھی پڑے اس امید پر کہ وہ میرے ساتھ حُسنِ سلوک سے کام لے گا لیکن محبوں نے غیرت اور محبت کے تحت اپنے محبوب کو اس دشمن کی طرف جانے سے ہر قیمت پر روکنے کی ٹھان لی اور جو ہوا سو ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ تو اب یزید کا طرزِ عمل دیکھیں اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے حُسنِ ظن کی واقعیت کا عملی اور قولی ثبوت دیکھیں۔

۳۔ لما اراد ان یجھزھم دعی علی بن الحسین فاستخلی بہ ثم قال لعن اللہ ابن مرجانۃ اما واللہ لو انی صاحب ابیک ما سألنی خصلۃ الا اعطیتہ ایاھا ولدفعت عنہ الحتف بکل ما استطعت ولکن اللہ قضی ما رءیت وانہ الیّ کل حاجۃ تکون لک۔ (ارشاد مفید جلد ثانی مع ترجمہ فارسی ص۱۲۶)

یعنی یزید نے جب اہل بیت کرام کے افراد کو مدینہ منورہ واپس بھیجنے کا ارادہ کیا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو خلوت میں طلب کیا، پھر کہا اللہ تعالیٰ ابن مرجانہ پر لعنت کرے غور سے سنیئے اگر بخدا میں اس وقت تمہارے باپ کے پاس موجود ہوتا، تو وہ جس طرح کے معاملہ اور سلوک کا مجھ سے مطالبہ کرتے، میں اُن کا وہ مطالبہ پورا کرتا اور مقدور بھر کوشش کر کے موت کو ان سے دور رکھتا، لیکن اللہ تعالیٰ کی قضا اور تقدیر اس طرح تھی تمہیں جس طرح کی بھی ضرورت اور حاجت پیش آئے، تو وہ مجھ تک پہنچانا، میں اس کو پورا کرنے کا پابند ہوں گا۔

علامہ صاحب ذرا بتلایئے گا یہ جنابِ والا کی مذہبی معتبر ترین کتابیں اور عظیم محدثین و متکلمین کی تالیفات کیا کہتی ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی نگاہ میں یزید کیسا تھا؟ چھٹا خلیفہ ہونے کے لائق تھا یا نہیں؟ اگر شیعہ حضرات انہیں مہلت دیتے، تو وہ لازمی طور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

پر یزید کی بیعت کر کے ان حقیقی موالیوں اور خالص شیعوں سے اسی طرح جان چھڑاتے اور ان کی فریب کاریوں سے خلاصی حاصل کرتے، جس طرح حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصالحت کر کے اور ان کی بیعت کر کے ان سے جان چھڑائی تھی اور فرمایا تھا بخدا میرے لئے ان شیعوں کی نسبت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بہتر ہے اور جب آپ نے بیعت کرنے پر آمادگی بھی ظاہر کر دی اور بیعت کرنے کے لیے چل بھی پڑے، تو علامہ ڈھکو صاحب ہی فرمائیں۔ یزید کی خلافت آپ کی طرف سے تسلیم ہو گئی یا نہ؟ کیونکہ کسی کی امارت و حکومت کو دل سے تسلیم کر لینا اور زبانی اقرار کر لینا ہی کافی ہوا کرتا ہے۔ سارے ملک کے افراد کا حاکم وقت کے ہاتھ میں ہاتھ دینا ضروری ہی نہیں ہوتا جیسے کہ ہم نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ارشادات سے حصہ دوم کے ابتدا میں اس حقیقت کو مدلل انداز میں بیان کر دیا ہے، لہٰذا آپ کی مذہبی کتب نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو بھی اس خلافت کا قائل ثابت کر دیا اور کوفہ کے اہل حق اس کو پہلے ہی تسلیم کر چکے تھے، اگرچہ بطور تقیہ سہی اور جب عبید اللہ بن زیاد کوفہ میں گورنر بن کر آ گیا تو جنہوں نے وہ پردہ اتارنے کا کچھ ارادہ کر رکھا تھا، وہ سب اس سے باز آ گئے اور اپنی جگہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے اعزہ و اقارب کو بطور فدیہ دے کر اپنی جانیں اور مال و متاع محفوظ کر لیے، لہٰذا اہل السنت کو ایسے الزام دینے سے پہلے کچھ اپنی کتابوں کا بھی مطالعہ کر لیا ہوتا تو یہ ندامت و خفت نہ اٹھانا پڑتی۔

رسالہ مذہب شیعہ — از حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز

آئمہ اہل بیت کی شیعہ سے بیزاری اور برأت کا اظہار

تفسیر قمی میں زیر آیت، اِذْ تَبَرَّءَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ وَقَالَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ۭ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اللّٰہُ اَعْمَالَہُمْ حَسَرَاتٍ عَلَیْہِمْ وَمَا ہُمْ بِخَارِجِیْنَ مِنَ النَّارِ
مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر میں فرمایا،
اذا کان یوم القیامۃ تبرء کل امام من شیعتہا وتبرئت
کل شیعۃ من امامہا ـــــ یعنی جب قیامت کا دن ہوگا، تو ہر امام اپنے
شیعہ سے بری ہوگا اور ہر شیعہ اپنے امام سے بری ہوگا اور ان پر تبرا کرے گا۔
اسی طرح یہ روایت حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے اصولِ کافی ص۲۳۷
مطبوعہ نول کشور پر موجود ہے۔ وغیر ذالک مالا تحاط با لحد ولا تنتھی
بالعد ـــــ اب ظاہر ہے کہ اہلِ تشیع کے لئے ائمہ صادقین کے یہ ارشادات
اور حدیثیں ظاہر کرنا موت کا پیغام تھا، تو اُن چھپانے کے لیے کیوں نہ تقیہ کے
باب باندھے جاتے حضرات ان روایات کا نمونہ جو میں نے پیش کیا ہے، اس سے
اہلِ تشیع کے مذہب کی ایک جہت سے تائید بھی ہوتی ہے کہ انھوں نے اپنے اماموں
کے ارشادات کو خوب چھپایا ہے اور ان پر خوب پردہ ڈالا کہ ائمہ کرام پر تقیہ کا اتہام
لگا کر ان کے کسی قول اور فعل کو یقین کے قابل نہ چھوڑا اور ان کے ارشادات اور
اعمال کے خلاف ایک مذہب گھڑ کر ان پر پردہ ڈال دیا۔
مگر جس طرح اہلِ تشیع کے مذہب میں صحیح اور سچی بات کو چھپانا فرض ہے۔
اسی طرح اہل السنّت کے مذہب میں ہر صحیح اور سچی بات کا ظاہر کرنا فرض ہے۔ اس
لیے مجبوراً ظاہر کی ہیں اور وہ بھی بہت کم تاکہ اہلِ تشیع حضرات بُرا نہ منائیں ورنہ سخن بسیار
است۔ صاحبِ کشف الغمہ نے اہل سنت غریبوں کو تو اس اتہام سے کوسا کہ وہ ائمہ طاہرین
رضوان اللہ علیہم اجمعین کی روایات نہیں لیتے، بلکہ ان کو پھینک دیتے ہیں (نقلِ کفر کفر
نہ باشد) اس لیے ائمہ طاہرین کی روایات شیعان و محبانِ سیاہ پوشان کی مستند اور
معتبر کتابوں سے لیتا پڑیں تاکہ شیعان اور محبانِ سیاہ پوشان تو کم از کم ائمہ کرام کے
ارشادات اور ان کے فرامین کو سچا مانیں اور ان پر ایمان لا کر صحیح نصب العین مقرر فرمادیں
اور ائمہ طاہرین کے تصریحات کے خلاف خلفاء راشدین کے حق میں من گھڑت قصے کہانیوں
کی بنا پر غاصب اور ظالم کہنا چھوڑ دیں۔ (رسالہ مذہبِ شیعہ صفحہ ۹۹ و ۱۰۰)

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

رسالہ تنزیہہ الامامیہ　　　از علامہ محمد حسین ڈھکو صاحب

مؤلف کی خیانتِ مجرمانہ

علامہ ڈھکو صاحب فرماتے ہیں۔ مؤلف رسالہ نے شیعہ دشمنی میں اندھے ہو کر اور خوفِ خدا سے آزاد ہو کر عجیب خیانتِ مجرمانہ کا ارتکاب کیا ہے۔ اصل عبارت حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے منقول روایت کی، وہ یوں تھی، تبرء کل امام ظالم الخ یعنی ہر ظالم امام اپنے پیرؤوں سے بیزاری کا اظہار کرے گا، مگر مؤلف نے چالاکی سے ظالم کا لفظ حذف کر دیا، جس سے اصل مطلب خبط ہو کر رہ گیا۔ اس آیت کا ائمہ معصومین اور شیعانِ امیر سے کیا تعلق؟ قرآن کی رُو سے ائمہ دو قسم ہیں، ائمہ ہدیٰ اور ائمہ ضلالت ——— خدا کے فضل و کرم سے شیعوں کے امام وہ ہیں کہ ان کے متعلق کوئی کافر بھی لب کشائی نہیں کر سکتا۔ (تنزیہ الامامیہ صـ۱۶۳)

تحفہ حسینیہ　　　از محمد اشرف السیالوی عفی عنہ

علامہ ڈھکو کی سینہ زوری اور غلط بیانی

۱۔ موصوف کا جواب سراسر عجز اور بے بسی کی دلیل ہے، بلکہ اس کی اپنی چالاکی اور غلط بیانی کا بین ثبوت اور فرمانِ امام میں تحریف کی ناکام کوشش ہے تفسیر قمی مطبوعہ ایران ہم پیش کر دیتے ہیں۔ ڈھکو صاحب اس سے امام ظالم کا لفظ دکھلا دیں اور منہ مانگا انعام لیں۔ اس میں یہ لفظ بالکل نہیں ہے، بلکہ وہی ہیں جو آپ نے ذکر فرماتے ہیں۔ ہاں اگر آپ اپنے طور پر ظالم کا لفظ بڑھاتے، تو خیانتِ مجرمانہ ہوتی، جس طرح ڈھکو صاحب نے کی ہے۔

۲۔ کتاب ایران کی چھپی ہے حضرت شیخ الاسلام نے اسے نہیں چھپایا ورنہ اس کی کتابت کرائی ہے، تو یہ اگر لفظ روایت میں تھا اور اس کو حذف کر دیا گیا، تو یہ جناب کے مرکز کی کارستانی ہے اور انہوں نے تم پر ظلم کیا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام کی اس میں کونسی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

چالاکی ہے۔

۳۔ نیز علامہ موصوف کو اس روایت کے ماخذ کے حوالے دینے چاہئیں تھے، خالی دعوے کر دینا تو کافی نہ تھا، کیونکہ اس طرح صرف تضاد سامنے آیا، حقیقت سامنے آشکار نہ ہوئی۔ اگر دوسرے ماخذ میں وہ لفظ ہوتا تو کہہ سکتے تھے کہ یہاں کاتب کی غلطی ہے یا اس کے تقیہ کی وجہ سے یہ لفظ رہ گیا ہے یا اس نے دیدہ دانستہ چھوڑ دیا ہے، لہٰذا ازروئے نقل اس جواب کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

۴۔ نیز ازروئے عقل و درایت بھی اس کے صحیح ہونے کی کوئی وجہ نہیں کہ صرف ظالم امام اپنے متبعین سے برأت کا اظہار کریں گے، بلکہ مظلوم ائمہ اور معصوم و بے گناہ بھی اپنے ظالم پیروکاروں اور شیعوں سے برأت کا اظہار کریں گے۔

ا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دریافت فرمائے گا کہ تم نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ معبود بنا لو تو آپ عرض کریں گے، میں نے تو انہیں توحید اور دینِ خالص کی پابندی کا حکم دیا تھا میں نے انہیں قطعاً یہ نہیں کہا تھا۔ اگر کہا ہوتا تو تیرے علم میں بھی ہوتا۔ قال اللہ تعالیٰ: وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ (سورۃ مائدہ)

ب۔ حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہا گیا، تو وہ بھی یقیناً ان ظالم لوگوں سے برأت کا اظہار کریں گے۔

ج۔ ملائکہ کے ہیاکل بنا کر مشرک لوگ ان کی پوجا کرتے رہے، تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ملائکہ سے دریافت فرمائے گا، اَهٰۤؤُلَآءِ اِیَّاكُمْ كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ، کیا یہ لوگ تمہاری پوجا کرتے تھے؟ تو وہ عرض کریں گے: سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِیُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ بَلْ كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ (سبا) تو پاک ہے تو ہی ہمارا ولی و مددگار ہے نہ کہ وہ، بلکہ وہ جنوں اور شیطانوں کی عبادت کیا کرتے تھے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

الغرض معصوم اور بے گناہ امام اور رسل و انبیاء اور ملائکہ لوگوں کے افتراء اور بہتان سے اپنی برأت ظاہر کریں گے، بلکہ دراصل برأت ظاہر کرنے کا حق بھی انہیں کو ہے جو ظالم امام ہوں گے اور لوگوں کو غلط راہ پر ڈال دیں گے اُن کا تو حق ہی نہیں بنتا کہ وہ برأت کا اظہار کریں، ہاں البتہ وہاں بھی تقیہ سے کام لیتے ہوئے ابطانِ ایمان اور اظہار خلافِ ایمان کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہیں جیسے کہ سبھی مشترک وہاں اسی تقیہ کی کوشش کریں گے۔ وَاللّٰہِ رَبِّنَا مَا کُنَّا مُشْرِکِیْنَ ۝ اُنْظُرْ کَیْفَ کَذَبُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِہِمْ وَضَلَّ عَنْہُمْ مَّا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ۝ کہ دنیا والے ایمان کو چھپا کر اس کے خلاف ظاہر کرتے ہوئے کہیں گے ہمیں اللہ پروردگار کی قسم! ہم تو مشرک نہیں تھے، دیکھئے انہوں نے اپنے آپ پر کیسا جھوٹ باندھا ہے اور اُن کی نظروں سے اوجھل ہو گئے، وہ (معبوداتِ باطلہ) جن کا افتراء کے طور پر قول کیا کرتے تھے۔

۴۔ قیامت کے دن وہ ظالم امام تو ان متبعین سے چھپتے پھرتے ہوں گے اور ان کے پیروکار کہیں گے اے اللہ! ہمیں وہ جن و شیطان اور انسان دکھلا جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا، ہم ان کو اپنے پاؤں کے نیچے روند ڈالیں: قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی، وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَیْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْہُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِیَکُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِیْنَ ۝ (سورۃ حٰم السجدۃ)

لیکن اس آیت کریمہ میں ائمہ کا اظہارِ برأت کرنا ثابت ہو رہا ہے اور ان کے شیعہ اظہارِ برأت سے قاصر اور عاجز نظر آ رہے ہیں، اس لیے وہ کہیں گے کاش ہمیں دنیا میں بھیجا جاتا، تو ہم ان سے برأت و بیزاری اختیار کرتے جس طرح انہوں نے ہم سے برأت ظاہر کر دی ہے: وَقَالَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا کَرَّۃً فَنَتَبَرَّاَ مِنْہُمْ کَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ ظالم اماموں کے مقتدی اور پیروکار نہیں ہوں گے، بلکہ مظلوم اور معصوم اکابرین اور بے گناہ داعیانِ ملت پر بہتان باندھنے والے ہوں گے، جن کا دروغ بے فروغ وہاں نہیں چلے گا، تو وہ حسرت و ارمان کا اظہار

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کرتے ہوتے کہیں گے، اگر اب دُنیا میں جانا ہوتا، تو وہ طریقہ اختیار نہ کرتے جو پہلے کیا تھا اور جس طرح یہاں مشکل وقت میں انہوں نے ہم سے بے تعلقی اور برآت کا اظہار کیا ہے۔ دنیا میں جا کر ہم بھی ان سے دُور اور الگ تھلگ رہتے۔

۵۔ علامہ صاحب کو تو یہ معلوم ہی ہے کہ شیعہ میں غالی جماعتیں بھی موجود ہیں، جنہوں نے ائمہ کرام کو آسمانوں اور زمین کا آلہ تسلیم کیا یا ان میں حلول و اتحاد کا عقیدہ اپنایا۔ بعض نے ان میں نبوت و رسالت کا قول کیا اور بعض نے ائمہ کی طرف شرعی پابندیاں ختم کر کے محرمات کی اباحت کی نسبت کی۔ بعض نے کہا ان کا فرمان ہے کہ امام کی معرفت حاصل ہونے پر نماز اور روزہ کی ضرورت نہیں رہ جاتی، وغیرہ وغیرہ۔ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ ائمہ معصومین ان سے برآت کا اظہار کریں گے اور ان افترآت و اتہامات کی صداقت سے انکار کریں گے یا اللہ تعالیٰ کے روبرو تسلیم کر لیں گے کہ واقعی ہم نے ان کو ایسی ہی تعلیم دی تھی۔ یقیناً وہ حضرات بھی حضرت عیسیٰ، حضرت عزیر اور ملائکہ کی طرح ان افترا پرداز اور بہتان تراش لوگوں سے برآت کا اظہار کریں گے، لہٰذا ڈھکو صاحب کے اس جواب کا واقعہ اور نفس الامر سے بھی کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ ائمہ کرام ان شیعوں سے لازماً برآت کا اظہار کریں گے۔

۶۔ نیز ہمارا بھی دعویٰ ہے کہ ہم ائمہ کرام کے مذہب اور عقیدہ پر ہیں اور انہوں ہی ان خلفاء کی خلافت کو تسلیم کیا اور ان کی عظمتوں کو بیان کیا اور ان کا اپنا عمل و کردار بھی وہی تھا جو خلفاء راشدین کا تھا، اس لئے ہم نے یہی مذہب اختیار کیا اور حضرت شیخ الاسلام کے اس رسالہ کی تالیف کا بنیادی مقصد بھی یہی ثابت کرنا تھا تو کیا علامہ صاحب کے دھرم میں وہ حضرات ہم سے بیزاری اور برآت کا اظہار کریں گے یا نہیں؟ اگر خدانخواستہ برآت کا اظہار کریں گے، تو ڈھکو صاحب کا جواب غلط ہو گیا اگر نہیں کریں گے تو ڈھکو صاحب کا مذہب باطل ہو گیا، جو شق بھی ڈھکو صاحب اختیار کریں، ان کی جان چھوٹ نہیں سکتی، لہٰذا دانش و آگہی کی دنیا میں ایسے جواب کی کوئی وقعت نہیں ہو سکتی۔ اس جواب سے تو وہ جواب بہتر رہتا کہ ہم نے یہ روایت بہتیری تلاش کی مگر نہ ملی تھی اور نہ ہی ملی جیسے کہ دوسرے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کئی مقامات پر اسی جواب کے ذریعے گلو خلاصی کرانے کی کوشش کی ہے۔

ائمہ کرام کی دنیا میں شیعہ سے بیزاری

۷۔ علامہ موصوف تو قیامت کے دن ائمہ کرام کا اظہار برأت و بیزاری تسلیم کرنے کو تیار نہیں، مگر ہم اسی دنیا میں شیعانِ امیر سے حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیزاری اور برأت کا اظہار ثابت کر دیتے ہیں۔

ا۔ اللھم انی قد مللتھم و سئمتھم و سئمونی فابدلنی بھم خیرا منھم و ابدلھم بی شرا منھم۔ اللھم مث قلوبھم کما یماث الملح فی الماء۔ نہج البلاغۃ مصری جلد اول ص۶۴

اے اللہ! میں ان سے ملول اور تنگ دل ہوں اور وہ مجھ سے تنگدل ہیں۔ پس مجھے اُن کے بدلے اچھے رفقاء عطا فرما اور انہیں میری جگہ بدتر حاکموں کے تصرف میں دے۔ اے اللہ اُن کے قلوب کو اس طرح گلا دے، جس طرح نمک پانی میں گل جاتا ہے۔

ب۔ لوددت انی لم ارکم و لم اعرفکم، معرفۃ واللہ جرت ندما و اعقبت سدما، قاتلکم اللہ لقد ملأتم قلبی قیحا و شحنتم صدری غیظا۔ نہج البلاغۃ جلد اول ص۷۱

میری دلی خواہش ہے کہ میں نے تمہیں نہ دیکھا ہوتا اور نہ ہی مجھے تمہاری معرفت اور شناسائی ہوتی، کیونکہ یہ وہ معرفت اور شناسائی ہے، جو موجب ندامت ہے اور حیرانگی و سراسیمگی کا پیش خیمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں ہلاک کرے، تم نے میرے دل کو داغ دار کر دیا ہے اور بگڑے زخموں والا اور میرے سینے کو غیظ و غضب سے بھر دیا ہے۔

ج۔ ارید ان اداوی بکم و انتم دائی۔ نہج البلاغۃ ص۲۸۶

میں تمہارے ساتھ دوسروں کی دوا کرنا چاہتا ہوں، جبکہ تم تو میری بیماری اور سوہانِ روح بن چکے ہو۔

د۔ المغرور واللہ من غررتموہ (الی) اصبحت واللہ لا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اصدق قولکم ولا اطمع فی نصرکم (نھج البلاغہ ص۸۷)
بخدا حقیقت میں دھوکہ اور فریب کا شکار وہی ہے، جو تمہارے دامِ فریب میں آگیا۔
میں خدا کی قسم اب اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ نہ تمہاری کسی بات کو سچا مانتا ہوں اور نہ ہی
تم سے امداد و نصرت کی امید رکھتا ہوں۔

ھ۔ لبئس حشاش نار الحرب انتم، ان لکم، لقد لقیت
منکم برحًا فلا احرار صدق عند النداء ولا اخوان ثقۃ عند
النجاء۔ نھج البلاغہ، ج ۱، ص۲۹۶)
تم بہت ہی بُرے جنگ کی آگ بھڑکانے والے ہو، تمہارے لیے افسوس ہے، میں نے
تم سے بہت دُکھ اٹھائے اور ظاہر چوٹ کھائی ہے۔ تم نہ لڑائی کے لیے بلانے پر مردانِ حُر
کا کردار ادا کرتے ہو اور نہ مشورہ اور رازداری میں اعتماد پر پورے اترتے ہو۔

و۔ اور کوفہ کے متعلق بھی آپ کا ارشادِ گرامی سُن لیں، ماھی الا الکوفۃ
اقبضھا وابسطھا، ان لم تکونی الا انت تھب اعاصیرك
فقبحك اللہ۔ (ص۲۴، نھج البلاغہ)
میرے مِلک اور تصرف میں صرف کوفہ شہر ہے، اس کو لپیٹوں یا پھیلاؤں اور
اگر اے کوفہ صرف تو نے ہی میرے مِلک میں ہونا ہے، جس میں فتنوں اور شورشوں کے
گرد باد اور آندھیاں اُٹھ رہی ہیں، تو اللہ تیرا بُرا کرے اور تجھے بدصورت کرے۔
فرمایئے علامہ صاحب جب امیرالمومنین اس، دنیا میں شیعان با وفا کے چہرے
دیکھنا گوارا نہ کریں۔ ان کو سچّا نہ سمجھیں، ان کو دیانت و امانت سے خالی قرار دیں۔
فریب کار اور دھوکہ باز کہیں وغیرہ وغیرہ، تو فرمایئے قیامت کے دن یہی نظریہ اور
عندیہ ظاہر فرمائیں گے اور حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی کوفہ میں ان سے
بیزاری و برأت اور شیخین کا گلہ کرنے والوں سے بیزاری اور انہیں اپنے در سے اُٹھا دینا
اور امام محمد باقر کا ابوبکر (رضی اللہ عنہما) کو صدیق نہ ماننے والوں کو دُنیا و آخرت میں
سچا نہ کیا جانا کہہ کر ان سے بیزاری کا اظہار معروض خدمت ہو چکا تو کیا یہ حضرات قیامت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

میں بھی یہی عندیہ ونظریہ ظاہر نہیں فرمائیں گے؟ اور جب یقیناً یہ نظریہ ظاہر فرمادیں گے تو قمی کے حوالے سے حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کی بیان کردہ روایت کی واقعیت اور حقانیت واضح ہوگئی۔

اہلِ تشیع دورِ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں کہاں تھے؟

علامہ صاحب! یہ ارشادات تو حضرتِ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اپنی زبانِ اقدس سے نکلے ہوئے ہیں۔ ان کے جواب میں تو نہیں کہہ سکتے کہ شیعہ اس وقت تھے کہاں؟ کیونکہ یہ کوفہ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت اور زیاد کی گورنری کا دور نہیں جن کے متعلق دعویٰ کیا گیا کہ انہوں نے ہر شجر و مدر کے پیچھے چھپے شیعہ کو قتل کر دیا تھا۔ اب تو ہم نے آپ کو شیعہ کا دورِ عروج وارتقاء دکھلا دیا ہے اور خلیفہ بلافصل کا اپنے ان پروانوں کے متعلق ردِ عمل۔ فرمایئے اس وقت ان لوگوں میں بھی کوئی خلافت بلافصل کا قائل حقیقی اور اصلی شیعہ موجود تھا یا نہیں؟ کیا اس وقت بھی کوفہ میں صرف وہی لوگ تھے جو آپ کو صرف چوتھا خلیفہ مانتے تھے اور پانچویں چھٹی جگہ امیر معاویہ اور یزید پلید کو مسندِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث سمجھتے تھے یا امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کو اگر یہاں بھی جواب نفی میں ہی ہے، تو پھر اتنا بتاؤ کہ جہاں میں کہیں تمہارا وجود اس وقت تھا بھی یا سرے سے وجود ہی نہیں تھا۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ بلکہ حجازِ مقدس تو ویسے ہی آپ سے مقدس تھے اور شام ودیگر مقبوضات امیر معاویہ میں بھی تمہارا وجود نہیں تھا اور کوفہ میں بھی اس وقت موجود نہیں تھے، تو آخر تمہارا مسکن تھا کہاں پر؟ بالائے آسمان یا تحت الثریٰ؟ علامہ صاحب جنہیں تم نے یا مولوی اسماعیل صاحب گوجروی نے شیعہ بنایا، وہ تو نہ بدل سکے، مگر جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن (شیعہ) بنایا، وہ سبھی بدل گئے اور سنی بن گئے اور اصلی مومن (شیعہ) کہیں ڈھونڈے سے مل ہی نہیں رہا، آخر یہ کیا معاملہ ہے اور یہ کیسی سوچ اور فکر ہے۔ لہٰذا بقائمی ہوش وحواس یہ عذر یہاں پیش نہیں کیا جاسکتا کہ کوفہ میں

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

دَورِ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں شیعہ تھے کہاں؟ لہٰذا جب ثابت ہو گیا کہ دُنیا ہی میں ابوالائمہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات نے ان سے برأت اور بیزاری کا اظہار کیا ہے، تو قیامت کے دن ضرور بالضرور برأت کا اعلان کریں گے تاکہ ان کی حسرتوں اور ارمانوں میں اضافہ ہو اور ان کی برسرِ محشر تذلیل اور رسوائی کا سامان ہو اور اُن کی جھوٹی اُمیدوں اور آرزوں پر پانی پھیرا جا سکے اور ان کی مکاریوں اور تقیہ بازیوں کا بدلہ دیا جا سکے۔

کیا ائمہ کرام کے خلاف کوئی کافر بھی لب کشائی نہیں کر سکتا؟

علامہ ڈھکو صاحب نے فرمایا، ائمہ دو قسم کے ہیں ائمۂ ہدیٰ اور ائمۂ ضلالت، اور خدا تعالیٰ کے فضل سے ہمارے ائمہ کے حق میں کوئی کافر بھی لب کشائی نہیں کر سکتا، مگر حقیقت یہ ہے کہ اہلِ تشیع نے من حیث المجموع ائمہ کرام کو ائمہ ہدیٰ ہی نہیں رہنے دیا اسی لیے وہ جو کچھ برسرِ منبر اور مسجدوں میں برسرِ محفل فرماتے تھے اور لوگ ان کا جو مقصد و مطلب سمجھتے شیعہ صاحبان اس کو تقیہ پر مبنی اقوال قرار دیتے ہیں اور تقیہ نام ہے ابطالِ ایمان اور اظہارِ خلافِ ایمان کا تو اس طرح انہوں نے ان کو خلافِ ایمان ظاہر کرنے والے قرار دے کر ائمہ ضلالت بنا دیا تو اس سے بڑھ کر اجماعی گالی تمام شیعہ کی طرف سے تمام ائمہ کے حق میں کوئی ہو سکتی ہے؟ العیاذ باللہ منہ۔

نیز کاملیہ فرقہ کے متعلق عرض کیا جا چکا کہ انہوں نے خلافت کا دعویٰ نہ کرنے کی وجہ سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو کافر قرار دیا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو مصالحت کرنے کے جرم میں سفیان بن ابی لیلیٰ نے مذل المؤمنین، مومنین کو ذلیل کرنے والے کہا۔ (رجال کشی ص۱۰۳) بعض نے ان کے اس اقدام پر ملامت کی تو لامہ بعضھم علی بیعتہ۔ (احتجاج طبرسی طبع جدید ص۲۸۹) ابوبصیر لیث مرادی کو امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے اندر آنے کی اجازت نہ دی، تو اُس نے کہا:

لوکان معنا طبق لاذن (تنقیح جلد ثانی / رجال کشی ص ـــــ) "اگر

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہمارے پاس نذرانے کے لیے طبق ہوتا، تو ضرور اجازت مل جاتی۔" اور واقفیہ شیعہ نے حضرت موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کے بعد والے حضرات کی اور بعض نے خود حضرت موسیٰ کاظم کی امامت کا بھی انکار کر دیا جو واقفیہ کہلاتے ہیں اور ناؤوسیہ بھی۔

نیز شیعہ واقفیہ کا ایک گروہ بشیریہ کہلاتا ہے، جنہوں نے ائمہ کرام کے متعلق یہ گوہر افشانی کی ہے: زعموا ان علی بن موسیٰ وکل من ادعی الامامۃ من ولدہ وولد موسیٰ مبطلون کاذبون غیر طیبی الولادۃ فنفوھم من انسابھم وکفروھم لدعواھم الامامۃ الخ رجال کشی ص۴۰۶ وکذا فی تنقیح المقال للمامقانی جلد ۲ ص۸۸ ان کا زعم اور نظریہ فاسدہ یہ ہے کہ حضرت امام علی رضا اور اُن کی اولاد میں سے جنہوں نے امامت کا دعویٰ کیا یا حضرت موسیٰ کاظم کی اولاد سے جو امامت کے مدعی بنے، وہ سب باطل پرست، کاذب اور ناپاک ولادت والے ہیں، چنانچہ انہوں نے ان حضرات کے صحیح النسب ہونے کا انکار کیا اور انہیں کافر بھی قرار دیا بسبب ان کے دعوائے امامت کے۔

اور حضرت امام ابو جعفر ثانی محمد بن علی رضا رضی اللہ عنہ تو ایسے مظلوم ہیں کہ ان کے چچوں اور امام رضا کے چچوں نے ان کے صحیح النسب ہونے کا انکار کر دیا اور دلیل یہ دی ما کان فینا امام حائل اللون قط ہم میں کوئی سیاہ فام نہیں ہوا جبکہ یہ سیاہ فام ہیں) فقال لھم الرضا ھو ابنی الخ امام رضا نے فرمایا یہ میرا بیٹا ہے اور منصبِ امامت کا وارث یہی ہے۔ بالآخر قیافہ شناسوں کو بلا کر فیصلہ کیا گیا۔ نہ امام رضا کی بات تسلیم کی گئی اور نہ اس معصوم بچے کی شکل و صورت اور وضع و قطع ہی ان کو مطمئن کر سکی اور نہ دیگر مفروضہ علامات جو امام سے بوقتِ ولادت اور اس کے بعد ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ بہرکیف اہل بیت کرام کا اور حضرت موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کی اولاد اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی اولاد کا ان کے نسب پر انکار کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے۔

یہ تمام تفصیلات ہم نے نظریۂ امامت کے موضوع پر زیرِ تالیف کتاب میں بیان کی ہیں۔ یہاں پر صرف علامہ ڈھکو صاحب کے بے بنیاد دعویٰ کی حقیقت دکھلانا تھی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کہ واقعی ائمہ اثنا عشریہ پر کسی کافر نے کوئی اعتراض نہیں کیا اور کسی کے لئے ان میں اعتراض و انکار اور تنقیص و تنقید کا کوئی موقعہ و محل نہیں تھا یا خود شیعہ حضرات نے ان کے دین و ایمان پر بھی اعتراض کیا اور ان کے حسب و نسب پر بھی۔ ہاں یُوں کہا جاسکتا ہے کہ جن مقبولانِ بارگاہِ خداوندی پر کفار و مشرکین کو بھی طعن و تشنیع کا موقعہ نہیں ملتا۔ یہ شقی ازلی اور بدبخت شیعہ ان کو بھی معاف نہیں کرتے اور صرف ان کے اخلاق و اطوار کو نہیں، ان کے حسب و نسب اور دین و ایمان کو بھی ہدفِ تنقید بنا ڈالتے ہیں

خذلھم اللہ تعالیٰ ولعنھم فی الدنیا والاخرۃ۔

رسالہ مذہبِ شیعہ — از حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز

مسئلہ فدک کی تحقیق

خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق قطعی اور یقینی علم ہر لحاظ سے ائمہ صادقین کو ہی ہوسکتا ہے۔ ان کے ارشادات کو دیکھیں جو خلفائے راشدین کے مناقب میں خود اہلِ تشیع کی مستند اور معتبر کتابوں میں حد و حساب سے باہر ہیں، جن کا نمونہ عرض کرچکا ہوں، جن کے اعمالناموں کے ساتھ مولیٰ علی شک فرماویں، جن کو آپ امام الہدیٰ اور شیخ الاسلام فرماویں، جن کے متبعین کو صراطِ مستقیم پر پکا اور ثابت قدم یقین فرمائیں، جن کی اتباع سراسر ہدایت بیقین فرمائیں۔ ان تمام ارشادات کے برعکس ان کو ظالم اور غاصب کہنا سراسر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور باقی ائمہ کی تکذیب ہے، اس کے سوا انصاف سے بتلایئے اور کیا ہے؟

جہلاء، اَن پڑھ اور ناواقف لوگوں کو باغِ فدک کے قصے گھڑ کر سُنانا اور ان کو ائمہ صادقین کے صریح اور واضح و غیر مبہم ارشادات سے منحرف کرنا چھوڑ دو۔ غور سے سنیئے فدک کے متعلق اصول کافی ص ۳۵۱ مطبوعہ نول کشور

وکانت فدک لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاصۃ لانہ فتحھا وامیرالمومنین لم یکن معھما احد فزال اسم الفیئ ولزمھا اسم

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

الانفال۔ یعنی فدک صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا کیونکہ اس کو صرف آپ نے فتح کیا تھا اور امیرالمومنین نے جن کے ساتھ اور کوئی نہیں تھا، تو اس کا نام فیئ نہیں ہو سکتا، بلکہ وہ انفال میں داخل ہے۔

اب یہ تحقیق کہ اس غزوہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بجز حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اور کوئی صحابی نہ تھا۔ واقفِ حال حضرات پر چھوڑتا ہوں سردست صرف اتنی گزارش کرتا ہوں کہ کافی کی تصریح سے اتنا تو واضح ہو گیا کہ فدک فئ نہیں تھا، بلکہ انفال تھا، تو اب انفال کے متعلق حضرت امام عالی مقام سیدنا جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا واضح اور کھلا فیصلہ ملاحظہ فرماویں،

قال الانفال مالم یوجف علیه بخیل ولا رکاب او قوم صولحوا او قوم اعطوا بایدیهم وکل ارض خربة او بطون اودیة فهو لرسول الله صلی الله علیه وسلم وهو للامام بعده یضعه حیث یشاء (اصول کافی ص۳۵۲) امام عالی مقام نے انفال کی تعریف اس کا مصداق اور حکم بیان فرمایا کہ انفال وہ ہے جس کا حصول فوج کشی کے ساتھ نہ ہو، بلکہ دشمن جنگ کی مصالحت پر پیش کرے یا کوئی قوم اپنے اختیار سے حکومتِ اسلامیہ کو دے دے یا غیر آباد، لاوارث یا دریاؤں اور پہاڑی نالوں کا پیٹ تو یہ سب انفال ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دورِ حیات ظاہرہ میں اس کے واحد مالک تھے اور آپ کے بعد جو امام اور خلیفہ ہوگا، وہی اس کا مالک ہوگا، وہ جس طرح چاہے، اس کو خرچ کرے۔

اسی طرح فروع کافی ص۶۲۶ ملاحظہ فرمادیں اور اصول کافی ص۳۵۱ پر بھی فدک کو انفال تسلیم کیا گیا ہے اور انفال کے متعلق یہ تسلیم کر لیا گیا کہ امام اور خلیفہ وقت اس کے اندر تصرف میں مختار عام ہے اور خلفاء راشدین کی امامت بحوالہ شافی و تلخیص شافی، نہج البلاغہ، ابن میثم وغیرہ ثابت اور محقق ہو چکی ہے اور بحوالہ کشف الغمہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صدیقیت اظہر من الشمس ہے اور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بحوالہ ابن میثم و نہج البلاغہ و کافی وغیرہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ان کے ہاتھ پر بیعت کرنا ثابت ہو چکا ہے اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے غیر مستحق خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت نہ کرنے کا فتویٰ قیامت تک نہ مٹنے والے نقوش کے ساتھ تحریر کر دیا ہے، تو پھر فرض بھی کر لیں کہ حسب ادعاء شیعہ ان ائمہ ہدیٰ نے فدک کو تقسیم نہیں فرمایا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ صادقین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دین و مذہب کے عین مطابق عمل فرمایا، پھر ظلم اور غصب کے اتہامات کس قدر لغو اور بے معنیٰ ہیں۔ آخر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اور امام عالی مقام سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اور امام عالی مقام سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے، حضرت سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے اور سیدنا حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ نے اور امام عالی مقام سیدنا حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے بھی یہی سنت اختیار فرمائی تھی اور فدک کا تقسیم کرنا جائز نہیں رکھا تھا، بلکہ اسی طریقے پر عمل فرمایا جس پر کہ خلفائے راشدین نے عمل فرمایا، یقین نہ آئے تو اہل التشیع کی معتبر ترین کتاب کشف الغمہ صفحہ ۱۴۷ سطر ۲۳ ملاحظہ کریں کہ سب سے پہلے اموی خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے فدک کو تقسیم کیا تھا۔ (رسالہ مذہب شیعہ جلد ۱ وصفحہ ۱۰۱ وصفحہ ۱۰۲)

تحفہ حسینیہ — از ابو الحسنات محمد اشرف السیالوی

فدک کے متعلق شیعہ حضرات بہت شور و غل کرتے ہیں، اور اسے خلیفہ اول کی طرف سے اہل بیت کرام کے خلاف اقتصادی حربہ قرار دیا جاتا ہے تاکہ وہ بھوک اور افلاس کے ہاتھوں مجبور اور بے بس ہو کر ان کے ماتحت رہیں، اس لیے ان کے منہ سے یہ لقمہ چھین لیا وغیرہ وغیرہ، لہٰذا یہاں پر دو امر خصوصی توجہ کے طالب ہیں۔

اول یہ کہ آیا حضرت سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا کے پاس واقعی صرف فدک ہی واحد ذریعہ کفایت و کفالت کا تھا یا اس کے علاوہ دیگر ذرائع معاش اور خود کفالت کے تھے۔ دوم یہ کہ آیا فدک میں صرف بطور وراثت یا ہبہ کے انتقال کرنے میں اختلاف و نزاع پیدا ہوا تھا یا اس کی آمدنی سے بھی انہیں حصہ نہیں دیا جاتا تھا اور اخراجات کی کفالت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بھی نہیں کی جاتی تھی' لیکن خود شیعی روایات اور مسلمات کی رُو سے حقائق و واقعات' اس سے بالکل مختلف ہیں اور یہ سب کچھ محض زیبِ داستان کے لیے اور عوام اہلِ اسلام کے جذبات سے کھیلنے کے لئے بیان کیا جاتا ہے۔ آیئے حقیقتِ واقعیہ کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کریں اور عدل و انصاف کے تقاضے پورے کرتے ہوئے اعترافِ حقیقت میں بخل سے کام نہ لیں۔

امرِ اوّل کی حقیقت یہ ہے کہ حضرت سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا کے پاس فدک کے علاوہ سات باغ تھے' جن میں آپ بلا شرکتِ غیرے تصرف فرماتی تھیں۔

فروعِ کافی جلد ثالث صـ۴۷ باب صدقات النبی صلی اللہ علیہ وسلم والائمہ علیہم السلام ووصایاہم کے تحت ابوبصیر سے حضرت سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا کی یہ وصیت مرقوم ہے:

(۱) ھٰذا ما اوصت بہ فاطمة بنت محمد رسول اللہ' اوصت بحوائطھا السبع' العفاف والدلال والبرقة والمیثب والحسنیٰ والصافیة ومالام ابراھیم الی علی بن ابی طالب فان مضیٰ علی فالی الحسن فان مضیٰ الحسن فالی الحسین فان مضی الحسین فالی الاکبر من ولدہ اشھد اللہ علی ذالک والمقداد بن الاسود والزبیر بن العوام وکتب علی بن ابی طالب۔ یعنی یہ فاطمہ بنتِ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی وصیت ہے انہوں نے اپنے سات باغ یعنی عفاف' دلال' برقہ' میثب' حسنیٰ' صافیہ اور مالامِ ابراہیم کی وصیت کی ہے طرف علی بن ابی طالب کے اور ان کی وفات کے بعد حسن کے لیے اور ان کے وصال کے بعد حسین کے لیے اور ان کے وصال کے بعد ان کے سب سے بڑے فرزند کے لیے' میں اس پر گواہ بناتی ہوں اللہ تعالیٰ کو اور مقداد بن اسود اور زبیر بن عوام (رضی اللہ عنہما) کو اور اس وصیت نامہ کو علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) نے تحریر فرمایا اور یہی روایت تہذیب الاحکام جلد ۹' صـ۱۴۵ اور من لایحضرہ الفقیہ جلد ۴ صـ۱۸۰ پر موجود ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

۲-عن احمد بن محمد عن ابی الحسن الثانی علیہ السلام قال سألته عن الحیطان السبعة أ کانت میراث رسول اللہ لفاطمة؟ فقال لا انما کانت وقفا وکان رسول اللہ یاخذ منها ما ینفق علی اضیافه والتابعة تلزمه فیها فلما قبض جاء العباس یخاصم فاطمة علیها السلام فیها فشهد علی علیہ السلام وهی الدلال والعفاف والحسنی والصافیة وما لام ابراهیم والمیثب البرقة

فروع کافی جلد ثالث ص۴۷ - من لا یحضرہ الفقیہ جلد رابع ص۱۸۰

تہذیب الاحکام جلد تاسع ص۱۴۵)

یعنی احمد بن محمد نے حضرت ابو الحسن ثانی رضی اللہ عنہ سے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے سات باغات کے متعلق دریافت کیا کہ آیا وہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے بطور وراثت حاصل ہوئے تھے، تو انہوں نے فرمایا نہیں وہ تو وقف تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اتنا خرچہ لے لیتے تھے جو اپنے مہمانوں پر صرف فرماتے تھے اور دیگر لازم ذمہ داریوں پر، جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آکر ان میں سے حصہ وراثت کے لئے مخاصمت کی۔ چنانچہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات نے شہادت دی کہ یہ ساتوں باغات حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا پر وقف ہیں۔

شیعہ حضرات کی صحاح اربعہ میں سے تین صحاح کی دو عدد روایات نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں، جن سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح آشکارہ ہو گئی کہ فدک کے علاوہ سات باغات تھے جو مخیریق یہودی کی ملکیت میں تھے اور اس نے برضا و رغبت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کیے تھے یا بنو النضیر کے متروکہ اموال میں سے تھے، اور وہ حضرت سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کے تصرف میں تھے، لہٰذا یہ حقیقت بے غبار ہو گئی کہ صرف فدک ہی واحد ذریعہ معاش نہیں تھا، تو اب درج ذیل امور پر غور فرمائیں۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

۱۔ اگر خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم نے از روئے ظلم واستبداد اقتصادی ومعاشی دباؤ ڈالا ہوتا تو پھر یہ باغات آپ کے تصرف میں کس طرح رہ سکتے تھے؟ اور وہ کونسی قوت تھی، جس نے ان کو یہ سات باغات غصب کرنے سے باز رکھا اور آپ نہ صرف حالت حیات میں ان پر متصرف رہیں، بلکہ بوقت وصال ان کی وصیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کے بعد ان کی اولاد کو درجہ بدرجہ وصیت کی۔

۲۔ یہ بھی واضح ہوگیا کہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کا ان باغات پر قبضہ ذاتی ملکیت اور موروثی مال کے طور پر نہیں تھا، بلکہ مال وقف کے متولی کے طور پر تھا اور ان باغات کو حسب تعریف کافی انفسال میں سے ماننا لازم ہے، تو اس طرح دیگر انفال کا حکم بھی یہاں سے واضح ہو جائے گا۔

۳۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے حق وراثت طلب کرنے پر جو جواب ان کو حضرت زہراء اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما کی طرف سے دیا گیا کہ یہ مال وقف ہے نہ کہ ذاتی ملکیت لہٰذا اس میں وراثت جاری نہیں ہو سکتی اور حضرت زہراء رضی اللہ عنہما کے ہاتھ میں بھی بطور وقف تھا اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، پھر حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے تصرف میں بھی بطور مال وقف رہا، ورنہ بیک وقت بطور زوج ہونے کے چوتھائی حصہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو مل جاتا اور تین چوتھائی آپ کی اولاد کو مل جاتا۔ لہٰذا واضح ہوگیا کہ اصل میں وقف تھا اور آخر تک وقف کی حالت میں رہا اور یہی جواب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا کو دیا گیا تھا تو اگر یہ جواب برحق ہے، تو وہ بھی برحق تھا اور وہ غلط تھا تو صحیح یہ بھی نہیں ہو سکتا۔ جب دونوں کی صورت ایک ہے، تو شرعی حکم بھی ایک ہی ہونا لازم ہے، اس میں تفریق وامتیاز سراسر زیادتی ہے۔

۴۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا یہ جواب سن کر خاموش ہو جانا اور ناراضگی اور ترک سلام وکلام سے بالکل مبرا رہنا، جبکہ ان کے قبضے میں ایک باغ بھی نہیں تھا اور حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کا ایک باغ نہ ملنے پر ناراض ہو جانا اور اتنا سخت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ناراض ہونا کہ منانے کی ہر ممکن کوشش کے باوجود نہ راضی ہونا اور تا دمِ زیست کلام بھی ترک کر دینا محلِ غور ہے اور لائق فکر و نظر ہے کہ آیا لختِ جگرِ مصطفیٰ رضی اللہ عنہا اس بلند حوصلگی، عالی ہمتی اور فراخ دلی کی زیادہ حقدار و سزاوار تھیں، جو بقولِ شیعہ حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوسری اولادِ پاک کی نسبت فطرتاً اسلام اور اس کی طہارت و تقدیس پر متولد ہوئی تھیں یا حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو شیعہ کے نزدیک مخلص مومن بھی نہیں تھے، العیاذ باللہ! گویا حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کے دادے نے ان کا دعویٰ قبول کر لیا اور اسی قسم کا نانے کا دعویٰ نواسی نے قبول نہ فرمایا، کیا عظمتِ زہراء کے مدِ نظر یہ قابلِ قبول ہو سکتا ہے؟

۵۔ ان روایات سے یہ بھی واضح ہوا کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان باغات کی آمدنی میں تصرف فرماتے تھے اور صرف بقدرِ ضرورت اس میں سے لیتے تھے اور بقیہ کو دیگر مصارف میں استعمال فرماتے، جن کا تعلق جہاد اور رفاہِ عامہ سے ہوتا تھا نہ کہ ان کو ذاتی ملکیت کے طور پر تصرف میں رکھے ہوتے تھے اور یہیں سے یہ مسئلہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ کسی متولی کو اپنے زیرِ تصرف اوقاف اور قومی املاک، کسی کی ذاتی ملکیت قرار دینے کا حق نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نائبِ مطلق اور مالکِ کون و مکان اس کی پابندی فرمائیں، تو دوسروں کو اس سے سرِ مو انحراف و عدول کی کس طرح گنجائش ہو سکتی ہے؟

صدقاتِ زہراء رضی اللہ عنہا کے مصارف

اب اس امر کا بھی فیصلہ ہو جانا چاہیے کہ ان صدقاتِ نبویہ اور صدقات و اوقافِ زہراء کے مصارف کیا تھے؟ تو فروعِ کافی کے اسی باب میں اس سوال کا جواب موجود ہے۔ ابو مریم روایت کرتا ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے نبوی اور مرتضوی صدقات کے متعلق دریافت کیا، تو انہوں نے فرمایا، ھی لنا حلال وقال ان فاطمۃ جعلت صدقتھا لبنی ھاشم وبنی المطلب ص۲۷ ج ۳

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

وہ ہمارے لئے حلال ہیں اور فرمایا کہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے اپنے صدقات بنو ہاشم اور بنو المطلب کے لئے وقف کر رکھے تھے اور یہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ والی روایت کا ماحصل تھا کہ ہم انبیاء کرام علیہم السلام کا گروہ نہ وارث بنتے ہیں اور نہ کسی کو وارث بناتے ہیں۔ ہمارا تمام تر ترکہ صدقہ ہوگا، نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث ما ترکناہ فھو صدقۃ۔ لہٰذا دونوں میں مآل اور انجام کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے۔ نہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا اس کو ذاتی ملکیت قرار دیتی تھیں، اور نہ ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ بلکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی بطورِ نیابتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان اموال میں تصرّف کا حق اپنے لیے ثابت کرتے تھے، جبکہ ان شیعی روایات کے مطابق حضرت سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا کا موقف بھی یہی ہے کہ مجھے اس وقف میں تصرف کا حق حاصل ہے۔ لہٰذا یہ کوئی بنیادی اور اصولی اختلاف ہی نہیں، جس کو عالمِ اسلام کا ایک اہم اختلافی نظریہ بنا لیا گیا ہے اور اس کی وجہ سے اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کو موردِ الزام ٹھہرایا گیا اور ظالم و غاصب قرار دے دیا گیا۔

از رُوئے منتظم زیادہ موزوں کون تھا؟

جب سابقہ گزارشات سے صحیفۂ خاطر پر یہ حقیقت نقش ہو گئی کہ فدک وغیرہ میں اختلاف صرف انتظامی حقداری کے اندر تھا نہ وقف یا قومی ملکیت میں پہنچیں اور نہ اس کے مصارف میں کوئی خاص اختلاف تھا، تو اب اس امر میں غور کر لیا جائے کہ ایسے امور کا انتظام و انصرام مرد بہتر طریقہ پر چلا سکتے ہیں یا عورتیں اور بالخصوص وہ عورت جو عصمت و عفت مآب ہو اور پردہ داروں کی سردار ہو۔ ظاہر ہے کہ آپ کی بجائے کوئی مرد ہی اس انتظام کے لیے موزوں تر ہو سکتا تھا، تو پھر حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز کے پیش کردہ حوالہ جات کی رُو سے ظاہر ہو گیا کہ یہ حق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تھا اور ان کے بعد یکے بعد دیگرے آنے والے خلفاء و ائمہ کا کما قال الامام جعفر الصادق رضی اللہ عنہ کہ انفالِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہیں اور آپ کے بعد امام

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

وقت کے لیے کہ اسے جہاں چاہے اپنی صوابدید کے مطابق استعمال کرے۔ فھو لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم للامام بعدہ یضعہ حیث یشاءَ

کیا ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن مصرف نہیں؟

عام اہلِ اسلام کی عورتیں خاوند کی اولاد نہ ہونے کی صورت میں چوتھا حصہ اور اُس کی اولاد ہونے کی صورت میں آٹھواں حصہ اس کے ترکہ سے حاصل کرتی ہیں، لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات، بلکہ اپنی ماؤں کے لئے حضرت زہرا اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما نے کیا سوچا کہ ان کے لیے وراثت بھی نہ ہو اور اخراجات کی کفالت بھی نہ ہو، جبکہ دوسری عورتیں صرف چار ماہ دس دن عدت گزار کر جہاں چاہیں نکاح کر لیں، لیکن ازواجِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس قسم کا تصور و خیال بھی روا نہ ہو۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابداً۔ تو آخر وہ زندگی کے ایام کس طرح پورے کریں اور اخراجات کہاں سے پورے کریں؟ تو اس ضمن میں ثقۃ الاسلام، شریعتِ مدار، مجتہد العصر بلکہ آیۃ اللہ اور روح اللہ کے القاب لکھنے والے علماء و مجتہدین کیا فرماتے ہیں کہ ان ازواج مطہرات کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اموال سے جملہ ضروری اخراجات ملنے ضروری ہیں یا نہیں؟ اور انہیں نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وعلیہم وعلیہن کی ازواج ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور امت کی طرف سے یہی بدلہ ملنا چاہیے کہ ان کی روزی بھی بند کر دی جائے اور اختیارِ نکاح بھی ختم کر دیا جائے کیا یہ زوجیت ان کے لیے اعزاز ہوئی، یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ . . . اور اَزْوَاجُہٗٓ اُمَّہٰتُہُمْ، یا سزا اور حبس بے جا کا موجب بن گئی، لہٰذا ہر صاحب عقل و ہوش اور صاحب دیانت و امانت تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یقیناً ازواجِ مطہرات کے جملہ اخراجات کی کفالت تا زیست انہیں اموال سے لازم ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف میں تھے، بلکہ امت کی مائیں ہونے کے لحاظ سے دور و دراز سے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اُمتی اور رُوحانی اولاد اُن کے در والا پر آئی تھی، لہٰذا اس حیثیت کو ملحوظ رکھ کر ان کو ضروریات مہیا کرنا لازم و ضروری تھا، تو کیا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس لیے گردن زدنی ہیں اور محلِ طعن و تشنیع کہ انہوں نے ازواجِ مطہرات کے حقوق کا تحفظ کیا اور حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت سیدۂ زہرا رضی اللہ عنہما کی ماؤں کی باعزت گزر بسر کا انتظام کیا اور شیعی نقطۂ نظر کے لحاظ سے اسلام پر لازم آنے والے لاجواب اعتراض کو دُور کر دیا کہ اسلام نے ازواج مطہرات کے حق میں کس عدل و انصاف کا مظاہرہ کیا ہے کہ اُمت کی عورتیں تو چوتھا یا آٹھواں حصہ لے سکتی ہیں، جبکہ چار سے زیادہ ایک شخص کے عقد میں آ بھی نہیں سکتیں اور صرف چار ماہ دس دن کے لیے پابند ہیں، جبکہ ازواجِ مطہرات کے لیے زندگی بھر کے لئے پابندی کہ دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکتیں اور تعداد کے لحاظ سے بھی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی پابندی نہیں تھی، اس لیے آپ کے بوقتِ وصال میں نو ازواجِ مطہرات بقیدِ حیات موجود تھیں اور ذرائع معاش اور اسبابِ کفالت میں ان کا حصہ بھی نہیں، تو ان کے حق میں اس سے بڑی اسلام کی طرف سے ناانصافی کیا ہوگی (اگر واقعی یہی اسلامی حکم ہو تو) لہٰذا حضرتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس توہم اور وسوسہ کو اپنی خداداد فراست اور صحیح نظر و فکر اور راست اقدام سے بیخ و بُن سے اکھاڑ دیا اور عدلِ اسلام کو مہرِ نیمروز کی طرح واضح کر دیا۔

یہود کی سازش اور حضرت صدیق اکبر اور حضرتِ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہما کی کمال دیانت

اگر دونوں حضرات نے جور و استبداد اور ظلم و ستم کا ارتکاب کرنا ہوتا تو دوسرے باغات بھی چھین لیتے، جس طرح پہلے عرض کیا ہے۔ نیز فدک کو قومی ملکیت قرار نہ دیتے، بلکہ اپنے نام منتقل کرتے یا اپنی صاحبزادیوں کے نام منتقل کر دیتے، جبکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی نہ اولادِ جسمانی تھی جو انہیں کما کر کھلائے اور نہ حضرت

Click For More Books
https://archive.org/details/@ zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حفصہ رضی اللہ عنہا کی آپ سے اولاد اور نہ ہی آپ کا سایہ ان کے سر پر رہا اور نہ ہی زندگی میں آپ نے کوئی مستقل ذریعۂ معاش اور سبب گزران کا ان کے لیے بنایا اور مخصوص ٹھہرایا، لہٰذا اگر ناجائز اقدام کرنا ہی تھا، تو پھر اپنی ان عزیز ترین بیٹیوں کے لیے کیوں مخصوص کر دیا جس سے صاف ظاہر ہے کہ انہوں نے اس کے متعلق جو فیصلہ فرمایا وہ مخصوص طور اور خالص دیانت داری اور امانت داری کے مطابق کیا اور وہ دنیا اور اس کے فانی مال کے نہ خود طلبگار تھے اور نہ اپنی اولاد کو اس کا طالب بنایا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کے صدقے میں ان اصحاب اور اخص تلامذہ کا یہ حال ہے تو امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی لختِ جگر رضی اللہ عنہا کے استغنا اور دُنیائے دوں سے تنفر کا عالم کیا ہوگا، تو پھر اس ناراضگی اور نہ ختم ہونے والے ارمانوں کا کیا مطلب؟ یقیناً یہ افسانہ نگاری سبائی ذہنیت کا شاہکار ہے، کیونکہ یہ علاقہ یہودیوں نے ہی لشکرِ اسلام کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکنے کی وجہ سے ڈر کر دے دیا اور مصالحت کر لی، مگر اپنے قلبی دُکھ درد اور رنج والم کا اظہار اس انداز سے کیا کہ وہی فدک قیامت تک اہلِ اسلام کے لیے افتراق وانتشار اور جدال وخصومت کا موجب اور باہمی سر پھٹول کا باعث بن گیا اور اس طرح کیونکر نہ ہوتا جبکہ وہ علاقہ بھی یہودیوں سے لے لیا گیا تھا اور یہ مذہب رفض وتشیع بھی انہیں کا جاری کیا ہوا ہے تو اگر یہ مذہب اس علاقہ کے ہاتھوں سے نکل جانے کی پریشانی واضطراب اور رنج والم اور دُکھ درد پر مشتمل نہ ہو اور یہود کو ذلیل وخوار کر کے مدینہ وخیبر سے نکال دینے والوں پر ظلم واستبداد اور جور وستم کے الزامات پر مشتمل ومحیط نہ ہو تو پھر اس کے جاری کرنے کا فائدہ ہی کیا ہو سکتا تھا، لہٰذا فدک کے بہانے ان امراءِ اسلام کو بھی جی بھر کر گالیاں دیں اور اپنے ارمان نکالے، بلکہ ان شاطروں نے ایسا مذہب اور مسلک ایجاد کیا کہ اس فدک پر اپنی بہو بیٹیوں اور ماؤں بہنوں کو رو تا دکھانے کی بجائے رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر فاطمہ وبتول رضی اللہ عنہا کو آنسو بہاتے دکھلایا اور بھری محفلوں میں اس مستورہ ومخدرہ کو اپنے اثباتِ دعویٰ میں تقریریں کرتے دکھایا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اور والد گرامی کے سُسر اور اپنے نانے پر ظلم و تعدی اور جور و نا انصافی اور شرعی احکام کی خلاف ورزی وغیرہ وغیرہ کے الزامات عائد کرتے اور خود انہیں اسی فدک کے غم میں جہانِ فانی سے کوچ کرتے دکھایا اور اہلِ اسلام میں سے ایک فرقے کو صدیوں سے اسی فدک کے غصب ہونے کی وجہ سے رونے دھوتے میں مصروف رکھا ہوا ہے اور یوں فدک حاصل کرنے کے عوض ان غازیانِ اسلام اور بانیانِ اسلام سے بھاری قیمت وصول کی اور بدلہ چکایا، لیکن ہم ہیں کہ نہ اس شاطرانہ چال کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ ان مقدس ہستیوں کے اخلاص و وفا کو ہی ملحوظ رکھ کر اس یہودی حربہ کو ناکام کرنے کی کوشش کرتے ہیں ؎

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا　　　کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

امرِ دوم: اب یہ دیکھنا ہے کہ فدک کی آمدنی سے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو اور اہل بیت کرام کو حصہ ملتا رہا یا نہیں؟ اور یہ حضرات اس کو قبول فرماتے رہے یا نہیں؟ اگر وراثت اور ہبہ کے طور پر ان کے حوالے نہ کرنے کے باوجود ان کے اخراجات کی کفالت ہوتی رہی ہو اور سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اور دیگر اہل بیت کرام اس آمدنی سے برضا و رغبت حصہ وصول کرتے رہے ہوں، تو پھر بھی اس اختلاف کی کوئی اہمیت نہیں رہ جاتی اور نہ اس کو اُچھالنے اور افسانوی رنگ دینے کی کوئی گنجائش رہ جاتی ہے۔

محاصلِ فدک سے کفالت اہل بیت رضی اللہ عنہم کا بیان

شرح ابن میثم بحرانی میں مرقوم ہے کہ جب حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے فدک کے متعلق بطورِ وراثتِ ملکیت کا دعویٰ کیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست سُنی ہوئی حدیث بیان فرمائی۔

انا معاشر الانبیاء لا نورث ذھبا ولا فضۃ ولا ارضا ولا عقارا ولا دارا ولکن نورث الایمان والحکمۃ والعلم والسنۃ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

وقد عملت بما امرنی وسمعت ۔ جلد خامس ص۱۰
یعنی ہم انبیاء کرام علیہم السلام کی جماعت کسی کو سونے، چاندی، زمین، مکان اور حویلی کا وارث نہیں بناتے، لیکن ایمان، حکمت، علم اور سُنّت کا وارث بناتے ہیں اور میں نے اسی پر عمل کیا ہے جس کا مجھے میرے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکم دیا اور جو میں نے آپ سے سُنا۔ وکذا فی الاحتجاج للطبرسی ص۱۰۲ مطبع جدید۔
اس کے بعد حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے فرمایا رسول خدا علیہ التحیۃ والثناء نے مجھے فدک ہبہ کر دیا تھا، تو حضرتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے گواہ طلب کیے۔ اس پر حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا نے کہا، حضرت علی اور حضرت اُمّ ایمن (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) چنانچہ ان دونوں نے آپ کے حق میں گواہی دی۔ اسی دوران حضرت عمر فاروق، اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما آئے، تو انہوں نے فدک کی آمدنی کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تقسیم اور مصارف کی تفصیلات بیان کیں، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا،

صدقت یا بنۃ رسول اللہ وصدق علی وصدقت ام ایمن وصدق عمر وصدق عبد الرحمٰن بن عوف وذالک ان لک مالابیک کان یاخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من فدک قوتکم ویقسم الباقی ویحمل منہ فی سبیل اللہ ولک علی اللہ ان اصنع بما کما کان یصنع فرضیت بذالک واخذت العہد علیہ بہ وکان یاخذ غلتہا فیدفع الیہم منہا ما یکفیہم ثم فعلت الخلفاء بعدہ کذالک ۔ شرح ابن میثم بحرانی جلد ۵ ص۱۰۷

یعنی اے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر رضی اللہ عنہا! آپ نے بھی سچ فرمایا اور حضرت علی، حضرت ام ایمن اور حضرت عمر فاروق اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی سچ کہا۔ حقیقتِ حال یہ ہے کہ جو حصہ رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا وہ اب بھی تمہارے لیے ہوگا۔ آپ کا طرزِ عمل فدک کے محاصل میں یہ تھا کہ تمہاری

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

روزی اور اخراجات کی مقدار کے مطابق ان سے لے لیتے تھے اور جو بچ جاتا اس کو تقسیم فرماتے اور جہاد کے لیے سواریاں خرید فرماتے اور میں آپ کو اللہ تعالیٰ ضامن دیتا ہوں کہ میں بھی وہی عمل اور طریق کار اختیار کروں گا جو آپ کا تھا، تو آپ راضی ہوگئیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس عمل اور طریق کار پر عہد لیا چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فدک کی آمدنی سے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی ضرورت اور کفایت کے مطابق ان کے گھر بھیجتے رہتے تھے اور آپ کے بعد والے خلفاء نے بھی اسی روش و کردار کو اپنایا اور حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم نے بھی یہی تفصیل شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید ص۲۱۶ جلد ۱۶ پر ابوبکر احمد بن عبدالعزیز الجوہری کے حوالے سے مرقوم ہے اور درہ نجفیہ شرح نہج البلاغہ جلد ۲ ص۳۳۲ پر موجود ہے۔

فوائد: شیعہ حضرات کی کتب معتبرہ میں منقول اس تفصیلی روایت سے کئی فوائد حاصل ہوتے۔ **پہلا فائدہ** یہ ہے کہ حضرت صدیق اور حضرت زہرا رضی اللہ عنہما کے درمیان اگر وقتی طور پر اس خاص مسئلہ میں اختلاف رائے پیدا ہوا بھی تھا تو وہ ختم ہوگیا اور آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے راضی ہوگئی تھیں۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ فدک میں اختلاف رائے کی جہت متعین ہوگئی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اخراجات کی کفالت میں پس و پیش نہیں کر رہے تھے، صرف ذاتی جائیداد اور موروثی ملکیت کے طور پر آپ کے حوالے کرنے کو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سمجھتے تھے اور اس کو وقف مال اور قومی ملکیت قرار دیتے تھے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مطالبہ پر جو جواب ان کو حضرت زہرا رضی اللہ عنہا اور حضرت مرتضےٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے دیا گیا تھا بعینہٖ وہی جواب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان حضرات کو دیا گیا تھا، گویا اس مسئلہ میں بھی باہم اتفاق و اتحاد ثابت ہوگیا۔

تیسرا فائدہ یہ ہے کہ فدک کے ہبہ کا یہ مطلب نہیں تھا کہ ساری جائیداد کا قبضہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو دے دیا گیا تھا ورنہ پھر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے حاصل وصول کرنے اور بقدرِ ضرورت حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو دے کر باقی کو جہاد اور دیگر ضروریات میں استعمال کرنے کا مطلب کیا ہو سکتا تھا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس قول کا اور اسے تسلیم کیے جانے کا مطلب کیا ہو سکتا تھا کہ میں اللہ تعالیٰ کو ضامن دیتا ہوں کہ میں اس کو اسی طرح تقسیم کروں گا، جس طرح رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم تقسیم فرماتے تھے اور آپ نے اس پر رضامندی ظاہر فرمائی، لہٰذا صاف ظاہر ہے کہ ہبہ سے مراد آمدنی کو ان حضرات پر صرف کرنا تھا نہ کہ ان کے قبضہ میں دے دینا، اور خود دست بردار ہو جانا۔

چوتھا فائدہ یہ ہے کہ حضرت علی اور حضرت اُمِّ ایمن رضی اللہ عنہا کی گواہی بھی رد نہیں کی گئی اور نہ حضرتِ زہرا رضی اللہ عنہا کا دعویٰ ہی بالکل رد کر دیا گیا تھا، بلکہ عملِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اور شہادتِ اکابر کے مطابق اس کی صحیح صورت و شکل اور جہت متعین کر دی گئی تھی کہ واقعی فدک کی آمدنی تمہارے سپرد کی جاتی تھی لیکن ساری آمدنی بھی نہیں دی جاتی تھی اور بطورِ ملکیت اور ذاتی جائداد بھی نہیں دی جاتی تھی، بلکہ انفال وفیٔ کے مصارف میں سے اہم مصرف ہونے کی بنا پر دی جاتی تھی، لہٰذا اس سے شیعہ حضرات کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر ردِّ دعویٰ اور ردِّ شہادت کا الزام عائد کرنے اور پھر اس پر واویلا کرنے کی بنیاد ہی ختم ہو گئی، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا اخلاص اور احترامِ اہل بیت باحسن طریق ثابت ہو گیا۔ والحمد للہ علیٰ ذالک۔

کیا فدک وغیرہ ذاتی ملکیت ہو سکتے ہیں؟

اس تفصیلی روایت اور اس کے فوائد و نتائج کو معلوم کر لینے کے بعد اب صرف یہ نکتہ قابلِ تحقیق و تدقیق رہ گیا کہ آیا فدک، اور اس قسم کے دوسرے اموال میں جو بقولِ کلینی اور بروایتِ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ انفال کہلاتے ہیں، ان میں وراثت جاری ہونی چاہیے یا نہیں؟ اور ایسے اموال قومی ملکیت قرار دیے جائیں یا حاکمِ وقت کی شخصی اور ذاتی ملکیت۔ اربابِ عقل و دانش سے یہ حقیقت مخفی نہیں رہ سکتی کہ جب بادشاہِ اسلام

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اور حاکمِ وقت افواج و سپاہ کے ہمراہ کسی ملک و قوم پر حملہ آور ہو اور وہ مقابلہ کی تاب نہ لاتے ہوئے کچھ علاقہ دے کر صلح کر لیں، تو وہ علاقہ لازمی طور پر قومی ملکیت قرار پائے گا نہ کہ اس حاکم و سلطان کی ذاتی ملکیت کیونکہ اس کے رعب و دبدبہ اور ہیبت و جلال کا مظہر افواج و سپاہ ہیں نہ کہ محض اس کی اکیلی ذات اور یہی صورتِ حال فدک کی بھی ہے کہ اس کو بطورِ مصالحت کے پیش کیا گیا اور جنگ سے بچاؤ حاصل کیا گیا۔ جہاں جنگ لڑی گئی، وہاں پر چار خمس مجاہدین اور غازیانِ اسلام کو دیئے گئے، لیکن یہاں جنگ نہیں لڑی گئی تھی، لہٰذا صرف ایک خمس کی بجائے پوری جائیداد پر صرف حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تصرف اور تولیت رہی، لیکن قومی ملکیت کے نگرانِ اعلیٰ اور حاکمِ وقت کے طور پر نہ کہ ذاتی جاگیر کے طور پر اور یہی عندیہ و نظریہ حضرت ابوبکر صدیق اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تھا کہ یہ قومی ملکیت ہے اور اس کو تمام مصارف میں خرچ کرنا حاکمِ وقت کی ذمہ داری اور اہم فریضہ ہے اور اس مال سے ازواجِ مطہرات اور جملہ اہلِ بیت کرام اور یتامیٰ و مساکین وغیرہ کے اخراجات پورے کئے جائیں گے اور جو بچ جائے گا، اس سے جہاد کے لیے ضروری سازوسامان حاصل کیا جائے گا اور یہی روش و رفتار اور عمل و کردار سیدِ عرب و عجم صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا اور اسی پر عمل پیرا ہونے کی حضرتِ صدیق رضی اللہ عنہ نے ضمانت دی اور باہمی صلح و صفائی ہو گئی اور اختلاف و نزاع بالکل ختم ہو گیا اور یہی عمل و کردار اپنے دورِ خلافت میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا بھی رہا جیسے کہ روایت کے آخری جملہ سے بھی ظاہر اور دیگر حوالہ جات سے بھی جو بعد میں ذکر کیے جائیں گے۔

کیا وراثتِ انبیاء کا شرعی حکم حضرت زہراء کو معلوم نہیں تھا؟

شیعہ حضرات کہتے ہیں کہ شریعت حضرتِ زہراء رضی اللہ عنہا کے گھر کی تھی تو کیا انہیں یہ مسئلہ معلوم نہیں تھا؟ انہوں نے اس کا مطالبہ پھر کیوں کیا تھا؟ تو ہمارا معروض نذرِ خدمت ہے۔

۱۔ جو عمل حضرتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا تھا، وہی عمل حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کا اپنے دورِ خلافت میں رہا، لہٰذا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے نقطۂ نظر پر مرتضوی عمل نے مہرِ تصدیق ثبت کر دی اور جب شہرِ علم اور مدینۃ الحکمت کے اس عظیم باب کی موافقت و مطابقت اور ہم خیالی ثابت ہو گئی، تو یہ اعتراض حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ذات سے مندفع ہو گیا، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب باب ہیں، تو اس سے وہی ظاہر ہو گا جو اس شہر کے اندر ہے، لہٰذا جب حقیقی مالک شرع حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا عندیہ و نظریہ معلوم ہو گیا، تو اعتراض کی کیا گنجائش رہی؟ موافقتِ عمل کا ایک اور حوالہ عرض کرتا چلوں۔ ابو بکر جوہری نے حضرت امام ابو جعفر محمد باقر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب محمد بن اسحاق نے ان سے سوال کیا کہ جب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ عراق اور اس کے علاوہ دیگر علاقوں میں مسلمانوں کے خلیفہ بن گئے، تو آپ نے ذوی القربیٰ والے حصے میں کیا روش اختیار کی، تو آپ نے ارشاد فرمایا، سلك بهم طريق ابى بكر و عمر۔ کہ انہیں ابو بکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) والے طریقہ پر چلایا، تو میں نے کہا، یہ کیسے اور کیونکر ہوا، حالانکہ تم تو فدک وغیرہ کے متعلق مختلف نظریہ رکھتے ہو، تو انہوں نے فرمایا ان کے اہل بیت وہی عقیدہ و نظریہ رکھتے ہیں، جو ان کا تھا، تو میں نے کہا تو انہیں فدک وغیرہ واپس کرنے میں کیا مانع پیش آیا؟ تو آپ نے فرمایا، كان يكره ان يدعى عليه مخالفة ابى بكر و عمر (شرح ابن ابی الحدید جلد ۱۶، ص۲۳۱) یعنی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس امر کو پسند نہیں کرتے تھے کہ ان کی طرف ابو بکر و عمر (رضی اللہ عنہما) کی مخالفت کی نسبت کی جائے۔ تو اگر ان کا عمل قرآن و سنت کے خلاف ہوتا، تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کتاب و سنت کی مخالفت کر کے ان کی موافقت کیسے کر سکتے تھے؟ لہٰذا اس اختلاف میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا عمل گویا ثالث اور حکم ٹھہرا اور یہ اختلافِ رائے حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت زہرا رضی اللہ عنہما کے باہمی اختلاف کی بجائے حضرت مرتضیٰ اور حضرتِ زہرا رضی اللہ عنہما کا اختلافِ رائے بن گیا، تو اب تو دونوں ہی حضرات شریعت والے باہم مختلف ہو گئے، تو کیا فتویٰ ہے، ان میں سے کس کا قول وزنی ہو گا؟

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

۲۔ بعض جزوی مسائل میں اختلاف آراء کا پایا جانا نہ ذاتی اختلاف کے زمرے میں آتا ہے اور نہ مذہب و مسلک کے اختلاف کے زمرے میں اور کسی ایک کی رائے کے وزنی ہوجانے سے دوسرے کی توہین و تحقیر بھی لازم نہیں آتی ۔۔ دیکھئے قرآن مجید نے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے اختلاف رائے کو بھی بیان فرمایا ہے اور اس میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم اور فیصلہ کو وزنی اور راجح بھی قرار دیا ہے، حالانکہ اس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام نہ نبوت و رسالت کے منصب پر فائز تھے اور نہ ہی حکومت و سلطنت پر بلکہ ابھی بالغ بھی نہیں ہوئے تھے۔

کما قال اللہ تعالیٰ، وَدَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ اِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا۔ (سورۃ الانبیاء)

یاد کرو داؤد اور سلیمان (علیہما السلام) کو جبکہ وہ کھیتی کے متعلق فیصلہ دیتے تھے، جبکہ اس میں ایک قوم کی بھیڑ بکریاں داخل ہو کر چر گئی تھیں اور ہم ان کے فیصلہ و حکم کا مشاہدہ کر رہے تھے اور وہ فیصلہ ہم نے سلیمان علیہ السلام کو سمجھا دیا تھا اور ان (باپ بیٹے) میں سے ہر ایک کو ہم نے فیصلہ کی قوت اور علم عطا کیا تھا۔

الغرض جب قرآن مجید کی رُو سے بیٹے کو باپ کے فیصلہ کے برعکس اور صاحب وقت پیغمبر اور خلیفہ کے خلاف رائے دینے کا حق ہے اور نہ یہ بیٹے کی طرف سے باپ کی شان میں گستاخی نہیں اور نہ حضرت داؤد علیہ السلام کی ہتک اور کسرِ شان، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو منصب خلافت پر فائز ہیں اور رشتہ میں نانے ہیں اور عمر میں بڑے، سفر و حضر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے والے تھے اور آپ کے وزیر و مشیر تھے، اور آپ کے فدک کے متعلق طرزِ عمل کو بھی آنکھوں سے دیکھنے والے تھے اور ان کے ارشادات کو بھی براہِ راست سننے والے تھے، انہیں یہ حق کیوں کر نہیں دیا جا سکتا کہ وہ اس مسئلہ میں اپنی صحیح معلومات پر مبنی دیانتدارانہ رائے ظاہر کر سکیں اور اس سے ان کی طرف سے حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کی شان میں کونسی تقصیر اور اسارت و بے ادبی لازم آسکتی ہے

Click For More Books
https://archive.org/details/@ zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

یا اس کو ظلم و جور اور استبداد سے کیونکر تعبیر کیا جا سکتا ہے؟

آخر مُروّت کا تقاضا کیا تھا؟

ابن العلقمی کے بندۂ درگاہ اور معتزلی شیعی ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں کہا، کان الاجمل ان یمنعھم التکرم مما ارتکبا منھما فضلا عن الدین وھذا الکلام لا جواب عنہ ولقد کان التکرم ورعایۃ حق رسول اللہ وحفظ عھدہ یقتضی ان تعوض ابنتہ بشیئ یرضیھا الخ (ص۲۸۶ جلد ۱۶)

یعنی زیادہ موزوں یہ تھا کہ انہیں جود و کرم اور مروت و رواداری اس سلوک سے روکتے جو انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کے ساتھ روا رکھا چہ جائیکہ دین و ایمان، اور اس اعتراض کا کوئی جواب نہیں، کیونکہ مروت اور سخاوت و کرم کا اور حقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگہداشت کا تقاضا یہی تھا کہ آپ کو کوئی چیز دے دی جاتی، جس سے آپ راضی ہو جاتیں۔

لیکن فدک وغیرہ کو حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے حوالے کر دینے کو مُروّت اور جُود و کرم قرار دینا اور حقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رعایت قرار دینا سراسر غلط ہے اور بقائمی ہوش و حواس اور شرعی معاملات کی نزاکتوں کو سمجھنے کے بعد ایسا سوال ہرگز نہیں اٹھایا جا سکتا، لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام کا بُغض بلکہ حضرات اہل بیت کی محبت میں غلو اگر کسی کے ہوش و حواس اور عقل و خرد کو ماؤف کر دے، تبھی اس قسم کے توہمات قلب و ذہن میں پیدا ہو سکتے ہیں۔ بہرحال اس سوال کی لغویت ملاحظہ کریں؛

۱۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا فدک اور دیگر اموال پر قبضہ ذاتی ملکیت کے طور پر نہیں تھا، بلکہ صرف انتظامی نوعیت کا تھا اور آپ اس کو قومی ملکیت کے طور پر بیت المال کا حصہ سمجھتے تھے اور مستحقین میں تقسیم کرنے کے پابند تھے۔ اگر دوسروں کا حق

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

سلب کرتے، تو از روئے شرع شریف مجرم ٹھہرتے۔ نیز حضرت سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا کو دوسروں کا حق دے دیتے، تو بھی آپ کو مجرم اور ظالم بناتے۔ العیاذ باللہ!

لہٰذا یہ سوچ اور فکر قطعاً اسلامی نہیں کہ چونکہ فلاں عظیم شخصیت نے یہ مطالبہ کر دیا ہے تو شرعی احکام کو نظر انداز کر دو، خود بھی مجرم و ظالم بن جاؤ اور اس ہستی کو بھی مجرم اور ظالم بنا ڈالو۔ نگاہِ شرع شریف میں چھوٹے اور بڑے سبھی برابر ہیں اور حقوق العباد میں کسی کی خاطر دائرہ شرع سے نکلنا اور حدود سے تجاوز کرنا روا نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس کو مروت و اخلاص اور حقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رعایت اور نگہداشت کہا جا سکتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس مخلص اور پسندیدہ جماعت کی پہچان اور تعارف کراتے ہوئے فرمایا، جس کو اس نے مرتدین اور باغیانِ اسلام کی سرکوبی کے لیے منتخب فرمایا تھا، لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ۔ کہ وہ شرعی احکام کے نافذ کرنے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوفزدہ نہیں ہوتے۔

اگر اللہ تعالیٰ کے احکام میں لچک پیدا کر لی جائے اور انہیں شخصیات کے گرد گھمانا شروع کر دیا جائے، تو یہ اسلام کی ابدیت اور دوام و بقاء اور اس کی انفرادیت اور امتیازی شان کے سراسر خلاف ہے اور اسلام کو یہودیت کے سانچے میں ڈھالنے کی ناکام کوشش ہے، کیونکہ یہودی احبار نے امیر و غریب اور اربابِ اقتدار اور محروم اختیار لوگوں میں تفریق پیدا کر رکھی تھی، لیکن اسلام نے اس تفریق اور امتیاز کو ختم کر کے بے لاگ اور بے مُرورعایت انصاف مہیا کرنے اور مستحقین کو حقوق ادا کرنے کی ضمانت دی۔ اگر خدا کا آخری دین بھی اسی اونچ نیچ اور امارت و غربت اور وجاہت و افلاس کا تفرقہ روا رکھے تو غرباء و فقراء اور دنیوی وجاہت سے محروم لوگ انصاف کس جگہ سے حاصل کر سکتے اور پھر اسلام کے پنپنے اور قابلِ قبول ہونے کی صورت ہی کیا ہو سکتی تھی؟ لہٰذا عقل و خرد کو شریعت کے تابع سمجھنے والوں کے ذہن میں اس قسم کے توہمات قطعاً پیدا نہیں ہو سکتے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

صدیقی مروّت و اخلاص

ہاں اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ذاتی مال کے متعلق حضرت سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا کا ایسا مطالبہ ہوتا اور وہ آپ کو پیش نہ کرتے، تو خلافِ مروت سمجھا جا سکتا تھا، لیکن اپنے اور بیگانے سبھی شاہد ہیں اور اس حقیقت کے اعتراف و اقرار میں متفق و متحد ہیں کہ حضرت سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا کو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی ساری پونجی پیش کرتے ہوئے عرض کیا، واللہ لقرابۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احب الی ان اصل من قرابتی (شرح حدیدی، جلد ۱۶ ص ۲۷) بخدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت اور رشتہ و پیوند کا لحاظ اور صلہ رحمی میرے لئے اپنے قرابت داروں کی نسبت زیادہ اہم اور پسندیدہ ہے۔ لہٰذا میرے ذاتی مال سے جو چاہو سو لے لو وہ آپ کا مال ہے، لیکن فدک وغیرہ کے متعلق اگر میں اس روش اور طریقہ سے عدول کروں جو جنابِ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا ہوا تھا، تو میں راہِ راست سے بھٹک جاؤں گا اور ابوبکر جوہری نے نقل کیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا،

یا ابنۃ رسول اللہ واللہ ما خلق اللہ خلقا احب الی من رسول اللہ ابیک صلی اللہ علیہ وسلم ولوددت ان السماء وقعت علی الارض یوم مات ابوک واللہ لئن تفتقر عائشۃ احب الی من ان تفتقری، اترانی اعطی الاحمر والابیض حقہ واظلمک وانت ابنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ھذا المال لم یکن للنبی صلی اللہ علیہ وسلم وانما کان مالا من اموال المسلمین یحمل النبی صلی اللہ علیہ وسلم بہ الرجال وینفقہ فی سبیل اللہ فلما توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولیتہ کما کان یلیہ (شرح ابن ابی الحدید جلد ۱۶ ص ۲۱۴)

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر! مجھے اللہ کی قسم ہے اللہ تعالیٰ نے کوئی فرد ایسا پیدا ہی نہیں کیا جو مجھے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح محبوب ہو اور جس دن آپ کا وصال ہوا، میں اس امر کا دل و جان سے آرزومند تھا کہ آج کے دن آسمان زمین پر گر پڑے اور جہان ہی ختم ہو جائے۔ اللہ کی قسم! میری بیٹی عائشہ کا محتاج اور فقیر ہو جانا میرے لیے قابلِ برداشت ہے، لیکن تمہارا محتاج و فقیر ہونا میرے لیے قابلِ برداشت نہیں ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ میں ہر سرخ اور سفید یعنی عربی اور عجمی کو تو مال دوں، لیکن تم پر ظلم کروں گا، حالانکہ تم میرے رسولِ کریم کی لختِ جگر ہو۔ صورتِ حال واقعی یہ ہے کہ یہ مال آپ کا ذاتی مال نہیں تھا بلکہ یہ مسلمانوں کے اموال میں سے ایک مال تھا جس میں سے آپ مجاہدینِ اسلام کو سواریاں مہیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے تھے۔ جب آپ کا وصال ہو گیا تو میں اس مال کا متولی بنا، جس طرح کہ آپ اس کے متولی اور نگران تھے الخ

اور احتجاج طبرسی میں یوں منقول ہے، وھذہ حالی ومالی وھی لك بین یدیك لا تزوی عنك ولا تدخرونك وانك وانت سیدۃ امۃ ابیك دالی، حکمك نافذ فیما ملکت یدای فھل ترین ان اخالف فی ذالك اباك صلی اللہ علیہ وسلم۔

ترجمہ: یہ میرا حال ہے (جو عرض کر چکا) اور یہ میرا مال ہے، جو آپ کی خدمت میں حاضر ہے اور آپ کا ہی مال ہے، وہ نہ تم سے سمیٹ کر دور کیا جائے گا اور نہ اس کو آپ کے علاوہ کسی کے لیے ذخیرہ کیا جائے گا، جبکہ تم اپنے باپ کی امت کی سردار ہو۔ تمہارا حکم میری مملوکہ اشیاء پر نافذ ہو گا۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ میں فدک کے معاملہ میں آپ کے والدِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کروں گا۔

۲- ابن ابی الحدید کے کلام سے یہ تاثر قائم ہوتا ہے کہ آپ نے کوئی شے دی اور نہ آپ کو راضی کیا، حالانکہ یہ سراسر بہتان ہے اور خلافِ واقع اور حقیقت ہے، جیسے کہ عرض کر چکا ہوں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں تمہیں اللہ تعالیٰ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کی ضمانت دیتا ہوں کہ میں اس تقسیم میں وہی طریقہ اختیار کروں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اختیار فرماتے تھے اور تمہارے تمام اخراجات اور ضروریات کی اسی طرح کفالت کروں گا، جس طرح آپ کرتے تھے اور عملی طور پر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ تمام اخراجات کی کفالت کرتے رہے اور فدک کی آمدنی میں سے معقول حصّہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی خدمت میں پیش کرتے رہے اور آپ قبول فرماتی رہیں لہٰذا واضح ہو گیا کہ جس مروّت کا اظہار رسولِ معظّم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے اسی مروّت کا آپ نے بھی فرمایا اور جس مروّت کا اظہار آپ نے نہیں فرمایا تھا، اُس مروّت کا اظہار خود رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نہیں فرمایا تھا جس طرح کہ ذکر کیا جائے گا کہ حضرتِ زہرا رضی اللہ عنہا نے فدک کا آپ سے مطالبہ کیا، لیکن آپ نے حوالے کرنے سے انکار فرما دیا۔ نیز یہ بھی ذکر ہو چکا کہ اس معاہدہ اور ضمانت کے بعد آپ راضی ہو گئیں۔ جب آپ کو راضی کر لیا، تو پھر بے مروّتی کے الزام کا کیا جواز رہ گیا؟ اور مروّت وہمدردی بلکہ اخلاص اور نیازمندی کا اس سے زیادہ مظاہرہ حدودِ شرع میں رہتے ہوئے ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

۳ - اگر آپ کے مطالبہ کے بعد مروّت اور ہمدردی صرف یہی تھی کہ آپ کو فدک دے دیا جاتا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ مروّت کا تقاضا کیا تھا جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری زندہ رہ جانے والا اپنا باپ فرمایا هذا بقية آبائى - اور ان کو باپ کے ساتھ والی شاخ قرار دیتے ہوئے فرمایا، عم الرجل صنوا بيه وهذا عمى وصنوابى - جو حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے لیے رشتہ میں دادا جان تھے، لہٰذا آپ کو چاہیے تھا کہ ان کے وراثت کا حصہ مانگتے ہر نہ صرف یہ کہ ان کا حق اور حصّہ ان کو عنایت فرمائیں، بلکہ سارے باغات ہی ان کے سپرد فرما دیتیں۔ لہٰذا اگر حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے اس جواب سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے حق میں بے مروّتی ثابت نہیں ہوتی، تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے ان اخلاص و نیازمندی پر مبنی جوابات سے کیونکر بے مروّتی کا الزام

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

لازم آسکتا ہے؟ جو جواب حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی طرف سے ہو سکتا ہے، وہی جواب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف سے بھی ہوگا، بلکہ بطریق اولیٰ، کیونکہ باعتراف شیعہ حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کے پاس تو فدک کے علاوہ سات باغ موجود تھے، جبکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پاس ایک بھی نہیں تھا۔

۴۔ اسی قسم کا واقعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بڑے بھائی حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کی طرف سے پیش آیا تھا، جس کا نہج البلاغہ میں تفصیلی تذکرہ بایں الفاظ موجود ہے۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، خدا کی قسم! اگر مجھے سعدان کے کانٹوں پر لیٹنا پڑے اور میں گلے میں طوق، ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر گھسیٹا جاؤں تو وہ مجھے اس سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے کہ میں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں اس حال میں حاضری دوں کہ میں اس کے بندوں پر ظلم کرنے والا ہوں اور ان کے حقوق غصب کرنے والا۔

پھر فرمایا، واللہ لقد رءیت عقیلا وقد املق حتی استماحنی من برکم صاعا ورءیت صبیانه شعث الشعور غبر الالوان من فقرهم (الی) فظن انی ابیعه دینی واتبع قیاده مفارقا طریقتی فاحمیت له حدیدة ثم ادنیتها من جسده لیعتبر بها الخ (نہج البلاغہ مع شرح ابن میثم جلد ۴، ص ۸۳)

ترجمہ: اللہ کی قسم میں نے اپنے بھائی عقیل کو دیکھا، جبکہ وہ مفلس وفقیر ہو چکا تھا اور اُس نے مجھ سے تمہاری (بیت المال کی) گندم سے صرف ایک صاع (چار سیر کا پیمانہ) طلب کیا تھا اور میں نے اس کے بچوں کو دیکھا کہ وہ پراگندہ بال ہیں اور فقر و فاقہ کی وجہ سے زرد اور خاکستری رنگت والے ہیں، جب بار بار انہوں نے اصرار کیا اور اپنے مطالبہ کے پورے کیے جانے پر زور دیا، تو میں نے اپنا کان اُس کی طرف جھکایا۔ اُس نے گمان کیا کہ میں اپنا دین اُس کے ہاتھ بیچ دوں گا اور میں اپنی مہار اس کے ہاتھ میں دے کر اُس کے پیچھے چلوں گا، جبکہ میں اپنی راہ و روش کو چھوڑنے والا ہوں گا تو میں نے لوہے کا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ایک ٹکڑا گرم کر کے اس کے جسم کے قریب کیا تا کہ عبرت حاصل کر لے تو اس گرم ٹکڑے کے جسم سے مَس ہوتے ہی اس کی چیخ نکل گئی، تو میں نے اس سے کہا، تجھ پر رونے والی عورتیں روئیں، تو اس ایک ٹکڑے کے مس ہونے سے چلا رہا ہے، جس کو ایک انسان نے مزاح اور مذاق کے طور پر گرم کر کے تیرے جسم کے قریب کیا۔ وتجرنی الی نار سجرھا جبارھا لغضبہ اتئن من الاذی ولا ائن من لظی اور تو مجھے اس آگ کی طرف کھینچتا ہے، جس کو اس کے مالک نے اپنا غضب ظاہر کرنے کے لیے بھڑکایا ہے۔ کیا تو اس تکلیف سے چلا اٹھا ہے اور میں جہنم کی دھکتی آگ سے نہ چلاؤں اور نہ چیخوں (اور بیت المال میں ناحق تصرف سے اپنے آپ کو دور نہ رکھوں)

واللہ لو اعطیت الاقالیم السبعۃ بما تحت افلاکھا علی ان اعصی اللہ فی نملۃ اسلبھا جلب شعیرۃ ما فعلت وان دنیاکم عندی لاھون من ورقۃ فی فم جرادۃ تقضمھا الخ

اللہ کی قسم! اگر مجھے ہفت اقلیم بھی دیئے جائیں بمع ان کے افلاک کے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، وہ سب کچھ دے دیا جائے، مگر اس شرط پر کہ میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کروں، چیونٹی کے منہ میں موجود جَو کے چھلکے کے متعلق بھی تو میں قطعاً وہ معمولی زیادتی روا رکھ کر اتنی عظیم سلطنت بھی لینے کے لیے تیار نہیں ہوں گا اور تمہاری یہ دنیا اپنی تمام تر وسعت اور فراخی کے باوجود میری نظر میں پتے کے اس ٹکڑے سے بھی حقیر تر ہے جو مکڑی کے منہ میں ہو جس کو وہ چبا رہی ہو

نہج البلاغہ کے اس طویل اقتباس سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ حضرت عقیل رضی اللہ عنہ جیسے بڑے بھائی کے بار بار اصرار کرنے پر بھی حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کی اولاد کی خستگی اور بدحالی کا مشاہدہ کرنے پر بھی صرف چار سیر گندم دینا گوارا نہ کیا۔ بلکہ اس تصرف کو جہنمی بننے کا سبب موجب قرار دیا اور اپنے بھائی کو لوہے کے گرم ٹکڑے کے ذریعے تکلیف وایذا دے کر اور تپش وحرارت کا احساس دلا کر اپنی معذوری اور مجبوری ظاہر کر دی وغیرہ وغیرہ تو اس اقتباس سے ابن ابی الحدید اور اس کے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہم مسلک اور دیگر غالیوں شیعوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل اور ان کی تنفیذ میں عظیم المرتبت اشخاص کی رورعایت کا وہم و گمان رکھنے والوں کے لیے اس میں تازیانہ عبرت ہونا چاہیے۔ اگرچہ امید اس کی نہیں، کیونکہ شارح نہج البلاغہ ہوتے ہوئے اور ایسے ارشادات ملاحظہ کرتے ہوئے بھی جس نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر بے مروتی کا الزام عائد کر دیا اور ان پر دین و ایمان کے تقاضوں کے برعکس عمل کرنے کا بہتان لگا دیا، تو ان کے عبرت حاصل کرنے کی توقع کیسے کی جا سکتی ہے۔

دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور، دل کا نور نہیں (اقبال)

کیا یہاں بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ صرف چار سیر گندم کا سوال تھا اور بیت المال کے اس معمولی مال کے حقداروں کو راضی بھی کیا جا سکتا تھا یا ان سے اجازت بھی تو لی جا سکتی تھی، لہٰذا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا اگر دین و دیانت اور ایمان و امانت اس کی اجازت نہیں دیتے تھے، تو ان کی شانِ مروت اور رواداری و اخلاص اور ہمدردی تو اس بے پرواہی اور بے اعتنائی کی اجازت نہیں دے سکتی تھی، اور صلہ رحمی اور قرابت داری بہر حال اسی امر کی متقاضی تھی کہ انہیں محروم نہ رکھا جاتا۔ اگر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا اور نہ کسی نے آج تک کیا ہے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض کیسے ہو سکتا ہے جبکہ گندم تو جلد گل سڑ جانے والی شے تھی اور اس کے مستحق محدود تھے اور فدک قیامت تک برقرار رہنے والی جائیداد تھی اور قومی ملکیت ہونے کی وجہ سے قیامت تک پیدا ہونے والی نسلیں اس کی حقدار تھیں تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کس کس کو راضی کرتے اور کس کس سے اجازت لیتے اور اپنی عاقبت کو کیوں خطرات سے دوچار کرتے، بلکہ اگر حضرت زہراء رضی اللہ عنہا دوسروں کا حق لے لیتیں، تو وہ اپنے ابا جان کو کیا منہ دکھلاتیں، لہٰذا نہ صرف حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بلکہ حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کی ارفع و اعلیٰ شان کا تقاضا تو یہ تھا کہ امت کے فقراء

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کی بھلائی بھی اسی میں تھی کہ اس مال کو اسی حال پر رکھا جاتا جس حال میں کہ وہ زمانۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں تھا، بلکہ حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کی ارفع و اعلیٰ شان کا تقاضا یہ تھا کہ امت کے فقراء و مساکین کی خاطر اپنا خالص حق بھی ان کے حوالے کر دیتیں نہ کہ ان کے حقوق کو ان کے ذرائع معاش اور اسباب کفالت کو اپنے لئے مخصوص ٹھہرا لیتیں اور امت پر ہر حال میں سب املاک اور قومی ملکیتیں ان کے حوالے کر دینی لازم ہو جاتیں۔

حضرت ام کلثوم بنت علی کا مروارید ی ہار بطور عاریت لینا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عتاب فرمانا

اسی ضمن میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا سلوک اپنی لخت جگر حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے بھی ملاحظہ فرمائیں۔ آپ نے بیت المال کے نگران و محافظ حضرت ابو رافع اور بروایتے علی بن ابی رافع سے عید کے دن آرائش کی خاطر بیت المال میں موجود ایک مروارید ی ہار تین دن کے لیے ادھار طلب فرمایا۔ انہوں نے واپسی کی ضمانت حاصل کر کے اور گمشدگی کی صورت میں تاوان کی ادائیگی کا عہد لے کر وہ ہار ان کے حوالے فرما دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہار ان کے گلے میں دیکھ کر پہچان لیا اور دریافت فرمایا کہ یہ تمہارے پاس کیسے پہنچ گیا، تو انہوں نے صورت واقعہ عرض کی۔ آپ نے نگران کو بلا کر فرمایا "آیا تو خیانت می کنی در بیت المال مسلمانان بے اذن و رضائے ایشاں گفتم پناہ بخدا می برم از آنکہ خیانت کنم در مال مسلمانان آنحضرت گفتند پس چگونہ بعاریت دادہ بدختر من عقد مروارید ی راکہ در بیت المال بود۔" آیا تو خیانت کرتا ہے مسلمانوں کے بیت المال میں ان کی اجازت اور رضامندی کے بغیر، میں نے کہا کہ میں اللہ سے پناہ طلب کرتا ہوں اس سے کہ اہل اسلام کے مال میں خیانت کروں، تو حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا تو پھر تو نے بطور عاریت میری بیٹی کو موتیوں کا ہار کیوں دیا ہے، جو بیت المال میں تھا؟

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حضرت ابورافع نے عرض کیا، اے امیر المومنین! تمہاری لختِ جگر نے مجھ سے بطورِ عاریت وہ ہار طلب فرمایا کہ عید کے دن اس کے ساتھ زینت و آرائش حاصل کریں اور میں نے ان سے واپسی کی ضمانت لے کر ان کے حوالے کیا ہے اور میں خود بھی اس کی واپسی یا تاوان کا خاص ضامن ہوں' تو آپ نے فرمایا،

کہ امروز می باید آں را ازو باز پس گرفت و بجائے خود نہادو لے بر تو اگر بعد ازیں چنیں کارے از تو ظاہر شود ترا عقوبت خواہم کرد و اگر دختر من آں عقد را نہ بروجہ مضمونہ مردودہ می گرفت ہر آینہ او اول زن ہاشمی می بود دست او را بدزدی بریدہ بودند ——— آج ہی وہ ہار ان سے واپس لے کر اپنی جگہ پر رکھ دو اور افسوس ہے تجھ پر اگر اس کے بعد تجھ سے ایسا فعل سرزد ہوا تو میں تجھے سزا دوں گا اور اگر میری بیٹی نے اس کو واپس کرنے کی ضمانت پر نہ لیا ہوتا تو وہ پہلی ہاشمیہ عورت ہوتی جس کا ہاتھ چوری کی وجہ سے کاٹ دیتے۔

جب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اس عتاب، عزم و عقاب کا حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو علم ہوا تو انہوں نے آپ سے عرض کیا،

من دختر تو ام و سزاوار تر از من کہ بپوشیدن آں عقد پس حضرت امیر باو گفتند اے دختر بواسطہ اشتہائے نفس خود از دائرہ حق بیروں مرو، مگر ہمہ زنان مہاجر دریں عید مثل ایں عقدے پوشیدہ بودند کہ تو را نیز بالیستے بآں مزین شد۔

(مجالس المومنین مصنفہ نور اللہ شوستری جلد اول صنف ۲۵)

ترجمہ، میں آپ کی بچی ہوں اور مجھ سے زیادہ اس کو زیبِ تن کرنے کا حقدار کون تھا؟ تو حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے ان کو فرمایا اے میری بیٹی! اپنے نفس کی خواہش کے تحت حق کے دائرہ سے باہر نہ نکلو، کیا سب مہاجر عورتوں نے اس عید میں اس طرح کے ہار زیب تن کر رکھے تھے کہ تمہیں بھی اس سے مزین ہونا چاہیے تھا۔

اس روایت اور صورتِ واقعہ کو ملاحظہ کرنے کے بعد بھی ایسی مروتوں کی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے۔ گندم حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کو دیتے تو وہ کھا جاتے، لیکن ہار تو

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نہ کہ بس یا تھا، نہ ہی ہمیشہ کے لیے دیا گیا تھا، صرف بطورِ عاریت ادھار لیا تھا۔ انتے بڑے غازیِ اسلام اور محسنِ ملت کی لختِ جگر محض تین دن کے بیچ ... والا خیانت پیشہ قرار پاتا ہے اور بیٹی! خواہش نفس کے تحت دائرۂ حق سے قدم باہر رکھنے والی قرار پاتی ہے تو حضرتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جس جائیداد کو بیت المال کا حصہ سمجھتے تھے، اس کو حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے حوالے کر کے خود بھی خیانت کے مرتکب قرار پاتے اور انہیں بھی دائرۂ حق سے باہر نکالتے جس کی حضرتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جیسے مخلص مومن اور کامل نیازمند سے کبھی توقع نہیں ہو سکتی تھی۔

فدک کے ساتھ سخاوت کا دعویٰ

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زبانی سنیے کہ ان عالی ظرف، بلند حوصلہ اور ارباب جُود سخا کے شایانِ شان کونسا امر ہے۔ بلیٰ کانت فی ایدینا فدك من كل ما اظلته السماء فشحت علیها نفوس قوم وسخت عنها نفوس قوم آخرين وما اصنع بفدك وغير فدك والنفس مظانها في غد جدث الخ (نہج البلاغۃ مع شرح حدیدی ص ۲۰۸ ج ۱۶ وابن میثم ص ۹۹ ج ۵)

یعنی ہمارے ہاتھوں میں آسمان کی پھیلی دنیا میں سے صرف فدک تھا، جس پر ایک قوم کے نفوس نے بخل و حرص کا مظاہرہ کیا تو دوسری قوم نے جود و سخا اور وسعتِ قلب و عالی ظرفی کا مظاہرہ کیا اور میں فدک اور اس کے ماسوا کو کیا کروں اور وہ میرے کس کام، جبکہ مجھے کل کے متعلق بھی زندہ رہنے کا یقین نہیں بلکہ قبر میں پہنچ جانے کا کھٹکا لگا ہوا ہے۔

یہ ہے وہ عمل اور طریقِ کار جو اہل بیت کے شایانِ شان ہے اور امتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت اور ان کے رشد و ہدایت کے لیے مقتداؤں کے لائق طرزِ عمل، اگر ائمہ کرام اور مقتدایانِ انام ہی معمولی سی دنیاوی منفعت کی خاطر جنگ و جدال اور حرب و قتال پر اتر آئیں اور ان کا غم و غصہ اور غیظ و غضب اترنے پر نہ آئے،

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تو وہ عام اہلِ اسلام سے توکل اور تبتل و انابت سے کام لینے کا مطالبہ کیسے کر سکتے ہیں اور دنیا کی حقارت و رذالت کو ان کے اذہان و قلوب میں کس طرح نقش کر سکتے ہیں۔ اسی طرح کا حکیمانہ ارشاد حضرت زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے بھی آپ نے فرمایا اور ان کو قناعت و توکل کا درس دیا، جبکہ بقولِ شیعہ آپ دربارِ صدیقی سے واپس جا کر ان پر برس پڑیں اور بہت سخت و سست کہا۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا:

نهنهى عن وجدك يا ابنة الصفوة وبقية النبوة فما ونيت عن ديني ولا اخطأت مقدوري فان كنت تريدين البلغة فرزقك مضمون وكفيلك مامون وما اعدلك افضل مما قطع عنك فاحتسبى الله فقالت حسبى الله وامسكت۔ (الاحتجاج طبرسی ص۱۰۱)

اپنا غم و غصہ جانے دیجیے اے خلاصۂ موجودات کی لختِ جگر اور آخر الزمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نورِ نظر، میں نے اپنے دین میں سستی کا مظاہرہ نہیں کیا اور نہ اپنے مقدور جدّ و جہد اور سعی میں خطا کی ہے۔ اگر تم (حصولِ فدک کے ذریعے) اپنی ضروریات اور اخراجات تک رسائی اور کفالت کا ارادہ رکھتی ہو تو تمہارے رزق کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضمانت دی جا چکی ہے اور تمہارا کفیل اور ضامن لائقِ اعتماد اور صاحبِ امانت ہے اور جو کچھ تمہارے لیے آخرت میں تیار کیا جا چکا ہے، وہ اس سے بہت بہتر ہے، جو تم سے قطع کیا گیا ہے لہٰذا اس معاملہ میں صبر کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھو اور جزع و فزع سے باز رہو۔ تو آپ نے فرمایا، مجھے اللہ تعالیٰ کافی ہے اور آپ نے غم و غصہ اور پریشانی و اضطراب کا اظہار بند کر دیا۔

کیا یہ مقامِ تعجب اور محلِ حیرت نہیں ہوگا کہ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی تو اسلام کی خاطر گھر بار، مال و اسباب اور خویش و اقربا قربان کر دیں اور جو کچھ پاس تھا، وہ سب کچھ لٹا دیں، مگر اس ہادیٔ برحق کی لختِ جگر اور قریب ترین

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مقدس ہستیاں صرف اموال و امتعہ اور املاک و جایدادیں سمیٹنے کے درپے ہوں۔ بالیقین کسی بھی اہل بیت کی عظمت کے قائل و معترف شخص کا ضمیر نہ اس وسوسہ کو قبول کرتا ہے اور نہ ہی یہ ان کے شایانِ شان ہے۔

تعارض ہی تعارض

۱۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ تہذیب الاحکام من لایحضرہ الفقیہ اور کافی کلینی کی روایاتِ صحاح میں بصراحت مذکور ہے کہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے زیرِ تصرف سات باغات تھے اور انہوں نے ان کو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا اور پھر علی الترتیب حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے لیے وصیت فرمائی لیکن نہج البلاغہ جیسی معتبر و مستند کتاب میں مرقوم ہے کہ آسمان کے نیچے کی وسیع و عریض دنیا میں سے آپ کے زیرِ تصرف صرف فدک تھا۔ اگر صحاحِ ثلاثہ والی روایات صحیح ہیں تو یہ غلط ہے اور اگر یہ صحیح ہے تو وہ غلط ہیں۔

۲۔ نہج البلاغہ کی عبارت سے یہ ثابت ہے کہ ہم نے فدک کے ساتھ سخاوت کر دی تھی اور عالی ظرفی اور بلند حوصلگی کا مظاہرہ کیا تھا۔ اگر یہ دعویٰ صحیح ہے تو ناراضگی اور قطعِ تعلقی اور ترکِ سلام و کلام کے افسانے غلط ہیں اور اگر وہ صحیح ہیں تو پھر نہج البلاغہ میں مرقوم خطباتِ مرتضویہ پر اعتماد و اعتبار کی کوئی وجہ نہیں رہتی۔

۳۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فرمان پر اگر حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے اللہ تعالیٰ کے ثواب اور اجر کو حاصل کرنے کے لیے صبر سے کام لیا تھا تو پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر تا زیست ناراضگی اور بائیکاٹ جاری رکھنے اور جنازہ کی نماز میں شامل ہونے سے روکنے کے افسانے بے بنیاد ہیں اور اگر وہ صحیح ہیں، تو علامہ طبرسی کا درج کردہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ خطبہ اور ارشاد ناقابلِ اعتبار ہو گیا اور صرف اس جگہ نہیں، بلکہ ہر جگہ شیعی روایات تعارض و تضاد کا ہی نمونہ ہیں اور کیوں نہ ہو دروغ بافی اور کذب بیانی کا یہی نتیجہ ہوا کرتا ہے کہ "دروغ گو را حافظہ نباشد"

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کیا یہ سوال لاجواب تھا؟ آپ نے ابن ابی الحدید کا دعوائے باطل ملاحظہ کیا تھا کہ اس سوال کا جواب نہیں بن سکتا، تو ہماری ان گزارشات کو ملاحظہ کرنے کے بعد ترازوئے انصاف وعدالت تمہارے ہاتھ میں ہے۔ تو خود ہی اپنے دین و دیانت اور ایمان و امانت کے مطابق فیصلہ کریں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا گھر حاضر کر دیا۔ اخراجات کی کفالت کا عہد کیا اور حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کو راضی کرنے کی ہر امکانی کوشش کی، حتیٰ کہ آپ کو راضی کر لیا، تو اس کے علاوہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کس مروت کا مظاہرہ کرتے، جبکہ حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ معاملہ اور سلوک بھی تمہارے سامنے ہے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا اپنے دورِ خلافت کا عمل بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے صدق و اخلاص پر مہرِ تصدیق ہے۔

تائید مزید کے طور پر حضرت زید بن زین العابدین رضی اللہ عنہما کے ارشاد کی طرف توجہ فرماویں جو آپ نے میدانِ کارزار میں تلواروں کی چھاؤں میں تیروں کی بارش اور نیزوں کی نوکوں کے سامنے برملا، برسرِ عام یہ اعلان فرمایا اور پچیس ہزار افراد میں سے صرف پانچ سو باقی رہ گئے اور دوسرے سبھی الگ ہو گئے، لیکن حسین رضی اللہ عنہ کے غیور خمیر سے پیدا ہونے والے اس عظیم و جلیل امام نے حضرات شیخین کی عظمت و جلالت اور علو مرتبت و فضیلت اور کتاب و سنت کی مطابقت و متابعت کو ببانگِ دہل بیان کیا اور فرمایا:

ا۔ درحقِ ایشاں جز بسخن خیر نمی گویم واز اہل خویش نیز درحق ایشاں جز بسخن خیر نشنیدہ ام و بالجملہ زید فرمود ایشاں بکتاب خدا و سنتِ رسول کار کردند و برکسے ظلم و ستم نراندند (ناسخ التواریخ جلد دوم از کتاب دوم صفحہ ۵۹)

یعنی میں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے حق میں سوائے خیر اور بھلائی کے کلام نہیں کرتا اور اپنے اہل بیت اور آباء و اجداد سے بھی ان کے حق میں سوائے خیر اور بھلائی کے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کلمات کے کبھی کچھ نہیں سنا۔ خلاصہ کلام یہ کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان دونوں حضرات نے کتاب خدا اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کیا اور کسی شخص پر ظلم وستم نہیں کیا۔

ظاہر ہے کہ جن لوگوں نے یہ سوال کیا تھا، وہ ان کے حق میں ظلم اور غصب کی بدظنی میں مبتلا تھے، لیکن فرزند رسول نے بر سر دار ان حضرات کی برأت بیان کی اور ان سے ہر قسم کے ظلم وستم اور جور واستبداد کی نفی کر دی۔ اگر فی الواقع ایسا کوئی غلط اقدام ان کی طرف سے ہو چکا ہوتا تو آپ اس کا اعلان کر کے اپنے لشکر کو مطمئن کر سکتے تھے، ان کی امداد واعانت سے بھی مستفید ہو سکتے تھے اور اپنی جان بھی بچا سکتے تھے، لہٰذا حضرت زید رضی اللہ عنہ کے اس جواب سے صاف ظاہر ہو گیا کہ ان حضرات کا دامن اس قسم کے سوء ظن اور بدگمانیوں اور غلط بیانیوں کی آلودگی اور آلائش سے پاک تھا اور بے داغ وبے غبار، اسی لیے فرزند رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی ایسے موقعہ پر بھی برأت بیان کرنا ضروری سمجھی، جبکہ خود ان کی جان خطرات میں گھری ہوئی تھی۔

۲۔ حضرت زید بن زین العابدین رضی اللہ عنہ کا ایک اور ارشاد ملاحظہ فرمائیں، جس کو ابن ابی الحدید نے ابوبکر احمد بن عبدالعزیز الجوہری کی کتاب سے نقل کیا ہے کہ بختری بن حسان نے حضرت زید بن زین العابدین رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ میں ابوبکر کی توہین کرنا چاہتا ہوں اور ان کے اس اقدام کی مذمت کرنا چاہتا ہوں کہ انہوں نے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا سے فدک چھین لیا تھا، تو آپ نے ارشاد فرمایا:

ان ابا بکر کان رجلا رحیما وکان یکرہ ان یغیر شیئا فعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (الی) وایم اللہ لو رجع الی لقضیت فیھا بقضاء ابی بکر۔ (شرح حدیدی جلد ۱۶، ص ۲۲۰)

بے شک ابوبکر رحیم وکریم آدمی تھے (لہٰذا وہ غصب کے روادار کیونکر ہو سکتے تھے) وہ اس امر کو پسند نہیں کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل وکردار میں تبدیلی کریں (تا)، اور اللہ کی قسم اگر وہ معاملہ میرے پاس بھی پہنچتا، تو میں وہی فیصلہ کرتا جو ابوبکر نے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کیا تھا۔ رضی اللہ عنہ وعنہ۔

امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کی تائید و تصدیق

اسی طرح کا سوال حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے بھی کیا گیا، جس قسم کا سوال حضرت زید رضی اللہ عنہ سے کیا گیا تھا اور آپ نے بھی بالکل ویسا ہی جواب عطا فرما کر حضرت صدیق اور فاروق رضی اللہ عنہما کی برأت بیان فرمائی۔

عن کثیر النوال قلت لابی جعفر محمد بن علی جعلنی اللہ فداءك ارأیت ابا بکر و عمر هل ظلما کم من حقکم شیئا فقال لا والذی انزل القرآن علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا ما ظلمانا من حقنا مثقال حبة من خردل قلت جعلت فداءك افاتولاهما قال نعم ویحك تولهما فی الدنیا والاخرة وما اصابك ففی عنقی ثم قال فعل اللہ بالمغیرة وبنان فانهما کذبا علینا اهل البیت (شرح حدیدی ج ۲ ص ۲۲)

یعنی کثیر النوال سے مروی ہے کہ میں نے حضرت ابو جعفر محمد بن علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا، اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر فدا فرمائے، یہ تو فرمایئے کہ ابو بکر و عمر نے تمہارے حق میں کسی قسم کی تعدی یا زیادتی اور جور و ظلم کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا نہیں، مجھے اس ذاتِ اقدس کی قسم ہے، جس نے اپنے عبد خاص پر قرآن نازل کیا تا کہ وہ سب اہل جہاں کے لیے نذیر ہوں اور انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرائیں۔ ان دونوں حضرات نے ہم اہل بیت کے حق میں رائی کے دانے کے برابر بھی ظلم و تعدی سے کام نہیں لیا۔ میں نے عرض کیا میں آپ پر قربان کیا جاؤں۔ کیا میں ان دونوں سے محبت رکھوں؟ آپ نے فرمایا تجھ پر افسوس ہے ان دونوں سے دنیا و آخرت میں دوستی اور قلبی عقیدت و محبت رکھ اور اگر تجھے ان کی محبت و الفت سے کوئی ضرر اور نقصان لاحق ہوا تو وہ میری گردن پر ہوگا اور میں اس کا ضامن ہوں گا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ مغیرہ اور بنان پر لعنت کرے اور انہیں تباہ و برباد کرے، ان دونوں نے ہم اہل بیت پر بہتان باندھے اور ہماری طرف جھوٹی روایات منسوب کیں اور قبل ازیں رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم، علی مرتضیٰ، عبداللہ بن عباس وغیرہم کے ارشادات بھی ملاحظہ کر چکے اور اب ان اہل بیت کے اکابرین کا نظریہ معلوم ہو جانے کے بعد اور ان کا حضراتِ شیخین کے ساتھ قلبی تعلق معلوم ہونے کے بعد بلکہ ان کی طرف سے شیخین کی محبت و الفت کا حکم دینے کے بعد اور ہر قسم کے اُخروی مؤاخذہ اور عذاب و عتاب سے تحفظ کی ضمانت فراہم کرنے کے بعد بھی صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کے دامن پر کسی آلودگی اور آلائش کا وہم و گمان کیا جا سکتا ہے اور ان حضرات کی محبت و عقیدت سے کسی مومن کا قلب و جگر خالی رہ سکتا ہے، جبکہ حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ جیسی ہستی نے ان مذہبی چوروں ڈاکوؤں اور بہتان تراش اور افتراء پرداز یہودیوں اور مجوسیوں کی نشان دہی بھی کر دی ہو تو پھر ایسے الزامات عائد کرنے والے مذہب اہل بیت اور دینِ مرتضیٰ اور دینِ باقر و جعفر پر ہونے کا قطعاً دعویٰ نہیں کر سکتے بلکہ صرف اور صرف مغیرہ و بنان جیسے کذابوں کے دین و مذہب پر ہونے کا ہی دعویٰ کر سکتے ہیں، کیونکہ جب اکابرینِ اہل بیت کو وہ حق فدک یا حق خلافت کے مفروض حقداروں کو ان پر اعتراض نہیں ہے، تو ہمیں ان پر تنقید اور اعتراضات کا کیا حق پہنچتا ہے، اور ان کی تحقیر و توہین کی جرأت و جسارت کیسے کر سکتے ہیں اور ان معاملات کو اچھالنے اور شور و شر پیدا کرنے کا کیا حق ہے؟ اللّٰھم ارزقنا حبک وحب حبیبک وحب آلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

تنزیہ الامامیہ — از علامہ محمد حسین ڈھکو صاحب

مسئلہ فدک کا اجمالی بیان

حضرات! حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٖ کے فدک کے متعلق ارشادات ملاحظہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

فرمالیے اور بطورِ تتمہ ہماری گزارشات بھی، تو اب علامہ ڈھکو صاحب کے جوابات ملاحظہ ہوں: ۱۔ مؤلف کی حالت بھی عجیب ہے کہ بغیر ربط و ارتباط کے کبھی کوئی مسئلہ چھیڑ دیتے ہیں اور کبھی کوئی مسئلہ۔

۲۔ جن مسائل پر فریقین کی طرف سے ضخیم اور مستقل کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ پیر صاحب انہیں چند سطروں میں حل کر دینا چاہتے ہیں۔

۳۔ پیر صاحب سیالوی نے مسئلہ فدک کے سلسلہ میں دو باتوں پر بہت زور دیا ہے۔ اوّل یہ کہ فدک از قسم انفال تھا نہ از قسم فیٔ اور انفال کا حکم یہ ہے، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیاتِ طیبہ میں اس کے واحد مالک تھے اور آپ کے بعد جو امام ہوگا، وہی مالک ہوگا، جس طرح چاہے اُس کو خرچ کرے۔ دوسرا یہ کہ فدک کے متعلق جتنی روایات ہیں، ان کا راوی ابن شہاب زہری ہے، جو کہ شیعہ تھا، لہٰذا یہ روایات ناقابل قبول ہیں۔

۴۔ یہ امر تو طے شدہ ہے کہ فدک مالِ غنیمت کے قسم سے نہیں تھا جس میں تمام اہلِ اسلام شریک ہوتے اور جب یہ تسلیم ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے واحد مالک تھے۔ تو ہم بانگِ دہل اعلان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اسی حق کو استعمال کرتے ہوئے باغِ فدک حضرت زہرا (رضی اللہ عنہا) کو دے دیا تھا یعنی ہبہ کر دیا تھا اور وثیقہ بھی لکھ دیا تھا۔ چنانچہ جب آیت اتری، وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ۔ یعنی اپنے قرابت داروں کو اُن کا حق دے دو، تو آپ نے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو بلا کر فدک ان کے حوالے کر دیا۔

۵۔ حضرت زہرا (رضی اللہ عنہا) نے پہلے ہبہ کا دعویٰ کیا، مگر جب دربارِ خلافت سے گواہوں کا مطالبہ ہوا، تو آپ نے حضرت علی، حضرات حسنین رضی اللہ عنہم، اور ام ایمن لونڈی کو بطورِ گواہ پیش کیا، مگر تاریخ اسلام کا یہ المناک واقعہ ہے کہ ان بزرگواروں کی شہادت کو رد کر دیا گیا، تب خاتونِ جنت (رضی اللہ عنہا) نے اپنے دعوے کا عنوان بدل کر فرمایا از روئے قانونِ وراثت دے دو اور یہ میرا حق ہے، جو

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مجھے ماننا چاہیئے، مگر افسوس کہ حسبنا کتاب اللہ کہنے والوں نے خود ساختہ حدیث کے ذریعے حضرتِ زہراء رضی اللہ عنہا کو فدک سے کوئی چیز دینے سے انکار کر دیا

۶۔ حضرتِ زہراء (رضی اللہ عنہا) نے آیات پڑھ پڑھ کر اپنا حق ثابت کیا مگر اس کے جواب میں صرف ایک حدیث پیش کی گئی اور فدک دینے سے انکار کر دیا گیا، جس کا اثر حضرت زہراء (رضی اللہ عنہا) پر یہ ہوا کہ آپ نے مکمل بائیکاٹ کر دیا اور وصیت فرمائی ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) میرے جنازے میں شامل نہ ہوں۔

۷۔ بخاری و مسلم کی روایات سے عیاں ہے کہ حضرت زہراء (رضی اللہ عنہا) کی ایذاء اور ناراضگی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے ایذاء ہے اور ان کی ناراضگی کی موجب ہے اور ان دونوں کی ناراضگی کا حکم قرآن مجید میں یوں بیان کیا گیا ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا۔ آج اگر پیر صاحب ان حقائق پر پردہ ڈالیں، تو یہ ناممکن ہے۔ (رسالہ تنزیہہ الامامیہ ص۱۶۶ تا ص۱۶۸)

نوٹ، مندرجہ بالا آیتِ کریمہ ڈھکو صاحب کے رسالہ میں یوں لکھی ہوئی ہے: ان الذین یوذ ون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ۔ تو کیا علامہ موصوف کے اس طرز و طریق کے مطابق ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس سے علامہ ڈھکو صاحب کی قرآن دانی پر تیز روشنی پڑتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ مگر ہم تو علامہ موصوف سے تمام تر اختلاف کے باوجود اسی حسنِ ظن سے کام لیں گے کہ وہ اتنے جاہل و بے خبر بھی نہیں کہ انہیں یہ آیت معلوم نہ ہو۔ بلکہ یہ کاتب کی لاعلمی اور کتابت کی غلطی ہے، تو کیا علامہ موصوف بھی حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کے متعلق اسی طرح کے حسنِ ظن سے کام لے سکتے ہیں اور اسی قسم کی دیانت و امانت کا مظاہرہ کر سکتے ہیں؟ قطعاً نہیں کیونکہ ضمیر ضمیر کے بھی کچھ تقاضے ہوا کرتے ہیں۔

ابوالحسنات محمد اشرف سیالوی غفرلہٗ

تحفۂ حسینیہ

علامہ محمد حسین ڈھکو صاحب کے جوابات کا مطالعہ کر لینے کے بعد اب جوابات ملاحظہ فرمادیں اور انصاف و دیانت کے تحت خود ہی فیصلہ فرمادیں کہ حق و صداقت کس

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

طرف ہے اور یہ بھی دیکھیں کہ علماء شیعہ کے پاس شاعرانہ تخیل اور لفاظی کے سوا کیا ہے؟

جواب الاوّل: پہلے جواب کا تعلق رسالہ "مذہب شیعہ" میں مذکور مسائل اور ان کے باہمی ربط و تعلق سے ہے، جس پر ہم نے کلمۃ التقدیم میں تفصیل سے گفتگو کر دی ہے، لہٰذا وہاں پر ملاحظہ فرماویں۔ مختصر یہ کہ پہلے حضرات خلفاء کے مناقب بیان کیے پھر ان کے مثالب کا جواب دیا تاکہ ان کے دامن عظمت پر اڑائی گئی یہ گرد و غبار لوگوں کی نظروں سے چھٹ جائے اور آفتاب حقیقت کھل کر سامنے آجاتے۔

جواب الثانی: دوسرے جواب کا حاصل یہ تھا کہ جب فریقین کی مستقل اور ضخیم کتابوں سے مسئلہ فدک حل نہیں ہو سکا، تو پیر صاحب چند سطروں میں اس کو کس طرح حل کر سکتے ہیں؟ مگر اس جواب میں کوئی وزن نہیں، کیونکہ مسئلہ کو حل کرنے کی نیت ہو اور اہل اسلام کے باہمی اختلافات سے پہنچنے والے نقصانات کا احساس ہو اور باہمی اتحاد و اتفاق کی اہمیت و ضرورت پیش نظر ہو اور انفرادی منفعت کو قربان کرنے کا جذبہ دل میں بیدار ہو جائے تو واقعی چند سطروں بلکہ ایک جملہ میں ہی یہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے، لیکن ؎ تم ہی اگر نہ چاہو تو باتیں ہزار ہیں

اس ضمن میں درج ذیل جملوں پر غور کر لیا جائے۔ عین ممکن ہے کہ ان میں سے ہر ایک جملہ رفع نزاع اور دفع خصومت کے لیے کافی ثابت ہو:

(۱) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا طرز عمل اور روش و رفتار اپنے دور حکومت و خلافت کیا تھی (۲) کیا آپ نے خلفاء سابقین کے جور و ظلم کو برقرار رکھا اور ان کے ساتھ حصہ دار بن گئے۔ (۳) کیا فدک وغیرہ کی سابقہ حیثیت صرف خلفاء سابقین کے معتقدین کو خوش رکھنے اور ہمنوا بنائے رکھنے کے لیے برقرار رکھی؟

(۴) کیا خلیفۂ وقت پر حقداروں کو ان کا حق مہیا کرنا لازم ہے یا نہیں؟؟

(۵) کیا امارت و خلافت حاصل ہونے پر بھی صحیح اسلامی احکام نافذ نہ کرنے والا عند اللہ مجرم ہے یا نہیں؟ (۶) اپنی دنیوی عزت و آبرو اور حکومت و سلطنت والے اعزاز و افتخار کو برقرار رکھنے کی خاطر اخروی گرفت اور مؤاخذہ کو نظر انداز کیا جا سکتا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہے؟ (۷) کیا حضرات حسنین کریمین اور اُن کی ہمشیرگان نے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے ترکہ و ورثہ سے اپنا حصّہ اور استحقاق حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہبہ کر دیا تھا؟ (۸) حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بقولِ شیعہ فدک واپس کر دیا تھا، تو وہ واپس کیوں لیا گیا تھا، جبکہ اس پر سے اپنا استحقاق ختم کر دیا گیا تھا؟ (۹) حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فدک واپس کر دیا تو کیا ان کو خلافت ختم ہونے کا اندیشہ نہیں تھا، صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہی اندیشہ تھا؟ (۱۰) اگر مغصوب شئے اہل بیت واپس نہیں لیتے تھے، تو خلافت کیوں لے لی وغیرہ ذالک (۱۱) فدک حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حق امام ہے اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ امام المسلمین اور حاکمِ اسلام تھے۔ کما ذکر شیخ الاسلام قدس سرہٗ ——— الغرض دیانتداری سے ایک ہی جملے میں غور و خوض کرنے سے یہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے ؎

اگر در خانہ کس است، یک نکتہ بس است

جواب الثالث والرابع: علامہ صاحب نے کہا کہ پیر صاحب سیالوی کے اعتراف کے مطابق حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فدک کے واحد مالک تھے اور آپ کے بعد جو امام و خلیفہ ہوگا، وہی اُس کا مالک ہوگا، جبکہ یہ بھی مسلم کہ یہ مالِ غنیمت کے قسم سے نہیں تھا تاکہ سب اہلِ اسلام اس میں شریک ہوتے، لہٰذا ہم ببانگِ دہل کہتے ہیں کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا یہی حق استعمال کرتے ہوئے فدک حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دیا تھا، لیکن یہ جواب بوجوہ غلط ہے اور ناقابلِ اعتبار و اعتداد۔

ا: پیر صاحب سیالوی نے شیعی کتب کا حوالہ دے کر شیعی نقطہ نظر بیان کیا تھا کہ فدک ظاہری زندگی میں آپ کا حق تھا اور آپ کے بعد جو امام و خلیفہ بنا اس کا حق تھا۔ اب اس کو پیر صاحب کا نظریہ و عندیہ قرار دینا سراسر غلط ہے وہ تو شیعی عندیہ بیان فرما رہے تھے۔

ب: علاوہ ازیں اگر فدک پر خصوصی حق کو استعمال کرتے ہوئے آپ نے اس کو

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے حوالے کر دیا تھا، تو حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب یہ روایت لغو اور باطل ٹھہری، کیونکہ بقولِ شیعہ امام حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے، لہٰذا ان کو ملنا چاہیے اور بقولِ اہل السنت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ امام و خلیفہ تھے، لہٰذا ان کو ملنا چاہیے تھا، لیکن اُن کی بجائے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو عطا ہو گیا، تو حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی اولاد میں سے چوتھی پشت میں پیدا ہونے والے فرزند ارجمند کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل اور کردار کے خلاف یہ استحقاق بیان کرنے کا کیا حق تھا؟ جبکہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی امامت کا کوئی فریق بھی قائل نہیں ہے، تو گویا جعفریوں نے اپنے امام کے قول کو ہی رد کر دیا۔

۲۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فدک کی انتظامی حیثیت واضح کر کے بتلا دیا کہ وہ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی ملکیت نہیں تھا، ورنہ اس میں وراثت جاری ہوتی، نہ کہ آپ کے بعد آنے والے امام اور خلیفہ کو اس میں تصرف کا حق حاصل ہوتا، لہٰذا علامہ موصوف نے اپنے مذہب کی مستند و معتبر کتاب میں امام عالی مقام حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے مندرج فرمان کو مہمل اور بے مغز بنانے کی ناکام کوشش کی ہے اور سراسر تلبیس اور دھوکہ بازی سے کام لیا ہے، جبکہ اس روایت کا صریح اور متبادر معنی و مفہوم یہی ہے کہ فدک اور جملہ اقسامِ انفال قومی ملکیت کے قسم سے ہیں اور حاکمِ وقت اس میں تصرف کرنے کا مالک ہوگا اور مصالح اہل اسلام میں خرچ کرنے کا جیسے کہ مالِ وقف کے متولی کا اس میں حقِ تصرف بھی ثابت ہوتا ہے، لیکن ذاتی ملکیت بھی نہیں ہوتی کہ جس کو چاہے اس جائیداد کا مالک بنا دے۔ اگر یہ صورت جائز ہوتی تو پھر حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے اس فرمان ثم للامام بعدہ یضعہ حیث یشاء کا کیا معنیٰ رہ گیا، کیونکہ جب پہلا امام اور متولی جائیداد کا وجود ہی باقی نہ رکھے، اسے بیچ دے یا ہبہ کر دے، تو دوسرے کے لیے تصرف کہاں سے ثابت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہو سکے گا اور روایات کو ان کے صریح اور متبادر مفہوم سے بغیر کسی قطعی صارف کے پھیرنا اور تبدیل کرنا قطعی درست نہیں ہوتا۔

۳۔ ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ علماء شیعہ نے ابھی تک یہ سوچنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تصرف قومی ملکیت سے تعلق رکھنے والے اموال بھی تھے اور آپ ان سے مجاہدین کی ضروریات اور آلاتِ جہاد اور سواریوں کی خریداری فرماتے تھے اور فقراء و مساکین پر اور وفود و اضیاف پر خرچ فرماتے تھے وہ ہر شے کی طرف صرف ذاتی ملکیت کے آئینہ ہی میں دیکھتے ہیں اور قبل ازیں بیان ہو چکا کہ فدک سے ازواجِ مطہرات اور دیگر اہل بیت کرام کے اخراجات پورے کرنے کے ساتھ ساتھ آپ اس سے جہاد کی تیاری میں مدد لیتے تھے اور اسی طریقہ مصطفوی کو اپنانے کا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عہد کیا اور آپ ان پر راضی ہو گئیں اور آپ کے ساتھ ان اموال کے مختص ہونے کا صرف یہ مفہوم ہے کہ مال غنیمت کی طرح مجاہدین کا اس میں حق نہیں۔ لہٰذا علامہ موصوف نے جو جواب ببانگِ دہل دیا، وہ ڈھول کی طرح کھوکھلا اور بے مغز ہے اور اسی کی طرح شور و شغب، اس کو ان کی مذہبی روایات جو شیخ الاسلام قدس سرہ نے ذکر کی تھیں، ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

۴۔ علامہ صاحب نے دعویٰ کیا کہ جب آیت مبارکہ آتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ نازل ہوئی، تو آپ نے حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کو بلا کر فدک ان کو ہبہ کر دیا تھا اور وثیقہ لکھ دیا تھا، لیکن فدک کا ہبہ کیا جانا اور آیت کریمہ کے اس کے ہبہ کرانے کے لیے نازل کیا جانا دونوں باتیں سراسر غلط اور خلافِ واقع ہیں۔

کیا فدک حضرت زہرا کو ہبہ کیا گیا تھا؟

۱۔ فدک کا حضرتِ زہرا رضی اللہ عنہا کو ہبہ کیا جانا محض دعویٰ ہے اور واقعات کی رُو سے قطعاً اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ ابن میثم بحرانی کے حوالے سے عرض کر چکا ہوں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ کے ہبہ والے دعویٰ کے جواب میں فرمایا کہ تم

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نے بھی اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور امِ ایمن نے بھی یہ کہا اور حضرتِ عمر اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہما نے بھی سچ کہا۔ صورتِ حال واقعی یہ تھی کہ:

کان رسول اللہ یاخذ قوتکم ویقسم الباقی ویحمل منہ فی سبیل اللہ ولك علی اللہ ان اصنع کما کان یصنع فرضیت بذالك الخ (شرح ابن میثم بحرانی صفحہ ج ۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری روزی اور گزران کے مطابق اس سے لے کر تمہارے حوالے کرتے تھے اور باقی کو تقسیم فرما دیتے تھے اور اسی سے راہِ خدا اور جہاد فی سبیل اللہ کے لیے سواریوں کا بندوبست فرماتے تھے اور میں آپ کو اللہ ضامن دیتا ہوں کہ میں بھی اسی طرح اس کو تقسیم کروں گا جیسے کہ آپ تقسیم فرماتے تھے، تو آپ اس پر راضی ہوگئیں ـــــ جس سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگیا کہ اسے ہبہ سمجھنا محض اس وجہ سے تھا کہ اس سے ضروریات کی کفالت ہوتی تھی اور حقیقتِ حال واضح ہونے پر ہبہ کا دعویٰ آپ نے ترک فرما دیا۔ نیز اگر ہبہ ہو چکا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس میں اس طرح کے تصرف فرمانے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی تھی کہ آپ کی اجازت کے بغیر اس سے جہاد کے لیے ضروری اسباب و آلات خریدنے اور دیگر مصارف میں خرچ فرماتے، یہ تصرف اور تقسیم مقاصدِ ہبہ کے سراسر خلاف ہے۔

۲۔ اسی مضمون کی متعدد روایات بخاری شریف، مسلم شریف اور دیگر صحاح میں موجود ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فدک کو اپنے تصرف میں رکھا ہوا تھا بلکہ یہ تصریح بھی موجود ہے کہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے مطالبہ کے باوجود آپ نے فدک ان کے حوالے نہیں کیا تھا۔

(۱) عن مالك بن اوس بن الحدثان قال کان فیما احتج بہ عمر ان قال کانت لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاث صفایا بنو النضیر وخیبر وفدك فاما بنو النضیر فکانت حبسا لنوائبہ واما فدك فکانت حبسا لابناء السبیل واما خیبر فجزأھا رسول

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاثۃ اجزاء جزاین بین المسلمین وجزء نفقۃ لاهلہ فما فضل عن نفقۃ اهلہ جعلہ بین فقراء المہاجرین ۔ رواہ ابوداؤد)

حضرت مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اموال فیئ تقسیم کرکے ان کے حوالے کرنے اور باہمی اختلاف ختم کرانے کے مطالبہ پر) ان پر حجت قائم کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تین مخصوص اموال تھے بنو النضیر کا علاقہ، خیبر اور فدک ۔ بنو النضیر والا علاقہ اپنے ضروریات کے لیے مخصوص تھا اور فدک مسافروں کی ضروریات کے لیے مختص تھا، لیکن خیبر کے تین حصے کر دیئے تھے، جن میں سے دو اہل اسلام کے درمیان تقسیم ہوتے تھے اور ایک تہائی اپنے اہل کے اخراجات کے لیے مخصوص تھا، تو اس میں سے جتنا قدر بچ جاتا اسے فقراء مہاجرین کے درمیان تقسیم فرماتے تھے ۔

ب : قالت وکانت فاطمۃ تسئال ابا بکر نصیبها مما ترک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من خیبر وفدک وصدقتہ بالمدینۃ فابی ابوبکر علیها وقال لست تارکا شیئا کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعمل بہ الا انی عملت فانی اخشی ان ترکت شیئا من امرہ ان ازیغ ۔ (بخاری شریف باب فرض الخمس جلد اول ص ۴۳۵) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اپنے حصے کا مطالبہ کیا تھا، ان اموال سے جو رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑے تھے یعنی خیبر، فدک اور مدینہ منورہ میں صدقات نبویہ تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انکار کیا اور کہا میں اس عمل کو ترک نہیں کر سکتا، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے، بلکہ میں بھی اسی طرح کروں گا، کیونکہ میں اس سے ڈرتا ہوں کہ اگر میں حضور اکرم

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

صلی اللہ علیہ وسلم کے امر سے ذرہ بھر بھی ترک کروں گا، تو میں راہِ راست سے ہٹ جاؤں گا۔

ج : فکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینفق علیٰ اھلہ نفقۃ سنتھم من ھٰذا المال ثم یاخذ مابقی فیجعلہ مجعل مال اللہ فعمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بذالک حیاتہ انشدکم باللہ ھل تعلمون ذالک قالوا نعم ثم قال لعلی وعباس انشدکما باللہ ھل تعلمان ذالک قال عمر ثم توفی اللہ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ابوبکر انا ولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقبضھا ابوبکر فعمل فیھا بما عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واللہ یعلم انہ فیھا لصادق بار راشد تابع للحق الحدیث ــ

(بخاری شریف، ج ۱، ص ۴۳۶) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مال فیئ (فدک اور بنو نضیر اور خیبر) سے اپنے اہل کو سال بھر کا خرچ عطا کرتے تھے پھر جو بچ جاتا اس کو اللہ تعالیٰ کے مال کی جگہ صرف فرماتے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل فرمایا اسی طریقہ پر اپنی ساری زندگی میں، میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے نام کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں، کیا تم اس کو جانتے ہو؟ تو انہوں نے (حضرت عثمان، سعد بن ابی وقاص، عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم) نے عرض کیا، ہاں! پھر حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا، "میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے نام کا واسطہ دیتا ہوں) کہ تم دونوں اس کو جانتے ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فوت کیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ولی امر اور خلیفہ ہوں، تو آپ نے اس کو اپنے قبضے میں لیا۔ پس اس میں وہی روش اختیار فرمائی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنائی تھی اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ اس روش و رفتار اور عمل و کردار میں البتہ سچے محسن، راست رو اور حق کے تابعدار تھے الخ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ان تینوں روایات کو غور سے پڑھیں تو بالکل واضح ہوتا ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ظاہری حیاتِ طیبہ میں فدک کو دوسرے اموالِ فئی کی طرح اپنے قبضہ اور تصرف میں رکھا ہوا تھا اور اس کی آمدنی کو اپنی صوابدید کے مطابق خرچ کرتے تھے اور اس حقیقت کا اعتراف ان چھ حضرات نے بھی فرمایا، لہٰذا ہبہ کر دینے اور حوالے کر دینے کا دعویٰ ان حقائق کی رو سے قطعاً غلط ہے۔

ف : تیسری روایت میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے فدک پر متصرف اور قابض ہونے کی بھی وہی دلیل بیان کی گئی ہے جو حضرت شیخ الاسلام نے کافی کلینی کے حوالے سے ذکر کی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ثم للامام بعدہ یضعہ حیث یشاء کہ رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ مال امام اور خلیفہ کے زیرِ تصرف ہوگا، وہ اس کو اپنی صوابدید کے مطابق اہلِ اسلام کے مصالح اور ضروریات میں استعمال کرے گا، لہٰذا شیعہ و اہل سنت کی مستند ترین کتب اور معتمد ترین شخصیتوں کے اقوال سے فدک کے ہبہ ہونے کی بھی نفی ہو گئی اور اس کے ذاتی جاگیر و جائیداد ہونے کی بھی نفی واضح ہو گئی، تو جب کوئی اس کی ذات کا مالک ہی نہ ہو، بلکہ صرف اس کے محاصل کو مصالح عباد میں صرف کرنے کا حقدار ہو تو وہ اس کا کسی دوسرے شخص کو ازروئے شرع مالک بنا ہی نہیں سکتا، چہ جائیکہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی شریعت کا خلاف کریں اور پھر اپنی لختِ جگر کے لئے۔ العیاذ باللہ

د - اسی ضمن میں مزید تصریح ملاحظہ فرماتے چلیں کہ حضرت سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا نے تملیکِ فدک اور اس کے ہبہ کا مطالبہ کیا لیکن آپ نے انکار فرما دیا

عن المغیرۃ بن شعبۃ قال ان عمر بن عبد العزیز حین استخلف جمع بنی مروان فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کانت له فدك فكان ينفق منها و يعود على صغير بني هاشم و يزوج منها ايمهم و ان فاطمة سألته ان يجعلها لها فأبى فكانت كذالك في حيوة رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى مضى لسبيله فلما

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ان ولی ابو بکر عمل فیها بما عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حیاته حتی مضی لسبیله فلما ان ولی عمر بن الخطاب عمل فیها بما عملا حتی مضی لسبیله ثم اقطعها مروان ثم صارت لعمر بن عبد العزیز فرأیت امرًا منعه رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاطمة لیس لی فیها بحق وانی اشهد کما انی رددتها علی ما کانت علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیه وآله وصحبه وسلم وعهد ابی بکر وعمر رضی اللہ عنهما رواہ ابوداؤد مشکوۃ باب الفیئ)

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب عمر بن عبد العزیز خلیفہ بنائے گئے تو انہوں نے بنو مروان کو جمع کیا اور فرمایا کہ فدک حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف میں تھا اور آپ اس سے ازواجِ مطہرات اور اہل وعیال پر خرچ فرماتے تھے۔ نیز بنو ہاشم کے یتامیٰ کی کفالت فرماتے تھے اور ان کی بچیوں کی شادی پر اس سے خرچ کرتے تھے اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے آپ سے اس کے متعلق مطالبہ کیا کہ ان کے لیے مختص فرما دیں اور مالک بنا دیں' تو آپ نے اس سے انکار فرما دیا، لہذا یہ فدک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیاتِ طیبہ میں اسی حالت پر برقرار رہا، حتیٰ کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ آپ کے بعد جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ والی بنے' تو انہوں نے بھی اپنی خلافت کے دوران تازیست وہی روش اور طریقہ اپنایا جو رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنایا تھا' حتیٰ کہ ان کا بھی وصال ہو گیا۔ بعد ازاں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس کے متولی بنے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے طریقہ کے مطابق عمل کیا' حتیٰ کہ ان کا وصال ہو گیا۔ پھر مروان نے اس کو بطورِ جاگیر اپنے تصرف میں رکھا، پھر وہ عمر بن عبد العزیز کے تصرف میں آ گیا' یعنی مروان نے اپنے دورِ امارت و حکومت میں اس پر بطورِ ذاتی جاگیر قبضہ جما لیا اور پھر اس کی اولاد بطورِ وراثت اس پر قابض ہو گئی۔ تو میرا نظریہ وعندیہ یہ ہے کہ جو چیز رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اپنی لختِ جگر حضرتِ زہراء رضی اللہ عنہا کو نہیں دی تھی اور ان کے مطالبہ کو اس بارے میں پورا نہیں فرمایا تھا، تو میرا حق نہیں بنتا کہ میں اس کو ذاتی جاگیر کے طور پر اپنے تصرف میں رکھوں اور میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے فدک کو اس کی اسی حالت میں لوٹا دیا ہے جس پر کہ وہ زمانۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے عہد میں تھا۔

ف : ابوداؤد شریف کی اس روایت سے بھی واضح ہے کہ فدک آنحضرت کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیاتِ طیبہ میں آپ کے ہی تصرف میں رہا اور اس سے ازواجِ مطہرات اور اہل و عیال کے اخراجات کی کفالت کے ساتھ ساتھ بنو ہاشم کے یتامیٰ کی کفالت ہوتی تھی اور ان کی بچیوں کی شادی کے اخراجات پورے کیے جاتے تھے۔ نیز یہ بھی ثابت ہو گیا کہ حضرت زہراء رضی اللہ عنہا نے تملیک اور ہبہ کا مطالبہ کیا، لیکن رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پورا نہ فرمایا تو ان صحاح روایات سے جب ہبہ اور تملیک کی نفی ہو رہی ہے، تو علامہ موصوف کا بانگِ دہل یہ اعلان کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فدک حضرت زہراء رضی اللہ عنہ کو ہبہ کر دیا تھا، ڈھول کی طرح کھوکھلا اور بے مغز دعویٰ ہے اور محض شور و شر۔

فدک کس کے سامنے ہبہ کیا گیا؟

ھ : اسی ضمن میں طبقاتِ ابن سعد سے ایک روایت پیشِ خدمت ہے جس سے ہبہ کے دعویٰ کی مزید قلعی کھل جاتی ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کے ساتھ عقیدت و محبت اور اخلاص و نیازمندی کا کامل اظہار بھی ہوتا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت زہراء رضی اللہ عنہا نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد خیبر، فدک اور صدقاتِ مدینہ کی وارث ہوں جیسے کہ تمہاری بیٹیاں تمہاری وفات کے بعد تمہاری وارث ہوں گی۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

فقال ابوبکر ابوك والله خیر منی و انت والله خیر من بناتی وقد قال رسول الله صلی الله علیه وسلم "لا نورث ما ترکنا صدقة" یعنی هذه الاموال القائمة فتعلمین ان اباك اعطاکها فوالله لئن قلت نعم لاقبلن قولك ولاصدقنك قالت جاءتنی ام ایمن فاخبرتنی انه اعطانی فدك قال سمعته یقول هی لك؟ فاذا قلت قد سمعته فهی لك فانا اصدقك واقبل قولك قالت قد اخبرتك ۔ طبقات ابن سعد، جلد ۲، صـ ۱۳۲

تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا بخدا آپ کے والدِ گرامی مجھ سے بہتر تھے اور بخدا تم میری بیٹیوں سے بہتر ہو اور یقین جانئے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے، ہم کسی کو اپنے زیرِ تصرف اموال کا وارث نہیں بناتے۔ ہم جو کچھ چھوڑ جائیں، وہ صدقہ ہے، یعنی اموال جو قائم اور باقی ہیں۔ کیا تمہیں اس امر کا قطعی علم ہے کہ تمہارے والدِ گرامی نے تمہیں یہ اموال اور یہ اراضی عطا کی ہیں؟ اگر تم اثبات میں جواب دو اور ہاں کہہ دو، تو میں آپ کا قول قبول کر لوں گا اور آپ کے دعویٰ کی تصدیق کر دوں گا۔ آپ نے فرمایا میرے پاس ام ایمن آئی تھی اور اس نے مجھے بتلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فدک مجھے دے دیا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کیا خود تم نے زبانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ آپ نے فرمایا فدک تمہارا ہے؟ اگر تم اس طرح کہو کہ خود میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سنا ہے، تو پھر فدک یقیناً تمہارے لیے ہے، میں آپ کے دعوے کی تصدیق کروں گا اور آپ کے فرمان کو قبول کروں گا۔ آپ نے فرمایا: میں نے صحیح صورتِ حال اور واقعہ کی اصلیت بتلا دی ہے (میری معلومات اس معاملہ میں بس یہی ہیں)۔

ف ۱: کیا اس طرح کی روایات کے موجود ہوتے ہوئے فدک کے ہبہ ہونے کا دعویٰ اور اس پر قبضہ و تصرف ثابت کیا جا سکتا ہے اور کوئی عقلِ سلیم اور فہمِ مستقیم

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کا مالک یہ باور کرسکتا ہے کہ ہبہ کرنے والے نبیِ مکرّم صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور ہبہ کیا جائے حضرت زہراء رضی اللہ عنہا جیسی لختِ جگر اور بانوئے مرتضیٰ کو۔ لیکن نہ حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کو براہِ راست بتایا جائے اور نہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو، بلکہ صرف ام ایمن لونڈی کو ہی بطورِ رازداری اس حقیقت سے آگاہ کرنا تھا؟ لہٰذا یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح آشکار ہوگئی کہ فدک کا نہ ہبہ حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کے لیے پایا گیا تھا اور نہ ہی ان کو قبضہ دیا گیا تھا، جبکہ ہبہ بلا قبض مفید ملک ہوتا ہی نہیں۔

نیز حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر گواہی رد کرنے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت زہراء رضی اللہ عنہ کو ناقابلِ اعتبار ٹھہرانے کے الزام واتہام کی حیثیت بھی واضح ہوگئی کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ تو صرف ان کے اس قول پر بھی فدک دینے کو تیار ہیں کہ خود میں نے والدِ گرامی اور رسولِ معظم سے سُنا ہے کہ اے فاطمہ! فدک تمہارے سپرد ہے، لیکن آپ نے نہ اپنی طرف سے سننے کا دعویٰ کیا اور نہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے براہِ راست سننے کا دعویٰ۔ تو اس صورت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر اس بہتان اور الزام تراشی کا کیا جواز رہ جاتا ہے؟

ف ۲۔ نیز حضرت زہراء رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وارث ہوں، جس طرح تمہاری وفات کے بعد تمہاری بیٹیاں تمہاری وارث ہوں گی، تو اسی ارشاد کو فدک میں قولِ فیصل کے طور پر تسلیم کرلیتے ہیں کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد فدک کی حضرت عائشہ، حضرت اسماء اور حضرت ام کلثوم اور بیٹے رضی اللہ عنہم، وارث بنے تھے یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان کی صاحبزادی حضرتِ حفصہ رضی اللہ عنہا وارث بنی تھیں؟ جبکہ وہ بھی متولّی فدک رہے، تو پھر حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کے دعویٰ کی صداقت کو کون شخص چیلنج کرسکتا ہے؟ اور اگر وہ وارث نہیں بنیں اور یقیناً نہیں بنیں تو صورتِ حال واقعی واضح ہوگئی کہ وراثت کا تعلق ہوگا، تو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ذاتی جائیداد سے نہ کہ قومی ملکیت اور عام اہلِ اسلام کے حق سے، جن میں وہ بطور حاکم متصرف رہے۔ اسی لیے نہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادیوں نے اس پر حق وراثت جتلایا اور نہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی نے اور یہی ان حضرات کا نقطۂ نظر رسولِ معظم رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فدک میں تصرف کے متعلق ہے۔

ہبہ کی دلیل اور اس کی حقیقت

شیعہ اور سُنی مستند کتب کے ان حوالہ جات کو ملاحظہ کرنے کے بعد اور حضرت زید بن امام زین العابدین اور امام محمد باقر رضی اللہ عنہما کے ارشاداتِ عالیہ جن میں حضراتِ شیخین سے جور و ظلم کی نفی اور ان کے کتاب و سنت پر عمل درآمد کو واشگاف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے، انہیں پڑھ لینے کے بعد اب علامہ ڈھکو صاحب کی دلیلِ ہبہ ملاحظہ فرماویں اور حقائق او واقعات کے آئینہ میں اس استدلال کی لغویت اور بیہودگی ملاحظہ کریں اور علمائے شیعہ کی دیدہ دلیری دیکھیں کہ الزام کن بلند مرتبت ہستیوں پر ہے اور دلیل کی حیثیت کیا ہے؟ علامہ موصوف نے فرمایا، چنانچہ یہ آیتِ کریمہ اتری، وَآتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ۔ یعنی قرابت داروں کو ان کا حق عطا کرو، تو آپ نے حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کو بلا کر فدک ان کے حوالے کر دیا۔

لیکن یہ دلیل بوجوہ تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ ضعیف اور کمزور ہے۔

اوّل : اس دلیل نے ہبہ کے دعوے کو ہی ختم کر دیا، کیونکہ ہبہ تو ہوتا ہے اپنے حق کا غیر کو تفویض کرنا اور آیتِ کریمہ بتلا رہی ہے کہ قرابت داروں کو ان کا حق دے دو تو جس حقدار کو اس کا ہی حق ادا کیا جائے، اس کو ہبہ کہنا کس لغت اور عرف و اصطلاح میں درست ہو گا، لہذا اگر واقعی آیتِ مبارکہ کا شانِ نزول یہ ہے تو پھر ہبہ کا دعوٰی ہی غلط ہو گیا، کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حقدار کو اس کا حق دیا نہ کہ اپنا حق۔

دوم : علامہ ڈھکو صاحب کے جواب میں سراسر تعارض پیدا ہو گیا۔ ایک طرف

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تو فدک کو خالص اور مختص ملکیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلیم کیا جیسے کہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے فرمان سے حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ نے ثابت کیا اور ڈھکو صاحب نے اسی کو بنیاد بناتے ہوئے کہا کہ ہم ببانگِ دہل اعلان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اسی حق کو استعمال کرتے ہوئے باغ فدک حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے حوالے کر دیا تھا۔ اگر آپ اس کے واحد مالک تھے تو فدک آپ کا حق ہوا نہ کہ ذوی القربیٰ کا اور اگر ان کا حق تھا، تو آپ اس کے واحد مالک کیسے بن گئے؟ لہٰذا اس آیتِ کریمہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واحد مالک ہونے کی نفی کر دی اور اس حق کو استعمال کر کے ہبہ کرنے کی بنیاد ہی ختم کر دی۔

سوم: اگر آیت نازل ہونے پر فدک حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے حوالے کر دیا گیا تھا تو ظاہر ہے اس پر قبضہ ان کا ہو گا اور محاصل کی مالک بھی وہ ہوں گی اور مزدور وغیرہ مقرر کرنا بھی ان کی اپنی صوابدید اور ذمہ داری، تو پھر وصالِ نبوی کے بعد نہ وراثت کا جھگڑا کھڑا ہو سکتا تھا اور نہ ہبہ ہونے کا بلکہ قبضہ اور ملکیت کی بحالی کا دعویٰ ہونا چاہیے تھا اور بے دخلی کے خلاف احتجاج ہونا چاہیے تھا اور جب اس طرح کا کوئی احتجاج نہیں پایا گیا تو واقعاتی شہادت نے علامہ موصوف کے استدلال کو لغو و باطل ٹھہرا دیا۔ نیز قبضہ وغیرہ ہوتا تو شہادت کے نصاب کے پورا نہ کر سکنے کی بھی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی تھی، کیونکہ مزدور اور کارکنوں کی کھیپ سے گواہی دلوائی جا سکتی تھی اور جب حضرت علی اور امِ ایمن رضی اللہ عنہا کے علاوہ کوئی گواہ بھی نہ مل سکا، تو فدک پر قبضہ کر لینے کے بعد وہاں کام کرنے والے کدھر چلے گئے تھے، لہٰذا واضح ہو گیا کہ قبضہ اور تصرف قطعاً نہیں پائے گئے تھے بلکہ صرف اور صرف رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی اس پر قابض اور متصرف تھے، جیسے کافی کلینی، ابن میثم اور دیگر حوالہ جات سے یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے لہٰذا طبرسی کا یہ دعویٰ سراسر غلط ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی حکومت مستحکم کر لینے کے بعد حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہ سے فدک چھیننے کا عزم کر لیا اور آپ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے وکیل اور مختار عام کو وہاں سے نکال دیا، کیونکہ وہ وکیل یقیناً اتم ایمن یا علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسرا شخص ہی تھا اور یقیناً مسلمان بھی ہوگا تو اس کو ساتھ ملا کر نصاب شہادت تو پورا کر لیا جاتا، جبکہ باعتراف شیعہ نصاب شہادت پورا نہ ہونے کی وجہ سے دعویٰ ثابت نہ ہوسکا اور اسے خارج کر دیا گیا۔ نیز تعجب کی بات یہ ہے کہ بقول طبرسی شکایت تو تھی بے دخلی کی، لیکن مطالبہ آپ نے وراثت کا کر دیا۔ اصل عبارت احتجاج مطبع جدید سنہ ۹۱۰۹ پر ملاحظہ فرمائیں:

چہارم: علامہ موصوف نے اور جملہ شیعی مفسرین نے اس آیت کریمہ کو فدک سے متعلق و مرتبط کر دیا ہے، لیکن تاریخی شہادت کی رو سے اس کو فدک سے مرتبط و متعلق کرنا سراسر غلط ہے کیونکہ یہ آیت مبارکہ قرآن مجید میں دو جگہ وارد ہے اور دونوں سورتیں مکی ہیں، یعنی ہجرت سے قبل نازل ہونے والی جبکہ اس آیت کے مدنی ہونے کا بھی کسی نے قول نہیں کیا، تو جب یہ سورتیں بھی مکی اور اور یہ آیت بھی مکی اور ہجرت سے پہلے نازل ہو چکنے والی تو اس وقت مکہ میں ہوتے ہوئے فدک ہاتھ کیسے آگیا اور حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے حوالے کس طرح کر دیا گیا، جبکہ فدک ہجرت کے بعد ساتویں سال میں فتح خیبر کے موقع پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ و تصرف میں آیا۔ علماء اہل السنت کی طرف سے بار بار اس دلیل میں یہ سقم اور وجہ بطلان بیان کرنے کے باوجود نہ شیعہ حضرات اس اعتراض کا جواب دیتے ہیں اور نہ اس گھسی پٹی دلیل بلکہ شبہ اور مغالطہ کو ترک ہی کرتے ہیں۔

نیز ہجرت سے قبل حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی عمر اتنی تھی کہ فدک پر قابض ہو کر اس میں تصرف کر سکتیں، کیونکہ عند الشیعہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج شریف سے لوٹنے پر حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے خمیر کا استقرار حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے رحم میں ہوا، پھر مدت حمل پوری کر کے پیدا ہوئیں تو معراج اور ہجرت کے درمیانی عرصہ میں آخر حضرت سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا کی عمر شریف اتنی ہو ہی کب سکتی ہے کہ وہ قابض اور متصرف ہوں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اتنی صغیر سِن صاحبزادی کو خود کفیل بنانے کی کوشش فرمائیں، یہ کیسے ممکن ہے؟

سوال: کسی سورت کے مکی ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کی ہر آیت بھی مکی ہو، کتنی سورتیں مکی ہیں، مگر ان کی بعض آیات مدنی ہیں، لہذا ممکن ہے کہ یہ آیت بھی مدنی ہو؟

جواب: مکی اور مدنی کا فیصلہ محتاج نقل ہے عقلی امکانات اور احتمالات تو یہاں کارآمد نہیں، لہذا صریح نقل پیش کی جائے کہ یہ آیت مدنی ہے۔ اگر بعض سورتوں کے مکی ہونے کے باوجود ان کی بعض آیات مدنی ہیں، تو علماء اعلام نے ان کی تصریح کر دی ہے کہ فلاں فلاں آیت مدنی ہے اور اس میں اتفاق و اختلاف کی بھی تصریح کر دی جاتی ہے، لیکن علماء شیعہ کی بدقسمتی یہ ہے کہ اس آیت میں مدنی ہونے کا کوئی حوالہ اور قول موجود نہیں۔

سوال: ہو سکتا ہے آیت نزول کے لحاظ سے تو مکی ہو لیکن حکم کے لحاظ سے مدنی ہو، یعنی عمل درآمد کا لزوم مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد ہو اور اس طرح کی بھی کئی آیات ہیں کہ نازل تو قبل از ہجرت ہوئی تھیں، لیکن عملدرآمد ان پر مدینہ منورہ میں پہنچنے کے بعد ہوا تو یہاں بھی یہی صورت ممکن ہے؟

جواب: اتنے اہم معاملہ میں جس کی وجہ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت کو ظالم و غاصب وغیرہ کہہ دیا جائے اور ان کے اخلاص بلکہ ایمان کو بھی نشانہ بنا دیا جائے اور تمام صحابہ کرام کو بھی ان کی ہمنوائی کی وجہ سے موردِ طعن و تشنیع بنا دیا جائے، اس میں ممکن اور محتمل سے کام لینا اور عقلی امکان و احتمال پر دعوٰی کی بنیاد رکھنا قطعاً قابل قبول نہیں، اس پر قوی دلیل پیش کرنی لازم ہے۔

نیز علامہ موصوف نے دعوٰی ہی یہ کیا کہ جب آیت مبارکہ آتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ اتری، تو آپ نے حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کو بلا کر فدک ان کے حوالے کر دیا اور عطیہ عوفی والی روایت جو اس ضمن میں پیش کی جاتی ہے، اس میں بھی یہی تصریح ہے کہ آیت کریمہ کے نازل ہوتے ہی اس پر عمل درآمد کرتے ہوئے فدک حوالے کر دیا گیا، لیکن اس توجیہ و تاویل کو تسلیم کرنے سے شیعی علماء کا یہ دعوٰی بھی غلط ہو جائے گا اور عطیہ عوفی کا یہ عطیہ بھی ان کے ہاتھ سے نکل جائے گا، لہذا اس توجیہ و تاویل کا کوئی جواز نہیں ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

پنجم: قرابت داروں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں اور چچے اور چچا زاد بھائی بھی تھے تو صرف حضرت زہراء کو فدک دے کر آپ اللہ تعالی کے اس امر اور حکم سے کس طرح عہدہ برآ ہو گئے، بلکہ یہ تو سراسر ناجائز تفریق اور تقسیم ٹھہری اور دنیا میں عدل و انصاف کی مستحکم بنیاد رکھنے والے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح کی ناانصافی کیونکر سرزد ہو سکتی تھی؟ علی الخصوص جبکہ صاحبزادیوں کے رشتے میں یکسانیت تھی اور وہ سبھی حقیقی صلبی اور سگی بہنیں تھیں۔ کما ہو المذہب المتحقق عند الشیعہ ایضاً۔

شبہ: ذوالقربیٰ واحد کا صیغہ ہے، لہٰذا اس میں سبھی قرابت دار کیونکر داخل ہو سکتے ہیں؟ **جواب:** یہاں وحدتِ نوعی اور صنفی مراد ہے، لہٰذا وحدتِ کلمہ کے باوجود ان سب افراد کو شامل ہوگا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبی قرابت میں شامل ہیں اور قرآن مجید میں متعدد جگہ اس کو کلمۂ عموم کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں ذوالقربیٰ مذکر کا لفظ ہے۔ اگر مؤنث میں استعمال کرنا ہو تو ذات کا لفظ استعمال کرتے ہیں، مثلاً کانت زینب ذا جمال نہیں کہا جائے گا بلکہ ذات جمال کہا جائے گا، تو اندریں صورت اس سے حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کی بجائے کوئی قرابت دار مرد ہی مراد ہو سکتا ہے نہ کہ آپ کی ذاتِ مطہرہ تو اس طرح شیعہ حضرات کا مدعا خود ان کی توجیہ و تاویل کے تحت باطل ہو گیا۔

سوال: ہبہ فدک کی روایت حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے واسطے سے مروی و منقول ہے اور اسے تفسیر درمنثور میں بحوالہ بزار، ابویعلیٰ، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نقل کیا گیا ہے تو شیعہ کی کتبِ تفاسیر کے علاوہ حضرات اہل السنت کی کتبِ حدیث میں بھی جب یہ روایت مل گئی تو پھر انکار کی وجہ کیا ہے؟

جواب: اہل السنت کا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ ان کی کتبِ احادیث میں مروی و منقول ہر روایت صحیح ہے اور قابلِ استدلال بلکہ ان کے ہاں درجہ بندی ہے اور صحاح ستہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے معارض اور مقابل کوئی روایت قابلِ استدلال نہیں ہوگی جیسے بخاری و مسلم کی متفق علیہ روایت کے مقابل دوسری صحاح کی روایات بھی قابلِ قبول نہیں ہوں گی اور خود علمائے شیعہ بھی کتبِ حدیث اور ان میں مندرج روایات کی درجہ بندی کے قائل ہیں اور علامہ ڈھکو صاحب نے تو ببانگِ دہل کہا ہے کہ ہم اپنی صحاح اربعہ کے بھی تمام مندرجات کی صحت تسلیم نہیں کرتے، تو جب یہ حقیقت دونوں فریق کو تسلیم ہے کہ تمام کتبِ حدیث کی تمام روایات کا صحیح ہونا ضروری نہیں اور یہ بھی ثابت ہوچکا یہ روایت بخاری شریف، مسلم شریف اور ابوداؤد شریف کی صریح روایات کے خلاف ہے تو لہٰذا اس کو بطورِ استدلال پیش کرنے کا کوئی جواز نہیں۔ علی الخصوص جبکہ اس آیتِ کریمہ کا اور اس کی سورتوں کا مکی ہونا مُسلّم ہے اور مکی زندگی میں آپ کو اپنی قریبی برادری اور قریش اپنے گھر میں بھی آرام اور سکون کے ساتھ نہیں رہنے دے رہے تھے، تو ان دنوں میں آپ نے وہ فدک حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے حوالے کیسے کر دیا؟ جہاں آپ نے ابھی تک تبلیغِ رسالت کے لئے بھی قدم نہیں رکھا تھا، چہ جائیکہ بطورِ فاتح اور ناقابلِ شکست لشکر کے سپہ سالار کے، لہٰذا اس روایت میں نہ ازروئے عقل کوئی وجہ صحت ہے نہ ازروئے نقل، کیا کسی کو دین و دیانت، ایمان و امانت یہ اجازت دیتے ہیں کہ ایسے مقتدایانِ انام اور اسلام کی بزرگ ترین ہستیوں پر اس قسم کی بے بنیاد روایات کے ذریعے اعتراض و تنقید کا سلسلہ شروع کر دیا جائے اور ان کے ایمان و ایقان اور اخلاص و نیک نیتی پر طعن و تشنیع سے کام لیا جائے

سوال: یہ روایت صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے اور ان کو خلفائے ثلاثہ کے ساتھ کوئی ذاتی پرخاش بھی نہیں تھی، تو پھر اس کے قبول کرنے میں تامل کیوں؟

جواب: روایت کی صحت کا دارومدار صرف پہلے راوی پر نہیں ہوتا، بلکہ ازروئے متن صحت کا دارومدار اس پر ہے کہ دوسری صحیح ترین روایات کے خلاف نہ ہو اور ازروئے سند تمام راویوں کے مسلمان، عاقل، بالغ، حافظ، ضابط

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہونے پر دارومدار ہوتا ہے اور ایسی بدعت سے منزہ ومبرا ہونے پر جس کا اثبات یا جس کی تائید وتقویت اس روایت سے ہوتی ہو۔ اگر محض پہلے شخص کو دیکھیں، تو پھر صحابہ کرام کی بجائے اصل قول اور فرمان، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہر کیا جاتا ہے، لہٰذا کوئی روایت وحدیث موضوع، منکر اور ضعیف نہیں ہونی چاہیے نیز شیعہ حضرات کی کتب حدیث میں ہر روایت کسی نہ کسی امام کی طرف منسوب ہے اور وہ ان کے عقیدہ میں معصوم ہیں، جن سے غلط اور خلاف واقع قول اور فعل کا سرزد ہونا ممکن ہی نہیں، تو پھر وہ سب صحیح تسلیم کی جانی چاہئیں، لہٰذا ثابت ہوا کہ تمام راویوں کو بھی مدنظر رکھنا اور ان کے عقائد ونظریات کو معلوم کرنا اور ان کی ذاتی دلچسپیوں اور قلبی میلان اور ذہنی رجحان پر نظر رکھنی ازحد ضروری ہے اور اس روایت کی سند میں جو راوی ہیں، ان میں عطیہ عوفی بھی ہے جو سخت غالی شیعہ ہے، اس لیے بھی یہ قابلِ قبول نہیں ہے، جیسے کہ از روئے متن ناقابل قبول ہے۔

عطیہ عوفی : میزان الاعتدال ص۷۹ ج۲ میں علامہ ذہبی نے اس کے متعلق فرمایا، ابو حاتم نے کہا ہے کہ یہ ضعیف ہے اور سالم مرادی نے کہا ہے کہ عطیہ عوفی میں تشیع ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا ضعیف الحدیث ہے اور ہیشم اس پر جرح وتنقید کرتے تھے اور امام احمد فرماتے ہیں،

بلغنی ان عطیہ کان یاتی الکلبی فیاخذ عنہ التفسیر کان یکنیہ بابی سعید فیقول قال ابو سعید۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ عطیہ کلبی کے پاس آتا تھا اور اس سے تفسیری اقوال اخذ کرتا تھا اور اس کو ابو سعید کی کنیت دے کر کہتا کہ ابو سعید نے یوں کہا ہے۔

ذہبی فرماتے ہیں یعنی یوھم انہ الخدری کہ اس کا مقصد اس سے یہ ہوتا تھا کہ اس کنیت کے ذریعے اس قول کو صحابی رسول ابو سعید خدری کا قول بنایا جا سکے اور لوگوں کو دھوکا دیا جا سکے۔ قال النسائی وجماعۃ ضعیف۔ نسائی اور محدثین کی ایک جماعت نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نوٹ: درِ منثور میں بھی قولِ باری تعالیٰ آتِ ذاالقربیٰ کی تفسیر میں عطیہ عوفی کی یہ روایت منقول ہے، تو امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول سے اس کی حقیقت واضح ہوگئی کہ در اصل مفسر کلبی کا قول ہے اور اس کو ابو سعید کہہ کر یہ روایت کی گئی اور غلط فہمی پیدا کرکے اسے صحابی رسول قرار دے دیا گیا اور کلبی کا حال پہلے بیان ہو چکا، لہٰذا ایسے جھوٹے راوی اور ضعیف، بلکہ جھوٹی روایت کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟

جواب الخامس: علامہ موصوف نے پانچواں جواب یہ دیا تھا:

۱۔ کہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی طرف سے ہبہ کا دعویٰ دائر کیا گیا تھا۔

۲۔ جب گواہوں کا مطالبہ ہوا تو آپ نے حضرت علی، حضرات حسنین رضی اللہ عنہم اور حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کو بطور گواہ پیش کیا۔

۳۔ مگر تاریخ اسلام کا یہ المناک واقعہ ہے کہ ان بزرگواروں کی شہادت کو رد کر دیا گیا۔

۴۔ شہادت رد ہونے پر آپ نے دعویٰ کا عنوان بدل کر از روئے قانونِ وراثت اپنے استحقاق کا دعویٰ کیا۔

۵۔ حسبنا کتاب اللہ کہنے والوں نے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی پیش کردہ آیات کے جواب میں صرف ایک خود ساختہ حدیث پیش کی۔

تو اب اس جواب کی پانچوں شقوں کا بالترتیب جواب حاضرِ خدمت ہے!

شق اوّل کا جواب یہ ہے کہ دعوائے ہبہ کا دار و مدار عطیہ عوفی کی روایت پر ہے اور وہ ناقابلِ اعتبار ہے اور اس روایت کا متن دیگر صحاح کے خلاف لہٰذا علامہ موصوف کا محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے جس پر کوئی صحیح اور قابلِ اعتماد دلیل ہی قائم نہیں ہو سکتی اور اس شق پر مفصل بحث سابقہ صفحات میں تحریر ہو چکی ہے۔ پھر اس پر غور فرمالیں۔ علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۵، ص۱۵ پر تحریر فرمایا: هٰذا لا اصل له ولا يثبت به رواية انها ادعت ذالك وانما هو امر مفتعل

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

لا یثبت ۔ دعوٰی ہبہ کی کوئی بنیاد اور اصل نہیں ہے اور نہ اس کے متعلق کوئی روایت ثابت ہے کہ آپ نے ہبہ کا دعوٰی کیا اور یہ صرف اور صرف من گھڑت قول ہے جس کا قطعاً کوئی ثبوت نہیں۔

شق دوم کا جواب یہ ہے کہ حضرت زہراء رضی اللہ عنہا جب فدک پر عرصہ دراز سے قابض تھیں اور آپ کے کارندے بھی وہاں کام کرتے تھے، تو پھر صرف خاوند اور اولاد اور خادمہ کی شہادت پر اکتفاء ہی کیوں کیا گیا ۔ اول تو بقول شیعہ فدک بڑا وسیع و عریض علاقہ تھا، تو وہاں پر سینکڑوں نہیں تو بیسیوں کارندے موجود ہوں گے اور اگر بالفرض ایک ہی تھا، جیسے کہ علامہ طبرسی نے کہا، بعث الی فدک من اخرج وکیل فاطمة بنت محمد رسول اللہ منہا ۔ (احتجاج طبرسی صفحہ ۹۰) کہ ابو بکر نے استحکام خلافت کے بعد آدمی فدک کی طرف بھیجا جس نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے وکیل اور مختار عام کو وہاں سے نکال دیا۔

تو ظاہر ہے کہ وہ مخلص مومن بھی ہوگا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت اور صلاح و مشورہ سے بھی بھیجا گیا ہوگا تو اسے ساتھ ملا کر نصاب شہادت کو پورا کرنے کی کوشش کیوں نہ کی گئی؟

ب : نیز حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو ہبہ فدک کے گواہوں میں شامل کرنے کا عقلی اور شرعی جواز کیا ہے؟ ایک طرف تو قول باری تعالیٰ آتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ کے نزول پر فدک کے ہبہ کا دعوٰی کیا گیا اور وہ آیت مکی ہے، اس وقت حضرات حسنین کریمین موجود ہی کب تھے؟ جبکہ حضرت زہراء کا حضرت علی مرتضیٰ (رضی اللہ عنہما) کے ساتھ عقد تزویج ہی ہجرت کے دوسرے سال ہوا تھا، اور نزول آیت سے ربط و تعلق سے قطع نظر فدک پر آپ کا قبضہ سات ہجری کو ہوا تو اگر اس وقت ہبہ کیا گیا تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی عمر شریف اس وقت تقریباً چار سال ہوئی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی تقریباً تین سال، تو اس عمر کے بچوں کو چشم دید گواہ بنانے کا کیا مطلب؟ اور جب ان کو ادائیگی شہادت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے لیے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس بقولِ شیعہ لایا گیا تو ان شہزادوں کی عمر شریف تقریباً سات اور چھ سال بنتی ہے، تو کیا ازروئے قواعد و اصول شہادت اس عمر کے بچے گواہی دے سکتے ہیں؟ جبکہ قرآن مجید فرماتا ہے۔

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ (الآیۃ) یعنی اپنے مردوں میں سے دو مرد گواہ بناؤ اور اگر دو مرد نہ موجود ہوں تو پھر ایک مرد اور دو عورتیں ہوں تو علماءِ شیعہ بتلائیں کہ اس قدر صغیر السِّن بچوں کو اس نصِ قرآنی کے مطابق مردوں میں شمار کیا جائے گا یا ام ایمن کے ساتھ ملا کر دو عورتوں کی تعداد پوری کی جائے گی؟ اے علماءِ شیعہ! حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی عداوت والا مرض مزمن اور لا دوا، تمہاری مجبوری سہی، مگر عقل و دانش کی اس قدر دشمنی تو نہیں ہونی چاہیے تھی۔ آخر یہ اصول اور قواعدِ اسلام ہوئے اور ناقابلِ تنسیخ دین کے ضوابط و قواعد ہوئے یا بچوں کا کھیل؟

ج: کیا قرآن مجید کے اس عام حکم سے اہل بیت کرام مستثنیٰ ہیں، وہ دعویٰ کریں، تو دلیل و ثبوت اور شہادت سرے سے ضروری ہی نہیں یا صرف نصاب شہادت کی تکمیل ان کے لیے ضروری نہیں اور وہ شرعی پابندیوں سے بالاتر ہیں؟ اس استثناء پر کیا دلیل ہے؟

د: یہ مُسلّم کہ ام ایمن رضی اللہ عنہا جنتی عورت ہیں اور حضرت امیر المومنین جنتیوں کے بھی عظیم سرداروں میں سے ہیں، لیکن کیا یہ شرعی پابندیاں اور احکام جنتیوں کے لیے نہیں، صرف دوزخیوں کے لیے ہیں اور مومنین کے لیے نہیں، کفار کے لیے ہیں؟ صلحاء و اتقیاء کے لیے نہیں، صرف فساق و فجار کے لیے ہیں؟ جب یہ احکام اہلِ اسلام کے لیے ہیں اور متقیوں اور پاکبازوں کو بھی شامل ہیں تو پھر اس حیلہ گری کا کیا جواز ہے؟

ھ: کیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کے والد گرامی کے بیان کردہ اصول و قوانین اور قواعد و ضوابط میں لچک پیدا نہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کر کے اور انہیں اپنے عموم پر رکھ کر جرم کیا تھا کہ اس کو تاریخ اسلام کا المناک واقعہ قرار دیا جائے، بلکہ اسے تو اسلامی تاریخ کا سنہری اور نورانی واقعہ قرار دینا چاہیے اور لائق تقلید مثال اور نمونہ جو کلیسا کی طرح جس نے پوپ پال کو حدود و قیود شرع سے مستثنیٰ قرار دے دیا اور اسے خدائی اختیارات کا مالک قرار دے دیا۔ اگر اسلام بھی امراء و سلاطین اور اکابرین ملت کو مستثنیٰ قرار دے دیتا تو اسے کیا امتیاز حاصل رہتا، بلکہ اسلام نے ایسے تصورات کو حرفِ غلط کی طرح مٹا کر رکھ دیا ہے، لہٰذا ایسے بے لاگ اور رُور رعایت سے منزہ و مبرا اصولوں پر عملدرآمد کو المیہ قرار دینا اسلام کے سنہری اصولوں کے نسخ و مسخ کرنے کی ناپاک سعی ہے۔ اگر صاحبِ شرع خداداد اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے کسی جزوی واقعہ میں استثناء کر دیں تو وہ علیحدہ امر ہے۔ امراءِ اسلام کو بہرحال یہ حق حاصل نہیں ہے۔

و، حضرت زہراء رضی اللہ عنہا نے جب دربارِ صدیقی میں دعویٰ دائر کیا تھا تو ان کے حکم اور فیصلہ کو ماننا لازم تھا اور علی الخصوص جب کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا مطالبہ شرعی قواعد و ضوابط کے عین مطابق تھا، اسی لیے حضرت زہراء رضی اللہ عنہا ہبہ کے دعوے سے دستبردار ہو گئیں اور دوسرا دعویٰ دائر کر دیا، لیکن ڈھکو صاحب پر تعجب ہے کہ اس نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو مخالف شرع ثابت کرتے ہوئے اُن کی بجائے حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کو مخالفِ شرع ثابت کر دیا۔ کیونکہ وہ اس دعویٰ سے دستبردار نہیں ہوئیں اور قواعد شرع کے مطابق اس کا اثبات بھی نہیں کر سکیں تو العیاذ باللہ وہ خود مخالف شرع ٹھہریں اور اگر دستبردار ہو چکی تھیں تو ڈھکو صاحب کا اس کو المیہ قرار دینا لغو و باطل ہو گیا، بلکہ یہ عدالتِ صدیق کا اور اہلِ بیتِ رسول کے قبولِ حق کا سنہری اور روشن نمونہ ٹھہرا اور قابلِ تقلید مثال قائم ہو گئی۔

سوال، یہ تھا کہ قرآن مجید میں دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنانے کا حکم دیا گیا ہے لیکن ہر عام میں سے بعض استثنارات بھی ہوتے ہیں تو حضرت زہراء اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کو بھی مستثنیٰ قرار دے دیا جاتا جس طرح حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر قرار دے دیا گیا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جواب : عام اپنے عموم میں قطعی ہوتا ہے اور اسے اپنے عموم پر رکھنا لازم ہوتا ہے۔ اگر اس کا عموم ختم کر دیں اور اپنی مرضی سے استثناء اور تخصیصات شروع کر دیں تو شرعی آئین اور قوانین کھیل بن کر رہ جائیں گے، لیکن عدلِ اسلامی اور اس کا امتیازی شان ہی یہ ہے کہ اس میں ایسی تفریق نہیں ہے اور اگر کسی بڑے آدمی کی بات واجب التسلیم ٹھہرے خواہ خواہ وہ اکیلا ہی کیوں نہ ہو تو پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جتنا بڑا اس وقت کون تھا، پھر ان کی یہ بات بلکہ اُن کی نقل کردہ حدیث کیوں تسلیم نہیں کی جاتی اور آج تک ان کو موردِ طعن و تشنیع کیونکر بنا لیا گیا ہے۔

رہا معاملہ حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کا تو ان کا استثناء خود صاحب شرع نے کیا ہے، امت اُن کو تو پابند نہیں کر سکتی تھی، وہ خود احکام میں تحریم و تحلیل اور تعمیم و تخصیص کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختار و ماذون تھے۔ اُمت مختار نہیں، بلکہ امت ان کے احکام کی پابند ہے، عام ہوں تو بطورِ عموم اور مطلق ہوں تو بطورِ اطلاق۔

سوال : خود ابوبکر صدیق نے حضرت جابر (رضی اللہ عنہا) کا دعویٰ تسلیم کیا اور ایک گواہ بھی ان سے طلب نہ کیا، تو آخر یہ پابندی صرف حضرت زہراء (رضی اللہ عنہا) اور حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کی شہادت میں ہی ضروری تھی، دوسروں کے حق میں نہیں تھی؟

جواب : حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ دعویٰ ہے کہ مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بحرین کا مال آنے پر عطا کرنے کا وعدہ کیا تھا، دعلیہ مدام ہے، کیونکہ وہ صرف مال بحرین کے مصرف کا معاملہ ہے اور ایسے اموال جو بطورِ صدقات وغیرہ وصول کر کے مرکز میں بھیجے جاتے تھے، وہ خرچ ہی اہلِ مدینہ پر ہوتے تھے اور ان کی حاجات و ضروریات ان سے پوری کی جاتی تھیں، اس میں گواہ نہ بھی ہوتے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدے کا حوالہ بھی دیا جاتا، اپنے طور پر کہہ دیتے میں ضرورت مند ہوں، مجھے عطا کرو تو بھی خلیفہ انہیں دینے کے پابند ہوتے اور یہی وجہ ہے کہ حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کو اخراجات کے لیے مطالبہ کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی تھی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے طور پر عرض کیا کہ میں اللہ تعالیٰ ضامن دیتا ہوں کہ تمہارے جملہ اخراجات اور ضروریات کو پہلے پورا کروں گا اور جو بچے گا وہ دوسرے مصارف میں استعمال کروں گا، نہ دعویٰ کی ضرورت نہ گواہوں کی حاجت۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

لیکن بقولِ شیعہ ہبہ کا دعویٰ خلافِ ظاہر تھا اور عملِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف اور انفال و فئی کے قرآنی احکامِ ظاہرہ کے بھی خلاف اور اس سے متعلق خلیفۂ وقت کے علم اور مشاہدے کے بھی خلاف تھا۔ اس لیے اگر آپ نے ثبوت طلب کر لیا، تو کونسا جرم کیا۔ مزید تسلی کے لیے شق سوم کا جواب ملاحظہ ہو۔

شق سوم کا جواب شق دوم میں آ تو چکا ہے، لیکن مزید توضیح کے لیے درج ذیل امور ذہن میں رکھنے ضروری ہیں:

(ا) اس تحقیق و تفتیش کو ردِ شہادت سے تعبیر کرنا علامہ صاحب کی سینہ زوری ہے، کیونکہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کو جھوٹا اور غلط بیانی کرنے والا تو کسی نے نہیں کہا تاکہ اس کو ردِ شہادت سے تعبیر کیا جاتا البتہ نصابِ شہادت کے کامل نہ ہونے پر دعویٰ کو خارج کر دینا تو اسے کہہ سکتے ہیں ردِ شہادت تب کہتے جب شہادت عند الشرع پائی بھی جاتی۔

(ب) پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم گواہ بھی پیش نہ کرو، صرف اپنی زبان سے اتنا کہہ دو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا ہے کہ فدک تمہارا ہے تو میں آپ کے حوالے کر دیتا ہوں، لیکن آپ نے کہا نہیں، مجھے تو ام ایمن نے بتلایا تھا کما فی طبقات ابن سعد اور ابن میثم کے حوالے سے گزر چکا کہ آپ نے کہا تم بھی سچی ہو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی سچے اور ام ایمن بھی، مگر صورتِ حال واقعی یہ تھی کہ فدک سے تمہارے قوت اور روزی کی کفالت ہوتی تھی جیسے کہ حضرت عمر اور حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہما نے محاصل کی تقسیم پر گواہی دی ہے اور وہ بھی سچے ہیں، لہٰذا اندریں صورت بھی اس کو ردِ شہادت کہنا اور تاریخ اسلام کا المیہ قرار دینا سراسر لغو اور باطل ٹھہرا، بلکہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے اقوال کا محمل اور صحیح مقام متعین فرمایا اور تمام بزرگواروں کے اقوال میں موجود تعارض کو دُور کر کے دونوں کو سچا بنا دیا، ورنہ ایک فریق کے قول کو غلط کہنا پڑتا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

شقِ چہارم کا جواب، علامہ موصوف نے کہا کہ دعوٰئے ہبہ رد ہونے پر آپ نے عنوان بدل کر وراثت کے قانون کے تحت فدک کی حقداری کا دعوٰی دائر کر دیا، لیکن یہ قول بھی سراسر مغالطہ آفرینی پر مبنی ہے اور شیعی روایات اور سُنّی روایات سے اس تبدیلی اور تعبیرِ عنوان کا ثبوت نہیں مل سکتا اور یہ بھی انمل، بے جوڑ اور بے ربط دعوٰی ہے۔

ا۔ وراثت کا دعوٰی مورث کے ترکہ میں کیا جا سکتا ہے اور جب آیتِ کریمہ کی رُو سے وہ حق بھی حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کا تھا، تو پھر وراثت کا دعوٰی کیسا؟ اور اگر **وراثت کا دعوٰی کیا تھا، تو آیتِ کریمہ کا فدک کے متعلق نزول کیونکر قابلِ قبول ٹھہرا؟** نیز آپ نے ہبہ کو اس آیت سے کیوں نہ ثابت کیا، وراثت کے لئے تو آیات پیش فرمائیں لیکن ہبہ کے حق میں وارد یہ آیت بالکل پیش نہ کی، جبکہ اس کے ہوتے ہوئے شہادت پیش کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔

ب۔ احتجاج طبرسی وغیرہ کے مطابق حضرت زہراء رضی اللہ عنہا نے فدک پر قبضہ کیا ہوا تھا اور آپ کے محصل اور مختارِ عام وہاں موجود تھے، جن کو ابوبکر نے وہاں سے نکال دیا، تو اندریں صورت فدک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ترکہ ہی نہ تھا، اس میں کونسا قانونِ وراثت جاری ہو سکتا تھا تاکہ دعوٰئے ہبہ سے عدول کر کے یہ دعوٰی کیا جاتا، بلکہ اس صورت میں ناجائز بے دخلی اور غصب وغیرہ کا قول کیا جاتا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ تو مدعیٰ علیہ تھے، ان کے ساتھ ثالثی فیصلہ کے لیے کوشش کی جاتی، جس طرح حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو تحکیم قبول کرنا پڑی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی اس پر مجبور کر لیا جاتا۔ نیز فدک اور غیر فدک میں مالِ فئی یا انفال سے ہونے کے باوجود قبضہ کے فرق کو اپنی ذاتی جائیداد اور جاگیر ہونے کا بیّن بُرہان بنایا جاتا، کیونکہ دوسرے اموال پر قبضہ مصطفوی ہونا اور فدک پر حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کا قبضہ ہونا آخر بے سبب تو نہیں ہو سکتا تھا؟

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ج۔ ہبہ کے دعوے میں ذاتی ملکیت کا اقرار پایا گیا اور وراثت کے دعوے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت کا اقرار و اعتراف پایا گیا اور ان دونوں میں سراسر تخالف اور تضاد ہے۔ ایک دعوے میں کئی سال پیشتر رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے ملک سے باہر ہونے کا اقرار اور پھر وراثت کے طور پر مستحق ہونے کا ادعاء گویا اپنے آپ کو جھٹلانے کے مترادف ہے جو حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے لیے کیونکر قابل قبول ہو سکتا ہے اور اگر الزام اور جدل کے طور پر ہے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس مال کو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی ملک سمجھتے ہی نہیں تھے، تو اس طرح دعوائے وراثت نہ بُرہانی انداز میں صحیح ہوا، کیونکہ سابقہ دعوٰی نے اس کی بنیاد ختم کر دی، اور نہ جدلی انداز میں، کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کو صرف انتظامی معاملہ کے طور پر زیر تصرف مانتے تھے نہ کہ ذاتی ملکیت کے طور پر۔

د۔ ہبہ ثابت ہونے کی صورت میں سارا فدک آپ کا ہوتا اور وراثت کے قانون کے تحت ازواج مطہرات کو بھی حصہ ملتا تھا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بھی تو اس صورت میں پورے فدک پر از روئے قانون وراثت حقداری کا دعوٰی کیسے کیا جا سکتا تھا؟ کیا حضرت زہرا رضی اللہ عنہا قرآن مجید کے اس واضح قانون سے بھی بے خبر تھیں کہ ازواج کو بھی ترکہ سے حصہ ملنا ضروری ہے اور صرف ایک بیٹی ورثائے نسبی میں ہو تو اس کو صرف نصف حصہ مل سکتا ہے نہ کہ ساری جائیداد لیکن بقول علمائے شیعہ آپ نے سارے فدک پر اپنی حقداری ثابت کرنا چاہی تھی، تو کیا یہ مطالبہ قانون وراثت کے سراسر خلاف نہیں تھا؟ اور آپ سے اس کی توقع کی جا سکتی تھی؟

ھ۔ بقول علمائے اہل التشیع حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے قانون وراثت کا سہارا لیا، مگر کیا آپ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ جب میرے ابا جان عورتوں کے ساتھ نکاح کے عام قانون سے مستثنٰی ہیں اور جتنی عورتوں کو چاہیں اپنی زوجیت میں لے سکتے ہیں، تو پھر وراثت کے حصوں میں بھی آپ کا معاملہ مختلف ہونا چاہیے، ورنہ آپ کی ازواج کے ساتھ ناانصافی لازم آئے گی۔ نیز جب عام اہل اسلام کی بیویوں کے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

قانونِ عدت سے اور بعد از عدت جوازِ نکاح سے ازواجِ مطہرہ کا معاملہ مختلف ہے، تو پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جائیداد یا زیرِ تصرف اموال کی تقسیم کا حکم بھی مختلف ہونا ضروری ہے، کیونکہ جو صرف چار ماہ دس دن تک عدت کی پابند وہ بھی خاوند کی اولاد ہوتے ہوئے آٹھویں حصہ کی حقدار اور چار ہونے کی صورت میں بتیسویں حصے کی حقدار، مگر ازواج مطہرات کے لیے تا زیست دوسری جگہ نکاح نہ کر سکنے اور حکم معتدات میں ہونے کے باوجود اور بیک وقت تو امہات المومنین ہونے کے باوجود بھی وہی آٹھواں حصہ ہوتا، تو پھر بھی ناانصافی تھی، چہ جائیکہ سرے سے ان کا حصہ ہی نہ ہو اور پورے فدک پر حضرت زہرا رضی اللہ عنہا بلا شرکتِ غیرے بطورِ وراثت حقِ ملکیت جتلائیں، لہٰذا صاف ظاہر ہے کہ شیعہ حضرات نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو مخالفِ شرع ثابت کرتے کرتے خود حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو العیاذ باللہ مخالفِ شرع ثابت کر دکھلایا ہے اور اپنی ماؤں کے حق میں سرد مہر و بے وفا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریکائے حیات اور امہات المومنین اور اپنی امہات کے ساتھ صلہ رحمی سے عاری اور حقِ ولدیت کی رعایت سے غافل بلکہ انکاری بنا ڈالا، جو ایک عام مسلمان کے بھی لائق نہیں، چہ جائیکہ ایسی مقدس ہستیوں کے لائق ہو۔

۶۔ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے سہل اور مفید ترین دعویٰ کی جگہ مشکل اور غیر مفید دعویٰ کی طرف عدول کیوں فرمایا۔ ہبہ ثابت کرنے کے لیے آپ کو صرف ایک اور عورت کی شہادت درکار تھی اور یا ایک مرد کی جبکہ اس صورت میں پورا فدک آپ کو مل جانا تھا اور وراثت کی صورت میں فدک کے بہت سے حقدار سامنے آ سکتے تھے، تو کیا ہبہ کرتے وقت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنانے کا خیال نہ رہا یا حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو یہ قانونِ شہادت معلوم نہیں تھا؟ اور اس ہبہ کا بقول شیعہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا، تو اس نے بھی علیم و خبیر ہوتے ہوئے مستقل بندوبست فدک کا نہ کرایا اور نہ ہی ذا القربیٰ کی جگہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے نام کی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تصریح فرمائی اور نہ ہی حقّہٗ کی جگہ فدک کا لفظ ذکر فرمایا۔ کیا یہ مقام حیرت نہیں کہ حوالے کرانے کے لیے تو آیتیں نازل کر دیں، مگر گواہوں کے معاملے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی بے پرواہی سے کام لیا کہ سب کوشش بے نتیجہ ہو کر رہ گئی۔ العیاذ باللہ! کیا اس تنازع کے وقت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ موجود نہیں تھے جو آیت کے فدک کے بارے میں نازل ہونے اور فدک حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کے حوالے کیے جانے کے راوی ہیں، انہیں کیوں نہ گواہ بنا لیا گیا؟ یا اس نص کو کیوں نہ پیش کر دیا گیا تاکہ گواہوں کی ضرورت ہی نہ رہتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو نہ اس آیت کے فدک کے بارے میں نازل ہونے کا علم تھا اور نہ حضرتِ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کا اور ان کے اس معاملہ کے گواہ ہونے کا علم تھا، ورنہ اس دعویٰ سے عدول کی ضرورت پیش نہ آتی، تو عطیہ عوفی کو یہ علم کس طرح حاصل ہو گیا؟

ن: ہبہ ہو یا وراثت، دونوں کا اجراء ذاتی مال میں ہوتا ہے نہ کہ حاکم وقت کے زیرِ تصرف قومی املاک میں لہٰذا پہلے یہ ثابت کرنا لازم تھا اور تمام علماء شیعہ کی از روئے عقل اور شرع، یہ بنیادی ذمہ داری تھی اور ہے، کیونکہ جس فدک کے نہ دیئے جانے کی وجہ سے عالم اسلام کی بزرگ ترین ہستیوں کو موردِ الزام گردانا جاتا ہے، اور سخت مجرم و گنہ گار تو کم از کم اس الزام اور اثبات جرم کی بنیاد تو فراہم کر دیں حالانکہ ہم بارہا اس پر تنبیہ کر چکے ہیں کہ فدک قطعاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی جاگیر اور جائیداد نہیں تھی۔

ملکیتِ فدک وغیرہ کی حقیقت

اس ضمن میں مزید چند دلائل معروضِ خدمت ہیں۔ یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ فدک کے لیے جنگ نہیں کیا گیا تھا اور اس میں مجاہدین کے وہ حصص ثابت نہیں ہو سکتے تھے، جو جنگ لڑنے کی صورت میں مالِ غنیمت کے اندر ہوا کرتے ہیں، لیکن یہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

امر بھی تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ جس طرح مالِ غنیمت یعنی خمس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تصرف ہونے کے باوجود اس کے حقداروں میں یتامیٰ، مساکین اور مسافر بھی داخل ہیں: کما قال اللہ تعالیٰ. وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ (سورۃ الانفال) اسی طرح مصالحت کی صورت میں حاصل ہونے والے علاقہ جات وغیرہ کے متعلق بھی رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کا حق تصرف ثابت کرنے کے ساتھ ساتھ دوسرے حقداروں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: وَمَا اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَابْنِ السَّبِیْلِ۔ یعنی قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے، بلکہ فقراء مہاجرین بھی ان مستحقین میں داخل ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ، وَلِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِیْنَ (الآیۃ) اور انصار مدینہ بھی جو کہ فقراء و مسکین تھے۔ کما قال اللہ تعالیٰ، وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ (الآیۃ) اور ان کے بعد حلقۂ اسلام میں داخل ہونے والے فقراء و مساکین بھی۔ کما قال اللہ تعالیٰ، وَالَّذِیْنَ جَآءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ (سورۃ حشر)

اور یہ امر محتاج بیان نہیں کہ ذاتی ملکیت میں اصلی مالک کے ساتھ مصارف کو اس طرح ذکر نہیں کیا جاتا جیسے کہ مالک کا تذکرہ ہو۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا، فِیْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ "مومنین کے اموال میں سائلوں اور محروم لوگوں کے لیے حق ہے۔" تو اس میں اموالھم فرما کر مالکانہ حیثیت کو الگ واضح کر دیا گیا، جبکہ ان آیاتِ مقدسہ میں لام اختصاص اور تملیک جس طرح الرسول پر داخل ہے۔ دوسرے اقسام و اصناف پر بھی اسی طرح داخل ہے۔ نیز ان دونوں قسم کے اموال میں اور انفال کے قسم میں بھی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنا ذکر فرمایا ہے، قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ حقیقی مالک ان تمام اموال کا اللہ تعالیٰ ہے اور جس طرح رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تقسیم

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

احکامِ الٰہیہ میں نائبِ خداوند تعالیٰ ہیں۔ اسی طرح اُن اموال میں بھی نائب ہیں اور مستحقین تک یہ اموال پہنچانے والے ہیں، جس طرح کہ روزی رسان مدبراتِ ملائکہ کا بھی کام ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متصرف بھی تھے اور مصرف بھی، لہٰذا ان کو اللہ تعالیٰ سے الگ ذکر کیا جو کہ مالکِ محض اور متصرفِ حقیقی ہے اور دیگر اقسام چونکہ مصرفِ محض تھے، لہٰذا انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ کر دیا اور لفظ اللہ پر لام، پھر لفظ الرسول پر لام اور تیسری جگہ ان اصناف پر لام اختصاص کا لانا، اسی فرق کو ہی واضح کرنے کے لیے ہے اور جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا، تو پھر ان کی جگہ امرا اسلام اور خلفاء متصرف بھی ہوں گے اور مصرف بھی، جس کو کافی میں بروایت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ، ثم للامام بعدہ یضعہ حیث یشاء سے تعبیر کیا گیا ہے۔

الغرض فدک مال فیئ ہو جیسے کہ قرآن مجید سے ثابت ہے یا انفال سے ہو، جیسے کافی کلینی میں مرقوم ہے۔ ہر دو صورت میں وہ رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے زیرِ تصرف ہونے کے باوجود آپ کی ذاتی ملکیت نہیں تھا، بلکہ اللّٰہُ یُعطی و اَنَا قاسم۔ کے مطابق رزق اللہ تعالیٰ کا تھا اور قاسم اس کے آپ تھے اور مصارف وہ جو قرآن مجید نے بیان فرمائے ہیں، جس طرح آج اگر بادشاہِ اسلام کفار پر حملہ کرے اور وہ مرعوب ہو کر صلح کر لیں اور کچھ دے دیں، تو وہ اس بادشاہ کی ذاتی جاگیر نہیں ہو گی، بلکہ قومی ملکیت ہو گی اور اس کے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے نائبین کے ساتھ مختص ہونے اور ان کے خالص حق ہونے کا صرف اور صرف یہ مطلب ہے کہ بطورِ مالِ غنیمت کے مجاہدینِ اسلام کو اس سے حصہ نہیں دیا جائیگا۔ اسی لیے فرمایا: کی لایکون دولۃ بین الاغنیاء منکم۔ تاکہ اموال فیئ بھی تمہارے اغنیاء کے درمیان نہ گردش کرتے رہیں، جبکہ مال غنیمت میں تو غنی اور فقیر کا فرق نہیں کیا جا سکتا ہے اور نہ ذاتی ملکیت کے لیے فقیر ہونا ضروری اور نہ حق وراثت حاصل کرنے کے لیے، بلکہ نسبی قرابت والا امیر ترین ہی کیوں نہ ہو، وہ وراثت کا حق حاصل کرے گا، لیکن اموال فیئ میں یہ علت بیان کر کے بتلا دیا کہ فقراء و مساکین اور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

یتامیٰ وابن السبیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے روزی رسانی کا یہ ذریعہ بھی بنایا ہے جس طرح دیگر صدقات اور اگر رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی ملکیت ہو جائے تو پھر آپ کا اغنی الاغنیاء ہونا لازم آئے گا اور صرف آپ کے غنی کرنے کے لیے اس قسم کا اجراء مقصود ہو جائے گا جو قرآن مجید کے کلمات طیبات اور اس کی بیان فرمودہ علت و حکمت کے سراسر خلاف ہے۔

اسی مضمون کی مزید روایات بھی ملاحظہ ہوں۔ ابوبکر جوہری نے ذکر کیا ہے:

۱۔ ارسلت فاطمۃ الی ابی بکر انت ورثت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام اھلہ قال بل اھلہ قالت فما بال سھم رسول اللہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اللہ اطعم نبیہ طعمۃ ثم قبضہ وجعلہ للذی یقوم بعدہ فولیت انا بعدہ علی ان اردہ علی المسلمین قالت انت وما سمعت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلم۔

(شرح حدیدی جلد ۱۶ صفحہ ۲۱۹)

یعنی حضرت زہراء رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف آدمی بھیجا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث تم ہو یا آپ کے اہل بیت تو آپ نے کہا میں نہیں، بلکہ آپ کے اہل بیت وارث ہیں تو آپ نے فرمایا پھر رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ کس حال میں ہے (ہمیں کیوں نہیں مل رہا) تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک چیز کھانے اور استعمال کرنے کے لئے عطا فرمائی، پھر انہیں اپنی طرف بلا لیا اور اس مال کو اس شخص کے سپرد کیا جو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام بنا۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میں اس کا متولی ہوں اس عہد اور اس شرط پر کہ میں اس کو اہلِ اسلام پر خرچ کروں، تو آپ نے فرمایا تم اس کو بہتر طور پر جانتے اور سمجھتے ہو جو تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اور یہی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

روایت ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری شرح بخاری جلد ۶ صفحہ ۱۳۹ پر ذکر کی ہے

۲۔ دوسری روایت میں حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آدمی بھیج کر اسی طرح کا سوال کرنے کے بعد آپ کا یہ جواب ذکر کیا ہے: انما هی طعمة اطعمناها الله فاذا مت کانت بین المسلمین یعنی میں نے رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ یہ اموال کھانے اور استعمال کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائے ہیں۔ جب میرا وصال ہو گیا تو یہ اہل اسلام کے حوالے اور سپرد ہوں گے اور ان کے تصرف میں ہوں گے، یعنی صرف میرے اقرباء اس کو بطورِ وراثت تقسیم نہیں کر سکیں گے، بلکہ دیگر ضرورت مند اور اہل اسلام بھی ان میں برابر کے حصہ دار ہوں گے، لہٰذا ان آیات و روایات سے واضح ہو گیا کہ فدک حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی جائیداد نہیں تھا، لہٰذا وراثت کی آیات پڑھ پڑھ کر حق وراثت کیونکر ثابت کیا جا سکتا ہے۔ ضرورت صرف ذاتی جائیداد ثابت کرنے کی تھی، مگر وہ ثبوت فراہم ہی نہیں کیا گیا۔

سوال: فدک کو ذاتی جائیداد رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ سمجھنا انفال، فئی اور مالِ غنیمت کے فرق کو ملحوظ نہ رکھنے کی وجہ سے ہے، ورنہ فدک جب انفال کے قبیل سے ہے اور ان کا حکم قرآن مجید میں ان کلمات کے ساتھ واضح کر دیا گیا ہے: یَسْئَلُونَکَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰہِ وَالرَّسُوْلِ۔ وہ آپ سے سوال کرتے ہیں انفال کے متعلق فرما دیجیے کہ انفال اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہیں، تو یہاں پر صرف رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جانا اس امر کی بین دلیل ہے کہ وہ آپ کی ذاتی جائیداد ہے، جبکہ اموالِ غنیمت میں اور اموالِ فئی میں دوسرے حقداروں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

جواب اوّل: حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے کافی کلینی کے حوالہ سے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی زبانی یہ حقیقت واضح کر دی ہے کہ فدک انفال سے ہے اور انفال رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امام و خلیفہ کے زیرِ تصرف ہوتے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہیں۔ اگر قرآن مجید میں انفال کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی جائیداد قرار دیا گیا تھا، تو پھر قرآنِ ناطق حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی مخالفت فرمائی، کیونکہ آپ کی ذاتی جائیداد ہو تو پھر امام کے لیے حقِ تصرف نہیں ہونا چاہیے، بلکہ اس میں وراثت جاری ہونی چاہیے تھی اور ازواج مطہرات، حضرت زہرا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہم اس کے وارث ہوتے نہ کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، جبکہ خلیفہ اور امام تو آپ ہیں نہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا اور دیگر حضرات، لہٰذا فرمانِ امام سے صاف ظاہر ہے کہ انفال بالعموم اور فدک بالخصوص حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی جائیداد نہیں تھا، ورنہ فرمانِ امام غلط ہو جائے گا۔

جواب ثانی: یہاں پر حقیقی مالک تصرف کے طور پر اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اور بطور نائب و خلیفہ کے حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا، لیکن اس کے مصارف کیا ہیں، ان کا یہاں ذکر نہیں کیا گیا، مگر ذکر نہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ مالِ غنیمت یا مالِ فیئ کے مصارف بالکل جدا ہیں، ورنہ لازم آئے گا کہ خمس غنیمت یا مالِ فیئ تو ذوی القربیٰ میں صرف ہو سکتا ہے، لیکن انفال کو ان پر خرچ بھی نہیں کیا جا سکتا تو یہ آیتِ کریمہ فدک وغیرہ کے ہبہ اور تملیک کے منافی ہو گئی اور اس سے شیعی نظریہ سرے سے باطل ہو گیا لہٰذا صاف ظاہر ذکرِ رسول از روئے متصرف ہے نہ کہ مصرف محض کے۔

جواب ثالث: شیعی مفسرین نے انفال کو مالِ فیئ یا مالِ غنیمت کا قسیم اور ان سے مغایر بالذات نہیں مانا، بلکہ اس کو غنیمت کا ہم معنیٰ اور یا فیئ کا ہم معنیٰ قرار دیا ہے اور یا اس کو عام معنیٰ پر محمول کیا ہے، جو اموالِ غنیمت اور اموالِ فیئ کو شامل ہے، لہٰذا ان میں تباین ثابت کر کے انفال کو حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی جائیداد قرار دے دینا بالکل غلط ہے۔

(۱) تفسیر صافی میں ملا محسن کاشانی نے کہا: هي غنائم خاصة والنفل الزيادة على الشيئ سميت به الغنيمة لانها عطية من الله وفضل
یعنی انفال سے مراد اموالِ غنیمت ہیں اور نفل کا معنیٰ کسی شیئ پر اضافہ اور زیادت ہے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اور مالِ غنیمت کو نفل کا نام اس لیے دیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطیہ اور فضل ہے۔ (تفسیر صافی مطبع جدید، جلد ۲، ص ۲۶۶)

(۲) فی التہذیب عن الباقر والصادق علیہما السلام الفیئ والانفال ما کان من ارض لم تکن فیہا ہراقۃ دم او قوم صولحوا واعطوا بایدیہم وما کان من ارض خربۃ او بطون اودیۃ فہو کلہ من الفیئ والانفال فہذا کلہ للہ ولرسولہ فما کان للہ فہو لرسولہ یضعہ حیث شاء وہو للامام بعد الرسول۔ (تفسیر صافی ص ۲۶۶)

تہذیب الاحکام میں امام محمد باقر اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ فیئ اور انفال وہ زمین ہے جو خون بہائے بغیر ہاتھ آجائے یا کوئی قوم صلح کرلے اور اپنے طور پر کچھ علاقے دے دیں یا بنجر زمینیں اور وادیوں کے درمیانی حصے یہ سبھی فیئ اور انفال ہیں اور تمام کے تمام اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پس جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے وہ اس کے رسول کے لیے ہے جہاں چاہیں صرف کریں اور آپ کے بعد امامِ وقت کے سپرد ہوگا۔

(۳) فی الجوامع عن الصادق علیہ السلام الانفال کل ما اخذ من دار الحرب بغیر قتال وکل ارض انجلی عنہا اہلہا بغیر قتال وسماہا الفقہاء فیئاً والارضون الموات والآجام وبطون الاودیۃ وقطائع الملوک ومیراث من لا وارث لہ وہی للہ وللرسول ولمن قام مقامہ بعدہ (ص ۲۶۷) وکذا فی مجمع البیان جلد ثانی ص ۵۱۸)

جوامع میں حضرت صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ انفال ہر وہ زمین ہے جو دار الحرب سے بغیر جنگ کے ہاتھ آئے اور ہر وہ زمین جس سے اس کے مالک جلا وطن ہو جائیں بغیر جنگ کے اور فقہاء نے اس کو فیئ کا نام دیا ہے اور غیر آباد زمینیں جنگلات

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

وادیوں کے درمیانی حصے اور بادشاہانِ وقت کی جاگیریں اور لاوارثوں کی میراث، اور یہ سبھی اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور رسول علیہ السلام کے لیے اور اُن کے بعد قائم مقام امام اور خلیفہ کے لیے۔

پہلی روایت میں انفال کو عین غنیمت، دوسری میں عین فیئ قرار دیا گیا ہے جبکہ تیسری میں انفال کو فیئ سے عام قرار دیئے جانے کا احتمال ہے، اس کی تنصیص بھی نہیں ہے۔

۴۔ امام جعفر صادق اور امام محمد باقر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ آیت کریمہ نازل ہی بدر کے مالِ غنیمت کے متعلق ہوئی ہے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھا اور بعد ازاں اس کو مجاہدین کے لیے منتقل کر دیا گیا ہے۔ قالا ان غنائم بدر کانت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم خاصۃ فسألوہ ان یعطیھم ۔۔۔ جب یہ امر واضح ہو گیا کہ ان دونوں جلیل القدر ائمہ کے نزدیک انفال کا مصداق بدر کے اموالِ غنیمت ہی ہیں، تو اب یہ امر قابلِ تنقیح ہے کہ آیا حکم غنائم پر مشتمل آیت اس کے لیے ناسخ ہے یا نہیں اور دونوں آیات میں منافات ہے یا نہیں، تو اس امر کی تحقیق شیعی مفسر طبرسی کی زبانی سنیں:

فقال بعضھم ھی منسوخۃ بایۃ الغنیمۃ وھی قولہ واعلموا انما غنمتم من شیئ وقال بعضھم لیست بمنسوخۃ وھو الصحیح لان النسخ یحتاج الی دلیل ولا تنافی بین ھذہ الایۃ و آیۃ الخمس۔ یعنی ان اموالِ غنیمت کے متعلق جب یہ بیان کر دیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے، تو اب علماء کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اور قول باری تعالیٰ، جان لو کہ جو کچھ بطورِ غنیمت تم نے حاصل کیا تو اس میں سے پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آیت اس کے لیے ناسخ ہے اور بعض نے کہا یہ آیت منسوخ نہیں ہے اور صحیح قول بھی یہی ہے، کیونکہ نسخ محتاجِ دلیل ہے اور اس پر کوئی دلیل موجود نہیں، اور قول باری تعالیٰ:

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

الانفال للہ والرسول میں اور آیتِ خمس میں منافات اور تضاد بھی نہیں کہ اس کی آڑ میں نسخ کا قول کر دیا جائے۔ گویا حقیقی مالک و متصرف اللہ تعالیٰ ہے پھر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان دونوں نے ازراہِ لطف و کرم چار حصے غانمین کو دے دیئے اور صرف پانچواں حصہ اپنے لیے رکھ لیا۔

نیز اس آیتِ کریمہ کو اگلی آیات کے ساتھ ملا کر دیکھیں، جن میں غزوۂ بدر کی تفصیلات کا بیان ہے اور وہ پہلی جنگ تھی جس میں یہ اموالِ غنیمت ہاتھ آئے تھے اور پہلی امتوں پر ان کا استعمال حرام تھا، تو اب اس امر کے دریافت کرنے کی ضرورت تھی کہ آیا ہمارے لئے حلال ہیں یا نہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی حلت کو واضح فرما دیا۔ اجمالی طور پر بھی اور تفصیلی طور پر بھی لہٰذا اس آیتِ کریمہ کو سیاق و سباق سے الگ کر کے اور ائمہ کرام کے ارشادات اور ان کی تفسیرات کو نظر انداز کر کے اور اپنے نقباء و مفسرین کے اقوال سے بھی صرفِ نظر کر کے من مانے معانی پر محمول کرنے کا قطعاً کوئی جواز نہیں ہے اور اسے تیسرا قسم قرار دینا اور مالِ غنیمت اور مالِ فیئ سے الگ سمجھنا اور اس کے مصارف بھی ان سے مختلف سمجھنا، بالکل غلط ہے اور سراسر تحکم اور سینہ زوری ہے، بلکہ اپنے دعویٰ کے اثبات سے مکمل عجز و بے بسی کے بعد قرآن مجید کو بازیچۂ اطفال بنانے کی مذموم کوشش ہے اور ارشاداتِ ائمہ کو لغو ٹھہرانے کی سعی نامشکور۔

جواب رابع: قطع نظر ان تمام امور سے جو ہم نے ذکر کئے ہیں۔ اگر انفال کو علیحدہ قسم شمار کریں اور اس حصہ کو ملحوظ رکھیں تو لازم آئے گا کہ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی امام و خلیفہ اور حاکمِ اسلام کے دور میں انفال نام والے اموال اور قطعات اراضی متحقق ہی نہ ہوں جیسا کہ بدیہی البطلان ہے، جس طرح مالِ غنیمت حضور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مختص نہیں اور نہ مالِ فیئ اسی طرح انفال بھی اس دور کے ساتھ مختص نہیں تو لازمی طور پر تسلیم کرنا پڑا کہ اس آیتِ کریمہ میں رسول کا ذکر بطورِ حصر نہیں ہے اور دوسرے مصارف کی اس سے نفی لازم نہیں آتی۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

شقِ پنجم کا جواب یہ ہے کہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے دھڑا دھڑ آیات پڑھیں یا نہیں، تمام علمائے شیعہ مل کر ایسی آیت بتادیں، جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ حاکمِ وقت اور بادشاہِ اسلام قومی املاک اور بیت المال کا ذاتی طور پر مالک ہوتا ہے اور فدک کے قسم کے اموال جو کفار کی طرف سے لشکرِ اسلام کے مقابلہ کی تاب نہ لاتے ہوئے بطورِ مصالحت پیش کیے جائیں، وہ ان کی ذاتی جاگیر ہوتے ہیں اور ان کے ورثاء مالک ہوا کرتے ہیں، مگر افسوس ہے کہ آج تک علمائے شیعہ نہ کوئی ایسی آیت پیش کر سکے اور نہ تیار کر سکے اور حضرت سیدہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی طرف جن آیات کے دھڑا دھڑ تلاوت کرتے جانے کی نسبت ہے، وہ قطعاً اس مقصد و مدعا کو ثابت نہیں کر سکتیں، مثلاً یُوۡصِیۡکُمُ اللّٰہُ فِیۡۤ اَوۡلَادِکُمۡ لِلذَّکَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَیَیۡنِ۔ (الآیہ) میں وراثت کا حکم ہے، مگر جس کا ذاتی مملوک مال ہوگا۔ وہی اس کا مخاطب ہوگا نہ کہ متولیِ اوقاف اور قومی املاک کے نگران اور بادشاہانِ اسلام بھی اپنے زیرِ تصرف اموال کو اس آیت کی رُو سے اپنی اولاد میں بطورِ وراثت تقسیم کرنے کے پابند ہوں گے۔ نیز وَرِثَ سُلَیۡمٰنُ دَاوٗدَ میں حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے حضرت سلیمان علیہ السلام کا وارث ہونا ثابت ہے، مگر وہ تو حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد ان کے خلیفہ اور قائم مقام حاکم تھے، لہٰذا ان کی وراثت کا وہی معنی ہوا، جو کافی کلینی والی امام عالی مقام حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ والی روایت کا ہے، ثم للامام بعدہ یضعہ حیث یشاء کہ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ مال آپ کے قائم مقام خلیفہ اور امام کے لیے ہوگا۔ اگر مال کی وراثت قانونِ شرع کے مطابق تھی تو صرف حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر کیوں ہے؟ ان کی دوسری اولاد کیوں ذکر نہیں کی گئی، کیا حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ ان کے کتنے بیٹے تھے؟ کتبِ تاریخ میں ان کے انیس فرزند مذکور ہیں۔ نیز اس میں وراثتِ نبوت والا معنی مراد ہے اور اس کے ضمن میں علوم و معارف

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

لدنیہ کی وراثت والا جیسے کہ فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم العلماء ورثۃ الانبیاءُ میں اسی وراثتِ علمی کو بیان کیا گیا ہے جو علماء کو انبیاء کرام کی طرف سے حاصل ہوتی ہے مگر شیعہ حضرات ہیں کہ انہیں جہاں لفظِ وراثت نظر آیا، اس کو قانونِ وراثتِ مالی کا مآخذ قرار دے دیتے ہیں جو خود فریبی اور عوام فریبی کے علاوہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

ب۔ حسبنا کتاب اللہ کہنے والوں نے تو کتاب اللہ کی روشنی میں بتلایا تھا کہ فدک اموالِ فیئ سے ہے اور وہ قرآن مجید کی رُو سے اہلِ قرابت، یتامیٰ، مساکین، اور مسافروں کا حق ہے۔ مہاجرین وانصار کا حق ہے اور ان کے متبعین بالاحسان کا حق ہے، مگر صم عن الشیئ الذی لا یرید ہ کے تحت اگر علماء شیعہ کے کان ہی بہرے ہو چکے ہوں، تو اس کا کیا علاج ہے اور کتبِ صحاح میں اس کو مشاہدہ کیا جا سکتا ہے، مگر بصارت بھی بصیرت کی طرح زائل ہو چکی ہو تو ہم کیا کریں جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے باہمی نزاع کے موقعہ پر اور حضرت عثمان، حضرت عثمان، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت زبیر اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم کے ان کی سفارش کرنے پر مفصل طور پر بیان فرمایا اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اس کا مال فیئ ہونا اور اہلِ اسلام کا مشترکہ مال ہونا واضح کیا اور حضور سیدِ عالم صلی اللہ کی اس پر قبضہ کی نوعیت بھی واضح فرمائی اور یہ واضح ہے کہ مدعا کے مطابق ہو تو ایک مطابق ہو تو ایک ہی آیت کافی ہوتی ہے اور مدعا سے ربط و تعلق ہی نہ ہو تو بیسیوں بلکہ سینکڑوں کی دھڑا دھڑ تلاوت بھی کارآمد ثابت نہیں ہوتی، بنیادی ضرورت ذاتی ملکیت ثابت کرنے کی تھی، مگر اس کو ثابت ہی نہ کیا گیا، جس وجہ سے مدعا کا اثبات ممکن نہ رہا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

عدم توریث والی حدیث پر اجماع کا بیان

ج: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو حدیث بیان فرمائی، اس کو علامہ موصوف نے خانہ ساز کہہ دیا اور موضوع و من گھڑت، حالانکہ اس حدیث کو حضرت صدیق اور حضرت عمر کے علاوہ حضرت سعد، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمن اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم نے بھی صحیح تسلیم کیا اور حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے بھی صحیح تسلیم کیا اور تمام ازواج مطہرات نے بھی صحیح تسلیم کیا، اس لیے ان میں سے کسی نے بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ اور مواضعات میں سے اپنا حصہ طلب نہیں فرمایا تھا، بلکہ تمام مہاجرین و انصار اور اصحاب رسول اور جملہ اہل بیت کرام کا اس پر اجماع و اتفاق ہو گیا جیسے کہ ابن ابی الحدید نے کہا ہے۔ شرح حدیدی، ج ۱۶، ص ۲۶۳ والصحیح انه لم ینطق احد بعد ذالک من الناس من ذکر او انثی بعد عود فاطمة علیها السلام من ذالک المجلس بکلمة واحدة فی المیراث - یعنی صحیح یہ ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے اس مجلس سے لوٹنے کے بعد کسی بھی مرد اور عورت نے اموالِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ گویا ابتدا میں کچھ اختلاف ہوا بھی تو بعد ازاں حقیقتِ حال آشکارا ہو گئی اور سبھی اہلِ اسلام حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ متفق ہو گئے، تو جس حدیث پر اصحاب رسول اور اہل بیت کا اجماع ہو اس کو خانہ ساز کہنا بہت بڑی جسارت اور بے باکی ہے۔ نیز کوئی بھی عقلِ سلیم کا مالک یہ کیسے تسلیم کر سکتا ہے کہ اکیلی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا تو حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے نہ ڈریں اور انہوں نے تقیہ نہ کیا، لیکن حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما سمیت تمام بنو ہاشم، بنو عبدالمطلب اور بنو عبد مناف ڈر گئے اور تقیہ کر گئے اور سبھی مہاجرین و انصار بھی ڈر گئے اور ایک جملہ بھی زبان پر نہ لا سکے اور مشورہ بھی نہ دے سکے اور پہلے ابن میثم کے حوالے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

سے ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ماکنت الاّ رجلا من المہاجرین اوردت کما وردوا و صدرت کما صدروا ما کان اللہ لیجمعھم علیٰ ضلال ولا یضربھم عمًی۔

کہ میں عام مہاجرین میں سے ایک مہاجر آدمی تھا، وہ جہاں وارد ہوئے، میں وارد ہوا، جہاں سے وہ لوٹے، میں لوٹا، اللہ تعالیٰ کے شایان شان یہ نہیں کہ انہیں گمراہی پر متفق کرے اور نہ یہ کہ انہیں حقیقتِ حال سے بے خبر رکھ کر مارے اور خلافت کے متعلق مہاجرین و انصار کے اجماع کو آپ نے اللہ تعالیٰ کی رضامندی، اور پسندیدگی قرار دیتے ہوئے فرمایا: فان اجتمعوا علیٰ رجل وسموہ اماما کان ذالک للہ رضی۔ لہٰذا اس حدیث پر اور صدقِ صدیق پر اجماع ثابت ہو جانے کے بعد اور اجماع مہاجرین و انصار کے متعلق حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ان تاثرات کے بعد علامہ موصوف کے اس قول کی لغویت اور بطلان میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش ہو سکتی ہے؟

تنبیہ: یہی روایت شیعہ کے شیخ صدوق اور ابو جعفر کلینی نے نقل کی ہے ملاحظہ ہو انوارِ نعمانیہ جلد اوّل ص۹۴ اور اصول کافی جلد اوّل ص۳۲ و ص۳۴
"قد روی الصدوق باسنادہ الی الصادق علیہ السلام قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (الی) وان العلماء ورثۃ الانبیاء و ان الانبیاء لم یورثوا دینارًا ولا درھمًا ولکن ورثوا العلم فمن اخذ بہ اخذ بحظٍ وافر۔

شیخ صدوق نے حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ تک واصل اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (تا) علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں اور تحقیق انبیاء نے دینار اور درہم کا وارث کسی کو نہیں بنایا، لیکن انہوں نے علم کا وارث بنایا۔ پس جس شخص نے علمِ نبوت کو حاصل کیا، تو اس نے حظِ وافر کو حاصل کر لیا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اور ظاہر ہے کہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فدک کے حاصل نہ ہو سکنے کی بنیادی دلیل کو جانتے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا استدلال ان سے مخفی نہیں ہو سکتا تھا، تو اس کے باوجود اس امام صادق رضی اللہ عنہ کا اسے روایت کرنا اور شیخ صدوق کا اسے نقل کرنا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صداقت کی بیّن دلیل اور ناقابل تردید برہان ہے اور اس حقیقت سے بھی کوئی مسلمان بے خبر نہیں رہ سکتا کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنا اور افترا کرنا، اپنے آپ کو جہنمی بنانے کے مترادف ہے۔ اگر العیاذ باللہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دنیوی مال کی خاطر افترا سے کام لیا تھا، تو حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو کس شوق میں جہنم کا ایندھن بنا رہے تھے، ان کو تو نہ دنیا ہاتھ آرہی تھی اور نہ دین قبضہ میں رہ رہا تھا اور آخرت بھی خراب ہو رہی تھی، لہٰذا یہ مانے بغیر چارہ نہیں کہ واقعی سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح فرمایا تھا اور اس کو امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا تقیہ قرار دینا بالکل غلط ہے، کیونکہ انہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے مختوم وصیت نامہ میں علانیہ اپنے مذہب کے پرچار کا حکم دیا گیا تھا اور تقیہ سے منع کیا گیا تھا جیسے کہ مبحث تقیہ میں ذکر کیا جا چکا ہے۔

سوال: یہ حدیث خبرِ واحد ہے، اس سے تخصیصِ کتاب کا کیا جواز بلکہ مخالفِ قرآن ہونے کی وجہ سے خود ہی ناقابلِ اعتبار ہوگی؟

جواب: خبرِ واحد ظنّی تب ہوتی ہے، جب غیر رسول سے سُنی جائے اور اگر کوئی شخص براہِ راست رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنے تو وہ اس کے حق میں اسی طرح قطعی ہوگی، جس طرح آیت کلام مجید اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے براہِ راست سُنی تھی، لہٰذا اس میں ظنّی ہونے کا توہم باطل ہے، بلکہ دوسرے صحابہ کرام علیہم الرضوان نے بھی اس کو تسلیم کیا اور اہل بیت کی روایت سے بھی اس کی تصدیق ہو گئی اور مخالف قرآن ہونے کا توہم بھی بذاتِ خود غلط ہے۔ قرآن مجید میں کہاں لکھا ہے کہ علماء ربانیین انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث نہیں اور یہ کہاں لکھا ہے کہ جو انبیاء حاکم و بادشاہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہوتے تھے، ان کے زیرِ تصرف ہر شے ان کی ذاتی ملکیت ہوتی تھی۔

سوال: ہو سکتا ہے کہ انبیاء باعتبارِ وصفِ نبوت کے مراد ہوں یعنی نبی از روئے نبی ظاہر ہونے کے درہم و دینار کا وارث کسی کو نہیں بناتے، لیکن از روئے بشریت و انسانیت وہ وارث بناتے ہیں؟

جواب: دینار و درہم کو علم کے مقابل ذکر کیا گیا، لہٰذا یہ تقابل اس توجیہ و تاویل کے منافی ہے، کیونکہ از روئے نبی ہونے کے علوم کے وارث بنائیں از روئے بشر و انسان ہونے کے دراہم و دنانیر کا تو وارث دونوں طرح کے ہو گئے، پھر درہم و دینار کے وارث بنانے کی نفی غلط محض ہو گئی۔ علاوہ ازیں وصفِ نبوت کے ساتھ اس حکم کو متعلق کرنے کا مقصد ہی فوت ہو گیا، کیونکہ غیر نبی عالم و معلم ہو اور مالدار بھی تو وہ از روئے عالم وارث علم بنا رہا ہے اور از روئے بشریت و انسانیت مال کے وارث، بلکہ وصفِ نبوت کے ساتھ تعلیق کا صرف اور صرف یہ مقصد ہو گا کہ غیر انبیاء میں یہ حکم نہیں ہے، کیونکہ نبی کے حق میں توریث کی صورت میں یہ اتہام ہو سکتا ہے کہ اس نے نبوت کو بہانہ بنایا ہوا اور اصلی مقصد دراہم و دنانیر کا جمع کرنا ہو، لہٰذا یہ بنیاد ہی ختم کر دی گئی، بخلاف غیر انبیاء کے وہاں اس قسم کا توہم ہی نہیں ہو سکتا۔

سوال: اس روایت میں درہم و دینار کے وارث بنانے کی نفی کی گئی ہے۔ زمین، باغات اور منازل و مساکن کے وارث بنانے کی نفی نہیں کی گئی، لہٰذا فدک وغیرہ کے وارث بنانے کی اس سے نفی کیسے ہو سکتی ہے؟

جواب: ہر صاحبِ عقل و ہوش جانتا ہے کہ درہم و دینار کی وہ اہمیت نہیں ہوتی جو زمین، باغات اور منازل کی ہوتی ہے۔ اصل اور پائیدار جائیداد درہم و دینار نہیں، بلکہ زمین اور باغات اور منازل ہیں۔ تو یہ کتنی مضحکہ خیز بات ہو گی کہ حضور نبی الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء دنیا سے اپنی بے رغبتی اور زہد کا اظہار اس طرح کریں کہ ہم عارضی اور ناپائیدار دنیوی مال اکٹھا نہیں کرتے اور نہ اس کا کسی کو وارث بناتے ہیں، بلکہ مستقل و مناسل اور پائیدار اور غیر منقولہ جائیداد جمع کرتے ہیں اور اسی کے وارث بناتے ہیں۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نیز آنحضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک درہم اور ایک دینار کے وارث بنانے کی بھی نفی کر کے جاگیروں اور مواضعات، بساتین اور باغات و مساکن اور منازل کے وارث بنانے کی بطریق اولیٰ نفی کر دی، کیونکہ ایسی کونسی زمین اور باغ اور منزل ہوگی جو ایک درہم یا ایک دینار سے خریدی جا سکے۔

بحمد اللہ تعالیٰ محدث جزائری کے بیہودہ سوالات اور اعتراضات کا جواب آچکا اور حدیث کی صحت پر سے شکوک و شبہات کا غبار چھٹ گیا اور شیعہ و سنی روایات کے مطابق حدیث کی صحت بھی ثابت ہو گئی اور اس پر مہاجرین و انصار کا بلکہ بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کا اتفاق بھی ثابت ہو گیا، اسی لیے محدث جزائری نے بھی تسلیم کیا: فخطبت خطبة بليغة اظهرت فيها الشكاية من ابي بكر وصاحبه ومن المهاجرين والانصار في ترك نصرتهم لها في ميراثها۔ (ج ۱، ص ۹۵) کہ حضرت زہراء رضی اللہ عنہا نے بلیغ خطبہ دیا، جس میں ابوبکر اور اُن کے ساتھ حضرت عمر (رضی اللہ عنہما) کی شکایت کی اور تمام مہاجرین و انصار کی بھی کہ انہوں نے میراثِ فدک کے متعلق ان کی امداد و اعانت نہ کی اور دوسرے مقام پر ان حضرات کے علاوہ خود حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شکایت اور ان پر سخت الفاظ میں تنقید بھی ذکر کی جا چکی ہے، گویا پورا اس وقت کا عالمِ اسلام عملی طور پر حضرتِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا اور زبان سے ایک لفظ ان کے خلاف اور حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کی حمایتِ دعویٰ میں نہیں نکالا ہے تھے تو وہ امت جس کو بالخصوص "كنتم خير امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنكر" کے امتیازی نشان سے نوازا گیا، وہ سبھی گمراہی اور ضلالت پر متفق ہو چکے تھے اور فرمانِ خداوندی غلط ثابت ہو چکا تھا، نعوذ باللہ من ذالک اور بالآخر حضرت زہراء رضی اللہ عنہا بھی اخراجات کی کفالت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقۂ تقسیم کے مطابق تقسیم کی ضمانت ملنے پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے متفق ہو گئیں اور ان سے راضی ہو گئیں، گویا سہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حدیث ہے اپنی طرف نہیں تھی   اور اُن کی طرف خدائی ہے

اس سے بڑھ کر صداقتِ صدیق اور حقانیت حدیث اور اس کی صحت و واقعیت کی کونسی دلیل درکار ہو سکتی ہے۔ فبای حدیث بعدہٗ یومنون ٥

حضرت علی کی حضرت ابوبکر سے فدک میں موافقت اور علماء اہلِ تشیع کا اضطراب

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صداقت پر اور ان کی بیان فرمودہ حدیث کے صحیح ہونے پر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اپنے دورِ خلافت کے طرزِ عمل اور روش و کردار نے مہرِ تصدیق لگا دی جو اہل السنت کی حقانیت کا بین اور ناقابلِ تردید ثبوت ہے اور شیعہ مذہب اور ان کے مزعومات اور اوہام و ظنون وغیرہ کو جڑوں سے اکھیڑ دینے والا ہے، اس لیے انہوں نے عملی موافقت تسلیم کرنے کے باوجود جن تاویلات و تسویلات اور ہیرا پھیریوں سے کام لیا ہے، وہ ملاحظہ کریں اور اس حدیقۃ الحیوانات کی سیر کر کے بھانت بھانت کی بولیاں اور مختلف النوع چیچے اور راگ سماعت فرما دیں اور عین بھنور میں ڈولتی بلکہ ڈوبتی ہوئی مذہب شیعہ کی نیا کا مشاہدہ کریں۔

ابن بابویہ قمی کی تاویل اور اس کی لغویت

انہوں نے اپنی معروفِ زمانہ کتاب علل الشرائع میں کہا،

لان الظالم والمظلومۃ کانا قدما علی اللہ عزوجل و اثاب اللہ المظلومۃ وعاقب اللہ الظالم فکرہ ان یسترجع شیئاً قد عاقب اللہ علیہ غاصبہ واثاب علیہا المغضوبۃ ص۱۳۰

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

چونکہ فدک کے بارے میں ظالم (یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) اور مظلومہ (یعنی حضرت زہرا رضی اللہ عنہا) دونوں ہی اللہ تعالیٰ کی جناب میں پیش ہو چکے تھے، اور ظالم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب و عتاب اور مظلومہ کو اُس کی طرف سے اجر و ثواب مل چکے تھے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس چیز کو واپس لینا پسند نہ کیا، جس پر غاصب کو عتاب اور مظلومہ کو ثواب مل چکا تھا۔

لیکن اس جواب اور توجیہ میں سقم یہ ہے کہ از روئے قانونِ وراثت جہاں فدک میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ حصہ دار تھے، حضرات حسنین کریمین اور اُن کی ہمشیرگان بھی حصہ دار تھے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی عصبہ ہونے کے لحاظ سے حصہ دار تھے، اگر پہلا حق حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کا تھا، تو اُن کے وصال کے بعد یہ حضرات حقدار تھے، تو ان مستحقین کو ان کا حق نہ دے کر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی اس ظلم و جور اور غصب میں حصہ دار بن گئے العیاذ باللہ! جبکہ ہر صاحبِ عقل و خرد یہ سمجھ سکتا ہے کہ کسی کی جائیداد غصب ہو جائے اور غاصب و مظلوم فوت بھی ہو جائیں تو نہ غاصب کی اولاد اور ورثاء کے لئے وہ جائیداد حلال ہوتی ہے اور نہ مظلوم کے ورثاء کا شرعی حق اس پر سے ختم ہو سکتا ہے، بلکہ حکام وقت کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ ایسے ظلم اور جور کو مٹائیں، مگر یہاں صورتِ حال یہ ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بطور حاکم اسلام ہونے کے اس میں تصرف فرماتے رہے اور دوسرے ورثاء محروم رہے، تو کیا جور و استبداد اور غصب و ظلم میں حصہ داری اور اشتراک نہیں ہے۔ نیز اگر فدک واپس ہو جاتا تو مظلومہ کا اجر و ثواب ختم ہو جاتا یا نہیں؟ دوسری صورت میں واپس نہ کرنے کا سبب ہو گیا اور پہلی صورت بدیہی البطلان ہے، کیونکہ اس ظالم کا فعل تو اسی طرح قائم ہے، اس کی توبہ یا فدیہ تو پایا نہیں گیا اور مظلوم کی مظلومیت بھی اسی حال میں قائم رہی، تو واپس کرنے کے باوجود جب مظلومہ کے اجر و ثواب میں کمی واقع نہیں ہو سکتی تھی تو یہ سبب بھی باطل ہو گیا اور اگر مظلومہ کے اجر و ثواب کے باوجود ظالم کا عذاب و عتاب ختم ہو سکتا تھا، تو پھر واپس کرنا ضروری ٹھہرا تا کہ ایک مسلمان کو گو عندالشیعہ ظاہر الاسلام ہی سہی مگر ایسے عذاب سے تو بچایا جا سکتا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

سید مرتضیٰ کی توجیہ اور اس کی لغویت

سید مرتضیٰ علم الہدیٰ نے الشافی میں یہ توجیہ بیان کی ہے کہ چونکہ خلافت مل جانے کے باوجود ابھی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا تقیہ کسی نہ کسی صورت اور شکل میں موجود تھا، اس لیے خلفاء سابقین کے عمل و کردار اور روش و رفتار کے خلاف کرنا شریعتِ تقیہ کی خلاف ورزی کے مترادف تھا، لہٰذا آپ فدک واپس کرنے سے عاجز اور قاصر تھے، فالوجه فی ترکه علیه السلام رد فدك هو الوجه فی اقراره احکام القوم وکفه عن نقضها وتغییرها وقد بینا ذالك فیما سبق وذکرنا انه کان فی انتهاء الامر فی بقیة من التقیة قویة (بحوالہ شرح حدیدی جلد ۱۶، ص۲۷۲) یعنی آپ کے فدک کو واپس نہ کرنے کی وجہ وہی ہے جو وجہ ان خلفاء کے نافذ کردہ احکام کو برقرار رکھنے اور ان کے کالعدم قرار دینے اور تبدیل کرنے سے باز رہنے کی وجہ ہے اور ہم قبل ازیں اسے بیان کر چکے ہیں اور ذکر کر چکے ہیں کہ امرِ خلافت آپ تک پہنچ جانے کے باوجود آپ ابھی سخت اور قوی تقیہ میں تھے۔

لیکن مقامِ حیرت ہے کہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے تقیہ نہ کیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خلاف مہاجرین و انصار کی موجودگی میں بروایاتِ شیعہ سخت ترین کلمات استعمال کیے اور مناظرہ و مباحثہ کیا اور ذرہ بھر خوف و خشیت اور فکرِ جان لاحق نہ ہوئی مگر حضرت امیر رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے دوران بھی سخت تقیہ کی حالت میں ہوں۔ کیا التقیه من دینی ومن دین آبائی۔ تقیہ میرا دین ہے اور میرے آبا کا دین اور تسعة اعشار الدین فی التقیة، لا ایمان عن لا تقیة له‘‘۔ دین کا نوے فیصد تقیہ میں ہے اور جو تقیہ نہ کرے، وہ مومن نہیں ہے۔ وغیر ذالک یہ روایات واحادیث حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو معلوم نہیں تھیں یا تیار ہی بعد میں کی گئی تھیں۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نیز تقیہ کا جواز تو جان سے مارے جانے یا جابر و سرکش لوگوں کی طرف سے مار پٹائی کی صورت میں ہو سکتا ہے، لیکن جب زمامِ حکومت ہاتھ میں ہو، ایسے مخلصین کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہو جو آپ کے اشارے پر جانیں قربان کر دیں اور زوجۂ رسول علیہ السلام کے ساتھ اور بدری صحابہ کے ساتھ جنگ سے بھی گریز نہ کریں، تو اس دوران تقیہ کا کیا مطلب؟ اور اس خلافتِ حقہ منصوصہ کا فائدہ ہی کیا ہوا کہ حصول سے قبل تبلیغِ حق بھی نہ ہو سکی جو عام علماء امت بھی کر کے افضل ترین جہاد کا ثواب کما لیتے ہیں، افضل الجھاد کلمۃ حق عند سلطان جائر اور حصول کے بعد تنفیذِ حق بھی نہ ہو سکے، بلکہ خلفاء سابقین کی موافقت و متابعت کر کے لوگوں کو یہی باور کرائیں کہ انہوں نے جو کچھ کیا وہ درست تھا کیا؟ تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر پر اسی طرح عمل ہونا چاہیے اور یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لائم۔ والی شان حضرت امیر علیہ السلام میں بقولِ شیعہ نظر آسکتی ہے کہ وہ جہاد کریں گے راہِ خدا میں اور ملامت کرنے والوں کی ملامت سے خوفزدہ نہیں ہوں گے اور کیا جس امارت کی اللہ تعالیٰ نے یہ شان بیان فرمائی ہے اَلَّذِیۡنَ اِنۡ مَّکَّنّٰہُمۡ فِی الۡاَرۡضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَ اَمَرُوۡا بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ نَہَوۡا عَنِ الۡمُنۡکَرِ۔ حضرت امیر میں بقول شیعہ وہ ڈھونڈے سے مل سکتی ہے کہ جنہیں ہم زمین میں حکومت اور تصرف عطا کریں تو وہ نمازیں قائم کرتے (اور کرلتے ہیں) اور زکوٰۃ دیتے (اور دلاتے ہیں) نیکی کا حکم کرتے اور برائی سے روکتے ہیں، لہٰذا شیعہ حضرات نے یہ جواب دے کر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دین و ایمان اور عمل و کردار کو سخت داغدار کر دیا ہے اور آپ کے لیے دو اسلام جاری کرنے کا الزام عائد کیا۔ ایک ظاہر جو کہ اہل سنت کے مطابق اور موافق تھا اور دوسرا باطنی اور خفیہ جو اہل التشیع کو دستیاب ہو گیا۔

سبحانک ھٰذا بہتان عظیم۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

قاضی نور اللہ شوستری کی توجیہ اوّل اور اس کی لغویت

قاضی نور اللہ شوستری نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اپنے زمانہ خلافت میں فدک اس کے ورثاء کے حوالے نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بیان کی کہ آپ نے رعیت اور عام اہل اسلام کو درست رکھنے اور ہمنوا بنانے کے لیے اسے سابقہ حالت پر برقرار رکھا کیونکہ اہل اسلام کی عظیم اکثریت شیخین یعنی ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے حسن سیرت اور خوبیٔ کردار کی معترف و معتقد تھی اور فدک لینے میں ان پر الزام عائد ہوتا تھا۔ لہذا بناء بر مصلحتِ وقت اس کو اسی حال پر چھوڑا، اصل عبارت بھی ملاحظہ کرلیں۔

دیگر آنکہ چوں حضرت امیر در ایّامِ خلافت خود دید کہ اکثر مردم حسن سیرت ابوبکر و عمر را معتقد اند و ایشاں را برحق میدانند قدرت برآں نداشت کہ کارے کند کہ دلالت دلالت بر فسادِ خلافتِ ایشاں داشتہ باشد بنا بر آنکہ مخالفتِ قول و فعلِ ایشاں دلیل است بر آنکہ ایشاں ظالم بودہ اند و لیاقتِ خلافت حضرت پیغمبر نداشتہ الخ:..

(مجالس المومنین جلد اوّل ص۵۴)

جب حضرت امیر علیہ السلام نے اپنے ایامِ خلافت میں دیکھا کہ اکثر لوگ ابوبکر اور عمر کے حسن سیرت کے معتقد ہیں اور ان کو خلیفہ برحق سمجھتے ہیں، تو آپ ایسے کام کی قدرت اور ہمت نہیں رکھتے تھے جو اُن کی خلافت فاسد ہونے پر دلالت کرے، کیونکہ ان کے قول اور فعل کی مخالفت ان کے ظالم ہونے اور پیغمبرِ خدا کی خلافت کے لائق اور اہل نہ ہونے کی دلیل ہوتی (جبکہ آپ اہل اسلام کی اکثریت کے عقیدہ کے برعکس کا اظہار نہیں کرسکتے تھے، ورنہ خود آپ کی حکومت ختم ہوجاتی اور وہ لوگ مخالف ہوجاتے)

لیکن اس جواب کا سقم اور ضعف واضح ہے، کیونکہ حقوق العباد اور اقامت عدل میں رعایا کا خوف یا ان کی دل جوئی کا مخل انداز ہوجانا، قرآن مجید کے ارشادات اور شریعت مطہرہ کے سنہری اصول کے سراسر خلاف ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ۔ ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو، اگر تم ایمان دار ہو۔ اور فرمایا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَائِمٍ کہ اللہ تعالیٰ کے محب اور محبوب لوگ راہِ خدا میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کو خاطر میں نہیں لاتے۔

نیز اس جواب کی روشنی میں علماء شیعہ نے حضرت علی مرتضیٰ فاتح خیبر اسد اللہ الغالب کو عمر بن عبد العزیز سے بھی کم تر ثابت کر دکھلایا کہ بقولِ شیعہ انہوں نے فدک اولادِ فاطمہ کے حوالے کر دیا، حالانکہ ان کے دور میں بھی سارے لوگ حضرات شیخین کی خلافت حقہ اور حسنِ سیرت اور خوبیٔ کردار کے معترف تھے، مگر انہوں نے نہ تقیہ ضروری سمجھا اور نہ اس مصلحت کی رعایت ضروری سمجھی، کیا صرف حیدر کرار اور اسد اللہ الغالب رضی اللہ عنہ کے لیے ہی ایسی مصلحتوں کو ملحوظ رکھنا لازم تھا اور ایسی کمزوریوں کا مرکز بن کر رہ جانا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ!

توجیہ دوم اور اس کی لغویت

یہ توجیہ قاضی صاحب نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ذکر کی ہے کہ جب آپ سے یہی سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فدک واپس نہ لینے میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کیا تھا، کیونکہ آپ کی ہجرت کے بعد حضرت عقیل بن ابی طالب نے آپ کا مکان فروخت کر دیا تھا مگر جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا تو آپ سے عرض کیا گیا،

الحال بخانہ خود نزول باید کرد آنحضرت فرمود مگر عقیل بجہت ما خانہ گذاشتہ۔ ما از آں اہل بیتیم کہ مالے را کہ از ما بظلم گرفتہ باشند بآں رجوع نمیکنیم (ج ۱، ص ۵۴)

اب تو اپنے گھر میں قیام کرنا چاہیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا عقیل نے ہمارے لیے کوئی مکان چھوڑا ہے؟ ہم اس گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں کہ جو مال ہم سے ظلم کے ساتھ لے لیا جائے، وہ واپس نہیں لیتے۔

اس تاریخی توجیہ میں علمائے شیعہ نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو بھی شامل کر دیا، لیکن اس کے باوجود بھی بات بن نہیں سکی کیونکہ تاریخی حقائق اس کو جھٹلاتے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہیں۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر اموال فییٔ کا انتظام سنبھال رکھا تھا۔ پھر بلا شرکت غیرے اس پر متصرف رہے۔ اپنی خلافت کے دوران آپ اس پر قابض و متصرف رہے، جبکہ رسول معظم نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو بطورِ عاریت بھی اپنے سابقہ مکان میں قدم نہیں رکھا تھا اور نہ بطورِ مہمان۔ نیز حضرت امام حسن پھر حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہما) اور ان کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد کے پاس فدک کے انتظامات رہے، لہٰذا یہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ پر بہتان ہے اور سراسر غلط اور خلافِ واقع توجیہ نیز خلافت بھی بقولِ شیعہ غصب کرلی گئی تھی، پھر آپ نے اس کو کیوں واپس لیا جبکہ دینی مالی تصرفات اس میں بھی ہیں۔ کیا صرف اس لیے کہ اس کا دائرہ وسیع تھا اور فدک کا علاقہ محدود تھا؟ نعوذ باللہ من سخافۃ العقول۔

قاضی نور اللہ شوستری کی بیان کردہ تیسری توجیہ اور اس کی لغویت

قاضی صاحب نے اپنے اسلاف کے حوالے سے تیسری توجیہ یہ ذکر کی ہے،

ایشان کارہ بودند کہ فاطمہ بغضبہ چیزے پیش خدا ورسول رود وا ولاد او بداں مسرور گردند پس ایشان نیز اقتداء بحضرتِ فاطمہ کردند۔

یعنی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس امر کو پسند نہیں کرتے تھے کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا تو ایک چیز کے غصب ہو جانے پر غصہ و غضب کی حالت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جا پہنچیں اور ان کی اولاد اس مال کو واپس لے کر مسرور اور خوش دل ہو، لہٰذا انہوں نے بھی حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی اقتدا کی یعنی وہ بھی فدک کے غم و غصہ میں اللہ تعالیٰ اور رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچ گئے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

(۱) لیکن اس توجیہ وتاویل میں سقم وسخافت اور ضعف یہ ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا پر تو بقولِ شیعہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے ظلم کیا اور آپ کے احتجاج اور مناظرے ومباحثے کے باوجود واپس نہ کیا۔ اگر وہ واپس کر دیتے، تو حضرت زہراء رضی اللہ عنہا لازماً واپس لے لیتیں، اسی لیے تو آپ نے کبھی ہبہ کا دعویٰ دائر کیا اور وہ ثابت نہ ہو سکا، تو وراثت کے قانون کا سہارا لیا وغیرہ وغیرہ تو اس میں حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی اقتدا کیسے ہو گئی؟

(ب) بلکہ اس توجیہ سے تو یہ لازم آیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سنت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی سنت پر عمل کیا۔ اگر شیخین نے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو رُلایا تھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے بچوں کو رُلانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تاکہ وہ بھی جہان سے اسی طرح غم وغصہ کے ساتھ جائیں، جس طرح حضرت بتول زہرا چلی گئی تھیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ!

(ج) علاوہ ازیں یہ جواب تاریخی حقائق کے بھی خلاف ہے جیسے کہ عرض کر چکا ہوں نیز کافی کلینی میں مندرج حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے فرمان کے مطابق فدک و دیگر اموال کے متعلق شرعی حکم ہی یہ تھا کہ وہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امام وخلیفہ کے تصرف میں ہوگا تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس شرعی حکم کی خلاف ورزی کیوں کی، جس سے اہلِ اسلام کے حقوق میں بھی اور اہل بیت کرام کے حقوق میں بھی کوتاہی اور تقصیر لازم آگئی جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے شایانِ شان نہیں۔

(د) پھر یہ بتانا بھی شیعہ حضرات کا فرض ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں فدک کس کے پاس تھا اور اس کا منتظم ومتولی کون تھا:

چوتھی توجیہ اور اس کی لغویت

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فدک اس لیے واپس نہیں لیا تھا تاکہ لوگوں کی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اس تہمت سے بچ جائیں کہ آپ نے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے حق میں جو گواہی دی تھی وہ ذاتی منفعت کی خاطر تھی جیسے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان پر افترا کیا تھا۔

دیگر برائے دفع تہمت نابر عالمیان واضح شود کہ گواہی امیرالمومنین علی مرتضےٰ برائے جر نفع نبود، چنانکہ ابوبکر برا و افترا کرد۔ صـ۵۴

لیکن یہ توجیہ بھی لغو اور باطل ہے اور قرآن مجید کے اس ارشاد کے سراسر خلاف ہے: وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ۔ نیز آپ اپنا حصہ چھوڑ دیتے اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی اولاد کا حق انہیں دے دیتے، تو وہ الزام بھی ختم ہو جاتا اور عدل و انصاف کے تقاضے بھی پورے ہو جاتے۔ علاوہ ازیں آپ کی گواہی تو ہبہ کے لیے تھی نہ کہ وراثت کے لیے اور آخری دعویٰ بھی بقول بعض علمائے شیعہ آپ نے وراثت کے متعلق دائر کیا تھا، تو آپ از روئے قانون وراثت ہی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا حصہ ان کی اولاد کو اور ازواج مطہرات کا حصہ انہیں دے دیتے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا حصہ ان کی اولاد کو دے دیتے۔ وراثت میں تو آپ نے نہ شہادت دی تھی اور نہ ہی اس کی ضرورت تھی اور نہ ہی آپ پر کوئی الزام عائد ہو سکتا تھا۔

الغرض حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلفاء سابقین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ عملی موافقت نے اس شیعی الزام و اتہام کو باطل قرار دیا اور سراسر لغو ٹھہرا دیا اور جور و ستم اور ظلم و استبداد کے سب افسانوں کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا اور اہل سنت کے عقیدہ و نظریہ کی صداقت و حقانیت کو دوپہر کے سورج کی طرح واضح اور آشکار کر دیا اور علمائے شیعہ اس عمل کی توجیہات میں طرح طرح کی تلبیسات سے کام لیتے ہیں، مگر بات بنتی نظر نہیں آتی۔

ہبہ اور حق وراثت کے دعاوی میں سے مقدم کونسا تھا؟

علامہ موصوف نے چلتے چلتے یہ بھی دعویٰ کر دیا تھا کہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

پہلے پہل ہبہ کا دعویٰ دائر کیا، مگر شہادت رد ہو جانے پر وراثت کا دعویٰ دائر کر دیا، لیکن اس تقدیم و تاخیر میں بھی محض دعویٰ پر اکتفا کیا گیا ہے جیسے کہ مو۔ ف کی عادت ہے۔ اس ضمن میں بھی شیعی اقوال مختلف ہیں۔ سید مرتضیٰ نے ہبہ کے دعویٰ کو مقدم مانا اور توریث کو مؤخر، مگر علامہ ابن میثم بحرانی نے حق وراثت کے دعویٰ کو مقدم اور ہبہ کے دعویٰ کو مؤخر تسلیم کیا ہے، ملاحظہ ہو جلد خامس صـ۱۰۵ اور شارح ابن ابی الحدید نے اس تقدیم و تاخیر میں توقف سے کام لیتے ہوئے فرمایا: فاما انا فالاخبار عندی متعارضة یدل بعضها علیٰ ان دعوی الارث متاخرة ویدل بعضها علیٰ انها متقدمة وانا فی هٰذا الموضع متوقف۔ (شرح حدیدی ج ۱۶، صـ۲۸۶)

بہر کیف اگر ہبہ کا دعویٰ مؤخر ہو تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیان فرمودہ حدیث کو خانہ ساز کہنا غلط ہو جائے گا اور حضرت زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف سے بھی اس کا اعتراف لازم آجائے گا، کیونکہ ہبہ کے دعویٰ کے دائر کرنے کا جواز تبھی پیدا ہوگا۔ جب پہلے سے دستبردار ہو جائیں، اس لیے شیعہ حضرات کی قلبی خواہش اور سعی و کوشش یہی ہے کہ دعویٰ ہبہ کو مقدم رکھا جائے۔

سید شریف مرتضیٰ نے روایاتِ متعارضہ میں سے تقدمِ ہبہ کی روایت کو ترجیح دیتے ہوئے کہا: ان الحال تقتضی ان تکون البدایة بدعوی النحل یعنی ظاہر حال اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ ہبہ کا دعویٰ مقدم ہو، لیکن یہ حال بھی علماء شیعہ کی حالت کو تقویت فراہم نہیں کر سکتا، کیونکہ ہبہ کے ساتھ قبضہ بھی پایا جاتا، تو گواہوں کی ضرورت ہی نہیں تھی، بلکہ خود قبضہ ہی دلیل ملک بن جاتا اور دوسرے اموالِ فیٔ پر قبضہ نہ ہوتا اور صرف اس پر قبضہ کا پایا جانا دلیل یقین بن جاتا، جیسے کہ قاضی القضاۃ نے مغنی میں کہا: فلو کانت فی یدها تتصرف فیها و فی ارتفاقها کما یتصرف الناس

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

فی ضیاعھم و املاکھم لما احتاجت الی الاحتجاج بآیۃ المیراث ولا بدعوی النحل لان الید حجۃ (ابن ابی الحدید ج ۱۶، ص ۲۸۵) کہ اگر فدک آپ کے قبضے میں ہوتا اور آپ اس میں اور اس کی آمدنی میں تصرف فرماتی تھیں، جیسے کہ لوگ اپنی جائیدادوں اور املاک میں متصرف ہوتے ہیں، تو آپ کو آیاتِ میراث سے استدلال کی اور ہبہ کے دعوی کی ضرورت ہی نہ تھی اور نہ شہادت پیش کرنے کی، کیونکہ قبضہ ہی دلیلِ ملک تھا۔ نیز متعدد روایات سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل اور راہ و روش کی مخالفت نہیں کر سکتا اور جو عمل اس فدک و دیگر اموال فی میں آپ کا تھا، وہی میں بھی کروں گا اور بقولِ ابن میثم آپ اس پر راضی ہو گئیں، تو ثابت ہو گیا کہ ظاہر حال حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کا فدک پر قبضہ ثابت نہیں ہونے دیتا اور ہبہ بلا قبض مفید ملک نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں ہبہ بلا قبض کے لیے شہادت کا ہونا لازم تھا، جبکہ وراثت کے استحقاق میں شہادت کی ضرورت نہیں تھی، تو یہ ظاہر حال اس امر کا متقاضی ہے کہ وراثت کا دعوی مقدم ہو اور ہبہ کا اس سے مؤخر گو اس میں حصہ کم ہی کیوں نہ ہو جاتا، لیکن قانونِ وراثت بظاہر عام تھا تو رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی املاک میں وراثت کا تحقق محتاجِ شہادت نہیں تھا، جبکہ ہبہ کی صورت میں سارے فدک کے حصول کا امکان تھا لیکن اس پر شہادتیں قائم کرنی پڑتی تھیں، لہذا ان دونوں جہتوں کے پیشِ نظر دعوی وراثت میں ہی سہولت تھی۔ لہذا ظاہر حال کا مقتضی یہی ہے کہ دعوی وراثت مقدم ہو۔

بہر حال یہ بھی اہلِ تشیع کے لیے مشکل درد سر ہے کیونکہ دونوں دعوی باہم متعارض ہیں ہبہ تھا تو وراثت کی نفی ہو گئی اور حقِ وراثت تھا تو ہبہ سے دستبرداری ثابت ہو گئی، اور تقدیم و تاخیر میں بھی جزم اور یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

نوٹ: ہبہ کے دعوی کا دارو مدار عطیہ عوفی کی روایت پر ہے جس کی حالت بیان ہو چکی، لہذا صورتِ حال واقعیہ یہ ہے کہ ہبہ کا دعوی نہ ہو سکتا تھا اور نہ ہی پایا گیا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہبہ فدک کا بطلان تعلیمات نبویہ اور اسوۂ مصطفویہ کی رو سے

قارئین کرام! آپ نے اس ضمن میں شیعہ حضرات کی پیش کردہ دلیل کا حال تو ملاحظہ کر لیا، لیکن آیئے اس ضمن میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتربیت اور آپ کے اپنے طرزِ عمل اور روش وکردار کی ایک جھلک دیکھ کر اندازہ کریں کیا ایسے ہبہ جات کی اس پس منظر میں کوئی وجہ جواز ہو سکتی ہے

۱۔ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن نے اپنے لیے سہولیات کا مطالبہ کیا یعنی فراخیٔ رزق وغیرہ کا، جبکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں مہینہ مہینہ اور دو دو ماہ یک چولہوں میں آگ بھی نہیں جلتی تھی، تو اس کے بعد آنحضرت کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ماہ تک اُن کے ساتھ میل جول نہ رکھا اور کلام وخطاب تک ترک کر دیا اور مکمل بائیکاٹ کر دیا اور مہینہ گزرنے پر اللہ تعالیٰ نے بھی یہ ارشاد فرمایا،

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ إِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا وَإِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ○ ( )

اے میرے نبی! اپنی بیویوں سے فرما دیں، اگر تم حیاتِ دنیا اور اس کی زیب وزینت کی طلب گار ہو تو آؤ میں تمہیں وہ متاعِ دنیا دوں اور تمہیں چھوڑ دوں اچھی طرح سے اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی رضا کی طلب گار ہو اور اس کے رسول کی اور دارِ آخرت کی، تو بے شک اللہ تعالیٰ نے تم میں سے نیکوکاروں کے لئے اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کیا یہ مقام تعجب نہیں کہ جن بیویوں کا خرچہ آپ کے ذمہ واجب الاداء اور لازم ہے۔ اگر وہ اس کا مطالبہ کریں اور امت کی عورتوں جیسے سہولیات بھی امت کے بادشاہ کی بیویاں ہو کر طلب کریں تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ناگوار گزرے اور بائیکاٹ فرما دیں اور اللہ تعالیٰ کو بھی ناگوار گزرے اور دنیا اور اس کی سہولیات اور مال و متاع کو اپنی ذات، رسولِ گرامی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اور دارِ آخرت کے مقابل رکھ کر فرمائے کہ ہم سے اور آخرت سے تعلق ہے، تو دنیا چھوڑ دو اور اس کی طلب ہے، تو ہمارا تعلق ختم ہو جائے گا، لیکن جب اس صاحبزادی کا معاملہ ہو جن کا خاوند بفضلہ تعالیٰ موجود اور اخراجات کا کفیل ہے تو فوری طور پر اللہ تعالیٰ بھی فدک جیسی بقول شیعہ خطیر آمدنی والی جائیداد ان کو ہبہ کرنے کا حکم دے دے اور آپ بھی اس میں دیر نہ کریں اور ازواجِ مطہرات کو نہ وصالِ نبوی کے بعد دوسری جگہ نکاح کی اجازت ہو اور نہ ان کے لیے کوئی جائیداد ہبہ کی جائے اور نہ وراثت میں ہی بقولِ شیعہ ان کا حق ہو تو آخر بتلایا جائے کہ ازواجِ مطہرات اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے لیے زہد و ورع کے یہ دو دوسرے پیمانے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شایانِ شان ہیں اور کیا اسلام کے عدل و انصاف کو یہ تفریق اور امتیاز گھنا کر نہیں رکھ دے گا، جبکہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے دونوں جہانوں کی بادشاہی پیش کی، لیکن آپ نے فقر کو اختیار فرمایا۔ حضرت زہراء رضی اللہ عنہا ہاتھی دانت کے کنگن اور ہار استعمال کریں، تو آپ انہیں اتروا دیں، دروازے پر پردہ لٹکائیں، تو قدم مبارک اندر رکھنا گوارا نہ کریں اور فرما دیں تم کسی جابر بادشاہ کی بیٹی نہیں ہو، بلکہ نبی کی بیٹی ہو۔ حضرت زہراء رضی اللہ عنہا چکی پیسنے اور آٹا گوندھنے وغیرہ کی مشقت کے تحت ایک لونڈی اور خادمہ کا مطالبہ کریں تو آپ اُن کو صبر و استقامت کا حکم دیں اور مزید برآں رات کو سوتے وقت چونتیس مرتبہ اللہ اکبر، تینتیس مرتبہ سبحان اللہ اور تینتیس مرتبہ الحمد للہ پڑھ کر سونے کا حکم دیں اور فرمائیں یہ خادمہ کی نسبت بہت بہتر ہے (بخاری شریف)

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حضرت زہرا رضی اللہ عنہا مطالبہ بھی فرماویں کہ اپنے ان دونوں بیٹوں کو کوئی چیز ہبہ فرمائیں، کہ میں نے حسن (رضی اللہ عنہ) کو اپنی حوصلہ مندی اور سیادت کا مظہر بنایا ہے اور حسین (رضی اللہ عنہ) کو اپنی جرأت و شجاعت بخشی ہے۔ مال و متاع قطعاً نہ بخشا، ملاحظہ ہو ناسخ التواریخ جلد چہارم ص ۱۷۶ و ۱۰۵، انوار نعمانیہ جلد اول، ص ۹۱۔

ان حقائق و واقعات اور اس تعلیم و تربیت اور عمل و کردار مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں ہر مسلمان یقیناً یہی سمجھتا ہے کہ وہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم ان مقدس ہستیوں کو دنیا سے بے رغبت اور متنفر دیکھنا ہی پسند فرماتے تھے اور انہیں امیر و رئیس اور نواب و سرمایہ دار بنانا قطعاً پسند نہیں فرماتے تھے، لہٰذا ہبہ کی روایت بالکل بے بنیاد ہے اور بذاتِ خود بھی غلط اور موضوع ہے اور درایت کے بھی خلاف ہے اور واقعات و حقائق کے بھی۔

جواب السادس: چھٹا جواب علامہ صاحب کا یہ تھا کہ جب حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کی آیات کے جواب میں صرف ایک حدیث پڑھ دی گئی تھی اور فدک دینے سے انکار کر دیا گیا تو اس کے ردِ عمل کے طور پر آپ نے مکمل بائیکاٹ کر دیا، حتیٰ کہ وصیت فرمائی کہ میرے جنازے میں یہ دونوں شامل نہ ہوں وغیرہ، لیکن یہ ساری تقریر بوجوہ لغو و بیہودہ ہے۔

اول: علامہ صاحب مسئلہ فدک میں کلام کر رہے تھے۔ آپ کو اس کی نوعیت و حیثیت کے مطابق دلائل و براہین کا سہارا لینا چاہیئے تھا یعنی حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کے موقف کی قوت بیان کرنی چاہیے تھی، مگر آپ نے مجلس پڑھنی شروع کر دی ہے۔ حضرتِ ہارون علیہ السلام کا موقف صحیح تھا کہ بھائی کے آنے سے پہلے جہاد و قتال شروع نہیں کرنا چاہیے۔ وہ یہ نہ کہیں کہ میرے صلاح و مشورہ کا انتظار کیوں نہ کیا، لہٰذا صرف زبانی وعظ و نصیحت پر اکتفا کیا، لیکن حضرت کلیم علیہ السلام ناراض ہو گئے اور ان کے سر اور داڑھی کے بال پکڑ کر گھسیٹنا شروع کر دیا، لیکن کیا حضرت کلیم اللہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کہ اس اقدام سے حضرت ہارون علیہ السلام کو موردِ الزام ٹھہرایئں گے اور ان کو منصبِ خلافت کے نا اہل سمجھیں گے؟ جب نہیں اور یقیناً نہیں تو حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کی کبیدگی اور پریشانی سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے موقف کے صحیح ہونے میں توقف کی کوئی گنجائش نہیں نکل سکتی، بلکہ دلائل کی قوت اور دلالت پر نظر رکھی جائے گی، لہذا علامہ موصوف عوام اور جہال شیعہ کے سامنے مجلس پڑھتے ہوتے جو مرضی ہو کہیں، مگر اہل السنت کے مقابل دلائل پیش کرنے کی تکلیف فرمائیں، انہیں ایسی مجالس سننے سے کیا غرض؟

دوم: جب حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے رشتہ کا معاملہ تھا، تو ڈھکو صاحب کو یاد آیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو ان کے پڑنانے لگتے تھے، مگر یہاں پر یہ یاد نہ آیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ تو حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کے نانے لگتے تھے اور نواسی کو اپنے نانے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار اور یارِ غار کے ساتھ اور ایک فانی متاع دنیا میں تنازع اور اختلاف رائے کی وجہ سے اتنی دور تک نہیں جانا چاہیے تھا، جبکہ وہ اسی فدک سے اخراجات کی کفالت کی ضمانت بھی دے رہے تھے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ کے مطابق عمل کرنے کا عہد و پیمان بھی کر رہے تھے اور اپنا گھر بار بھی حاضر کر رہے تھے اور ابتداء اسلام سے اب تک کی قربانیوں کو نظر انداز کرنا اور اس نسبت اور تعلق کو نظر انداز کرنا اور ان کی عمر عزیز اور بزرگی کو نظر انداز کرنا بھلا گھرانے اور سرچشمہائے مہر و وفا کے شایان شان کس طرح ہو سکتا تھا، مگر نہ اُدھر اعتراض ہو سکتا ہے اور نہ اِدھر خاموشی اختیار کی جا سکتی ہے: ولنعم ما قال ابن ابی الحدید فسبحان اللہ ما اشد حب الناس لعقائدھم۔

سوم: حضرت زہراء رضی اللہ عنہا اپنی امہات کو خرچہ دینے کا ارادہ رکھتی تھیں یا نہیں؟ دوسری صورت تو قطعاً درست نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی انسان بقائمی عقل و خرد اس کا قول کر سکتا ہے کہ حضور نبی اکرم علیہ الصلٰوۃ والسلام کے زیر تصرف اموال و املاک میں سے ازواجِ مطہرات وراثت کی حقدار نہیں نہ اخراجات کی تو از او پہلی صورت میں اگر فدک وغیرہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کا انتظام دوسرا شخص کرتا اور سب کے اخراجات پورے کرتا رہتا اور وہ بھی ایسا شخص جو حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کا نانا ہو اور ان کی اُمہات میں کسی کا باپ اور دوسریوں کا انتہائی معتمد علیہ تو پھر اس قدر ناراضگی اور بائیکاٹ کرنے کی نوبت کیوں آئی۔

چہارم: بیٹی ماؤں کے مقدس ہاتھ سے خرچہ لیتی، تو اس کے شان ادب و احترام کے زیادہ لائق تھا؟ یا مائیں اپنی بیٹی کے ہاتھ سے اخراجات وصول کرتیں تو اس میں ان کی عظمت کا زیادہ اظہار تھا؟ بلکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بھی جھگڑتیں، تو حق تو یہ تھا کہ اپنی ماؤں کی وراثت یا ان کے اخراجات کی خاطر جھگڑتیں نہ کہ محض اپنی ذات کے لیے۔ کیا آپ کے یہ شایان تھا کہ صرف اپنی فکر کرتیں اور ان ماؤں کا ذرہ بھر خیال نہ کرتیں، جن کا نہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بیٹا تھا جو کفالت کرتا نہ انہیں دوسری جگہ نکاح کی اجازت نہ ان کے لیے وراثت نہ ہبہ۔ پھر بھی اگر فکر کریں تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کریں۔ آخر اس میں حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی کونسی عزت افزائی کی جا رہی ہے اور ان کے لیے ایسے بائیکاٹ اور دائمی ناراضگی ثابت کر کے ان کے مقام و مرتبہ میں کونسی عزت افزائی کی جا رہی ہے اور ان کی کونسی عظمت و رفعت اور برتری و فضیلت ثابت کی جا رہی ہے اور سچی بات تو یہ ہے کہ اس مذہب کی ایجاد و اختراع کا بنیادی مقصد ہی یہی ہے کہ سرمایہ ملّتِ بیضا سے مقتدایانِ اسلام کی عظمتوں کو گھٹایا جائے اور خصوصًا اہل بیت کو نشانہ بنایا جائے اور مقربانِ بارگاہِ نبوی کو موردِ طعن و تشنیع قرار دیا جائے۔

جواب السابع: ساتویں جواب میں بھی علامہ موصوف فدک پر دلائل پیش کرنے کی بجائے مجلس پڑھتے ہی نظر آئے اور قیاسِ شعری سے کام لیتے ہوئے کہا کہ بخاری و مسلم کی روایات سے ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو ناراض کیا اور یہ بھی انہیں سے ثابت ہے کہ جو اُن کو ناراض کرے، اُس نے اللہ تعالیٰ کے رسول کو ناراض کیا اور جس نے اللہ تعالیٰ کے رسول کو ناراض کیا، اس نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا اور جو اللہ اور رسول کو ایذا دیتا ہے، وہ دُنیا و آخرت میں ملعون ہے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

لہٰذا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سسر اور حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے نانا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بھاوج حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے خاوند یارِ غار اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے امام، حیاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں امت کے نائب امام ملعون ٹھہرے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ جن کی وفات کے بعد اور اپنے دورِ خلافت میں بھی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ افضلیت و خیریت کی گواہی دیتے رہے اور اُن کی وفات کو اُمت کے لیے بلکہ خود اسلام کے لیے ناقابلِ تلافی نقصان قرار دیتے رہے اور ان جیسے نیک اعمال کے لیے اللہ تعالیٰ سے توفیق طلب کرتے رہے وغیر ذالک جو کہ مفصل طور پر بیان ہو چکے، بلکہ قرآن مجید سے اور خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی بیسیوں آیات اور بے شمار احادیث میں ان کے فضائل بیان کیے جا چکے ہیں، ان پر ایک نظر ڈال لیں اور پھر اس اختراعی اور وہمی مقدمات پر مشتمل قیاسِ شعری کی حقیقت معلوم کریں۔

اوّل، پہلی خرابی اس قیاس میں یہ ہے کہ ناراض ہونے اور ناراض کرنے میں جو واضح اور نمایاں فرق ہے، اس کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اگر فدک کے بارے میں حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست سنی ہوئی حدیث بیان کی تو اس میں ناراض کرنے والی کونسی بات تھی؟ اگر تقسیمِ فدک میں عملِ رسول تلایا، اور اسی پر کاربند رہنے کا عہد کیا تو اس میں ایذا رسانی کا کونسا پہلو تھا اور اگر بقولِ شیعہ فدک پر ہبہ کے دعویٰ کے گواہ طلب کیے اور نصابِ شہادت پورا کرنے کے لیے کہا تو اس میں ناراض کرنے یا ایذا پہنچانے والی کونسی بات ہے یہ تو انہیں کے آباجان کی شریعت کے ابدی اُصولوں کی پیروی تھی، جو سب کے لیے یکساں تھے، لہٰذا جب ناراض کرنا ہی بے بنیاد دعویٰ ٹھہرا، تو اس پر موقوف ساری شاعری لغو ہو گئی۔

دوم، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے سات باغات میں سے اپنا حصہ طلب کیا تھا مگر آپ نے کہا یہ مال وقف ہے، اس میں وراثت جاری نہیں ہو سکتی تو کیا یہاں بھی کہا جائے گا کہ آپ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ناراض کیا اور ان کو ایذا پہنچائی، حالانکہ وہ آپ کے دادے تھے اور ان کو ایذا پہنچانا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچانا ہے اور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

آپ کو ایذا پہنچانا اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچانا ہے وغیرہ اور اگر یہاں یہ قیاس درست نہیں، کیونکہ آپ نے تو شرعی حکم بیان کیا تھا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ناراض کرنا یا ایذا دینا ہرگز ہرگز آپ کا مقصد نہیں تھا، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں بھی یقیناً یہ قیاس درست نہیں ہے۔

سوم، اگر شیعہ حضرات ایسی ترتیب دے کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو نشانہ بنا سکتے ہیں، تو خارجیوں کو بھی یہ موقعہ مل سکتا ہے کہ وہ ان مقدمات دلیل کو مرتب کر کے حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کو دنیوی مال کی خاطر اپنے والد گرامی کی شریعت کا مخالف ثابت کریں، کیونکہ اختلافی امور کو قرآن و سنت کی طرف لوٹانا ضروری ہے اور قرآن نے ان اموال کو فیئ قرار دیا اور ان کے مصارف بیان کر دیئے، جس سے بصراحت ذاتی ملکیت ہونے کی نفی ہوتی ہے اور احادیث میں بھی ان اموال کو حاکم اسلام کے زیر تصرف املاک اور قومی اموال قرار دیا گیا ہے جو شیعہ وسنی دونوں کی کتابوں میں مروی و منقول ہیں تو اس طرح حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کا حدیث بیان کرنے پر ناراض ہونا گویا شرعی فیصلے کو رد کرنا ہے اور قرآن کریم فرماتا ہے، فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔ (مجھے قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہیں ہو سکتے، جب تک تمہیں اپنے اختلافات میں حاکم اور فیصل نہ مانیں، پھر اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اس سے جو تم نے فیصلہ کیا اور مانیں جیسے کہ حق ہے ماننے کا۔

تو کیا شیعہ حضرات ان خارجیوں کے اس قیاس اور اس کے نتیجہ کو تسلیم کر لیں گے۔ العیاذ باللہ

چہارم، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان فرمائی اور ان کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق کا اعزاز بخشا ہے جیسے کہ بحوالہ تمہ عرض کیا جا چکا ہے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کو الخلیفۃ الصدیق تسلیم کیا جیسے کہ ابن میثم کے حوالے سے عرض کیا جا چکا ہے اور ان کی طرف سے حق کی تصدیق اور باطل کے ابطال کا بھی اعتراف فرمایا اور امام محمد باقر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا،

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نعم صدیق نعم صدیق نعم صدیق من لم یقل له الصدیق فلا صدق قوله قولاً فی الدنیا ولا فی الاخرۃ۔

ہاں وہ صدیق ہیں، ہاں وہ صدیق ہیں، ہاں وہ صدیق ہیں، جو انہیں صدیق نہ کہے اللہ اس کو دنیا و آخرت میں سچا نہ کرے، تو ایسی صورت میں آپ کو سچا نہ ماننے والا کیا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جھٹلانے کی جسارت نہیں کر رہا اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھی جھٹلانے کی اور امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کی روایت کی رُو سے وہ دُنیا و آخرت میں جھوٹا قرار دیئے جانے کا حقدار نہیں ہے، لہٰذا اس روایت کو غاصبانہ کہنا قطعاً غلط ہے اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی طرف اسے جھٹلانے کی نسبت یقیناً بے بنیاد ہے اور ناکردہ گناہ کسی سے بائیکاٹ کرنے کا شریعتِ مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام میں نہ کوئی جواز ہے اور نہ ایسی مقدس ہستیاں ایسے کر سکتی ہیں، یہ سراسر افسانے ہیں، جیسے حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے اور حضرت امام ابوجعفر محمد باقر رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے ان حضرات کی برأت اور ان کے اس عمل و کردار کی درستگی اور صحت ثابت ہو چکی اور بالخصوص عمل مرتضےٰ رضی اللہ عنہ سے۔

پنجم: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ انصار کو اپنا خلیفہ نصب کرنے سے باز رکھنے کے لیے جب حدیث بیان فرمادیں: الائمۃ من قریش کہ خلفاء و حکام قریش سے ہی ہوں گے، تو وہ آپ کو سچا بھی مانیں اور اپنے موقف سے دستبردار بھی ہو جائیں اور اپنے شہر اور علاقے میں بطور پناہ حاصل کرنے کے آنے والوں کو اپنا حاکم بنالیں مگر قومی ملکیت سے تعلق رکھنے والے فدک کے متعلق وہی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیان کریں، تو اُن کی نواسی انہیں جھٹلا دے اور ان سے مکمل بائیکاٹ کر دے تو کیا علماء شیعہ سے پوچھا جا سکتا ہے کہ تمہارے افسانوں کے مطابق حدیثِ رسول کی قدر انصار نے زیادہ کی نفی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر نے اور حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سسر اور یارِ غار کا احترام انصار نے زیادہ کیا یا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کی صاحبزادی نے اور انصار اپنی حکومت چھوڑنا گوارا کرلیں اور حضرت زہرا رضی اللہ عنہا مختصر سا قطعۂ زمین چھوڑنا گوارا نہ کریں جس کی آمدنی بھی خود اُن پر اور اُن کی ماؤں اور دیگر بنو ہاشم پر خرچ کرنے کی ضمانت دی جا رہی تھی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت کی امین اور آپ کے ورع، زہد اور توکل کی مظہر اتم حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے یہ شایان شان تھا کہ اس فدک کی خاطر وہ حدیث شریف کو نظر انداز کریں، حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی بزرگی کو نظر انداز کریں اور حطام دنیا کی خاطر مکمل بائیکاٹ کریں بلکہ صحیح روایات وہی ہیں، جن میں حدیث سُن کر آپ نے سکوت اختیار فرمایا اور نبوی طرز عمل اپنانے کے صدیقی معاہدے پر رضامندی کا اظہار فرمایا جن کی تفصیلات گزر چکی ہیں یعنی نہ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کو ناراض کیا اور نہ ایذا پہنچائی اور نہ ہی حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا اُن پر ناراض ہوئیں اور نہ مکمل یا غیر مکمل بائیکاٹ ہی پایا گیا اور نہ ہی یہ ان کے شایانِ شان ہے جیسے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا، ہم نے فدک کی سخاوت کردی اور اسے ہم نے کیا کرنا ہے، جبکہ کل تک بھی زندہ رہنے کی امید نہیں ہے۔

حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی رضامندی کے لیے شیخین کی مساعی جمیلہ

یہ حقیقت اپنی جگہ مسلّم ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا کو ناراض کرنے اور انہیں ایذا پہنچانے کا قطعاً کوئی اقدام نہیں کیا، لیکن بایں ہمہ بشری تقاضوں کے تحت بعض روایات کے مطابق ان کے دلِ اقدس پر جو غبار تھا اور پریشانی پائی گئی تھی، تو اسے دُور کرنے اور آپ کو خوش و خرم اور راضی کرنے کے لیے کونسی ممکنہ صورت تھی جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اختیار نہ کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ان کی امداد و اعانت میں مقدور بھر سعی اور کوشش سے گریز نہ کیا، جس سے ان حضرات کی عقیدت اور اخلاص مہر نیمروز کی طرح ظاہر ہے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ان متقدایانِ اُمت کے ساتھ اتفاق و اتحاد بھی ظاہر اور واضح ہوتا ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

صاحب علل الشرائع نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے مروی طویل روایت نقل کی ہے، جس سے ضروری حصّہ پیش خدمت ہے۔ فلما مرضت فاطمة مرضها الذی ماتت فیه اتیاها عائدین واستاذنا علیها فابت ان تاذن لهما فلما رأی ذالک ابوبکر اعطی الله عهداً الا یظله سقف بیت حتی یدخل علی فاطمة ویترضاها فبات لیلة فی الصقیع ما اظله شیئ ثم ان عمر اتی علیا فقال ان ابابکر شیخ رقیق القلب وقد کان مع رسول الله فی الغار فله صحبة وقد اتینا غیر هذه المرة مراراً نرید الاذن علیها وهی تابی ان تاذن لنا حتی ندخل علیها ونترضاها فان رأیت ان تستأذن لنا فافعل قال نعم فدخل علی علی فاطمة علیها السلام فقال یا ابنة رسول الله قد کان من هذین الرجلین ما قد رأیت وقد ترددا مراراً کثیرة ورددتهما ولم تاذنی لهما وقد سألانی ان استاذن لهما علیک (الی) قال علی قد ضمنت لهما ذالک قالت ان کنت قد ضمنت لهما شیئاً فالبیت بیتک والنساء تتبع الرجال ولا اخالف علیک بشیئ فاذن لمن احببت فخرج علی فاذن لهما

(علل الشرائع مصنفہ ابن بابویہ قمی صفحہ ۔ ناسخ التواریخ از کتاب دوم ۔ صفحہ ۱۲۶ تا ۱۲۸)

یعنی جب حضرت زہراء رضی اللہ عنہا بیمار ہوئیں، جس بیماری میں ان کا وصال ہوگیا، تو ابوبکر او رعمر (رضی اللہ عنہما) اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ صورتِ حال دیکھی تو اللہ تعالیٰ سے عہد کیا کہ وہ اس وقت تک کسی مکان کی چھت کے نیچے سایہ حاصل نہیں کریں گے، جب تک وہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر انہیں راضی نہیں کر لیں گے۔ چنانچہ آپ نے ایک

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

رات حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے دروازے پر سخت سردی میں بیٹھے بیٹھے گزار دی۔ پھر حضرت عمر، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ ابوبکر صدیق بہت نرم دل بزرگ ہیں، صحابیِ رسول بھی ہیں اور یارِ غار بھی اور ہم اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں اور اندر حاضر ہونے کی اجازت طلب کی ہے، لیکن آپ اجازت نہیں دیتیں تاکہ ہم حاضر ہو کر ان کو راضی کر سکیں۔ اگر آپ مناسب سمجھیں، تو ہمارے لیے اذن طلب کریں تو آپ نے فرمایا ہاں ٹھیک ہے۔ چنانچہ آپ حضرتِ زہرا رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور کہا، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر! ان دونوں حضرات سے جو کچھ سرزد ہوا، وہ آپ کے علم میں ہے اور وہ کئی دفعہ حاضر ہوئے ہیں اور آپ نے ان کو لوٹا دیا ہے اور اندر آنے کی اجازت نہیں دی۔ اب انہوں نے مجھ سے مطالبہ کیا ہے کہ میں آپ سے ان کے لیے اذن طلب کروں (تا) اور میں نے ان کے لیے اذن و اجازت کی ذمہ داری قبول کر لی ہے، تو آپ نے فرمایا اگر آپ نے اجازت کی ذمہ داری قبول کر لی ہے تو گھر تمہارا ہے اور عورتیں مردوں کے تابع ہوا کرتی ہیں، میں آپ کی کسی طرح کی مخالفت نہیں کروں گی، جس کو اندر آنے کی اجازت دینا چاہو، اجازت دے دو؛ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ باہر نکلے اور ان دونوں حضرات کو اندر آنے کی اجازت دے دی الخ"

اس روایت میں غور و خوض کرنے سے ان دونوں حضرات کی حضرت زہرا رضی اللہ عنہا سے محبت و عقیدت بھی واضح ہوتی ہے اور ان کے راضی کرنے کے لیے ان کی مساعی جمیلہ اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ان سے ہمدردی اور اخلاص اور اس طرح کی کوششوں کے باوجود اگر نواسی اپنے نانے سے راضی نہیں ہوتیں، جبکہ انہوں نے صرف حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سنائی اور عمل رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرمایا اور اس عمل کی خلاف ورزی کرنے پر راہِ راست سے ہٹ جانے اور اخروی مواخذے کا اندیشہ ظاہر کیا، تو اس سے حضرت صدیق اور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی ذاتوں پر کوئی حرف آنے کی بجائے خود حضرتِ زہرار کی شخصیت متاثر ہو جائے گی، لہٰذا اندریں صورت بھی ان کے لیے مکمل بائیکاٹ ثابت کرنا ان سے کسی عقیدت کا اظہار نہیں بلکہ بدترین دشمنی اور عداوت کا اظہار ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے مہاجرین کس قدر مال و دولت اور ساز و سامان اور گھر بار چھوڑ کر اور درویش و فقیر بن کر وطن سے سینکڑوں میل دور جا کر ڈیرے لگائیں اور انصار ان کے لیے اپنا مال و زر اور ساری پونجی قربان کر دیں اور دنیا کو پیارا نہ سمجھیں لیکن سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر کو متاعِ دنیا سے اس قدر پیار ہو کہ سات باغات قبضے میں ہونے کے باوجود صرف فدک کے بیت المال کا حصہ بن جانے پر اور امت کے یتامیٰ و مساکین، مسافروں اور مہمانوں پر جہاد کے لیے ضروری ساز و سامان کی خریداری میں استعمال کیے جانے پر اس قدر ناراض ہو جائیں کہ وہ ناراضگی ایسے بزرگوں کی منت سماجت اور در پر پڑے رہنے کے باوجود دور ہی نہ ہو سکے، تو یہ قطعاً ان کے شایانِ شان نہیں، اور ایسے قصے گھڑنے اور بیان کرنے میں ان کی کسرِ شان اور تنقیص و توہین کا مکمل ساز و سامان اور اہتمام و انتظام ہے۔

حضرت سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا کی رضامندی

قبل ازیں متعدد حوالہ جات حضرت زہرار رضی اللہ عنہا کی رضا مندی کے گزر چکے ہیں، ان پر پھر نگاہ ڈال لیں۔

۱۔ ابن میثم نے شرح نہج البلاغہ میں ذکر کیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا لك علی اللّٰہ ان اصنع بها كما كان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم یصنع فرضیت بذالك الخ۔ میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی ضمانت دیتا ہوں کہ میں فدک میں وہی عمل کروں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے تو آپ اس پر راضی ہو گئیں ـــــ اور یہی روایت صاحبِ درۂ نجفیہ نے بھی ذکر کی ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

۲۔ مجاج السالکین میں بھی بالکل یہی تصریح موجود ہے کما نقلہ عنہ الشاہ عبد العزیز۔ تحفہ اثناء عشریہ ص۲۷۹

۳۔ شرح حدیدی میں ابوبکر احمد بن عبد العزیز جوہری کے حوالہ سے مذکور اس مضمون کی روایت بھی ذکر کی جا چکی ہے کہ جب حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی، تو حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جو کچھ تم نے رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، اسے زیادہ بہتر جانتے ہو۔ انت وما سمعت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلم اور یہی روایت فتح الباری شرح بخاری میں بھی مذکور ہے اور کتب اہل السنت میں رضامندی زہرا رضی اللہ عنہا کی تصریح بھی موجود ہے اور اس فدک کو ابوبکر کی دیانت و امانت پر چھوڑنے کی تصریح موجود ہے۔

۴۔ روی البیہقی من طریق الشعبی ان ابابکر عاد فاطمۃ فقال لہا علی ھذا ابوبکر یستاذن علیک قالت اتحب ان اذن لہ قال نعم فاذنت لہ فدخل علیہا فترضاہا حتّٰی رضیت۔ (فتح الباری شرح بخاری، جلد ۶، ص۱۳۹)

یعنی بیہقی نے شعبی کے واسطے سے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی عیادت اور بیمار پرسی کے لیے ان کے در پر حاضری دی تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ ابوبکر دروازے پر موجود ہیں، اور اندر آنے کے لیے اجازت کے طلب گار ہیں، تو آپ نے پوچھا، کیا تمہیں یہی پسند ہے کہ میں انہیں اندر آنے کی اجازت دے دوں۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں۔ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اندر آئے اور آپ کو راضی کرنے کے لیے جدوجہد کی۔ حتیٰ کہ آپ راضی ہو گئیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس روایت کے روایتی اور درایتی پہلوؤں پر بحث کرتے ہوئے فرمایا: وھو وان کان مرسلاً لکن اسنادہ الی الشعبی صحیح وبہ یزول الاشکال فی جواز تمادی فاطمۃ علیہا السلام علی ھجر ابی بکر

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

یہ روایت اگرچہ مرسل ہے لیکن شعبی تک اس کا اسناد صحیح ہے اور اس روایت سے اتنی مدت تک حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے تعلق توڑنے اور سلام و کلام ترک کئے رکھنے پر وارد ہونے والا اشکال دور ہو جائے گا (کہ بغیر وجہ شرعی کے ترکِ تعلق اور ہجرانِ سلام و کلام ممنوع ہے تو حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے ہجران اور قطعِ تعلق کا ارتکاب کیوں کیا) تو اگر شعبی کی یہ روایت ثابت ہے، تو اس نے اس اشکال اور سوال کو زائل کر دیا اور اس معاملہ میں موزوں و مناسب بھی یہی ہے کہ واقعہ حقیقتاً اسی طرح ہو کیونکہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کا علمِ دین میں کمال اور عقلمندی میں اعلیٰ مقام اور تقویٰ و تورع میں کمال ہر ایک کو معلوم ہے اور معروف و مشہور زمانہ بھی ہے (جو اس قسم کے بائیکاٹ اور ترکِ سلام و کلام کے سراسر منافی ہے)

سوال: بخاری شریف جیسی کتاب میں مذکور ہو کہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے وصال تک کلام نہ کیا اور ناراض رہیں، تو اس کے مقابل بیہقی کی روایت کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟

جواب: بخاری کی روایت میں قطعاً یہ تصریح نہیں کی کہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر ناراض ہوں اور میں نے اس ناراضگی کی وجہ سے ان سے سلام و کلام ترک کئے رکھا ہے، بلکہ وہ راوی کا اپنا ظن و گمان ہے اور اندازہ و تخمینہ جیسے کہ علامہ عینی نے فرمایا: انما لازمت بیتھا فسماہ الراوی عن ذالک بالھجران (ج ۱۵ ص ۲) حقیقت صرف اتنی تھی کہ حضرت زہراء رضی اللہ عنہا نے اپنے گھر میں بیٹھے رہنے کا التزام کر لیا تو راوی نے اس کو ہجران اور ترکِ تعلق سے تعبیر کر دیا —— علاوہ ازیں حضرت صدیق نے حضرت اسامہ (رضی اللہ عنہا) والے لشکر کو تو شام کی طرف روانہ کر دیا اور ان کے بعد تھوڑے سے صحابہ کرام کے ہمراہ مدینہ منورہ سے دور ڈیرہ ڈالے رہے اور مرتدین و مفسدین کے خلاف برسرپیکار رہے تو اس دوران ملاقات کیسے ثابت ہو سکتی تھی اور سلام و کلام کے ترک کرنے کا اور ایک دوسرے سے منہ موڑنے کا مشاہدہ چھ ماہ تک کیسے ہوتا رہا؟ لہٰذا بخاری شریف میں مذکور ہونے سے باعتبار سند کے تو اس کی قوت ثابت ہوتی ہے لیکن مضمون اور مفہوم کے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

لحاظ سے قطعیت ثابت نہیں ہوسکتی، جبکہ تعلق و ربط کا برقرار رہنا اور باہمی رضامندی کا پایا جانا ہی ان کے شایانِ شان ہے اور قولِ باری تعالیٰ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ کے عین مطابق ہے اور اس کا خلاف ان کے شان کے خلاف ہے، لہٰذا عقل و درایت بیہقی کی روایت کے مضمون و مفہوم کی تقویت اور اس کی ترجیح کا فائدہ دیتے ہیں اور جب ایک قول میں از روئے سند و روایت قوت ہو اور دوسرے قول میں از روئے درایت و قیاس تو اب فیصلہ اس قاعدہ سے کیا جائے گا کہ جب مثبت اور نافی میں تعارض ہو تو مثبت کو ترجیح ہوگی نہ کہ نافی کو جبکہ شعبی والی روایت حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کی رضامندی ثابت کرتی ہے اور بخاری شریف والی روایت نفی ثابت کرتی ہے تو لامحالہ شعبی کی روایت کو ترجیح حاصل ہوگی، کیونکہ نفی کرنے والے کے لیے بہت زیادہ محیط اور شامل علم کی بہت ضرورت ہوتی ہے، مثلاً ترک سلام و کلام اور رضامندی کی نفی وہی کرسکتا ہے جو پوری ششماہی شب و روز حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کے دروازے پر بیٹھا رہا ہو، اور چند منٹ کے لیے بھی اِدھر اُدھر نہ گیا ہو اور سلام و کلام اور رضامندی ثابت کرنے کے لیے انہیں چند منٹوں میں موقع پر موجود ہونا کافی ہے، لہٰذا جس قطعی علم کی نفی کے لیے ضرورت ہے، اس کا پایا جانا بعید اور تقریباً ناممکن ہے اور اثبات کے لیے جس علم کا پایا جانا ضروری ہے، وہ سہل اور ممکن قریب ہے، لہٰذا از روئے متن اور مضمون و مفہوم شعبی اور بیہقی کی روایت ہی راجح اور وزنی ہوگی اور اسی کی تائید و تصدیق حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل اور حضرات ائمہ زین العابدین، حضرت زید، حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہم کے ارشادات اور تعریف و توصیف اور ان حضرات کی زبانی حضرت ابوبکر و عمر کی برأت اور علوشان و مرتبت کے اقرار و اعتراف سے ہوتی ہے فھذا ھو الحق وماذا بعد الحق الا الضلال اور یہ معروض خدمت ہو چکا کہ ہجران اور ترک تعلق وغیرہ محض راوی کا گمان ہے تو اس کو ان تصریحات کے مقابل کیا وقعت دی جاسکتی ہے۔

۵- علامہ بدرالدین عینی نے عمدۃ القاری شرح بخاری میں شعبی سے مروی و منقول

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اس روایت کو مکمل طور پر ذکر کیا ہے، ذرا اسے بھی ملاحظہ فرمالیں:

ا۔ روی البیھقی، عن الشعبی قال لما مرضت فاطمۃ رضی اللہ عنھا اتاھا ابوبکر رضی اللہ عنہ فاستاذن علیھا فقال علی رضی اللہ عنہ یافاطمۃ ھذا ابوبکر یستاذن علیک فقالت أتحب ان اذن لہ قال نعم فاذنت لہ فدخل علیھا یترضاھا فقال واللہ ما ترکت الدار والمال والاھل والعشیرۃ الا ابتغاء مرضاۃ اللہ ومرضاۃ رسولہ ومرضاتکم اھل البیت ثم ترضاھا حتی رضیت (ج ۱۵ ص ۲۰)

پہلے حصے کا ترجمہ گزر چکا، آخری حصے کا ترجمہ یہ ہے کہ جب ان کو راضی کرنے کے لیے اندر داخل ہوئے تو کہا اللہ کی قسم میں نے اپنے گھر اور مال و متاع اور اہل و عشیرت کو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ اہل بیت کی رضامندی کے لیے ترک کر دیا تھا، پھر ان کو راضی کرنے کے لیے پوری کوشش کی، حتی کہ وہ راضی ہوگئیں۔

وھذا اقوی جید والظاھر ان الشعبی سمعہ من علی رضی اللہ عنہ اوممن سمعہ من علی۔ یہ روایت قوی اور عمدہ ہے اور یقینی امر ہے کہ شعبی نے اس کو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے سنا ہے یا ان سے جنہوں نے حضرت امیر رضی اللہ عنہ سے سنا۔

ب۔ وقد ذکر فی کتاب الخمس تالیف ابی حفص بن شاھین عن الشعبی ان ابا بکر قال لفاطمۃ یابنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماخیر عیش حیاۃ اعیشھا وانت علی ساخطۃ فان کان عندک من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ذالک عھد فانت الصادقۃ المصدقۃ المامونۃ علی ما قلت قال فما قام ابوبکر حتی رضیت ورضی۔ (عمدۃ القاری شرح بخاری جلد ۱۵، ص ۲۰)

ابوحفص بن شاہین کی تالیف کردہ کتاب الخمس میں شعبی سے مروی یہ قول مذکور ہے کہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے کہا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر! یہ کوئی اچھی اور پسندیدہ گزران والی زندگی نہیں ہے جو میں گزار رہا ہوں، جبکہ تم مجھ پر ناراض ہو تو اگر آپ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس معاملہ میں کوئی عہد ہے، تو آپ سچی ہیں اور تصدیق کی ہوئی اور قابلِ اعتماد ہو اپنے قول میں (لہٰذا میں فدک تمہارے حوالے کر دیتا ہوں) شعبی نے کہا پس ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کے پاس سے نہ اُٹھے، حتیٰ کہ آپ اُن سے راضی ہو گئیں اور وہ آپ سے راضی ہو گئے۔

ج۔ ابن ابی الحدید نے جوہری کے حوالے سے جو روایت ذکر کی تھی جس میں فانت وما سمعت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ موجود ہیں۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ حلبی نے فرمایا: ھٰذا ھو المظنون بھا واللائق بامرھا وسیادتھا وعلمھا ودینھا (ج ۱۵، ص۳)

آپ کا معاملۂ فدک کو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی زبانی حدیث سن کر ان کے سپرد کرتے کا ہی ان کے متعلق حسنِ ظن ہے اور ان کے ورع و زہد اور سیادت اور علم و دین کے لائق اور شایانِ شان بھی یہی ہے (نہ کہ ناراض ہو جانا اور ہمیشہ کے لیے مکمل بائیکاٹ کر دینا)

فائدہ: آپ نے شیعہ کی روایت میں بھی ان حضرات کا راضی کرنے کے لیے جانے کا واقعہ ملاحظہ فرمایا اور اہل السنت کی روایات میں بھی اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی سفارش بھی دونوں میں ملاحظہ فرمائی لیکن شیعہ حضرات نے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو اجازت دینے کے باوجود منہ دوسری طرف پھیرتے اور کلام سے گریز کرتے دکھایا بلکن اہل السنت کی روایات میں رضامندی کی تصریح ملاحظہ کی، اب یہ فیصلہ آپ پر ہے کہ ان میں سے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے شایانِ شان روایت کونسی ہے؟ یقیناً آپ کا ضمیر اس گھرانہ کی وسعتِ ظرف، عالی حوصلگی اور متاعِ دنیا سے گریز و پرہیز کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسی روایت کو ترجیح دے گا، جس میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عذر کی قبولیت اور رضامندی کا تذکرہ ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حضرت زہراء کی حضرت علی رضی اللہ عنہما پر ناراضگی

اہل السنّت کے نزدیک حضرت زہراء رضی اللہ عنہا اپنی تمام تر رفعتِ مرتبت اور بلندیٔ درجت کے باوجود بالکل بشری تقاضوں سے مبرا اور معرّیٰ نہیں تھیں، لہذا اگر واقعی آپ ناراض ہو گئی تھیں تو یہ بھی بشری تقاضے کے تحت تھا اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو ناراض کیا تھا اور نہ ایذاء پہنچائی تھی، لہذا ان پر اس وجہ سے کوئی الزام عائد نہیں کیا جا سکتا اور انہوں نے بار بار راضی کرنے کے لیے حاضر ہو کر اور سر دراتیں ان کے در پر بیٹھ کر گزار دیں اور ہر ممکن تدبیر راضی کرنے کی اختیار فرمائی، جو ان کے شانِ نیاز اور اخلاص اور محبت و عقیدت کے عین مطابق تھا اور حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے راضی ہو کر اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خوش کر کے اپنے شایانِ شانِ امر کا اظہار کیا، لہذا ہم کسی کی ذات کو موردِ الزام ٹھہرانے کا تصور تک نہیں کر سکتے اور قرآن مجید نے حضرت کلیم اور حضرت ہارون علیہما السلام کا باہمی معاملہ ذکر فرما کر ہماری رہنمائی کا حق ادا فرمایا ہے۔

لیکن اگر شیعہ حضرات کو ان مقدمات کے ترتیب دینے اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی ذات کو موردِ الزام ٹھہرانے کا بہت شوق ہے تو ان کی ضیافتِ طبع کے لیے ان کی مستند کتب سے حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر ناراضگی اور ان کی طرف سے ایذا پانے اور ان کا گھر چھوڑ کر اپنے بچوں کو ہمراہ لے کر رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر تشریف لے جانے کا ثبوت فراہم کر دیتے ہیں، اگر وہ اپنے بیان کردہ قیاس اور دلیل و حجت کو یہاں جاری کر دیں تو پھر ہم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی انہیں معذور سمجھ سکتے ہیں، اور اگر یہاں نہ صرف وہ مقدمات مرتبہ اور دلیل و حجت بھول جائے، بلکہ حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کو موردِ الزام ٹھہرانے پر آمادہ دکھائی دیں تو آخر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں ان پر ناکردہ گناہ اس ناراضگی سے رسولِ پاک صلی اللہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کیسے ثابت ہوگئی اور اُن کا العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ دُنیا و آخرت میں ملعون ہونا کیسے ثابت ہوگیا؟ کیا یہ واضح اور کھلا نا انصافی نہیں اور عدل و انصاف کا دوسرا پیمانہ نہیں، جس کی خدا تعالیٰ کے آخری اور ابدی دین قویم میں کوئی گنجائش نہ ہے، نہ ہوسکتی ہے۔ اب اس اجمال کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں: ثم قال (الامام ابوعبد اللہ علیہ السلام) انہ جاء شقی من الاشقیاء الیٰ فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال لہا اما علمت ان علیا قد خطب بنت ابی جہل فقالت حقا ما تقول فقال حقا ما اقول ثلث مرات فدخلہا من الغیرۃ ما لا تملک نفسہا (الی) قال فاشتد غم فاطمۃ من ذالک وبقیت متفکرۃ حتی امست وجاء اللیل حملت الحسن علی عاتقہا الایمن والحسین علیٰ عاتقہا الایسر واخذت بید ام کلثوم الیسریٰ بیدہا الیمنیٰ ثم تحولت الی حجرۃ ابیہا (الی) فلما رأی النبی علیہ السلام ما بفاطمۃ من الحزن والغم و ذالک انہ خرج من عندہا وہی تتقلب وتتنفس الصعداء فلما رأہا النبی علیہ السلام انہا لا یہنئہا النوم ولیس لہا قرار قال لہا قومی یا بنیۃ فقامت فحمل النبی صلی اللہ علیہ وسلم الحسن وحملت فاطمۃ الحسین واخذت بید ام کلثوم فانتھی الیٰ علی علیہ السلام وہو نائم (الی) فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اما علمت ان فاطمۃ بضعۃ منی وانا منہا فمن اذاہا فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ ومن اذاہا بعد موتی کان کمن اذاہا فی حیواتی ومن اذاہا فی حیواتی کان کمن اذاہا بعد موتی فقال علیؑ والذی بعثک بالحق نبیا ما کان منی مما بلغہا شیئ ولا حدثت بہا نفسی فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم صدقت وصدقت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

(علل الشرائع مؤلفہ ابن بابویہ قمی ص۲۳، ناسخ التواریخ جلد ۴ ص۱۲۵)

پھر امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک بدبخت شخص آیا اور اس نے حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کیا آپ کو معلوم نہیں کہ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کی بیٹی کو پیغام نکاح بھیجا ہے تو آپ نے تین مرتبہ اس سے دریافت کیا واقعی جو تو کہہ رہا ہے برحق ہے، تو اس نے تینوں مرتبہ کہا جو کچھ کہہ رہا ہوں، وہ بالکل برحق اور پرسچ ہے، تو آپ کے اندر اس قسم کی غیرت داخل ہو گئی کہ آپ اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکیں، تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا غم واندوہ سخت ہو گیا اور آپ اس خبر سے فکر مند رہیں حتیٰ کہ وقتِ شام آپہنچا اور رات چھا گئی، تو آپ نے حضرت حسن کو دائیں کندھے پر اور حضرت حسین کو بائیں کندھے پر بٹھایا اور ام کلثوم کا بایاں ہاتھ اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑا، پھر اپنے والد گرامی کے مکان کی طرف منتقل ہو گئیں (تا) جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے حزن وملال اور غم واندوہ کو مشاہدہ فرمایا، کیونکہ جب آپ ان کے پاس سے نکلے، تو وہ بستر پر کروٹیں لے رہی تھیں اور ٹھنڈے سانس بھر رہی تھیں، تو جب آپ نے دیکھا کہ انہیں خوشگوار نیند نہیں آ رہی اور نہ ہی سکون وقرار ہے، تو آپ نے فرمایا اے میری بیٹی! اُٹھیے! چنانچہ آپ اُٹھ کھڑی ہوئیں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن کو اٹھالیا اور حضرت زہراء رضی اللہ عنہا نے حضرت حسین کو اٹھالیا اور حضرت ام کلثوم کا ہاتھ پکڑلیا، پس انہیں ساتھ لے کر حضور نبی معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، جبکہ وہ مسجد میں سوئے ہوئے تھے تو انہیں فرمایا، اے ابوتراب! اُٹھیے۔ فکم ساکن ازعجتہ تم نے کتنے پرسکون لوگوں کا سکون غارت کر دیا ہے (تا) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے علی! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے اور میں اس سے ہوں، یعنی دونوں بمنزلہ شے واحد کے ہیں، جس نے اسے ایذاء دی اُس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی، اُس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی اور جس نے اسے میری وفات کے بعد ایذا دی تو وہ اُس شخص کی مانند ہے جس نے اسے میری زندگی میں ایذا دی اور جس نے اس کو میری زندگی میں ایذا دی تو وہ اس شخص کی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مانند ہے جس نے اس کو میری وفات کے بعد تکلیف پہنچائی، تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، ہاں کیوں نہیں! مجھے یہ حقیقت معلوم ہے تو آنحضرت کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پھر تجھے دوسری شادی کرنے اور حضرت زہرا بتول (رضی اللہ عنہا) کو ایذا اور تکلیف دینے کا کونسا موجب اور باعث پیش آیا؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا مجھے اس ذاتِ اقدس کی قسم جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر مبعوث فرمایا، میری طرف سے قطعاً کوئی ایسی چیز وقوع پذیر نہیں ہوئی جو انہیں پہنچی ہے اور نہ ہی کبھی میرے دل میں ایسا خیال ہی پیدا ہوا، تو آپ نے فرمایا تم نے سچ کہا اور فاطمہ نے بھی سچ کہا۔

اقول، اس روایت سے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کا غم واندوہ، اضطراب و بے قراری اور ایذا و تکلیف محسوس کرنا واضح ہے، حتیٰ کہ آپ خود بھی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے گھر سے تشریف لے گئیں اور اپنے صاحبزادوں اور صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو بھی ساتھ لے کر چلی گئیں اور آہیں بھرتی رہیں اور کروٹیں بدلتی رہیں لیکن کیا اس روایت کی رُو سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ موردِ الزام بن سکتے ہیں اور ان پر وہ قیاس و حجت اور دلیل و برہان منطبق کیا جا سکتا ہے جو ڈھکو صاحب نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر منطبق کرنے کی مذموم سعی کی ہے؟ یقیناً نہیں، کیونکہ آپ نے ان کو ایذا پہنچانے کا نہ قصد کیا اور نہ ہی اُن کے گوشۂ خیال میں بھی یہ امر تھا، تو بالکل اسی طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے قطعاً آپ کو ایذا پہنچانے کا نہ قصد و ارادہ کیا تھا اور نہ ہی ایسے اقدام کا وہ تصور بھی کر سکتے تھے۔ انہوں نے کمال نیازمندی سے اور ادب و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس مال کی شرعی حیثیت واضح کی تھی جو شب و روز بارگاہِ حضور رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر رہنے کی بنا پر ان کے علم میں تھی اور اپنے فرائضِ منصبی اور ذمہ داری کا تذکرہ کیا جو بحیثیتِ خلیفۂ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم اُن پر عائد ہوتی تھی۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

استقامت صدیق رضی اللہ عنہ کا عظیم مظاہرہ

بلکہ عدل و انصاف اور دیانت و امانت کا تقاضا تو یہ تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس استقامت اور اخلاص و نیاز کے اپنے اندر جمع کرنے اور حد اعتدال میں رہتے اور افراط و تفریط سے دور رہنے پر ہدیۂ تبریک و تحسین پیش کیا جاتا اور ان کو صد مرحبا کہا جاتا کہ وہ کس مشکل میں گھر چکے ہیں۔ ایک طرف شرعی حکم کی پابندی اور دوسری طرف رسولِ معظم نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر کا مطالبہ جن کی محبت ان کے لیے روحِ ایمان ہے اور جن کے آبا جان کی خاطر انہوں نے جان و مال، عزت و آبرو اور خویش و اقربا اور گھر بار سب کچھ قربان کر دیا، مگر نہ دامنِ محبت ہاتھ سے جانے دیا اور نہ ہی دامنِ شرع کو ہاتھ سے چھوٹنے دیا، ایسے مشکل مراحل میں ایسی استقامت کا مظاہرہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی کا حصہ ہو سکتا تھا۔

علماء شیعہ کا حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو موردِ الزام ٹھہرانا

علماء شیعہ نے اس روایت کی صحت و واقعیت تسلیم کرنے کے بعد حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے اس اقدام کی جو توجیہ و تاویل کی ہے، وہ ملاحظہ فرماویں:
سید نعمت اللہ الجزائری نے انوار نعمانیہ جلد اول ص۳ پر اس روایت کو مفصل طور پر بیان کیا ہے اور توجیہات و تاویلات بھی ذکر کی ہیں:

فان قلت اذا کانت فاطمة صلوات اللہ علیہا مطهرة معصومة عن ادناس نساء الدنیا فکیف جاز منہا اعمال ہذہ الغیرة البشریة من غیر ان تفحص عن تحقیق الحال قلت الجواب عن ہذا بوجوہ۔ یعنی اگر سائل یہ سوال کرے کہ حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا دنیوی عورتوں کے میل کچیل اور رذیلہ اور ردی صفات و اخلاق سے مطہرہ و معصومہ تھیں، تو پھر ان سے غیرت بشریہ کے اثرات اور ردعمل کیونکر ظاہر ہو گئے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کہ بغیر حقیقت حال کی تحقیق اور چھان پھٹک کیے (حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے گھر سے بھی بلا اجازت اور بغیر اطلاع دیئے چلی گئیں اور بال بچے بھی ساتھ لے گئیں اور خلافِ واقعہ خبر و اطلاع پر اس قدر خود بھی پریشان ہوئیں اور حضور نبی کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پریشان کر دیا) تو اس سوال و اشکال کا جواب کئی وجوہ سے ہے۔

الاول: ان هذا وامثاله غير مناف للعصمة ولا للطهارة من الادناس البشرية (الى) وقد صدرت من بنات الانبياء ما هو اعظم و اشد فان سارة من بنات الانبياء عليهم السلام والزمت ابراهيم عليه السلام ان يخرج عنها هاجرة وابنها اسماعيل الى واد غير ذى زرع ولا ينزل معهما بل يضعهما فيه وهو راكب ويرجع اليها الخ

پہلا جواب یہ ہے کہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کا یہ اقدام اور ردِ عمل اور اس کی مثل دوسرے اقدامات نہ اُن کی عصمت اور پاکدامنی کے خلاف ہیں اور نہ ہی بشری کمزوریوں سے منزّہ و مبرّا ہونے کے خلاف ہیں (تا) انبیاء کرام علیہم السلام کی بیٹیوں سے اس، سے بھی بڑے بڑے سخت اعمال سرزد ہوتے رہے ہیں، کیونکہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا پیغمبروں کی بیٹیوں میں سے تھیں مگر دیکھا کہ انہوں نے کس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام پر یہ پابندی عائد کر دی تھی کہ وہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور اس کے شیرخوار بچے (اور اپنے اکلوتے لختِ جگر اور نورِ نظر) کو بے آب و گیاہ وادی کی طرف لے جا کر چھوڑ آئیں اور خود بھی ان کے پاس نہ ٹھہریں، بلکہ اپنی سواری سے اُترے بغیر ہی اسی حالت میں واپس آجائیں۔

والثانى: ان المعصومين قد كانوا احيانا يتنزلون عن مراتبهم الى مراتب البشر و يقع منهم الغضب والرضا والمحاورات المتعارفة فى مجارى العادات لحكم ومصالح يجوز ان يكون منها ان لا يظن بهم فوق مراتبهم كما وقع

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

من الغلاة واشباههم الخ:

دوسرا جواب یہ ہے کہ معصوم شخصیات بھی کبھی کبھی اپنے مراتب عالیہ سے تنزل کرتے ہوئے عام بشری حالت اور مقام کی طرف آجاتے ہیں اور ان میں بھی عامیانہ صفات اور احوال کا ظہور ہوتا ہے کبھی رضامندی سرزد ہوتی ہے تو کبھی غضب اور ناراضگی اور عادت و عرف کے مطابق عام لوگوں میں جاری محاورات اور اسلوب کلام ان سے بھی سرزد ہو جاتے ہیں جس میں مختلف حکمتیں اور مصلحتیں ہوتی ہیں، تو اس واقعہ میں بھی ہوسکتا ہے کہ اس قسم کی مصلحتوں اور حکمتوں میں سے ایک یہ حکمت و مصلحت بھی ہو کہ ان کو ان کے لائق اور شایان شان مراتب سے بلند و بالا نہ سمجھا جائے اور انہیں مافوق الفطرت شخصیات نہ سمجھ لیا جائے جیسے کہ غالی شیعوں اور اس قسم کے دوسرے گمراہ شیعوں کا خیال ہے۔
(انوار نعمانیہ مصنفہ سید نعمت اللہ الجزائری، جلد اول صـ۷۸،۷۷)

فوائد و نتائج: (۱) آپ نے دیکھ لیا کہ جب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے غم و اندوہ اور حزن و ملال کی وجہ سے اعتراض اور الزام عائد ہوتا نظر آیا تو علماء شیعہ نے سیدۃ نساء العالمین رضی اللہ عنہا کو کس طرح عام بنات انبیاء پر قیاس کر کے بے جا غم و غصہ اور بے سبب حزن و ملال کو کس طرح روا رکھا، اور حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی طہارت اور عصمت بھی اُن کی نظر میں ایسے سخت اقدام کے منافی نہ رہی، حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایذاء رسول اور ایذاء خداوند تعالیٰ سے منزہ و مبرا ماننا حضرت زہرا رضی اللہ عنہ کے لیے لازم تھا اور تنہا ایک عامی راوی کے قول کی بنا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے عظیم المرتبت اور معصوم امام کو مورد الزام اور محل اتہام نہیں ٹھہرانا چاہیے تھا اور خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے نہیں نکلنا چاہیے تھا، مگر چونکہ معاملہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے متعلق تھا لہٰذا وہ تو مورد الزام نہیں بنائے جاسکتے تھے تو حضرت زہرا بتول رضی اللہ عنہا کو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا پر قیاس کر کے ایسے امور کے سرزد ہونے کا جواز ثابت کر دیا اور اس سارے ردعمل میں نہ عصمت متاثر ہوئی اور نہ طہارت پر حرف آیا حالانکہ افضل کا مفضول پر قیاس درست نہیں ہوتا اور نہ ہی حضرت سارہ رضی اللہ عنہ کا پیغمبر کی بیٹی ہونا ثابت ہے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے والد کا نبی ہونا ثابت نہیں اور نہ ہی حضرت خلیل اللہ علیہ السلام سے قبل کسی مبلغ کا ان کے باپ کے دور میں موجود ہونا۔ فسبحان اللہ ما اشد حبّ الناس لعقائدھم۔

۲۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے لیے شیر خوار بچے اور اس کی والدہ کے لیے اس قدر غیرت اور عدم برداشت اور سخت ترین رویہ بھی جائز ہو گیا اور حضرت خلیل اللہ علیہ السلام جیسے بلند مرتبت نبی کے لیے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے ساتھ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی رضامندی اور تسکینِ خاطر کے لیے ایسی کڑی شرائط اور مطالبات کو تسلیم کرتے ہوئے ایسی بے نیازی جائز ہو گئی اور اس سے ان کی عصمت بھی متاثر نہ ہو سکی۔

۳۔ معصومین کے لیے مراتبِ عالیہ سے تنزل اور عام بشری تقاضوں کا رونما ہونا درست ہو گیا اور یہ تنزل بھی سراسر حکمت اور مصلحت بن گیا اور ان مقدس شخصیات کے حق میں غلو اور افراط سے روکنے کا ذریعہ وغیرہ وغیرہ۔

لیکن اگر نہیں جائز تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کا عمل جو حدیثِ رسول کے عین مطابق تھا اور حدیث بھی اتنی صحیح اور سچی کہ سب امہات المومنین اس کی قائل، سب اکابرِ صحابہ اور تمام اہل بیت کرام اس کے معترف اور اسی پر عمل پیرا اور مراتب عالیہ سے تنزل اگر حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے لیے جائز نہیں تھا تو صرف فدک کے بارے میں اور اُن کی یہ ناراضگی اور بحران بشری تقاضوں کے تحت سرزد ہونا محال تھا اور اُن کی عصمت اور طہارت کے سراسر منافی و مخالف تھا تو صرف اور صرف حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حق میں اور حضرت سیدنا خلیل اللہ علیہ السلام جیسی شخصیت کے لیے اکلوتے فرزند اور حرمِ محترم کے حق میں یہ اقدام قابلِ جواز تھا مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو فدک بطورِ وراثت نہ دینے کا کوئی جواز نہیں تھا؟ ما لکم کیف تحکمون الیس منکم رجل رشید۔

تو کیا دنیاوی مال کی خاطر اور مال بھی وہ جس کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی ذات یا اپنی لختِ جگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لیے بھی مخصوص نہیں کیا تھا بلکہ بیت المال کا حصہ اور قومی ملکیت قرار دیا تھا اور آپ کے جملہ اخراجات کی بھی اس سے کفالت کا عہد کیا تھا اور نبوی طریق کار پر کاربند رہنے کا عہد کیا اور اللہ تعالیٰ کو ضامن بنایا تو معصومہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

میں بھی اگر حضرت زہرا رضی اللہ عنہا ان پر ناراض ہوں اور کبیدہ خاطر تو اس کو بھی اسی طرح کے بشری تقاضے پر محمول کرنا اور مرتبۂ عالیہ سے تنزل قرار دینا ضروری ہے جس میں جزائری صاحب کی بیان کردہ حکمت و مصلحت کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی محبت و عقیدت اور نیاز و اخلاص کے ساتھ ساتھ استقامت کا امتحان لینا اور قیامت تک آنے والے محبوں اور معتقدوں کے لیے قابلِ تقلید نمونہ پیش کرنا بھی ہو سکتا ہے کہ محبوب سے محبوب تر شخصیت کے لیے اصولِ شرع اور راہِ استقامت سے عدول و انحراف جائز نہیں ہے

چشمِ بد بیں کہ برکندہ باد ۔۔۔ عیب نماید ہنرش در نظر

حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی بات ناقابلِ اعتبار و التفات

انوارِ نعمانیہ میں ہی محدث جزائری نے ذکر کیا ہے کہ شیخ صدوق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت نقل کی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو ایک لونڈی بطور ہدیہ پیش کی گئی جس کی قیمت چار ہزار درہم تھی۔ جب وہ حبشہ سے واپس تشریف لائے اور مدینہ منورہ پہنچے تو انہوں نے وہ لونڈی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ہبہ کر دی۔ انہوں نے اس کو حضرت زہرا رضی اللہ عنہا والے مکان میں ٹھہرایا۔ ایک دن آپ باہر سے گھر تشریف لائیں تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا سر اس کی گود میں دیکھ کر فرمایا، فعلتما یا ابا الحسن فقال لا واللہ یا بنت محمد ما فعلت شیئاً الخ اے ابوالحسن! تم نے اس کے ساتھ ہمبستری کی ہے؟ تو آپ نے فرمایا مجھے خدا کی قسم، میں نے قطعاً اس کے ساتھ مباشرت نہیں کی تو بتلایئے تمہارا کیا ارادہ ہے؟ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے کہا میرا ارادہ یہ ہے کہ مجھے اپنے باپ کے گھر جانے کی اجازت دیں، تو آپ نے جانے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے چادر اوڑھی، برقعہ پہنا اور منزلِ نبوی کا رُخ کیا۔ فھبط جبریل علیہ السلام فقال یا محمد ان اللہ یقرئک السلام ویقول ان فاطمۃ تشکو علیا فلا تقبل منھا فی علی قولا فدخلت فاطمۃ فقال رسول اللہ جئتنی تشکی علیا فقالت ای و رب الکعبۃ فقال لھا ارجعی الیہ فقولی لہ رغم

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

انفی لرضاک ثلاثا فرجعت فاطمۃ الی علیؓ فقالت یا ابا الحسن رغم انفی لرضاک ۔ (ص ۹۶، جلد ۱)

تو جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور عرض کیا، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ آپ کو سلام فرماتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ یہ فاطمہ آ رہی ہے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شکایت کرنے کے لئے، لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف ان کا قول بالکل قبول نہ کرنا۔ اسی دوران آپ پہنچ گئیں تو رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم علی مرتضیٰ کی شکایت کرنے آئی ہو؟ آپ نے عرض کیا، جی ہاں! اللہ مالکِ کعبہ کی قسم تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، واپس علی کے پاس جاؤ اور ان سے تین مرتبہ کہو میری ناک تمہاری رضا حاصل کرنے کے لئے خاک آلود ہوئی؛ چنانچہ آپ حسبِ ارشادِ نبوی واپس حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس گئیں اور تین مرتبہ کہا: میری ناک تمہاری رضا حاصل کرنے کے لیے خاک آلود ہے، یعنی میں گویا ناک سے لکیریں کھینچ کر معذرت اور معافی چاہتی ہوں۔

ثمرہ و نتیجہ: اس روایت کو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کریں جن سے بڑھ کر خیمۂ افلاک کے نیچے اور فرشِ زمین کے اوپر کوئی صادق نہیں اور اس کو نقل کرنے والے شیخ صدوق ہوں، اتنی بڑی سچی روایت میں ایک طرف حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو اپنے ظن و گمان اور تخمینہ و اندازہ پر اس قدر پُراعتماد دکھلایا گیا ہے کہ اس کے مقابل حضرتِ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جیسے معصوم کی قسم اور ان کے حلفی بیان کو بھی آپ نے کوئی وقعت و اہمیت نہیں دی اور ان پر اعتبار نہیں کیا۔ دوسری طرف حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو حضرت جبرئیل، رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک غیر اہم قرار دے دیا اور ان کی بات کو ناقابلِ اعتبار و التفات ٹھہرا دیا گیا اور انہیں ناک سے زمین پر لکیریں کھینچ کر معذرت کرنے والوں کی طرح معذرت کرتے دکھایا گیا ہے۔ لیکن جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سراسر اخلاص و نیاز سے سرزد ہونے والے جواب اور شریعتِ مطہرہ پر پابند رہتے ہوئے صرف وراثت کے طور پر فدک حوالے کرنے سے معذرت کا معاملہ ہو تو یہی سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا مافوق الفطرت ہستی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہیں اور شریعت، طریقت اور حقیقت کی جامع بھی۔ خطا اور بھول چوک سے معصومہ مطہرہ بھی۔ صادقہ و صدیقہ بھی اور صائب الرائے اور صحیح الفکر بھی اور مالکِ شریعت بھی۔ ان کی ناراضگی اور غضب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے غیظ و غضب کا موجب بھی ہوتی ہے اور ان کی ایذار کا باعث بھی وغیرہ وغیرہ اور اس ناراضگی کی توجیہ و تاویل بھی ناممکن ہو جاتی ہے، لہٰذا نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ شیعہ کو حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کی عظمت و رفعت، عصمت و طہارت اور صداقت و دیانت کی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر ناراضگی اور ان کے ساتھ بغض و کینہ نہیں، بلکہ صرف اور صرف دینِ اسلام کا محافظ ہونے اور اس کی نشأۃ ثانیہ کا موجب ہونے کی وجہ سے ہی سارا غم و غصہ اور بغض و عناد ہے، ورنہ یہ کوئی ایسا معاملہ نہ تھا، جس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو معذور نہیں سمجھا جا سکتا تھا اور حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے ردعمل کی توجیہ و تاویل نہیں ہو سکتی تھی، بشرطیکہ دونوں کے ساتھ اخلاص بھی ہوتا اور دل بھی صاف ہوتا۔

صاحبِ ناسخ کا اضطراب اور روایت کے ردّ و قبول سے عجز

صاحبِ ناسخ نے پہلی روایت کو علل الشرائع اور فاضل مجلسی کے حوالے سے ذکر کر دیا لیکن اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا عالم ماکان و مایکون تھیں، وہ ایک مجہول شخص کے کہنے پر اس قدر سخت ناراض کیونکر ہو سکتی تھیں کہ اولاد کو ہمراہ لے کر حضرتِ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اجازت کے بغیر ان کے گھر سے تشریف لے گئیں۔ دوسری طرف حضرتِ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں جو کہ معصوم تھے، وہ ایسے امر کا ارتکاب کیونکر کر سکتے تھے، یعنی ابوجہل کی مسلمان بیٹی کے ساتھ نکاح کیسے کر سکتے تھے اور حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کو ان کے متعلق ایسا شک و شبہ کیونکر ہو سکتا تھا وغیرہ وغیرہ، لیکن کہتا ہے: چوں فاضل مجلسی ایں حدیث را نگاشتہ بود، من بندہ دست باز نداشتم دتواند بود کہ اسرار احادیث، و مصلحتِ وقت را ماندانیم ورد و قبول را بفہم نارسائے خویش

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

دہم (ناسخ التواریخ جلد چہارم صفحہ ۱۳۰)

چونکہ مجلسی صاحب نے اس حدیث کو لکھا تھا، تو میں نے بھی لکھنے سے ہاتھ کو نہ روکا اور ہو سکتا ہے کہ احادیث مبارکہ کے اسرار و رموز اور مخصوص اوقات کی مصلحتوں کو ہم نہ سمجھ سکیں اور عین ممکن کہ حقیقت حال سمجھے بغیر اپنے ذہن نارسا کے ذریعے رد و قبول کے درپے ہو جائیں (لہٰذا سوائے سکوت اور مہر بلب ہونے کے کوئی چارہ نہیں ہے)

بس یہی معاملہ ہمارا بھی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس جواب باصواب اور عین شریعت اور مجموعۂ ادب و احترام پر حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی ناراضگی اور برہمی اور ہجران و قطع تعلق والی روایات قبول کرنے پر اپنا ذہن آمادہ نہیں ہوتا، لیکن ان کو مردود اور ناقابل قبول ٹھہرانے سے ہچکچاتے ہیں کہ ممکن ہے وقتی طور پر بشری تقاضوں اور مراتب عالیہ سے تنزل کی بنا پر کوئی ایسی کبیدگی پائی گئی ہو جو اس شہزادی و الا تبار کی طرف سے شان محبوبی اور نسبت رسالت پر ناز و افتخار کی وجہ سے سرزد ہوئی ہو اور اس سراپا خلوص غلام بارگاہ رسالت کے عشق کا مزید امتحان ہوا اور جب امتحان ہو لیا تو معاملہ سلجھ گیا اور باہمی رضامندی ہو گئی ہو۔ الغرض حضرت علی اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہما کے درمیان ناراضگی اور شکوہ و شکایت کی روایات کو دیکھ کر اس روایت کا رد یا اس کی تاویل حضرات شیعہ بھی ضروری سمجھتے ہیں، وہی معاملہ ہمارا بھی ہے۔ لہٰذا ہمارے خلاف یہ پابندی کیونکر عائد کی جا سکتی ہے کہ ہم تو ان کے رد و قبول میں اپنا حق استعمال نہ کر سکیں، مگر شیعہ حضرات کو یہ حق حاصل ہو اور وہ اسے استعمال بھی کر سکیں۔ تلك اذًا قسمة ضيزیٰ ۔ الحاصل ثابت ہو گیا کہ کسی بھی فریق کی مذہبی کتاب میں موجود و مرقوم ہر روایت اپنے ظاہری معنی و مفہوم پر محمول ہونی ضروری نہیں، بلکہ اپنے دیگر روایات و احادیث اور دلائل و براہین کی رو سے ہی اس کا صحیح محمل متعین کرنا صرف ان کا حق ہے۔

مزید توضیح و تشریح: علامہ ڈھکو صاحب کے بے بنیاد قیاس شعری کے رد و ابطال کے لیے یہی قدر کافی و وافی ہے، لیکن اس معاملہ کی اہمیت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے پیشِ نظر مزید توضیح و تشریح کے لیے دو حوالے مزید پیشِ خدمت ہیں تاکہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے کہ یہ مقدس شخصیات بشری تقاضوں سے بالاتر نہیں تھیں اور کبھی مراتبِ عالیہ سے ان کو تنزل لاحق ہو جاتا تھا جس کو شیعہ تسلیم کرتے ہیں اور تسلیم کیے بغیر ان کے لیے کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔

۳۔ جاءت فاطمة علیها السلام الی ابیها و هی باکیة فقال لها ما یبکیك یا قرة عینی لا ابکی الله لك عینا قالت یا ابی ان نسوان قریش یعیرننی و یقلن ان اباك زوجك بفقیر لا مال له فقال لها یا فاطمة ان الله عزوجل اطلع الی الارض اطلاعة فاختار منها اباك ثم اطلع فاختار منها بعلك و ابن عمك ثم امرنی ان انزوجك منه افلا ترضی ان تکونی زوجة من اختاره الله وجعله لك بعلا فقالت رضیت و فوق الرضا یا رسول الله۔ (کتاب الروضة لابن بابویہ القمی ص ۱۱۹)

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اپنے والدِ گرامی کی خدمتِ اقدس میں روتی ہوئی حاضر ہوئیں، تو آپ نے ان سے کہا اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک تمہیں کونسی چیز رُلا رہی ہے؟ اللہ تعالیٰ کبھی بھی تیری آنکھ کو نہ رلائے، تو آپ نے عرض کیا اے ابا جان! قریش کی عورتیں مجھے عار دلاتی ہیں اور کہتی ہیں کہ تمہارے باپ نے تمہارا رشتہ ایسے فقیر اور درویش شخص سے کر دیا ہے کہ جس کے پاس کوئی مال نہیں ہے، تو آپ نے ارشاد فرمایا:

اے فاطمہ! بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین کی طرف ایک مرتبہ جھانکا تو پورے رُوئے زمین سے تیرے باپ کو چُن لیا۔ پھر دوبارہ جھانکا تو پوری زمین سے تیرے خاوند کو چُن لیا۔ پھر مجھے حکم دیا کہ میں تیری شادی اس کے ساتھ کروں۔ کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ تو اس شخص کی زوجہ ہو جو اللہ تعالیٰ کا منتخب کیا ہوا ہے اور اُس نے تیرے لیے اس کو خاوند بنایا ہے۔ تو آپ نے کہا میں راضی ہو گئی اور بہت زیادہ راضی ہو گئی ہوں یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تبصرہ: صرف مال و دولت نہ ہونے کی بناء پر حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زوجیت قبول کرنے پر اظہارِ افسوس کرنا اور روتے ہوئے بارگاہِ رسالتمآب میں حاضر ہو کر احتجاج کرنا کیا ان کے لیے زیبا ہے۔ انہوں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کب شاہانہ انداز میں وقت گزارتے دیکھا اور کیا گھرانۂ نبوت میں انہیں ورع و زہد اور توکل و قناعت کا سبق نہیں ملا تھا کہ وہ قریشی عورتوں کے اقوال سن کر رونے لگ گئیں اور اس نکاح کے خلاف فریادی بن گئیں۔

ب۔ جب رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرتِ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شان بیان فرمائی، تو راضی ہو گئیں، لیکن پھر کسی مجہول شخص کی زبانی دوسری شادی کی اطلاع پاتی ہیں، تو اسی علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے گھر سے بال بچے لے کر بلا اجازت اور بغیر اطلاع دیئے تشریف لے جاتی ہیں اور اُن کا سر لونڈی کی گود میں دیکھ کر اس قدر غصہ اور ناراضگی کا اظہار کرتی ہیں کہ ان کی قسم اور حلف پر بھی اعتماد نہیں کرتیں اور شکایت کے لیے بارگاہِ نبوی میں چلی جاتی ہیں، تو کیا آپ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کی ہوئی عظمتِ مرتضیٰ کو سمجھا، اور اس کے تقاضوں کو پورا کیا۔ اگر حضرت زہرا فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق اس قسم کی بے اعتباری اور بداعتمادی سے اور لوگوں کی شکایات ان کے حق میں قبول کر لینے سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شانِ اقدس میں فرق نہیں پڑتا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں کیونکر آپ کے ردِ عمل اور انقباض کو ان کے دین و ایمان کے منافی سمجھا جا سکتا ہے، جبکہ قرآن مجید، احادیثِ رسول، اقوالِ مرتضیٰ اور دیگر ائمہ کرام کے ارشادات سے ان کی فضیلت اور برتری روزِ روشن کی طرح نمایاں و آشکار ہے۔

۴۔ حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیاتِ طیبہ کے واقعات ملاحظہ کرنے کے بعد اب حضورِ اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد قضیۂ فدک میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ساتھ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر آپ کے غم و غصہ اور تغلیظ و تشدید کو ملاحظہ کریں:

فقالت یا ابن ابی طالب اشتملت شملة الجنین وقعدت حجرة

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

الظنین انقضت قادمۃ الاجدل فخانک ریش الاعزل ھذا ابن ابی قحافۃ یبتزنی نحیلۃ ابی وبلغۃ ابنی لقد اجہر فی خصامی و الفیتہ الذ فی کلامی حتی حبستنی قیلۃ نصرھا والمہاجرۃ وصلھا وغضت الجماعۃ دونی طرفھا فلا دافع ولا مانع خرجت کاظمۃ وعدت راغمۃ اضرعت خدک یوم اضعت حدک افترست الذئاب افترسک الذباب ماکففت قائلا ولا اغنیت طائلا ولا خیار لی لیتنی مت قبل ھنیئتی ودون ذلتی عذیری اللّٰہ منک عادیا ومنک حامیا ویلای فی کل شارق ویلای فی کل غارب مات العمد ووھنت العضد شکوای الی ابی وعدوای الی ربی اللّٰھم انت اشد قوۃ وحولا واحد بأسا وتنکیلا۔

(احتجاج طبرسی ص۱۰۱ ، ناسخ التواریخ ج ۴، ص۸۹ و ۹۰)

تو آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس سے واپس آنے پر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا، اے ابن ابی طالب تو جنین کی طرح پردے میں لپیٹ گیا ہے اور متہم لوگوں کی طرح حجرہ نشین ہوگیا ہے، کبھی تو نے شہبازوں کے شہپر توڑ ڈالے اور کبھی بے پر اور پرواز سے قاصر کے پر و بال اکھیڑنے سے بھی قاصر ہے۔ یہ ابن ابی قحافہ مجھ سے میرے باپ کا عطیہ اور میرے بیٹوں کا لقمہ چھین رہا ہے، اس نے میرے ساتھ علانیہ جھگڑا کیا اور میں نے اس کو اپنی گفتگو میں سخت جھگڑالو پایا، حتیٰ کہ قبیلہ کے افراد نے بھی مجھ سے اپنی امداد روک رکھی اور مہاجرین نے میرے تعلق کو نظر انداز کیا اور حاضرین کی ساری جماعت نے میرے آگے آنکھیں بند کرلیں (اور میری موجودگی کو اہمیت نہ دی۔) پس نہ کوئی میری طرف سے دفاع کرنے والا ہے اور نہ رکاوٹ ڈالنے والا۔ میں غم و غصہ سے بھری ہوئی نکلی اور بے آبروئی اور بے عزتی کی حالت میں واپس ہوئی، تو نے اپنے رخسار کو ذلیل اور بے آبرو کر دیا ہے، جس دن سے اپنی قوت اور تیزی طبع کو ضائع کر دیا ہے۔ کبھی تو تو نے بھیڑیوں کو شکار کیا اور کبھی مکھیاں تجھے شکار کر رہی ہیں (اور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ایک نسخے کے مطابق، اب تو نے مٹی کو اپنا بچھونا بنا لیا اور خاک نشین ہو گیا ہے) نہ تو نے کسی کہنے والے اور بولنے والے کی زبان روکی اور نہ کوئی منفعت اور فائدہ پہنچایا، اور میرے اندر قوت و طاقت نہیں ہے۔ اے کاش! میں اس حقارت و ذلت سے پہلے ہی مر جاتی۔ اللہ تعالیٰ میرا مددخواہ اور ناصر ہے، اس سے تجاوز کی حالت میں اور تجھ سے حمایت کی حالت میں ہلاکت ہے میرے لیے جہاتِ شرق میں اور ہلاکت ہے میرے لئے جہاتِ غرب میں، میرا سہارا موت کے منہ میں چلا گیا اور میرا دست و بازو کمزور ہو گیا۔ میری شکایت اپنے والدِ گرامی کی بارگاہ میں ہے اور میری فریاد اور استغاثہ میرے رب کی بارگاہ میں ہے۔ اے اللہ! تو ان کی نسبت سخت قوت و طاقت والا ہے اور شدید گرفت اور عقاب والا ہے۔

اقول، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حق میں جو کلمہ آپ کی طرف سے نقل کیا گیا، اس کو تو وحیِ الٰہی سمجھ کر قبول کر لیا گیا اور کسی توجیہ و تاویل کو روا نہ رکھا گیا، لیکن کیا ان کلمات کو بھی ظاہری معنی پر محمول کر کے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ذات کو موردِ طعن و تشنیع سمجھا جا سکتا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عمومی فضائل اور بالخصوص آپ کو ان کی زوجیت میں دینے کے بعد جو خصوصی فضیلت آپ کی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی تھی۔ کیا اس کو یہاں پر ملحوظ رکھا گیا ہے؟ اور حضرت حضرتِ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے وجود و عدم کو برابر قرار دیا گیا یا نہیں اور ان کو مکھیوں کے سامنے عاجز اور اپنے کو ذلیل و بے آبرو کرنے والا اور پردۂ رحم میں موجود بچوں اور متہم و گناہ گار لوگوں کی طرح خلوت نشین قرار دے کر کیا ان کے لا فتیٰ الا علی اور فاتح خیبر اور اسد اللہ الغالب ہونے کا انکار کیا گیا ہے یا نہیں؟ تو کیا شیعہ حضرات اس مطہرہ معصومہ صادقہ مصدقہ امینہ کے صدق و حقگوئی پر ایمان لاتے ہیں یا نہیں؟ اور ان کی اس ناراضگی کو بھی اللہ و رسول کی ایذا رسانی قرار دے کر آیت کریمہ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ (الآیہ) کو منطبق کرتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

پھر گستاخِ صدیق اور اُن کے بغض و عناد اور حسد و کینہ رکھنے والے سباتیوں پر ہی ایسے منطبق کردو اور ان بزرگوں کو اسی طرح منزہ و مبرا سمجھو جیسے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان کلمات سے منزہ و مبرا ہیں اور ایسے کلمات کہنے والے بھی اسی طرح معذور ہیں جس طرح حضرت کلیم اللہ علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام کے معاملہ میں معذور تھے ۔

والحمد للہ علیٰ وضوح الحق وصلی اللہ علیٰ حبیبہ و آلہٖ وصحبہٖ اجمعین

تنبیہ : جس طرح شیعہ حضرات کے نزدیک ایسے واقعات و روایات و حکایات میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو موردِ الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا، کیونکہ وہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا سے افضل ہیں، بلکہ بقولِ شیعہ سوائے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے بھی افضل ہیں، لہٰذا یہ توجیہ و تاویل حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی طرف سے کی جاتی ہے اور اُن کے اقدام کو تنزل اور بشری تقاضے قرار دیا جاتا ہے۔ اسی طرح اہل السنت کا مذہب بھی یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل البشر بعد الانبیاء ہیں، یعنی تمام امتوں سے افضل ہیں، لہٰذا ان پر کوئی الزام عائد کرنے کی بجائے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی طرف سے توجیہ و تاویل کرنی لازم ہے۔

نیز جب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ناراضگی اور کبیدگی کا کوئی واقعہ حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک میں ہی پیش آیا تو دربارِ رسالت سے ہی حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے طہارتِ دامن کو واضح کر دیا گیا اور اگر اس قسم کا واقعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آتا تو یقیناً حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہی طرفداری فرماتے، کیونکہ جب بھی کسی صحابی کی طرف سے ان کے متعلق کوئی بات پہنچائی گئی تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یہی ہوتا: ھل انتم تارکون لی صاحبی کیا تم میری خاطر میرے اس رفیق کو نشانہ بنانے سے باز نہیں رہ سکتے؟ فما اوذی بعدھا (بخاری شریف جلد اول ص۵۱۷) تو سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کی اس تنبیہ کے بعد کبھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ایذا اور تکلیف دی گئی
یہی حضرت زہرا رضی اللہ عنہا جب بعض ازواجِ مطہرات کے کہنے پر سفارش
کے لیے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں اور عرض کیا: ان ازواجک
ارسلننی الیک یسئلنک العدل فی ابنۃ ابی قحافۃ۔
آپ کی ازواج نے مجھے آپ کی خدمت میں اس سفارش کے لئے بھیجا ہے کہ وہ
آپ سے حضرت عائشہ سے محبت کے زائد ہونے کے بارے میں عدل و مساوات کا مطالبہ
کرتی ہیں۔ تو آپ نے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو فرمایا: ای بنیۃ ألست تحبین
ما احب قالت بلٰی قال فاحبی ھذہ۔ کیا تمہیں اس سے محبت نہیں جس سے
مجھے محبت ہے؟ تو عرض کیا کیوں نہیں تو آپ نے فرمایا، تو پھر ان سے (عائشہ صدیقہ سے)
محبت رکھو، یعنی ان کی رضا و پسند کے خلاف اور برعکس کچھ نہ کیا کرو (مسلم شریف ج ۲ ص ۲۸۵)

مقامِ غور ہے کہ جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی لختِ جگر ہونے کی وجہ سے حضرت
عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اتنی محبت ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ان کے خلاف
دیگر ازواجِ مطہرات کی طرفداری اور سفارش کو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی محبت کے
خلاف قرار دیتے ہیں اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی محبت کو اپنی محبت عین قرار دیتے ہیں تو خود
صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی محبت آپ کی محبت کا عین کیونکر نہیں ہوگی اور ان کی محبت کے
خلاف اقدام خود سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے خلاف کا ارتکاب کیونکر نہیں ہوگا
لہٰذا یہ حقیقت دوپہر کے اجالے کی طرح روشن ہوگئی کہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی طرف سے
جس طرح حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شانِ اقدس کے خلاف سرزد ہونے والا قول
فعل محتاجِ تاویل ہے، اسی طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے خلاف سرزد ہونے والا
قول و فعل واجب التاویل ہے۔ ساری خرابی کی بنیاد یہ ہے کہ شیعہ ان اکابرین اصحاب
اور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہائی مقربین کو انتہائی پست، حقیر اور محض نوکر چاکر
اور کمی سمجھ لیتے ہیں اور پھر ایسے واقعات کی آڑ لے کر ان کے ایمان و ایقان اور خلوص

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

وفا اور خدمات و قربانیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری خطبہ تک میں ان کے متعلق بیان فرمودہ بزرگیوں اور فضیلتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ان پر برسنے لگ جاتے ہیں اور یہود و مجوس کو خوش کرتے اور ابلیس لعین کو راضی کرنے کی مقدور بھر سعی کرتے ہیں، حالانکہ ایسے مقدس لوگوں کے معاملات کو صرف اور صرف حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے واقعہ کی روشنی میں ہی دیکھنا اور سمجھنا اور اس کی توجیہ و تاویل کرنا ضروری ہے۔

رہی حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی نسبی شرافت اور فضیلت کہ آپ لختِ جگر اور نورِ نظر ہیں سید انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کی تو اس میں کس کافر کو شک ہو سکتا ہے، لیکن وہ شرف و فضل تو آپ کو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھی حاصل ہے۔ پھر حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے اقدام کو تنزل اور اپنے مقام و مرتبہ کے خلاف پر کیوں محمول کیا گیا ہے، لہٰذا روزِ روشن کی طرح عیاں کہ جزوی فضیلت کے باوجود ان کا مقام و مرتبہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے برابر نہیں ہے اور خود حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما تمام اُمت سے افضل ہیں اور وہ اُن کے اعمالناموں کے ساتھ رشک فرماتے ہیں، وغیرہ ذالک کما سبق فی المجلد الاوّل۔

حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی نمازِ جنازہ

علامہ ڈھکو صاحب نے اپنے اسلاف کی اتباع میں حضرت سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا کی نمازِ جنازہ کی بحث درمیان میں لاکر حضرات صحابہ اور اہل بیت کرام علیہم الرضوان کے درمیان انتہائی عداوت اور دشمنی ثابت کرنے کی سعی نامشکور فرمائی ہے اور اسے فدک نہ دیئے جانے پر غم و غصہ و ناراضگی کی دلیل بنایا ہے، حالانکہ یہ استنباط بوجوہ باطل ہے:

ا۔ حقیقت یہ ہے کہ بعض دفعہ واقعہ ایک ہی ہوتا ہے، لیکن اس کی تعبیر اور حکایت ہر شخص اپنے نظریہ و عندیہ کے مطابق کرتا ہے، تو اس طرح حقیقت کا چہرہ اُجلا اور صاف ستھرا ہونے کے باوجود ان تعبیرات و حکایاتِ مختلفہ کی وجہ سے دُھندلا جاتا ہے اور اس واقعہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوا ہے۔ جنازہ میں حضرت صدیق اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہما اور دیگر مہاجرین و انصار کے شامل نہ ہوسکنے کی وجہ علیٰ تقدیر صحت الروایت دراصل یہ تھی کہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا اپنی صفت حیاء و شرم کے کمال اور پردہ و ستر کے اہتمام کے پیشِ نظر اپنے جنازہ کو نمایاں نہیں کرنا چاہتی تھیں اور آپ کو بیماری کے ایام میں ہر وقت یہی فکر دامنگیر رہتی تھی کہ میرے جسم پر کفن ہونے کے باوجود لوگوں کو میری قامت اور سراپا دیکھنے کا موقعہ مل جائے گا اور پتہ چلتا رہے گا کہ سر کہاں ہے اور سینہ کہاں ہے اور اسے بھی وہ اپنی شانِ تستر کے خلاف سمجھتی تھیں، حتّٰی کہ اس پریشانی اور تفکر کو دُور کرنے کے لیے حضرت اسماء بنت عمیس زوجہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہما نے (اور ناسخ التواریخ کے اندر منقول قول کے مطابق ملائکہ نے) جنازہ کی چارپائی پر کھجور کی شاخوں کو دونوں جانبوں میں کمان کی صورت بنا کر اٹکا دیا اور اوپر کپڑا ڈال کر پردہ کا معقول انتظام کرکے بطورِ نمونہ دکھلایا کہ اس طرح آپ کی نعش پر ستر اور پردہ کا اہتمام کرلیں گے تو آپ کو بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ (اشعۃ اللمعات ص ۴۶۲ ج ۳) مواہب مع زرقانی ص ۲۰۶ ج ۲

الغرض جنازہ کے اعلانِ عام اور اس پر بھیڑ بھاڑ سے گریز اور چند آدمیوں کے پڑھنے پر اکتفاء کی دراصل یہی وجہ تھی کہ ستر اور پردہ کا اہتمام مقصود تھا اور رات کی تاریکی میں ہی نماز جنازہ پڑھنے پر اکتفاء کی دراصل یہی وجہ تھی کہ ستر اور پردہ کا اہتمام مقصود تھا اور رات کی تاریکی میں ہی _______ دفن کرنے کا اصل مقصد یہی تھا مگر سبائی ذہنیت نے اس سیدھی سادی حقیقت کو اپنے قلبی غیظ و غضب اور بغض و عناد کی وجہ سے دوسرا رنگ دے کر اہلِ اسلام میں افتراق و انتشار پیدا کرنے کے لیے بطور حربہ استعمال کیا۔ ناسخ التواریخ میں حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی تحریری وصیت کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں اور دیکھیں کہ ان میں حضراتِ شیخین اور دیگر مہاجرین و انصار کے ساتھ عداوت اور غم و غصہ کی وجہ سے ان کو جنازے میں شریک نہ کرنے کا کوئی لفظ موجود ہے یا یہ محض سبائی جماعت کی افسانہ نگاری ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

انت اولیٰ بی من غیری حنطنی وغسلنی وکفنی باللیل وصل علیٰ وادفنی باللیل ولا تعلم احداً۔ (ناسخ التواریخ جلد چہارم کتاب دوم، ص۱۳۶) تم دوسروں کی نسبت میرے زیادہ قریب ہو اور حقدار، لہٰذا تم ہی رات کے وقت مجھے غسل دینا اور حنوط لگانا اور کفن دینا اور رات ہی رات مجھ پر نمازِ جنازہ پڑھ کر دفن کر دینا اور کسی کو اطلاع نہ دینا۔

اور ایک روایت کے مطابق صرف سات آدمی حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کے جنازے میں شامل ہوئے تھے۔ خلقت الارض بسبعة وبھم یرزقون وبھم یمطرون وبھم ینصرون والیٰ، قال علی وانا امامھم وھم الذین شھدوا الصلوٰۃ علیٰ فاطمۃ رضی اللہ عنہا وعنھم (ناسخ التواریخ جلد ۴ ص۱۱۲) یعنی زمین صرف سات افراد کے لیے پیدا کی گئی ہے اور انہیں کی بدولت لوگ رزق دیئے جاتے ہیں اور انہیں کے طفیل بارشیں ہوتی ہیں اور انہیں کے صدقے میں لوگوں کو نصرت و امداد دی جاتی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں ان کا امام ہوں اور یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی نمازِ جنازہ پڑھی۔

اور ان دونوں روایتوں کو سامنے رکھو تو تمام مہاجرین و انصار بلکہ بنو ہاشم، بنو عبدالمطلب اور بنو عبدمناف کو بھی اور بالخصوص حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد، حضرت عقیل رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی اولاد کو بھی آپ کے جنازہ میں شریک نہیں کیا گیا، تو آخر ان کے ذمے کونسا الزام تھا؟ انہوں نے کس طرح حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو ناراض اور غضب ناک کیا تھا؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے تو صرف ایک مرتبہ کے ان کے ارشاد پر آمنّا وصدّقنا کہتے ہوئے سات باغات میں سے اپنا نصف حق چھوڑ دیا تھا اور ہر معاملہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اُن کی معاونت برقرار رہی، لہٰذا حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی نمازِ جنازہ میں شامل نہ ہونے کی وہ وجہ قطعاً نہیں ہے، جس کو سبائی ذہنیت نے اختراع کیا، بلکہ ستر و پردہ اور حیا و شرم کے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تحت رات کو غسل و کفن اور رات کو ہی نمازِ جنازہ اور تدفین کا فریضہ سرانجام دیا گیا، اور عام اعلان اور تشہیر سے گریز کیا گیا۔

نیز یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ نمازِ جنازہ فرضِ عین نہیں ہے اور بعض لوگوں کے پڑھ دینے سے سب کی طرف سے وہ فریضہ ادا ہو جاتا ہے اور نہ پڑھنے والے یا نہ پڑھ سکنے والے گنہ گار نہیں ہوتے، لہٰذا اگر بالفرض حضراتِ شیخین اور دیگر مہاجرین و انصار اور اہل بیت کرام کے اہم ترین حضرات بھی اس نمازِ جنازہ میں شامل نہیں ہو سکے، تو ان کا تارک فرض ہونا اور مجرم و گناہ گار ہونا لازم نہیں آتا۔

۳۔ علاوہ ازیں اگر وہ حضرات شمولیت کے لیے آمادہ نہ ہوتے اور جنازہ پڑھنے کو اہم نہ سمجھتے تو اس کو بے پرواہی اور بے اعتنائی کہا جا سکتا تھا، لیکن باعتراف اہل التشیع وہ جمع ہو کر حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے در پر بیٹھے رہے تاکہ جنازہ کی تقریبات میں شمولیت کی سعادت حاصل کریں، لیکن حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا کہ نمازِ جنازہ کو موخر کر دیا گیا ہے۔ اب نہیں پڑھی جائے گی۔

اجتمع الناس فجلسوا وھم یضجون وینتظرون ان تخرج الجنازۃ فیصلون علیھا وخرج ابوذر فقال انصرفوا فان ابنۃ رسول اللہ قد اخر اخراجھا فی ھذہ العشیۃ فقام الناس وانصرفوا (ناسخ التواریخ جلد چہارم ص ۱۳۵) لوگ جمع ہو گئے پس بیٹھ گئے، جبکہ وہ آہ و زاری کر رہے تھے اور اس انتظار میں تھے کہ جنازہ کو نکالا جائے تاکہ اس پر نماز پڑھیں اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نکلے، پس انہوں نے کہا سبھی حضرات فی الحال چلے جائیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کی تجہیز و تکفین وغیرہ کو اس رات موخر کر دیا گیا ہے، تو لوگ اس اعلان پر اٹھ کر چلے گئے۔

اور جب نمازِ جنازہ پڑھی گئی، تو کسی کو اطلاع ہی نہ دی تو اندریں صورت ان حضرات پر اعتراض و تنقید اور الزام و اتہام کی کیا گنجائش ہے، بلکہ اس کا جواب تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بلکہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ذمے ہے کہ انہوں نے بالعموم صحابہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کرام کو اور بالخصوص اپنے قریبی برادری کے اہم ترین افراد کو بھی اس سعادت سے محروم کیوں رکھا کیا حضرت زہراء اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما کی نظر میں یہ سب بھی بے ادب و گستاخ تھے اور ظالم و غاصب بھی تھے۔ العیاذ باللہ!

۴۔ یہ حقیقت ناقابلِ انکار و تردید ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے صلواتِ خمسہ باجماعت ادا کرتے تھے اور یہ بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا کی زوجہ محترمہ تھیں اور حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کو غسل و کفن دینے میں پوری طرح شامل تھیں، تو آخر شیعہ حضرات کو اس کی بھی کوئی توجیہ پیش کرنی چاہیئے کہ حضرت زہراء رضی اللہ عنہا نے حضرت علی کو ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہما) کی اقتداء سے کیوں نہ روکا اور وہ خود کیوں باز نہ آتے اور کیا فرضِ عین میں ان کے ساتھ شمولیت بلکہ ان کی اقتداء بھی جائز تھی اور فرض کفایہ میں ان کی شمولیت بھی جائز نہیں تھی۔ نیز حضرت اسماء رضی اللہ عنہا جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ازدواجی تعلق کو نہ توڑیں اور نہ ان سے کبیدہ خاطر اور بیزار و متنفر ہوں، بلکہ ان کی مکمل وفادار بیوی بھی ہوں اور ادھر بھی حضرت سیدہ کے الوداع کرنے کے جملہ ضروری امور میں شریک ہوں اور غسل و کفن وغیرہ اپنے ہاتھ سے سرانجام دیں کیا یہ جائز تھا؟ گویا مہاجرین و انصار اور اکابر اہل بیت سے تو مکمل بائیکاٹ کیا گیا، صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ کے تعلق کی بناء پر، مگر حضرت اسماء رضی اللہ عنہا جن کا اکمل ترین تعلق تھا، وہ قابلِ برداشت ہوگئیں، آخر یہ کیا معاملہ ہے؟

۵۔ ان حقائق پر غور کر لینے کے بعد یہ تو واضح ہوگیا کہ اگر بالفرض یہ حضرات حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی نمازِ جنازہ میں شامل نہیں ہو سکے، تو اس میں ان کی کوتاہی و تقصیر اور بے اعتنائی قطعاً نہیں پائی گئی۔ اب معروض خدمت ہے کہ روایات میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نہ صرف نماز جنازہ میں شامل ہونا مذکور ہے، بلکہ ان کا نماز پڑھانا بھی منقول ہے، لہٰذا افسانے کی بنیاد ہی ختم ہو کر رہ گئی۔ ڈھکو صاحب

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نے روضۃ الاحباب اور مدارج النبوّت کا حوالہ دے کر حضرت سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا کا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نمازِ جنازہ سے روکنے کا تذکرہ کیا ہے، تو ہم اسی مدارج کی عبارت سے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی وصیت کی حقیقت اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نماز پڑھانے کا حوالہ پیش کرتے ہیں تاکہ علامہ موصوف کی دیانت و امانت عالم آشکار ہو جائے۔

علامہ ڈھکو صاحب کی خیانت

گویند روزِ دیگر ابوبکر صدیق و عمر فاروق و صحابہ دیگر رضی اللہ عنہم با علی مرتضیٰ شکایت کردند کہ چوں ما را خبر نکردی تا شرف نماز بروے دریافتیے علی عذر گفت کہ بنا بر وصیت وے کردم کہ چوں از دنیا بروم مرا بشب دفن کنی تا چشم نامحرم بر جنازہ من نیفتد، مشہور میان مردم و مذکور در روضۃ الاحباب وغیرہ ایں است۔
(مدارج النبوّت جلد دوم ص ۴۶۱)

کہتے ہیں کہ دوسرے دن ابوبکر صدیق و عمر فاروق اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس شکایت کی کہ ہمیں اطلاع کیوں نہیں دی تاکہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا پر نمازِ جنازہ پڑھنے کی سعادت حاصل کرتے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ میں نے ان کی وصیت پر عمل کیا ہے کہ جب میں دنیا سے کوچ کروں تو مجھے رات کے وقت دفن کرنا تاکہ نامحرم کی نظر میرے جنازے پر نہ پڑے لوگوں کے درمیان مشہور یہی ہے اور روضۃ الاحباب وغیرہ میں اسی قول کو ذکر کیا گیا ہے۔

لیکن ڈھکو صاحب کے الفاظ یہ ہیں، کذا فی مدارج النبوّت و جذب القلوب للشیخ الدہلوی، اس سے معلوم ہوا کہ جناب سیدۃ عالم کی وصیت یہ تھی کہ جن لوگوں نے ان کو اذیت دی ہے، وہ ان کی نمازِ جنازہ میں شریک ہونے پائیں (رسالہ تنزیہ الامامیہ ص ۱۶)

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اب آپ ہی اندازہ لگائیں کہ اس سے بڑھ کر صحابہ کرام اور محسنانِ ملت کی عداوت اور دشمنی کے ساتھ ساتھ دین و دیانت اور ایمان و امانت کی دشمنی کیا ہوگی؟ اور حضرتِ زہرا اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما پر بہتان اور افترا پردازی کی دلیل کیا ہوگی کہ وصیت کی عبارت روضۃ الاحباب کے حوالے سے مدارج النبوت میں صراحت کے ساتھ مذکور ہونے کے باوجود اس کو چھوڑ کر اپنی طرف سے نئی عبارت ذکر کر دی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جس تحریف و تغییر کی عادت اسلاف میں تھی۔ یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ بَعْضِ مَوَاضِعِہٖ۔ وہ نہ صرف باقی ہے، بلکہ مرورِ ایام کے ساتھ اس میں اضافہ اور ترقی ہوئی ہے، کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ کیا یہ ظلم کی انتہا نہیں کہ جس شیخ عبدالحق کا نام لے کر اہل سنت بلکہ تمام عالم اسلام کو یہ باور کرانے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ ان حضرات کے جنازہ میں شامل نہ کیے جانے کی وجہ کیا تھی، وصیت کا لفظ تو ان سے لے لیا، مگر اس کی تشریح اپنی مرضی کے مطابق کر دی اور ان کی تصریح کے سراسر خلاف اور ساتھ ہی ان کی عبارت بھی ناتمام ذکر کی اور ان کی پوری تحقیق ظاہر ہونے دی۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:

در روایاتِ دیگر شدہ شدن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ و آمدن او بر جنازۂ زہرا و نماز گزاردن وے و عثمان بن عفان و عبدالرحمٰن بن عوف و زبیر بن العوام نیز آمدہ است ——— یعنی گو مشہور قول پہلا ہے اور روضۃ الاحباب میں اسی کو ذکر کیا گیا ہے، لیکن روایات میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اطلاع دیئے جانے اور ان کے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے جنازے میں شامل ہونے اور پڑھنے کا تذکرہ ہے اور آپ کے ساتھ حضرت عثمان بن عفان، عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہم کا نماز پڑھنا بھی منقول ہے، یعنی اس مضمون کی صرف ایک ایک نہیں، کئی روایات مروی و منقول ہیں، لیکن ڈھکو صاحب نے اس عبارت کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اور حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں ذکر فرمایا، و بتحقیق آمدہ است در اخبار کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ حاضر نشد جنازۂ فاطمہ را و نرسیدہ بداں پس میگویند کہ فاطمہ وصیت کردہ بود کہ نماز نگزارد ابوبکر بر جنازۂ وے گفتہ اند کہ ایں سخن غلط است و افترا است و چگونہ وصیت کند وے رضی اللہ عنہا بداں باوجود آنکہ احق بامامت نماز جنازہ سلطان است و لہذا گذاشت امام حسین رضی اللہ عنہ مروان بن الحکم را کہ حاکم مدینہ بود از جانب معاویہ کہ نماز کند بر جنازۂ امام حسن رضی اللہ عنہ و گفت اگر حکم شریعت نمی بود، نمی گذاشتم ترا کہ نماز کردی بر وے (جلد سوم صفحہ ۶۸۰ و ۶۸۱)

اخبار و روایات میں یہ امر مروی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے جنازے میں حاضر نہ ہوئے اور نہ پہنچے۔ کچھ لوگوں نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے وصیت فرمائی تھی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کی نماز جنازہ نہ پڑھیں، لیکن دوسرے حضرات نے کہا ہے کہ یہ بات سراسر غلط ہے اور محض افترا اور بہتان ہے، آپ کس طرح اس امر کی وصیت کر سکتی تھیں، جبکہ از روئے شریعت نمازِ جنازہ کا سب سے زیادہ حقدار حاکمِ اسلام ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ حضرتِ امام حسین رضی اللہ عنہ نے مروان بن حکم کو حضرتِ امام حسن رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ پڑھنے کی اجازت دے دی تھی جو کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مدینہ منورہ کا حاکم مقرر تھا اور فرمایا کہ اگر شریعتِ مطہرہ کا حکم اس طرح نہ ہوتا، تو میں ہرگز تجھے نمازِ جنازہ نہ پڑھانے دیتا۔

الغرض جو کچھ علامہ ڈھکو صاحب نے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی وصیت کی تشریح میں ذکر کیا ہے، وہ ان کی اپنی اختراع ہے اور حضرت عبد الحق محدثِ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کسی کتاب میں اس کا نام و نشان نہیں، بلکہ انہوں نے اس کو کذب اور افترا سے تعبیر کیا ہے۔ مذہب و مسلک اور عقیدہ و نظریہ کا اختلاف اپنی جگہ مگر اس قدر دروغ گوئی اور افترا پردازی تو غیر مسلم بھی گوارا نہ کریں گے جس کو ان علماء شیعہ نے کارِ ثواب سمجھ کر اپنا رکھا ہے اور نوے فیصد درجات کا حصول اس پر موقوف کر دیا ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حضرت زہراء فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نمازِ جنازہ پڑھانا

یہ حقیقت بھی ناقابلِ انکار ہے کہ روایات میں حضرتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا نمازِ جنازہ میں شامل ہونا، بلکہ خود بھی پڑھانا ثابت ہے۔

۱- عن جعفر بن محمد عن ابیہ قال ماتت فاطمۃ بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فجاء ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما لیصلیا فقال ابوبکر لعلی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تقدم فقال ماکنت لاتقدم وانت خلیفۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتقدم ابوبکر فصلی علیہا۔ کنز العمال ج ۶، ص ۳۵۴)

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اپنے والدِ گرامی حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا وصال ہوگیا، تو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما آئے تاکہ نماز پڑھیں۔ پس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا آگے بڑھئے اور نماز پڑھایئے، تو آپ نے کہا میرے لئے یہ زیبا نہیں کہ میں آگے بڑھوں، جبکہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اور نائب ہو، (اور موقعہ پر موجود ہو) چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے، پس انہوں نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا پر نماز پڑھائی۔

۲- علامہ حلبی نے اپنی سیرت میں نقل کیا ہے، روی ابن سعد، ان ابا بکر رضی اللہ عنہ جاء الی بیت علی لما مرضت فاطمۃ فاستاذن علیہا فقال علی کرم اللہ وجہہ ھذا ابوبکر علی الباب یستاذن فان شئت ان تاذنی لہ فاذنی قالت وذالک احب الیک قال نعم فاذنت لہ فدخل واعتذر الیہا فرضیت عنہ وان ابا بکر رضی اللہ عنہ صلی علیہا۔ ج ۳، ص ۳۹۹)

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ابن سعد نے نقل کیا ہے کہ حضرت
ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے گھر کی طرف آئے جبکہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا بیمار تھیں، پس اذن طلب کیا تو انہوں نے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا سے کہا یہ ابوبکر دروازے پر موجود ہیں اور اذن طلب کرتے ہیں۔ اگر چاہو اور مناسب سمجھو تو اجازت دے دو، تو آپ نے دریافت کیا کہ تمہیں میرا اجازت دینا پسند ہے۔ تو انہوں نے فرمایا: ہاں مجھے تو پسند ہے۔ چنانچہ آپ نے اجازت دے دی۔ وہ اندر حاضر ہوئے اور آپ سے معذرت کی، تو آپ ان سے راضی ہو گئیں اور بے شک ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہی آپ پر نماز جنازہ پڑھائی۔

۳۔ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے در تحفہ اثنا عشریہ ص ۲۸۱
در فصل الخطاب آوردہ کہ ابوبکر صدیق و عثمان بن عفان و عبدالرحمٰن بن عوف و زبیر العوام وقتِ نماز عشاء حاضر شدند و رحلت حضرتِ فاطمہ رضی اللہ عنہا درمیان مغرب و عشاء شب سہ شنبہ سوم ماہِ رمضان المبارک بعد از شش ماہ از واقعہ سرورِ جہاں بوقوع آمدہ بود و سنین عمرش بست و ہشت بود و ابوبکر بموجب گفتہ علی مرتضےٰ (رضی اللہ عنہ) پیش امام شد و نماز بروے گزارد و چہار تکبیر برآورد۔
یعنی فصل الخطاب میں نقل کیا ہے کہ ابوبکر صدیق، عثمان ذی النورین، عبدالرحمٰن بن عوف اور زبیر بن العوام رضی اللہ عنہم نماز عشاء کے وقت حاضر ہوئے اور حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کا وصال مغرب اور عشاء کے درمیان ہوا تھا یعنی منگل کی رات اور ماہِ رمضان کی تین تاریخ کو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے چھ ماہ بعد جبکہ آپ کی عمر شریف اٹھائیس برس تھی اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے کہنے پر آپ کی نمازہ جنازہ پڑھائی اور چار تکبیریں کہیں۔

۴۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی عبارت گزر چکی جس میں تصریح ہے کہ متعدد روایات میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے نمازِ جنازہ میں شامل ہونے کی تصریح ہے اور معتزلہ بھی اس کے قائل اور معترف ہیں، چنانچہ قاضی عبدالجبار نے مغنی میں اسی کی تصریح کی ہے اور ابوعلی سے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بھی اسی طرح نقل کیا ہے: اما امر الصلوٰۃ فقد روی ان ابابکر ھو الذی صلیٰ علیٰ فاطمۃ علیہا السلام وکبر علیہا اربعا و ھٰذا احد ما استدل بہ کثیر من الفقہاء فی التکبیر علی المیت۔
(بحوالہ شرح حدیدی جلد ۱۶، ص ۲۷۱)

رہا نمازِ کا معاملہ، تو روایت کیا گیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہی حضرت زہرا رضی اللہ عنہا پر نمازِ جنازہ پڑھائی اور چار تکبیریں کہیں اور جنازہ پر چار تکبیریں کہنے کے دلائل میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے جس سے بہت سے فقہاء نے استدلال کیا ہے۔

ادائیگی نمازِ جنازہ کے وجوہ ترجیح

۱۔ شیخ محقق کی زبانی معلوم ہو چکا کہ از روئے شرع شریف نمازِ جنازہ کا اصل حقدار ہی حاکم اسلام ہے اور اہل بیت کرام بھی اس کے قائل اور معترف تھے، اسی لیے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ امام حسین رضی اللہ عنہ کی بجائے مروان بن الحکم حاکم مدینہ نے پڑھائی تھی۔

۲۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نمازیں ادا کرتے تھے اور یہ حقیقت حضرت زہرا رضی اللہ عنہا سے بھی مخفی نہیں تھی، تو جب حضرت علی رضی اللہ عنہ پانچوں وقت ان کی اقتداء کرتے ہوں، تو ان کو اپنے امام کو نمازِ جنازہ ادا کرنے سے روکنے کی وصیت کرنا کسی بھی عقلمند کی عقل کس طرح گوارا کر سکتی ہے۔ نیز حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے سپرد حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کا غسل اور کفن وغیرہ تھا، تو بیوی سے اس قدر قریبی ربط و تعلق اور خاوند سے اس قدر عداوت اور دشمنی کا کوئی معقول انسان تصور کر سکتا ہے، جبکہ وہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی بیوہ تھیں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کا نکاح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کیا تھا۔ اگر انہیں اہل بیت کرام عزیز تھے اور خاوند کے اقدامات سے بیزار تھیں، تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر میں کیوں رہتی تھیں اور اگر انہیں اہل بیت کرام سے عداوت ہوتی، تو ایسی عورت کو اپنی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

زوجیت میں کیسے رکھتے، لہٰذا جنازے میں شمولیت سے باز رکھنے کی وصیت کا کوئی امکان ہی نہیں اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے بوجہ اسماء نمازِ جنازہ کا اخفا ممکن ہی نہ تھا۔

۳۔ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے تقیہ کا علم تھا یا نہیں؟ دوسری شق کا بطلان واضح ہے اور پہلی صورت میں ان کو ایسی وصیت کر کے ان کے تقیہ کا بھانڈا چوراہے میں پھوڑنے والی بات تھی اور قبل ازیں بیعت کے معاملہ بقولِ شیعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے بہی خواہوں کا جبر و تشدد بھی دیکھ چکی تھیں، تو خود جہان سے رخصت ہوتے ہوئے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے دوبارہ پریشانی اور مخاصمت کا سامان کر جانے کا آپ کس طرح سوچ سکتی تھیں۔

۴۔ بیمار پرسی اور عیادت کے لیے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اندر آنے کی اجازت حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ لے دیں اور حضرت زہرا رضی اللہ عنہا اُن کی مرضی معلوم کر لیں اور اجازت دے دیں اور نمازِ جنازہ جیسے اہم معاملہ میں جو حق ہی در اصل حاکمِ اسلام کا ہو، اس میں رکاوٹ ڈالیں اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر اپنی مرضی مسلط فرمائیں، کیا اس کی حضرت زہرا رضی اللہ عنہا جیسی معدنِ تقویٰ و ورع سے توقع ہو سکتی تھی؟ جبکہ یہ بھی ثابت ہو چکا کہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ باہم ایک دوسرے سے راضی ہو چکے تھے اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں راضی نہیں کر لیا تھا اُن کے گھر اور در سے نہیں اُٹھے تھے۔

لہٰذا جب حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی طرف سے ان حضرات کو نمازِ جنازہ سے دُور رکھنے کی وصیت باطل ہو گئی اور اصل حق بھی نمازِ جنازہ پڑھانے کا حاکمِ اسلام کے لیے ثابت ہو تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بغیر حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی نمازِ جنازہ پڑھا یا جانا بعید ہے، بلکہ مشکل ہے، بلکہ ناممکن ہے اور چونکہ تستر اور پردہ داری کے اہتمام و التزام کی وجہ سے عام لوگ شامل نہیں تھے، صرف خواص تھے، لہٰذا اگر عام لوگوں کو پتہ نہ چل سکا ہو تو یہ امر بعید نہیں اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے شامل نہ ہونے کی شہرت کا سبب بھی۔ یہیں سے واضح ہو جاتا ہے، جبکہ یہ حقیقت محتاج

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بیان نہیں کہ مشہور بین الناس قول ضروری نہیں کہ واقعہ کے مطابق بھی ہو، جبکہ یہود و مجوس نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر ایسے مواقع کو غلط رنگ دے کر اہل اسلام میں افتراق و انتشار پیدا کرنے اور ان کی نظریاتی وحدت اور جمعیت ملت کو پراگندہ کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کی تھی۔

سوال: مسلم شریف ج ۲ ص۹۱ میں بصراحت موجود ہے:

فلما توفیت دفنھا زوجھا علی بن ابی طالب لیلاً ولم یوذن بھا ابابکر وصلی علیھا علیؓ۔ جب حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے وفات پائی، تو انہیں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے رات کے وقت دفن کر دیا اور ان کے متعلق ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اطلاع نہیں دی تھی اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان پر نماز پڑھی۔ لہٰذا مسلم شریف کے مقابلہ میں کنز العمال وغیرہ کی روایت کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟

جواب: مسلم شریف کی روایت کو از روئے سند قوی تسلیم کر بھی لیں تو بھی اس کے مضمون اور متن کو دوسری روایات پر ترجیح اس معنی و مفہوم کے لحاظ سے نہیں ہو سکتی جو شیعہ حضرات کشید کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ اس میں صرف اتنا قدر بیان کیا گیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو اطلاع نہیں دی تھی، تو اس سے کیسے لازم آیا کہ ان کو اطلاع ہی نہیں ہوئی تھی۔ فرد واحد سے ایک فعل کی نفی کر دینے سے مطلقاً اس فعل کی نفی کیسے ثابت ہو گئی، جبکہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ ہی حضرت زہرا فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تجہیز و تکفین کرنے والی تھیں، تو لازمی طور پر انہوں نے اطلاع دی ہوگی نیز حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اگر ان کے خاوند تھے، تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ان کے نانے تھے، تو خاوند پر کیا لازم تھا کہ نانے صدیق اور دادے حضرت عباسؓ کو اطلاع دیں، ان کا اپنے ذرائع سے معلوم کرنا ہی ان کے شایانِ شان تھا۔ علاوہ ازیں اس روایت میں دفن اور نماز دونوں میں صرف حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے تو اسلامی فرقوں میں سے یہ کس کا مذہب ہے کہ سوائے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے کوئی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

فرد بھی نہ حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کے جنازہ میں شریک تھا اور نہ دفن میں۔ اگر اس روایت سے حضرات شیعہ کے مسلمہ سات افراد کی نماز جنازہ اور تدفین زہرا میں شمولیت کی نفی نہیں ہوتی، تو ہمارے مذہب و مسلک کے مطابق ان حضرات کی شمولیت کی نفی کیونکر ہو سکتی ہے، کیا حسنین اور حضرت عباس رضی اللہ عنہم بھی شامل نہیں تھے، لہٰذا اس روایت سے ان حضرات کے نہ علم و اطلاع کی نفی ہو سکتی ہے اور نہ نماز جنازہ اور تدفین میں شامل ہونے کی، جبکہ ہماری ذکر کردہ روایات و حوالہ جات سے ان کی شمولیت کا اثبات ہے، اور درایتی و عقلی وجوہ بھی اسی شمولیت کے مؤید ہیں، لہٰذا وہی راجح و مختار اور اقرب الی الصواب ہے۔ رہ گیا اس روایت کے مطابق حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کا بوقت شب دفن کیا جانا تو اس میں بحث ہی نہیں اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کی تدفین کرنا اور ان پر نماز پڑھنا، تو اس کا کس کافر کو انکار ہے، لیکن اس کا مطلب ہو نماز پڑھانا، تو جب دوسرے کسی دوسرے آدمی کا ذکر ہی نہیں تو امامت مرتضٰے رضی اللہ عنہ کیسے ثابت ہوگئی تاکہ ہماری پیش کردہ روایات کے معارض ہو، بلکہ حقیقت حال یہی ہوگی کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے پڑھی، جس طرح دوسرے چند خواص نے پڑھی، لیکن پڑھائی کس نے، تو اس کی وضاحت حضرت امام جعفر صادق اور امام محمد باقر رضی اللہ عنہما سے مروی روایت نے کر دی۔ ہم پر تو الزام عائد کیا جاتا ہے کہ اہل بیت کی روایات کو تسلیم نہیں کرتے، لیکن صورت حال برعکس نکلی۔ ہم ان دونوں اماموں کی روایت کو مان رہے ہیں، جبکہ شیعہ ابن شہاب زہری کی روایت پر اپنے کشید کردہ مفہوم کے مطابق ایمان لاتے اور اہل بیت کرام کی روایت کو نظر انداز کر دیا۔

علامہ زرقانی نے شرح مواہب میں ذکر کیا: روی ابن سعد عن عمرۃ قالت صلی العباس علی فاطمۃ ونزل ھو و ابنہ الفضل وعلی رضی اللہ عنہم فی حفرتہا۔ یعنی ابن سعد نے عمرۃ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا پر نماز

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جنازہ پڑھی اور وہ خود اور اُن کے صاحبزادے حضرت فضل اور حضرت علی رضی اللہ عنہما آپ کی قبر شریف میں اترے، لیکن بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اور واقدی نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہوئے کہا، اِنَّ علیاً صلیٰ علیہا۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ پر نماز پڑھی۔ تو علامہ زرقانی نے اس تخالف کو دُور کرتے ہوئے فرمایا، ولا خلف فکل صلیٰ علیہا والامام العباسؓ لانہٗ عمہٗ فقدمہ کہ ان دونوں روایات میں باہم کوئی تخالف و تناقض نہیں کیونکہ ہر ایک نے ان پر نماز پڑھی اور امام حضرت عباس رضی اللہ عنہ تھے، کیونکہ وہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے چچا تھے، لہٰذا انہیں آگے کھڑا کیا اور امام بنایا۔

اس بحث سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ صَلّیٰ عَلَیْھَا عَلِیٌّ سے یہ لازم نہیں آتا کہ امام بھی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بنے ہوں، کیونکہ اس میں امامت کا بیان مطلوب ہوتا تو صلیٰ بالناس علیہا وغیرہ کہا جاتا، جب امام بننے کی تصریح نہیں ہے، تو بخاری و مسلم کی یہ روایت جس طرح حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی امامت کی نفی نہیں کرسکتی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت کی نفی بھی نہیں کر سکتی، کیونکہ روایت میں صلی العباس بالناس علی فاطمۃ کے الفاظ تو نہیں ہیں تاکہ روایت اس معنی پر صریح الدلالت ہو، بلکہ محض حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے چچا ہوتے اور عمر رسیدہ بزرگ ہونے کو اس ظنِ غالب کا قرینہ بنایا گیا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا عمر رسیدہ ہونا اور خلیفۂ وقت ہونا اس امر کا اقویٰ قرینہ ہے کہ امام انہیں بنایا گیا، کیونکہ شریعتِ مطہرہ میں اصل حقدارِ امامت کے وہی تھے، لہٰذا جب ان کی نمازِ جنازہ میں شمولیت ثابت ہوگئی اور روایت سے بھی اور درایت سے بھی، اُن کی امامت بھی ثابت ہوگئی۔

سوال: علامہ زرقانی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جنازہ میں شامل ہونے والی روایات پر جرح کردی ہے اور انہیں ضعیف قرار دیا ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

للواقدی عن الشعبی صلی ابوبکر علی فاطمة وھذا فیه ضعف وانقطاع وروی عن بعض المتروکین عن مالك عن جعفر بن محمد نحوه رواه الدارقطنی وابن عدی۔

یعنی واقدی نے شعبی سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا پر نماز پڑھی اور اس میں ضعف اور انقطاع ہے اور بعض متروک راویوں نے امام مالک رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے اس طرح نقل کیا ہے اور اس کو دارقطنی اور ابن عدی نے ضعیف قرار دیا ہے، تو ایسی ضعیف روایات کا سہارا لے کر حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا دفاع کیسے کیا جا سکتا ہے؟

جواب: ان حضرات کے تبصروں کا تعلق محض سند سے ہے اور سند کا ضعف علی الاطلاق متن اور مضمونِ حدیث کے ضعف کو مستلزم نہیں ہوتا جیسے کہ کتبِ اصول میں صراحت کی گئی ہے اور امام نووی نے مسلم شریف کی عبارت عرف التمییز بین صحیح الروایات وسقیمها وثقات النا قلین لها من المتهمین کے تحت فرمایا، لیس هو من باب التکرار للتاکید بل له معنی غیر ذالك فقد تصح الروایات لمتن ویکون الناقلون لبعض اسانیده متهمین الخ جلد اول، ص۲ یعنی قول مسلم صحیح الروایات پر ثقات الناقلین کا عطفِ تکرار اور تاکید کے قبیل سے نہیں ہے، بلکہ معطوف کا معنی معطوف علیہ سے مختلف ہے، کیونکہ کبھی روایات متن کے اعتبار سے صحیح ہوتی ہیں اور ان کے نقل کرنے والے بعض سندوں کے لحاظ سے متہم ہوتے ہیں اور ترمذی شریف میں بہت سی ایسی روایات ہیں جن پر باعتبارِ سند ضعف کا حکم لگایا گیا، لیکن مضمون اور متن کی صحت کو اس کے تمام اہلِ علم صحابہ و تابعین کے معمول بہ ہونے سے واضح کر دیا گیا ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نیز شیعہ حضرات کے ہاں ابلیس جیسے لعین اور کذاب سے روایات منقول ہیں؛ جن پر ان کے ایمان کا دارومدار ہے، جیسے کہ شیعہ کے ادب اہل بیت کا نمونہ دکھلاتے ہوئے علل الشرائع کے حوالے سے ذکر کروں گا، لہٰذا یہ امر مسلّم بین الفریقین ہو گیا کہ ضعف علی الاطلاق ضعف متن کو مستلزم نہیں ہوتا اور یہ بھی مسلّم امر ہے کہ جب ضعیف روایت مختلف طرق سے مروی و منقول ہو تو وہ درجہ حسن تک پہنچ جاتی ہے اور اس روایت کے طرق اور اسانید کا تعدد علامہ زرقانی کی عبارت سے بھی ظاہر ہے اور شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ کے قول سے بھی ثابت ہو چکا کہ کئی روایات سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کے جنازہ میں شمولیت ثابت ہے اور بخاری و مسلم کی روایات سے ان روایات کی نفی بھی نہیں ہو سکتی، جیسے کہ عرض کر چکا ہوں، لہٰذا ان روایات کو رد کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے اور نہ ہی کسی طرح اس امر کا یقین کیا جا سکتا ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے جنازہ میں شامل نہیں ہوئے تھے اور نہ ہی حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کی طرف سے کوئی ایسی وصیت ہی ثابت ہے تو محض ظن و گمان اور تخمینوں سے کام لیتے ہوئے اتنی عظیم شخصیات کو موردِ الزام ٹھہرانا کسی طرح بھی روا نہیں ہو سکتا، جیسے کہ بارہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد نقل کر چکا ہوں کہ یہ امر عدل و انصاف کے خلاف ہے کہ ثقہ شخص پر ظن و گمان کے تحت کوئی حکم لگا دیا جائے۔ نیز یہ حقیقت بھی پیشِ نظر رہے کہ شیعہ مدعی ہیں اور قطعی دلیل پیش کرنا ان کی ذمہ داری ہے۔ ہمارے لئے تو ابداء احتمال اور جانبِ مخالف کا امکان بیان کر دینا ہی کافی ہے مگر ہم نے بحمدہٖ تعالیٰ جانبِ مخالف یعنی صلوٰۃ صدیق کا رجحان اور اس مضمون کی روایات کا لائقِ اعتبار اور قابلِ استدلال ہونا بھی واضح کر دیا ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ابن شہاب زہری کی روایات کی حیثیت

اہل السنت پر اعتراض کرنے سے پہلے اہل السنت کے مذہب کے متعلق واقفیت ضروری ہے۔ ذاکرینِ اہلِ تشیع جب اپنے مذہب کے اصولوں سے ناواقف ہیں تو اہل السنت والجماعت کے اصول سے کیونکر واقف ہو سکتے ہیں۔ میاں! اہل السنت والجماعت کے مذہب کا اصل الاصول یہ ہے کہ حدیث کی صحت یا ضعف اس کے راوی کی صحت یا ضعف پر موقوف ہے۔ اگر حدیث کا راوی صحیح العقیدہ، سچا، صحیح حافظہ والا ہے، تو اس کی روایت کو صحیح مانا جائے گا، ورنہ وہ روایت ضعیف (یا موضوع) کہلائے گی۔

اب فدک والی روایت دیکھیے، اس کی سند میں ایک راوی محمد بن مسلم ہے جس کو ابن شہاب زہری بھی کہتے ہیں۔ صرف یہی راوی یہ روایت کرتا ہے (جس میں نہ ختم ہونے والی ناراضگی اور ہجران وقطع تعلقی وغیرہ کا ذکر ہے) اس کے ساتھ دوسرا کوئی شاہد نہیں اور یہی محمد بن مسلم ابن شہاب زہری اہل تشیع کی اصول کافی میں بیسیوں جگہ پر روایت کرتا نظر آتا ہے اور اہل تشیع کی فروع کافی نے تو اس کی روایات کے بل بوتے پر کتاب کی شکل اختیار کر لی ہے۔ تو بھائیو! اہلِ تشیع کے اس قدر مشہور و معروف کثیر الروایت آدمی کی روایت سے اہل السنت پر الزام قائم کرنا اور ائمہ صادقین کو جھٹلانا عجیب نظر و فکر ہے۔ اگر اہل تشیع کے راویوں کی روایات اہل السنت کے لیے قابل ہوتیں تو پھر بخاری ہو یا کلینی اس میں کیا فرق تھا۔

آپ کی مزید تسلی کے لیے اسی محمد بن مسلم بن شہاب صاحب کو کتاب منتہی المقال

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

یا رجال بوعلی میں شیعوں کی صف میں بے نقاب بیٹھا ہوا دکھاتے ہیں۔ دیکھو کتاب رجال بوعلی، جہاں صاف لکھا ہے کہ محمد بن مسلم بن شہاب زہری شیعہ ہے تو ذرک کا جھگڑا اب تو ختم کرو۔ ہم تو ابن شہاب زہری کو اچھا سمجھتے رہتے۔ اگر گھر کے بھیدی یہ بھید نہ کھولتے۔ اس کے باوجود بھی اس کی روایت پر غور کرتے۔ اگر کوئی ایک آدھ دوسرا راوی بھی اس کے ساتھ مل کر ایسی شہادت دیتا۔

کیا اہل السنت غریب اس قدر مظلوم ہیں کہ ان کے مذہب کے خلاف اگر کوئی شیعہ اور وہ بھی اکیلا روایت کردے، تو اس کو اہل السنت کے خلاف بطور الزام پیش کیا جاتا ہے اور اہل تشیع اس قدر با اختیار ہیں کہ ان کی اپنی کتابوں میں ائمہ معصومین کی سند سے کوئی حدیث بیان کی جائے، تو ان کو یہ کہنے میں تامل نہیں ہوتا کہ اکیلے امام یہ روایت کرتے ہیں، ان کے ساتھ دوسرا کوئی شاہد نہیں ہے۔ لہٰذا یہ اخبار آحاد سے ہے اور قابل اعتبار نہیں ہے۔ دیکھو تلخیص الشافی ص ۴۲۸ مطبوعہ نجف اشرف، جس کی عبارت گزر چکی ہے سے

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام　　وہ قتل بھی کرتے ہیں، تو چرچا نہیں ہوتا

اب رہا یہ سوال کہ اہل السنت کی کتاب میں شیعہ صاحب کی روایت کو کیسے لکھ دیا گیا، تو اس کے جواب میں ہمارا صرف یہ کہہ دینا کافی ہو سکتا ہے کہ ہمیں پتہ نہیں چلنے دیا۔ میاں! جب پہلے زمانہ میں چھاپے خانے نہ تھے، نہ کاپی رائٹ محفوظ کی جاتی تھی، قلمی کتابیں تھیں، ہر شخص نقل کر سکتا تھا۔ علی الخصوص وہ لوگ جن کا دین و مذہب ہی تقیہ و کتمان ہو، نہایت آسانی کے ساتھ تشریف لا سکتے تھے اور علمائے اسلام کے نہایت محب بن کر ان کی کتابوں میں حسب ضرورت کارستانیاں کر سکتے تھے (یا راوی حدیث بن کر ایسی روایات کو تقیہ کی آڑ میں اہل السنت میں شائع کر دیتے تھے اہل السنت ظاہر کو دیکھ کر سُنی سمجھتے اور ظاہری تقویٰ اور زہد و ورع کے تحت حسنِ ظن سے کام لیتے ہوئے روایت کو درست مان لیتے)

اس پر بھی ثبوت کی ضرورت ہو تو قاضی نور اللہ شوستری کی مشہور ترین کتاب

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مجالس المومنین کا صہ مطالعہ فرمالیں کہ ہم لوگ شروع شروع میں سنی اور حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی بن کر اہل السنت کے استاذ اوران کے شاگرد بنے رہے، ان سے روایات لیتے تھے اور انہیں احادیث سناتے تھے اور تقیہ کی آڑ میں اپنا کام کرتے رہتے تھے۔ یہ کتاب ایران کی چھپی ہے اور فارسی زبان میں ہے ہر شخص مطالعہ کرسکتا ہے تو یہ کیا مشکل تھا کہ اسی آڑ میں کسی غریب سنی کی کتاب میں یہ کارفرمائی بھی کرلی ہو۔

حضرت شاہ ولی اللہ کے حوالے سے یہ کہنا کہ انہوں نے بخاری شریف کی تمام روایات کو برحق تسلیم کیا اور یہ صحیح سمجھا ہے، سراسر غلط اور صریحًا جھوٹ ہے۔ حضرت شاہ صاحب فقط مرفوع حدیث کے متعلق صحت کا دعویٰ کرتے ہیں اور باغ فدک کو تقسیم نہ کرنے کی روایت کوئی مرفوع حدیث نہیں ہے۔ مرفوع حدیث صرف وہی ہوتی ہے، جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہو یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہو یا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانۂ اقدس میں کوئی عمل ملاحظہ فرمانے کے بعد اس کو جائز اور برقرار رکھا ہو، دیکھئے فن حدیث شریف کے متعلق علماء حدیث کی تصریحات، جبکہ فدک کی روایات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کے واقعات پر مشتمل ہیں۔

اگر ہم اہل تشیع کے اس راوی کو سچا مان لیں اور غیر مذہب ہونے کے باوجود اس کی روایت کو اپنی کتاب میں لکھ بھی لیں اور یہ بھی تسلیم کرلیں کہ خود ہم نے اس کی روایت کو اپنی کتاب میں لکھا ہے تو پھر بھی ہمارے اصول کے مطابق بلکہ اہل تشیع کے اصول کے مطابق بھی یہ روایت قابل حجت نہیں، کیونکہ اس کا صرف ایک راوی ہے اور یہ اخبار آحاد سے ہے اور اخبار احاد (عقائد و نظریات میں) حجت نہیں ہوتیں۔ اہل السنت کے اصول کو نظر انداز کرکے خود اہل تشیع کے امام الطائفہ ابوجعفر طوسی کی کتاب تلخیص الشافی صہ ۴۲۸ کا مطالعہ کرلیں جہاں صاف لکھا ہے کہ اخبار آحاد ناقابل حجت ہوتی ہیں جیسا کہ بیان ہوچکا اور غریب اہل السنت والجماعت ائمہ کرام کی روایات کو تو سر آنکھوں پر تسلیم کرتے ہیں اور اگر

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کسی غیر مذہب کے راوی کی منفرد روایت بھی اسی طرح تسلیم کریں کہ جس کے تسلیم کرنے سے تمام ائمہ طاہرین کی تکذیب لازم آتی ہو اور شانِ رسالت کے متعلق بھی بُرا عقیدہ لازم آتا ہو تو بھائی ہمیں اس کجروی سے معاف رکھیں۔ ہم سے یہ توقع رکھ کر ہم پر الزام قائم نہ کریں ہمارا اتنا حوصلہ نہیں ہے۔ ہم تو اس قصے کو الف لیلیٰ سے زیادہ وقعت نہیں دے سکتے۔

فدک کے متعلق مزید تحقیق دیکھنا چاہیں، تو کتاب "آیات بینات" مؤلفہ جناب سید محمد مہدی علی خان صاحب تحصیلدار مرزا پور جلد دوم مطالعہ فرمائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تحصیلدار صاحب موصوف کے دلائل اور انداز بہت محققانہ اور فاضلانہ ہے۔ جن دلائل اور جس بحث کو صاحب موصوف نے قلمبند فرمایا ہے، یہ انہیں کا حصہ ہے۔ تحصیلدار صاحب کی وسعتِ نظر اور ان کی مبصرانہ بحث قابلِ تحسین ہے۔

تو میں گزارش کر رہا تھا کہ ائمہ معصومین کی تصریحات کے بالمقابل اس قسم کی روایات گھڑنا اور ان کے صریح ارشادات کے معانی و مطالب میں غلط تصرفات اور نامعقول تبدیلیاں کرنا اور بعید از قیاس مفہومات بیان کر کے اللہ تعالیٰ کے مقدس گروہ کی شان میں سب وشتم کے لیے منہ کھولنا حد درجہ جسارت اور گستاخی ہے، بلکہ حد درجہ بے ایمانی ہے اہل السنت کے مذہب کے خلاف اعتراض کرنے اور ان پر کوئی الزام بھی لگانے سے پہلے یہ ضرور مدنظر رکھا جائے کہ ان کے مذہبی اصول کیا ہیں۔ اہل السنت کے سامنے کوئی بھی روایت پیش کی جائے، تو سب سے پہلے ان کی نگاہیں سند کو تلاش کرتی ہیں۔ سند کے تمام اشخاص ان کی کتبِ اسماء رجال کی تصریح کے مطابق اگر اہل السنت، سچے، اور راست باز، صحیح حافظہ والے ثابت ہو جائیں، تو پھر بے دھڑک ان پر ایسی روایات کو بطورِ الزام پیش کیا جا سکتا ہے اور اگر سند میں ایک راوی بھی بدمذہب جھوٹا سیئی الحفظ دھوکہ دینے والا ثابت ہو جائے، تو اس روایت کو الزام دینے والے کے گلے میں لٹکا دیتے ہیں، کیونکہ ان کا مذہب اس قسم کی روایات پر مبنی نہیں ہے۔ فرض بھی کر لیں کہ اس قسم کی روایات اہل السنت کی کتابوں میں کسی تقیہ باز کی کرم فرمائی سے درج ہوں، مگر ان کی نگاہِ امتیاز سے ہر وقت بچنا چاہیے: اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

یعنی مومن کی فراست سے بچو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے، بلکہ اہل السنت کے ہاں روایت کی جانچ اور پڑتال کے لیے علاوہ علم الاسناد کے قرآن مجید اور حدیث متواتر بھی معیار اور کسوٹی ہیں کہ جو قرآن کریم کے احادیثِ متواترہ کے برخلاف ہوگی، اس کو ناقابل قبول تسلیم اور ناقابلِ عمل قرار دیتے ہیں، خواہ ایسی روایت کی سند کے متعلق کسی قسم کا تبصرہ نہ بھی کیا گیا ہو، غرضیکہ صداقت اور سچائی اور راست بازی کا پورا پورا خیال رکھتے ہیں اور اسی کو ہر روایت اور درایت کا مبنی اور موقوف علیہ قرار دیتے ہیں اور اسی پر ان کے مذہب کی بنیاد ہے۔

کاش اہل تشیع بھی کم از کم ایسے لوگوں کی روایت پر عمل نہ کرتے، جن کو ائمہ صادقین نے ان کی اپنی کتابوں میں کذاب (بڑا جھوٹا) اور وضاع (روایات گھڑنے کا بہت عادی) اور لعنتی وغیرہ کے القاب کے ساتھ سرفراز فرمایا ہے، تو مجھے یقین ہے کہ شیعہ وسنی نزاع دیکھنے میں نہ آتا۔ مثلاً اہلِ تشیع کے مخصوص روایات کے راویوں کا حال رجال الکشی وغیرہ میں دیکھئے اور میری اس گزارش کی تصدیق کیجیے اور جن راویوں کے متعلق ائمہ معصومین نے مذکورہ بالا کلمات نہیں فرمائے، تو ان کی روایات کلیتہً نہیں، تو بالاکثریت اہل السنت کی روایات سے ملتی جلتی ہیں، جن کو بغرض خیر خواہی اہل تشیع کی خدمت میں (فضائلِ صحابہ اور خلافت وغیرہ کے معاملات میں) پیش کیا گیا ہے اور باقی علماء حضرات بھی پیش کرتے رہتے ہیں

رسالہ تنزیہہ الامامیہ — از علامہ محمد حسین ڈھکو صاحب

زہری کو شیعہ ثابت کر کے روایاتِ بخاری سے گلو خلاصی ممکن نہیں ہے۔ اس کے متعلق ہم چند گزارشات پیش کرتے ہیں،

اوّل: تمام علماء اہل السنت کا اس پر اجماع ہے کہ جو کچھ بخاری و مسلم میں درج ہے، وہ سب صحیح ہے۔

دوم: زہری کے تسنن اور اس کی جلالتِ قدر پر تمام علماء رجال اہل السنت کا اتفاق ہے۔

سوم: اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے جیسے کہ بعض علماء شیعہ نے لکھا ہے کہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

زہری نے آخری عمر میں شیعہ مذہب قبول کرلیا تھا تو پیر صاحب اس پر روشنی ڈال سکیں گے کہ اس کی یہ روایات شیعہ ہونے کے بعد کی ہیں نہ پہلے کی۔

چہارم: اگر یہ بھی تسلیم کرلیا جائے کہ وہ ابتداء سے شیعہ تھا، تو پیر صاحب کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس میں جو تشیع پایا جاتا تھا وہ مع الرفض تھا۔ یعنی وہ تبرائی شیعہ تھا یا محض محبتِ اہلِ بیت اور ان کی افضلیت کا قائل جو قبول روایت کے منافی نہیں ہے۔

پنجم: ذہبی کے بیان کے مطابق زہری دو ہزار دو سو حدیث کا راوی ہے، پھر ان سب سے ہاتھ دھونے پڑیں گے جو اہل السنت کے لیے مہنگا سودا ہے۔ کیا پیر صاحب اور ان کے چیلے چانٹے اس خسارے کا سودا کرنے کے لیے تیار ہیں۔ کیا یہ مضحکہ خیز بات نہیں ہے کہ چودہ سو سال کے علماء اہل السنت کو یہ عقدہ وا نہ ہوا اور غلط روایات سے اپنی کتب کی تطہیر کی۔ اگر انکشافِ حقیقت ہوا، تو چودھویں صدی میں حضرت پیر سیالوی یا مولوی احمد شاہ چوکیروی پر گویا پہلے سب علما اہل السنت مورکھ، جاہل اور غیر محقق تھے۔ اگر محقق پیدا ہوئے تو یہی بزرگوار یا للعجب ولضیعۃ الادب۔

تحفہ حسینیہ — ابوالحسنات محمد اشرف السیالوی غفرلہ

معاملہ ابن شہاب زہری کا

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز نے ابن شہاب زہری کی اس قسم کی روایات پر جہاں حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر ناراضگی، ان سے کلام و خطاب کے ترک اور نماز جنازہ کی اطلاع نہ دینے کو بڑے اہتمام سے بیان کیا گیا ہے۔ ان پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ سوال اٹھایا تھا کہ جب علماء شیعہ نے اپنی کتبِ رجال میں زہری کو شیعہ تسلیم کیا ہے اور ان کی صحیح ترین کتابِ حدیث کافی کلینی میں اس سے مروی روایات بکثرت منقول ہیں اور حسبِ تصریح قاضی نوراللہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

شوستری شیعہ محدثین اور علماء کی عادت بھی یہی رہی ہے کہ وہ سُنی بن کر احادیث کو روایت کرتے تھے، کبھی اہل سنت سے روایات حاصل کرتے اور کبھی ان کو بیان کرتے اور ساتھ ہی ساتھ کچھ نہ کچھ اضافہ بھی کر دیتے تھے اور تغییر و تبدیل کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے اور انہوں نے اپنے مذہب و مسلک کی ترویج و اشاعت کے لیے گہری خفیہ سازش اور چال سے کام لیا، جس کو انہوں نے تقیہ کا نام دے رکھا تھا اور عظیم ثواب کا کام قرار دے رکھا تھا۔

خود قاضی نور اللہ شوستری کا حال یہی تھا کہ اپنے آپ کو سُنی ظاہر کر کے پورے ہندوستان کا اکبر بادشاہ اور جہانگیر کے دور میں قاضی القضاۃ اور چیف جسٹس بنا رہا اور شیعہ مذہب و مسلک کے پرچار اور اس کی ترویج و اشاعت میں سرگرم عمل رہا، اور اسی دوران اس نے کتاب مجالس المومنین کو مرتب کیا، جس کا بعض ذرائع سے انکشاف ہو جانے پر اس کا خبثِ باطن ظاہر گیا اور اس کو کیفر دار تک پہنچا دیا گیا۔ لیکن بعض لوگ ہمیشہ تقیہ کے پردے میں رہے اور اپنے مافی الضمیر کی کسی کو خبر نہ ہونے دی اور بعض نے موت کے قریب انکشاف کیا کہ مجھے شیعہ مذہب برحق معلوم ہوتا ہے۔ میری تجہیز و تکفین اس کے مطابق ہو، تاکہ عوام کو اپنے مذہب سے متزلزل کریں اور اور انہیں یہ تاثر دیں کہ زندگی بھر سُنی رہنے والا محدث اور مفسر جب اس مرحلہ پر یہ مذہب قبول کر رہا ہے، تو پھر یہی سچا ہوگا۔ دعیز ذالک من الحیل وجوہ الخداع والمکر

تو جب علماء شیعہ کی عادت معروفہ بھی معلوم ہوگئی اور خود شیعی علماء اس کو ہم مذہب اور ہم مسلک بھی تسلیم کریں اور صرف یہی شخص ہر جو فدک کے عنوان کی اکثر روایات میں حضرت زہرا فاطمہ رضی اللہ عنہا کے غضب اور ناراضگی کو ان کے ہجران اور ترک کلام کو بڑے اہتمام سے بیان کرے اور تا دم مرگ اس کو طوالت دیتا دکھائی دے جو ان ہستیوں کے شان کے سراسر خلاف ہو، جن کو اللہ تعالیٰ نے رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ کی شان سے نوازا ہے کہ وہ آپس میں رحیم و کریم ہیں اور فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے طلب گار ہیں اور دنیا کے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مال و محبت سے ان کے دل منزہ و مبرا ہیں: اُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا - وغیر ذالک من الآیات۔ تو ایسے شخص کے بارے میں گھر کے بھیدی کی شہادت تسلیم کرنے میں کونسا امر مانع ہو سکتا ہے؟ اور تقیہ کے ایجاد کرنے کے بنیادی تقاضے سبائی جماعت کے سامنے یہی تھے کہ مسلمان اور سنی بن کر اسلام کے خلاف سازش کرو اور اس کی جڑوں کو کھوکھلا کر کے رکھ دو اور اسلام کو یہودیت و مجوسیت کے سانچے میں اس طرح ڈھال دو کہ نام تو اسلام کا رہے اور حقیقت یہودیت و مجوسیت والی ہو۔ لہذا ایسے شخص کے متعلق یہ باور کرنے کے وجوہ موجود ہیں کہ عین ممکن ہے کہ یہ شخص بھی اسی خاندان کا فرد ہو جو اسلام اور محسنان اسلام کے خلاف تقیہ کے دبیز پردوں میں چھپ کر اس مشن کی تکمیل میں مصروف ہو۔

اور اہل السنت کے علماء اعلام اور محدثین کرام ہزار احتیاط کریں پھر بھی کسی کے دل کی کیفیت اور حالت کا صحیح اور حتمی و قطعی علم تو اللہ علیم بذات الصدور کو ہی ہو سکتا ہے ان علماء کو غلطی لگ جانا اور واقع و نفس الامر کے خلاف کا ظن اور گمان غالب ان میں پایا جانا بعید نہیں ہے، جبکہ خطا و نسیان سے انسان بالعموم منزہ و مبرا بھی نہیں ہیں، لہذا ان حضرات کی مقدور بھر سعی اور جدوجہد کے باوجود بعض راویوں اور ناقلین حدیث کے متعلق ان کو مغالطہ لگ جانا عین ممکن ہے، جبکہ وہ تقیہ باز یہودی اور مجوسی بھی بڑے عیار اور ہوشیار قسم کے ہوں، تو ان کی پوری طرح پرکھ اور تمیز ناممکن نہیں، تو مشکل ضرور ہو جائے گی، لہذا ایسے مقامات میں خود شیعہ حضرات کا انکشاف حقیقت نظر انداز کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی اور یہی وہ بنیادی نکتہ ہے جس پر حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ نے زہری کے متعلق اپنے تاثرات کی بنیاد رکھی ہے۔

سوالات ڈھکو صاحب کے اور جوابات ہمارے

یہ گزارش سماعت فرمانے کے بعد اب علامہ ڈھکو صاحب کے اٹھائے ہوئے سوالات کے جوابات ملاحظہ فرمائیں، اور داد عدل و انصاف دیں۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

سوال ۴ قول: اس پر تمام علماء کا اجماع ہے کہ جو کچھ بخاری و مسلم میں ہے وہ سب صحیح ہے، لہذا زہری والی روایات بھی صحیح ہیں۔

جواب: یہ سراسر غلط دعویٰ ہے حقیقتِ حال صرف یہ ہے کہ علمائے اہل السنت کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن مجید کے بعد تمام کتبِ مدونہ سے جو کسی بھی بلند سے بلند مرتبت انسان نے تالیف کی ہیں، ان سے یہ دونوں زیادہ صحیح ہیں، جیسے کہ علامہ نووی نے شرح مسلم میں فرمایا: اتفق العلماء علی ان اصح الکتب بعد القرآن العزیز الصحیحان البخاری ومسلم تلقتهما الامة بالقبول الخ ص۱۳

نیز اس صحت کا حکم بھی حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مرفوع اور متصل و سند احادیث کے متعلق ہے جیسے کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

فاراد البخاری ان یجمع الفنون الاربعة (السنة والتفسیر والسیرة والزهد) فی کتاب ویجرده لما حکم له العلماء بالصحة قبل البخاری وفی زمانه ویجرده للحدیث المرفوع المسند وما فیه من الاثار وغیرهما انما جاء به تبعا لا بالاصالة ولهذا اسمی کتابه بالجامع الصحیح المسند۔

(رسالہ شرح تراجم ابواب صحیح البخاری ص۱۳)

خلاصہ مفہوم یہ کہ بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فن سنت، فن تفسیر، فن سیرت اور فن زہد رقاق کو ایک کتاب میں جمع کرنے کا ارادہ کیا اور امام بخاری علیہ الرحمہ سے پہلے کے محدثین یا معاصرین نے جن احادیث کے صحیح ہونے کا فیصلہ دیا تھا، صرف ان کو جمع کریں اور اپنی کتاب کو مرفوع و مسند احادیث کے لیے مختص کریں اور اس میں جن آثار وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے، تو وہ بالتبع لائے گئے نہ کہ مقصودِ اصلی کے طور پر اور اسی لیے بخاری علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب کو "الجامع الصحیح المسند" کے نام سے موسوم کیا ہے۔ گویا صرف حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح سے نہیں، بلکہ امام بخاریؒ کے تجویز فرمودہ نام سے بھی یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ وہ صرف احادیث مرفوعہ مسندہ و متصلہ کی صحت کا التزام

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کیے ہوئے تھے اور انہوں نے ان کے انتخاب میں اپنی امکانی کوشش صرف کرکے صحاح کا انتخاب کیا ہے۔

لیکن جیسے عرض کیا جا چکا ہے کہ نفس الامر اور واقع کا حتمی علم یا کسی کے باطن کا قطعی علم حاصل کرنا محدث کی رسائی اور پہنچ سے ماوراء ہے، اسی لیے شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: دریں کتب ستہ اقسامِ حدیث از صحاح وحسان وضعاف ہمہ موجود است وتسمیۂ آں بصحاح بطریقِ تغلیب است۔ (مقدمہ اشعۃ اللمعات صہ ۹)

یعنی صحاح ستہ میں احادیث کے تمام اقسام صحیح، حسن اور ضعیف موجود ہیں اور ان کو صحاح کہنا اکثر و اغلب احادیث کے صحیح ہونے کی وجہ سے ہے — لہٰذا علامہ موصوف کا یہ دعویٰ سراسر غلط ہے۔ علاوہ ازیں حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز نے یہ فرق بھی واضح کر دیا تھا کہ بخاری، ومسلم میں مذکورا حادیث مرفوعہ کا حکم علیحدہ ہے اور بعد کے واقعات کی روایت وحکایت کا معاملہ علیحدہ ہے اور یہ حقیقت محتاج بیان نہیں کہ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی ناراضگی اور بائیکاٹ وغیرہ کی روایات ارشاداتِ نبویہ نہیں ہیں، بلکہ بعد کے واقعات سے متعلق ہیں، بلکہ حضرت سیدہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی بھی ثابت نہیں، صرف راویوں کا ظن وگمان ہے۔

نیز یہ حقیقت بھی ناقابلِ انکار ہے کہ اخبار آحاد صحیح ہونے کے باوجود مفیدِ علم ویقین اور مثبت عقائد قطعیہ نہیں ہو سکتیں، بلکہ بعض اکابر علماء شیعہ کے نزدیک موجب عمل بھی نہیں۔ کمافی تلخیص الشافی تو اندریں صورت صحیح ہونے کے باوجود بھی زہری والی روایات اخبار آحاد ہیں اور قطعی اور حتمی نظریہ قائم کرنے کا موجب نہیں بن سکتیں جبکہ خود زہری صاحب ہی قابلِ وثوق واعتماد نہ رہے، تو پھر قطعی نظریہ کا اثبات ان سے کیونکر ممکن ہوگا اور جو کچھ بھی ہو کوئی راوی اس مرتبہ اور مقام کا مالک نہیں جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کا ہے، لہٰذا اس کی ایسی روایت جو ان کی عظمتِ شان میں تنقیص کی موجب ہو، اس میں راوی کو جھوٹا یا غلط فہمی کا شکار تسلیم کر لینا سہل ہے، مگر جن کی عظمتیں اور رفعتیں آیاتِ کلامِ مجید اور احادیثِ متواترہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

سے ثابت ہوں، ان کو مورد الزام ٹھہرانا اور ہدفِ طعن و تشنیع قرار دینا مشکل ہے جیسے کہ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک صحت کا معیار قرآن مجید بھی ہے، اور خود شیعی علماء نے اہل بیت کرام سے کتبِ صحاح میں نقل کیا ہے کہ روایت کی صحت کا معیار کتاب اللہ اور سنّتِ مطہرہ کی موافقت ہے اور حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے نہج البلاغہ میں منقول ہے : لیس من العدل القضاء علی الثقۃ بالظن (نہج مع ابن میثم جلد خامس ص۳۵۴) کہ یہ عدل نہیں ہے کہ ثقہ اور قابلِ اعتماد شخص پر ظن و گمان کے تحت فیصلہ دے دیا جائے، لہٰذا ایسی آحاد اخبار سے عقائد اور نظریات کا اثبات اور بخاری علیہ الرحمہ کی غیر مرفوعہ اور غیر متصل روایات کے ساتھ اور ایسے راوی کی روایت کے ذریعے جس کو شیعہ نے اپنا آدمی تسلیم کیا ہو، ایسی مقدس اور بلند مرتبت الزامات و اتہامات عائد کرنا قطعاً روا نہیں ہو سکتا۔

سوال دوم : علامہ ڈھکو صاحب نے فرمایا : زہری کے تسنن اور جلالتِ قدر پر اہل السنت کے علماء رجال کا اتفاق ہے۔

جواب : حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے جب یہ تصریح فرمادی تھی کہ ہم تو اب بھی زہری کو اسی طرح سنی سمجھتے۔ اگر گھر کے بھیدی اس کے متعلق یہ انکشاف ذکر نے کہ وہ شیعہ تھے، لہٰذا اس تصریح کے ہوتے ہوئے علماء اہل سنت اور اصحاب رجال کا حوالہ دینا صرف غیر ضروری ہی نہیں، بلکہ بے محل اور بے جواز بھی ہے، کیونکہ آپ نے شیعی مسلمات کو ملحوظ رکھ کر یہ جواب دیا تھا۔

سوال سوم : ڈھکو صاحب فرماتے ہیں یہ تسلیم کر بھی لیں کہ زہری آخری عمر میں شیعہ ہو گیا تھا جیسے کہ بعض علماء شیعہ نے تصریح کی ہے، مگر یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ اس کی یہ روایات شیعہ ہونے کے بعد کی ہیں، ہو سکتا ہے پہلے کی ہوں ؟

جواب : لیکن علامہ موصوف نے یہاں ڈنڈی ماری ہے اور دھوکہ دہی سے کام لیا ہے، کیونکہ جب زہری کا شیعہ ہونا ثابت ہو گیا اور ایسی روایات بھی تسلیم ہو گئیں جو عظمتِ صحابہ کرام اور ان کے اہل بیت عظام کے ساتھ اخلاص اور نیازمندی کے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

خلاف تھیں، تو لازمی طور پر یہ ماننا پڑے گا کہ موصوف پہلے سے ہی اسی مذہب و مسلک پر کاربند تھے اور خاص مقصد کے تحت اپنے عقائد کو چھپائے ہوئے ہیں۔ جب مقصد پورا ہو گیا، تو پھر راز دروں کو آشکار کر دیا اور تقیہ کے مقاصد پورے ہو گئے، تو اصلی عقیدہ کا اظہار کر دیا' جیسے کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ شیعی علماء و محدثین کرام کا طریق کار یہی رہا ہے اور انہوں نے انہی مقاصدِ فاسدہ اور مطالبِ ردیہ کی تکمیل کے لیے ہی تقیہ کو ایجاد کیا تھا، لہٰذا اس اظہار اور اعلان سے پہلے کی روایات ہوں یا اس کے بعد کی ہوں' جو بھی مذہبِ تشیع کی مؤیّد ہوں گی' وہ سبھی مخدوش اور ناقابلِ اعتبار ہوں گی' کیونکہ پہلے دور کی نیک نیتی اور صدق و سچائی کی ضمانت کیا ہو گی' بلکہ جب زہری صاحب کی سابقہ روایات ہی مذہبِ تشیع اور رفض کا دار و مدار ہیں تو پھر ان کو درست تسلیم کرنے یا شیعہ مذہب کو درست تسلیم کرنے میں کیا فرق ہو گا؟

سوال چہارم: اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ وہ ابتداء سے ہی شیعہ تھا تو اس کی روایات کے ناقابلِ قبول ہونے کے لیے اس کا تبرائی اور رافضی ہونا ثابت کرنا پڑے گا، کیونکہ محض محبِ اہل بیت ہونے کی وجہ سے شیعہ کہلانا قبولِ روایت کے منافی نہیں ہے؟

جواب: علامہ موصوف نے یہاں بھی کمال سادگی یا انتہائی ہوشیاری اور عیاری کا مظاہرہ کیا ہے کہ تشیع دو قسم پر ہے اور زہری کون سے قسم میں داخل تھا جو شخص ہر مقام پر مقدس ہستیوں کے درمیان بغض و عناد اور نفرت و کدورت اور ہجران و بائیکاٹ ثابت کرنے کے درپے ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سسر اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بہنوئی کے لیے حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر کی طرف سے نمازِ جنازہ کی اطلاع اور جنازہ پڑھنے کی اجازت دینے کے روادار بھی نہ رہنے دے اور اہلِ تشیع اور رافضیوں کو ان پر سب و شتم اور طعن و تشنیع کا اہم موقع مہیا کرے' اس کے رافضی ہونے میں

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کیا شک و شبہ ہو سکتا ہے؟ جبکہ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ روافض و خوارج و دیگر فرق مبتدعہ کی نقل کردہ روایات جو ان کے مذہب اور عقیدۂ بدعت کی موجب اور مثبت ہوں یا اس کی تائید اور تقویت کا باعث ہوں، وہ بالکل قابلِ قبول نہیں ہوتیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری شرح بخاری کے مقدمہ میں صفحہ ۳۸۲ پر اس کی تصریح فرمائی ہے اور اس ضمن میں جو قول اور مذہب زیادہ موزوں اور مناسب قرار دیا ہے، وہ یہ ہے: والثالث التفصیل بین ان یکون داعیة بدعته او غیر داعیة فیقبل غیر الداعیة ویرد حدیث الداعیة و هٰذا المذهب هو الاعدل وصارت الیه طوائف من الائمة (الیٰ) ان اشتملت روایة غیر الداعیة علی ما یشید بدعته ویزینه ویحسنه ظاهرا فلا یقبل وان لم یشتمل فتقبل الخ۔ یعنی تیسرا قول یہ ہے کہ ردّ و قبول میں تفصیل ہے درمیان اس کے کہ اس مبتدع راوی کی روایت اس کی بدعت کے لئے سبب داعی ہے یا نہیں؟ دوسری صورت میں مقبول ہے اور پہلی صورت میں مردود اور ناقابلِ قبول ہے اور یہی مذہب اعتدال اور میانہ روی کے زیادہ قریب ہے اور اسی کی طرف ائمہ کرام کی جماعتوں نے رجوع کیا ہے اور اس پر مزید تفصیل یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ اگر ایسے بدعتی راوی کی روایت اس کے عقیدہ کی باعث و موجب نہ بھی ہو، لیکن اس کی تائید و تقویت اور اس کی تزئین و آرائش کی موجب ہو تو پھر بھی مقبول نہیں۔ اور اگر ایسے معانی اور مفاہیم پر مشتمل نہیں تو پھر مقبول ہے۔

اس پس منظر میں زہری کی انفرادی روایات کے مردود اور ناقابلِ قبول ہونے میں توقف کس طرح کیا جا سکتا ہے، جبکہ اہلِ تشیع اس کو شیعہ تسلیم کر چکے اور اس کی روایات تبرائی شیعوں کے نظریہ و عقیدہ کی بنیاد اور سببِ موجب ہیں۔ نیز سیوطی، حافظ علی بن عراق اور علامہ علی بن سلطان قاری رحمہم اللہ تعالیٰ نے کسی بھی روایت کے موضوع ہونے کے لیے یہ ضابطہ بیان کیا ہے کہ راوی رافضی ہو اور اس میں اہل بیت کے فضائل بیان

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کرنے میں مبالغہ سے کام لیا گیا ہو یا اس میں اہل بیت کرام کے مفروض اور مزعوم مخالفین کی مذمت کی گئی ہو اور اس میں مبالغہ سے کام لیا گیا ہو۔ (مرقاۃ صفحہ ۳۸۷ ج ۱۱)

الغرض علی رشیعہ کے اس اعتراف و تسلیم کے بعد ایسے شخص کی روایات کو اہل السنت کے خلاف پیش کرنا سراسر زیادتی اور دھاندلی ہے۔

سوال پنجم: زہری دو ہزار روایات سے زیادہ کا راوی ہے، اس کو شیعہ ماننے پر ان سب روایات سے ہاتھ دھونے پڑیں گے الخ

جواب: ڈھکو صاحب بے چارے خواہ مخواہ اعداد و شمار کے چکر میں پڑ گئے اور خسارہ اور نفع دکھانے لگ گئے اور علامہ ذہبی کے قول پر غور کرنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی۔ اس مصنوعی مجتہد العصر کو کون سمجھائے کہ کسی شخص کے ہزاروں روایات کے راوی ہونے کا ہرگز ہرگز یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ ان روایات میں منفرد ہے اور دوسرے راویوں نے ان روایات کو ذکر ہی نہیں کیا۔ اگر بالفرض علامہ ڈھکو صاحب کو چند سورتیں یاد ہوں اور وہ انہیں پڑھتے ہوں تو اس کا کیا یہ مطلب ہوگا کہ صرف انہیں ہی یاد ہیں، دوسروں کو یاد نہیں؟ دیکھئے مسلم اور بخاری کی روایات ہزاروں کی تعداد میں ہیں، مگر بعض روایات میں اتفاق و اشتراک بھی ہے اور دوسرے محدثین نے بھی وہ روایات نقل کی ہیں۔ اسی طرح زہری سے منقول روایات دوسرے محدثین سے بھی منقول ہیں، لہٰذا ایسے کسی خسارے کا ہمیں کوئی اندیشہ اور فکر لاحق نہیں۔ البتہ زہری کا انداز بیان اور اسلوب ایسا ہوتا ہے، جس میں شیخین رضی اللہ عنہما پر کسی نہ کسی طرح کا الزام بن جاتا ہے جبکہ وہی روایات دوسرے حضرات نقل کریں، تو اس میں ایسے الفاظ نہیں ہوتے جو اس قسم کا غلط تاثر پیدا کریں۔ طبقات ابن سعد میں میراث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ترکہ متعلق تیرہ روایات اور احادیث منقول و مروی ہیں، جن میں سے صرف زہری کی روایت میں یہ کلمات مرقوم ہیں:

فوجدت فاطمة عليها السلام على ابى بكر فهجرته فلم تكلمه حتى توفيت وعاشت بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم ستة اشهر۔ (صفحہ ۱۳۱، ج ۴)

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

یعنی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی زبانی حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سُن کر آپ ان پر ناراض ہو گئیں اور ان سے تعلق ختم کر لیا اور وصال تک ان کے ساتھ کلام نہ کیا۔ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد چھ ماہ تک بقیدِ حیات رہیں۔ حالانکہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو خلافت کا بارِ گراں سنبھالنے کے بعد جو مشکلات درپیش تھیں، جن میں فتنۂ ارتداد، مانعین زکوٰۃ کا پیدا ہو جانا اور جھوٹے نبیوں کا لوگوں کو اپنے دامِ تزویر میں پھنسانا وغیرہ، حتیٰ کہ آپ عرصہ تک مدینہ منورہ سے باہر ڈیرہ ڈالے رہے اور مختلف مہمات میں صحابہ کرام کو روانہ فرما کر انہیں سر کرتے رہے۔ تاوقتیکہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ شام کی مہم سے فتحیاب ہو کر واپس نہ آ لئے۔ آپ مدینہ منورہ کے دفاع کی اہم ترین ذمہ داری کو بنفسِ نفیس ادا کرتے رہے۔ جب وہ واپس آ گئے۔ تو آپ نے ان کو استراحت حاصل کرنے کے لیے مدینہ منورہ میں چھوڑا اور خود مرتدین کے خلاف کارروائی کے لیے مدینہ منورہ سے باہر تشریف لے گئے اور وہیں رہے اور جب حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام دوبارہ راحت حاصل کرنے اور سواریوں کو راحت پہنچانے کے بعد اس ذمہ داری سنبھالنے کے قابل ہو گئے۔ کما صرح بہ الطبری جلد نمبر ۳ صـ ۲۲۳ وصـ ۲۲۴ وصـ ۲۲۵) تب آپ مدینہ شہر میں تشریف لاتے تو ان حالات میں ہجران اور ترکِ کلام کو باہتمامِ تام بیان کرنا کسی نیک نیتی کا غماز نہیں ہو سکتا۔

علاوہ ازیں ہجران اور ترکِ کلام وغیرہ مردوں کے درمیان ہو تو پھر بھی قابلِ فہم امر ہے۔ ایک ایسی مقدس پردہ دار خاتون کہ ملائکہ بھی ان سے حیا اور پردہ کریں، تو ان کے ساتھ ہجران اور مکمل بائیکاٹ کا کیا مطلب؟ ان کے ساتھ پہلے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کب آمد و رفت رکھتے تھے اور آپ کی مجلسِ مذاکرہ ہوا کرتی تھی کہ اب ہجران اور ترکِ سلام و کلام کی نوبت آ گئی اور اس کو خصوصی طور پر بیان کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

لہٰذا زہری صاحب کی روایات کے ناقابلِ قبول ہونے سے قطعًا کوئی خسارہ نہیں، البتہ ڈھکو صاحب کو ضرور خسارہ لاحق ہوگا، مگر اس کی ذمہ داری بھی انہیں کے اکابر کے سرِ عائد ہوگی، جنہوں نے تقیہ کا پردہ پھاڑ دیا اور حقیقتِ حال اور رازِ درون کو ظاہر کر دیا اور زہری کو ناقابلِ اعتبار بنا دیا اور اپنے آپ کو بھی ذلیل کیا اور من کتمہ اعزہ اللہ ومن اذاعہ اذلہ اللہ کے سراسر خلاف کیا۔

مضحکہ خیز بات، ڈھکو صاحب نے فرمایا کہ سوائے پیر صاحب سیالوی اور مولوی احمد شاہ صاحب چوکیروی کے دوسرے علماء کو معلوم نہ ہو سکا کہ زہری کیا ہے؟ تو گویا وہ سبھی مورکھ، جاہل اور غیر محقق تھے وغیرہ وغیرہ۔ حقیقت یہ ہے علامہ صاحب کی یہ بات واقعی مضحکہ خیز ہے۔ اگر ان اکابرین نے شیعہ حضرات کی تصریحات نہ دیکھیں اور ان کے اس اقرار و اعتراف کو ملاحظہ نہ فرمایا اور زہری کے متعلق حُسنِ ظن کا اظہار کیا، تو ان سے ان کا مورکھ اور جاہل ہونا کیونکر لازم آگیا، جبکہ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے بھی تصریح فرمائی ہے کہ ہم اب بھی اس کو سُنی سمجھتے اگر گھر کے بھیدیوں کا زہری کے متعلق یہ انکشاف نہ موجود ہوتا۔ آپ کے اس جواب کا محمل وہی ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے فیصلے اور فتوے کا ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلے کے برعکس دیا گیا تھا، مگر اس لیے نہیں کہ آپ حضرت داؤد علیہ السلام کو العیاذ باللہ فتویٰ اور فیصلہ کے اہل نہیں سمجھتے تھے، بلکہ جو بنیاد حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلہ کی تھی حضرت سُلیمان علیہ السلام کی تحقیق و تفتیش سے وہ بنیاد بدل گئی، لہٰذا فتویٰ اور فیصلہ بھی بدل گیا۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ایک عورت کے بچے کو بھیڑیئے نے اُٹھا لیا اور دوسری عورت حالتِ زچگی میں بیہوش ہو گئی تھی، تو اس نے اس کا بچہ اٹھا لیا اور اسے بتلایا کہ تیرا بچہ بھیڑیا لے گیا ہے، مگر اُس نے اُس کی بات نہ مانی اور جھگڑا حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے گواہ موجود نہ ہونے اور بڑی کے بچے پر قابض ہونے اور اس کے حلف اُٹھانے کی وجہ سے فیصلہ بڑی کے حق میں کر دیا پھر

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

وہ جھگڑا حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچا، تو آپ نے فرمایا، ایک چھری لاؤ میں اس کو چیر دیتا ہوں تاکہ تم دونوں اس کا ایک ایک حصّہ لے لو۔ چھوٹی نے تڑپ کر کہا نہیں حضور بچہ بڑی کو دے دو، میں اس دعوے سے دستبردار ہوتی ہوں۔ جب آپ نے بڑی سے دریافت کیا کہ چھوٹی تو چیرنے کی خبر سُن کر تڑپ اٹھی، مگر تو ٹس سے مس نہیں ہوتی۔ اگر تیرا لختِ جگر ہوتا تو تُو کیوں مضطرب نہ ہوتی؟ تو وہ لاجواب ہوگئی اور اس کو چھوٹی کا دعویٰ تسلیم کرنا پڑ گیا اور آپ نے بچہ اس سے لے کر چھوٹی کو دے دیا۔ یہاں پر حکم جُدا جدا ہیں، مگر حضرت سلیمان علیہ السلام کے دل میں حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق اس قسم کا وہم گمان بھی نہیں ہوسکتا تھا جس قسم کی ڈھکو صاحب نے علماء اہل السنت کے حق میں گوہر افشانی فرمائی ہے، جبکہ آپ کا یہ جواب بھی اہلِ تشیع کے اس اعتراف و تسلیم پر مبنی ہے اور بانداز قیاس جدلی ہے۔

نیز جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کے چار ہونے کی روایات کافی کلینی اور نہج البلاغہ اور حیات القلوب وغیرہ سے پیش کی جاتی ہیں حضرت ام کلثوم بنت حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ عقد و تزویج کی روایات کافی، تہذیب وغیرہ سے پیش کی جاتی ہیں اور مذہب تشیع اور رفض کی بنیاد عبداللہ بن سبا کی طرف سے رکھے جانے کے حوالے دیئے جاتے ہیں تو ڈھکو صاحب اور دیگر اخلاف چلا اٹھتے ہیں اور کہتے ہیں یہ روایات غلط ہیں۔ موضوع من گھڑت ہیں اور خلافِ عقل و درایت ہیں، لہٰذا ناقابلِ اعتبار ہیں، تو کیا ڈھکو صاحب اس وقت یہی سمجھتے ہیں کہ مذہب شیعہ میں صرف وہ محقق پیدا ہوئے ہیں اور مولوی اسماعیل گوجروی پہلے تمام شیعہ محدثین و مفسرین اور مؤرخین وغیرہ جاہل، مُورکھ اور تحقیق و تدقیق سے بیگانہ تھے حالانکہ کافی کی تصدیق و تائید تو حضرت امام مہدی علیہ السلام نے فرمائی اور بقولِ شیعہ اس کے متعلق کہا، ھٰذا کاف لشیعتنا تو ڈھکو صاحب! امام آخر الزمان کے متعلق کیا فرمائیں گے؟

فروعِ کافی کے حوالے سے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر مشتمل روایت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حضرت شیخ الاسلام نے ذکر فرمائی جس سے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی زبانی آپ کا حضرت سلمان فارسی اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہما سے افضل ہونا ثابت کیا گیا تو ڈھکو صاحب نے اس کے جواب میں راویوں کو مجبرہ اور سُنی کہہ کر اس روایت کو ٹھکرا دیا تو علامہ صاحب بتلا سکیں گے کہ کافی کے مؤلف کلینی کو اس کی تصدیق کرنے والے حضرت امام مہدی علیہ السلام کو وہ کیا سمجھتے ہیں؟ ان میں کوئی علم و حکمت اور تحقیق و تدقیق تھی یا یہ سعادت صرف ڈھکو صاحب کے حصہ میں آئی ہے، لہٰذا علامہ موصوف کی یہ بات واقعی مضحکہ خیز ہے۔

علاوہ ازیں حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کا بنیادی مقصد صرف یہ تھا کہ جب تم خود ایک شخص کو اپنے علماء و محدثین کے زمرہ میں شمار کرتے ہو اور تقیہ کو بھی تم نے دین و ایمان کا نوے فیصد قرار دے رکھا ہے، بلکہ عین ایمان تو ہمارا عذر واضح ہے کہ تم نے ہمیں تقیہ کی آڑ میں بے خبر رکھا، بلکہ دھوکہ دیا اور جب خود ہی اقرار کر لیا، تو اب الزام کیسا؟ اور حجت بازی اور حیلہ سازی کیسی؟ ڈھکو صاحب کو اس کا جواب دینا چاہیئے تھا، مگر وہ اس سے عاجز و قاصر رہے۔ اپنے علماء کو جھٹلائیں، تو بھی بات نہیں بنتی اور ان کو سچا مانیں تو زہری گلے پڑتا ہے اور بنا بنایا کھیل ختم ہوتا ہے۔

الحاصل زہری صاحب کو علمائے اہل السنت اپنا سمجھتے رہے اور اس کی اس طرح کی روایات کی ایسی تاویلات و توجیہات کرتے رہے کہ صحتِ روایت کی صورت میں بھی حضراتِ اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مراتبِ عالیہ اور خداداد عظمت و رفعت میں کسی طرح کا فرق نہ آنے پائے، لیکن جب شیعی علماء رجال نے زہری صاحب کے متعلق یہ انکشاف کر دیا تو ان روایات کے متعلق ایک نیا جواب بھی سامنے آ گیا۔ اب ڈھکو صاحب صرف یہ فیصلہ دیں کہ اس کے اسلاف نے جو کہا، وہ اس میں سچے ہیں یا جھوٹے ہیں؟ سچے ہونے کی صورت میں ہمارے خلاف الزام قائم کرنے کی کوئی گنجائش نہ رہی اور جھوٹے ہیں تو ہم دوسرے جواب ذکر کر دیں گے، لیکن علامہ موصوف کو بتلانا پڑے گا کہ انہیں ایسے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت پڑی تھی اور اس سے کیا فائدہ حاصل کرنا چاہتے تھے؟

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

زہری کا عقیدہ از رُوئے روایات اہل التشیع

آئیے اب زہری کے متعلق اکابرینِ شیعہ کی تصریحات ملاحظہ فرمائیں:

۱- عدۃ الشیخ فی رجالہ من اصحاب الصادق علیہ السلام۔
شیخ صدوق نے زہری کو اپنی کتاب رجال میں امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے اصحاب سے شمار کیا ہے۔ (تنقیح المقال از مامقانی)

۲- شیخ عبداللہ مامقانی نے بعض متاخرین کے حوالے سے نقل کیا ہے:
بل لا وجہ لما صدر من بعض المتاخرین من نفی البعد عن کونہ شیعیا وانہ اظہر المخالفۃ للتقیۃ۔ یعنی جن بعض متاخرین نے کہاہے کہ زہری شیعہ ہو اور اس نے مخالفت کا اظہار تقیہ کی وجہ سے کیا ہو۔
تو اس کی کوئی وجہ نہیں ہے، لیکن مامقانی کے نزدیک نہ سہی، جنہوں نے اس کے تشیع کو مستبعد نہیں سمجھا۔ ان متاخرین کے نزدیک کوئی وجہ وجیہ تھی، تبھی انہوں نے یہ قول کیا کہ اس کا تشیع قیاس و درایت کی رُو سے بعید نہیں۔ بہرکیف بعض متاخرین کے قول سے اس کا تشیع ظاہر ہوگیا۔

۳- مولیٰ وحید شیعی نے اس کی تصریح کرتے ہوئے کہا: روی الجلیل الثقۃ علی بن محمد بن علی الخزاز فی کتابہ الکفایۃ فی النصوص من الزہری روایۃ تدل علی کونہ من الشیعۃ۔
یعنی جلیل و ثقہ عالم علی بن محمد بن علی خزاز نے اپنی کتاب کفایہ میں نصوصِ امامت کے ضمن میں زہری سے روایت نقل کی ہے جو اس کے شیعہ ہونے کی دلیل ہے۔

۴- ملا باقر مجلسی نے مرآۃ العقول میں زہری کے متعلق کہا: ھذا الکافر کان من اصحاب ابی الخطاب وکان یعتقد ربوبیتہ کاعتقاد ابی الخطاب فانہ اثبت ذالک لہ وادعی النبوۃ من قبلہ لنفسہ علی اہل الکوفۃ۔ یہ کافر ابوالخطاب کے مصاحبین میں سے تھا اور حضرت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی ربوبیت کا عقیدہ رکھتا تھا، جیسے کہ ابوالخطاب کا عقیدہ تھا، کیونکہ اُس نے آپ کے حق میں ربوبیت کو ثابت کیا اور اپنے لیے ان کی طرف سے اہلِ کوفہ کی طرف نبی و رسول ہونے کا دعویٰ کیا۔

علامہ مامقانی نے کہا یہاں اشکال یہ ہے کہ ہم تو اس کے ناصبی ہونے کے مدعی تھے، مگر علامہ مجلسی کے قول کے مطابق وہ غالی شیعہ ثابت ہوا۔ پھر جواب دیتے ہوئے کہا، دونوں نسبتیں درست ہو سکتی ہیں۔ بان یکون ناصبیا اولا غالیا اخیرًا۔ بایں طور کہ پہلے ناصبی رہتی ہو اور آخر میں غالی شیعہ ہو گیا ہو۔

۵۔ مامقانی نے مختلف روایات اور اخبار و اقوال نقل کرنے کے بعد اپنا نقطۂ نظریہ بیان کیا ہے، والذی اعتقدہ من مجموع الاخبار وکلمات اصحابنا ان الرجل متلون المزاج غیر مستقیم الرای فلا اعتماد علی خبرہ علی کل حال (تنقیح المقال جلد ثالث جزو اوّل صفحہ ۱۸۰)

یعنی مجموعی طور پر ان روایات اور علمائِ شیعہ کے اقوال سے جس نظریہ و عقیدہ اور خلاصہ و نتیجہ تک میں پہنچا ہوں، وہ یہ ہے کہ محمد بن مسلم بن شہاب زہری متلون مزاج تھا اور اس کے نظریہ و عقیدہ میں استقامت اور ثابت قدمی نہیں تھی، لہٰذا کسی حال میں بھی اس کی روایات قابلِ اعتماد نہیں ہے۔

اقول: جب بعض اکابرین علمائِ شیعہ زہری کے تشیع کے قائل ہیں اور بعض اس کے غالی شیعہ ہونے کے معترف ہیں اور بعض اس کے تلون مزاج اور عدمِ استقامت اور رائے کی ناپختگی کے قائل ہیں، یعنی بعض اخبار و روایات اہلِ تشیع کے موافق نقل کرتا ہے، تو بعض اہلِ السنت کے موافق تو از روئے دیانت اس کی روایت سے ان صحابہ کرام علیہم الرضوان پر اعتراض و انکار اور تنقید و تنقیص کا علمائِ شیعہ کو کیا حق پہنچتا ہے، جن کی دیانت و امانت اور اخلاص و للٰہیت اور عظمت و رفعتِ شان قرآن مجید کے نصوصِ قطعیہ اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیثِ صحیحہ متواترہ اور ائمہ کرام کے صحیح اور قطعی الثبوت ارشادات سے ثابت ہو۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جیسے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ارشادِ گرامی ہے کہ یہ بہت بڑی جفاکاری اور سنگدلی ہے کہ محض ظن و گمان اور تخمین و قیاس کی بنا پر کسی ثقہ اور معتبر و معتمد علیہ شخصیت کو موردِ الزام ٹھہرالیا جائے۔ ملاحظہ ہو نہج البلاغہ مع ابن میثم جلد ۵، ص ۳۵۴ کا سبق بیانہ مرارًا۔

رسالہ مذہب شیعہ: حضرت شیخ الاسلام محمد قمر الدین قدس سرہ العزیز

نمازِ جنازہ کی چار تکبیرات کا ثبوت

عقائد کے متعلق تو نمونہ کے طور پر بعض روایات پیش کی گئیں، اب اعمال کے متعلق بھی ایک روایت مثال کے طور پر پیش کی جاتی ہے، جو نمازِ جنازہ میں تکبیروں کے بارے میں فروع کافی جلد ۱ ص ۹۵ پر درج یوں ہے:

عن محمد بن مهاجر عن ام سلمة قالت سمعت ابا عبد الله علیه السلام یقول کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا صلّٰی علیٰ میت کبر وتشهد ثم کبر ثم صلّٰی علی الانبیاء ثم کبر ودعا ثم کبر الرابعة ودعا للمیت ثم کبر وانصرف فلمّا نهاه الله عزّوجل عن الصلٰوة علی المنافقین کبر وتشهد ثم کبر وصلّٰی علی النبیین صلی الله علیهم ثم کبر فدعا للمؤمنین ثم کبر الرابعة وانصرف ولم یدع للمیت۔

یعنی حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے بھانجے حضرت محمد بن مہاجر اپنی والدہ سے روایت فرماتے ہیں کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شروع میں جب میت پر نمازِ جنازہ پڑھتے تھے، تو تکبیر کہتے، پھر تشہد یعنی شہادتین پڑھتے پھر دوسری تکبیر کے بعد انبیاء کرام علیہم السلام پر درود بھیجتے، تیسری تکبیر کہتے اور مومنین کے لئے دعا مانگتے۔ پھر چوتھی تکبیر کے بعد میت کے لیے دعا مانگتے تھے، پھر پانچویں تکبیر

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے بعد سلام پھیرتے تھے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین پر نمازِ جنازہ پڑھنے سے منع فرمادیا، تو اس کے بعد ہمیشہ جنازہ میں چار تکبیریں کہتے تھے۔ اس ترتیب کے ساتھ کہ پہلی تکبیر کے بعد شہادتین۔ دوسری تکبیر کے بعد درود شریف۔ تیسری تکبیر کے بعد مومنین (احیاء و اموات) کے لیے دُعا فرماتے تھے، پھر چوتھی تکبیر کہہ کر سلام پھیرتے تھے۔''

اب منافقین پر پانچ تکبیریں اور مومنین پر چار تکبیریں پڑھا جانا ائمہ معصومین کی روایت سے کس طرح واضح ہے اور امام عالی مقام کی روایت سے روزِ روشن سے بھی زیادہ واضح ہوگیا کہ جب منافقین پر نمازِ جنازہ پڑھنے سے منع فرمایا گیا، تو اس کے بعد ہمیشہ چار تکبیریں ہی پڑھی جاتی تھیں۔ منافقوں پر نمازِ جنازہ پڑھنے سے اس آیتِ کریمہ کے ذریعے منع فرمایا گیا، تو اس کے بعد ہمیشہ چار تکبیریں ہی پڑھی جاتی تھیں۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى، وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ۔ کہ اے اللہ کے پیارے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم آپ کسی منافق پر نمازِ جنازہ نہ پڑھیں اور نہ ہی اس کی قبر پر قیام فرمائیں۔

اب اہلِ تشیع نے جو پانچ تکبیریں اپنے مذہب میں رائج کر رکھی ہیں، اُس کی یہی وجہ سمجھ میں آسکتی ہے کہ اہلِ تشیع کے اسلاف حسبِ ارشادِ باری تعالیٰ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ بِسِيْمَاهُمْ (یعنی تم ضرور بالضرور انہیں ان کے چہروں سے پہچان لوگے) تقیہ کے پردوں میں نہ چھپ سکنے کی وجہ سے غالباً غیر حاضر رہتے ہوں گے، اسی لیے جو انہوں نے آنکھوں سے نہیں دیکھی تھی، اس کو جائز ہی نہ سمجھا، تاہم ان کو ائمہ صادقین کے ارشاد پر اور نہیں تو بطورِ تقیہ ہی ایمان لانا چاہیے تھا اور بظاہر اس پر عمل کرتے ہوئے چار تکبیریں ہی نمازِ جنازہ میں پڑھتے رہتے، مگر منشیٔ قضا و قدر نے ان دونوں قسموں کی نمازِ جنازہ کو دونوں فریقوں کی قسمت میں الگ الگ لکھ دیا ہے، ورنہ مومنین پر چار تکبیر والی نمازِ جنازہ خود اہلِ تشیع کی معتبر ترین کتاب کافی میں ائمہ معصومین سے مروی ہے اور اسی پر ہمیشہ کا معمول و تعامل بیان فرمایا گیا ہے جیسے کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی روایت میں واضح طور پر موجود ہے جو ابھی بیان ہو چکی، اب تقدیر کو تدبیر کیسے بدل سکتی ہے؟ (مذہب شیعہ صفحہ ۱۰۶ تا ۱۰۸)

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

رسالہ تنزیہہ الامامیہ   از علامہ محمد حسین ڈھکو صاحب

نبی اکرم منافقین پر چار تکبیریں کہتے تھے

۱- پیر صاحب سیالوی نے اپنی کوتاہ اندیشی اور بے سوادی سے اتنا بھی نہ سوچا کہ حدیث شریف کا مطلب غلط سمجھ کر اپنے علم و فضل اور عقل و دانش کا جنازہ نکال رہے ہیں۔ ائمہ کرام کا کلام سمجھنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے، کیونکہ وہ خود فرماتے ہیں، "ہماری احادیث مشکل ہیں، ان کو ملک مقرب یا نبی مرسل یا مومن ممتحن ہی برداشت کر سکتے ہیں۔" الخ

۲- فروعِ کافی کے جس باب میں یہ روایت تیسرے نمبر پر مذکور ہے، اس کا عنوان ہے، عِلة تکبیر الخمس علی الجنازة - یعنی جنازہ پر پانچ تکبیریں پڑھنے کی علت اور وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ چونکہ نمازیں پانچ ہیں، لہذا ہر نماز کے بدلے ایک تکبیر رکھ دی گئی، لہذا کل پانچ ہو گئیں اور تیسری روایت جسے پیر صاحب نے ذکر کیا ہے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب تک منافقین کے لیے نماز کی ممنوعیت کا حکم نازل نہیں ہوا تھا، آپ ہر ایک پر پانچ تکبیریں کہتے تھے اور جب منع وارد ہوئی، تو منافقین پر چار اور مومنین پر پانچ تکبیریں کہتے تھے اور جب کسی پر چار کہتے تھے، تو وہ نفاق کے ساتھ متہم قرار دیا جاتا تھا، جیسے کہ اسی باب میں تصریح موجود ہے۔

۳- چار تکبیرات کا اجراء عمر صاحب کے دورِ حکومت میں پایا گیا، تو اس کا جواب پیر صاحب کے ذمہ ہے کہ جب چار تکبیرات منافقین کے لیے تھیں تو عمر صاحب کو یہ پسند کیوں آئیں؟ معلوم ہوتا ہے کہ پیر صاحب نے صرف اپنے خلیفہ صاحب کی گرتی ہوئی ساکھ کو سہارا دینے کی کوشش کی ہے، لیکن تدبیر سے تقدیر نہیں بدل سکتی۔

رسالہ تنزیہ الامامیہ (ص ۱۷۳ تا ۱۷۶)

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ڈھکو صاحب کا اپنے مذہب کے دفاع سے عجزِ کامل

جواب الاوّل: علامہ صاحب نے فرمایا کہ پیر صاحب نے حدیث کا مطلب غلط سمجھا۔ نیز ائمہ کرام کا کلام سمجھنا۔ پیر صاحب کے مقدر میں کہاں؟ اس کو ملائکہ مقربین یا انبیاء و مرسلین اور شیعانِ ممتحنین ہی برداشت کر سکتے ہیں، لیکن موصوف کا یہ قول بوجوہ غلط اور ناقابلِ اعتبار ہے۔

۱۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ائمہ کرام، ملائکہ مقربین اور انبیاء و مرسلین کی تبلیغ اور ان کے رشد و ہدایت کے لیے پیدا کیے گئے تھے، اس لیے وہی اُن کا کلام سمجھ سکتے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ جب انبیاء و مرسلین کو ہادیانِ خلائق بنا کر بھیجا جاتا ہے اور اسی قوم کی زبان میں تاکہ ان کے لیے جہالت اور لاعلمی کا عذر باقی نہ رہے، تو ائمہ کرام جو ان کے نائبین ہوتے ہیں، ان کا تقرر بھی لامحالہ اسی مقصد کے لیے ہوگا کہ قیامت کے دن یہ لوگ عذر نہ کر سکیں کہ ہمیں تو کسی نے تبلیغ و تنبیہ ہی نہیں کی تھی، اور ہدایت و رہنمائی کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ۔ تو ائمہ کرام کا ایسا کلام کرنا جس کو صرف ملائکہ مقربین اور انبیاء و مرسلین ہی سمجھ سکیں اور یا خالص و مخلص اور مجرب و کندن بنے شیعہ ہی سمجھ سکیں یہ نصب امام کی غرض اور حکمت و مصلحت کے سراسر خلاف ہے علی الخصوص جبکہ ان کا کلام بھی ایسا ہو جس کا تعلق رموز و اسرار سے بھی نہ ہو، بلکہ نماز جنازہ جیسے عام معاملہ سے ہو تو پھر ایسے ائمہ کرام کی اطاعت و اتباع کے ساتھ عام لوگ مکلف ہی کیونکر ہو سکتے ہیں!

۲۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشادِ گرامی ہے، کلموا الناس علیٰ قدر عقولھم۔ کہ لوگوں کے ساتھ ان کے عقل و فہم کے مطابق کلام کرو تو ائمہ کرام نے اس ارشادِ نبوی کی پابندی کیوں نہ فرمائی۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

۳۔ رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے اندر دو قیمتی ذرائع اور وسیلے ہدایت کے لیے چھوڑے تھے، یعنی قرآن مجید اور عترت و اہل بیت جبکہ قرآن خاموش اور غیر ناطق ذریعہ ہدایت تھا تو اہل بیت کرام اور بالخصوص ائمہ کرام تو ایسا ذریعہ ہدایت ہونے چاہئیں تھے کہ امتِ امیہ ان کے قول و ارشاد کو سمجھ کر اس کے مطابق عمل پیرا ہوتی مگر ان کا کلام جب انبیاء و مرسلین اور ملائکہ مقربین ہی سمجھ سکیں، دوسرا کوئی مسلمان سمجھ ہی نہ سکے تو یہ ذریعہ ہدایت کا ہی نہ رہا اور ان سے عام اہلِ اسلام اور عامہ خلائق کا استفادہ ممکن ہی نہ رہا تو ان کو سرچشمہ ہدایت قرار دینے اور ان سے تمسک کرنے کا حکم دینا ہی بے فائدہ ہو کر رہ گیا العیاذ باللہ!

۴۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا مقرب اور محرم اسرار نہ کوئی ہوا، نہ ہی کوئی ہو سکتا ہے نہ انبیاء و مرسلین میں اور نہ ملائکہ مقربین میں اور نہ ائمہ کرام ہیں، لیکن ان کے کلام کو امتِ امیہ نے سمجھا اور ان کی تعلیم و تربیت سے اور تہذیب و تزکیہ سے وہ لوگ، مہذب دنیا کے امام بن گئے جو کسی شمار و قطار میں نہیں تھے، تو ائمہ کا کلام اس محبوب معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے کیونکر پیچیدہ ہو گیا اور فہم سے بالاتر، جبکہ وہ حضرات آپ کے نائب تھے اور آپ کے علوم کے امین اور آپ کی تعلیم و تربیت کے مظہر۔

۵۔ علامہ موصوف نے جو روایت نقل فرمائی، اس میں شیعہ ممتحنین کو ملائکہ اور انبیاء و مرسلین کے ساتھ ملا کر ذکر کیا گیا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان میں وہی صلاحیتیں موجود ہیں، جو ان مقدس نورانی حضرات میں موجود ہیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ، حالانکہ یہ کھلی بے ادبی اور گستاخی ہے۔ نیز جب شیعانِ ائمہ کا حال یہ ہوا، تو ائمہ کرام کا کیا مقام ہو گا تو اس کا واضح مطلب یہ ہی نہ ہوا کہ ان کو الوہیت کا درجہ دیا جائے العیاذ باللہ تعالیٰ جیسے کہ غالی شیعوں کا یہی نظریہ اور عقیدہ ہے۔

۶۔ نیز اگر شیعہ ان کے ارشادات کو سمجھ سکتے تھے، تو پھر وہ درجن فرقوں میں کیوں بٹ گئے اور سر گمراہی اور بے دینی ان میں کیونکر موجود ہو گئی؟ ائمہ کرام کے حق میں الوہیت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حلول و اتحاد، نبوت و رسالت کا اعتقاد، حشر نشر کا انکار، شرعی تکالیف کو کالعدم قرار دے کر نماز و روزہ اور حج و زکوٰۃ کی چھٹی، حرام اور ناجائز امور زنا اور طوالت وغیرہ کو مباح اور حلال قرار دینا وغیرہ کیا یہ انہیں احادیث اور ائمہ کرام کے کلام کا اعجاز تو نہیں جس کو حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین قدس سرہ جیسے سُنی نہیں سمجھ سکتے تھے تو ایسی احادیثِ مبارکہ اور ایسے ارشادات کا فائدہ کیا ہوا جن سے صرف شیعہ بھی ہدایت نہ پا سکے، باقی اہلِ اسلام کا تو کیا کہنا؟ لہٰذا یہ روایت قطعاً غلط ہے اور ناقابلِ اعتبار و اعتداد اور ایسے صرف اور صرف ملحد اور زندیق لوگوں نے اختراع کیا ہے اور جب علامہ ڈھکو صاحب کے دعویٰ کی بنیاد ہی منہدم ہو گئی تو اس پر مترتب اور متفرع نتیجہ و ثمرہ بھی خود بخود باطل ہو گیا کہ ائمہ کی حدیث کا مطلب سمجھنا پیر صاحب کے مقدر میں کہاں؟

جواب الثانی ، دوسرے جواب میں ڈھکو صاحب نے یہ بھی تسلیم کیا کہ نمازِ جنازہ منافقین پر پڑھنے کی ممنوعیت کا حکم جب تک نازل نہیں ہوا تھا، تو آپ ہر نمازِ جنازہ میں پانچ تکبیریں کہتے تھے اور ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کر لیا کہ جب ممنوعیت کا حکم نازل ہو گیا تو آپ نے منافقین پر نمازِ جنازہ میں چار تکبیریں کہنی شروع کر دیں اور جس پر بھی آپ چار تکبیرات پڑھتے تھے، اس کو نفاق سے متہم سمجھا جاتا تھا۔

عند الشیعہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت حکمِ باری تعالیٰ

تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے منافقین پر نمازِ جنازہ سے منع فرمایا مگر حضور نبی کریم نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو نہ مانا اور اس کی منع کو لائقِ التفات اور قابلِ عمل نہ سمجھتے ہوئے نمازِ جنازہ ان پر پڑھتے رہے۔ صرف ایک تکبیر کم کر دی ؎

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ۔ ان منافقین میں سے کسی پر بھی نمازِ جنازہ کبھی نہ پڑھیں اور نہ ہی اس کی قبر پر کھڑے ہوں — اس کا یہ ترجمہ کرنا کہ آپ ان پر

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

پانچویں تکبیر نہیں کس لغت اور کس بولی کا ترجمہ ہے اور اس آیتِ کریمہ کے کون سے لفظ سے یہ ترجمہ اخذ کیا گیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ ڈھکو صاحب نے اپنے فاسد مذہب کو بچانے کی مذموم کوشش کرتے ہوئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی خداوند تعالیٰ اور قرآن مجید کا مخالف بنا ڈالا ہے، اس سے بھی بڑھ کر مذہبی تعصب کی کوئی مثال مل سکتی ہے۔؟

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا منافقین پر نمازِ جنازہ نہ پڑھنا

الغرض یہ امر تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ اس آیتِ کریمہ کے نزول کے بعد آپ منافقین پر نمازِ جنازہ پڑھتے ہی نہیں تھے، بلکہ صرف مومنین پر پڑھتے تھے اور اس حقیقت کا اقرار و اعتراف خود شیعی اکابرین نے بھی کیا ہے۔ علامہ طبرسی اپنی تفسیر مجمع البیان جلد ۳ ص ۵۷ پر رقمطراز ہے۔ فَمَا صَلَّى بَعْدَ ذَالِكَ عَلٰى مُنَافِقٍ حَتّٰى قُبِضَ یعنی اس آیتِ کریمہ کے نازل ہونے کے بعد آپ نے تادمِ واپسیں کسی منافق پر نمازِ جنازہ نہیں پڑھی اور علامہ فتح اللہ کاشانی نے تفسیر منہج الصادقین جلد ۴ ص ۲۹۸ پر کہا، وبعد ازاں آنحضرت برہیچ منافق نمازِ جنازہ نگذارد۔ لہٰذا واضح ہوگیا کہ یہ دعویٰ سراسر غلط ہے کہ آپ منافقین پر نمازِ جنازہ پڑھتے رہے۔ صرف ایک تکبیر کم کر دی۔ یہ شیعی علماء مفسرین کی تصریحات کے بھی خلاف ہے، اور عظمتِ نبوت کے بھی خلاف ہے کہ آپ حکمِ خداوندی کو پس پشت ڈالیں اور اسے نظر انداز کریں تو لامحالہ یہی تسلیم کرنا پڑے گا کہ نمازِ جنازہ میں اگر پہلے پانچ تکبیرات تھیں، تو بعد ازاں چار رکھی گئیں اور منافقین پر سرے سے نماز پڑھنی ہی ترک کر دی گئی تھی اور جو کچھ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے فرمایا، وہ بالکل واضح طور پر ثابت ہوگیا اور علامہ ڈھکو صاحب نے جو کچھ کہا اس کا دروغ بے فروغ ہونا واضح ہوگیا۔ پہلے شیعہ بھی جھوٹ تو بولتے تھے مگر موہوم خطرات کے تحت لطور تقیہ، مگر آجکل تو انہیں کوئی ایسا خطرہ بھی لاحق نہیں لیکن جھوٹ بولنے سے باز نہیں

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

آتے، تو معلوم ہوا کہ کذب، افترا اور دروغ بیانی اُن کی فطرت میں داخل ہو چکے ہیں اور پہاڑ کا اپنی جگہ سے ٹل جانا ممکن ہے، مگر فطرت کے تقاضوں کا بدلنا ناممکن ہے۔

سوال، ہو سکتا ہے کہ آیتِ کریمہ سے جس امر کی ممنوعیت ثابت ہو رہی ہو وہ چوتھی تکبیر کے بعد والی خصوصی دعا ہو، لہٰذا اس آیتِ کریمہ میں گویا نمازِ جنازہ سے منع نہیں کیا گیا تھا اور آپ نے چوتھی تکبیر کے بعد دعا مانگنی بھی ترک فرما دی اور پانچویں تکبیر بھی، لہٰذا منافقین پر نمازِ جنازہ پڑھنے سے قرآن مجید کی مخالفت لازم نہ آئی اور چار تکبیریں بھی صرف منافقین کے ساتھ مخصوص ہو گئیں۔؟

جوابِ اوّل: قرآن و حدیث کے الفاظ کو جب تک شرعی معانی پر محمول کرنا ممکن ہو اور کوئی قطعی صارف اور مانع موجود نہ ہو تو اس وقت تک انہیں دیگر معانی لغویہ وغیرہ پر محمول کرنا قطعاً درست نہیں ہوتا اور صلوٰۃ کا لفظ شرعی اطلاقات میں نماز کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے، لہٰذا ممنوعہ صلوٰۃ بمعنی نماز ہو گی نہ کہ بمعنی دعا ورنہ کوئی شخص اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وغیرہ میں بھی کہہ سکتا ہے کہ یہاں بھی صرف دعا والا معنی مراد ہے نہ کہ ارکانِ مخصوصہ پر مشتمل نماز والا معنی تو اس طرح لغوی معانی کی آڑ میں احکامِ شرع کو ہی باطل ٹھہرانے کی راہ کھل جائے گی۔

جوابِ دوم، اس امر پر تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ آیتِ کریمہ عبداللہ بن ابی منافق کی نمازِ جنازہ کے حق میں نازل ہوئی اور اس کی قبر پر کھڑے ہو کر دعا کرنے کے حق میں نازل ہوئی، لہٰذا اس پس منظر میں بھی یہ توجیہ و تاویل قطعاً بے محل ہے بلکہ تحریفِ معنوی کے مترادف ہے۔ علامہ فتح اللہ کاشانی نے اپنی تفسیر "منہج الصادقین" میں اسی سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا، متبادر بفہم از صلوٰۃ بر میت نماز است بطریق مذکور پس محمول برآں باشد (ج ۴، ص ۲۹۹) میت پر صلوٰۃ سے متبادر طور پر ذہن میں جو معنی آتا ہے وہ ہے نمازِ معہود اور معلوم طریقہ پر ادا کرنا۔

لہٰذا یہ آیتِ کریمہ اسی معروف معنی پر محمول ہو گی، لہٰذا وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ فرما کر منافقین پر نمازِ جنازہ پڑھنے سے روک دیا اور آپ کی عادتِ کریمہ یہ تھی کہ دفنِ میت کے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بعد قبر پر کھڑے ہو کر دعا فرماتے تھے تو وَلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ فرما کر منافقین کی قبروں پر کھڑے ہو کر دعا مانگنے سے منع فرما دیا۔ منہج الصادقین جلد چہارم ص۲۹۸ و مجمع البیان جلد ثالث ص۵۷) نهاه الله عن الصلوٰة علی المنافقین والوقوف علی قبورهم والدعاء لهم۔ الغرض جب مقصود باری تعالیٰ ہی دونوں امور سے منع فرمانا تھا، تو صلوٰۃ کو دعا کے معنی میں لینا اور پھر اس سے خاص چوتھی تکبیر کے بعد والی دعا مراد لینا جو نہ از روئے شرعی معنی متعین ہے اور نہ از روئے لغت ثابت ہے، لہٰذا یہ توجیہ لغو اور باطل ہے اور سراسر تحریف ہے اور خود علامہ ڈھکو صاحب نے بھی تسلیم کر لیا ہے کہ اس آیت کریمہ میں منافقین پر نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے، لہٰذا اس کی عبارت کی رو سے بھی یہ توجیہ باطل ہو گئی، تو ڈھکو صاحب کا موقف کیونکر درست ہو سکتا ہے؟

جواب سوم : اللہ تعالیٰ نے منافقین کے ساتھ جہاد کرنے اور ان پر تغلیظ و تشدید فرمانے کا حکم دیا ہے: يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

تو اس کے برعکس ان پر نماز جنازہ پڑھنا اس حکم کی صریح خلاف ورزی ہے جو کسی بھی مخلص مومن سے متوقع نہیں ہو سکتی، چہ جائیکہ سید انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا عملی طور پر سرزد ہونا تسلیم کیا جائے۔ لہٰذا یہاں نماز جنازہ اور دعا ہر دو کی ممنوعیت ثابت ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ جن منافقین کی مسجد میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز پڑھنا، بلکہ قدم رکھنا بھی اللہ تعالیٰ کو گوارا نہیں، بلکہ اس مسجد کو ہی نیست و نابود کر دیا گیا، تو مرنے کے بعد ان کے ساتھ اس عظیم مروت اور رواداری کا مظاہرہ کیونکر روا ہو سکتا ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ اس کو کیونکر گوارا فرما سکتا ہے؟

علامہ ڈھکو صاحب کی مخالفتِ اجماع

علامہ موصوف نے یہ تاثر دیا کہ منافقین پر نماز جنازہ کی صرف چار تکبیریں ہیں

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اور مومنین مخلصین کے لیے پانچ تکبیریں اور اسی کو سنت نبویہ قرار دیا ہے، لیکن یہ دعویٰ بھی شیعی اجماع و اتفاق کے خلاف ہے۔ علامہ فتح اللہ کاشانی نے کہا ہے:

نماز بر میت پنج تکبیر است بعد از تکبیر اول شہادتین است و بعد از دوم صلوات بر پیغمبر و آل او و بعد از سوم دعا اہل ایمان و بعد از چہارم دعا برائے میت اگر مومن باشد و بر او اگر منافق باشد و بدعائے مستضعفین اگر مستضعف باشد و روایت اہل بیت و اجماع ایشان دال است بریں (تفسیر منہج الصادقین، جلد چہارم صـ ۲۹۸)

میت پر نماز جنازہ کی پانچ تکبیریں ہی ہیں۔ پہلی کے بعد شہادت توحید و رسالت، دوسری کے بعد حضور نبی اکرم اور آل اطہار پر درود اور تیسری کے بعد اہل ایمان کے لیے دعا اور چوتھی کے بعد میت کے مومن ہونے کی صورت میں دعائے خیر اور منافق ہونے کی صورت میں دعائے ہلاکت اور دعائے عذاب و عقاب اور اگر مستضعف یعنی تابع ہو اور عقائد کے معاملہ میں تحقیق سے قاصر ہو، تو اس کے لیے مستضعف لوگوں والی دعا مانگی جائے گی۔ اہل بیت کی روایت اور ان کا اجماع اسی پر دلالت کرتا ہے۔

لہٰذا جو طریقہ ڈھکو صاحب نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا ہے، وہ اہل بیت کی روایت کے بھی خلاف ہوا اور ان کے اجماع کے بھی تو اہل بیت کرام نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر کیسے اتفاق کر لیا، لہٰذا صاف ظاہر کہ علامہ موصوف کا جواب غلط ہے اور محض ہیرا پھیری پر مبنی ہے۔ ایک طرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا مخالف بنا ڈالا اور دوسری طرف اہل بیت کرام کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا

اہل بیت کرام پر بہتانِ عظیم

اہل السنت اور اہل تشیع کی متفق علیہ روایت کے مطابق اہل بیت کرام اور قرآن مجید کا راستہ ایک ہے اور وہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے، لیکن شیعی علماء نے ان کی راہیں جدا جدا کر دی ہیں۔ قرآن مجید نے منافقین پر نماز جنازہ پڑھنے سے منع کیا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بلکہ ان کی قبور پر قدم رکھنے سے بھی منع کیا، بلکہ کفار کی مانند ان کے ساتھ جہاد کرنے اور تغلیظ و تشدید کرنے کا حکم دیا، لیکن شیعہ حضرات نے اہل بیت کرام کو منافقین کی نمازِ جنازہ پڑھنے پر متفق اور مجتمع کر دکھلایا اور وہ تفریق اور تمیز بھی روا نہ رکھی جو ڈھکو صاحب نے فروعِ کافی کی روایت سے گلو خلاصی کے لیے ایجاد کی تھی، جو قرآن مجید کی صریح خلاف ورزی ہے اور بقولِ ڈھکو صاحب سنتِ نبویہ کی بھی خلاف ورزی ہے۔ گویا اہل بیت کرام نے نہ صرف قرآن مجید کی خلاف ورزی کی، بلکہ سنتِ نبویہ کی بھی مخالفت کی، جو ان کی شان سے قطعاً بعید ہے۔

نیز اگر اہل بیت کرام منافق میت کے لیے عذاب و عقاب کی دعا کرتے تھے، تو لوگوں کو سنا کر یا دل ہی دل میں کرتے تھے۔ پہلی صورت تقیہ کے خلاف ہے اور میت کے ورثاء اس کو گوارا ہی کیسے کر سکتے تھے، تو لا محالہ مخفیہ طریقہ پر وہ بد دعا کرتے ہوں گے جس کے متعلق عام اہلِ اسلام کو معلوم ہی نہیں ہو سکتا ہوگا کہ دعائے خیر کی گئی ہے یا دعائے ہلاکت تو وہ یہی سمجھیں گے کہ میت مسلمان ہے اور اہل بیت کرام نے اس کے حق میں ہمدردی اور خیر خواہی کا مظاہرہ کیا ہے، تو اس طرح مخالفتِ قرآن مجید کے ساتھ عام اہلِ اسلام کو غلط فہمی میں مبتلا کرنا بھی لازم آ گیا۔ العیاذ باللہ!

الغرض علامہ ڈھکو صاحب کی ہر توجیہ و تاویل غلط ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیتِ کریمہ کے نزول کے بعد منافقین پر نمازِ جنازہ پڑھی ہی نہیں، لہٰذا یہ توجیہ غلط ہو گئی کہ آپ نے نزولِ آیت کے بعد ان پر چار تکبیرات کہنی شروع فرما دی تھیں اور یہ توجیہ بھی باطل ہو گئی کہ مومنین اور منافقین کی نمازِ جنازہ میں تکبیرات کے لحاظ سے فرق ہے، کیونکہ یہ اجماعِ اہل بیت کے خلاف ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ پہلے چار تکبیرات تھیں اور بعد میں پانچ کر دی گئیں، تو یہ توجیہ اس روایت کے سراسر خلاف ہے، کیونکہ اس میں پہلے پانچ تکبیرات کے معمول ہونے اور بعد ازاں ان کو چار سے بدلنے کی تصریح موجود ہے، لہٰذا یہ روایت علامہ ڈھکو صاحب اور دیگر علماء شیعہ کے لیے سانپ کے منہ میں چھچھوندر کی مانند ہے کہ نہ نگلتے بنے اور نہ اگلتے۔ انکار کریں تو

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حضرتِ مہدی علیہ السلام کی تصدیق باطل ہوتی ہے اور اقرار کریں تو مذہب باطل ہوتا ہے۔

صحیح توجیہ و تاویل

الحاصل اس روایت کی اگر کوئی صحیح توجیہ ہو سکتی ہے، تو وہ صرف اور صرف یہی ہے کہ پہلے ہر میت پر نمازِ جنازہ میں پانچ تکبیریں کہی جاتی تھیں، بعدازاں ان کو چار کر دیا گیا اور منافقین پر نمازِ جنازہ اور دُعا ختم کر دی گئی، رہا مناسبت کا معاملہ تو جب پانچ تھیں تو پانچ نمازوں والی مناسبت ملحوظ تھی اور جب چار ہو گئیں، تو دوسری مناسبات کو ملحوظ رکھ لیا جائیگا مثلاً ملائکہ مقربین کا چار ہونا اور بڑی کتب سماویہ کا چار ہونا وغیرہ۔ نیز علامہ صاحب نے عنوان کی جو آڑ لی ہے کہ اس میں پانچ تکبیروں کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ نمازیں پانچ ہیں، لہذا ہر نماز کے مقابل ایک تکبیر رکھ دی گئی، تو منافقوں پر چار تکبیریں کہنے کی صورت میں وہ مناسبت بھی باقی نہ رہی، لہذا یہ روایت اس عنوان کے بھی خلاف ہو گئی اور اگر ان کی نمازوں کا اعتبار ہے، تو وہ بھی پانچ ہی پڑھا کرتے تھے نہ کہ چار، پھر ان پر چار تکبیریں کہنے کی وجہ کیا ہوتی؟ لہذا جو کچھ شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز نے فرمایا، اس کے تسلیم کیے بغیر چارۂ کار نہیں ہے اور یہ بھی تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ روایاتِ اہلِ بیت کا صحیح معنی و مفہوم سمجھنا اہلِ تشیع کے بس کی بات نہیں، بلکہ اس کو صرف اور صرف اہل بیت کرام کے ہی غلام ہی سمجھ سکتے ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے چار تکبیرات کو نافذ کرنے کا مطلب

شیعی علماء کا یہ دعویٰ کہ نمازِ جنازہ کی چار تکبیرات کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جاری فرمایا، یہ سراسر غلط ہے اور دھوکہ بازی اور فریب کاری ہے۔ علامہ ڈھکو صاحب نے اس ضمن میں تاریخ الخلفاء کا حوالہ دیا ہے، گو اس عبارت میں اجمال ہے لیکن مطلب و مفہوم پھر بھی ظاہر ہے اَوَّلُ مَنْ جَمَعَ النَّاسَ فِی صَلٰوۃِ الْجَنَازَۃِ عَلٰی اَرْبَعِ تَکْبِیْرَاتٍ (ص ۹۷) یعنی آپ پہلے شخص ہیں، جنہوں نے لوگوں کو نمازِ جنازہ میں چار تکبیرات پر جمع کیا اور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

متفق کیا نہ کہ پہلے شخص ہیں، جنھوں نے چار تکبیرات کو جاری کیا: اَوَّلُ مَنْ جَمَعَ اور اَوَّلُ مَنْ سَنَّ میں فرق واضح ہے، لیکن اگر تعصب کا کالا موتیا وہ فرق محسوس نہ ہونے دے تو اس کا کیا علاج ہے۔ خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے چار تکبیر پڑھنا ثابت ہے جیسے کہ بخاری شریف اور مسلم شریف میں متفق علیہ روایت ہے کہ بادشاہِ حبشہ کی وفات پر آنحضرت کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ ادا فرمائی اور اس پر چار تکبیرات کہیں خرج بھم الی المصلی فصف بھم وکبر اربع تکبیرات (مشکوٰۃ باب المشی بالجنازۃ والصلوٰۃ علیہا۔

اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ نمازِ جنازہ میں چار تکبیرات پڑھتے تھے اور بعض دفعہ پانچ پڑھتے تھے۔ جب وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پانچ تکبیریں بھی کہتے تھے، لہٰذا جب روایات مختلف ہوگئیں اور عملِ صحابہ بھی مختلف ہوگیا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، تم اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہو اگر تم ہی متفق نہ ہوئے تو بعد والوں میں اتفاق کس طرح ہو سکے گا، لہٰذا باہم مل کر بیٹھو اور صلاح و مشورہ کر کے ایک صورت اور کیفیت پر اتفاق کر لو، چنانچہ آپ کی دعوت پر سب صحابہ نے مل کر فیصلہ دیا کہ آخری فعل حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی تھا یعنی چار تکبیرات والا اس لیے حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اسی کو نافذ فرمایا۔
شیخ عبدالحق محدثِ دہلوی رحمہ اللہ نے شرح سفر السعادۃ میں اس صورتِ حال اور واقعہ کو نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

باید کہ اتفاق و اجماع کنید بر یک عمل تا دیگراں نیز متفق و مجتمع باشند۔ پس نظر بر گماشتند اصحاب کہ دریابند کہ در آخر جنازہ کہ آنحضرت تکبیر گفت چند بود، پس دریافتند آخر چہار بود پس اجماع کردند برآں (ص ۲۶۳)

اور حضرت شیخ محقق نے ہی چار تکبیروں کی وجہ ترجیح بیان کرتے ہوئے فرمایا:
وکسانے کہ منع میکنند از زیادہ بر چہار می گویند کہ ثابت شدہ است کہ آخر نماز جنازہ کہ گزارد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم چہار تکبیر گفت از ابن عباس مرویست کہ ملائکہ چوں بر آدم

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نماز کردند چہار تکبیر گفتند وگفتند ہذہ سنتکم یا بنی آدم (رواہ الحاکم فی المستدرک وابونعیم فی الحلیۃ والبیہقی فی السنن، شرح سفر السعادۃ ص۲۶۳ و ص۲۶۴) خلاصہ مفہوم یہ کہ نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل بھی یہی تھا اور اول الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء پر پڑھی جانے والی نمازِ جنازہ کی صورت وکیفیت بھی یہی تھی جو ملائکہ معصومین نے پڑھی اور اس کے اولادِ آدم کے لیے سنت ہونے کا بھی قول کیا۔

الغرض حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے چار تکبیرات نافذ نہیں کی تھیں بلکہ جو نبی الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آخری عمل تھا اور جن سے آغاز نمازِ جنازہ کا ہوا تھا، گویا آپ اولادِ آدم کو سیدِ آدم و بنی آدم علیہ السلام کی سُنت پر چلانا چاہتے تھے اور اس قدیم سنت پر جو آدم علیہ السلام کے وصال سے شروع ہوئی تھی، مگر شیعہ حضرات کو یہ پسند نہیں، لہٰذا حضرتِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی داد و تحسین اور شکرگزاری کی بجائے ان کو الٹا موردِ الزام واتہام بنا لیا سچ ہے ؎

مہ فشاند نور و سگ عوعو کند

اور فروعِ کافی کی وہ روایت جو حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز نے نقل فرمائی وہ بھی حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ کے اس عمل اور مذہبِ مختار کی مؤید ہے، کیونکہ منافقین پر نمازِ جنازہ ہی ممنوع ٹھہری، تو پھر چار تکبیریں اہلِ ایمان کی نمازِ جنازہ میں ہی پڑھی جاتی تھیں نہ کہ منافقین کی نمازمیں اور پانچ تکبیریں اگر کہی جاتی تھیں، تو منافقین کی نمازِ جنازہ ممنوع ہونے سے قبل تو اب شیعہ حضرات کا اس عمل کو دوبارہ جاری کرنا کوئی اچھا شگون نہیں ہے مگر ؎

تہی دستانِ قسمت راچہ سود از رہبر کامل!
کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

حضرت علی مرتضیٰ اور دیگر ائمہ اہل بیت کا طرزِ عمل کیا تھا؟

یہ حقیقت تو ناقابلِ تردید انکار ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں اہل ایمان کا بالعموم اور اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بالخصوص چار تکبیرات پر

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اتفاق ہو گیا تھا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ائمہ کرام کا طرزِ عمل اور طریقہ کار کیا تھا۔ بقول ڈھکو صاحب کے وہ اہلِ ایمان پر پانچ تکبیریں کہتے تھے اور منافقین پر چار جیسے کہ عملِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نقل کرنے سے واضح ہوتا ہے یا بقول علامہ کاشانی ہر میت پر پانچ تکبیرات کہتے تھے، لیکن یہ دونوں باتیں غلط ہیں اور نہ صرف واقع اور نفس الامر حقیقت کے خلاف ہیں، بلکہ شیعی تصریحات کے بھی خلاف ہیں۔ کتاب الروضہ کافی سے نقل کردہ روایت میں ڈھکو صاحب اور اس کے طبیب خاص نے جن احکام کی طویل فہرست گنوائی ہے جن کو حضرت امیر رضی اللہ عنہ غلط سمجھتے تھے، مگر لشکر کے جدا ہو جانے اور آپ کے تنہا رہ جانے کے اندیشہ کے تحت اور تقیہ کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ تبدیل نہ کر سکے۔ ان اٹھائیس احکام میں سے سترھواں حکم یہ ہے کہ آپ جنازہ پر پانچ تکبیر کو جاری نہ کر سکے اور زندگی بھر اسی طرزِ عمل اور روش و رفتار کو اپنائے رہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جاری کی تھی، تو جب حکومت و سلطنت مل جانے کے باوجود حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا عمل یہی رہا تو دوسرے ائمہ اہلِ بیت جن کے ہاتھ میں حکومت و سلطنت ہی نہیں تھی اور وہ لَا فَتٰی اِلَّا عَلِیٌّ لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفَقَار اور اَسَدُ اللّٰہِ الْغَالِب کی شان بھی نہیں رکھتے تھے، ان سے کیسے توقع کی جا سکتی تھی کہ وہ اس کا خلاف کرتے جبکہ نمازِ جنازہ پڑھانے والے بھی امراء اور حکامِ وقت ہی ہوا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ بھی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی بجائے مروان نے پڑھائی تھی تو اہلِ بیت کرام کا فتویٰ یا عمل چار تکبیرات کے خلاف کیونکر ہو سکتا تھا، لہٰذا یہ حقیقت تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جب بھی نمازِ جنازہ پڑھائی تو چار تکبیرات والی نماز ہی پڑھائی، لہٰذا اس کیفیت پر اصحابِ رسول، اہلِ بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر اہلِ اسلام کا اجماع و اتفاق ثابت ہو گیا اور ان میں باہم عملی موافقت و مطابقت، اب ڈھکو صاحب ہی فرما دیں کہ کیا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ساکھ گرتی نظر آتی ہے اور اس کو کسی سہارا کی ضرورت رہ جاتی ہے، جبکہ اہلِ بیت کرام اور علی الخصوص ائمہ کرام سبھی عملی طور پر ان کے موافق ہیں۔ ہاں اگر ساکھ گرانے کی ناپاک سعی و کوشش کی گئی ہے تو

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اہلِ تشیع کی طرف سے ان مقتدایانِ انام اور ائمہ کرام کی جن کو ما فی الضمیر کے اظہار سے بھی اور اس کے مطابق عمل سے بھی عاجز اور قاصر ثابت کیا گیا ہے اور صرف از روئے تقیہ اور مصلحت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نقشِ قدم پر چلتے دکھایا گیا ہے۔ کچھ بھی ہو، ان کا ظاہری عمل تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے موافق تھا۔ اگر سب اہلِ اسلام کے خلاف چلے اور ان سے مختلف طرزِ عمل اپنائی اور منافقین کی نماز جنازہ کی ممنوعیت سے پہلے کی صورت اپنائی تو اہلِ تشیع نے جو سراسر منشی قضا و قدر کی تحریر کا اعجاز ہے اور تقدیر کے تدبیر سے نہ بدل سکنے کی روشن دلیل۔ کما قال شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز

والحمد للہ علی وضوح الحق وبطلان الباطل ون هوقه۔

رسالہ مذہبِ شیعہ — حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز

ائمہ اہل بیت کرام کا اپنی اولاد و امجاد کے نام خلفاء راشدین کے مقدس ناموں پر رکھنا

یہ بات بھی غور طلب ہے کہ ائمہ معصومین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اپنے فرزندوں اور دل بندوں کے نام مبارک ابوبکر، عمر اور عثمان رکھے اور اہلِ تشیع کی تقریباً ہر کتاب میں جہاں بھی ائمہ معصومین کی اولادِ معصومین کا بیان اور ان کے اسماء گرامی کا ذکر آتا ہے، یہ حقیقت واضح ہوتی ہے۔ جلاء العیون مصنفہ باقر مجلسی میں بالتصریح موجود ہے اور کشف الغمہ ص ۱۳۲ و ص ۲۲۴ پر حضرت سیدنا امام عالی مقام علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے ایک صاحبزادے کا نام مبارک ابوبکر، دوسرے کا نام مبارک عمر اور تیسرے کا نامِ مبارک عثمان مرقوم ہے اور یہ بھی تصریح ہے کہ تینوں حضرات اپنے بھائی کے ساتھ میدانِ کربلا میں شہید ہوئے۔ جلاء العیون میں ہے کہ حضرت امام عالی مقام شہید کربلا رضی اللہ عنہ کے ایک فرزند کا نام عمر تھا جو علی اکبر کے نام سے مشہور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تھے۔ (کشف الغمہ ص ۱۷۱) امام عالی مقام سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے ایک صاحبزادے کا نام مبارک ابوبکر، دوسرے کا نامِ مبارک عمر تھا۔ کشف الغمہ ص ۲ میں امام عالی مقام سیدنا علی بن حسین زین العابدین رضی اللہ عنہما کے ایک صاحبزادے صاحب کا نامِ مبارک عمر تھا۔ کشف الغمہ پر امام عالی مقام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کے ایک صاحبزادے کا نامِ مبارک ابوبکر اور دوسرے کا نامِ مبارک عمر تھا۔

وقت تحریر چونکہ میرے پاس جلاء العیون" موجود نہیں، ورنہ اس کے صفحات بھی درج کرتا صفحات یاد نہیں علماء حضرات کتاب دیکھ کر صفحات لگالیں۔ کتاب ناسخ التواریخ میں ہر ایک امام کے فرزندوں کے نام اور ان کے فرزندوں کے فرزندوں کے نام، حتیٰ کہ کئی پشتوں تک ابوبکر، عمر اور عثمان ہیں۔ اب جن مقدس ہستیوں نے اپنے دلبندوں کے نام ابوبکر و عمر اور عثمان رکھے تھے۔ بہرصورت وہی ہستیاں ہیں، ان کے مراتب اور فضائل سے زیادہ واقف ہو سکتی ہیں نہ کہ ساڑھے تیرہ سو سال کے بعد آنے والے لوگ۔ اگر گستاخی نہ ہو تو ایسے لوگ جو قرآنِ کریم کی کسی آیت کا صحیح ترجمہ کرنا تو بجائے خود صحیح تلاوت کرنے سے بھی نابلد ہیں۔ علومِ عربیہ پر مہارت تو بڑی چیز ہے نام کے واقف بھی نہیں، تو ایسے لوگوں کو یہ حق کہاں سے پہنچتا ہے کہ ائمہ دین کے واضح طرزِ عمل کے خلاف، اور ان تصریحات کے مناقض اور برعکس خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ارفع و اعلیٰ شان کے متعلق کوئی نظریہ قائم کریں اور اسی من گھڑت عقیدہ کے ماتحت اللہ تعالیٰ کے مقبولانِ بارگاہ کے نام لے کر ان کے حق میں سب و شتم کو عبادت تصور کریں۔

اتنا تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اپنی اولاد کا نام بہتر سے بہتر رکھا جاتا ہے، آئندہ اولاد کی قسمت، نام رکھنے میں تو ایک غریب سے غریب آدمی بھی اپنے بچے کا نام شاہجہان رکھنا ہی پسند کرتا ہے، مگر یہ کبھی نہیں دیکھا کہ کسی نے بھی اپنے فرزند دلبند کا نام ایسا رکھا ہو جس کو وہ برا مانتا ہے۔ مثال کے طور پر کوئی بڑے سے بڑا محب اپنے لڑکے کا نام ابن زیاد یا ابن سعد یا شمر یا یزید نہیں رکھ سکتا تو تمام ائمہ کرام اپنے فرزندوں اور امام زادوں کے نام ایسے کیونکر رکھ سکتے تھے، جن کو وہ اچھا نہ جانتے ہوں معلوم

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

سوا کہ ان کے نزدیک ابوبکر، عمر اور عثمان انتہا درجہ فضل و کمال، تقدس اور رفعتِ شان پر فائز ہستیاں تھیں، جیسے کہ پہلے اوراق میں ائمہ معصومین کی تصریحات پیش کر چکا ہوں۔ اگرچہ اہلِ عقل کے نزدیک ائمہ معصومین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اپنے فرزندوں کے نام ان مقدس ہستیوں کے نام پر رکھنا ان کے علوِ مرتبت اور رفعتِ شان کے لیے بڑی زبردست دلیل ہو سکتی ہے، مگر ہم یہ بتائے دیتے ہیں کہ اہلِ تشیع کی معتبر ترین کتابوں میں یہ تصریح موجود ہے کہ ائمہ طاہرین کے نزدیک کسی ایسے آدمی کا نام اپنی اولاد کے لیے تجویز کرنا جس پر اللہ تعالیٰ خوش نہ ہو، یہ ہرگز جائز نہیں، مثال کے طور پر دیکھو کشف الغمہ صفحہ ۲۴۴ جہاں امام ابوالحسن موسیٰ کاظم اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہما دونوں اپنے ایک شیعہ یعقوب سراج کو حکم دے رہے ہیں کہ کل جو تو نے اپنی لڑکی کا نام رکھا ہے، جلد اس کو بدل دو، کیونکہ یہ ایسے شخص کا نام ہے جس پر خدا تعالیٰ خوش نہیں ہے۔ تو جو دوسروں کی اولاد کا نام بدلنے کا حکم دے رہے ہیں، وہ اپنے فرزندوں کے نام ایسے کیونکر تجویز کر سکتے ہیں جو اللہ کے پیارے نہیں اور جن کو بہتر نہیں جانتے تھے۔

مخالفین کے اسماء سے موسوم لوگوں کے ساتھ شیعہ کا سلوک

کئی دوستوں نے ایک عجیب لطیفہ سنایا کہ شہر سرگودھا میں آنکھوں کے ایک ڈاکٹر ہیں، جن کے پاس جب بھی کوئی ایسا مریض جاتا ہے جس کا نام صدیق یا عمر یا عثمان ہو تو پہلے تو زیرِ علاج رکھنے سے ہی انکار کر دیتے ہیں اور اگر کوئی ناقابلِ رد سفارش لے جاتا ہے تو پھر اس غریب کو ہمیشہ کے لیے آنکھ کے مرض سے بے نیاز کر دیتے۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس قسم کے آئی سپیشلسٹ محبِ ائمہ معصومین کے زمانہ میں علاج کی خدمات پیش نہ کر سکے، ورنہ ان نورِ دیدۂ ائمہ کے ساتھ بھی یہی سلوک ناگزیر تھا، جونہی وہ مقدس ہستیاں اپنا مقدس نام ابوبکر یا عمر یا عثمان بتاتے، ادھر سے دستِ محبت، شانِ محبت کا مظاہرہ کر گزرتا ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ایسے ڈاکٹر صاحب کا یہ نظریہ بھی خارج از حکمت نہیں، کیونکہ ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کو آنکھ کے ساتھ نسبت کا ملہ جز ہے۔ دیکھئے اہل تشیع کی معتبر ترین کتاب معانی الاخبار مطبوعہ ایران ص۱۱۰ جہاں امام عالی مقام حضرت حسن رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابوبکر میری آنکھ ہیں، عمر میری گوشِ مبارک اور عثمان میرا دل منور ہے۔ تفسیر امام حسن عسکری، مطبوعہ ایران ص۱۶۴ و ص۱۶۵ کہ جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ابوبکر بمنزلہ میری آنکھ کے ہے، تو ایسی صورت میں محبت و تولّیٰ کا سارا مظاہرہ آنکھ ہی کے متعلق پیش کرنا زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ حضرات انتہائی تعجب ہوتا ہے کہ جو لوگ اپنے روزمرہ مشغلہ کے متعلق بھی تاریخ سے اس قدر بے خبر ہیں کہ ان کو ائمہ معصومین کے نام تک معلوم نہیں اُن کے واضح ترین طرزِ حیات و تصریحات اور لائحہ عمل تو درکنار محض جہالت پر مبنی ایک خود ساختہ دھرم پر کیوں اُتر آتے ہیں؟

چونکہ صاحبِ کشف الغمہ نے اہل السنّت والجماعت کے متعلق بڑے شدومد کے ساتھ اتہام باندھا تھا کہ وہ ائمہ معصومین کی روایات کو نہیں مانتے۔ اسی خوف سے میں نے اہلِ تشیع کی معتبر ترین کتابیں حاصل کیں اور ان سے صرف وہی روایات جو ائمہ طاہرین معصومین سے مروی ہیں، اور جن سے متعلق یقین کامل ہے کہ محبت و تولّیٰ کا دم بھرنے والے ایسی روایات کو سر آنکھوں پر رکھیں گے اور دیکھتے ہی ایمان لائیں گے۔ اہلِ عقل و انصاف کی خدمت میں پیش کی ہیں۔ یہ رسالہ گویا کلمۂ باقیہ ہے۔ اللہ کریم منظور و مقبول فرمائے اور اپنے مقبولانِ بارگاہ کے طفیل اہلِ انصاف اور اربابِ دانش کو اس کے ذریعے ہدایت بخشے اور مجھ غریب کو جزائے خیر سے نوازے آمین ثم آمین!

وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ۝
وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ۝

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

رسالہ تنزیہہ الامامیہ — علامہ محمد حسین ڈھکو صاحب

بعض ناموں کی بحث

پیر صاحب سیالوی نے لگے ہاتھوں وہ عامیانہ، فرسودہ اور سینکڑوں بار کا مردود اعتراض بھی جڑ ہی دیا کہ ائمہ معصومین نے اپنے فرزندوں کے نام ابوبکر، عمر اور عثمان رکھے (تا) بھلا ان اللہ کے بندوں کو کون سمجھائے کہ ناموں میں کیا رکھا ہے، مطلب مسمّٰی سے ہے نہ کہ اسم سے ؎

الفاظ کے پیچوں میں اُلجھتے نہیں دانا!
غوّاص کو گوہر کی طلب ہے، نہ صدف کی

۱۔ یہ محض تنگ نظر مُلاؤں یا جاہل عوام کا خیال ہے کہ جس شخص سے کوئی کدوکاوش ہو، اس کے نام پر نام نہیں رکھنا چاہیے۔ ہادیانِ خلائق ان کی طرح تنگ نظر نہیں ہوتے۔

۲۔ بفرضِ تسلیم اس امر کی کیا دلیل ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اصحاب ثلاثہ کو ہی پیشِ نظر رکھ کر اپنے صاحبزادوں کے نام تجویز فرمائے ہوں۔ آپ کے بعض مخلصین اور بعض اجداد کے نام بھی اسی طرح تھے۔

۳۔ اہل السنّت کے کئی اعاظم علماء اور اکابرین کے نام عبدالرحمٰن اور یزید ہیں جیسے محمد بن جریر بن یزید طبری، تو کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اہل السنّت کو قاتلانِ ائمہ سے محبت ہے جو جواب تمہارا، وہی جواب ہمارا۔ (ص ۱۶۶ تا ۱۶۸)

تحفہ حسینیہ، — از ابوالحسنات محمد اشرف السیالوی

ڈھکو صاحب کی ائمہ اہل بیت کے حق میں دریدہ دہنی

جواب الاوّل: علامہ صاحب نے اللہ تعالیٰ کے غضب و عقاب کے مستحق افراد

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے ناموں سے احتراز اور اجتناب کو تنگ نظر ملاؤں اور جاہل عوام کا خیال قرار دیا اور داناؤں اور غواصانِ بحرِ حقیقت و معانی کے اس نظریہ سے دُور ہونے کا دعویٰ کیا حالانکہ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے شیعی کتب کا حوالہ دیا اور ائمہ کرام کا فرمان نقل کیا تھا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کے نزدیک وہ دانائی سے محروم تھے اور ہادیانِ خلائق اور غواصانِ بحرِ حقیقت نہیں تھے، بلکہ جاہل عوام اور تنگ نظر ملاؤں میں داخل تھے۔ نعوذ باللہ منہ۔ کیا یہی شانِ تحقیق و تدقیق ہے جس کے تحت اس استدلال کو سینکڑوں بار کا مردود اشکال قرار دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ علامہ صاحب اب بھی اس کے تحقیقی اور واقعی جواب سے تہی دامن نظر آتے ہیں اور عاجز و بے بس۔ کیا صرف اسلاف کی تقلید میں تبرا کر دینا ہی جواب بن جاتا ہے؟ ڈھکو صاحب تمہارا فرض تھا کہ ان روایات اور حوالہ جات کا جواب دیتے اور ائمہ کرام کے حکم اور اس کی بنیاد اور دار و مدار کو سامنے رکھ کر اس روایت کی موزوں توجیہ و تاویل کرتے، مگر جناب نے روایت کے بارے میں اور امام ابوالحسن موسیٰ کاظم اور حضرتِ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہما کے حکم کو سُنا ان سنا اور دیکھا ان دیکھا کر کے صرف سوقیانہ اور جاہلانہ طریق کار اپنا لیا ہے اچھے نام رکھنا شرعاً لازم ہے اور بُرے ناموں سے احتراز ضروری ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے ناموں پر نام رکھنے کا یا ایسے نام رکھنے کا سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا اور اس کی ترغیب دی جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف عبدیت کی نسبت موجود ہو اور جس نام میں کوئی قباحت والا پہلو ہوتا، اس کو خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بدل دیتے تھے جیسے کہ کتبِ حدیث میں تصریح موجود ہے، تو ڈھکو صاحب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم اور طرزِ عمل پر بھی یہی پھبتی کسیں گے؟ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی یہی فتویٰ لگائیں گے جو انہوں نے ائمہ کرام پر لگایا ہے۔ اصل عبارت ملاحظہ کریں۔

عن یعقوب السراج قال دخلت علیٰ ابی عبد اللہ علیہ السلام وھو واقف علیٰ راس ابی الحسن موسٰی و ھو فی المھد فجعل

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

يساره طويلا فجلست حتى فرغ فقمت اليه فقال لى ادن من مولاك فسلم عليه فدنوت منه فسلمت عليه فرد علىّ السلام بلسان فصيح ثم قال لى اذهب فغير اسم ابنتك التى سميتها امس فانه اسم يبغضه الله وكانت ولدت لى ابنة سميتها بالحميراء فقال ابوعبدالله عليه السلام انته الى امره ترشد فغيرت اسمها (اصول کافی ص۱۹۲ ج۲ کشف الغمہ ص۲۲۱ ج۲ مطبع جدید۔ ارشاد مفید مع ترجمہ فارسی جلد ثانی ص۲۱۱ مناقب ابن شہر آشوب۔ جلد رابع ص۲۸۷)

ترجمہ: یعقوب سراج سے مروی ہے کہ میں حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا، جبکہ آپ اپنے صاحبزادے حضرت ابوالحسن موسیٰ کاظم کے سر پر کھڑے تھے اور وہ پنگھوڑے میں تھے۔ آپ بڑی دیر تک اُن کے ساتھ سرگوشی فرماتے رہے اور راز و نیاز کی باتیں کرتے رہے، تو میں (یہ صورتِ حال دیکھ کر ایک طرف بیٹھ گیا) یہاں تک کہ آپ فارغ ہو گئے تو میں اُٹھ کر آپ کے پاس گیا، تو آپ نے مجھے فرمایا کہ اپنے مولیٰ کے قریب جاؤ اور انہیں سلام پیش کرو۔ چنانچہ میں نے قریب جا کر سلام عرض کیا، تو آپ نے فصیح زبان کے ساتھ میرے سلام کا جواب دیا۔ پھر مجھے حکم فرمایا جا کر اپنی بیٹی کا وہ نام تبدیل کر دے جو تو نے کل رکھا ہے، کیونکہ وہ ایسا نام ہے، جس کو اللہ تعالیٰ مبغوض رکھتا اور ناپسند فرماتا ہے اور حقیقتِ حال یہ تھی کہ میری ایک بیٹی پیدا ہوئی تھی، جس کا نام میں نے (ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لقب کے مطابق) حمیرا رکھ دیا تھا (جب حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ عالمِ مہد میں رہتے ہوئے یہ حکم دے چکے) تو حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ان کے حکم پر ہی اکتفا کرو اور عمل کرو اور اسی کو حرفِ آخر سمجھو تو ہدایت پا جاؤ گے۔ چنانچہ میں نے اُس کا نام بدل دیا۔

تبصرہ: معتمد شیعی کتب میں مذکور و منقول اس صحیح ترین روایت سے یہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حقیقت واضح ہوگئی کہ ناموں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور ائمہ کرام نے بڑے ہو کر بھی انہیں نظر انداز نہیں کیا اور نہ عالمِ عہد اور شیر خوارگی میں، لہٰذا اس کو جاہل عوام اور تنگ نظر ملاؤں کا خیال قرار دینا ان دونوں ائمہ کی شان میں کھلی گستاخی اور بے ادبی ہے، بلکہ سب ائمہ کرام کی شان میں گستاخی ہے، کیونکہ علامہ ڈھکو صاحب کے دعویٰ کے مطابق ان میں سے جو ایک کا نظریہ ہے، وہی سب کا نظریہ ہے تو اس مسئلہ اور نظریہ پر بارہ ائمہ کرام کا اتفاق ثابت ہوگیا اور ظاہر ہے کہ ان کا راستہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے سے جدا اور مختلف نہیں ہو سکتا اور جو نظریہ اور عقیدہ اور روش و طرزِ عمل رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے، وہی اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ امر ہے اور اس کی مرضی و منشا تو گویا یہ ایسا نظریہ ہے، جس پر بارہ ائمہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خود اللہ تعالیٰ باہم متفق اور رضامند ہیں، تو اس کو جاہل عوام اور تنگ نظر مُلاؤں کا نظریہ اور عقیدہ قرار دینا اور حکماء و عقلاء کو اور ہادیانِ خلائق کو اس سے کوسوں دور قرار دینا اور غواصانِ بحرِ معانی کی سوچ کے منافی قرار دینا ائمہ کرام، رسولِ گرامی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اللہ تعالیٰ کے لیے ایسی گالی ہے، جو کوئی عام کافر بھی روا نہ رکھے گا۔

گلیمِ بختِ کسے کہ بافند سیاہ   بآبِ کوثر و تسنیم سفید نتواں کرد

یا تو ان مذہبی کتابوں کے متعلق تسلیم کرو کہ وہ کذب و افترا اور جھوٹ کے پلندے ہیں اور اگر روایت صحیح ہے تو پھر معقول جواب دو، صرف شاعری سے تو کام نہیں چل سکتا اور نہ ہی محض تبرا بازی سے خلاصی حاصل ہو سکتی ہے۔

تنبیہ: اس روایت کو ائمہ کرام کے دلائلِ امامت اور معجزات کے ضمن میں ذکر کیا گیا ہے کہ وہ بچپن اور عالمِ طفولیت و شیر خوارگی میں بھی اس قدر عالمِ غیب ہوتے ہیں اور شرعی احکام کے ماہر تو حضرت موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کے اس معجزہ اور دلیلِ امامت کو نظر انداز کرنا قطعاً ممکن نہیں، ورنہ ان کی امامت ہی ختم ہو کر رہ جائے گی۔ نیز منصبِ امامت سے قطع نظر اس عالم میں آپ کا یہ حکم دینا گویا تقاضائے فطرت ہے اور ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے بعد ازاں ماحول اور معاشرہ کی وجہ سے اس کے نظریات بدلتے ہیں، تو گویا تقاضائے فطرت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اسلام بھی یہی ہے اور معجزہ امامت کا بھی یہی حکم ہے اور یہی نظریہ و عقیدہ ہے تو اب شیعوں کے استدلال سے گھبرا کر اور خلفاء ثلاثہ کی عظمت کا سورج طلوع ہوتا دیکھ کر بصارت و بصیرت سے بیگانہ ہوتے ہوئے کہہ دینا یہ تو جاہل عوام کا خیال ہے اور تنگ نظر ماؤں کا اور یہ تو بے بصیرت اور عقل و حکمت سے عاری لوگوں کا عقیدہ و نظریہ ہے، تو یہ محض سینہ زوری ہے اور جواب سے عاجزی اور بے بسی کی منہ بولتی دلیل۔

جواب الثانی: ڈھکو صاحب فرماتے ہیں بغرض تسلیم اس امر کی کیا دلیل ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اصحاب ثلاثہ کو پیش نظر رکھ کر ہی اپنے صاحبزادوں کے نام تجویز فرمائے تھے الخ تو جواباً عرض ہے،

۱۔ شیعہ حضرات بھی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اس سنت پر عمل کرتے ہوئے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مخلصین یا آپ کے اجداد کے ناموں کی نیت پر ہی یہ نام رکھ لیں اور اگر ان کا سبائی مزاج اور زرتشتی طبیعت اس کو گوارا نہیں کر سکتی، تو لا محالہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ایسی تاویلات اور قلبی ارادے اور نیات اس طبعی غیظ و غضب کے سراسر منافی ہیں اور ایسے نام تجویز کرنا ایسی تاویل سے بھی شیعی شریعت میں روا نہیں ہو سکتا۔

۲۔ دیکھیے عبدالرحمٰن کے نام میں عبدیت کا اظہار بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت رحمٰن کی طرف اس میں اضافت بھی ہے اور ابن ملجم لعین کے علاوہ سینکڑوں حضرات کا یہ نام بھی تھا جو صحابہ رسول تھے یا اکابرین اسلام، لیکن عبداللہ مامقانی صاحب تنقیح المقال ج۲ ص۱۴۲ پر لکھتے ہیں، ان التسمیۃ بہ مکروھۃ۔ یہ نام رکھنا مکروہ اور ناپسندیدہ ہے۔ عبدالرحمٰن بن الحجاج مخلص شیعہ تھا لیکن امام ابوالحسن فرماتے ہیں، انہ لیثقل علی الفؤاد۔ یہ نام دل پر گراں گزرتا ہے اور ناقابل برداشت ہے، کیونکہ ابن ملجم کا نام یہی تھا جیسے کہ عبداللہ مامقانی صاحب نے وجہ ثقل میں اس توجیہ کا بھی ذکر کیا ہے۔

الغرض صاف ظاہر اور واضح ہو گیا کہ مخلصین و مقربین اس قسم کے ناموں والے ہوں پھر بھی نظر دشمن کی دشمنی پر رہتی ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

۳۔ جس شیعہ یعقوب سراج کو نام تبدیل کرنے کا حکم دیا تھا، تو اُس نے کب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لقب سے برکت حاصل کرنے کے لیے یہ نام رکھا ہوا تھا۔ اُس نے بھی لامحالہ کسی دوسری مناسبت کے ملحوظ رکھ کر یہ نام تجویز کیا ہوگا، مگر وہ عذر قابلِ قبول نہ رہا اور عالمِ طفولیت میں بھی امام کو یہ گوارا نہ ہوا، لہذا آپ نے اپنی نانی صاحبہ اور امّ المومنین والا نام فوراً بدلنے کا حکم دیا۔

۴۔ علاوہ ازیں جب معروف اسماء انہیں خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے تھے اور ان کی عظمتوں کے قصائد بھی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زبانی نہج البلاغہ، ابن میثم اور شافی وکافی وغیرہ سے ذکر ہو چکے، بالخصوص ان کا اس تمام امت سے افضل ہونا اور ان کے وصال کا اسلام کے لئے ناقابلِ تلافی نقصان ہونا اور ان کا حضور سرورِ عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے آنکھ، کان اور دلِ مقدس کی مانند ہونا، تو انہیں ناموں کے ساتھ اولادِ گرامی کو موسوم کرنا، ان سے محبت و تعلق کی دلیل ہے اور اولاد کے لئے نیک فال اور تبرک کی جب ظاہر حال کا مقتضیٰ یہی ہے اور اس سے عدول کی کوئی وجہ موجود نہیں، تو لامحالہ یہ تسلیم کرنا ضروری ٹھہرا کہ آپ نے خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے اسماء مقدسہ پر ہی اپنے فرزندوں کے یہ نام رکھے تھے اور ایسے ہی دیگر ائمہ کرام نے بھی۔

جواب الثالث: ڈھکو صاحب فرماتے ہیں: اہل السنت کے کئی اعاظم اور اکابر کے نام عبدالرحمن اور یزید ہیں تو کیا کہا جا سکتا ہے کہ اہل السنت کو فلاں فلاں ائمہ سے محبت ہے الخ۔ یہ جواب بھی بوجوہ بے موقعہ و بے محل اور لغو و باطل ہے۔

اوّل: آپ پر اپنا دامن صاف کرنا لازم ہے۔ آپ کے مذہب اور ائمہ کرام کی طرف منسوب روایت کے ساتھ استدلال کر کے حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز نے ثابت کیا کہ ان حضرات کا مقام و مرتبہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بلکہ اللہ تعالیٰ اور رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عظیم ہے۔ اس کا جواب تحقیقی انداز میں ملنا چاہیے تھا کہ روایت موضوع ہے یا کتاب ناقابلِ اعتبار ہے وغیرہ وغیرہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مگر افسوس کہ ڈھکو صاحب نے قطعاً کوئی ایسا اشارہ ہی نہیں دیا، بلکہ یہ بھی نہیں ظاہر ہونے دیا کہ ایسی کوئی روایت واقعی ان کی مستند کتب میں منقول ہے یا نہیں۔
اپنی اس قدر معتبر و مستند اور صحیح ترین کتاب میں حضرت ابوالحسن کے معجزہ اور کرامت کے طور پر مذکور روایت کا تحقیقی جواب دیئے بغیر الزامی جواب دینا قطعاً روا نہیں تھا الزامی اور جدلی انداز اس صورت میں درست ہوتا، جب ہماری مذہبی کتب میں بھی کوئی ایسی روایت موجود ہوتی اور جب نہیں ہے، تو پھر یہ جدل اور الزام سراسر لغو اور باطل ہو گیا

دوم: علامہ صاحب جواب میں اس قدر بوکھلا گئے ہیں کہ انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ اہل السنت کے اعاظم اور اکابر کے نام عبدالرحمٰن اور یزید ہیں اور نام گنواتے وقت محمد بن جریر بن یزید طبری کو ذکر کر دیا۔ اس مدہوش اور مخمور ڈھکو صاحب سے کوئی یہ پوچھے کہ یزید طبری اعاظم اور اکابر علماء اہل السنت سے ہے یا اس کا پوتا محمد طبری؟ آخر اتنی بوکھلاہٹ اور گھبراہٹ کیوں طاری ہو گئی کہ پوتے اور دادے میں فرق ہی نظر انداز ہو گیا اسی طرح جابر بن یزید کو بھی اس ضمن میں ذکر کر دیا ہے، حالانکہ یہ شخص شیعہ کا تقیہ باز محدث ہے اور یہاں بھی وہی خبط کار فرما ہے، محدث و عالم جابر جعفی ہے نہ کہ اس کا باپ یزید۔

سوم: ان ناموں کے تجویز کرتے والے ائمہ کرام نہیں تھے اور نہ اکابرین اہل بیت وہ تو عامی قسم کے لوگ تھے، ان کے اقدام کو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور دیگر ائمہ کرام کے تعامل سے کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ ان کا عمل غلط اور نامناسب بھی ہو سکتا ہے؟ تو اس کو بنیاد بنا کر حضرت امام جعفر صادق اور حضرت ابوالحسن موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حکم کو کیونکر نظر انداز کیا جا سکتا ہے؟ الغرض حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور دیگر ائمہ کرام کے تعامل کو اس روایت کے پس منظر میں دیکھیں، تو یقیناً ایسے ناموں کا ائمہ اہل بیت کی طرف سے رکھا جانا اور وہ بھی امام زادوں کے لئے تو یہ ان ناموں کے تقدس اور ان مقدس نام والوں کی عظمت خداداد کی بہت بڑی دلیل ہے اور اس کو فرسودہ اور سینکڑوں بار کا مردہ اشکال قرار دے دینا سراسر دھاندلی اور سینہ زوری ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ شیعی علماء کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں اور نہ ہو سکتا ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مزعوم مخالفوں کے اسماء کے ساتھ موسوم لوگوں کے ساتھ شیعہ کا سلوک

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز نے اس ضمن میں سرگودھا کے ایک ڈاکٹر صاحب کا واقعہ ذکر فرمایا تھا، جس کے جواب میں علامہ موصوف نے بڑا جارحانہ انداز اختیار کرتے ہوئے اس کی تردید کرنے کی ناکام کوشش فرمائی اور کہا:

تنزیہ الامامیہ — از علامہ محمد حسین ڈھکو صاحب

مؤلف کا لطیفہ یا کثیفہ

۱۔ ظاہر ہے کہ موصوف کا اشارہ شرافت پناہ ڈاکٹر سید حاذق شاہ کی طرف ہے اس کے جواب میں یہی کہا جا سکتا ہے: سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ۔

۲۔ ڈاکٹر صاحب کے ہاتھوں سے ہر مذہب اور ملت کے اور ہر نام کے لوگ شفا پاتے رہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے دیدہ سے شرم وحیاء کا آخری قطرہ بھی ڈھلک گیا ہے، جب ہی تو ان کو تہمت تراشی اور الزام سازی میں ذرا بھر جھجک محسوس نہیں ہوتی اور وہ بھی ان واجب الاکرام سادات کرام پر جن کے متعلق پیغمبر اسلام کا ارشاد ہے اکرموا اولادی الصالحون للہ والطالحون لی۔

۳۔ میں نے ڈاکٹر صاحب سے رابطہ پیدا کیا تو انھوں نے کہا پیر صاحب کو غلط فہمی ہوئی ہے، ہمنام تو کیا خود اصحاب ثلاثہ بھی میرے پاس بغرض علاج آئیں تو میں صحیح علاج میں بخل نہیں کروں گا۔

(رسالہ تنزیہ الامامیہ ص ۱۷۸ تا ص ۱۷۹)

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

عادتِ معروفہ کا انکار صرف تقیہ کے پردوں میں ہی ہو سکتا ہے

۱۔ علامہ صاحب نے اس کو لطیفہ یا کثیفہ سے تعبیر فرمایا اور بہتان عظیم قرار دیا اور ڈاکٹر تقی شاہ صاحب کے اپنے قول کا حوالہ بھی دیا، لیکن تقیہ شریفہ اگر ایسے مواقع پر کام نہ دے، تو پھر اس کے ایجاد کرنے کا مقصد ہی کیا ہو سکتا ہے اور اس کا فائدہ ہی کیا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ شیعی شریعت میں اپنے شیعوں سے بھی تقیہ اسی طرح لازم، جس طرح غیر شیعہ سے ضروری ہے جیسے کہ معروض خدمت ہو چکا کہ ائمہ کرام شیعہ کی محفل مخصوصہ میں اچھے بھلے نامی گرامی محدث کو رگید دیتے اور اسے یہود و مجوسی اور ارباب تثلیث سے بھی بدتر قرار دے دیتے تھے، حالانکہ بقولِ شیعہ قلبی طور پر انہیں رئیس المحدثین اور علومِ اہل بیت کے امین سمجھتے تھے۔ لہٰذا اگر علامہ ڈھکو صاحب ہم سے تقیہ کرتے ہیں اور حاذق تقی صاحب نے ان سے تقیہ کیا ہو تو اس میں اپنے مذہب اور دھرم کی رُو سے دونوں نے ثواب کمایا اور بلند درجہ پایا، مگر جن غریبوں کے تن بدن پر گزری ہے، آخر ان کی بات بھی تو نظر انداز نہیں کی جا سکتی اور حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز نے ایسے ستم رسیدہ لوگوں کا بیان بعض دوستوں کے حوالے سے نقل کیا تھا، لہٰذا اس میں آپ کی ذات کو موردِ الزام ٹھہرانے کا کیا جواز ہے؟ اور اس دریدہ دہنی کا کیا موقع و محل ہے؟

۲۔ علامہ صاحب اگر اس پر اعتبار نہیں کرتے، تو میں ان کو صدیوں پرانی کتابوں کے آئینہ میں ان کا اصلی چہرہ دکھلا دیتا ہوں اور اس امر کی وضاحت و صراحت دکھلا دیتا ہوں کہ اصحابِ ثلاثہ اور دیگر اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وعلیہم وسلم کے نام سُن کر وہ کس قدر بدحواس ہو جاتے تھے اور ان کا ردِ عمل کتنا شدید ہوتا تھا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

۱- ابن علقمی کا وظیفہ خوار اور بندہ درگاہ ابن ابی الحدید معتزلی شیعی اپنی معروف زمانہ شرح نہج البلاغہ میں رقمطراز ہے (ص ۳۷۱ ج ۱۹)

کان صاحب ربیع یتشیع فارتفع الیہ خصمان اسم احدھما علی واسم الاخر معاویۃ فانحنی علی معاویۃ فضربہ مائۃ سوط من غیر ان اتجھت علیہ حجۃ ففطن من این اتی فقال اصلحک اللہ سل خصمی عن کنیتہ فاذا ھو ابو عبد الرحمن وکانت کنیۃ معاویۃ بن ابی سفیان فبطحہ وضربہ مائۃ سوط فقال لصاحبہ ما اخذتہ منی بالاسم استرجعتہ منک بالکنیۃ۔ ترجمہ: ربیع وزیر شیعہ مذہب رکھتا تھا، اس کے پاس دو شخص اپنے جھگڑے میں فیصلہ کرانے کے لیے آئے، جن میں سے ایک کا نام علی اور دوسرے کا معاویہ تھا تو وزیر نے معاویہ کے خلاف شہادت اور ثبوت مہیا ہوئے بغیر ہی اس کو سو کوڑے لگا دیئے۔ جب اس کو یہ سمجھ آگئی کہ میرے ساتھ یہ نا روا اور غیر منصفانہ سلوک کیوں ہوا ہے، یعنی معاویہ نام کی وجہ سے، تو اس نے ربیع سے کہا میرے مدمقابل اور خصم کی کنیت تو دریافت کرو اور اس کی کنیت ابو عبد الرحمٰن تھی جو کہ امیر معاویہ کی کنیت تھی، تو اس نے اسے بھی زمین پر لٹا کر سو کوڑے لگا دیئے، تو معاویہ نام والے شخص نے دوسرے سے کہا جو کچھ تو نے مجھ سے میرے نام کی وجہ سے حاصل کیا تھا، وہ میں نے تیری کنیت کے ذریعے واپس لیا ہے فرمایئے ڈھکو صاحب: ناموں میں کچھ رکھا ہے یا نہیں؟ اور مخالفین کے نام سن کر آپ کے اسلاف کے ہوش و حواس اور عدالت و انصاف اور امانت و دیانت کس طرح رخصت ہو جاتے تھے اور مدعی، مدعا علیہ دونوں کو کس طرح غیظ و غضب کا نشانہ بناتے رہے ہیں۔

۲- قاضی نور اللہ شوستری صاحب نے مجالس المومنین میں ذکر کیا ہے،

در بعضے رسائل ملا عبید زاکانی مذکور است کہ شخصے دراز گوشے در کاشان بفروخت تمغاچی خواست کہ کاغذ تمغا نویسد پرسید کہ چہ نام داری؟ گفت ابوبکر گفت پدرت؟

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

گفت عمر، گفت جدت؟ گفت عثمان، تماچی متحیر و فرومانده شد و گفت چه نویسم، دلال گفت، گہی میخورد بنویس خداوند خر دیزہ الخ مجالس المومنین جلد اول ص ۸۷ و ص ۸۸)

یعنی ملا عبید زاکانی کے بعض رسائل میں مذکور ہے کہ ایک شخص نے کاشان میں ایک دراز گوش کو فروخت کیا۔ رسید لکھنے والے نے رسید لکھنا چاہی تو اس فروخت کنندہ سے نام دریافت کیا اُس نے کہا ابوبکر، اُس نے پوچھا تیرے باپ کا نام؟ تو اس نے کہا عمر! اُس نے پوچھا تیرے دادے کا نام؟ تو اُس نے کہا عثمان! تو سند راہداری لکھنے والا حیران اور ششدر رہ گیا اور لکھنے سے عاجز اور قاصر ہو کر کہنے لگا کیا لکھوں؟ دلال نے کہا تو بھی گھاس کھاتا ہے یوں لکھ دے خاکستری رنگ والے گدھے کا مالک۔

علامہ صاحب دیکھا آپ نے ان اسماء کی ہیبت و جلالت کہ سن کر ہی ہوش و خرد گم ہو جاتے ہیں اور عقل و فکر کام ہی نہیں کرتی تھی اور ہاتھ بھی لکھنے سے عاجز و قاصر ہو جاتے تھے، تو اندریں حالات اگر حاذق تقی صاحب کے ہاتھ ہی کام نہ کریں اور تحیر و فرو ماندگی غالب آجائے اور آپریشن خود بخود بلا قصد اور بلا ارادہ ہی ناکام ہو جائے، تو یہ امر بعید از قیاس نہیں اور اس کو ارادی جرم بھی قرار نہیں دے سکتے، لہذا دونوں فریق کو سچا سمجھنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

رہ گیا تقی صاحب کا یہ دعویٰ کہ اصحاب ثلاثہ خود آجائیں، تو بھی علاج میں بخل نہیں کروں گا، تو ہمیں اس پر بھی اعتراض کی چنداں ضرورت نہیں، صرف ان کی مجبوری اور معذوری دکھلانے سے غرض ہے اور جن کے نام سُن کر عقل و خرد اور اعضاء ساتھ چھوڑ جائیں، خود ان کی آمد پر حال کیا ہو گا؟ وہ تو بیان سے بھی باہر ہے اور وہم و گمان سے بھی بالاتر ہے۔

۳۔ سید نعمت اللہ الجزائری نے انوار النعمانیہ جلد رابع ص ۱۱۸ پر لکھا ہے کہ علاقہ قزوین میں ایک دیہات ہے جہاں شیعہ اپنے تشیع میں انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں۔ ان پر ایک شخص کا گزر ہوا، جس کا نام عمر تھا، جب انہیں اس کا نام معلوم ہوا تو انہوں نے اس کو خوب مارا پیٹا۔ جب اس کو معلوم ہوا کہ اسے محض نام کی وجہ سے مار پڑی ہے تو اُس نے کہا میرا نام عمر نہیں بلکہ عمران ہے، تو انہوں نے پھر پٹائی شروع کر دی اور کہا:

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ھٰذہ اشد من الاول فانہ عمرو فیہ حرفان من عثمان فھو احق بالضرب - یہ تو پہلے کی نسبت بھی پٹائی کا زیادہ حقدار ہے کیونکہ عمران عمر کی نسبت زیادہ شدید ہے، کیونکہ عمر بھی اس میں ہے اور مزید برآں یہ کہ الف نون عثمان کے نام سے اس میں آگئے ہیں - وکذا فی مجالس المومنین جلد اول ص ۸۵

دیکھا علامہ صاحب عمر کے نام سے کس قدر تمہارے شیعہ ممتحنین کو تکلیف پہنچتی ہے اور وہ اس نام والے کی کیا درگت بناتے ہیں اور عمران والا نام تبلانے پر بھی خلاصی نہیں ہوتی اور یہ بھی سمجھ نہیں آتا کہ ہو سکتا ہے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے والد کا نام ہو یا حضرت مریم کے والد اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نانا جان کا یا بقول بعض اہل تشیع جناب ابوطالب کا اصلی نام ہو، بلکہ صرف اور صرف یہی سُوجھتا ہے کہ اس کا نام عمر ہے اور مزید حصہ عثمان کے نام کا ہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کا نام سنتے ہی شیعہ کا دماغ ماؤف ہو جاتا ہے اور ان کی سوچ و فکر کی ساری صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں تو ایسے میں اگر آنکھوں کے آپریشن کرنے والے خالص و مخلص شیعہ ہوں تو کتنے ہی اس قسم کے نام والے لوگوں کو آنکھوں سے ہی محروم ہونا پڑے گا - لہٰذا علامہ ڈھکو صاحب کا عذر ناقابلِ قبول ہے اور واقعات و حقائق سے اس کو دُور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

ناموں میں کچھ رکھا ہے یا نہیں؟

علامہ ڈھکو صاحب نے فرمایا: "ان اللہ کے بندوں کو کون سمجھائے کہ ناموں میں کیا رکھا ہے، مطلب مسمّیٰ سے ہے نہ کہ اسم سے۔"

علامہ موصوف بڑے بھولے اور سادہ لوح ہیں یا بڑے شاطر رافضی ہیں، جس مذہب کے وہ مجتہد العصر اور حجۃ الاسلام ہیں، اس کا دارومدار ہی ناموں پر ہے اور اس کے بانیوں کا سارا کاروبار ہی انہیں اسماء سے چلتا ہے، محبت کا اظہار ہو یا عداوت اور دشمنی کا ہر دو میں صرف اسماء پر ہی دارومدار ہے جیسے کہ مشرکین عرب کا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حال تھا کہ بتوں کو انبیاء و اولیاء کرام کے نام دے دیئے اور ان کی پوجا پاٹ شروع کر لی اور بنی اسرائیل نے بچھڑے کو الہ موسیٰ کا نام دے کر سجود و نیاز ادا کرنے شروع کر لئے ایسے ہی شیعہ حضرات نے چند لکڑیاں جوڑ کر اور سرخ و سفید اور نیلے پیلے کاغذ لگا کر اسے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا روضہ قرار دے دیا۔ سفید گھوڑے کو امام پاک کا ذوالجناح اور سرخ رنگ چھڑکی ہوئی چادر کو آپ کی خون آلود چادر قرار دے دیا وغیر ذالک من الخرافات اور پھر ان کے ساتھ اصلی اشیاء کی طرح تعظیم و تکریم اور سجود نیاز وغیرہ بجا لانا ایسے حقائق ہیں جو کسی چشم بینا سے مخفی نہیں ہیں، لہذا اظہار محبت میں بھی صرف ناموں پر دار و مدار رہا۔ اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ

اسی طرح بغض و عناد، غیظ و غضب اور کین قلب کے اظہار کے لیے بھی شیعہ حضرات انہیں ناموں کا سہارا لیتے ہیں۔ قاضی نور اللہ شوستری مجالس المؤمنین جلد اول ص۸۳ پر رقمطراز ہیں؛

ابو لؤلؤ مجوسی کا عرس اور توہین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

بالجملہ عوام و اوباش شہر کاشان در روز بست و ششم ذی الحجہ کہ روز قتل عمر است صورتے از خمیر میسازند و شکم اورا از دو شاب سرخ پر میگردانند و اورا عمر نام می نہند آنگاہ اورا برداشتہ بحرکت و رقص در میاورند و مقارن آں حرکت طبل و دہل وغیر آں از آلات لہو بکار می برند و در طعن و لعن عمر مبالغہ بسیار بجائے آوردہ فریاد و ولولہ بسیار میکنند و از اول روز تا آخر بایں کیفیت می گزارند چوں شب در رسد میخواہند کہ از سر مزار بابائے مذکور (ابو لؤلؤ مجوسی) بجا نہائے خود مراجعت کنند بعضے از اراذل و اوباش کاردے یا خنجرے بر شکم آنصورت میزنند تا دو شاب از شکم او بیروں آید پس آں جماعت آں دو شاب را از جہت اظہار آنکہ بخون عمر تشنہ ایم میخورند۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ کاشان کے عوام اور اوباش ذوالحجہ کی چھبیس تاریخ کو جو کہ حضرت عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) کے قتل (شہادت) کی تاریخ ہے۔ اس میں آٹے کا ایک مجسمہ تیار کرتے ہیں اور اس کے پیٹ کو سرخ دو شاب اور شیرہ سے پُر کرتے ہیں اور اس مجسمے کا نام عمر رکھتے ہیں، پھر اس مجسمے کو ہلاتے ہیں اور اٹھا کر وجد و رقص کرتے ہیں

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اور اسی دوران ڈھول طبلے اور دیگر آلاتِ لہو استعمال کیے جاتے ہیں اور (حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) پر حد سے زیادہ سب وشتم اور لعن طعن کرتے ہیں اور ساتھ ہی فریاد اور زاری اور آہ و بُکا کرتے ہیں اور صبح سے شام تک تمام دن اسی حال میں گزارتے ہیں۔ جب رات کی تاریکی چھانے لگتی ہے اور گھروں کی طرف واپسی کا ارادہ کرتے ہیں اور بابائے مذکور یعنی ابولؤلؤ مجوسی کی قبر سے رخصت ہونے لگتے ہیں، تو ان میں سے بعض اراذل اور اوباش چھری یا خنجر لے کر اس مجسمہ کے پیٹ میں گھونپ دیتے ہیں تا آنکہ وہ سُرخ دوشاب اور شیرہ اس مجسمہ کے پیٹ میں سے باہر نکلنے لگتا ہے، پھر وہ اس کو عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) کا خون سمجھ کر پیتے ہیں اور یہ تاثر دیتے ہیں کہ ہم ان کے خون کے پیاسے ہیں۔

تبصرہ: علامہ ڈھکو صاحب ذرا آنکھیں کھول کر دیکھیں کہ شیعہ مذہب میں ناموں پر دار و مدار ہے یا نہیں؟ اگر خود مجسمے بنا کر اور ان کا نام عمر رکھ کر غصہ نکالا جا سکتا ہے، تو بنے بنائے مجسمے جو ان ناموں کے ساتھ موسوم ہوں اور خود بخود چل کر آ جائیں اور فیس کے حصول کے ساتھ ساتھ دل کی بھڑاس اور غیظ و غضب نکالنے کا موقع بھی مل سکے تو اس سنہری موقعہ کو ہاتھ سے گنوانا بہت بڑا تکلیف دہ امر ہوگا اور ناقابلِ برداشت خسارہ۔

نیز قاضی شوستری صاحب نے صرف کاشان کے اوباش اور عوام کا ذکر کیا ہے، تو یہ محض تفنن ہے اور استہزائی انداز، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ کاشان کیا سارے جہان میں جہاں جہاں بھی شیعہ ہیں عوام ہوں یا خواص یا اخص الخواص وہ سبھی اس رذیل حرکت اور کمینگی میں برابر کے حصہ دار ہیں۔ آخر شوستری صاحب ہی بتلائیں کہ کاشان کے علماء اور خواص اور حکام ایسے اوباشوں کو کیوں لگام نہیں دیتے تھے اور انہیں ہر سال ایک مجوسی کو بابا شجاع الدین کا لقب دے کر اور اس کی فرضی مزار پر عرس منانے کی اجازت کیسے دی جاتی تھی؟ وہ مجوسی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کی پاداش میں مدینہ منورہ میں ہی قتل ہو گیا تھا، اس کا مزار کاشان کیسے پہنچ گیا اور وہ شجاع الدین کیسے بن گیا اور اس کی تعظیم و تکریم کی اجازت کیسے مل گئی اور ہر سال یہ ناٹک رچانے کا موقع ان اوباشوں

Click For More Books
https://archive.org/details/@ zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کو کیسے مل گیا۔ اگر شیعہ کو یہاں موقع ملے تو کاشان والوں سے بھی بڑھ کر حرکات بد کا مظاہرہ کریں۔ اگر ان کے اندرونی تلاطم کا اظہار نہیں ہو رہا ہے تو صرف اہل السنّت کی شدید مزاحمت کے ڈر سے اور کبھی کبھار کہیں نہ کہیں روسا تے شیعہ علانیہ اس بغض و کینہ کا اظہار کر بھی لیتے ہیں جیسے کہ چند سال قبل حسو بلیل ضلع جھنگ میں ایسی ہی کمینہ حرکت اور رذالت کا مظاہرہ کیا گیا تھا۔ لہٰذا علامہ ڈھکو صاحب کی یہ شاعری بالکل غلط ہے اور خلافِ واقعہ ہے کہ ؎

الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا!
غوّاص کو گوہر کی طلب ہے نہ صدف کی

علامہ موصوف نے حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ کے لطیفہ پر سخت برہمی کا اظہار فرماتے ہوئے کہا کہ ان لوگوں کے دیدہ سے شرم و حیار کا آخری قطرہ بھی ڈھلک گیا ہے، جب ہی تو تہمت اور الزام تراشی میں ذرا جھجک محسوس نہیں ہوئی، حالانکہ آپ نے تو بعض لوگوں کی آپ بیتی بیان فرمائی اور نقل و حکایت تو کفر کی ہو تو بھی کفر نہیں ہوتی اور اس پر فردِ جرم عائد نہیں ہو سکتی تو حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز کے حق میں اس دریدہ دہنی کا کیا جواز تھا؟ ہاں البتہ مومن کی ذات دوسروں کے لیے مانندِ آئینہ ہوتی ہے، تو علامہ موصوف کو اپنی شکل ان کے آئینہ میں نظر آئی اور وہ واقعی ایسی ہی ہے، کیونکہ جو ایسے محسنینِ اسلام اور مقربانِ بارگاہِ رسالت و ولایت کے حق میں سب و شتم اور لعن و طعن سے کام لیں تو ان کے دیدہ میں شرم و حیا کے قطرات ہو ہی کیسے سکتے ہیں؟

علامہ موصوف نے فرمایا کہ ڈاکٹر صاحب کے ہاتھوں ہر مذہب و ملت اور ہر نام کے لوگ شفایاب ہوئے۔ ظاہر ہے کہ کسی بھی حکیم اور ڈاکٹر کے ہاتھوں سبھی مریض شفایاب نہیں ہوتے۔ ایسا مسیحائی کا دعویٰ کرنا سراسر غلط اور خلافِ واقعہ و نفس الامر ہے تو اگر حاذق علی شاہ صاحب کے ہاں علاج کے لیے آنے والوں میں چند ایک شفایاب نہ ہوتے ہوں، تو یہ کوئی انوکھی بات نہیں، البتہ شفایاب نہ ہونے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

والوں میں بالعموم وہی لوگ ہوں، جن کے نام خلفاء ثلاثہ والے ہوں اور تقی صاحب نے دیدہ دانستہ بھی ان کے خلاف یہ کارروائی نہ کی ہو، ناچاری اور بے بسی میں ہو گئی ہو تو محلِ تعجب نہیں اور ڈھکو صاحب کے استفسار پر اگر شاہ صاحب نے ایسے فرمادیا تو بھی ہمیں ان کی صداقت پر اعتراض نہیں، کیونکہ ان کے جذبات نیک ہوں گے مگر جب ہوش و خرد اور حواس و اعضا ہی وہ نام سُن کر معطل ہو جائیں تو اس میں وہ بہر حال معذور ہوں گے۔ آخر کچھ بشری تقاضے بھی تو ہوتے ہیں، جیسے ہم کچھ نمونے بدحواسی کے عرض کر چکے ہیں۔

علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ ان کے دیدہ سے حیاء کا آخری قطرہ بھی ڈھلک چکا ہے، اسی لئے ان واجب الاکرام ساداتِ عظام پر تہمت تراشی اور الزام سازی میں انہیں ذرہ بھر جھجک محسوس نہیں ہوئی، جن کے متعلق پیغمبرِ اسلام (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا ارشاد ہے، اکرموا اولادی الصالحون للہ والطالحون لی۔

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز ساداتِ کرام کا جتنا ادب بجا لاتے تھے، وہ ہر چشمِ بینا والے پر روزِ روشن کی طرح واضح اور آشکار ہے، حتّٰی کہ وہ سادات جو اپنے اسلاف کے مذہب و مسلک سے برگشتہ ہو گئے اور آباؤ اجداد کی سیرت و کردار اور روش و رفتار کو ترک کر دیا، تو ان کے متعلق بھی فرماتے تھے کہ ان کو قرآن مجید کی منسوخ آیات کی مانند سمجھو، نہ ان کی توہین و تحقیر جائز ہے نہ ان کی تقلید اور اتباع ہی درست ہے، لیکن یہ بتلانا کہ فلاں آیت منسوخ ہے اور ناقابلِ عمل، ان علماء کرام کا فرض ہے جو وارثانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز نے بھی اسی فرض کو ادا کرتے ہوئے یہ رسالہ لکھا اور اس فریضہ کو باحسن طریق ادا فرمایا اور ان ساداتِ کرام کو بھی اپنے آباؤ اجداد کا راستہ بتلایا اور عام اہلِ اسلام کو بھی صحیح صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ کسی سید زادے کو اسلاف کی راہ بتلانا اور انحراف و عدول سے باز رہنے کی تلقین کرنا اور اپنے منصب و مقام کے خلاف اور غیر شائستہ حرکات پر تنبیہ کرنا صحیح خدمت اور اخلاص و نیاز کا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کامل اظہار ہے، اس کو شرم و حیاء کے خلاف قرار دینا یا تہمت تراشی اور الزام سازی قرار دینا سراسر غلط ہے۔ نکاح ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے ضمن میں آپ کی سادات کرام سے دردمندانہ اپیل اور اپنے اخلاص و نیازمندی کا اظہار آپ کے الفاظ میں ملاحظہ کرلیں، تو آپ ہمارے اس قول کی تصدیق کیے بغیر نہیں رہ سکیں گے۔

اہل تشیع کا ساداتِ کرام کے ساتھ ادب و نیازمندی کا نمونہ

علامہ موصوف نے ساداتِ کرام کے واجب الاکرام والاحترام ہونے اور ان کے ساتھ اخلاص و نیاز کا بڑا دعوٰی کیا ہے۔ ذرا ان کی کتابوں میں جو ادب و احترام کے نمونے موجود ہیں، ان کا مشاہدہ کرتے چلیں۔ قاضی نور اللہ شوستری نے اپنی کتاب مجالس المومنین جلد اول ص۵۷ پر کہا ہے ؎

اذا العلوی تابع ناصبیا بمذھبہ فماھو من ابیہ
وان الکلب خیر منہ طبعًا لان الکلب طبع ابیہ فیہ

یعنی جب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا فرزند ہو کر سنی مذہب کا پیروکار ہو تو وہ اپنے باپ کا نہیں ہے اور اس علوی اور سید سے تو کتا بہتر اور برتر ہے، کیونکہ کتے کے بچے میں باپ کی خصلت اور طبیعت موجود ہوتی ہے۔

بتلائیے علامہ صاحب! یہی ادب و احترام ہے ساداتِ کرام واجب الاحترام والاکرام کا کہ ان کے حلالی ہونے کا ہی انکار کردیا اور انہیں کتے سے بھی بدتر قرار دے دیا۔ معلوم ہوا کہ تمہارے آنسو مگرمچھ والے اور دانت ہاتھی والے ہیں، اور محبت صرف دعوؤں کی حد تک ہے اور ادب و احترام صرف کلام اور الفاظ کی حد تک اور بس۔

قبل ازیں کاملیہ شیعہ کا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر کفر کا فتوٰی کہ انہوں نے امامت و خلافت بلافصل کا دعوٰی نہ کرکے کفر کا ارتکاب کیا اور واقفیہ بشیریہ کا حضرت موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کے بعد والے ائمہ کرام پر کفر کا فتوی اور ان کے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نسب پر ردّ و قدح اور انکار و اعتراض گزر چکا ہے۔ علاوہ ازیں ازواجِ مطہرات پر اعتراض کرنا تمام سادات پر بھی اعتراض ہے اور سید السادات سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اور حضرت صدیق اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہما کے نسب و حسب پر اعتراض بھی تمام سادات اور سید السادات صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کے مترادف ہے، تو وہ کس منہ سے ادب و نیاز کا دعویٰ کر سکتے ہیں ؎

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ، ذرا بندِ قبا دیکھ

جن موجودہ شیعہ نظریات کے حامل سادات کو وہ سادات کرام کہتے ہیں اور واجب التعظیم والتکریم قرار دیتے ہیں، ان سب کے آباؤ اجداد دو تین پشت سے اوپر اہل السنت والجماعت نظریہ و عقیدہ پر تھے۔ لہٰذا خود ہی بتلایئے کیا یہ سادات کرام ہیں؟ جبکہ تمہارے فتوے کے مطابق سُنّی سید حلالی نہیں ہے اور وہ کتے سے بھی بدتر ہے، تو جب ان کے آباؤ اجداد سید ہی نہیں تھے تو اُن کی یہ اولاد سادات کرام کیسے بن گئی اور واجب الاکرام والاحترام کیونکر ٹھہرے؟

قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس المومنین جلد اول ص۵۲۶ پر اپنے خواجہ حسن بن جعفر دوریستی کا کلام نقل کیا ہے ؎

بغض الولی علامۃ معروفۃ — کتبت علی جبھۃ اولاد الزنا
من لم یوال من الانام ولیہ — سیّان عند اللہ صلّیٰ او زنیٰ

یعنی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا بغض معروف علامت ہے جو اولادِ زنا کی پیشانیوں پر لکھا جا چکا ہے اور ساری مخلوق میں سے جو شخص بھی علی ولی کی موالات نہیں رکھتا، اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے یہ دونوں عمل برابر ہیں کہ نماز پڑھے یا زنا کرے۔

اور کوئی شیعہ اہل السنت کو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے ائمہ کرام علیہم الرضوان کا محب نہیں سمجھتا، کیونکہ اُن کے نزدیک حُبِّ علی اور حُبِّ عمرؓ ایک دل میں یکجا ہو ہی نہیں سکتیں جیسے کہ نعمت اللہ محدث جزائری انوارِ نعمانیہ جلد اول، ص۱۱۹ پر

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تصریح کرتا ہے:

والعجب العجیب من جماعۃ المخالفین کیف احبوا علیاً وعمر وکیف جمعوا بین حب علی وعمر فی قلب واحد مع ان حبیھما مما لا یجتمعان ابداً کما سیاتی تحقیقہٗ۔

جماعت مخالفین سے عجیب تعجب ہوتا ہے کہ انہوں نے کیسے حضرت علی اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہما) دونوں سے محبت رکھی ہوئی ہے اور حضرت علی و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی محبت کو کس طرح ایک دل میں جمع کر رکھا ہے، حالانکہ ان دونوں کی محبت ان امور سے ہے جو کبھی جمع نہیں ہو سکتے جیسے کہ عنقریب اس کی تحقیق آتی ہے۔

پھر اس موعود تحقیق کو بیان کرتے ہوئے لکھا کہ شیخ صالح جزائری نے شیخ بہاء الدین عاملی کی طرف ایک ناصبی (سُنی) کے یہ اشعار لکھ کر ان کا جواب اشعار میں ہی طلب کیا۔ سنی نے کہا تھا ؎

اھوی علیا امیر المومنین ولا ارضی بسب ابی بکر ولا عمر الخ

یعنی میں امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے محبت رکھتا ہوں اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو سب وشتم کرنا پسند نہیں کرتا، تو اس کے جواب میں شیعہ کے عالم شیخ بہاء الدین نے درج ذیل اشعار لکھے ؎

یا یھا المدعی حب الوصی ولم تسمح بسب ابی بکر ولا عمرا

کذبت واللہ فی دعوی محبتہ تبت یداک ستصلی فی غد سقرا

فکیف تھوی امیر المومنین وقد اراک فی سب من عاداہ مفتکرا

فان تکن صادقا فیما نطقت بہ فابرء الی اللہ ممن خان او غدرا

لکن ابلیس اغواکم وصیرکم عمیا وصمّا فلا سمعًا ولا بصرا

ترجمہ: اے علی وصی کی محبت کا دعوی کرنے والے اور نہ گوارا کرنے والے ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) کی سب وشتم کو۔

بخدا تو نے اُن کے دعوائے محبت میں جھوٹ بولا ہے۔ ہلاک ہوں تیرے ہاتھ اور عنقریب

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

داخل ہوگا تو دوزخ کی دھکتی ہوئی آگ میں۔

تو کیسے امیرالمومنین سے محبت رکھ سکتا ہے، حالانکہ میں تجھے دیکھتا ہوں، اُن کے معاندین کی سب میں متفکر اور پس و پیش کرنے والا۔

اگر تو اپنے دعوے میں سچا ہے تو برأت کا اظہار کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں خیانت اور بدعہدی کرنے والوں سے۔

یہ دعوائے محبت نہیں، بلکہ حقیقت میں ابلیس نے تمہیں گمراہ کر دیا ہے اور تمہیں اندھا بہرا کر دیا ہے، پس نہ تمہارے کان ہیں اور نہ آنکھ۔

فائدہ: جزائری کی اس تحقیق سے واضح ہو گیا کہ اہل السنت ان کے نزدیک ناصبی ہیں اور انہیں شیطان نے گمراہ کر رکھا ہے، اور وہ حق دیکھنے اور حق کو سننے سے محروم ہیں اور ہلاکت ان کا مقدر ہے اور وہ دوزخ کی دہکتی آگ کا ایندھن ہیں اور جو حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو سب و شتم اور تبرّیٰ نہ کرے، وہ محبِ علی نہیں ہو سکتا، بلکہ وہ دشمنِ اہلِ بیت کرام اور دشمنِ علی ولی ہے۔

اب اس پس منظر میں دیکھا جائے تو عوام اہل سنت تو درکنار پوری تیرہ صدیوں کے سادات لپیٹ میں آ گئے۔ موجودہ سادات کرام تو ڈھکو صاحب کی نگاہ میں واجب الاکرام والاحترام ہیں، لیکن ان کے دو تین پشت سے تمام آباؤ اجداد جو کہ خالص سُنّی تھے، ان تمام سادات کرام کا جو ادب پایا گیا اور ان کی جو توقیر و تعظیم کی گئی ہے، وہ محتاجِ بیان نہیں۔ شیخ بہاؤ الدین ان کو جہنم واصل کر رہے ہیں، اندھے بہرے اور گونگے قرار دے رہے ہیں اور ابلیس کے چیلے وغیرہ وغیرہ، اور خواجہ شیعہ حسن مُدربستی ان کو اولادِ زنا قرار دے رہے ہیں اور ان کی نمازوں کو زنا کے برابر۔

عند الشیعہ مخالفین اولادِ شیطان ہیں

اگر ابھی عرقِ انفعال کی کوئی ادنیٰ بوند کسی شیعی کی پلک سے اٹھتی نظر آ رہی ہو تو

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہم اسے شیعہ کے شیخ صدوق کی علل الشرائع کا مطالعہ کراتے ہیں تاکہ یقین ہو جائے کہ شیعہ کے اتنے بڑے محدثین کی آنکھوں میں تو کجا ان کی پلکوں پر بھی حیاء کا قطرہ تو دور کی بات ہے، ادنیٰ بوند بھی نظر نہیں آتی۔ آپ نے عنوان یہ قائم کیا ہے۔

باب ان علۃ محبۃ اھل البیت علیھم السلام طیب الولادۃ وان علۃ بغضھم خبث الولادۃ۔ یعنی محبت اہل بیت کی علت ولادت اور خمیر کی پاکیزگی اور طہارت ہے، اور ان کے بغض کی علت ولادت اور خمیر کا خبث اور ناپاکی ہے۔ پھر اس عنوان کے تحت نو عدد روایات ذکر کی ہیں۔ ان میں سے صرف دو روایتیں ذکر کرتا ہوں۔

(۱) حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں شیطان کو انسانی شکل میں رکوع و سجود اور زاری کرتے دیکھا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی اس کا ابلیس لعین ہونا معلوم ہوا تو آپ اسے قتل کرنے کے لیے دوڑے، اس نے کہا میں قیامت تک مہلت حاصل کیے ہوئے ہوں، مجھے تم قتل نہیں کر سکتے اور تمہیں تو مجھے قتل کرنا بھی نہیں چاہیے کیونکہ تمہارا تو خدمت گزار ہوں اور ادنیٰ سپاہی۔

مالک تريد قتلی فواللہ ما ابغضك احد الا سبقت نطفتی الی رحم امه قبل نطفة ابيه ولقد شاركت مبغضيك فی الاموال والاولاد وهو قول اللہ فی محكم كتابه وشاركهم فی الاموال والاولاد۔ قال النبی صلی اللہ عليه وسلم صدق يا علی لا يبغضك من قريش الا سفاحی ولا من الانصار الا يهودی الخ

ترجمہ: تمہیں کیا ہے کہ میرے قتل کا ارادہ رکھتے ہو، بخدا کوئی شخص تم سے بغض نہیں رکھتا مگر میرا نطفہ سبقت لے جا چکا ہوتا ہے، اس کی والدہ کے رحم کی طرف اس کے باپ کے نطفہ سے قبل اور البتہ تحقیق میں حصہ دار ہوں تمہارے ساتھ بغض رکھنے والوں کے مالوں میں اور اولادوں میں اور یہی قول ہے اللہ تعالیٰ کا اپنی محکم کتاب میں اور شریک ہو جا ان کے ساتھ ان کے اموال میں اور اولاد میں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

فرمایا: اے علی! اُس نے سچ کہا ہے نہیں بغض رکھتا تمہارے ساتھ قریش میں سے کوئی مگر زنا سے پیدا ہونے والا اور نہ انصار سے مگر یہودی الخ

فائدہ ۱: اس روایت میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بغض رکھنے والوں کو اور ان کی اولاد کو بھی شیطان کی اولاد قرار دیا گیا ہے اور اس کے نطفہ سے تخلیق پانے والے کہا گیا ہے اور قبل ازیں معروض خدمت ہو چکا کہ اہل السنت بھی اُن کے نزدیک آپ کے مبغضین میں ہیں اور ان میں سادات کرام بھی ہیں تو ان سب پر کیا فتویٰ عائد ہوگا۔

فائدہ ۲: نیز جب ان کا حال یہ ہے تو اُن کی اولاد سید کیسے ہوگئی اور واجب الاکرام کیسے بن گئی؟

فائدہ ۳: علاوہ ازیں اس خدمت کو ذکر کر کے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں بچنے کی امید کیسے ہو سکتی تھی اور اس قول سے شیطان ان کے اقدام قتل کو غیر موزوں اور نامناسب کیسے قرار دے رہا تھا، بلکہ اس سے تو استحقاق قتل میں اضافہ ہو جاتا ہے کہ وہ آپ کے ساتھ بغض رکھنے والوں کی پیدائش کا موجب ہے، لہٰذا اسے قتل کرنا زیادہ ضروری ٹھہرا، لیکن اس نے اس کارستانی کو قتل سے بچاؤ کے لیے پیش کیا ہے ع یاالٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟

فائدہ ۴: کئی سنیوں سے شیعہ بھی پیدا ہو جاتے ہیں، حالانکہ ازروئے نص قرآن اور تصدیق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سب اہل بغض کی اولاد میں شیطان حصہ دار ہو جاتا ہے، تو پھر ان سے کوئی شیعہ اور محب موالی پیدا نہیں ہونا چاہیے تھا اور اگر پیدا ہوتے ہیں اور مشاہدہ اس پر گواہ ہے تو ماننا پڑے گا کہ اصل خدمت اس کی یہ تھی، جس کو قتل سے تحفظ کے لیے وسیلہ بنا رہا تھا کہ میں اہل بغض کی اولاد میں شامل ہو کر ان کی ماہیت بدل دیتا ہوں اور وہ مومن موالی بن کر پیدا ہوتے ہیں، مگر

سوال: یہ ہے کہ جب شیطان خود حضرت امیر علیہ السلام کا دشمن ہے تو پھر اُس کے نطفہ سے متولد ہونے والے کیسے محب ہو سکتے ہیں؟

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جواب: یہ غلط ہے کہ شیطان حضرت امیر المومنین کا دشمن ہے، بلکہ محب اور نیاز مند ہے، اگر کامل شیعہ نہیں اور مومن و موالی نہیں تو قالی بھی نہیں، بلکہ محبِ صادق ہے اعتبار نہ ہو تو شیخ صدوق کو گواہ پیش کرتا ہوں۔

(۲) عن المسعودی مر فعه الی سلمان الفارسی مر ابلیس لعنه الله بنفر (الی) فقالوا له فانت من موالیه و شیعته فقال ما انا من مـوالیه ولا من شیعته ولکنی احبه و ما یبغضه احدٌ الا شارکته فی الاموال والاولاد الخ (ص۵۹)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابلیس لعین کا گزر ایسی جماعت پر ہوا جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شان میں تنقیص کرتے تھے جب اس نے جوابی کاروائی کی تو انہوں نے دریافت کیا کہ آیا تو آپ کے موالی اور شیعہ سے ہے تو اس نے کہا میں ان کے موالی اور شیعہ سے نہیں ہوں، لیکن مجھے ان سے محبت ضرور ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے میں اس کے مال اور اولاد میں حصہ دار بن جاتا ہوں۔

لہٰذا واضح ہو گیا کہ وہ محب ہے اور صرف تقیہ کرنے والا محب بھی نہیں، بلکہ سرِ محفل حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حق میں تنقیص کرنے والوں کو للکارنے والا محب ہے جس نے اس بھری محفل میں کہا مسوءۃ لکم تسبون مولاکم علی بن ابی طالب تم پر افسوس کہ تم کتنے برے لوگ ہو کہ اپنے مولیٰ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو سب و شتم کر رہے ہو۔ جب انہوں نے دریافت کیا کہ تجھے کیا خبر کہ وہ ہمارے مولیٰ ہیں تو اس نے کہا تمہارے نبی کے اس قول سے من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللّٰھم وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہٗ

جب انہوں نے اس محبِ صادق کی زبانی مزید شان حضرت امیر علیہ السلام کی سننا چاہی تو اس نے کہا: اسمعوا منی معاشر الناکثین والقاسطین والمارقین ہاں مجھ سے ان کی شان سنو اے عہد کو توڑنے والو! جور و جفا سے کام لینے والو اور اطاعتِ امام سے نکل جانے والو! میں نے بارہ ہزار سال جنوں میں رہ کر اللہ کی عبادت کی، وہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہلاک ہو گئے تو تنہائی سے گھبرا کر بارگاہِ الوہیت میں شکایت کی اُس نے ملائکہ میں شامل کر دیا تو بارہ ہزار سال پہلے آسمان میں عبادت کی۔ اسی دوران شعاعیں بکھیرتا ضیا پاشیاں کرتا ایک نور ہمارے قریب سے گزرا تو سبھی ملائکہ اس نور کے لئے سجدہ ریز ہو گئے۔ فخرت الملائکۃ لذالک النور سجداً اور کہنے لگے سبوحٌ قدوسٌ یہ نور ملک مقرب کا ہے یا نبی مرسل کا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا آئی: ماھٰذا نور ملک مقرب ولا نبی مرسل ھذا نور طینۃ علی بن ابی طالب یہ نور کسی مقرب فرشتہ یا نبی مرسل کا نہیں بلکہ یہ علی بن ابی طالب کی طینت اور خمیر کا نور ہے

الغرض وہ صرف محب ہی نہیں، بلکہ علانیہ اپنی عقیدت مندی کا اظہار بھی کرتا ہے اور ایسی ایسی شانیں بیان کرتا ہے جو عام محبوں کے خواب و خیال میں بھی نہیں ہوتیں، تو جو اس کی مشارکت کے بعد پیدا ہوں گے، یقیناً اولادِ رسول ہیں۔ ان میں محبت کا جوہر موجود ہونا تردیدی ہے، بلکہ بقول کسے ع پدر نتواند پسر تمام خواہد کرد ——— اولاد آباؤ اجداد سے بڑھ جاتی ہے۔ تبھی تو وہ مومن موالی بنتے ہیں، لیکن یہ سوال اپنی جگہ قائم رہے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو قرآن مجید میں جگہ جگہ انہ لکم عدو مبین اور ان الشیطٰن للانسان عدو مبین وغیرہ کہہ کر اسے حضرت آدم علیہ السلام کا اور پوری نسلِ انسانی کا کھلا دشمن قرار دیا ہے۔ اگر شیعہ اس کو محب تسلیم کریں اور قرآن کے برعکس محض اس کی زبان پر اعتماد کرتے ہوئے یہ عقیدہ اپنا لیں اور یہ دیکھیں کہ جو خلیفہ اول دشمن تھا وہ اس خلیفہ کا مخلص اور محب کیسے بن گیا؟ کیا اُس خلیفہ کی ذات اُس خلیفہ سے جدا ہے؟ عجب نہیں اور یقیناً نہیں، تو پھر صورتِ انسانی میں ڈھل کر بر سر محفل ایسے درس کا کیا معنیٰ اور اس کی محبت کے دعوے مقبول کیونکر ہو گئے ع

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے حق میں شیعہ کی دریدہ دہنی

قاضی نوراللہ شوستری نے عدی بن حاتم کی طرف منسوب کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پر اس کی یہ طنز و تشنیع نقل کی ہے ۔

کان ابی من طیی ثم ابوابی صحیحین لم ینتزع عروقهم القبطا

یعنی میرا باپ قبیلہ طے سے تھا اور میرا دادا بھی دونوں صحیح النسب تھے، کسی قبطی نے ان کی رگوں میں اور شکل و صورت کو اپنی طرف نہیں کھینچا تھا۔

شوستری صاحب نے اس کی تشریح میں کہا، "مخفی نماند کہ قول عدی بن حاتم صحیحین لم ینتزع عروقهم القبطا" تعریض است بعبداللہ زبیر بآنکہ پدر و جداُو عربی قریشی صحیح الاصل نبودہ اند بلکہ از قبط بودہ اند و بزنا تولد نمودند۔ آرے عداوت اہل بیت از چنیں ناکسے می آید ولنعم ما قیل ۔

ہر کراہست باعلی کینہ — درسخن حاجت درازی نیست

نیست در دستش آستین پدر — دامنِ مادرش نمازی نیست

(مجالس المؤمنین جلد اول، ص۲۴۶)

اور یہ مخفی نہ رہے کہ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کے اس قول میں کہ میرے والد اور دادا کا نسب صحیح ہے اور قبطی رگیں ان میں شامل نہیں۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما پر طنز و تشنیع ہے کہ اس کے والد (حضرت زبیر رضی اللہ عنہ) اور دادا (عوام) صحیح الاصل عربی اور قریشی نہیں تھے، بلکہ قبطی نسل سے ہیں اور زنا سے پیدا ہوتے ہیں۔ ہاں ہاں اہل بیت کی عداوت ایسے ہی ناکس اور نالائق لوگوں سے سرزد ہو سکتی ہے اور کیا خوب کہا گیا ہے:

جس کو علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کینہ ہے" اس کے ساتھ سخن کو طوالت دینے کی ضرورت نہیں ہے اس کے ہاتھ میں باپ کی آستین نہیں ہے" اور اس کی ماں کا دامن پاک نہیں ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حضرت عبداللہ کے والد حضرت زبیر بن العوام (رضی اللہ عنہما) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بنت عبدالمطلب کے صاحبزادے ہیں، اگر وہ زنا سے پیدا ہوئے، تو یہ جرم کس کا تھا، حضرت زبیر کا یا حضرت صفیہ رضی اللہ عنہما کا اور جناب عوام صحیح الاصل نہیں تھے، تو ان کو داماد بنانے والے جناب عبدالمطلب تھے اور بہنوئی بنانے والے جناب ابوطالب تو اس انتخاب میں الزام کس پر عائد ہوگا؟

الغرض ہمیں صرف بطورِ مشتے نمونہ از خروارے علامہ ڈھکو صاحب کے اسلاف کا اہل بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وعلیہم وسلم کے ساتھ ادب و نیاز اور ان کے اکرام و احترام کا نمونہ پیش کرنا تھا، اس لیے اس قدر پر اکتفا کرتے ہیں، ورنہ سخن بسیار است۔

ڈھکو صاحب کچھ تو سوچیے، زبانی دعوے تمہارے کیا ہیں؟ اور حقیقی عقیدہ و نظریہ کیا ہے؟ کبھی اتنا تفاوت بھی زبانی اور قلبی عقیدوں میں ہوا کرتا ہے؟

علامہ موصوف نے فرمایا کہ پیغمبرِ اسلام کا فرمان ہے: اکرموا اولادی میری اولاد کی عزت کرو۔ یہ فرمان بجا اور اس پر عمل بھی لازم، مگر آپ کے ہم مسلک لوگوں کا عمل عرض کیا جا چکا ہے۔ پہلے ان کی اصلاح کر لیں، اس کے بعد دوسروں کو نصیحت کریں۔ نیز یہ حدیث نظر سے گزری، مگر یہ تو نظر نہیں آئی ہوگی؟ اکرموا اصحابی فانھم خیارکم (مشکوٰۃ شریف ص) میرے صحابہ کی عزت کرو، کیونکہ وہ تم سب سے بہتر ہیں" ——— اور دعوا لی اصحابی (انوارِ نعمانیہ۔ ص ج ۱) "میری خاطر میرے صحابہ کو کچھ نہ کہو اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو"

خدا لگتی کہیے یہود و نصاریٰ میں بھی کوئی ایسا بدبخت ہوگا جو اپنے نبی کے اصحاب کے حق میں ایسے کلمات استعمال کرے جو تم نے روا رکھے ہیں اور استعمال کیے ہیں، جن کے اخلاص اور کمالِ ایمان کا اللہ تعالیٰ گواہ ہے اور وہ بار بار ان سے راضی ہونے کے اعلان فرما رہا ہے اور اس نے ان اصحاب کو غیظِ کفار اور تسکین و

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

قرارِ مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام قرار دیا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ یعجب الزراع لیغیظ بھم الکفار، وغیر ذالک من الایات۔

فسقِ سادات کا اقرار

علامہ صاحب نے کہا کہ پیغمبرِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے: میری اولاد کی عزت و تکریم کرو، صالحین کی اللہ تعالیٰ کے لیے اور بدعمل اور راہِ شرع سے عدول کرنے والوں کی میری خاطر۔" مگر اس کو ذکر کر کے اور صحیح مان کر اور مقامِ استدلال میں بطورِ حجت و برہان پیش کر کے ڈھکو صاحب نے اپنے مذہب کا صفایا کر دیا ہے، کیونکہ سادات تمام کے تمام اہلِ بیتِ کرام ہیں اور اہلِ بیتِ کرام تو سبھی پاک و مطہر ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ: اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا۔ ان کو اہلِ بیت سے نکالو، تب بھی ان پر ظلم اور ان کو اہلِ بیت میں داخل مان کر پاک، طیب و طاہر اور معصوم نہ مانو تو اپنی جان اور مذہب پر ظلم۔ علامہ صاحب یہی آیت پڑھ پڑھ کر تم لوگوں نے ان شاہزادوں کو باور کرایا کہ گناہ سیدزادوں کے ٹخنوں کو بھی نہیں چھو سکتے، بلکہ ان کے جوتوں سے بھی نیچے رہ جاتے ہیں، لہٰذا جی بھر کر دادِ عیش دے لو اور جب غلط راہ پر ڈال چکے تو اب ان کو طالح اور فساق و فجار قرار دے رہے ہو۔ آخر آلِ رسول کے ساتھ اس ظلم و تعدی اور جور و جفا کا کیا جواز تھا؟ روزِ اول سے ہی انہیں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کیوں نہ سُنایا اور بتلایا: اِنَّا جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ۔ ہم نے تمہیں قبائل اور شعوب میں تقسیم صرف اس لیے کیا ہے کہ تم میں باہم تعارف اور پہچان ہو اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت و کرامت اسی کے لیے ہے اور سب سے بڑا مرتبہ و مقام اسی کا ہے جو سب سے زیادہ متقی و پرہیزگار ہے۔

اور انہیں یہ بھی بتلا دیا ہوتا کہ راہِ نبوت سے انحراف اور عدول حقیقت میں آلِ رسول اور اہلِ بیتِ کرام سے نکال دیتا ہے۔ گو نسبی تعلق قائم رہتا ہے، مگر روحانی اور قلبی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

رشتہ ٹوٹ جاتا ہے اور دراصل فلاح و نجات اور اُخروی عزت و کرامت کا دار و مدار اسی تعلق پر ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: اِنَّہٗ لَیۡسَ مِنۡ اَہۡلِکَ اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیۡرُ صَالِحٍ۔ "اے نوح! تمہارا بیٹا، تمہاری اہل میں سے نہیں کیونکہ اس کے عمل درست نہیں ہیں۔"

اور آیتِ تطہیر کا مطلب بھی انہیں سمجھایا ہوتا کہ اہل بیت کرام پر خصوصی پابندیاں عائد کر کے اور عام اُمتیوں سے زیادہ تغلیظ و تشدید فرما کر اللہ تعالیٰ اُنہیں ان مجاہدات و ریاضات کے ذریعے امتیازی مقام اور مرتبہ تک پہنچانے کا ارادہ رکھتا ہے نہ یہ کہ اس نے آلِ رسول کہلانے والوں کو بُرائیوں اور بدعمالیوں کی رُخصت دے دی ہے کہ جو چاہو کرو، اب تم پلید نہیں ہو سکتے۔ العیاذ باللہ! یہ تو قانونِ قدرت، آئینِ فطرت اور شعائرِ اسلام کی تضحیک ہے، کیونکہ ؎

عمل سے زندگی بنتی ہے جنّت بھی جہنم بھی!
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے (اقبال)

بہر کیف چودھویں پندرھویں صدی میں ہی سہی، مگر حق کا اعتراف و اقرار کرنا ہی پڑ گیا کہ سادات کرام کی تطہیر کا دار و مدار صحیح عقائد اور صالح اعمال کے اپنانے پر ہی ہے نہ کہ محض اس عالیٔ نسب پر، اگر شیعی علماء پہلے ہی یہ وضاحت کر دیتے تو ہو سکتا ہے بہتیرے سادات کا بھلا ہو جاتا اور وہ بھی عقائد صحیحہ اور اعمالِ صالحہ اپنا کر ظاہری باطنی طہارت حاصل کرتے اور نورٌ علیٰ نور بن جاتے اور قرآن مجید کا عملی نمونہ بن کر ہدایتِ خلق کے موجب بن جاتے ؎

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا (اقبال)

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت

علامہ موصوف کو حضرت شیخ الاسلام پر اعتراض کرتے وقت تو یاد آ گیا کہ اولاد

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

رسول کا اکرام واجب ہے، اگرچہ بدکار ہی کیوں نہ ہوں، مگر جب اپنے مذہب پر زد پڑتی نظر آئے، تو پھر اولادِ رسول خواہ صالح ہی کیوں نہ ہو، ان کی عزت و توقیر کی ضرورت نہیں رہتی جیسے کہ قبل ازیں عرض کیا جا چکا ہے کہ سُنی العقیدہ سادات کو حلالی تسلیم نہیں کرتے، انہیں ابلیس کی اولاد قرار دیتے ہیں اور کتوں سے بھی بدتر تسلیم کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اب مزید حوالہ جات سماعت فرمائیں تاکہ پاکی داماں کی حقیقت کھل جائے۔

۱۔ حسنی سادات نے امامت کا دعویٰ کیا اور اس کو حسینی حضرات میں محدود ماننے سے انکار کیا تو شیعہ اکابران کے اس اقدام کو حسد قرار دیتے ہیں، حالانکہ حسد ان کے نزدیک اصولِ کفر سے ہے۔ ملاحظہ ہو احتجاج طبرسی ص۳۷۷ مطبع جدید۔

فقیل له (لابی عبدالله) بنو الحسن لا یعرفون لمن الحق؟ قال بلیٰ ولکن یحملهم الحسد۔ حضرت ابو عبداللہ سے عرض کیا گیا کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد نہیں جانتی کہ امامت کن کا حق ہے؟ تو آپ نے فرمایا کیوں نہیں، لیکن حسد دعوائے امامت پر برانگیختہ کرتا ہے۔

۲۔ حضرت حسن مثنیٰ بن امام حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق کہا، فقال هو والله اولیٰ بالیهودیة منکما ان الیهودی من شرب الخمر۔

امام ابو عبداللہ نے فرمایا کہ حسن مثنیٰ تم دونوں (ابو یعقوب اور یعلیٰ بن خنیس) کی نسبت یہودی ہونے کے زیادہ لائق ہے کیونکہ یہودی وہ ہے جو شراب پیئے۔

اور اس سے بھی ترقی کرتے ہوئے کہا گیا ہے، لو توفی الحسن بن الحسن علی الزنا والربا وشرب الخمر کان خیرا له مما توفی علیه۔ احتجاج ص۳۴۵

"یعنی اگر حسن مثنیٰ زناکاری، سود خوری اور شراب خوری کی حالت میں مرتے تو وہ حالت اس سے بہتر ہوتی جس پر وہ اب مرے ہیں۔ گویا ان کبائر سے بھی بڑے گناہ پر بلا توبہ مر گئے ہیں" ـــــ کہیے ڈھکو صاحب! ان اقوال میں تو ان حسنی سادات کی بے ادبی نہیں اور احترام کا کما حقہٗ لحاظ رکھا گیا ہے نا؟

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

۳- امام جعفر صادق کی صادق کے لقب سے ملقب کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے احتجاج طبرسی صفحہ ۳۱۸ پر کہا ہے کہ ان کی اولاد میں پانچویں پشت میں جعفر کذاب پیدا ہوگا جو ازروئے کذب و افترا امامت کا دعویٰ کرے گا۔ پس وہ عند اللہ جعفر کذاب اور مفتری ہوگا۔ اپنے باپ کا مخالف اور اپنے بھائی سے حسد کرنے والا ہوگا۔ یعنی امام مہدی کے چچا اور حضرت حسن عسکری کے بھائی جعفر کذاب و مفتری ہیں اور حاسد کیونکہ انہوں نے امامت کا دعویٰ کیا تھا اور حکومتِ وقت سے تحقیق کروا کر ثابت کر دیا تھا کہ حضرت حسن عسکری کی کوئی اولاد نہیں۔ لہٰذا میں ان کے مال کا بھی اور منصبِ امامت کا بھی وارث ہوں، لہٰذا شیعی شریعت میں اس حسینی سید کے اکرام و احترام کا فریضہ ان القابات سے ادا کیا گیا ہے۔

۴- شیعہ تمام بنو ہاشم کو حاسد اور حضرت علی رضا کی امامت کا منکر تسلیم کرتے ہیں اور ہاشمیوں میں دیگر اہل بیت کے علاوہ حسنی اور حسینی سادات بھی داخل ہیں۔ احتجاج طبرسی صفحہ ۳۹۸ پر مرقوم ہے کہ جب مامون نے حضرت علی رضا کو خلیفہ بنانے کا ارادہ کیا تو بنو ہاشم کو جمع کر کے کہا: انی ارید ان استعمل الرضا علیٰ ھذا الامر من بعدی فحسدہ بنو ھاشم وقالوا اتولی رجلاً جاھلاً لیس لہ بصر بتدبیر الخلافۃ؟
"میں ارادہ رکھتا ہوں کہ حضرت رضا کو اپنے بعد خلافت کا منصب سونپ دوں تو بنو ہاشم نے ان سے حسد کیا اور کہا کیا تو ایسے جاہل کو ولی امر بناتا ہے جس کو امورِ خلافت کے اندر کوئی بصیرت اور واقفیت نہیں ہے۔ الخ

حالانکہ حسد اصول و ارکان کفر سے ہے اور امام برحق کی امامت کا انکار عین کفر ہے اور قیامت کے دن روسیاہی کا موجب ہے۔ اصولِ کافی جلد دوم صفحہ ۲۸۹ پر مرقوم ہے:
قال ابو عبد اللہ علیہ السلام اصول الکفر ثلاثۃ الحرص والاستکبار والحسد۔ کفر کے اصول تین ہیں: حرص، تکبر اور حسد ــــ اور انکار امامت کے متعلق اصولِ کافی جلد اول صفحہ ۳۷۲ پر مرقوم ہے کہ سودہ بن کلیب نے امام جعفر صادق سے دریافت کیا کہ اس آیتِ کریمہ کا مطلب کیا ہے: ویوم القیامۃ تری الذین کذبوا علی اللہ وجوھھم مسودۃ (قیامت کے دن دیکھو گے جنہوں نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا کہ ان کے چہرے سیاہ ہوں گے) تو آپ نے فرمایا: من قال انی امام ولیس

Click For More Books
https://archive.org/details/@ zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بامام قلت؟ ان کان علویا؟ وان کان علویا الخ "ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو کہیں ہم امام ہیں، حالانکہ وہ امام نہیں۔ ابن کلیب نے کہا اگرچہ وہ اولادِ علی میں سے ہی ہوں۔ تو آپ نے فرمایا ہاں اگرچہ اولادِ علی میں سے ہی ہوں" اور دوسری روایت میں ہے: وان کان فاطمیا علویا؟ قال وان کان فاطمیا علویا۔ اگرچہ وہ حضرتِ زہرا اور حضرتِ علی رضی اللہ عنہما کی اولاد سے ہی ہوں، تو فرمایا ہاں اگرچہ فاطمی علوی ہی کیوں نہ ہوں اور ایک روایت میں ہے: عن ابی عبد اللہ علیہ السلام من ادعی الامامۃ ولیس من اھلھا فھو کافر جو فی الواقع امام نہ ہو اور امامت کا دعوٰی کرے وہ کافر ہے۔

تو ان روایات کے مطابق حسنی اور حسینی سادات جنہوں نے امامت کا دعوٰی کیا، شیعہ مذہب میں ان کو روسیاہ اور کافر ماننا لازم ٹھہرا اور تمام حسنی سادات اور ہاشمیوں میں حسد میں مبتلا ہونے کی وجہ سے کفر کا اہم رکن اور اصل الاصول تسلیم کرنا لازم ٹھہرا، مگر مجال ہے شیعہ کے ہاں ان کے احترام و اکرام میں فرق آئے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم جو ٹھہرا "اکرموا اولادی" لعنت بریں عقیدہ باد ——— نیز کیا اولاد میں بناتِ رسول علیہ الصلوٰۃ والتسلیم داخل نہیں، مگر شیعہ نے ان میں سے تین کے بناتِ رسول ہونے کا ہی انکار کردیا حالانکہ وہ بیٹیاں نہ ہوتیں اور انہیں بناتِ رسول کہہ دیا جاتا تو حرج نہیں تھا، کیونکہ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تمام اُمت کے رُوحانی باپ ہیں، مگر بیٹیاں ہونے کے باوجود ان کی اولادِ رسول ہونے کا انکار ان پر بھی ظلم اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر بھی ظلم اور بہتان اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی توہین و تحقیر

تمت بالخیر هٰذا ما تیسر لهٰذا العبد الضعیف بحول اللہ وقوته فی رسالة "تنزیه الامامیة" ودفع تلبیسات مؤلفه وقد وقع الفراغ من تسوید هٰذه الاوراق فی الساعة العاشرة من لیلة الخمیس ثانی محرم الحرام ۱۴۰۷ھ وقد شرعت فی تالیف هٰذه التحفة الثمینة العظیمة صباح الیوم الاربعاء ثالث عشر من الشوال ۱۴۰۶ھ فالحمد للہ علیٰ احسانه و امتنانه والصلوٰة والسلام علیٰ سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ آله وصحبه وازواجه امهات المومنین و اولیاء الکاملین والواصلین وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مناظر اسلام شیخ الحدیث
محمد اشرف سیالوی مدظلہ
کی قابل قدر تصانیف

کوثر الخیرات
تحفہ حسینیہ
متعہ اور اسلام
جلاء الصدور
گلشن توحید و رسالت
ہدایۃ المتذبذب الحیران فی الاستعانۃ باولیاء الرحمان
انبیاء سابقین اور بشارات سید المرسلین
تنویر الابصار بنور النبی المختار
دی ہولی بائبل اور شان انبیاء میں گستاخیاں

Printed By: M.Saghir Dina 0344-5751600, 0300-9536420

Adnan Graphic 0321-4374818, 0300-4354027

اہل السنہ پبلی کیشنز دینہ ضلع جہلم
Phone: 0321-7641096

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari